خطباتِ طاہر

خطباتِ جمعہ ۱۹۹۴ء

فرمودہ

سیّدنا حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع
رحمہ اللہ تعالیٰ

جلد ۱۳

طاہر فاؤنڈیشن

نام کتاب	....	خطبات طاہر جلد نمبر 13
بیان فرمودہ	....	حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ
اشاعت	....	طبع اول دسمبر 2014ء
ناشر	....	طاہر فاؤنڈیشن
مطبع	....	ضیاء الاسلام پریس ربوہ



تاریخ احمدیت کا ایک سنگِ میل، MTA انٹرنیشنل کا باقاعدہ آغاز (1994ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے ادارہ طاہر فاؤنڈیشن احباب جماعت کی خدمت میں خطبات طاہر کی چودھویں جلد پیش کرنے کی سعادت پا رہا ہے۔ الحمدللہ علی ذالک۔

خطبات طاہر کی یہ جلد سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے 1995ء کے باون معرکۃ الآراء اور پُر از معارف خطبات جمعہ پر مشتمل ہے۔

حضور انورؒ نے گزشتہ سال 1994ء میں MTA انٹرنیشنل کا باقاعدہ آغاز کرتے ہوئے اور احباب جماعت کی یک رنگ تربیت کے کام کا عالمی آغاز ذکر الٰہی کے مضمون سے کیا تھا۔

''میری نصیحت جماعت کو یہ ہے کہ حضور اکرمؐ کے ذکر کو غور سے پڑھ کر اس میں ڈوب کر اس کی گہرائی سے نئے نئے موتی تلاش کیا کریں اور اپنے ماحول میں پھر اس ذکر کو چلایا کریں۔۔۔پس میں جماعت کو یہ نصیحت کرتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ اکثر دل میں ذکر تو کرتے ہی ہوں گے کہ احمدی ذکر سے خالی نہیں ہیں مگر اپنی مجالس کو ذکر سے سجائیں۔۔۔آنحضرت ﷺ کی زندگی کے مشاغل کے ساتھ ساتھ ذکر چلتا تھا۔اس کے لئے کوئی الگ بیٹھ کر، ایک طرف ہو کر، خدا کو یاد کرنے کے لئے وقت نکالنے کی ضرورت نہیں۔ (خطبہ جمعہ فرمودہ 14 /جنوری 1994ء)

اسطرح آپ نے اپنے خطبات میں خوب کھول کر وضاحت فرمادی کہ

''پس حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نصیحتوں کو غیر معمولی اہمیت دیں آپ کی چھوٹی چھوٹی نصیحتوں میں بھی قیامت تک کے لئے بنی نوع انسان کی امن کی ضمانتیں دی گئی ہیں اس ضمانت کے نیچے آجائیں، اسی کا سایہ ہے جو امن بخشے گا (خطبہ جمعہ فرمودہ 8 /اپریل 1994ء)

حضورؒ نے اپنے خطبات میں اخلاق محمدیؐ کو حبل اللہ اور آب حیات قرار دیتے ہوئے

جھوٹ، بددیانتی، لین دین کے معاملات، بدظنی غیبت، چغل خوری، حسد جیسی برائیوں سے بچانے کے لئے متعدد خطبات ارشاد فرمائے جو اس جلد کی زینت ہیں اور نصیحت فرمائی کہ **اللہ کی رسی کو تھامے بغیر متفرق اور منتشر قومیں اکٹھی نہیں ہوا کرتیں۔ پس اس نعمت کی قدر کرو اور کسی قیمت پر بھی حقیقت میں جان بھی جائے تو اس رسی کو ہاتھ سے جانے نہ دو**

جلد ھذا میں خطبہ جمعہ فرمودہ 17/ جون میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو حکم وعدل کے طور پر پیش کرتے ہوئے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور صحابہ رضوان اللہ علیہم کے عظیم الشان مقام بیان فرمایا نیز گستاخی رسول کے قانون پر تبصرہ کرتے ہوئے تین پر معارف خطبات ارشاد فرمائے ہیں جو حالات حاضرہ کے حوالہ سے خاص اہمیت کے حامل ہیں۔

سال 1994ء میں کسوف وخسوف کے نشان پر سو سال پورے ہوئے، ریس ازم جیسی تحریک کے خلاف عظیم جہاد کا اعلان، نو مبائعین کی کلاسز کے اجراء کی تحریک، راولپنڈی میں احمدیہ مسجد کے مسمار کرنے کا واقعہ، احمدیہ مسلم ٹیلی وژن کے ارتھ سٹیشن اور احمدیہ بیت الذکر امریکہ کے افتتاح کا تفصیلی ذکر ان خطبات میں ملے گا جو تاریخ احمدیت کے لئے موجب زینت ہے۔

خلافت احمدیہ کے تا قیامت جاری رہنے کے حوالہ سے فرمایا۔

> **”مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو خلافت دی گئی ہے محمد رسول اللہ ﷺ کی حکومت کو قیامت تک جاری کرنے کے لئے دی گئی ہے اور اس لئے یہ وہم دل سے نکال دو کہ خلافت رابعہ آخری دور ہے۔ خلافت رابعہ آئندہ آنے والے حالات کے لئے جو آسمان سے تقدیریں رونما ہو رہی ہیں ان کے لئے ایک پیش خیمہ بن گئی ہے۔**(خطبہ جمعہ 5/ اگست 1994ء)

یہ خطبات حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی تبحر علمی کے آئینہ دار ہیں۔ ان خطبات جمعہ کی تدوین کے لئے حضور رحمہ اللہ کے خطبات کی آڈیو کیسٹس اور ہفت روزہ ”بدر“ قادیان سے استفادہ کیا گیا ہے۔ تدوین کے دوران خطبات جمعہ میں ضروری حوالہ جات دے دیئے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان سب احباب کو جزائے خیر عطا فرمائے جنہوں نے کسی نہ کسی رنگ میں جلد ھذا کی تیاری میں معاونت فرمائی ہے۔ فجزاھم اللہ احسن الجزا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ طاہر فاؤنڈیشن کی اس پیشکش کو قبول فرمائے، اس علمی، روحانی اور تاریخی خزانہ کو لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بنائے اور ہمیں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے علمی فیضان کو جاری رکھنے اور اسے لوگوں تک پہنچانے کی توفیق عطا فرماتا چلا جائے۔ آمین۔

خاکسار

مظفر أحمد ظفر

چیئرمین طاہر فاؤنڈیشن

فہرست خطبات

نمبر شمار	خطبہ جمعہ فرمودہ	عنوان	صفحہ نمبر

انٹرنیشنل ٹیلی ویژن کا باقاعدہ آغاز

حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر الٰہی کا عظیم الشان نمونہ

(خطبہ جمعہ فرمودہ 7 رجنوری 1994ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے مندرجہ ذیل آیات کریمہ تلاوت کیں۔

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ﴿۱۹۱﴾ الَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوۡدًا وَّ عَلٰی جُنُوۡبِهِمۡ وَ یَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبۡحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۲﴾ (آل عمران 192-191)

پھر فرمایا:۔

الحمدللہ کہ آج وہ جمعہ کا دن آیا جس کی بہت دیر سے دل میں تمنا تھی اور ایک مدت سے انتظار تھا کہ آج خدا کے فضل کے ساتھ انٹرنیشنل احمدیہ مسلم ٹیلی ویژن کا باقاعدہ آغاز ہو رہا ہے۔ وہ جو جمعہ کا خطبہ پہلے ہر جمعہ سنایا جاتا تھا وہ اگرچہ اسی ٹیلی ویژن کے ذریعے تھا لیکن یہ سروس روزمرہ کے طور پر ابھی جاری نہیں ہوئی تھی۔ الحمدللہ کہ جو خوشخبری میں نے ماریشس کی سرزمین سے دی تھی۔ آج انگلستان کی سرزمین سے یہ اعلان کرنے کی توفیق مل رہی ہے آج سے باقاعدہ مسلم ٹیلی ویژن احمدیہ کی روزانہ سروس کا آغاز ہو چکا ہے۔ یورپ میں ساڑھے تین گھنٹے یا تین گھنٹے روزانہ اور باقی ایشیا اور

افریقہ وغیرہ میں روزانہ بارہ گھنٹے کا پروگرام چلا کرے گا۔ شروع میں یہ پروگرام تجرباتی ہیں یعنی پروگرام تو مستقل ہیں۔ لیکن تجرباتی ان معنوں میں کہ ہماری تمام ٹیمیں نو آموز ہیں، انہیں اس کام کی با قاعدہ کوئی تربیت نہیں دی گئی اور جو بے شمار روپے کی ضرورت پیش آتی ہے، وہ ہمارے پاس نہیں ہے۔ اخلاص کی دولت ہے، دعاؤں کی مدد سے، اس اخلاص کو عمل میں ڈھالتے ہیں۔ اور جو کچھ بھی اس کے نتیجہ میں پیدا ہوگا، مجھے امید ہے کہ بابرکت ہوگا اور جماعت کی تربیت ہی کے لئے نہیں۔ بلکہ سب دنیا کے لئے بھی ٹیلی ویژن کے ذریعے تربیت کے ایک نئے دور کا آغاز ہو جائے گا۔ کہیں دنیا میں ٹیلی ویژن کو ان اعلیٰ مقاصد کے لئے استعمال نہیں کیا گیا۔ جن اعلیٰ مقاصد کے لئے اب اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت احمدیہ کو ایک ٹیلی ویژن کے نئے دور کے آغاز کی توفیق مل رہی ہے۔

مختلف جماعتوں کو لکھا گیا تھا اور پیغامات برقی بھی ٹیلیفون کے ذریعے بھی بھجوائے گئے کہ جلد از جلد اپنے پروگرام بنا کر بھجوائیں کیونکہ سب دنیا کے مختلف خطوں کی مختلف ضروریات ہیں۔ مختلف زبانوں کی مختلف ضروریات ہیں اور یہاں بیٹھے ان سب کی ضروریات کا اندازہ لگا کر پھر ان کی زبانوں میں ان کے پیغامات دینا ممکن نہیں ہے۔ جس حد تک آپ کا ملک بیدار ہوگا جماعتی لحاظ سے اس حد تک اس ملک کے فائدے کے انتظامات ہوں گے تو اس لئے اگر کوئی سستی کریں گے تو آپ کا نقصان ہے، عالمگیر نقصان ہے بھی لیکن خصوصیت سے آپ کا نقصان ہے۔

اس ضمن میں سب سے خوشی کی بات یہ ہے کہ بنگلہ دیش نے ساری جماعتوں پہ اس معاملے میں سبقت حاصل کر لی ہے اور پہلا پروگرام جو ہمیں پہنچا ہے بنگلہ زبان میں ہے اور جماعت احمدیہ بنگلہ دیش کی طرف سے ہے۔ کئی ویڈیوز انہوں نے بڑی جلدی میں مگر عمدگی سے تیار کی ہیں رفتہ رفتہ انشاء اللہ جوں جوں تجربہ بڑھتا جائے گا خدا کے فضل کے ساتھ پروگرام زیادہ دیدہ زیب ہوتے چلے جائیں گے اور خوب صورت ہوتے چلے جائیں گے۔

جہاں تک مستقل نوعیت کے تعلیمی و تربیتی پروگراموں کا تعلق ہے۔ ان پر بھی کام ہو رہا ہے لیکن کچھ وقت لگے گا جونہی اتنے پروگرام تیار ہو گئے کہ یہ امکان ہوا کہ سلسلہ ٹوٹے بغیر ہم ان کو جاری رکھ سکیں گے تو ہم انشاء اللہ ان کو شروع کر دیں گے۔ زبانوں پر بھی بڑے زور سے کام ہو رہا ہے۔ علاقائی حالات پر ان کے خوبصورت مقامات اور جانوروں اور پرندوں وغیرہ کے اوپر اس قسم کے سبھی

کام شروع ہو چکے ہیں۔ انگلستان غالباً اس معاملے میں سب سے آگے ہیں۔ رفیق حیات صاحب کی ٹیم ماشاء اللہ دن رات بڑی محبت سے کام کر رہی ہے۔ سارے دنیا کے پروگراموں کو ترتیب دینے میں اس پہلو سے جماعت UK کو اللہ تعالیٰ نے یہ فضیلت بخشی ہے اور سبقت عطا فرمائی ہے کہ ان سب کاموں کا سب سے بڑا بوجھ جماعت UK نے اٹھایا ہے۔ کل جب یہاں ہماری وہ وَین آئی جس کے ذریعے ہم براہ راست دنیا میں کسی جگہ سے بھی خود اپنے پروگرام اٹھا کر سیاروں تک پہنچا سکتے ہیں اور جب میں وہ Van دیکھنے کے لئے گیا تو بتایا گیا کہ یہاں UK کے خدمت کرنے والے بھی موجود ہیں، ان کو بھی دیکھیں۔ میں یہ دیکھ کے بہت خوش ہوا کہ لڑکوں کی ٹیمیں بھی اور لڑکیوں کی ٹیمیں بھی دن رات مگن ہیں اور بہت محنت سے اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ سلیقے کے ساتھ کاموں کو سنوار رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

سب سے پہلا بیرونی مبلغ جو دنیا میں بھجوایا گیا تھا وہ غالباً انگلستان تھا اور اس کے بعد ماریشس کی باری آتی ہے تو ان دو باتوں میں بھی ماریشس اور انگلستان کا تعلق قائم ہوا ہے۔ ماریشس اگرچہ اعلان میں پہلے ہے لیکن کام کو ترتیب دینے اور سب سے نمایاں حصہ لینے میں لازماً UK دنیا میں سب سے پہلا ہے۔ یہ دونوں اعزاز اِن دونوں جماعتوں کو اللہ تعالیٰ بہت بہت مبارک فرمائے۔

اب میں چند کلمات میں ماریشس کی جماعت کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ اس دورے کے عرصے میں ہم نے ان کو بہت ہی مخلص اور محنتی اور فدائی پایا اور بڑے وسیع تعلقات، بڑے وسیع رابطے قائم ہوئے ہیں۔ شاید ہی کوئی ملک ایسا ہو جس کی تقریباً ہر بڑے چھوٹے مرد عورت بچے سے ملاقات ہوئی ہو اور انہوں نے دن رات اپنے اپنے حصے کے اوقات میں باری باری آ کے ملاقات کی ہو، کچھ جگہ ہمیں بھی جانا پڑا۔ مجھ پر جو عمومی تاثر ہے وہ یہ ہے کہ خدا کے فضل سے جماعت کے اندر اخلاص کا معیار بہت نمایاں ہے اور ہر طرف ہر جگہ ہے یعنی یہ نہیں کہ کوئی جماعت پیچھے ہے، کوئی آگے ہے۔ تمام جماعتوں میں، مردوں عورتوں اور بچوں میں خدا کے فضل کے سلسلے سے بہت محبت ہے اور اپنے بزرگ مربیوں کو بھی بڑے پیار اور محبت سے یاد رکھتے ہیں۔ اول سے آخر تک ان کی یادیں نسلاً بعد نسل منتقل کی جارہی ہیں اور یہ پہلو مجھے ان کا بہت ہی پیارا لگا کہ اپنے ان محسنین کو یاد رکھتے ہیں جن کے ذریعے خدا تعالیٰ نے ان کے مقدر جگائے اور خدا کے فضل سے ان کو احمدیت کی آغوش میں آنے

کی توفیق ملی۔ باقی دنیا کی جماعتوں کو بھی یہ ضرور کرنا چاہئے۔ انگلستان کی جماعت کو بھی اپنے ابتدائی خدمت کرنے والوں کے ذکر کو زندہ رکھنا چاہئے اور جس طرح وہاں میں نے دیکھا ہے کہ ہر خاندان میں وہ ذکر چلتے ہیں۔ اور کسی کا نام اگر اولین مبلغین میں سے کسی نے رکھا تھا تو وہ ضرور فخر سے بتاتا تھا کہ میرا نام حافظ جمال احمد صاحب نے رکھا، میرا نام فلاں نے رکھا، میرا نام فلاں نے رکھا اور اس طرح مجھے ان سے کچھ تعلیم حاصل کرنے کی توفیق ملی۔ یہ جو عام تذکرے ہیں یہ نیکیوں کو زندہ رکھنے میں مددگار بنتے ہیں۔ اس لئے جہاں زندہ مبلغین کے ساتھ رابطہ ضروری ہے وہاں فوت شدہ مبلغین کے ذکر کو زندہ کرنا بھی ضروری ہے۔ **اذکروا محاسن موتاکم** (ترمذی کتاب الجنائز حدیث نمبر: 940)۔ کو ضرور پیشِ نظر رکھیں اس میں بہت فائدے ہیں۔ باقی دنیا کی جماعتیں بھی ایسے پروگرام بنائیں کہ ابتدائی خدمت کرنے والے چاہے وہ سلسلے کے باقاعدہ مبلغ تھے یا انفرادی طور پر آکر فیض پہنچانے والے تھے ان سب کے ذکر کو زندہ کریں اور اپنی جماعت میں ان کو عام کریں۔

جماعت ماریشس کا میں تمام عالمگیر جماعتوں کی طرف سے بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ انہوں نے بہت محبت اور محنت کے ساتھ بڑے خلوص کے ساتھ پروگرام مرتب کئے اور بہت غیر معمولی محنت کی ہے اور پھر بھی تھکے نہیں۔ بڑی بشاشت کے ساتھ آخر وقت تک وہ غیر معمولی کوشش کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

آج کے مبارک جمعہ میں جو مختلف اجتماعات ہو رہے ہیں جن کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ اول جماعت احمدیہ سرگودھا شہر کا جلسہ سالانہ آج منعقد ہو رہا ہے۔ پھر تحصیل بھلوال کی جماعتوں کا جلسہ سالانہ بھی آج ہی منعقد ہو رہا ہے۔ لندن ریجن کی مجلس اطفال الاحمدیہ کا ایک روزہ اجتماع پرسوں منعقد ہو رہا ہے۔ بعض عرب جماعتوں کے انصار، خدام، لجنات اور ناصرات کے اجتماعات 9 /جنوری کو منعقد ہو رہے ہیں۔ جماعت احمدیہ ضلع میرپورخاص کا پانچواں جلسہ سالانہ 13 /جنوری کو منعقد ہو رہا ہے انہوں نے بھی آج ہی ذکر کرنے کی درخواست کی ہے۔ ان سب کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ تعالیٰ یہ سارے اجتماعات مبارک فرمائے اور اب جو بھی اچھے اجتماعات ہوں، اگر ممکن ہو تو ان کی ویڈیوز بھی محفوظ کر لینی چاہئیں۔ ماریشس کی ویڈیوز جو تھیں وہ اب یہاں آپ کو دکھائی گئی ہیں۔ باقی دنیا کو بھی دکھائی جا رہی ہیں۔ اسی طرح یہ سارے اجتماعات جھلکیوں کے طور پر عالمی بن

جائیں گے۔ دنیا میں جہاں بھی اجتماعات ہو رہے ہیں چھوٹی یا غریب جماعت ہو، بڑی یا مخلص جماعت ہو کوئی بھی ہو دنیا کے کسی خطے سے تعلق رکھتی ہو، اس کے اپنے کچھ رنگ ہیں، سب جماعتوں کی اپنی خوشبوئیں ہیں اور ان کی آوازیں بھی اپنا ایک خاص اخلاص اور پیار کا رنگ رکھتی ہیں، ان کی زبانیں بھی ایک کشش رکھتی ہیں۔ احمدیت کے گلدستے میں یہ سارے پھول اللہ نے سجا دیئے ہیں اور خدا کرے یہ گلدستہ بڑھتا چلا جائے۔ ان پھولوں کی خوشبوؤں اور رنگوں کو ہم اس عالمی پروگرام کے ذریعے سب دنیا تک پہنچاتے رہیں۔ اس سے ایک بین الاقوامی اخوت کی فضا پیدا ہوگی اور مضبوط تر ہوتی چلی جائے گی، رابطے مضبوط تر ہوتے چلے جائیں گے اور ساری دنیا کی جماعتوں کو احساس ہوگا کہ ہم کیا ہیں۔ کتنی وسیع عالمگیر جماعت سے ہمارا تعلق ہے، اور ہمیشہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ الہام یاد آتا رہے گا کہ

”میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔“ (تذکرہ:260)

میں اس میں ہمیشہ ”میں“ کے لفظ پر زور دیتا ہوں۔ عام طور پر جب پڑھنے والے پڑھتے ہیں تو میں ”تیری“ ”تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا یا ”کناروں“ پہ زور دیتے ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس میں ”میں“ پر زور ہے کہ دنیا سے کیا ہونا ہے، میں پہنچاؤں گا۔ دنیا تو مخالفت پر زور مارے گی اور تیرے ماننے والوں میں بھی اتنی توفیق کہاں ہے کہ وہ خود اپنی طاقت سے اس پیغام کو دنیا تک پہنچا سکیں۔ میں ہوں جو پہنچاؤں گا اور آج دنیا میں ہم انٹرنیشنل ٹیلی ویژن کے ذریعے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پیغام کو پہنچا رہے ہیں۔ یہ اللہ ہے جو پہنچا رہا ہے، اس میں ہماری کوششوں کا اگر دخل ہے تو محض ہم بہانہ بنائے گئے ہیں ورنہ حقیقت میں یہ سارے بڑے کاروبار اور بندوبست ہمارے بس کی بات نہیں تھی اور نہیں ہے اگر اللہ کا فضل اٹھ جائے تو سارے پروگرام بے کار اور بے معنی اور بے حقیقت ہو کے رہ جائیں گے۔ ہمیں ان بارہ گھنٹوں کو خوب صورتی سے مفید چیزوں سے بھرنے کی توفیق ہی نہیں ملے گی کیونکہ بہت بڑا کام ہے۔ اللہ کا فضل ہی ہے جو ساتھ ساتھ نازل ہوتا رہے، مسلسل ساتھ دے اور اسی کی رحمتوں کے سائے تلے یہ پروگرام آگے بڑھیں۔

آج کا مبارک جمعہ وہ جمعہ بھی ہے جس میں پہلی مرتبہ باقاعدہ ”الفضل انٹرنیشنل“ کا اجراء ہو چکا ہے اور چودھری رشید احمد صاحب اور ان کے ساتھیوں نے ماشاء اللہ بڑی محنت سے ایک بہت

خوب صورت پیش کش کی ہے جو ہر ہفتے انشاء اللہ سب دنیا کی جماعتوں کو پہنچتی رہے گی اور اس سلسلے میں اگر چہ شروع میں قیمت 50P رکھی گئی ہے لیکن یہ غریب ملکوں کے لئے زیادہ ہے اور یہاں بھی اگر نسبتاً کم پہ مہیا ہو سکے تو بہت بہتر ہے۔ اس کے لئے ہم نے ایک الگ ٹیم بنائی ہے جو اشتہارات اکٹھے کرے گی۔ اس ٹیم میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے اچھے قابل تجربہ کار یا ویسے جوش رکھنے والے نوجوان ہیں اور میں امید رکھتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ اس ٹیم کے ذریعے جوں جوں ہماری آمد بڑھے گی۔ ہم ایک وقت ایسا آئے گا کہ چندے کو کم کرنا شروع کر دیں گے اور کوشش کریں گے کہ جیسا کہ ہمیشہ سے دستور رہا ہے اصل ''الفضل'' کبھی بھی منافع کمانے کا ذریعہ نہیں بنا بلکہ کوشش یہی رہی ہے کہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جائے تو الفضل بھی اور ''ریویو'' بھی اگر اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں تو ہم پر یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے اور نعمت ہے اور اس پہلو سے انشاء اللہ خریداروں پر بوجھ کم کرنے کی کوشش کی جاتی رہے گی۔

''ریویو'' کے متعلق ایک ہفتے کی تاخیر کا مجھے بتایا گیا ہے۔ بعض فنی مشکلات کی وجہ سے اس کے چھپوانے میں دیر ہو رہی ہے، اس لئے آج کی بجائے وہ اگلے ہفتہ انشاء اللہ شائع ہوگا لیکن وہ چونکہ ماہانہ رسالہ ہے اس لئے چند دن یا ہفتوں کی تاخیر سے کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا۔ آئندہ کے لئے ان کا خیال ہے اور امید ہے کہ باقاعدہ ہر مہینے کے آغاز میں وہ ''ریویو'' شائع کر دیا کریں گے۔ مضامین اگلے ریویو کے لئے بھی تیار ہیں اور اس کو چھپوانے کی تیاری بھی شروع ہو چکی ہے۔ امید رکھتا ہوں کہ آئندہ انشاء اللہ یہ سلسلہ جاری رہے گا لیکن مجھے ''ریویو'' کے متعلق جو فکر ہے وہ اس کی اشاعت کی ہے۔ دس ہزار کی تعداد میں ہم نے شائع تو کر دیا یعنی ہو رہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ وہ احمدی جو انگریزی دان ہیں اور اس سے استفادہ کر سکتے ہیں، ان کے علاوہ غیروں تک پہنچانے کا کیا انتظام ہوگا۔ اس سلسلے میں سب دنیا میں ایسے دانشور، صاحبِ اثر مخلصین خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں لیکن مخلص ان معنوں میں کہ دل کے سچے ہوں ایسے لوگوں کی تلاش ہونی چاہئے۔ یہ جو مخلص کا لفظ میں نے استعمال کیا ہے یہ ہر انسان پر برابر صادق آتا ہے خواہ وہ دنیا کے کسی حصے سے تعلق رکھتا ہو، کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو اگر وہ اپنے قول کا سچا ہے تو دیکھنے میں فوراً اپتا چل جاتا ہے کہ کس مزاج کا، کسی سرشت کا انسان ہے۔ مخلصین ہی ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں متقین کے طور پر آغاز میں کیا

ہے کہ ھُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝

یہ وہ لوگ ہیں جو دل میں ایک قسم کا خدا کا خوف رکھتے ہیں یعنی سچے لوگ ہیں ان کو ضرور ہدایت ملتی ہے چونکہ ''ریویو'' کو سب دنیا کی ہدایت کے لئے جاری کیا جارہا ہے اس لئے پہلے بھی میں نے بارہا تاکید کی کہ محض زیادہ پتے اکٹھے کرنے کے مقابلے نہ کریں کہ جرمنی دو ہزار دے دے اور بنگلہ دیش تین ہزار بھیج دے کہ جی ہم نے زیادہ پتے اکٹھے کر لئے ہیں۔ پتے اکٹھے کرنا تو ہرا یرے غیرے کے قبضے میں ہے کوئی ڈائریکٹری اٹھالے اور جتنے مرضی پتے اکٹھے کرلے۔ ہمیں ایسے اندھے پتوں کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں ضرورت ہے ایسے انسانوں کے پتوں کی جو صاحبِ علم بھی ہوں۔ اپنی زندگی کے دائرے میں ایک مقام رکھتے ہوں، ان کی آواز دوسروں تک پہنچ سکے اور عموماً جن کے متعلق یہ خیال ہو کہ وہ اچھے مزاج کے لوگ ہیں، شریف النفس لوگ ہیں، قول کے سچے ہیں۔ ان تک اگر ''ریویو'' پہنچا تو میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ کے فضل کے ساتھ ایک دو سال کے اندر ''ریویو'' کے ذریعے ہی بہت ہی بالا طبقے سے تعلق رکھنے والی ہزارہا بیعتیں آنی شروع ہو جائیں گی اور پھر ان کے ذریعے سے یہ روشنی اور بھی پھیلے گی۔ آپ سب سے پہلے تو پتا جات حاصل کرنے میں جلدی کریں جس طرح میں نے بتایا ہے اس طرح حاصل کریں۔ پھر ساتھ ہی اس کے بجٹ کی طرف بھی توجہ کریں جن جن جماعتوں میں لوگ اپنے طور پر ''ریویو'' لگوا سکتے ہیں وہ کوشش کریں اور ہمیں لکھ دیں کہ ہم اتنے ''ریویو'' کا چندہ ضرور دیں گے لیکن ہمیں ضرورت زیادہ ہے۔ ہم انشاء اللہ زائد ضرورت پوری کریں گے اور جو چندہ ان کی طرف سے ملے گا وہ شکریہ کے ساتھ قبول کریں گے۔ اس طرح انشاءاللہ تعالیٰ ''ریویو'' کو بھی مفید اور وسیع دائرے پر اثر رکھنے والا رسالہ بنائیں گے۔

جہاں تک ٹیلی ویژن کا تعلق ہے اس کے لئے ابھی تک اشتہارات آنے کا سلسلہ شروع نہیں ہوا اور میں سمجھتا ہوں کہ تمام ملک اپنے طور پر جائزہ لیں انٹر نیشنل احمدیہ ٹیلی ویژن کو لوگوں سے پہلے واقف کروانا ہے۔ بہت بڑے بڑے کاروبار والے لوگ ہیں اگر ان کو یہ پتا ہو کہ ایک انٹرنیشنل ٹیلی ویژن ہے جس کو بڑے انہماک سے مختلف دنیا کے ملکوں میں دیکھا جاتا ہے تو پورے تعارف اور اچھے تعارف کے نتیجے میں کئی ایسے کاروباری ادارے ہیں جو اشتہار دے سکتے ہیں۔ کئی ایسے ادارے ہیں جو زیادہ وقت خریدنا چاہیں گے مثلاً اشتہار دینے کی بجائے وہ گھنٹہ دو گھنٹے روزانہ خریدنا چاہیں گے

پھر وہ جس طرح چاہیں اسے استعمال کریں۔ دنیا کے ٹیلی ویژن کی اخلاقی حالت پر ہمارا تو کوئی اختیار نہیں ہے مگر ہم پھر احمدیہ ٹیلی ویژن کے نام پر نہیں بلکہ اپنا کچھ زائد وقت ان کو بیچ دیں گے اس ضمن میں ہمارے پاس مزید گنجائش بھی ہے اور ہم اور بھی وقت خرید سکتے ہیں تو ان سے جو فائدہ پہنچے گا وہ ہم انشاءاللہ تعالیٰ اس روپے کو دنیا کی اخلاقی حالت کو بہتر بنانے کے لئے استعمال کریں گے۔

ٹیلی ویژن کی جو ٹیم جسوال برادران کی ہمارے پاس کام کر رہی ہے۔ وہ بے حد محنت کر رہے ہیں جو کچھ ان کا ہے سب ڈال بیٹھے ہیں۔ مزید طاقت نہیں رہی جو پیش کر سکیں اور وہاں ماریشس میں بھی ماشاءاللہ غیر معمولی ہمت اور محنت اور اخلاص سے انہوں نے پروگرام تیار کئے مگر کام بڑھ چکا ہے ان کے بس میں نہیں رہا۔ اپنا مرکزی کردار تو انشاءاللہ یہی سنبھالے رکھیں گے لیکن ارد گرد کے مؤیّدین اور مدد کرنے والوں کی ضرورت ہے وہ بہت زیادہ پھیل رہی ہے جس طرح انگلستان کی جماعت نے لبیک کہا ہے میں امید رکھتا ہوں کہ باقی دنیا کی جماعتیں بھی اس طرح Soft Programing کے سلسلے میں یعنی ٹیلی ویژن پر دکھائے جانے والے مختلف نوعیت کے اچھے پروگرام بنانے کے سلسلے میں اپنی اپنی کوششیں بڑھائیں گے اور زیادہ سے زیادہ قابل لوگوں کو ٹیموں کی صورت میں ان کاموں میں منہمک کریں گے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

ذکرِ الٰہی کے سلسلے میں مَیں نے گزشتہ سے پیوستہ خطبہ میں جو ذکر کیا تھا کہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ ہر موقع اور محل کی مناسبت سے ذکر فرمایا کرتے تھے اور ذہن ایسے حیرت انگیز طریق پر اتنی باریکی سے مضامین کی تہہ میں اتر تا تھا کہ عام حدیث کو پڑھنے والا انسان سوچ بھی نہیں سکتا کہ اس میں کیا کیا فلسفے کیا کیا حکمت کی باتیں پوشیدہ ہیں اور موقع سے کیا تعلق ہے عموماً لوگ سرسری طور پر حدیث پڑھ کے آگے گزر جاتے ہیں حالانکہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کا کلام کلام الٰہی کے بعد سب سے زیادہ گہرائی رکھتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ چلنے کی کوشش کرتا ہے اس لئے آنحضرت ﷺ کے ذکر کے مضمون کو میں بیان کر بھی دوں تو یہ ذکر مکمل نہیں ہوسکتا میری نصیحت جماعت کو یہ ہے کہ حضور اکرمؐ کے ذکر کو غور سے پڑھ کر اس میں ڈوب کر اس کی گہرائی سے نئے نئے موتی تلاش کیا کریں اور اپنے ماحول میں پھر اس ذکر کو چلایا کریں۔

اب مثلاً کھانے کے متعلق میں نے بیان کیا تھا، کھانا اٹھایا جا رہا ہے تو آنحضرت ﷺ کیا

ذکر فرماتے ہیں۔ وہ زبانی تو بتایا تھا۔ حدیث غالباً میں نے نہیں پڑھی تھی۔ وہ حدیث ترمذی ابواب الدعوات سے لی گئی ہے۔

حدثنا محمد بن بشار اخبر یحی ابن سعید اخبرنا ثور ابن سعید اخبرنا ثور بن یزرد اخبرنا خالد بن معدان عن ابی امامة قال: کان رسول اللهﷺ اذا رفعت المائدة من بین یدیه یقول الحمد لله حمدًا کثیرا طیبا مبارکا فیه غیر مودع ولا مستغنی عنه ربنا. هذا حدیث حسن صحیح. (ترمذی کتاب الدعوات حدیث نمبر:3378)

یہ الفاظ اب اردو میں پڑھتا ہوں۔ حضرت ابی عمامہؓ سے روایت ہے یعنی آخری روایت حضرت ابی عمامہؓ کی طرف سے ہے کہ آنحضرتﷺ کے آگے سے دسترخوان اٹھایا جاتا تو یہ دعا کرتے ''تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔ بہت زیادہ تعریفیں۔ بہت زیادہ پاکیزہ اور برکت والی۔ تجھے ترک نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی تجھ سے بے نیاز ہو سکتے ہیں۔'' یعنی کھانا کھا بیٹھے اور نہ صرف یہ کہ اسے ترک کیا جاسکتا ہے اب بلکہ لازم ہے کہ ترک کریں اس سے زیادہ گنجائش نہیں ہے اور ایک زیادہ سے زیادہ کھانے والا بھی ایک مقام پر کہہ دے گا کہ بس اٹھالو اور پھر فرمایا اور نہ ہی تجھ سے بے نیاز ہو سکتے ہیں کیونکہ رزق کے تعلق میں ایک بے نیازی کے ہونے کا مضمون بھی ہے۔ وقتی طور پر کھانا اٹھایا جاسکتا ہے مگر مستقل بے نیاز نہیں ہو سکتے لیکن اللہ سے نہ عارضی بے نیازی ہے نہ مستقل بے نیازی ہے کیونکہ روحانی زندگی کی یہ ساری طاقت اللہ سے وابستہ ہے۔ پس آنحضرتﷺ ہر موقع اور محل کی مناسبت سے ایسا ذکر فرماتے تھے جس میں خود حضرت اقدس محمد مصطفیٰﷺ کی صداقت کے عظیم دلائل پوشیدہ ہیں۔ اب کسی ایسے شخص کو جس نے اپنی طرف سے افتراء کیا ہو اور اللہ کا مضمون گھڑا ہو اسے یہ توفیق مل ہی نہیں سکتی، اگر کوئی کہے کہ ہوسکتا ہے تو وہ جھوٹا اور پاگل ہے جو یہ کہہ سکتا ہے کہ ایک ایسا شخص جو افتراء کرنے والا ہے کھانا اٹھایا جا رہا ہے تو یہ باتیں سوچ رہا ہے۔ اس کے تو وہم وگمان میں بھی یہ باتیں نہیں آسکتیں عام طور پر دنیا میں جو اللہ والے ہیں ان کے ذہن بھی اس طرف نہیں جاتے تو ایک دہریہ اور مفتری کا دماغ کیسے ان باتوں کی طرف جاسکتا ہے۔ بڑے بڑے خدا والے ہیں بڑے بڑے انبیاء گزرے ہیں ان کی کتابوں کا مطالعہ کرلیں ان کی زندگی کے حالات دیکھ لیں

جس طرح ہر مرحلے، ہر موقع، پر ہر وقت کی اور ماحول کی اور مزاج کی تبدیلی کے وقت حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے اپنے رب کو یاد کیا ہے وہ ایک ایک پہلو نہ صرف اللہ کی عظمت کی نشاندہی کرتا ہے بلکہ آپ کی صداقت کے اوپر دلالت کرتا ہے۔ ایک سچے، گہرائی کے ساتھ پورے صدق کے ساتھ عاشق ہونے والے شخص کے سوا کوئی ایسے مواقع پر اپنے رب کو اس طرح یاد نہیں کرسکتا۔ یہ انسانی فطرت کے خلاف بات ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حوالے سے میں نے ذکر کیا تھا کہ آنحضرت ﷺ سجدہ کیسے کیا کرتے تھے، سجدے میں کیا کیفیت ہوا کرتی تھی اسی مضمون کی ایک اور حدیث ہے۔ حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ قرآن کریم کے سجدہ میں یہ دعا کرتے تھے ’’میرا چہرہ اس ذات کے لئے سجدہ ریز ہے جس نے اسے پیدا کیا۔ اس کی شنوائی کو بنایا اور اس کی بینائی کو بنایا۔‘‘ اب چہرے کے ساتھ دو بہت ہی اہم حواس خمسہ کے ذرائع وابستہ کر دیئے گئے ہیں اور چہرے میں اندر کا منہ شامل نہیں ہے۔ اس لئے حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے مزے کا ذکر نہیں فرمایا کیونکہ عربی زبان میں جو چہرہ ہے وہ باہر دکھائی دینے والا حصہ ہے۔ اس لئے ان دو کے تعلق میں آپؐ نے ذکر فرمایا کہ میرا چہرہ اس ذات کے لئے سجدہ ریز ہے جس نے اسے پیدا کیا، اس کی شنوائی کو بنایا اور اس کی بینائی کو بنایا اور پھر فرمایا وبحولہ وقوتہ اپنے حول کے ساتھ اور اپنی قوت کے ساتھ۔ (ترمذی کتاب الجمعہ حدیث نمبر: 529)۔

اب ایک عام پڑھنے والا سوچتا نہیں ہے کہ ’’حول‘‘ کا اس مضمون سے کیا تعلق ہے۔ ’’قوۃ‘‘ کا اس مضمون سے کیا تعلق ہے لیکن ذرا توقف کریں اور غور کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ بینائی اور شنوائی یہ دو چیزیں ہیں جن کے ذریعے انسان تمام خوف کی جگہوں سے بچ سکتا ہے۔ ہر قسم کے خطرات سے بچنے کا سب سے اہم ذریعہ جو جاندار کو عطا کیا گیا ہے وہ شنوائی اور بینائی ہے۔ اگر شنوائی اور بینائی نہ رہیں تو کسی خوف سے کوئی آزادی نہیں تو فرمایا: وبحولہ ’’حول‘‘ اس طاقت کو کہتے ہیں جو خطرات سے بچانے والی ہے تو دیکھیں حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی نگاہ کتنی گہرائی پہ اتری ہے۔ فرمایا میرا وہ چہرہ گو تیرے حضور سجدہ ریز ہے جس کو تو نے شنوائی اور بینائی عطا کی اپنے ’’حول‘‘ کے ساتھ یعنی اپنی ان قوتوں کے ساتھ جو ہر خطرے سے بچانے والی ہیں اور پھر فرمایا:

وبقوته بینائی اور شنوائی کے ذریعے انسان تمام منفعتیں حاصل کرتا ہے۔ اگر اندھا اور بہرہ ہو جائے تو کچھ بھی نہیں رہتا محض ایک سبزی کی طرح لاٹھ سی رہ جاتی ہے۔ اس کا کوئی وجود نہیں رہتا۔ تمام انسانی فوائد، تمام انسانی ترقیات سب سے زیادہ ان دو قوتوں یعنی شنوائی اور بینائی سے وابستہ ہیں۔

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بڑی گہرائی اور فکر کے ساتھ سوچنے کے بعد موقع اور محل پہ دعا مانگتے تھے۔ اس مضمون کے تعلق میں بات کیا کرتے تھے۔ فرمایا یہ میری آنکھیں بھی تیرے حضور سجدہ ریز ہو رہی ہیں۔ میرے کان بھی۔ اور تو ہی ہے جواب ان دونوں کی قوتوں کو بڑھا اور ان کو رفعتیں بخش، اور ایسے موقع پر پھر سُبحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کے مضمون میں ایک نئی شان پیدا ہوتی ہے ایک نئی بلندی پیدا ہوتی ہے۔ اللہ کی رفعتوں کے ساتھ سماعت کو بھی رفعت ملتی ہے۔ اللہ کی رفعتوں کے ساتھ بینائی کو بھی ایک رفعت ملتی ہے۔ پس حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ سے بہتر ذکر کرنے والا کبھی دنیا میں کوئی پیدا نہیں ہوا نہ ہو سکتا ہے۔ پس ذکر کرنے ہیں تو حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ سے سیکھیں۔

ابوداؤد کتاب الادب میں ایک یہ حدیث درج ہے۔ حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ جب شام ہو جاتی تو رسول کریمؐ یہ دعا کرتے کہ ہم نے شام کی اور تمام ملک نے اللہ کے لئے شام کی۔ اب یہ بظاہر ایک عام سا فقرہ ہے لیکن اس میں عام طور پر خاص بات دکھائی نہیں دے گی مگر آپ کو غور کرنا چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا تمام دنیا نے شام کی ہے۔ اس زمانے میں جو انسان کا دنیا کا تصور تھا وہ یہ تھا کہ ساری دنیا پر بیک وقت رات آتی ہے اور بیک وقت صبح آجاتی ہے اور حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ بھی اسی سوچ کے مطابق یہ فرما سکتے تھے کہ اللہ کی حمد بیان کرتے ہیں جس کے لئے ہم نے بھی شام کی اور ساری دنیا نے بھی شام کی۔ مگر آنحضورؐ یہ نہیں فرماتے۔ فرماتے ہیں ”اور ملک نے اللہ کے لئے شام کی“ اس کا مطلب ہے کہ آپؐ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے شعور عطا ہوا تھا کہ ہر ملک کی صبح الگ ہے ہر ملک کی شام الگ ہے۔ ایک ملک تو شام میں شریک ہو سکتا ہے اور چونکہ مراد ملک عرب تھا اس لئے عرب کی تو بہر حال ایک ہی شام تھی مگر ملکوں اور خطوں کی شامیں الگ الگ ہو سکتی ہیں۔ یہ مضمون واضح ہے کہ آنحضرت ﷺ پر روشن تھا۔ پس فرمایا جب شام ہو جاتی ہے۔ ”ہم نے شام کی اور تمام ملک نے اللہ کے لئے شام کی اور تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔ اللہ کے سوا کوئی

عبادت کے لائق نہیں۔ وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔'' فرماتے ہیں حکومت اسی کی ہے اور سب حمد اسی کو زیبا ہے، وہ ہر شئے پر قادر ہے۔ میں مانگتا ہوں خیر جو اس رات میں ہے'' یعنی اندھیروں سے صرف شر ہی تو وابستہ نہیں، خیریں بھی تو وابستہ ہیں۔ سکینت بھی ملتی ہے اور بہت سے فوائد ہیں جو ملتے ہیں جو اندھیروں سے وابستہ ہیں۔ فرمایا ''میں مانگتا ہوں خیر جو اس رات میں ہے اور خیر جو اس رات کے بعد آنے والی ہے اور اس رات کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور اس رات کے بعد کی برائی سے بھی، سُستی سے اور تکبر کی برائی سے میں آگ کے اور قبر کے عذاب سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔'' سستی سے اور تکبر کی برائی سے یہ دو باتیں خصوصیت سے میرے نزدیک رات کے مضمون سے تعلق رکھتی ہیں کہ رات چونکہ آرام کے لئے ہے اس لئے سُستی اور آرام کا آپس کا ایک رشتہ ہے اور آرام اگر زیادہ ہو جائے اور بے وجہ ہو جائے تو اسی کا نام سُستی ہے اور عموماً قومیں جو زیادہ آرام طلب ہو جاتی ہیں وہ تنزل اختیار کر جاتی ہیں۔ راتیں آرام کے لئے ہیں مگر اتنے آرام کے لئے کہ جو کھوئی ہوئی طاقتوں کو بحال کر دے۔ اگر نیند کو ایک عیش کا ذریعہ بنالیں تو وہ پھر سُستی طاری کر دیتی ہے اور ہر کام پر سُستی طاری ہو جاتی ہے۔ (ابوداؤد کتاب الادب حدیث نمبر: 4409)

پھر فرمایا ''تکبر''۔ تکبر کا رات کے ساتھ یا بدلتے ہوئے وقت کے ساتھ کیا تعلق ہے؟

میں سمجھتا ہوں کہ راتوں کے جو آرام ہیں ان میں متکبر جس جس قسم کی نعمتیں جس جس قسم کے محل اپنے لئے بناتے ہیں۔ اپنی راتوں کو جس طرح عیش و عشرت کا ذریعہ بناتے ہیں غالباً اس طرف اشارہ ہوگا کہ راتیں اپنے ساتھ متکبروں کے لئے خاص قسم کے پیغامات بھی لاتی ہیں۔ خاص قسم کے سامان فراہم کرتی ہیں اور ان کی راتوں کی زندگی خاص طور پر تکبر میں صرف ہوتی ہے اور سجدہ ریزی میں صرف نہیں ہوتی۔ وہ سمجھتے ہیں راتیں ہمارے عیش و عشرت کے لئے بنائی گئی ہیں اور امیر لوگ بعض علاقوں میں بعض دفعہ ساری رات جاگ کر ہر قسم کی گندگی میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ان کی رعونت اور ان کا تکبر کا سب سے زیادہ مظہر ان کی راتیں ہوتی ہیں۔ پس سُستی سے بھی نجات کے لئے دعا مانگی اور تکبر سے بھی نجات کے لئے اور بچنے کے لئے دعا مانگی۔ پھر فرمایا اور میں آگ کے عذاب سے اور قبر کے عذاب سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ آگ کے عذاب کا تعلق تو پہلی دونوں باتوں سے ہے یعنی شر والا پہلو بھی ہے رات میں اور اس کے بعد جو آنے والا ہے اس میں بھی شر کا پہلو ہے۔

سُستی کا پہلو بھی ہے، تکبر کا پہلو بھی ہے اور یہ دونوں باتیں انسان پر آگ واجب کر دیتی ہیں۔ اس لئے فرمایا کہ میں آگ سے پناہ مانگتا ہوں اور قبر کے عذاب سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

''قبر کے عذاب سے'' کا ذکر اس لئے فرمایا گیا ہے کہ نیند کو موت کے ساتھ ایک مشابہت ہے اور موت کی جو کیفیت قبر کی حالت میں ہوگی وہ ایک نیم جاگنے اور نیم سونے کی سی کیفیت ہے تو سوتے وقت کو قبر کے وقت کے مشابہ قرار دینا بھی ایک بہت فصاحت و بلاغت کا کلام ہے۔ سونے سے پہلے موت کا خیال آنا لیکن عارضی موت کا۔ ابھی پوری طرح موت اپنے تمام عوارض کے ساتھ آگے نہیں بڑھی۔ قبر کی حالت وہ ہے جو اگلی دنیا کے لئے پہلی تیاری کا حکم رکھتی ہے اور جس طرح ہمارے لئے نیند ہے اسی طرح اگلی دنیا کی جاگ سے پہلے قبر کی حالت ہے تو فرمایا میں قبر کے عذاب سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں۔

پھر ترمذی کتاب الدعوات ہی سے حذیفہ بن الیمان کی یہ حدیث لی گئی ہے وہ عرض کرتے ہیں کہ ''جب نبی کریمؐ سونے کا ارادہ فرماتے تو اپنے ہاتھ سر کے نیچے رکھتے اور پھر عرض کرتے۔ اے میرے اللہ مجھے اس دن کے عذاب سے بچانا جس دن تو اپنے بندوں کو جمع کرے گا یا اٹھائے گا۔'' (ترمذی کتاب الدعوات حدیث نمبر: 3320) اب اس کا بھی اسی مضمون سے تعلق ہے۔ سونے سے پہلے چونکہ انسان پر ایک قسم کی موت طاری ہونے والی ہوتی ہے۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا

(الزمر: 43) یہی مضمون ہے قرآن کریم کا جس کو حدیث میں مختلف دعاؤں میں ڈھالا جا رہا ہے کہ ہم ایسی حالت میں جا رہے ہیں کہ موت سے کچھ مشابہت ہو رہی ہے اور موت سے تعلق میں سب سے زیادہ پہلا خیال انسان کو قبر کے عذاب یا آگ کے عذاب کا آنا چاہئے کیونکہ یہی دو بدانجام ہیں جو انسان کو موت کے بعد ملا کرتے ہیں۔ تو بدانجام سے پناہ کے وقت پناہ حاصل کرنے کے لئے بہت ہی اچھا موقع ہے کہ سونے سے پہلے انسان یہ دعائیں کرے۔

پھر اسی کیفیت کی ایک اور دعا کتاب الدعوات ہی میں حذیفہ ابن الیمانؓ سے مروی ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ جب سونے کا ارادہ فرماتے تو کہتے ''اے اللہ تیرے نام کے ساتھ مرتا ہوں اور تیرے نام کے ساتھ جیتا ہوں''۔ یہاں بھی وہی مضمون ہے کہ ایک عارضی موت میں سے

انسان گزرنے والا ہے جو مستقل بھی ہوسکتی ہے کوئی پتا نہیں کہ پھر اٹھیں گے کہ نہیں اٹھیں گے۔ تو ہر دفعہ جب سونے لگے تو انسان موت کو ضرور یاد کرے اور موت سے پہلے جس طرح انسان گھبراہٹ میں دعائیں مانگتا ہے اور دنیا کو بھلا کر سب سے زیادہ خدا کی ناراضگی کے خوف سے بچنے کے لئے استغفار کرتا ہے وہی کیفیت ہر رات کو حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ پر طاری ہوتی تھی۔ باوجود اس کے کہ آپؐ کو ہر عذاب سے پناہ دی جا چکی تھی۔ پس اگر آنحضرت ﷺ بھی اپنے بارے میں ایسی احتیاط فرماتے تھے کہ عارضی موت سے پہلے بھی خدا تعالیٰ کی طرف گریہ وزاری سے متوجہ ہوتے اور آگ کے عذاب سے بچنے کی دعائیں کرتے تھے تو ایک عام گنہگار انسان کے لئے تو ہزار گنا زیادہ یہ واجب ہے کہ موت کے مشابہ ہر کیفیت سے پہلے وہ استغفار سے کام لے اور اللہ تعالیٰ کے حضور گریہ وزاری کرے اور آگ کے عذاب سے پناہ مانگے۔

آنحضورؐ فرماتے ہیں۔ ''اے اللہ تیرے نام کے ساتھ میں مرتا ہوں اور تیرے نام کے ساتھ جیتا ہوں۔'' اس میں صبح اٹھنے کی دعا بھی شامل ہوگئی ہے تیرے نام کے ساتھ روز مرتا ہوں یعنی رات کے وقت اور پھر تیرے نام کے ساتھ جیتا ہوں اور جب نیند سے بیدار ہوتے تو کہتے ''تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس نے مجھے مارنے کے بعد زندہ فرمایا اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔'' (ترمذی کتاب الدعوات حدیث نمبر: 3336)

پھر ترمذی کتاب الدعوات ہی سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ حدیث لی گئی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب رات بستر پر سونے کے لئے تشریف لاتے تو اپنے دونوں ہاتھ اکٹھے کر کے ان میں پھونک مارتے اور ان میں سورۃ اخلاص اور معوذتین پڑھتے اور پھر ان سے جس حد تک پہنچ سکتے جسم کا مسح فرماتے۔ (ترمذی کتاب الدعوات حدیث نمبر: 3324) بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ سارے جسم کے ہر حصے پر ہاتھ پہنچانا اور اس کو رگڑنا ضروری ہے یہ غلط ہے۔ آنحضرت ﷺ کے متعلق یہ حدیث ہے کہ وہ جس حصے تک آرام سے ہاتھ پہنچ سکتا تھا پہنچاتے باقی ہاتھ کا اشارہ ہی کافی سمجھتے تھے۔ سر اور چہرے سے شروع فرماتے اور جسم کے سامنے والے حصے پر زیادہ مسح فرماتے۔ یعنی یہ نہیں کہ اٹھ اٹھ کر پیچھے بھی ہاتھ پھیرے جائیں۔ بعض لوگوں کو میں نے دیکھا ہے جن کو اس حدیث کا پورا علم نہیں ہوتا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ الٹ پلٹ کر کے سارے بدن پر ہاتھ ملنے ضروری ہیں، یہ غلط طریق اور غیر فطری

طریق ہے۔ آنحضورؐ جسم کے سامنے والے حصے پر جہاں آسانی سے ہاتھ پہنچتے ہیں وہاں تک تبرکاً پھیرتے تھے اور ایک علامتی طور پر یہ بات فرمایا کرتے تھے۔ تین مرتبہ ایسا کیا کرتے تھے ورنہ دعا تو وہی تھی جو دل سے اٹھتی تھی اور فوراً اقبول ہو جایا کرتی تھی۔

حضرت انس بن مالکؓ کی روایت ہے یہ بھی ترمذی کتاب الدعوات سے لی گئی ہے کہ جب رسول کریم ﷺ بستر پر تشریف لے جاتے تو یوں خدا کا ذکر کرتے ''سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں کھلایا اور ہمیں پلایا اور ہمارے لئے کافی ہوا اور ہمیں پناہ دی اور کتنے ہی ہیں جن کے لئے کوئی ایسا وجود نہیں کہ ان کے لئے کافی ہو اور انہیں پناہ دے۔'' (ترمذی کتاب الدعوات حدیث نمبر :3318)

سارے دن کے مشاغل کے بعد رات کو دراصل نیند میں انسان تھکاوٹ سے پناہ مانگتا ہے۔ ہر قسم کی محنتوں کے بعد اور پھر ہر قسم کے خطرات سے جو پناہ بستر میں ملتی ہے ویسی پناہ کسی اور جگہ نصیب نہیں ہوتی۔ سب جانور بھی تھک کر جب اپنے آرام کی جگہ کو پہنچتے ہیں تو وہی ان کی پناہ گاہ بن جاتی ہے۔ آنحضرت ﷺ دن پر نظر کرتے ہوئے یاد فرماتے تھے کہ ہمیں اللہ نے کھانا کھلایا اللہ ہی نے پلایا اور ہمارے لئے کافی ہوا اور ان پر بھی نظر ڈالتے تھے جن کے لئے وہ کافی نہیں ہوا یعنی اللہ تو ویسے سب کائنات کے لئے ہے لیکن وہ لوگ جو خدا سے تعلق توڑ لیتے ہیں پھر وہ خدا کے ذمے سے نکل جاتے ہیں یعنی عمداً گناہوں میں بڑھ کر بعض دفعہ انسان واقعۃً اللہ کے ذمے سے باہر چلا جاتا ہے۔ تو ان کا بھی خیال کرتے اور فرماتے کتنے ہی ہیں جن کے لئے کوئی ایسا وجود نہیں کہ ان کے لئے کافی ہو اور انہیں پناہ دے۔

پھر حضرت عبداللہ بن سرجس سے روایت ہے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر پر تشریف لے جاتے تو کہتے اے اللہ سفر میں تو ہی ہمارا ساتھی ہے یعنی نیند کے ذکر کے بعد اب سفر کے ذکر میں ہم داخل ہوتے ہیں۔ ان حدیثوں سے یہ ظاہر ہے کہ سونا جاگنا اللہ ہی کے نام پر ہوتا تھا۔ اللہ ہی سے باتیں ہوتی تھیں۔ اللہ کے نام سے سوتے تھے اللہ کے نام سے جاگتے تھے اور رات کی جو کیفیت تھی اس میں بھی عام حالتوں کے مقابل پر زیادہ قربِ الٰہی نصیب تھا کیونکہ دنیا سے جب ہم وفات کے بعد عالمِ برزخ میں جاتے ہیں تو احادیث سے ثابت ہے کہ اگر ہم جنتی وجود ہیں تو ہمیں جنت کی ہوائیں زیادہ ملتی ہیں اور اگر جہنمی وجود ہو تو جہنم کے بھبھکے بھی پہنچتے ہیں اگر چہ پوری قوت

کے ساتھ نہیں۔اس لئے وہ خدا کے بندے جو خدا کا قرب چاہتے ہوئے دن گزارتے ہیں جب وہ رات کو سوتے ہیں تو ان کا عالم برزخ ایک قسم کی جنت کا عالم برزخ ہوتا ہے۔پس سوتے بھی اللہ کا نام لے کر تھے اٹھتے بھی اللہ کا نام لے کر تھے اور رات کے وقت مختلف رویائے صادقہ کے ذریعے وحی جاری رہتی تھی اور اللہ کی طرف سے اپنے قرب کی ایسی علامتیں ضرور نصیب ہوتی ہوں گی جن کو ہم جنت کی کھڑکیوں کے ٹھنڈے جھونکے قرار دے سکتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن سرجس کی روایت ہے کہ سفر پر روانہ ہوتے تو خدا کے حضور یہ عرض کرتے ’’اے اللہ سفر میں تو ہی ہمارا ساتھی ہے اور گھر میں تو ہی نگران ہے۔اے اللہ ہمارے سفر میں تو ہمارا ساتھی بن اور ہمارے اہل پر ہمارا جانشین‘‘ یہ دو باتیں ہیں۔اے اللہ سفر میں تو ہی ہمارا ساتھی ہے اور گھر میں تو ہی نگران ہے ایک یہ بیان کیا ہے اور ساتھ ہی یہی دعا کی ہے کہ اے اللہ ہمارے سفر میں تو ہمارا ساتھی بن اور ہمارے اہل میں ہمارا جانشین بن۔(ترمذی کتاب الدعوات:3360)

اس میں ایک تو مستقل طور پر جو دائمی حقیقت ہے اس کا بیان ہے کہ سفر میں اللہ کے سوا کوئی ساتھی نہیں ہے حقیقت میں وہی ہے اور گھر کا بھی حقیقی نگران وہی ہے۔یہ ایک عام جاری وساری کیفیت کا اور حقیقت کا حال بیان ہو رہا ہے اس کے نتیجے میں پھر ذہن دعا کی طرف مائل ہوتا ہے اور بذاتِ خود انسان باشعور طور پر یہ تمنا کرتا ہے کہ اے اللہ تیرے سوا کوئی سفر کا ساتھی ہو نہیں سکتا اس لئے تو ہمارا ساتھی بن جا یعنی بالارادہ ہمارے ساتھ ہو۔ہماری ہر مشکل اور مصیبت میں کام آ اور پیچھے ہمارے گھر کا تو ہی نگران اور جانشین ہو جا، یعنی گھر کو ہر قسم کی آفات سے بچائے رکھ۔ہر قسم کی ضرورتیں ان کی پوری فرمانے والا ہو۔ہر قسم کے خوف سے امن دینے والا ہو۔پس صرف اپنے لئے جاتے ہوئے دعا نہیں کرتے تھے بلکہ ان کے لئے بھی جن کو پیچھے چھوڑ کر جایا کرتے تھے اور دونوں کو اللہ ہی کے سپرد رکھتے تھے۔’’اے اللہ ہم سفر کی مشقت سے اور بُرے لوٹنے سے تجھ سے پناہ مانگتے ہیں۔‘‘ یعنی سفر میں جو مصیبتیں پہنچتی ہیں ان کی مشقت سے بھی اور بدحال گھروں کو لوٹنے سے، تجھ سے پناہ مانگتے ہیں‘‘ اور مظلوم کی پکار سے اور کسی بُرے منظر سے۔مظلوم کی پکار سے اور برے منظر سے اس لئے کہ حادثات بھی ہوتے رہتے ہیں صرف یہی نہیں کہ آپ ہی پناہ میں آئیں بلکہ اگر کسی تکلیف دہ منظر کو آنکھوں سے دیکھ بھی لیں تو وہ بھی بڑی تکلیف کی چیز ہے تو فرمایا کہ نہ صرف ہم تک

شر نہ پہنچے بلکہ شر کی جگہوں سے ہمیں بچائے رکھ اور اس میں آپؐ کے ساتھ مسافروں کے لئے بھی دعا ہوگئی اور سفر میں جن جن جگہوں سے جن جن گلیوں سے آپؐ کا گزر ہوتا تھا ان سب کے لئے دعا ہو گئی یعنی ایسا پاک وجود جس کے جانے سے ہر جگہ برکت ہی برکت ہو جس کے ماحول میں کوئی برا واقعہ پیش نہ آ رہا ہو۔ یہ ایک بہت ہی پیاری دعا ہے جسے آپؐ نے ہم سب کے لئے ایک فیض عام کے طور پر ہم تک پہنچایا ہے کہ میں یعنی رسول کریم ﷺ یہ کیا کرتا تھا اور اگر آپؐ یہ دعا نہیں بھی کرتے تو بھی اللہ کی رحمت ہمیشہ آپؐ کے ساتھ رہا کرتی تھی لیکن اس کے ذریعہ ہمیں یہ بتایا کہ ایسی دعا کیا کرو کہ اس دعا کا فیض صرف تم تک نہ پہنچے تمہارے گھر تک نہ پہنچے بلکہ تمہارے ساتھ عام نور بن کر پھرتا رہے۔ جن شہروں میں تم جاؤ ان کے لئے برکت کا موجب بنے، جن گلیوں سے تم گزرو ان کے لئے برکت کا موجب بنے، جن سواریوں پر تم سوار ہو ان کے لئے برکت کا موجب بنے اور کوئی برائی تم نہ دیکھو یعنی تمہارے ماحول تمہارے گردو پیش میں کوئی برائی پیدا نہ ہو اس لئے یہ دعا بھی بہت ہی اہم ہے جسے ہمیں ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے۔

''اور مظلوم کی پکار سے'' عام طور پر دنیا میں ظلم ہوتے رہتے ہیں اور ایک انسان بعض دفعہ بے بس ہو جاتا ہے۔ مسافر ہے کچھ بھی نہیں کرسکتا لیکن جب یہ کسی مظلوم کی پکار کو سنتا ہے تو دل کو بہت چوٹ لگتی ہے تو فرمایا کہ اس سے بھی ہمیں بچا کہ ہم تک کسی تکلیف زدہ کی کوئی چیخ پہنچے۔ (ترمذی کتاب الادب حدیث نمبر: 3349)۔

حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب گھر سے باہر تشریف لے جاتے تو یہ الفاظ دہراتے ''اللہ کے نام کے ساتھ گھر سے باہر نکلتا ہوں۔ اللہ پر ہی توکل کرتا ہوں۔ اے اللہ ہم تیری پناہ میں آتے ہیں اس بات سے کہ ہم لغزش کھائیں یا گمراہ ہوں یا ظلم کریں یا ہم پر ظلم کیا جائے یا ہم جہالت کی کوئی بات کریں یا ہمارے خلاف کوئی جہالت کرے۔'' یہ تمام وہ باتیں ہیں جو سفر میں درپیش ہوتی ہیں اگر چہ عام دنیا کے حالات میں ایک مقیم کے لئے بھی یہ خطرات رہتے ہیں لیکن مسافر ہونے کی حالت میں یہ خطرات بہت بڑھ جاتے ہیں اور ایک مسافر کے لئے زیادہ اس بات کا احتمال ہے کہ اس پر جہالت کی جائے۔ تو آنحضرت ﷺ نے جہاں جہاں ظلم اور جہالت سے بچنے کی دعا مانگی ہے وہاں یہ بھی مانگی ہے کہ دنیا کو بھی ہمارے ظلم اور ہماری جہالت سے بچا۔

اس دعا میں حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی فطرت کی صداقت کس طرح ظاہر و باہر ہے یعنی محض اپنے لئے طلب نہیں ہورہی بلکہ جو چیز اپنے لئے چاہتے ہیں غیر کے لئے بھی وہی چاہتے ہیں اور صرف یہ نہیں کہ ہمیں ہی ظلم سے اور جہالت سے بچائے رکھ۔ بعض دفعہ نادانستہ بھی انسان دوسرے پر ظلم کر بیٹھتا ہے، نادانستہ یا بلا ارادہ جہالت کی بات کر بیٹھتا ہے تو فرمایا کہ ہم صرف دوسروں کے ظلم اور جہالت سے پناہ نہیں مانگ رہے۔ اے خدا ہمارے ظلم اور جہالت سے بھی دنیا کو پناہ دینا۔ اس میں بہت گہرے سبق ہیں اور ایک سبق اس میں یہ ہے میں سمجھتا ہوں کہ قبولیت دعا کے لئے دعا کا فیض عام کرنا چاہئے اگر دعا محض خود غرضی کی ہو تو اسے پایہ قبولیت میں ایسی جگہ نہیں مل سکتی جیسی ایک بے غرض کی دعا ہوتی ہے پس جہاں غیروں کی غرض کو اپنی غرض میں شامل کرلیا جائے وہ دعا زیادہ مقبول ہو جاتی ہے کیونکہ وہ رب العالمین کے ساتھ ایک گہرا تعلق رکھتی ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے، سب جہان کے لئے جب آپ فیض مانگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اسے زیادہ پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

دوسرے یہ کہ جو سبق میں نے اس سے سیکھا ہے وہ یہ ہے کہ اگر آپ واقعۃً یہ چاہتے ہیں کہ آپ کو اللہ دشمنوں کی جہالت اور ان کے ظلم سے بچائے تو اپنے ہاتھ ظلم اور جہالت سے روکیں اگر آپ کے ہاتھ ظلم پر لمبے ہوتے ہیں اور جہالت پر دراز ہوتے ہیں تو پھر یہ دعا کرنا کہ اے اللہ ہمیں ظلم سے بچا اور ہمیں جہالت سے بچا، محض ایک کھوکھلی اور بے معنی دعا ہوگی۔ پس دعا کے دوسرے پہلو نے صرف دعا نہیں سکھائی زندگی کے آداب سکھائے ہیں ایک روزمرہ کی زندگی کا سلوک بتایا ہے کہ تم اگر اللہ تعالیٰ سے جہالت سے بچنے کی دعا مانگتے ہو تو لازم ہے کہ خدا کے بندوں کو اپنی جہالت سے بچاؤ۔ اگر اللہ تعالیٰ سے ظلم سے بچنے کی دعا مانگتے ہو تو لازم ہے کہ خدا کے بندوں کو اپنے ظلم سے بچاؤ۔ اگر اللہ تعالیٰ سے ظلم سے بچنے کی تمنا رکھتے ہو تو تم پر فرض ہے کہ دنیا کو اپنے ظلم سے بچاؤ اور پھر نیک عمل کے ساتھ یہ دعا کرو گے تو دعا مرفوع ہوگی کیونکہ قرآن کریم نے یہ راز ہمیں سمجھا دیا ہے کہ وہ کلمہ طیبہ جو عملِ صالح ساتھ رکھتا ہو، عمل صالح کی طاقت رکھتا ہو وہ آسمانوں کی رفعتوں تک بلند ہو جاتا ہے اور جس کے ساتھ اعمال کا ایندھن نہ ہو اس میں اٹھنے کی طاقت نہیں جیسے بغیر ایندھن کے جہاز اڑانے کی کوشش کی جائے۔ تو اسی دعا نے یہ سارے مضمون ہمیں سکھا دیئے کہ دعا غیروں کے لئے بھی کرو اور اپنے لئے بھی کرو اور عمل سے بھی اس دعا کی تائید کرو تو پھر دیکھو کہ کس طرح تمہارے حق میں یہ دعا

قبول ہوتی ہے۔

نبی کریم ﷺ جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو یوں کہتے۔ ”ہم لوٹ رہے ہیں توبہ کرتے ہوئے اپنے رب کی عبادت کرتے ہوئے اور اپنے رب کی تعریف کرتے ہوئے۔“ یہ دعا بھی گہری حکمت رکھتی ہے۔ عام طور پر جب ہم سفر سے واپس لوٹتے ہیں تو پہلی بات یہ کرتے ہیں اور اکثر یہی کرتے چلے جاتے ہیں کہ الحمد للہ خدا نے خیر و عافیت سے سفر تمام کیا اور ہم خوش خوش اپنے گھر والوں کی طرف لوٹے ہیں مگر حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ خدا کی طرف لوٹنے کے ساتھ اس مضمون کو باندھ دیا کرتے تھے اور یہ آپؐ کی سچائی کی بہت گہری دلیل ہے۔ حقیقت میں اگر کوئی اپنے نفس کا عرفان رکھتا ہو تو اس کو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے عرفان کی بھی صلاحیت عطا ہو جاتی ہے اگر اپنے نفس کا ہی عرفان نہ ہو تو کسی عرفان کی بھی صلاحیت نہیں ہو سکتی تو وہ جاہل اور گستاخ جو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ پر حملے کرتے ہیں اور کہتے ہیں کیا نشان دیا؟ کیا دکھایا؟ اگر ان میں ذرا بھی بصیرت ہو اور آنحضور ﷺ کی روزمرہ کی زندگی کے ایک عام دستور کو دیکھیں تو وہیں سے ان کو آپؐ کی صداقت کے نشان مل جائیں گے اور ہر نشان کافی ہوگا۔ ایک ہی دلیل حضور اکرمؐ کی صداقت پر روزِ روشن کی طرح گواہ رہے گی۔ اب یہ دیکھیں کہ سفر سے لوٹنے کے بعد یہ عرض کر رہے ہیں کہ ہم تیری طرف توبہ کے ساتھ لوٹتے ہوئے لوٹ رہے ہیں یعنی انسان سفر سے گھر کے آرام کی طرف آتا ہے اور اسے پناہ ملتی ہے۔ اگر انسان نے خدا کی طرف جانا ہے اور توبہ کے بغیر اسے وہ پناہ مل نہیں سکتی۔ تو عارضی سفر کا خیال دل سے وقتی طور پر محو ہو جاتا ہے اور زندگی کے لمبے سفر کی طرف دھیان چلا جاتا ہے اور یہ خیال آتا ہے کہ ہم نے خدا کی طرف جانا ہے پس اس سے یہ عرض کرتے ہیں کہ ہم توبہ کے ساتھ تیری طرف لوٹنے والے بنیں اور تو ہمیں قبول فرما اور ہمیں اس طرح پناہ دے جس طرح سفر کی تھکاوٹ کے بعد گھر پناہ دیا کرتا ہے۔ ہم اپنے رب کی عبادت کرتے ہوئے اور اپنے رب کی تعریف کرتے ہوئے لوٹ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حضر اور سفر کو ویسا ہی بنا دے جیسے حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنے کلام سے اور اپنے اسوہ سے ہمیں تعلیم عطا فرمائی ہے۔

یہ مضمون لمبا ہوتا چلا جا رہا ہے مگر اچھا ذکر ہے بہت ہی پیارا ہے جتنا لمبا ہو، اچھا ہے۔ انشاء اللہ باقی آئندہ خطبے میں۔ **السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔**

پھر فرمایا۔ اگر چہ انٹرنیشنل احمدیہ ٹیلی ویژن کے وقت کے لحاظ سے کوئی قید نہیں ہے جو خطبہ کو میں لمبا بھی کر سکتا ہوں لیکن ربوہ والوں کے مجھے ابھی سے خط آرہے ہیں شکووں کے کہ آپ ٹیلی ویژن پر لمبے لمبے خطبہ دیا کریں گے ہم کیا کریں گے ہمارا تو گھنٹے کا وقت ختم ہو جائے گا۔ اس لئے گھنٹے کے اندر مضمون سمیٹا کریں تو جب تک ان کا وقت نہ بڑھ جائے اس وقت تک بہر حال ہمیں احتیاط کرنی چاہئے اور وقت کے اندر مضمون کو ختم کرنا چاہئے۔

ذِكۡرًا رَّسُوۡلًا ایسا رسولؐ جو مجسم ذکر ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر الٰہی کرنے کے حسین تذکرے

(خطبہ جمعہ فرمودہ 14 رجنوری 1994ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیت تلاوت کی۔

وَمَنۡ يَّعۡشُ عَنۡ ذِكۡرِ الرَّحۡمٰنِ نُقَيِّضۡ لَهٗ شَيۡطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيۡنٌ ﴿۳۷﴾

(الزخرف: 37)

پھر فرمایا:۔

ذکرِ الٰہی پر جو خطبات کا سلسلہ جاری ہے اس سلسلے کی یہ کڑی ہے جس کے آغاز میں میں نے چند ایسی حدیثوں کا انتخاب کیا ہے جن کا تعلق ذکر نہ کرنے والوں سے ہے اور اس کے بعد پھر میں حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے آغاز کے متعلق چند احادیث آپ کے سامنے رکھوں گا۔

آج کے اجتماعات کے سلسلے میں ایک اعلان ہے جو میں اس سے پہلے کرنا چاہتا ہوں۔ ضلع میر پور آزاد کشمیر کا پانچواں جلسہ سالانہ آج منعقد ہو رہا ہے اور امیر صاحب ضلع کی درخواست ہے کہ ہمیں تمام دنیا کی جماعتیں خصوصیت سے دعامیں یاد رکھیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی ایسی جگہ بیٹھا جس میں اس نے اللہ کا ذکر نہ کیا اس پر اللہ کی طرف سے حسرت ہو گی اور جو کوئی اس حال میں لیٹا کہ اس میں وہ اللہ کا ذکر نہیں کرتا اس پر اللہ کی طرف سے حسرت اور گھاٹا ہے اور

جو کوئی تم میں سے کچھ چلا اور وہ اس میں اللہ کا ذکر نہیں کرتا اس پر اللہ کی طرف سے حسرت اور گھاٹا ہے۔

یہ ایک ایسی حدیث ہے جس کا عکس بعینہٖ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ پر صادق آتا ہے کیونکہ آپؐ کی زندگی کا ایک لمحہ بھی گھاٹے والا نہیں تھا۔ پس جب آپؐ فرماتے ہیں کہ کوئی ایسی جگہ بیٹھا جہاں ذکر نہیں کیا اس کے لئے گھاٹا ہے اور حسرت ہے تو یہ خیال ایک ذکر کرنے والے ہی کو آ سکتا ہے۔ جب آپؐ فرماتے ہیں کہ جو چلا اور اس نے ذکر نہ کیا اس کے لئے گھاٹا ہے تو یہ خیال بھی ایک ذکر کرنے والے ہی کو آ سکتا ہے۔ جس نے یہ کہا کہ وہ شخص جو اس حال میں لیٹا کہ اس نے ذکر نہیں کیا یہ خیال بھی صرف ذکر کرنے والے کو ہی آ سکتا ہے ورنہ ہم میں سے کتنے ہیں جو اٹھتے بھی ہیں، بیٹھتے بھی ہیں، چلتے بھی ہیں، سوتے بھی ہیں اور کتنا ہی اٹھنا بیٹھنا اور چلنا اور سونا ذکر سے خالی ہوتا ہے۔ پس وہ گھاٹے کا سودا جس کا اس میں ذکر ہے آج اس دنیا پر اس کا اطلاق ایسے ہو رہا ہے جیسے کبھی پہلے نہیں ہوا تھا چنانچہ قرآن کریم نے جو گواہی دی ہے۔

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ (العصر: ۲ تا ۴)

اس میں جو گھاٹے والا زمانہ بتایا گیا ہے حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے فرمان سے یہ مسئلہ حل ہوا کہ کس چیز کا گھاٹا ہے کہ دنیا چلتے ہوئے بھی خدا کو بھولے رہتی ہے، بیٹھے ہوئے بھی اس کو بھولتی ہے، اٹھتے ہوئے بھی بھولتی ہے۔ سوتے جاگتے ہر حالت میں خدا کو بھولے ہوئے ہے، صرف ایک ایسا موقع ہے جب دنیا کو خدا یاد آتا ہے یعنی جب مصائب انسان کو ہر طرف سے گھیر لیتے ہیں، جب آفات سماوی اس پر آ پڑتی ہیں، جب طرح طرح کی تکلیفوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہوتا ہے۔ صرف وہ وقت ہے جس وقت انسان اللہ کو یاد کرتا ہے مگر ایسا یاد کرنا بے کار ہے کیونکہ وہ یاد خالصۃً نفس کی یاد ہے اللہ کی نہیں۔ حقیقت میں نام تو اللہ کا لیا جا رہا ہے لیکن اپنے نفس کی محبت نے مجبور کیا ہے۔ اللہ کی محبت کے حوالے سے نفس یاد نہیں رہتا بلکہ نفس کے حوالے سے اللہ یاد آتا ہے اور ان دونوں مضمونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ پس ہمیں یہ دعا کرنی چاہئے کہ ہم ان بدنصیبوں میں سے نہ ہوں جن کے متعلق حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے خبر دی کہ جو ذکرِ الٰہی کے بغیر

جیتے ہیں ان کی ساری زندگی گھاٹے کی زندگی ہے۔

قرآن کریم نے اس مضمون کو یوں بیان فرمایا

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۷﴾ کہ جو شخص اللہ کے ذکر سے احتراز کرتا ہے اس کے لئے ہم ایک شیطان کو مقرر کر دیتے ہیں جو اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔ اب زمانے کے حالات کو اس حدیث کی روشنی میں دوبارہ دیکھیں تو یہ مسئلہ سمجھ آتا ہے کہ حقیقت میں کوئی انسان خلا میں نہیں رہ سکتا۔ جب اللہ کے ذکر سے دل خالی ہو تو اس دل پر ضرور شیطان قبضہ کرتا ہے اور شیطان اس وقت دنیا کا ساتھی بن جاتا ہے جب دنیا ذکر سے خالی ہو جاتی ہے۔ تو ساری دنیا میں جو آفات اور مصائب پھیلے پڑے ہیں حقیقت میں یہ ذکر الٰہی کے فقدان کے نتیجے میں ہیں۔ اگر ذکرِ الٰہی ہو تو شیطان کو وہاں قدم رکھنے کی مجال نہیں ہے، اجازت نہیں ہے۔ پس ہر قسم کی آفات سے بچنے کے لئے ہمیں ذکرِ الٰہی کو زندہ کرنا ہے اور پہلے اپنی ذات میں ہمیں اس ذکر کو زندہ کرنا ہوگا، اپنے دل کو ذکر سے معمور کرنا ہوگا پھر اس ذکر کو عام کرنا ہوگا کیونکہ ذکر کے لفظ میں اگرچہ خاموش یاد بھی شامل ہے لیکن حقیقت میں اس میں آواز دے کر یاد کرنے کا مضمون زیادہ غالب ہے کیونکہ اس کے ذریعے دنیا کو نصیحت ہوتی ہے اس لئے ذکر کے معنی نصیحت کے بھی ہیں۔ آباؤاجداد کی اچھی باتیں فخر سے بیان کرنے کو بھی ذکر کہتے ہیں، دل میں خاموشی سے بھی اللہ کو یاد کرنے کو ذکر کہا جاتا ہے مگر زیادہ تر ذکر کے ساتھ اونچی آواز میں یاد کرنا سمجھا جاتا ہے اور یہ اس مضمون میں داخل ہے۔

پس میں جماعت کو یہ نصیحت کرتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ اکثر دل میں ذکر تو کرتے ہی ہوں گے کہ احمدی ذکر سے خالی نہیں ہیں مگر اپنی مجالس کو ذکر سے سجائیں۔ اپنے گھروں میں، اپنے بچوں کے ساتھ بیٹھتے ہوئے اور کھانوں کے اوقات میں مہمانوں کی آمد پر مجلسوں کے دوران کچھ وقت ضرور ذکر کیا کریں کیونکہ ذکر کے نتیجے میں آپ کی مجالس کو تقدس حاصل ہوگا۔ آپ کی مجالس اگر ذکر سے خالی ہوں گی تو کسی نہ کسی حد تک شیطان ان میں ضرور دخل دے گا۔ پس ہماری عورتوں میں جتنی بھی چغلی کرنے کی عادت ہے، اکٹھی بیٹھیں تو کسی اور بہن کی برائیاں شروع ہو جاتی ہیں اور بعض علاقے ہیں وہاں مردوں کی بھی ایسی عادت ہے۔ ان کی اس عادت پر یہی مضمون صادق آتا ہے کہ جہاں ذکر نہیں ہوگا وہاں شیطان مقرر کر دیا جائے گا وہ اپنے تذکرے چھیڑ دیتا ہے اور یہ ساری لغو

باتیں ذکر کے فقدان سے ہوتی ہیں اگر ذکر ہو تو اس میں مزاح کا موقع بھی موجود ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ ذکر کے وقت ناممکن ہے کہ انسان ہنس سکے۔ اگر حضرت رسول اکرم ﷺ سے ذکر سیکھا ہے تو آپؐ کی زندگی پر غور کر کے دیکھیں آپؐ اسی ذکر کی حالت میں ہنستے بھی تو تھے۔ لطائف بھی چلتے تھے، مگر ایک فرق تھا جو آپؐ کے لطائف اور باقی لطائف میں تھا۔ آپؐ کا لطیفہ کبھی کسی کو دکھ نہیں دیتا تھا، آپؐ کے لطیفے میں کوئی تحقیر کا پہلو نہیں تھا بلکہ محبت غالب رہتی تھی، پیار کے ساتھ ہنستے تھے اور پیار کے ساتھ ہنساتے تھے، پس اس پہلو سے اگر آپ ذکر کے مضمون کو سمجھیں تو ذکر کسی ایسی حالت کا نام نہیں جس میں آپ روزمرہ زندگی کے مشاغل میں حصہ نہ لے سکیں جیسا کہ میں آگے جا کے بیان کروں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی زندگی کے مشاغل کے ساتھ ساتھ ذکر چلتا تھا۔ اس کے لئے کوئی الگ بیٹھ کر، ایک طرف ہو کر، خدا کو یاد کرنے کے لئے وقت نکالنے کی ضرورت نہیں۔ وہ زندگی کے ہر لمحے میں ساتھ ساتھ رہتا تھا اور یہی وہ ذکر کا طریق ہے جسے آج ہمیں اپنانا ہوگا اور سب دنیا کو سکھانا ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

قال قال رسول الله ﷺ ما من قوم یقومون من مجلس لا یذکرون الله فیه الا قاموا عن مثل جیفة حمار و کان لھم حسرة.

(ابوداؤد کتاب الادب حدیث نمبر: 4214)

ابوداؤد کتاب الادب سے یہ حدیث لی گئی ہے۔ ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا جو کوئی قوم یا کوئی گروہ ایسی مجلس میں بیٹھے جس میں وہ اللہ کا ذکر نہ کرے تو گویا گدھے کی لاش پر بیٹھے ہیں ان پر حسرت ہے۔ اب گدھے کی لاش پر بیٹھنے کا مضمون بڑا عجیب معلوم ہوتا ہے۔ بات یہ ہے کہ فی الحقیقت انسان، انسان ہی کی لاشوں پر بیٹھا کرتا ہے اور جانور، جانوروں کی لاشوں پر اکٹھے ہوتے ہیں۔ میں نے بارہا دیکھا ہے کہ اگر ایک گدھا مر جائے تو گدھے اس کو آکے سونگھتے ہیں اس کے گرد چکر لگاتے ہیں اور ایک دفعہ گھوڑی کے بچے کو مرے ہوئے میں نے دیکھا کہ صرف اس کی ماں ہی نہیں دوسرے گھوڑے بھی قریب آتے تھے اور اس کو سونگھتے تھے اور چلے جاتے تھے۔ اسی طرح جنگلوں میں اپنے ہم جنسوں کی لاشوں پر ہم جنس

اکٹھے ہو جاتے ہیں تو حقیقت میں حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کا یہ پیغام ہے کہ تم گدھے ہو جو ایسی مجلسوں میں بیٹھے ہوئے ہو جہاں خدا کا ذکر نہیں کیونکہ گدھے کی لاش پر اکٹھے ہونے والے گدھے ہی ہو سکتے ہیں۔ پس کیسی بے وقوفی کا عالم ہے کہ تم بیٹھے ایسی باتیں کرتے ہو جن کا کوئی مقصد نہیں۔ کوئی ان کا فائدہ نہیں ہے۔ کسی سے نقصان کو بچانے کا کوئی قصہ نہیں۔ خالصۃً حماقت سے اپنا وقت ضائع کر رہے ہو۔ مجلسوں میں لطف بھی اٹھانا ہو تو ذکرِ الٰہی سے لطف اٹھایا جاسکتا ہے اور بعض دفعہ ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے کہ دنیا کے کسی اور لطف میں وہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی۔ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ (الزمر: 24)

قرآن کریم فرماتا ہے کہ انسان کو جھرجھری آجاتی ہے۔ ذکر سے اس قدر لذت پیدا ہوتی ہے کہ سارا بدن کانپ اٹھتا ہے اس لئے یہ خیال کہ ذکر کوئی بوریت کا دوسرا نام ہے بالکل بے ہودہ خیال ہے، جہالت کی بات ہے۔ ذکر میں لطف ہے کیونکہ ذکر کا مضمون محبت سے تعلق رکھتا ہے اور محبت اگر کسی سے ہو جائے تو وہ محبوب چاہے کیسا ہی برا کیوں نہ ہو دنیا کی نظر میں انسان کو اس کے ذکر میں بڑا لطف آ رہا ہوتا ہے کیونکہ انسان کو اپنا محبوب ضرور حسین معلوم ہوتا ہے اور دنیا کی نظر میں خواہ وہ کیسا ہی کیوں نہ ہو اپنے محبوب کے ذکر سے ایک انسان لطف اٹھاتا ہے۔

ایک دفعہ ایک بادشاہ نے اس مضمون کو ثابت کرنے کے لئے کہ کس طرح ہر انسان اپنے تعلق سے کسی کو حسین پاتا ہے کچھ لوگوں کو اکٹھا کیا اور ان کے سامنے ایک حبشن کو بلایا جس کا بیٹا بہت ہی سیاہ اور بہت بدصورت بھی تھا اور بھی لوگوں کے بچے وہاں اکٹھے ہوئے تھے۔ بادشاہ نے اس حبشن کو بلایا اور کہا کہ یہ قیمتی ہار ہے تم غور سے دیکھو جو سب سے زیادہ پیارا بچہ ہے اس کی گردن میں ڈال دو۔ اس نے چاروں طرف دیکھ کر جائزہ لیا اور اپنے بچے کی طرف بڑھی اور اس کی گردن میں ڈال دیا۔ جھوٹ نہیں بولا تھا، بادشاہ کی تمکنت کے سامنے اس کو جرأت بھی نہیں ہوسکتی تھی۔ بادشاہ کی ہیبت تھی لیکن دل کی گواہی تھی۔ سب سے زیادہ پیارا بچہ اسے اپنا بچہ دکھائی دیا۔ محبت اور ذکر کا ایک گہرا تعلق ہے اس کے بغیر ذکر ہو نہیں سکتا۔ پس اگر محبت سے ذکر کیا جائے تو یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ ذکر لطف سے خالی ہو اور اللہ تعالیٰ کا ذکر تو سب ذکروں سے زیادہ حسین ہے، سب سے زیادہ دلکش ہے۔ پس ذکر کے مضمون کو فرض کے طور پر ادا کرنے کی کوشش نہ کریں۔ ہو بھی نہیں سکے گا۔ فرض کے طور پر کبھی محبتیں ادا نہیں کی جاتیں اس کے لئے دل میں محبت پیدا کرنی ہوگی۔ پس ذکر سے پہلے ذکر کی تیاری

بھی تو چاہئے۔اللہ تعالیٰ سے پیار پیدا کرنے کے ذریعے تلاش کریں اور اس میں ایک ذریعہ یہ ہے کہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو محبت عطا فرمائے۔ آنکھیں کھول کر روزمرہ یہ محسوس کرنے کی کوشش کریں کہ آپ کیوں کسی سے محبت کرتے ہیں اس مضمون پر غور کریں تو اللہ تعالیٰ کی محبت کے تمام محرکات آپ کو اپنے اردگرد پھیلے ہوئے دکھائی دیں گے۔ آپ ان محرکات میں گھرے ہوئے ہیں صرف آنکھیں نہیں کھولتے۔ انسان کسی سے کیوں محبت کرتا ہے؟ ماں نے پیدا کیا ہے اور نو مہینے پالا ہے اور اپنی صفات میں سے کچھ بخشی ہیں اس کے نتیجے میں طبعاً ایک بچے کو ماں سے محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ خالق وہ ہے جس نے ارب ہا ارب سال سے انسان کی پیدائش کی تیاری کی ہے اور ہر لمحے جو کائنات ارتقاء کی طرف مائل تھی اس کا ہر لمحے ہر قدم انسان کی طرف اٹھ رہا تھا کیونکہ بالآخر انسان پیدا کرنا مقصود تھا اور جو تغیرات اس عرصے میں ہوئے ہیں تمام تر انسان کی پیدائش کی خاطر ہوئے ہیں۔ چنانچہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرآن کریم کی آخری سورتوں کی تفسیر میں یہ مضمون بیان فرمایا ہے کہ کوئی بھی کائنات میں ایسی تأثیر نہیں ہے جس سے انسان کو حصہ نہ دیا گیا ہو گویا کہ یہ ایک مختصر کائنات ہے اور اس کی تیاری کے سلسلے میں اگر آپ کائنات کے ارتقاء پر نظر دوڑائیں تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ ناممکن ہے کہ اس مضمون کا کوئی احاطہ کر سکے۔ اس مضمون میں جتنا بھی سفر کریں، جتنی بھی سیر کریں آپ کی زندگی گزر جائے، آپ کی نسلوں کی گزر جائے، قیامت تک یہ کرتے چلے جائیں تب بھی اللہ تعالیٰ کی اس شان کا جو تخلیق کائنات میں مضمر ہے احاطہ نہیں ہو سکتا اور جو محض اس لئے خدا تعالیٰ نے ان مخلوقات کو عطا فرمائی۔ ان کے ہر ذرے میں رکھی کہ بالآخر اس سے انسان پیدا ہوگا اور انسان کیسا پیدا ہوا جو خدا کو بھلا بیٹھا، تکبر کی باتیں کرنے لگا۔ پس اگر آپ ذکر سے محروم ہیں تو بہت ہی بڑا نقصان کا سودا ہے۔ پس اپنے گردو پیش دیکھیں جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے ایک ایک بات پر غور کریں کہ آپ کو کسی سے کیوں تعلق ہے۔ حسن سے تعلق ہے اور حسن کا سر چشمہ اللہ ہے۔ ہر چیز جو حسین دکھائی دیتی ہے اس میں خدا کا چہرہ دکھائی دیتا ہے اگر دیکھنے والی آنکھ ہو۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

ے چشم مست ہر حسیں ہر دم دکھاتی ہے تجھے
ہاتھ ہے تیری طرف ہر گیسوئے خمدار کا (درثمین صفحہ:10)

کہ ہر وہ آنکھ جس میں حسن کی مستی ہے وہ ہمیں تو تجھے ہی دکھا رہی ہے اور آنکھ کا دکھانا کتنا خوبصورت مضمون ہے جس آنکھ کو آپ دیکھ رہے ہیں اگر آپ میں بصیرت ہو تو اس آنکھ سے کسی اور کو دیکھیں گے وہ خدا کی ذات ہے۔

ع ہاتھ ہے تیری طرف ہر گیسوئے خم دار کا

گیسو کا ہاتھ یوں معلوم ہوتا ہے اشارے کر رہا ہے۔ اس کا آخری کونہ اس طرح اٹھا ہوا ہوتا ہے جیسے انگلی اشارہ کر رہی ہو۔ تو فرمایا تیری ہی طرف ہر بل کھائے ہوئے خوب صورت گیسو کا ہاتھ ہے۔ اس میں ہمیں تو ہی دکھائی دیتا ہے۔ اگر محبت ہو تو محبت کے نتیجے میں ہر چیز اسی محبوب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دکھائی دیتی ہے اور اگر محبت نہ ہو تو اشارے سمجھنے کی عقل تو پیدا کریں۔ اشارے سمجھنے کی کوشش تو کریں وہ آنکھ تو لیں جس سے یہ اشارے سمجھے جائیں گے۔

پس خدا تعالیٰ کی محبت کو دل میں پیدا کرنے کے لئے ضرور ہے کہ ہم اپنے ماحول، اپنے گردوپیش پر اس پہلو سے نظر ڈالیں کہ ہم کیوں کسی سے محبت کرتے ہیں اور اس محبت کے محرکات خدا کے تعلق میں موجود ہیں کہ نہیں۔ کوئی ایک پہلو ایسا نہیں ہے جو محبت پیدا کرنے والا ہو اور اللہ کی ذات میں موجود نہ ہو۔ ہر لذت خدا کی ذات میں ہے بعض لوگ یہ سوچتے ہیں اور اس سوچ سے ڈرتے ہیں کہ شہوانی لذّات بھی تو لذّات ہیں وہ تو اللہ میں نہیں ہیں لیکن شہوانی لذّات کی حقیقت یہ ہے کہ محبت کے نتیجے میں وہ چیزیں پیدا ہوئی ہیں جن سے شہوانی لذت پیدا ہوتی ہے اصل محرک شہوانی لذت نہیں تھا آغاز میں اصل محرک جس سے انسان نے نشوونما پا کر وہ اعضاء حاصل کئے جس سے شہوانی لذت حاصل کی جاتی ہے وہ اپنے نفس کی محبت تھی اس محبت نے انسان کو باقی رہنے کی تمنا دی اور بقا کی تمنا پوری کرنے کے لئے جو ذرائع میسر آئے ان میں اسی نسبت سے مزہ پیدا ہونا شروع ہو گیا۔ یہ ایک بہت لمبا فلسفہ ہے جس کی تفصیلی بحث میں میں نہیں جا سکتا لیکن اشارۃً میں آپ کو بتا رہا ہوں کہ کوئی دنیا کی لذت نہیں ہے جو آپ کو اپنے مضمرات کے لحاظ سے خواہ بھیانک ہی کیوں نہ دکھائی دے جس کا اصل، جس کی کنہ، پاکیزہ محبت نہ ہو اور محبت ہی سے ساری کائنات کا سلسلہ ہے اسی سے سب نشوونما ہے اسی سے ارتقاء جاری ہے کوئی ایک بھی پہلو ارتقاء کا ایسا نہیں ہے جسے بالآخر آپ محبت میں جا کر مرکوز نہ کر سکیں۔ میں نے اس پہلو سے ایک دفعہ بہت غور کیا اور بچپن سے مجھے یہ شوق تھا کہ اس

پہلو پر غور کروں کہ آخر ہمارا کنہ ہے کیا؟ بالآخر کہاں پہنچتے ہیں؟ تو وہیں پہنچا جہاں سے قرآن شریف کی سورۃ البقرہ شروع ہوتی ہے یعنی اَنَا اللّٰہُ اَعۡلَمُ۔

اَنَا یعنی میں۔ جس نے سارے وجودوں کو پیدا کیا ہے اور اگر اللہ اپنی اَنَا سے اپنی مخلوق کو یہ نعمت عطا نہ کرتا کہ وہ اپنے شعور کا احساس کرلے تو اس مخلوق میں بھی اَنَا پیدا نہیں ہوسکتی تھی۔ خدا کی اَنَا نے ہماری انائیں پیدا کی ہیں لیکن یہ انائیں اس لئے پیدا کیں کہ اللہ کی اَنَا کی طرف بالآخر لوٹ جائیں کیونکہ وہی تمام اَنَا کا منبع بھی ہے اور مرجع بھی ہے۔ اس سمندر میں ہمارے قطرے کو لوٹنا ہے اس کے بغیر ہماری اَنَا کی تکمیل ہو ہی نہیں سکتی اور یہ مضمون محبت کا ہے۔ اپنے نفس کی محبت اتنا ترقی کرے کہ اس محبت کے اعلیٰ تقاضے پورے ہونے شروع ہوں تب خدا ملتا ہے اور ہر محبت کے نتیجے میں ایک لذت پیدا ہوتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی لئے فرماتے ہیں۔ ’’ہماری اعلیٰ لذات ہمارے خدا میں ہیں۔‘‘ (کشتی نوح۔ روحانی خزائن جلد 19 صفحہ: 21) صرف لذات نہیں فرمایا ’’اعلیٰ لذات‘‘ کہ ہر لذت کا ایک ارتقاء ہوا کرتا ہے اور اس ارتقاء کا منتہٰی خدا تعالیٰ کی ذات پر ختم ہوتا ہے اور اسی کی طرف سب نے لوٹنا ہے۔ پس اپنی آنکھیں کھولیں اپنے گردوپیش کو دیکھیں اور معلوم کریں، غور کریں کہ آپ کیوں محبت کرتے ہیں۔ ان محبتوں کے تمام تر محرکات اپنی اعلیٰ صورت میں اللہ کے وجود کے ساتھ آپ متعلق پائیں گے اور پھر آپ کو سمجھ آئے گی، سلیقہ نصیب ہوگا کہ کس طرف اللہ کی محبت حاصل کی جاتی ہے۔ جب ایک دفعہ یہ محبت نصیب ہو جائے تو پھر آپ کی لذتوں کی کیفیات کے پیمانے بدل جائیں گے اور طرح طرح کی لذتیں آپ کو نصیب ہونی شروع ہوں گی۔ ہر چیز سے ایک مادی لذت بھی ہوگی اور ایک اس کا اعلیٰ اور برتر حصہ جو اس محبت کے ساتھ منسلک ہوگا لیکن اس سے ارفع ہوگا اس سے بلند تو ہوگا۔

پس خدا کے بندے دو لذتوں میں زندگی بسر کرتے ہیں اور سورہ رحمٰن میں جن دو جنتوں کا ذکر ہے میں سمجھتا ہوں ان میں سے دو جنتیں اس دنیا کی وہ دو جنتیں بھی ہیں جن میں ہر لذّت کے ساتھ ایک اعلیٰ لذت بھی وابستہ ہے۔ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ فرماتے ہیں اگر تم اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ اس نیت سے دو کہ اللہ کو یہ بات پسند ہے۔ اللہ تم سے حسن سلوک کی توقع رکھتا ہے اور تمہیں

حسن سلوک کی تعلیم دیتا ہے تو وہ لقمہ تمہاری عبادت بن جائے گا۔(بخاری کتاب الایمان) اب اس حدیث کی روشنی میں حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی ساری زندگی کے تعلقات کو دوبارہ دیکھیں تو ہر تعلق میں آپ کو دو لذتیں دکھائی دیں گی۔ایک وہ جو خدا کی پاک تعلیم کے نتیجے میں اس کی محبت کی بنا پر آپؐ نے بنی نوع انسان سے تعلق رکھا۔اس تعلق کی ایک اپنی لذت تھی جو آپؐ نے حاصل کی لیکن چونکہ اس محبت کا آغاز اللہ کی محبت سے ہوا تھا اسی لئے اس کے ساتھ ایک بہت اعلیٰ درجے کی محبت بھی شامل رہی اور ساری زندگی آپؐ نے دو جنتوں میں گزاری۔

پس ذکر کا مضمون سرسری بیان سے سمجھ نہیں آ سکتا اس کے لئے ساری زندگی کی محنت کی ضرورت ہے آنکھیں کھول کر تجربے کی ضرورت ہے۔اس مضمون میں ڈوب کر آپ خود کچھ حاصل کریں۔آنکھیں کھول کر گردوپیش کو دیکھیں اور پھر کچھ لذتیں حاصل کرنا شروع کریں۔پھر آپ کو سمجھ آئے گی کہ ذکر ہوتا کیا ہے اور ذکر پھر آپ کو خود بڑی قوت سے اپنی طرف کھینچ لے گا اور ذکر کے بغیر جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے دنیا کے گھاٹے فائدوں میں تبدیل نہیں ہو سکتے۔آپ جو چاہیں کر لیں، جو چاہے تعلیم دے دیں، جس قسم کا چاہیں نظام دنیا میں نافذ کر لیں، عدل بھی قائم کر لیں تب بھی دنیا کو جنت نصیب نہیں ہو سکتی جب تک اللہ کے ذکر کا سلیقہ اور شعور حاصل نہ ہو جائے اور اللہ کے ذکر سے لذت حاصل کرنا دنیا نہ سیکھ لے ورنہ تو وہی بات ہے کہ گدھے کی لاش پر بیٹھے ہم نے زندگیاں بسر کر دیں۔

بخاری کتاب الدعوات میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”ذکر الٰہی کرنے والے اور ذکر الٰہی نہ کرنے والے کی مثال زندہ اور مردہ کی طرح ہے“ یعنی جو ذکر الٰہی کرتا ہے وہ زندہ ہے اور جو نہیں کرتا وہ مردہ ہے۔ (بخاری کتاب الدعوات حدیث نمبر: 5928)

مسلم کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”وہ گھر جن میں خدا تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے اور وہ گھر جن میں خدا تعالیٰ کا ذکر نہیں ہوتا ان کی مثال زندہ اور مردہ کی طرح ہے۔“ ذکر سے زندگی ملتی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کو جو زندگی عطا ہوئی ہے یہ دراصل ایک روحانی زندگی حاصل کرنے کی خاطر ہے۔اس کا ذریعہ ہے اور اگر دوسری زندگی عطا نہ ہو تو بظاہر زندہ ہوتے ہوئے بھی انسان مردہ ہے۔قرآن کریم جس خلق آخر کا ذکر کرتا ہے یہ وہی روحانی خلق آخر ہے جس سے ایک نئی زندگی

انسان کو نصیب ہوتی ہے اور وہ شخص جو خدا کے ذکر کے بغیر اپنی زندگی گزار دیتا ہے بظاہر زندہ ہے مگر حقیقت میں مردہ ہے کیونکہ اصل زندگی خدا کی خاطر دی گئی تھی تا کہ اس زندگی سے خدا نصیب ہو اور خدا نصیب ہو تو ایک نئی زندگی عطا ہو۔ اسی لئے جب آنحضرت ﷺ ان لوگوں کو بلاتے ہیں جو آپ پر ایمان لائے تو اللہ فرماتا ہے کہ اس لئے ان کو بلا تا کہ انہیں زندہ کر۔ اب ایمان لے آئے ہیں تو زندہ کیوں نہیں ہیں ایمان لانے کے بعد زندگی حاصل کرنے کا ایک دور شروع ہوتا ہے جیسے ماں کے پیٹ میں بچہ آغاز میں جنم لیتا ہے، زندہ تو ہو جاتا ہے لیکن محض زندگی کا آغاز ہے اور اس کے بعد پھر سارے مراحل اس زندگی کی تکمیل کے مراحل ہیں اور حقیقی زندگی پھر اس وقت نصیب ہوتی ہے جب وہ اپنے آزاد وجود کے ساتھ، خودمختار وجود کے ساتھ ماں کے پیٹ سے باہر آجاتا ہے۔ تو یہی مضمون خَلقِ آخر کا ہے اور تبھی حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے متعلق فرمایا گیا کہ اے مومنو! جب یہ رسولؐ تمہیں اپنی طرف بلائے تو جواب دیا کرو۔ لِمَا يُحْيِيكُمْ (الانفال:25) تا کہ تمہیں زندہ کرے۔ پس زندگی وہی ہے جو ذکرِ الٰہی کی زندگی ہے اور جو اللہ اور رسولؐ کی آواز پر لبیک کہنے کے نتیجے میں حاصل ہوتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے سنا۔ آپؐ فرماتے تھے کہ دنیا ملعون ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ بھی ملعون ہے سوائے ذکرِ الٰہی کے اور اس چیز کے جو ذکر سے متعلق ہے جس کا تعلق ذکر سے ہے مثلاً عالم جو ذکرِ الٰہی کرنے والا ہو اور طالب علم جو عالم سے ذکرِ الٰہی سیکھتا ہو وہ ملعون نہیں ہیں۔ یہاں ملعون کا جو لغوی معنی ہے وہ پیش نظر ہے۔ لعنت دوری کو کہتے ہیں۔ پس جو شخص خدا کے قریب آنا چاہتا ہے وہ ذکر سے قریب آسکتا ہے ورنہ وہ دوری کی حالت میں پڑا ہوا ہے وہ تمام دنیا جو ذکر سے خالی دنیا ہے وہ اللہ سے دور ہے اور ان معنوں میں ملعون ہے۔ ہاں وہ جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں وہ جو سکھاتے ہیں اور سیکھتے ہیں ان کے متعلق فرمایا کہ یہ استثناء ہیں۔ (ترمذی کتاب الذھد حدیث نمبر:2243)

شھر بن حوشب سے روایت ہے کہ امِ سلمہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے پوچھا آپؐ کون سی دعا ہے جو بار بار کرتے ہیں جو کثرت سے دعا کرتے ہیں تو آپؐ نے فرمایا ''اے دلوں کو پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثبات عطا فرما۔'' یہ دعا میں بہت کثرت سے کرتا ہوں

کہ ’’اے دلوں کو پھیرنے والے میری دل کو اپنے دین پر ثبات عطا فرما۔‘‘ حضرت اِم سلمہؓ نے تعجب سے پوچھا کہ یا رسولؐ اللہ! آپؐ یہ دعا کرتے ہیں جن کا دل سب سے زیادہ اللہ کے دین پر ثبات حاصل کر چکا ہے! آنحضرت ﷺ کی انکساری کا یہ معراج ہے کہ آپؐ جواب میں فرماتے ہیں کہ میں اس لئے کرتا ہوں کہ دل تو اللہ کی انگلیوں میں اس طرح ہیں کہ جب چاہے جدھر چاہے بدل دے۔ (ترمذی کتاب القدر: 2066) وہ مالک ہے اگر خدا یہ فیصلہ نہ کرے کہ مجھے ثبات عطا کرے گا تو مجھے کیسے ثبات ہوسکتا ہے۔ پس وہ لوگ جو ذکر کرتے ہیں بعض دفعہ اس ذکر کے نتیجے میں متکبر ہو جاتے ہیں وہ سمجھتے ہیں ہم خدا والے ہو گئے ہیں اور باقی دنیا کو یعنی سب کو حقیر اپنے سے نیچے دیکھ رہے ہوتے ہیں یہ بہت بڑی جہالت ہے۔ ذکر نے سب سے زیادہ رفعت حضرت محمد مصطفی ﷺ کو بخشی تھی کیونکہ آپؐ کا ذکر سب سے زیادہ رفیع الشان تھا اور سب سے زیادہ گرنے کے خوف میں آپؐ ہی مبتلا تھے یہ خوف کسی حقیقی خطرے کے نتیجے میں نہیں تھا کیونکہ آپؐ خدا کی طرف سے امن یافتہ تھے اس لئے اس خوف کا محرک ایک مختلف محرک ہے۔ یہ بہت ہی لطیف ہے اور بہت ہی حسین ہے۔ تمام تر ضمانتوں کے باوجود جو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو بارہا عطا فرمائیں یہ احساس کہ میری ذات میں کچھ بھی نہیں جو وہ مجھے ان ضمانتوں کا حق دار قرار دے۔ محض اللہ کا فضل ہے، محض اس کی طرف سے ثبات نصیب ہوتا ہے جب وہ چاہے چھوڑ دے، میرا کیا شکوہ ہوسکتا ہے، سب کچھ اسی کی عطا ہے۔ یہ انتہائی لطیف احساس جو محبت کے آخری نقطے سے آغاز پاتا ہے اور اسی کی طرف لوٹتا ہے یہ وہ احساس ہے جس کا اس حدیث میں ذکر ملتا ہے کہ میں کیوں نہ کروں۔ میں کیوں اپنے رب سے ثبات نہ مانگوں اسی کی عطا ہے جو کچھ نصیب ہوا ہے اور جب چاہے بدل دے مجھے کوئی شکوہ نہیں ہوسکتا، میرا کوئی حق نہیں۔ پس اگر ذکرِ الٰہی کرنا ہے اور اس سے کچھ مناصب حاصل کرنے ہیں تو حضرت محمد مصطفی ﷺ سے ان باتوں کا سلیقہ سیکھیں۔ ذکر کے نتیجے میں انانیت اونچی نہیں ہونی چاہئے۔ ذکر کے نتیجے میں سر اور بھی خدا کے حضور جھکنا چاہئے اور جتنی بلندی حاصل کریں اتنا ہی گرنے کا خوف آپ کو دامن گیر رہے اور اللہ کے ہاتھ سے اور زیادہ شدت کے ساتھ اور قوت کے ساتھ چمٹے رہیں۔ یہی وہ اسلوب تھا جو حضرت محمد مصطفی ﷺ نے اختیار فرمایا اور جس کی ہمیں نصیحت کی۔

اب وہ لوگ جو ذکر سے اجتناب کرتے ہیں اور شیطان کے ساتھی بن جاتے ہیں، ان کا

اٹھنا بیٹھنا سب ہمارے علم میں ہے۔ بارہا ہم ان تجربوں سے گزرے ہیں۔اب آنحضرت ﷺ کے ذکر پر میں اس مضمون کو ختم کروں گا آپؐ کی کیفیت یہ تھی کہ جب حاجات بشری کے تقاضے پورے کرنے کے لئے جاتے تھے تو اس وقت بھی ذکر کرتے تھے اور یہ دعا کیا کرتے تھے کہ اے میرے اللہ مجھے ناپاکی سے اور ناپاکوں سے بچانا۔ میں ناپاکی سے اور ناپاکوں سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ پھر جب فراغت کے بعد وضو کرتے تھے تو پھر بھی ذکرِ الٰہی سے وضو کا آغاز ہوتا تھا۔عرض کرتے تھے اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین (ترمذی کتاب الطہرۃ حدیث:50) کہ اے میرے اللہ! مجھے توبہ کرنے والوں میں سے بنانا اور پاکیزگی اختیار کرنے والوں میں سے بنانا۔ جو وضو ہے یہ توبہ اور پاکیزگی دونوں کا مظہر ہے اور اس دعا میں وضو کا فلسفہ بیان ہو گیا۔ پھر انسان صبح اٹھتا ہے، فارغ ہوتا ہے، وضو کرتا ہے، مسجد کی طرف جاتا ہے تو جو صبح مسجد کی طرف جانے کی دعا تھی اس کا مضمون اور تھا اور روزمرہ عام مختلف وقتوں میں جانے کی دعا تھی اس کا ایک اور مضمون ہے۔اس مضمون کا صبح سے تعلق ہے چنانچہ آپؐ مسجد کی طرف جاتے ہوئے یہ دعا کیا کرتے تھے۔

اللھم اجعل فی قلبی نورا واجعل فی لسانی نورا واجعل فی سمعی نورا واجعل فی بصری نورا. (ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ)

کہ اے میرے اللہ میرے دل کو نور سے بھر دے میری زبان کو نور عطا کر، میرے کانوں کو نور بخش اور میری نظروں کو، میری آنکھوں کو نور عطا کر۔

واجعل من خلفی نورا واجعل من امامی نورا واجعل من فوقی نورا واجعل من تحتی نورا. اللھم اعطنی نورا.

کہ اے میرے اللہ میرے آگے بھی نور کر دے میرے پیچھے بھی نور کر دے میرے اوپر بھی نور کر دے۔ میرے نیچے بھی نور کر دے۔تو مجھے مجسم نور بنا دے۔ مجھے نور عطا کر۔(مسلم کتاب الصلوٰۃ)

رات کے اندھیروں سے صبح روشنی میں داخل ہوتے وقت کیسی پیاری دعا ہے لیکن مسجد جاتے وقت یہ دعا کرنا بتاتا ہے کہ مومن کا دل مسجد میں ہے۔مسجد سے باہر اندھیرے ہیں۔پس جو اپنا نور سجدہ گاہوں میں ڈھونڈے، جس کو روشنی وہاں دکھائی دے، وہی دل اور وہی دماغ ہے جو اس دعا

کی طرف متوجہ ہو سکتا ہے ورنہ ناممکن ہے کہ کسی کو ایسی دعا کا خیال آئے۔ ساری دنیا کے پردے پر عبادت کرنے والوں کی زندگیوں کا مطالعہ کر کے دیکھ لیں، پہلوں کا بھی اور اگلوں کا بھی۔ آپ کو کہیں اس دعا کی کوئی مثال دکھائی نہیں دے گی۔ صبح کے تعلق میں یہ دعا کتنی کامل ہے اور پھر صبح کی روشنی میں دن کی ظاہری روشنی سے مسجد کی باطنی روشنی کی طرف منتقل ہوتے وقت کتنا اعلیٰ اور کتنا ارفع مضمون بیان فرمایا گیا ہے اور کوئی عارف باللہ اس مرتبے تک نہیں پہنچا جس مرتبے تک تمام عارفوں کے سردار حضرت محمد مصطفی ﷺ پہنچے تھے۔ پس میں آپؐ کا مقابلہ دنیا کے عام انسانوں سے کرنے کا تو سوچ بھی نہیں سکتا۔ یہ تو گستاخی ہوگی۔ نبیوں کی مثال دے کر کہتا ہوں ان میں تلاش کر کے دیکھ لیں آپ کو اس حدیث کی کوئی مثال دکھائی نہیں دے گی۔ کتنا پاکیزہ کتنا ارفع کلام ہے۔ کتنا فصیح و بلیغ ہے کہ صبح اٹھتے ہیں اور نور کے خیال سے جب مسجد جاتے ہیں تو یہ دعا کرتے ہیں اور اگر مسجدوں سے آپ نے تعلق قائم رکھا تو یقین کریں کہ آپ کی آنکھوں کو بھی نور عطا ہوگا آپ کی زبان کو بھی نور عطا ہوگا۔ آپ کے کانوں کو بھی نور عطا ہوگا۔ آپ کے آگے بھی نور ہوگا اور پیچھے بھی اور دائیں بھی اور بائیں بھی اور اوپر بھی اور نیچے بھی اور آپ مجسم نور بن جائیں گے **کیونکہ تمام نور مساجد سے اور سجدہ گاہوں سے حاصل ہوا کرتے ہیں۔ پس اپنی مسجدوں کو آباد رکھیں انہی میں آپ کے دلوں کی آبادی ہے۔ انہی میں آپ کے مستقبل کی حفاظت ہے۔ آپ کے بچوں کے لئے کوئی ایسی دولت نہیں جو آپ پیچھے چھوڑ کر جا سکیں سوائے اس کے کہ آپ انہیں مسجدوں سے وابستہ کر دیں۔**

نماز کے بعد فارغ ہو کر آپ یہ دعا کیا کرتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَام وَمِنْکَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالاِکْرَام۔ (مسلم کتاب المساجد) اور بھی دعائیں تھیں ایک یہ بھی تھی اور اکثر نماز کے معاً بعد یہی پڑھا کرتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَام وَمِنْکَ السَّلَامُ۔ اے اللہ تو سلام ہے وَمِنْکَ السَّلَامُ اور تجھ سے سلام ہے۔ اے جلال اور اکرام کے مالک تیری ذات بہت بابرکت ہے۔ اب سلام نماز میں بھی ہم پھیرتے ہیں۔ نماز کے بعد سب سے پہلی دعا یہ ہوا کرتی تھی۔ پھر ہم دائیں طرف کہتے ہیں السلام علیکم ورحمۃ اللہ پھر بائیں طرف السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے ہیں۔ تو یہ دو سلام جو ہیں یہ اہل دنیا کو اپنے دائیں اور بائیں اور اپنے گردوپیش پیغام پہنچاتے ہیں کہ ہم تمہارے لئے سلامتی کا پیغام لائے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ اللہ کی طرف سے آئے ہیں اور اس دعا نے بتایا کہ

اللہ سلام ہے۔ اللہ سے سلام پانے کے بعد آپ دوسروں کو سلام کہہ سکتے ہیں اس کے بغیر نہیں۔ وَمِنْکَ السَّلَامُ اور تجھ ہی سے سلام نصیب ہوسکتا ہے۔ پس وہ لوگ جو عبادت سے غافل ہیں وہ دنیا میں ہزار سلام کرتے پھریں ان کے سلام کا کوئی بھی معنی نہیں۔ محض جھوٹ ہے۔ کیونکہ دنیا سوائے اللہ والوں کے کسی سے امن میں نہیں ہے یہ محض واہمہ ہے۔ یہ خیال کر لینا کہ انسان کسی بے خدا انسان سے امن میں رہ سکتا ہے حماقت ہے۔ امن اللہ سے نصیب ہوتا ہے اور یہ ایسا امن ہے جو نصیب ہونے کے بعد دوسروں کو عطا ہوتا ہے اور آگے اس کے سلسلے چلتے ہیں۔ پس السلام علیکم کی کیسی حکمت ہمیں سمجھا دی کہ جب تم نماز سے سلام کہہ کر فارغ ہو تو پھر سوچا کرو۔ غور کیا کرو کہ تم سلام کے مجاز، خدا کی طرف سے بنائے گئے ہو۔ اللہ کے پاس آئے تھے تو سلام نصیب ہوا اور اللہ کے ساتھ رہو گے تو سلام نصیب رہے گا۔ جب تعلق توڑو گے سلام تم سے خالی ہو جائے گا۔ کیونکہ خدا کی ذات کے سوا کہیں اور کوئی سلام کا وجود نہیں۔

مسجد میں عام حالت میں داخل ہونے کی دعا یہ تھی۔ بِسْمِ اللّٰهِ وَالصَّلٰوۃ والسَّلام عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰه اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذُنُوْبِیْ وافتح لِی اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ. (ابن ماجہ کتاب المساجد)

کہ میں اللہ کے نام کے ساتھ شروع کرتا ہوں وَالصَّلٰوۃ والسَّلام اور درود اور سلام اس کے رسول پر ہوں اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذُنُوْبِیْ ، میرے اللہ! میرے گناہ بخش دے وافتح لِی اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ اور میرے لئے اپنی رحمت کے باب کھول دے۔ پھر مسجد سے باہر نکلنے کی دعا انہی الفاظ میں تھی صرف ایک چھوٹے فرق کے ساتھ بسم الله والصلوٰة والسلام علی رسول الله۔ اللہ کے نام کے ساتھ، تمام درود و سلام ہوں اللہ کے رسولؐ پر اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذُنُوْبِیْ میرے اللہ میرے گناہ بخش دے۔ وافتح لی ابواب فضلک اور میرے لئے اپنے فضلوں کے دروازے کھول دے۔

یہ جو لفظ رحمت اور فضل کا فرق ہے اس میں بڑی وجہ یہ ہے کہ رحمت خالصۃً اللہ سے آسمان سے نازل ہوتی ہے اور اس کا ہمارے اکتساب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ رحمت بن مانگے دینے والا عطا کرتا ہے۔ رحمٰن، رحیم خدا سے اترتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہاں رحمت کا بنیادی مضمون یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ خدا سے حاصل ہوتی ہے اس کا روزمرہ کی زندگی کی محنتوں سے کوئی تعلق نہیں۔ فضل خدا

کی طرف سے ملتا ہے لیکن روزمرہ کی زندگی کی محنتوں سے تعلق رکھتا ہے چنانچہ سورۃ جمعہ میں جمع کے بعد جب انتشار کا حکم فرمایا: وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱﴾ (الجمعہ:۱۱) کہ تم پھر آزادی کے ساتھ زمین میں پھرو اور فضل کماؤ تو فضل کا دنیا کی کمائیوں سے ایک تعلق ہے اور دنیا کی دولت جو پاک حالت میں کمائی جائے اس کو بھی فضل کہتے ہیں۔ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا اللہ سے وہ فضل بھی چاہتے ہیں اور اس کی رضا بھی چاہتے ہیں۔ تو اندر جاتے وقت خالص رحمت ہی ہے جو کچھ اس دَر سے ملے گا آسمان سے اترے گا اور بطور رحمت آپ پر نازل ہوگا جب باہر نکلیں گے تو اللہ سے فضل چاہیں گے یعنی ہمارے کاموں میں برکت ملے ہمارے رزق میں برکت ملے۔ جو ہمیں نصیب ہو بافراغت ہو اور پاکیزہ ہو۔ تجھ سے پانے والے ہوں شیطان سے پانے والے نہ ہوں۔

پھر گھر میں داخل ہوتے تھے تو یہ دعا کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَسْأَلُکَ خَيْرَ الْمَوْلِجِ وَخَيْرَ الْمَخْرِجِ بِسْمِ اللّٰهِ وَلَجْنَا وَعَلَى اللّٰهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا. (ابوداؤد کتاب الادب)

اے میرے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں خَيْرَ الْمَوْلِجِ بہترین داخل ہونا وَخَيْرَ الْمَخْرِجِ اور بہترین نکلنا یعنی اس گھر میں بہترین طریق پر داخل ہوں، خیر کے ساتھ بھلائی کے ساتھ داخل ہوں اور بھلائی کے ساتھ نکلوں۔ بِسْمِ اللّٰهِ وَلَجْنَا وَعَلَى اللّٰهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا.

اللہ ہی کے نام کے ساتھ ہم داخل ہوتے ہیں اور اسی پر جو ہمارا رب ہے ہم توکل کرتے ہیں۔ پھر گھر سے باہر نکلتے وقت بھی خدا یاد آتا تھا۔

کوئی زندگی کا ایسا مشغلہ نہیں، کوئی ایک زندگی کی حرکت ایسی نہیں جو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف ہو جس میں حضرت محمد مصطفی ﷺ ذکر سے خالی ہوں۔ تبھی اللہ نے آپ کو ذِكْرًا رَّسُوْلًا (الطلاق: 11) فرمایا کہ یہ تو رسول وہ ہے جو مجسم ذکر ہے اس میں اور ذکر میں کوئی فرق نہیں رہا۔ محمد اور ذکر ایک ہی چیز کے دو نام بن گئے ہیں۔ ہر کیفیت سے ہر دوسری کیفیت میں داخل ہوتے وقت ذکرِ الٰہی جاری رہتا تھا۔ ہر موسم میں ذکر۔ بارش کا قطرہ آسمان سے اترتا دیکھتے تھے تو اللہ کو یاد کرتے ہوئے اپنی زبان آگے بڑھا دیا کرتے تھے کہ اللہ کی رحمت کا یہ قطرہ میری زبان پر پڑے۔ اتنی محبت تھی۔ ایسا عشق تھا کہ کفار مکہ اپنی تمام تر دشمنیوں کے باوجود یہ کہنے پر مجبور ہو گئے

کہ عَشِقَ مُحَمَّدٌ رَبَّہٗ (غزالی: 151) اس کی جو کچھ برائیاں بیان کرو مگر ایک بات سچی ہے کہ محمدؐ اپنے رب کا عاشق ہو گیا ہے۔ عاشق کے سوا کسی میں یہ طاقت نہیں کہ یہ تکلیفیں برداشت کر سکے۔ عاشق کے سوا کسی کو یہ توفیق نصیب ہو ہی نہیں سکتی تھی کہ خدا کی راہ میں وہ دکھ برداشت کرے جو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے ساری زندگی اللہ کی راہ میں برداشت کئے ہیں۔ پس یہ آپؐ کی کیفیت تھی۔ گھر میں داخل ہوتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے ہوئے داخل ہوتے ہیں گھر سے نکلتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے ہوئے نکلتے ہیں۔

بسمِ اللّٰہ توکلت علی اللّٰہ ولا حول ولا قوّۃ الا باللّٰہ. اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُ بِکَ أَنۡ أَضِلَّ أو أُضَلَّ أَوۡ أَظۡلِمَ أَوۡ أُظۡلَمَ أَوۡ أَجۡھَلَ أو یُجۡھَلَ عَلَیَّ. (ترمذی کتاب الادب)

کہ بسمِ اللّٰہ اللہ کے نام کے ساتھ توکلت علی اللہ میں اللہ پر توکل کرتا ہوں یعنی گھر سے باہر انسان جب نکلتا ہے۔ اپنی زندگی میں سب سے زیادہ امن کی جگہ تو انسان اپنے گھر کو پاتا ہے تو گھر سے باہر نکلنا گویا کئی قسم کے خطرات کو دعوت دینا ہے اس لئے پہلا تصور جو ذہن میں آتا ہے وہ توکل کا ہے۔ کس سہارے سے میں نکل رہا ہوں۔ غیروں سے میرے رابطے ہوں گے۔ گھر کا امن میرے ساتھ ساتھ تو نہیں چل سکتا تو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو سب سے پہلے اللہ کا خیال آتا تھا کہ اللہ کے توکل پر جا رہا ہوں وہ تو ہر جگہ میرے ساتھ ہے گھر تو ساتھ نہیں چل سکتا مگر اللہ تو ہمیشہ ساتھ رہنے والا ہے۔

بسم اللّٰہ توکلتُ علی اللّٰہ ولا حَوۡلَ وَلَا قُوَّۃَ۔ کوئی ''حول'' نہیں اور کوئی ''قوۃ'' نہیں الا باللّٰہ۔ ''حول'' کہتے ہیں خطرات سے بچانے کی قوت کو یعنی اللہ کے حوالے سے جب حول کہا جاتا ہے تو مراد یہ ہے کہ ہر قسم کے خطرے سے بچانے کی قوت اللہ کے پاس ہے۔ ولا قوۃ. ''قوۃ'' مثبت معنوں میں کہ ہر چیز عطا کرنے کی طاقت بھی اللہ کو نصیب ہے۔ پس کسی شر سے ہم بچ نہیں سکتے مگر اللہ کی طاقت سے۔ کسی خیر کو ہم پا نہیں سکتے مگر اللہ کی طاقت سے۔ اللّٰھم أنی أعوذ بِکَ اَنۡ اَضِلَّ یہ کہنے کے بعد جب ایک ہی پناہ گاہ ہے ہر چیز سے وہی پناہ کی جگہ ہے تو عرض کرتے ہیں اے میرے اللہ میں تیری پناہ میں آتا ہوں اس بات سے اَنۡ اَضِلَّ اَوۡ اُضَلَّ کہ

میں گمراہ ہو جاؤں یا گمراہ کیا جاؤں کئی قسم کے ٹھوکر کے مقامات راستے میں آتے ہیں۔انسان کو کئی قسم کے ایسے فتنے درپیش ہوتے ہیں جن میں دل پھسل جاتے ہیں انسان گناہ کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور کئی قسم کی ٹھوکریں کھا جاتا ہے اور پھر باہر نکل کر رستہ بھولنے کا مضمون تو ایک طبعی مضمون ہے جو ذہن میں آنا چاہئے۔حقیقت میں حضرت محمد مصطفی ﷺ کا کلام، کلام اللہ کے بعد سب سے زیادہ فصیح و بلیغ ہے یعنی ایک ہی لفظ میں دونوں باتیں، اور برمحل ان باتوں کا بیان ہے۔باہر نکلتے ہیں تو ہم رستہ بھی بھول سکتے ہیں۔مسافر کہیں سے بھٹک کر، کہیں اور چلے جائیں بعض دفعہ گھر کا رستہ بھی نہیں ملتا۔فرمایا اے میرے اللہ میں تیری پناہ میں آتا ہوں کہ میں راستہ بھول جاؤں یا بھلا دیا جاؤں لیکن یہاں اول طور پر پیشِ نظر دین کا رستہ ہے اور دین کی باتیں ہیں کہ میں تیری راہ بھول جاؤں یا مجھے تیری راہ سے بھٹکا دیا جائے اَوْ اَظْلَمَ یا میں کسی پر ظلم کروں یا مجھ پر ظلم کیا جائے۔اجهل او اجهل علی یا میں کسی پر جہالت کروں یا مجھ پر کوئی جہالت کی جائے۔

ہم نئے کپڑے پہنتے ہیں۔کتنے ہیں جنہیں کپڑا پہنتے وقت خدا یاد آتا ہو۔کپڑا پہنتے وقت ہم نے تو لوگوں کو یہ دیکھا ہے کہ Selfridges یاد آتا ہے یا دوسرے سٹور یاد آ جاتے ہیں کہ ہم نے وہاں سے لیا اور وہاں سے لیا۔سیل سے لیا یا بغیر سیل کے لیا۔کیسی ہوشیاریاں اختیار کیں کتنے پیسے بچائے یہی باتیں سنتے ہیں لیکن حضرت محمد مصطفی ﷺ کپڑا پہنتے ہیں تو عرض کرتے ہیں۔اللّٰھم لَکَ الحمدُ کما کَسَوتنیه۔(ابوداؤد کتاب اللباس) اے میرے اللہ سب حمد تیرے لئے ہے کیونکہ تو نے مجھے یہ پہنایا ہے مجھ میں کب طاقت تھی کہ میں اپنے لئے کچھ لباس حاصل کر سکتا کچھ پہن لیتا ہر عطا تیری عطا ہے۔پس ایک بھی زندگی کا ایسا لمحہ نہیں جہاں آخری قدرت والے خدا کو یاد نہیں کیا جاتا۔ اس کے بظاہر سلسلہ بہ سلسلہ ہم تک پہنچتے پہنچتے مظہر اول اور اس ذات کو بھلا دیتے ہیں جس سے تمام مذاہب نکلتے ہیں رب تو اللہ ہے لیکن یہ ربوبیت مختلف ذرائع سے ہم تک پہنچتی ہے کبھی ماں باپ کے ذریعے، کبھی اپنے مالکوں کے ذریعے، کبھی دوستوں کے ذریعے۔کبھی اتفاق میں راہ چلتے بھی دولتیں نصیب ہو جاتی ہیں، مگر یہ وہ آخری چہرہ ہے جو ہم دیکھ رہے ہیں ہماری نظریں ان چہروں پر کھڑی ہو جاتی ہیں اور حضرت محمد مصطفی ﷺ کی نظر ان تمام چہروں سے پاک، جیسے ان کا کوئی وجود نہ ہو، اس آخری ہاتھ پر پڑتی ہے جو اول ہاتھ ہے جو اللہ کا ہاتھ ہے اس کے سوا اور کوئی ہاتھ نہیں ہے دینے والا،

تو فرماتے ہیں۔ اللّٰھم لَکَ الحمدُ کما کَسَوتنیه ۔ اے میرے اللہ تیرے ہی لئے سب حمد ہے جو تو نے مجھے یہ لباس پہنایا ہے۔ پھر آئینہ دیکھتے تھے تو دعا کرتے تھے۔ اللّٰھُمَّ کَمَا حَسَّنْتَ خَلْقِیْ فَاحْسِنْ خُلُقِی ٗ (مسند احمد صفحہ:150) اے میرے اللہ جیسے تو نے میرا چہرہ خوب صورت بنایا ہے ویسے ہی میرا اندرونہ بھی پاکیزہ کر۔ خوب صورت بنادے میرے اخلاق کو خوب صورت کردے۔ اب یہ وہ ایک موقع ہے جس سے حضرت محمد مصطفی ﷺ کے ظاہری چہرے کی ایک جھلک ہمیں دکھائی دینے لگتی ہے ورنہ اتنے منکسر مزاج تھے کہ انسان سوچ نہیں سکتا کہ اپنے حسن کی بات کریں لیکن سچے بھی اتنے زیادہ تھے یہ مشکل تھی۔ اپنے خدا کی حمد بیان کرنی تھی وہاں تو سچ بولنا ہی بولنا تھا چاہے اس سے شرمندگی ہی ہوتی تو اللہ کو مخاطب کر کے کہتے ہیں میں نے چہرہ دیکھا ہے بہت خوب صورت ہے میں تیرا بے حد ممنون ہوں اتنا پیارا چہرہ تو نے مجھے عطا کیا پس میرے خُلق کو بھی ایسا ہی بنا دے۔ وَحَرِّمْ وَجْھِی عَلَی النَّارِ اور میرے چہرے کو آگ پر حرام کردے۔ یہاں ایک نیا انداز بیان ہے یہ نہیں فرمایا کہ آگ کو میرے چہرے پر حرام کردے بلکہ فرمایا کہ میرا چہرہ آگ پر حرام کردے۔ آگ کو اجازت نہ ہو کہ اس چہرے کو جلائے بہت ہی زیادہ عظیم الشان کلام ہے۔ بہت قوت والا کلام ہے۔ کہیں آگ ہو کوئی آگ ہو لیکن اسے مجال نہ ہو کہ وہ میرے چہرے کو جلا سکے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی ایک دفعہ اسی طرح کا الہام ہوا تھا کہ:

”آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی بھی غلام ہے۔“ (تذکرہ:324)

تو یہ وہی مضمون ہے کہ آگ کو اجازت نہ ہو کہ وہ مجھے جلا سکے۔ الحَمد للّٰه الَّذِی سَوَّی خَلْقِیْ بہت ہی قابلِ تعریف ہے وہ ذات جس نے میری تخلیق کو میرے وجود کو مناسب بنایا وَأَحْسَنَ صُوْرَتِیْ اور میری صورت کو بھی ایسا خوب صورت بنایا مِنّی مَا شَأنَ مِنْ غَیْرِی اور جو کچھ غیروں کو نصیب نہیں ہو سکا حسن کی صورت میں جو ان کے ہاں بدصورتی ہے وہ میرے ہاں تو نے حسن رکھ دیا یعنی ہر وہ عضو جہاں کسی بھی قسم کی غیر بدصورتی کا حامل ہے وہاں وہی میرا عضو حسین تر ہے۔ یہ جو کلام ہے بہت گہرائی کا کلام ہے اصدق الصادقین کا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کا تمام وجود سرتا پا حسین تھا ورنہ دعا کے وقت یہ کلام آپ نہیں کہہ سکتے تھے جس کے مقابل پر ہر دوسرے میں کہیں نہ کہیں کوئی بدی دکھائی جائے گی مگر یہ وجود ہر سقم ہر

کمزوری سے پاک تھا۔ الحمد للّٰہِ الَّذی سَوّی خَلْقِیْ فَاَعْدَلَہٗ وَصَوَّرَ صُورۃ وَجْہِی فَأَحْسَنَہَا.

''الحمد للّٰہِ الَّذی'' تمام حمد اللہ ہی کے لئے ہے۔ سَوّٰی خَلْقِیْ جس نے میری تخلیق کو موزوں بنایا وَصوّر صورۃ وَجْہِیْ اور میرے چہرے کی شکل کو میرے چہرے کے وجود کو خدّ وخال کو بہت ہی متناسب کر دیا یعنی اتنا متوازن ہے کہ کوئی ایک بھی اس کا خدو خال میں سے کوئی ایک حصہ بھی دوسرے سے ٹکراتا نہیں بلکہ اس سے ہم آہنگ ہوا ہوا ہے اور اسے پھر بہت ہی خوب صورت بنایا ہے۔ فَاَحْسَنَہَا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مجھے مسلمانوں میں سے بنایا۔

نیا پھل کھانے کی بھی آپ دعا کیا کرتے تھے۔ بازار میں داخل ہونے کی بھی دعا کیا کرتے تھے غصے اور طیش سے بچنے کی بھی دعا کیا کرتے تھے۔ بیمار کو دیکھتے تھے تو اس وقت بھی یاد اللہ ہی آتا تھا۔ پس حقیقت یہ ہے کہ تمام دنیا میں جہاں جہاں بھی آثار دکھائی دیتے تھے وہ سب اللہ ہی کے آثار تھے۔ پس وہ مضمون جو امرأالقیس کا میں نے بیان کیا تھا وہ یہ تھا کہ

قِفَا نَبْکِ مِنْ ذِکْرٰی حبیبٍ ومَنْزِلِ

بسقط اللوٰی بین الدّخول فحوملِ

کہ اے میرے دوساتھیو! ٹھہرو ہم اس محبوب کے ذکر سے کچھ رولیں جس کی منزل پر ہم یہاں ٹھہرے ہیں اور اس کی منزل کے ذکر سے رولیں اس منزل کے نشان تو مٹتے چلے جارہے تھے اور دن بدن مٹتے مٹتے آخر وہ کلیۃً صفحہ ہستی سے نابود ہو گئے مگر خدا کے حسن کے آثار کبھی مٹنے والے نہیں یہ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں اور یہی حضرت محمد مصطفی ﷺ کے اپنے آثار کا حال ہے۔

دیوان حسان بن ثابت سے حضرت محمد مصطفی ﷺ کے ذکر پر میں شعر آپ کے سامنے رکھتا ہوں اس سے آپ اندازہ کریں کہ آپؐ کے عشاق کا کیا حال تھا جب ان آثار کو دیکھتے تھے جو محمد رسول اللہؐ کے آثار تھے جس طرح اللہ کے آثار دیکھتے ہوئے محمد رسول اللہؐ کے دل کی کیفیت ہوتی تھی۔ ویسے ہی آپؐ کے عشاق کی کیفیت آپؐ کے آثار دکھ کر ہوتی تھی وہ کہتے ہیں۔ کہ اے میرے دوستو! یثرب میں مجھ پر ایک بڑی مشکل رات آئی وہ مدینہ جس میں میرا محبوب رہا کرتا تھا اور ساری رات جگائے رکھنے والے غم نے مجھے آ پکڑا جبکہ سارے لوگ گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔

وہ یاد کیا تھی یہ ایک ایسے پیارے وجودؐ کا غم تھا جس نے میرے آنسو بہا دیئے اور اس رونے کا سبب میرے پیارےؐ کی یاد تھی۔ پھر ایک اور قصیدے میں عرض کرتے ہیں۔ کہ طیبہ یعنی مدینے میں میرے محبوب کے روشن آثار ہیں حالانکہ آثار تو مٹ جایا کرتے ہیں مگر میرے محبوبؐ کے آثار وہ نہیں ہیں جو مٹ جائیں وہ ہمیشہ روشن سے روشن تر ہوتے چلے جائیں گے اور ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ اس حرمت والے گھر کی آیات ونشانات نہیں مٹتے جس میں نبی ہادیؐ کا مبارک منبر ہے جس پر آپؐ رونق افروز ہوا کرتے تھے اور واضح اور روشن نشانات ہیں اور باقی ماندہ آثار ہیں۔ آپؐ کا گھر ہے جس میں آپؐ کی مسجد تھی وہاں ایسے کمرے ہیں جن کے درمیان خدا تعالیٰ کی طرف سے نور نازل ہوتا تھا جس سے روشنی حاصل کی جاسکتی تھی، وہاں ایسے آثار ہیں جو بظاہر اگر چہ کچھ بوسیدہ ہو گئے مگر ان میں موجود روشن نشانات نہیں مٹے بلکہ مسلسل نکھرتے چلے جارہے ہیں وہاں میں نے رسول اللہ ﷺ کی یادگاریں دیکھیں اور آپؐ کی وہ قبر دیکھی جس میں لحد بنانے والے نے آپؐ کو مٹی میں چھپا دیا۔

پس سب سے زیادہ ذکر کرنے والا وجود جو کائنات میں کبھی پیدا ہوا، جو اپنے رب کی یاد میں مجسم یاد بن گیا وہ محمد مصطفی ﷺ تھے اور خود آپؐ مجسم ذکر بن گئے اور وہ تمام صفات حسنہ خدا سے آپؐ نے پالیں جو ذکر کو ابدیت بخشتی ہیں جو ذکر کو ہمیشہ کے لئے زندہ کرتی ہیں پس صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا (الاحزاب:57) اے تمام لوگو! جو اللہ کے ذکر کی توفیق پاتے ہو اس ذکر کے ساتھ سب سے بڑے ذکر کرنے والے محمد مصطفی ﷺ کو بھی یاد کرلیا کرو۔ وَسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا (الاحزاب:43) اور صبح بھی اس پر درود بھیجا کرو اور رات کو بھی درود بھیجا کرو۔

اللہ نے اپنی ''اَنَا'' سے آپ کو سب کچھ عطا کیا ہے۔
اپنی لذتوں کو اللہ کی طرف منتقل کرنے کا جہاد شروع کریں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 21 رجنوری 1994ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیت کریمہ تلاوت کی۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا (الفاطر:46)

پھر فرمایا:۔

اس آیت سے متعلق گفتگو سے پہلے میں اول تو کچھ اجتماعات کا اعلان کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد گزشتہ خطبے میں کہی ہوئی ایک بات کے متعلق مزید وضاحت پیش کروں گا۔

آج حلقہ شورکوٹ ضلع جھنگ اور حلقہ چک سکندر ضلع گجرات کی جماعتیں اپنا سالانہ جلسہ منعقد کر رہی ہیں۔ چک نو پنیار ضلع سرگودھا کا جلسہ سالانہ بھی آج ہی ہو رہا ہے، بھکر میں بھی ضلعی سطح پر سالانہ جلسہ ہو رہا ہے، اور مجلس انصار اللہ بینن افریقہ کا تیسرا سالانہ اجتماع آج 21 جنوری سے شروع ہو رہا ہے اور کل تک جاری رہے گا۔ ان سب کو احباب اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

گزشتہ جمعے میں، میں نے یہ ذکر کیا تھا کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ہماری تمام اعلیٰ لذات ہمارے خدا میں ہیں اور اسی طرح دیگر انبیاء بھی خدا میں ایسے منہمک

ہو جاتے ہیں اور اس کے عشق میں ایسے ڈوبے جاتے ہیں کہ گویا کسی اور لذت کی کوئی پرواہ نہیں رہی۔ تو سوال یہ ہے کہ ایک عاجز انسان جس کی لذتیں مادی، جس کے تجربے دنیاوی لذتوں کے حصول میں ہی صرف ہوتے رہے ہوں جس کے تجربے دنیاوی لذتوں کے حصول سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ وہ خدا سے کیسے تعلق باندھے اور ان مادی تعلقات کو خدا کی محبت میں کیسے تبدیل کرے اور کیسے اس سے لذت حاصل کرے۔ ایک جانور کو جتنی استطاعت دی گئی ہے وہ اپنی استعداد سے بڑھ کر ان لذتوں کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

پس انسان کے لئے پھر یہ کیسے ممکن ہوگا کہ وہ اپنی تمام لذتیں خدا میں ڈھونڈے، مثلاً اس کو کھانے میں بھی لذت آتی ہے، کھانے پینے میں بھی لذت آتی ہے، لمس سے لذت آتی ہے، اور دیگر اس قسم کی دوسری لذات جن کو انسانی خواہشات یا جذبات سے کوئی رشتہ ہے، وہ سب ایسی معلوم ہوتی ہیں جن کا خدا سے کوئی تعلق نہیں۔ اس ضمن میں مَیں نے ایک بات آپ کے سامنے رکھی تھی جس سے متعلق بعض دوستوں کو ضرورت محسوس ہوئی ہے کہ مزید وضاحت کی جائے۔ وہ یہ تھی کہ ہر لذت کا آغاز، اس کا مبداء، اس کا منبع ایک ہی ہے۔ یعنی ''اَنَا'' جو اللہ کا ''اَنَا'' ہے۔ اللہ کا اپنے نفس کے وجود کا احساس وہی ہے جس سے ہر دوسری چیز پھوٹی ہے۔

پس الم میں، جو الف ہے یہ ہر چیز کا آغاز ہے۔ ایک ہے اور اس سے ہر چیز پھوٹتی ہے اور وہ اپنے وجود کا احساس ہے۔ اس احساس سے اللہ تعالیٰ نے زندگی کو یہ احساس ودیعت فرما دیا، منعکس کر دیا زندگی پر، اور وہیں سے پھر زندگی کا سفر شروع ہوتا ہے۔ زندگی کی آپ جو بھی تعریف کر لیں اس کا آخری نقطہ ''اَنَا'' سے شروع ہوتا ہے۔ یہاں ''اَنَا'' سے وہ انانیت مراد نہیں۔ جس کا شعر و شاعری میں بھی ذکر ملتا ہے۔ جس کے متعلق منفی معنوں میں ہم سوچتے ہیں کہ اس سے مراد اپنے وجود کا دوسروں پر سبقت کا احساس، بڑائی کا احساس، برتری کا احساس یا دوسرے لفظوں میں تکبر کا احساس ہے۔ ہرگز ان معنوں میں یہاں ''اَنَا'' کی بات نہیں ہو رہی۔ ''اَنَا'' سے مراد احساسِ وجود ہے جو ہر دوسری چیز سے زیادہ پیارا ہے۔ پس اس احساسِ وجود میں انسان کی پیدائش سے بہت پہلے زندگی کے آغاز ہی میں، زندگی کے پہلے ذرے کو بھی اللہ تعالیٰ نے اس احساس میں ظلّی طور پر شامل فرما لیا اور وہیں سے پھر زندگی کا سفر شروع ہوا۔ ہر ذرہ زندگی کا ایک ''اَنَا'' رکھتا ہے اور یہ ''اَنَا''

اسے دوسری چیزوں سے ممتاز کر دیتی ہے۔

اب جب آپ زندگی کے ارتقاء پر غور کریں تو آپ یہ معلوم کر کے حیران رہ جائیں گے کہ تمام تر ارتقاء اس ''اَنَــا'' کے گرد گھوم رہا ہے۔شروع میں لاشعوری طور پر اور پھر انسانی سطح پر پہنچ کر شعوری حالت میں۔ یہ مضمون چونکہ بہت گہرا اور بہت ہی وسیع ہے۔اس لئے میں نے اشارۃً ذکر کیا تھا۔

اب بھی اس مضمون کے تمام تر پہلوؤں کو تفصیل سے بیان کرنے کا وقت نہیں ہوگا۔ میں اسی جگہ سے شروع کرتا ہوں جہاں میں نے بات، جہاں میں نے بات پچھلے جمعے میں ختم کی تھی کہ ہم اپنی لذات کو اگر تجزیہ کرتے ہوئے آغاز تک پہنچانے کی کوشش کریں۔تو معلوم ہوگا کہ ہر لذت کا منبع احساسِ وجود یعنی ''اَنَــا'' ہے۔ہم زندگی میں پھیلنا چاہتے ہیں اور یہ پھیلنا آغاز میں وجود کے پھیلنے کے ذریعے تھا۔اس وجود کو زیادہ سے زیادہ تقویت دینا چاہتے ہیں۔اور ان دونوں باتوں کی سیری کے لئے، ان دونوں باتوں کی سیرابی کی خاطر، ہمیں زندگی میں ہر مقام پر دوسری چیزوں کی احتیاج رہتی ہے۔اور یہ احتیاج کئی طریق سے پوری ہوتی ہے۔مثلاً ہر زندہ چیز اپنے ماحول سے کوئی چیز لیتی ہے جس کو ہم کھانا کہتے ہیں کوئی چیز اخذ کرتی ہے، جسے پینا بھی کہا جاتا ہے اور جو کچھ لیتی ہے خواہ وہ کسی شکل میں بھی ہو اس میں سے کچھ حصوں کا انتخاب کرتی ہے اور وہ جو اس کی بقاء کے لئے، اس کی بنیادی خواہش کو پورا کرنے کے لئے کافی ہو اس میں اس کو مزا آنا شروع ہو جاتا ہے۔

پس اصل لذت بقاء میں ہے اور اپنے وجود کے پھیلنے میں ہے۔اپنی نشو ونما میں ہے۔آغاز میں ہمیں اس کے لئے کوئی الگ الگ بڈز یا سیل دکھائی نہیں دیتے۔زندگی کے آغاز میں ایک مبہم سا خیال ہے کہ مجھے مزا آ رہا ہے۔لیکن اس مزے کی تکمیل کے لئے زندگی نے ابھی بہت سفر کرنا ہے اور مختلف ذرات میں مختلف اجزاء نے نہ صرف اندرونی طور پر ترقی کرنی ہے بلکہ باہمی رشتوں میں بھی ترقی کرنی ہے۔

پس اب دیکھیں جس چیز کو ہم مزہ کہتے ہیں، منہ کا مزہ، اس میں کچھ Buds ہیں۔ان Buds کے ذریعے ہم نمک محسوس کر لیتے ہیں۔کڑواہٹ محسوس کر لیتے ہیں۔مٹھاس محسوس کر لیتے ہیں۔اور ان کا تعلق صرف ناک کے Buds سے ہے جن سے ہم خوشبو محسوس کرتے ہیں۔پھر لمس کے ساتھ تعلق ہے، جو چیز نرم ہے یا سخت ہے۔Crish ہے یا سَو گی، ایسی ہے جو چیخ کے ساتھ ٹوٹتی

ہے یا پھسپھسی سی ہے۔ پھر وہ گرم ہے کہ سرد ہے۔ ان سب چیزوں کے لئے خدا تعالیٰ نے پھر زندگی کو محسوس کرنے کے ذرائع عطا کئے حالانکہ آغاز صرف بقاء کا ہے۔ بقاء کی خاطر سفر شروع ہوا ہے۔ لیکن زندگی خود تو یہ چیزیں بنا نہیں سکتی تھی۔ احساس تھا کہ کاش میں جو کچھ لذت حاصل کرتی ہوں تو مجھے اس کی لذت کو معلوم کرنے کے لئے معین ذرائع بھی میسر آ جائیں۔

قرآنِ کریم نے اس مضمون کو ایک سورۃ میں مکمل طور پر پیش فرمایا ہے کہ تم یہ کچھ جو تم نے کیا، کیا تم اس کے خالق تھے یا ہم خالق تھے؟ یہ بتانے کے لئے کہ تمہیں احساسِ وجود تو تھا مگر اس احساسِ وجود کی سعی کے لئے تم کچھ بھی خود پیدا نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن لگتا یوں ہے کہ خود بخود پیدا ہو رہا ہے۔ تو جتنی بھی لذتیں کھانے، پینے اور لمس سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان سب لذتوں کا تعلق اپنے وجود کی نشو ونما اور اس کی بقاء سے ہے۔ اصل مزہ اس بات کا ہے کہ بڑھ رہے ہیں، ہم پھیل رہے ہیں، ہم باقی ہیں، ہم زندہ ہیں۔ ہم طاقتور ہیں اور اس کو معین طور پر محسوس کرنے کے لئے ہمیں منہ کے اندر بعض ایسے سیل عطا کئے گئے، ایسے خلیے عطا کئے گئے جو ان چیزوں کو محسوس کر سکتے ہیں۔ ہمارے ہاتھوں میں، ہماری جلدوں میں، اس قسم کے خلیے عطا کئے گئے جو ان چیزوں کو محسوس کر کے ان کا الگ الگ تجزیہ کر سکتے ہیں اور پھر وہ اعصاب عطا کئے، جن اعصاب کے ذریعے یہ سارے پیغامات دماغ تک پہنچتے ہیں اور پھر دماغ میں وہ صلاحیت عطا کی گئی کہ ان تمام احساسات کو نہایت تیزی کے ساتھ، برقی رفتار کے ساتھ کمپیوٹ کر کے جیسے کمپیوٹر ایک چیز کا حساب لگاتا ہے، حساب لگا کر نہ صرف یہ کہ اپنے اپنے الگ الگ خانوں میں جن کو وہ الگ الگ کر کے دکھائے، یہ جو چیز تم کھا رہے ہو، یہ اتنی ٹھنڈی ہے، اتنی گرم ہے، اتنی نرم ہے، اتنی سخت ہے، اس میں تمہاری بقاء کے لئے غذا کس کس شکل میں پائی جاتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ اور اس کی بُو کیسی ہے۔ یہ دماغ پھر الگ الگ خانوں میں سجا کے دکھاتا ہے لیکن ابھی اس کا نام لذت نہیں ہے۔ لذت اس آخری کمپیوٹیشن میں ہے جس میں دماغ یہ فیصلہ کرتا ہے کہ میں ہر طرف سے مطمئن ہوں اور مجھے بہت ہی لطف آیا ہے کہ مجھے جو چیز اپنے وجود کی تقویت کے لئے جتنی جتنی، جیسی جیسی شکل میں ضرورت تھی، وہ سب مجھے مل گئی۔ لمس کے لحاظ سے بھی میں مطمئن ہو گیا، درجہ حرارت کے لحاظ سے بھی مطمئن ہو گیا، نمکین ہونے یا میٹھا ہونے کے لحاظ سے بھی مطمئن ہو گیا وغیرہ وغیرہ۔

پھر آخری اطمینان اگر چہ ہم مادی حیثیت سے دیکھ رہے ہیں۔لیکن اس کا منبع صرف وہی ’’اَنَــا‘‘ ہے۔یعنی احساسِ وجود، جسے تقویت مل رہی ہے۔اس تقویت کے نتیجے میں ایک بہت لمبے سفر سے زندگی گزری ہے اور ہر تقویت، کچھ اور وجود میں اضافہ کرتی چلی گئی اور اس کے نتیجے میں مختلف سیلز کی شکل میں انسان کے احساس کی قوت ڈھلتی رہی اور اس طرح یہ سفر بالآخر انسان تک پہنچا ہے۔ اور حواسِ خمسہ کو جب آپ دیکھتے ہیں تو حواسِ خمسہ اسی سفر کی آخری شکل ہے جو انسان سے جا کر آخر پر منتج ہوئی ہے۔حواسِ خمسہ تک پہنچنے سے پہلے خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق کا ویسا نمایاں احساس ممکن نہیں تھا۔جیسا حواسِ خمسہ کے ذریعے ہوا۔تو اگر چہ یہ سفر انفرادی طور پر ایک ایک واسطے کے تعلق کو سمجھانے کے لئے اختیار کیا گیا۔لیکن مزہ وہیں آیا جہاں ہمارے وجود کی مددگار چیزیں ثابت ہوئیں۔ جہاں ہمارے وجود سے زندگی کم کرنے والی طاقتیں، اڑانے والی چیزیں پیدا ہوئیں۔ وہاں مزے کی بجائے اس سے نفرت کا احساس پیدا ہوا ،اس سے خوف پیدا ہوا جو پھر آگے مختلف قسم کے سیلز میں ڈھلنا شروع ہوا۔ پس درد کا احساس، تکلیف کا احساس، کھوئے جانے کا احساس، یہ سارے ہمارے وجود کے خلاف اثر کرنے والے محرکات ہیں۔جن سے ہمیں بنیادی طور پر صرف نفرت ہے۔ ہمیں پسند نہیں، ہمارے وجود کے خلاف کام کر رہے ہیں۔اس نفرت کو خدا تعالیٰ نے پھر ڈھالا ہے، مختلف قسم کے احساسات میں۔

ایک انگلی کاٹی جاتی ہے درد ہوتی ہے۔سوئی سے کسی جگہ کچھ چبھویا جائے تو درد ہوتی ہے۔ کیوں ہوتی ہے۔آخری Anphisis ہے اس کے سوا ہو ہی نہیں سکتا کہ اس نے وجود کو خطرہ پیدا کیا ہے اور جہاں جہاں، جس جس سمت سے بھی وجود کو خطرہ درپیش ہوگا وہاں تکلیف ہوگی اور اس تکلیف کا نام ہم کبھی بھوک رکھ لیتے ہیں، کبھی درد رکھ لیتے ہیں، کبھی سردی رکھ لیتے ہیں، کبھی گرمی رکھ لیتے ہیں اور ان سب کے لئے الگ الگ ذرات اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کئے ہیں یا خلیات جن میں ان چیزوں کو محسوس کرنے کی صلاحیتیں رکھی گئی ہیں۔لیکن آخری Analysis آخری تجزیہ یہی ہے کہ لذت بقاء میں ہے اور بقاء کی لذت نے جو لمبا سفر اختیار کیا ہے اس سفر کے نتیجے میں اس لذت کو محسوس کرنے کے لئے احساسات میں نشو ونما پیدا ہوئی ہے۔اور یہ نشو ونما احساسِ ’’اَنَا‘‘ نے پیدا نہیں کی۔ چونکہ وہ بالکل اس بات کا اہل ہی نہیں تھا کہ کچھ پیدا کر سکتا۔اللہ کی ’’اَنَــا‘‘ نے پیدا کی ہے۔جس سے زندگی

میں احساس ''اَنَا'' منعکس ہوا۔ تو اگر کوئی شخص حواسِ خمسہ تک پہنچتے پہنچتے سفر کو ختم کر دے تو اندھا مر جائے گا۔ اگر حواسِ خمسہ تک پہنچنے کے بعد اس کا سفر اس مقام پر، سمت میں حرکت کرنے لگے کہ سب چیزیں میری بقاء کے وجود کے تمام لوازم اور ان میں جو رکھی ہوئی لذتیں ہیں، یہ ساری اس ''اَنَا'' سے پیدا ہوئی ہیں جو اللہ کی ''اَنَا'' ہے اور اس کے سوا ہمارے احساسِ وجود میں طاقت ہی نہیں تھی نہ عقل تھی دماغ تو اس کے نتیجے میں پیدا ہوا ہے، دماغ تو حواسِ خمسہ کو محسوس کرنے اور پھر اس کے اندرونی نظام کو، مختلف شکلیں دینے کے لئے پیدا کیا گیا اور ان کا باہمی آپس میں ایک رشتہ ہے جو اکٹھے ساتھ ساتھ ترقی کے منازل طے کرتے چلے گئے ہیں۔ تو بقاء کا احساس ہے، جس نے ہمیں بہت سی لذتیں بخشیں اور لذت کے ذرائع بخشے۔ اب ہم ان کو کہہ سکتے ہیں کہ یہ مادی لذتیں ہیں۔ مگر اگر آپ اس کی مبداء کی طرف لوٹ جائیں تو ہر مادی لذت کا مبداء، اس کا منبع ایک روحانی لذت ہے جس کو ہم اعضاء میں تقسیم نہیں کر سکتے جس کو کوئی مادی صورت دے نہیں سکتے۔ اس کا کوئی ایسا وجود نہیں جس کو مادی طور پر کہہ سکیں کہ یہ یہ ہے۔

پس وہ احساس ''اَنَا'' جس کی میں بات کر رہا ہوں۔ یہ اللہ کے الف یعنی ''اَنَا'' کی ایک تفصیل ہے جو زندگی میں ڈھالی گئی۔ جس کو آپ جنسی خواہشات کہتے ہیں اور جنسی لذات۔ اب بظاہر جانوروں میں دیکھیں یا انسان میں دیکھیں تو باقی پہلوؤں سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان کا روحانیت سے کوئی تعلق نہیں۔ خالصۃً مادی اور شہوانی جذبات ہیں روحانیت کا ان سے کیا تعلق ہے۔ حالانکہ جب ان کے سفر پر آپ غور کریں تو پتا لگے گا کہ یہ سفر بھی روحانی سفر تھا۔ جس نے رفتہ رفتہ جسمانی شکلیں ڈھالی ہیں کیونکہ انسان صرف اپنے وجود کو Shase میں یعنی کائنات میں نہیں بڑھانا چاہتا بلکہ وقت میں بھی بڑھانا چاہتا ہے اس لئے لمبی زندگی کی خواہش ہے۔ لیکن یہ خواہش ایک مقام پر آ کر آگے نہیں بڑھ سکتی۔ جو اجلِ مسمّی والی آیت میں نے پڑھ کر سنائی ہے۔ ہر شخص کی ایک اجلِ مسمّٰی ہے۔ ہر وجود کی ایک اجلِ مسمّٰی ہے۔ اس سے آگے ایک ذرہ بھی نہیں بڑھ سکتا۔ تو آگے کیسے بڑھیں پھر۔ پھر وہ پیدائش کے ذریعے آگے بڑھنے کا سلسلہ شروع ہوا پھر۔ شروع میں زندگی کے آغاز میں پیدائش کے ساتھ وہ لذتیں نہیں تھیں۔ صرف ایک احساس کی سیری تھی کہ ہم زمانے میں آگے بڑھ گئے ہیں اور یہ سیری کچھ لذت بخشتی تھی۔ جس نے اربہا سال تک ترقی کا سفر طے کیا اور

پھر اس لذت کو احساس کے لئے مختلف خلیے عطا ہونے شروع ہوئے اور اسی طرح اعصابی نظام بنایا گیا اسی طرح دماغ بنایا گیا جس تک اعصابی نظام کے ذریعے پیغامات پہنچتے تھے اور اس سے تعلق والی تمام چیزوں کو جب مجموعی صورت میں دیکھا جائے تو یہ ایک مادی لذت کی، ایک اپنی الگ شان ہے جس کو کھانے پینے کی لذت سے ملایا نہیں جا سکتا، ایک الگ قسم کی چیز ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس کا آغاز بقاء کی تمنا سے ہی شروع ہوا، ایک بقاء کی تمنا ہے ایک مکان کے اندر انسان بڑھنا چاہتا ہے جسم میں بھی اور جسم میں جب نہیں بڑھ سکتا تو پھر علم میں بڑھنے کی تمنا اسے ایک لذت بخشتی ہے۔ اور جتنا انسان علم میں ترقی کرتا ہے اتنی اس کی کائنات پھیلتی چلی جاتی ہے اور وہ وجود جو محدود ہے علم کے ذریعے لامحدودیت کی طرف اس کا سفر شروع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح زمانے میں آگے بڑھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں جنسی خواہشات عطا کیں، جو اپنی ذات میں مقصد نہیں ہیں بلکہ ہمارے آگے بڑھنے کے احساس کے نتیجے میں ہمیں یہ صلاحیتیں عطا ہوئیں کہ ہم جب سمجھتے ہیں ہاں ہم آگے بڑھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں تو اس سے ایک لذت پیدا ہوتی ہے۔ اس لذت کو ان خلیوں میں ڈھالا گیا اس اعصابی نظام میں ڈھالا گیا وغیرہ وغیرہ۔

پس عام انسانی سفر پر جب ہم غور کرتے ہیں تو بعض دفعہ یوں لگتا ہے کہ بڑی بھیانک قسم کی لذات ہیں یعنی ایک مومن کو جو روحانیت کو فوقیت دیتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ یہ لذتیں تو دنیاوی ہیں۔ ان لذتوں کی سیری کیسے ہوسکتی ہے اللہ تعالیٰ کے تعلق میں۔ یہ درست ہے کہ کھانے پینے کی لذت کی، جنسی لذت کی، لمس کی لذت کی، خدا تعالیٰ کی ذات سے براہِ راست سیری ناممکن ہے۔ ویسی ہی مثال ہے جیسی ایک جانور کی میں نے دی تھی کہ وہ انسانی لذتوں کا تصور نہیں کر سکتا اور انسان سے وہ لذتیں پا نہیں سکتا۔ جو اس کو اپنے محدود دائرے میں عطا ہوئی ہیں۔ تو پھر وہ کیسے ممکن ہے کہ ہم خدا سے اسی قسم کے مضمون کی اعلیٰ لذات حاصل کریں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

”ہماری تمام اعلیٰ لذات ہمارے خدا میں ہیں۔“ (کشتی نوح روحانی خزائن جلد 19 صفحہ: 21)

وہ اعلیٰ لذات کیا چیز ہیں؟ یہ مضمون ہے جو پوری طرح پچھلی دفعہ واضح نہیں ہو سکا تھا۔ جسے

میں گزشتہ جمعے، میں کہہ چکا ہوں ان کے حوالے سے آگے بڑھانا چاہتا ہوں۔جس طرح مادی ترقی نے ''اَنَا'' کے سہارے ایک بہت لمبا سفر طے کیا۔اسی طرح روحانی ترقی میں بھی یہی ''اَنَا'' ہے جو ایک سفر میں آپ کی مددگار اور معین ہو جاتی ہے آپ کو قدم قدم آگے بڑھاتی ہے۔مادی ترقیات میں ''اَنَا'' نے کانشس رول ادا نہیں کیا۔یعنی باشعور طور پر ''اَنَا'' میں یہ صلاحیت ہی نہیں تھی کہ وہ آپ کو وہ چیزیں عطا کر سکتی۔جو آپ کی لذت کے پیمانے ہیں۔**اللہ تعالیٰ ہے جس نے اپنی ''اَنَا'' سے یہ سب چیزیں آپ کو عطا کیں ہیں** اور آپ کو سمجھانے کی خاطر کہ لذت کیا ہوتی ہے اور کیوں ہوتی ہے۔جب آپ انسان کی سطح پہ پہنچ جاتے ہیں اور حواسِ خمسہ پوری طرح مکمل اور تیار ہو جاتے ہیں۔تو یہ وہ وقت ہے جس سے خلقِ آخر کا وقت کہا جاتا ہے۔جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے شعلۂ الہام نازل ہو سکتا ہے اور آپ کی صلاحیتیں اتنی ترقی کر چکی ہیں کہ آپ ماوراء کسی چیز کا تصور کر سکتے ہیں۔یعنی مادے سے ماوراء، مادے سے پرلی طرف کی دنیا کی بھی تصور کرنے کی اہلیت اختیار کر جاتے ہیں۔پھر شعور جوں جوں بیدار ہوتا ہے۔آپ جانتے ہیں کہ ہماری بقاء، یہ جو ہمیں لذتیں بخشتی ہیں۔یہ بقاء تو ایک عارضی سی بے معنی سی بقاء ہے۔اصل بقاء اس بات میں ہے کہ بقاء کے سرچشمے میں اپنے آپ کو کھو دیں۔قطرہ سمندر کی طرف واپس لوٹ جائے۔وہ جو مبداء تھا وہ مرجع بن جائے۔جہاں سے ہم نکلے تھے اسی میں ڈوب جائیں۔اور یہ احساس پوری طرح عرفانِ الٰہی سے نصیب ہوتا ہے جو کلامِ الٰہی کے پڑھنے سے اور عارف باللہ کے تعلقات سے محض نصیب ہوتا ہے۔

پس یہ وہ مضمون ہے جو حقیقت میں مذہب کا مضمون ہے اور مذہب کے سفر کی داستان یہاں سے شروع ہوتی ہے کہ **ہم اپنی لذتوں کو اللہ کی طرف منتقل کرنے کا جہاد شروع کریں۔اللہ کی طرف منتقل کرنے کا جو سفر ہے۔یہ سفر ہی روحانی ترقی کا سفر ہے۔** پس جس طرح بقاء کے احساس نے اور ان ذرائع نے جو بقا کو طاقت بخشتے تھے اور ہمیشہ رہنے کی تمنا نے اور ان ذرائع نے جو ہمیشہ رہنے کی تمنا کو پورا کرنے میں مددگار تھے ہمیں مادی طور پر کچھ ایسے خلیے، کچھ ایسے ذرائع آلات عطا کر دیئے جس کے ذریعے ہم ان لذتوں کو ایک مبہم لذت کے طور پر نہیں بلکہ معین لذتوں کے طور پر محسوس کر سکتے تھے۔

اسی طرح روحانی زندگی میں جب آپ تعلق باللہ شروع کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ذکر

سے اس تعلق کو تقویت دیتے ہیں۔ وہ وقت جب آپ کو واقعۃً اللہ کے پیار میں لذت آنی شروع ہو جاتی ہے۔ وہ جب واقعۃً آپ سمجھتے ہیں کہ ہماری بقاء کا آغاز تو اللہ ہی سے ہے اور اسی کے سہارے ہؤا ہے مسلسل، اور ہم نادانی میں اس بات کو بھولے رہے۔ پھر جب آپ خدا سے ایک نئی طاقت پاتے ہیں، ایک نئی رفاقت نصیب ہوتی ہے وہ آپ کو ایک روحانی لذت بخشتی ہے۔ یہی وہ روحانی لذت ہے جو مرنے کے بعد جی اٹھنے سے پہلے پہلے اسی طرح ایک لمبا سفر کرے گی۔ جس طرح انسانی زندگی یا حیوانی زندگی نے سفر کر کے بعض لذتوں کو معین طور پر محسوس کرنے کے ذرائع حاصل کر لئے۔ وہ روحانی وجود جو جنت کے مقام تک پہنچتے پہنچتے آپ کو عطا ہوگا وہ روح کا یہ سفر ہے جس کے دوران آپ کو یہ عطا ہوگا۔ اس سفر پر بھیجنے کے لئے آپ نے اپنی زندگی میں کچھ کام کرنے ہیں۔ اگر اپنی زندگی میں اس سفر کی تیاری نہ کی تو زادِراہ کے بغیر جو سفر ہے وہ تو پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔ اسی طرح گنہگار لوگ جن کی اپنے اپنے وجود کی ہر ایک کی ایک جہنم ہوتی ہے اس لئے میں کہتا ہوں اپنی جہنم تک پہنچنے تک جو سفر اختیار کرتے ہیں۔ اس سفر تک پہنچنے کے لئے ان کو اسی طرح منفی اعصاب نصیب ہوتے ہیں۔ جس طرح درد اور تکلیف کو محسوس کرنے کے لئے ہمیں زندگی کے سفر میں منفی اعصاب نصیب ہوئے تھے۔ اور وہ منفی اعصاب جہنم تک پہنچنے تک ان کے اندر غیر معمولی تکلیف کے احساس کی طاقت پیدا کر چکے ہوتے ہیں۔

پس خدا سے دوری کا سفر دراصل وہ جہنم کی جانب سفر ہے جس میں ایک لمبے عرصے میں، جس کے متعلق ہم نہیں کہہ سکتے کہ کب تک کا ہوگا۔ رفتہ رفتہ ہماری روح کو وہ شعور نصیب ہو جائے گا کہ وہ اپنی حماقتوں کے نتیجے میں جو کچھ کھویا ہے اس کی تکلیف محسوس کریں اور تکلیف کھونے کا نام ہے۔ بقاء کے خلاف جو کوئی چیز بھی آپ پر عمل دکھاتی ہے وہی تکلیف ہے۔ اور بقاء کے حق میں جو طاقتیں آپ پر عمل کر رہی ہیں وہی لذتیں ہیں۔ تو آخری Analysis میں نہ کوئی جسمانی لذت ہے، نہ کوئی جنسی لذت ہے، نہ کوئی کھانے کی لذت ہے، نہ کوئی سردی، گرمی کا مزہ ہے۔ سارے مزے ''اَنَا'' تک پہنچتے ہیں اور اس ''اَنَا'' میں جب کمزوری کا احساس پیدا ہوتا ہے کہ ہم نے بہت لمبے سفر کئے مگر پھر بھی کافی نہیں ہے۔ مزید کی تمنا اسی طرح باقی ہے، پھر بھی پیاس ہے، جو نا ختم ہونے والی ہے۔ وہ وقت ہے شعور کا، جب اللہ کی طرف توجہ پیدا ہوتی ہے اور انسان جان لیتا ہے کہ بقاء تو اسی کی ذات میں ہے اسی کی رفاقت میں ہے۔ اور ہمیشہ کی زندگی بھی اسی سے نصیب

ہوسکتی ہے۔تو پھر یہ جو کھانے پینے کی، جنسی لذتیں وغیرہ یہ بالکل بے حقیقت، اس کے مقابل پہ بے حقیقت اور بے معنی ہو جاتی ہیں اور اپنے اپنے دائرے میں ایک نیا احساسِ لذت پیدا ہوتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہماری اعلیٰ لذات سے یہ مراد ہے۔ بہت سے انسان تو ہیں جن کو ادنیٰ لذات سے باہر نکل کر سوچنے کا موقع ہی کبھی نہیں ملا۔ یہ کلام ایک عارف باللہ کا کلام ہے۔ناممکن ہے کہ ایک عارف باللہ جو خدا کی محبت میں ڈوبا ہوا ہو اس کے سوا، کسی کا تصور بھی اس بات تک نہیں پہنچ سکتا۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس ایک جملے میں فرما دیئے ہیں۔ ہماری اعلیٰ لذات ہمارے خدا میں ہیں۔ وہ کون سی اعلیٰ لذات ہیں۔ وہ یہی لذات کا روحانی سفر ہے، جو انسان کے مقام پر پہنچنے کے بعد پھر آگے بڑھتا ہے اور اس سفر کا اختتام مرنے کے ساتھ نہیں ہو جاتا۔ قرآنِ کریم بتاتا ہے کہ مرنے کے بعد اس سفر کا آغاز ہوتا ہے۔ان معنوں میں جیسے ماں کے پیٹ میں بچہ بن رہا ہوتا ہے۔اور ایک لمبا سفر نو مہینے کے عرصے میں طے کرتا ہے۔نو مہینے کا عرصہ تو تھوڑا ہے۔لیکن یہ جو وہ سفر کرتا ہے۔ وہ ساری زندگی کا سفر ہے، جو دہرایا جا رہا ہے اس کے اندر، یعنی ماں کے پیٹ کے اندر، بچے کی ذات میں، یہ سفر دہرایا جاتا ہے۔ یہ بھی ایک لمبی تفصیل ہے۔جس میں اس وقت جانا مناسب نہیں۔

مختصراً آپ کو یہ بتا دیتا ہوں کہ یہ سفر، جو روحانی سفر خدا کی جانب ہے اور الٰہی تعلق کی لذات حاصل کرنے کی تمنا کے سہارے چلتا ہے۔ یہی وہ سفر ہے جس نے ہماری جنت کی صلاحیتیں پیدا کرنی ہیں۔ ورنہ یہ وہم ہے کہ ہم جنت میں چلے جائیں گے۔ جنت میں جانے کی وہ تیاری جس سے جنت کی لذتیں محسوس کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے وہ تیاری کئے بغیر، اس صلاحیت کے بغیر کس سے آپ مزہ اٹھالیں گے۔ایک بچہ پیدا ہوتا ہے اس کی آنکھیں نہیں ہیں۔بغیر آنکھوں کے وہ وہ لذتیں کیسے پا سکتا ہے جو آپ آنکھوں والے حاصل کر رہے ہیں۔ ٹیلی ویژن دیکھ رہے ہیں اس وقت اور دنیا کے باہر جب نکلتے ہیں نظارے دیکھتے ہیں رنگوں کی تمیز کرتے ہیں۔حسن کو پہچانتے ہیں اور اس سے ایک لذت پاتے ہیں۔ ہر قسم کے حسن سے لذت پانے کے وہ ذرائع جو آنکھ کو میسر ہیں ان کا تعلق ایک لذت یابی سے ہے۔اندھے بے چارے کو پتا ہی کچھ نہیں۔اسی طرح سماعی لذتیں ہیں۔جس کو کان نصیب نہیں ہوئے اس کو کیا پتا کہ یہ کیا لذتیں ہیں۔تم، یہ تو محض کافی نہیں کہ ایک

اندھے کو ایک بہت ہی خوب صورت وجود یا خوب صورت بندے کے سامنے لا بٹھاؤ، لا بٹھاؤ لیکن وہ لذت حاصل نہیں کر سکے گا۔ یہ تو کافی نہیں کہ ایک بہرے کو ایک نہایت ہی خوب صورت اور دلکش محفلِ سماع میں پہنچا دو۔ وہ بت کا بت، پتھر کا پتھر، بیٹھا رہے گا۔ اس کو کچھ بھی پتا نہیں لگے گا کہ کیا ہو رہا ہے۔

تو جنت کوئی ظاہری ایسا وجود نہیں ہے جہاں جو داخل ہو گیا اس کو مزہ آنا شروع ہو جائے گا۔ ہم اپنی جنت کی خود تعمیر کرتے ہیں۔ جتنا جتنا یہ روحانی صلاحیتوں کے ذرائع ترقی کریں گے اتنا ہی ہماری جنت کا معیار بڑھتا چلا جائے گا۔ اگر ایک ہی چیز دو آدمی کھا رہے ہوتے ہیں۔ ایک کو کم مزہ آ رہا ہوتا ہے ایک کو زیادہ مزہ آ رہا ہوتا ہے۔ ایک ہی شعر دو آدمی سن رہے ہوتے ہیں۔ ایک لطف سے ایسا مستی پاتا ہے گویا کہ وہ آسمانوں میں اڑ رہا ہے۔ اس کی کیفیت ہی اور ہو جاتی ہے۔ اسے بعض شعر زمین کی سطح سے بلند رفعتوں پر پہنچا دیتی ہیں اور ایک آدمی سنتا ہے اور اسے کچھ پلے نہیں پڑتا کہ کیا ہو رہا ہے کیا بات ہے۔ وہیں بت کا بت زمین پر بیٹھا رہتا ہے۔ شعر اس کے سر کے اوپر سے گزر جاتا ہے یا ایک طرف سے آتا ہے، دوسری طرف سے نکل جاتا ہے، پتا نہیں اس کو کہ کیا بات ہو رہی ہے۔ اب وہ ایک خاص دائرے میں جو کچھ ہو رہا ہے۔ وہاں جس کو چاہیں لے جائیں ہر ایک کا ماحصل مختلف رہے گا۔ بعض شعری مجلس میں جا کر سزا پاتے ہیں۔ کہ پتہ نہیں یہ کیا بکواس ہو رہی ہے۔ جھوم جھوم کے ایک آدمی کچھ باتیں کر رہا ہے۔ لوگ دادیں دے رہے ہیں۔ پاگل ہوئے ہوئے ہیں یہ سارے، کہنے والا بھی پاگل سننے والے بھی پاگل۔ اصل میں وہ خود پاگل ہوتا ہے، اس کو پتا نہیں کہ کیا ہو رہا ہے۔ تو اس لئے جو لذتوں کے حصول کے ذرائع ہیں۔ وہ سب سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں اور ان سے ہی جنتیں بنتی ہیں ان سے ہی دوزخیں بنتی ہیں اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ہر شخص کی جنت الگ ہے اور ہر شخص کی دوزخ الگ ہے۔

پس محض دعائیں کرنا کہ اے اللہ ہمیں اعلیٰ علّیین میں پہنچا دے۔ ہمیں حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے قدموں میں جگہ دے۔ ہمیں اپنے پیاروں سے ملا دے۔ بے کار ہے اگر ان باتوں کی کوئی تیاری نہ کی گئی ہو تو اندھا کہہ سکتا ہے اے خدا اے خدا! ہمیں دنیا کی سب سے خوب صورت جگہ پہ پہنچا دے۔ سب سے زیادہ حسین وجود کے سامنے بٹھا دے۔ تو اللہ دعا قبول کر لے گا؟ اگرچہ گریہ وزاری سے کرے گا۔ مگر دعا کرنے والے کو کیا فائدہ؟ وہ اسی طرح اندھے کا اندھا ہی

ہے۔ پس یہ جو روحانی سفر ہے اس کے متعلق یاد رکھیں کہ آپ کی تمام مادی لذات بعض صورتوں میں بڑی بھیانک دکھائی دیتی ہیں۔ مگر ان سب کا منبع، ان سب کا مبداء اللہ کی ذات ہے۔ اور آغاز میں یہ بہت ہی پاکیزہ ہیں اور گہری حکمتیں ان سے وابستہ ہیں اور آخری حکمت کی بات یہ ہے۔ کہ ان سب کا تعلق اس ''اَنَـا'' سے ہے۔ اللہ کی ذات سے آپ میں منعکس ہوئی۔ اور اس نے ایک بہت لمبا سفر اختیار کیا۔ جب آپ کو یہ احساس ہو جاتا ہے کہ منبع حسین ہے اور باقی سب لذتیں۔ اس منبع کی عطا ہیں۔ تو اس طرف جو لوٹنے کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ سفر ہے جو مرجع کا سفر بن جاتا ہے۔ پس آخری دائرہ وہی ہے جو اِنَّـا لِـلّٰـهِ وَاِنَّـا اِلَيْـهِ رَاجِعُوْنَ میں بیان فرمایا گیا ہے۔ کہ اللہ ہی سے سفر کا آغاز ہوتا ہے اور اللہ پر ہی سفر جا کر ختم ہوتا ہے۔ وہ لوگ جن کا سفر اندھا شروع ہوا اور اندھا ہی ختم ہو ان کو مرنے کے بعد کسی لذت کی توقع نہیں رکھنی چاہئے۔ وہ جو باشعوری طور پر دل میں وقتاً فوقتاً اپنے جذبات میں ایک ہیجان اٹھتا ہوا دیکھتے ہیں۔ وہ اللہ کی طرف اپنے وجود کو لپکتا ہوا پاتے ہیں۔ وہ دیکھتے ہیں کہ وہ اعلیٰ ذات، وہ پاک اور بلند تر ذات جس تک ہمارا تصور بھی نہیں پہنچتا اس طرف جانے کی تمنا میرے دل میں پیدا ہو رہی ہے اور اس کی طرف میری روح حرکت کر رہی ہے۔ یہ وہ تمنا ہے جو رفتہ رفتہ آپ کو لازماً وہ روحانی اعصاب عطا کر دے گی جن اعصاب کے ذریعے واقعۃً آپ غیر معمولی لذت حاصل کریں گے۔

اسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ مرنے کے بعد روح کو ایک جسم عطا کیا جائے گا۔ ایک عام آدمی سوچتا ہے کہ کیا ضرورت ہے روح کو ایک جسم عطا کرنے کی، ایک جسم سے چھٹکارا ملا، ایک اور جسم عطا ہو گیا۔ بات یہ ہے کہ روح کا جو شعور ہے وہ ایک غیر منقسم شعور ہے۔ اس میں کسی قسم کی کوئی، شعور کے اندر ایسے مختلف قسم کے حصے نہیں ہیں کہ اس شعور کو آپ تقسیم کر سکتے ہوں کہ یہ حصہ فلاں چیز سے تعلق رکھتا ہے یہ فلاں چیز سے تعلق رکھتا ہے۔ ہر شعور اپنے آخری شکل میں غیر منقسم ہے۔ اس لئے کہ وہ توحید کا عطا ہوا ہے۔ ''اَنَا'' کا الف ایک ہی ہے۔ اور اسے آپ تقسیم نہیں کر سکتے۔ لیکن تقسیم ہوئے بغیر اس سے پھر آگے صفات پھوٹتی ہیں۔ پس جس طرح ہم کہتے ہیں کہ الـم، اَنَا اللّٰهُ اَعْلَمُ یہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ کہ الف سے مراد ''اَنَا'' ہو اور لام سے اللہ ہو اور میم سے رحمٰن اور رحیم ہوں۔ کیونکہ رحمانیت سے ہی ہر چیز کا آغاز ہوا ہے اور ربوبیت دراصل رحمانیت اور

رحیمیت کے آپس کے تعلق سے بنتی ہے۔مگر یہ بھی سرِ دست اس کو چھوڑ نا پڑتا ہے۔ کیوں کہ ایک لمبا مضمون ہے۔ میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہم جو کہتے ہیں اَنَا اللّٰهُ اَعۡلَمُ کا مطلب ہے میں ہوں اللہ سب سے زیادہ جاننے والا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کیوں کہ قرآن کریم کے بہت سے بطن ہیں لیکن یہ بھی ہوسکتا ہے کہ الف جو ہے وہ ''اَنَا'' کا ہو اور لام اللہ کا اور میم رحمانیت اور رحیمیت کی ہو اور مراد یہ ہے کہ میں ایک وجود ہوں جس سے آگے صفات کے پھوٹنے کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور میری پہلی صفت رحمانیت ہے اور پھر رحیمیت ہے پھر آگے ان کے مختلف تعلقات اور جلووں سے تمام صفات پیدا ہوتی ہیں اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ میں جس طرح ایک ہوں اور کوئی میرا ثانی نہیں۔اسی طرح میم سے مراد محمد ہو، اور مراد یہ ہو کہ مخلوقات میں محمد بھی اسی طرح ایک ہے اور اس کا کوئی ثانی نہیں لیکن جس طرح میں ایک ہونے کے باوجود مختلف صفات میں جلوہ گر ہو کر تمہیں مختلف رنگوں میں دکھائی دے رہا ہوں اور تم ان صفات کو اپنا بھی سکتے ہو۔اسی طرح اگر چہ محمدؐ بھی ایک ہے لیکن تم اگر چاہو تو اس کی صفات کو اپنا کر اس کا قرب حاصل کر سکتے ہو اور ویسے ہی جلوے دکھا سکتے ہو۔

تو ''اَنَا'' کا سفر ان معنوں میں کہ خدا کی ذات سے نکلا ہے ہر قسم کے رنگ سمیٹے ہوئے ہے، ہر قسم کے حسن کی آماجگاہ ہے اور یہیں سے حسن پھوٹتے ہیں اور جب ہمارا تصور اس مضمون کو پا لے اور ہم سمجھ لیں کہ ہم نے زندگی کا سفر کیوں اختیار کیا اور کس جانب یہ سفر ہے۔تو پھر ایک تمنا پیدا ہوتی ہے کہ ہم اس طرف لوٹ جائیں۔تبھی حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے وصال کے وقت بار بار یہ الفاظ ادا کئے اَللّٰهُمَّ فِی الرَّفِيۡقِ الۡاَعۡلٰی ،اَللّٰهُمَّ فِی الرَّفِيۡقِ الۡاَعۡلٰی اے میرے اللہ اب تو میں رفیق اعلیٰ میں ڈوبنے کی تمنا رکھتا ہوں، تُو میرا وہ اعلیٰ دوست ہے، اعلیٰ لذات کے مضمون پر غور کریں۔ یہ وہی مضمون ہے اعلیٰ لذات والا، کہ دنیا میں بھی رفیق تھے جو تیری وجہ سے پیارے لگتے تھے۔مگر وہ سارے تیرے مقابل پر ادنیٰ رفیق ہیں۔ان کے تعلق کی لذتیں تیری لذت کے مقابل پر ادنیٰ کہلاتی ہیں، ادنیٰ کہلائیں گی ادنیٰ ہیں۔ایک ہی ہے جو رفیق اعلیٰ ہے جس کے ساتھ رفاقت کی سب سے اعلیٰ لذتیں وابستہ ہیں۔

پس اَللّٰهُمَّ فِی الرَّفِيۡقِ الۡاَعۡلٰی اے خدا میں تیری ذات میں لوٹ کر تجھ میں ڈوب جانا چاہتا ہوں۔ یہ ہے مرجع تام یعنی باشعور خدا کی طرف لوٹنے کی تمنا پیدا ہو اور اس کے پیچھے اس کی

زندگی کی ساری کہانی اس مضمون کی صداقت پر گواہ بن چکی ہو۔ محض حرفوں اور لفظوں میں یہ بات نہ کہی جائے بلکہ ساری زندگی کے مضمون اس کے پیچھے اس کا گواہ بن کے کھڑا ہو۔ جس طرح حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی زندگی کا خلاصہ یہ تھا کہ اَللّٰھُمَّ فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی اے میرے اللہ میں تیری ذات میں لوٹنا چاہتا ہوں۔ پس یہ قطرہ جس کا سفر ایک لامتناہی سمندر سے شروع ہوا تھا جب شعور کی منازل طے کرنے کے بعد عشق کی منازل طے کرتا ہوا واپس اپنے مرجع کے طرف لوٹنے کی تمنا رکھتا ہے۔ یہ وہ مضمون ہے جو پھر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کی کامل تصویر بن کر ہمیں اپنے خدا کی طرف لے جاتا ہے اور یہ واپس لوٹنا دراصل اعلیٰ جنت ہے۔ ’’فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ﴿۳۰﴾ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ﴿۳۱﴾ (الفجر:30 تا 31) اس جنت کی کوئی تفصیل بیان نہیں فرمائی گئی۔ جو نسبتاً کم درجہ کی جنتیں ہیں ان کے اندر آپ باغوں کے ذکر پڑھیں گے، پھلوں کے ذکر پڑھیں گے، بڑے بڑے باغوں کے قصے ہوں گے۔ جنت میں نہریں بہہ رہی ہوں گی لیکن ایک اعلیٰ جنت ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ کی جنت اور آپ ؐ کی غلامی میں پیدا ہونے والے عباد کی جنت ہے۔ اس کی تفصیل خدا نے کوئی بیان نہیں فرمائی کیونکہ وہ ایک ایسی اعلیٰ جنت ہے جس کی کوئی تمثیل ہی نہیں ہے۔ فرماتا ہے میں آواز دوں گا ان لوگوں کو جو میری طرف آ رہے ہوں گے۔ یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۸﴾ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ﴿۲۹﴾ (الفجر:28 تا 29) اے وہ نفس جو مجھ سے مطمئن ہو گیا ہے۔ جو ساری زندگی کے سفر کے بعد بالآخر اس نتیجے پر پہنچا ہے۔ کہ میرا اطمینان، میرا سکون خالصۃً اللہ ہی میں ہے اور کوئی چیز نہیں ہے۔ جو مجھے کامل طمانیت بخش سکے۔ یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۸﴾ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ تو تھک گیا ہے لمبے سفر سے ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ اپنے رب کی طرف اب لوٹ آ، فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ﴿۳۰﴾ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ﴿۳۱﴾ پس میرے عباد میں داخل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا، اب باقی جنتیں چاہے کیسی دلکش اور حسین دکھائی دیں، کیسی کیسی تفصیل ان کی نظر آئے، مگر جو میری جنت اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے۔ یہ کوئی اور ہی چیز ہے اور یہ ہی وہ جنت ہے جو رفیقِ اعلیٰ کی جنت ہے۔

پس اس عظیم سفر کی تیاری کریں اور اپنی جنتیں خود بنائیں اور یہ جنتیں ذکرِ الٰہی سے بنیں گی۔ ذکرِ الٰہی مختلف پھل بن کر آپ کے سامنے متمثل ہوگا۔ ذکرِ الٰہی سے جو پھل پھوٹیں گے وہ کچھ لذتیں

محسوس کرنے کی صلاحیتیں آپ کو عطا کریں گے اور ان لذتوں سے پھر آپ کی روحانی نشوونما کا سلسلہ شروع ہوگا اور بالآخر جب یہ لذتوں کا حصول اپنے کمال کے درجے تک پہنچے گا تو آخری لذت آپ کو سوائے رب کے کسی چیز میں نظر نہیں آئے گی۔ یہ ہے ذکرِ الٰہی جس کی طرف میں آپ کو بلا رہا ہوں۔ جس کی طرف قرآن آپ کو بلاتا ہے۔ جس کے اسلوب اور انداز ہمیں خود اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفی ﷺ کے دل پر نازل ہونے والے نور میں بیان فرمائے اور روشن کئے۔ جو حضرت محمد مصطفی ﷺ کی ذات میں جلوہ گر ہوا یہ وہ ذکرِ الٰہی ہے جو وہ آپ کی روحانی تخلیق کرتا ہے اور آپ خلقِ آخر میں داخل ہو جاتے ہیں جب دوبارہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس مضمون کے بعد جو میرا خیال تھا کہ نیا مضمون شروع کروں گا۔ اب اس کا وقت تو نہیں رہا اس لئے میں ایک دو اور امور کے متعلق اعلان کر کے اس خطبے کو ختم کرتا ہوں۔

سب سے پہلے یہ کہ کچھ غم کی خبریں آئی ہیں۔ جن کا تعلق اِنَّـا لِـلّٰـهِ کے مضمون سے ہے۔ سب سے پہلے مکرم میاں عبدالحیٔ صاحب کی وفات کی اطلاع ملی ہے۔ یہ مبلغ انڈونیشیا تقریباً 25 سال تک انڈونیشیا میں خدمتِ دین سرانجام دیتے رہے۔ اس لئے عموماً ان کا تعارف مبلغ انڈونیشیا کے طور پر ہی کرایا جاتا ہے اور جہاں تک خدمتِ دین کا تعلق ہے۔ یہ ایک لمبا عرصہ ہے۔ 55 سال تک یہ واقفِ زندگی کے طور پر مختلف مناصب پر خدمتِ دین سرانجام دیتے رہے۔ نہایت میٹھا مزاج تھا بہت ہی طبیعت کے اندر نرمی اور رفق پایا جاتا تھا شفقت تھی دوستوں کے ساتھ، اچھے دوست مسکرانے والے اچھی باتوں پر ہنسنے والے بری بات کہو تو خاموش ہو کر الگ ہو جانے والے، اس قسم کا مزاج تھا جو ایک نظر دیکھنے میں ہی ایک پاکیزہ مزاج دکھائی دیتا ہے۔ صاف ستھرا، پاکیزہ مزاج اور خدمت بھی بے لوث کی اور مسلسل کی ہے۔ ہر حالت میں کی ہے، سخت بیماری کی حالت میں بھی جبکہ کینسر کے مریض تھے تب بھی آپ خدا کے فضل کے ساتھ خدمت دین کو اس طرح سرانجام دیتے رہے جیسے آپ کا عزیز ترین کوئی مشغلہ ہو جس کے بغیر آپ کو لطف نہ آئے زندگی کا۔ بیماری کی حالت میں بھی میں نے جیسا کہ بیان کیا ہے مجھے بھی جو خط لکھے ان میں یہی تھا کہ دعا کریں مجھے اور خدا تعالیٰ خدمتِ دین کی توفیق بخشے۔

ان کے متعلق مزید معلومات یہ ہیں کہ 1920ء میں 28 رفروری 1920ء کو قادیان میں

پیدا ہوئے تھے۔اور یکم مئی 1938ء کو یہ مجاہدین تحریک جدید کے ساتھ وابستہ ہوئے۔1946ء میں پہلی مرتبہ اعلائے کلمہ اسلام کے لئے سنگاپور بھجوائے گئے۔ پھر چار سال وہاں خدمت بجالانے کے بعد انڈونیشیا میں متعین ہوئے۔1974ء سے 1980ء تک کراچی واہ کینٹ اور ربوہ میں خدمات سرانجام دیں۔ پھر دوبارہ 1980ء سے 87ء تک انڈونیشیا میں جہادِ تبلیغ میں مصروف رہے۔واپسی کے بعد زندگی کی آخری سانس تک تحریک جدید کے مفوضہ فرائض سرانجام دیتے رہے۔19رجنوری 1994ء کو لاہور میں وفات پائی۔

سید مسعود مبارک شاہ صاحب جو میرے ماموں زاد بھائی سید محمود اللہ شاہ صاحب کے صاحبزادے اور ڈاکٹر سید عبدالستار شاہ صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے تھے۔ان کی جو والدہ کی طرف سے بھی ان کو یہ اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل نصیب ہوا۔ یہ حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحبؓ کے نواسے تھے۔میرے ماموں کی ایک شادی حضرت سید محمد سرور شاہ صاحب کی صاحبزادی سے ہوئی تھی تو میرے بہنوئی سید داؤد مظفر صاحب بھی انہی کے بطن سے ہیں۔وقفِ زندگی کے بعد ایک بہت لمبے عرصے تک آپ نے جماعت کی اسٹیٹ تک یعنی سندھ کی جو زمینیں تھیں ان پر خدمات سرانجام دیں۔لائل پورا یگریکلچر کالج سے باغوں کے فن پر انہوں نے ایک ڈپلومہ لیا تھا حضرت مصلح موعودؓ کے کہنے پر چنانچہ وہاں جو بڑے بڑے باغ لگائے گئے ہیں۔ان میں ان کی محنت اور ان کی صلاحیت کا بھی کافی دخل ہے۔ان کی شادی میرے دوسرے ماموں عبدالرافع صاحب کی بیٹی سے ہوئی تھی۔اور پندرہ سال ان کو لنڈن کے لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کثرت سے طوبیٰ شاہ انہی کے صاحبزادے تھے اور اسی طرح عتیقہ ڈاکٹر فرید کی بیگم وہ بھی سید مسعود مبارک شاہ صاحب کی صاحبزادیاں ہیں۔یہ دونوں آج انشاء اللہ جنازے میں شرکت کرنے کے لئے تشریف لے جائیں گے۔ان کو بھی اپنی خاص دعاؤں میں یاد رکھیں۔دونوں نام وہ ہیں جن کی نماز جنازہ جمعہ کے بعد اور پھر عصر کی نماز کے بعد دونوں نمازوں کے بعد ادا کی جائے گی۔کیوں کہ ابھی تک وقت، دن اتنا چھوٹا ہے کہ جمعے کے ساتھ ہی عصر کا وقت شروع ہو رہا ہے۔امام صاحب، ٹھیک ہے! جب ایسا وقت کہ دونوں کو الگ الگ پڑھا جائے تو انشاء اللہ اعلان کر دیا جائے گا۔اس کے علاوہ اس سلسلے کے بہت ہی مخلص کارکن سید سخاوت علی شاہ صاحب یا سید خاور شاہ صاحب جو اصلاح وارشاد کراچی کے ایڈیشنل سیکریڑی تھے

ان کی بھی آج اچانک وفات کی اطلاع ملی ہے اور اسی طرح ڈاکٹر عبدالغفور صاحب اسیر راہِ مولی ننکانہ صاحب کی وفات کی اطلاع ملی ہے۔انشاءاللہ جمعے کی نماز کے بعد ان سب کے لئے غائبانہ نمازِ جنازہ ادا کی جائے گی اور ان کو اور ان کی اولادوں کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

ایک مختصر اعلان یہ کر دوں کہ ریڈیو پہ سننے والے بکثرت شکایت کر رہے ہیں کہ آپ ہمارے وقت کا نہیں خیال رکھتے یا ہمیں ریڈیو کا وقت زیادہ لے کے دیں یا خطبہ وقت کے اندر ختم کریں کیونکہ عین اس وقت جبکہ مضمون اپنے اختتام تک پہنچ رہا ہوتا ہے۔ جب آپ سمیٹ رہے ہوتے ہیں باتوں کو اس وقت اچانک ریڈیو بند ہو جاتا ہے تو ان کی اطلاع کے لئے میں عرض کر رہا ہوں کہ اب ہم نے ریڈیو سے سر دست تو یہ انتظام کیا ہے کہ بجائے ڈیڑھ بجے خطبہ شروع کرنے کے، ہمارا پروگرام شروع کرنے کے وہ ایک پینتیس پہ شروع کریں گے اور دو پینتیس پر ختم کریں گے۔لیکن یہ تجربہ بھی سرِ دست جو ہم نے دیکھا ہے کامیاب نہیں ہو سکا کیونکہ پچھلے ایک دو خطبات میں مَیں چالیس منٹ تک خطبہ دیتا رہا۔بعد میں مجھے افسوس ہوا کہ وہ بے چارے پھر محروم رہ جائیں گے۔تو آج بھی ڈاک میں کئی شکایتوں کے خط تھے۔ میں ان کو سمجھانا چاہتا ہوں کہ ہم اس طرف توجہ دے رہے ہیں۔ اللہ کے فضل کے ساتھ ٹیلی ویژن کی طرح ریڈیو کے وقت کو بڑھانے کے لئے بھی گفت وشنید جاری ہے اور یہ بھی کوشش کر رہے ہیں کہ، ریڈیو اسٹیشن کی اس پروگرام کی طاقت بڑھائی جائے۔کیونکہ جتنی بجلی خرچ کرے اتنا ہی زیادہ وضاحت کے ساتھ دور دور تک ریڈیو سنا جا سکتا ہے۔ تو امید رکھتے ہیں کہ انشاءاللہ یہ ریڈیو اسٹیشن بھی بہت وسیع دائرے میں سنا جا سکے گا اور اطمینان کے لئے میں عرض کرتا ہوں کہ خطبہ جمعہ کو پورا Cover کرنے کے لئے ہم کوشش کر رہے ہیں۔ہمیں وقت مل جائے۔مشکل چیز یہ ہے کہ ان کے وقت آگے سے طے شدہ ہیں۔ ورنہ ہماری طرف سے اس معاملے میں کنجوسی نہیں ہے۔ یہ جو پانچ منٹ آگے بڑھایا گیا ہے یہ بھی انہوں نے بڑی مشکل سے مانا اور کہا کہ پہلے پانچ منٹ چھوڑو پھر ہم تمہیں اگلے پانچ منٹ دے دیتے ہیں۔لیکن امید ہے اللہ تعالیٰ فضل کرے گا۔بعض دفعہ بعض کمپنیاں پروگرام بنا کر پھر اس سے الگ ہو جاتی ہیں تو وہ وقت مل جاتا ہے اور دعا میں یاد رکھیں کہ اللہ کرے کہ انشاءاللہ یہ کمی بھی پوری ہو جائے گی۔ باقی جو ریکارڈ کرتے ہیں یہ ہمارا وڈیو کا پروگرام ان کو چاہئے اپنے اپنے علاقوں میں یہ اعلان کر دیں کہ جو دوست

خطبہ ریڈیو کے ذریعے سنتے ہیں۔ اگر ان کو بقیہ خطبہ معلوم کرنے کی خواہش ہو تو وہ ان سے کیسٹ منگوالیا کریں۔ وہ کیسٹ کا جو نظام پہلے چل رہا تھا، اس حد تک اس کمی کو پورا کرنے کے لئے پھر دوبارہ جاری کیا جاسکتا ہے۔

حضرت داؤدؑ کی دعا رسول کریم ﷺ کے دل کی آواز تھی۔

لحنِ داؤدی میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی دعائیں

(خطبہ جمعہ فرمودہ 28 رجنوری 1994ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیت کریمہ تلاوت کی۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝۶۲

(النحل:62)

پھر فرمایا:۔

ذکر الہٰی کا جو مضمون جاری ہے۔اس آیت کا اس سے کیا تعلق ہے اس کے متعلق میں انشاء اللہ آج گفتگو کروں گا اور اس کی تفصیل میں جاتے ہوئے حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی ایک حدیث کی روشنی میں حضرت داؤد علیہ السلام کے کردار پر اور آپ کی مناجات پر جو روشنی پڑتی ہے وہ میرا آج کے خطبے کا موضوع ہے۔

لیکن اس سے پہلے کچھ اعلانات ہیں۔آج جماعتہائے احمدیہ ضلع اسلام آباد، ضلع راولپنڈی، ضلع لودھراں اور گوجرانوالہ شہر کے سالانہ جلسے ہو رہے ہیں۔ یہ سالانہ جلسوں کا نظام یعنی جگہ جگہ پر سالانہ جلسے منانا اس وجہ سے جاری ہوا کہ ربوہ کے سالانہ جلسے پر ایک لمبے عرصہ سے پابندی

عائد ہے۔ یہ سلسلہ حکومت نے جبراً بند کر دیا۔ نظامِ جماعت میں سالانہ جلسے کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے، ایک خاص مقام اور مرتبہ ہے اور سالانہ جلسوں کے نتیجے میں جماعتوں کی تربیت پر بہت گہرا اثر پڑتا تھا۔اس لئے متبادل کے طور پر پاکستان میں یہ نظام جاری ہوا کہ بعض علاقے اپنا اپنا سالانہ جلسہ کیا کریں اور اس طرح سالانہ جلسے کی طرز پر مسیح موعود کا لنگر جاری ہو اسی طرح آپس میں علاقے کے لوگوں کا محبت کے ساتھ ملنا جلنا اور جس حد تک ممکن ہو اسی انداز کی تقریریں ہوں اور اس کے لئے مرکز سے مختلف علماء کو بھی وہاں بھجوایا جاتا تھا۔ پس اسی تسلسل میں یہ جلسے ہو رہے ہیں لیکن جیسا کہ پاکستان سے بہت سے لکھنے والوں نے لکھا ہے کہ پہلے تو سال میں ایک دفعہ جلسہ ہوا کرتا تھا اب تو روز جلسے ہو رہے ہیں اور واقعۃً ویسی ہی کیفیت ہے جیسی جلسہ سالانہ کی کیفیت ہوتی تھی اور ساری جماعتِ پاکستان روز عید منا رہی ہے۔ اس لئے عملاً تو اب جلسے روزانہ ہوتے ہیں اور ہوتے رہیں گے انشاءاللہ اور ان کا فیض پھیلتا رہے گا اور یہ پاکستان تک محدود نہیں رہے گا بلکہ سب دنیا پر محیط ہوگا تمام دنیا کی جماعتیں اب روزانہ ان جلسوں میں شامل ہوتی ہیں۔ لیکن پھر بھی اس یاد کو زندہ رکھنے کے لئے کہ ہم اپنے ایک حق سے محروم کئے گئے ہیں پاکستان میں یہ جلسوں کا سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا۔ یہ ایک قومی احتجاج ہے اور باشعور زندہ قومیں فضول گلیوں میں جا کر احتجاج نہیں کیا کرتیں، وہ اپنے مقاصد کو زندہ رکھنے کے لئے، ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھنے کے لئے، ان باتوں کو یاد کرتی ہیں جن کا تذکیر سے تعلق ہے۔ تذکیر سے مراد یہی ہے کہ اپنے آباؤ اجداد کی خوبیوں کو، ان کے چال چلن کو، ان کی دیگر باتوں کو ہمیشہ عزت سے یاد رکھا جائے تا کہ اس کے نتیجے میں آنے والی قوم کی نسلوں میں وہی یادیں کارفرما رہیں اور ان کے اعمال کو حسین سے حسین تر بناتی رہیں۔ پس اس تذکیر کے نفوذ کے پیش نظر پاکستان کی جماعتوں کو یہ جلسے اسی طرح جاری رکھنے چاہئیں۔ ہر چند کہ خدا نے اپنے فضل سے اب روز کا جلسہ عطا کر دیا ہے مگر حکومت پاکستان نے جو ہمارے بنیادی حق پر تبر رکھا ہے اس کی حیثیت تو تبدیل نہیں ہوئی وہ تو ابھی تک اسی طرح ہے۔ اس کے علاوہ آج ضلع خوشاب کی جماعتوں کے تین جگہ پر جلسے ہیں اور امریکہ سے اطلاع ملی ہے کہ Hosten میں ناصرات الاحمدیہ اور اطفال الاحمدیہ کا لوکل اجتماع منعقد ہو رہا ہے۔ ان سب کو احباب اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

جو آیت میں نے آپ کے سامنے پڑھی تھی اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ

بنی نوع انسان کے ظلموں پر نظر رکھتا تو سطح زمین پر ایک جاندار کو بھی زندہ نہ چھوڑتا۔ اس آیت کا حقیقی عرفان درحقیقت انبیاء کو ہوتا ہے اور اس آیت کے عرفان کے نتیجے میں ان میں ایک حیرت انگیز عاجزی پیدا ہو جاتی ہے۔ انسان خواہ کتنے ہی بڑے مقام پر کیوں نہ پہنچ جائے اس کی بنیادی بشری کمزوریاں ایسی ہیں کہ جو اسے پوری طرح خدا کی عبادت کا حق ادا نہیں کرنے دیتیں۔ پس ظلم سے مراد صرف یہ نہیں ہے کہ کسی پر زیادتی کی جائے یا کھلم کھلا گناہ کیا جائے۔ یہاں ظلم سے مراد کوتاہیاں ہیں۔ تو انسان کی کوتاہیاں ایسی ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ ان پر نظر رکھتا تو تمام مخلوقات کو ہلاک کر دیتا۔

حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے اس مضمون کو یوں بیان فرمایا کہ اللہ اپنے بندوں کی خوبیوں پر نظر رکھتا ہے اور ان خوبیوں کے رستے ان سے تعلق قائم فرماتا ہے۔ اگر بندے کی بدیاں سامنے رکھتا تو کسی بندے سے اس کا کوئی تعلق نہ رہتا کیونکہ ہر انسان میں کوئی نہ کوئی بعض ایسی عادتیں، بعض بشری کمزوریاں خدا تعالیٰ کی شان سے اتنا نیچے ہیں کہ اس کے نتیجے میں اللہ کا تعلق اس سے قائم ہو نہیں سکتا۔ اب نیک سے نیک انسان کا بھی آپ تصور کر لیں اس کی روزمرہ کی بشری حاجات ایسی ہیں وہ کسی جگہ جاتا ہے تو دعا مانگتا ہے اللہ میں خبث سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں، خبائث سے بھی پناہ مانگتا ہوں۔ روزمرہ کی انسانی زندگی کا دستور ایسا ہے کہ ایک کامل روحانی ذات کے ساتھ کامل تعلق قائم ان معنوں میں ہو ہی نہیں سکتا۔ آپ بعض دفعہ اپنے تعلق والوں میں ایک معمولی سی بدی دیکھتے ہیں ان کو چھوڑ دیتے ہیں، طبیعت میں کراہت پیدا ہو جاتی ہے۔ بعض خاوند بڑے شوق سے بیویاں بیاہ کے لاتے ہیں اور ان کے اندر کوئی مکروہ عادت دیکھتے ہیں تو دل سے اتر جاتی ہیں۔ بعض بیویاں بڑے شوق سے بعض مردوں سے بیاہ کرتی ہیں اور اس کے بعد ان کا دل نہیں لگتا، ایسے کئی معاملات میرے سامنے آتے رہتے ہیں پوچھا جائے تو کہتے ہیں ہمیں پتا ہی نہیں تھا اس میں یہ عادت ہے اور یہ عادت تو ہم برداشت کر ہی نہیں سکتے۔ ایک لڑکی نے لکھا کہ میرے خاوند میں عورتوں کی طرح چغلی کی عادت ہے اور میں کسی قیمت پر ایسے شخص کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ تو اس قسم کے چھوٹے چھوٹے نقائص انسان، انسان میں برداشت نہیں کرتا حالانکہ اس سے بہت زیادہ نقائص اس کے اپنے اندر بھی ہوتے ہیں۔ تو اللہ کی شان دیکھیں کتنی بلند ہے اگر وہ اس طرح انسانوں کی کمزوریوں اور بدیوں پر نظر رکھتا تو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ اصدق الصادقین ﷺ فرماتے ہیں اس کا

کسی بشر سے کوئی تعلق نہ رہتا۔

پس اس مضمون کو یہ آیت بیان فرما رہی ہے لیکن ایک اور رنگ میں، اس طرح کہ یہ نہیں فرماتا کہ ہر بندے سے تعلق کٹ جاتا، فرماتا ہے زمین پر میں کوئی جاندار زندہ نہ چھوڑتا۔ اب انسانوں کی غلطیوں میں جانداروں کا کیا قصور؟ اس میں بہت گہرا فلسفہ یہ سمجھایا گیا ہے کہ تمام مخلوقات اپنی ذات میں پیدا کرنا مقصود ہی نہیں انسان پیدا کرنا مقصود تھا اور انسان کی خاطر یہ مختلف زندگیوں کی صورتیں پیدا کی گئیں اور انسان کے فائدے میں پیدا کی گئیں۔ زندگی کی ہر شکل اس کا خواہ کیسا ہی بھیانک تصور آپ کے ذہن میں ہو کوئی نہ کوئی فائدہ اس عالمی وسیع اسکیم میں رکھتی ہے یعنی اس کا کوئی نہ کوئی کردار ایسا ہے جو خدا تعالیٰ کی وسیع تخلیق کی اسکیم میں وہ ادا کر رہی ہے اور کوئی چیز فائدے سے خالی نہیں ہے۔ پس اس پہلو سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر انسان سے میرا تعلق ٹوٹ جائے تو مخلوقات کو پھر زندہ رکھنے کا مقصد کوئی نہیں رہتا۔ جس کی خاطر پیدا کی گئی تھی وہی نہیں رہا تو ان کے رہنے کا کیا فائدہ۔

پس انسان کی سزا مخلوقات کو نہیں دی جائے گی لیکن چونکہ وہ انسان کی خاطر پیدا کی گئی تھیں اس لئے بے کار ہو جائیں گی۔ اس مضمون کے پیش نظر انبیاء میں غیر معمولی انکسار پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اس طرح اپنے خدا کے حضور عاجزی اور گناہوں کا اقرار کرتے ہیں کہ ایک عام دنیا کا انسان حیران ہو کر دیکھتا ہے کہ جن کو میں بے داغ سمجھتا تھا جن کو میں سب سے اوپر سمجھتا تھا ان کا یہ حال ہے پتا نہیں کیا کیا گناہ ان سے سرزد ہوئے ہیں جو اتنی بخششیں طلب کر رہا ہے۔

پس وہ لوگ جو تکبر کے کیڑے رکھتے ہیں ان کو اس مضمون کا عرفان حاصل ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر اپنی ذات میں انسان اُتر کے دیکھے تو پھر اس کو پتا چلے گا کہ کتنے داغوں سے پُر ذات ہے اتنے داغ ہیں کہ ان داغوں سے سینہ چھلنی ہو جاتا ہے۔ ایسا چھلنی ہو جاتا ہے کہ نیک اعمال ان میں رہ نہیں سکتے اور انسان اپنے زعم میں سمجھتا ہے کہ میں بہت کچھ آخرت کے لئے جمع کر رہا ہوں۔ پس انبیاء سے انکسار سیکھیں پھر آپ کو ذکر الٰہی سے فائدہ پہنچے گا کیونکہ ذکر الٰہی سے بعض دفعہ تکبر بھی پیدا ہو جاتا ہے اور کئی چھوٹے ظرف کے لوگ، چھوٹے دل کے لوگ تھوڑی سی نیکیاں کرتے ہیں تھوڑا سا خدا کو یاد کرتے ہیں اور اپنے تئیں اپنے آپ کو بہت بڑا بزرگ بنا لیتے ہیں اور بجائے اس کے کہ وہ اور گریں اور زیادہ عاجزی اختیار کریں، ان کے سر بلند ہونے لگ جاتے ہیں حالانکہ تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ جتنا

اللہ کو یاد کرو اتنا جھکتے چلے جاؤ اور دعاؤں کی رفعتوں کا راز اس میں ہے کہ انسان کا سر سب سے زیادہ خدا کے حضور جھکا ہوا ہو۔ میں نے پہلے خطبہ میں یہ بیان کیا تھا کہ ہماری نمازوں کا ہر سجدہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ وہ کیفیت جس میں سر زمین سے لگ گیا ہے اس سے نیچے جا نہیں سکتا۔ اس وقت ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ کہو سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی۔ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی۔ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی۔ کہ میرا تو یہ حال ہے کہ میں زمین پر اپنی پیشانی رگڑ رہا ہوں اور میں نے اپنے آپ کو سب سے زیادہ ذلیل اور حقیر تر کر دیا ہے لیکن میرا رب جو ہر بدی سے پاک ہے، سب سے اعلیٰ ہے اور اسی کے تعلق میں اعلیٰ ہو سکتا ہوں اس کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ پس جتنا انسان ذکر الٰہی کے نتیجے میں انکسار حاصل کرتا ہے وہ جتنا خدا کے حضور جھکتا ہے، اتنا ہی اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رفعتیں عطا ہوتی ہیں اور یہ رفعتیں اللہ کا فضل ہے۔ انسان کا مقام وہی ہے جو سجدے میں ہے، خدا کے حضور مٹی ہو جانا، اس کے سوا انسان کا کوئی مقام نہیں کہ جتنی رفعتیں نصیب ہوتی ہیں فضل سے نصیب ہوتی ہیں اور حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے اس مضمون کو بار بار کھولا ہے، خود اپنی ذات کے حوالے سے کھولا ہے۔ فرمایا میں بھی نہیں بخشا جاؤں گا جب تک فضل نہیں ہوگا اور دنیا کے عام چھوٹے چھوٹے انسان معمولی نیکیوں پر بھی شیخیاں بگھارنے لگتے ہیں اور دوسروں کو حقارت سے دیکھنے لگتے ہیں معاشرے کی بہت سی بدیاں اس راز کو نہ پانے کے نتیجے میں ہیں۔ ایک انسان میں، ایک خاندان میں ایک برائی دیکھیں تو کس طرح زبانوں پہ وہ برائیاں اُچھلتی پھرتی ہیں ایک زبان دوسری زبان سے اٹھاتی ہے اور آگے چلاتی ہے گویا کہ یہ تو ذلیل لوگ ہیں اور ہم پاک صاف ہیں۔ بنیادی کیڑا دماغ میں یہی ہوتا ہے۔ دوسرے کو فوراً گنہگار اور حقیر جان لینا اور اپنے آپ کو بڑا سمجھنا، اس کے نتیجے میں اصلاح کی کوشش نہیں ہوتی۔ اس کے نتیجے میں معاشرے اور بگڑتے ہیں اور تکبر سے کبھی کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ یہ وہ کڑوی بیل ہے جس کو کبھی میٹھا پھل نہیں لگ سکتا۔ پس جن کے اندر ذکر الٰہی، عاجزی پیدا کرتا ہے ان کا سمجھانے کا انداز اور ہوتا ہے اور جو لوگ چھوٹے دل کے اور کم ظرف لوگ ہوتے ہیں وہ تیز زبانوں کے ساتھ پھر دوسروں پہ حملے کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں ہمارا حق ہے معاشرے کی اصلاح کی خاطر ہم یہ کر رہے ہیں۔

ہم نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہؓ کو قادیان میں دیکھا ہے وہ فرشتے انسانوں کے روپ میں گلیوں میں پھرتے تھے ان سے کبھی ہم نے تلخ کلامی نہیں سنی۔ ہماری

برائیاں دیکھتے تھے ہمارے عیوب پر نظر رکھتے تھے، بڑی محبت اور پیار سے الگ ہو کر ہمیں سمجھایا کرتے تھے لیکن کبھی تیز زبان سے لوگوں کے دلوں پر چرکے لگاتے ہم نے ان کو نہیں سنا لیکن ان کے مقابل پر ایسے لوگ بھی تھے جو ہر وقت اسی مشغلے میں رہتے تھے کہ فلاں میں یہ برائی ہے۔ فلاں میں یہ برائی ہے۔ فلاں فلاں کا بیٹا ہے دیکھو اس کی حرکتیں کیا ہیں اور اسی طرح انہوں نے اپنی عمریں ضائع کر دیں اور اپنی اولادیں ہاتھ سے ضائع کر دیں کیونکہ وہ لوگ جو نیکی میں انکسار رکھتے ہیں اللہ ان کی اولاد کی حفاظت فرماتا ہے اور وہ لوگ جو نیکی میں تکبر اختیار کر جاتے ہیں وہ پھر بعض دفعہ بغیر نیکی کے بھی اچھلنے لگتے ہیں اور ان کی نیکیاں تو ویسے ہی ضائع ہو جاتی ہیں ان کی اولادوں کو ہم نے پھر بہت کم بچتے دیکھا ہے اکثر ضائع ہو جاتی ہیں۔

حضرت رسول اکرم ﷺ نے اللہ کی محبت اور ذکر کے بیان میں حضرت داؤد علیہ السلام کا نام لیا ہے اور اس میں خاص حکمت ہے۔ انبیاءؑ میں سے جو سب نبیوں کا سردار ہے وہ ایک نبی کی مثال پیش کر رہا ہے جو اس کے مقابل پر ایک ادنیٰ آسمان سے تعلق رکھتا تھا۔ فرماتے ہیں۔

عَنْ اَبِیْ الدَّرْدَاءِ رَضِی اللّٰہ عنہ قَالَ قَالَ رسولُ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وعلٰی آلہ وسلم، کان مِن دُعَاءِ داؤدَ علیہ السلام: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ وَالْعَمَلَ الَّذِیْ یُبَلِّغُنِیْ حُبَّکَ. اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّکَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِیْ وَاَھْلِیْ وَمِنَ الْمَآءِ الْبَارِدِ. (ترمذی، کتاب الدعوات)

حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا داؤدؑ یوں دعا مانگا کرتے تھے۔ بڑے پیار کے ساتھ حضرت داؤدؑ کا نام لیا ہے کیونکہ دعا وہ تھی جو عین آپؐ کے دل کی آواز تھی اور کیا کیفیت ہوگی ہم اس کا تصور نہیں کر سکتے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے دل کی آواز کو ایک اور نبی کی زبان میں سنایا ہے فرماتے ہیں یہ دعا مانگا کرتے تھے اے میرے اللہ میں تجھ سے تیری محبت مانگتا ہوں۔ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ اور اس کی محبت مانگتا ہوں جو مجھے تیری محبت میں بڑھائے وَالْعَمَلَ الَّذِیْ یُبَلِّغُنِیْ حُبَّکَ اور ایسے اعمال مانگتا ہوں جو مجھے تیری محبت تک پہنچا دیں اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّکَ اَحَبَّ اِلَیَّ اے میرے اللہ اپنی محبت کو میرے لئے بنا دے اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِیْ۔ میری جان سے بھی زیادہ

پیاری۔ وَاَهْلِيْ اور میرے اہل وعیال سے بھی زیادہ پیاری وَمِنَ الْمَآءِ الْبَارِدِ ۔ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ پیاری۔ جب جان جاتی ہوتو پانی کتنا پیارا لگتا ہے اور پھر ٹھنڈا پانی۔ فرمایا اس کیفیت میں جس طرح انسان پانی کے لئے مچلتا ہے اس سے پیار ہو جاتا ہے اس سے بھی زیادہ مجھے اے اللہ اپنی محبت عطا فرما۔

حضرت داؤدؑ کے اندر وہ کیفیت جو میں نے بیان کی ہے کہ ذکر کے ساتھ عجز بڑھتا چلا جائے یہ کیفیت بڑی شان کے ساتھ پائی جاتی ہے اور اس پہلو سے زبور کو تمام کتب میں ایک عظیم مقام حاصل ہے اور زبور کے گیت آج تک پڑھتے ہوئے وجد سا طاری ہو جاتا ہے کس طرح اللہ کی محبت میں آپ نے گیت گائے ہیں اور یہ اس دعا کا نتیجہ ہے۔

پھر حضرت رسول اکرم ﷺ نے آپؑ کی فطرت کا وہ مرکزی نقطہ پکڑ لیا ہے جس کے نتیجے میں آپ کو پھر سب رفعتیں عطا ہوئی ہیں۔ پس آج بھی جب ہم ذکر الٰہی کی باتیں کرتے ہیں تو بہت سے ایسے مقامات آتے ہیں کہ خوف پیدا ہو جاتا ہے۔ کہ ہم میں ان رفعتوں کو حاصل کرنے کی کہاں طاقت ہے اور دل ڈرتا ہے اور اسی مضمون کے خطوط مجھے سب دنیا سے آتے ہیں کہ آپ نے وہ وہ باتیں شروع کر دی ہیں کہ ہم تو اپنے آپ کو بالکل اہل ہی نہیں پاتے ہمیں کیسے یہ باتیں نصیب ہوں گی اور دل ڈرتا ہے کہ اگر نہیں ہوں گی تو ہم گنہگار نہ ہو جائیں اس کا جواب میں آج دے رہا ہوں۔

حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے فرمایا تم داؤد کی دعا مانگا کرو اس کے نتیجے میں اللہ نے اسے اپنی محبت عطا کی اور اپنی محبت میں گیت گانے کی صلاحیتیں عطا کیں۔ یہ عشق کے ترانے حضرت داؤدؑ کے زبور میں ملتے ہیں اس کی مثال آپ کو دوسرے نبیوں کی کتب میں نظر نہیں آئے گی۔ فرماتے ہیں۔

> ’’میں چلاتے چلاتے تھک گیا میرا گلا سوکھ گیا میری آنکھیں اپنے خدا کے انتظار میں پتھرا گئیں مجھ سے بے سبب عداوت رکھنے والے میرے سر کے بالوں سے زیادہ ہیں میری ہلاکت کے خواہاں اور ناحق دشمن زبردست ہیں پس جو میں نے چھینا نہیں، مجھے دینا پڑا۔ اے خدا تو میری حماقت سے واقف ہے اور میرے گناہ مجھ سے پوشیدہ نہیں ہیں۔‘‘ (زبور باب 69 آیت 3 تا 5)

بندوں کے اعتبار سے کہہ رہے ہیں جو میں نے چھینا نہیں مجھے دینا پڑا۔ ناکردہ گناہ کی سزا پا

رہا ہوں لیکن دعا کرتے وقت یہ نہیں کہتے کہ اے خدا میں معصوم ہوں میری خاطر کچھ کر۔ اللہ تعالیٰ کا کتنا گہرا عرفان تھا اس کی طرف منہ موڑتے ہیں تو کہتے ہیں اے خدا تو میری حماقت سے واقف ہے میرے گناہ تجھ سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ میں کس منہ سے مانگوں مگر تیرے سوا مانگوں کس سے؟ اسی درد کی کیفیت کو کہ سر سجدے میں پڑا ہے اور انتظار ہے کہ خدا آ کیوں نہیں رہا، حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یوں بیان کرتے ہیں۔

شور کیسا ہے ترے کوچہ میں لے جلدی خبر
خوں نہ ہو جائے کسی دیوانہ مجنوں وار کا (درثمین صفحہ:10)

یہ وہ مناجات ہیں جو یوں معلوم ہوتا ہے کہ اپنے عجز میں زمین پر بچھی ہوئی ہیں لیکن آسمان تک رفعتیں پا جاتی ہیں۔ حضرت داؤدؑ کا ایک اور عشقِ باری تعالیٰ کا گیت ہے آپ کہتے ہیں:

''اے خداوند میں تیری تمجید کروں گا کیونکہ تو نے مجھے سرفراز کیا ہے اور میرے دشمنوں کو مجھ پر خوش نہ ہونے دیا۔''

پہلے دعا مانگی تھی کہ میرے دشمن میرے سر کے بالوں سے بھی زیادہ ہیں اب یہ قبولیت دعا کی طرف اشارہ ہے ''اور میرے دشمنوں کو مجھ پر خوش نہ ہونے دیا'' تو سُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ (درثمین:46) جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام میں ملتا ہے وہی مضمون ہے۔

''اے خداوند میرے خدا میں نے تجھ سے فریاد کی اور تو نے مجھے شفا بخشی۔ اے خدا تو میری جان کو پاتال سے نکال لایا۔''

میرا مقام تو یہ تھا کہ میں زمین کی سب سے نیچی گہرائی میں تھا۔ کتنا پیارا کلام ہے۔

''اے خدا! تو میرے جان کو پاتال سے نکال لایا۔ تو نے مجھے زندہ رکھا ہے کہ گور میں نہ جاؤں۔ خداوند کی ستائش کرو۔ اے اس کے مقدسو! اس کے قدس کو یاد کر کے شکر گزاری کرو۔ کیونکہ اس کا قہر دم بھر کا ہے اس کا کرم عمر بھر کا۔''

لیکن ایک بات جو قرآن نے بیان فرمائی اور وہ یہاں کھلم کھلا دکھائی نہیں دے رہی وہ یہ ہے کہ اس کا ایک دم کا قہر بھی ساری عمر کی نیکیوں کو برباد کر دیتا ہے۔ اس لئے یہ نہ سمجھیں کہ ایک دم کا غضب ہے اس لئے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ ایک دم کا غضب سب کچھ فنا کر جاتا ہے جب سیلاب

آتے ہیں تو گزر بھی تو جاتے ہیں پھر زندگی معمول پر آ جاتی ہے مگر جو ڈوب گئے وہ تو ڈوب گئے۔ سیلاب جو علاقے ویران کر گیا وہ فصلیں تو پھر دوبارہ نہیں آ سکتیں اس لئے دم بھر کے غضب میں بہت کچھ ہو جاتا ہے انسان کی ساری زندگی رائیگاں چلی جاتی ہے۔

''رات کو شاید رونا پڑے اور صبح کو خوشی کی نوبت آتی ہے۔''

رات کو شاید رونا پڑے کیونکہ خدا کے حضور جو راتوں کو روتے ہیں انہی کو صبح خوشی کی نوبت آتی ہے۔

''میں نے اپنی اقبال مندی کے وقت یہ کہا تھا کہ مجھے کبھی جنبش نہ ہوگی۔
اے خداوند تو نے اپنے کرم سے میرے پہاڑ کو قائم رکھا تھا۔''

اس میں ایک پوری داستان ہے اللہ تعالیٰ سے محبت کی باتیں کرنے اور خدا سے وفا کے وعدے کرنے کی۔ کہتے ہیں میں نے اپنے اقبال مندی کے وقت یعنی جب تو نے مجھے سرفراز فرمایا اور مجھے اپنا بنا لیا یہ عرض کیا تھا کہ مجھے کبھی جنبش نہ ہوگی میں اب کبھی اس راستے سے ٹلوں گا نہیں لیکن مجھ میں کہاں طاقت تھی کہ میں اس عہد پر قائم رہتا۔ اے خداوند تو نے اپنے کرم سے میرے اس پہاڑ کو قائم رکھا۔ محض تیرا کرم اور فضل تھا کہ میرے پہاڑ کو میرے عزم کے پہاڑ کو ثبات عطا ہوا ہے اور واقعۃً مجھے کبھی جنبش نہیں ہوئی۔

''جب تو نے اپنا چہرہ چھپایا تو میں گھبرا اٹھا۔ اے خداوند میں نے تجھ سے فریاد کی میں نے خداوند سے منت کی۔ جب میں گور میں جاؤں تو میری موت سے کیا فائدہ۔ کیا خاک تیری ستائش کرے گی کیا وہ تیری سچائی کو بیان کرے گی۔''

اس سے مراد ظاہر قبر نہیں ہے۔ ظاہری قبر میں تو ہر انسان جانتا ہے کہ میں نے بہر حال جانا ہے اور خدا کی ستائش پھر بھی باقی رہے گی۔ یہ وہی گور ہے جس کے متعلق حضرت داؤدؑ پہلے کہہ چکے ہیں کہ ''تو نے مجھے گور سے نکالا'' یعنی خدا تعالیٰ سے دوری کے اندھیرے۔ خدا تعالیٰ کے وصل سے پہلے کی کیفیت۔ تو عرض کرتے ہیں کہ اے خدا اگر میں گور میں چلا گیا تو میری مٹی تو بے کار ہو جائے گی وہ مٹی جو روحانی لحاظ سے مر جائے وہ تو تیری ستائش نہیں کر سکتی۔

''سن لے اے خداوند اور مجھ پر رحم کر۔ اے خداوند تو میرا مددگار ہو تو

نے میرے ماتم کو ناچ سے بدل دیا۔''

یعنی ایک طرف گریہ وزاری کرتے ہیں تو خدا کی طرف سے خوشخبری پاتے ہیں اور کیسا پیارا نقشہ کھینچا ہے۔

''تو نے میرے ماتم کو ناچ سے بدل دیا تو نے میرا ٹاٹ اتار ڈالا اور مجھے خوشی سے کمر بستہ کیا تا کہ میری روح تیری مدح سرائی کرے اور چپ نہ رہے۔اے خداوند میرے خدا میں ہمیشہ تیرا شکر کرتا رہوں گا۔''

پس حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے ذکرِ الٰہی کے تعلق میں جس نبی کی مثال چنی ہے دیکھیں کس شان کے ساتھ اس پہ چسپاں ہوتی ہے۔آنحضرت ﷺ کے کلام کو سرسری نظر سے نہ دیکھیں اس میں گہرے حکمتوں کے راز ہوتے ہیں یہ فوراً دل میں خیال اٹھنا چاہئے کہ داؤد کو کیوں چن لیا بڑے بڑے پاک باز اور بڑے بڑے بلند مرتبہ نبی اس سے پہلے گزر چکے ہیں اور قرآن نے ان کا بڑی شان سے ذکر فرمایا تو محمد رسول اللہؐ نے داؤدؑ کو کیوں چنا ہے صرف اس لئے کہ حضرت داؤدؑ کو یہ خاص مرتبہ حاصل تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی محبت کے گن گانے کا سلیقہ خود عطا فرمایا تھا اور اس دعا کے نتیجے میں جس دعا کو حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لئے محفوظ فرمایا اور آئندہ ہمیں پڑھنے کی ہدایت کی۔

یہ حدیث قدسی ہے کیونکہ کوئی نبی بھی اپنی طرف سے کلام نہیں کرتا سوائے خدا کے اشارے کے۔مگر محمد رسول اللہ ﷺ اس معاملے میں سب نبیوں سے ممتاز ہیں۔کوئی ایک ادنیٰ سا کلمہ بھی آپؐ نے اپنے دل سے اپنی جان سے نہیں کہا وہی کہا جو اللہ چاہتا تھا کہ آپؐ کہیں اور جو اللہ کا منشاء تھا۔پس بسا اوقات قرآن کے علاوہ بھی آپؐ پر وحی نازل ہوئی بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ گویا آپؐ ہمیشہ ایک وحی کی کیفیت میں زندہ رہے اور آپؐ کی رؤیا بھی وحی تھی۔پس یہ جو باتیں ہیں یہ وحی کے سوا نصیب نہیں ہوسکتیں۔پس حضرت داؤد کے ذکر کو آپؐ نے جو چنا ہے اور خاص معین دعا کے ساتھ۔یہ دعا آسمان سے آپؐ پر نازل فرمائی گئی اور اس حکمت کے پیش نظر کہ لوگ حضرت داؤد کی مناجات کی طرف توجہ کریں اور ان سے استفادہ کریں۔

عرض کرتے ہیں:

''اے خدا میرا انصاف کر اور بے دین قوم کے مقابلے میں میری

وکالت کر اور دغا باز اور بے انصاف آدمی سے مجھے چھڑا کیونکہ تو ہی میری قوت کا خدا ہے تو نے مجھے کیوں ترک کر دیا۔ میں دشمن کے ظلم کے سبب سے کیوں ماتم کرتا پھرتا ہوں۔''

آپ جانتے ہیں، تمام انبیاء جانتے ہیں کہ اللہ نے انہیں چھوڑا نہیں ہے لیکن ایک نہایت دردناک عجز کی کیفیت ہے جس کا بیان ہے۔ پس مراد یہ تھی تو مجھے چھوڑ بھی دے تو تیرا حق ہے۔ پس بعض دفعہ محبوب کی آنکھوں میں ذرا بھی تغافل پیدا ہو تو محبت کرنے والا انسان یہی سوچتا ہے کہ مجھے چھوڑ دیا گیا ہے اس سے یہ مراد نہیں کہ نعوذ باللہ خدا نے ترک کر دیا تھا دونوں باتیں ہیں اس میں ایک عجز کا اظہار کہ اے میرے مولا تو ترک کر دے تو کوئی شکوہ نہیں یعنی میرا حق نہیں ہے کہ تو مجھے یاد رکھے اور دوسرا یہ مضمون کہ اے خدا میں جب بھی تیری طرف سے محبت کے آثار میں معمولی سی کمی دیکھتا ہوں بعض دفعہ ایک خاص وجد کی کیفیت طاری ہوتی ہے بعض دفعہ انسان پر ایک قبض کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور ہر حال میں خدا ایک ہی طرح ظاہر نہیں ہوتا۔ پس وہ کیفیات جن میں کچھ محسوس ہو کہ شاید میرے آقا نے مجھ سے کوئی ایسی بات دیکھی ہے وہ پہلی سی بات اس کے پیار میں نہیں رہی، ایسے وقت کی یہ دعا ہوتی ہے کہ اے خدا تو نے مجھے کیوں ترک کر دیا جیسے کہا جاتا ہے۔

یک عشق و ہزار بدگما نیست

ایک عشق اور ہزار بدگمانیاں اس سے پیدا ہو جاتی ہیں۔ پس محبوب کے متعلق ہمیشہ یہ فکر کہ کہیں نظریں نہ پھیر لے اس سے پھر دعا کے یہ مضمون پیدا ہوتے ہیں جو آپ سن رہے ہیں۔

''کیونکہ تو ہی میری قوت کا خدا ہے تو نے مجھے کیوں ترک کر دیا میں دشمن کے ظلم کے سبب سے کیوں ماتم کرتا پھروں، تو میرا نہیں ہے کہ میں دشمن کے ظلم کے سبب سے ماتم کرتا پھروں؟ اپنی نور اور سچائی کو بھیج۔ وہی میری راہبری کریں وہی مجھے تیرے کوہِ مقدس اور تیرے مسکنوں تک پہنچائیں۔ تب میں خدا کے مذبح کے پاس جاؤں گا خدا کے حضور جو میری کمال خوشی ہے۔''

وہی مضمون ہے ''ہماری اعلیٰ لذات ہمارے خدا میں ہیں'' تو ہر خوشی کا کمال اللہ کی ذات میں ہے اور اس سے تعلق میں ہے۔

''اے خدا میرے خدا! میں ستار بجا کر تیری ستائش کروں گا''

ستار بجا کر ستائش کرنا ایک خاص عشق کا مضمون ہے یہ مراد نہیں ہے کہ انبیاء ہاتھوں میں ستار پکڑ کے خدا کی عبادت کیا کرتے تھے یا اس کی ستائش کیا کرتے تھے۔ جیسے پنجابی میں کہتے ہیں خدا تعالیٰ سے محبت کی ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ 'ساری رات ناچ کے میں روٹھا یار منالوں'۔ وہ یہ نہیں کہ **نعوذ باللہ من ذالک** وہ بزرگ لوگ ساری رات گاتے تھے ناچتے رہتے تھے۔ ان کی قبروں پہ جاہل تو ناچتے ہیں مگر وہ نہیں ناچا کرتے تھے۔ دل ناچا کرتے ہیں۔ روح وجد میں آتی ہے، انسان کی روح وہ مرلی بجاتی ہے وہ سر نکالتی ہے وہ آسمانی مرلی ہے آسمانی مرلی کی سر ہے۔ پس یہ اشارہ ہے۔

''میں ستار بجا کر تیری ستائش کروں گا۔ اے میری جان تو کیوں گری جاتی ہے تو اندر ہی اندر کیوں بے چین ہے خدا سے امید رکھ کہ وہ میرے چہرے کی رونق اور میرا خدا ہے۔''

کتنا عظیم کلام ہے اور اندر ہی اندر جان گھلی جاتی ہے۔ وہ نبی جن کا مرتبہ یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ان کی ایک دعا کو پیار کی نظر سے دیکھتے ہیں ان کا تو یہ مرتبہ ہے یہ حال ہے اور چھوٹے چھوٹے نیکیاں کرنے والے لوگ وہ نیکیاں بھی اللہ بہتر جانتا ہے کہ نیکیاں تھیں بھی کہ نہیں، خود ستائشی بھی ہوسکتی ہیں وہ تھوڑی سی نیکی پر تکبر سے دیکھیں کیسی کیسی چھلانگیں مارتے ہیں اور یہاں یہ کیفیت ہے کہ اندر ہی اندر مَیں کیوں بے چین ہوں، جان گھلی جاتی ہے اس غم سے کہ کہیں میرے خدا کی نظر نہ مجھ سے پھر جائے۔ ''خدا سے امید رکھ کہ وہ میرے چہرے کی رونق اور میرا خدا ہے میں پھر اس کی ستائش کروں گا۔'' پھر عرض کرتے ہیں:

''اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا تو میری مدد اور میرے نالۂ فریاد سے کیوں دور رہتا ہے۔ اے میرے خدا میں دن کو پکارتا ہوں پر تو جواب نہیں دیتا اور رات کو بھی اور خاموش نہیں ہوتا۔ لیکن تو قدوس ہے تو جو اسرائیل کی حمد وثنا پر تخت نشین ہے۔''

جب میں نے یہ بیان کیا کہ اصل عرش جس پر خدا تخت نشین ہوتا ہے رونق افروز ہوتا ہے وہ اس کے پاک بندوں کی حمد وثنا ہے ورنہ کوئی ظاہری عرش دنیا میں ایسا نہیں ہے۔ فرشتے بھی جو اس کا

تخت اٹھائے ہوئے کہا جاتا ہے وہ حمد وثناء کا تخت ہے ورنہ ظاہری تخت کون سا ہے جس پر خدا بیٹھتا ہے؟

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اسی مضمون کو بیان فرماتے ہیں اور حضرت داؤدؑ بھی یہی کہہ رہے ہیں تو جو اسرائیل کی حمد وثنا پر تخت نشین ہے یہ تیرا عرش اسرائیل کی حمد وثناء پر ہے۔ فرماتے ہیں۔

ے دیکھتا ہوں اپنے دل کو عرش رب العالمین
قرب اتنا بڑھ گیا جس سے ہے اترا مجھ میں یار (درثمین صفحہ:140)

کہ میرے قرب کی وجہ سے میرا یار مجھ میں اترا ہے اور خدا کا قرب عرش عطا کرتا ہے یعنی قرب الٰہی کا بلندی سے ایک گہرا اٹوٹ تعلق ہے پس دل عرش بن جایا کرتے ہیں ورنہ ظاہری طور پر کوئی قرب نہیں ہوا کرتا۔ پھر حضرت داؤد کہتے ہیں ”ہمارے باپ دادا نے تجھ پر توکل کیا انہوں نے توکل کیا اور تو نے ان کو چھڑایا“ یعنی ہم تو وہ لوگ ہیں جو نسلاً بعد نسلٍ تیرے نوکر چلے آ رہے ہیں ”انہوں نے توکل کیا اور تو نے ان کو چھڑایا انہوں نے فریاد کی اور رہائی پائی انہوں نے تجھ پر توکل کیا اور شرمندہ نہ ہوئے پر میں نے، کیڑا ہوں انسان نہیں۔“

کتنا عظیم کلام ہے جو حمد وثناء کے ساتھ فوراً عجز کی طرف مائل کر دیتا ہے پہلی دعا کا جو انداز تھا بالکل وہی انداز حضرت داؤد کا یہاں بھی ہے۔ بظاہر یہ کہہ رہے ہیں جس طرح عام لوگ کرتے ہیں کہ باپ دادا کی خاطر ہی ہمیں معاف فرما دے ہم بھی ان کی عظمتوں کے نشان ہیں۔

”اور میں کس منہ سے مانگوں میں تو کیڑا ہوں ان میں تو نیکیاں تھیں میں انسان نہیں ہوں“ آدمیوں میں انگشت نما ہوں اور لوگوں میں حقیر۔“ میں وہ ہوں جس کی طرف حقارت سے انگلیاں اٹھتی ہیں کہ ذلیل کیڑا ہے اس کو دیکھو۔“ وہ سب مجھے دیکھتے ہیں میرا مضحکہ اڑاتے ہیں وہ منہ چڑاتے ہیں سر ہلا ہلا کر کہتے ہیں اپنے کو خداوند کے سپرد کر دے وہی اسے چھڑائے جبکہ وہ اس سے خوش ہے تو وہی اسے چھڑائے پر تو ہی مجھے پیٹ سے باہر لایا جب میں شیر خوار ہی تھا تو نے مجھے توکّل کرنا سکھایا۔ میں پیدائش ہی سے تجھ پر چھوڑا گیا۔ میری ماں کے پیٹ ہی سے تو میرا خدا ہے۔ مجھ سے دور نہ رہ کیونکہ مصیبت قریب

ہے اس لئے کہ کوئی مددگار نہیں۔‘‘ (زبور باب 22 آیات 1 تا 11)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے داؤدی لحن عطا فرمائی تھی اسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰہ والسلام اپنے متعلق داؤد ہونے کا بھی ذکر کرتے ہیں کہ میں کبھی داؤد بھی ہو جاتا ہوں۔ آپؑ نے خدا کے حضور عرض کیا۔

کرمِ خاکی ہوں مرے پیارے نہ آدم زاد ہوں
ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار (درثمین صفحہ:125)

دیکھئے حضرت داؤد کی اس عبارت سے کتنی مشابہ اور کتنی قریب ہے کہ ’’میں تو کیڑا ہوں انسان نہیں۔ آدمیوں میں انگشت نما ہوں اور لوگوں میں حقیر۔‘‘ پھر عرض کرتے ہیں۔

یہ سراسر فضل واحساں ہے کہ میں آیا پسند
ورنہ درگہ میں تیری کچھ کم نہ تھے خدمت گزار (درثمین صفحہ:125)

تو نے مجھے اپنے فضل سے چنا ہے۔ مجھ میں کون سی خوبی تھی یہ محض تیرا احسان ہے کہ مجھے اس خدمت کے لئے چن لیا ہے۔ پھر اسی مضمون کو دوبارہ ایک اور شعر میں یوں بیان فرماتے ہیں۔

کرم خاکی ہوں مرے پیارے نہ آدم زاد ہوں
فضل کا پانی پلا اس آگ برسانے کے دن (درثمین صفحہ:96)

حضرت داؤد کہتے ہیں جب میں شیر خوار ہی تھا تو نے مجھے توکل کرنا سکھایا میں پیدائش ہی سے تجھ پر چھوڑا گیا میری ماں کے پیٹ ہی سے تو میرا خدا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام عرض کرتے ہیں۔

ابتدا سے تیرے ہی سایہ میں میرے دن کٹے
گود میں تیری رہا میں مثلِ طفل شیر خوار (درثمین صفحہ:126)

اور آجکل کے بدنصیب ملاں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس شعر کو تحقیر اور تضحیک کا نشانہ بناتے ہیں جو دراصل حضرت داؤدؑ کی لحن ہی میں ایک شعر کہا گیا ہے۔ یہ لحنِ داؤدی ہے وہی مضمون ہے جو حضرت داؤد نے بیان کیا اور آپ کبھی کسی ملاّں کی آواز میں سن لیں کہ کس کس طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تمسخر اڑاتے ہیں کس طرح حاضرین کو ابھارتے ہیں اور

کہتے ہیں بتاؤ تمہاری جائے نفرت کیا ہے یہ کیا چیز ہے جس کا ذکر کر رہے ہیں اور پھر جو بکواس ان کے منہ میں آتی ہے کہتے ہیں اور حضرت داؤدؑ کی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ گلیوں کی زبانیں تضحیک کا نشانہ بناتی ہیں۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ کہنا کہ خدا نے مجھے بھی اس زمانے کا داؤد بنایا ہے اس لحاظ سے لفظاً لفظاً پورا ہوتا دکھائی دیتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مناجات کی میں چند مثالیں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ آپ عرض کرتے ہیں:۔

''اور اے میرے خدا میں ایک تیرا ناکارہ بندۂ پُر معصیت اور پُرغفلت ہوں تو نے مجھ سے ظلم پر ظلم دیکھا اور انعام پر انعام کیا اور گناہ پر گناہ دیکھا اور احسان پر احسان کیا۔ تو نے ہمیشہ میری پردہ پوشی کی اور اپنی بے شمار نعمتوں سے مجھے متمتع کیا۔ سو اب بھی مجھ نالائق اور پُر گناہ پر رحم کر اور میری بے باکی اور ناسپاسی کو معاف فرما اور مجھ کو میرے اس غم سے نجات بخش کہ بجز تیرے چارہ گر کوئی نہیں۔''

پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے رب کے حضور عرض کرتے ہیں:۔

''اے رب العالمین! تیرے احسانوں کا میں شکر نہیں کر سکتا۔ تو نہایت ہی رحیم و کریم ہے اور تیرے بے غایت مجھ پر احسان ہیں میرے گناہ بخش تا کہ میں ہلاک نہ ہو جاؤں۔''

ہر مقدس جانتا ہے کہ اس کی روحانی زندگی خدا کے فضل سے وابستہ ہے۔ حضرت داؤدؑ نے جو دعا کی کہ میں گور میں نہ چلا جاؤں ورنہ کیا مٹی تیری ستائش کرے گی وہی مضمون ہے کہ:

''میں ہر دم تیری ثناء کر رہا ہوں مجھے ہلاک نہ ہونے دینا میرے دل میں اپنی خالص محبت ڈال تا مجھے زندگی حاصل ہو اور میری پردہ پوشی فرما اور مجھ سے ایسے عمل کرا جن سے تو راضی ہو جائے۔ میں تیرے وجہ کریم کے ساتھ اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ تیرا غضب مجھ پر وارد ہو اور دنیا اور آخرت کی بلاؤں سے مجھے بچا کہ ہر ایک فضل و کرم تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ آمین ثم آمین۔''

پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے رب کے حضور عرض کرتے ہیں:۔

''اے خدا تعالیٰ! قادر و ذوالجلال! میں گنہگار ہوں اور اس قدر گناہ کے زہر نے میرے دل اور رگ و ریشہ میں اثر کیا ہے کہ مجھے رقّت اور حضورِ نماز حاصل نہیں۔''

یہ دعا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان لوگوں کو سکھائی ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کہتے تھے کہ ہمیں وہ کیفیت نصیب نہیں ہوتی جس کیفیت کے ساتھ خدا کی محبت میں ایک لذت پیدا ہو جائے اور ہماری دعائیں جاگ اٹھیں اور زندہ ہو جائیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کے جواب میں ان کو یہ نسخہ لکھ کر دیا ہے۔ (فتاویٰ مسیح موعودؑ صفحہ ۳۶) پر درج ہے کہ یوں دعا کیا کرو۔

اب رِقّت اور حضورِ نماز کا حاصل نہ ہونا یہ ایک روزمرہ کی عام بات ہے جو دنیا کے اکثر نمازیوں کا روزمرہ تجربہ ہے پھر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جو اس بیماری سے نجات کا نسخہ لکھ رہے ہیں اس میں اسے ایک ایسی کیفیت قرار دیتے ہیں جو اس وقت پیدا ہوتی ہے جبکہ رگ و ریشہ میں زہر سرایت کر جائے۔ یہ ایک ایسی بات ہے جسے ٹھہر کر سمجھنا ضروری ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کلام یونہی کسی نثر نگار کا کلام نہیں جو سجا سجا کر جو بات ذہن میں آئے اپنی نثر کو سجانے کے لئے پیش کر دیتا ہے اس میں گہری حکمت ہوتی ہے اور حقیقت ہوتی ہے امرِ واقع یہ ہے کہ نمازوں میں لذت اس وقت نصیب نہیں ہوتی جبکہ انسان کی ساری لذت کی تمنائیں دنیا کی طرف مائل ہو چکی ہوتی ہیں۔ اس کا صبح اٹھنا، اس کا رات کو سونا، ایسی امنگوں اور خوابوں میں اور اپنے نفس کے ساتھ باتوں کے ساتھ ہوتا ہے جس میں دنیا طلبی کی باتیں ہوتی ہیں۔ آج مجھے یہ بھی مل جائے آج مجھے وہ بھی مل جائے۔ آج میرا یہ کام پورا ہو، آج میں اس طرح اپنے محبوب کو پاؤں، اس طرح اس کے ساتھ وصل کی راتیں کٹیں وغیرہ وغیرہ یا اس سے ملتے جلتے دوسرے مضمون۔ ساری زندگی اسی طرح روز و شب میں کٹ جاتی ہے۔ وہ روزمرہ کی تمنائیں اسے گھیرے رکھتی ہیں، ان کے ساتھ سوتا ہے، ان کے ساتھ جاگتا ہے پھر نماز میں سرور کیسے پا سکتا ہے۔ کبھی سوتے جاگتے اللہ کا ذکر بھی تو کرے از خود اس کی طرف دھیان جائے جیسا کہ حضرت رسول اکرم ﷺ کی مثالیں میں نے آپ کے سامنے رکھی تھیں۔ رات کو خدا کے ذکر کے ساتھ سویا کرتے تھے صبح اس ذکر کے ساتھ اٹھتے تھے اور ساری رات اسی ذکر میں صرف ہوا کرتی تھی۔ پس ایسے شخص کی عبادت ذکر سے زندہ ہو جایا کرتی ہے۔ اس

زندگی میں سرور ولطف ہے۔ یہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کیفیت کو ایک معمولی ابتدائی بیماری قرار نہیں دیا۔ فرمایا ہے توجہ کرو کہ تمہارے نفس میں دنیا کا زہر گھل گیا ہے اور تمہاری رگ وپے میں سرایت کر گیا ہے اس کے نتیجے میں یہ کیفیت پیدا ہوئی ہے جس کو تم معمولی سمجھ رہے ہو اور اسے دور کرتے کرتے وقت لگے گا۔ محنت لگے گی، توجہ کرنی ہوگی، خدا سے عاجزانہ دعائیں کرنی ہوں گی۔ آناًفاناً تو کینسر ٹھیک نہیں ہو جایا کرتے۔ بعض مریض مختلف قسم کی روحانی بیماریوں میں مبتلا ہوتے ہیں اور نسخہ ایسا مانگتے ہیں کہ ادھر نسخہ منہ کے اندر گیا اور نسخہ کا تیار کردہ جو بھی محلول ہے اور اسی وقت شفا ہوگئی۔ بعض دفعہ اتنے لمبے عرصے تک ایڑیاں رگڑنی پڑتی ہیں اور شفا کے متلاشی کو اگر وہ دعا بھی ساتھ کرے شفامل بھی جایا کرتی ہے اور کبھی نہیں بھی ملتی مگر دنیا میں بھی شفا اس وقت نہیں ملتی جبکہ مرض حد سے گزر چکا ہو اور توجہ عارضی ہو جو اس کے مقابل پر اتنی طاقت نہ رکھتی ہو۔ روحانی دنیا میں بھی یہی حال ہے۔ ایک عدل کا نظام ہے جو جاری وساری ہے پس جتنی کمزوری ہے اتنی شدت کے ساتھ اس کے مقابلے کے لئے ذہن اور روح اور دل کو بیدار ہونا پڑے گا اور بڑی فراست کے ساتھ اس بیماری کو پہچاننا ہوگا اور اس کے مقابل پر کوئی نسخہ تجویز کرنا ہوگا اور سب سے پہلے ہر نسخے کا آغاز دعا سے ہونا چاہئے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یہی ذکر کر رہے ہیں اس کو پھر غور سے سنئے۔

> ''میں گنہگار ہوں اور اس قدر گناہ کے زہر نے میرے دل اور رگ وریشہ میں اثر کیا ہے کہ مجھے رِقّت اور حضور نماز حاصل نہیں رہا۔''

کتنے لاکھوں کروڑوں عبادت کرنے والے ہیں جو بے چارے اسی کیفیت میں سے گذر رہے ہیں ان کو پتہ نہیں کہ ہماری کیفیت ہے کیا؟

> ''میرے گناہ بخش اور میری تقصیرات معاف کر اور میرے دل کو نرم کر دے اور میرے دل میں اپنی عظمت اور اپنا خوف اور اپنی محبت بٹھا دے تا کہ اس کے ذریعے سے میری سخت دلی دور ہو کر حضور نماز میسر آوے۔''

پس سب سے بڑا اور مؤثر نسخہ اپنے نفس کی شناخت اور اس شناخت کے بعد دعا ہے ورنہ خالی دعا اگر سکھا دی جائے تو انسان منہ سے باتیں کرتا رہتا ہے اس کو پتا ہی نہیں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں اور جس طرح وہ باتیں اس کے دل پر اثر نہیں کر رہی ہوتیں اللہ پر بھی اثر نہیں کرتیں، آپ کے دل

فیصلہ کرتے ہیں کہ کوئی دعا قبول ہوگی یا نہیں ہوگی یہ دل کی کیفیات ہیں جو اس کی طرف منتقل ہوتی ہیں جس سے مانگا جا رہا ہے۔ بعض دفعہ مانگنے والے ایسی بے کسی اور بے بسی سے مانگتے ہیں کہ پتھر دل بھی موم ہو جاتے ہیں لیکن اپنی شناخت ضروری ہے اس کے بغیر یہ عجز پیدا نہیں ہوگا اس کے بغیر یہ اضطراب پیدا نہیں ہوگا، جو قبولیتِ دعا کے لئے ضروری ہے۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس طرح لحنِ داؤدی میں ایک اور دعا ہمیں سکھاتے ہیں فرماتے ہیں:

''اے میرے خدا میری فریاد سن کہ میں اکیلا ہوں۔ اے میری پناہ، اے میری سپر۔ میری طرف متوجہ ہو کہ میں چھوڑا گیا ہوں۔''

''اکیلا ہوں'' میں ایک مضمون بیان ہوا ہے اور ''چھوڑا گیا ہوں'' میں دوسرا مضمون بیان ہوا ہے ایک اکیلا ویسے ہی اکیلا ہوتا ہے لیکن ایک دشمنی اور نفرت کے سبب سے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ بعض لوگ بعض لوگوں سے اس لئے اجتناب کرتے ہیں کہ ان کو مکروہ دیکھتے ہیں پس حضرت داؤد نے جو یہ مضمون بیان فرمایا ہے وہی ایک اور رنگ میں حضرت داؤد سے زیادہ ایوبی کیفیت کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ حضرت ایوبؑ کی دعاؤں میں یہ پتا چلتا ہے کہ آپ ایسے بیمار ہوئے کہ جلد کی بیماری ہوگئی اور یہاں تک الفاظ آتے ہیں کہ گویا آپ کے جسم میں کیڑے پڑ گئے اور لوگ کراہت سے دیکھتے تھے اور منہ پھیرتے چلے جاتے تھے۔ انگلستان میں بھی رواج تھا کہ یہاں ایک زمانے میں کوڑھی کے لئے حکم تھا کہ وہ گلے میں گھنٹی ڈال کے پھرے تاکہ کسی کی نظر نہ اس پر پڑ جائے یعنی لوگوں کی نظروں کو اس عذاب سے بچانے کے لئے یا اس کی نحوست سے بچانے کے لئے کوڑھی کا فرض تھا کہ وہ گھنٹی بجاتا پھرے کہ میں اس راہ پہ آ رہا ہوں تم لوگ رستہ چھوڑ دو یا کسی اور طرف چلے جاؤ تو چھوڑا گیا ہوں، میں جو مضمون ہے وہی مضمون ہے۔ 'اکیلا ہوں' تو ہی ہے تیرے سوا میرا کوئی نہیں رہا۔ کوئی نہیں ہے۔ دنیا نے حقارت سے مجھے چھوڑ دیا ہے۔

''اے میرے پیارے! اے میرے سب سے پیارے! مجھے اکیلا مت چھوڑ میں تیرے ساتھ ہوں اور تیری درگاہ میں میری روح سجدہ میں ہے۔''

اکیلا چھوڑنے میں اللہ کی طرف دھیان گیا ہے، سب دنیا چھوڑ گئی تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ دنیا میری طرف واپس آ جائے۔ میں یہ عرض کرتا ہوں تو مجھے نہ چھوڑ۔ اگر تو مل گیا تو پھر سب کچھ مل گیا۔ پھر ایک دعا ہے۔

’’میں ایک تیماردار کی طرح جو اپنے عزیز بیمار کے غم میں مبتلا ہوتا ہے
اس ناشناس قوم کے لئے سخت اندوہ گیں ہوں۔ اے میرے اللہ تو نے مجھے اس
دور کا مسیحا بنا دیا ہے، میں ان بیماروں کا تیماردار بنایا گیا ہوں۔‘‘

پس اس کی طرح جو اپنے عزیز بیمار کے غم میں مبتلا ہوتا ہے جیسے ماں بچے کے غم میں مبتلا ہو یا باپ بیٹے اور بیٹی کے غم میں مبتلا ہو اس طرح میں اس قوم کے غم میں مبتلا کر دیا گیا ہوں۔ ’’اس ناشناس قوم کے لئے‘‘ ایسی قوم کا مجھے غم لگ گیا ہے جو پہچانتی نہیں کہ اس کا مسیحا کون ہے۔ بیمار اتنی کہ قبروں میں ٹانگیں لٹکائے بیٹھی ہے اور حالت یہ ہے کہ اپنے مسیحا کو پہچانتی نہیں۔

’’دعا کرتا ہوں کہ اے قادر و ذوالجلال خدا۔ ہمارے ہادی اور
راہنما۔ تو لوگوں کی آنکھیں کھول اور آپ ان کو بصیرت بخش اور آپ ان دلوں
کو سچائی اور راستی کا الہام بخش۔‘‘

آخر پر میں چند مرحومین کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ ابھی بھی دن چونکہ چھوٹے ہیں، نماز جمعہ کے بعد نماز عصر ہوگی اس کے معاً بعد نمازِ جنازہ غائب ہوگی۔

سب سے پہلے صوفی بشارت الرحمٰن صاحب وکیل التعلیم کی وفات کی آپ کو اطلاع دیتا ہوں۔ آپ چند روز بیمار رہ کر ہسپتال میں وفات پا گئے۔ 8/ دسمبر 1928ء کو قادیان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد صوفی عطا محمد صاحب 1910ء میں احمدیت میں داخل ہوئے۔ آپ کے نانا شیخ محمد اسماعیل صاحب 313 صحابہ میں سے تھے۔ مکرم صوفی صاحب مرحوم و مغفور کو تقریباً سب جماعت جانتی ہے۔ کالج میں پروفیسر بھی رہے، اور مختلف رنگ میں دین کی بڑی عاجزی اور انکساری کے ساتھ اور جانفشانی کے ساتھ خدمات سرانجام دیتے رہے۔ بہت علمی ذوق تھا اور اللہ کے فضل کے ساتھ دینی علم بڑا گہرا تھا اور ہر وقت کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے تھے جس خدمت پر بھی یہ مامور رہے علمی مشاغل کو اس کے علاوہ ہمیشہ جاری رکھا۔ وفات کے وقت تحریک جدید میں وکیل التعلیم تھے۔

شیخ عبدالواحد صاحب بہت وسیع تعارف کے حامل تھے۔ جماعت میں بہت بھاری تعداد ان کو جانتی تھی۔ ان کی اہلیہ امتہ البشیر صاحبہ وفات پا گئی ہیں ان کی بھی نماز جنازہ ہوگی۔

مکرم شیخ اعجاز احمد صاحب آف کراچی جو شیخ عطا محمد صاحبؓ کے صاحبزادے تھے جو

علامہ اقبال کے چچا تھے یا تایا تھے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ابتدائی بیعت کرنے والوں میں سے تھے اور اللہ کے فضل سے بہت مخلص صحابی تھے۔ شیخ اعجاز احمد صاحب کو آپ کے ساتھ بیعت کرنے کی توفیق نہیں ملی تو غالباً والدہ یا دیگر رشتہ داروں کا اثر ہوگا۔ لیکن آپ نے 1931ء میں حضرت مصلح موعودؓ کے ہاتھ پر بیعت کی لیکن اللہ کے فضل کے ساتھ بہت ہی پاکباز انسان، بہت ہی مرنجاں مرنج طبیعت، مہمان نواز، خوش اخلاق، اعلیٰ پاکیزہ مجلسیں لگانے والے تھے۔ چودھری ظفر اللہ خان صاحبؓ کی صحبت کا ان میں کافی رنگ پایا جاتا تھا۔ چودھری صاحب کو ان سے بہت پیار تھا۔ آپؓ نے تحدیث نعمت میں بھی ان کا ذکر کیا ہے۔ ان کی ایک کتاب ''مظلوم اقبال'' کے نام سے شائع ہوئی تھی۔ جب علامہ اقبال کے متعلق بہت سے لکھنے والوں نے اس نئے دور میں جھوٹی باتیں پھیلانی شروع کیں کہ ان کا احمدیت سے کوئی تعلق کبھی نہیں رہا اور خاندان میں یہ بات نہیں تھی اور احمدیت کے خلاف ایسے ایسے معاندانہ انہوں نے کام کئے وغیرہ وغیرہ تو شیخ صاحب نے چند سال پہلے اس کے جواب میں باوجود بڑھاپے اور کمزوری کے بہت اچھی کتاب لکھی اور کہا کہ میں گھر والا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ ہمارے گھر میں کیا ہوتا تھا۔ کس طرح انہوں نے اپنے بیٹے کو عقیدت کے ساتھ قادیان سکول میں پڑھنے کے لئے بھجوایا تھا کہ باقی دنیا میں دوسرے سکولوں میں بے دینی پائی جاتی ہے وہیں سے دین سیکھے گا، تو اگر یہ شخص آغاز ہی سے احمدیت کے خلاف ہوتا تو یہ کام کیوں کرتا وہ کتاب بھی پڑھنے کے لائق ہے جس کسی کو موقع ملے تو اس کتاب کا مطالعہ کرے۔ بہت اچھی کتاب ہے۔

عبدالعزیز برما مجلس انصار اللہ کے آڈیٹر تھے۔ 1978ء میں بیعت کی تھی مگر بہت جلد جلد اخلاص میں ترقی کی اور شدید مخالفت میں ایذاءرسانیوں کے باوجود بڑے اخلاص سے احمدیت پر قائم رہے ان کے لئے بھی نماز جنازہ میں دعا کی جائے گی۔

حمیدہ منصور صاحبہ، طاہرہ مسعود حیات صاحبہ، ہمارے لندن کی جماعت کے مسعود حیات صاحب کو آپ جانتے ہیں حمیدہ منصور صاحبہ ان کی بیگم طاہرہ کی بہن تھیں اور جرمنی میں وفات پاگئی ہیں۔

رسول کریم ﷺ کا ذکر الٰہی تھا جو اعجاز بنا۔
آپؐ ذکر الٰہی سے زندگی پاتے اور ذکر الٰہی سے زندگی بخشتے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 4 رفروری 1994ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیات کریمہ تلاوت کیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝٤٦ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝٤٧

(الانفال: 46 تا 47)

پھر فرمایا:۔

گزشتہ جمعہ میں مَیں نے جن جماعتوں کے جلسوں کا اعلان کیا تھا ان میں ایک اعلان ضلع جھنگ کے ایک جلسے کا رہ گیا تھا اور ان کو صرف اس وقت شدت سے انتظار نہیں تھی بلکہ فیصلہ یہ ہے کہ ابھی بھی انتظار ہے حالانکہ جلسہ گزر بھی چکا ہے تو بہرحال ان کا بھی ذکرِ خیر کریں تو کوئی حرج نہیں۔ اللہ ان کو مزید خدمت کی توفیق بخشے اور نیک مجالس سے زیادہ سے زیادہ استفادے کی بھی توفیق بخشے۔

جلسہ سالانہ جماعت ہائے احمدیہ بنگلہ دیش آج سے شروع ہو رہا ہے۔ ان کو خصوصیت سے اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ جو چھوٹی کمزور جماعتیں ہیں یعنی دنیاوی لحاظ سے، عدد کے لحاظ سے، اموال کے لحاظ سے لیکن اللہ کے فضل کے ساتھ ایمان کی دولت سے اس طرح مالا مال ہیں اور اتنا

غیر معمولی ان میں توکل ہے اور اس قدر دین کی غیرت ہے کہ تھوڑے ہوتے ہوئے شیروں کی طرح سامنے ڈٹ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جب پچھلے دنوں مجلس تحفظ ختم نبوت والوں نے اور احراریوں نے کھلے عام دھمکیاں دیں کہ ہم چہار بخشی بازار مسجد کو گرانے کے لئے آ رہے ہیں اور لاکھوں کا مجمع حملہ آور ہوگا۔ اس کے مقابل پر یہ ہر طرف سے چار سو کی ایک چھوٹی سی نفری اکٹھی ہوئی۔ ان سب نے عہد کیا کہ تمام جان دے دیں گے۔ ایک بھی پیٹھ نہیں دکھائے گا۔ اور ہنستے ہوئے کلمہ پڑھتے ہوئے جان دیں گے اور فخر کریں گے۔ اور ان کے عزیزوں نے بھی بڑی شان کے ساتھ ان کو بھیجا ان کی مائیں راضی تھیں ان کی بہنیں راضی تھیں ان کی بیٹیاں راضی تھیں اگر بچے تھے تو ان کے سب عزیز پوری طرح موت کو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ رہے تھے مگر اس موت کو جس کا نام اللہ نے زندگی رکھا ہے۔ اس موت کو جس کا نام خدا نے ہمیشہ کی زندگی رکھا ہے، اور ایسی زندگی جو مرنے کے معاً بعد عطا ہوتی ہے۔ ایک زندگی تو ایسی ہے جو مرنے کے لمبے عرصے کے بعد رفتہ رفتہ پرورش پاتی ہے۔ پس یہی ایک بڑا فرق ہے شہادت کی زندگی اور دوسری زندگی میں جو مرنے کے بعد لازماً سب کو عطا ہوگی۔ قرآن کریم نے فرمایا ہے بَلْ اَحْيَآءٌ وہ زندہ ہیں۔ وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (البقرہ:155) تمہیں پتا نہیں ہوگا تم سمجھ نہیں سکتے کیسے زندہ کئے گئے ہیں۔ اسی طرح حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے جو بعض شہداء کو جنت میں پھرتے دیکھا۔ ایک لنگڑے شہید تھے ان کے متعلق فرمایا کہ وہ جنت میں پھدکتے پھر رہا تھا اور خدا اس سے بہت راضی تھا۔ یہ جو واقعہ سنا اس کے بیٹے نے، تو بیٹے کے سب غم بھول گئے۔ اس نے کہا کہ اس سے کیا بڑی سعادت ہو سکتی ہے۔ تو جن لوگوں کو خدا زندہ کہہ دے وہ کیسے مر سکتے ہیں۔ تو ایسا نظام جاری ہے کہ شہید کی زندگی معاً بعد اسی طرح جاری رہتی ہے جیسے پہلے تھی یعنی اس کے شعور کو اللہ تعالیٰ مرنے نہیں دیتا اس کو مٹنے نہیں دیتا اور یہ بہت عظیم سعادت ہے۔

پس بنگلہ دیش کی جماعت نے اس سعادت کو نہ صرف سمجھا بلکہ اس کو بڑی خوشی سے سینے سے لگایا اسے قبول کیا اور اس کے لئے تیار رہے اور ہمیں اس بارے میں ادنیٰ بھی شک نہیں کہ وہ اپنے دعویٰ میں سچے تھے البتہ دعا یہی تھی کہ اے اللہ ان کو اسی زندگی میں شہادت کی سعادت عطا فرما دے تو تجھ سے یہ بھی تو بعید نہیں کیونکہ ان کو اگر اپنی جانوں کی ضرورت نہیں تیری راہ میں تو ہمیں تو ان کی

ضرورت ہے۔ پس اللہ نے اس دعا کو بھی قبول فرمالیا اور ان کو کوئی آنچ نہیں آئی۔ حالات نے پلٹا کھایا، راہیں تبدیل کر دی گئیں۔ سارے ملک کے اخباروں نے اتنی شدت اور زور کے ساتھ اس تحریک کے خلاف مقالے لکھے اور ایڈیٹوریل جاری کئے اور اس تحریک کا تجزیہ کر کے اسے گندی ناپاک تحریک قرار دیا جو اسلام کے نام کو بدنام کرنے والی ہے۔ انسان کو انسان سے کاٹنے والی ہے۔ بڑی جرأت سے یہ اعلان کئے کہ ہم ہرگز یہ برداشت نہیں کریں گے کہ کسی نام پر بھی بنگلہ دیشی کو بنگلہ دیشی سے کاٹ کر رکھ دیا جائے۔ ہم ایک قوم ہیں، ایک قوم رہیں گے، اپنی وحدت کی حفاظت کرنا جانتے ہیں۔ بڑے عظیم الشان مقالے اللہ تعالیٰ نے ان کو لکھنے کی توفیق بخشی یہاں تک کہ وہ سب جو پہلے ان کی مدد پر آمادہ بیٹھے تھے، بڑے سیاست دان جو رعب میں آکر ان کے خلاف کوئی لفظ نہیں بول سکتے تھے ان کے اندر جان پڑنی شروع ہوگئی۔ وہ بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ جنہوں نے ان سے وعدے کئے تھے کہ ہم تمہارے جلسوں پر آئیں گے وہ اپنے وعدوں سے منحرف ہوئے اور انہوں نے کہا کہ ہم نہیں آسکتے۔ تو کس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی تقدیر سے ان کی تدبیر بدل دی۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کا فضل جو دعاؤں کی صورت میں جماعت احمدیہ پر ہمیشہ نازل ہوتا رہا ہے۔ آئندہ بھی انشاء اللہ ہمیشہ نازل ہوتا رہے گا۔

میں بنگال کی جماعتوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ شکر کے دور میں داخل ہوں اور اللہ نے جو ان پر فضل فرمائے ہیں ان کا کثرت سے، خدا کا ذکر کر کے شکر کریں اور ذکرِ الٰہی کو اس جلسے میں بھی بلند رکھیں اور جلسے کے بعد بھی گھروں کی طرف واپس جاتے ہوئے ذکر کرتے ہوئے لوٹیں، گھروں کو بھی ذکر سے بھر دیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا جب ذکر کیا جائے تو اللہ آسمان پر ان کا ذکر فرماتا ہے جن کا زمین پر ذکر کیا جاتا ہے۔ جو زمین پر خدا کا ذکر کرتے ہیں اور وہ ذکر صرف آسمان پر ہی نہیں رہتا حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ ہمیں خبر دیتے ہیں کہ جب خدا ذکر کرتا ہے تو اس کے فرشتے ذکر کرتے ہیں اور وہ ذکر لے کر زمین پر اترتے ہیں اور پھر لوگوں کے دلوں میں ان کا ذکر جاری کیا جاتا ہے جو خدا کا ذکر کرنے والے تھے۔

پس یہ وہ انعامات کا سلسلہ ہے جو ایک انعام سے پھوٹتا ہے دوسرے انعام پر منتج ہوتا ہے دوسرے انعام سے پھوٹتا ہے تو تیسرے انعام پر منتج ہوتا ہے۔ ایک لامتناہی، لازوال سلسلہ ہے۔ یہ

ذکر سے چلتا ہے اور انسان کو نہ صرف نئی زندگی عطا کرتا چلا جاتا ہے بلکہ اس کے درجات اس دنیا میں ہی بلند تر ہونے لگتے ہیں۔ کیونکہ ذکر کے ذریعے انسان سب رفعتیں حاصل کرسکتا ہے اور کرتا ہے۔ ذکر کے ذریعے خدا سے تعلق باندھنے کا ایک ہی مطلب ہے کہ اس کی صفات کا جلوہ انسان پر اترتا ہے اور اس کا جلوہ انسان کو، اس کی صفات کو ڈھانپ لیتا ہے۔

پس اس پہلو سے میں آپ کو یہی نصیحت کرتا ہوں کہ آج کل چونکہ ذکر ہی کے مضمون پر خطبات جاری ہیں۔ اس لئے آپ خاص طور پر ذکرِ الٰہی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں اور اس سے یہ دعا مانگیں کہ آپ کی نیکیوں کی حفاظت فرمائے، آپ کو ثابت قدم بنائے اور صبر عطا کرے۔ صبر سے مراد صرف تکلیف کا صبر نہیں بلکہ اصل اور اعلیٰ مزاج نیکی پر صبر ہے۔ صبر کی سچی اور اعلیٰ تعریف حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمائی اور قرآن کریم کے مضمون ہی کو اپنے الفاظ میں بیان فرمایا وہ یہ ہے کہ نیکیوں پر انسان ثابت قدم ہو جائے ان کو پکڑ کر بیٹھ رہے۔

پس اس پہلو سے آپ اپنی نیکیوں پر صبر کریں لیکن صبر کے لئے اللہ تعالیٰ سے استعانت کریں اس سے دعا کریں کہ وہ آپ کو توفیق بخشے کہ آپ صبر کرنے والے ہوں۔ آپ نے جو نیکیاں اختیار کیں ہیں ان پر اگر صبر کر جائیں گے تو آئندہ کے لئے ہمیشہ یہی صبر آپ کی ڈھال بن جائے گا۔ اور ''اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ'' کے مضمون کو آپ بار بار اپنے حال پر اطلاق پاتے دیکھیں گے۔ ''اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ'' فرماتا ہے اللہ تعالیٰ اور یہ مضمون جو ہے وہ جزا کے مضمون سے اعلیٰ تر مضمون ہے۔ اللہ ان کے ساتھ رہتا ہے چونکہ انہوں نے تنگ لمحوں پر خدا کی خاطر صبر کیا تھا۔ اس لئے آئندہ غموں سے حفاظت کے لئے خدا ساتھ رہنے لگ جاتا ہے۔ فرشتوں کے نزول کے مضمون سے بھی یہ بالاتر ہے۔

پس صبر ایک بہت عظیم نیکی ہے، بہت عظیم خوبی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ (آل عمران: 154) فرمایا ہے۔ اب دیکھیں یہاں صلوٰۃ کا لفظ بعد میں رکھا اور صبر کا پہلے کر دیا۔ حالانکہ صلوٰۃ ہر نیکی کی کُنجی ہے۔ لیکن اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ صبر کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو اور صبر کی دعا مانگو، صبر عطا کرنے کی دعا مانگو اور نماز کے ذریعہ اس مضمون کو مزید تقویت دو، تو اللہ تعالیٰ آپ کو صبر کا بہترین مضمون سمجھنے اور اپنی زندگیوں میں اسے جاری کرنے کی

توفیق عطا بخشے۔تمام احبابِ جماعت بنگلہ دیش، خواتین، بچوں سب کو عالمگیر جماعتوں کی طرف سے محبت بھرا اسلام ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔آپ کی دعائیں ہمارے ساتھ رہیں گی۔

اب ذکر کے مضمون میں میں نے جو آیات تلاوت کیں تھیں۔ان کے تعلق میں چند باتیں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ایک عربی شاعر کہتا ہے۔

ذکرتک ولخطی یفطربنا

وقد نهبت من المشقت الصلب

فوالله ما ادری وان لصادق

اداء ارانی حبابک امس

کہ اے میری محبوبہ میں نے تجھے اس وقت یاد کیا جب خطی نیزے ہم پر چل رہے تھے۔اور خون آلود نیزوں نے ہمارے خون پئے ہوئے تھے۔ خدا کی قسم مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ آیا مجھے تیرے عشق کی وجہ سے کوئی بیماری لگ گئی ہے یا تیرے حسن کا جادو جو کرشمے دکھا رہا ہے۔او یہ بات خدا گواہ ہے کہ میں سچ کہہ رہا ہوں۔

یہ مضمون دنیاوی شعراء کے حق میں تو اللہ بہتر جانتا ہے کہ کس حد تک پورا ہوتا ہے۔بعض جنونی ایسے بھی ہوتے ہیں جو بندے کے فانی عشق میں اپنے آپ کو فنا کر دیتے ہیں۔لیکن فی الحقیقت یہ مضمون اللہ کی ذات پر اطلاق پاتا ہے۔ بندے اور اللہ کے تعلق پر اطلاق پاتا ہے اور اس پہلو سے سب سے بڑی گواہی حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی ہے۔شاعر تو اپنے متعلق کہتا ہے کہ میرا عشق شاید بیماری بن گیا ہے جو حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے متعلق کفار یہ گواہی دیا کرتے تھے کہ عَشِقَ مُحَمَّدٌ رَبَّهُ کہ محمد کو تو اپنے رب سے عشق ہو گیا ہے اور اس عشق کو بیماری کے طور پر بھی پیش کیا کرتے تھے۔کہتے یہ بیمار ہے۔مجبور ہے اس کو جنون ہو چکا ہے اور وہ عشق کا جنون ہے۔

پس حقیقت میں جب سچا عشق ہو تو یہ کیفیات ضرور پیدا ہوتی ہیں اور سخت تکلیف کے وقت بھی جبکہ دنیا کی دوسری چیزیں بھول چکی ہوتی ہیں۔اس وقت بھی اپنا محبوب ضرور یاد رہتا ہے۔اور بشدت یاد آتا ہے۔تو یہ دنیا کے لوگ ہیں ان کو تکلیفوں کے وقت اپنے دنیا کے محبوب یاد آتے ہیں۔ جو اللہ والے ہیں ان کا ذہن زیادہ سے زیادہ اللہ کی طرف جھکتا ہے۔لیکن ایک فرق ہے ان دونوں

باتوں میں اللہ کی طرف مشقتوں اور تکلیفوں کے وقت بعض اوقات دہریوں کے ذہن بھی چلے جاتے ہیں۔ وہ بھی سمجھتے ہیں کہ شاید اس راہ سے ہماری نجات مل جائے اگر کوئی ذات ہے اور ہماری آواز سن رہی ہے تو ہوسکتا ہے ہمیں بخش دے اور ہمیں اس مصیبت سے نجات بخش دے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ ہم بعض دفعہ ایسی ہوائیں چلاتے ہیں جو نرم خو اور اچھی اچھی ہوائیں چل رہی ہوتی ہیں۔ کشتی والے سمندر میں سفر کر رہے ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان ہواؤں میں تیزی آجاتی ہے اور ہوائیں تند ہو جاتی ہیں اور خوفناک طوفان میں بدل جاتی ہیں۔ اس وقت دعا کرنے والے گریہ وزاری سے خدا کی طرف جھکتے ہیں۔ اے خدا اگر تو ہمیں اب بچالے تو ہم تیرے شکر گزار بندے بنیں گے یا نیکیوں کا دعویٰ کرتے ہیں یہ کریں گے۔ اللہ جانتا ہے کہ جب وہ خشکی پر پہنچ جائیں گے تو ایسا نہیں کریں گے۔ پھر وہ اپنے شرک اور کفر کی طرف لوٹ جائیں گے۔ مگر اللہ پھر بھی ان کی اس دردناک پکار کو سن لیتا ہے۔ تو ایسے بھی لوگ ہیں جو مصیبت کے وقت، اور تکلیف کے وقت اور ہوسکتا ہے جنگ کی شدت کے وقت بھی اللہ کا نام لیتے ہوں مگر اسے ذکرِ الٰہی نہیں کہا جاتا، وہ اپنی ذات کا ذکر ہے۔ اپنی جان کو بچانے کے لئے جیسے فرعون نے غرق ہوتے وقت خدا کا نام لیا تھا۔ وہ روح کی خاطر نہیں۔ بدن کی خاطر ہے۔ اللہ ان آیات میں جن عشاق کا ذکر فرما رہا ہے۔ وہ وہ لوگ ہیں جو جانیں بچانے کے لئے خدا کو یاد نہیں کرتے بلکہ جانیں پیش کرنے کے لئے کرتے ہیں۔ وہ دعائیں کرتے ہوئے جاتے ہیں کہ اے خدا ہماری جان اپنی راہ میں قبول فرمالے، اس کو ذکرِ الٰہی کہتے ہیں۔ یہ ہے محبوب کا ذکر جو اس شان کے ساتھ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ اور آپ ؐ کے صحابہؓ کے حق میں پورا ہوا ہے۔ تو تمام عالم میں اس کی مثال آپ کو دکھائی نہیں دے گی۔

ان آیات کا ترجمہ یہ ہے میں ترجمہ کرنا بھول گیا تھا۔ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو، جب تمہاری جنگ میں مٹھ بھیڑ ہو کسی گروہ سے، فَاثْبُتُوْا تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا بہت کثرت سے ذکر کیا کرو۔ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ تا کہ تم کامیاب ہونے والے ہو جاؤ۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو وَلَا تَنَازَعُوْا اور آپس میں پھٹو نہیں، جھگڑے نہ کرو۔ فَتَفْشَلُوْا اور نہ اس سے تم منتشر ہو جاؤ گے، پیٹھ دکھا کر

بھاگ جاؤ گے۔ کمزور ہو جاؤ گے۔ فَتَفْشَلُوْا کا اصل مطلب ہے تو ہے کہ بزدلی دکھانا، کمزوری دکھانا۔ کہ تم کمزوری دکھا جاؤ گے پھر۔ وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ اور تمہاری پھوک نکل جائے گی۔ جیسے کہتے ہیں بڑا پھوکی ہے یہ، تو حقیقت میں مومن کو جو رعب عطا ہوتا ہے وہ اس کی ذاتی خوبیوں کا رعب نہیں ہوتا اللہ سے تعلق کے نتیجے میں وہ رعب پیدا ہوتا ہے اور جتنی اس کی ذات ہے اس کہیں بہت بڑی دشمن کو دکھائی دیتی ہے۔ جماعت احمدیہ کا ہمارا سو سالہ تاریخ سے زیادہ کی تاریخ ہو چکی ہے اب، یہی تجربہ ہے کہ جماعت بہت تھوڑی بھی ہو تو اللہ کے فضل سے اس کا رعب بہت ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ جب جماعت کو کامیابیاں عطا فرماتا ہے۔ تو ہم سے بہت زیادہ طاقتور دشمن اس سے بے قرار اور بے چین ہو کر کہنے لگتے ہیں کہ آ گئے آ گئے، یہ غالب آ گئے۔ یہ غالب آ گئے۔ ان کو کسی طرح روکو، یہ ہماری تدبیر سے تو نہیں رکتے، تو یہ جو تھوڑی سی تعداد سے اس قدر پریشان ہو جانا، یہ اس رعب کی وجہ سے ہے جس کا قرآن کریم ذکر فرماتا ہے اور محاورہ بڑا پیارا استعمال فرمایا ہے۔ تمہاری پھوک نکل جائے گی۔ اللہ کا ذکر گیا تو تم بھی گئے بیچ میں سے۔ تم تو اس کائنات کے ذرّے کی طرح ہو جسے ایٹم کہا جاتا ہے۔ یعنی جس کا وجود آپ کو ہزاروں، لاکھوں گنا بڑا دکھائی دے رہا ہے۔ اگر اس کی پھوک نکال دی جائے تو چپک کر کچھ بھی باقی نہ رہے۔ یہ زمین ایک فٹ بال کے برابر ہو جائے۔ پس اسی طرح اللہ تعالیٰ کے رعب سے اللہ کی طرف سے مومنوں کو ایک رعب عطا ہوتا ہے اور اپنے وجود سے زیادہ بڑے ہو کر دنیا کو دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن ان کی مثال غبارے کی سی نہیں ہے۔ بلکہ ایٹم کی سی ہے، ان مالیکیولز کی سی ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے، جن کے اپنے اصل وجود سے بہت بڑا بنا کے دکھایا ہے کیونکہ وہ ان کی بڑائی خدا تعالیٰ کی طاقت سے ہوتی ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ (النحل:85) ہم نے صرف ان کو بڑا ہی کر کے نہیں دکھایا۔ ہم نے ہر چیز کو بہت مضبوط بنایا تو جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ رعب مومن کو عطا ہوتا ہے، نہ صرف یہ کہ وہ اپنی حیثیت سے بڑا دکھائی دیتا ہے۔ بلکہ اس بڑائی میں ظاہری طور پر خواہ اندر کچھ بھی نہ ہو۔ لیکن خدا کی طاقت اس کو نصیب ہوتی ہے۔ اس لئے واقعۃً دشمنوں کے لئے ایک بہت بڑی ہیبت بن کے ابھرتا ہے اور جب دشمن سے ٹکراتا ہے۔ تو وہ تاریخ بار بار گواہی دیتی ہے کہ اللہ کے فضل کے ساتھ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً (البقرہ:250) کتنی ہی چھوٹے چھوٹے گروہ

ہیں۔ بالکل معمولی حیثیت کے، جو بڑی بڑی قوتوں کے اوپر غالب آ گئے۔ پس یہ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ تم اللہ کا ذکر کرنا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ تا کہ تم اس ذکر کی برکت سے کامیاب ہو، کامیابیاں ذکر سے عطا ہوتی ہیں اور ذکر ہے جو انسان کو رعب عطا کرتا ہے اور اس ذکر کے ساتھ ایک لازم بات ہے۔ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ اگر تم بظاہر ذکر کرتے ہو اور اللہ کی اطاعت نہیں کرتے۔ بظاہر ذکر کرتے ہو اور رسول کی اطاعت نہیں کرتے تو ذکر جھوٹا ہے۔ وَ لَا تَنَازَعُوْا اور ہرگز تم آپس میں جھگڑا نہ کرو۔ ورنہ بھاگ جاؤ گے فَتَفْشَلُوْا تمہارے پاؤں پھسل جائیں گے۔ یعنی پیٹھ دکھا کر پیچھے چلے جاؤ گے۔ وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ اور تمہاری پھوک نکل جائے گی۔ یعنی رعب جاتا رہے گا۔ وَاصْبِرُوْا اور صبر کرو۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ اللہ تعالیٰ یقیناً صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے غزوات میں ہمیں یہی نظارہ دکھائی دیتا ہے کہ اللہ کے ذکر کے ساتھ آپؐ نے ہر غزوہ میں شمولیت فرمائی اور شدید جنگ کی کیفیت اور سختی کی حالت میں بھی ذکر اللہ ہی تھا۔ جو دراصل آپ کی قوت کا راز تھا۔ جنگ بدر کے موقع پر بظاہر آپؐ جنگ میں خود جسمانی طور پر حصہ نہیں لے رہے تھے مگر وہ جنگ اس چھوٹے سے خیمے میں لڑی جا رہی تھی۔ جہاں حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ ذکرِ الٰہی میں مشغول تھے اور اس شدت کے ساتھ آپؐ پر رقت طاری تھی کہ روتے روتے بار بار کندھے کی چادر گرتی تھی اور حضرت ابوبکرؓ اٹھا اٹھا کر واپس پھر کندھے پر ڈالتے تھے۔ ایک عجیب کیفیت تھی باہر جنگ ہو رہی ہے اور یہاں خدا کے حضور گریہ وزاری کی جا رہی ہے اور لوگ سمجھ رہے ہیں کہ رسول کریم ﷺ الگ کھڑے ہیں۔ حالانکہ آنحضرت ﷺ اس جنگ میں شامل تھے اور یہی وہ جنگ تھی۔ لیکن پھر آپؐ نے شرکت فرمائی۔ اس حالت میں سارا وقت نہیں گزارا۔ ان دعاؤں کے بعد ایک غیر معمولی طاقت حاصل کر کے شرکت فرمائی اور وہ جو مٹھی کنکروں کی اٹھا کر پھینکی ہے۔ اس مٹھی میں ایک ایسی غیر معمولی طاقت پیدا ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (الانفال: 18) اے محمدؐ تو نے مٹھی نہیں چلائی تھی۔ تو جو اللہ سے طاقت لے کر باہر نکلا تھا۔ تیرا سارا وجود الٰہی طاقت کا مجسمہ بن چکا تھا۔ اس وقت جو مٹھی تیرے ہاتھوں نے چلائی تھی وہ اللہ کے ہاتھوں نے چلائی تھی۔ تو ذکر میں

ایک غیر معمولی طاقت ہے۔ وہ کمزوروں کو غیر معمولی طور پر بڑے بڑے طاقتوروں کے مقابل پر قوتیں عطا کرتی ہے اور ان پر غالب کر دیتی ہے اور اس طاقت کے ہوتے ہوئے دنیا کی کوئی طاقت ان کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

اس پہلو سے میں خاص طور پر آپ کو دعوت الی اللہ کے مضمون کے ساتھ، اس مضمون کو ملانے کی تلقین کرتا ہوں۔ ہم بھی آج کل ایک عظیم جہاد میں مبتلا ہیں۔ اور ساری دنیا میں اس وقت دعوت الی اللہ کی ہوائیں چل رہی ہیں اور چھوٹے بڑے، مرد کیا اور عورتیں کیا، سارے دن رات یہی سوچ رہے ہیں کہ کس طرح ہم بھی اس میں کامیاب حصہ لیں۔ ہمارے ذریعے بھی خدا تعالیٰ کسی سعید روح کو دائمی زندگی عطا کرے۔

وہ جو جہاد ہے وہ جہادِ اکبر ہے۔ ان معنوں میں کہ جو قتال ہے اس کے نتیجے میں دشمن کو مارا جاتا ہے اور جہاد کے نتیجے میں دشمن کو زندہ کیا جاتا ہے۔ پس ان دونوں میں نمایاں فرق ہے۔ کبھی خدا والے کسی دشمن کو مارنے کے درپے نہیں ہوتے سوائے اس کے کہ وہ مجبور کر دے اور وہ بے اختیار ہو جائیں۔ یہاں تک کہ یہ فیصلہ پھر کرنا پڑے یا خدا کے منکر زندہ رہیں گے یا خدا والے زندہ رہیں گے۔ اسی مجبوری کے نتیجے میں جہاد قتال میں تبدیل ہوا کرتا ہے۔ ورنہ حقیقی جہاد جس کا قرآن کریم میں ذکر ہے وہ مردوں کو زندہ کرنے کا جہاد ہے۔ جس میں حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ ہمیشہ مصروف رہے اور اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو بات سمجھائی، کھول کر سمجھائی کہ جب یہ رسول، تمہیں اپنی طرف بلائے تا کہ تمہیں زندہ کرے تو تم لبیک کہا کرو، اس کی دعوت کو قبول کیا کرو۔

پس آج جماعت احمدیہ ایک عالمگیر زندگی کا پیغام لے کر نکلی ہے۔ ایک ایسے عالمگیر جہاد میں جھونک دی گئی ہے خدا کی طرف سے، جس میں ہر چھوٹا بڑا، مردوں کو زندہ کرنے کے اعلانِ بلند کر رہا ہے۔ اور مردوں کو اپنی طرف بلا رہا ہے کہ آؤ اور اللہ کی فوج کے ساتھ، حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی برکت سے آج بھی تم زندہ کئے جاؤ گے۔ یہ نہ سمجھو کہ اس رسولؐ کو زندگی کا معجزہ، زندہ کرنے کا معجزہ، چودہ سوسال پہلے دیا گیا تھا اور اب وہ معجزہ مر چکا ہے۔ جیسے وہ رسولؐ آج بھی زندہ ہے اس کے تمام معجزات زندہ ہیں اور آج بھی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے دم سے ہی تمام دنیا کو شفاء مل سکتی ہے۔ آپؐ کے اعجاز ہی سے یہ مردے زندہ ہو سکتے ہیں اور اس اعجاز کا رنگ کیا تھا؟ یہ ذکرِ الٰہی تھا۔ آپؐ کا

ذکرِ الٰہی تھا جو اعجاز بنا تھا۔

پس یہ کہنا کہ جیسے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے چودہ سو سال پہلے مردے زندہ کئے تھے ہم آج کریں گے۔ اگر یہ ذکر سے خالی بات ہو تو محض خیالی ہے تو کھوکھلا دعویٰ ہے کچھ بھی نہیں ہونا پھر، جس عظیم معالج کا حوالہ دے کر آپ اس کی شفاء کی باتیں کرتے ہیں اس کے نسخے کو بھی تو تلاش کرتے ہیں۔ بوعلی سینا کا نام اگر علاج کی دنیا میں زندہ ہے تو اس وجہ سے کہ آج اس کے نسخے بھی زندہ ہیں اور صدیاں گزرنے کے بعد آج بھی بہت سے معالج اس کے نسخوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

پس محض معالج کے نام سے کوئی مردہ زندہ نہیں ہوا کرتا اس کے نسخوں سے زندہ ہوا کرتا ہے۔ پس دیکھنا یہ ہے کہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ زندگی کیسے بخشتے تھے۔ **وہ ذکرِ الٰہی کی زندگی تھی۔ وہ ذکرِ الٰہی سے زندگی پاتے اور ذکرِ الٰہی سے زندگی بخشا کرتے تھے** اور جنگ کے دوران اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب تمہاری مٹھ بھیڑ ہو جائے تو جب شدت کی، گھمسان کی لڑائی ہو، اس وقت وہ یہاں یہ نہیں فرما رہا کہ اپنے ہتھیار تیز کرو، اپنی قوتوں کو چمکاؤ۔ بعض دوسری جگہ وہ بھی ذکر ہے۔ لیکن یہاں فتح کا راز بیان کیا جا رہا ہے کہ جتنی لڑائی تیز ہوتی چلی جائے، تمہارا مقابلہ ہو، وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ثباتِ قدم رکھو لیکن ذکرِ الٰہی سے برکت حاصل کرو، قوت حاصل کرو۔ ورنہ تمہیں ثباتِ قدم بھی نصیب نہیں رہے گا۔ بھاگتے ہوئے پیٹھ دکھا کر ذکر کا کوئی مضمون نہیں ہے۔ اپنی جانیں پیش کرو، حاضر ہو اور پھر ذکر کرو، پھر دیکھو اللہ تعالیٰ تمہیں کتنی غیر معمولی طاقت عطا فرماتا ہے۔

پھر اسی مضمون کو صبر پر جا کے ختم فرمایا کہ صبر کے بغیر کوئی حقیقی کامیابی نہیں ہو سکتی اور صبر ہی ہے جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی معیت نصیب ہوتی ہے۔ پس آج کل جو بھی داعیین الی اللہ دنیا میں پیغام دے رہے ہیں ان کو ذکر پر زور دینا چاہئے اور دعوت میں محض دلیلوں سے کام نہ لیں بلکہ ذکر کریں اور ذکر سکھائیں۔ اللہ کی طرف بلانے کا حکم ہے۔ عجیب بات ہے کہ قرآن کریم میں کہیں بھی محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف بلانے کا حکم نہیں ہے سوائے اس کے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کو حکم ہے۔ کہ تم اپنی طرف بلاؤ۔ کیونکہ آپ کی طرف خدا کی طرف تھی۔ لیکن ساتھ یہ ہے حکم کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف جب بلائیں تو دوڑا کرو، اس طرف جایا کرو۔ لیکن مومنوں کو پیغام یہ ہے کہ اللہ کی طرف بلاؤ

کیونکہ دائمی دعوت خدا ہی کی طرف ہے اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بھی اللہ ہی کی طرف بلاتے تھے۔

پس دعوت الی اللہ اسی لئے قرآن سے محاورہ لے کر اسی مہم کا نام رکھا گیا کہ اللہ کی طرف بلانے کی دعوت ہے۔ اللہ کی طرف بلائیں تو بحثوں اور دلیلوں سے بہت زیادہ اس کے حسن اور اس کی کشش سے کام لیں۔ جس کی طرف بلایا جاتا ہے اس کا تعارف بھی تو کروانا پڑتا ہے۔ کس کی طرف بلا رہے ہیں؟ اگر آپ جاتے ہی ان بحثوں میں مبتلا ہو جائیں کہ تم اپنے عقائد میں سچے ہو یا میں اپنے عقائد میں سچا ہوں۔ ایک لمبے عرصے کے بعد ان ذریعوں ہی سے بعض دفعہ انسان کو کامیابی نصیب ہوتی ہے۔ لیکن وہ لوگ جو متقی ہیں جو اللہ کی محبت رکھتے ہیں۔ اگر وہ سچے دل سے اللہ کی طرف آنے کی دعوت دیں تو یہ بہت زیادہ کارگر حربہ ہے۔ بہت اس کا گہرا اثر پڑتا ہے۔ میں نے بارہا ہندوؤں پر یہ نسخہ آزمایا ہے۔ وہ بعض دفعہ ملنے آتے ہیں بعض دفعہ خطوں کے ذریعے دعا کی خاطر لکھتے ہیں۔ تو میں ان کو صرف توحید کا پیغام دیتا ہوں۔ کبھی یہ بحث نہیں کی ویدوں میں یہ لکھا ہے اور تمہاری گیتا میں یہ لکھا گیا ہے اور قرآن یہ فرماتا ہے۔ ان بحثوں میں الجھا دیں گے ہوتو ان کی غیرت بھی اٹھ کھڑی ہوگی۔ اور رفتہ رفتہ ایک مدافعانہ رنگ پیدا ہو جائے گا۔ قرآن کریم فرماتا ہے جب وہ مدافعانہ رنگ اختیار کریں، جھگڑیں تو تم بھی ان سے مجادلہ کرو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسی ضرورت پیش آ سکتی ہے۔ مگر سب سے احسن، سب سے اعلیٰ طریق، سادہ طریق پر اللہ کی طرف بلانا ہے۔

اور اس میں صرف ہندو ہی پیشِ نظر نہیں، تمام اقوام، تمام مذاہب سے وابستہ لوگوں کے لئے، سب سے اچھا پیغام یہی ہے کہ ہم تمہیں اللہ کی طرف بلاتے ہیں۔ اللہ کی خاطر اپنے اندر پاک تبدیلیاں پیدا کرو اللہ کی طرف جھکو اس سے دعائیں مانگو اور اگر تم ہمیں بدسمجھ رہے ہو تو اللہ سے دعا کرو کہ ہمیں بھی صحیح سچا رستہ عطا ہو۔ اور اگر ہم سچے ہیں تو اللہ سے دعا کرو کہ تمہیں بھی اس رستے پہ ڈال دے۔ یہ طریق ہے جو تبلیغ کا اس سے کوئی اشتعال بھی پیدا نہیں ہوتا۔ اس سے اشتعال ٹھنڈے پڑتے ہیں۔ طبیعت میں کچھ سلجھاؤ پیدا ہوتا ہے۔ انسان زیادہ سنجیدگی سے غور پر آمادہ ہوتا ہے۔ اور جیسا کہ میں نے ذکر کیا ہے جتنے بھی ہندوؤں سے مجھے واسطہ پڑا ہے۔ جب میں نے انہیں توحید کی طرف بلایا ہے تو طبعی طور پر ان کا ردعمل مثبت تھا۔ کبھی بھی مخالفانہ ردعمل نہیں ہوا۔ اور کئی ایسے ہیں جو اللہ کے فضل سے جماعت میں داخل ہو چکے ہیں کئی ایسے ہیں جو ابھی داخل نہیں ہوئے لیکن دعا کے

لئے لکھتے ہیں کہ ہمیں توفیق دے اللہ، ہمت عطا کرے۔ کئی ایسے ہیں جنہوں نے ہمارے سیٹلائیٹ میں چندے بھی دینے شروع کر دیئے اور ہندو ہیں۔ لیکن خطبے سنتے ہیں ہندو ہیں لیکن دعا کے لئے ہمیں لکھتے ہیں۔ ہندو ہیں لیکن اگر کوئی مر جائے تو اس کی اخروی نجات کے لئے ہمیں لکھتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ سے جو تعلق انسان کی روح، میں فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے۔ وہ ایک ایسا دائمی سرچشمہ ہے۔ جس سے آپ ہمیشہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور پیاسی روحوں کو اس چشمے کی طرف متوجہ کرنے سے وہ روحیں طبعاً اس کی طرف مائل ہونے پر آمادہ ہیں۔ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى انسان کی پیدائش سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا، سب روحوں کو گویا کہ ایسے عالم میں اکٹھا کیا جس کا تصور ہمارے لئے ممکن نہیں۔ بات صرف حقیقت میں یہ ہے۔ کہ ان روحوں کے خمیر میں داخل کر دی ہے یہ بات۔ یہ سوال و جواب ایسا سوال اور جواب ہے جو ان کی روحوں پر پرنٹ ہو گیا ہے، چھپ گیا ہے۔ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ قَالُوْا بَلٰى ان سب نے کہا ہاں کیوں نہیں، کیوں نہیں، پس وہ بَلٰى کی آواز آج بھی روحوں سے آ سکتی ہے۔ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کا پیغام تو ان کو خدا کی طرف سے دیں۔ پس دعوت الی اللہ میں آغاز ہی اس طرح ذکر سے ہونا چاہئے کہ وہ خالصۃً ذکر ہو اور اس میں مذاہب کی تفریق کی بحثیں بعد میں آئیں، اگر وہ اٹھیں سب سے پہلے اللہ کی طرف بلائیں۔ اور اللہ کی طرف بلانے کے لئے آپ کے اندر خود ذکر کے پھل لگنے چاہئیں آپ کی ذات میں، آپ کے اندر ذکر کے نتیجے میں پاک تبدیلیاں ہونی چاہئیں، ذکر کے رنگ آپ کے اندر جاری ہوں، ذکر کے نتیجے میں آپ سرسبز و شاداب ہوں، پھول کھلیں، پھل لگیں اور ایسے ثمر دار درخت بن جائیں جو صرف ثمر دار ہی نہ ہوں۔ بلکہ پر رونق ہوں، خوب صورت دکھائی دے۔ اس کے اندر کشش پائی جائے اور یہ کشش ذکر کا ایک طبعی نتیجہ ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے کہ مٹی میں جو تو خوشبو دیکھ رہا ہے اس مٹی میں جو گلاب کے نیچے اس کے جڑوں کے آس پاس ہے، یہ نہ سمجھنا کہ مٹی کی خوشبو ہے۔ یہ گلاب کی خوشبو ہے جو مٹی میں آ گئی ہے۔ پس ذکرِ الٰہی کی خوشبو تو گلاب کی خوشبو سے انگنت گنا زیادہ طاقت ور ہے۔ اگر آپ کو ذکر نصیب ہو جائے تو آپ کے اندر اللہ کی خوشبو آئے گی۔ اللہ کے رنگ آپ میں جاری ہوں گے اس کے ذکر کے نتیجے میں اس کی صفاتِ حسنہ آپ کی ذات میں جلوہ گر ہوں گی۔ آپ کو ایسی عظیم کشش عطا ہو گی کہ دنیا کی طاقتوں

کے لئے اس کا مقابلہ ممکن نہیں رہے گا۔

پس خدا جو فرماتا ہے کہ جنگ کے دنوں میں ثبات قدم دکھاؤ اور ذکرِ الٰہی کرو۔ یہ مضمون آج بھی ہر جہاد میں جاری ہے اور وہ نصیحت آپ کو ہمیشہ، لازمًا حرزِ جان بنانی ہوگی۔ اپنی جان اور سینے سے چمٹا کے رکھنی ہوگی۔ فَاثْبُتُوْا کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم خدا کی طرف بلاؤ اور پھر کچھ دیر کے بعد ٹھنڈے پڑ جاؤ اور پھر خالی ذکر کرو تو یہی سچی بات نہیں ہے۔ پہلے ثباتِ قدم رکھا ہے۔ پھر ذکر فرمایا۔ تو اپنی نیک کوشش میں یہ عہد کرلو کہ میں اسے ذکر ضرور جاری رکھوں گا۔ اور اسی مضمون کو آخر پر صبر کے الفاظ سے مزید کھول کر پیش فرمایا ہے۔ پس جنگ میں ثباتِ قدم ہو، تبلیغ میں انسان وفا دکھائے اور ہمت کے ساتھ ہمیشہ اس نیک کام کو جاری رکھے یا تکلیفوں پر صبر کرے، یہ تینوں حقیقت میں ایک ہی چیز کے مختلف نام ہیں۔ تو فرمایا تم جو کام کرو گے اس کو چھوڑنا نہیں پھر تو خدا کی راہ میں جہاد کرنے نکل کھڑے ہو۔ تو پھر لازمًا اس کو ہمیشہ، زندگی بھر جاری رکھنا ہوگا۔ ایک دو مہینے، ایک دو سال کی باتیں نہیں ہیں۔ اور پھر جب ذکرِ الٰہی کرو گے تو پھر تمہیں غلبہ عطا ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاذْكُرُوا اللهَ كَثِيرًا یہ صرف ذکر نہیں کثرت سے ذکر کرو۔

پس یہ جو کثرت سے ذکرِ الٰہی کا میں مضمون بیان کر رہا ہوں۔ اس کا آخری تعلق دعوت الی اللہ سے ہے۔ آغاز میں یہ آپ کی ذات کو سنوارنے کے لئے ذکر شروع ہوا تھا۔ جب آپ بن سنوار کر تیار ہو جائیں تو آپ میں الٰہی کشش پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر آپ دعوت الی اللہ کے لئے نکلیں، پھر وہ ذکر کو اور تیز کر دیں۔ تو دنیا کی فتح تو چند قدم کی باتیں رہ جائیں گی۔ یہ جو آپ اگلی صدیوں میں باتیں دیکھ رہے ہیں اور جو خوابیں ہیں۔ ان خوابوں کی تعبیر اس دنیا میں دیکھیں گے اور آج دیکھ بھی رہے ہیں۔ کثرت سے مجھے ایسے خط لکھتے ہیں کہ ہم نے پاکستان میں فلاں وقت یہ خواب دیکھی تھی فلاں وقت یہ خواب دیکھی تھی۔ ہم بعض دفعہ یہ سوچ کے سویا کرتے تھے کہ کب ہمیں اللہ تعالیٰ اپنا ٹیلی ویژن عطا کرے گا۔ بعض ماؤں کا قصہ دیکھتے ہیں کہ بڑی حسرت سے انہوں نے کہا کاش یہ لوگ جو ہماری مخالفت میں ٹیلی ویژن کو گندہ کرتے ہیں۔ خدا ہمیں بھی موقع دے کہ ہم ٹیلی ویژن پر ذکرِ الٰہی بلند کرنے والے ہوں دنیا کو پتا لگے کہ ہماری حقیقت کیا ہے۔ کئی ایسے خواہش رکھنے والے مر گئے لیکن بہت سے آج بھی زندہ ہیں اور اپنی آنکھوں کے سامنے انہوں نے وہ بات پوری ہوتی دیکھی جس کا

پہلے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ پھر خوابیں بہت سی لوگوں نے لکھ کے بھیجی بعض پرانی خوابوں کے حوالے دیئے۔ جو ہماری فائل میں موجود ہیں۔ اس وقت اس کی تعبیر میں میں نے یہی لکھا کہ اللہ مبارک کرے، کوئی خوشخبری معلوم ہوتی ہے اور خود مجھے بھی یہ سمجھ نہیں آئی کہ یہ لفظاً لفظاً پوری ہوگی۔ اور وہ جو نظارے ان لوگوں نے دیکھے تھے اللہ نے ویسے ہی دکھا دیئے۔ تو آج کل خدا اتنا مہربان ہے جماعت احمدیہ پر اور بنی نوع انسان پر اس حوالے سے کہ جیسے زمین پر اتر رہا ہو، اس وقت اپنی کیفیت کو نہ بدلیں ورنہ تو بڑی محرومی ہوگی۔ وہ وقت جو خاص خدا کی خاطر جہاد کے وقت ہوا کرتے ہیں۔ ان دنوں میں واقعی خدا زمین پر آ جاتا ہے جب خدا اپنے تمام جلووں کے ساتھ انسان کے قریب تر آ جاتا ہے۔ اس تھوڑے سے ذکر سے بھی آپ کو بہت بڑی برکتیں عطا ہو سکتی ہیں اور تھوڑا سا ذکر خود کثیر ہوتا چلا جائے گا کیونکہ لڑائی میں کثیر کا مطلب یہ ہے کہ اس کا فطری تعلق ہے۔ اپنا پیارا خطروں کا وقت زیادہ یاد آتا ہے۔ وہ جو پہلے تھوڑا ذکر کیا کرتے تھے وہ بھی جب موت کے خطرات کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھتے ہیں تو وہ جو محبوب ہے وہ زیادہ یاد آنے لگ جاتا ہے۔ پس ایک دنیا کا شاعر اگر سچا ہے اور یہ کہتا ہے۔

فو اللہ ما ادری و انی لصادق
اداء ارانی من حبابک ام سحر

تو میں خدا کی قسم سچ بول رہا ہوں جھوٹ نہیں کہہ رہا۔ تیری محبت میں مجھے کیا ہو گیا ہے۔ کوئی تکلیف پہنچی ہے یا پاگل ہو گیا ہوں۔ مجھے جادو ہو گیا اس حسن کا یا کسی بیماری نے آ لیا ہے۔ یہ وہ کیفیت ہے جو سچے عشق سے پیدا ہوتی ہے اور اس سے پھر ذکر پھوٹتا ہے اور جتنا گہرا مصیبت کا وقت ہو اتنا ہی ذکر زیادہ گہرا اور کثیر ہوتا چلا جاتا ہے۔ پس آج کثرت کے ساتھ ذکر کے دن آ گئے ہیں ہم رمضان کے دروازے پر کھڑے ہیں۔

اس پہلو سے میں سمجھتا ہوں کہ اس رمضان کو خصوصیت سے دعوت الی اللہ کی خاطر کثرتِ ذکر میں تبدیل فرماویں۔ روزے تو ویسے ہی ذکر کے لئے خاص ہیں۔ لیکن دعوت الی اللہ کے مضمون کو ذہن میں اور قلب میں مستحضر کر کے اس کو یاد رکھتے ہوئے۔ اس کا تعلق اس ذکر سے باندھتے ہوئے۔ جس کا قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ جہاد کے وقت غیر معمولی طور پر ذکر کیا کرو۔ ذکر

کریں کیونکہ آگے پھر تھوڑے مہینے رہ گئے ہیں۔ جلسہ سالانہ یو۔کے تک پر ابھی کام بہت پڑا ہوا ہے یعنی چند مہینے میں آپ نے پورے سال کے پھل لینے ہیں۔ پہلے تین مہینے جو گزشتہ جلسے کے بعد گزرے تھے۔ میں نے نصیحت کی تھی کہ زیادہ تر توجہ تربیت کی طرف کریں اور واقعۃً اس کا بہت ہی اچھا نتیجہ ظاہر ہوا، حیرت انگیز بعض ایسے تجارب ہوئے کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ اگر خدا تعالیٰ یہ تحریک دل میں نہ ڈالتا تو جو ہم پا رہے تھے وہ دوسرے رستے سے کھوتے چلے جاتے۔ ہزار ہا کی تعداد میں تھوڑے سے علاقے میں اس طرح احمدی ہوئے ہیں کہ بعض جگہ علاقے کا علاقہ تیس تیس، چالیس چالیس ہزار کی آبادی پورا احمدی ہو گیا۔ اگر یہ دوسری تحریک نہ چلتی اور تین مہینے شدت کے ساتھ وہاں تربیت کی مجالس نہ لگائی جاتیں تو جو حال ہوتا اس کا صحیح تصور تو وہ رپورٹیں پڑھ کر ہوتا ہے۔ تو جب یہ احمدی ہونے والوں کے پاس پہنچے ہیں تو کتنی جلدی ان کو خالی پایا۔ یعنی احمدیت قبول کر لی ہے، لیکن بعد میں کوئی توجہ نہیں، کوئی تبدیلی نہیں، کوئی غیر معمولی نمازوں کی طرف توجہ نہیں بدرسمیں دور کرنے کی طرف توجہ نہیں۔ جیسے تھے ویسے ہی رہے اور اگر وہ کچھ سال اس طرح رہتے، کچھ دیر اس طرح رہتے تو پھر ان کا حال بد سے بدتر ہو جانا تھا تو کچھ عرصے کے بعد ان کو یاد بھی نہ رہتا کہ کیا ہوئے تھے۔ پس وہ تین مہینے ضائع نہیں ہوئے ان سے بہت برکت ملی ہے اور پوری طرح شعور کے ساتھ یہ لوگ اب اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے ہیں اور ان میں نظام جماعت جاری ہو گئے ہیں مساجد کے باقاعدہ نظام کے تابع امام مقرر ہیں۔ ان کو اختلافی مسائل جو پہلے سرسری سے پتا تھے تفصیل سے سمجھائے گئے ہیں۔ انہوں نے اعتراضات کئے تو ان کے جواب دیئے گئے بڑی محبت کے ساتھ اور اللہ کے فضل کے ساتھ **الّا ما شاء الله**، بعض جگہ بعض لوگ دباؤ کے نیچے آ کر کچھ لوگ پیچھے ہٹے لیکن وہ ہزار میں ایک بھی نہیں۔ لیکن اس ایک کے مقابل پر ہزار مگر ہزار میں سے ایک بھی ہو تو خدا نے سینکڑوں اور دیئے یعنی تبلیغی مہم کے دوران، پھر تربیتی مہم کے دوران خود بخود اللہ تعالیٰ پھل عطا کرتا گیا۔ تو وہ جو عرصہ گزرا ہے تو ضائع تو نہیں ہوا بلکہ بہت ہی مبارک اور ثمر دار عرصہ تھا، لیکن خالصۃً تبلیغ کی مہم کے لئے نہیں تھا۔ اس کے بعد پھر انہوں نے تھوڑا سا آرام کیا پھر تبلیغیں سوچنی شروع کیں۔ اب کچھ اپنے پاؤں پر کھڑی ہوئی ہیں جماعتیں اور تبلیغ کے لئے تیزی کے ساتھ مائل ہیں۔ تبلیغ کی طرف تیزی کے ساتھ قدم آگے بڑھا رہی ہیں۔

مگر جہاں تک یورپین مما لک کا تعلق ہے اللہ کے فضل سے یورپین مما لک میں خصوصًا جرمنی میں تو تربیت کے ساتھ ساتھ تبلیغ کی مہم بھی انہوں نے ایسی شدت سے جاری کی ہے کہ یوں لگتا ہے کہ ساری جماعت جرمنی اس مہم میں ڈوب چکی ہے اپنے وجود کو اس میں کھو دیا ہے۔ لیکن جب میں ساری کہتا ہوں تو میں جانتا ہوں بہت سے خلا ہوں گے شاید سینکڑوں کیا، ہزاروں ایسے ہوں جن کو ابھی تک تبلیغ کا سلیقہ بھی نہ آتا ہو۔ جنہوں نے یہ کام نہ شروع کیا ہو۔ لیکن اللہ کا یہ ایک خاص سلوک ہے مومنوں سے کہ ان کا دسواں حصہ بھی اگر مستعد ہو جائے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ ساری کی ساری جماعت مستعد ہو گئی ہے۔ ایک کو دس پر غلبہ عطا ہونے کے ایک یہ بھی معنی ہیں کہ ان میں دس کے برابر طاقت پیدا ہوتی ہے تو غلبہ پاتے ہیں دس پر، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ طاقت ایک کی رہے اور دس پر غلبہ پا جائیں۔

پس اس میں ایک وعدہ ہے اور ایک خوشخبری ہے۔ وعدہ یہ ہے کہ ہم تم میں سے ہر ایک کو دس کی طاقت عطا کریں گے۔ اور خوشخبری یہ ہے کہ پھر تم بظاہر برابر ہو گئے ان کے، پھر بھی ان پر غالب آ جاؤ گے۔ یعنی یہ نہیں فرمایا کہ وہ دس ہوں گے تو تم گیارہ ہو جاؤ گے۔ قرآن کریم یہ فرما رہا ہے کہ تمہارے ایک کے مقابلے پر وہ دس ہوں گے اور پھر بھی وہ غلبہ عطا کرے گا۔ تو اس میں یہ نکتہ سمجھنے کے لائق ہے۔ اگر خدا نے جو طاقت تمہاری بڑھائی ہے۔ محض اس طاقت سے جو خدا نے عطا کی مگر پھر بھی تمہاری ذات میں ظاہر ہوئی۔ اس سے تمہیں غلبہ عطا ہوتا تو کوئی بے وقوفوں کو غلط فہمی ہو جانی تھی کہ ہم نے اپنی طاقت سے دشمن کو مارا ہے۔ وہ کہہ سکتے تھے سب طاقتیں اللہ ہی کی طرف سے آتی ہیں مگر ہمارے جسم سے یہ معجزہ ظاہر ہوا ہے۔ اللہ نے اب برابر کر کے چھوڑ دیا ہے اور پھر خوشخبری دی ہے کہ ہم پھر تمہیں غالب کریں گے اور غلبہ بھی اس شان سے عطا کرتا رہا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے ورنہ تو برابر کی چوٹ تھی۔ اتنا عظیم الشان غلبہ کیسے عطا ہوا وہ فضل ہے۔ جو ان وعدوں کے ساتھ لگا رہتا ہے۔ جتنا اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے اسے پورا کرتے وقت ہمیشہ بڑھا چڑھا کر دیتا ہے۔ اس پہلو سے جب میں کہتا ہوں کہ یوں لگتا تھا کہ ساری جماعت جرمنی نے اپنے آپ کو اس میدان میں جھونک دیا ہے تو اتنا تو مجھے اندازہ ہے کہ دسویں حصے سے کم نہیں ہیں وہ لوگ، جو اس وقت تبلیغ میں جُتے ہوئے ہیں اور جیسا کہ میں نے بتایا کہ اللہ کا وعدہ ہے۔ جب دسواں حصہ بھی اللہ تعالیٰ کسی قوم کو زندہ کر دے تو بقیہ نوع کی کمزوریاں بھی ان کی زندگی کے تابع چھپ جاتی ہیں اور ان پر پردہ پڑ جاتا ہے۔

پس اللہ کرے کہ ساری جماعت اسی طرح بیدار ہو جائے۔ مجھے یاد ہے میں علماء کو کہا کرتا تھا کہ تم ایسی بڑھ بڑھ کے باتیں نہ کرو تمہاری کوئی تعداد نہیں ہے۔تم سمجھتے ہو کہ تمہیں ہم پر عددی غلبہ ہے جتنے احمدی ہیں یہ جاگ اٹھیں تو پھر تمہیں سمجھ آئے گی کہ طاقت ہوتی کیا ہے۔جتنی احمدیوں کی تعداد ہے اس سے کئی گناہ زیادہ خدا تعالیٰ کے وعدے کے مطابق ان کو قوت عطا ہوتی ہے اور پھر اس کے اوپر رعب ہے۔ وہ رِيْحُكُمْ والی بات جو ہے وہ اس کے علاوہ ہے۔ رعب کے ساتھ ان کو غلبہ عطا ہوتا ہے پھر نُصِرْتَ بِالرُّعْبِ (تذکرہ صفحہ:566) حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا تعالی نے وعدہ فرمایا تھا کہ تمہیں رعب کے ساتھ ہم نصرت عطا کریں گے۔ تو وہی رِيْحُكُمْ والی بات ہے۔ جو خدا کی طرف سے مومن کو اس سے زیادہ بڑا بنا کے دکھایا جاتا ہے جتنا وہ اصل میں نظر آنا چاہئے اور جو اصل میں نظر آنا چاہئے وہ اس کی حقیقت سے دس گنا زیادہ ہوتی ہے۔تو وہ مضمون جو فتح کا مضمون ہے۔اس حساب کے بغیر فتح ممکن ہی نہیں ہماری۔ ہماری اصلیت کیا ہے وہ کیا پدی کیا پدی کا شوربہ، کسی ملک میں بھی دیکھ لیں ہماری ذاتی حیثیت ان سب باتوں کے باوجود کچھ بھی نہیں۔لیکن سامان اللہ کر رہا ہے۔غیب سے خدا کے فرشتوں کی فوجیں اتر رہی ہیں، ہر کام میں برکت پڑ رہی ہے، ہر کام ہماری طاقت سے زیادہ ہو کر رونما ہو رہا ہے۔

پس اس دور سے فائدہ اٹھائیں یہ روز روز مرہ قوموں کو عطا نہیں ہوا کرتے جب خدا کی طرف سے آتے ہیں تو غیر معمولی انقلابات کی خوشخبریاں لے کر آتے ہیں۔مگر ان کو عطا ہوتی ہیں جو کہ ان ہواؤں کے رخ پر چلنا شروع کریں۔ پس یہ سفر اختیار کریں اور بڑے زور اور شدت کے ساتھ اختیار کریں۔ رمضان میں یہ ہوائیں تیز ہونے والی ہیں ان تیز ہواؤں کے ساتھ بلند تر آواز سے ذکر الٰہی بلند کرتے چلے جائیں اور ذکر الٰہی کے ترانے گاتے ہوئے اس سفر میں آگے سے آگے بڑھتے چلے جائیں اور یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس دور میں احمدیت کے لئے بڑی عظیم الشان کامیابیاں مقدر کر رکھی ہیں۔

میں جب پچھلے سالوں میں، سال کے آخر پر کہا کرتا تھا کہ یہ ہو گیا یہ ہو جائے گا انشاءاللہ تو میں سوچا کرتا تھا کہ یہ تو ہو گیا اگلے سال کے لئے کیا کہوں گا۔ پھر اگلے سال کے لئے اللہ کچھ اور بات عطا کر دیتا تھا جس کی طرف ذہن جا ہی نہیں سکتا تھا۔ جب چالیس ہزار کی خوشخبری ملی تھی بیعتوں کی تو

میں سوچ رہا تھا کہ یہ تو ایک دم آ گئے باقی اگلے سال کیا ہوگا۔اللہ تعالیٰ نے روزمرہ کی تبلیغ سے ذریعے ایک ملک کو پچاس ہزار عطا کر دیئے۔ پنجابی میں جس کو ''گپھا'' کہتے ہیں وہ پہلا گپھا آیا تھا۔یعنی اکٹھا جس کا پھل درخت کو جھنجھوڑا جائے ایک دم سب پر گر پڑتا ہے۔ میں نے کہا یہ روزمرہ تو نہیں گپھے ملا کرتے ناں۔یعنی دماغ میں ایک وہم آیا۔ دعا کی کہ اللہ میاں، تو مالک ہے دے دے تو تو تیری شان ہے مگر ہمیں محنت زیادہ کرنی ہوگی۔ چنانچہ جماعتوں کو توجہ دلائی، دعاؤں کی طرف عمل کی طرف پھر خدا نے اگلے سال حیرت انگیز طور پر تبلیغ کی برکت کو بڑھا دیا اور اس کے بعد پھر وہ نظارہ دیکھا کہ جب مسز خدیجہ نذیر نے مجھے لکھا کہ آپ جب سے یہاں آئے ہیں۔اس وقت سے اب تک اڑھائی لاکھ بیعتیں ہو چکی ہیں۔تو میں نے اللہ سے دعا کی کہ ''جب'' میں تو کافی دیر ہوگئی ہے۔ لیکن اس سے تو ہمارا کام نہیں بنے گا مجھے اب اس سال ''باقی چھ مہینے باقی تھے'' ان باقی چھ مہینوں میں ڈیڑھ لاکھ تو دے تاکہ چار پورے ہو جائیں۔اللہ تعالیٰ نے دو لاکھ سے زائد دے دیئے اور جب میں وہ اعلان کر رہا تھا تو میں سوچ رہا تھا کہ اگلے سال کے لئے کیا کہوں گا۔اب یہ سال آپ دیکھ لیں کہ خدا نے ایسی خوشخبریاں دی ہیں کہ میرے ذہن کی بلندترین چھلانگ بھی نہیں پہنچ سکتی تھی۔ وہم وگمان بھی نہیں تھا کہ خدا تعالیٰ ایسے فضل جاری فرما دے گا۔

اللہ کی تقدیر جو کھل کر ہمارے سامنے آ چکی ہے۔ جو اپنے حسن سے دن بدن پردے اٹھا رہی ہے۔ ہر پردے کے پیچھے ایک زیادہ دلکش چہرہ ہمیں دکھائی دے رہا ہے۔ یہ ایک جاری وساری مضمون ہے۔آپ کے لئے خدا جلوہ گر ہوا ہے، آپ پر خدا جلوہ گر ہوا ہے۔اس حسن سے مسحور ہو جائیں۔اپنے آپ کو اس حسن پر فدا اور فریفتہ کر دیں۔اب عاشقی کا دور ہے اب منطقوں کے دور ختم ہو چکے ہیں۔اب تو عشاق ہی ہیں جو دنیا میں انقلاب برپا کریں گے۔

پس ذکرِ الٰہی بلند کرتے ہوئے۔جس طرح حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ جنگوں کی حالتوں میں عین اس وقت جب چاروں طرف سے بظاہر موت حملہ آور ہو رہی ہوتی تھی۔آپؐ اللہ کے ذکر سے زندگی پایا کرتے تھے۔ جو ظاہری طور پر زندہ رہتے تھے وہ مزید زندگی پا جاتے تھے اور جو ظاہری طور پر مرتے تھے وہ بھی ہمیشہ کی زندگی پا جایا کرتے تھے۔ پس جن کے مقدر میں زندگی میں بھی زندگی ہو اور موت میں بھی زندگی ہو ان کو کیا ڈر ہے۔ پس دندناتے ہوئے خدا کے زندہ شیروں کی طرح

آگے بڑھو۔ یہ دنیا تمہارے لئے مسخر کر دی گئی، تسخیر کرنے والے تم نہیں ہو، تسخیر کرنے والا اللہ ہے اور سب سے عظیم تسخیر محبت کی تسخیر ہوا کرتی ہے۔ آپ سب بھی تو محبت کے مارے ہوئے ہیں۔

یہاں پچھلے دنوں ایک مجلس مشاعرہ ''عبید اللہ علیم کے ساتھ ایک شام'' ہمارے ٹیلی ویژن پر پیش کی جارہی تھی۔ تو اس میں ہمارے بہت سے کارکن جو نوجوان، بچے، بچیاں سب اکٹھے ہو کر اس کو سننے کے لئے ذرا تھوڑی دیر کے لئے متوجہ ہو گئے۔ ان کا ایک شعر تھا:

کچھ عشق تھا کچھ مجبوری تھا
یوں میں نے جیون ہار دیا　(یہ ہے زندگی ہماری)

تو کسی کارکن نے کہا ہاں کتنی سچی بات ہے ہم جو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں سارے، سارے دنیا کی لذتیں چھوڑ کر، کام چھوڑ کر، اپنی پڑھائیاں چھوڑ کر یہاں آ گئے ہیں تو ہے کیا۔ کچھ عشق ہے کچھ مجبوری ہے۔ عشق ہے اللہ تعالیٰ کی ذات سے اور مجبوری یہ ہے کہ جب یہ عشق آ جائے تو وہ مجبوری بن جایا کرتا ہے۔ پس آپ عشق کے دور میں داخل ہیں اور وہی نمونے دکھائیں جو عشاق کے نمونے ہوا کرتے ہیں۔ کہ دشمن بھی اسی طرح کہے عَشِقَ مُحَمَّدٌ رَبَّهُ کہ محمدؐ نہیں تو محمدؐ کے غلام اپنے رب پر عاشق ہو گئے ہیں اور جب خدا کے بندے خدا پر عاشق ہو جائیں تو خدا کی قسم خدا کی محبت ہے جو کل عالم کو تسخیر کر دیا کرتی ہے۔

پس اس تفضیل کے لئے آگے بڑھو اور ذکرِ الٰہی کو بلند کرتے ہوئے آگے بڑھو۔ خدا کی محبت کے گیت گاتے ہوئے آگے بڑھو۔ اللہ تمہارے ساتھ ہو، اللہ ہمارے ساتھ ہو۔ (آمین)

رمضان مبارک اللہ تعالیٰ کے جلوہ کی خاطر قائم فرمایا گیا ہے۔
روزے کا مقصد ہر نیکی کو اپنے عروج تک پہنچانا ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 11 رفروری 1994ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیات تلاوت کیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۙ﴿۱۸۴﴾
اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى
سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ
طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ
تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۵﴾
شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ
وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ
فَلْيَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ
اُخَرَ ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫ وَ
لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ
اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِىْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِىْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

(البقرہ 184 تا 187)

پھر فرمایا:۔

یہ وہ آیات ہیں جن میں رمضان کی فرضیت کا اعلان کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ اے مومنو! تم پر یہ فرض کر دیا گیا ہے کہ تم رمضان کے روزے اسی طرح رکھو جیسے تم سے پہلوں پر فرض کئے گئے تھے تا کہ تم تقویٰ اختیار کرو اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ چند دن ہی کی بات ہے، چند دن کا فریضہ ہے۔ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا پس تم میں سے جو کوئی بھی بیمار ہو اَوْ عَلٰى سَفَرٍ یا سفر پر ہو فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ تو پھر اس مدت کو دوسرے ایام میں پورا کرنا ہو گا اور الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ وہ لوگ جو فدیہ دینے کی طاقت رکھتے ہیں ان پر فدیہ بھی فرض ہے یا ان کے لئے فدیہ دینا بہتر ہے۔ ایک تو اس کا یہ ترجمہ بنتا ہے اور بھی تراجم ہیں اور وہ سارے بیک وقت درست ہیں چنانچہ میں باری باری اس آیت کے مختلف ترجمے آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ اس میں یہ بحث نہیں ہے کہ یہ درست ہے یا وہ درست ہے یا اسے اختیار کیا جائے یا اسے اختیار کیا جائے۔ میرے نزدیک یہ چونکہ مضمون کو کھول رہے ہیں اور وسعت دے رہے ہیں اس لئے بیک وقت سارے درست ہیں اور بیک وقت ان تمام معانی پر نظر رکھتے ہوئے اپنے اعمال کو ڈھالنا چاہئے۔ جیسے بعض دفعہ ایک تنگ جگہ سے دریا گزرتا ہے تو اسکی گہرائی تک نظر نہیں جا سکتی پھر جب وسعت اختیار کرتا ہے تو وہ پھیل جاتا ہے لیکن پانی تو وہی پانی رہتا ہے۔ پس خدا کا کلام اسی طرح عرفان کا کلام ہے خواہ وہ آپ کو تھوڑا دکھائی دے اس وقت وہ زیادہ گہرائی میں جا چکا ہوتا ہے بعض دفعہ وہ پھیل جاتا ہے اور کھلا کھلا وسیع دکھائی دیتا ہے۔ پس یہ وہ موقع ہے جہاں آیت کریمہ ایک ایسی جگہ داخل ہو گئی ہے جہاں منظر بہت کشادہ اور وسیع دکھائی دینے لگا ہے۔ پس اس پہلو سے اس کے ترجمے کے پھیلاؤ کے متعلق پہلے یہ اصولی بات بیان کروں اور وہ پہلے بھی کر چکا ہوں مگر چونکہ بہت سے نئے سننے والے شامل ہوتے رہتے ہیں نئی نسل کے لوگ بھی آگے آتے رہتے ہیں اس لئے بعض

باتیں بار بار سمجھانی مفید ہوتی ہیں۔

لفظ اَطَاقَ یُطِیْقُ طاقت کے مادے سے نکلا ہے اور جب اس کو باب افعال میں جس طرح کہ قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے استعمال کیا جائے تو اس میں بیک وقت مثبت معنی بھی آ جاتے ہیں اور منفی معنی بھی آ جاتے ہیں اور موقع و محل کے مطابق استعمال کرنے والا یا سننے والا یہ فیصلہ کرتا ہے تو یُطِیْقُوْنَہٗ کا مطلب یہ ہے وہ لوگ جو اس کی طاقت رکھتے ہیں اور یُطِیْقُوْنَہٗ کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ جو اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ جب ان دو پہلوؤں سے الگ الگ آیت پر غور کریں تو پھر اگلا سوال یہ اٹھے گا کہ کس کی طاقت نہیں رکھتے۔''ہ'' کی ضمیر کس طرف جا رہی ہے تو جو باتیں اس آیت میں مذکور ہیں ان میں عقلاً وہ جگہ تلاش کرنی ہوگی جن کا تعلق ''ہ'' کی ضمیر سے ہے یعنی وہ لوگ جو اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ جس کی طاقت نہیں رکھتے کیا چیز ہے؟

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ایک روزے کا ذکر گزرا ہے اور ایک فدیہ کا۔ پس یا ''ہ'' سے مراد روزہ ہے یا ''ہ'' سے مراد فدیہ ہے یا بدلتی ہوئی شکلوں میں دونوں ہی باری باری مراد ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ ایک معنی جو میں نے آپ کے سامنے پڑھا تھا وہ یہ تھا کہ وہ لوگ جو فدیہ کی طاقت رکھتے ہیں وہ فدیہ دیں سب پر فریضہ نہیں ہے، یہ ایک ایسا فعل ہے جو پسندیدہ ہے اور اس طرح فرض نہیں جیسا کہ روزے فرض ہیں۔ پس جو لوگ فدیہ کی طاقت رکھتے ہیں وہ اگر روزہ نہیں رکھ سکتے تو فدیہ دیں۔ دوسری ضمیر اس کی چلے گی روزے کی طرف۔ جو لوگ روزے کی طاقت رکھتے ہیں اور کسی مجبوری کے پیشِ نظر روزہ نہیں رکھ رہے ان کو فدیہ دینا چاہئے۔ اس کا دوسرا مطلب یہ بنے گا کہ وہ لوگ جو دائمی مریض ہیں یا عمر کے اس حصے کو پہنچ چکے ہیں کہ وہ روزہ رکھ ہی نہیں سکتے تو وہ فدیہ بے شک نہ دیں لیکن جو روزے کی طاقت رکھتے ہیں وہ ضرور فدیہ دیں۔ یعنی بیمار ہیں اور روزے کی طاقت رکھتے ہیں۔ یہاں (Potential) طاقت مراد ہے یعنی اپنی استطاعت کے لحاظ سے جو ان کو فطرت نے ودیعت کی ہے یا ابھی روزے رکھنے کی عمر میں ہیں اور نہیں رکھ سکتے وہ فدیہ دیں۔ یہ وہ معنی ہے جسے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اپنی ایک تحریر میں قبول کرتے ہوئے یعنی اس کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے اوپر روشنی ڈالی ہے کہ کیوں فدیہ دیا جائے پھر اگر روزے کی طاقت ہے اور نہیں رکھ سکتے تو فدیہ کا کیا سوال پیدا ہوا۔ اس کا

اس سے کیا تعلق ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں:

’’ایک دفعہ میرے دل میں خیال آیا کہ فدیہ کس لئے مقرر کیا گیا ہے
تو معلوم ہوا کہ توفیق کے واسطے ہے تا کہ روزہ کی توفیق اس سے حاصل ہو۔‘‘

یعنی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذہن میں اس تحریر کے وقت یا اس بیان کے وقت یہی معنی موجود دکھائی دیتے ہیں۔ ایک انسان ہے جو روزہ رکھ سکتا ہے لیکن وقتی طور پر اس طاقت سے محروم ہے۔ پس وہ لوگ فدیہ دیں اور فدیہ دے کر اللہ سے مدد مانگیں کہ اے خدا ہمیں اس کی طاقت عطا فرمادے۔

’’۔۔۔خدا تعالیٰ ہی کی ذات ہے جو توفیق عطا کرتی ہے اور ہر شئے خدا تعالیٰ ہی سے طلب کرنی چاہئے۔ خدا تعالیٰ تو قادر مطلق ہے وہ اگر چاہے تو ایک مدقوق کو بھی روزہ کی طاقت عطا کر سکتا ہے تو فدیہ سے یہی مقصود ہے کہ وہ طاقت حاصل ہو جائے اور یہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہوتا ہے۔ پس میرے نزدیک خوب ہے کہ (انسان) دعا کرے کہ الٰہی یہ تیرا ایک مبارک مہینہ ہے اور میں اس سے محروم رہا جاتا ہوں اور کیا معلوم کہ آئندہ سال زندہ رہوں یا نہ یا ان فوت شدہ روزوں کو ادا کر سکوں یا نہ اور اس سے توفیق طلب کرے تو مجھے یقین ہے کہ ایسے دل کو خدا تعالیٰ طاقت بخش دے گا۔‘‘

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ:563)

دوسرے معنی اس کے یہ ہیں کہ وہ لوگ جن کو اس کی طاقت نہیں ہے۔ جو اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ اس معنی میں ضمیر فدیہ کی طرف نہیں جائے گی اور صرف روزے کی طرف جائے گی یعنی معانی نسبتاً محدود ہوں گے اور اس سے مراد یہ ہوگی کہ یہ لوگ جو روزہ کی طاقت رکھتے ہیں وہ تو بعد میں روزے رکھ ہی لیں گے۔ یعنی یہ ترجمہ اختیار کرنے والوں کا رجحان اس طرف ہے کہ اس سے یہ معنی پیدا ہو جاتے ہیں کہ فدیہ کی حکمت یہ ہے کہ وہ لوگ جو روزہ کی طاقت رکھتے ہیں وہ تو بعد میں رکھ لیں گے مگر جن کو طاقت نہیں ہے وہ کیا کریں گے کچھ تو ان کے دل کی تسلی کا سامان ہو۔ پس ان کو فرمایا گیا ہے کہ تم فدیہ دے کر اس حسرت کو کسی حد تک مٹا لو کہ ہم اس نیکی سے محروم ہو گئے۔ مگر جو پہلے معانی

ہیں جیسا کہ میں نے بیان کیا وہ زیادہ وسیع ہیں اور یہ معنی بھی غلط نہیں ہے بلکہ درست ہے۔ایک اور خوب صورت پہلو کو ہمارے سامنے لا کھڑا کرتا ہے۔ پس توفیق کی بات ہے۔ یہاں روزے کی یا فدیہ کی توفیق کی بات نہیں کر رہا انسانی نیکی کی توفیق کی بات کر رہا ہوں۔ وہ لوگ جن کی نیکی کی توفیق وسیع ہو وہ جس حد تک کسی معنی میں نیکی کرنے کی استطاعت رکھتے ہیں وہ اس میں کرتے ہیں۔ پس اسی مضمون کو قرآن کریم پھر آگے بیان فرماتا ہے۔ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ ہم تو نیکی کی بات کر رہے ہیں جو شوق کی نیکی کرنے کی خواہش رکھتا ہے اور آگے بڑھتا ہے اور نفلی طور پر بھی نیکی اختیار کرتا ہے فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ اس کے لئے بہتر ہے پس وہ لوگ جو طاقت نہیں رکھتے وہ تو دیں گے ہی، جو طاقت رکھتے ہیں وہ بھی آیت کا یہ معنی سمجھتے ہوئے کہ ہم مخاطب ہیں اور ہمیں کہا گیا ہے کہ تم روزے کی طاقت رکھتے ہو اس لئے اگر چہ تم نے بعد میں روزے رکھنے ہیں مگر اس وقتی محرومی سے بچنے کے لئے خدا کی خاطر غریبوں کو کھانا کھلاؤ تا کہ تمہاری یہ دل کی تمنا آئندہ پوری ہوسکے۔

وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اور اگر تم روزے رکھو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔اس آیت کے اس مضمون کا یہاں کیا موقع ہے اسے ضرور سمجھنا چاہئے۔ یہ تو عام بات ہے جب نیکی کی باتیں ہو رہی ہوں تو روزہ رکھنا بہر حال بہتر ہے۔ یہاں نفس کے بہانہ جوؤں کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ بیماری حقیقی ہو یقینی ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے رخصت عطا فرمائی ہے تقویٰ اسی میں ہے کہ خدا کی دی ہوئی رخصت سے انسان فائدہ اٹھائے لیکن اگر نفس کے بہانے سامنے آ کھڑے ہوتے ہیں اور انسان سمجھتا ہے کہ میں تو بیمار ہوں اس لئے میں روزہ نہ ہی رکھوں تو بہتر ہے ایسے لوگوں کے لئے یہ تنبیہ ہے کہ دیکھو روزہ رکھنا بہر حال بہتر ہے۔ فدیہ دے بھی دو گے تو وہ بات نہیں بنے گی۔ تو فدیہ کے مقابل پر روزے کا ذکر ہو رہا ہے کہ فدیہ دے کر تم یہ نہ سمجھنا کہ تم نے نیکی کو پالیا ہے۔ روزہ، روزہ ہی ہے جو اس کے فوائد ہیں وہ فدیہ سے حاصل نہیں ہوسکیں گے اس لئے اپنے نفس پر غور کرلو اگر حقیقی اور سچے بیمار ہو تو نیکی اسی میں ہے کہ روزے نہ رکھو اور صرف فدیہ دو اور اگر نفس کے بہانے ہیں تو پھر کوشش کر کے دیکھو اگر تمہیں خدا تعالیٰ توفیق عطا فرما دے تو روزہ رکھنا بہر حال بہتر ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ رمضان کا

مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا جیسا کہ پہلے بھی بارہا اس مضمون کو سمجھایا گیا ہے مفسرین اس آیت پر جب غور کرتے ہیں تو ان کے سامنے یہ الجھن ہوتی ہے کہ رمضان مبارک میں تو سارا قرآن نہیں اتارا گیا پھر یہ کیوں فرمایا گیا کہ وہ مہینہ جس میں قرآن اتارا گیا۔اس کی توجیہات مختلف پیش کی جاتی ہیں مثلاً یہ کہ رمضان مبارک میں اس کا آغاز ہوا تھا اور پہلی وحی جو غارِ حرا میں نازل ہوئی ہے وہ رمضان ہی کے کسی دن میں ہوئی ہے۔تو اس لئے یہ ایک خیال ہے کہ چونکہ شروع اس وقت ہوا تھا اس لئے شروع میں اتارنے کا ذکر ہے۔

بعض دوسرے مفسرین یہ سمجھتے ہیں کہ اگرچہ وحی مسلسل سارا سال نازل ہوتی رہتی تھی مگر رمضان میں قرآن کریم کو دہرایا جاتا تھا اور کوئی انسان تو نہیں آکر حضور اکرم ﷺ قرآن کو دہراتا تھا۔ جبرائیل کے ذریعے خدا تعالیٰ کی تجلی ظاہر ہوتی تھی اور وہ قرآن جو آپؐ پر اتارا جا چکا تھا اس کی دہرائی کرواتا تھا کوئی تحریری شکل نہیں تھی جسے سامنے رکھ کر پڑھ کر آپؐ یاد کر لیں۔آج کل کے زمانے میں بھی جو اچھا حافظہ رکھنے والے ہیں ان کو بھی بار بار قرآن کریم کے تکرار کی ضرورت پیش آتی ہے اور اگر یہ نہ میسر ہو اور ان کو پڑھنا بھی نہ آتا ہو تو وہ پھر بعض دوسروں سے فائدہ اٹھاتے ہیں مثلاً اندھے قاری ہیں ان کے سامنے کوئی بچہ آکے بیٹھ جاتا ہے جس کو پڑھنا آتا ہے یا کوئی بڑا وہ قرآن کریم کی دہرائی کرواتے رہتے ہیں۔حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی دہرائی کروانے والا تو جبرائیل کے سوا اور کوئی نہیں تھا اس لئے ہر رمضان مبارک میں جبرائیل حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی قرآن کریم کی دہرائی کرواتے تھے اور مفسرین کا خیال ہے کہ یہ اسی طرف اشارہ ہے کیونکہ ہر دفعہ قرآن نازل ہوتا تھا۔ جب وحی کا فرشتہ دوبارہ قرآن لے کر اترتا ہے اس وقت تک جتنا قرآن نازل ہو چکا تھا اس کی دہرائی کی جاتی تھی یہاں تک کہ وہ پورا دور مکمل ہوا۔تو یہ معنی ہیں کہ یہ ایک ایسا مبارک مہینہ ہے کہ اس میں سارا قرآن دہرایا جاتا ہے۔آغاز بھی اسی مہینے سے ہوا اور پھر ہر مہینے وہ ساری وحی جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہو چکی تھی وہ اس مبارک مہینے میں دہرائی جاتی تھی۔

اس میں اور بھی فوائد ہیں۔یہی آیت آگے ان فوائد کا ذکر کرتی ہے اس مہینے کی برکت ایک تو یہ ہے۔دوسرے یہ کہ هُدًى لِّلنَّاسِ تمام بنی نوع انسان کے لئے یہ ہدایت ہے۔تمام بنی نوع انسان کے لئے کیسے ہدایت ہو گیا؟ بات تو مومنوں سے شروع ہوئی تھی۔کہا تو مومنوں کو جا رہا

ہے کہ تم روزے رکھو۔ تو رمضان کا بنی نوع انسان کی ہدایت سے کیا تعلق ہے۔ اس مضمون کو قرآن کریم کی انہی آیات میں پہلے بیان فرما چکا ہے۔

كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ یہ روزوں کا مضمون پہلی دفعہ بنی نوع انسان کے سامنے پیش نہیں کیا جا رہا۔ خدا تعالیٰ کا قانون ہے اور ہمیشہ سے چلا آیا ہے کہ تمام وہ قومیں جن کو آسمانی ہدایت عطا ہوئی ہے ان کو روزہ رکھنے کا کسی نہ کسی رنگ میں حکم دیا گیا تھا اور رمضان میں تمام بنی نوع انسان کے لئے ہدایت ہے۔ اس سے مجھ پر یہ مضمون کھلتا ہے کہ روزے کا جب بھی آغاز ہوا تھا وہ رمضان ہی میں ہوا تھا اور چونکہ بنی نوع انسان آغاز میں ایک ہی تھے۔ جیسا کہ حج کی آیت میں بھی لِلنَّاسِ کا ذکر آیا ہے یعنی مکے کا بیت اللہ، اس کی برکتوں کا ذکر کرتے ہوئے هُدًى لِلنَّاسِ کا ذکر ہی آتا ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ آغاز میں چونکہ وہی ایک کعبہ تھا جو تمام بنی نوع انسان کے لئے تھا اس وقت ایک نبی کے نیچے سب بنی نوع انسان مجتمع تھے۔ پس اس بات نے اس وقت دہرایا جانا تھا اس وقت جبکہ دین کامل ہو جاتا اور ایک دفعہ پھر تمام بکھرے ہوئے بنی نوع انسان کو ایک ہاتھ پر اکٹھا کرنا تھا یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر اور ایک کعبہ کی طرف مائل کرنا تھا یہ وہی کعبہ ہے جس سے خدا کی توحید کی طرف بنی نوع انسان کو بلانے کا آغاز ہوا۔ تو یہی روزے والا مضمون نظر آتا ہے کہ رمضان ہی وہ مہینہ ہے جس میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو روزے کی تعلیم دی اور بیچ میں پھر دنیا بکھر گئی، مختلف اوقات مقرر ہو گئے، مختلف شکلیں ظاہر ہوئیں لیکن چونکہ آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر ایک دفعہ پھر بکھری ہوئی انسانیت کو مجتمع کرنا تھا اور تمام قوموں کو امتِ واحدہ بنانا تھا تمام مذاہب کو ایک جھنڈے تلے جمع کرنا تھا۔ پس رمضان ہی کو چنا گیا تا کہ اسے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے استعمال کیا جائے۔

اس مضمون کے بعد اللہ تعالیٰ ہے۔ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ بنی نوع انسان کی جو عام ہدایت ہے اس کا تعلق تو ایک عام مضمون سے ہے اور آغاز سے بھی ہے لیکن قرآن میں ایک اور بات بھی پیدا ہوئی ہے وہ عام ہدایت کی تکمیل کرتا ہے۔ پس رمضان میں بھی ایک اور بات پیدا ہو چکی ہے جس شان کے ساتھ رمضان کی عبادت اور رمضان کے حق ادا کرنے کی تعلیم حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے دی اس سے پہلے کبھی کوئی ایسا نبی نہیں آیا جس کو یہ تعلیم دی گئی

ہوتو اگر صرف هُدًى لِّلنَّاسِ کہہ کر بات چھوڑ دی جاتی تو پھر اس رمضان میں اور گزشتہ رمضانوں میں یا دوسرے مہینوں میں جن میں روزے اترے یا روزے فرض کئے گئے کوئی خاص فرق نہ رہتا۔ ایک جیسی ہی ہدایت سب کے لئے مگر قرآن کریم یہ امتیاز دکھانا چاہتا ہے کہ یہ رمضان اور ہے اور وہ رمضان اور تھے جو اس سے پہلے گزرے ہیں اب وہ کتاب نازل ہوئی ہے وہ قرآن نازل ہوا ہے وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى جو صرف ہدایت ہی پیش نہیں کر رہا۔ ہدایت میں جو سب سے زیادہ روشن نشانات ہیں، ہدایت کی سب سے اعلیٰ اور ارفع شکلیں اور سب سے زیادہ چمکتی ہوئی صورتیں وہ دنیا کے سامنے پیش کر رہا ہے اور یہ رمضان جو مسلمانوں پر فرض کیا جا رہا ہے یہ ہدایت کے مضمون کو آگے بڑھاتے ہوئے اس کی بہترین صورتوں تک پہنچاتا ہے۔

وَ الْفُرْقَانِ اور پھر فرقان عطا کرتا ہے۔ فرقان سے مراد ہے، ایسی روشن دلیل جو فرق کر کے دکھا دے، جو اپنے اندر خود تمیز کرنے کی طاقت رکھتی ہو پھر ایسی دلیل جو غالب آنے والی ہو۔ پس فرمایا کہ قرآن کریم کی جو تعلیم دی جا رہی ہے اور قرآن کریم نے جو رمضان تمہارے سامنے رکھا ہے اس کے ذریعے تمہیں عام ہدایت بھی ملے گی جو تمام بنی نوع انسان میں مشترک ہے، وہ ہدایت بھی ملے گی جو اس سے زیادہ درجہ کی ہدایت ہے اور جسے بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى کہا جا سکتا ہے اور پھر تمہیں فرقان نصیب ہوگی اور یہ ساری برکتیں رمضان کے ایک مہینے میں اکٹھی کر دی گئی ہیں۔

پھر فرماتا ہے۔ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ اس سے پہلے بھی حکم دیا جا چکا ہے کہ روزے رکھو، فرض ہو چکے ہیں۔ اب اس مضمون کو کھول کر بیان کرنے کے بعد پھر دعوت دی جا رہی ہے اب تم سمجھ گئے ہو نا کہ یہ کیا چیز ہے۔ تم پر خوب کھول دیا گیا ہے کہ اس مہینے کی عظمت کیا ہے؟ اب پھر ہم تمہیں بلاتے ہیں۔ جس کو بھی یہ توفیق نصیب ہو کہ وہ اس مہینے کو پالے۔ فَلْيَصُمْهُ تو اس مہینے کے ضرور روزے رکھے۔ وَ مَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ہاں جو مریض ہو حقیقۃً بیمار ہو یا سفر پر ہو ان کے لئے حکم یہی ہے کہ وہ بعد کے دوسرے ایام میں یہ روزے پورے کریں۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ نیکی کا فلسفہ یہ نہیں ہے کہ اللہ تمہیں تکلیف میں ڈالتا ہے اور اس سے خوش ہوتا ہے۔ نیکی کا مضمون بہت وسیع ہے نیکی کے

دوران تکلیف بھی آتی ہے لیکن تکلیف مقصد نہیں ہوا کرتی۔ پس ہر وہ تکلیف جو انسان اپنی طرف سے نیکی سمجھ کر برداشت کرے لازم نہیں کہ نیکی ہو۔ نیکی کی تکلیف میں ایک مقصد داخل ہوتا ہے۔ ہر وہ تکلیف جو اعلیٰ مقصد کی راہ میں آتی ہے وہ نیکی ہے اس کے سوا کوئی تکلیف نیکی نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ نہ سمجھنا کہ رمضان میں تم تکلیفیں اٹھاؤ گے اور خدا کو راضی کرلو گے چنانچہ ایسے لوگ جو سمجھتے ہیں کہ رمضان کی جو شدت ہے وہی نیکی ہے وہ بعض دفعہ اتنی سختی کرتے ہیں روزے کے دنوں میں خصوصیت سے صوبہ سرحد میں اور دیگر پٹھان علاقوں میں یہاں تک حد سے تجاوز کیا جاتا ہے کہ ایک آدمی اگر روزہ رکھ کر گرمیوں کے دنوں میں بے ہوش ہو کر زمین پہ جا پڑے تو اس کے منہ میں پانی کا قطرہ نہیں ڈالنے دیتے۔ جب تک پہلے تھوڑی سی مٹی یا ریت ڈال کے نہ دیکھیں کہ منہ میں کوئی لعاب کا نشان باقی ہے کہ نہیں۔ اگر وہ مٹی سوکھی نکل آئے پھر کہتے ہیں حق ہے اس کا روزہ تڑوا دو اور اگر کہیں تھوک لگا ہوا دکھائی دے دے تو کہیں گے نہیں ابھی نہیں ابھی مرنے میں کچھ وقت باقی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہیں کس نے بتایا ہے کہ ہم تمہیں تکلیف دے کے خوش ہوتے ہیں۔ نیکی کا مضمون بہت گہرا اور بہت وسیع اور بہت اعلیٰ ہے۔ نیکی اگر مقصد ہو تو اس راہ میں جو تکلیف آئے وہ خوشی سے برداشت کرنا اس نیکی کو چار چاند لگا دیتا ہے لیکن وہ تکلیف ہر گز مقصود نہیں ہوتی۔ پس فرمایا ہم تمہیں مصیبتوں میں نہیں ڈالنا چاہتے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جس کی جو توفیق ہو اس کے مطابق اس پر بوجھ ڈالتے ہیں اگر تم کو توفیق نہیں بعد میں رکھ لینا اور پھر بعد میں اپنی مرضی پر چھوڑ دیا جب چاہو رکھ لو جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تکلیف مراد نہیں تھی ورنہ رمضان کے گرمی کے روزوں کے متعلق قرآن کریم حکم دیتا کہ تم نے گرمی کی شدت میں روزے نہیں رکھے تھے اب دوبارہ گرمی کے مہینے میں انہی دنوں میں رکھنا یا کہیں سردی کے دنوں میں بعض علاقوں میں سردی کی وقت ہوتی ہوگی ان کے لئے بعض سردی کے روزے مشکل میں پڑ جاتے ہوں گے۔ ان کی راتیں بہت لمبی ہو جاتی ہیں اور لمبے عرصہ تک راتوں کو عبادت کرنا شاید بعضوں کے لئے دوبھر ہو۔ بہر حال مختلف موسموں کی مختلف اپنی بعض خصوصیات ہوتی ہیں اور بعض لوگوں کو میں نے دیکھا ہے گرمیوں میں چونکہ دن یہاں لمبے ہو جاتے ہیں سردی کے باوجود وہ کہتے ہیں ہم سے اتنی بھوک برداشت نہیں ہوتی اس سے تو بہتر تھا کہ ہم پاکستان چلے جاتے۔ چنانچہ ایک ہمارے مہمان آئے ہوئے تھے وہ گرمیوں میں روزے کے

دنوں میں بیٹھے پاکستان کو یاد کر رہے تھے کہ وہاں چھوٹے تو تھے نا کم سے کم ۔ پیاس تو کوئی بات نہیں مجھ سے بھوک نہیں برداشت ہوتی ۔تو اللہ تعالیٰ نے اجازت دے دی ہے جو برداشت ہوتا ہے یہ اس کے مطابق کرلو۔ ''اَيَّامٍ اُخَرَ'' ہیں۔ بعد کے ایام چن لو۔ دوسرے ہوں۔ ہم تمہیں تکلیف دینے کی خاطر نیکی نہیں کروا رہے۔ روزے میں بعض نیکی کی ایسی باتیں مضمر ہیں جنہیں اختیار کرو گے تو وہ نیکی بنے گی ورنہ محض بھوک سے یا پیاس کی تکلیف سے نیکی نہیں پیدا ہوگی۔

پھر فرماتا ہے وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ بس اتنی سی بات ہے کہ عدت ضرور پوری کرنا۔ اگر تیس روزے فرض ہیں تو تیس ہی رکھنے ہیں جتنے چُھٹے ہیں وہ پورے کرنے ہوں گے وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ اور خوب اللہ تعالیٰ کی تکبیر بلند کرو اس کی عظمت اس کی بڑائی کے گیت گاؤ کہ اس نے تمہیں ہدایت عطا فرما دی ہے تا کہ اس کے نتیجے میں لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ تا کہ تم شکر گزار بندے بنو، شکر کرنے والے بنو۔ دو باتیں ہیں عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ایک اس وجہ سے تکبیریں بلند کرو کہ اس نے تمہیں ہدایت عطا فرمائی اور ایک اس لئے کہ جب تم تکبیر بلند کرو گے خدا کی بڑائی کے گیت گاؤ گے تو پھر تمہیں شکر نصیب ہوگا۔ اللہ کا شکر اس طرح کیا کرتے ہیں۔

اب آخری بات جو دراصل روزے کا قبلہ اور کعبہ ہے ہر روزے کی انگلی اس بات کی طرف اٹھتی ہے بلکہ ہر نیکی ہر عبادت کی انگلی اسی طرف اٹھ رہی ہے۔ یہ وہ بیان فرمائی گئی ہے جو اس آیت کا معراج ہے یا اس مضمون کا معراج ہے۔ فرماتا ہے۔

وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ
اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ جب بھی لوگ تجھ سے پوچھیں کہ میں کہاں ہوں میرے متعلق سوال کریں۔ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ میں تو قریب ہوں یہاں یہ نہیں فرمایا کہ تو ان سے کہہ دے کہ میں قریب ہوں۔ ایک ایسے حاضر ناظر کا کلام ہے جو موجود ہے اور سننے والے سے پہلے اس کو جان لیتا ہے کہ سوال کیا پیدا ہوا ہے۔ یہ

سوال آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے قلب مطہر تک پہنچتے پہنچتے جہاں باتوں کا آخری عرفان حاصل ہوتا ہے کچھ وقت لیتا ہے آواز کی لہریں بھی ایک صوت کو دوسری جگہ تک منتقل کرنے کے لئے کچھ وقت لیتی ہیں مگر اللہ تو ہر جگہ حاضر ناظر موجود ہے وہ جب خیال دل میں پیدا ہوتا ہے سوال اٹھ رہا ہوتا ہے اس وقت بھی جانتا ہے کہ کیا ہے تو فوراً جواب دے دیتا ہے اِنِّیْ قَرِیْبٌ میں تو قریب ہوں۔

اس سے ایک بات تو یہ سمجھنی چاہئے کہ یہاں اس سوال سے اعلیٰ اور اول مفہوم خدا کی تلاش کرنے والوں کا سوال ہے۔ یہ مراد نہیں ہے کہ لوگ جو مجھ سے مرادیں مانگتے ہیں ان کو کہہ دو کہ میں قریب ہوں۔ یہ بھی معنی ہیں لیکن بعد میں آئیں گے، اول معنی یہ ہے کہ تجھ سے لوگ سوال کرتے ہیں کہ اے محمد! تیرا رب ہے کہاں؟ کیا ہم بھی اس تک پہنچ سکتے ہیں؟ تو میں یہ جواب دیتا ہوں کہ میں قریب ہوں لیکن اس قرب کو محسوس کرنے کے لئے اس قلبی رؤیت کے لئے جن صلاحیتوں کی ضرورت ہے وہ صلاحیتیں پیدا ہونی ضروری ہیں، آگے جا کر اس مضمون پہ بھی اللہ تعالیٰ روشنی ڈالے گا تو پہلی بات تو یہ سمجھ لیں۔ وَ اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ کہ خدا تعالیٰ ہر وقت ہر طلب گار کے قریب موجود ہے اسے لمبے سفر کے بعد تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ دل کے معاملات ہیں اگر دل اخلاص کے ساتھ یہ فیصلہ کر لے کہ میں اپنے رب تک پہنچنا چاہتا ہوں تو وہ ہر جگہ ہے۔ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اس میں دوسرا مضمون پھر آ گیا کہ میں دعوت دینے والے کی دعوت کا جواب دیتا ہوں۔ اس میں پہلا معنی یہ ہے کہ قریب تو ہوں پر تم پوچھو گے تو میں جواب دوں گا نا۔ تمہارے دل میں خواہش ہی کوئی نہیں تو میں یونہی اپنے حسن سے پردے اٹھاتا پھروں۔ کوئی طلب گار آنکھ ہو تو اس کو جلوہ دکھاؤں۔ تو رمضان مبارک اللہ تعالیٰ کے جلوہ کی خاطر قائم فرمایا گیا ہے اور یہ آخری نتیجہ ہے رمضان کا اور رمضان کی نیکیوں کا۔ تو فرمایا تم پہلے اپنے دل میں اپنے رب کو حاصل کرنے کی طلب پیدا کرو یہ طلب ہوگی تو میں تمہارے قریب ہوں اور تم مجھے قریب پاؤ گے۔

اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اور میں خاموش قریب نہیں ہوں بلکہ تمہاری دعوت کا جواب بھی دوں گا۔ تم پکارو گے تو میں جواب میں بولوں گا اور تم سے کلام کروں گا۔

فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ مگر ایک شرط ہے کہ تم بھی تو میری باتیں مانا کرو۔ اگر چہ یہ بات سب سے آخر پر رکھی ہے لیکن اصل میں اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ

اورسوال کے درمیان میں کھڑی ہے۔ مراد یہ ہے کہ میں قریب ہوں تمہاری بات کا جواب دیتا ہوں اور دوں گا فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ اس کا تقاضا یہ ہے کہ تم بھی لازمًا میری باتوں کا جواب دیا کرو۔ یہ نہ سمجھ لینا کہ جب ضرورت تمہیں پڑے مجھے آوازیں دو اور میں حاضر ہو جاؤں۔ یہ تو آقا اور غلام کا تعلق بن گیا یعنی آواز دینے والا آقا ہو گیا اور ہاں جی حاضر سائیں کہنے والا غلام بن گیا۔ اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جانا کہ میں جب کہتا ہوں کہ ہاں میں حاضر ہوں اور جواب دیتا ہوں تو ایک نوکر کی طرح نہیں، ایک مالک کی طرح حاضر ہوں، ایک محبوب کی طرح حاضر ہوں تم میں خادمانہ ادائیں ہوں گی تو میں مالک بن کر تم پر روشن ہوں گا تم میں عاشقانہ جذبے ہوں گے تو محبوب کی طرح میں تم پر ظاہر ہوں گا اور تمہیں جلوے دکھاؤں گا۔ یہ مضمون ہے فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ کا۔ وہ لوگ جو خدا کی باتیں مانتے ہیں خدا ان کی اسی طرح مانتا ہے جس طرح وہ خادم جو آقا کی ہر بات پر لبیک کہتا ہے جب اس کو ضرورت پڑتی ہے تو کون آقا ہے جو دل کی وسعتیں رکھتا ہو اور پھر اس سے انکار کر دے۔ بعض بدکردار تنگ دل لوگ ایسے بھی ہیں جو ساری عمر خدمتیں لیتے ہیں اور جب ضرورت پڑتی ہے تو منہ پھیر لیتے ہیں۔ وہ اللہ تو ان میں سے نہیں نعوذ باللّٰه من ذالک۔ اللہ فرماتا ہے تم مجھ سے عبدیت کا، عبودیت کا تعلق رکھو میرے سامنے جھکو، میری باتیں مانا کرو، پھر میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میں کبھی تم سے دور نہیں رہوں گا جب تمہیں ضرورت پیش آئے گی میں تمہارے ساتھ ہوں گا جب تم مجھے پکارو گے میں تمہاری پکار کا جواب دوں گا۔

پھر فرمایا وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ اور مجھ پر ایمان لے آؤ۔ اب ایمان ہی سے تو بات شروع ہوئی تھی يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ اے وہ لوگو جو ایمان لے آئے ہو تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تو یہ ساری بات ختم کر کے پھر ایمان کہاں سے لانا ہے۔ یہاں ایمان کے معراج کی بات ہو رہی ہے **جیسے روزہ عبادت کے معراج پر خدا کو دکھاتا ہے اب یہ مضمون بیان ہوا ہے کہ ایمان تو یہ ہوگا جب خدا تم سے بولے گا جب تم اس کے کامل بندے بن چکے ہو گے۔ جب اسے اپنے قریب دیکھا کرو گے، جب وہ تمہاری باتوں کا جواب دے گا حقیقی ایمان تو وہ ہے ورنہ تمہیں کیا پتا کہ تم ایمان لائے بھی ہو کہ نہیں۔ دور سے دیکھ رہے ہو ایک بات کا تمہیں خیال ہے کہ تم ایمان لاتے ہو مگر جب**

مشکلات کے وقت آتے ہیں جب مصائب کے زلزلے آتے ہیں تو تمہارے ایمان کی بنیادوں پر زلزلہ طاری ہو جاتا ہے اور بسا اوقات تمہارے ایمان بنیادوں سے اکھیڑے جاتے ہیں۔ تو ایمان تو وہ ہے جو ہر قسم کے مصائب کے ابتلاء میں پڑنے کے بعد پھر بھی ثابت قدم رہے اور اسی طرح وہ آسمان سے باتیں کر رہا ہو جیسے ایک مضبوط تناور درخت جس کی جڑیں زمین میں قائم ہوں وہ ابتلاؤں اور زلازل کے وقت بھی اسی طرح ثابت قدم رہتا ہے اور اس کی شاخیں آسمان سے باتیں کرتی رہتی ہیں پھر فرمایا وَلْيُؤْمِنُوْا بِیْ اب ہم تمہیں سمجھا رہے ہیں کہ ایمان اس کو کہتے ہیں، عبادت کے حق ادا کرو، خدا کے حضور جھکو اس کی ہر بات پر لبیک کہو اور اس کے نتیجے میں پھر کسی دور کی جنت کا انتظار نہ کرو بلکہ خدا کی جنت اپنی رضا لے کر تمہارے پاس کھڑی ہوگی۔ تمہاری ہر تمنا کو دیکھے گی اور ہر خواہش کا جواب دے گی۔ پس یہ وہ مضمون ہے جو رمضان مبارک سے تعلق رکھتا ہے پس مجھ پر وہ ایمان لے آئیں۔ اس کے بعد فرمایا لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ تاکہ عقل کامل حاصل کر سکیں۔ رشد ہدایت کو بھی کہتے ہیں اور عقل کو بھی کہتے ہیں اور حقیقت میں ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔

تو امر واقعہ یہ ہے کہ اہل اللہ ہی ہیں جن کو عقل کامل نصیب ہوتی ہے اس کے بغیر یونہی دنیا کے ڈھکوسلے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہم اہل عقل ہیں لیکن جن کے فیصلے خدا کے حوالے سے نہ ہوں ان کے فیصلے کبھی درست نہیں ہو سکتے۔ صرف اسی وقت درست ہوں گے جب خدا کا حوالہ اس طرف کھڑا ہو جس طرف ان کا اپنا مفاد کھڑا ہے جب دونوں کی سمت ایک ہو جائے گی تو وہ ضرور درست فیصلہ کریں گے لیکن جہاں یہ سمت بدلے گی خدا ایک طرف ہوگا اور ان کا مفاد دوسری طرف وہاں وہ بے وقوف لوگ ہمیشہ اپنے مفاد کے حق میں فیصلے کریں گے اور خدا کے حق میں نہیں کریں گے تو ان کی عقل عارضی ہے اور وقتی حالات سے تعلق رکھتی ہے جب وہ حالات بدلتے ہیں تو عقل ماری جاتی ہے۔ پس آج دنیا کی بڑی بڑی قومیں جو اپنے سیاسی یا دیگر ملکی فیصلہ جات میں غلطیاں کرتی ہیں اس کی بنیادی وجہ آپ یہی دیکھیں گے کہ وہ خدا سے عاری فیصلے کرتے ہیں اگر اتفاقاً وہ بات ہدایت کی ہو جائے تو ہو جائے گی ورنہ جب بھی ان کا مفاد عقلِ کُل کے مفاد سے ٹکرائے گا وہ اپنے مفاد میں فیصلے کریں گے اور عقل کل کو ترک کر دیں گے۔

رمضان مبارک میں ہم نے یہ سب کچھ حاصل کرنا ہے ایک مہینے کا سفر ہے اَيَّامًا

مَّعۡدُوۡدٰتٍ یہاں اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اتنی بڑی مصیبت نہیں ہے کہ تم کہو کہ او ہو بڑی مشکل میں پڑ گئے۔ ایک سال کا بارہواں حصہ ہی ہے نا۔ وقت گزار لو وہاں دوسری طرف ایک اور پیغام بھی ہے کہ یہ دن بار بار سال میں نہیں آئیں گے ایک سال میں یہ چند دن ہیں، آئیں گے اور گذر جائیں گے، یہ بہار کے ایام ہیں ان سے فائدہ اٹھا لو۔ اگر نہ اٹھا سکے تو پھر سال بھر حسرت رہے گی اور تم حسرت سے دیکھو گے کہ کاش یہ چند دن ہم نیکیاں کر کے خدا کو راضی کر لیتے اور اس مہینے کی برکات سے مستفیض ہو سکتے۔ پس اَیَّامًا مَّعۡدُوۡدٰتٍ ہیں جو تکلیف محسوس کرتے ہیں ان کو یہ سوچنا چاہئے کہ چند دن ہی تو ہیں گزر جائیں گے۔ انشاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ سہارا دے گا اور توفیق بخشے گا پھر جس کو تم مشکل سمجھ رہے ہو آسان دکھائی دینے لگیں گے اور وہ لوگ جو حقیقت میں نیکی کا عرفان رکھتے ہیں اور اپنی کمزوریوں پر نگاہ ہے ان کو علم ہے کہ بخشش طلب کرنے والی بہت باتیں پڑی ہیں۔ انسان اتنے گناہ کر چکا ہے، اتنا اپنے آپ کو داغ دار کر چکا ہے کہ ایک رمضان کی بات نہیں، بیسیوں رمضان آئیں اور اسے دھوتے جائیں اور پتھروں پر پٹختے جائیں تب بھی بعض ایسے داغ ہیں جو شاید مٹنے میں نہ آئیں اور یہ رمضان تو پھر چند دن میں گزر جائے گا اس لئے کمر ہمت کسو اور پورے ارادے کے ساتھ اور قوت کے ساتھ اور عزم صمیم کے ساتھ اس بات پر مستعد ہو جاؤ کہ اس مہینے میں جتنی نیکیاں ہم کما سکتے ہیں ضرور کمائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کو جہاں تک بندے کی توفیق ہے اسے خوش کر کے حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔

حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ فرماتے ہیں، یہ نسائی کتاب الصوم سے حدیث لی گئی ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بیان کرتے ہیں:

عَنۡ عَبۡدِ الرَّحۡمٰنِ بِن عَوف عَن رَسُوۡلِ اللّٰہِ ﷺ اَنَّہٗ ذَکَرَ رَمَضَانَ وَفَضَّلَہٗ عَلَی الشُّھُوۡرِ وَقَالَ مَنۡ قَامَ رَمَضَانَ اِیۡمَانًا وَاِحۡتِسَابًا خَرَجَ مِنۡ ذُنُوۡبِہٖ کَیَوۡمٍ وَلَدَتۡہُ اُمُّہٗ۔

(نسائی کتاب الصوم حدیث نمبر:2162)

عبدالرحمٰن بن عوف بیان کرتے ہیں کہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے کہ آپؐ نے رمضان کا ذکر فرمایا اور دوسرے تمام مہینوں پر فضیلت دی اور فرمایا جس نے رمضان کو قائم

کیا اِیْمَانًا وَاحْتِسَابًا پورے ایمان کے ساتھ اور محاسبہ کرتے ہوئے۔ وَقَالَ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَاحْتِسَابًا خَرَجَ مِنْ ذُنُوْبِهٖ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ. اس کے گناہ اس سے اس طرح زائل ہو جائیں گے جیسے اس دن گناہ اس کے ساتھ نہیں تھے جب اس کی ماں نے اسے پیدا کیا تھا۔ اب یہ بہت ہی عظیم خوشخبری ہے اس کا بھی اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ سے تعلق ہے۔ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ سے جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا ایک عارف کو یہ خوف بھی تو ہوتا ہے کہ چند دن گزر جائیں گے، میں پتا نہیں اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہوں کہ نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے گر سکھا دیا ہے کہ اس طرح اس رمضان سے پیش آؤ کہ تم اس کی برکتوں سے پورا فائدہ اٹھا سکو۔ وہ یہ ہے کہ رمضان کو ایمان کے ساتھ قائم کرو اور احتساب کے ساتھ قائم کرو۔

ایمان کا تعلق یہ ہے کہ ایمان کے جتنے تقاضے ہیں وہ اس رمضان میں تمہیں دکھائی دیں گے اور ایمان کے سارے تقاضے پورے کرو۔ ایمان کا ایک تقاضا یہ ہے کہ دنیا سے بے پرواہ، دنیا کی نظر سے غافل، انسان محض اللہ کی رضا کی خاطر کوئی کام کرتا ہے اور اس کی خاطر پھر اعمال اختیار کرتا ہے۔ پس آدھی رات کو اٹھنا جبکہ کسی کو خبر نہ ہو کہ کیا ہو رہا ہے اس وقت محض اللہ کی یاد کی خاطر اٹھنا اس کا گہرا ایمان سے تعلق ہے۔ پس مراد ہے اپنی راتوں کو بھی جگاؤ، پھر خدا کے نام پر بار بار اس مہینے میں نیکی کرنا اور دین کے تمام فرائض کو پورا کرنا، ایمان کی تفاصیل میں تمام عبادات داخل ہیں۔ ایمان باللہ کا مطلب صرف یہ نہیں کہ اللہ کو کہہ دیا کہ اللہ ایک ہے یا اللہ موجود ہے۔ ایمان باللہ کے اندر تمام اہل عرفان، اہل علم جانتے ہیں کہ تمام نیکی کے مضامین جو ایمان لانے کے بعد انسان کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں ان سب کو قبول کرنا اور ان پر عمل کرنا ہے پھر ''اِیْمَانًا'' کہہ کر ایک بہت وسیع مضمون کو ایک لفظ میں بیان فرما دیا اس کے بعد کسی اور لفظ کی بظاہر ضرورت نہیں رہتی، مگر آنحضرت ﷺ نے ایک اور لفظ استعمال فرمایا ہے اور وہ ہے ''اِحْتِسَابًا'' کہ ہر لمحہ اپنا حساب کرتے رہنا یہ نہ سمجھنا کہ تم نیکیاں کر رہے ہو اگر تم نے نیکی پر نظر نہ رکھی، اپنی نیتوں کو ٹٹولتے نہ رہے تو جن کو تم ایمان کے مطابق رمضان قائم کرنا کہتے ہو بسا اوقات وہ ایمان کے مطابق نہیں ہوگا بلکہ بعض اور تقاضوں کے نتیجے میں ہوگا۔ رمضان کے مہینے میں کئی ایک قسم کے رواج چلتے ہیں اور انسان بظاہر یہ سوچتے ہوئے کہ یہ چیزیں منع تو نہیں، جائز ہیں ان میں شدت اختیار کرتا ہے لیکن احتساب کے خلاف ہے۔ مثلاً افطاریاں چلتی رہتی

ہیں، لمبی لمبی امیروں کی امیروں کے ساتھ مجالس، بعض عرب ملکوں میں، بلکہ شاید عرب ملکوں میں تو یہ رواج ہے کہ ساری ساری رات کھاتے پیتے اور بعض علاقوں میں تو ناچتے گاتے بھی ہیں اور ساری رات مجلسیں لگاتے ہیں اپنے گھروں سے کچھ کھانا اکٹھا کر کے لے آتے ہیں اور وہ كُلُوْا جَمِيْعًا (النور:62) ہوتا ہے اس طرح وہ صبح کا انتظار کرتے ہیں اور پھر جب روزے کا وقت آئے تو شاید سحری کھانے کا تو کوئی وقت ہی نہیں، توفیق ہی نہیں ملتی ہوگی ۔تو اس وقت کھانا پینا بند کیا اور روزہ شروع ہو گیا۔ ایمان کا تقاضا یہ تو نہیں ہے۔ ایمان کا تقاضا تو وہ ہے جو حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ پورا فرمایا کرتے تھے۔ روایات میں آتا ہے کہ عام دنوں میں بھی آپؐ اپنی راتوں کو جگاتے تھے مگر رمضان میں جس شدت سے جگاتے تھے اس کی کوئی مثال دکھائی نہیں دیتی۔ عام دنوں میں بھی آپؐ دن کو نیکیاں کرتے تھے۔ عام دنوں میں بھی آپؐ غریب پروری فرماتے تھے۔ مگر رمضان کے مہینے میں تو اس کی شکل ایسے ہو جاتی تھی جیسے عام بارش موسلا دھار بارش میں تبدیل ہو جائے۔ اس طرح نیکی ہر طرف سے برسنے لگتی تھی۔ پس اس کو کہتے ہیں، ایمان کا حق ادا کرنا اور اس سلسلے میں احتساب لازم ہے۔

انسان بظاہر سمجھتا ہے کہ رات کو مجلس لگانے میں کیا حرج ہے؟ کب منع ہے۔ روزے کا وقت شروع ہوگا تو پابندی شروع ہوگی مگر اس مزاج سے مختلف بات ہے، روزے کے مزاج کے خلاف ہے کہ راتوں کو لغو مشاغل میں صرف کیا جائے۔ بعض لوگ تو اس حد تک اس معاملے میں بے چارے لاعلم اور جاہل ہوتے ہیں کہ ایک دفعہ مجھے بیلجیئم کے مبلغ صاحب کا فون آیا کہ میں تو بڑی مشکل میں پڑ گیا ہوں، کیا جواب دوں۔ ہنس رہے تھے، مراد یہ تھی کہ آپ بھی سن لیں کیا قصہ ہوا۔ کہتے ہیں چار پاکستانی لڑکے جو بلجیئم میں رہتے ہیں انہوں نے مجھے تہجد کے وقت فون کیا اور کہا کہ ایک ہمارا آپس میں اختلاف ہو گیا ہے آپ بتائیے حقیقی مسئلہ کیا ہے تو میں نے کہا فرمائیے کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا ہم شراب کے عادی ہیں تو چونکہ سارا دن شراب نہیں پینی ہوتی ہم نے فیصلہ کیا ہے ساری رات شراب پئیں گے، وہ تو خیر ٹھیک ہے اس میں ہمارے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ روزے سے تھوڑا سا پہلے شراب چھوڑ دینی چاہئے کیونکہ شراب سے روزہ نہیں ہو سکتا اور میرے ساتھی بعض کہتے ہیں کہ نہیں اگر ہم نے شراب چھوڑ دی تو اٹھ پہرہ روزہ بن جائے گا اور

اٹھ پہرہ روزہ حرام ہے یہ نہیں ہوسکتا۔ اب دیکھیں جہالت انسان کو کہاں سے کہاں لے جاتی ہے۔

روزے کا ایک مزاج ہے اس کا مقصد خدا کو پانا ہے، اس کا مقصد ہر نیکی کو اپنے عروج تک پہنچانا ہے۔ پس ہر وہ بات جو اس شان کے خلاف ہو وہ انسان کو نیکی سے پرے پھینک دے گی۔ تقویٰ اختیار کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے روزے کا مقصد تقویٰ بتایا ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ تا کہ تم تقویٰ اختیار کرو۔

دوسری روایت بخاری کتاب الایمان سے لی گئی ہے اس میں حضرت ابو ہریرہؓ عرض کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: **مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَلَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ** (بخاری کتاب الایمان)

جس نے بھی رمضان کو ایمان کے ساتھ اور احتساب کے ساتھ یعنی اپنے نفس کا مسلسل جائزہ لیتے ہوئے گزارا اور اس کا حق ادا کیا تو اس کا پھل یہ ملے گا کہ اس کے تمام گزشتہ گناہ بخشے جائیں گے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس بارے میں فرماتے ہیں:

''آنحضرت ﷺ رمضان شریف میں بہت عبادت کرتے تھے ان ایام میں کھانے پینے کے خیالات سے فارغ ہو کر اور ان ضرورتوں سے انقطاع کر کے تبتل الی اللہ حاصل کرنا چاہئے۔'' (تقاریر جلسہ سالانہ 1906ء صفحہ:20 تا 21)

یہ ایک ایسا مضمون ہے جسے عموماً بھلا دیا جاتا ہے اکثر جو بے چارے نیکی کے آغاز میں بعض نیکیاں اختیار کرتے ہیں وہ پرانی باتوں کے کچھ سہارے ساتھ لے کر چلتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص کو خدا کی خاطر بھوکا رہنے کی عادت نہیں ہے یا اس پہ دو بھر ہے تو وہ دن بھر تو افطاری کی تیاری کرتا ہے اور رات بھر سحری کی تیاری کرتا ہے اور انہی خیالات میں اس کے دن اور رات گزرتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیکھیں کیسے مرض کو پہچانا ہے اور کیسا عمدہ علاج تجویز فرمایا ہے۔ ''آنحضرت ﷺ رمضان شریف میں بہت عبادت کرتے تھے ان ایام میں کھانے پینے کے خیالات سے فارغ ہو کر'' (باقی گیارہ مہینے بے شک خیال رکھ لینا مگر ان ایام میں ان خیالات سے فارغ ہو جایا کرو) اور ان ضرورتوں سے انقطاع کر کے تبتل الی اللہ حاصل کرنا چاہئے تا کہ تمہاری تمام توجہ اللہ ہی کی طرف ہو'' اور اس میں روزے کی یہ حکمت بھی بڑے پیارے انداز میں بیان فرما دی کہ روزہ تبتل کے لئے ہے اور تکلیف کی خاطر بھوک اور پیاس نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بلکہ تبتل

کے ذریعے یہ لازم ہے کہ اللہ کی طرف توجہ پھیرنی ہے اور تبتل کے بغیر گزارا نہیں ہے۔ تمہیں سبق دینا ہے کہ کس طرح دنیا سے توجہ کاٹ کر خدا کی طرف مائل کی جاتی ہے۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ

''حدیث شریف میں آیا ہے کہ دو آدمی بڑے بدقسمت ہیں ایک وہ جس نے رمضان پایا پھر رمضان گزر گیا اور اس کے گناہ بخشے نہ گئے۔''

یعنی اس نے رمضان کو اِیْمَانًا اور اِحْتِسَابًا نہیں گزارا۔ اب یہ جو بحث ہے کہ گناہ بخشے گئے تھے کہ نہیں گئے تھے یہ بظاہر بڑی مشکل بحث دکھائی دیتی ہے کوئی سمجھتا ہوگا بخشے گئے کوئی سمجھتا ہوگا نہیں بخشے گئے بعض لوگ بعد میں بے چارے روتے ہیں دعائیں کرتے ہیں اوہو رمضان گزر گیا اور پھر بھی ہم کچھ نہ کر سکے اور:

اب کے بھی دن بہار کے یونہی گزر گئے

اس مضمون پر شعراء نے اپنی حسرتوں کا بیان کیا ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم
نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

حضرت میر محمد اسماعیل صاحب نے رمضان ہی کے تعلق میں غالباً ایک نظم اس رنگ میں کہی تھی کہ وقت آیا، نیکیوں کا سماں آیا بہار آئی اور گزر گئی ہم نے کچھ چیزیں چھوڑیں کچھ نہ چھوڑیں لیکن ماحصل یہ ہے نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے، نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم۔ وہ بزرگ جو احتساب کرتے ہیں یہ ان کا تصور ہے کہ آیا ہم نے ایمان کے ساتھ رمضان گزارا ہے کہ نہیں۔ تو اس تصور میں یعنی اس احتساب میں زیادہ عاجزی اختیار کر جاتے ہیں۔ پس جو کمی بھی رہ جاتی ہوگی اللہ اس عاجزی کی خاطر اسے دور فرما دیتا ہوگا لیکن کچھ لوگ ہیں جن کو پتا ہی نہیں کہ ہم نے کچھ حاصل بھی کیا کہ نہیں کیونکہ رمضان گزرتے ہی اس تیزی سے وہ واپس دوڑتے ہیں ان سب باتوں کی طرف جو پہلے کیا کرتے تھے کہ جیسے کوئی لمبا غوطہ مار کر دوسری طرف سر نکالتا ہے گھبرا کر سر جھاڑتا ہے اور سانس لینے کی کرتا ہے تو یہ سانس بند کر کے رمضان میں جاتے ہیں اور اتنی تکلیف ہوتی ہے پرلے کنارے تک پہنچتے پہنچتے کہ بڑی تیزی سے پھر وہ لمبے لمبے سانس لیتے ہیں۔ جو چیزیں چھوڑی ہوئی تھیں جو بدیاں

ترک کر بیٹھے تھے ان کو پورے زور اور شدت کے ساتھ دوبارہ شروع کرتے ہیں کہ چلو تھوڑا سا تو سکون ملے۔ گزر گیا جو مہینہ گزرنا تھا۔ اب ان کا بخشش سے کیا تعلق ہوا کیونکہ گناہوں کی بخشش کا مطلب یہ ہے کہ گناہوں کی طرف سے توجہ پھیر دی جاتی ہے گناہوں کی خواہش مٹا دی جاتی ہے اور اگر دائمًا نہیں تو کچھ عرصے تک تو اس کے نشان ملیں۔ دنیا پھر انسان کو کھینچتی ہے اور یہ مضمون بھی ہمیں احادیث میں ملتا ہے، قرآن میں ملتا ہے بعض لوگ بار بار استغفار کرتے ہیں اور اللہ بخش بھی دیتا ہے پھر وہ آتے ہیں اپنی پرانی عادتوں کی طرف پھر خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کرتے ہیں اور اسی حالت میں انسان زندگی گزار دیتا ہے پھر اللہ کی مرضی ہے انہیں کس حالت میں وفات دے اگر وہ خدا سے دوری کی حالت میں مر جائیں تو نامراد رہے اگر اس حالت میں خدا تعالیٰ ان کی جان لے جبکہ اس کی بخشش کے نتیجے میں وقتی طور پر گناہ کا میل بھی دھل چکا تھا، گناہ کی طرف میلان مٹ چکا تھا ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ کا بندہ یہ سمجھ سکتا ہے کہ ہاں میں کامیاب ہو گیا مگر یہ تجارب بھی بار بار ہونے والے تجارب ہیں ان کے بغیر انسان یہ تصور نہیں کر سکتا۔

پس دو ہی صورتیں ہیں بخشش کے یقین کی۔ ایک یہ کہ رمضان آئے اور گناہوں کے سارے خیالات کو دھو کر اس طرح پرے پھینک دے جیسے حضرت رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ایک نوزائیدہ بچہ ہے۔ نوزائیدہ بچہ پاک آتا ہے لیکن بد بھی ہو جاتا ہے۔ اس کا بعد میں بد ہونا یہ تو ثابت نہیں کرتا کہ وہ نوزائیدہ تھا ہی نہیں مگر بد ہونے میں وقت لگتا ہے۔ کتنی دیر اس کو بلوغت کا انتظار کرنا پڑتا ہے کتنی دیر ابتلاؤں اور امتحانوں میں پڑنے کا انتظار کرنا پڑتا ہے اچانک تو نوزائیدہ بچہ بد نہیں ہوا کرتا۔ ایک لمبے عرصے تک بدی کی خواہش ہی نہیں ہوتی اور اکثر بدیوں سے اس لئے محروم ہوتا ہے کہ ان کا تصور بھی کوئی نہیں رہتا۔

پس اگر رمضان بدیوں کو اس طرح مٹا کر جاتا ہے کہ اس کی تمنائیں مدھم پڑ جاتی ہیں یا مٹ جاتی ہیں۔ وہ خواہشیں مرنے لگتی ہیں اور پھر بعد میں ان کو دوبارہ ارادةً زندہ کرنے کی کوشش نہیں کرتا تو بعد میں ممکن ہے ایسا شخص بھی دھوکہ کھا جائے اور گر جائے لیکن عمومًا کہہ سکتے ہیں کہ رمضان کچھ بخشش کے سامان اس کے لئے پیچھے چھوڑ گیا۔

پس اپنے لئے دعائیں کریں اور یہ دعائیں کرتے ہوئے رمضان میں داخل ہوں کہ جو

رمضان کے اعلیٰ مقاصد ہیں ہم ان کو حاصل کرنے والے ہوں۔ ہماری بدیاں جھڑ جائیں ہمارا احتساب کامل ہواور ہمارا ایمان زندہ ہو جائے اور اس کے تمام تر تقاضے پورے کرتے ہوئے ہم اس خدا کو پالیں جس کی طرف، رمضان ہمیں انگلی پکڑ کر لے جا رہا ہے۔اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

خطبہ ثانیہ کے دوران حضور انور نے فرمایا:۔

آج نماز جمعہ کے بعد، کیونکہ ابھی بھی جمعہ کے اختتام تک عصر کا وقت شروع ہو چکا ہوتا ہے۔نماز عصر ہوگی اور اس کے معاً بعد تین جنازے ہوں گے۔یعنی جنازہ غائب۔

ایک حضرت شیخ مسعود الرحمٰن صاحب صحابیؓ جن کا وصال جرمنی میں ہوا ہے اور اب غالباً ربوہ میں لے جا کر ان کی تدفین بہشتی مقبرے میں کر دی گئی ہے۔حضرت منشی حبیب الرحمٰن صاحبؓ کے بیٹے تھے ننانوے سال دو ماہ کی عمر پائی۔ پہلے نام مسعود احمد تھا۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خاندان کے باقی ناموں کی مناسبت سے آپ کا نام مسعود الرحمٰن رکھ دیا تھا۔

دوسرے ہمارے شہید مکرم رانا ریاض احمد خان صاحب ابن رانا عبد الستار صاحب ٹاؤن شپ (لاہور)۔ان کے والد صاحب بھی شدید مضروب ہیں بہت ظالمانہ طور پر آپ کو زخمی کیا گیا ہے ان کے لئے بھی دعا کریں اللہ تعالیٰ ان کو شہادت کی سعادت کا عرفان نصیب فرمائے اور اس کے غم پر اس سعادت کی خوشی بھاری ہو جائے۔

اسی طرح ہمارے عزیزم احمد بن ڈاکٹر اعجاز الحق صاحب اور عزیزہ امتہ الحئی چودھری حمید نصر اللہ صاحب۔ڈاکٹر اعجاز الحق صاحب کے بیٹے تھے عزیزہ امتہ الحئی کے بطن سے۔ بعد میں عزیزہ امتہ الحئی کی شادی چودھری حمید نصر اللہ صاحب کے ساتھ ہوئی اس لئے ان کے ساتھ بھی ایک بیٹوں والا رشتہ رہا بچپن سے۔ان کو بھی 6رجنوری کو لاہور میں شہید کر دیا جا چکا ہے۔اس کی تفاصیل جب حاصل ہوں گی تو انشاءاللہ بعد میں بیان کر دی جائیں گی۔

ان کی نماز جنارہ غائب نماز عصر کے معاً بعد ہوگی۔

رمضان میں نیکی کی فضا سے فائدہ اٹھائیں جھوٹ کو اکھیڑ پھینکیں نمازوں کا عرفان حاصل کر کے لطف اٹھائیں

(خطبہ جمعہ فرمودہ 18 رفروری 1994ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:۔

گزشتہ جمعہ میں میں نے قرآن اور حدیث کے حوالے سے جماعت کو رمضان سے متعلق کچھ نصائح کی تھیں یہ مضمون ابھی جاری تھا کہ وقت ختم ہوگیا یہ ایسا مضمون ہے جسے ہر سال دہرایا جاتا ہے اور دہرایا جاتا رہنا چاہئے کیونکہ ایک سال کے عرصے میں انسان بہت سی نیک باتیں بھول چکا ہوتا ہے اور دنیا کی طرف واپس لوٹنے میں کئی قسم کے زنگ دوبارہ لگ چکے ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے اپنے مدینہ کے متعلق جہاں آپؐ تھے یہ فرمایا کہ مدینہ تو ایک بھٹی کی طرح ہے جب لوہا اس میں تپا کر صاف ستھرا کر کے ہر آلائش سے پاک کر کے باہر نکالا جاتا ہے تو پھر کچھ عرصے کے بعد زنگ لگ جاتے ہیں اور اس بات کا محتاج ہوتا ہے کہ پھر اس بھٹی میں جھونکا جائے۔ پس اس لئے آپؐ نے نصیحت فرمائی کہ بار بار صحابہ اور دور کے رہنے والے خصوصیت کے ساتھ، مدینے میں آئیں اور اپنے ان زنگوں کو دور کرتے رہیں جو حضرت محمد مصطفی ﷺ کی پاک صحبت سے دوری کے نتیجے میں لگ گئے۔

یہ وہ مضمون ہے جس کو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بار بار بیان فرمایا اور بعض ظالموں نے عمداً دنیا کو دھوکہ دینے کے لئے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ مکے کی طرح قادیان کو بھی ایک ایسی

جگہ سمجھتے ہیں جہاں حج کی جاتی ہے اور وہاں مرزا صاحب کی زیارت ہی سے گویا کہ عمر بھر کا حج ہو جاتا ہے۔ یہ تو خیر لغو، بے ہودہ، ظالمانہ اعتراض ہیں۔ ضمناً مجھے یاد آیا تو میں نے بیان کر دیا، مگر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس نصیحت میں حکمت وہی تھی جو خود حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی نصیحت میں شامل تھی یعنی دوری سے کچھ زنگ لگ جاتے ہیں کچھ کمزوریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ بار بار ان کو صاف کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہی فلسفہ ہے جو اسلامی عبادات کے ساتھ منسلک ہے۔ اس گہرائی کے ساتھ کہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک ایسا شخص جس کے پاس ندی بہتی ہو، صاف شفاف پانی اس ندی میں بہہ رہا ہو اور وہ پانچ وقت اس میں غسل کرے اس کے جسم پر میل کچیل کیسے رہ سکتی ہے۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ حدیث نمبر: ۴۹۷)

تو وہ فائدہ جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی صحبت سے حاصل ہو سکتا تھا خدا تعالیٰ نے آپ کے دین میں ایسا دائمی کر دیا کہ بعد کے آنے والے زمانوں میں بسنے والے اور پیدا ہونے والے انسانوں کو یہ شکوہ اب نہیں ہو سکتا کہ ہمارے لئے پاک کرنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہی۔ پس پانچ وقت کی نمازیں یہ وہ عبادتیں ہیں جن میں انسان بار بار غوطے لگا کر اپنی کثافتوں کو دور کرتا ہے اپنے میلوں کو دھوتا ہے اور پھر جمعہ کی عبادت ہے اور پھر حج کا ایک فریضہ ہے جو عمر بھر کے گند کو صاف کرنے اور میلوں کو بدن سے دور کرنے کے لئے روحانی بدن سے دور کرنے کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ ایک رمضان ہے جو ہر سال دہرایا جاتا ہے اور رمضان کے ساتھ وابستہ نصیحتیں بھی ہر سال دہرائی جاتی رہنی چاہئیں اور لازم ہے کہ انسان ان کو غور سے سنے اور حرزِ جان بنائے، اپنے دل کی گہرائیوں میں جگہ دے اور یہ نیک ارادے باندھے کہ میں ان سے پوری طرح استفادہ کروں گا۔ رمضان میں بھی دراصل حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی صحبت ہی ہے جو فیض پہنچاتی ہے۔ جب ہم آپؐ کی احادیث کے حوالے سے نصیحت کرتے ہیں تو وہ صحبت سے جو صحابہؓ پاتے تھے وہی بات ہے جو الفاظ میں آپؐ کے سامنے رکھی جاتی ہے اور پھر آنحضرت ﷺ کا اسوہ حسنہ جو زندگی کے مختلف ادوار میں آپؐ سے ظاہر ہوا اور روزانہ صبح و شام کے بدلنے کے ساتھ بھی وہ نئے جلوے اپنے اندر پیدا کرتا اور دکھاتا رہا، ان جلوؤں کے حوالے سے بھی صحبت کا ایک حصہ ہمیں میسر آ جاتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا۔ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔ بخاری و مسلم دونوں

نے کتاب الصوم میں درج کی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا۔ جب رمضان کا مہینہ آتا ہے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوسری یہ روایت ہے کہ جنت کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ یعنی آسمان کے دروازوں سے مراد کیا ہے؟ جنت کے دروازے اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیطان جکڑ دیئے جاتے ہیں اور ایک اور روایت میں آیا ہے کہ رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ (بخاری کتاب الصوم)

اس حدیث سے متعلق پہلے بھی کئی سال سے یہ بات جماعت کے گوش گزار کرتا رہا ہوں کہ ظاہری طور پر دیکھا جائے تو رمضان کے مہینے کا کوئی ایسا اثر دنیا پر تو ظاہر نہیں ہوتا جس سے یہ معلوم ہو کہ گناہ کم ہو گئے ہیں اور نیکیاں بڑھ گئی ہیں اور جہنم کے دروازے بند ہو رہے ہیں اور جنت کے کھل رہے ہیں۔

اور بسا اوقات خود مسلمانوں میں بھی ایسے بدنصیب نظر آتے ہیں جو رمضان کے مہینے میں ایسی حرکتیں کرتے ہیں کہ جہنم کے دروازے یوں لگتا ہے پہلے سے زیادہ بڑے ہو کر کھل رہے ہیں اور جنت کے دروازے ان کے لئے اور بھی تنگ ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اس لئے اس مضمون کو سمجھنے کے لئے انسان کو اپنی ایک کائنات کا تصور کرنا ہوگا۔ ہر انسان کی اپنی زمین ہے اور اپنا آسمان ہے اور اس حدیث کا تعلق ہر شخص کی زمین اور ہر شخص کے آسمان سے ہے۔ وہ شخص جو رمضان میں اپنی کائنات میں تبدیلیاں پیدا کرتا ہے اور وہ نیکیاں اختیار کرتا ہے جو اس مہینے کے ساتھ وابستہ ہیں اور جو اس کے لئے آسان کر دی جاتی ہیں۔ اس کے لئے یقیناً اس کے آسمان کے دروازے کشادہ ہو رہے ہوتے ہیں اور اس کی جہنم کے دروازے بند ہو رہے ہوتے ہیں۔

لیکن اگر رمضان آئے اور وہ ان نیکیوں سے فائدہ نہ اٹھائے تو پھر اس حدیث کے مضمون اور اس کی خوشخبریوں کا اطلاق اس کے جہاں پر نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ غیروں کا جہان دیکھیں وہ اس حدیث کے مضمون سے مستثنیٰ، بے نیاز ایک الگ زندگی بسر کر رہا ہے اور اس کے مشاغل اسی طرح بد ہیں جیسے پہلے ہوا کرتے تھے، رمضان نے ان پر کوئی نیک اثر نہیں ڈالا۔

رمضان میں کیوں یہ دروازے یعنی رحمت کے اور بخشش کے دروازے زیادہ کھولے جاتے ہیں اور روزمرہ کی زندگی میں کیوں نسبتاً تنگ ہو جاتے ہیں۔ اس مضمون پر غور کریں تو حقیقت

یہ ہے کہ رمضان میں نیکی کی ایک فضا قائم ہوتی ہے، ایک ماحول بن جاتا ہے چھوٹے چھوٹے بچے بھی کہتے ہیں ہمیں اٹھاؤ ہم نے بھی روزہ رکھنا ہے اور بعض بے چارے جب آدھی رات کو اٹھتے ہیں تو گھبرا جاتے ہیں کہ نہیں ہم نے اتنی جلدی روزہ نہیں رکھنا مگر نیکی کی خواہش ضرور ان کے دلوں میں کلبلاتی ہے اور ہر گھر میں یہ نمونے دکھائی دیتے ہیں اور بعض جو پورا نہیں رکھ سکتے ہیں ہمیں دو روزے رکھوا دو آدھے آدھے رکھ لیں گے لیکن روزے کی طرف توجہ، نمازوں کی طرف توجہ اس عمر میں بھی شروع ہو جاتی ہے جس عمر میں ابھی ان عبادتوں کا ان کو مکلّف نہیں کیا گیا ان پر یہ عبادتیں فرض نہیں کی گئیں۔ تو یہ تو وہ ماحول ہے جیسے برسات کے زمانے میں بعض جڑی بوٹیاں پھوٹتی ہیں سبزہ ہر طرف پھوٹنے لگتا ہے یا بہار کے دنوں میں بعض بنجر علاقوں میں بھی بہت خوب صورت پھول نکل آتے ہیں۔ تو رمضان کا موسم ہے جس کی بات ہو رہی ہے اس موسم میں تمہارے دل نیکیوں پر آمادہ ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ان میں ایک طبعی میلان جوش مار رہا ہے کہ نیکی کریں۔ اس فضا سے فائدہ اٹھاؤ، یہ نیکیوں کی جو ہوا چلائی گئی ہے ان ہواؤں کی رخ پر تیز رفتاری سے آگے بڑھو۔ پھر دیکھو کہ تمہارے لئے جنت کے دروازے کھلتے چلے جائیں گے اور جہنم کے دروازے تم پر بند ہوتے چلے جائیں گے۔

پس آنحضرت ﷺ نے جن دروازوں کے کھلنے کا ذکر کیا ہے وہ ہر انسان کی اپنی کائنات کے الگ الگ دروازے ہیں اور جن شیطانوں کے جکڑ دینے کا ذکر فرمایا ہے وہ بھی ہر انسان کے اپنے اپنے نفس کے شیطان ہیں۔ جو رمضان کے تقاضے پورے کرنے کی تمنا رکھتے ہیں ان کے شیطان ضرور جکڑے جاتے ہیں اور رمضان کے بعد اور رمضان کے دوران کی کیفیت میں آپ نے دیکھا ہو گا کہ کیسا ہی کوئی انسان نیک ہو پھر بھی فرق پڑ جاتا ہے۔ جو رمضان کے دوران نیکی پر پابندی اختیار کی جاتی ہے، گناہوں اور لغویات سے بچنے کی احتیاطیں کی جاتی ہیں وہ رمضان کے بعد ویسی نہیں رہتی۔ تو اگر چہ جو شیطان ایک دفعہ قید کر دیا جائے حق تو یہ ہے کہ اسے عمر قید کی سزا ملے اور پھر کبھی آزادی نہ ملے لیکن انسان کمزور ہے اور کسی نہ کسی پہلو سے کچھ آزادیاں اپنے شیطان کو ضرور دے دیتا ہے۔ پھر ایک اور رمضان آتا ہے پھر ایک اور آتا ہے پھر ایک اور آتا ہے۔ دعا یہ کرنی چاہئے کہ ہمیں موت ایسی حالت میں آئے کہ جب ہمارا شیطان جکڑا ہوا ہو۔ ہمیں خدا ایسے وقت میں بلائے جب کہ جنت کے دروازے ہمارے لئے پوری طرح کشادہ ہو چکے ہوں اور ایسے وقت میں ہم جان دیں

جب جہنم کے دروازے ہم پر بند ہو چکے ہوں۔ یہ جو مضمون ہے اس کا کوشش سے زیادہ فضل سے تعلق ہے۔کوشش سے اس حد تک کہ گہری سوچ کے ساتھ اور فکر کے ساتھ اور اس مضمون میں ڈوب کر دعا کی جائے جو معنی خیز ہو۔ ہونٹوں سے نہ نکلے، دل کی گہرائیوں سے اٹھ رہی ہو اور پابندی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اس بارے میں مدد مانگی جائے۔

پس اس رمضان مبارک میں جو نصیحتیں بار بار دہرائی جاتی ہیں ان میں ایک یہ بھی نصیحت ہے۔مگر جب بھی نصیحت دہرائی جاتی ہے کوئی نیا پہلو اس کا خدا تعالیٰ سامنے لے آتا ہے اور جماعت کو اس کی طرف توجہ دلانے کی توفیق عطا ہوتی ہے۔ پس اس حدیث کے حوالے سے میں اس دعا کی طرف جماعت کو متوجہ کرتا ہوں کہ یہ دعائیں کرتے رہیں کہ رمضان کی نیکیاں آ کر گزر بھی جائیں تو ہمارا انجام ایسی حالت میں ہو گویا رمضان میں مر رہے ہیں۔ ایسے وقت میں ہو جبکہ تُو ہم سے سب سے زیادہ راضی ہو اور اس پر ہمارا اپنا کوئی اختیار نہیں، انسان کی بے بسی کا معاملہ ہے، اللہ ہی ہے جب چاہے جس کو بلائے اور جس حالت میں چاہے بلا لے۔اس لئے اس رمضان مبارک میں اپنے لئے اور اپنے بھائیوں کے لئے خصوصیت کے ساتھ یہ دعائیں کریں۔

ایک دوسری حدیث ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو یہ کہتے سنا کہ:

جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے اور جس نے رمضان کے تقاضوں کو پہچانا اور ان کو پورا کیا اور جو رمضان کے دوران ان تمام باتوں سے محفوظ رہا جن سے اس کو محفوظ رہنا چاہئے یعنی جس نے ہر قسم کے گناہ سے اپنے آپ کو بچائے رکھا تو ایسے روزہ دار کے لئے اس کے روزے اس کے پہلے گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں۔ (مسند احمد بن حنبل بحوالہ فتح الربانی جز 9 صفحہ:222)

اس حدیث کا اس سے ملتی جلتی بعض اور احادیث سے بھی تعلق ہے اور میں ان کے حوالے سے اس مضمون کو زیادہ واضح کرنا چاہتا ہوں۔ بہت سی ایسی حدیثیں ہیں جن میں آپ کو یہ ملے گا کہ ایک روزہ دار کی روزہ کشائی کر دو اور تمہارے سارے گناہ بخشے گئے، ہمیشہ کے لئے نجات پا گئے۔ سوال یہ ہے کہ ایک طرف اتنی محنت کا حکم اور ارشاد کہ تمام مہینہ بھر رمضان کے سارے تقاضے پورے کرو اور رمضان کے تقاضے پورا کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ کہنے میں آسان لگے لیکن حقیقت میں

بہت ہی مشکل کام ہے کیونکہ رمضان مبارک تمام عبادتوں کا معراج ہے عبادتوں کے اندرونی رشتوں کے لحاظ سے نماز عبادتوں کا معراج ہے لیکن رمضان مبارک میں وہ بھی اکٹھی ہو جاتی ہے اور شدت کے ساتھ پوری محنت کے ساتھ اور دل لگا کر نماز ادا کی جاتی ہے۔ پس تمام عبادتیں اپنے معراج کو پہنچتی ہیں اور ایسے وقت میں ان کے تقاضے پورے کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ کا ایک طرف تو یہ ارشاد فرمانا کہ یہ کرو تو تمہارے ساتھ کیا سلوک ہوگا تمہارے پہلے گناہ معاف ہو جائیں گے گویا حج جو عبادات میں ایک خاص مرتبہ رکھتی ہے اور عمر بھر میں ایک دفعہ ادا کرنا ضروری ہے اس سے جو فوائد وابستہ ہیں، جو ثواب وابستہ ہیں وہ ایک اچھی طرح گزارے ہوئے رمضان کے ساتھ بھی وابستہ فرما دیئے گئے۔

اور دوسری طرف یہ کہنا کہ فلاں بات کر دو تو تمہارے عمر بھر کے گناہ بخشے جائیں گے اور جنت کے دروازے تمہارے لئے کھل جائیں گے اور فلاں کام کر دو اور جو کام چھوٹے چھوٹے ہوں یہ بات بڑی تعجب انگیز ہے۔ ایسی حدیثیں بھی حدیثوں کی تلاش میں میرے سامنے آئیں یعنی جب میں جمعہ کے لئے انتخاب کرتا ہوں روایات کا یا حوالہ جات کا تو بہت سی روایات دیکھتا ہوں اور بعض اس موضوع کے لئے چن لیتا ہوں۔ بعض کو بعد کے لئے رکھ چھوڑا جاتا ہے ان میں ایسی حدیثیں بھی سامنے آتی ہیں مثلاً آج ہی ایسی حدیثیں بھی میں نے دیکھیں جن میں یہ ذکر تھا کہ روزہ کھلوا دو تو تمہارے ساری زندگی کے گناہ بخشے گئے اور تمہیں ہر قسم کے ثواب میسر آ گئے اور تمام نجات کے سامان ہو گئے اور یہ بھی بیان کیا گیا کہ صحابہؓ میں سے بعض نے کہا کہ ہمارے پاس توفیق نہیں بہت شوق پیدا ہوا ہمیں تو توفیق نہیں ہے اتنی۔ تو فرمایا کہ اگر کوئی تھوڑا سا دودھ اور زیادہ پانی ملا کر بھی پھر بھی کسی کا روزہ کھلوا دے تو یہی ثواب اس کو میسر آ جائے گا۔ پھر دونوں باتوں کا آپس میں کیا تعلق ہے؟ دو ہی شکلیں عقلاً سامنے آتی ہیں اول یہ کہ بہت سی ایسی حدیثیں ہیں جو بعد کے زمانوں میں صوفیاء نے گھڑ لی ہیں اور ایسی حدیثوں کی تعداد ہزار ہا بلکہ لاکھوں تک بھی بیان کی جاتی ہے۔ بعض صوفیاء کا یہ مسلک تھا کہ نیکی کی باتیں جو قرآن اور حدیث سے مطابقت رکھتی ہوں ان میں جوش پیدا کرنے کے لئے جو کہانی تم بنا لو وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر و اس نیت کے ساتھ کہ آپ کی بات لوگ مانیں گے ہماری نہیں مانیں گے تو اس میں کوئی گناہ نہیں۔

حضرت امام بخاری علیہ الرحمتہ کے متعلق یہ روایت آتی ہے۔ بڑی آپ نے محنت کی ساری زندگی یعنی زندگی کا وہ فعال حصہ جو ہوش مندی کے بعد آپ کو نصیب ہوا آپ نے حدیث کی خدمت میں صرف کیا ہے، چھان بین میں صرف کیا ہے۔ آپ ایک دفعہ ایک روایت کی تلاش میں نکلے کہ پتا تو کروں کہ وہ راوی تھا کون اس زمانے میں جس نے یہ حدیث اپنے پہلوں سے بیان کی ہے۔ لمبے سفر کئے، خرچ کیا، محنت اٹھائی اور جب پہنچے آخر اس شہر میں جس میں بتایا گیا کہ ایک صوفی صاحب ہیں ایک تہہ خانے میں رہتے ہیں بہت بزرگ انسان ہیں ان کی روایت ہے۔ تو ان تک پہنچے ان سے پوچھا کہ آپ کے متعلق بہت شہرہ ہے بہت نیک اور تقویٰ شعار انسان ہیں ایک روایت مجھے آپ کی طرف منسوب ہوئی ملی ہے اور میں تحقیق کے لئے آپ سے خود سننے کے لئے آیا ہوں۔ بتائیے یہ روایت آپ نے کس سے سنی تھی وہ شخص زندہ ہے تو بتائیں میں پھر جا کے اس سے بھی پوچھوں تو انہوں نے کہا کہ یہ تو میں نے آپ بنائی ہے۔ کہا آپ نے بنائی ہے؟ کہا ہاں یہ دیکھو یہ سارا انبار یہ دفتر جو پڑے ہوئے ہیں روایتوں کے، یہ میں بیٹھا بنا رہا ہوں یہی تو میری نیکی ہے عمر بھر کی کہ نیک کاموں کے لئے لوگوں کو اس طرح ترغیب دے رہا ہوں حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا کہ جو میری طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کرے گا، یہ بحث نہیں اٹھائی کہ اچھی ہے یا بری، بری بات کے منسوب کرنے کی تو کسی کو جرأت ہو ہی نہیں سکتی سوائے اس کے کہ اپنے نفس کے بہانے کے لئے کوئی تأویل تراش لے مگر اکثر اچھی باتیں منسوب کی جاتی ہیں، فرمایا جو کوئی بھی میری طرف کوئی بات منسوب کرے گا جو میں نے نہ کہی ہو تو اپنے لئے جہنم میں جگہ بنائے گا۔ مگر بعض نادان ایسے تھے جن کو علم نہیں تھا یا یہ حدیث بھی نہیں پہنچی ہوگی۔ ہم نہیں کہہ سکتے انہوں نے کہاں جگہ بنائی اللہ بہتر جانتا ہے لیکن ایسی روائیتیں تھیں اور بہت سی ایسی احادیث ہیں اس مضمون سے تعلق رکھنے والی جن میں دکھائی دیتا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے مزاج کے خلاف ہیں اور جس گہرے سائنٹفک مذہب کی طرف آپ بلانے والے ہیں، جس کی بنیادیں ٹھوس عقل پر اور انسانی تجربے پر قائم ہیں اور جو آسمان سے ہدایت یافتہ مذہب ہے جس کا مزاج قرآن کے عین مطابق ہے اس کے برعکس بات آپؐ کیسے کہہ سکتے ہیں۔ اس لئے جو بہت سے اہل اللہ ہیں انہوں نے ایک یہ بھی رستہ تجویز کیا احادیث کی پرکھ کا کہ راویوں کے متعلق تو ہم تحقیق کرنے کی توفیق نہیں رکھتے اور جو ہو چکی ہو چکی لیکن

قرآن پڑھنے کی اور قرآن پر غور کرنے کی تو توفیق ہمیں عطا ہوتی ہے۔ پس وہ حدیثیں جن کا مضمون قرآن سے ٹکراتا ہو یا واضح طور پر قرآن ان کی تائید یا پشت پہ نہ کھڑا ہو ان حدیثوں کے متعلق احتیاط اختیار کرو۔ اگر کوئی ایسا مضمون اس میں سے تلاش کر سکتے ہو جو حدیث کو چھوڑے بغیر قرآن اور دیگر احادیث کی تائید میں ہو تو اختیار کر لو۔ ورنہ ادب کے ساتھ اس حدیث کو اس خیال سے ترک کر دو کہ یہ ہمارے آقا و مولا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا کلام نہیں ہوسکتا۔

پس ایسی حدیثوں کے متعلق میں نے ایک دفعہ غور کیا تو مجھے ایک عجیب بات دکھائی دی۔ مجھے یاد ہے ربوہ میں وقفِ جدید میں ایک مضمون کے لئے مجھے بہت کثرت سے حدیثوں کی ضرورت تھی جن میں سے میں نے خود تلاش کرنی تھی اور ایک بھاری تعداد ان حدیثوں کی جو مجھے پیش کی گئی، بغیر حوالہ دیکھے میں نے اندازہ لگایا کہ یہ صحاح ستہ میں سے ناممکن ہیں اور اگر اتفاقاً صحاح ستہ میں کوئی روایت جگہ پا بھی گئی ہے تو انسان تحقیق کر کے اس کو معلوم کر سکتا ہے۔ چنانچہ وہ جنہوں نے اکٹھی کی تھیں میں نے ان سے کہا کہ یہ حدیثیں مجھے لگتی ہیں کہ بعد کے زمانے کی، بیہقی کی یا کسی اور زمانے کی ہیں اور یہ اولین زمانے کی حدیثیں نہیں ہیں اور عجیب بات تھی کہ سو فیصدی یہ اندازہ درست نکلا۔ وہ تمام حدیثیں یا بیہقی کی تھیں یا بعد کے کسی اور زمانے کی تھیں۔ تو لوگ اپنے مطلب کی تلاش میں جب بے احتیاطی سے حدیثوں کو اختیار کرتے ہیں تو اس سے حدیثوں پر ایمان کو تقویت نہیں ملتی بلکہ نقصان پہنچتا ہے۔ اسی بے احتیاطی کے نتیجے میں یہ جو تحریکات چلی ہیں چکڑالوی، اہل قرآن والی انہوں نے امت کو بہت شدید نقصان پہنچایا ہے۔ بعض لوگوں کو عظیم خزانوں سے محروم کر دیا ہے۔ ساری امت کو تو نہیں لیکن امت میں ایک افتراق کی بناڈالی اور ان کے ایک حصہ کو گمراہ کر دیا اور محروم کر دیا۔

ایک دفعہ ایک اہلِ قرآن سے میری گفتگو ہوئی مجھے اس نے کہا کہ یہ تو ثابت ہے نا آپ مانتے ہیں کہ غلط حدیثوں کی ایک بڑی تعداد تھی جو راہ پا گئی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی طرف منسوب ہوگئی تو جب کھوٹ مل گیا تو ہم اس کو رد کرتے ہیں۔ میں نے کہا تم یہ جانتے ہو کہ سونا کس طرح تلاش کیا جاتا ہے۔ بعض دریاؤں کے کناروں پر ریت کے انبار میں چند ذرے سونے کے ہوتے ہیں اور سارا دن وہاں عورتیں اور بچے بے چارے بیٹھ کر سردی اور گرمی میں محنت کرتے ہیں۔ ان چند ذروں کی تلاش میں ڈھیروں ریت کے ذروں کو نکال کر رد کر کے الگ پھینکنا پڑتا ہے۔ تو کیا

محمد رسول اللہ ﷺ کا کلام اس سونے سے بھی کم قیمت ہے، کچھ حیا کرو، کچھ غور کرو، کچھ فکر کرو۔ یہ ایسا پاکیزہ، ایسا عجیب کلام ہے جس کی کوئی نظیر پہلے تو پیدا نہیں ہوئی لیکن آئندہ بھی کبھی پیدا نہیں ہوگی اور اگر تم نے ہاتھ سے یہ دولت کھودی تو پھر کبھی ہاتھ نہیں آئے گی۔ اس لئے تقویٰ اختیار کرو، ایسے اصول معلوم کرو جیسے سائنس دانوں نے سونے کی پہچان کے اصول بنا رکھے ہیں۔ ان اصولوں کا اطلاق ہو تو پتا لگ جائے گا کہ سونا کون سا ہے اور ریت کے ذرے کون سے ہیں، ہمارا تو یہی مسلک ہے۔ پس اس پہلو سے وہ حدیثیں جن میں ایسا ذکر ملتا ہے کہ ایک چھوٹی سی بات کی اور ساری عمر کی کمزوریاں غائب اور ہر قسم کے گناہ دھل گئے، تو پھر اگر ان کو اسی طرح مانا جائے ان کی ظاہری شکل میں تو پھر رمضان کی کیا ضرورت ہے۔ یعنی رمضان میں سے رمضان کا ہوتا ہوا گزرنے کی کیا ضرورت ہے۔ رمضان میں سے غیر کی طرح بھی گزر سکتے ہیں کسی روزے دار کو دودھ پلا دیا اور سارے رمضان کی نیکیاں ہاتھ آ گئیں۔ پس ان حدیثوں پر غور کی ضرورت ہے اور میرے نزدیک اگر وہ قابلِ قبول ہیں یعنی اگر وہ سچی ہیں تو لازماً قابلِ قبول ہیں اور اگر قابلِ قبول ہیں تو ان کے اندر کوئی حکمت کی بات تلاش کرنی ہوگی۔

بعض دفعہ ایک غریب انسان کی احتیاج یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ اس کے ساتھ نیکی کرنا اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ پسند آتا ہے اور خاص طور پر اگر ایک نیک انسان خدا کی خاطر روزہ دار ہو اور اتنا غریب ہو کہ روزہ کھولنے کے لئے کچھ بھی اس کو توفیق نہ ہو۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ دودھ میں پانی ملا کر ہی پلا دو۔ یعنی وہ اتنا غریب ہے بے چارہ کہ یہ بھی توفیق نہیں کہ لمبی کچی لسی ہی پی لے تو اس وقت یہ ممکن ہے یہ عقل کے خلاف بات نہیں رہتی۔ اس وقت ہوسکتا ہے دو طرح سے اس کا اثر ہو ایک تو یہ کہ خدا کے ایسے پاک بندے ایک غریب بندے کی احتیاج پوری کرنے کی جو نیکی ہے وہ اللہ تعالیٰ کو بطور خاص پسند آتی ہے اور گناہ اس طرح نہیں بخشے جاتے کہ اچانک بخشے گئے۔ اس طرح بخشے جاتے ہیں کہ ایسی نیکیاں کرنے والے کو نیکیوں کی توفیق ملتی ہے۔ اس کا دل نیکیوں میں لگ جاتا ہے، اس کی زندگی کی راہیں بدل جاتی ہیں، اس میں ایک روحانی انقلاب برپا ہو جاتا ہے۔ پس بظاہر ایک چھوٹی سی نیکی ہے مگر اس کے ساتھ جو فوائد وابستہ کر کے بتائے گئے ہیں وہ فوائد بعد میں آنے والے، ایک فوائد کا سلسلہ ہیں جو حکمت پر مبنی ہے اور ایک نیکی سے دوسری نیکی پھوٹتی چلی جاتی

ہے۔ دوسرا پہلو اس میں یہ ہے کہ اس غریب کی دعا غیر معمولی طاقت رکھتی ہے، پہنچنے والی دعا ہے۔ ایک ضرورتمند کی آپ ضرورت پوری کریں، ایک غریب اور بھوکے کو کھانا کھلائیں اس کے دل سے جو دعا نکلے گی اس کی بات ہی اور ہے، اس کی چھلانگ اور پہنچ ہی اور ہے اور اگر اپنے امیر دوستوں کی دعوت کر دیں اور کھا کر وہ جزاکم اللہ کہہ کر واپس چلے جائیں، اس جزاکم اللہ کو اس دعا سے کیا نسبت ہے؟ یہ جزاکم اللہ تو ''تھینک یو'' بھی ہے۔ ہر قسم کے شکریہ بہت بہت، بہت مزہ آیا اس میں کوئی بھی حقیقت نہیں۔ مسلمانوں میں یہ دعا بن جاتی ہے لیکن پھیکی پھیکی دعا، جو بھرے ہوئے پیٹ سے نکل رہی ہو، کہاں وہ دعا، کہاں ایک بھوکے کی احتیاج دور ہونے پر اس کی دل کی گہرائی سے نکلی ہوئی دعا۔ تو رمضان میں اس قسم کی نیکیوں کی بھی تلاش کریں۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے ایسی حدیثوں کو اگر قبول کرنا ہے تو صرف اس شرط پر قابلِ قبول ہیں کہ محمد رسول اللہ کی شان کے مطابق ان کے معنی تلاش کریں اور قرآن کی عظمت کے مطابق ان کے معنی تلاش کریں پھر ان کو قبول کریں۔ پھر ان کو اس وہم میں رد کرنے کا ہمیں کوئی حق نہیں کہ شاید یہ آنحضورؐ کا کلام نہ ہو۔

پس اس پہلو سے ایک اور نیکی جس کی طرف میں آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ غریب کی ہمدردی ہے۔ روزہ کھلوانا ایک (Symbol) ہے اس وقت۔ رمضان کے دنوں میں یہ نیکی ایک (Symbol) بن جاتی ہے اور یہ (Symbol) اپنی ذات میں یہاں تک محدود نہیں رہتا اس کا تعلق احتیاج پوری کرنے سے ہے، دکھ درد دُور کرنے سے ہے اور کوئی شخص اگر کسی نیک روزے دار کا دکھ دور کرے تو وہ چاہے روزہ کھلوا کر ہو یا اور طریقے سے ہو، وہ ضرور اللہ کے ہاں خاص مرتبہ رکھے گا اور ایسا نیکی کرنے والا خاص جزا پائے گا۔ لیکن اس کے علاوہ بھی انسانوں سے ہمدردی رمضان کا حصہ ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے متعلق آتا ہے کہ بہت سخی تھے۔ بے حد خرچ کرنے والے تھے، مگر رمضان میں تو یوں لگتا تھا کہ ہوائیں آندھی بن گئی ہیں۔ اس قدر تیزی پیدا ہو جاتی تھی آپؐ کے خرچ میں، اور وہ صرف روزہ کھلوانے کی حد تک محدود نہیں تھا بلکہ روزہ کھلوانے کے متعلق مجھے تو کوئی ایسی روایت معلوم نہیں کہ خالصۃً صرف روزہ کھلوایا کرتے ہوں۔ وہ بھی ایک خیرات کا حصہ تھا اور ہوتا ہوگا لیکن زیادہ تر غریبوں کی تلاش میں ان کی کھوج لگا کر ان پر خرچ کرنا اور کثرت کے ساتھ ان کی ضرورتوں کو پورا کرنا یہ وہ نیکی تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی زندگی سے ثابت ہے۔ آپؐ

کی سنت سے ثابت ہے۔ پس اس حدیث کا یہ ترجمہ کر لینا کہ چاہے لوگ بھوکے مر رہے ہوں کسی طرح کی ضرورتوں میں مصیبت زدہ پھنسے بیٹھے ہوں اس طرف توجہ نہ کرو صرف انتظار کرو جب سورج ڈوبے تو کسی کا روزہ کھلوا دو۔ اگر یہ ترجمہ کرتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ کی زندگی اس کو جھٹلا رہی ہے۔ کیسے ہوسکتا ہے کہ اس صادق القول کا فعل آپ کے قول کو جھٹلا رہا ہو کیونکہ آپ کے صادق القول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو کہتے تھے سو فیصدی اس پر عمل بھی کرتے تھے تو آپؐ کی سنت کے نقشے سے آپؐ کے کسی قول کا ٹکرانا ممکن ہی نہیں ہے۔ آپؐ کے متعلق تو ہم یہی دیکھتے ہیں کہ رمضان مبارک میں بڑی شدت اور تیزی کے ساتھ ہر نیکی میں آگے بڑھتے تھے اور خصوصیت کے ساتھ غریب کی ہمدردی میں اور صدقہ خیرات میں تو آپؐ کی کوئی مثال نظر نہیں آتی۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا، صحابہؓ کے پاس لفظ ختم ہو جاتے تھے بیان کرتے ہوئے۔ کہتے بس یہ سمجھ لو کہ ہوائیں جھکڑ میں تبدیل ہو گئیں۔ پس اس پہلو سے اس حدیث کے مضمون کو بھی پیش نظر رکھیں۔ ان کو بھی تلاش کریں جو منہ سے مانگتے نہیں ہیں لیکن جن کی ضرورت انتہاء کو پہنچتی ہوتی ہے لیکن محض روزہ کھلنے کے وقت ان پر نظر نہ کریں۔ غریبوں نے روزہ رکھنا بھی تو ہوتا ہے اور بھی تو ضرورتیں پوری کرنی ہیں ان کے بچے بھی تو بھوکے ہوتے ہیں جو روزہ کی عمر میں پہنچے ہی نہیں ہوتے۔ پس صدقہ وخیرات میں کثرت سے آگے بڑھیں اور جس حد تک کسی کی توفیق ہے وہ اگر خود کسی غریب تک پہنچ سکتا ہے تو پہنچے ورنہ جماعت کی وساطت سے صدقہ وخیرات میں زیادہ سے زیادہ آگے بڑھنے کی کوشش کرے۔

جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا رمضان مبارک ایک قسم کی عبادتوں کا معراج بن جاتا ہے۔ اس مضمون کو حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے یوں بیان فرمایا:۔

اِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ بَابٌ وَبَابُ الْعِبَادَةِ الصِّيَامُ. (جامع الصغیر) ہر چیز کا ایک رستہ اور ایک دروازہ ہوا کرتا ہے اور عبادت کا دروازہ رمضان ہے۔ اگر رمضان میں تم عبادتوں میں داخل نہ ہوئے تو پھر کبھی نہیں ہوگے۔

اس کے بہت سے معانی ہو سکتے ہیں لیکن ایک معنی جو عام فہم اور روزمرہ ہمارے مشاہدے میں ہے وہ یہ ہے کہ جس کو رمضان میں عبادت کی توفیق نہ ملے اس کو سارا سال عبادت کی توفیق نہیں ملتی۔ پس یہ وقت ہے عبادت کرنے کا۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ زمین کے دروازے تو بند رکھو اور اس

رستے پر داخل ہو جاؤ جس کے آگے پھر آسمان کے دروازے لگے ہوئے ہیں۔ وہ بند ہوں یا کھلے ہوں، پھر تمہیں اس سے کیا۔ پہلے اپنی زمین کے دروازے تو کھولو۔ پس حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر دروازوں کے حوالے سے ایک بات کی ہے اس کے مفہوم کو سمجھو اور پہلی بات کے ساتھ اس کا تعلق جوڑو۔ دروازے تو کھلتے ہیں، کن کے لئے؟ رمضان میں جن کے اپنے دروازے عبادت کے لئے کھل جاتے ہیں اور رمضان ان کے لئے کھلا دروازہ بنتا ہے۔ اب رمضان کو دروازہ کہنے میں یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا کہ کیوں رمضان میں بعض لوگ محروم ہو جاتے ہیں کیونکہ دروازہ کھلتا بھی ہے اور بند بھی ہو جاتا ہے۔ اس کو رستہ تو نہیں فرمایا، دروازہ فرمایا ہے۔ فرمایا ہے عبادت کا دروازہ مگر جس پر کھلے گا وہی توفیق پائے گا۔ اگر بند دروازے سے کوئی ٹکرا کر یا اسے کھٹکھٹا کر واپس چلا گیا تو اس سے کیا فائدہ۔ پس رمضان میں اپنی عبادت کی طرف بھی توجہ کریں اور اپنے بچوں کی عبادت کی طرف، اپنے ہمسایوں کی عبادت کی طرف، اپنے گردوپیش میں عبادت کے مضمون کو بیان کریں اور عبادت ایک ایسی چیز ہے جس میں داخل ہو کر واپسی کی گنجائش نہیں ہے۔ اگر عبادت میں ایک دفعہ آپ داخل ہو کر پھر باہر نکلنے کی کوشش کریں گے تو ساری عبادتیں رائیگاں جائیں گی بلکہ بعض اوقات پہلے سے بھی بدتر مقام تک پہنچ جائیں گے۔ عبادت کو پکڑے رہنا، عبادت پر صبر کرنا لازم ہے۔

اور اس پہلو سے ایک بہترین موقع ہے دنیا کی تربیت کا۔ دنیا بھر میں جماعتوں کو بڑے مسائل میں سے ایک یہ مسئلہ درپیش ہے کہ بعض نوجوان جو نئی نسلوں کے پیدا ہونے والے ہیں، نئی نسلوں کے تربیت پانے والے ہیں۔ ماحول کی کثافت اور گندگی سے متأثر ہو گئے ہیں، وہ عبادتیں چھوڑ بیٹھے ہیں۔ اور اس ضمن میں صرف نوجوانوں کی بحث نہیں، بعض خواتین مجھے خط لکھ کر سب سے زیادہ درد یہ پیش کرتی ہیں کہ ہمارا خاوند ویسے ٹھیک ہے، سب کچھ ہے، ہمیں کوئی شکوہ نہیں، مگر نماز نہیں پڑھتا۔ تو اللہ تعالیٰ ان بدنصیبوں کے نصیب جگا دے، ان کے مقدر روشن فرمائے۔ یہ عبادت تو ایک ایسی چیز ہے جس کے بغیر زندگی نہیں ہے۔ یہ تو روزمرہ کا سانس ہے، روزمرہ کا پانی ہے، اگر عبادت نصیب نہیں تو روحانی زندگی کا کوئی تصوّر ہی نہیں ہے۔ پھر خواہ دنیا کے لحاظ سے اچھا ہو، کیسا ہی ہو، دنیا میں اسلام سے باہر بھی تو اچھے اچھے لوگ نظر آتے ہیں۔ ہر مذہب میں بلکہ لامذہب لوگوں میں بھی بعض جگہ جہاں ملّائیت زیادہ ہو وہاں لامذہب لوگوں میں زیادہ شرافت نظر آتی ہے بہ نسبت ملّائیت

سے متأثر لوگوں کے۔ مگر اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ صرف اتنا ہے کہ ایسے لوگوں سے لوگوں کو شر نہیں پہنچتا، وہ اسلام کا ایک پہلو اپنے اندر رکھتے ہیں لیکن خود امن میں نہیں آتے۔ خود امن میں آنا تو اسلام کے دوسرے پہلو سے تعلق رکھتا ہے۔ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ کہ جو اللہ کے لئے صاف اور ستھرا ہو کر اس کے حضور سر جھکا دے تو اچھے لگتے ہیں یہ لوگ۔ دنیا کو ان سے کوئی شر نہیں پہنچتا لیکن بدنصیب ہیں کہ خود اس فیض سے محروم ہیں جو اسلام کے اعلیٰ معنے میں داخل ہے جن کا تعلق اللہ سے ہے اور اللہ کے حضور سر تسلیم خم کرنے سے ہے، اس کے سپرد ہو جانے سے ہے۔ اس پہلو سے عبادت کے بغیر یہ ممکن نہیں ہے۔ پس رمضان مبارک میں اپنی، اپنے گھر والوں کی، اپنے ماحول کی جہاں جہاں تک آپ کی رسائی ہو، اس پہلو سے تربیت کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کو عبادتوں پر قائم فرمائے اور عبادتوں کا ذوق عطا فرمائے اور اس مہینے میں ایسی عادت پڑ جائے کہ پھر چُھٹے نہیں۔ دیکھو بد لوگوں کو تو بعض دفعہ چند دن کی بدی سے عادت پڑ جاتی ہے۔ یہ جب Drugs کے متعلق ایک پروگرام آ رہا تھا جس میں سکول کے بچوں سے پوچھا جا رہا تھا کہ بتاؤ تم پر کیا گزری، تمہیں آخر کیا سوجھی کہ جانتے بوجھتے ہوئے اس کی بدیوں کو پہچانتے ہوئے تم نے ڈرگ اختیار کر لی اس کے عادی بن گئے۔ تو اکثر بچوں نے جواب دیا وہ یہی تھا کہ ہمیں نہیں پتا تھا کہ ایک دفعہ استعمال کرنے سے ہی عادت پڑ جائے گی۔ ہمارے دوستوں نے جو بڑے تھے جو یہ کیا کرتے تھے ہمیں کہا پہلے چکھ کے تو دیکھو ذرا تھوڑی سی ہے کیا فرق پڑتا ہے اور دیکھا دیکھی اس عجوبے کے طور پر کہ دیکھیں کیا چیز ہے ایک دفعہ جب استعمال کی تو جب وہ اثر ختم ہوا تو دل میں ایک کُرید سی لگ گئی کہ اور بھی دیکھیں کیا ہے اور پھر وہ چلتے چلتے ایسی بھوک بن گئی کہ جس سے انسان تلملانے لگتا ہے اور جب تک اس بھوک کا پیٹ نہ بھرے اس وقت تک اس کو چین نصیب نہیں ہوتا، تو بدیوں میں بھی تو لوگ چند دن میں عادت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

نیکی کو اگر اس طرح آپ اختیار کریں کہ اس کا لطف حاصل کرنے لگیں پھر آپ کو ضرور عادت پڑے گی۔ پس عادت ڈالنی ہے تو اس کا دوسرا قدم بھی اٹھائیں اور عبادت سے لطف اندوز ہونے کی کوشش کریں اور لوگوں کو طریقے سمجھائیں کہ کس طرح عبادت میں لطف اٹھایا جاتا ہے۔ ایک دفعہ جب میں نے عبادات کے مضمون پر سلسلہ شروع کیا تھا تو ایک خاتون نے مجھے لکھا کہ میرے بچے کو یہ سن سن کر پوری بات سمجھ آتی بھی نہیں تھی لیکن نماز کی عادت پڑ گئی۔ چھوٹا سا معصوم بچہ

اور ضرور میرے ساتھ کھڑا ہو جاتا تھا اور سجدے کرتا تھا، ایک دفعہ وہ سجدے میں کچھ بول رہا تھا میں نے کہا کیا ہے۔ کہتا تم سے نہیں بات کر رہا، میں اللہ میاں سے بات کر رہا ہوں۔ اب دیکھیں اس کو اس میں بھی لطف آتا تھا تو کیوں آپ عقل والے ہوکر، بڑے ہوکر، عبادت اس طرح ادا نہیں کرتے کہ اس سے لطف آنا شروع ہو جائے اور یہ لطف بھی اللہ سے مانگنا ہوگا۔ پس اس مہینے عبادت پر قائم ہوں اگر پہلے آپ کو لطف نہیں آتا اور صرف عادت ہے تو دعا مانگیں اور کوشش کریں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو عبادت کا لطف عطا کرے۔ پھر اپنے گھر والوں کے لئے یہ کوشش کریں اور ان کے لئے بھی یہ دعا کریں کہ اے اللہ رمضان کے چند دن ہیں گزر جائیں گے بعد میں ہم کہاں ٹکریں مارتے پھریں گے۔ وہ نیکیاں جواب قریب آ گئی ہیں، جنت قریب آنے کا یہ بھی تو مطلب ہے کہ نیکیاں آسان ہو گئی ہیں، پہنچ میں آ گئی ہیں ہاتھ بڑھاؤ تو نیکی ہاتھ آ سکتی ہے ایسے وقت میں ہمیں نیکیاں عطا کر دے اور ایسی عطا کر کہ پھر آ کر جانے کا نام نہ لیں، ایک دفعہ آئی تو ہماری ہو کر رہ جائیں۔ **اس پہلو سے نمازوں کو قائم کریں اور نمازوں کے لطف اٹھائیں اور اٹھانے کی کوشش کریں اور اپنے ماحول میں نماز کو قائم کریں کیونکہ سب سے زیادہ نحوست کسی قوم پر عبادت سے دوری ہے۔ مذہبی قوم کہلاتی ہو اور عبادت سے عاری ہو جائے تو کچھ بھی اس کا باقی نہیں رہتا اور وہ قومیں جو عبادت پر قائم ہوں اور اس کے مزاج سے عاری ہوں، اس کے عرفان سے خالی ہوں، ان کی زندگی بھی ویران رہتی ہے، ان کو کچھ نصیب نہیں ہوتا۔**

اس لئے جماعت احمدیہ کو میں جس عبادت کی طرف بلا رہا ہوں وہ وہ ہے جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی عبادت تھی جس سے سینے ہی آباد نہیں ہوتے بلکہ اس کے گردوپیش روشن ہو جاتے ہیں وہ ایسے لوگ بن جاتے ہیں جن کے متعلق قرآن فرماتا ہے۔ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ کہ ان کا نور ان کے سینوں سے باہر آ کر ان کے آگے آگے چلتا ہے اور دوسروں کے لئے بھی ہدایت کا موجب بنتا ہے۔ پس وہ تو سچی اور گہری عبادت سے حاصل ہو سکتا ہے ورنہ تو آنحضرت ﷺ نے اس زمانے ہی کے ذکر میں فرمایا کہ مَسَاجِدُهُمْ عَامِرَةٌ وَّهِيَ خَرَابٌ مِّنَ الْهُدٰى ایسی مساجد بھی ہوں گی اس زمانے میں، جو بھری ہوئی ہوں گی لیکن ہدایت سے خالی اور ویران۔ پس اپنی عبادتوں کو خالی اور ویران نہ بننے دیں بلکہ ہدایت سے پُر کریں، پھر ان سے وہ نور

نکلے گا جو آپ کے ماحول کو روشن کرے گا، آپ کے گرد و پیش کو روشن کرے گا، آپ کو ترقی کے نئے رستے دکھائے گا، آپ کے آگے آگے چلے گا اور اس کے فیض سے پھر آپ دنیا کو بھی حقیقی عبادت کا ذوق عطا کرنے کی اہلیت حاصل کر لیں گے۔

حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ''جب رمضان سلامتی سے گزر جائے تو سمجھو کہ سارا سال سلامت ہے'' (دار قطنی بحوالہ جامع الصغیر)۔ اب رمضان کے سلامتی سے گزر جانے کا مطلب یہ ہے کہ جو رُخ رمضان نے اختیار کر لیا وہ قائم ہو گیا اور دائمی ہو گیا۔ جس طرح ایک بندوق کی نالی سے گولی نکلتی ہے تو جس طرف نالی کا رخ ہے پھر جب تک دوسرے عوامل اس کا رخ موڑ نہیں دیتے وہ اسی طرف چلتی رہتی ہے۔ اگر ہوا نہ ہو، کشش ثقل حائل نہ ہو، دوسری اور ایسی باتیں جو کسی حرکت کرنے والے کی حرکت میں حائل ہو جاتی ہیں، وہ درپیش نہ ہوں تو ہمیشہ ہمیش کے لئے اسی رخ پر وہ گولی چلتی رہے گی تو رمضان کا سلامتی سے گزر جانے کا مطلب ہے، ایک مہینہ، تیس دن کی عبادتوں کی عادت، نیکی کی عادت اتنی پختہ ہو چکی ہو کہ رمضان سے نکل کر بھی قبلہ وہی رہے جس قبلے کی طرف تم رمضان میں روانہ تھے وہ رخ نہ بدلے اور سارا سال سلامتی سے گزر گیا کا یہ مطلب ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ رمضان سے پیچھا چھڑاتے ہی ہر نیکی سے چھٹی کر جاؤ اور کہو چلو جی اب سال گزر گیا۔ سال گزرنے میں نصیحت یہ ہے کہ سلامتی میں کہتا ہی اس کو ہوں جس کے نتیجے میں سال بھر کو سلامتی نصیب ہو۔ **مہینے کی سلامتی نہیں، ایک مہینہ سارے سال کی ضمانت لے کر آئے وہ رمضان ہے جس کو کہا جا سکتا ہے کہ سلامتی سے گزر گیا۔**

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو روزہ دار جھوٹی بات اور غلط کام نہیں چھوڑتا اللہ تعالیٰ کو اس کے کھانے پینے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ (بخاری کتاب الصوم) چھوڑے نہ چھوڑے، جو مرضی کرتا پھرے۔ اللہ تعالیٰ کو اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ اس نے میری خاطر کھانا چھوڑ دیا اور پانی پینا بند کر دیا۔ جو چھوڑنے والی باتیں ہیں وہ یہ ہیں حقیقت میں اور جو چھڑائی جا رہی ہیں وہ تو جائز باتیں ہیں وہ تو عارضی طور پر بد باتوں کو چھڑانے کے لئے آپ کو ایک ورزش کروائی جا رہی ہے۔ تو عجیب بات ہے کہ لوگ وہ باتیں جو حلال ہیں اور جائز ہیں وہ تو چھوڑ دیتے ہیں روزوں میں، اور جو حرام ہیں وہ نہیں چھوڑتے اور بڑی بھاری تعداد ایسے بے وقوفوں

کی ہے اور اگر آپ اپنے آپ کا جائزہ لیں تو اس بے وقوفی میں کسی نہ کسی حد تک تقریباً ہر انسان ہی مبتلا رہتا ہے۔ بڑے گناہ نہیں چھوٹے گناہ کرتا رہتا ہے، لغویات میں مصروف رہتا ہے۔

پس روزے رکھنے میں جو جائز چیزوں کو چھوڑنا ہے اس میں یہ سبق ہے کہ جائز چھوڑ رہے ہو خدا کا خوف کرو، ناجائز کی جرأت کیسے کرو گے اللہ کی خاطر تم کہتے ہو کہ ہمیں ایسا پیار ہے خدا سے اس کی خاطر حلال چیزیں چھوڑنے پر آمادہ بیٹھے ہیں اور حرام نہیں چھوڑ سکتے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھے اس کے روزے میں کوئی دلچسپی نہیں۔ کوئی اس کو فائدہ نہیں ہوگا۔ پس خصوصیت سے جھوٹی بات سے پرہیز، یہ ایک بہت ہی اہم اور عظیم نصیحت ہے اگر وہ لوگ جن کو جھوٹ کی عادت ہے اور بسا اوقات وہ جھوٹ بولتے ہیں، ان کو پتا بھی نہیں لگ رہا ہوتا کہ جھوٹ بول رہے ہیں لیکن کبھی کبھی یاد بھی آجاتا ہے کہ ہاں ہم جھوٹے ہیں اگر خود وہ سوچیں تو پھر ان کو جھوٹ دور کرنے کی طرف توجہ پیدا ہو۔ مصیبت یہ ہے کہ جب کوئی دوسرا کہے تو نہ صرف یہ کہ مانتے نہیں بلکہ غصہ کرتے ہیں اور جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم جھوٹ نہیں بولتے۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں۔

ایک دفعہ ہمارے ہاسٹل میں ایک لڑکا ہوا کرتا تھا وہ جھوٹا مشہور تھا اور اس سے میں نے بات کی تو کہتا ہے کہ ''خدا دی قسم اے میں تے کدی وی جھوٹ نہیں بولیا'' کہ لو جی ''لوجی'' بھی بہت کہنے کی عادت تھی کہ لو یہ کیا بات ہوئی۔ میں اللہ کی قسم کھا کے کہتا ہوں میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور وہ جھوٹ بول رہا تھا کیونکہ ہر وقت جھوٹ بولتا تھا تو بعض لوگوں کو پتا نہیں لگتا۔ لیکن سب سے مہلک بیماری جھوٹ ہے، ہر نیکی کو کھا جاتی ہے، یہ وہ تیزاب ہے جس سے سونا بھی پگھل جاتا ہے۔ ''ایکوار یجا'' اس تیزاب کو کہتے ہیں جس سے سونا بھی نہیں بچتا تو یہ تو ہر نیکی کو کھانے والا تیزاب ہے اس سے بچنے کی کوشش کریں اور اپنے گھروں کو خصوصیت سے سچائی کی آماجگاہ بنائیں۔ اپنی بیویوں پر اپنے بچوں پر نظر رکھیں اور اگر آپ جھوٹے ہیں تو بیوی کو چاہئے کہ وہ آپ پر نظر رکھے۔ بچے میری آواز سن رہے ہیں اور مجھے پتا ہے کہ آج کل احمدی بچوں کو بہت زیادہ شوق ہے اپنے بڑوں کی تربیت کرنے کا۔ وہ جو بات سن لیتے ہیں معصومیت سے اسے پلے باندھ لیتے ہیں اور پھر بڑے کو کرتے دیکھتے ہیں کہتے ہیں دیکھو دیکھو ہم لکھ دیں گے حضرت صاحب کو، کہ تم یہ کیا کر رہے ہو اور کئی ماں باپ مجھے لکھتے ہیں کہ ہمیں بڑا لطف آیا بات سن کر۔ ان کی نصیحتیں ان کو پیاری بھی لگتی ہیں اور ان کے دل پر اثر

بھی کرتی ہیں۔اگر محلے والا کوئی آ کے کہتا تو شاید اس پر مرنے مارنے پر یا لڑنے پر آمادہ ہو جاتے۔ پس بچوں کو میں کہہ رہا ہوں جو میرے مخاطب ہیں میرے سامنے ٹیلی ویژن پر بیٹھے ہوں گے وہ تیار ہو جائیں مربی بننے کے لئے ،مگر گستاخی نہ کریں، ماں باپ آپ کے بڑے ہیں۔ان سے تَن کر نہ بولنا۔ ادب اور پیار سے ان کو سمجھائیں تو انشاء اللہ آپ کی باتوں کا نیک اثر پڑے گا۔ یہ جو آپ نے محاورہ سن رکھا ہے کہ پھول کی پتی سے ہیرے کا جگر کٹ سکتا ہے،تو اے احمدی بچو تم وہ پھول کی پتیاں ہو جن سے سخت جگر بھی کٹ سکتے ہیں۔ اگر پیار سے اللہ کی خاطر ، ہمدردی سے، اپنے بڑوں کو نصیحت کرو گے تو دیکھنا انشاء اللہ ان کے دل پر اس کا کیسا گہرا اثر پڑے گا۔تو تم بھی نگران ہو جاؤ اور اپنے گھروں میں جھوٹ کو داخل ہونے کی اجازت نہ دو اور جو داخل ہوئے ہیں ان کو دھکے دے دے کر باہر نکال دو۔

وہ جماعت جو جھوٹ سے پاک ہو جائے اور اس زمانے میں جبکہ جھوٹ نے ساری انسانی زندگی پر قبضہ کر رکھا ہے۔اس کی بقا کی آسمان ضمانت دے گا خدا ضمانت دے گا۔کوئی دنیا کی طاقت آپ کا بال بیکا نہیں کر سکے گی اگر آپ سچے ہو جائیں۔عقائد میں سچے ہیں، اعمال میں سچا ہونے کی کوشش کر رہے ہیں،مگر روزمرہ کی زندگی میں جھوٹ کے زہر سے اپنے اعمال کو روز بروز ضائع کرتے چلے جاتے ہیں کیونکہ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے یہ تیزاب ہے جو نیکیاں کھاتا جاتا ہے اور پھر اس کے نتیجے میں ہمارے معاشرے میں بہت سخت تکلیفیں پھیلتی ہیں۔جھوٹ کے نتیجے میں کئی طلاقیں ہوتی ہیں، کئی گھر جہنم بنے رہتے ہیں اور روزمرہ کی جھوٹ کی عادت سے انسان اپنے باہر کے نقصان بھی کراتا ہے۔تجارتوں میں بے برکتی پڑ جاتی ہے جو شراکتیں ہیں وہ ناکام ہو کر ٹوٹ جاتی ہیں اور تلخیاں پیچھے چھوڑ جاتی ہیں۔ یہ تو بہت ہی خبیث چیز ہے۔اس لئے اس رمضان میں جھوٹ کے خلاف بھی جہاد کریں اور جھوٹ کے خلاف جہاد میں بڑی کثرت کے ساتھ دعائیں کریں۔چھوٹے بڑے سب دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں جھوٹ کی لعنت سے نجات بخشے۔

اور میں جو بار بار کہہ رہا ہوں اس کی وجہ ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ بعض احمدی نیکیاں اختیار کرنے کے باوجود جھوٹ کو اس شدت سے نہیں چھوڑ رہے جیسا کہ ایک سخت نفرت کے رویّے سے جھوٹ کو ترک کر، باہر پھینک دینا چاہئے اس طرح دلوں سے اکھیڑ کر باہر نہیں پھینکا ہوا۔اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب ان کو ضرورت پیش آتی ہے تو جھوٹ بول جاتے ہیں۔یعنی روزمرہ نہیں بول

رہے ہوتے ہیں اگر گواہی دینی ہے کہیں، کہیں اپنے مقصد کی بات ہو، کہیں کسی جرم سے، کسی سزا سے بچنا ہو، کہیں اسائلم ڈھونڈ نا ہو، کہیں اور اس قسم کے معاملات ہوں جہاں روزمرہ ان کی زندگی کو فائدہ ہوگا تو پہلا خیال ہی ان کے دماغ میں جھوٹ کا آتا ہے کہ کس طرح جھوٹ بولیں کہ ہم اس مصیبت سے بچ جائیں اور فلاں فائدہ حاصل کرلیں۔

ایک انشورنس ہے، اس کا ناجائز استعمال ہے۔ روزمرہ کی زندگی میں حکومت کچھ دلوا رہی ہے اور آپ اپنا کام کر رہے ہیں۔ اگر کر رہے ہیں تو پھر پکڑے جانے پر اس کے عواقب کے لئے بھی تیار رہیں۔ کیوں آپ کرتے ہیں؟ اگر تو اس یقین کے ساتھ کرتے ہیں کہ اگر ہم پکڑے گئے تو ہم مانیں گے اور اس سے بڑی بدی میں مبتلا نہیں ہوں گے۔ اگر ایسا یقین ہو تو اکثر آپ میں سے کام ہی چھوڑ کے بھاگ جائیں لیکن جو کرتے ہیں اکثر ان کے دل میں اسی قسم کے چور چھپے ہوئے ہیں وہ کہتے ہیں اگر پکڑے گئے تو ہم نے یہ کہنا ہے ہم تو یوں کر رہے تھے اور یہ بات ہو رہی تھی یا غلط اطلاع دی گئی ہے جھوٹ ہے، جھوٹے الزام ہیں۔ پس ہر انسان کے جسم کے اندر اس کے دل میں اس کے رگ و پے میں جھوٹ کے چور چھپے ہوئے ہیں اور حقیقت میں اگر وہ غور کرے تو خدا سے بڑھ کر ان کی عبادت کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب سخت مصیبت کا وقت آتا ہے تو بعض مشرک بھی میری طرف دوڑتے ہیں اور مجھ سے مدد مانگتے ہیں۔ جب سمندر میں ہواؤں کے مزاج بدل جائیں اور لہریں کشتی کو اس طرح تھپیڑے دینے لگیں کہ کسی وقت بھی وہ غرق ہوسکتی ہو اس وقت مشرک بھی خدا کو پکارنے لگتا ہے۔ اس مؤحد کا کیا حال ہوگا جب وہ زندگی میں ادنیٰ سی مشکلات کا سامنا کر رہا ہو، جب اس کی کشتی کو معمولی ہچکولے لگ رہے ہوں اور وہ خدا کی طرف دماغ لے جانے کی بجائے کسی جھوٹ کی طرف مائل ہو رہا ہو تو اس جھوٹ کو خدا بنانے کے مترادف بات ہے اور بہت ہی مکروہ بات ہے۔ ساری عمر کی توحید کو یہ جھوٹ کھا جاتا ہے اور باطل کر دیتا ہے۔

پس جھوٹ سے بچنے کی پہچان یہ ہے کہ اپنے اعمال پر غور کریں اور یہ فیصلہ کرتے رہیں بار بار کہ اس عمل کے نتیجے میں اگر میں کبھی ایسے مقام پہ پہنچوں جہاں مجھے کوئی خطرہ درپیش ہو تو آیا میں جھوٹ کا سہارا لئے بغیر سزا کو خوشی سے قبول کرتے ہوئے اپنی توحید کا سچے دل سے اقرار کرسکتا ہوں کہ نہیں۔ توحید کے ساتھ وفا دکھا سکتا ہوں کہ نہیں۔ اگر نہیں تو پھر اس کی زندگی میں خطرے کا الارم بج

رہا ہے۔ ہر وقت وہ ان خطرات کا سامنا کر رہا ہے جو مشرک کو درپیش ہوتے ہیں۔

اس لئے جب کامل یقین اور سچائی کے ساتھ آپ اپنے نفس کا معائنہ کرتے ہیں اور پھر جھوٹ کو کرید کرید کر باہر نکال پھینکتے ہیں تو پھر توحید آپ کے دل میں جاگزین ہوتی ہے اور پھر کسی جھوٹ کی ضرورت نہیں رہتی۔ پھر خدا آپ پر اس طرح جلوہ گر ہوتا ہے اور اسی طرح آپ کی حفاظت میں اور آپ کی پناہ میں کھڑا ہو جاتا ہے کہ پھر ان باتوں کی ضرورت ہی کوئی نہیں رہتی تب انسان کو پتہ لگتا ہے کہ امن کیا ہے۔ سلام کے کیا سچے معنی ہیں۔ اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دینا کیا ہوتا ہے۔ پس سلامتی سے جس مہینے میں سے گزرنے کا ذکر ہے اس میں یہ بنیادی سلامتی ہے۔ توحید حاصل کر لیں اور اللہ کی پناہ میں آ جائیں۔ اگر آپ کو یہ نصیب ہو تو یقین کریں کہ آپ کا مہینہ ہی سلامتی سے نہیں گزرا بلکہ سال سلامتی سے گزر گیا ہے اور پھر ایک اور سلامتی کے مہینے میں سلامتی ہو جائے گا یعنی ساری زندگی آپ کی سلامتی میں گزر گئی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

روزہ جسم اور روح کی زکوۃ ہے۔
قیام نماز اور مالی قربانی سے خدا آپ میں نور پیدا کرے گا۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 25 رفروری 1994ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے مندرجہ ذیل آیات تلاوت کریمہ کیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۗ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٣٤﴾ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ ۖ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ ﴿٣٥﴾ (التوبہ:۳۴-۳۵)

پھر فرمایا:۔

جن آیات کی میں نے تلاوت کی ہے اس کے مضمون میں داخل ہونے سے پہلے میں ایک اور بات کا اعلان کرنا چاہتا ہوں۔کل کا دن جماعت کی تاریخ میں ایک بہت ہی روشن دن تھا یعنی 13 رمضان۔کل سے پورے سوسال پہلے قادیان کے افق پر اور وہ افق مکہ تک پھیلا ہوا تھا خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ تیرہ سو سال میں پہلی بار اس عظیم الشان پیشگوئی کا ظہور ہوا جو حضرت رسول ﷺ کے

مہدی کی صداقت کا نشان تھا۔ وہ پیشگوئی آنحضرت ﷺ کی صداقت کا ایک عظیم نشان تھی اور اس کا ذکر اس حدیث میں ملتا ہے کہ:

''اِنَّ لِمَهْدِيِّنَا آيَتَيْنِ لَمْ تَكُوْنَا مُنْذُ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَنْكَسِفُ الْقَمَرُ لِاَوَّلِ لَيْلَةٍ مِّنْ رَمَضَانَ وَتَنْكَسِفُ الشَّمْسُ فِى النِّصْفِ مِنْهُ وَلَمْ تَكُوْنَا مُنْذُ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔'' (سنن دارقطنی باب صفۃ صلوۃ الخسوف والکسوف)

اس پیش گوئی سے متعلق انشاء اللہ تفصیلی گفتگو تو بعد میں ہوگی لیکن چونکہ کل رمضان مبارک کی وہ تیرہ تاریخ تھی جبکہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے عشاق کی نگاہیں آسمان پر حمد وشکر سے لبریز ہو کر اس حالت میں پڑتی تھیں کہ روحیں سجدہ ریز تھیں اور نظر اس آسمانی نشان پر تھی اور انتظار میں تھے کہ کتنے دن اور سورج کے گرہن کا نشان ظاہر ہونے میں باقی ہیں۔ ایک ایک دن کاٹ کر کٹے اور پھر سورج کی وہ 28 تاریخ پہنچی جس میں دن کے وقت سورج نے بھی گہنایا جانا تھا اور اس طرح حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی عظیم پیشگوئی پوری ہوئی۔

یہ عجیب بات ہے کہ اگر چہ دنیا میں بہت سے مہدویت کے دعوے داروں کا ذکر ملتا ہے لیکن ساری تاریخ کو کھنگال کر دیکھ لو ایک بھی دعوے دار ایسا نہیں جس نے چانداور سورج کے گرہنوں کو اپنی صداقت کے نشان کے طور پر پیش کیا ہو۔ جو دعوے کے بعد خود منتظر رہا اور اس کے ماننے والے منتظر رہے ہوں کہ کب آسمان سے یہ نشان ظاہر ہوں گے اور ان کے دشمن بھی منتظر رہے ہوں کہ ان نشانات کے ظاہر ہونے سے پہلے یہ دعوے دار مر جائے اور ہم اپنی آنکھوں سے اس کا جھوٹا ہونا دیکھ لیں۔ یہ دوہرے انتظار کی کیفیت تھی جو 1889ء سے شروع ہوئی جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے با قاعدہ مہدویت کے دعوے کے بعد جماعت کی بنیاد رکھی اور اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ 1894ء میں یہ پیشگوئی اپنی تمام کمال شان کے ساتھ پوری ہوئی۔

ہم اس سال میں داخل ہوئے ہیں جو آسمانی گواہیوں کا سال ہے۔ زمین کی گواہیاں تو یہ لوگ رد کر بیٹھے ہیں اب آسمان سے گواہیاں اتر رہی ہیں اور ٹیلی ویژن کے ذریعے سب دنیا کا جماعت احمدیہ کے پیغام کو سننا بھی ایک آسمانی گواہی ہے اور یہ عجیب اللہ کی شان ہے کہ اسی سال میں

یہ دونوں باتیں اپنے درجہ کمال کو پہنچی ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ کے ان احسانات کا جماعت جتنا بھی شکر ادا کرے اتنا ہی کم ہے مگر ان خوشیوں کے ساتھ کچھ کانٹے بھی تو ہیں وہ کانٹے وہ ہیں جو دشمن کے دل کا عذاب ہے اور ہماری راہ کے کانٹے بن جاتے ہیں اور یہ پیشگوئی بھی لازماً پوری ہونی تھی کیونکہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے ان غلاموں کے حق میں جنہوں نے آخرین میں ظاہر ہونا تھا خصوصیت سے یہ تمثیلی پیش کی گئی تھی کہ ان کی مثال تو ایسے ہی ہے جیسے ایک بیج بویا جائے، اس میں سے کونپل پھوٹے، پھر وہ اپنے ڈنٹھل پر کھڑی ہو کر مضبوط ہونے لگے اور بہت خوش نما دکھائی دے۔ زرّاع وہ بونے والے ہاتھ اور وہ بونے والے دل جنہوں نے اس کھیتی کو بویا ہو اس سے بہت خوشی محسوس کریں۔ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ وہ کھیتی اس شان کے ساتھ نشو و نما پائے کہ بونے والوں کے دلوں کو خوشیوں سے بھر دے۔ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ مگر یاد رکھو کہ ان کے منکر ضرور غیظ و غضب میں مبتلا ہوں گے۔ ایک طرف اس کھیتی کی نشو و نما دلوں کو خوشیوں سے بھر رہی ہو گی اور دوسری طرف ان کے دشمن اسے دیکھ دیکھ کر غیظ و غضب میں مبتلا ہوں گے۔

پہلے زمینی ذرائع سے کام لے کر زمین میں ہونے والے نشانات کے منہ بند کرنے کی کوشش کی جاتی تھی اب آسمان سے نشان ظاہر ہو رہے ہیں۔ بند کر کے دکھاؤ۔ ان کا رستہ روک کر دکھاؤ۔ تم میں طاقت نہیں ہے کہ اس رستے کو روک سکو۔ پھونکوں سے اللہ کے جلائے ہوئے چراغ بھی کہیں بجھائے جاتے ہیں!!

تم نے ربوہ والوں کا چراغاں روک دیا مگر ربوہ کی طرف سے جو چراغاں ہم نے کل عالم کو دکھایا ہے اسے کس طرح روک سکو گے؟ یہ وہ چراغ نہیں ہیں جو تمہاری پھونکوں سے بجھ سکیں۔ تمہارے سینے کی آگ بھی ظاہر ہوتی ہے اور دنیا دیکھتی ہے مگر وہ روشنی کے چراغ جو اللہ نے احمدیوں کے سینوں میں روشن کر دیئے ہیں اور تمام دنیا میں اس سے نور ہی نور پھیل رہا ہے ان کی راہ تم نہیں روک سکتے اور ان شمعوں کو تم نہیں بجھا سکتے۔ یہ آسمان سے نازل ہونے والے نور ہیں ان پر بندے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔

پس اہلِ ربوہ کو اب خوش ہونا چاہئے کہ پہلے تو ان کی خوشیوں کی آواز دبا دی جاتی تھی اب

وہ آواز نہیں دبے گی۔ان کی خوشیاں منانے والے سارے عالم میں ان کی طرف سے خوشیاں منائیں گے اور یہ خوشیوں کے دن بڑھنے والے ہیں پھیلنے والے ہیں روشن سے روشن تر ہونے والے ہیں۔ وہ دن ہیں جو راتوں کو بھی دن بنا دیں گے۔اس لئے جماعتِ احمدیہ کو ان تکلیفوں پر کسی غم اور دکھ کی ضرورت نہیں۔ یہ ہماری کامیابیوں کا ایک لازمی حصہ ہے۔قرآن کو کیسے بدلا جا سکتا ہے۔قرآن کی پیش گوئی ہے کہ تم جب جب آگے بڑھو گے تب تب دشمن کو تکلیف پہنچے گی۔ پس یہ تکلیف بھی ایک نشان ہے اور ہمارا آگے بڑھنا بھی ایک نشان ہے۔اس راہ میں آگے سے آگے بڑھتے چلو۔خدا کی تائید تمہارے ساتھ پہلے سے بڑھ کر قوت کے مظاہرے کر رہی ہے، پہلے سے زیادہ بڑھ کر روشن نشان دکھا رہی ہے اس قافلے کا رُخ اب آگے کی طرف اور بلندی کے بلند تر منازل کی طرف ہے اور انشاءاللہ تعالیٰ یہ جماعت پہلے سے کہیں زیادہ تیزی کے ساتھ آگے بڑھ رہی ہے اور بڑھتی چلی جائے گی۔

رمضان مبارک میں دعا مانگیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں عباد الشکور بنائے۔ جتنے احسان خدا کے نازل ہوئے ہیں حقیقت میں ہم مجسم شکر بن جائیں، ہمارا رُواں رُواں شکر ہو جائے تب بھی ان کا حق ادا نہیں ہو سکتا اور جو شکر، جتنا بھی ہم ادا کرتے ہیں وہ آسمان پر پھر قبول ہو رہا ہے اور پھر رحمتیں بن کر ہم پر برسنے والا ہے۔

پس یہ تو ایک ایسا دور ہے جو لا متناہی روحانی لذتوں کا دور ہے اب تو نشے میں ڈوب کر آگے بڑھنے کا معاملہ ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ آپ دیکھیں گے کہ دن بدن اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے فیض پہلے سے بڑھ کر شان کے ساتھ اتریں گے اور آسمان کے رنگ زمین کے رنگ بدل دیں گے۔ یہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئی ہے۔آپ کو الہامًا بتایا گیا تھا کہ آراء تبدیل کی جائیں گی۔ یہ رنگ بدلے جائیں گے اور دیکھیں انشاء اللہ تعالیٰ دن بدن ایسا ہی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو جو اس وقت زندہ ہیں اس خوشیوں کی زندگی میں آگے بڑھائے۔ہم اپنی آنکھوں سے یہ نشان پورے ہوتے دیکھیں اور ہماری آنکھیں ہمارے دل کے لئے مسرتوں کی بارش برساتی رہیں اور ہمارے دل اس سے سیراب ہوتے رہیں۔

قرآن کا محاورہ ہے آنکھیں ٹھنڈی کرنا۔ میں نے جب آنکھوں کی بات کی تو میرے ذہن میں وہ آنکھیں ٹھنڈی کرنے کی بات تھی۔ میں نے سوچا کہ دل کے ٹھنڈا ہونے کا ذکر نہیں، آنکھوں

کے ٹھنڈا ہونے کا ذکر ہے۔اس سے یہ مضمون میرے ذہن میں ابھرا جسے میں نے بیان کرنے میں شروع میں دقت محسوس کی کہ یہ آنکھوں کی ٹھنڈک ہے جو طراوت بن کر دل پر اترا کرتی ہے اور اس سے دل اپنی پاتال تک سیراب ہو جایا کرتا ہے۔ پس قرآن کریم نے بہت ہی پیارا محاورہ استعمال فرمایا ہے کہ قرۃ العین نصیب ہونے کی دعا مانگا کرو تو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے قرۃ العین کے سامان فرما دیئے ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ یہ بڑھتے چلے جائیں گے۔

اب میں اس آیت کے مضمون کی طرف آتا ہوں جس کی میں نے تلاوت کی تھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے وہ لوگو جو ایمان لائے۔

كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ

بہت سے ایسے دینی علم رکھنے والے اور بظاہر خدا کی یاد میں الگ ہو جانے والے پیر و فقیر یعنی علماء بھی اور پیر بھی ایسے ہیں کہ لوگوں کا مال باطل سے کھاتے ہیں اور باطل ذریعوں سے لوگوں کا مال کھانے والوں کی علامت کیا ہے؟ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وہ اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔اس طرح وہ پہچانے جائیں گے اور عجیب بات ہے کہ جماعت کے مخالفین کا رزق اللہ کے راستے سے روکنے میں رکھا گیا ہے۔قرآن کریم نے دوسری جگہ اس مضمون کو بیان فرمایا ہے۔کیا تم تکذیب میں اپنا رزق پاتے ہو، اس لئے تکذیب کرتے ہو کہ یہاں سے تمہیں رزق ملتا ہے، وہی مضمون ہے جسے یہاں باندھا گیا ہے کہ ایسے حرام مال کھانے والے تمہیں بظاہر نیک لوگوں میں ملیں گے۔ جبہ پوشوں میں ملیں گے علم کا دعویٰ کرنے والے۔خدا کی خاطر دنیا ترک کرنے والوں میں ملیں گے۔مگر ان کی پہچان کیا ہوگی؟ وہ خدا کے راستے میں روکیں ڈالیں گے اور یہی ان کا اموال کے کھانے کا ذریعہ بن جائے گا۔ یہ بات اس میں مضمر ہے لیکن اس کے علاوہ ایک اور گروہ کا بھی ذکر فرمایا ہے وہ ہے۔وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ لیکن کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو کمائی خود کرتے ہوں چاہے حلال ذریعے سے کریں چاہے حرام ذریعے سے کریں مگر مال کی محبت ایسی رکھتے ہیں کہ مال کو جمع کرنا ہی ان کی زندگی کا مقصد بن جاتا ہے۔ وہ چاندی اور سونا جمع کرنے میں اپنی عمریں گنوا دیتے ہیں اور ان کی نشانی کیا ہے کہ یہ خدا کو ناراض کرنے والے ہیں؟ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی توفیق نہیں پاتے اور یہ وہ دونوں

گروہ ہیں جو درحقیقت منکرین سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری دے دے۔ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ جب ان کی پیشانیاں اس دولت سے جو جمع کی ہے داغی جائیں گی اور ان کے پہلو بھی ان کی پیٹھیں بھی۔ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ۔ یہ کچھ ہے جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا پس آج اس اندوختے کا مزہ چکھو جو تم اپنے حق میں جمع کرتے رہے ہو۔ یہ جو نتیجہ ہے یہ دونوں پر برابر صادق آتا ہے۔ دو الگ الگ گروہ بیان ہوئے۔

اب دیکھیں جماعت احمدیہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان سے کتنی مختلف ہے۔ ان دونوں مثالوں پر غور کر کے دیکھیں۔ اس کا برعکس جماعت احمدیہ پر صادق آتا ہے۔ وہ حرام کمائی نہیں کرتے اور اللہ کی راہ سے روکتے نہیں بلکہ اللہ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ کی راہ کی طرف بلانے کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ اب یہ لوگ ان سے کتنے مختلف ہیں جن کا اس آیت میں ذکر گزر چکا ہے اور مال اور دولت کی محبت اس حد تک ان کے دلوں میں نہیں ہوتی کہ وہ اس سے دولتوں کے ڈھیر بنانے لگیں جائیں اور اپنے لئے خزانے جمع کرنے لگ مگر جب انہیں خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی طرف بلایا جائے تو اس میں تردد نہ کریں۔

لیکن ایک حصہ اس آیت کا بعض دفعہ مومنوں کی جماعت کے کمزور حصے پر کچھ نہ کچھ صادق آتا ہے۔ یہ دولت کا حصہ ہے، یہ دولت کمانے کا لازمی منفی نتیجہ ہے جو کسی نہ کسی حد تک انسان کو پہنچتا ہے اور وہ یہ ہے کہ دولت کی محبت کے نتیجے میں اس کو بڑھانے کی حرص بڑھتی چلی جاتی ہے اور ایسے لوگ جب وہ خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں تو بسا اوقات ان سے غلطی ہوتی ہے کہ اپنی توفیق کے مطابق نہیں کرتے جبکہ دوسری طرف غریب اپنی توفیق سے بڑھ کر خرچ کر رہے ہوتے ہیں۔ یہ نظارہ ہم نے بارہا دیکھا ہے۔ ابھی حال ہی میں جب ٹیلی ویژن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے یہ عالمی نشان ظاہر فرمایا تو بغیر مانگے کے از خود جماعت کے مخلصین نے جس طرح روپیہ نچھاور کیا ہے اور احمدی خواتین نے زیور قربان کئے ہیں۔ ایک عجیب روح پرور نظارہ ہے، اس کی مثال باہر دنیا میں کہیں دکھائی نہیں دے گی مگر اس کے ساتھ ہی میں نے یہ دیکھا ہے کہ جوں جوں دولت کی طرف بڑھتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے، خدا کے فضل سے کچھ ایسے انعام یافتہ لوگ بھی ہیں جو دولت میں بڑھنے

کے باوجود خرچ میں بھی خوب آگے بڑھتے ہیں مگر ایسے بھی ہیں کہ وہ خرچ تو کرتے ہیں مگر وہ جانتے ہیں یا خدا جانتا ہے کہ اس توفیق کے مطابق کیا ہے یا نہیں کیا۔ قرآن کریم نے اس کے لئے ایک ایسی پہچان رکھی ہے کہ آیا تم نے اپنی توفیق کے مطابق خرچ کیا ہے کہ نہیں۔ پھر اس سے ہر شخص خود اپنی کیفیت کو جانچ سکتا ہے اور وہ پہچان یہ ہے۔ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔ وہ خرچ کرتے ہیں خواہ دل میں تنگی محسوس ہو رہی ہو یعنی خرچ کی خواہش کی تنگی نہیں، خرچ کرنے کے نتیجے میں کچھ تکلیف محسوس ہو رہی ہو۔ دوسری جگہ فرمایا وہ خرچ کرتے ہیں جبکہ مال کی محبت ان کی راہ میں حائل ہوتی ہے اور پھر بھی خرچ کرتے ہیں۔ اگر ایک شخص اتنا خرچ کرے کہ مال کی محبت کو نقصان نہ پہنچ رہا تو وہ خرچ کرتے ہیں۔ اگر ایک شخص اتنا خرچ کرے کہ مال کی محبت کو نقصان نہ پہنچ رہا ہو تو وہ خرچ جو ہے وہ توفیق سے کم ہے اگر اتنا خرچ کرے کہ مال کی محبت کو زک پہنچے اور تکلیف محسوس ہو رہی ہو کہ یہ تو میرا جمع کیا ہوا اندوختہ ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے فلاں جگہ میں اسے دوبارہ تجارت میں لگا سکتا تھا اور اتنا زیادہ روپیہ اپنے مال سے نکالنا شاید میرے لئے نقصان کا موجب ہو، جہاں یہ فکروں کی حد شروع ہوتی ہے وہاں اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ ان آیات کی حد ختم ہو جاتی ہے جن کی میں نے تلاوت کی ہے۔ ان کو اس حد میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔

پس ہر احمدی کو اپنے نفس کو اس طرح جانچنا چاہئے کہ جو کچھ اللہ نے اسے دیا ہے اس میں سے وہ اس طرح خرچ کرتا ہے کہ نہیں کہ خَصَاصَةٌ کے باوجود پھر بھی خرچ کر رہا ہو اور مال کی محبت حائل ہو رہی ہو اور پھر بھی خرچ کر رہا ہو اگر وہ اس طرح خرچ کرتا ہے تو وہ مقامِ محفوظ پہ ہے اس کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔

اس مضمون کا رمضان سے بھی خصوصیت سے تعلق ہے اور جنت میں داخل ہونے سے بھی اس کا ایک خصوصیت سے تعلق ہے اور چونکہ رمضان جنت کے دروازے کھولے ہوئے ہمارے پاس آیا ہے اور میں امید رکھتا ہوں کہ ہم سب کی زندگیوں میں یہ دروازے کھل رہے ہوں گے۔ اس لئے آج میں اس مضمون کو نسبتاً زیادہ کھول کر آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ایک دوسری جگہ فرمایا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ (الاعراف: 41)

کہ یقیناً وہ لوگ جنہوں نے جھٹلا دیا ہماری آیات کو اور تکبر سے کام لیا ان سے وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا یعنی ان سے منہ موڑا ہے تکبر کے باعث۔ لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ ان کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اور ہرگز جنت میں داخل نہیں ہوں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے۔ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ اور ہم مجرموں کو اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں۔

اب یہی مضمون ہے جسے مسیح علیہ السلام نے ایک اور رنگ میں بیان فرمایا ہے اور بات وہی ملتی جلتی ہے۔

> ”یسوع نے اپنے شاگردوں سے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ دولت مند کا آسمان کی بادشاہی میں داخل ہونا مشکل ہے۔“
>
> یہاں متکبر کی بجائے دولت مند کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔
>
> ”دولتمند کا آسمان کی بادشاہی میں داخل ہونا مشکل ہے اور پھر تم سے کہتا ہوں کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے نکل جانا اس سے آسان ہے کہ دولتمند خدا کی بادشاہی میں داخل ہو۔ شاگرد یہ سن کر بہت ہی حیران ہوئے اور کہنے لگے کہ پھر کون نجات پا سکتا ہے؟ یسوع نے ان کی طرف دیکھ کر کہا کہ یہ آدمیوں سے تو نہیں ہوسکتا لیکن خدا سے سب کچھ ہوسکتا ہے۔“ (متی باب 19 آیات 23 تا 26)
>
> پہلی بات جو اس میں قابلِ غور ہے کہ مثال دونوں جگہ ایک ہی دی گئی ہے۔

کلامِ الٰہی ہے جو مسیح پر نازل ہوتا ہے تو اس مثال کو خاص رنگ میں پیش فرماتا ہے اور جب مذہب درجہ کمال کو پہنچتا ہے اور خاتم النبیین دنیا میں تشریف لاتے ہیں ان کے سامنے یہی مثال ایک مختلف رنگ میں رکھتا ہے۔ کیا ان دونوں میں کوئی قدرِ مشترک ہے؟ پہلی بات تو یہ سوچنے کے لائق

ہے اور قدر مشترک یہ ہے کہ تکبر جس کے خلاف سخت ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا گیا ہے انسان کے اس فرضی حجم کو کہتے ہیں جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ انسان اپنے آپ کو بڑھا لیتا ہے اپنی دانست میں اپنے آپ کو بڑا سمجھ رہا ہوتا ہے اور ہوتا نہیں ہے۔ ایسا ہی ہے جیسے ایک چھوٹی سی کیڑی جو سوئی کے ناکے سے گزر سکتی ہو لیکن اتنا پھلا لے اپنے آپ کو کہ اونٹ کے برابر ہو جائے۔ ایسی کیڑی کا اس ناکے میں سے گزرنا ناممکن ہے جب تک وہ اپنے آپ کو اونٹ سمجھتی یا دنیا کو دکھاتی رہی ہو کہ میں اونٹ جیسی ہوں اور یہ فرضی حجم جو ہے یہ اس کی راہ میں ہمیشہ حائل رہے گا۔

اور مسیح کو جو تمثیل دی گئی ہے وہ دولتمند کی ہے۔ دولتمند بھی موٹا ہو جاتا ہے اور دو رنگ میں موٹا ہوتا ہے ایک تو یہ کہ جمع کرنے کا شوق اتنا بڑھتا جاتا ہے کہ وہ اپنا مالی حجم بڑھانے میں ساری عمر ضائع کر دیتا ہے اور جب تک وہ پھولتا رہے اور پھیلتا رہے اس وقت تک اس کو اطمینان نصیب رہتا ہے۔ جہاں یہ سفر ختم ہو وہیں اس کے لئے عذاب شروع ہو جاتا ہے۔ تو اس کی جنت ہی اس کے پھولنے اور پھیلنے میں ہے یعنی مالی لحاظ سے بڑھنے میں ہے اور ایسے شخص کے متعلق یہ فرمایا گیا ہے مسیح کو کہ وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔

قرآن کریم کی جو مثال میں نے كَنَزْتُمْ والی دی ہے اس میں بھی دراصل یہی مضمون ہے جو پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ جو مال جمع کرتے ہیں وہ کیوں جنت میں داخل نہیں ہوں گے؟ اس لئے کہ جنت کے رستے چھوٹے اور عاجزی کے رستے ہیں اور حقیقت کے رستے ہیں، سچائی کے رستے ہیں۔ اپنی تمناؤں سے جو جھوٹی شخصیت تم اپنی بنا بیٹھے ہو، اس جھوٹی شخصیت کا اس تنگ رستے سے داخل ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔

حضرت رسول اکرم ﷺ کو جو تمثیل بتائی گئی ہے وہ چونکہ بالکل صحیح انہیں الفاظ میں محفوظ ہے جن میں خدا نے آپ سے فرمائی، اس لئے اس میں ایک زیادہ حکمت کی بات دکھائی دیتی ہے اور مسیح کو جو تمثیل بتائی گئی ممکن ہے وہ بھی ایسے ہی الفاظ میں بتائی گئی ہو مگر بعد میں کچھ تبدیلی واقع ہو گئی ہو۔ لیکن ایک بنیادی فرق ہے جسے میں ظاہر کرنا چاہتا ہوں وہ فرق یہ ہے کہ مسیحؑ کو یہ کہا گیا ہے یعنی مسیحؑ کی طرف یہ بات منسوب ہوئی ہے کہ:

’’اور پھر تم سے کہتا ہوں کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے نکل جانا

اس سے آسان ہے“

یہ فرمایا گیا ہے اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے نکل جانا زیادہ آسان ہے۔ دولت مند کا خدا کی بادشاہی میں داخل ہونا ممکن نہیں، اس سے زیادہ مشکل ہے۔

اب یہ جو تمثیل ہے یہ کلیۃً ہر دولت مند کو ہمیشہ کے لئے مایوس کرنے والی ہے۔ اس کے لئے کوئی نجات کا رستہ نہیں چھوڑتی۔ لیکن قرآن کریم نے جو تمثیل تکبر کے تعلق میں بیان فرمائی ہے اس میں فرمایا ہے ”یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے گزر جائے“ یعنی اس کے گزر جانے کا امکان موجود ہے۔ تلاش کرو وہ کون سا رستہ ہے اور تکبر کے تعلق میں رستہ، عجز کا رستہ ہے، انکسار کا رستہ ہے، اپنی حقیقت کو پہنچاننے کا رستہ ہے۔ جب تکبر چھوڑ کر انسان عجز میں داخل ہوتا ہے تو اپنے آپ کو وہ کیڑا سمجھنے لگتا ہے جس کا ہر باریک سوراخ سے نکلنا آسان ہو جاتا ہے۔

؎ کرمِ خاکی ہوں مرے پیارے نہ آدم زاد ہوں
ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار (درثمین صفحہ:25)

یہ ہے اس کو جواب تکبر کے مقابل پر وہ کیا چیز ہے جو انسان اختیار کرے تو پھر واقعۃً سوئی کے ناکے سے گزر جائے گا۔ پس قرآن کریم کا عجیب کلام ہے۔ حیرت انگیز فصاحت و بلاغت پر مشتمل اور کیسے کیسے گہرے حکمتوں کے راز ہمیں سمجھاتا ہے، ہم پر روشن کرتا ہے۔

پس امیروں نے اگر واقعۃً جنت کی طمع رکھنی ہے اور امید رکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ ان کو جنت میں داخل فرمائے گا، رمضان مبارک یہ پیغام لے کے آیا ہے کہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی غلامی میں اور آپؐ کی پیروی میں جو پہلے خرچ کرتے تھے اس سے بہت زیادہ خرچ کرو اور اپنے نفس کو چھوٹا کرنے کی کوشش کرو۔ اپنی حرصوں کو کم کرو کیونکہ جب تک تمہارا طمع کا وجود تمہیں نہیں چھوڑتا اس وقت تک تمہارا بدن ہلکا نہیں ہوسکتا اور تم چھوٹے نہیں ہو سکتے۔

یہ رمضان اس پہلو سے ہر انسان کے لئے ایک پیغام لے کے آیا ہے جسموں کے لئے بھی یہ زائد چربیوں کے پگھلانے کے دن ہیں وہ جو تن آسان ہیں اور امیر کھا کھا کر موٹے ہو جاتے ہیں اور کام کی توفیق کم ملتی ہے ان کے لئے بھی یہ رمضان ایک خوشخبری لے کے آیا ہے۔ ان بیماروں کے لئے بھی لایا ہے جو کم کھانے کے باوجود پھر بھی موٹے ہو جاتے ہیں۔ یہ پتلا کرنے والا مہینہ ہے۔ پس

اگر یہ چربی جو روحانی طور پر کسی انسان پر چڑھتی ہے اسے گھلانا ہے تو رمضان وہ گرمی لے کر آیا ہے جو اس چربی کو پگھلا دیتی ہے۔ اگر جسمانی چربی کو کم کرنا ہے تو روزے اس میں تمہارے مد ہوں گے اور تمہیں پہلے سے بہتر حال میں چھوڑ دیں گے۔ یہ وہ مضمون ہے جس کو آنحضرت ﷺ نے اس طرح بیان فرمایا۔ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ہر چیز کو پاک کرنے کے لئے اس کی ایک زکوۃ ہوتی ہے اور جسم کی زکوۃ روزہ ہے۔'' (ابن ماجہ کتاب الصیام حدیث نمبر:1735)

اب اسے صرف روح کی زکوۃ نہیں فرمایا۔ روح کی زکوۃ بھی ہے مگر یہاں خصوصیت سے جسم کی زکوۃ کا ذکر فرمایا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے یہ جامع الصغیر سے لی گئی ہے۔ ''صُوۡمُوۡا تَصِحُّوۡا'' اگر تم صحت مند ہونا چاہتے ہو تو روزے رکھو۔ تمہاری ضرورت سے زائد چربیاں پگھلیں گی اور ہلکا بدن اختیار کرنے کی توفیق ملے گی۔

پھر فرمایا:

''صبر کے مہینے یعنی رمضان کے روزے سینے کی گرمی اور کدورت دور کرتے ہیں۔'' (جامع الصغیر)

رمضان تو خود گرمی کا نام ہے پھر یہ سینے کی گرمی اور کدورت کیسے دور کرتا ہے۔ اگر خالصۃً طبّی نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے تو کیلسٹرول Cholesterol کو کم کرتا ہے جو سینے کی جلن کا موجب بنتا ہے جب وہ خون کی نالیوں میں بیٹھتا ہے اور اس کے نتیجے میں نالیاں تنگ ہوتیں اور خون دل تک صحیح مقدار میں پہنچتا نہیں ہے تو سینے میں ایک آگ سی لگ جاتی ہے اور آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ رمضان سے یہ فائدے بھی اٹھاؤ۔ تمہارے سینے میں جو جلن ہوتی ہے کوئی اس کو Heart Burn کہہ رہا ہے کوئی Angina کی وجہ سے جل رہا ہے۔ کئی قسم کی بیماریاں سُستیوں کے نتیجے میں انسان کو لاحق ہو جاتی ہیں۔

فرمایا ہر دفعہ رمضان کی بھٹی سے نکلو گے تو تمہاری ضرورت سے زیادہ چربیاں پگھلیں گی اور تمہارے سینوں کو سکون ملے گا اور ٹھنڈ نصیب ہوگی اور روحانی لحاظ سے بھی یہ تینوں چیزیں اپنی جگہ

صحیح طور پر صادق آ رہی ہیں اور اطلاق پاتی ہیں۔ ہر چیز کو پاک کرنے کی ایک زکوۃ ہوتی ہے۔ رمضان جسم کے ظاہر و باطن کی زکوٰۃ ہے، یہ مراد ہے۔ یہ عجیب مہینہ ہے کہ ظاہر طور پر بھی جسم کی زکوٰۃ بن رہا ہے اور روحانی طور پر بھی جسم کی زکوٰۃ بن رہا ہے یعنی اس کے لئے روحانی طور پر جو چربیاں چڑھی ہوئی ہیں وہ پگھلانے کے دن ہیں اور مال اور دولت جمع کرنے کے برعکس رمضان مبارک میں آنحضرت ﷺ کی سنت جو بہت کثرت سے خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی طرف ہمیں بلاتی ہے یہ اس روحانی چربی کا علاج ہے۔ اس سے انسان کے اندر کئی قسم کی جو میلیں جمع ہو جاتی ہیں دنیا کی محبت کی، وہ صاف ہوتی ہیں اور انسان پھر ایک سال کے لئے نسبتاً ہلکے روحانی اور جسمانی بدن کے ساتھ دنیا میں لوٹتا ہے اور اگلے رمضان کی انتظار کرتا ہے۔ کچھ ایسے ہیں جو کوشش کر کے اپنے آپ کو اسی حالت پر قائم رکھتے ہیں، کچھ ہیں جو پھر طبعاً واپس لوٹتے ہیں اور پھر اگلا رمضان آتا ہے اور ان کے لئے سب برکتیں لے کر آتا اور بہت سی برکتیں پیچھے چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ اب صرف پندرہ سولہ دن باقی ہیں اس لئے جماعت کو چاہئے کہ اس پہلو سے بھی رمضان سے استفادہ کرنے کی بھرپور کوشش کریں۔

یہ جو خدا کی راہ میں خرچ کرنا ہے یہ کئی طرح سے ہے۔ بنیادی طور پر تو پہلے نیت درست اور صحت مند ہونی چاہئے کہ جو میں خرچ کر رہا ہوں اللہ کی خاطر کر رہا ہوں۔ اس ضمن میں ایسے لوگوں کے لئے بھی موقع ہے حالانکہ بہت چھوٹی سی بظاہر بات ہے، جو اپنی بیویوں اور بچوں سے کنجوسی کرتے ہیں اور طبعاً کنجوس واقع ہوئے ہیں۔ اگر رمضان مبارک میں ان کو خیال آئے کہ اللہ نے کہا ہے خرچ کرو تو ہم گھر سے کیوں نہ شروع کریں۔ بیوی بچوں کو بھی کچھ سہولت دے دیں۔ تو بظاہر یہ بیوی بچوں پر خرچ ہے مگر ہے خدا کی خاطر اور حضرت رسول اکرم ﷺ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ خدا کی محبت میں کہ خدا راضی ہو اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ بھی ڈالو گے تو عبادت ہے۔ تو یہ نیکی گھر سے شروع ہو تو دیکھو کتنے گھروں کے حالات سدھار دے گی کیونکہ مجھے اطلاعیں ملتی رہتی ہیں بعض لوگ طبیعت کے درشت ہوتے ہیں سخت مزاج اور بیوی بچوں کو کافی تنگی میں ڈالتے ہیں اور خود باہر نکلتے ہیں اور باہر ہوٹلوں وو ٹلوں میں جا کے کھانا کھا آتے ہیں یا دوستوں میں بیٹھ کر اپنے چسکے پورے کر لیتے ہیں اور گھر میں وہی بے چاری سوکھی دال روٹی جس سے زیادہ کی توفیق ہے خاوند کو لیکن بیوی کو نہیں دیتا۔ تو

یہاں سے پہلے خرچ شروع کریں نا۔

اپنے گھروں کی حالت درست کریں ان کے حقوق ادا کریں پھر اپنے گردوپیش پر نظر ڈالیں۔ اپنے غریب بھائیوں اور ہمسایوں کے حقوق ادا کریں۔ وہ جو ضرورت مند دنیا میں تکلیفوں میں مبتلا ہیں۔ کشمیر کے مظلوم ہوں یا بوسنیا کے مظلوم ہوں، ان کی طرف پہلے سے بڑھ کر توجہ کریں۔ صدقات کے لئے ہاتھ کھولیں۔ چندوں میں آگے بڑھیں اور زکوٰۃ اگر چہ ان معنوں میں فرض نہیں ہے جن معنوں میں قرآن کریم میں مذکور ہے جن حالات میں وہ حالات آج کل ویسے صادق نہیں آرہے اس لئے آج سے ان معنوں میں وہ فرض نہیں رہی لیکن زکوٰۃ بھی ایک چیز ہے جس کو لفظاً بھی اگر پورا کیا جائے تو ایک بڑی نیکی ہے۔

کیوں میں نے کہا ہے کہ ان حالات میں موجودہ حالات میں اس طرح صادق نہیں آرہی اس کی وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ اصل میں اڑھائی فیصد چندے کا نام ہے اور زکوٰۃ کے مصارف میں ٹیکس بھی ہیں، حکومت کے کام بھی ہیں، ملکی مفادات کے کام بھی ہیں اور غریبوں پر خرچ بھی ہے، خدمت دین بھی ہے۔ آج کل جو حکومتیں ٹیکس لیتی ہیں وہ دنیا والا حصہ تو اتنا زیادہ وصول کر لیتی ہیں کہ جن سے وصول کرتی ہیں بعض دفعہ وہ زکوٰۃ کے محتاج بن جاتے ہیں بے چارے، اگر وہ دیانتداری سے ادا کریں تو۔ اس لئے جہاں تک ٹیکسوں کا معاملہ ہے وہ حق تو حق سے بڑھ کر ادا ہو گیا اور جہاں تک دینی ضروریات کا تعلق ہے جماعت اتنا خرچ کر رہی ہے کہ اڑھائی فیصدی کو تو اپنے سے بہت نیچے دیکھتی ہے۔ ایسے چندہ دہندہ ہیں جو ساڑھے چھ فیصدی با قاعدہ دے رہے ہیں پھر اس کے علاوہ خدا کے فضل کے ساتھ دس فیصدی با قاعدہ دے رہے ہیں پھر اس کے علاوہ خدا کے فضل کے ساتھ دس فیصدی بھی دے رہے ہیں۔ پھر اس سے بڑھ کر ہر اپیل پر، ہر قربانی کے رستے پر ایک دوسرے سے سبقت لے جاتے ہوئے خرچ کرتے ہیں تو اس لئے یہ نہیں میں کہہ رہا کہ زکوٰۃ واجب نہیں رہی، ان معنوں میں وہ اطلاق نہیں پا رہی کہ زکوٰۃ میں جتنا خرچ کرنے کی اللہ مومن سے توقع رکھتا ہے، اسی کے فضل سے، اسی کی دی ہوئی توفیق سے، جماعت احمدیہ اس سے بہت زیادہ انہی نیک کاموں پر خرچ کر رہی ہے۔ خواہ وہ حساب زکوٰۃ کا لگائے یا نہ لگائے زکوٰۃ تو دے رہی ہے۔

لیکن بعض دفعہ یہ بھی لطف آتا ہے کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے زمانے میں

طریق رائج تھا اسی کے مطابق بھی ہم بھی کچھ دیں اور اس طریق پر عمل کرنے کے لئے خصوصیت سے ان لوگوں کے لئے رستہ کھلا ہے جو اپنے تجارتی اموال ایک لمبے عرصے تک اپنے پاس روک کر رکھتے ہیں یا بہت دیر تک اپنے بینک بیلنس میں رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ نصاب کا ایک سال گزر جاتا ہے یا وہ عورتیں ہیں جن کے پاس زیور پڑے ہوئے ہیں اور وہ اپنے غریب بہن بھائیوں کے استعمال میں ان کو نہیں لاتیں اور اپنی خوشیوں میں یعنی زیور پہننے کی خوشیوں میں ان کو شریک نہیں کرتیں ان پر بھی یہ زکوٰۃ عائد ہوتی ہے تو باوجود اس کے کہ وہ ٹیکس بھی زیادہ دے رہے ہیں باوجود اس کے کہ وہ چندے بھی زیادہ دے رہے ہیں۔ جماعت میں ایک طبقہ ایسا ضرور ہے جو زکوٰۃ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے بغیر کسی میری تحریک کے وہ طبقہ از خود زکوٰۃ دیتا چلا جا رہا ہے۔ یہاں تک کہ جب مجھے رپورٹیں ملتی ہیں اور میں نظر رکھتا ہوں تو حیران ہوتا ہوں کہ ہر سال اللہ کے فضل سے اس میں اضافہ ہو رہا ہے اور باہر کے ملکوں میں بھی ہے۔ تو میں اس واسطے دوبارہ آج یاددہانی کرا رہا ہوں کہ وہ لوگ جن کا ذہن اس طرف نہیں جاتا اور اپنے دل کو جائز طور پر مطمئن کرتے ہیں، ناجائز طور پر نہیں کہ ہم نے حکومت کے حق بھی ادا کر دیئے اور قرآن نے جو نافذ کئے اس سے بڑھ کر ادا کئے۔ اللہ کا حق بھی اور اس کے بندوں اور غریبوں کا حق بھی ادا کیا اور جیسا قرآن چاہتا تھا اس کے کم سے کم مقرر کردہ معیار سے بہت بڑھ کر ادا کیا۔ یہ کہہ کر دلوں کو مطمئن کرتے ہیں مگر اگر ان سے یہ سوال کیا جائے کہ کبھی زکوٰۃ دی ہے کہ نہیں زکوٰۃ کے وقت ہمیشہ ذہن میں وہی اڑھائی فیصد آئے گا اور انہی شرائط کے ساتھ آئے گا جن شرائط کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے زمانے میں اس پر عمل ہوتا تھا تو تبرک کے لئے، برکت کی خاطر اور اپنی نیکی کو خواہشات کو ایک اور رنگ میں پورا کرنے کی خاطر، ایک اور رنگ میں ان خواہشات کی پیاس بجھانے کی خاطر زکوٰۃ کو بھی پیش نظر رکھیں۔

پس ہر طرح سے بدن کی بھی زکوٰۃ دیں اور اپنے دل اور روح کی بھی زکوٰۃ دیں اپنے سارے وجود کی زکوٰۃ دیں اور یہ زکوٰۃ دینے کے بعد جیسا کہ زکوٰۃ کے مفہوم میں شامل ہے انسان کے کچھ بوجھ گر جاتے ہیں اور کچھ طاقتیں بڑھ جاتی ہیں۔ زکوٰۃ کے نتیجے میں دو باتیں بیک وقت ظاہر ہو رہی ہوتی ہیں ایک یہ کہ بوجھ کم ہو رہے ہیں۔ ایک یہ کہ انسان کی اعصابی قوتیں اور اس کی عضلاتی قوتیں بڑھ رہی ہوتی ہیں تو رمضان سے جب ایسے وجود نکلتے ہیں تو چونکہ کم بوجھ لے کر آگے بڑھنا

ہے رفتار ویسے ہی تیز ہو جاتی ہے مگر چونکہ جسمانی اور روحانی طاقتوں میں اضافہ ہو چکا ہوتا ہے اس لئے پہلے سے کئی گنا زیادہ رفتار آگے بڑھ جاتی ہے۔ پس یہ بہت ہی اچھا نسخہ ہے دینی اور دنیاوی طور پر ترقیات کی راہ پر پہلے سے زیادہ تیزی سے گامزن ہونے کا کہ رمضان سے رمضان کی زکوۃ دیتے ہوئے گزریں۔

ایک اور حدیث ہے حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے متعلق۔ عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ”رسول کریم ﷺ سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور رمضان میں آپ کی سخاوت اور بھی زیادہ ہو جاتی تھی اور جبرائیل علیہ السلام آپ سے ملاقات کرتے تھے اور قرآن کریم کا دور کرتے تھے۔ رسول کریم ﷺ ان دنوں تیز آندھیوں سے بھی زیادہ سخاوت فرمایا کرتے تھے۔“

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام رمضان کی روح کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”رمض سورج کی تپش کو کہتے ہیں۔ رمضان میں چونکہ انسان اکل وشرب اور تمام جسمانی لذتوں پر صبر کرتا ہے۔ دوسرے اللہ تعالیٰ کے احکام کیلئے ایک حرارت اور جوش پیدا کرتا ہے۔ روحانی اور جسمانی حرارت اور تپش مل کر رمضان ہوا۔“

آپ میں سے اکثر جو عربی نہیں جانتے وہ اس بات کو سمجھ نہیں سکے ہوں گے کہ مل کر کیسے رمضان ہوا۔ اس لئے کہ رمض کا مطلب ہے گرمی اور رمضان کے معنی ہیں دو گرمیاں۔ تو فرمایا کہ رمضان میں ان دونوں گرمیوں کا ملنا ضروری ہے تب رمضان بنے گا اور یہ وہی بات ہے جو میں اس سے پہلے آپ کے سامنے رکھ چکا ہوں کہ جسمانی زکوۃ بھی دیں اور روحانی زکوۃ بھی دیں۔ تب جا کر یہ صحیح معنوں میں رمضان بنے گا یعنی دونوں گرمیاں آپ کو نصیب ہوں گی۔

”.... اہلِ لغت جو کہتے ہیں کہ گرمی کے مہینہ میں آیا اس لئے رمضان کہلایا میرے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے۔ (یعنی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے) کیونکہ عرب کے لئے یہ خصوصیت نہیں ہوسکتی....“

فرمایا رمضان تو ساری دنیا کے لئے ہے اور سخت ٹھنڈے علاقوں کے لئے بھی ہے اگر یہ حکمت بیان کی جائے اس لئے رمضان کہتے ہیں کہ گرمیوں میں آیا تو یہ ویسے ہی درست بات نہیں

ہے اور جہاں تک میں نے پرانی تقویم کے ذریعے اس زمانے کا حساب لگایا ہے جب رمضان فرض ہوا ہے تو وہ تو گرمیوں کے روزے ہی نہیں تھے وہ تو سردیوں کے روزے بنتے ہیں مثلاً رمضان بدر میں مارچ کے مہینے میں آیا ہے اور اس کے بعد جوں جوں آگے بڑھتے ہیں فتح مکہ کی طرف، یہ سردیوں کی طرف مائل رہا ہے نہ کہ گرمیوں کی طرف۔ اس لئے پتا نہیں کیوں پرانے بزرگوں نے یہ لکھ دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ گرمیوں کے مہینے میں اترا ہی نہیں ہے یعنی رمضان کی فرضیت گرمیوں کے مہینے میں نہیں ہوئی۔ زیادہ سے زیادہ اسے اپریل کا مہینہ کہہ سکتے ہیں اس سے آگے نہیں۔ اس لئے وہ چونکہ ملک ویسے ہی گرم ہے بعض دفعہ ہمارے ملک میں بھی پاکستان میں بھی مارچ اپریل میں بڑی سخت گرمی ہو جاتی ہے تو جہاں گرمیوں کی روایتیں ہیں لمبے سفر کے موقع پر شاید اس سے اندازہ لگا کر بعض لکھنے والوں نے لکھ دیا کہ گرمیوں کے مہینے میں رمضان آیا ہوگا۔ مگر آپ حساب لگا کے دیکھ لیں رمضان شروع ہی گرمیوں کے مہینے ختم ہونے کے بعد سردیوں کے مہینوں کے آغاز میں ہوا ہے۔
بہر حال حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ویسے ہی اس دلیل کو رد فرما رہے ہیں۔ رمضان ساری دنیا کے لئے ہے۔ دنیا میں بہت ٹھنڈے ملک بھی ہیں، بہت گرم ملک بھی ہیں اس لئے اس کے روحانی معنوں کو تلاش کرو، چنانچہ آپؑ فرماتے ہیں:

''روحانی رمض سے مراد روحانی ذوق وشوق اور حرارت دینی ہوتی ہے۔ رمض اس حرارت کو بھی کہتے ہیں جس سے پتھر گرم ہو جاتے ہیں....''

(ملفوظات جلد اول صفحہ: 136)

یعنی خصوصیت سے وہ حرارت جس سے باہر پڑے ہوئے پتھر گرم ہو جاتے ہیں اس کے لئے بھی لفظ رمضان عربی میں استعمال ہوتا ہے۔ پس مراد یہ ہے کہ ایسے موقع پر ہر قسم کے انسان اس سے گرمی پاتے ہیں یا روحانی طور پر فیض پاتے ہیں۔ بعض لوگ مزاج کے پتھر دل بھی ہوتے ہیں سخت دل بھی ہوتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رمضان کے مہینے کا کچھ نہ کچھ فیض ان کو بھی پہنچ جاتا ہے۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ (البقرہ: 186) ''کہ رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا'' سے ماہ رمضان کی عظمت

معلوم ہوتی ہے۔صوفیاء نے لکھا ہے کہ یہ ماہ تنویر قلب کے لئے عمدہ مہینہ ہے۔ کثرت سے اس میں مکاشفات ہوتے ہیں۔صلوٰۃ تزکیہ نفس کرتی ہے اور صوم تجلی قلب کرتا ہے۔تزکیہ نفس سے مراد یہ ہے کہ نفس امارہ کی شہوات سے بُعد حاصل ہو جائے اور تجلی قلب سے مراد یہ ہے کہ کشف کا دروازہ اس پر کھلے کہ خدا کو دیکھ لے“ (ملفوظات جلد دوم صفحہ:561)

یہ بہت ہی اہم اقتباس ہے اور یہ میں مزید کھول کر بیان کرنا چاہتا ہوں۔حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جو کلام فرمارہے ہیں یہ گہرے ذاتی تجربے سے بیان فرمارہے ہیں۔کوئی سنی سنائی بات نہیں ہے بلکہ اس کی طرز بتاتی ہے کہ ایک صاحب تجربہ ہے جو ایک بہت ہی عمدہ راز کو پا گیا اور اس راز میں دوسروں کو شریک کرنے کے لئے بلا رہا ہے۔

تنویر قلب کیا ہوتی ہے؟ فرمایا۔کثرت سے اس میں مکاشفات ہوتے ہیں،صوفیاء نے تو اتنا کہا ہے کہ یہ تنویرِ قلب کا مہینہ ہے۔تنویرِ قلب سے مراد ہے دل روشنی پا جائے۔پس مکاشفات ہوں، سچی خوابیں آئیں یا الہامات ہوں یہ ساری تنویرِ قلب کی علامتیں ہیں کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پر مزید یہ فرمایا ہے”صلوٰۃ تزکیہ نفس کرتی ہے“ یہ پہلے ہونا ضروری ہے تنویرِ قلب یونہی نہیں حاصل ہو جایا کرتی۔پہلے عبادتوں کو درست کرو اور نماز پڑھو گے تو وہ دل کا تزکیہ کرتی ہے۔اس کو پاک کرتی ہے۔کس طرح پاک کرتی ہے؟ نفس امارہ کی شہوات سے بُعد حاصل ہو جاتا ہے۔

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ۗ وَالْبَغْيِ (العنکبوت:165)

کا مضمون ہے جو بیان فرمارہے ہیں۔فرماتے ہیں کہ جب تک فحشاء اور بغی و منکر سے تم باز نہیں آتے اس وقت تک تنویرِ قلب کہاں سے حاصل کرلو گے۔وہ تو بعد کا مقام ہے اور فرمایا نمازِ پہلے تزکیے کا کام کرتی ہے۔

پس رمضان مبارک میں نماز کی طرف خصوصیت سے توجہ دینی ضروری ہے اور ایسی نماز پڑھنی چاہئے جس کے نتیجے میں انسان اپنے بدن سے بدیاں جھڑتے ہوئے دیکھ لے اپنی روح کے بدن کو پہلے کی نسبت ہلکا ہوتا ہوا دیکھ لے اور ہر انسان اگر بالا رادہ طور پر نگاہ رکھے کہ میں دیکھوں مجھے رمضان میں نمازوں نے کیا فائدہ پہنچایا تو اس کے لئے اس کی پہچان ناممکن نہیں ہے بلکہ آسان ہے۔اس لئے اس بالا رادہ کوشش میں داخل ہو جائیں۔یعنی رمضان میں جتنے دن باقی

ہیں اس میں نمازیں پڑھتے ہوئے جب نماز کے مضمون پر غور کریں گے تو اس وقت آپ کو سمجھ آئے گی کہ جو کچھ آپ خدا سے مانگ رہے ہیں آپ کا عملی قدم اس طرف نہیں ہے کہتے ہیں۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کتنی دفعہ پڑھتے ہیں؟ ہر نماز میں ہر رکعت میں لازماً پڑھنا پڑھتا ہے اور کہتے ہیں اے خدا ہمیں صراط مستقیم پر چلا۔ صراط مستقیم ان لوگوں کی جن پر تو نے انعام نازل فرمائے نہ کہ ان لوگوں کی جو صراط مستقیم پر چلنے کے باوجود غضب کا مورد بن گئے یعنی اس صراط کے حق ادا نہ کئے۔ آغاز میں ان کو اس راہ پہ ڈالا گیا مگر اس راہ کے حقوق ادا نہ کرنے کے نتیجے میں وہ مغضوب ہو گئے۔ وَلَا الضَّآلِّيْنَ اور نہ ان کا رستہ جو اس راہ کو ہی چھوڑ بیٹھے اور گم گشتہ راہ ہو گئے۔ اب سوال یہ ہے اتنی بڑی دعا کچھ تقاضے بھی کرتی ہے کہ نہیں۔ ایک انسان جب یہ سوچے کہ منعم علیہ گروہ تھے کون؟ وہ کون لوگ تھے جن پر اللہ کی طرف سے انعام نازل ہوئے اور پھر اس مضمون کو اپنی ذات پر صادر کر کے دیکھے کہ مجھ میں کتنی علامتیں پائی جاتی ہیں اور پھر مغضوب علیھم کا تصور کرے۔ بگڑے ہوئے یہودیوں کے حالات آپ کے سامنے ہیں۔ کیا کیا ان میں برائیاں تھیں۔ اگر اس وقت کی تاریخ آپ کے سامنے نہیں تو اس زمانے کی تاریخ تو ہے نا؟ کیونکہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لئے یہ مضمون آسان کر دیا ہے۔ فرمایا میری امت بھی، جو لوگ میری طرف منسوب ہوتے ہیں ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ یہود کے زیادہ مشابہ ہو جائیں گے اور ایسے مشابہ ہو جائیں گے کہ جیسے ایک جوڑے کی ایک جوتی اس جوڑے کی دوسری جوتی کے مشابہ ہوتی ہے تو وہ علامتیں یہاں دیکھ لیجئے اس میں کون سی مشکل ہے۔ جو آج کل کی بگڑی ہوئی مسلمان سوسائٹی میں جہاں جہاں خرابیاں پائی جاتی ہیں ان کو دیکھنا اور پہچاننا کوئی مشکل کام تو نہیں ہے ان میں جھوٹ ہے، ان میں دوسروں کے حقوق غصب کرنے ہیں، ان میں حرص و ہوا کی خاطر جھوٹے مقدمات بنانے ہیں، ان میں گواہیوں کے وقت جھوٹ بولنا ہے، حرص و ہوا کا اتنا غلبہ کہ جائز ناجائز کی تمیز بالکل اٹھ جائے اور جھگڑے کرنا اور گالی گلوچ کرنا اور تکلیفیں دے کر لذتیں محسوس کرنا اور اس بات پر فخر کرنا کہ ہم سے بڑا جھگڑالو کوئی نہیں۔ ہم بڑے کپتے لوگ ہیں ہم ایسا کریں گے اور وہ کریں گے۔ یہ چند ایک علامتیں ہیں جو میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ کون ان سے ناواقف ہے۔

اور غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کہتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے ان علامتوں میں سے

کوئی نہیں چھوڑنی۔ اے اللہ لگالے زور، بنالے ہمیں نیک، ہم نے نہیں ہٹنا اس بات سے۔ یہ کیسی دعا ہے۔ یہ تو گستاخی ہے۔ اس لئے جب بھی آپ یہ دعا کرتے ہیں تو سوچیں تو سہی کہ کون کون سی باتیں آپ میں پائی جاتی ہیں۔ شروع شروع میں چند دکھائی دیں گی کیونکہ یہ اندھیرے کا مضمون ہے۔ جب روشنی سے اندھیرے کمرے میں جاتے ہیں تو ایک دم تو نہیں سب کچھ دکھائی دیتا۔ آہستہ آہستہ دکھائی دیتا ہے تو پہلے آپ کو بعض موٹی موٹی برائیاں نظر آئیں گی کہ ان سے بچنا ہے۔ جب وہ دیکھ لیں گے اور پہچان لیں گے اور دعا میں شامل کرلیں گے تو آپ کی پاک نیت اس دعا کی قبولیت میں مددگار ہو جائے گی اور اس کے نتیجے میں وہ برائیاں دور کرنا بہت زیادہ آسان ہو جائے گا۔ کچھ آپ کی کوشش ہوگی کچھ آسمان سے فضل نازل ہوگا اور پھر جب اپنی طرف سے آپ اپنے آپ کو پاک کر لیں گے تو آنکھوں کی روشنی کچھ بڑھے گی اور اندھیروں کی ظلمت کچھ کم ہوگی اور آپ دیکھیں گے کہ اوہو یہاں تو یہ بھی ٹھوکر تھی اور یہ بھی ٹھوکر تھی۔ اس سے بھی تو ہم نے پاک ہونا ہے یہ بھی تو مغضوب کی نشانیاں ہیں اور اس طرح آپ پر اپنا وجود روشن ہونے لگ جائے گا۔

یہی مضمون ہے جس کا قرآن کریم بار بار اس طرح ذکر فرماتا ہے کہ وہ یعنی پاک نبی محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ ؐ کی تعلیمات اور قرآن اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالنے والے ہیں۔ اندھیرے موجود ہیں یہ نہ سمجھیں کہ نہیں ہیں اس سے روشنی کی طرف نکلنا یہ رستہ چاہتا ہے جو میں دکھا رہا ہوں اور صراط مستقیم پر چلتے ہوئے صراط مستقیم کی دعا مانگنے کا یہ مطلب ہے جسے سمجھتے ہوئے آپ کو استغفار کے ساتھ یہ دن گزارنے چاہئیں۔ پہلے اگر یہ نمازیں ضائع ہوگئیں اور ان سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔ اب جو نمازیں رمضان میں آپ پڑھیں گے ان میں اس مضمون کو پیش نظر رکھتے ہوئے کوشش کریں کہ یہ تزکیہ نفس کا موجب بنیں۔ جب تزکیہ نفس ہوگا تو پھر تنویرِ قلب تو آنی ہی آنی ہے، تنویرِ قلب دل کی روشنی کا نام ہے، اندھیروں کے ہوتے ہوئے تنویر کیسے ہوسکتی ہے۔ یہ تو دو متضاد باتیں ہیں۔ جَآءَ الۡحَقُّ وَ زَهَقَ الۡبَاطِلُ اِنَّ الۡبَاطِلَ كَانَ زَهُوۡقًا (بنی اسرائیل:82) یہ تو ممکن ہی نہیں ہے کہ حق آجائے اور باطل بھی وہیں ٹھہرا رہے۔ اس کا برعکس یہ ہے کہ پہلے اندھیرے دور کرو تو پھر روشنی آئے گی۔ پس دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

آپ کا منور ہونا جو ہے یہ دراصل وہی مضمون ہے جس سے میں نے بات کا آغاز کیا تھا۔

ظاہری چراغ آپ کو نہ بھی جلانے دے کوئی۔تو کیا فرق پڑتا ہے؟ اگر آپ کے دلوں میں خدا تنویر پیدا فرما دے آپ کے دلوں میں چراغ روشن کر دے تو خدا کی قسم تمام دنیا کی پھونکیں بھی ان چراغوں کو نہیں بجھا سکیں گی۔ یہ روشنی تو بڑھے گی اور پھیلے گی اور آگے آگے چلے گی اور باقی دنیا کو بھی روشن سے روشن تر کرتی چلی جائے گی اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

رمضان میں انسان خدا کی مشابہت میں قریب تر ہو جاتا ہے
اسی لئے اللہ تعالیٰ خود اس کی جزا بن جاتا ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 4/ مارچ 1994ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

آج اللہ کے فضل کے ساتھ رمضان مبارک اپنے آخری عشرے میں داخل ہو چکا ہے اگر چہ سنت کے مطابق اعتکاف کرنے والے ایک دن پہلے سے اعتکاف بیٹھ چکے ہیں لیکن دراصل اعتکاف آخری عشرے کا اعتکاف ہوتا ہے اور چونکہ آخری عشرہ کی تعیین کرنا ممکن نہیں تھا۔ ممکن تھا کہ بجائے تیس کے انتیس کا رمضان ہو جاتا اس لئے حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی سنت ہمیشہ سے یہی رہی کہ احتیاطاً ایک دن پہلے اعتکاف بیٹھتے تھے اور اعتکاف کب شروع کیا؟ کیسے ہوا؟ اور کب تک اعتکاف بیٹھتے رہے؟ اس مضمون سے متعلق میں سمجھتا ہوں جماعت کو کچھ واقفیت کروانی چاہئے۔

علماء تو اکثر جانتے ہیں لیکن نئی نسلوں کے بچے، بعد میں آکر شامل ہونے والے ان باتوں سے بے خبر ہوتے ہیں۔ یہ تو پتا ہے کہ اعتکاف مسجد میں بیٹھا جاتا ہے لیکن اس سے متعلق دیگر باتوں کا علم نہیں اور خصوصاً سنت کی تفصیل سے بے خبری ہے اور جب تک ہم سنت کی روشنی میں اعتکاف کو نہ سمجھیں اس وقت تک اس سے حقیقی فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔

اعتکاف کا پسِ منظر یہ ہے کہ جب سے دنیا بنی ہے اور عبادت فرض ہوئی ہے اعتکاف کا تصور عبادت کے ساتھ ملحق رہا ہے اور کبھی بھی اسے جدا نہیں کیا گیا چنانچہ پہلا گھر جو خدا کے لئے بنایا

گیا اس کے مقاصد میں بھی اعتکاف کو داخل فرمایا گیا اور معتکفین کی خاطر بھی مسجد کو پاک اور صاف رکھنے کی تلقین فرمائی گئی۔ اسی طرح دنیا کے تمام مذاہب میں آغاز ہی سے اعتکاف کا تصور ملتا ہے میں نے جہاں تک موازنۂ مذاہب سے متعلق کتب کا مطالعہ کیا ہے مجھے ایک بھی ایسا مذہب معلوم نہیں ہوا جس میں اعتکاف کا تصور موجود نہ ہو لیکن اسلام تک پہنچتے پہنچتے یہ تصور زیادہ پختہ ہو گیا تھا اور زیادہ بالغ بن چکا تھا۔ کیا فرق پیدا ہوا ہے؟ یہ میں آپ کو بعد میں سنت کے حوالے سے بتاؤں گا۔ لیکن عموماً اعتکاف کہتے ہیں خدا کی یاد میں ایک طرف ہو رہنا اور دنیا سے ظاہری قطع تعلقی کر کے جس حد تک ممکن ہے انسان اپنے آپ کو یادِ الٰہی میں وقف کر دے۔

بعض مذاہب میں اس اعتکاف میں غلو کیا گیا یہاں تک کہ زندگی بھر دنیا سے تعلق کاٹ کر الگ رہنے کا نام ہی اعتکاف سمجھا گیا اور بہت سے راہب اور اسی طرح ہندو سادھو وغیرہ جو دنیا سے قطع تعلق کر کے بعض دفعہ پہاڑوں کی کھوہوں میں جا بیٹھتے ہیں اور کلیۃً دنیا سے بیگانہ ہو جاتے ہیں یہ اعتکاف ہی کی بگڑی ہوئی صورت ہے جو اعتکاف میں مبالغے کے نتیجہ میں پیدا ہوئی ہے۔ قرآن کریم نے عمر بھر کے لئے دنیا سے قطع تعلقی کو ناپسند ہی نہیں فرمایا بلکہ واضح طور پر اس کی مناہی موجود ہے اور یہ فرمایا گیا ہے کہ عیسائیوں میں بھی جو رہبانیت کا رواج پایا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے آغاز میں اس صورت میں یہ رہبانیت ان پر فرض نہیں فرمائی تھی بلکہ بعد میں ان لوگوں نے اس مضمون کو بگاڑ کر اسے عمر بھر کی دنیا سے قطع تعلقی پر منتج کر دیا اور ایک اچھی پر حکمت تعلیم کو بظاہر نیکی کی خاطر، مگر بگاڑ دیا اور ایسا بنا دیا کہ ہر انسان کے بس میں وہ بات نہ رہی۔

قرآن کریم ایک عالمگیر تعلیم ہے اور قرآن کریم کا تعلق خانہ کعبہ کے تمام مقاصد سے بہت گہرا ہے اور قرآن کریم کا طریق یہ ہے کہ ان تمام نیکیوں کو ان کی اصل صورت پر بحال کیا جائے جس صورت میں وہ آغاز میں فرض ہوئی تھیں۔ نیکیوں کی وہ صورت بحال کی جائے جو اللہ تعالیٰ بندوں سے چاہتا ہے اور اس ضمن میں حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی سنت سے بہتر اور کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ ہم نیکیوں کی ماہیت کو سمجھ سکیں۔

آنحضرت ﷺ کی ساری زندگی اس بات کا نمونہ تھی کہ خدا سے تعلق قائم کرنا دنیا سے کلیۃً تعلق کاٹنے کو نہیں کہتے بلکہ اسے فرار کہا جاتا ہے۔ اگر انسان دنیا سے کلیۃً جدا ہو جائے اور اس کی

کشش اور جذب سے اتنا دور ہٹ جائے کہ اس کی آزمائش کا سوال ہی باقی نہ رہے تو اسے خدا پرستی نہیں کہا جاتا، اسے دنیا کے خوف سے اس سے بھاگنا قرار دیا جاسکتا ہے۔آنحضرت ﷺ کی ساری زندگی جو قطع تعلق کے نمونے ہمیں دکھاتی رہی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں رہ کر اس سے الگ رہنا اور اس سے مرعوب نہ ہونا اور اس سے مغلوب نہ ہو جانا۔اسی کا نام جہاد ہے تمام زندگی انسان ایسے جہاد میں مصروف رہے کہ ہر طرف سے چاروں طرف سے اسے آزمائشیں بار بار مبتلا کریں اور ٹھوکر لگانے کی کوشش کریں لیکن انسان صراطِ مستقیم پر مضبوط قدموں کے ساتھ گامزن رہے اور کسی دوسری آواز کی طرف متوجہ نہ ہو۔یہ دراصل اللہ کے لئے دنیا سے الگ ہو جانا ہے جو سنت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے ثابت ہوتا ہے اور قرآن کریم کی تمام تعلیم اسی مرکزی نقطے کے گرد گھومتی ہے اسی کا نام صراطِ مستقیم ہے۔اسی کا نام حدِّ اوسط ہے۔اسی کو لَا عِوَجَ لَهٗ کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔گویا کہ اپنی راہ پر جو وسطی راہ ہے، نہ افراط کی راہ ہے نہ تفریط کی راہ ہے، نہ حد سے زیادہ آگے بڑھا جا رہا ہے، نہ فرائض کی ادائیگی میں کوئی کمی کی جا رہی ہے، اس متوازن رستے پر رہتے ہوئے اپنی زندگی گزارو اور ثابت قدم رہو۔یہی مضمون اعتکاف کا مضمون ہے۔اعتکاف بھی دنیا سے کچھ دیر کے لئے اس طرح الگ ہونے کا نام ہے کہ بظاہر انسان کلیۃً کٹ گیا ہو اور آزمائش سے نکل گیا ہو۔لیکن یہ عجیب بات ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس مضمون پر بھی حیرت انگیز روشنی ڈالی ہے اور اسے قربانی قرار دیا ہے۔آزمائش سے الگ ہو جانے کو آنحضور ﷺ نے نیکی کا اعلیٰ درجہ نہیں بلکہ قربانی قرار فرمایا ہے۔

پہلے تو میں آپ کو مختصراً یہ بتاؤں کہ آنحضورؐ کا اعتکاف کیسے تھا۔کس طرح شروع ہوا۔سب سے پہلے تو رمضان مبارک کے ساتھ ہی رسول اکرم ﷺ نے جو اعتکاف شروع کیا وہ وسط رمضان میں ہوا کرتا تھا یعنی رمضان کے دوسرے عشرے کے آغاز سے شروع ہوتا تھا اور آخر تک جاری رہتا تھا۔لیکن آنحضرت ﷺ اعتکاف کو سورج ڈوبنے کے بعد اگلا دن شروع ہونے کے وقت ختم نہیں فرمایا کرتے تھے بلکہ آخری رات کو بھی بیچ میں شامل فرما لیتے تھے اور اکیس کی صبح کو اپنا اعتکاف ختم کیا کرتے تھے۔کچھ عرصہ یہی طریق جاری رہا اور حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ معیت کے شوق میں کئی صحابہؓ نے آپؐ کے ساتھ مسجد میں بیٹھنا شروع کر دیا۔بلکہ امہات المومنین میں سے بھی

بعض نے وہاں اپنے خیمے لگا لئے۔ایک موقع پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متعلق آتا ہے کہ آپ نے اپنا خیمہ آنحضورؐ کی اجازت سے مسجد کے صحن میں گاڑ لیا۔ جب دوسری ازواج کو پتا چلا تو دیکھا دیکھی اس شوق میں کہ یہ کیوں آگے بڑھ گئی ہم بھی ساتھ شامل ہوں خود حضرت عائشہؓ سے سفارش کروا کر پہلے اجازت لی پھر آہستہ آہستہ اور خیمے بھی لگنے شروع ہو گئے جس کی براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت نہیں لی گئی بلکہ حضرت عائشہ ہی سے اجازت لے کر کہ چلیں ہم بھی گاڑ لیں۔آپؓ نے فرمایا ہاں تم بھی لگا لو چنانچہ وہ خیمے لگ گئے۔آنحضرتﷺ جب تشریف لائے اور مسجد میں خیمے دیکھے تو آپؐ نے فرمایا یہ کیا ہو رہا ہے، یہ کیسے خیمے لگے ہوئے ہیں؟ تو بتایا گیا کہ یہ امہات المومنین کے خیمے ہیں۔آپؐ کی ازواج کے خیمے ہیں۔آپؐ نے فرمایا ان کے ہاں نیکی کا یہ تصور ہے؟ اس کو نیکی کہتے ہیں؟ ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔یعنی نیکی ایک طبعی خود رَو خواہش کے نتیجے میں تو پیدا ہوتی ہے مگر نقالی کے نتیجے میں نہیں ہوتی اور اتنا اس بات کو ناپسند فرمایا کہ اس رمضان مبارک میں اعتکاف نہیں فرمایا اور اس سال کا اعتکاف کا ناغہ شوال میں پورا کیا (ابن ماجہ کتاب الصیام حدیث: 1761)۔آپؐ نے فرمایا اس حالت میں مَیں اس مسجد میں نہیں بیٹھوں گا اور یہ بھی آنحضرتﷺ کی سیرت کی ایک عجیب شان ہے۔ان بیویوں کو فرما سکتے تھے کہ تم یہاں سے نکل جاؤ، خیمے اٹھا لو۔کیوں نہیں کہا؟ اس لئے کہ مسجد میں اعتکاف کا عورت کا حق تسلیم فرما چکے تھے اور یہ حق حضرت عائشہؓ کی صورت میں تسلیم ہو چکا تھا تو باقی بیویوں کی صورت میں کیا عذر تھا کہ ان سے کہا جاتا کہ نہیں، تمہیں اجازت نہیں ہے۔لیکن چونکہ یہ محسوس فرمایا کہ اس میں نیکی کی خواہش سے زیادہ بیویوں کے آپس کے مقابلے کا رجحان زیادہ دکھائی دے رہا ہے۔اس لئے آپؐ نے فرمایا کہ یہ نیکی نہیں رہی کہ اس طرح اگر نقالی کرتے ہوئے نیکی اختیار کی جائے جس میں آپس کی رقابت کارفرما ہو تو فرمایا یہ نیکی نہیں رہتی اور اس پر ایک ہی فیصلہ آپؐ فرما سکتے تھے کہ اچھا ان کو تو نہیں ہٹا سکتا یہاں سے، میں خود ہٹ جاتا ہوں۔ پس یہ عجیب ہے کہ آنحضرتﷺ کی سیرت، اتنی گہرائی ہے اس سیرت میں کہ انسان ورطۂ حیرت میں ڈوب جاتا ہے، کیسا پاکیزہ تعلق تھا اپنی ازواج سے۔ناپسندیدگی کا اظہار کیا تو ڈانٹ ڈپٹ کر اور غصے کے طور پر نہیں بلکہ ایک ایسے عجیب انداز سے کہ اس سے حقوق پر بھی کوئی ضرب نہیں پڑتی اور جو تکلیف اٹھائی وہ خود اٹھائی۔لیکن اعتکاف

کا ناغہ نہیں فرمایا چنانچہ شوال کے ایام میں آپؐ اعتکاف بیٹھے۔

بیچ کے دنوں کا اعتکاف آخری عشرے کے اعتکاف میں کیسے تبدیل ہوا؟ ایک دفعہ صبح کے وقت حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے وہ رات دیکھی ہے۔ یعنی لیلة القدر مراد تھی اور وہ دیکھی ہے اکیس کی صبح کے تعلق میں۔ جبکہ اعتکاف ختم ہو چکے تھے۔ آپؐ نے فرمایا اس کی مجھے علامتیں بھی دکھائی گئی ہیں۔ بارش ہو رہی ہے اور چھت ٹپک رہی ہے اور میں سجدہ کرتا ہوں تو میرے ماتھے پر گیلی مٹی لگ جاتی ہے اور پانی بھی مجھ پر پڑا ہوا ہے۔ یہ فرمانے کے بعد فرمایا کہ میں پوری طرح یاد نہیں رکھ سکا کہ بعینہٖ وہ کون سی رات ہے مگر یہ نظارہ میں نے اکیس کی رات کو دیکھا ہے۔ اس لئے آئندہ سے میں آخری عشرے میں اعتکاف بیٹھا کروں گا۔ پس جن لوگوں نے میرے ساتھ اعتکاف بیٹھنے کی سعادت پائی ہے (یعنی لفظ سعادت وہاں تو استعمال نہیں فرمایا تھا میں کہہ رہا ہوں کہ میرے ساتھ سعادت پائی ہے) وہ میرے ساتھ اسی رمضان میں اس عشرے میں بھی بیٹھیں۔ تو اس آخری عشرے میں بھی آنحضور ﷺ اعتکاف میں بیٹھے اور وہ سال ایسا تھا کہ دو اعتکاف اکٹھے ہو گئے۔ ایک وسطی عشرے کا ایک آخری عشرے کا اور راوی بیان کرتے ہیں کہ اسی رات بارش بھی ہوئی اور ہم نے خود آنحضرت ﷺ کی پیشانی پہ وہ مٹی لگی ہوئی دیکھی ہے۔ وہ چھت ٹپکی ہے اور خاص طور پر اس رؤیا کی صداقت کے اظہار کے طور پر وہاں ٹپکی کہ جہاں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سجدہ فرمایا کرتے تھے اور پھر ہم نے دیکھا کہ آپؐ بھیگ چکے تھے اور ماتھے پر وہ گیلی مٹی لگی ہوئی تھی۔ یہ روایت بخاری کتاب الاعتکاف سے لی گئی ہے اور اس کے راوی ہیں سعید الخدریؓ جو بہت مشہور اور ثقہ راوی ہیں۔ (بخاری کتاب الاعتکاف حدیث نمبر:1895)

پس اس دن سے یہ سنت پختہ ہوگئی اور اس پر آنحضرت ﷺ پھر تمام زندگی قائم رہے کہ رمضان مبارک کے آخری عشرے میں اعتکاف بیٹھا کرتے تھے اور دیگر اصحاب جن کو توفیق ملتی اور مسجد میں ان کے لئے جگہ ملتی ان کو بھی اجازت تھی کہ وہ ساتھ بیٹھیں۔

آنحضور ﷺ عام طور پر اس جگہ اعتکاف بیٹھتے تھے کہ جہاں آپؐ کے گھر کی طرف اندرون خانہ ایک کھڑکی مسجد میں بھی کھلتی تھی اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ بعض دفعہ سر میں تیل لگانا ہو اور کنگھی کرنی ہو تو آپؐ کھڑکی سے سر باہر کر دیا کرتے تھے یعنی گھر کی طرف اور میں

وہیں سے آپؐ کے سر پہ تیل لگا کر کنگھی کر دیا کرتی تھی۔ (بخاری کتاب الاعتکاف حدیث: 1888)

اور حدیث کو اپنے اصل مسلک سے ہٹا کر فقہاء میں یہاں تک بحثیں راہ پا گئی ہیں کہ مسجد میں بیٹھ کر حجامت بنوانا جائز ہے کہ نہیں ہے اور فتویٰ دینے والوں نے فتویٰ یہی دیا کہ جائز ہے۔ اور حوالہ اس حدیث کا دیتے ہیں۔ مجھے تعجب ہوا کہ جب میں نے جماعتِ احمدیہ کی فقہ میں دیکھا جو ہمارے ملک سیف الرحمٰن صاحب مرحوم کی تحریر کردہ ہے تو وہاں بھی یہی لکھا ہوا تھا۔ باقاعدہ بحث اٹھائی گئی تھی کہ سوال ہے کہ مسجد میں اعتکاف کے دنوں میں بیٹھ کر سر منڈوانا، حجامت کروانا جائز ہے یا نہیں۔ تو جواب یہ ہے کہ جائز تو ہے مگر مکروہ ہے اور مکروہ ہونے کے لحاظ سے حضرت امام مالک کا حوالہ دیا گیا ہے کہ انہوں نے اس بات کو ناپسند فرمایا۔ اس کو ناجائز اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ رسول اکرم ﷺ نے مسجد میں ہوتے ہوئے اعتکاف کی حالت میں سر کھڑکی سے باہر کیا اور وہاں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کے سر پہ تیل بھی لگایا اور کنگھی بھی کی۔ اب اس سے یہ ثابت ہو جانا تو حیرت انگیز بات ہے۔ سوال یہ ہے کہ بعض باتیں ایسی ہیں جن کا فتاوٰی سے تعلق نہیں ہوتا۔ سیدھی سادھی عقل سے تعلق ہوتا ہے۔ مسجد میں حجام آنے شروع ہو جائیں اور وہاں کپڑے بچھائے جائیں اور ان پر حجامتیں ہو رہی ہوں، ایسا بھیانک تصور ہے کہ اس پر یہ سوال اٹھانا ہی بے وقوفی ہے کہ یہ جائز ہے کہ ناجائز ہے۔ اب یہ سوال اٹھنے شروع ہو جائیں فقہ میں کہ ایک آدمی اپنی ٹانگوں کے ساتھ رسیاں باندھے، الٹا لٹک جائے، الٹا لٹک کے کھانا کھائے یہ جائز ہے کہ ناجائز ہے۔ تو جواب دیا جائے کہ جائز تو ہے مگر مکروہ ہے۔ جواب یہ ہونا چاہئے کہ تمام اہلِ عقل کیلئے ناجائز ہے اور جو بے وقوف ہیں ان کے لئے ہر چیز جائز ہے پھر مسئلہ کیا پوچھتے ہیں۔ پس جب آپ ان روایات کو یا دیگر روایات کو پڑھتے ہیں۔ وہ روایات جن کا اعتکاف یا عبادتوں سے تعلق ہے وہاں بہت سے ایسے مضمون راہ پا گئے ہیں جن پر تعجب ہوتا ہے کہ یہ سوال اٹھائے کیوں گئے ہیں۔ لیکن اگر آج کل کا کوئی تعلیم یافتہ انسان ان تمام فقہی بحثوں کو پڑھے جن کا ذکر ہمارے فقہاء کی کتب میں ملتا ہے۔ تو انسان حیران رہ جاتا ہے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ بعض متنفر ہو کے دین سے ہٹ جاتے ہیں۔ کہتے ہیں یہ فقہ ہے مذہب کی۔ جو سب سے اعلیٰ مذہب، سب سے کامل مذہب اور یہ لغو بحثیں اس میں اٹھائی جا رہی ہیں۔ کوّا حلال ہے کہ حرام ہے اگر مکروہ ہے تو اسے طیب بنانے کے لئے کیا طریق

اختیار کرنے چاہئیں۔ کتنے دن بھوکا رکھا جائے کتنے دن صرف پانی پلایا جائے تا کہ اس کا سابقہ گند دور ہو جائے اور اس کا گوشت حلال بن جائے۔ کتابیں لکھی گئی ہیں اس پر۔ ایسی ایسی بحثیں اٹھائی گئی ہیں کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔ ایک دوسرے کو مرنے مارنے پر تیار ہو جاتے تھے۔ جو کہتے تھے کوّا کھانا جائز ہے وہ کہتے تھے کہ ہم اس کے خلاف کوئی بات سننے کو تیار نہیں اور تم دین کو بگاڑ رہے ہو جب کہتے ہو کہ کوّا حرام ہے۔

میں آپ کو یہ اس لئے سمجھا رہا ہوں کہ اعتکاف کے تعلق میں بھی جو روایتیں ملتی ہیں ان کو عقل سے پہچاننا چاہئے۔ یہ دیکھنا چاہئے کہ ان کی روح کیا ہے؟ روح وہی ہے جو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی ﷺ نے بیان فرمائی اور جس پر عمل کیا کہ کوئی غیر ضروری بات نہیں کرنی۔ نہ مسجد کے اندر نہ مسجد کے باہر۔ مسجد سے باہر نکلنا ہے تو حوائج ضروریہ کی خاطر نکلنا ہے اور وہاں سنگھار پٹار بھی نہیں کرنا اور وہاں وہ زینت بھی نہیں اختیار کرنی جو عام طور پر جائز ہے۔ اس حدیث سے جو نتیجہ نکالا گیا ہے میں اس کے بالکل برعکس نتیجہ نکال رہا ہوں۔ آنحضرت ﷺ خود صبح اور شام اپنے گھر میں حوائج ضروریہ کے لئے داخل ہوا کرتے تھے۔ وہاں کنگھی اٹھا کر خود بھی کنگھی کر سکتے تھے۔ وہاں خود بھی تیل کی مالش سر پہ فرما سکتے تھے لیکن نہیں کیا کیونکہ اسے بنیادی حوائج ضروریہ میں ایسا نہیں سمجھا (حوائج ضروریہ کا مطلب یہ ہے انتہائی بنیادی ضرورت) کہ اس پر بھی وقت لگایا جائے۔ ورنہ کئی لوگ ایسے ہیں کہ خصوصاً اگر خواتین بھی اعتکاف بیٹھیں تو وہ تو بعض دفعہ آدھا آدھا گھنٹہ اپنے چہرے درست کرنے پر لگا دیتی ہیں۔ تو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی سنت کو گہری نظر سے پڑھنا چاہئے پھر صحیح سبق ملیں گے۔ پس اس روایت سے مسجد میں دوسری چیزیں نہ کرنے کا ثبوت تو ملتا ہے، کرنے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ بالکل برعکس نتیجہ ہے۔ پس آنحضرت ﷺ کا اعتکاف یہ تھا کہ مسجد سے باہر نکلتے تو محض اتنا فرض ادا کرتے جس کا مسجد میں ادا کرنا ممکن نہ ہو اور جہاں مسجد میں بعض چیزیں کرنا مناسب نہیں سمجھتے تھے وہاں سر باہر نکال لیا، اگر کسی کے لئے ایسا موقع ہو کسی کا گھر اس طرح ساتھ جڑا ہو تو اس کو یہ اجازت ہے مگر اس سے زیادہ کی نہیں۔ مگر جہاں تک ضروری امور میں بعض مشوروں کا تعلق ہے وہ مسجد میں رہ کر اعتکاف کی حالت میں بھی ناجائز نہیں ہے۔

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ ایک موقع پر جب آنحضرت ﷺ اعتکاف بیٹھے ہوئے تھے تو آپ کے خیمے میں گئیں اور وہاں کچھ دیر بعض اہم امور پر آپس میں باتیں

ہوئیں اور یہ بات اعتکاف کی روح کے خلاف نہیں تھی۔ جب آپؓ اٹھنے لگیں تو آپؐ نے فرمایا ٹھہرو میں بھی چلتا ہوں اور اس میں بھی ایک عجیب شان ہے آپؐ کے عظیم اخلاق کی۔ مسجد کو اس وقت اپنا گھر بنا بیٹھے تھے۔ اپنے گھر ایک باہر کا مہمان آیا تھا اس کی عزت افزائی کے لئے مسجد کے دروازے تک چھوڑنے گئے ہیں۔ عجیب شان ہے۔ فرمایا ٹھہرو ٹھہرو، میں بھی چلتا ہوں ساتھ۔ میں تمہیں وہاں تک چھوڑنے جاتا ہوں جہاں تک میں جا سکتا ہوں اور مسجد کے دروازے پر جا کر الوداع کہا۔ یہ وہی موقع ہے جس کے متعلق وہ حسنِ ظن اور بدظنی کے متعلق ایک عجیب روایت ملتی ہے اس وقت دو انصاری اس جگہ سے گزر رہے تھے جہاں مسجد کے دروازے سے وہ اندر دیکھ سکتے تھے کہ کیا ہو رہا ہے۔ آنحضرت ﷺ کو دیکھا تو سلام کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ ٹھہرو ٹھہرو ابھی آگے نہیں جانا۔ یہ جو میرے ساتھ خاتون کھڑی باتیں کر رہی تھیں یہ میری بیوی ہیں۔ یہ صفیہ ہیں۔ ان کو اس سے بہت صدمہ پہنچا کہ یا رسول اللہ ہم آپؐ پر بدظنی کر سکتے ہیں اور پھر وہ بھی مسجد میں اعتکاف کی حالت میں، تو آپؐ نے یہ کیوں فرمایا۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ شیطان انسان کی رگوں میں خون میں دوڑ رہا ہے۔ اس لئے تمہاری خاطر کہ کہیں خدانخواستہ تمہیں کوئی ٹھوکر نہ لگ جائے۔ اس لئے میں نے تمہیں بتا دیا کہ یہ کون ہے۔

یہ آنحضرت ﷺ کا اعتکاف تھا۔ اعتکاف میں عبادت میں بہت شدت اختیار کرتے تھے اور اللہ بہتر جانتا ہے کہ کتنا سوتے تھے کتنا نہیں۔ مگر روایات سے یہ پتا چلتا ہے کہ عام عبادات کے مقابل پر رمضان کی عبادت بہت زیادہ ہوتی تھی اور رمضان کے عام دنوں کی عبادت کے مقابل پر آخری عشرے کی عبادت بہت ہوا کرتی تھی۔ یہ دستور آنحضرت ﷺ کا اسی طرح جاری رہا یہاں تک کہ آخری سال، جس سال آپؐ کا وصال ہوا ہے، اس سال کے رمضان مبارک میں آپؐ نے پھر بیس دن کا اعتکاف کیا ہے۔ کوئی ایسی بات آپؐ کو معلوم ہوئی ہے جس کے نتیجے میں عام سنت سے ہٹ کر پھر پہلی سنت کی طرف واپس گئے ہیں اور دس دن کی بجائے بیس دن کا اعتکاف کیا۔ یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ آخری سال بھی بیس دن کا ہی اعتکاف تھا اور پھر آپؐ کا وصال ہوا ہے۔ (بخاری کتاب الاعتکاف حدیث: 1903) کچھ ایسی باتیں ہیں جن کا ہمیں معین علم نہیں ہو سکا کیونکہ بعض وحی کے ذریعے پہنچنے والی ایسی اطلاعات ہوتی تھیں جن کو شاید صحابہؓ کو صدمے سے بچانے کے لئے آنحضورؐ کھل کر بیان نہیں فرماتے تھے۔ وصال کے متعلق بھی مجھے قطعی یقین ہے

کہ آپؐ کو پوری طرح مطلع فرما دیا گیا تھا۔لیکن آپؐ ان باتوں کو صحابہؓ سے چھپا لیتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ یہ جو بیس دن کا اعتکاف ہے اس کے متعلق کچھ نہیں بتایا گیا کہ کیوں کیا تھا۔مگر جب ہم ان دونوں باتوں کو جوڑ کر دیکھتے ہیں کہ پہلے دس دن کا ہوا کرتا تھا تو وہ بیچ کے عشرے سے آخری عشرے میں چلا گیا تھا اور وہ ایک اعتکاف بیس دن کا تھا۔تو وہ جوڑ جو پیدا ہوا تھا وہاں سے آغاز تھا زیادہ سے زیادہ اعتکاف کا۔اسی زیادہ سے زیادہ اعتکاف کی حالت میں آپؐ نے آخری رمضان گزارا ہے۔

آنحضرت ﷺ کے رمضان کی کیفیت سے متعلق کچھ روایتیں آپ کے سامنے پیش کر رہا تھا۔وہ ملتا جلتا مضمون ہے جو مختلف روایتوں میں ملتا ہے میں پھر آپ کے سامنے اس کو رکھتا ہوں۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں۔یہ بخاری کی حدیث ہے کہ رسول کریم ﷺ سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور رمضان میں آپؐ کی سخاوت اور بھی زیادہ ہو جاتی تھی جب جبرائیل علیہ السلام آپؐ سے ملاقات کرتے تھے اور قرآن کا دور کرتے تھے رسول اکرم ﷺ ان دنوں تیز آندھیوں سے بھی زیادہ سخاوت فرماتے تھے۔(بخاری کتاب الصیام حدیث نمبر:1749)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اِنَّ لِلصَّائِمِ عِنْدَ فِطْرِہٖ لَدَعْوَۃٌ مَا تُرَدُّ ۔کہ ہر انسان کے لئے روزہ افطار کرنے کے وقت ایک ایسی دعا کا وقت ہوتا ہے کہ وہ دعا رد نہیں کی جاتی۔افطار کے وقت عموماً خوش گپیوں میں لوگ مصروف ہو جاتے ہیں اور ایک طبعی بات ہے سارا دن پابندیوں کے بعد جب پابندی اٹھتی ہے وہ خوش ماحول میں گفت وشنید ہوتی ہے۔مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ایک ایسا وقت آجاتا ہے جب اللہ تعالیٰ خصوصیت سے وہ دعا قبول کرتا ہے اس لئے اپنے اس وقت کو خوش گپیوں میں ضائع نہیں کرنا چاہئے۔بے تکلف گفتگو بے شک کریں لیکن دعا کو ہر وقت پیشِ نظر رکھیں اور دعا سے غافل نہ رہیں۔یہ جو دعا کا خاص وقت ہوا کرتا ہے اس کے پیچھے ہمیشہ حکمت ہوتی ہے۔سارا دن اللہ کی خاطر جب انسان روزہ رکھتا ہے اور تمام جائز چیزوں کو چھوڑ دیتا ہے تو جب دوبارہ اللہ ہی کے نام پر انہیں شروع کرتا ہے تو جس طرح انسانی دل کی کیفیت ہوتی ہے ویسی مثال تو نہیں دی جاسکتی۔مگر اور چارہ نہیں ہے انسانی جذبات اور کیفیت کا حوالہ دیئے بغیر ہم ایک دوسرے کو بات سمجھا نہیں سکتے۔تو جس طرح کوئی انسان کسی کی خاطر کوئی کارنامہ سرانجام دے کر واپس آتا ہے تو اس کی پیٹھ پر پھر وہ تھپکی دیتا ہے اور خوشی کے کلمات

اس سے کہتا ہے اپنی خوشنودی کا اظہار کرتا ہے ایک طبعی امر ہے۔ تو اللہ تعالیٰ بھی اپنے بندوں سے ایسا ہی سلوک فرماتا ہے اور اس حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے کہ سارے دن کے بعد روزہ کھولا ہے تو خدا تعالیٰ اس وقت خاص ''مانگ کیا مانگ'' کے جلوے میں ہوتا ہے۔ اور اس وقت کوئی دعا ایسی کرنی چاہئے جو انسان کی عاقبت کو درست کر دے، عاقبت سنوار دے۔ لیکن ایسا تبھی ہوتا ہے جب انسان اس امر مفوضہ، یعنی اس کام کو باحسن سرانجام دے، جو اس کے سپرد کیا گیا ہو۔ اگر کام احسن طریق پر کرنے کی بجائے اسے بگاڑ کر آیا ہو تو پھر اس سے یہ سلوک نہیں ہوا کرتا۔ پس یہ نہ خیال کریں کہ یہ کوئی میکانکی چیز ہے۔ خود بخود ہی ہر روزہ دار کو یہ موقع ملتا ہے کہ اس کی ایک دعا ضرور قبول ہوگی۔ ان روزے داروں کا ذکر ہے جو روزے کو اچھی طرح گزارتے ہیں اور ایسے انداز سے گزارتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پیار کی نظر ان پر پڑتی ہے۔ پھر جب وہ کام کو مکمل کر لیتے ہیں تو ان کی کوئی دعا ایسی ہے جسے خدا ضرور سن لیتا ہے۔ پس اس پہلو سے اپنے روزوں کو بھی سنوارنے کی کوشش کریں۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ روزہ تو میرے لئے ہے میں ہی اس کی جزاء بن جاتا ہوں یعنی روزوں کے ذریعے وصال الٰہی حاصل ہوتا ہے۔ یہ اس لئے ہے کیونکہ میرا بندہ میرے لئے روزے میں اپنی جائز خواہشات اور اپنے کھانے پینے کو بھی ترک کر دیتا ہے۔ فرمایا کہ روزہ گناہوں کے خلاف ایک ڈھال ہے اور روزے دار کے لئے دو خوشیاں مقدر ہیں ایک وہ خوشی جو اسے اس وقت حاصل ہوتی ہے جب وہ خدا کے فضل سے اپنے روزوں کو مکمل کر لیتا ہے۔ یعنی ہر روز جب وہ روزہ مکمل کرتا ہے تو اسے خوشی میسر آتی ہے یہ خوشی اسے دنیا میں ملتی ہے اور ایک وہ خوشی ہے جو اسے آخرت میں ملے گی جب وہ اپنے رب سے اس حالت میں ملے گا کہ وہ اس سے راضی ہوگا۔ نیز آنحضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ روزہ دار کے منہ کی بُو خدا کو مشک کی بُو سے بھی زیادہ پیاری ہے۔ (بخاری کتاب الصوم حدیث: 1771)

اس حدیث میں ''میں جزاء بن جاتا ہوں'' کا جو مضمون ہے وہ کھول کر سمجھایا گیا ہے کہ عام عبادات میں انسان جائز باتیں ترک نہیں کرتا۔ کوئی اور عبادت ایسی نہیں ہے جو وہ جائز چیزیں جو انسان کے لئے خدا تعالیٰ نے خود جائز قرار دے دی ہیں وہ خدا کی خاطر چھوڑ رہا ہو۔ ایک روزہ ایسی چیز ہے جس میں تمام حلال باتیں بھی منع ہو جاتی ہیں سوائے سانس لینے کے۔ کیونکہ یہ تو ایک ایسی چیز

ہے جس کے بغیر پھر زندگی نہیں چل سکتی۔ تو خدا کے قریب ترین آنے والی عبادت روزہ ہے جو خدا سے مماثلت میں سب سے زیادہ قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ حی و قیوم ہے کسی غذا کا محتاج نہیں، کسی پانی کا محتاج نہیں اور روزمرہ زندگی میں انسان ان چیزوں کا محتاج رہتا ہے۔ عبادتیں پھر بھی ساتھ جاری رہتی ہیں۔ رمضان مبارک میں اور روزوں میں انسان خدا کی خاطر خدا کی مشابہت میں قریب تر آ جاتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اس کی جزاء بن جاتا ہوں۔ یعنی اس نے زیادہ سے زیادہ میرے قرب کی کوشش کی ہے۔ عبادت کا جو لفظ ہے (یہ دراصل عبادت اور عبودیت یہ دو الفاظ ہیں اسی طرح ایک عبدیت کا لفظ بھی ہے جس میں عبد کا مضمون پایا جاتا ہے)۔ عبد کہتے ہیں غلام کو۔ عبد کہتے ہیں اس شخص کو جس کا اپنا کچھ نہ رہا ہو اور انہی معنوں میں اللہ نے قرآن کریم میں انسانوں کے لئے عبد کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ اس لئے کہ وہ پیدائشی غلام ہیں۔ ''گھر سے تو کچھ نہ لائے'' والا مضمون ہے۔ نہ اپنی بناوٹ میں ان کا کوئی عمل دخل، نہ اپنی بقا میں ایک ذرّے کا بھی ان کی کمائی کا کوئی دخل ہے۔ یہ تمام تر انسان کا وجود اللہ تعالیٰ کے احسانات کا مرہون ہے اور اسی کی تخلیق کے نتیجے میں انسان کو وجود کی خلعت بخشی جاتی ہے۔ تو وہ پیدا غلام ہوا ہے یہ یاد رکھنا چاہئے۔ اس کا اپنا کچھ نہیں کیونکہ غلام کی تعریف یہ ہے کہ جس کا اپنا کچھ نہ ہو اور پھر اسے عارضی طور پر ملکیتیں عطا ہوتی ہیں یہاں تک کہ پھر اس سے تقاضا کیا جاتا ہے کہ از خود اپنی ملکیتوں کو ترک کر کے خدا کے سپرد کرنا شروع کرو اور یہ عبادت ہے۔ عبادت کا اعلیٰ مقصد یہی ہے کہ انسان کو اس بات کی تربیت دے کہ خالی ہاتھ آیا تھا دنیا میں آ کر ہاتھ بھر گئے، بہت سی چیزیں مل گئیں، بہت سی چیزوں سے تعلقات قائم ہو گئے، اب از خود، جبراً نہیں، موت کے ذریعے نہیں بلکہ خود اپنے اوپر ایک موت طاری کر کے ان چیزوں کو خدا کے سپرد کرنا شروع کرو۔ ساری نہیں تو کچھ نہ کچھ کرو۔ لمبے عرصے تک نہیں تو کچھ عرصے کے لئے کرو یہاں تک کہ تمہارا ارادہ تمہاری عبدیت میں شامل ہو جائے اور اس کا نام عبادت ہے۔

عبودیت سے عبادت کا یہ فرق ہے کہ عبودیت میں تو بندے کے جتنے سلوک ہیں وہ سارے اس لفظ میں آ جاتے ہیں۔ عبادت بندے کے اس تعلق کو کہتے ہیں جو از خود اپنے شرح صدر کے ساتھ اپنی ملکیتوں کو خدا کی طرف لوٹا رہا ہے اور اپنے تعلقات کو اس کیلئے خاص کر رہا ہے دنیا سے تعلق کاٹتا ہے، اللہ کے سپرد ہو جاتا ہے، اپنی تمناؤں کا مرکز اس کو بنا لیتا ہے۔ تو ہر جگہ جو انتقال ہے ذہنی ہو یا عملی

ہو یہ دراصل خدا کی ہی چیز خدا کے سپرد کرنے والی بات ہے۔ یہ حالت جب ترقی کرتی ہے تو اس کو مزید مدد دینے کیلئے روزہ جگہ جگہ اس کے سہارے کے لئے آ کے کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس حالت میں اپنے تمام وجود کو اس طرح خدا کے سپرد کر دینا کہ گویا موت کے قریب پہنچ جائے اور رمضان جب گرمیوں میں آتا ہے تو وہ واقعی موت کے قریب پہنچانے والی بات ہے۔ ہم نے خود بہت سخت رمضان ربوہ کے ابتدائی دنوں میں کاٹے ہیں۔ ایسے سخت رمضان تھے وہ کہ آپ یہاں بیٹھ کے تو اس کا تصور کر ہی نہیں سکتے۔ بعض دفعہ ایک ایک ہفتے تک ایک سوبیس درجے سے اوپر درجہ حرارت رہتا تھا۔ ایک دفعہ مجھے یاد ہے 124 درجہ حرارت تقریباً دن رات رہتا تھا کیونکہ دن کو دھوپ پڑتی تھی اور رات کو پہاڑیاں ریڈی ایشن (Radiation) کرتی تھیں اور دن کی جذب کی ہوئی گرمی وہ سورج کی قائم مقامی میں واپس چھوڑ رہی ہوتی تھیں اور ہم ٹمپریچر دیکھتے تھے کوئی فرق ہی نہیں پڑتا تھا نہ دن کو نہ رات کو حالانکہ عرب میں بہت گرمی ہوتی ہے لیکن رات بہت ٹھنڈی ہو جاتی ہے اس لئے کچھ Relief مل جاتا ہے۔ تو روزہ اس طرح کھولتے تھے کہ نیم مردہ کی حالت ہوتی تھی اور بعض لوگ چادریں بھگو بھگو کر اوپر لیتے تھے، پنکھے بھی نہیں تھے، بڑی سخت گرمیاں تھیں۔ بجلی کوئی نہیں تھی، مکان تھوڑے تھے اور مٹی بہت اڑتی تھی۔ عجیب قسم کی بلائیں تھیں جو گھیرے ہوئے تھیں۔ لیکن اللہ نے اس زمانے میں بھی بچوں کو اور بڑوں کو خوب توفیق دی اور اپنے فضل سے ان بداثرات سے بھی بچالیا۔

رمضان خدا کی خاطر ایسی سختیوں کا نام ہے کہ جو بعض دفعہ موت کے منہ تک پہنچا دیتی ہیں اور اس کے نتیجے میں اللہ کہتا ہے کہ میں جزا ہوں۔ اور فرمایا ہے کہ مجھے ایسے شخص کے منہ کی بدبو بھی جو رمضان میں میری خاطر اس نے قبول کر لی ہے، یہ کستوری کی خوشبو سے بہتر لگتی ہے۔ یہ مراد تو نہیں ہے کہ کستوری کی خوشبو اللہ تعالیٰ سونگھتا ہے لیکن خالق کو اس چیز کی صفات کا علم ہوتا ہے۔ جب تک ایک خالق کو اس چیز کی صفات کا علم نہ ہو وہ چیز بنا ہی نہیں سکتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ کہنا بے ہودہ بات ہے کہ وہ سونگھ سکتا ہے کہ نہیں۔ جو چیز اس نے پیدا کی ہے اس کے تمام خواص سے وہ واقف ہے ورنہ اس کی تخلیق کے ڈیزائن میں وہ خواص آ ہی نہیں سکتے۔ پس یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ بدبو کیا ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ خوشبو کیا ہوتی ہے اور اس موقع پر وہ خوشبو پر بُو کو ترجیح دے رہا ہے۔ لیکن اس سے مومن عموماً یہ تو خوش ہو جاتے ہیں کہ ہمارے رمضان کی منہ کی بُو اچھی بات

ہے، کوئی حرج نہیں۔ لیکن یہ بات بھول جاتے ہیں کہ اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ رمضان کے بعد بھی تمہارے منہ کی بدبو پسند ہے اور آنحضرت ﷺ کی سیرت جو سارا سال جاری رہتی تھی اس طرف توجہ نہیں کرتے۔ اس کا مطلب ہے کہ خدا تعالیٰ کے پاک بندے اپنے منہ کو ہمیشہ صاف ستھرا رکھتے ہیں اور سوائے رمضان کی مجبوری کے ان کے منہ سے بُو نہیں آتی۔ یہ پہلو بھی تو دیکھیں۔ اس لئے رمضان میں تو مجبوری ہے رمضان کے بعد خوب مسواک کیا کریں اور اپنے منہ کو ہمیشہ پاک صاف رکھیں، منجن استعمال کریں، کلیاں باقاعدہ وضو کے ساتھ تو کرتے ہیں کھانے کے بعد بھی کیا کریں۔ اس سے آپ کے دانت وغیرہ بھی ٹھیک رہیں گے اور پھر رمضان میں جب داخل ہوں گے پھر آپ کے منہ کی بُو وہ بُو بنے گی جسے اللہ تعالیٰ پسند فرمائے گا۔ ورنہ رمضان سے باہر بھی وہی بُو تھی تو پھر خدا کو یہ کہنے کی کیا ضرورت ہے کہ مجھے تمہارے منہ کی بُو کستوری سے بہتر لگتی ہے۔ کیونکہ وہ بُو تو پھر تمہارے اپنے مزاج کی بُو ہے خدا تعالیٰ کی خاطر نہیں ہے۔

میں نے یہ پہلے بیان کیا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے رمضان میں دنیا کے ابتلاؤں سے بچنے کو قربانی قرار دیا ہے۔ چنانچہ آنحضور ﷺ فرماتے ہیں کہ روزے دار جب دنیا سے کٹ کر مسجد کا ہو رہتا ہے تو میں اسے خوشخبری دیتا ہوں کہ وہ مسجد سے باہر جو نیک کام کیا کرتا تھا ان سے محرومی کا اس کو کوئی صدمہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وہ تمام نیک کام اس کے نہ کرنے کے باوجود اس کے کھاتے میں لکھ دیئے ہیں۔ تو نیکی اصل وہی ہے جو آزمائشوں میں پڑ کر دنیا کے ساتھ تعلقات کے دوران ظاہر ہو رہی ہے اور اعتکاف اس نیکی کو ترقی دینے کی بات نہیں ہے اس نیکی سے عارضی طور پر خدا کے لئے ایک اور نیکی کی خاطر محروم ہونے کا نام ہے۔ لیکن روزمرہ کی مومن کی زندگی وہی ہے جو تمام دنیا کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے گزرے اور اس کے ساتھ ساتھ خدا کے عائد کردہ فرائض کے تقاضے بھی پوری طرح شان کے ساتھ پورے ہوں۔ یہ ہے وہ صراطِ مستقیم جس کے لئے ہم روزانہ دعا کرتے ہیں۔

مسلم کتاب الصیام باب فضل الصیام میں یہ روایت ہے کہ حضرت سہلؓ بن سعد بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں ایک دروازہ ہے جس کو ''ریّان'' یعنی سیرابی کا دروازہ کہتے ہیں۔ اس دروازے میں سے قیامت کے دن صرف اور صرف روزہ دار جنت میں داخل

ہوں گے اوران کے علاوہ ان کے ساتھ اس دروازے میں کوئی داخل نہیں ہوگا۔اس دن یہ منادی کی جائے گی کہ روزہ دار کہاں ہیں؟ پھران کو بلا بلا کراس دروازے کے ذریعے سے جنت میں داخل کیا جائے گا اور جب آخری روزہ داراس دروازے میں سے داخل ہو جائے گا تو اس دروازے کو بند کر دیا جائے گا اور کوئی غیراس میں سے جنت میں داخل نہ ہو سکے گا۔‘‘(مسلم کتاب الصیام حدیث: 1947)

یہ حدیث ایک ظاہری منظر کھینچ رہی ہے پچھلے سال بھی غالباً میں نے اس کے بعض پہلوؤں پر روشنی ڈالی تھی۔اس ظاہری منظر کو کلیۃً ظاہر پر محمول کرنا نہ تو اس حدیث کا منطوق ہے نہ اس سے آپ فائدہ اٹھا سکیں گے اور نہ جنت کا کوئی صحیح تصور آپ کے ذہن میں ابھرے گا کہ جنت کیا ہوتی ہے۔ اگر وہاں گیٹ لگے ہوں اور کہا جائے کہ اس دروازے سے آ جاؤ تو اس سے مستقلاً کسی کو کیا فائدہ! اور ایک آدمی نمازی بھی ہے نماز کے دروازے سے بھی اس کو بلایا جائے گا اور نیکیاں بھی کرتا ہے جنت کے سات نیکیوں کے دروازے ہیں وہ باری باری ایک سے نکل کر دوسرے میں جائے، پھر اس سے نکل کر تیسرے میں جائے۔کیا یہ منظر ہے جو جنت کے تعلق میں انسان اپنے تصور میں قائم کرسکتا ہے؟ بالکل درست نہیں۔ یہاں اس کی مثال حواس خمسہ سے دی جاسکتی ہے۔ایک انسان جسے دیکھنے کی حس عطا ہوئی ہو وہ دنیا کے اکثر تجارب میں اس حس کے دروازے سے دنیا میں داخل ہوتا ہے اور دیکھنے سے تعلق کی ساری لذتیں اس کو نصیب ہوتی ہیں اور اس کے لئے باری باری کی بحث نہیں ہے کہ اب وہ آنکھوں کے رستے داخل ہو۔ پھر وہ کانوں کے رستے داخل ہو بلکہ کانوں کا بھی ایک دروازہ دنیا میں قائم ہوا ہے اور کانوں کے رستے بھی وہ دنیا میں داخل ہوتا ہے اور سماعت سے تعلق رکھنے والی لذتیں حاصل کرتا ہے۔تو پانچ مختلف جو حصے ہیں وہ گویا کہ اس کے لئے دنیا میں داخل ہونے کے دروازے ہیں ایک دروازہ بند ہو جائے تو اس مضمون کی دنیا اس کے لئے کالعدم ہو جاتی ہے۔اس کے تعلقات کے دائرے سے باہر نکل جاتی ہے۔اسی دنیا میں رہتا ہے مگر کم لطف اٹھاتا ہے۔ایک اندھا، دیکھنے والے کی نسبت کم لطف اٹھاتا ہے۔ایک نہ سننے والا، سننے والے کی نسبت کم لطف اٹھاتا ہے۔ایک منہ کی لذت سے محروم انسان یا اس کے بعض پہلوؤں سے محروم انسان اسی طرح کھانے میں کم لطف اٹھاتا ہے۔بعض بے چاروں کی خوشبو کی طاقت مر جاتی ہے۔ان کو کیا پتا کہ پھولوں کی مہک کیا ہوتی ہے۔وہ پہلوان کی لذتوں کا ان کے ہاتھ سے جاتا رہتا ہے۔تو مراد یہ ہے کہ بے روزے بھی جنت

میں داخل ہو جائیں گے۔ یعنی یہ تو نہیں کہ جن کو روزے کی توفیق نہیں ملی وہ داخل ہی نہیں ہوں گے۔ مگر یہاں خدا کی خاطر سیرابی سے محرومی کا جو وہ تجربہ کر چکے ہیں اس کے نتیجے میں انہیں ایک خاص حس عطا ہوتی ہے جو آئندہ جنت میں ان کو غیر معمولی طور پر جنت کی نعمتوں سے سیراب ہونے کا سلیقہ اور قوت عطا کرے گی۔

پس یہ وہ دروازے ہیں جن کا حدیثوں میں ذکر ملتا ہے ورنہ ظاہری طور پر کسی دروازے سے جنت میں چلے جانا وہ آج چلا گیا کل بھول گیا۔ ہمیشہ ہمیش کے لئے جنت میں رہنا ہے۔ تو دروازے کس کو یاد رہیں گے لیکن جو مضمون میں بتا رہا ہوں جو روزمرہ کی زندگی میں ہمارا تجربہ شدہ مضمون ہے اس سے پتا چلتا ہے کہ جو شخص بینائی کے دروازے سے دنیا میں داخل ہوتا ہے اس کی موجیں ہی اور ہیں بہ نسبت اس بے چارے کے جو اس دروازے سے داخل نہیں ہوتا۔ پس اسی جنت میں جس میں اور بھی لوگ رہ رہے ہوں گے روزے دار کی لذتیں اور ہوں گی اور جو سیرابی کا لطف ہے وہ ایک غیر معمولی لطف اس کو نصیب رہے گا۔ پھر فرمایا وہ دروازہ بند ہو جائے گا اس کے بعد دوسروں کے لئے پھر وہ نہیں کھلے گا۔

بخاری کتاب الصیام میں حضرت انسؓ بن مالک کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''مسلمانو! سحری کھایا کرو کیونکہ سحری کھانے میں برکت ہے۔'' (بخاری کتاب الصوم حدیث: 1785)

یہ سحری کھانے میں برکت کا جو مضمون ہے وہ یہ ہے کہ بعض لوگ زیادہ نیکی اختیار کرنے کی خاطر اس زمانے میں آٹھ پہرے روزے رکھا کرتے تھے اور یہ ظاہر کرتے تھے کہ خدا کی خاطر بھوک کو زیادہ برداشت کرنا یہ دراصل نیکی ہے۔ آنحضرت ﷺ کے سامنے جب بھی ایسے لوگ آئے آپؐ نے اس کی اصلاح فرمائی اور سمجھایا کہ نیکی خدا کو زبردستی خوش کرنے میں نہیں ہے کیونکہ کوئی دنیا میں خدا کو زبردستی خوش نہیں کر سکتا۔ جتنی تمہاری طاقت ہے تم اپنے اوپر جتنی چاہو تنگیاں ڈال لو اس کے ذریعے سے خدا کو خوش نہیں کر سکتے۔ خدا کو خوش کرنا اس کی رضا میں ہے۔ پس جب خدا نے تمہارے لئے سحری کا کھانا خود مقرر فرما دیا ہے تو اس سے ہاتھ کھینچ لینا اور اسے نیکی سمجھنا جائز نہیں۔ پس سحری میں برکت ہے، اٹھا کرو اور اس خیال سے کھایا کرو کہ اللہ نے تم پر رحم فرماتے ہوئے چوبیس گھنٹے کا روزہ نہیں رکھوایا بلکہ نصف دن یا کم و بیش جو بھی شکل ہو کا روزہ رکھوایا ہے۔ تو اس لئے سحری ضرور کھانی

چاہئے اور اگر اس خیال سے کھائیں گے تو پھر اس میں زیادہ لطف محسوس ہوگا۔

ترمذی ابواب الصوم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ تمہارا رب فرماتا ہے کہ ہر نیکی کا ثواب دس گُنا سے لے کر سات سو گنا تک ہے اور روزے کی عبادت تو خاص میرے لئے ہے۔ میں خود اس کی جزا ہوں یا جزا دوں گا۔ (دونوں الفاظ ملتے ہیں۔) روزہ آگ سے بچانے کے لئے ڈھال ہے اور روزے دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک کستوری کی خوشبو سے بھی زیادہ محبوب ہے۔

جہاں تک یہ ''گُنا'' کی بحث ہے قرآن کریم میں جب زیادہ گنا، اتنے گنا کی بات چلتی ہے جیسا کہ فرمایا کہ وہ بیج جو پھوٹے اور اس پہ ایک دانے میں سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں تو وہ سات سو گُنا کی بات ہے۔ یہ حدیث اسی طرف اشارہ کر رہی ہے مگر ساتھ ہی اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتا ہے کہ جس کے لئے چاہے وہ اس سے بھی بڑھا دیتا ہے۔ پس جو سات سو گنا کا مضمون ہے یا اس سے دس گنا کا، جو بھی شکل ہو اس سے مراد ہرگز یہ نہیں کہ گن گن کر بعینہٖ اتنے گنا ثواب ملتا ہے اور بات ختم ہو جاتی ہے۔ یہ ذرا تحریص کے لئے اس قسم کے نقشے کھینچے گئے ہیں تا کہ لوگوں کو خوشی پیدا ہو، دل میں شوق پیدا ہو۔ ایسی نیکیوں کو اختیار کرے کہ تھوڑے عمل کے نتیجے میں زیادہ جزا مل جائے۔ مگر دراصل جزاء لامحدود ہے اور اسی مضمون کو قرآن ہی سے لیا گیا ہے۔ لامحدود کا آخری کنارہ خدا ہے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے یہاں یہ نہیں فرمایا کہ سات سو سے بڑھا کر بھی دیا جا سکتا ہے۔ فرمایا کہ اتنا بڑھایا جا سکتا ہے کہ خدا خود جزا بن جائے۔ اگر خدا خود جزا بن جائے تو اسے آپ کتنے گُنوں میں شمار کریں گے۔ لاکھ گنا کروڑ گنا دس ارب گنا اس سے بھی زیادہ جتنا تصور کر لیں وہ گنتی میں نہیں آ سکتا۔ تو قرآن کریم ہی میں آنحضرت ﷺ کی احادیث کی بنیادیں ہیں۔ وہ تمام احادیث جو حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ سے وابستہ ہیں، اگر آپ فراست سے کام لیں اور ان کو قرآن میں تلاش کریں تو ایک بھی حدیث ایسی نہیں ملے گی جس کی قرآن میں جڑیں نہ ہوں اور وہیں انہی آیات سے یہ مضمون آنحضور ﷺ نے اٹھائے ہیں۔ پس اس پہلو سے سب سے زیادہ پاک تفسیر قرآن کی محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہے اور آپ کا کلام اس تفسیر پر مزید روشنی ڈالتا ہے۔ اب آخر پر میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اقتباس آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں:

”اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو دوسری امتوں کی طرح اس امت میں کوئی قید نہ رکھتا مگر اس نے قیدیں بھلائی کے واسطے رکھی ہیں۔ میرے نزدیک اصل یہی ہے کہ جب انسان صدق اور کمال اخلاص سے باری تعالیٰ میں عرض کرتا ہے کہ اس مہینے میں مجھے محروم نہ رکھ تو خدا تعالیٰ اسے محروم نہیں رکھتا اور ایسی حالت میں اگر انسان ماہ رمضان میں بیمار ہو جائے تو یہ بیماری اس کے حق میں رحمت ہوتی ہے کیونکہ ہر ایک عمل کا مدار نیت پر ہے۔ مومن کو چاہئے کہ وہ اپنے وجود سے اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی راہ میں دلاور ثابت کر دے۔ جو شخص کہ روزے سے محروم رہتا ہے مگر اس کے دل میں یہ نیت دردِ دل سے تھی کہ کاش میں تندرست ہوتا اور روزہ رکھتا اور اس کا دل اس بات کے لئے گریاں ہے تو فرشتے اس کے لئے روزے رکھیں گے بشرطیکہ وہ بہانہ جُو نہ ہو۔“ (ملفوظات جلد 2 صفحہ 563)

پس رمضان تو اب ہاتھ سے نکلا چلا جاتا ہے بہت سے ایسے ہمارے بیمار اور کمزور جو کسی مجبوری کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکے ان کی تسلی کے لئے میں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ اقتباس آپ کے سامنے رکھا ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں کہ ایسے لوگ غم نہ کریں اگر بیماری سے پہلے کی حالت میں انہیں روزے کی تمنا تھی تو ان کی بیماری کے روزے بھی ان کے حق میں لکھے جائیں گے اور اگر پہلے تمنا نہیں تھی تو بیماری کے روزے نہ رکھنے کی اجازت سے بھی وہ فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ یہ مضمون ہے جسے میں آپ کو سمجھانا چاہتا ہوں۔ رمضان کے تعلق میں ہمیں اصل میں زندگی کا فلسفہ مل گیا ہے۔ اس دنیا میں جو لوگ نیکی کی تمنا رکھتے ہیں اور نیکی کرنے کی کوشش کرتے ہیں موت ان کے سفر کو ختم کر دیتی ہے مگر خدا کے نزدیک وہ نیکیاں جاری رہتی ہیں۔ اسی لئے لامتناہی جزا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ روزے کی تمنا لے کر اور حسب توفیق روزے رکھتے ہوئے اگر بیماری پڑ گئی تو تمہارا عمل منقطع نہیں ہوگا خدا کے حضور لکھا جائے گا اور جزا بھی لامتناہی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ اس رمضان کی جزا تمام دنیا کے احمدیوں کے لئے اور بنی نوع انسان کے لئے، ان کے فیض سے لامتناہی کر دے۔ خدا کرے کہ جو دن کوتاہی میں کٹ گئے ان کا نقصان ہمیں نہ

پہنچے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عفو کا ہاتھ ان کوتاہیوں کو مٹا دے اور ہماری نیکیوں کو اجاگر کر دے اور ہمیشہ کے لئے زندہ رکھے اور آئندہ آنے والی نسلوں کو بھی ان کا فیض پہنچتا رہے۔ آمین۔

جمعۃ المبارک کی برکات اور جمعۃ الوداع کے متعلق وضاحت

کسوف وخسوف کے نشان پر سوسال پورے ہونے پر مبارکباد

(خطبہ جمعہ فرمودہ 11 / مارچ 1994ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیات کریمہ تلاوت کیں۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ
الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝۲
هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ
وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ
قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۳
وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۴
ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝۵

(الجمعہ: 1 تا 5)

پھر فرمایا:۔

رمضان مبارک میں ایک لمبے انتظار کے بعد بالآخر وہ جمعہ جسے جمعۃ الوداع کہا جاتا ہے آ ہی جاتا ہے۔ لمبا انتظار اس لحاظ سے کہ وہ لوگ جنہیں نمازوں کی عادت نہ ہو، جنہیں جمعہ پہ جانے

کی عادت نہ ہو، جنہیں روزے رکھنے کی عادت نہ ہو، ان کے لئے تو سال بھر میں یہ ایک ہی جمعہ ہے جوان کے لئے سب قسم کی خوشیوں اور برکتوں کا پیغام لے کر آتا ہے۔ پس سارا سال اس جمعہ کا انتظار کرتے ہیں اور پھر رمضان مبارک میں اس جمعہ کا انتظار کرتے ہیں اور اس کا نام جمعۃ الوداع رکھا ہوا ہے۔ یعنی رخصت ہونے والا جمعہ یا رخصت کرنے والا جمعہ۔ اسی طرح بالآخر وہ جمعہ آیا کہ رمضان رخصت ہوا اور رمضان کے نتیجہ میں جو پابندیاں عائد ہوئی ہیں ان پابندیوں سے گویا چھٹکارا نصیب ہوا۔ ایک یہ وہ تصور ہے جو عامی تصور ہے اور ایک وہ تصور ہے جو حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے ہمارے سامنے پیش فرمایا کہ رمضان مبارک میں ہتھکڑیاں تو لگتی ہیں مگر شیطان کو، پابندیاں تو عائد ہوتی ہیں مگر شیطان پر اور مومن کے لئے تو یہ جنتوں کی خوشخبریاں لے کر آتا ہے۔ یہ دو متقابل، متصادم تصورات ہیں جب سے اسلام آیا ہے اسی طرح اگر آغاز سے نہیں تو کچھ عرصے کے بعد سے مسلسل رائج چلے آرہے ہیں۔

جمعۃ الوداع کے متعلق جو یہ تقدس کا تصور ہے یہ میں نہیں جانتا کب سے شروع ہوا لیکن جمعۃ الوداع کے تقدس کا جو تصور ہندوستان اور پاکستان اور دنیا کے دوسرے علاقوں کے مسلمانوں میں پایا جاتا ہے اس کی تاریخ بہت گہری دکھائی دیتی ہے۔ ایک لمبے عرصے سے روایتاً اس تقدس کے قصے چل رہے ہیں۔ اس خیال سے میں نے سوچا کہ اس دفعہ جب رمضان المبارک کے جمعۃ الوداع پر آپ سے بات کروں تو احادیث میں سے اس جمعہ کی برکتوں کا ذکر نکال کر بطور خاص تحفۃً آپ کے سامنے پیش کروں۔ لیکن بہت علماء بٹھائے، بہت کتابیں حدیثوں کی دیکھیں اشارۃً بھی کہیں جمعۃ الوداع کا ذکر نہیں ملتا۔ جمعہ کی برکتوں سے متعلق مضامین احادیث میں بکثرت ملتے ہیں لیکن ہر جمعہ کی برکت سے متعلق وہ مضامین ملتے ہیں۔ مگر یہ تصور کہ گویا مسلمان ایک آخری جمعہ کا انتظار کر رہے ہوں اور اس جمعہ میں برکتیں ڈھونڈنے کے لئے بے چین اور بے قرار ہوں یہ تصور احادیث نبوی ﷺ میں، سنت میں کہیں اشارۃً بھی مذکور نہیں۔ ہاں آخری عشرہ کی برکتوں کا ذکر بہت کثرت سے ملتا ہے اور جمعہ کی برکتوں کا سارے سال میں، جہاں بھی جب بھی جمعہ آئے، اس کی برکتوں کا ذکر ملتا ہے۔ پس یہ بات میں آپ کے ذہن نشین کرانا چاہتا ہوں کہ وہ مسلمان بھائی خواہ وہ جماعت سے تعلق رکھتے ہیں یا نہیں رکھتے، جن کو بدنصیبی سے نماز پڑھنے کی عادت نہیں جو سال میں ایک ہی مقدس دن کی تلاش میں تھے

اور آج اس دن کی خاطر غیر معمولی طور پر مساجد میں اکٹھے ہو گئے ہیں ان تک یہ میری آواز پہنچے گی اور آج پہنچے گی۔ پھر شاید نہ پہنچے کیونکہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ دوبارہ ان کو پھر مسجدوں میں آنے کی توفیق ملتی ہے کہ نہیں لیکن اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں ان کو بتاتا ہوں کہ جمعۃ الوداع کا کوئی خاص تقدس نہ قرآن میں مذکور ہے نہ احادیث میں مذکور ہے۔ نہ سنت سے ثابت ہے نہ صحابہ کرام کے عمل سے بعد میں ثابت ہے۔ پس جس دن کا آپ نے انتظار کیا تھا وہ تو اس پہلو سے خالی نکلا لیکن جمعۃ المبارک کے تقدس کا بہت ذکر ملتا ہے۔ قرآن میں بھی ملتا ہے، احادیث میں بھی ملتا ہے اور یہ ہر جمعہ ہے جو ہر ہفتے آپ کے سامنے آتا ہے۔ اس کے علاوہ نمازوں کے تقدس کے ذکر سے تو قرآن بھرا پڑا ہے۔ جمعۃ الوداع تو سال میں ایک دفعہ آتا ہے۔ جمعۃ المبارک ہر ہفتے آتا ہے اور نماز دن میں پانچ مرتبہ آتی ہے اور اس پانچ مرتبہ آنے والی چیز کا اس کثرت سے قرآن میں ذکر ہے کہ کسی اور عبادت کا اس طرح ذکر نہیں۔

تو برکتوں سے بھرا ہوا نیک اعمال کا خزانہ ہے اس سے تو منہ موڑ لیتے ہو اور سارا سال ایک جمعہ کا انتظار کرتے ہو جیسا کہ میں نے بتایا ہے اس جمعہ کی کوئی اہمیت کہیں مذکور نہیں، تو کم سے کم اس جمعہ سے یہ برکت تو حاصل کر جاؤ یہ جان لو کہ عبادت ہی میں برکت ہے، عبادت ہی میں خدا تعالیٰ کے فضل ہیں، عبادت ہی سے اس کی رضا وابستہ ہے۔ عبادت ہی سے دنیا کی خیر اور آخرت کی خیر وابستہ ہے اور مومن کے لئے عبادت ہر روز پانچ مرتبہ فرض کی گئی ہے۔ روزمرہ کی زندگی میں جب آپ مساجد کے پاس سے گزرتے ہیں تو اکثر آپ دیکھتے ہیں کہ مساجد بہت بڑی ہیں اور یوں لگتا ہے جیسے بے وجہ اتنی بڑی مساجد بنا دی گئی ہیں۔ لیکن آج وہ دن ہے جب آپ کسی مسجد کے پاس سے گزر کے دیکھیں تو آپ یہ دیکھ کر حیران ہوں گے کہ مسجدوں سے نمازی چھلک چھلک کر باہر آ گئے ہیں گلیاں بھر گئی ہیں، بعض بازار بند کرنے پڑے ہیں۔ لاہور ہو کراچی ہو یا دنیا کے اور بڑے بڑے شہر وہاں مساجد کے باہر جو بازار یا ملحقہ گلیاں ہیں وہاں بعض دفعہ دیکھیں گے کہ سائبان لگائے گئے ہیں اور جگہ جگہ بلاک کر کے سڑکوں کو بند کیا گیا ہے کہ آج یہاں نمازی نماز پڑھ رہے ہیں۔ یہ وہ نمازی ہیں جن کے متعلق خدا تعالیٰ کو توقع ہے کہ ہر روز پانچ وقت جہاں مسجد میسر آئے وہاں جا کر نماز پڑھیں گے۔ اب اس سے آپ اندازہ کریں کہ ایک وہ تصور ہے جو قرآن اور سنت کا ہے عبادتوں کے متعلق

رحمتوں اور برکتوں کے متعلق رضوان اللہ کے متعلق اور ایک وہ ہے جو عام دنیا میں رائج ہے اور مسلمان سمجھتے ہیں کہ یہی ایک گر ہے نجات پانے کا۔ ان دونوں میں کتنا فرق ہے۔

حقیقی نجات خدا کی اطاعت میں ہے اور خدا کی اطاعت عبادت کے بغیر نصیب نہیں ہو سکتی۔ عبادت پہلا دروازہ ہے جو اطاعت کے لئے قائم فرمایا گیا ہے۔ اس دروازے سے داخل ہو گئے تو پھر ساری اطاعتوں کی توفیق میسر آ سکتی ہے۔ جس نے یہ دروازہ اپنے پر بند کر لیا اس کے لئے کوئی اطاعت نہیں ہے۔ نماز کی اہمیت کے اوپر حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے اتنا زور دیا ہے اور پھر نماز باجماعت کی اہمیت پر کہ ایک موقع پر صبح کی نماز کے بعد آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ دیکھو اس وقت بھی صبح کی نماز کے وقت کچھ لوگ ہیں جو گھروں میں سوئے پڑے ہیں اور اگر خدا کی طرف سے مجھے اجازت ہوتی تو میں یہ باقی جو نمازی تھے ان کے سروں پر لکڑیوں کے گٹھے اٹھواتا اور ان کو ان کے گھروں میں جلا دیتا مگر مجھے اس کی اجازت نہیں ہے۔ میں داروغہ نہیں بنایا گیا۔ اب حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ سے بڑھ کر شفیق دل آپ کو دنیا میں ڈھونڈنے سے کہاں ملے گا، تصور میں نہیں آ سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ یہ فرما کر فرمایا بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ (التوبہ: 129) جب بھی خدا کے بندوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے یعنی اے لوگو! خدا کے بندو! عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ اس پر تمہاری تکلیف بہت شاق گزرتی ہے یہ خطاب کا پہلا حصہ عام ہے۔ پھر فرمایا جہاں تک مومنوں کا تعلق ہے۔ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ وہ تو جیسے اللہ اپنے بندوں پر رؤف اور رحیم ہے جیسے اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے اور بار بار رحم لے کر آتا ہے اس طرح مومنوں پر تو یہ رسولؐ رؤف بھی ہے اور رحیم بھی ہے۔ اس رسولؐ کے منہ سے کلمہ نکلا ہے کہ اگر مجھے یہ اجازت ہوتی تو میں لکڑیوں کے گٹھے اٹھوا کر ان نمازیوں کو ساتھ لے کر چلتا اور جو بے نماز ہیں ان کو ان کے گھروں میں جلا دیتا۔

دراصل اس میں ایک پیغام ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو عبادت نہیں کرتے وہ آگ کا ایندھن ہیں اور بہتر ہے کہ اس دنیا میں جل جائیں بہ نسبت اس کے کہ مرنے کے بعد کی آگ میں ڈالے جائیں۔ یہ حقیقی پیغام ہے اور عبادت ہی ہے جس کے ساتھ ساری نجات وابستہ ہے۔ پس وہ

لوگ جو آج اس جمعہ کی برکت ڈھونڈنے کے لئے جوق در جوق مساجد کی طرف آئے ہیں ان کو اندر جگہ نہیں ملی تو باہر گلیوں میں بیٹھے ہوئے ہیں ان سب تک ،جن تک بھی یہ آواز پہنچے، **میں یہ پیغام پہنچاتا ہوں کہ ہماری عبادت روزمرہ کی پانچ وقت کی عبادت ہےاور ہر دفعہ جب اذان کی آواز بلند ہوتی ہےتو مومن کا فرض ہے کہ اپنے گھروں کو چھوڑےاور مسجد کی طرف چل پڑے جہاں سےعبادت کے لئے بلایا جارہا ہے۔حیّ علی الصلوٰة. حیّ علی الصلوٰة. حیّ علی الفلاح. حیّ علی الفلاح** ۔پانچ مرتبہ یہ آوازیں سنتے ہو کہ دیکھو نماز کی طرف چلے آؤ،نماز کی طرف چلے آؤ۔ کامیابیوں کی طرف چلے آؤ، کامیابیوں کی طرف چلے آؤ اور پھر بھی جواب نہیں دیتے۔

پس وہ لوگ جن کو مساجد تک پہنچنے کی توفیق ہے اور توفیق کا معاملہ بندے اور خدا کے درمیان ہے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ فلاں کو توفیق ہے یا نہیں ہے۔بعض دفعہ ایک بیماری دوسرے کو دکھائی دے نہیں سکتی۔ایک آدمی کہتا ہے کہ میں بیمار ہوں وہیں انسان کا قدم رک جانا چاہئے کہ ٹھیک ہے اگر تم بیمار ہو تو تمہارا معاملہ تمہارے خدا کے ساتھ اور ہمارا معاملہ ہمارے خدا کے ساتھ لیکن ہر شخص خود جانتا ہے کہ اسے توفیق ہے کہ نہیں۔پس جسے بھی توفیق ہے اس کا فرض ہے کہ پانچ وقت مساجد میں جا کر عبادت بجالائے اور اگر پانچ وقت مساجد میں نہیں جا سکتا تو جہاں اس کو توفیق ہے وہیں مسجد بنالے۔جہاں اس کے لئے ممکن ہو باجماعت نماز پڑھے یا پڑھائے اور اپنے ساتھ اپنے عزیزوں کو یا دوسروں کو اکٹھا کرلے تا کہ اس کی نمازیں باجماعت ہو جائیں۔جو شخص اس بات کا عادی ہو جائے گا، جس کے دل میں ہر وقت یہ طلب اور بےقراری ہو کہ میری ہر نماز باجماعت ہو جائے اس کے لئے خوشخبری ہے کہ وہ نمازیں جو باجماعت ممکن نہیں ہوں گی ان کے متعلق حضرت محمد رسول ﷺ کا فرمان ہے کہ اگر وہ اذان دے کر باجماعت نماز کی نیت سے کھڑا ہو جائے گا کوئی اور اس کے ساتھ شامل ہونے والا نہ بھی ہوگا تو اللہ آسمان سے فرشتے اتارے گا وہ اس کے پیچھے نماز ادا کریں گے اور اس کی نماز ،نماز باجماعت ہی رہے گی۔تو یہ وہ برکت ہے جو ہر روز پانچ دفعہ آپ کے سامنے آتی ہے اس سے منہ موڑ لیتے ہیں اور سال میں ایک دفعہ جو جمعہ آرہا ہے اس کی طرف توجہ ہے کہ وہی دن ہمارے گناہ بخشوانے کا دن ہے اور کیا پتا کوئی کس دن مرتا ہے یہ بھی تو سوچو! کیا ضرور جمعہ کے معاً بعد بخشوانے کے بعد ہی تم نے مرنا ہے حالانکہ جمعۃ الوداع کے ساتھ کسی بخشش کا ذکر مجھے تو نہیں ملا۔لیکن

اگر ہو بھی تو سال میں جو باقی تین سو چونسٹھ دن پڑے ہیں ان دنوں میں عزرائیل بے کار بیٹھتا ہے۔ کیا مقدر اور لازم ہے کہ تم جمعہ کے دن بخشش کروانے کے بعد مرو گے!! پس موت تو ہر وقت آ سکتی ہے اس کا کوئی وقت مقرر نہیں کوئی دن مقرر نہیں۔ تو روزمرہ کی پانچ وقت کی نمازیں اس لئے آتی ہیں کہ تم بخشی ہوئی حالت میں، دھلی ہوئی، پاک حالت میں یہاں سے روانہ ہو۔

پس اس پہلو سے جماعت کو میں نماز باجماعت کی طرف متوجہ کرتا ہوں اور وہ دوسرے مسلمان بھائی بھی جو رفتہ رفتہ ہمارے جمعہ میں ٹیلی ویژن کے ذریعے شامل ہو رہے ہیں اور یہ رجحان دن بدن بڑھتا چلا جا رہا ہے، ان کو بھی میں نصیحت کرتا ہوں کہ آپ خود بھی اس طرف توجہ فرمائیں اور اپنے بھائی بندوں کو دوسروں کو بھی یہ پیغام پہنچا دیں کہ روزمرہ کی پانچ وقت کی نمازوں کا قائم کرنا یہ **قرآن کریم کے پیغامات کی جان ہے اور اگر مسلمان اس بات پر قائم ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ تمام دنیا میں مسلمانوں کی اصلاح کا ایک ایسا نظام جاری ہو جائے گا جس سے خدا کے فضل سے اسلام کو وہ پرانی کھوئی ظاہری عظمت اور شوکت بھی مل جائے گی** کیونکہ ظاہری عظمت اور شوکت کا اصل تعلق اندرونی روحانی عظمت اور شوکت سے ہے۔ اگر اندرونی روحانی عظمت اور شوکت بحال ہو جائے تو ظاہری عظمت نے پیچھے آنا ہی آنا ہے اگر اندرونی روحانی عظمت اور شوکت بحال نہ ہو، نہ ہو تو ظاہری شوکت کے پیچھے آپ جتنا چاہیں چکر لگائیں کچھ حاصل بھی کر لیں گے تو بے معنی ہوگی، بے روح کے جسم ہوگا۔ خدا کے نزدیک اس کی کوئی حقیقت نہیں ہوگی۔ پس اپنے اندرونوں کو سنواریں اور اندرونی عظمت کے پیچھے دوڑیں۔ اللہ تعالیٰ وہ عظمت عطا فرمائے جس کے متعلق خدا خود فرماتا ہے: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ تم میں سب سے معزز انسان وہ ہے، سب سے عظیم شخص اللہ کی نظر میں وہ ہے جو زیادہ متقی ہو۔ پس تقویٰ کے تقاضے تو عبادت کے بغیر پورے نہیں ہو سکتے۔ میں امید رکھتا ہوں کہ انشاء اللہ اس طرف توجہ فرمائیں گے۔

جمعہ کے دن جو برکتوں کا ذکر ملتا ہے وہ میں آپ کے سامنے ایک حدیث سے اس کی مثال رکھتا ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ روایت ہے ابولبابہ بن عبدالمنذر کی۔ سنن ابن ماجہ فی فضل الجمعہ سے لی گئی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا کہ ”جمعہ تمام دنوں کا سردار ہے اور اللہ کے پاس اس کی بڑی عظمت ہے اور وہ اللہ کے نزدیک یوم الاضحیٰ اور یوم الفطر سے بھی زیادہ

عظمت والا ہے‘‘۔

اب یہ وہی بات ہے کہ جمعۃ الوداع کے اللہ تعالیٰ وہ عیدین کی بڑی عظمت ہے مگر آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ عیدین سے زیادہ ہر جمعہ کی عظمت خدا تعالیٰ کے نزدیک ہے اور اس میں پانچ خوبیاں ہیں۔ اول اللہ تعالیٰ نے آدم کو اس میں پیدا کیا یعنی آدم کو جمعہ کے دن مبعوث فرمایا گیا اور اسی دن اللہ تعالیٰ نے آدم کو زمین کی طرف بھیجا۔ پہلی بات کا تعلق بعثت سے نہیں، اس آدم کی پیدائش سے ہے جس نے مبعوث ہونا تھا تو فرمایا وہ آدم پیدا بھی جمعہ کے دن ہوا اور اسکی بعثت بھی اسی دن ہوئی اور روحانی منصب پر جمعہ ہی کے دن فائز فرمایا گیا اور اسی دن اللہ نے آدم کو وفات دی۔ جیسا کہ مسیحؑ کے متعلق آتا ہے کہ وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا (مریم:34)

وہی حال آدم کا تھا اور قرآن کریم میں جو مسیحؑ کو آدم سے مشابہت دی گئی ہے اس حدیث سے پتا چلتا ہے کہ اس مشابہت کا اطلاق ان سب باتوں پر بھی ہو رہا ہے۔ پہلا آدم جس کو مسیحؑ سے مشابہت دی گئی ہے اس کی پیدائش کا دن بھی مبارک تھا، اس کی موت کا دن بھی مبارک تھا اور وہ بھی برکتوں کے ساتھ دوبارہ اٹھایا جائے گا کیونکہ یہاں بعد میں اٹھانے کا ذکر تو نہیں لیکن جس دن مبعوث کیا گیا اس کا ذکر ہے جو شخص دنیا میں مبعوث کیا جاتا ہے آخر میں بھی وہ اسی طرح برکتوں کے ساتھ مبعوث فرمایا جائے گا۔ چوتھی بات یہ بیان فرمائی گئی۔ اسی دن وہ ساعت ہے کہ بندہ اللہ سے سوال نہیں کرتا مگر اللہ اسے وہ سب کچھ عطا کرتا ہے جب تک کہ وہ کسی حرام کے متعلق نہیں مانگتا۔ جمعے کے دن ایک ایسی گھڑی آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ فیض عام کی گھڑی ہے اس گھڑی میں خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی انکار نہیں ہوتا مگر حرام مطالبے کا، حرام دعا کا۔ پس اگر تمہاری دعائیں نیک ہیں تو جمعہ کے دن خصوصیت سے دعائیں کیا کرو اور یہ پیغام ان کے لئے ہے جو جمعہ پر حاضر ہوتے ہیں، جمعہ کی اہمیت کو سمجھتے ہیں اور ہر وقت کوشش رہتی ہے کہ ان موانع کو جو جمعہ کے رستے میں حائل ہیں یعنی ان روکوں کو جن کی وجہ سے وہ جمعہ نہیں پڑھ سکتے کس طرح دور کریں۔

یہ بات میں نے خصوصیت سے اہل مغرب کے لئے کہی ہے جہاں جمعہ کا دن روزمرہ کے کام کا دن ہے اور پہلے بھی میں نے جماعت کو نصیحت کی تھی کہ کم سے کم اتنی کوشش تو ضرور کریں کہ تین

جمعہ اکٹھے ناغہ نہ کریں کیوں کہ آنحضرت ﷺ نے تین جمعہ اکٹھا ناغہ کرنے والوں کے لئے بہت انذار فرمایا ہے اور سخت لفظ آئے ہیں۔ اس لئے اگر اپنے ایمان کی حفاظت چاہتے ہو تو اول تو ہر جمعہ پڑھنا ضروری ہے لیکن اگر نہیں پڑھ سکتے تو ایک جمعہ تو ہر صورت میں پڑھو خواہ چھٹی لینی پڑے۔ لیکن جب میں نے تحریک کی تھی اس کے بعد مجھے اطلاعیں ملی ہیں بہت بڑی تعداد جماعت کی ایسی ہے جنہوں نے اس وقت لبیک کہا تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے رستے آسان فرما دیئے۔ بہت سے طلباء تھے اور طالبات بھی تھیں جنہوں نے اپنے اساتذہ کے سامنے جا کر یہ بات پیش کی اور اساتذہ نے ان کی بات مان لی اور جن کی بات نہیں مانی گئی ان کے ماں باپ نے کہا ہم تین میں سے ایک جمعہ بہر حال ضرور اس کو گھر میں لے کر آئیں گے، تم جو چاہو کرو، اور ایسے ہی کرتے رہے۔ بعض ایسے بھی مخلصین تھے جنہوں نے اپنے دفتروں سے استعفے دے دئے، ان ملازمتوں سے استعفے دے دئے جن میں ان کو جمعہ کی اجازت نہیں تھی اور بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے ان سے بہتر رزق کے سامان مہیا فرما دیئے۔ تو یہ ایک بہت ہی اہم برکت ہے جو ہر جمعہ سے وابستہ ہے اور آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں ان میں سے ایک برکت یہ ہے کہ اس دن ایک ایسی گھڑی آتی ہے کہ خدا کی طرف سے انکار نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ حرام کام کا خدا سے مطالبہ کیا جائے اور یہ عرض کیا جائے کہ یہ حرام کام کرنے دیا جائے اور اسی دن شفاعت قائم ہوگی۔ یہ بہت ہی اہم مضمون ہے۔ آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے **شفیع المذنبین** بنایا ہے۔ یعنی گنہگار جن کی کمزوریاں رہ گئی ہیں وہ کوشش تو کرتے رہے کہ کسی طرح محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت پر چلیں۔ مگر بعض ایسے موانع تھے، بعض ایسی مجبوریاں تھیں جن کی وجہ سے ان کا عمل نامہ ایسے مقام سے نیچے رہ گیا جہاں جا کر نجات ملتی ہے۔ یعنی دوسرے لفظوں میں ان کی برائیاں کچھ ان کی خوبیوں پر غالب رہیں۔ ایسے لوگ بھی ہیں۔ ایسے لوگوں کی شفاعت کے لئے حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کو ایک خاص مرتبہ اور مقام بخشا گیا ہے۔ تو آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ اسی دن شفاعت قائم ہوگی۔ کوئی مقرب فرشتہ نہیں اور نہ آسمان اور نہ زمین اور نہ ہوائیں اور نہ پہاڑ اور نہ سمندر، مگر یہ سب جمعہ کے دن سے ڈرتے ہیں۔ یہ ساری خوبیاں جمعہ کے تعلق میں آنحضور ﷺ نے بیان فرمائیں۔

پس شفاعت کے لئے بھی ضروری ہے کہ جمعہ سے تعلق جوڑو کیونکہ شفاعت کا مطلب ہے

ایک چیز کو جو بیچ میں ٹوٹ گئی ہو دوسری کے ساتھ جوڑ دیا جائے۔ ایک شخص نجات تک پہنچتے پہنچتے رہ گیا ہے اور کچھ فاصلہ بیچ میں ہے تو رحم کرتے ہوئے شفقت فرماتے ہوئے وہاں سے اس رسی کو پکڑا جائے اور شفاعت سے جوڑ دیا جائے یعنی اس مقام سے جوڑ دیا جائے جہاں جا کے اس نے نجات پا لینی تھی یعنی ''دو چار ہاتھ جبکہ لب بام رہ گیا'' ہو اور انسان کی طاقت ختم ہو جائے وہاں تک نہ پہنچ سکے تو اوپر سے ایک ہاتھ آئے اور اسے اٹھا کر بام تک پہنچا دے یعنی چھت تک پہنچا دے یہ شفاعت ہے۔ تو جمعہ کے دن جو آئے گا اسی کو شفاعت ملے گی کیونکہ شفاعت جمعہ کے دن ہی بانٹی جائے گی جو جمعہ سے غیر حاضر ہیں ان بے چاروں کو تو پتا ہی نہیں کہ شفاعت ہوتی کیا ہے۔ پس وہ لوگ جو شفاعت کی تمنا رکھتے ہیں ان کے لئے اور بھی زیادہ ضروری ہے کہ وہ جمعہ سے خاص تعلق قائم کریں۔

اور پھر حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ وہ دن ہے کہ سب خدا کے مقرب اس دن سے ڈرتے ہیں اور فرشتے بھی اور ہوائیں اور پہاڑ اور سمندر بھی۔ یہ کیا وجہ ہے؟ اس دن میں وہ کون سی ہیبت پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے لوگ اس دن سے خوف کھاتے ہیں؟ یہاں دراصل خوف کھانا احترام کے معنوں میں ہے۔ اس دن کا مرتبہ اتنا ہے کہ اس دن کی بے حرمتی سے ڈرتے ہیں یہ مراد ہے ورنہ تو اس کے کوئی معنی نہیں بنیں گے۔ ایک طرف برکتیں بیان کی جاری ہوں اور کشش پیدا کی جاری ہو، لوگوں کو بلایا جا رہا ہو، آؤ اس دن سے برکتیں پاؤ اور دوسری طرف یہ اعلان ہو رہا ہو کہ بہت خطرناک دن ہے۔ خبردار! بڑے بڑے مقرب اور فرشتے بھی اس دن سے ڈر جاتے ہیں۔ پہاڑ بھی ڈرتے ہیں اور سمندر بھی ڈرتے ہیں اور زمین کی سطح بھی ڈرتی ہے۔ تو یہ اعلان سوائے اس کے اور کوئی معنی نہیں رکھتا کہ اس دن کی حرمت سے ڈرتے ہیں۔ یہ دن جو محترم بنایا گیا ہے اس کی عزت اور اس کے احترام کے قیام میں جو کوتاہی ہو سکتی ہے اس سے ڈرتے ہیں۔ وہ ڈرتے ہیں کہ یہ نہ ہو کہ اس دن کے ہم تقاضے پورے نہ کر سکیں۔ پس یہ مراد ہے کہ اگر مقربین کو بھی خوف ہے کہ اس دن کے تقاضے پورے کرنے میں اللہ بہتر جانتا ہے کہ ان کو توفیق ملتی ہے کہ نہیں تو عامۃ المسلمین، عام انسان کو تو اور بھی زیادہ ڈرنا چاہئے کیونکہ اس سے تو اس دن کے تقاضے پورے کرنا بظاہر ممکن دکھائی نہیں دیتا، اس کی طاقت سے بڑھی ہوئی بات دکھائی دیتی ہے۔ پس یہ بھی اللہ ہی کے فضل کے ساتھ عطا ہوتا ہے۔ اگر آپ دعائیں کرتے رہیں اور اس مضمون کو سمجھ کر جمعہ کی عظمت اور احترام کو قائم کرنے کی

کوشش کریں تو پھر اللہ مدد فرمائے گا۔ ہر توفیق اسی سے ملتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال ہوا تھا کہ جمعہ کے دن یا جمعۃ الوداع کے دن لوگ تمام گزشتہ نمازیں جو ادا نہیں کیں، پڑھتے ہیں کہ ان کی تلافی ہو جائے۔ اس کا کوئی جواز ہے کہ نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ:

''یہ ایک فضول امر ہے مگر ایک دفعہ ایک شخص بے وقت نماز پڑھ رہا تھا کسی شخص نے حضرت علیؓ کو کہا کہ آپ خلیفہ وقت ہیں اسے منع کیوں نہیں کرتے۔ فرمایا کہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں اس آیت کے نیچے ملزم نہ بنایا جاؤں اَرَءَیۡتَ الَّذِیۡ یَنۡهٰی عَبۡدًا اِذَا صَلّٰی ''

کہ کیا تو نے اس شخص کا حال نہیں دیکھا یَنۡهٰی عَبۡدًا اِذَا صَلّٰی خدا کے بندوں کو روکتا ہے جب وہ نماز پڑھتے ہے۔ تو ان نمازوں کی تائید میں کچھ نہیں فرمایا یہ نہیں فرمایا کہ کرنے دو ٹھیک ہے عمر بھر کی چھٹی ہوئی نمازیں پڑھ لے گا تو ٹھیک ہے فرمایا نہیں ہوگا ٹھیک مگر مجھ میں یہ جرأت نہیں کہ کوئی نماز پڑھ رہا ہو اور اس سے روک دوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''ہاں اگر کسی شخص نے عمداً نماز اس لئے ترک کی ہے کہ قضائے عمری کے دن پڑھ لوں گا تو اس نے ناجائز کیا ہے اور اگر ندامت کے طور پر تدارک مافات کرتا ہے تو پڑھنے دو''۔

اگر شرمندہ ہوا ہے اس کو احساس ہی بہت بعد میں ہوا ہے اور سمجھتا ہے کہ مجھے تو ہوش اب آئی ہے جب کہ بہت کچھ میں اپنی عمر کا حصہ ضائع کر بیٹھا اور وہ نمازیں جو میں نے نہیں پڑھیں میں کسی طرح ان سب کو دہرا لوں۔ تو فرمایا اگر یہ ندامت کے جذبے سے بات پھوٹی ہے، اگر شرمندگی کا احساس ہے تو پھر پڑھنے دو، ہوسکتا ہے اللہ اس ندامت کو قبول فرمالے، ہمیں اس سے کیا۔ ہمارا یہ کام نہیں کہ اس میں دخل دیں۔ فرماتے ہیں:

''پڑھنے دو کیوں منع کرتے ہو۔ آخر دعا ہی کرتا ہے ہاں اس میں پست ہمتی ضرور ہے۔''

یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ کم ہمتی کا کام ہے جو وقت نمازوں کے مقرر تھے ان کو تو کھو دیا

اور بعد میں ندامت محسوس کی جبکہ بہت دیر ہو چکی تھی وقت گزر چکا تھا۔ پھر فرماتے ہیں:

''پھر دیکھو منع کرنے سے کہیں تم بھی اس آیت کے نیچے نہ آ جاؤ۔''

(فتاویٰ حضرت مسیح موعودؑ صفحہ: 65)

جس آیت کا ذکر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نیک کام خواہ کوئی صحیح کر رہا ہو یا غلط کر رہا ہے، برمحل کر رہا ہو، اس سے روکنے سے احتراز کرنا چاہئے، کر بیٹھے تو اسے سمجھانے کی کوشش ضرور کرو۔

پس یہ تو جمعۃ الوداع کی برکتوں کا مضمون تھا۔ لیکن ان کی کچھ ایسی برکتیں ہیں جن کا تعلق کل عالم ہی سے نہیں بلکہ ہر زمانے سے ہے اور وہ برکتیں وہ ہیں جو اولین کو آخرین سے ملانے والی ہیں۔ وہ برکتیں ہیں جن برکتوں کے دور سے ہم آج گزر رہے ہیں۔ یہ جمعہ کا دن جماعت کی تاریخ میں ایک خاص برکت کا دن ہے۔ روزمرہ کا جمعہ تو برکتوں والا ہوتا ہی ہے لیکن یہ جمعہ جو آج کا جمعہ ہے یہ ایک ایسا جمعہ ہے جس کی برکت تاریخ سے ثابت ہے۔ خدا تعالیٰ کی جو سنت اس دور میں جاری ہوئی ہے اس سے ثابت ہے۔ وہ اس طرح حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے جو چاند اور سورج گرہن کی پیشگوئی فرمائی تھی اور وہ پیشگوئی اس بات کی علامت تھی کہ وہ مہدی جس کے حق میں آسمان اس طرح گواہی دے گا اس کی وہ جماعت ہوگی جس کے متعلق قرآن کریم میں یہ ذکر ملتا ہے۔ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ؕ کہ یہ وہ لوگ ہیں جو آخر میں آئیں گے ابھی تک صحابہؓ سے نہیں مل سکے مگر پھر صحابہؓ سے مل جائیں گے۔ یہ ان کے لئے خوشخبری ہے۔ یہ جس سچے وجود کے متعلق خوشخبری تھی اس کے حق میں آسمان نے گواہی دینی تھی اور وہ گواہی ایک لمبے انتظار کے بعد دی گئی۔ یہ واقعہ اس طرح ہے کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعویٰ فرمایا کہ میں وہ مہدی ہوں جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا مہدی ہے تو اس وقت سب کی نظریں اس آسمانی نشان پر لگ گئیں اور علماء کی طرف سے بکثرت مطالبے شروع ہو گئے کہ اگر تم وہ مہدی ہو تو وہ نشان تو دکھاؤ۔ وہ آسمانی گواہیاں تو لاؤ جن آسمانی گواہیوں نے مہدی کی تصدیق کرنی تھی اور وہ کیا تھیں؟ وہ اس حدیث میں درج ہیں جس کے الفاظ میں آپ کے سامنے پڑھ کر رکھتا ہوں:

''اِنَّ لِمَهْدِيِّنَا آيَتَيْنِ لَمْ تَكُوْنَا مُنْذُ خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ، يَنْكَسِفُ

اَلْقَمَرُ لِاَوَّلِ لَيْلَةٍ مِّنْ رَمَضَانَ وَتَنْكَسِفُ الشَّمْسُ فِى النِّصْفِ مِنْهُ وَلَمْ تَكُوْنَا مُنْذُ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ." (سنن دار قطنی، باب صفۃ صلوٰۃ الخسوف والکسوف) کہ ہمارے مہدی کے لئے دو نشان ہیں۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ہمارا مہدی ہوگا وہ۔ تم ہم سے اس کو کاٹ نہیں سکتے۔ جس کے حق میں آسمان گواہی دے گا۔ چاند اور سورج گرہن کئے جائیں گے۔ رمضان میں یہ واقعہ ہوگا۔ کون ہے جو اس کو کاٹ کر ہم سے الگ کر سکے وہ ہمارا مہدی ہے ہمارا ہی مہدی رہے گا۔ اتنے پیار سے یہ پیشگوئی فرمائی اور پیشگوئی کا ملخص یہ تھا کہ چاند کو اپنی گرہن کی تاریخوں میں پہلی تاریخ کو یعنی 13 کو گرہن لگے گا اور سورج کو اپنی گرہن کی تاریخوں میں درمیانے دن یعنی اٹھائیسویں کو گرہن لگے گا اور یہ واقعہ رمضان مبارک میں ہوگا اور اس سے پہلے امام مہدی کا دعویدار ظاہر ہو چکا ہوگا اور یہ وہ نشانی ہے جو کبھی کسی اور خدا کی طرف سے آنے والے نے اپنے حق میں پیش نہیں کی۔ لَمْ تَكُوْنَا مُنْذُ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بحیثیت نشان یہ کسی اور کے حق میں ظاہر نہیں ہوئی۔ یہ پسِ منظر ہے جس کو مدنظر رکھیں۔

الفضل میں اس سے متعلق ایک بہت پیارا مضمون محمد اعظم اکسیر صاحب کا شائع ہوا تھا۔ اس میں وہ ذکر کرتے ہیں کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعوے کے ایک عرصے کے بعد علماء مطالبے کر رہے تھے، ایک عام شور تھا کہ چاند اور سورج گرہن کی پیشگوئی پوری ہو تو ہم جانیں کہ یہ سچا ہے۔ تو اس وقت 1894ء میں رمضان مبارک میں تیرھویں رات کا چاند گہنایا گیا اور اس سے ایک عام شور برپا ہو گیا، کچھ توقعات جاگ اٹھیں، کچھ لوگ جو اس سے تکلیف محسوس کرتے تھے انہوں نے بددعاؤں میں تیزی کر لی اور ان کے دلوں میں خوف و ہراس پھیل گیا کہ یہ نہ ہو کہ رمضان کے مہینہ میں ایک مہدیؑ کے حق میں جیسا کہ چاند نے گہنا کر گواہی دی ہے سورج بھی یہ گواہی نہ دے دے۔ اگر ایسا ہو گیا تو پھر ہم کیا جواب دیں گے؟ بہت دور دور سے احمدیوں کو یہ شوق پیدا ہوا کہ ہم بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام پر جا کر آپؑ کے ساتھ اس بستی میں اس گرہن کو دیکھیں جن کا ان کو یقین تھا کہ اٹھائیس تاریخ پر ہو نہیں سکتا کہ سورج گرہن نہ لگے۔ چنانچہ تین ایسے مسافروں کا ذکر محمد اعظم اکسیر صاحب نے کیا ہے۔ ایک مرزا عبدالرحیم بیگ صاحب ہوا کرتے تھے کسی ریاست میں وزیر تھے ان کے دو بیٹے اور ان کے ایک دوست جو طالبعلم تھے ان

تینوں کا قافلہ لاہور سے قادیان کے لئے روانہ ہوا اور وہ سورج گرہن جس تاریخ کو لگنے کی توقع تھی یعنی اٹھائیس کو اس سے ایک دن پہلے وہ مارا مار بٹالہ تک پہنچے کہ دوسرے دن صبح ہی سورج نکلنے سے پہلے پہلے وہاں پہنچ جائیں مگر کوئی تانگہ کوئی یکہ تیار نہ ہوا وہ بے چارے پھر پیدل چل پڑے اور سحری کے وقت جا کر وہ قادیان پہنچے اور اس طرح احمدیوں میں ایک عام رجحان پیدا ہو چکا تھا کہ اس دن کو خصوصیت سے قادیان میں گزاریں اور اس نشان کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ اب دیکھیں اللہ کی کیسی شان ہے کہ خدا نے ان توقعات کو کیسا پورا فرمایا۔ اسی دن صبح زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا نو بجے سورج گہنایا گیا اور سب کی آنکھیں اس طرف تھیں اور نماز کسوف وخسوف بھی شروع ہوگئی تھی اور دلوں میں جو کیفیت ہوگی ہم اس کا تصور نہیں کر سکتے۔

حیرت انگیز بات ہے تیرہ سو سال پہلے ایک پیشگوئی تھی کہ ہمارے مہدی کے لئے آسمان اس طرح گواہی دے گا ایک گواہی آ چکی تھی دوسری پر نظریں تھیں اور اس دن قادیان میں انہوں نے یہ عجیب نظارہ دیکھا کہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ، اصدق الصادقین کی پیشگوئی کے عین مطابق بعینہٖ اسی طرح ہوا جیسا فرمایا گیا تھا۔ شروع میں وہ سورج ذرا ہلکا گہنایا گیا تھا اور اس پر کچھ صحابہؓ نے باتیں شروع کر دیں کہ لو جی یہ تو ہلکا سا ہے یہ نہ ہو کہ مولوی کہیں کہ گہنایا ہی نہیں گیا تمہیں وہم ہے۔ لیکن ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ پورا سورج گہنا گیا اور نو سے گیارہ بجے تک یہ عجیب نظارہ وہاں ان لوگوں نے دیکھا۔ یہ وہ پیشگوئی ہے جس کے پورا ہونے پر آج ایک سو سال گزر چکے ہیں اور یہ وہ رمضان ہے کہ سو سال بعد اس طرح پھر آیا ہے ان پیشگوئیوں کے نشان ہمارے تک لایا ہے اور عجیب بات ہے کہ جمعہ نے اس میں ایک خاص کردار ادا کیا ہے اور وہ یہ کہ چاند گہنایا گیا ہے اس مہینے میں، وہ جمعرات کا دن غروب ہونے کے بعد جمعہ کی رات شروع ہونے پر گہنایا ہے اور جو سورج گہنایا گیا تھا (یعنی میں بتا رہا ہوں کہ گہنایا گیا) کی تاریخ اس طرح بنتی ہے کہ تیرہ تاریخ جو اس زمانے کی تھی وہ جب اس رمضان میں آئی تو جمعرات کا دن ختم ہو چکا تھا جمعہ کی رات شروع ہوگئی تھی اور ہم نے جو جشن منایا وہ دراصل جمعہ کی رات کو جشن منایا ہے اور آج جب کہ سورج گہنانے کا دن آیا ہے اٹھائیس تاریخ آئی ہے تو آج جمعہ کا دن ہے۔

تو وہ جمعہ جو غیر معمولی طور پر جماعت احمدیہ کے لئے برکتوں کے لئے مقرر ہو چکا ہے جو

بھر بھر کے برکتیں لاتا ہے اور ہم پر انڈیلتا ہے یہ وہ جمعہ جس کے ساتھ ہماری بہت سی برکات وابستہ ہیں۔ پس جماعت احمدیہ اگر جمعہ کا احترام نہ کرے اور شکر کا حق ادا نہ کرے تو بڑی بدبختی ہوگی۔ یہ وہ سورۂ جمعہ ہی ہے جس نے آخرین کو اولین سے ملانے کی خوشخبری دی تھی اسی کی آیات میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے پھر یہ فرمایا۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ یہ تو اللہ کا فضل ہے کون روک سکتا ہے اس کو؟ وہ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور بڑے فضلوں والا ہے۔ یہ سورۃ جمعہ ہی تھی جس نے یہ خوشخبری آنے والوں کو دی کہ ایسے بھی خوش نصیب آنے والے ہیں جو آخر پر ہونے کے باوجود اولین سے ملا دیئے جائیں گے اور ان کے حق میں ہی آسمان نے یہ دو گواہیاں پیش کیں اور ہم اس دور سے گزر رہے ہیں کہ وہ ساری برکتیں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بارش کی طرح برسی ہیں ہم اسی زمانے سے گزرتے ہوئے ان کی یادوں سے مست ہیں۔ عجیب کیفیت ہے یہ۔

میں آج سوچ رہا تھا کہ وہ جو کفار کہا کرتے تھے کہ ''سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ '' یہ تو مسلسل جاری رہنے والا ایک سحر ہے جو پیچھا نہیں چھوڑ رہا۔ ہم بھی تو اس سحر ہی کی حالت میں سے گزر رہے ہیں۔ کیوں کہا کرتے تھے اس لئے کہ وہ دیکھا کرتے تھے کہ اتنے فضل نازل ہو رہے ہیں، ایسی برکتیں اتر رہی ہیں کہ صحابہ تو گویا جادو زدہ ہیں، نشے کی حالت میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اب تو لگتا ہے کہ وہی جادو کے دن دہرائے جارہے ہیں کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جو برکتیں نازل ہوئی تھیں وہ بھی تو ایک سحر کا سا منظر پیش کرتی تھیں اور اب ان سے گزرتے ہوئے ہمیں ایسا لطف آرہا ہے کہ گویا ایک جادو کی دنیا میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان کا حال کیا ہوگا جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیکھا، آپؑ پر عاشق ہوئے اور اس کے بعد یوں معلوم ہوتا ہے کہ سب کچھ، سب دنیا تج کے، ہر چیز فنا کر کے مسیح موعود ہی کے ہو رہے اور اس پیغام کو ساری دنیا میں پہنچایا ہے۔

پس اب جبکہ میں دعوت الی اللہ کی طرف آپ کو دوبارہ بلا رہا ہوں میں یاد کراتا ہوں کہ ایسے ہی دنوں میں دعوت الی اللہ کا پیغام شروع ہوا تھا ایسے ہی دنوں میں وہ آغاز ہوا تھا۔ اسی مستی کے عالم میں انہوں نے تمام دنیا کو پیغام پہنچائے تھے اور حیرت انگیز طور پر جبکہ ابھی مبلغوں کا، مربیوں کا نظام جاری نہیں تھا، وہ صحابہؓ ہی تھے جو کچھ ان پڑھ بھی تھے، کچھ پڑھے لکھے بھی تھے، کچھ بڑے بڑے

علماء بھی تھے، مگر عالم تھے یا ظاہری لحاظ سے جاہل تھے، اندرونی لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو علوم سے آراستہ فرمایا گیا تھا۔ روحانی علوم سے ان کے سینے بھرے گئے تھے اور چھوٹا تھا یا بڑا، ظاہری طور پر عالم تھا یا جاہل وہ تمام کے تمام تبلیغ میں سرگرداں رہتے تھے اور اسی کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے بڑی تیزی کے ساتھ جماعتیں مخالفت کے علی الرغم قائم ہوئیں۔ شدید مخالفتیں تھیں، اتنی کہ آج تصور بھی نہیں کر سکتے۔ پاکستان کی تمام تر مخالفتیں ایک طرف اور وہ مخالفت کا دور جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپؑ کے صحابہؓ نے آغاز میں دیکھا ہے اس کے ساتھ کوئی مقابلہ نہیں ہوسکتا۔ دن رات سارا ہندوستان بلکہ عرب تک کے علماء گالیاں دینے اور جانیں حلال کرنے کے فتوے دینے میں مشغول تھے کہ ان کی جانیں حلال ہوگئیں، ان کے مال حلال ہوگئے، ان کی بیویاں مطلقہ ہوگئیں۔ کچھ بھی ان کا نہیں رہا۔ جو چاہے جس طرح چاہے ان کی عزتوں پر ہاتھ ڈالے خدا کے نزدیک مقبول ٹھہرے گا۔ یہ وہ دور تھا جس دور میں صحابہؓ کی یہ جماعت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عقب میں روانہ ہوئی ہے اور ہر قدم ترقی کی طرف اٹھا ہے۔ ایک لمحہ ایسا نہیں آیا کہ اس جماعت کے قدم رک گئے ہوں۔ پس خدا جب ان برکتوں کی یادیں دہرا رہا ہے اور وہ کیفیتیں ہمارے دلوں میں پیدا فرما رہا ہے جو کیفیتیں اس زمانے میں صحابہؓ کے دلوں میں تھیں اور سو سال کی برکت سے ہم اس دور سے دوبارہ گزر رہے ہیں تو یہ وہ جذبہ ہے جس کے ساتھ میں آپ کو دعوت الی اللہ کی طرف بلاتا ہوں کوئی پرواہ نہ کریں دشمن اس راہ میں کیسے روڑے اٹکاتا ہے اور کیسی کیسی تکلیف محسوس کرتا ہے۔ دشمن کی تکلیف آپ کی خوشیوں کو آپ کے دلوں سے کیسے نوچ سکتی ہے، یہ ناممکن ہے۔

پاکستانی حکومت نے پہلے تو بغیر کسی قانون کے ان مظلوموں پر ہاتھ ڈال دیئے جو خوش ہو رہے تھے کہ خدا تعالیٰ نے سو سال بعد ہمیں پھر وہ دن دکھائے جبکہ چاند سورج گرہن کی عظیم پیشگوئی پوری ہوئی۔ ان کو قیدوں میں ڈالا گیا، گھسیٹا گیا، مارا کوٹا گیا، گالیاں دی گئیں، ان کے خلاف تحریکات چلیں پتوکی میں کیا ہوا؟ لاہور میں کیا ہوا؟ ربوہ میں کیا ہوا؟ جگہ جگہ ایسے واقعات ہیں اور کوشش کیا ہے؟ کہ اللہ نے ان پر جو فضل فرمایا ہے اس سے جو خوش ہو رہے ہیں یہ خوشیاں ان سے نوچ لیں۔ خوشیاں تو وہ دلوں سے نہیں نوچ سکتے، نہ ہمیں یہ توفیق ہے کہ ان کے دل میں حسد نے جو غیظ برپا کر رکھا ہے، آگ کھول رہی ہے، اس آگ کو ٹھنڈا کر سکیں۔ نہ ان کو توفیق نہ ہمیں توفیق۔ ہم دونوں

بندے ہیں بے اختیار ہیں۔ یہ ہمارا اللہ ہی ہے جو غیظ و غضب کی آگ کو ٹھنڈا کر سکتا ہے اور یہ اللہ ہی ہے جو ہماری خوشیوں کو اور بڑھاتا چلا جائے گا۔ پس اہل ربوہ اور اہل پاکستان کی ان خوشیوں کی راہ میں جو خدا نے ان کو عطا کی ہیں روڑے اٹکانے والوں کا بدلہ میں نے اس طرح لیا کہ آج کے دن بین الاقوامی احمدیہ ٹیلی ویژن کو ہدایت کی کہ وہ چاند اور سورج کے گرہن کی خوشخبریاں اہل ربوہ کے نام سے منسوب کر کے ان کا ذکر، ان کی خوشیوں کے پروگرام بنائیں وہ ساری دنیا کو دکھائیں۔ اس وقت تو میں نے اہل ربوہ کا نام لیا تھا غالباً یہی نام لیا جا رہا ہوگا۔ لیکن اب مجھے خیال آیا کہ صرف ربوہ نہیں اور بھی تو پاکستان کے احمدی ہیں جن کے متعلق اب قانون بنا کر نوٹس دیئے جا چکے ہیں کہ خبر دار جو تم خدا کے فضلوں پر خوش ہوئے۔ پھر خدا کے فضلوں کو روک دو اگر روکا جا سکتا ہے تو۔ خوشی کس طرح چھین سکتے ہو۔ فضل نازل ہوں گے تو خوش تو ہم ہوں گے۔ لیکن خدا کے فضلوں کو روکو گے کیسے؟ یہ تو سمجھاؤ!! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ تمہیں نصیب نہیں ہوا تو جس کو دیتا ہے اس کو دے گا اور دیتا چلا جائے گا اور روکو گے کیسے؟ وہ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ہے، بڑے فضل ہیں اس کے پاس۔ ایک روکو گے تو دس اور عطا فرما دے گا دس روکو تو ہزار اور عطا کر دے گا۔ پس جماعت احمدیہ کے اوپر خدا کے جو فضل برس رہے ہیں۔ ان کو تو روکنے کی تمہیں طاقت نہیں۔ لگا لو زور۔ خوشیاں بھی نوچ نہیں سکتے، وہ تو دلوں میں پیدا ہوتی ہیں اور کوئی دنیا کی طاقت تمہارے دلوں سے وہ غیظ و غضب اور حسرت نوچ نہیں سکتی۔ وہ تو بڑھنی ہی بڑھنی ہے۔ قرآن کریم کی پیشگوئی ہے کہ یہ لوگ جو آخرین میں پیدا ہوں گے یہ اللہ کے فضل کے ساتھ بڑھیں گے۔ ان کے حق میں پیش گوئیاں پوری ہوں گی۔ ایک کھیتی کی طرح نشو ونما پا کر بلند تر ہوں گے اور مضبوط تر ہوتے چلے جائیں گے۔ تو بعض ظالم ایسے ہیں کہ ان کے مقدر میں غیظ و غضب کے سوا کچھ نہیں۔ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ۔ وہ جو حضرت مسیح موعودؑ کے منکر ہیں ان کے لئے غیظ کے سوا کچھ نہیں ہے۔

پس اس غیظ کا کیا علاج ہے میرے پاس جب کہ خدا فرماتا ہے کہ ہر احمدیت کی ترقی پر یعنی احمدیت کا لفظ نہیں ہے۔ میں وضاحت کر دوں محمد رسول اللہ ﷺ کی دوسری شان کے اظہار کا تذکرہ ہو رہا ہے شانِ احمدی، وہ شان جو مسیحیت سے ملتی جلتی ہے وہ شان جس کا انجیل میں ذکر ہے اس لئے بطور استنباط میں یہ بات کہہ رہا ہوں کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی وہ شان جس کا تورات سے تعلق تھا وہ

اور طرح بیان ہوئی ہے اس میں بڑا جلال ہے اس میں بڑی شان ہے اور ایسا ایک رعب اس میں پایا جاتا ہے۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۗ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (الفتح: 30)

وہ کفار پر بڑے سخت ہیں ان کو طاقت نصیب ہے۔ ان کو وہ تلوار نصیب ہوئی ہے جس سے وہ اپنے دشمنوں کو سزائیں دیتے ہیں ایک یہ شان ہے اور پھر فرمایا وَمَثَلُهُمْ فِى الْاِنْجِيْلِ لیکن انہی لوگوں کی ایک مثال انجیل میں بھی تو دی گئی ہے وہ مختلف ہے۔ اس شان میں ان کی نرمی ان کے حلم کا ذکر ہے ان کے رفتہ رفتہ نشو ونما پانے کا ذکر ہے۔ ان کے ایسے کمزور آغاز کا ذکر ہے کہ دشمن چاہے تو سمجھے گا کہ میں اپنے پاؤں تلے روند دوں گا اور یہ جو پودا کونپلیں نکال رہا ہے اس کو اپنے قدموں تلے مسل کے رکھ سکتا ہوں یہ وہ شان ہے۔ اب دیکھیں پہلی شان اور اس شان میں بیان کے لحاظ سے اور طرز کے لحاظ سے زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ ایک ہی دور کے دو ذکر نہیں ہیں۔ پس ہم حق بجانب ہیں یہ کہنے پر کہ حضرت محمد مصطفی ﷺ کی جس شان کی مسیح نے خبر دی تھی اس شان نے اسی زمانے میں ظاہر ہونا تھا جس زمانے میں امتِ محمدیہ میں مسیحؑ نے ظاہر ہونا تھا۔ پس کیسی مناسبت ہے، کوئی بات قرآن کی طرف منسوب نہیں کی جارہی جو قرآن نہیں کہتا۔ پس دو مثالیں اتنی کھلی کھلی واضح الگ الگ حالات پر اطلاق پانے والی ہیں کہ بیک وقت ان کا اطلاق ہو نہیں سکتا۔ مگر ساتھ ہی مسیحیت کی پیشگوئی کی وجہ سے جو مسیح نے محمد رسول اللہؐ کے متعلق فرمائی اور حضرت محمد رسول اللہؐ نے اس مسیح کے متعلق اپنی امت میں آنے کی خبر دے دی۔ ان مضامین کو جب آپ اکٹھا دیکھتے ہیں تو وہ باتیں نکلتی ہیں جو میں آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں کہ ہم ہی ہیں وہ آخرین کے دور میں پیدا ہونے والے، جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ برکتیں پائیں۔ ہم ہی ہیں جو ان صحابہؓ کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کر رہے ہیں جن کو آخر میں ہونے کے باوجود اولین سے ملایا گیا تھا اور ہم وہ خوش نصیب ہیں جو سو سال کے بعد پیدا کئے گئے ہیں۔ اس زمانے میں پیدا کئے گئے ہیں جب حضرت مسیح موعودؑ کی سو سالہ تاریخ اول سے آخر تک دوہرائی جارہی ہے وہ ساری برکتیں اللہ تعالیٰ ہمیں عطا فرما رہا ہے۔

میں نے اپنی خلافت کے بعد پہلے خطاب میں جماعت کو متوجہ کیا تھا کہ یاد رکھو یہ غیر معمولی دن ہیں جن میں ہم داخل ہوئے ہیں۔ 1882ء میں پہلا ماموریت کا الہام ہوا ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اور 1982ء ہی میں اللہ تعالیٰ نے مجھے منصبِ خلافت پر فائز فرمایا۔

یہ میری شان نہیں ہے کیونکہ میں تو اپنے آپ کو ہرگز اس لائق نہیں سمجھتا میں اس خلافت کے دور کی بات کر رہا ہوں۔ اس خلافت کے آغاز سے جس پہ خدا نے مجھے قائم فرمایا۔ **اس خلافت کے بعد سے وہ ساری تاریخ 1982ء سے لے کر آخر تک دہرائی جارہی ہے اور دہرائی جائے گی۔ وہ ساری برکتیں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے عطا کرنی شروع کی تھیں یہ اسی دور سے تعلق رکھتی ہیں۔ سب اس میں شریک ہیں۔ میں نہیں، آپ سب۔ وہ ساری جماعت جس کو خدا نے آغاز سے لے کر آخر تک کے لئے ان برکتوں کو دیکھنے کے لئے چن لیا ہے۔** اللہ بہتر جانتا ہے ہم میں سے کتنے ہیں جو کتنی برکتیں دیکھیں گے۔ مگر دعا ہمیں یہی کرنی چاہئے کہ ہم میں سے بھاری تعداد ایسی ہو جو 1982ء سے لے کر آخر تک کم از کم 2008ء سال تک زندہ رہ کر اللہ کے فضلوں کے گواہ بنتے رہیں اور یہ وہ مبارک عظیم دور ہے جس میں سے ہم گزر رہے ہیں اس کے شکر کا حق کیسے ادا ہو سکتا ہے۔ ناممکن ہے۔ یہ وہ جادو ہے جو میں کہہ رہا ہوں جس کے نشے میں ہم چل رہے ہیں اور یہی وہ جادو ہے جو حقیقت بن کر دنیا کی تقدیر بدلے گا۔ آپ پر اس جادو کا نشہ طاری ہے تو یاد رکھیں کہ پھر اس سے دنیا میں بھی تبدیلیاں پیدا ہوں گی۔ اس روح کے ساتھ آپ ترقی کی اس راہ پر آگے سے آگے بڑھتے چلے جائیں۔ **دشمن تکلیفیں پہنچاتا ہے پہنچاتا رہے فضلوں کی راہ نہیں روک سکتا، نہیں روک سکتا نہیں روک سکے گا۔ جو چاہے کر لے لیکن آپ وفا کے ساتھ اس راہ پر قدم رکھتے رہیں۔ اس سے قدم ہٹائیں نہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہر آنے والا دن ہمارے لئے اور برکتیں لے کے آئے گا۔ ہر آنے والا ہفتہ ہمارے لئے اور برکتیں لے کے آئے گا۔ ہر آنے والا مہینہ ہمارے لئے اور برکتیں آسمان سے انڈیلے گا۔ ہر آنے والا سال برکتوں کے ساتھ ہمارا خیر مقدم کرے گا۔ ہر جانے والا سال برکتیں چھوڑ کر ہمارے لئے جائے گا۔ یہ عظیم دور ہے جس میں سے ہم گزر رہے ہیں۔ پس خدا کے شکر کے گیت گاتے ہوئے اس کی حمد وثناء کرتے ہوئے محمد مصطفی ﷺ پر درود بھیجتے ہوئے آگے سے آگے بڑھتے چلے جاؤ، کوئی نہیں جو تمہاری راہ روک سکے۔ آمین**

خطبہ ثانیہ کے بعد حضور انور نے فرمایا۔

وہ جو باہر کے ملکوں میں اس وقت جمعہ کا خطبہ سن رہے ہیں ان کی اطلاع کے لئے میں بتاتا ہوں کہ وہ جو جشن کے عالمی پروگرام ہیں ان کی کچھ جھلکیاں انشاء اللہ جمعہ کے بعد بھی دکھائی جائیں گی اس لئے ٹیلی ویژن فوراً بند کر کے رخصت نہ ہو جائیں۔

بنی نوع انسان سے ہمدردی اور حضرت مسیح موعودؑ کا جوش

آپ کی تمنا کہ جماعت روح القدس بن جائے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 18 / مارچ 1994ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیت کریمہ تلاوت کی:۔

اَللّٰہُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ مَثَلُ نُوۡرِہٖ کَمِشۡکٰوۃٍ فِیۡہَا مِصۡبَاحٌ ؕ اَلۡمِصۡبَاحُ فِیۡ زُجَاجَۃٍ ؕ اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّہَا کَوۡکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوۡقَدُ مِنۡ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیۡتُوۡنَۃٍ لَّا شَرۡقِیَّۃٍ وَّلَا غَرۡبِیَّۃٍ ۙ یَّکَادُ زَیۡتُہَا یُضِیۡٓءُ وَلَوۡ لَمۡ تَمۡسَسۡہُ نَارٌ ؕ نُوۡرٌ عَلٰی نُوۡرٍ ؕ یَہۡدِی اللّٰہُ لِنُوۡرِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَیَضۡرِبُ اللّٰہُ الۡاَمۡثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۳۶﴾ۙ

(النور:۳۶)

پھر فرمایا:۔

اسلام کے جو مقاصد ان آیات میں بیان ہوئے ہیں۔ وہی مقاصد ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی جماعت کے بیان فرمائے اور بالآخر آخری تمنا کا جو اظہار فرمایا ہے وہ یہی ہے کہ **یہ جماعت اور اس کے ماننے والے نور ہو جائیں۔ ایسا نور جو بلند جگہوں پر رکھا جائے ایسا نور جو دور دور تک دکھائی دے اور لوگ اس سے روشنی پائیں**۔ جن آیات کی میں نے تلاوت کی

ہے۔ان کے متعلق پہلے میں تفصیلی گفتگو کر چکا ہوں لیکن کوئی بھی قرآنِ کریم کی آیت ایسی نہیں جس پر کوئی بات مکمل ہو سکے یا ہو سکتی ہو کیونکہ جب انسان آیاتِ قرآنی پر غور ہوتا ہے کوئی نہ کوئی نیا مضمون اس میں سے ابھر آتا ہے، کوئی ایسا پہلو سامنے آجاتا ہے جو پہلے سامنے نہیں تھا۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے نور بننے کے ساتھ ساتھ یہ ایک حقیقت بیان فرمائی ہے جو بہت ہی اہمیت رکھتی ہے کہ محمدؐ پر آسمان سے نور نازل نہ ہوتا اگر وہ خود نور نہ ہوتے۔ پس وہ جو آسمانی نور کے متلاشی ہیں انہیں لازم ہے کہ اپنے اندر نور پیدا کریں اور یہی وہ مضمون ہے جس کا تعلق اس آیت کریمہ سے ہے۔ وہ متقیوں کے لئے ہدایت ہے هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ۔ جن کا دل پاک اور صاف نہ ہو، جن کا دل خود ضمیر سے روشن نہ ہوان پر آسمان سے بھی کوئی نور نہیں اترا کرتا اور آنحضرت ﷺ سے متعلق یہ بات بیان فرما کر درحقیقت آپؐ کی فضیلت کی ایک اور وجہ ہمارے سامنے پیش فرما دی کہ تمام انبیاء پر آپؐ کو کیوں فضیلت ہوئی؟ ہر نبی پر نور ویسا ہی اترتا ہے جیسا اس کے دل میں ہو اور جتنا بڑا نور انسان کے ضمیر سے اٹھتا ہے اتنا ہی عظیم الشان شعلہ نور آسمان سے اترتا ہے۔

پس حضرت محمد مصطفی ﷺ کا نور تمام نبیوں سے بڑھ کر تھا تبھی اللہ تعالیٰ نے سب نبیوں سے روشن تر نور آپؐ پر اتارا اور اس سے خدا تعالیٰ کی عطا کے اندر جو اندرونی ایک عدل پایا جاتا ہے اس پر روشنی پڑتی ہے۔ ملتا تو عطا سے ہے مگر عطا بھی عدل کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے اور جیسا کسی کا استحقاق ہو ویسا ہی اس کو عطا کیا جاتا ہے۔ پس اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر خالصۃً اللہ کی عطا ہوئی لیکن اللہ تعالیٰ اس عطا کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ وہ خود ایک نور تھا اور اس نور سے ملتا جلتا، اس کے مطابق، اس کی شایانِ شان، اس کے شان بڑھانے والا ایک اور نور آسمان سے اترا تو وہ وجود نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ بن گیا۔

پھر فرماتا ہے جیسے لوگ روشنی کی تلاش میں جن کے ہاں اندھیرا ہو بعض دفعہ دور دور چلے جاتے ہیں ڈھونڈنے کے لئے کہ کہیں کوئی بتی جل رہی ہو تو اس سے اپنا دیا روشن کرلیں۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ آگ کے بغیر بیٹھے ہوئے تھے پہاڑی پر ایک روشنی دیکھی۔ اپنی زوجہ مبارکہ سے کہا کہ میں چلتا ہوں شاید وہاں سے کوئی آگ کا شعلہ مل جائے تو ہم اپنا

گھر بھی روشن کرلیں چنانچہ اللہ تعالیٰ کا وہ نور آپ کو عطا ہوا جس کے لئے بلایا گیا تھا۔

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا دل بھی ایک طور کے طور پر پیش ہو رہا ہے۔ فرماتا ہے وہاں تو ایک موسیٰ نے ہدایت پائی تھی اور پھر آگے جاری کی تھی۔ محمد مصطفیٰ کا دل ہی وہ طور ہے جس پر روشنی دیکھ کر طورِ نور تلاش کرنے والے اس کی طرف دوڑے چلے آتے ہیں اور ان میں سے پھر اللہ انتخاب فرماتا ہے ہر ایک کو یہ توفیق نہیں دیتا۔ یَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ پھر جس کو چاہتا ہے اس کو اس نور تک پہنچنے کی توفیق عطا فرماتا ہے اور اس میں بھی اس کی صلاحیتیں دیکھتا ہے۔ پھر وہی آیت سامنے آجاتی ہے کہ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ محمد مصطفیٰ ﷺ کی رفعتوں کو پہچاننے کے لئے کچھ اندرونی رفعتیں بھی چاہئیں۔ آپ کے نور سے نور حاصل کرنے کے لئے کچھ اندرونی صلاحیتیں درکار ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ ہر شخص کو محمد رسول اللہ ﷺ تک راہنمائی نہیں فرماتا بلکہ اس کے دل کا نور ہے جو فیصلہ کن بنتا ہے۔

(ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ ایک تار کی خرابی کی وجہ سے قریباً چار پانچ منٹ پہلے آواز بھی نہیں جاسکی، لیکن پانچ چھ منٹ پہلے بتانا تھا اب اتنی دیر بعد کیوں بتایا اب میں سارا خطبہ وہاں سے دوبارہ دہراؤں یہ اب کوئی مناسب نہیں ہے کافی وقت گزر چکا ہے۔ بہر حال آئندہ اگر آپ کے ہاں کیسٹ بن رہی ہو تو آئندہ اس خطبے کا پہلا حصہ پھر کسی وقت دکھا دینا، اگلے جمعے میں۔

پھر اعلان کے بعد ابھی بھی ایک اور آواز آرہی ہے بیچ میں سے اس کو بند کروائیں جو ترجمہ ہو رہا ہے وہ یہاں بھی سنائی دے رہا ہے۔ ایک تار نہیں دو تاروں کی خرابیاں بہر حال ترجمے کی آواز یہاں تک براہِ راست پہنچ رہی ہے عجیب بات ہے مگر جب یہاں میں بات بیان کر رہا ہوتا ہوں تو اس سے خلل واقع ہو جاتا ہے۔)

حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کا جو نور ہے یہ ایک طور کے نور کی مثال بن گیا اور وہاں سے پھر صحابہؓ نے جن کو اللہ نے توفیق عطا فرمائی اس نور سے اپنے دلوں کے نور روشن کئے اور وہ نور جو محمد مصطفیٰ ﷺ کے دل پر اترا تھا اور نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ کا منظر دکھا رہا تھا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے پھر اچانک فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۳۷﴾ (النور: 37)

یہ نوران سب کے گھروں میں چمکنے لگا جن کے متعلق اللہ نے فیصلہ فرما رکھا تھا کہ ان کو بلند کرے گا یا اس کا مطلب یہ بنے گا۔ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ بعضوں نے اس کی ضمیر پچھلی آیات کی طرف پھیری ہے مگر میرے نزدیک یہاں بُیُوْتٍ ہی دراصل ضمیر کا مرجع ہیں۔ مراد یہ ہے ان گھروں کی طرف وہ نور چلا گیا، ان گھروں میں بسنے لگا، ان گھروں کو روشن کر دیا جن کے متعلق اللہ نے فیصلہ فرما لیا تھا، اَنْ تُرْفَعَ کہ ان کے درجات بلند کئے جائیں گے ان گھروں کو بلند کیا جائے گا اور کیسے بلند کیا جائے گا۔ ''وَیُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ '' اس کا نام بلند کر کے۔ تو نور کی حقیقت بھی ہم پر کھول دی، نور کی حقیقت ذکر الٰہی ہی ہے جن گھروں میں ذکر الٰہی کی آوازیں بلند ہوتی ہوں وہاں خدا کا نور اترتا ہے اور ان گھروں کو بلند کر دیتا ہے ان کو رفعتیں عطا کر دیتا ہے۔ یُسَبِّحُ لَہٗ فِیْھَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ اس میں وہ اللہ کی تسبیح کرتے ہیں صبحوں کے وقت بھی اور شاموں کے وقت بھی، وہ گھر ذکر الٰہی سے بھرے رہتے ہیں۔''

اس مختصر تشریح کے بعد اب میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقتباس کی طرف آتا ہوں۔ جو آج کے شائع ہونے والے انٹرنیشنل الفضل کے پہلے صفحہ پر طبع ہوئی ہے کیونکہ یہ مشکل عبارت ہے تو پھر ٹھہر ٹھہر کر سمجھانا پڑے گا۔ عام اردو جاننے والے بھی اس عبارت کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکتے اور سرسری نظر سے کسی کو کچھ سمجھ نہیں آئے گی کہ یہ کیا باتیں ہو رہی ہیں اس لئے ضروری ہے کہ تفصیل کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کے اس کا مضمون آپ پر واضح کیا جائے آپ فرماتے ہیں:۔

''یہ سلسلہ بیعت محض بمراد فراہمی طائفہ متقین'' اب اس ٹکڑے کی کسی کو سمجھ نہیں آئی، جو یہاں کے بچے ہیں یا امریکہ کا ایک بچہ سامنے آکے بیٹھا ہوا ہے اس کے چہرہ پر فوراً ایک مسکراہٹ آئی کہ ہمیں تو کچھ نہیں پتا چلا کہ کیا کہا۔ بہتوں کو نہیں پتا چلے گا کہ عام زبان کی باتیں ہیں وہ بھی گہرائی میں ہیں اس لئے سطح سے دکھائی نہیں دیں گی۔ فرماتے ہیں:۔

یہ بیعت کا سلسلہ جو ایک ایسی متقیوں کی جماعت اکٹھا کرنے کے لئے جاری فرمایا گیا ہے۔ جو ہمارا اصل مقصد ہے، یہ مراد ہے اس بات سے یعنی تقویٰ شعار لوگوں کی جماعت کو جمع کرنے کے لئے ہے۔ ساتھ ہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ کہ جو متقی ہیں ان کو اکٹھا کرنے کے لئے یہ سلسلہ چلایا گیا ہے۔ ''تا ایسے متقیوں کا ایک بھاری گروہ دنیا پر اپنا نیک اثر ڈالے'' تا کہ ایسے متقیوں

کا کوئی بڑا گروہ تمام دنیا پر اپنے نیک اثرات ڈال سکے اور ان کی حالتیں بدلے'' اور ان کا اتفاق اسلام کے لئے برکت اور عظمت اور نتائج خیر کا موجب ہو،'' یہاں اتفاق کا لفظ ایسا ہے جس پر مزید غور کی ضرورت ہے اتفاق تک تو سمجھ آ گئی اور اتفاق لفظ اکثر جگہوں پر سمجھ آ گیا ہوگا۔ مگر اس کی اہمیت کیا ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ اگر الٰہی جماعتوں سے اتفاق اٹھ جائے تو ان کی تمام برکتیں جاتی ہیں۔ تو جو ہوا بنی ہوتی ہے وہ جاتی رہتی ہے۔ دشمن پر ان کا رعب باقی نہیں رہتا اور ان کے اندر تاثیر کی طاقتیں باقی نہیں رہتی۔ پس اگر مقصد یہ ہے کہ دنیا پر ان کی نیک صلاحیتیں اثر انداز ہو جائیں تو لازم ہے کہ جماعت ایک ہاتھ پر اکٹھی ہو۔ جہاں جہاں بھی جماعتوں میں اختلاف پیدا ہوتا ہے وہاں سے تمام برکتیں اٹھ جاتی ہیں اور کئی مثالیں میں نے اس سے پہلے پیش کیں ہیں، بعض خطبات اس موضوع پر دیئے مگر بہت سے بدنصیب ہیں جو نہیں سمجھتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی جماعت احمدیہ کی تمام برکات کو اتفاق سے وابستہ کیا اور یہ ایک ایسے عارف باللہ کا کلام ہے کہ جسے خدا نے خود ہدایت دی جس کو مہدی کہا جاتا ہے۔ جس کی ہدایت کی راہ آسان کرنے کے لئے آسمان سے دو گواہ ظاہر ہوئے جو پہلے کبھی کسی سچے کے حق میں ظاہر نہیں ہوئے۔

اب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہدایت یافتہ ہیں، اللہ کے نور سے دیکھنے والے ہیں۔ آپ کے کلام کو غور سے پڑھنا غور سے سننا اور غور سے سمجھنا چاہئے۔ ابھی بھی اپنی جماعتوں کے متعلق شکایتیں ملتی رہتی ہیں اور عجیب بات ہے کہ دونوں طرف کے لوگ نہایت متقی بن کر مجھے خط لکھتے ہیں۔ ابھی جرمنی کی بعض جماعتوں کے متعلق امیر صاحب نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح اصلاح ہو جائے لیکن وہ باز ہی نہیں آتے ایسے فتنہ مزاج لوگ جو ان میں بیٹھے ہوئے ہیں جو ابھارتے رہتے ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف الزامات اور ہر ایک جو خط لکھتا ہے وہ ایسا متقی بن کے خط لکھتا ہے کہ انسان کہتا ہے کہ یہ تو بڑا امام بننے والا ہے۔ کہتا ہے دیکھو میرا دل کتنا صاف ہے، ہم شریف لوگ ہیں فتنے کے جواب میں دوسرا کہتا ہے کہ دیکھیں ہم نے ہر بات تسلیم کر لی امیر صاحب کی ہر اچھی بات کا اثبات میں جواب دیا مگر یہ بدبخت ہیں ایسے گندے ہیں جن کی پروردہ نہیں جب تک ان کو اٹھا کر باہر نہ نکال دیا جائے اس وقت تک ہماری اصلاح ہو ہی نہیں سکتی۔ دونوں کے دلوں میں بغض، یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اس طرح صرف ایک ہی کا قصور ہوا اور اتنا لمبا عرصہ فساد رہے۔ جو متقی لوگ

ہیں وہ فسادوں پر غالب آ جایا کرتے ہیں ان کا تقویٰ، ان کا انکسار بدیوں کو زائل کر دیتا ہے اور حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ اتفاق کا نقطہ پیش فرمایا ہے اگر اس نقطے کو سامنے رکھیں تو ایک لمحہ بھی یہ لڑائی جاری نہیں رہتی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

’’سچے ہو کر جھوٹے کی طرح تذلل کرو۔‘‘ (کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 ،صفحہ:12)

اگر تم میرے ہو تو ایک کام کرو، سچے سمجھو اپنے آپ کو لیکن تذلل جھوٹوں والا، ایسے آدمی کی طرح گر جاؤ زمین پر، انکساری دکھاؤ جیسے جھوٹے پر جب جھوٹ ثابت ہو جاتا ہے تو وہ چھپتا ہے اور معافیاں مانگتا ہے اور اپنے آپ کو کوستا ہے کہ مجھ سے کیا غلطی سرزد ہوئی۔ یہ نہیں فرمایا کہ اپنے آپ کو جھوٹا کہو کیونکہ سچے ہو کر اپنے آپ کو جھوٹا تو کہا نہیں جا سکتا۔ اس لئے سمجھتے رہو سچا یہ نہیں فرمایا کہ کہو کوئی تو سچا ہوگا کیسی پاکیزہ نصیحت ہے اور فقرہ کی بناوٹ پر غور کر کے دیکھیں کتنا عظیم اور شان رکھتا ہے اپنے اندر، فرماتا ہے سچے ہو کر جھوٹوں کی طرح تذلل، جھوٹا نہیں لیکن تذلل اختیار کرو، گر جاؤ، انکساری دکھاؤ، ہمارا قصور تھا ہمیں معاف کر دو۔ یہ نسخہ استعمال نہیں کرتے اور جھوٹے بھی سچے بن رہے ہوں تو پھر کیسے اصلاح ہو۔ جب جھوٹے سچے بنتے ہوں تو تبھی جھگڑے ہوتے ہیں اور وہ دونوں فریق کا جن میں تکبر پایا جاتا ہو، جن میں انانیت ہو، جو یہ سمجھتے ہوں کہ ہم اس کو نیچا دکھائیں گے تو دل ٹھنڈا ہو۔ ان کی آگ نہیں بجھتی، وہ آگ دوسری چیزوں کو بھی جلاتی ہے اور آگ اور نور میں فرق ہے۔ جن آیات کی میں نے تلاوت کی ہے ان پر غور کریں وہ نور ہے جس کی طرف بلایا جا رہا ہے، آگ کی طرف نہیں بلایا جا رہا ہے۔ حضرت موسیٰ آگ سمجھ کر گئے تھے تو ملا نور ہی تھا اور نور ہی ہے جو زندگی بخشا کرتا ہے۔ آنحضرت ﷺ ایک نور تھے اور یہ نور گھروں میں پھیلا ہے اگر تمہارے سینے جل رہے ہوں ان میں بغض ہو، ان میں حسد ہو، ان میں تکبر ہو، ان میں سفلہ پن ہو تو پھر دوسرے دلوں میں آگ لگاؤ گے۔ نور نہیں بھر سکتے۔

بس اتفاق کی برکت جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جس طرف توجہ دلائی ہے ہماری بقا کے لئے ضروری ہے۔ ناممکن ہے کہ ہم زندہ رہ سکیں بغیر اتفاق کے اور ایسے اتفاق کے بغیر جس کی طرف مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بلاتے ہیں ہمارا نور دنیا میں پھیل نہیں سکتا، ہماری طاقتیں آپس میں ہی الجھ کے ختم ہو جائیں گی۔

آج جب میں آپ کو بار بار دعوت الی اللہ کی طرف بلا رہا ہوں اور بتلا رہا ہوں کہ وہ دن آ گئے ہیں جبکہ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ تیزی سے مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پیغام دنیا پر پھیلے، رفتاریں تبدیل کی جا چکیں ہیں، تیز ہوائیں چل رہی ہیں جو آپ کی تائید میں چل رہی ہیں۔ اس کے باوجود اگر آپس میں الجھ کر آپ نے ان برکتوں سے فیض نہ پایا اور اپنی عمریں گنوا بیٹھے تو بہت برا گناہ ہے۔ اور ایسی نحوست ہے کہ جن کے حصے میں آئے تو وہ نہ پیدا ہوتے تو اس سے بہتر تھا اور بہت بہتر تھا اب حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

''بھاری گروہ دنیا پر اپنا نیک اثر ڈالے اور ان کا اتفاق اسلام کے لئے برکت وعظمت نتائج خیر کا موجب ہو۔'' یہ کیوں نہیں کہہ دیا وہ خیر کا موجب ہو ایک عام آدمی کی تحریر ہو اس کا دماغ یہاں اتفاق کی طرف جا ہی نہیں سکتا۔ اس نے جب یہ کہہ دیا کہ ساری جمعیت اثر ڈالے تو بیچ میں اتفاق کا خیال کیسے آ گیا۔ یہ عارف باللہ کا کلام ہے وہ جس سے خدا ہم کلام ہو، جس کو نور عطا کرتا ہے۔ خود آپ کے کلام کو زندہ فرماتا ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمار ہے ہیں اثر ڈالے اور ان کا اتفاق اسلام کے لئے برکت وعظمت ونتائج خیر کا موجب ہو۔ اور ''وہ یہ برکت کلمہ واحدہ'' اب دیکھیں کیسے جوڑا ہے کہتے ہیں اپنے واحدہ کلمہ جو سب میں مشترک ہے اور جو کلمہ توحید کی طرف بلا رہا ہے۔ اس سے برکت پائیں اس پر متفق ہونے کے بعد اسلام کی پاک اور مقدس خدمات میں جلد کام آویں۔ تو توحید کا اتفاق سے جو ہمیں جماعتوں کے اندر ملنا چاہئے جو بعض دفعہ دکھائی نہیں دیتا ایک گہرا اور اٹوٹ رشتہ ہے۔ اگر آپ واحد ہیں تو آپ میں لازماً وہ اتفاق پیدا ہوں گے جس کے نتیجے میں بکھری ہوئی جمعیتیں بھی دوبارہ جمعیتیں اختیار کر جائیں گی۔ لیکن وہ لوگ جن کی نحوست سے جمعیتیں بکھرنے لگتی ہیں وہ مشرک ہیں۔ ان کا توحید سے کوئی تعلق نہیں۔ جب میں مشرک کہتا ہوں تو پورے یقین کے ساتھ اس مضمون کو سمجھ کر کہہ رہا ہوں۔ انہوں نے اپنے نفسوں میں بت بنا رکھے ہیں، ان کی انانیت ہے جس کی وہ پوجا کرتے ہیں۔ دن رات انا کے سوا اور کسی کی عبادت کی ہوش ہی کوئی نہیں۔ اپنی اور اپنی اولاد کی انا ایسی غالب آ جاتی ہے کہ جب اختلاف ہوں تو اپنے بھائی پر شدید ظلم کرنے پر تُل پڑتے ہیں اور اپنا بیٹا اگر کوئی طاقتور ہے تو اس کو بھیجیں گے کہ اس کو مار مار کے اڑا دو، وہ ہوتا کون ہے جو ہمارے سامنے کھڑا ہو؟ اور سمجھتے ہیں کہ اب دیکھو ہم بڑے ثابت ہوئے کہ نہیں تو حضرت

مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جس کلمہ واحدہ کی طرف بلایا ہے یہ کوئی فرضی بات نہیں ہے یہ بعینہٖ حقیقت ہے کہ توحید سے رشتہ جوڑو گے تو اتفاق ہوگا توحید سے رشتہ ٹوٹے گا تو مشرک بن جاؤ گے، اور تتر بتر ہو جاؤ گے کوئی تمہاری طاقت باقی نہیں رہے گی، کوئی نور تمہارے اندر نہیں ہوگا۔ مشرک جس طرح آگ کی پوجا کرتے ہیں تم آگ کے پجاری بن جاؤ گے اپنے نفس کے غضب کی آگ کی پوجا کیا کرو گے اور لوگوں پر بھی آگ کا عذاب بھڑکاؤ گے۔

پھر فرماتے ہیں ''اسلام کی پاک اور مقدس خدمات میں جلد کام آسکیں اور ایک کاہل اور بخیل و بے مصرف اور جو نے مصرف مسلمان نہ ہوں۔'' ایسے نہ ہوں جن میں سستی پائی جاتی ہو جو بخل سے کام لینے والے ہوں اور بے مصرف ہوں، کوئی فائدہ ان کا نہ ہو'' اور نہ نالائق لوگوں کی طرح جنہوں نے اپنے تفرقہ اور نا اتفاقی کی وجہ سے اسلام کو سخت نقصان پہنچایا ہے'' امرِ واقعہ یہ ہے کہ اگر آپ تاریخ اسلام پر نظر ڈالیں تو اگر تفرقہ نہ ہوتا آج ناممکن تھا کہ اسلام کے سوا کوئی اور مذہب دنیا میں ہوتا۔ تمام ترقی کی رو رکی ہے تو ہر قدم پر تفرقہ کی وجہ سے رکی ہے۔ اگر جمیعتوں میں انتشار پیدا ہوا ہے تو ہر قدم پر تفرقہ کے نتیجے میں پیدا ہوا ہے، جو شرک سے پیدا ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں ان کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے اپنے تفرقہ اور نا اتفاقی کی وجہ سے اسلام کو سخت نقصان پہنچایا ہے'' اور اس کے خوبصورت چہرہ کو اپنے فاسقانہ حالتوں سے داغ لگایا ہے'' اب جو لڑنے والے لوگ ہیں وہ فاسق ہوتے ہیں یہ بھی بتا دیا وہ لوگ جن کے دل پھٹے ہوئے ہوتے ہیں، ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے سے جدا کرنے والی باتیں کرتے ہیں ان کی زندگی پر غور کر کے دیکھو۔ بدعمل فاسق لوگ، اگر ان کا فسق دکھائی نہ بھی دیتا ہو تو ہیں وہ فاسق کیونکہ جو اندرونی طور پر اپنی عبادت کرتا رہے اس سے بڑا فاسق اور کون ہو سکتا ہے۔ شرک اور فسق دراصل ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔

فرماتے ہیں اسلام کے چہرے پر داغ ہے اب جہاں جہاں یہ واقعات ہوتے ہیں وہاں بعض دفعہ غیر احمدی بھی مجھے خط لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جی یہ آپ کی جماعت ہے۔ کہتے ہیں کہ ہم جماعت میں تو نہیں مگر جماعت سے تعلق رکھتے ہیں، ایک محبت اور احترام کا رشتہ ہے مگر ان لوگوں کو دیکھیں ان کے چہرے دیکھیں ان کے کردار دیکھیں تو گھن آتی ہے اور یقین نہیں آتی کہ جماعت احمدیہ کے ساتھ منسلک ہو کے ایسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں، بعض لوگ طعنہ دے

کر پھر دور بھی ہٹ جاتے ہیں مگر بہت سے شرفاء ہیں جو بات سمجھتے ہیں کہ یہی ایک دو گندے لوگ ہیں مگر ویسے جماعت اللہ تعالیٰ کے فضل سے سرسبز درخت ہے لیکن داغ لگانے والے ضرور ہیں لیکن اس ماحول میں جن کو جماعت احمدیہ سے واقفیت نہیں ہے ان پر ان کا کیا اثر پڑتا ہوگا؟ ان لوگوں کا اثر نہ پڑنا ایک خیر و برکت ہے الحمدللہ کہ ان کا اثر نہیں پڑتا ورنہ اگر یہ احمدی بنائیں گے تو کیسے منحوس چہروں والے احمدی بنائیں گے۔ ایسے ذلیل اور رسوا احمدیوں کی جماعت کو کوئی ضرورت نہیں۔ پس شکر ہے کہ ان میں تبلیغ کی برکت بھی نہیں، پھیلنے کی برکت سے محروم ہیں کیونکہ اگر بنائیں گے تو اپنے جیسا بنائیں گے۔ پس بدکار آدمی کا اولاد سے محروم رہنا ہی بہتر ہے۔ حضرت نوح نے جو اللہ تعالیٰ کے حضور التجا کی اس میں ایک یہ بات بڑی سچی بیان کی کہ اے خدا ان سب کو اٹھا لے کیونکہ اب یہ فاسق و غاصب جنیں گے، میں دیکھ چکا ہوں کہ ان میں نیک لوگ جننے کی صلاحیت ہی باقی نہیں۔ پس اس قوم کے زندہ رہنے کا کیا فائدہ جو آئندہ فاسق و فاجر نسلیں اپنے پیچھے چھوڑ کے جانے والی ہو۔ کتنی پرحکمت دعا ہے۔ پس یہ بھی شکر ہے کہ جن جماعتوں میں اتفاق نہیں ہے وہاں سے تبلیغ کی برکت ویسے ہی اٹھ جاتی ہے۔ طبعاً اپنے جیسے لوگ پیدا کریں گے۔ فاسقانہ حالتوں سے داغ لگا دیئے۔ ’’نہ ایسے غافل درویشوں گزینوں کی ضرورت ہے۔‘‘ نہ ایسے غافل درویشوں گوشہ گزینوں کی طرح جن کو اسلامی ضرورتوں کی کچھ بھی خبر نہیں اور اپنے بھائیوں کی ہمدردی سے کچھ غرض نہیں‘‘ پس نہ تو مجھے اس طرح کے کاہل اور بداعمال فاسق فاجر چاہئیں جو افتراق پیدا کر دیتے ہیں اور ہر طرف بغض پھیلا دیتے ہیں اور ان کے اندر نشو و نما کی طاقتیں ختم ہو جاتیں ہیں، نہ مجھے ایسے درویش لوگ چاہئیں جو گوشوں میں موج مار کر بیٹھ جائیں اور دنیا کی بھلائی سے اور دنیا کی خیر و شر سے بالکل تعلق کاٹ لیں۔ ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہوا گر نیک ہوں گے تو اپنے گھر میں اپنے لئے ہوں گے۔ اسلام کو کیا فائدہ ان سے پہنچ سکتا ہے؟ پس فرماتے ہیں مجھے ایسے بھی نہیں چاہئیں۔ مجھے مجاہد، میدانِ عمل میں نکل کھڑے ہونے والے لوگ چاہئیں۔ فرماتے ہیں ’’اور بنی نوع کی بھلائی کے لئے کچھ جوش نہیں بلکہ وہ ایسے قوم کے ہمدرد ہوں کہ غریبوں کی پناہ ہو جائیں‘‘ یہاں غریبوں کے ساتھ کوئی مذہب بیان نہیں فرمایا ہر غریب کا ایک ہی مذہب غربت ہے۔ فرمایا وہ ’’غریبوں کی پناہ ہو جائیں یتیموں کے لئے بطور باپوں کے جائیں اور اسلامی کاموں کے انجام دینے کی طرح عاشقِ زار کی طرح فدا ہونے کو تیار ہوں‘‘ جو

شخص غریبوں کا ہوتا ہے اور یتیموں کا درد رکھتا ہے وہی اعلیٰ قدروں کے لئے قربانی کا مادہ رکھتا ہے۔ یاد رکھیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دو الگ الگ باتیں اتفاقاً بیان نہیں فرمائیں۔ وہ دل جو غریبوں کی ہمدردی سے عاری ہے وہ دل جسے یتیم کا دکھ محسوس نہیں ہوتا وہ خدا کے کاموں پر فدا ہونے کوئی بھی صلاحیت نہیں رکھتا۔ فدائیت کے لئے دردمندی چاہئے۔ پہلے دلِ گداز پیدا کرے پھر اسے توفیق ملتی ہے کہ اعلیٰ قدروں کے لئے وہ قربانیاں پیش کرے۔ فرمایا کہ جو دنیا میں قربانیوں کا مادہ ہی نہیں رکھتا، جسے پتا ہی نہیں کہ دکھ ہوتے کیا ہیں اور ان میں شریک ہونے کے لئے اس میں بیقرار طلب نہیں پائی جاتی اس نے خدا کے کیا کام آنا ہے۔ بہت ہی عظیم تحریر ہے۔ ایک ایک لفظ آسمان سے نور سے لکھا گیا اور اسی لئے میں نے بتایا تھا کہ اس آیتِ نور سے گہرا تعلق ہے جس کی میں نے تلاوت کی تھی۔

فرماتے ہیں ”غریبوں کی پناہ ہو جائیں یتیموں کے لئے بطور باپوں کے بن جائیں اور اسلامی کاموں کے سرانجام دینے کے لئے عاشق زار کی طرح فدا ہونے کو تیار ہوں اور تمام تر کوششیں اس بات کے لئے کریں کہ ان کی عام برکات دنیا میں پھیلیں اور محبتِ الٰہی اور ہمدردیٔ بندگان خدا کا پاک چشمہ ہر یک دل سے نکل کر اور ایک جگہ اکٹھا ہو کر ایک دریا کی صورت میں بہتا ہوا نظر آوے۔“ اب یہ ایک عبارت بظاہر ایک عام لفظوں کی ہے جو بہت مشکل لفظ نہیں ہیں۔ لیکن سمجھائے بغیر سمجھ نہیں آئے گی۔

فرماتے ہیں وہ تمام تر کوشش اس بات کے لئے کریں ان کی عام برکات دنیا میں پھیلیں۔ یہ تو صاف بات ہے یہ تو سمجھ میں آتی ہے جس میں برکتیں ہیں وہ تو پھیلیں گی لیکن ایک شرط آخر لگائی گئی ہے جو بہت ہی قابلِ غور ہے اور ”محبت الٰہی اور ہمدردیٔ بندگان خدا کا پاک چشمہ ہر یک دل سے نکلے لیکن الگ الگ نہ پھیلے، ہر یک دل سے نکل کر ایک جگہ اکٹھا ہو جائے ایک دریا کی صورت میں بہتا ہوا نظر آئے۔ اب یہ وقت نہیں ہے جب خدا تعالیٰ دوبارہ دنیا میں اتحاد پیدا کیا کرتا ہے اور ایک الٰہی جماعتیں بنایا کرتا ہے انفرادی نیکیاں پھر کام نہیں آتیں اور بے معنی ہو جاتیں ہیں۔ اگر ہر چشمہ جو پہاڑوں سے پھوٹتا ہے وہ الگ الگ رستے بنالے اور مل کر ایک دریا کی صورت اختیار نہ کرے اس کا فیض دنیا میں پھیل ہی نہیں سکتا اور وہ بڑے عظیم کام جو دریا کر کے دکھاتے ہیں وہ ایسے چھوٹے

چھوٹے چشمے کبھی بھی دکھا نہیں سکتے۔ جو پہاڑوں کی چھاتیاں چیری ہیں دریاؤں نے اور عظیم وادیاں پیدا کی ہیں اور انسانی فائدے بھی اور انسانی بقا کے بہت سے فائدہ کہنا چاہئے ان دریاؤں سے وابستہ ہیں اگر یہ اکٹھے نہ ہوتے تو وہ فائدے پہنچ ہی نہیں سکتے۔

پس مسیح موعودؑ فرما رہے ہیں کہ برکتیں تو پھیلیں گی یہ نہ سمجھ لینا کہ تم نیک ہو تمہاری برکتیں پھیل رہی ہیں یہ بس کافی ہے۔ آج اسلام کو ایک جہاد کی ضرورت ہے اور مثال کیسی پاک دی ہے کہ دلوں سے محبت کا چشمے پھوٹیں گے تو سہی وہ تو نہیں رکتے لیکن اگر الگ الگ رہے تو ان کا کوئی فائدہ نہیں۔ فرماتے ہیں مَیں جو تصور لئے بیٹھا ہوں وہ یہ ہے کہ ”پاک چشمہ ہر یک دل سے نکل کر اور ایک جگہ اکٹھا ہو، ایک دریا کی صورت میں بہتا ہوا نظر آئے۔ پس یہ وہ دریا ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بہایا ہے اور یہ وہی دریا ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ے　این چشمۂ رواں کہ بخلق خدا دہم
یک قطرۂ ز بحر کمالِ محمد است　　(درثمین صفحہ: 89)

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے جاری کردہ فیوض کا ایک قطرہ تھا جو دریا بنایا گیا ہے۔

ع　اک قطرہ اس کے فضل نے دریا بنا دیا　　(درثمین صفحہ: 117)

پس قطروں سے بات نہیں بنیں گی اگر وہ الگ الگ ہی برستے ان قطروں کا دریا بننا ضروری ہے اور اس کا یہی طریق ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جماعت کے سامنے رکھ رہے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے یہ ارادہ فرمایا ہے کہ ”محض اپنے فضل اور کرامت خاص سے اس عاجز کی دعاؤں اور اس ناچیز کی توجہ کو ان کی پاک استعدادوں کے ظہور و ورود کا وسیلہ قرار دے۔“ اب یہ عبارت بھی اکثر عام اردو دان سمجھ نہیں سکتے، دو باتیں اکٹھی بیان فرمائی ہیں۔ ایک مسیح موعود اور مہدی موعود کی ضرورت اور دوسرے خدا کے فضل پر نظر۔ فرماتے ہیں جو کچھ تم دیکھ رہے ہو۔ فیوض کے چشمے جاری ہو رہے ہیں، جو دریا بن رہے ہیں۔ یہ ہیں تو فضل اللہ ہی کے لیکن ان فضلوں کے لئے مجھے وسیلہ بنا، اور وسیلہ اس طرح بنایا کہ مجھے تمہاری بے انتہا فکر ہے اور میں تمہارے لئے بہت دعائیں کرتا ہوں اور ان دعاؤں کی برکات ہیں اور جس لمحے میں بولا جاتا ہوں یہ اس غم کی خدا کی بارگاہ میں قبولیت کا نشان ہے کہ اللہ کے فضل تم پر اتریں یہ مضمون ہے جو اس عبارت میں اس فقرے میں آپ

نے بیان فرمایا پس دوبارہ غور سے سنیں۔

''محض اپنے فضل اور کرامت خاص سے اس عاجز کی دعاؤں اور اس ناچیز کی توجہ کو ان کی پاک استعدادوں کے ظہور و بروز کا وسیلہ ٹھہرا دے'' جہاں جہاں بھی لوگوں کے دلوں میں پاک صلاحیتیں موجود ہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل کے ساتھ میری دعاؤں اور میرے توجہات کو ان کے ابھر کے نکل آنے اور نکھر آنے پر ایک وسیلہ بنا دے''اور اس قدوس اور جلیل الذات نے مجھے جوش بخشا تا کہ میں ان طالبوں کی تربیت باطنی میں مصروف ہو جاؤں اور ان کی آلودگی کے ازالہ کے لئے رات دن کوشش کرتا رہوں۔'' جو اللہ تعالیٰ الہام قائم فرماتا ہے اس کو ہمدردی کا جوش عطا کرتا ہے اور اس ہمدردی کے جوش کا بنی نوع انسان کی ہمدردی کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہے۔ وہی مضمون ہے جس کا پہلے بھی ذکر گزرا اور اسی مضمون کو نسبتاً اپنی اعلیٰ ارفع شان کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔ پہلے عام طالبِ حق کے تعلق میں غریبوں سے ہمدردی، یتیموں سے ہمدردی کا ذکر تھا۔ اب اس کا ذکر ہے جسے خدا نے ساری دنیا کی راہنمائی کے لئے چنا تھا اور اس کا تعلق بھی اسی بات سے باندھا جا رہا ہے، ہمدردیٔ اور جوش کے ساتھ۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بچپن کے حالات میں آپ دیکھیں گے کس طرح غریبوں کے لئے اپنا کھانا بھی تقسیم کر دیا کرتے تھے بعض دفعہ چنے کھا کر گزارا کر لیا کرتے تھے۔ بعض دفعہ فاقہ کر لیا کرتے تھے۔ بے انتہا جوش تھا غریبوں کی ہمدردی کا اور یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ غریبوں کی ہمدردی کبھی بے فیض نہیں رہی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ الہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا کہ تم غریبوں کے ممنونِ احسان ہو تم ان کے اوپر جو رحم اپنی طرف سے کرتے ہو یا ان کا خیال کرتے ہو انہی کی وجہ سے ہی تو خدا تمہیں روزی دے رہا ہے۔ غریبوں کو نکال دو تو ساری سوسائٹی غریب ہو جائے گی۔ غریبوں کی محنت ان کا اخلاق اور ان کی خدمتیں ہیں جو قوم کو دولت عطا کرتی ہیں۔ وہ تمہارے ممنونِ احسان نہیں تم ان کے ممنونِ احسان ہو مگر روحانی دنیا میں بھی غربت کا احسان ہے ایک طرح پر، جو غریبوں سے تعلق جوڑے اللہ اس سے تعلق جوڑتا ہے اور جتنا کسی کے دل میں زیادہ ہمدردی ہو اتنا ہی اس کو بڑا مرتبہ عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام دوبارہ اس مضمون کو اٹھاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تم میں اور مجھ میں فرق کیا ہے۔ ایک یہ کہ دعا کے لئے میرے دل میں بڑا جوش ہے، دوسرے تمہارے

لئے بے انتہا دل میں ایک ہمدردی کا جوش بخشا ہے ’’تا میں ان طالبوں کی تربیت باطنی میں مصروف ہو جاؤں اوران کی آلودگی کے ازالہ کے لئے دن رات کوشش کرتا رہوں۔‘‘ان کو جو کچھ بھی گناہوں سے گندے ہو گئے ہیں جو ان کے ساتھ غلاظتیں چمٹ گئی ہیں اس کو آلودگی کہتے ہیں۔ فرماتے ہیں میرے دل میں خدا نے جوش پیدا کر دیا ہے کہ دن رات ان کو دور کرنے کی، پاک وصاف کرنے کی کوشش کرتا رہوں ’’اوران کے لئے وہ نور مانگوں جس سے انسان مس شیطان کی غلامی سے آزاد ہو جاتا ہے۔‘‘ یہ وہی نور ہے جس کا ان آیات کریمہ میں ذکر فرمایا گیا تھا۔اس کے بغیر دنیا میں انقلاب برپا ہو ہی نہیں سکتا۔

وہی محمد رسول اللہ کا نور جس سے دوسرے گھر روشن ہوئے، جب وہ روشن ہوئے تو ان کے مرتبے بلند کئے گئے ان کو ارفع کیا گیا۔ دو وجوہات تھیں ایک اس لئے کہ وہ نور اپنی ذات میں ایک خاصیت رکھتا ہے کہ جس گھر میں ہو وہاں اس کو بلند کر دیتا ہے اور ذکر کی بلندی سے اس کا تعلق ہے اور جہاں ذکر بلند ہو گا وہاں نور بھی بلند ہو گا۔ دوسرا اس لئے کہ بلند ہو گا تو لوگ فائدہ اٹھائیں گے۔ وہ آگ جس نے موسیٰ کو متوجہ کیا تھا وہ بلندی پر چمکی تھی تو اس کو پتا چلا تھا اگر کسی گڑھے میں پڑی ہوتی تو موسیٰ کو کیا فائدہ پہنچتا اور بنی اسرائیل کو کیا فائدہ پہنچتا۔ وہ تاریخ ہی بے نور ہو کے رہ جاتی جس تاریخ کا آغاز موسیٰ سے شروع ہوا۔ پس آپ فرماتے ہیں کہ ’’وہ نور ہے جو میں مانگ رہا ہوں جس سے انسان نفس اور شیطان کی غلامی سے آزاد ہو جاتا ہے اور بالطبع خدا تعالیٰ کی راہوں سے محبت کرتا ہے‘‘

یہ وہ پاک انقلاب ہے جس کے بغیر ہم کوئی انقلاب دنیا میں برپا نہیں کر سکتے۔ خدا کی راہوں سے محبت کرنا اور بات ہے کر بالطبع خدا کی راہوں سے محبت کرنا کچھ اور بات ہے۔ بالطبع کا مطلب ہے جس طرح آپ بھوکے ہوں تو کھانا اچھا لگتا ہے، پیاس لگی ہو تو پانی کی طرف لپکتے ہیں، کسی چیز کی تمنا ہو اس کی بھوک ہو تو از خود اس کی طرف کھینچے چلے جاتے ہیں۔ فرمایا بالطبع خدا کی راہوں سے محبت کرے۔ ان کو بتا بتا کر نہ لانا پڑے، ان کو سمجھا سمجھا کر یہ راہیں نہ دکھائی جائیں، ان کا دل طبعی جوش کے ساتھ ان راہوں کی طرف متوجہ رہے اور دیکھتے رہیں کہ کہاں وہ راہ نظر آئے تو اس پر دوڑیں اور اس پر قدم ماریں اور ’’ان کے لئے وہ روح القدس طلب کروں جو ربوبیت تامہ اور عبودیت خالصہ کے جوڑ سے پیدا ہوگی۔‘‘ اب بتائیے ربوبیت تامہ کا مطلب ہے وہ ربوبیت یعنی

اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت رب ہے کیونکہ اس لئے اس کی طرف اشارہ صفت ربوبیت سے کیا گیا ہے۔رب کا معنی سارے جانتے ہیں پالنہار، سب کا خیال رکھنے والا، رزق عطا کرنے والا۔

فرمایا اس کی ربوبیت جو تامہ ہو وہ کیا کرے عبودیت خالصہ کے جوڑ سے پیدا ہوتی ہے۔کیا چیز؟ روح القدس، اب روح القدس کا نام آپ نے سنا ہوا ہے ایک فرشتہ جو جبرائیل کہلاتا ہے، حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی کہتے ہیں۔روح القدس کے نام سے دماغ اس طرف چلا جاتا ہے۔لیکن ایک روح القدس ہے جو دل سے پیدا ہوتی ہے وہ کیسے پیدا ہوتی ہے فرمایا ہے ''وہ ربوبیت تامہ اور عبودیت خالصہ کے جوڑ سے پیدا ہوتی ہے اور روح خبیث کی تخفیف سے ان کی نجات چاہئیں'' یہ میری طلب ہے یہ میری مراد ہے یہ ہی میری زندگی کا مقصد ہے۔اب بتائیے پھر بھی کیا سمجھے ہیں۔

غور کریں تو اکثر لوگوں کو سمجھ نہیں آئے گی کہ کیسے ہوگی۔یہ ربوبیت کیا ہے اور ربوبیت تامہ کیا چیز ہے اور پھر عبودیت خالصہ کیا چیز ہے؟ بات یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہر لفظ کا اشارہ قرآن کریم کی طرف ہوتا ہے اور ان تفاسیر کی طرف ہوتا ہے جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمائیں آپ کا سارا کلام بھی قرآن ہی ہے۔پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو مطالب بیان فرمائے ہیں ان کی جڑیں قرآن میں تلاش کرو تو سمجھ آئے گی ورنہ نہیں سمجھ آئے گی۔

اس مضمون کا سورۃ فاتحہ سے تعلق ہے رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کا ایک عام تصور ہے لیکن اس کا تامہ تصور یہ ہے الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ وہ رب جو تمام جہانوں کا رب ہے صرف یہ کافی نہیں ہے اس کی تامہ سمجھ یعنی مکمل سمجھ تب آتی ہے جب ہم یہ سمجھتے ہیں کہ وہ رب جو تمام جہانوں کا رب ہے وہ رب رحمٰن بھی ہے وہ رحیم بھی ہے اور مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ بھی ہے۔ہر انجام کا مالک ہے جو تمام انجام اس کے قبضے قدرت میں ہیں۔آغاز بھی اس سے ہوا ہے اور انجام بھی اس کی طاقت اور اس کی فیصلے کے بغیر ممکن نہیں اور ان دونوں کے درمیان جو رب ہمیں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف حرکت کر کے لے جارہے ہیں۔اس کی صفات ہیں رحمان بہت ہے بڑا ہی رحم کرنے والا ہے۔ہماری غفلتوں سے بار بار درگزر فرماتا ہے اور رحیم ہے جو بار بار فضل لے کر آتا ہے، بار بار رحمتیں عطا کرتا ہے یہ رحمتِ تامہ ہے عبودیت خالصہ کیا ہوئی؟ اِيَّاكَ نَعْبُدُ اے ہمارے رب صرف تجھ کو چاہتے ہیں خالص کا مطلب ہے جو اور کسی کی نہ ہو صرف ایک کی ہی ہو جائے۔فرمایا

روح القدس ان دو کے جوش سے پیدا ہوتی ہے۔ جب تم اِيَّاكَ نَعْبُدُ کہو گے اور ذہن میں وہ ربوبیت تامہ ہوگی جس کا تعارف سورۃ فاتحہ کروا رہی ہے رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ جو رحمٰن ہے جو رحیم ہے جو مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہے۔تو پھر دیکھو تمہارے نفس سے ان دونوں کے ملنے سے کیسی وہ پاک روح پیدا ہوتی ہے جسے روح القدس کہا ہے۔

اور پھر آگے اس مضمون کو اسی طرح بڑھاتے ہیں۔ فرماتے ہیں ''اور روحِ خبیث کی تسخیر سے ان کی نجات چاہوں جو نفس امارہ اور شیطان کے تعلق شدید سے جنم لیتی ہے۔'' اب سورۃ فاتحہ جب آپ کو کہتی ہے کہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ کی دعا کروا پنی عبادت کو خدا کے لئے خالص کر دو، یہ عبادت کا خلاصہ ہو، اس کے نتیجے میں سب سے پہلی کیا چیز عطا ہوتی ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ وہ رستہ دے جو انعام یافتہ لوگوں کا رستہ ہے اور وہی روح القدس کا رستہ روح القدس محمد رسول اللہ کے رستے پر ہے تو فرمایا کہ یہ دعا کرو گے تو پھر تمہیں روح القدس عطا ہوگی ورنہ نہیں ہوگی۔ اپنی عبودیت کا خالص تعلق تمام ربوبیت سے جوڑ لو اس کے نتیجے میں تم اس لائق ٹھہرو گے کہ تمہاری یہ دعا قبول ہو اور تمہیں روح القدس عطا ہو اور خبیث چیزوں سے نجات کی بھی یہی راہ ہے۔''

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں پھر میں اس دعا میں یہ بات بھی شامل کرتا ہوں ''اور روح خبیث تسخیر کی تسخیر سے ان کی نجات چاہوں جو نفس امارہ اور شیطان کے تعلق شدید سے جنم لیتی ہے'' اور مغضوب اور ضالین کی اگر کوئی تعریف کی جائے تو اس سے بہتر تعریف نہیں ہوسکتی۔ وہ لوگ جو نفس امارہ کے غلام بن جائیں اور شیطان سے شدید تعلق جوڑ لیتے ہیں وہی ہیں جن کا ذکر فرمایا گیا ہے مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ان میں سے نہ ہو جائیں یہ ہمیں دعا سکھائی گئی ہے تو ''میں بتوفیق تعالیٰ کاہل اور سست نہیں رہوں گا'' کہ اللہ سے توفیق پاتے ہوئے ''یہ وعدہ کرتا ہوں خدا سے کہ میں کاہل اور سست نہیں رہوں گا اور اپنے دوستوں کی اصلاح طلبی سے جنہوں نے اس سلسلہ میں داخل ہونا بصدقِ قدم اختیار کر لیا غافل نہیں ہوں گا۔''

آج جو آسمان سے قدس کی روح اتر رہی ہے اور پاک تبدیلیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ اس

بات سے غافل نہ ہوں یہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظیم قربانیوں کی نتیجہ میں ہے ساری زندگی دکھ محسوس کیا ہے، ساری زندگی اپنی جان فدا کی ہے اور اس عہد پر آخری دم تک قائم رہے کہ میں غافل نہیں رہوں گا میں وعدہ کرتا ہوں، دعائیں بھی کرتا رہوں گا جو کچھ میرے بس میں ہے وہ میں کرتا رہوں گا، چین سے نہیں بیٹھوں گا جب تک تمہیں پاک وصاف نہ کردوں۔

اور یہ جو خدا کے پاک وجودوں کی دعائیں ہیں یہ ان کی زندگی تک نہیں رہتی ان کے بعد ان کے زمانے میں ممتد ہو جایا کرتی ہیں اور جتنے بھی فیض آج نازل ہوں گے یا کل نازل ہوں گے اس کا گہرا تعلق اس امام برحق سے ہے جس نے حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی مقبول دعاؤں نے پیدا کیا یعنی اللہ نے آپ کی دعاؤں کو قبول فرما کر آپ کو امام مہدی کی خوشخبری دی جس کے دو نشانات آج سے سو سال پہلے دکھائے گئے۔ فرماتے ہیں میں ایسا نہیں ہوں جو غفلت سے ان باتوں کو چھوڑ دوں مگر ”جنہوں نے اس سلسلہ میں داخل ہونا اور بصدقِ قدم اختیار کر لیا ہے میری دعائیں ان کے کام آئیں گی۔“

اب یہ بھی مضمون ایسا ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کا عظیم نشان ہے یوں لگتا ہے کہ یہ شمعیں پکڑی ہوئی ہیں آپ نے اپنے حق میں گواہی دینے والی۔ انسان صمیم قلب کہا کرتا ہے کہ عموماً کہ جنہوں نے صمیم قلب سے مجھے اختیار کر لیا مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کیا فرما رہے ہیں صدقِ قدم سے اختیار کیا اب صدقِ قدم کا ذکر قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ (یونس:۳) اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں ان کو خوشخبری دو ان کے رب کی طرف سے کہ ان کے لئے قَدَمَ صِدْقٍ ان کے رب کے نزدیک۔ اَنَّ لَهُمْ میں یہ بتایا ہے کہ اس لئے وہ خدا کو پیارے ہیں کہ وہ قدمِ صدق رکھتے ہیں صرف ایمان کی وجہ سے نہیں۔ وہ لوگ جو ایمان لائیں ہیں ان کو خدا کی طرف سے خوشخبری اس لئے ہے اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ اس کا یہ مطلب بھی بن رہا ہے جس کی طرف میں خصوصیت سے اشارہ کرنا چاہتا ہوں کہ خالی ایمان کی وجہ سے نہیں خدا کو جو ان کی ادا پسند آئی ہے وہ یہ ہے کہ ایمان لے آئے اور پھر قدمِ صدق اختیار کیا۔ قَدَمَ صِدْقٍ میں ایمان کا پسِ منظر بھی شامل ہے اور بے ڈولے بغیر لغزش کھائے صداقت کی راہوں کو مضبوط قدموں کے ساتھ آگے بڑھتے رہنے کا

ساتھ، فرمایا وہ لوگ جو یہ ہوں میں ان کے لئے دعا کر رہا ہوں اور انہی کی تمنا میرے دل میں ہے کہ اللہ مجھے ویسے لوگ عطا فرمائے۔ فرماتے ہیں ’’جنہوں نے اس سلسلے میں داخل ہونا بصدقِ قدم اختیار کرلیا ہے ان کے لئے دعاؤں سے غافل نہیں ہوں گا بلکہ ان کی زندگی کے لئے موت تک دریغ نہیں کروں گا اور ان کے لئے خدا تعالیٰ سے وہ روحانی طاقت چاہوں گا جس کا اثر برقی مادے کی طرح ان کے تمام وجود میں دوڑے۔‘‘

وہ نور جو محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات سے چمکا تھا وہ دوسرے گھروں میں بھی منتقل ہونا تھا جو ہوا اور خدا نے اپنے قرآن میں اس کی گواہی دی وہی زبان وہی آسمانی زبان ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام استعمال فرما رہے ہیں‘‘ فرماتے ہیں ’’برقی رووٴں کی طرح یہ میری روحانی طاقتیں ان تمام وجودوں میں دوڑنے لگیں اور میں یقین رکھتا ہوں اور ان کے لئے جو داخلِ سلسلہ ہو کر صبر سے منتظر رہیں گے ایسا ہی ہوگا۔‘‘ (مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ:۱۶۵)

پس صبر سے ان راہوں پر قدم مارتے رہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ سے جو توقع رکھتے ہیں اور جو بنانا چاہتے اللہ کرے کہ ہم وہ جماعت بن جائیں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے اس پاک تصور میں دیکھی جو میں نے آپ کے سامنے پیش کیا ہے اور اگر یہ ہو جائے تو پھر سب وارے نیارے ہیں پھر سب میدان جیتے گئے، اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ذکرِ الٰہی کسی خاص موقع پر غرض کی خاطر نہیں کیا جاتا۔
یہ ہر موقع میں خود داخل ہوتا ہے، نمازوں کو ذکرِ الٰہی سے بھریں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 25 / مارچ 1994ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیت کریمہ تلاوت کی۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۱۰

(المنافقون: 10)

پھر فرمایا:۔

ذکرِ الٰہی پر ایک خطبات کا سلسلہ چل رہا تھا جو بیچ میں بعض دوسرے موضوعات پر خطبات کے نتیجہ سے منقطع ہوا۔ اب اس کے غالباً تھوڑے حصے باقی ہوں گے کیونکہ جو بھی میں نے اس کے نوٹس تیار کئے تھے ان پر میں نے نظر ڈالی ہے اب غالباً ایک دو خطبوں کا مضمون اس سلسلے میں باقی ہو گا۔ ذکرِ الٰہی کا مضمون تو لامتناہی ہے مگر جن مختلف پہلوؤں سے میں جماعت کے سامنے اسے پیش کرنا چاہتا تھا وہ پہلو اب انشاء اللہ ایک دو خطبوں میں ختم ہو جائیں گے پھر اس کے بعد حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جس عبارت سے میں نے یہ مضمون اخذ کیا تھا اس عبارت کا آخری جملہ جو ہے اس کی تشریح میں پھر میں انشاء اللہ تعالیٰ ایک نیا سلسلہ شروع کروں گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو تمہیں تمہارے اموال یا تمہاری اولادیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کریں۔ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔ جو ایسا کرے گا وہ لوگ یقیناً گھاٹا کھانے والے ہوں گے۔ پھر دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۙ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا۔اس شخص سے تو منہ موڑ لے جو اللہ کی یاد سے غافل ہو گیا۔ وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا اور دنیا کے سوا اس کی کوئی بھی خواہش نہیں (ارادہ کا لفظ استعمال ہوا ہے) مراد اس سے یہی ہے کہ اس کی مراد دنیا رہ گئی ہے۔اس کے سوا اس کی کوئی مراد نہیں۔ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ۔

ان کے علم کا منتہیٰ یہ ہے۔علم کی جو پونجی ان کی ہے بس یہی کچھ ہے کہ دنیا کما لو اور سب کچھ حاصل ہو گیا۔ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ میں درحقیقت اس بات کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ تمام انسانی علوم جو خدا کی یاد سے غافل ہوں ان کے وہ تمام علوم تمام تر دنیا کمانے کے لئے خرچ ہوتے ہیں اور اس پہلو سے آپ غیر مذہبی دنیا کے حالات کا جائزہ لے کے دیکھیں تمام تر علوم دنیا کمانے کے لئے خادم بنائے گئے ہیں اور کوئی بھی ایسا علم نہیں جو انسان کو خدا کی طرف لے جانے میں مدد کرے۔ پس ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ میں یہ بتایا ہے کہ ان کے علوم کا منتہیٰ یہ ہے۔ جب یہ سائنسی تحقیقات کرتے ہیں تو ان کے پیچھے بھی دنیا کمانے کا کوئی مقصد ہوتا ہے اور بڑی بڑی کمپنیاں اربوں روپیہ اس بات پر خرچ کرتی ہیں کہ کوئی چیز نئی ان کے سامنے آئے اور وہ سارا Trade Related Research کا پروگرام ہے۔یعنی جو دوسری دنیا سے تجارتیں کرتے ہیں اس کو Trade کہتے ہیں اور چونکہ ٹریڈ کے ذریعے یہ بہت بڑی دنیا کی دولتیں کھینچتے ہیں اس لئے بہت بڑی بڑی ایجادات اسی مقصد سے ہیں کہ کسی طرح دنیا کمائی جائے۔ یہاں تک کہ اب بیماریوں میں بھی جتنی ایجادات ہیں ان کے تعلق میں جو ریسرچ ہو رہی ہے اس میں سے شاید ہی کوئی ایسی ہو جو مرض دور کرنے کی خاطر ہو۔ ورنہ اصل مقابلہ یہ ہے کہ کون پہلے ایسی دوا ایجاد کرے کہ جس کا کوئی مقابلہ دنیا میں نہ ہو اور تمام تر دنیا کی دولتیں ہم سمیٹ لیں۔ اگر یہ مقصد پیشِ نظر نہ ہوتا تو ایڈز (Aids) پر جو کچھ اب خرچ کرتے ہیں یہ بھی نہ کرتے۔ آخری مقصد ہر علم کا دنیا کمانا بنا ہوا ہے اور خدا سے نظر پھر لیں اور دنیا کی طرف متوجہ ہو جائیں۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ (النحل: 126) علم کے تعلق سے یہاں اَعْلَم کا لفظ بولا گیا یعنی ان کے علم کا تو یہ حال ہے۔ اللہ کے علم میں بہت باتیں ہیں اور اللہ سب سے زیادہ جانتا ہے اس شخص کو جو اپنی راہ سے بھٹک گیا ہو۔

وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى اور اس کو بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت کے رستے پر ہو۔ تو مراد ہے یہ ضالین لوگ ہیں، گمراہ ہیں، رستے سے ہٹے ہوئے ہیں، ان کو اپنی بھی خبر نہیں ہے۔ جو علم تھا وہ دنیا کا نوکر کر دیا۔ اس لئے ان آیات میں فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى کا مضمون کھول دیا گیا ہے کہ کیوں ان سے کنارہ کش ہو۔

قرآن کریم نے پہلے فرمایا، جیسا کہ میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی تھی، کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولادیں تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کریں۔ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اولاد زیادہ اہمیت رکھتی ہے اموال کا ذکر پہلے کیوں فرما دیا۔ تو اس دوسری آیت نے اس راز سے پردہ اٹھا دیا کہ انسان کی زیادہ تر جدوجہد اموال کمانے میں ہے اور اولاد، اموال کے مقابل پر ایک ثانوی حیثیت اختیار کر جاتی ہے۔ جتنا انسان کے ذہن میں اموال گھوم رہے ہیں اس سے بہت کم اولاد گھومتی ہے لیکن بعض صورتوں میں بعض لوگ اولاد پرست بھی ہوتے ہیں اس لئے وہ بہرحال استثناء ہیں ان کے ذہن میں ہر وقت اولاد کا تصور گھوم رہا ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ساری دنیا پر نظر ڈال کر دیکھ لیں اب تو مال کی محبت اتنی بڑھ چکی ہے کہ ساری دنیا میں آپ کو زیادہ تر لوگ مال کی محبت میں اتنا گم دکھائی دیں گے کہ اولاد کی ہوش نہیں رہتی۔ مجھ سے جو لوگ ملنے آتے ہیں بعض دفعہ میں ان سے پوچھتا ہوں کہ آپ کیا کر رہے ہیں اور بیگم سے پوچھتا ہوں کہ آپ کیا کر رہی ہیں تو پتا چلتا ہے کہ دونوں دنیا کما رہے ہیں اور بعض دفعہ یہ مجبوری کے پیشِ نظر ہوتا ہے بعض غریب لوگ آتے ہیں انہوں نے قرضے اٹھائے ہوتے ہیں۔ انہوں نے اپنی حالت ہی کو درست نہیں کرنا بلکہ پچھلے غریب رشتہ داروں کی بھی مدد کرنی ہے اس لئے وہاں یہ بات قابلِ فہم ہے وہاں ایک اعلیٰ مقصد ہے جس کو مدِ نظر رکھتے ہوئے وہ دنیا کمانے پر مجبور ہیں لیکن میں ان کی بات نہیں کر رہا ایسے لوگوں کی بات کر رہا ہوں جن میں سے ہر ایک اپنی ذات میں اتنا مستغنی ہے، یعنی اتنا خدا تعالیٰ کے فضل سے دولت کماتا ہے اور رکھتا ہے کہ اولاد کو ترک کر دینا اس کی کوئی مجبوری نہیں ہے۔ لیکن جب میں پوچھتا ہوں کہ

بچوں کا کیا کرتے ہیں؟ تو جی بچوں کے لئے ہم نے Baby Sitter رکھا ہوا ہے۔اب جس کے بچے بے بی سٹر کے سپرد ہو جائیں اور وہ آپ دنیا کی دولت کے سپرد ہو جائے اس بے چارے کی اولاد کا کیا بنے گا۔

ایک دفعہ مجھے مشرق وسطیٰ سے ایک فون آیا کہ جی میں ایک کام کرتی ہوں سنا ہے آپ ناراض ہیں۔ میں نے کہا تمہارا نام لے کے تو ناراض نہیں ہوں مگر تمہارے حالات میں جانتا ہوں، تمہارا خاوند اچھا بھلا کماتا ہے، تمہیں خدا نے بہت پیاری اولاد بخشی ہے تو کیوں تم اس کو چھوڑ کر دنیا کے پیچھے بھاگ رہی ہو۔اس نے کہا میں وعدہ کرتی ہوں آئندہ ایسا نہیں کروں گی۔تو دنیا سے جو وسیع تعلق ہے خلافت کا اس کے نتیجے میں ساری دنیا ایک خاندان کی طرح بنی ہوئی ہے اور سب بے تکلف بات کرتے اور باتیں پہنچاتے ہیں۔اسی لئے ان امور پر جتنی نظر خلیفہ وقت کی ہوسکتی ہے، خواہ کوئی بھی خلیفہ ہو بعد میں آنے والا یا پہلے گزرا ہوا، اتنی دنیا میں کسی اور منصب کو یہ معلومات نصیب نہیں ہوتیں کیونکہ وہ ایک ذاتی تعلق سے جستجو بھی کرتا ہے اور لوگ ازخود بھی اس تک اپنے حالات پہنچاتے ہیں۔ان کی روشنی میں وہ انسانی نفسیات سے تعلق رکھنے والے مسائل جو شاید بعض دوسروں کے لئے حل کرنا دوبھر ہوں، ان پر مشکل ہوں لیکن یہ تمام جماعت کی مدد سے ازخود آسان ہوتے چلے جاتے ہیں۔ پس یہاں جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ یہ کسی حکمت کے پیشِ نظر ہے یونہی اتفاقاً اموال کو پہلے اور اولاد کو بعد میں نہیں رکھا گیا اور ساتھ ہی دوسری آیت جو میں نے پڑھی ہے اس کا اس سے گہرا تعلق ہے۔ فرمایا فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۙ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا۔

کہ وہ لوگ جو خدا تعالیٰ کے ذکر کو چھوڑ دیتے ہیں اور ان کی مراد صرف دنیا رہ جاتی ہے۔ یہاں اولاد کا بھی ذکر نہیں کیا آخری منتہیٰ بعض وجودوں کا صرف دنیا رہ جاتی ہے اس کے سوا کوئی ہوش نہیں رہتی بلکہ ایسے باپ بھی دیکھے گئے ہیں جو کروڑ پتی ہوتے ہیں اور اپنی اولادوں کو پیچھے پھینکتے ہیں اور ان سے وہ اگر کچھ حاصل کرنا چاہیں تو ان کو تکلیف پہنچتی ہے۔اولاد کو دھکے دے کے خود برباد کر دیتے ہیں تو یہ آخری مقام ہے جہاں تک انسان اپنی ذلت کی انتہا کو پہنچ جاتا ہے۔ وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ان سے تعلق جوڑو گے تو پھر تمہارا بھی یہی حال ہو جائے گا۔

ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ان کا علم بھی سب کچھ دنیا کا خادم ہو چکا۔ ان سے کیوں تم تعلق نہیں توڑتے۔ فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۙ عَنْ ذِكْرِنَا پس حکم ہے کہ ایسے لوگوں سے اپنے تعلقات توڑ لو، ان سے الگ ہو جاؤ کیونکہ جو نقشہ کھینچا گیا ہے ان لوگوں کا ہے جنہوں نے خدا سے تعلق توڑ لیا ہے اور کلیۃً دنیا کے ہو گئے ہیں۔ ان سے اگر میل جول بڑھاؤ گے، ان سے تعلقات رکھو گے تو تم پر بھی، تمہاری اولادوں پر بھی، دنیا کے بداثرات اس حد تک غالب آ سکتے ہیں کہ تمہیں انہی کی طرح دنیا کمانے کا شوق ہو جائے اور انہی کی طرح اپنی بڑائی ان باتوں میں دیکھو جو باتیں اللہ کے نزدیک بے معنی اور عارضی اور سطحی ہیں اور اہلِ خرد جو خدا تعالیٰ کا تصور اور اس کی یاد رکھتے ہیں ان کے نزدیک یہ شیخیوں کی باتیں ہیں کوئی حقیقت ہی نہیں رکھیتیں کہ کتنا کسی نے کر لیا اور کس طرح وہ رہا یہ عارضی دنیا کی باتیں اور ان پر لذتیں لے لے کر یا فخر سے انسان کا بیان کرنا یہ اس کی اپنی پستی کی علامت ہے۔ پس فرمایا کہ ایسے لوگوں سے تعلق رکھو گے تو خطرہ ہے کہ تم ویسے ہی ہو جاؤ گے۔ یہ کوئی انتقامی کارروائی نہیں ہے، کوئی بائیکاٹ نہیں ہے بلکہ ایک اور پہلو بھی اس میں ہے یعنی ایک تو بچنے کا پہلو ہے دوسرا خدا تعالیٰ کی محبت کا پہلو ہے جو ذکر الٰہی کی جان ہے۔

ایک شخص جس کا ذکر، اللہ ہو جس کی محبت اللہ کے ساتھ ہو، وہ ایسی مجلس میں کیسے بیٹھ سکتا ہے جس کا ذکر دنیا ہو اور دنیا ہی اس کی محبت ہو، تھوڑی دیر کے بعد طبیعت منغض ہو جائے گی۔ انسان کہے گا کیسی باتیں کر رہے ہیں جو پیاری چیز ہے، سب سے زیادہ عشق کے لائق چیز ہے اس کی ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اللہ کا ذکر کریں گے تو ان کی آنکھوں سے یوں لگے گا جیسے روشنیاں بجھ گئی ہوں اور دنیا کی باتیں کریں گے تو ایک دم دلچسپی شروع ہو جائے گی۔ ان کے ساتھ طبعًا جوڑ ہی کوئی نہیں ہے تو فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى میں صرف حکم کے معنی نہیں ہیں بلکہ اس کے ساتھ ہی اس کی روح بھی بیان فرما دی کہ تم اللہ کی محبت کرنے والے لوگ ہو، تمہارا ان لوگوں سے دل کیسے لگ سکتا ہے اور پھر محبوب کی غیرت کا بھی سوال ہے۔ جس پیارے سے ان لوگوں نے منہ موڑ لیا ہے تم ان کے خوف سے ان سے منہ نہیں موڑ سکتے۔ اگر ان کا تعلق اور ان کی رضا تم پر اتنی غالب ہے کہ ان سے تم منہ نہیں موڑ سکتے تو پھر اس کا مطلب ہے کہ خدا سے تمہارے تعلق کے دعوے جھوٹے ہیں۔ ان معنوں میں اس مضمون کو سمجھیں لیکن اس کا غلط مطلب نہ لیں کیونکہ ظاہری تعلق اور ہمدردی بنی نوعِ انسان

میں یہ احکامات مانع نہیں ہیں بلکہ آنحضرت ﷺ کی سنت پر غور کریں تو ہر چھوٹے بڑے سے آپ کا تعلق تھا یہاں وہ تعلق مراد نہیں ہے۔ جن معنوں میں تعلق توڑنے کا حکم ہے اس معنے میں یعنی اس معنی کے اظہار میں ایک بہت فصاحت و بلاغت ہے۔

فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى یعنی تمہارا قبلہ اور ہو جائے، تمہارا رخ بدل جائے۔ ان کی طرف پیٹھ کر لو جنہوں نے خدا کی طرف پیٹھ کی ہوئی ہے اور اپنا قبلہ درست رکھو۔ پس ان کے مقاصد میں ان کے شریک نہ ہو۔ ان سے ایسا پیار کا تعلق نہ باندھو کہ تمہارا بھی وہی قبلہ دکھائی دینے لگے جو ان کا قبلہ ہے۔ تمہاری بھی وہ تمنائیں بن جائیں جو ان کی تمنائیں ہیں۔ وہی مرادیں تمہاری ہو جائیں جو ان کی مرادیں ہیں۔ پس ان معنوں میں ذکرِ الٰہی کا ایک تقاضا ہے جس کے نتیجے میں ہمیں اپنی مجالس کو درست کرنا چاہئے اور اگر مجالس درست نہیں ہیں تو اس آئینے میں اپنا منہ دیکھنا چاہئے کیونکہ یہ آیت کا آئینہ اتنا شفاف ہے اور اتنا کھلا کھلا ہے کہ آپ کے دل کے پاتال تک آپ کی تصویر آپ کو دکھاتا ہے۔

پس جہاں طبعی طور پر بعض لوگ بعض خاندانوں کی طرف اس لئے دوڑتے ہیں کہ وہ دولت مند ہیں اور اس کے سوا ان کے پاس بیٹھنے میں ان کو کوئی مزہ نہیں۔ بعض ایسے خاندان بھی ہوتے ہیں ایسے امراء بھی ہوتے ہیں جن کی دماغی حالت اتنی پست ہوتی ہے اور ان کے ذوق اتنے گھٹیا ہوتے ہیں کہ ان کے پاس چند منٹ بیٹھنا بھی ایک عذاب بن جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کے پاس بعض دیکھے ہیں جو دن رات وہاں بیٹھے رہتے ہیں اور صرف یہ مزہ آرہا ہے کہ ایک امیر کے ساتھ ہمارا تعلق ہے اور دنیا دیکھے گی کہ ان کے ساتھ اس کا آنا جانا ہے، ان میں اٹھنا بیٹھنا ہے۔ تو یہ اس حکم کے منافی ہے اور یہ مراد ہے کہ ان میں اپنی عزتیں نہ ڈھونڈو۔ ان کے ساتھ تمہاری لذتیں وابستہ نہیں ہیں ، نہ ہوسکتی ہیں۔ ان کے ذوق مختلف ہیں، ان کے قبلے الگ ہیں۔ پس اللہ کے ذکر کے تقاضوں کو ایک عاشق کی طرح پورا کرو اور جس طرح محبت کرنے والا یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے محبوب کا ذکر خیر کرنے والے لوگ ہوں ان میں وہ بیٹھ کر لذت پاتا ہے اسی طرح اپنے لئے صحبت صالحین اختیار کرو۔ یعنی خلاصۃً آخری بات یہ بنتی ہے مگر صحبت صالحین کا مضمون نسبتاً خشک ہے یہ اس سے بہت اعلیٰ اور ارفع مضمون ہے یا دوسرے لفظوں میں بہت گہرا مضمون ہے کہ جہاں محبت ہے وہیں بیٹھو، ان لوگوں میں بیٹھو جن کو اس سے

محبت ہے جس سے تمہیں محبت ہے اور یہ ایک طبعی محبت کا تقاضا ہے کوئی بیرونی حکم نہیں ہے۔ اگر اس کو نہیں سمجھو گے تو ضائع ہو جاؤ گے اور رفتہ رفتہ تمہارا رخ پلٹنے لگے گا۔

حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ فرماتے ہیں۔ یہ روایت مجمع البیان فی تفسیر القرآن سے لی گئی ہے زیر تفسیر سورۃ الجمعہ۔

> ”جس نے خدا کو بازار میں یاد کیا جبکہ لوگوں کو ان کی تجارت اور دیگر کاموں نے خدا سے غافل کر دیا ہو اس شخص کے لئے ہزار نیکی لکھی جائے گی اور اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ایسی بخشش کا سلوک فرمائے گا جس کا خیال بھی کسی دل پر نہیں گزرا۔“

اس حدیث کا مضمون چونکہ اس آیت کریمہ سے وابستہ ہے جو میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہے اس لئے قطع نظر اس کے کہ یہ کتاب نسبتاً ثانوی حیثیت کی معتبر کتاب ہے یا اس کے راوی مضبوط ہیں کہ نہیں یہ بنیادی اصول تسلیم کے لائق ہے کہ جس حدیث نبوی کی بنیاد کسی قرآنی آیت میں دکھائی دے جائے اس کو یہ کہہ کر رد نہیں کیا جا سکتا کہ اس کا راوی کمزور ہے اور اس حدیث کی تو بڑی کھلی کھلی بنیاد اس آیت کریمہ میں نظر آ رہی ہے۔ بازاروں میں جبکہ تجارت کا ماحول ہے لوگ جو بازار میں سودا خریدنے جاتے ہیں کم ہی ہوں گے جنہیں خدا یاد آتا ہوگا۔ عورتیں ہیں ان کو کسی اور عورت کے کپڑے یاد آ رہے ہوتے ہیں کہ ایسی چیزیں میں نے وہاں دیکھی تھیں اگر وہ فرنیچر کی دکان میں ہیں تو کسی کے گھر کا فرنیچر یاد آ رہا ہوتا ہے کہ اتنا اچھا ہم نے وہاں دیکھا تھا اس سے بڑھ کر خوب صورت چیز خریدیں۔ غرضیکہ ہر شخص کو اپنے اپنے ذوق کے مطابق کچھ چیزیں ضرور یاد آتی ہیں اور وہ شاپنگ میں یعنی سودا خریدنے میں اس کے لئے راہنمائی کا کام کر رہی ہوتی ہیں۔ گویا کہ ایک دوست اندر اندر ان کو مشورے دے رہا ہوتا ہے کہ ہاں یہ وہی چیز ہے یہ ویسی ہے یا ویسی نہیں ہے اس لئے اس معاملے میں یہ طریق اختیار کرنا چاہئے تو ہر شخص اپنے جذبات، اپنے دماغ کا تجزیہ کر کے دیکھے تو وہ معلوم کرے گا کہ جو میں بتا رہا ہوں بالکل درست اسی طرح ہوتا ہے۔ خدا کو کتنے یاد کرتے ہیں یا خدا سے غافل لوگوں کو دیکھ کر کتنے ہیں جن کے دل میں درد پیدا ہو جاتا ہے یہ کیسی دنیا ہے۔ دنیا کے ہنگامے، تجارتوں میں مصروف، تجارتوں کی خاطر جھوٹ بولے جا رہے ہیں۔ ملمع کاریاں ہو رہی ہیں

اوراس طرح گرتے ہیں جیسے مکھی گند پر گرتی ہے۔اس طرح لوگ ان چیزوں پہ ٹوٹے پڑتے ہیں گویا کہ ساری زندگی، ساری ان کی کائنات، یہی کچھ ہے۔ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ایسی صورت میں خدا کو کون یاد کرتا ہے۔حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے فرمایا وہاں یاد کرو گے اور طبعاً محبت سے یاد کرو گے تو پھر پتا چلے گا کہ حقیقی عاشق کون ہے۔ پھر اس چھوٹی سی نیکی کا، جو بظاہر بے محل ہے،محل کی نیکی سے بھی زیادہ شمار ہوگا کیونکہ جب نماز کے لئے آپ مسجد میں آتے ہیں تو وہاں خدا ہی کو یاد کرنا ہے۔مگر وہاں بھی بعض لوگ بازار ہی یاد رکھتے ہیں یہ بھی ایک بات ہے۔اس لئے ان موقعوں پر اپنے ذکرِ الٰہی کی نگرانی کریں اوران کی حفاظت کریں۔

یہ ضروری نہیں ہے کہ جس شخص کو مسجد میں بازار یاد آ جائے وہ گنہگار ہے۔مختلف مراحل ہیں،سلوک کی منزلیں ہیں۔تعلق ایک طرف سے ٹوٹتے ٹوٹتے ،ٹوٹتے ہیں۔دوسری طرف جڑتے جڑتے ، جڑتے ہیں اس لئے کوئی بعید نہیں کہ ایک انسان نیک متقی ہواور نیت یہی ہو کہ وہ ذکر سے اپنے رب کو کمائے مگر دنیا کے تعلق پھر حملہ کر کے بار باراس پر یورش کرتے ہوں اوراسے غافل کر دیتے ہوں۔لیکن ایک جہاد کی ضرورت ہے ایک ایسے جہاد کی جس کے لئے آپ اپنی تمام صلاحیتوں کو مستعد کرلیں اور یادرکھیں کہ یہ حملوں کے مقامات ہیں۔پس جس کو بازار میں خدایاد آتا ہواس کی نیکی اس لئے زیادہ ہے کہ اسے مسجد میں بازار کیسے یاد آ سکتا ہے۔اس کی تو یہ شان ہے کہ جہاں دنیا خدا بھول جاتی ہے وہاں اس نے خدا کو یاد رکھا تو جہاں جاتے ہی خدا کو یاد کرنے کے لئے ہیں اس بے چارے کو وہاں کہاں بازار میں یاد آ جانا ہےاس لئے یہ اس کنارے کی بات ے جہاں خدا کا ذکر عمومًا نفسیاتی کیفیتوں کے مطابق نہیں ہوتا۔ایسی حالت میں جو نیکی ہے وہ یقیناً بہت بڑا مرتبہ رکھتی ہے۔پس یہ کوئی مبالغہ آمیز روایت نہیں ہے جو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب فرما دی گئی ہو یہ ان روایتوں میں سے ہے جہاں ایک نیکی کو ہزار نیکی کہا جائے تو ہرگز بعید نہیں ہے۔

پھر اس کے ساتھ جو مزید عنایت ہے وہ یہ ہے کہ ”اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ایسی بخشش کا سلوک فرمائے گا جس کا خیال بھی کسی دل پر نہیں گزرا۔“اب یہ الفاظ بھی جیسا کہ احادیث کو بار بار پڑھنے سے انسان سچی اور پاک احادیث کے مضمون سے ہم مزاج ہو جاتا ہےاس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ الفاظ بھی یقیناً حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے ہیں۔ایسے بازار کی بات ہو رہی ہے جہاں

لوگوں کے دل میں خدا کا خیال ہی نہیں گزرتا تو اس کے مطابق خدا کی شان مغفرت اس طرح ظاہر ہوتی ہے فرماتا ہے میں تمہارے سے ایسی بخشش کا سلوک کروں گا کہ کسی انسان کا خیال بھی نہیں جا سکتا۔ جہاں کسی انسان کا خیال نہیں جا سکتا تھا تم نے مجھے یاد کیا۔ اب میں تم سے وہ سلوک کروں گا کہ کسی انسان کا، تمہارا بھی، خیال نہیں جا سکتا کہ میں کیسے کیسے تم سے مغفرت کا سلوک فرماؤں گا۔ اور امرِ واقعہ یہ ہے کہ اس ضمن میں انسان اگر اپنے گناہوں پر نظر ڈال کر دیکھے تو پورے گناہوں پر اس کا احاطہ ہی نہیں ہو سکتا۔ زندگی کا اکثر حصہ ایسا ہے جس میں کوئی نہ کوئی گناہ سرزد ہوتے ہی رہتے ہیں۔ پس وہ ساری چیزیں جو نظروں سے اوجھل تھیں وہاں ان کے لئے استغفار کر ہی نہیں سکا۔ جب استغفار کرتا ہے تو بعض موٹے موٹے گناہ، بعض بڑی بڑی غلطیاں اور خاص طور پر وہ جو تازہ ہوں اور ان سے بھی بڑھ کر وہ جن کے پکڑے جانے کا خطرہ ہو وہاں تو انسان خوب استغفار کرتا ہے لیکن جہاں دنیا کی نظر میں نہ پکڑا گیا اور خدا کی پکڑ کی نظر باقی ہے وہاں دل میں وہ جوش ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اکثر لوگ عموماً استغفار کے لئے اس وقت لکھتے ہیں جس سے مجھے اندازہ ہوتا ہے کہ جب ابھی دنیا کی پکڑ کا خوف ان کے سر پر تلوار کی طرح لٹک رہا ہوتا ہے اور ایسا گھبرا گھبرا کر پھر خط لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے اور اگر ان کو یقین ہو جائے کہ دنیا معاف کر دے گی تو پھر وہ جو اللہ کے لئے بخشش کی بے حد طلب پیدا ہوئی ہے وہ نرم پڑ جائے گی۔ یعنی شکر ہے الحمد للہ بات ٹل گئی اب اللہ معاف فرمائے نہ فرمائے یعنی منہ سے تو نہیں کہیں گے لیکن اپنی نفسیاتی کیفیت کا جائزہ لیں تو بات تو یہی بنتی ہے اس کے سوا بات کوئی نہیں ہے۔ تو ان کے لئے بھی دعا تو کی جاتی ہے لیکن یہ بھی دعا ہوتی ہے اللہ ان کو مستقل اپنی مغفرت کی طرف متوجہ فرمالے اور وہ گناہ جن میں دنیا کی پکڑ سے بچ کر نکل چکے ہیں جو ماضی کا حصہ بن چکے ہیں ان میں بھی یہ خدا کی طرف مغفرت کے لئے مائل ہوں اور استغفار کریں۔

بہرحال ذکرِ الٰہی کا جو بازار سے تعلق تھا اس کے متعلق میں نے آپ کے سامنے حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی جو حدیث رکھی ہے اس میں ذکرِ الٰہی کے تعلق میں بہت ہی گہرا اور پیارا مضمون ہے اور اس کا بخشش سے بھی تعلق ظاہر فرمایا گیا ہے کہ ذکرِ الٰہی کا بخشش سے ایک تعلق ہے۔

اب میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک اقتباس اس ضمن میں پیش کرتا ہوں۔ آپؑ

فرماتے ہیں:۔

> ’’دوسرے یہ بات حال والی ہے قال والی نہیں ۔ جو شخص اس میں پڑتا ہے وہی سمجھ سکتا ہے۔ اصل غرض ذکرِ الٰہی سے یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو فراموش نہ کرے اور اسے اپنے سامنے دیکھتا رہے اس طریق پر وہ گناہوں سے بچا رہے گا۔‘‘

ذکرِ الٰہی کا استغفار سے ایک اور بڑا گہرا تعلق ہے جس تعلق کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یوں بیان فرما رہے ہیں کہ یہ باتیں ان کو نہیں سوجھ سکتیں جو ان حالات سے گزرے نہ ہوں۔ جو ان حالات سے گزرتے ہیں وہی اس معرفت کو پاتے ہیں اور وہی ہیں جو بیان بھی کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ ایک ایسا شخص جو خدا کو ہر وقت اپنے سامنے دیکھ رہا ہوا سے غلطی کی جرأت ہی نہیں ہو سکتی۔ جو ہر وقت سامنے دیکھے کوئی نگران میرے سامنے بیٹھا ہوا ہے اسے کیسے توفیق مل سکتی ہے یا جرأت ہوسکتی ہے کہ وہ اس کی نافرمانی کرے جس کو وہ مقتدر ہستی سمجھتا ہے، سب سے غالب اور پکڑ میں سب سے سخت بھی سمجھتا ہے۔ تو خدا سے غیوبیت ہے جو گناہ کرواتی ہے اور مومن بھی ہر حال میں ہر وقت خدا کے سامنے نہیں رہتا یعنی خدا کے سامنے تو رہتا ہے لیکن اپنی دانست میں خدا کے سامنے نہیں رہتا۔ اس لئے گناہ غیوبیت کا نام ہے۔ دراصل خدا سے دوری کا نام ہی گناہ ہے، وہ دوری عارضی ہو تو عارضی گناہ ہے، وہ دوری مستقل بن جائے تو ہمیشہ کا گناہ ہے ساری زندگی گناہ بن جاتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جو نظم ہم اکثر سنتے ہیں ’’سبحان من یرانی‘‘ اس میں یہی مضمون ہے ہر نعمت کے ذکر کے بعد یہ فرمایا ہے وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ پاک ہے وہ ذات جو مجھے دیکھ رہی ہے۔ پس اس نظم کو پڑھیں اور بار بار پڑھ کے دیکھیں پھر اس فقرے کی سمجھ آئے گی کہ: ’’دوسرے یہ بات حال والی ہے قال والی نہیں‘‘ میں جو کہہ رہا ہوں میں اس حالت سے گزر رہا ہوں کہ ہر وقت میرا خدا مجھے دیکھ رہا ہے اور اس کے جلال کے سامنے میں زندگی بسر کر رہا ہوں۔ میری مجال کیا ہے کہ میں کوئی گناہ کروں۔

پس اس حال کے مطابق میں تمہیں کہہ رہا ہوں کہ ذکرِ الٰہی کا بڑا فائدہ اور بہت بڑی منفعت اس بات میں ہے کہ انسان خدا کی روشنی کے سامنے زندگی بسر کرتا ہے اور اس سے اس کے

گناہ کٹ جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

”اصل غرض ذکرِ الٰہی سے یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو فراموش نہ کرے اور اسے اپنے سامنے دیکھتا رہے اس طریق پر وہ گناہوں سے بچا رہے گا۔ تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے ایک تاجر نے ستر ہزار کا سودا لیا اور ستر ہزار کا دیا مگر وہ ایک آن میں بھی خدا سے جدا نہیں ہوا۔ پس یاد رکھو کہ کامل بندے اللہ تعالیٰ کے وہی ہوتے ہیں جن کی نسبت فرمایا ہے لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ: 15)

اسی آیت کی تفسیر ہے جو میں نے پڑھی تھی۔ اسی تفسیر کے تعلق میں حدیث نبوی بیان کی جس میں یہ ذکر ملتا ہے کہ بازار میں یاد کرنے والے کا ایک بہت بڑا مرتبہ ہے اور وہی مضمون مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تذکرۃ الاولیاء کے حوالے سے یوں بیان فرماتے ہیں۔ ”ایک بزرگ کے متعلق لکھا ہے کہ اس نے ستر ہزار کا دیا اور ستر ہزار کا لیا“۔ یعنی سودا ایسا کیا کہ کچھ خریدا، کچھ بیچا۔ لیکن ایک آن بھی خدا کے خیال سے غافل نہیں رہا۔ اب ایسا شخص جب تاجر بنتا ہے تو تجارت کی دنیا میں امن کی ضمانت ہو جاتی ہے اور اگر سارے تاجر ذکرِ الٰہی کرنے والے ہوں تو سارے خوف جو تجارت سے تعلق رکھتے ہیں، دنیا سے اٹھ جائیں اور مال بجائے اس کے کہ دنیا کمانے کا ذریعہ بن جائے اللہ تعالیٰ کمانے کا ایک بہت بڑا ذریعہ بن جاتا ہے۔ کیونکہ ایسا شخص جو ذکرِ الٰہی کرتے وقت سودے کرتا ہے، اس کے متعلق یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ ساتھ ساتھ جھوٹ بول رہا ہو کہ خدا کی قسم میں نے تو اتنے کا خریدا تھا میں تمہیں اتنے میں بیچ رہا ہوں اور یہ جو منظر ہے یہ آپ کو بعض مسلمان ممالک میں بھی عام دکھائی دیتا ہے اور بڑی دردناک بات ہے کہ مسلمان ممالک میں دوسروں سے زیادہ پایا جاتا ہے کیونکہ باقی تو خدا کے ذکر سے اتنا دور جا چکے ہیں کہ اپنی ذاتی منفعت کے لئے جھوٹ بولنے کے لئے بھی خدا یاد نہیں آتا۔ لیکن مسلمانوں بے چاروں میں اتنی بات تو ہے کہ جھوٹ کے وقت، ذاتی غرض کے لئے خدا ضرور یاد آ جاتا ہے، کچھ تو ہے بہر حال۔

گرچہ ہے کس کس برائی سے بھلے با ایں ہمہ

برائی سے ہی لیتے ہیں مگر نام تو یاد رکھتے ہیں اللہ کا۔ تو برے وقتوں میں سہی مگر جب جھوٹ

کے لئے اور فساد کے لئے اور دنیا کو دھوکہ دینے کے لئے خدا کا نام لیا جائے تو ایک بڑی مکروہ حرکت ہے، بہت بڑا گناہ ہے لیکن ایسا ہوتا ہے۔ تو ان معنوں میں یاد نہیں کرنا جن معنوں میں خدا کا نام لے کر قسمیں کھا کر جھوٹے سودے بیچنے ہوں۔ ان معنوں میں یاد کرنا ہے کہ خدا کو سامنے دیکھنا ہے جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا ہے اور پھر جو سودا کریں گے وہ ہر سودا سچا سودا ہو گا۔ اس میں کوئی کھوٹ نہیں ہوگی، کوئی دھوکہ شامل نہیں ہو سکتا۔ تمام دنیا کے تجارتی تعلقات اگر اصلاح پذیر ہو جائیں تو باقی معاملات میں بھی دنیا میں امن آ جائے گا کیونکہ اصل انسان کا جو سب سے اعلیٰ مقصد ہے وہ اپنی بقا کے لئے زیادہ سے زیادہ ذرائع اکٹھے کرنا ہے اور تجارت اس میں ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ صرف ایک نہیں تجارت کی بنیاد تو بہر حال ایگریکلچر پر بھی ہے اس لیے میں بتا رہا ہوں کہ جو دنیا کے تعلقات ہیں ان میں تجارت ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اور بعض لوگ ایسے ہیں جو ہل چلاتے وقت بھی ذکرِ الٰہی کرتے ہیں۔ اور جب دانے پھینک رہے ہوتے ہیں تو اس وقت بھی ذکرِ الٰہی کرتے ہیں، جب اپنی فصلوں کو اگتی ہوئی دیکھتے ہیں تو ان کی روئیدگی کو دیکھ کر بھی ان کو خدا یاد آتا ہے، جب ان میں کوئی بیماری پڑتے دیکھتے ہیں تب بھی دعائیں کرتے ہیں اور ان کو خدا کے فضلوں کا پانی بھی دیتے ہیں صرف عام پانی نہیں دیتے۔ ان معنوں میں پھر ساری زراعت بھی ذکر الٰہی سے معمور ہو جاتی ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک بات مجھے ہمیشہ یاد رہتی ہے پہلے بھی غالباً بیان کر چکا ہوں۔ ایک دفعہ سندھ میں آپ دورے کے لئے گئے تو بعض بہت اچھے اچھے منیجر تھے اور ایسے تجربہ کار، تعلیم یافتہ جن کی فصلیں نمایاں طور پر ان کے علم اور تجربے کی مناسبت سے زیادہ اچھی ہونی چاہئے تھیں مگر ان کے مقابل پر ہمارے مولوی قدرت اللہ صاحب سنوری بھی محمود آباد میں مینیجر تھے۔ ان کی فصلیں دیکھیں تو لہلہاتی ہوئی سرسبز و شاداب اور جو دوسری فصلیں تھیں ارد گرد زمینداروں کی نہ وہ مقابلہ کر رہی تھیں نہ دوسرے مینجروں کے نیچے پلنے والی فصلیں۔ تو حضرت مصلح موعودؓ نے تعجب سے پوچھا کہ مولوی صاحب آپ نے کیا ترکیب کی ہے آپ تو مولوی کہلاتے ہیں آپ کو تو کوئی اتنا بڑا زراعت کا تجربہ بھی نہیں، آپ کی اچھی ہیں اور زمینداروں اور تعلیم یافتہ لوگوں کی آپ سے کم تر ہیں۔ انہوں نے کہا صرف ایک بات ہے کہ میں نے ہر کھیت کے کونے پر نفل پڑھے ہیں،

ایک ایک کھیت پہ دعائیں کی ہیں اس کے سوا میں کچھ نہیں جانتا۔ اس کو کہتے ہیں ذکرِ الٰہی ۔ وہ تجارت میں بھی ذکرِ الٰہی کر رہے ہوتے ہیں، کھیتی باڑی میں بھی ذکرِ الٰہی کر رہے ہوتے ہیں اور مولوی منشی عبداللہ صاحب جو مولوی عبداللہ صاحب کہلاتے تھے ان کا ذکرِ الٰہی دعوت الی اللہ میں ڈھلا ہوا تھا، دن رات دعوت الی اللہ کرتے تھے۔ حضرت مصلح موعودؓ بتایا کرتے تھے کہ جب وہ کھیت میں ہل چلا رہے ہوتے تھے تو کسی کو بلا لیتے تھے کہ بھئی یہ کتاب تھوڑی سی پڑھ کے سنا دو میں تو ہل چلا رہا ہوں تو تم یہ پڑھو۔ اور کبھی کسی ہل چلاتے ہوئے کے پاس چلے جایا کرتے تھے اور اس کو کہتے تھے کہ تمہیں پڑھنا لکھنا آتا ہے میں تمہارا ہل چلاتا ہوں تم یہ کتاب پکڑ لو اور یہ مجھے سناؤ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کوئی تازہ تحریر یا ''الحکم'' کی کوئی عبارت وغیرہ ان کو دے دیا کرتے تھے اور اس طرح اللہ کے فضل سے ان کو بڑے پھل لگے ہیں۔ ہر سال سو بیعتوں کا وعدہ کروایا اور تا دمِ آخر اس پر قائم رہے اور ضرور وہ وعدہ پورا کر دیا کرتے تھے۔

آج کل دوست مجھے خط لکھ رہے ہیں کیونکہ بہت سی جماعتوں میں دعوت الی اللہ کا ایسا رجحان پیدا ہو گیا ہے کہ کثرت سے لوگوں نے وعدے کئے ہیں کہ ہم اتنے احمدی ضرور بنائیں گے جن کو اللہ تعالیٰ نے ان کی توفیق سے بہت بڑھ کر سابق سالوں میں اپنے وعدے پورے کرنے کی توفیق عطا فرمائی نتیجہ یہ نکلا کہ اب انہوں نے اور بھی بڑھا چڑھا کر وعدے کر لئے ہیں کہ جی اللہ پہ توکل ہے اور اس توکل کی ایک بنا ہے۔ پہلے جب انہوں نے وعدے کئے تھے تو ان وعدوں کے مطابق محنت کی تھی اور محنت سے آگے جو بات پڑی ہوئی تھی جو ان کی محنت کی حد سے باہر تھی وہ خدا نے ان کو پہنچا دی، اپنے فضل سے عطا کر دی۔ تو ان کا حق ہے کہ بڑھ چڑھ کر وعدے کریں۔ جو طاقت ہے وہ محنت کر رہے ہیں اور پھر لکھتے ہیں کہ باقی دعا سے کمی پوری ہو گی اور بعض لوگ ہیں جو دعا کے لئے لکھ رہے ہیں لیکن ساتھ محنت کوئی نہیں۔ تو میں یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ اگر خدا ایک زمیندار کی کھیتی میں دعاؤں کی برکت سے عام دنیا کے قانون سے ہٹ کر غیر معمولی برکت دے سکتا ہے، اگر ایک تاجر کی تجارت میں اس کی دعا اور ذکرِ الٰہی کی برکت سے غیر معمولی برکت ڈال سکتا ہے تو وہ اپنے کام میں کیوں برکت نہیں ڈالے گا۔ یہ زراع تو وہ ہیں جو اس کی کھیتی لگا رہے ہیں، اس کے بیج بو رہے ہیں۔

پس ذکرِ الٰہی کے ساتھ یہ بیج بوؤ اور محنت کرو اور پھر دعائیں کرو تو ہرگز بعید نہیں کہ جن باتوں کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے تھے، جن اعداد و شمار کو پورا کرنے کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے تھے اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان سے بڑھ کر تمہیں عطا کر دے اور گزشتہ سالوں میں بہت سے ایسے ملک ہیں جہاں اخلاص کے ساتھ یہ وعدے کئے گئے اور محنت کی گئی اور ان سب کی توقعات سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا۔ پس ذکرِ الٰہی کا اس مضمون سے بھی بڑا گہرا تعلق ہے اپنی دعوت الی اللہ کو ذکرِ الٰہی سے معمور کر دیں اور یہ بھی **یاد رکھیں کہ ذکر الٰہی صرف ایک غرض کی خاطر موقع پر نہیں کیا جاتا بلکہ ذکر الٰہی ہر موقع میں خود داخل ہو جاتا ہے** اگر اس کے فرق کو آپ نے نہ سمجھا تو آپ غلط رستے پر چل پڑیں گے۔ اس لئے ذکرِ الٰہی نہیں کرنا کہ کھیت بڑھیں بلکہ اصل بات مولوی صاحب کی یہ تھی کہ ان کو عادت تھی نفل پڑھنے کی اور وہ رہ نہیں سکتے تھے نفل کے بغیر۔ میں نے بھی ان کے ساتھ کچھ سفر کر کے دیکھے ہیں بے حد دعا گو اور نفل پڑھنے والے بزرگ تھے تو کھیتوں میں جاتے تھے کھیت دیکھے، ساتھ چلو اچھا ہے وقت ملا ہے تھوڑا سا، دو نفل ہی پڑھ لیں تو ان معنوں میں جب نفل پڑھتے تھے تو کھیتی پر بھی رحم آ جاتا تھا اس کے لئے بھی دعائیں مانگ لیتے تھے تو یہ نہیں تھا کہ تجارت کی خاطر خدا کو یاد کیا گیا ہے جس کا رسول کریم ﷺ نے ذکر فرمایا ہے ایسا شخص مراد نہیں ہے۔ فرمایا ہے ذکرِ الٰہی ایسا اس پر غالب ہے کہ جب توجہات کو بازار اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اس وقت بھی ذکر الٰہی اس پر قبضہ کئے رہتا ہے اور بار بار چھین کر بازار سے ان توجہات کو اپنی طرف کر لیتا ہے۔ ایسا شخص جب ذکرِ الٰہی کرتا ہے پھر تجارت کے لئے بھی دعا دل سے نکل ہی جاتی ہے اور اگر نہ بھی نکلے تو ایسے شخص کی دعا بعض دفعہ اس کی ضرورت ہی بن جاتی ہے اور بسا اوقات ایسا دیکھا گیا ہے کہ ایک شخص جو اللہ تعالیٰ سے پیار کرنے والا ہو اس کی ضرورت خود دعا بن جاتی ہے۔ وہ لفظوں میں اس کو ڈھالے یا نہ ڈھالے۔

پس ایسے ذکرِ الٰہی کے عادی بن جائیں کہ آپ کی ضرورتیں آپ کی دعا بن جائیں۔ آپ کے بازار زندہ ہو جائیں آپ کے کھیتوں میں نئی زندگی دکھائی دینے لگے جو آسمان سے اترتی ہے اور ہر احمدی کے ہر کام میں برکت پڑے اور یہ ذکرِ الٰہی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

''جب دل خدا تعالیٰ کے ساتھ سچا تعلق اور عشق پیدا کر لیتا ہے تو وہ

اس سے الگ ہوتا ہی نہیں۔''

میرے ذہن میں یہ عبارت اس وقت نہیں تھی جب میں نے یہ بات کی ہے کیونکہ یہ ابھی پڑھنے ہی لگا تھا۔ یہ میں بتانا چاہتا ہوں کہ یہ ایک طبعی نتیجہ ہے جس طرح اس پر غور کرتے ہوئے میرے دل سے خود بخود یہ مضمون پھوٹا ہے اس کے سوا کوئی مضمون بنتا ہی نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کے معاً بعد فرماتے ہیں جو شخص بھی خدا تعالیٰ کے ساتھ سچا تعلق اور عشق پیدا کر لیتا ہے تو وہ اس سے الگ ہوتا ہی نہیں ہے۔

''اس کی ایک کیفیت اس طریق پر سمجھ میں آسکتی ہے کہ جیسے کسی کا بچہ بیمار ہو تو خواہ وہ کہیں جاوے۔ کسی کام میں مصروف ہو مگر اس کا دل اور دھیان اسی بچہ میں رہے گا۔''

اور مردوں سے بڑھ کر زیادہ تر عورتوں میں یہ دیکھا گیا ہے کہ پھر جہاں بھی ہوں گے جس حال میں ہوں خوشیوں کا موقع ہو یا اور کسی کام میں مصروفیت۔ اگر گھر میں بیمار بچہ چھوڑا ہوا ہے تو بیمار بچہ ہی دماغ پر غالب رہے گا۔

''....اسی طرح پر لوگ خدا تعالیٰ کے ساتھ سچا تعلق اور محبت پیدا کرتے ہیں۔ وہ کسی حال میں بھی خدا تعالیٰ کو فراموش نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفی کہتے ہیں کہ عام لوگوں کے رونے میں اتنا ثواب نہیں جتنا عارف کے ہنسنے میں ہے۔....''

بہت پیاری بات ہے۔ فرماتے ہیں کہ عام لوگوں کے رونے میں اتنا ثواب نہیں جتنا عارف کے ہنسنے میں ہے کیونکہ وہ ہنستا بھی ذکرِ الٰہی کے ساتھ ہے اور اس کے ساتھ بھی اللہ کا پیار اور اس کی محبت وابستہ ہوتی ہے۔ ایک دفعہ حضرت عبدالقادر جیلانیؒ سے کسی نے پوچھا کہ آپ اتنے بڑے بزرگ کہلاتے ہیں اور ہیں بھی۔ آپ کی دعائیں قبول ہوتی اور بڑے بڑے اعجاز آپ سے ظاہر ہوتے ہیں لیکن آپ کو کپڑوں کا اتنا کیا شوق ہے؟ اتنے خوب صورت کپڑے پہنتے ہیں اتنا اچھا لباس رکھتے ہیں۔ آپؒ نے فرمایا کہ خدا کی قسم جب تک خدا مجھے نہیں کہتا کہ اے عبدالقادر یہ پہن اور یہ پہن۔ میں وہ نہیں پہنتا۔ یہ ہے ضرورت کا دعا بننا اور پھر دعا کا قبول ہو جانا۔ ہر ایک کو کیوں نہیں خدا ایسے کہتا۔ حضرت عبدالقادرؒ سے برتر بزرگ انبیاءؑ تھے ان کے متعلق یہ بات نہیں ملتی۔ معلوم ہوتا ہے

بچپن سے دل میں ایک نفاست بھی تھی اور کپڑے اچھے لگتے تھے اور خدا کی خاطر سب کچھ بھلا دیا تھا۔ پس جس نے خدا کی خاطر اپنی ایک گہری تمنا کو بھلا دیا اللہ نے اس تمنا کو نہیں بھلایا اور وہ خود فرماتا تھا کہ اے عبدالقادر یہ کپڑا پہن یہ تجھے اچھا لگے گا اور یہ دنیا کے عام تعلقات میں بھی بات دیکھی گئی ہے۔ بعض بیبیاں خاوندوں سے مطالبے نہیں کرتیں اس خوف سے کہ ان پر بوجھ نہ پڑ جائے۔ بعض بچیاں خاونداور باپوں سے مطالبہ نہیں کرتیں۔ تو وہ ماں باپ اگر توفیق رکھتے ہیں اور ذہین ہوں تو وہ خود دیکھ کر کہتے ہیں اگر ماں ہے تو بیٹی کو کہے گی بیٹی یہ کپڑا تم پر اچھا لگے گا یہ ضرور لے لو۔ بعض بیاہ شادی کے بعد غریب گھروں میں چلی جاتی ہیں یا ان کے خاوند بعد میں غریب رہ جاتے ہیں تو ان کی مائیں بھی اس بہانے سے کہ ان کی غیرت کو ٹھیس نہ لگے کوئی چیز پسند کر کر کے ان کو دیتی ہیں۔ یہ سارے محبت کے رشتے ہیں اور ذکرِ الٰہی کی جان محبت ہے اگر محبت نہ ہو تو منہ کے ذکر کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتے۔ صرف تسبیح پھیرنے والی بات ہے۔ تسبیح کے دانوں سے خدا ہاتھ نہیں آتا بلکہ جو خدا کا ذکر کرتا ہے وہ تسبیح کے دانے بن جاتا ہے اسے دیکھ کر لوگ خدا کو یاد کرتے ہیں وہ ایک خدا نما وجود بن جاتا ہے اور یہ بات اللہ کی محبت کے بغیر انسان کو نصیب نہیں ہوسکتی۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں وہ بھی تسبیحات ہی ہوتی ہیں یعنی رونے میں اتنا ثواب نہیں جتنا عارف کے ہنسنے میں ہے۔ کیوں؟ ''وہ بھی تسبیحات ہی ہوتی ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے عشق اور محبت میں رنگین ہوتا ہے یہی مفہوم اور غرض اسلام کی ہے کہ وہ آستانہ الوہیت پر اپنا سر رکھ دیتا ہے''۔ (ملفوظات جلد 4، صفحہ 15 تا 16)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ذکرِ الٰہی میں سب سے زیادہ نمازوں پر زور دیتے تھے اور نماز ہی کو ذکر کا معراج بتاتے تھے نماز ہی کو ذکر کی جان قرار دیتے تھے۔

آج مجھے یہ کہا گیا ہے کہ بعض تربیتی اجتماعات ہیں یا جلسے ہیں، ان کے ذکر میں میں اب ان کو نماز کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ ایک اعلان ہے جماعت ہائے احمدیہ بورکینا فاسو کے لئے۔ بورکینا فاسو افریقہ کا ایک فرانسیسی بولنے والا ملک ہے ان کا آج 25 / مارچ سے جلسہ سالانہ شروع ہو رہا ہے جو انشاء اللہ 27 / مارچ بروز اتوار تک جاری رہے گا ان کے ہاں بھی ڈش انٹینا لگا ہوا ہے وہ کہتے ہیں ہم بھی پروگرام دیکھتے ہیں اور ہماری جماعت کی بڑی حوصلہ افزائی ہوگی اگر اس موقع پر آپ

ہمارا ذکر بھی کر دیں۔ دوسرا جماعت ہائے احمدیہ ضلع سیالکوٹ ہیں۔ پاکستان کی اضلاع کی جماعتوں میں سیالکوٹ کو ایک غیر معمولی اہمیت حاصل ہے ان کے ہاں خدام اور اطفال کا ضلعی اجتماع 24 مارچ سے شروع ہوا تھا اور آج اختتام کو پہنچا ہے۔ پہنچ چکا ہوگا غالباً سوائے اس کے کہ انہوں نے رات کی مجلس لگانی ہو اور اس خطبے میں اپنا نام سننا ہو تو بہر حال میں امید رکھتا ہوں کہ وہ بیٹھے ہوں گے اس وقت اور سن رہے ہوں گے۔

ان دونوں کو میری پہلی نصیحت تو یہی ہے کہ ذکر الٰہی کے لئے نماز ایک برتن ہے اگر ذکر الٰہی دل میں پیدا ہو تو نماز سے انسان الگ ہو ہی نہیں سکتا اور اگر یہ برتن ہے تو پھر اسے ذکر سے بھریں اور خالی نہ رہنے دیں۔ یہ دو پہلو ہیں جن کی طرف میں آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ اگر اللہ کی محبت ہے دل میں پیار ہے اور ذکر سے دل بسا ہوا ہے تو نمازوں سے غفلت کیسے ہو سکتی ہے کیونکہ نمازیں تو ذکر کا معراج ہیں۔ نماز میں آنحضرت ﷺ نے جس طرح خدا کو یاد کیا اور جس جس پہلو سے یاد کیا اور جسم نے کس طرح روح کے ساتھ مطابقت کی۔ یہ سارا مضمون دہرایا جاتا ہے ہر نماز کے وقت آنحضرت ﷺ کی وہ نماز دہرائی جاتی ہے جو خدا کی خاطر آپؐ پڑھا کرتے تھے۔ اب اس کے دو پہلو ہیں اول تو یہ کہ جیسا کہ میں نے بیان کیا، اگر ذکر کا دعویٰ سچا ہے نماز کے بغیر یہ دعویٰ جھوٹا ہوگا کیونکہ ذکرِ الٰہی کرنے والوں میں سب سے بلند تر ذکرِ الٰہی کرنے والے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہی تھے اور آپؐ نے اپنے آپ کو نماز سے مستثنیٰ نہیں سمجھا۔ جھوٹ بولتے ہیں وہ صوفی یا وہ متقی بننے والے جو کہتے ہیں ہمیں ظاہری تتبع کی کیا ضرورت ہے ہمارے دل میں ذکر ہے بس یہی کافی ہے۔ اگر یہ بات ہوتی تو آنحضرت ﷺ نمازوں میں اس قدر انہماک کیوں کرتے اور اتنا انہماک جو تکلیف تک جا پہنچتا تھا۔ پس اس خیال کو دل سے نکال دیں کہ نماز کے بغیر آپ کا دعویٰ سچا ہے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ جب نماز پڑھیں تو اس کو ذکر سے بھریں کیونکہ نماز میں برتن اکثر خالی رہتا ہے اور بہت کم ہیں جن کو کوشش کے بعد یہ توفیق ملتی ہے کہ ان کی نمازوں میں دودھ بھرنے لگتا ہے ورنہ اکثر نمازوں کا حال تو ان کھیتوں کی طرح ہے جن کی جڑوں میں بیماریاں لگ جاتی ہیں تو سٹے بنتے بھی ہیں مگر خالی۔ ہمارے ہاں ایک دفعہ احمد نگر میں چاول کے کھیتوں میں بیماری آئی تھی۔ سٹے، سیدھا سر کھڑا اونچا کیا ہوا تھا اور تھوڑی دیر تو مجھے پتا نہیں لگا میں نے کہا بڑے اچھے اچھے سِٹّے نکلے ہوئے ہیں لیکن جب وہ جھکے ہی نہیں پھر مجھے

خطرہ محسوس ہوا۔ دیکھا تو دودھ سے خالی تھے اور جو دودھ سے خالی ہو وہ جھکتا نہیں ہے اور متکبر کی بھی یہی مثال ہے جس کے اندر کچھ نہ ہو وہ تکبر سے سر اٹھا کے پھرتا ہے۔ جو عارف باللہ ہو، جو اللہ کی محبت رکھتا ہو اتنا ہی وہ جھکتا چلا جاتا ہے اور ظاہری طور پر کھیت کے ساتھ اس کی مثال بہت ہی عمدہ ہے۔ پس ذکرِ الٰہی سے اگر خالی نمازیں ہوں گی اور اکثر نمازوں میں بہت سارا حصہ ذکرِ الٰہی سے خالی رہتا ہے تو وہ برتن تو ہے مگر اس میں دودھ نہیں پڑا۔ پس آپ اپنی نمازوں میں خدا کی یاد کا دودھ بھریں پھر دیکھیں آپ کتنی ترقی کرتے ہیں۔

جہاں تک بورکینا فاسو کا تعلق ہے یہاں اللہ تعالیٰ کے فضل سے اب جماعت کی طرف بہت زیادہ رجحان ہے اور دن بدن نئے نئے علاقوں سے تقاضے آ رہے ہیں اور باوجود اس کے کہ ہمارے پاس فرنچ سپیکنگ مبلغین کی کمی ہے مگر اس کے باوجود مقامی معلمین تیار کرتے ہیں اور ان سے فائدہ اٹھا رہے ہیں تو اس ضمن میں میں یہ بھی جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ فرانسیسی زبان کی طرف بھی توجہ کریں۔ فرانسیسی بہت بڑے بڑے علاقے ہیں جن میں اس وقت جماعت کی طرف رجحان بڑھ رہا ہے اس میں آئیوری کوسٹ ہے اس میں بورکینا فاسو بھی ہے۔ اس میں زائر ہے اور خود فرانس میں بھی اب ہمیں بہت زیادہ محنت کی ضرورت ہے۔ پس فرنچ سپیکنگ مبلغین کی ضرورت ہے۔ اپنے بچوں کو اور واقفین نو کو جہاں جہاں بھی فرانسیسی زبان اچھی سکھانے کا امکان موجود ہے وہاں ضرور سکھائیں۔ ہم جب اپنے پروگرام جاری کریں گے اس میں بھی زبان سکھائیں گے انشاء اللہ۔ لیکن وہ آہستہ پروگرام ہے اور سارے دن میں صرف ایک ہی کلاس تو نہیں لی جا سکتی۔ اس لئے وہ صبر طلب ہے تقریباً دو سال میں جا کر میرا خیال ہے ایک انسان اس پروگرام کے ذریعے فرفر ایک زبان بولنی شروع کر دے گا۔ فرفر نہیں تو کسی حد تک ضرور بولنے لگ جائے گا۔ انشاء اللہ۔ لیکن ہمیں جلدی ہے اس لئے باقاعدہ جس طرح سکولوں اور کالجوں میں محنت کے ساتھ زبانیں پڑھائی جاتی ہیں، اس طرح احمدی نوجوان یہ زبان بھی سیکھیں اور جو فرانسیسی علاقوں میں بچے ہیں ان کو میری نصیحت ہے ان کو اردو بھی سکھائیں کیونکہ درحقیقت ایک انسان جیسا ترجمہ اپنی زبان میں کر سکتا ہے ویسا ترجمہ کسی دوسری زبان میں نہیں کر سکتا۔ اب دیکھیں ہمارے ہاں اردو سے انگریزی ترجمہ ہوتا ہے۔ بڑی مشکل سے اب ہمیں اللہ کے فضل سے وہ خاتون میسر آئی ہیں جن کو خدا نے غیر معمولی ملکہ

عطا فرمایا ہے ورنہ اچھے بھلے انگریزی دان بھی ہیں مگر وہ بات بنتی نہیں۔ لیکن دوسری زبان سے اپنی زبان میں نسبتاً ترجمہ آسان ہوتا ہے جن کو جرمن زبان اچھی آتی ہے۔ وہیں پیدا ہوئے ہیں۔ وہ بچے جو اردو بھی جانتے ہیں جرمن زبان میں بہت اچھا فرفر ترجمہ کرتے ہیں لیکن اردو ان کی نسبتاً کمزور ہے جب جرمن زبان سے اردو ترجمہ کریں تو ان کو وہ طاقت نہیں ہے وہاں جا کے رہ جاتے ہیں تو اس لئے میری خواہش ہے کہ فرنچ سپیکنگ احمدی اردو بھی سیکھیں اور اس وجہ سے نہیں کہ یہ پاکستان کی زبان ہے اس لئے کہ اس زمانے کے امام کی زبان ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے اردو سپیکنگ بنایا اگر چہ پنجابی زبان مادری کہلاسکتی ہے مگر اردو ہی کو آپؑ نے استعمال فرمایا ہے۔ پس فرانسیسی اردو سیکھیں اور جہاں تک خدمت دین کا تعلق ہے جب دونوں زبانیں اکٹھی ہوں گی پھر خدمت کی اہلیت ہوگی اور جو انگریز ہیں ان کو بھی اردو سیکھنی چاہئے اس نقطہ نگاہ سے کہ دین کی خدمت ہوگی۔ اس خیال کو دل سے کاٹ کر پھینک دیں کہ یہ پاکستانی اور ہندوستانی زبان ہے۔ آپ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ اور دنیا میں بھی یہ پھیلی ہوئی ہے۔ مقصد صرف اتنا ہے اور یہی خالص مقصد رہنا چاہئے کہ وقت کے امام کی زبان ہے اور اگر ہم اس میں مہارت حاصل کریں گے تو اپنی زبان میں دین کی بہتر خدمت کرسکیں گے۔ اس کے علاوہ پھر واپس سیالکوٹ جاتا ہوں (ایک دومنٹ باقی ہیں یا شاید نہ رہے ہوں باقی)

سیالکوٹ کی جماعتوں کو میں نے متنبہ کیا تھا آپ بہت بلند مقام سے اتر کے یہاں پہنچی ہوئی ہیں جہاں آج ٹھہری ہوئی ہیں۔ بڑے بڑے عظیم صحابہ کرامؓ، بڑے بڑے خدامِ سلسلہ سیالکوٹ میں پیدا ہوئے اور ساری دنیا پر نظر ڈال کر دیکھ لیں کوئی دنیا کا حصہ نہیں ہے جہاں احمدیت کی تعمیر میں خدا تعالیٰ کے فضل سے سیالکوٹیوں کو خدمت کی توفیق نہ ملی ہو۔ نئی نئی جماعتیں بھی بنانے والوں میں یہ اول رہے اور اس وقت ساری دنیا میں سیالکوٹ کے سابق بسنے والے پھیل چکے ہیں اور پاکستان میں بھی جو گجرات سے آتے ہیں یا باہر کے نو آباد علاقوں سے آتے ہیں ان کا بھی پرانا پسِ منظر سیالکوٹ ہی ہے۔ عجیب بات ہے معلوم ہوتا ہے کہ انسان پیدا کرنے میں ظاہری لحاظ سے بھی یہ ضلع بہت زرخیز تھا اور قابل آدمی پیدا کرنے میں بھی بڑا زرخیز تھا۔ تبھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے اپنا دوسرا وطن قرار دیا۔ پس اس تعلق کو یاد رکھیں آپ کو دوسرا وطن کہا گیا ہے۔ وطن بن جائیں ان صحابہؓ

کی طرح وطن بن جائیں جن صحابہ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے دلوں میں بسا لیا تھا۔ دوبارہ اس پیغام سے چمٹیں، اسے اپنے دلوں میں بسائیں اور پھر دیکھیں آپ کی حالتیں کس طرح جلد جلد تبدیل ہوں گی اور مجھے خوشی ہے کہ سیالکوٹ میں میری گذشتہ تنبیہ کے بعد جلد جلد تبدیلیاں پیدا ہورہی ہیں۔ کثرت سے مجھے وہاں سے خط ملتے ہیں اور چھوٹے بڑے مرد عورتیں سب لکھ رہے ہیں کہ ہمارے دلوں پر گہرا اثر ہے اور ہم اللہ کے فضل کے ساتھ باقاعدہ ایم۔ ٹی۔ اے سے فائدہ اٹھا رہے ہیں اور ہمارے دلوں میں نئے ولولے پیدا ہو رہے ہیں دعا کریں اللہ تعالیٰ ہمارا قدم ترقی کی طرف پہلے سے زیادہ تیز رفتاری سے آگے بڑھائے۔ میری بھی دعا ہے۔ ساری دنیا کی جماعتوں کو بھی سیالکوٹ کو اس پہلو سے اپنی دعا میں یاد رکھنا چاہئے اور تمام دنیا کے داعیین الی اللہ کو بھی یاد رکھیں۔ ذکرِ الٰہی زبان پر بھی ہو اور دل میں بھی بسا ہو۔ پھر آپ خدا کی طرف بلانے والے ہوں تو آپ کی دعوت میں ایک عظیم شان پیدا ہو جائے گی۔ ایک ایسی قوت جاذبہ پیدا ہو جائے گی کہ کوئی دنیا کی طاقت اس کو رد نہیں کر سکے گی۔ آمین

تمام مذاہب کا مقصد بندے کی اللہ سے محبت پیدا کرنا ہے۔
ذکر الٰہی سے غافل شخص عملاً کفر کرتا ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ یکم اپریل 1994ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورہ فاتحہ کے بعد حضور انور نے مندرجہ ذیل آیات تلاوت کیں۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۞
اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۞ (الزمر:23،24)

پھر فرمایا:۔

ان آیات کا ترجمہ اور اس مضمون سے متعلق کچھ تشریح کرنے سے پہلے میں چند اعلانات کرنا چاہتا ہوں۔ آج بھی دنیا بھر میں مختلف جگہوں پر کچھ اجتماعات منعقد ہو رہے ہیں، کچھ جلسے ہو رہے ہیں اور کچھ اور مختلف نوع کی کلاسز جاری ہیں مثلاً جرمنی میں اس وقت بوسنین نو احمدیوں کی ایک

تربیتی کلاس کا انعقاد ہو رہا ہے اور اللہ کے فضل کے ساتھ وہاں کثرت کے ساتھ نئے شامل ہونے والے بوسنین مسلمانوں کی تربیت کے ہر سطح پر انتظام مسلسل جاری ہیں اور یہ کلاس جس کا میں نے ذکر کیا ہے یہ بھی ان انتظامات کا ایک حصہ ہے۔ پھر قیادت ضلع جہلم کے زیر اہتمام خدام و اطفال کا سالانہ اجتماع ہے جو 31/ مارچ سے شروع ہو کر آج یعنی یکم اپریل کو اختتام پذیر ہوگا۔ جماعت احمدیہ فجی کا جلسہ سالانہ اور یومِ مسیح موعود اور صد سالہ جشن تشکر در بارہ پیشگوئی کسوف وخسوف کے پروگرام 31/ مارچ سے شروع ہیں اور بروز ہفتہ یعنی کل اختتام کو پہنچیں گے۔ جماعت ہائے احمدیہ گیمبیا کا انیسواں جلسہ سالانہ آج یکم اپریل سے شروع ہو رہا ہے۔ اس جلسے میں ہمیشہ گیمبیا کے مختلف وزراء اور دیگر معززین شرکت فرماتے ہیں اور جماعت کے پروگراموں میں بعض دفعہ سربراہ سلطنت بھی بنفسِ نفیس تشریف لا کر رونق بخشتے ہیں۔ ان کی توقع ہے کہ اس جلسے پر بھی مختلف معززین ہر طبقہ فکر سے تعلق رکھنے والے اور سیاست کے علاوہ دیگر طبقوں سے تعلق رکھنے والے معززین بھی شامل ہوں گے اور ان کے لئے بھی خصوصیت کے ساتھ پیغام دیا جائے۔

خصوصی پیغام تو ان کے نام میرا یہ ہے کہ آپ نے ہمیشہ بہت ہی بڑے حوصلے کا سلوک فرمایا ہے اور باوجود اس کے کہ ہم جانتے ہیں کہ مختلف طاقتور ممالک سے کوششیں کی گئیں کہ آپ احمدیت سے اپنا رویہ تبدیل کر دیں لیکن ہمارے کہنے میں نہیں بلکہ ہمارے کہنے کے بغیر از خود آپ نے انسانی قدروں کا سر بلند رکھا اور ہمیشہ ان کو یہی جواب دیا کہ یہ لوگ خدمت کر رہے ہیں۔ خدمت دین بھی کر رہے ہیں، ملک کی بھی خدمت کر رہے ہیں۔ ہم باہر سے کوئی مدد لے کر ان نیکوں اور محسنوں کے ساتھ بدسلوکی نہیں کر سکتے اس لئے جو چاہیں اپنا رویہ آپ اختیار کریں۔ یہ ہماری عزت اور وقار اور انسانی قدروں کے خلاف ہے کہ وہ لوگ جو یہاں خدمت کے لئے آئے اور ہمیشہ بڑے خلوص کے ساتھ خدمت کی ہے ان سے لوگوں کے کہنے میں یا لوگوں کے دیئے ہوئے پیسے کے لالچ میں آ کر بدسلوکی شروع کر دیں یہ ہم سے نہیں ہوگا۔ اس وعدے پر وہ مسلسل قائم رہے۔ ضیاء کے دور میں بھی میں جانتا ہوں کہ براہ راست کوشش کی گئی لیکن گیمبیا کے معززین نے اپنے موقف میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی اور اب تو وہ دور، وہ زمانے لد گئے اور حالات بدل چکے ہیں اور جماعت احمدیہ کو بھی اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ گیمبیا میں قبولیت عام کی سند حاصل ہو چکی ہے۔ اس لئے میں ان سب

بزرگوں کا جو اس اجلاس میں شامل ہوئے ہیں، اس پسِ منظر میں ساری دنیا کی جماعتوں کی طرف سے شکریہ ادا کرتا ہوں جو پس منظر میں نے آپ کے سامنے بیان کیا ہے۔ اور میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کے ملک کو ہمیشہ ترقی کی اعلیٰ منازل پر جاری وساری رکھے گا اور جماعت احمدیہ ہمیشہ پوری وفا کے ساتھ ان کی خدمت کے تمام تقاضے پوری کرتی رہے گی۔ اللہ تعالیٰ اس اجتماع کو برکت دے اور جماعت احمدیہ کے لئے یہ اجتماع آئندہ سال کے لئے مزید برکات پیچھے چھوڑ جائے۔

باقی اس کے علاوہ بھی ہیں کچھ۔ ساؤتھ انڈین جماعتوں کے ریجنل اجتماع کی خبر ملی ہے مجلس اطفال الاحمدیہ جرمنی کا پندرھواں سالانہ اجتماع منعقد ہو رہا ہے اور ساؤتھ انڈین جماعتوں کے اجتماع میں بتایا گیا ہے کہ کثرت کے ساتھ غیر از جماعت دوست شریک ہوں گے اور مضمون ہوگا Islam the Religion of Peace یعنی اسلام امن کا مذہب ہے۔ مجلس خدام الاحمدیہ نائیجیریا کا جلسہ سالانہ بھی آج یکم اپریل سے شروع ہو رہا ہے، تین اپریل تک جاری رہے گا اور جماعت جرمنی کی مختلف کلاسز کا میں ذکر کر چکا ہوں جو کہ بوسنین کے سلسلے میں ہیں۔

ان سب کو میرا واحد پیغام یہی ہے جو سب کے لئے برابر اہمیت رکھتا ہے کہ ذکر الٰہی کے جس موضوع پر میں ایک عرصے سے خطاب کر چکا ہوں اور یہ اسی کی غالباً آخری کڑی ہے اس پر پورا دھیان دیں اور غور کریں اور اس حقیقت کو دلنشین کر لیں کہ تمام مذاہب کا آخری مقصد اللہ سے بندے کی محبت پیدا کرنا ہے اور اس سچی محبت کا ایک اثر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایسا انسان جو اللہ سے محبت کرنے لگے وہ اس کی مخلوق سے لازماً محبت کرتا ہے اور اسی کا نام Peace ہے۔ تمام عالم میں امن کے لئے مختلف کوششیں ہو رہی ہیں مختلف دعاوی جاری ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اب امریکہ دنیا میں امن کی کوشش کرے گا۔ کہا جاتا ہے کہ چین سے وہ لوگ اٹھیں گے جو دنیا میں امن قائم کریں گے۔ کبھی مشرق والے دعوے کرتے ہیں، کبھی مغرب والے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ امن کی حقیقت کو سمجھے بغیر اور سمجھائے بغیر نہ وہ امن قائم کرنے کی صلاحیت حاصل کر سکتے ہیں، نہ دنیا کو اطمینان دلا سکتے ہیں کہ ہم اپنے دعوے میں سچے ہیں اور امن کی راہ اس کے سوا کوئی راہ نہیں ہے کہ انسان اپنے خالق کے ساتھ امن میں آجائے۔ خالق کے ساتھ امن کیسے نصیب ہو سکتا ہے؟ جب انسان خالق کے مزاج کے رنگ اختیار کرنا شروع کرے، ویسا ہی بننے کی کوشش کرے، وہ ادائیں اپنا لے جو ادائیں خالق کو پسند

ہیں۔ ان اداؤں سے دور بھاگے جن کو خالق نفرت سے دیکھتا ہے۔ اگر ایسا ہو تو مخلوق اور خالق کے درمیان یہ سنگم ہے، یہ رشتہ ہے، جو دونوں کو ایک دوسرے کے قریب تر کرتا چلا جاتا ہے اور یہ سفر ہمیشہ کے لئے جاری ہے۔ اس کا کوئی آخری مقام نہیں اور اس سفر میں اگر چہ رخ خالق کی طرف ہوتا ہے مگر خالق کا رُخ چونکہ مخلوق کے ساتھ احسان اور بے انتہا رحم و کرم کے سلوک کا رُخ ہے اس لئے خالق کے اندر جا کر پھر مخلوق دکھائی دینے لگتی ہے اور خالق کا جو تعلق مخلوق سے ہے وہی تعلق خالق سے تعلق باندھنے والا اختیار کرتا چلا جاتا ہے اور اگر خالق کی نظر سے کوئی مخلوق کو دیکھنے لگے تو اس سے مخلوق کیلئے کسی شر کا کوئی احتمال نہیں۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسے اللہ اپنے بندوں کے لئے شر پیدا کر رہا ہے تو یہ وہ دوٹوک بات ہے، دو نکاتی بات ہے جس کو سمجھنے کے بعد کوئی ذی شعور انسان اس کے انکار کی جرأت ہی نہیں کر سکتا، اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

Peace کی حقیقت کیا ہے؟ یہی ہے کہ ایک انسان دوسرے بندوں کو اس طرح دیکھنے لگے جیسے وہ اپنی اولادوں، اپنے پیاروں اور اللہ کے ساتھ ایسی محبت کرے کہ اس کے پیارے بن جائیں۔ خدا اپنی مخلوق کو شر کی نظر سے نہیں دیکھ سکتا۔ خدا اپنی مخلوق کی بھلائی چاہتا ہے۔ پس لازماً ایسے بندے پیدا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ میں انسان کے وجود کا کھویا جانا ضروری ہے اور یہ وہ مقام ہے جو ذکرِ الٰہی سے نصیب ہوتا ہے۔ کثرت کے ساتھ ذکر الٰہی کے نتیجے میں انسان خالق کے مزاج کو سمجھتا ہے وہ کیا چاہتا ہے؟ کیا پسند نہیں فرماتا؟ ان باتوں سے آگاہ ہوتا ہے اور اس کے نتیجے میں ذکر کے ساتھ انسان کے اندر ایک دن بدن برپا ہونے والا انقلاب برپا ہونا شروع ہو جاتا ہے، اس کے اندر تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں۔ پس ہر وہ ذکر جو تسبیح کے دانوں تک محدود رہے انگلیاں اس پر پھرتی رہیں لیکن انسان کے وجود میں کوئی پاک تبدیلی پیدا نہ ہو وہ ذکرِ الٰہی نہیں ہے، وہ ذکر نفس ہو سکتا ہے، کوئی اور شیطانی ذکر ہو سکتا ہے مگر اس کا نام اللہ کا ذکر رکھنا گناہ ہے۔

ذکر الٰہی اندرونی تبدیلیاں پیدا کئے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔ اللہ کا ذکر ہو اور دل میں شیطانی وساوس ہوں، اللہ کا ذکر ہو اور فارغ ہوتے ہی بنی نوع انسان کے خلاف ظلم کے منصوبے چلائے جارہے ہوں۔ اللہ کے ذکر میں تسبیح پر انگلیاں پھر رہی ہوں اور ذہن میں سیاسی چالیں ہوں۔ یہ ہو کہ جب ہم اوپر آئیں گے تو بنی نوع انسان سے یہ کچھ کریں گے۔ یہ ذکر نہیں ہے، یہ دھوکا ہے۔ ذکر وہی

ہے جو خون کے اندر جاری ہونے لگے، جو دل کے اندر دھڑکنے لگ جائے، جو دماغ کی سوچیں بن جائے، یہ وہ ذکرِ الٰہی ہے جس کی طرف میں آپ کو بلا رہا ہوں۔ اگر آپ یہ ذکر کریں اور اس ذکر کو جاری رکھیں تو تمام بنی نوع انسان کے لئے آپ کے دل سے محبت کے چشمے پھوٹیں گے، آپ ان کو اس طرح دیکھیں گے جیسے خالق پیار کی نظر سے اپنی مخلوق کو دیکھتا ہے۔ ان کی ایسے بھلائی چاہیں گے جیسے خالق اپنے بندوں کی بھلائی چاہتا ہے۔ اس بھلائی چاہنے میں آپ کو مخالفت کا بھی سامنا ہوگا اور یہ وہ مضمون ہے جسے میں آپ کے دلوں میں جاگزیں کرنا چاہتا ہوں۔

اللہ جب بھی بنی نوع انسان سے بھلائی کے تقاضے کرتا ہے تو اس کی ضرور مخالفت ہوتی ہے۔ اس مخلوق سے محبت کرتا ہے جو اس سے دور بھاگ رہی ہوتی ہے۔ پس آپ کے لئے وہ مخلوق اپنے شیوے تو تبدیل نہیں کرے گی۔ اس کے تو وہی لچھن ہوں گے جو ہمیشہ سے اپنے خالق کے مقابل پر اس نے اختیار کئے رکھے اور جب اللہ کی طرف سے اس کے پاک بندے رسول بنا کر بھیجے جاتے ہیں تو ان سے جو سلوک ہوتا ہے وہ اللہ ہی سے سلوک ہوتا ہے۔ پس مخلوق سے تعلق آسان نہیں ہے۔ خالق سے تعلق بہت آسان ہے لیکن یہ تعلق جب مخلوق کے تعلق میں ڈھلتا ہے تو طرح طرح کے دکھ اس راہ میں اٹھانے پڑتے ہیں۔ چنانچہ ایک موقع پر قرآن کریم حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے دکھ پر نظر کر کے فرماتا ہے یعنی اللہ فرماتا ہے قرآن کریم میں یہ آیت موجود ہے کہ یہ ظالم تجھے دکھ نہیں دے رہے یہ تو اللہ کو دکھ دیتے پھرتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اصل مقصد ان کا خدا کی دشمنی ہے۔ تو چونکہ میری طرف سے نمائندہ بنا دیا گیا ہے اس لئے خدا کی دشمنی تیری دشمنی کے بغیر الگ ممکن ہی نہیں رہی۔

پس ذکرِ الٰہی آپ کو جن راہوں کی طرف بلا رہا ہے اس میں ایک راہ آسان ہے کیونکہ وہ محبت کی راہ ہے، اس راہ سے اللہ ملے گا اگر وہ محبت کی راہ بنی رہے۔ جس راہ پہ وہ راہ آپ کو ڈالے گی وہ غیر کی طرف سے دشمنی کی راہ ہے اور آپ کی محبت کی آزمائش کی راہ ہے۔ اس محبت کی آزمائش کی راہ پر حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے اس طرح سفر کیا کہ اپنے دکھ دینے والوں کے لئے اس غم میں اپنے آپ کو ہلکان کرتے رہے کہ یہ ظالم ہلاک نہ ہو جائیں۔ پس یہ ہے وہ خالق اور مخلوق کا تصور جو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے اپنے خالق سے تعلق اور اس کے بعد خدا کی مخلوق سے تعلق کی صورت میں ہمارے سامنے ظاہر ہوا ہے۔ اس ضمن میں یہ تمام میرے خطبات ہیں کہ ذکرِ الٰہی اختیار

کرو۔ ذکر الٰہی آپ کے لئے خدا تک پہنچنے کے رستے آسان کرے گا اور خدا تعالیٰ کی طرف پہنچنے کی ایک صراط مستقیم ہے لیکن اس صراطِ مستقیم کو بہت سے رستے آ آ کر ملتے ہیں۔ جن رستوں سے آپ صراط مستقیم تک پہنچیں اگر وہ ایک سے زیادہ رستے ہیں تو آپ کے لئے وہ صراط وسیع تر ہوتی چلی جاتی ہے اگر وہ ایک دو رستے ہیں تو وہ صراط مستقیم آپ کے لئے تنگ رہے گی۔ تبھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا یہاں ایک صراط کی بات نہیں فرما رہا۔ فرماتا ہے جو لوگ بھی ہمارے متعلق کوشش کرتے ہیں ہم انہیں اپنی طرف آنے کی بہت سی راہیں دکھاتے ہیں۔ پس ذکر کی ہر راہ وہ راہ ہے جو خدا نے ہمیں اپنی طرف آنے کے لئے دکھادی ہے، بتایا ہے کہ ان راہوں پر چلو گے تو صراط مستقیم میں آملو گے اور جتنی زیادہ یہ راہیں اختیار کرو گے اتنی تمہاری صراط مستقیم وسیع تر ہوتی چلی جائے گی اور انعام پانے والوں کا رستہ بنتی چلی جائے گی۔

اب میں ان آیات کی مزید تشریح آپ کے سامنے رکھتا ہوں جو میں نے تلاوت کی تھیں۔ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے خود اسلام کیلئے کھول دیا ہو فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ اور وہ اپنے رب کی طرف سے نور یافتہ ہو، ایک نور پر قائم ہو اس کا مقابلہ کسی اور سے کر سکتے ہو۔ کیا دنیا میں ایسا بھی کوئی اور ہے جو اس جیسا بن کے دکھا دے۔ یہ ایک اعلان عام، ایک صلائے عام ہے اور تمام بنی نوع انسان کے لئے ایک چیلنج ہے کہ بننا ہے تو اس جیسا بن کے دکھاؤ، اس کے سوا ہر راہ ہلاکت کی راہ ہے۔ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ۔

یہی محفوظ مقام ہے اس کے سوا کوئی محفوظ مقام نہیں۔ اس کے برعکس کیا مقام ہے؟ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ درمیان کی کوئی راہ نہیں بتائی گئی۔ ایک طرف وہ ہیں جو اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں اور وہ نور پر قائم ہیں اور سوال اٹھا کر کوئی جواب بھی نہیں دیا گیا۔ تو ظاہر و باہر بات ہے کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے یہی وہ خدا کے بندے ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں لیکن ان کے مقابل پر جو لوگ رکھے فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ہلاکت ہو، لعنت ہو ان بد نصیب پتھر دلوں پر جن کے دل سخت ہو چکے ہیں۔ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ اس کے دو معانی خصوصیت کے ساتھ آپ کے پیش نظر رہنے چاہئیں۔ ایک وہ دل جو خدا کا ذکر سنتے ہیں اور نرم پڑنے

کی بجائے سخت ہوتے چلے جاتے ہیں۔طبیعت ان کی گھبراتی ہے، کہتے ہیں کیا بات لے بیٹھے ہیں۔ چھوڑو کوئی اور بات کرو، خدا کی باتیں بھی اس زمانے میں بھلا چل سکتی ہیں، کوئی دلچسپی کی بات کرو۔ کوئی نشے کی بات کرو، کچھ کھیلنے کودنے کی بات کرو، کچھ نمائشوں کے قصے چلیں۔ دنیا کی لذتوں کی باتیں ہوں تو بات بھی بنے، یہ خدا کی باتیں تم کیا لے بیٹھے ہو۔ایسے لوگ ہیں جو جب یہ ذکر سنتے ہیں ذکرِ الٰہی کا، تو ان کے دل سخت ہوتے چلے جاتے ہیں پتھر بنتے جاتے ہیں اور ایک وہ ہیں لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ کہ وہ بدنصیب ایسے پتھر ہیں کہ اللہ کے ذکر کی ان میں صلاحیت ہی باقی نہیں رہی۔ وہ ذکر کرنے سے عاری لوگ ہیں۔ایک سنتے ہیں اور بدکتے ہیں اور مزید سخت ہوتے چلے جاتے ہیں۔ایک وہ جو سخت ہو چکے ہیں اور ذکر اللہ کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں ہے۔ان دونوں معنوں میں آیت ایسے لوگوں پر لعنت بھیج رہی ہے اوران کی ہلاکت کی خبر دے رہی ہے۔ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ یہی وہ لوگ ہیں جو کھلی کھلی گمراہی میں ہیں۔

اب یاد رکھیں کہ جو لوگ ذکرِ الٰہی سے غافل رہتے ہیں ان کی یہی منزل ہے جو بیان کی گئی ہے کوئی شخص جو ذکرِ الٰہی کی راہ میں آگے نہیں بڑھ رہا وہ اپنے مقام پر کھڑا نہیں رہا کرتا۔ وہ رفتہ رفتہ ان لوگوں میں شامل ہو رہا ہوتا ہے جن کے دل خدا کے لئے سخت ہو چکے ہیں اور ایسا شخص جو ذکرِ الٰہی میں لذت نہیں پاتا اس کے دل کو کوئی اور چیز سنبھال نہیں سکتی کیونکہ وہ لذت کے بغیر اپنے دل کو چھوڑ نہیں سکتا اس لئے خدا کی بجائے دنیا کی لذتیں دن بدن، رفتہ رفتہ اس کے دل پر قابض ہوتی چلی جاتی ہیں۔پس یہ بہت ہی خطرناک مقام ہے۔سمجھنا چاہئے بیچ کی کوئی راہ نہیں ہے، یہ نہیں کہ ذکرِ الٰہی نہ بھی کرو تو گزارہ ہو جائے گا، کم سے کم ہم سخت دل تو نہیں ہیں۔فرمایا یہ ذکر کرنے والے ہیں یا سخت دل ہیں بیچ میں تو کوئی وجود ہی اور نہیں ہے۔ جو ذکر نہیں کرے گا اس نے لازماً سخت دل ہو جانا ہے۔پس اس کے خلاف تنبیہ کی گئی ہے۔پھر اللہ فرماتا ہے: اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ اللہ وہ ہے نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ جس نے محمد مصطفی ﷺ پر سب باتوں سے زیادہ پیاری بات اتاری ہے۔جو کلام اس رسول کے دل پر اترا ہے ہر کلام سے زیادہ خوب صورت ہے۔ یہ کیا کلام ہے؟ فرماتا ہے كِتٰبًا یہ لکھا ہوا کلام ہے جسے تم کتاب کی صورت میں دیکھتے ہو اور یہ باتیں کیسی ہیں۔ مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ایک دوسرے سے

اپنے حسن میں ملتی جلتی باتیں بھی ہیں اور ایسی بھی ہیں کہ ویسی ہی باتیں اس کتاب میں اور بھی دیکھتے ہو یعنی متشابہ آیات ہیں اور بہت خوبصورت ہیں اور جوڑے جوڑے ہیں۔ ایک حسن تم یہاں دیکھتے ہو اس حسن سے ملتا جلتا ایک اور جوڑا بھی تمہیں دوسری طرف دکھائی دے گا اور قرآن کریم کو پڑھنے والے جانتے ہیں، ہر انسان جو محبت اور تعلق سے قرآن کو پڑھتا ہے اس بات پر گواہ ہے کہ ہر قرآنی مضمون جو خوبصورتی کے ساتھ بیان ہوا ہے وہی مضمون ایک اور آیت میں بھی اسی طرح خوبصورتی کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ لیکن ملتی جلتی ہیں بعینہٖ وہ بات نہیں۔ کوئی فرق ہے جو یہاں نہیں ملتا وہاں مل جائے گا۔ کوئی چیز وہاں نہیں ملی تو پہلی میں مل جائے گی۔ تو جوڑے جوڑے چلتے ہیں ایک دوسرے کو تقویت بھی دیتے ہیں اور حسن کے بعض پہلوؤں پر ایک آیت بڑی نمایاں روشنی ڈال رہی ہے۔ بعض دوسرے پہلوؤں پر ایک اور آیت بڑی نمایاں روشنی ڈال رہی ہے تو فرمایا اس میں مَّثَانِيَ کا ایک معنی ہیں بہت اعلیٰ درجہ کی، بہت ہی بلند مرتبہ۔ تو یہ تعریف بھی اس کے ساتھ ہی اس کی ہوگئی۔ فرمایا اس سے ہوتا کیا ہے۔ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ۔

ان سے ان آیات کے نتیجہ میں جو جوڑا جوڑا ہیں دہرے اثر دکھانے والی آیات ہیں ایک اثر تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سننے والے جو خدا سے ڈرتے ہیں ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جُلُوْدُ کے تَقْشَعِرُّ کا مطلب ہے کہ ان کی جلدیں متحرک ہو جاتی ہیں رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ان میں ایک Creeping Movement جس طرح ایک لہر سی دوڑ رہی ہے ایسی لہریں ان کی جلدوں پر دوڑنے لگتی ہیں۔ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ یہ جوڑا جوڑا آیات ایک اور اثر بھی لاتی ہیں۔ ایک طرف خشیت کا یہ عالم ہے کہ ساری جلد پر جھرجھری پیدا ہو جاتی ہے اور رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دوسری طرف اس کے بعد وہ جلدیں پگھل جاتی ہیں، نرم پڑ جاتی ہیں، اپنے خدا کے حضور پگھل کر بہنے لگتی ہیں اور دل ساتھ شامل ہو جاتے ہیں۔ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ان کی جلدیں بھی اور ان کے دل بھی خدا کے ذکر میں بہنے لگتے ہیں، ان کی طرف متحرک ہو جاتے ہیں۔ کتنا حسین کلام ہے۔ اثر باہر سے اندر داخل ہوتا ہے اور وہ لوگ جو سخت دل ہیں ان کی جلدیں بھی سخت ہوتی ہیں وہ اچھی بات کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے۔ وہ جلدیں ہی باہر باہر اچھے پیغام کو روک دیتی ہیں۔ لیکن یہ خدا کے مومن بندے ایسے ہیں جو خدا کے کلام کو سنتے ہیں تو پہلے تو ان

کی جلدوں پر ایک زلزلہ سا طاری ہو جاتا ہے کئی دفعہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جذبات کی شدت میں واقعۃً انسان پر جھرجھری طاری ہوتی ہے اور اس کے بعد پھر دل کلیۃً نرم ہو کے خدا کی راہوں میں بچھ جاتا ہے اور یہ باہر سے اثر شروع ہوتا ہے اندر تک، گہرے دل کے اندر داخل ہو کر اس کے اندر پاک تبدیلیاں پیدا کرتا ہے۔فرمایا اِلٰی ذِکۡرِ اللّٰہِ کس طرف حرکت کرتے ہیں اللہ کے ذکر کی طرف۔ان کا باہر بھی ذکرِ الٰہی بن جاتا ہے اور ان کا اندر بھی ذکرِ الٰہی بن جاتا ہے اور ذکرِ الٰہی ان کے چہروں پر اپنے اثر دکھاتا ہے وہاں سے اثر شروع ہو کر دلوں کی گہرائی تک پہنچتا ہے۔

ذٰلِکَ ہُدَی اللّٰہِ یَہۡدِیۡ بِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ یہ ہے اللہ کی ہدایت جسے چاہتا ہے وہ عطا فرماتا ہے۔وَ مَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنۡ ہَادٍ ہاں جسے وہ گمراہ ٹھہرا دے اس کو پھر کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔اب یہاں بھی پہلی آیت کے نقشے کو دوبارہ آپ کے سامنے اُجالا ہے۔ دوبارہ اسی مضمون کو اسی ترتیب سے پیش فرمایا ہے۔فرمایا یا تو وہ لوگ ہیں جن کا دل خدا کے ذکر کے لئے کھل چکا ہے اسلام کے لئے کھل چکا ہے اور یا وہ لوگ ہیں فَوَیۡلٌ لِّلۡقٰسِیَۃِ قُلُوۡبُہُمۡ تو ان دونوں کے درمیان تیسری راہ نہیں۔تم نے اگر پہلی راہ کو اختیار کرنا ہے تو کیسے کرو۔فرمایا، پہلے تو خوفِ الٰہی سے یہ راہ آسان ہوگی۔اللہ کا خوف ہو تو یہ آیات جو غیر معمولی اثر رکھتی ہیں یہ خود تمہارے اندر انقلاب برپا کر دیں گی اور دوسرے یہ کہ آخری فیصلہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔یاد رکھو جسے اللہ چاہے ان لوگوں میں سے بنا دے جن کے متعلق فرمایا اَفَمَنۡ شَرَحَ اللّٰہُ صَدۡرَہٗ لِلۡاِسۡلَامِ جن کا دل اللہ نے اسلام کے لئے کھولا ہے اور جن کو چاہے ان بدبختوں میں سے بنا دے جن کے متعلق فرمایا فَوَیۡلٌ لِّلۡقٰسِیَۃِ قُلُوۡبُہُمۡ کہ ان کے دل اللہ کے ذکر سے سخت ہیں اسے قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔پس جب آخری فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے تو خدا ہی سے دعا مانگو۔

وہی سورہ فاتحہ کا مضمون ہے جو خود کِتٰبًا مَّثَانِیَ کہلاتی ہے ایسی کتاب ہے جو بار بار دہرائی جانے والی ہے، ام الکتاب ہے اور بار بار دہرائی جاتی ہے۔ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ اے خدا تیری تعریف سن لی، تیرے ذکر نے دل پر بہت گہرا اثر کیا اور ہم صرف تیری عبادت کرنا چاہتے ہیں اور کسی کی نہیں چاہتے وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ مگر تیری مدد کے بغیر ممکن نہیں اس لئے مدد بھی تجھ ہی سے چاہتے ہیں۔اس آیت کریمہ کی روشنی میں جو مختلف مضامین از خود آپ پر کھلتے چلے

گئے ہیں ان کو سمجھیں اور ان کو اپنے دلوں میں جاری کریں ان کو اور بھی بہت سی آیات ہیں مگر اس وقت خطبہ کے لمبا ہونے کا خوف ہے میں ان کو چھوڑ رہا ہوں۔

اب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک اقتباس آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ پھر ایک دو اور اقتباس، پھر بعض صحابہ کی مثالیں۔ تو اس طرح اس مضمون کو اگر ہو سکے تو آج اس خطبے میں اس سلسلے کی آخری کڑی بناؤں گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

> ’’چنانچہ قرآن شریف میں ہے۔ اذْكُرُونِيٓ أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ یعنی اے میرے بندو! تم مجھے یاد کیا کرو اور میری یاد میں مصروف رہا کرو۔ میں بھی تم کو نہ بھولوں گا تمہارا خیال رکھوں گا اور میرا شکر کیا کرو اور میرے انعامات کی قدر کیا کرو اور کفر نہ کیا کرو۔ اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ذکرِ الٰہی کے ترک اور اس سے غفلت کا نام کفر ہے۔‘‘ (ملفوظات جلد سوم صفحہ:189)

پس کفر سے مراد صرف یہ نہیں ہے کہ انسان کھلم کھلا اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کر دے کیونکہ رسولوں کا آخری مقصد ذکرِ الٰہی ہے۔ پس ذکرِ الٰہی سے جو شخص غافل ہوتا ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں وہ عملاً کفر کر رہا ہوتا ہے اور اس آیت نے یہی نتیجہ ہمارے سامنے رکھا ہے۔ اذْكُرُونِيٓ میرا ذکر کیا کرو أَذْكُرْكُمْ میں تمہارا ذکر کروں گا۔ وَاشْكُرُوا لِي اور میرا شکر ادا کیا کرو، وَلَا تَكْفُرُونِ اور میرا کفر نہ کیا کرو۔ یہاں کفر کا ایک معنی جو عامۃ المسلمین کے سامنے یا عام قاری کے سامنے واضح ہے وہ ہے ناشکری لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہاں ناشکری کی بجائے کفر کے ان معنوں میں اس کو سمجھا ہے جو کفر کے معروف معنی ہیں یعنی خدا کا انکار اور درحقیقت ناشکری اور انکار بھی دو بہنیں ہیں یا یوں کہنا چاہئے کہ ناشکری کے پیٹ سے ہی حقیقت میں انکار پھوٹتا ہے اور ان کا ماں بیٹی کا رشتہ ہے۔ پس قرآن کریم نے جہاں وَلَا تَكْفُرُونِ فرمایا اگر اس کا ترجمہ ناشکری بھی کریں گے تو امرِ واقعہ یہ ہے کہ ناشکرے ہی ہیں جو کافر ہوا کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی اتنی بے شمار نعمتیں تمام دنیا میں پھیلی پڑی ہیں کہ وہ شخص جو ان نعمتوں کو دیکھ کر اس کے شکر کی طرف مائل ہو اس سے انکار کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔ کون سا احتمال ہے

اس سے انکار کا۔ پس حقیقت میں شکر ہی ہے جو حقیقی ایمان بخشتا ہے اور ناشکری ہی ہے جو کفر کی طرف لے کے جاتی ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ اس کا تعلق ذکر سے ہے۔ ذکر سے بات چلی ہے، تم اگر ذکر کرو گے تو شکر گزار بندے بنو گے۔ ذکر کرو گے تو کافر نہیں ہو سکتے لازماً خدا کے مومن بندے ہو گے اور ذکر کرو گے تو خدا تمہارا ذکر کرے گا اور خدا جن کا ذکر کرتا ہے ان کو مٹنے نہیں دیا کرتا۔ یہ ناممکن ہے کہ خدا کسی کا ذکر کر رہا ہو اور وہ لوگ صفحہ ہستی سے مٹا دیئے جائیں۔ پس آپ کی بقا کا نسخہ بھی یہی ذکر ہے اگر ہمیشہ کے لئے باقی رہنے والے سے آپ کا تعلق جڑ جائے تو اس کی عطا سے آپ میں بقا کی صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔ باقی رہنے کی صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مزید فرماتے ہیں:

> قرآن شریف میں تو آیا ہے، وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (انفال:46) اللہ تعالیٰ کا بہت ذکر کرو تا کہ فلاح پاؤ اب یہ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا نماز کے بعد ہی ہے۔

یعنی نماز کے بعد جو کثرت سے ذکر کی ہدایت فرمائی گئی ہے یہ وہ آیت ہے۔ فرمایا اب نماز کے بعد خدا تعالیٰ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا فرما رہا ہو تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ 33 دفعہ سبحان اللہ، 33 دفعہ الحمد للہ، 34 دفعہ اللہ اکبر کہہ دو تو ذکر مکمل ہو جائے۔ یہ تو كَثِيْرًا میں نہیں آتا۔ فرمایا اس لئے یہ حدیث سن کر کہ حضور اکرم ﷺ نے نماز کے بعد 33-33 دفعہ تسبیح و تحمید کا ذکر فرمایا اور پھر 34 دفعہ تکبیر کا۔ یہ نہ سمجھ لینا کہ یہی ذکر الٰہی ہے جس کی طرف یہ آیت توجہ دلا رہی ہے کہ کثرت سے ذکر کیا کرو۔ فرمایا یہ اس زمانے میں ان لوگوں کے لئے جن کے حالات آنحضورؐ کے پیشِ نظر تھے ان کو نسخوں میں سے ایک نسخہ دیا ہے۔ اس کو اس آیت کا متبادل نہ سمجھ بیٹھنا ورنہ آنحضرت ﷺ کا اپنا طریق تو یہ نہیں تھا آپ تو خود مسجد میں بیٹھ کے نماز کے بعد 33 دفعہ سبحان اللہ، 33 دفعہ الحمد للہ یعنی تسبیح و حمد اور تکبیر آپ تو نہیں کیا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایتیں ہیں اور بھی روایتیں ہیں کہ بعض دوسری دعائیں کر کے گھر تشریف لے جاتے تھے۔ تو اس لئے یہ تو ناممکن ہے کہ آنحضور ﷺ کثرت سے ذکر کا یہ مطلب سمجھتے ہوں کہ صرف 33 دفعہ کرواور خود اس پر عمل نہ کریں اور خود دن رات ذکر میں رہیں۔ یعنی سوئے ہوئے ہوں تو تب بھی ذکر میں مصروف

ہوں۔ جاگے ہوئے ہوں تو تب بھی ذکر میں مصروف ہوں۔مجسم ذکر الٰہی بن جائیں،خدا آسمان سے گواہی دے کہ یہ وہ رسولؐ ہم نے تم میں اتارا ہے جو ذکرِ الٰہی بن چکا ہے اس کے سوا اس میں کچھ بھی باقی نہیں رہا۔تو ظاہر بات ہے کہ حضرت مسیح موعودعلیہ السلام جو نکتہ اٹھا رہے ہیں قابل غور ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس کو محدود نہ سمجھ لو۔ یہ ذکر الٰہی جس کا قرآن کریم ذکر فرما رہا ہے یہ تو تمہارے دن رات کے ہر لمحے پر حاوی ہو جانا چاہئے۔ وہ 33 والا نسخہ تو ان لوگوں کے لئے تھا جنہوں نے ایک خاص تکلیف پیش کی تھی اس تکلیف کے جواب میں آنحضورؐ نے فرمایا کہ اتنا کرو تو یہ تکلیف تو تمہاری رفع ہو جائے گی مگر یہ تو نہیں تھا کہ ان کو روکا ہو باقی ذکر سے یا ان کے علاوہ دوسروں کو روک دیا ہو۔

پھر حضرت مسیح موعودعلیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ اصل محبت پیدا ہو تو شمار کا کوئی سوال نہیں رہا کرتا۔عشق الٰہی کرنے والے گِنا نہیں کرتے۔آپؑ نے حضرت رسول اکرم ﷺ کی مثال دی ہے۔کب کسی نے آپؐ کے ہاتھ میں تسبیح دیکھی تھی جس میں سودانے تھے۔آپؐ کے کسی خلیفہ نے وہ تسبیح نہیں پکڑی،آپؐ کے کسی صحابی نے وہ تسبیح نہیں پکڑی۔ بعد کی ضرورت کے حالات کے مطابق ایجادات ہیں۔وقت کی ضرورت ہو گی لیکن ان لوگوں کے لئے جو ادنیٰ حالتوں کے تھے۔ان کو کچھ سکھانے کی خاطر کسی بزرگ نے یہ طریق ایجاد کر دیا ہو گا مگر نہ قرآن میں تسبیح کے دانوں کا ذکر، نہ سنت میں تسبیح کے دانوں کا ذکر، نہ کسی صحابی سے ثابت کہ ہاتھ میں تسبیح پکڑے پھرتے تھے۔تو حضرت مسیح موعودعلیہ السلام فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے کبھی گن کے ذکر کیا ہی نہیں۔اَن گنت ذکر تھا اور فرماتے ہیں:

> یہ تو دنیا کے عاشقوں کو بھی پتا ہے۔کہتے ہیں ایک عورت کا قصہ مشہور ہے کہ وہ کسی پر عاشق تھی اس نے ایک فقیر کو دیکھا کہ وہ تسبیح ہاتھ میں لئے ہوئے پھر رہا ہے اس عورت نے اس سے پوچھا کہ تو کیا کر رہا ہے اس نے کہا میں اپنے یار کو یاد کرتا ہوں۔عورت نے کہا کہ یار کو یاد کرنا اور پھر گن گن کے‘‘۔

یہ کون سا عشق ہے؟ مجھے دیکھو میں کس طرح اپنے یار کے لئے دیوانی ہوئی پھرتی ہوں۔دن رات اسی کا تذکرہ میرے منہ پر ہے۔تو اچھا یار کا یار بنا بیٹھا ہے کہ گن گن کے یاد کر رہا ہے۔ عشق کے ساتھ گنتی کا مضمون چلتا نہیں۔پس وہ اور مضمون تھا جو حضور اکرم ﷺ نے وہاں

بیان فرمایا اور وہ اور مضمون تھا جو اپنی ذات میں جاری کر کے دکھایا وہ اَن گنت ذکرِ الٰہی کا مضمون ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

''اصل بات یہی ہے کہ جب تک ذکرِ الٰہی کثرت سے نہ ہو اور وہ لذت اور ذوق جو اس ذکر میں رکھا گیا ہے حاصل نہیں ہوتا۔ آنحضرت ﷺ نے جو تینتیس مرتبہ فرمایا ہے وہ آنی اور شخصی بات ہوگی۔'' (ملفوظات جلد: 4 صفحہ: 14)

یعنی وقتی تقاضے کے پیشِ نظر اور بعض اشخاص کے حالات سے تعلق رکھنے والی بات ہوگی اسے تم عام نہ سمجھ بیٹھو۔

بعض لوگ ذکرِ الٰہی کو نماز سے بڑھا دیتے ہیں اور ایسے فتنے بہت سے پاکستان میں بھی پھوٹ رہے ہیں ان دنوں۔ یہ زمانہ Cult کا زمانہ ہے اور ذکر کے نام پر دنیا کو گمراہ کرنے کے لئے بہت سی تحریکات چل رہی ہیں۔ یہ جو آپ ''ہرے کرشنا'' والوں کو دیکھتے ہیں، چمٹے بجانے والوں کو دیکھتے ہیں یہ سارے اللہ کا ذکر بیچ رہے ہوتے ہیں۔ ان کا آخری مقصد یہ ہے کہ اللہ کے نام سے جو بنی نوع انسان کو محبت ہے اس کا اثر طبیعتوں پہ ڈال کر ان سے ڈالر یا گلڈر یا پاؤنڈ وصول کئے جائیں اور رفتہ رفتہ ان کی دولتیں خدا کے نام پر سمیٹی جائیں۔ پس ایسی ساری تحریکات دیکھتے دیکھتے بہت دولتیں سمیٹ لیتی ہیں۔ اللہ کا ذکر بیچ بیچ کے بڑے بڑے عالیشان محلات بنا لئے جاتے ہیں اور یہی ذکر بیچنا ہے جس کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے کہ شدید ہلاکت کی راہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دینے والی بات ہے۔ اللہ کے ذکر کو بیچا نہیں جاتا۔ اب پاکستان میں بھی ایسی تحریکات چل پڑی ہیں کہ شیخوں کے نام پر ان کو بعض ذکر پڑھائے جاتے ہیں۔ وہ لوگ جو اچھے بھلے پہلے نمازی ہوا کرتے تھے، عبادت گزار تھے، وہ پاگل بنا دیئے جاتے ہیں۔ ان کو کہا جاتا ہے کہ رات کو اٹھ کے یہ وظیفے کر لو تو ساری زمین تمہاری ہے، سارا آسمان تمہارا ہو جائے گا اور اس طرح پاگل بنا بنا کے ان بے چاروں کی حالت بگاڑتے ہیں اور یہ بھی اطلاع مل رہی ہے کہ اب ان لوگوں نے اپنی شاخیں یورپ میں بھی پھیلانی شروع کی ہیں اور امریکہ اور کینیڈا وغیرہ میں بھی کچھ ایجنٹ بنا لئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ نماز جو ہے یہ تو ایک سطحی سی چیز ہے، ایک برتن ہے خالی، اصل ذکر ہوا کرتا ہے۔ اس لئے اس طرف توجہ نہ کرو ہم تمہیں جو ذکر بتائیں گے وہ کیا کرو پھر دیکھو کہ دنیا کس طرح تمہاری غلام بنتی ہے اور

آخری پیغام دنیا کی غلامی ہی ہے اللہ کی محبت اور اللہ کا عشق تو بہانہ ہے ان کو بعض منافع دکھائے جاتے ہیں۔ بعض ان کو ایسے مقاصد بتلائے جاتے ہیں جن سے ان کی دراصل دنیا پانے کی خواہش پوری ہوتی ہے، آخری صورت میں اللہ ان کو نہیں ملتا نہ ان باتوں سے مل سکتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جو ذکر فرمایا اور زندگی بھر کیا اس ذکر کو چھوڑ کر کون سا بہتر ذکر ہے جو آج کا کوئی پیر یا ساری کائنات کے پیر مل کے بھی بنا سکتے ہوں۔ جو یہ کہتا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے ذکر کے علاوہ بھی ایک ذکر ہے جو میں تمہیں دکھاتا ہوں۔ ان عبادتوں کو ترک کر دو جو محمد رسول اللہ ﷺ نے اختیار کیں اور یہ ذکر کرو وہ جھوٹا ہے، ذریتِ شیطان ہے، وہ اللہ کی طرف سے پیغام لانے والا ہے ہی نہیں۔ مگر جب مذاہب بگڑتے ہیں جب ایک ایسی جاہل قوم کو جس کو حقیقت میں مذہب کے فلسفہ سے آگاہی نہ ہو۔ مذہب کی روح کو نہ سمجھتے ہوں، جب ان کو عارضی طور پر اور مصنوعی طور پر نیک بنانے کی کوشش کی جاتی ہے اور اسلام کے چرچے وہاں پھیلائے جاتے ہیں تو ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک طرف وہ لوگ ہیں جو دنیا دار ہیں ان کو دین کی حقیقت کا علم نہیں، ان کو دین کی روح کا علم نہیں۔ دوسری طرف دین کے چرچے ہو رہے ہیں۔ ایسی صورت میں ضرور عجیب وغریب قسم کی تحریکات جنم لینے لگ جاتی ہیں۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے ایک ایسے کھیت میں جس کا مالی رکھوالا نہ ہو، آپ بہت کھاد ڈال دیں۔ جب کھاد ڈالیں گے تو اس میں گندی جڑی بوٹیاں ہی نکلیں گی۔ بے مقصد اس میں نباتات پیدا ہوں گی اور وہ جو کھاد ہے وہ فائدے کی بجائے نقصان کا موجب بن جائے گی۔ پس ایسی سوسائٹیاں جہاں مذہب کا چرچا ہو جائے اور حقیقی مذہب سکھانے اور مذہب کے آداب بتلانے کے لئے کوئی منظم طریق ایسا نہ ہو جو خدا نے عطا کیا ہو بلکہ مختلف پیر فقیر اپنے ڈھکوسلے پیدا کرنے شروع کر دیں تو وہ سوسائٹی کثرت کے ساتھ مکروہات سے بھر جاتی ہے۔ وہاں مذہب بیچنے کے شوق میں کئی قسم کی تحریکات پیدا ہوتی ہیں اور ذکرِ الٰہی دنیا کے حصول کا ذریعہ بنا لیا جاتا ہے۔

پس اہلِ پاکستان کو میں خصوصیت سے متنبہ کرتا ہوں کہ اگر ذکر کرنا ہے تو محمد رسول اللہ ﷺ کا ذکر ہے۔ اس کے سوا کوئی ذکر نہیں ہے، سب جھوٹ ہے۔ خدا ملتا ہے تو اسی ذکر سے ملتا ہے جو ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا ذکر ہے۔ جس پیر کا ذکر اس سے پیچھے رہ جاتا ہے وہ کوتاہ پیر ہے

اس سے تمہیں کچھ نصیب نہیں ہوگا۔اس لئے وہ شان کا رسولؐ جو ہمیشہ کے لئے زندہ ہےاس کا دامن پکڑو۔صحابہؓ کا یہ حال تھا کہ ان کی زندگی کا سب سے اعلیٰ مقصد وہ نماز تھی جو محمد رسول اللہؐ نے آپ کو سکھائی تھی۔اول وآخر وہ ذکرِ الٰہی میں گم رہتے تھےاور ذکرِ الٰہی کی جان نماز میں سمجھتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب شہادت پائی تو آخری صبح جو آپ نے اس دنیا میں گزاری اس کے متعلق مسور بن مخرمہ فرماتے ہیں کہ اس رات جس میں حضرت عمرؓ زخمی ہوئے آپ کے پاس گئے آپ کو صبح کی نماز کے لئے جگایا گیا تو آپ نے فرمایا ''**نعم**''۔ہاں جس شخص نے نماز ترک کردی اس کا اسلام میں کچھ حصہ نہیں۔حضرت عمرؓ نے نماز پڑھی اس حال میں کہ آپ کے زخموں سے خون بہہ رہا تھا لیکن نماز پڑھتے رہے۔ایک لمحہ کے لئے بھی نماز، وہ عبادت جو خدا کے سب سے پاک رسولؐ نے بنی نوع انسان کو عطا کی تھی، یعنی عطا تو اللہ نے کی تھی مگر آپ نے اس کو اپنی ذات میں جاری فرما کر اس کے سارے اسلوب ہمیں سمجھائے اور ان معنوں میں میں کہتا ہوں کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی عطا کو ایک زندہ مثال بن کر ہمارے لئے جاری فرمایا، اس کو چھوڑنا ہلاکت ہے اس کے سوا اس کا کوئی اور نام نہیں۔

ایک لمحہ کے لئے بھی آنحضرت ﷺ خود نماز سے غافل نہیں ہوئے۔کسی حالت نے خواہ وہ جنگ کی حالت تھی یا امن اور آرام کی حالت تھی، صحت کی حالت تھی یا بیماری کی حالت تھی، حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کو نماز سے غافل نہیں کیا۔آپؐ کے دل میں کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ نماز کا مقصد تو ذکرِ الٰہی ہی ہے نا! ذکر تو میں ہر وقت کرتا ہوں مجھے نماز کی کیا ضرورت ہے۔آپؐ کی آخری نماز کی کیفیت یہ تھی کہ بخار کی شدت سے آپؐ بے ہوش ہو ہو جاتے تھے اور جب آنکھ کھلتی تھی تو کہتے تھے دیکھو نماز کا وقت تو نہیں چلا گیا۔یہ کہہ کر پانی منگواتے تھے۔وضو کر کے پھر نماز شروع کرتے تھے۔یہاں تک کہ پھر بے ہوشی طاری ہو جاتی تھی۔پھر آنکھ کھلتی تو پہلے یہ سوال کرتے تھے کہ دیکھو نماز کا وقت تو نہیں چلا گیا یہاں تک کہ آپ نے ٹب منگوایا اور کہا مجھ پر بہا دو تا کہ کچھ عرصے کے لئے بخار میرا پیچھا چھوڑے اور میں اپنے اللہ کی اس طرح عبادت کروں جس طرح اس نے مجھے سکھائی۔(بخاری کتاب المغازی حدیث:4088) یہ ہے ''**ذکراً رسولاً**'' یہ وہ ذکرِ الٰہی ہے جو آپ نے دنیا میں ہمیشہ کے لئے جاری کیا ہے۔پس ان شیطانوں کے وسوسوں میں کبھی نہ پڑنا۔نہ آج پڑنا

نہ کل پڑنا کہ ذکرِ الٰہی چونکہ نماز کے بعد بھی جاری رہتا ہے اس لئے وہی اصل ہے اور نمازیں ترک کر دو اور خدا تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعے جو شریعت عطا کی ہے اس سے تم بالا ہو جاؤ گے۔ محمد مصطفیٰ ﷺ کی شریعت سے باہر ہلاکت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ یہ سب پیری فقیری کے جھوٹے قصے ہیں۔ یہ دنیا کی لعنتیں کمانے کی خاطر یہ خدا کے ذکر کو بیچنے والے لوگ ہیں۔ ذکرِ الٰہی اختیار کریں ویسا ذکر جیسے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اختیار فرمایا اور جیسا کہ آپ کے صحابہ نے آپ سے سیکھا پھر ہر حالت میں آپ کا ہر ذکر نماز ہی بن جائے گا لیکن نماز چھوڑیں گے تو پھر نماز نہیں بنے گا اگر نماز پڑھیں گے تو ذکر بھی نماز بن جائے گی۔ نماز نہیں پڑھیں گے تو ذکر بھی ذکر نہیں رہے گا۔

حضرت انسؓ بن مالک فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے صحابہ کو مجھے یاد ہے میں اس طرح دیکھتا تھا کہ نمازِ مغرب سے قبل ستونوں کی طرف دوڑتے تھے یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ تشریف لے آتے۔ یہاں یہ بھی میں بتا دوں کہ جب نماز شروع ہو جائے اس وقت مسجد کی طرف دوڑنے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ ایسے سست آدمیوں کا ذکر نہیں ہو رہا جو نماز میں دیر سے پہنچیں اور رکوع بچا کر اپنی رکعت پوری کرنے کے جوش میں دوڑ رہے ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو وقت سے پہلے پہنچتے تھے اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے قریب ہونے کے شوق میں تا کہ اس ذکرِ الٰہی رسولؐ کے پاس رہ کر اس کے قرب میں ذکر کریں۔ کہتے ہیں میں دیکھا کرتا تھا کہ کس طرح صحابہ دوڑتے ہوئے جاتے تھے کہ پہلے وقت میں مسجد کی پہلی صف میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے قریب پہنچ جائیں۔

انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ وہ نماز اس طرح پڑھتے تھے کہ بعض دفعہ رکوع کرتے تو اتنی دیر رکوع کرتے کہ لوگ سمجھتے تھے بھول ہی گئے ہیں اور ایک راوی نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ ساری رات رکوع میں گزار دی۔ میں اسے تسلیم نہیں کرتا۔ وہ دور کی کچی روایت ہے مگر ان کی مراد یہ ہوگی کہ لگتا یوں تھا کہ گویا رات بھر رکوع میں ہی رہیں گے یا رہے ہیں اور کہتے تھے جب دو سجدوں کے درمیان بیٹھتے تھے تو یکدم پلٹ کر دوسرا سجدہ نہیں کر دیتے تھے بلکہ وہاں بھی ذکر میں گم اور ایسے بیٹھ جاتے تھے گویا بھول ہی گئے ہیں کہ آگے بھی کوئی سجدہ آنے والا ہے۔

حضرت عبداللہؓ بن شداد کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ ایک دفعہ نماز پڑھا رہے تھے اور میں آخری صف میں تھا لیکن حضرت عمرؓ کی گریہ وزاری کی آواز سن رہا تھا وہ یہ تلاوت کر رہے تھے۔ اِنَّمَآ

اَشْکُوْا بَثِّیْ وَ حُزْنِیْۤ اِلَی اللّٰہِ کہ میں تو اپنے اللہ ہی کے سامنے اپنے سارے دکھ رویا کروں گا کسی اور کے سامنے مجھے ضرورت نہیں ہے۔ پس جو ذکر الٰہی میں گم رہتے ہیں ان کو خدا کے سوا کسی اور کا دربار ملتا ہی نہیں۔ جہاں وہ اپنے غم اور دکھ روئیں اور اپنے سینوں کے بوجھ ہلکے کریں۔ فرماتے ہیں پچھلی صف میں تھا وہاں تک مجھے حضرت عمرؓ کے سینے کے گڑگڑانے کی آواز آ رہی تھا۔

حضرت انسؓ بن مالک کی روایت ہے کہ بنوسلمہ کا محلّہ مسجد نبوی سے دور تھا لیکن وہ مدینے کے کنارے پر تھے اس وجہ سے مدینے کی حفاظت میں وہ ایک اہم کردار ادا کر رہے تھے۔ انہوں نے شوق ظاہر کیا کہ وہ مسجد نبوی کے قریب آ جائیں تو آنحضرتﷺ نے ان کو اجازت نہیں دی لیکن ان کی نیت اچھی اور پاک تھی وہ قریب آنا چاہتے تھے تا کہ زیادہ ذکر الٰہی کا موقع ملے اور ذکر الٰہی میں اول اور افضل حیثیت نماز باجماعت کی تھی جو مسجد نبوی میں ادا کی جاتی تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دلداری کے لئے یہ انتظام فرمایا کہ حضرت رسول اکرمﷺ نے فرمایا تم وہیں رہو جس نیک نیت سے تم قریب آنا چاہتے ہو اس کا جواب یہ ہے کہ خدا تمہارے ہر قدم پر تمہیں اجر عطا کرے گا۔ جتنے لمبے فاصلے کرو گے اتنا ہی وہ ذکر الٰہی میں شمار ہوں گے اور ہر قدم کا اجر تمہارے لئے لکھ دیا جائے گا۔

حضرت حرامؓ بن ملحان کے آخری کلمات بھی سننے کے لائق ہیں جب ان پر برچھے کا وار پڑا ہے اور وہ آر پار نکل گیا اس حالت میں حضرت حرامؓ نے زخم کا خون لے کر سامنے سے اپنے چہرے پر ملا اور سر پر چھڑکا۔ وہ خون جو اندر دوڑ رہا تھا چونکہ خدا کی خاطر باہر نکلا تھا انہوں نے کہا اب مقدس ہو چکا ہے اب اس کی برکت سے جسم کے باقی اعضاء کو بھی متبرک کر دوں اور یہ کہا ''اللہ اکبر فزت ورب الکعبہ۔ اللہ اکبر رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ (بخاری کتاب المغازی)

یہی روایت حضرت عامرؓ بن فہیرۃ کے متعلق ملتی ہے کہ آخری کلمہ آپ کا بھی یہی تھا۔ صاحب طبقات بیان کرتے ہیں کہ حضرت زیدؓ بن خطاب جو حضرت عمر کے بھائی تھے ایک جنگ میں ان کے سپرد علم کیا گیا (یہ جنگ یمامہ کی بات ہو رہی ہے) وہاں اس قدر زور سے دشمن نے ہلہ بولا کہ صحابہ کے پاؤں اکھڑ گئے۔ کچھ ڈول گئے اس وقت اس حالت میں بڑے جوش کے ساتھ یہ بھاگتے ہوئے دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور وہ آخری کلمات جو ان کے سنائی دیئے وہ یہ تھے خدایا! میں اپنے ساتھیوں کی پسپائی پر تیری بارگاہ میں معذرت پیش کرتا ہوں۔

حضرت خبیبؓ کا ذکر بارہا آپ سن چکے ہیں مگر ایسا ذکر ہے جو کبھی پرانا نہیں ہوسکتا۔ آپ نے جب جان دی، ایسی حالت میں کہ دشمن نے آپ کو گھیرے میں لے کر پکڑ لیا تھا اور مقتل کی طرف لے جا رہے تھے۔ اس وقت مقتل میں پہنچ کر انہوں نے کہا کہ مجھے اجازت دو کہ میں دو رکعتیں نماز پڑھ لوں۔ ذکرِ الٰہی تو کر ہی رہے تھے ہر وقت ذکر کرتے رہتے تھے نماز کی اہمیت کا یہ حال تھا کہ صحابہ سب سے زیادہ پاکیزہ، سب سے بلند تر ذکر نماز ہی کو سمجھتے تھے تو انہوں نے دو رکعتیں نماز ادا کی۔ سلام پھیرا اور کہا دل نہیں چاہتا تھا کہ اس نماز سے الگ ہو جاؤں مگر ڈرتا تھا کہ تم مجھے بزدل نہ سمجھ لو۔ یہ نہ سمجھ لو کہ میں شہادت سے ڈر رہا ہوں اس لئے جلدی میں یہ رکعتیں ادا کر دی ہیں، اب جو چاہو کرو اور جب ان کو نیزہ مارا گیا تو وہ شعر پڑھتے ہوئے زمین پر گرے۔

وَلَسۡتُ اُبَالِیۡ حِیۡنَ اُقۡتَلُ مُسۡلِمًا عَلٰی اَیِّ شِقٍّ کَانَ لِلّٰہِ مَصۡرَعِیۡ
وَذَالِکَ فِیۡ ذَاتِ الۡاِلٰہِ وَاِنۡ یَّشَاۡ یُبَارِکۡ عَلٰی اَوۡصَالِ شِلۡوٍ مُّمَزَّعٖ

کہ مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے کہ خدا کی راہ میں کس کروٹ پر قتل ہو کے گرتا ہوں۔ ''وَذَالِکَ فِیۡ ذَاتِ الۡاِلٰہِ '' یہ تو اللہ کی خاطر ہے اور اگر وہ چاہے تو میرے جسم کے چھوٹے سے چھوٹے ٹکڑوں پر، جو پارہ پارہ کر دیا گیا ہو، ہر جسم کے حصے پر برکتیں نازل فرمائے یہ آخری آواز تھی جو شہادت کے وقت ان کے منہ سے نکلی ہے اور یہی ذکر اللہ کرنے والوں کے دل کی آواز بن جایا کرتی ہے۔ ان کی زندگی بھی زندگی ہو جاتی ہے، ان کی موت بھی زندگی ہو جاتی ہے، ان کو کوئی پرواہ نہیں رہتی کہ کس طرح کس حالت میں ان کا انجام ہو۔ جانتے ہیں کہ اللہ اپنے ذکر کرنے والوں کے جسم کے ذرّے ذرّے پر برکتیں نازل فرماتا ہے اور اس کی روح ہمیشہ کے لئے خدا کی پناہ میں آجاتی ہے اور اس کا ذکر ہمیشہ کے لئے اس کے اوپر اپنی رحمت کی چادر تان دیتا ہے خواہ وہ اس دنیا میں رہے خواہ وہ اس دنیا سے چلا جائے۔

پس اس پہلو سے اس رنگ میں ذکر کریں کہ آپ کے ساتھ تمام دنیا کا ذکر وابستہ ہو جائے۔ تمام خدا کے بندے اور مخلوق جو آج ہیں یا کل آنے والی ہیں وہ آپ سے ذکر کے آداب سیکھیں کیونکہ آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی حقیقی سنت کو دوبارہ زندہ کرنے کے عزم کر لئے ہیں وہی ذکر آپ زندہ کریں گے جو محمد مصطفیٰ ﷺ کا ذکر ہے کسی پیر فقیر کے ذکر کو آپ دنیا میں جاری نہیں کریں گے۔ پس آج دنیا محتاج ہے کہ آپ ہی سے

ذکر سیکھے اور آئندہ نسلیں بھی اسی کے ذکر کو لے کر آگے بڑھتی چلی جائیں۔خدا کرے ایسا ہی ہو۔ یہ وہ آبِ حیات ہے جس آبِ حیات کے بعد کسی ہلاکت کے زہر کو مجال نہیں ہے کہ آپ کی رگ و پے میں دوڑنے لگے، آپ کے رگ و ریشے میں پیوستہ ہو کر آپ کو ہلاک کر سکے۔ زندگی کی ایک ہی راہ ہے وہ ذکر الٰہی کی راہ ہے۔ وہ راہ ہے جو میں نے آپ کو دکھا دی، اللہ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ آمین

جو بوسنین خصوصیت کے ساتھ جماعت میں داخل ہو رہے ہیں ان کے متعلق ایک چھوٹی سی بات کہہ کر میں اجازت چاہتا ہوں کہ ان بوسنین کو ذکر الٰہی کے ساتھ فوراً وابستہ کر دیں۔کوئی اور تربیت نہیں ہے جو ان کی زندگی کی ضمانت دے سکے یعنی روحانی زندگی کی جو ان کو آئندہ ہلاکت سے بچا سکے۔صرف یہ راہ ہے کہ جس کے بندے ہیں اس کے ہاتھ میں ہاتھ تھما دیں۔اللہ کی انگلی میں ان کی انگلیاں پکڑا دیں۔ خدا سے وابستہ کر دیں پھر آپ کو کوئی پرواہ نہیں ہے پھر اللہ آپ ہی ان کی حفاظت کرے گا۔ پس ذکر الٰہی کی عادت ڈالیں اور ذکرِ الٰہی کا چسکا ان کے دلوں میں پیدا کر دیں۔ اللہ کرے کہ ایسا ہی ہو، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

خطبہ ثانیہ سے قبل حضور نے فرمایا:۔

’’آج تو ماشاء اللہ یہ مسجد بہت بھر گئی ہے اور عورتوں کو اب دوسری جگہ بھیج دیا گیا ہے۔ انہوں نے بتایا ہے کہ مسجد جو بھری ہوئی ہے اللہ کے فضل سے یہ بوسنین کے بغیر بھری ہوئی ہے ان کی اتنی تعداد ہے خدا کے فضل سے وہ اس مسجد میں سما ہی نہیں سکتے تھے اس لئے ان کے لئے الگ انتظام کیا گیا ہے تا کہ وہاں ان کا ترجمہ بھی ان کو اونچی آواز میں سنایا جا سکے یہ اس لئے بتا دیا ہے کہ یہ نہ سمجھیں کہ ان کو دوسرے درجے کا شہری سمجھا گیا ہے ان کے لئے الگ اکٹھا انتظام کیا ہے اس لئے کہ ایسا کوئی انتظام نہیں تھا کہ بجلی کی تاروں کے ذریعے ان کے کانوں تک ترجمہ پہنچایا جا سکتا ہو۔ اس لئے بے اختیاری تھی اس لئے ان کو الگ رکھا گیا ہے ورنہ ان کو یہاں جگہ دی جاتی اور پرانے احمدی دوسرے کمروں میں جاتے۔ یہ وضاحت کر دی ہے دنیا میں سب دیکھ رہے ہیں کہیں کوئی سننے والا غلط فہمی کا شکار ہی نہ ہو جائے۔‘‘

حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی نصیحتیں بنی نوع انسان کے لئے امن کی ضمانت ہیں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 8 /اپریل 1994ء بمقام بیت السلام فرانس)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیت کریمہ تلاوت کی۔

وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۴﴾

(الانفال: 64)

پھر فرمایا:۔

آج کے خطبے کے ساتھ بعض اجتماعات کا اعلان بھی کرنا ہے جو مختلف دنیا کے ممالک میں اس وقت منعقد ہو رہے ہیں۔ سب سے پہلے تو مجلس خدام الاحمدیہ ضلع میر پور آزاد کشمیر کی طرف سے اطلاع ہے کہ ان کا خدام کا اجتماع اور مجلس اطفال الاحمدیہ ضلع سرگودھا اور مجلس انصار اللہ ضلع جھنگ کا سالانہ اجتماع کل یعنی گزشتہ روز سے شروع ہے اور آج انشاء اللہ بروز جمعہ اختتام پذیر ہوگا۔ مجلس خدام الاحمدیہ فرانس کا آٹھواں سالانہ اجتماع آج 8 /اپریل سے شروع ہو رہا ہے اور انشاء اللہ دو دن جاری رہے گا اسی طرح مجلس انصار اللہ فرانس کا اجتماع بھی خدام ہی کے ساتھ شامل کر لیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ جماعت احمدیہ آئیوری کوسٹ کا (Cote De Ivore اس کو کہتے ہیں) ان کا تین روزہ

سالانہ جلسہ آج 8/ اپریل سے شروع ہو رہا ہے اور 10/ اپریل تک جاری رہے گا۔ چونکہ آج فرانسیسی بولنے والے ممالک کے اجتماعات کی اکثریت ہے اس لئے انہیں اپنی ٹوٹی پھوٹی فرانسیسی زبان ہی میں میں مبارکباد دیتا ہوں۔

Je vous souhaite beaucoup de succes a l'occasion de votre Jalsa.

اس کے بعد گوئٹے مالا ہے۔ گوئٹے مالا میں ایک بہت ہی عظیم الشان اجتماع منعقد کیا جا رہا ہے جس کا تعلق چاند سورج گرہن کی پیشگوئی سے ہے اور اس سلسلے میں انہوں نے بہت عمدہ ملک گیر انتظامات کئے ہیں کہ کثرت کے ساتھ نمائندگان وہاں پہنچیں اور سارے گوئٹے مالا کو اطلاع ہو جائے کہ آج سے سو سال پہلے ایک عظیم الشان پیش گوئی اپنی انتہائی شان اور غیر معمولی چمک دمک کے ساتھ پوری ہوئی، جو پیشگوئی حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے اس وقت سے تیرہ سو سال پہلے اپنے مہدی کی نشانیوں کے طور پر بیان فرمائی تھیں۔ پس ان سب اجتماعات کو میں اپنی طرف سے اور عالمگیر جماعت احمدیہ کی طرف سے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اور مبارکباد کا تحفہ پیش کرتا ہوں۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک موقع پر فرمایا اور یہ آپؑ کا ارشاد الحکم جلد نمبر 6 نمبر 29 صفحہ 5۔ 17/ اگست 1902ء سے لیا گیا ہے۔ آپؑ نے فرمایا:

”ہماری جماعت کی ترقی بھی تدریجی اور کَزَرْعٍ (یعنی کھیتی کی طرح) ہوگی اور وہ مقاصد اور مطالب اس بیج کی طرح ہیں جو زمین میں بویا جاتا ہے اور وہ مراتب اور مقاصد عالیہ جن پر اللہ تعالیٰ اس کو پہنچانا چاہتا ہے ابھی بہت دور ہیں۔ وہ حاصل نہیں ہو سکتے ہیں جب تک وہ خصوصیت پیدا نہ ہو جو اس سلسلہ کے قیام سے خدا کا منشاء ہے۔ توحید کے اقرار میں بھی خاص رنگ ہو، تبتل الی اللہ ایک خاص رنگ کا ہو، ذکر الٰہی میں خاص رنگ ہو حقوقِ اخوان میں خاص رنگ ہو۔“ (ملفوظات جلد 2 صفحہ: 67)

اس میں وہ چار مقاصد حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمائے ہیں جن کے حصول کے بغیر جماعت احمدیہ اپنی بعثت کی غرض کو پورا نہیں کر سکتی اور ان میں سے پہلے

تین مقاصد کو ایک ایک کر کے میں نے اپنے خطبات کا موضوع بنایا۔ سب سے پہلے ایک سلسلہ ''توحید باری تعالیٰ'' کے موضوع پر خطبات کا شروع ہوا۔ پھر اس کے بعد اسی ترتیب سے ''تبتل الی اللہ'' کی باری آئی اور تبتل الی اللہ کے موضوع پر بھی ایک سلسلہ خطبات کا جاری رہا۔ پھر آج سے پہلے تیسرے نمبر پر ''ذکرِ الٰہی میں ایک خاص رنگ ہو'' کے موضوع پر میں نے جماعت کو مخاطب کیا اور جس حد تک بن پڑا بڑی تفصیل سے اور گہرائی میں جا کر ذکرِ الٰہی کے موضوع کو جماعت پر خوب روشن کیا۔

آج اب آخری سلسلے کی باری آئی ہے یعنی حقوقِ اخوان، میں بھی خاص رنگ ہو۔ یعنی یہ تمام باتیں جب پوری ہو جائیں۔ توحید کا خالص اقرار ہی نہیں بلکہ توحید کو اپنے رگ و پے میں سمو دیا جائے اور ہماری زندگی میں توحید سرایت کر جائے پھر اللہ کی طرف تبتل ہو اور دنیا سے انقطاع کر کے خالصۃً خدائے واحد کی طرف رجوع ہو پھر اس کے نتیجے میں ذکرِ الٰہی میں انسان بہت ترقی کرے جب یہ تینوں منازل طے کر لے تب وہ اس قابل ہوتا ہے کہ بنی نوع انسان کے حقوق ادا کر سکے۔ اس کے بغیر بنی نوع انسان کے حقوق ادا کرنے کا کسی انسان سے کوئی تصور نہیں باندھا جا سکتا، کوئی امید وابستہ نہیں کی جا سکتی۔

پس اب میں حقوق اخوان سے متعلق آپ کے سامنے بعض بنیادی امور رکھتا ہوں لیکن اس سلسلے میں جو ذہنی ترتیب میں نے دی ہے وہ یہ ہے کہ سب سے پہلے جماعت احمدیہ کو آپس میں ایک دوسرے سے محبت اختیار کرنے کی تلقین کی جائے اور ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی طرف توجہ دلائی جائے کیونکہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی یہی تعلیم ہے کہ اسلام پہلے گھر سے شروع ہوتا ہے، اسلام جو حقوق مسلمانوں کے دوسرے مسلمان بھائیوں کے لئے مقرر فرماتا ہے ان حقوق کی ادائیگی کے بغیر بنی نوع انسان کی بھلائی کا دعویٰ کرنا بالکل بے سود اور بے معنی ہو گا۔ پس حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے جو رحمۃ للعالمین تھے جہاں تمام بنی نوع انسان کے لئے اور تمام جہانوں کے لئے مبنی بر رحمت تعلیم دی اسی طرح آپؐ نے بلکہ اس سے پہلے تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے کے حقوق کی طرف متوجہ فرمایا اور دراصل اس طرح امت مسلمہ کو تمام بنی نوع انسان کے حقوق ادا کرنے کے لئے تیار کرنا مقصود تھا۔ پس اس سنت کے مطابق میں نے پہلے ایسی احادیث چُنی ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایسے اقتباسات چنے ہیں جن میں جماعت کو آپس کے تعلقات سے متعلق نصیحتیں ہیں اور ان کو بتایا گیا ہے کہ کون کون سے امور ہیں جن کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھیں، کون کون سے تعلقات کے

مقاصد ہیں جنہیں وہ حرزِ جان بنائے رکھیں یعنی اپنی جان کی طرح اپنے سینے سے لگائے رکھیں۔ یہ مقصد اگر جماعت کے اندر حاصل ہو جائے تو پھر تمام بنی نوع انسان کو جماعت کا فیض خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ بلا تمیز مذہب وملت، قوم اور رنگ ونسل عام طور پر پہنچے گا اور اس ذریعے سے ہم انشاء اللہ تعالیٰ اپنے اعلیٰ مقاصد یعنی تمام بنی نوع انسان کو امت واحدہ بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

عمومی تعلقات اور باہمی معاملات میں اخلاق سے متعلق جیسی پیاری تعلیم حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنے غلاموں کو عطا فرمائی ہے آپ تمام بنی نوع انسان کے مذاہب پر نظر ڈال کر دیکھ لیں، اول سے آخر تک نظر دوڑائیں، آپ کو حقیقت میں ایسی پیاری تعلیم اتنے حسین انداز میں کوئی اور نبی دیتا ہوا دکھائی نہیں دے گا۔ حالانکہ یہ امرِ واقعہ ہے کہ ہر نبی نے ویسی ہی تعلیم دی، اس سے ملتی جلتی تعلیم دی اور سب کے مقاصد بنیادی طور پر ایک تھے مگر جیسا کہ آپ اس تعلیم کو خود حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے الفاظ میں سنیں گے، آپ کا دل گواہی دے گا کہ سب تعلیم دینے والوں میں سب سے آگے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ آپ کا انداز بیان بہت ہی دلنشین ہے، آپؐ کی بات تقویٰ کی گہرائی سے اٹھتی ہے اور گہرا دل پر اثر کر جاتی ہے۔

حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا اور یہ ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ فرماتے تھے مومن دوسرے مومن کے لئے مضبوط عمارت کی طرح ہے جس کا ایک حصہ دوسرے کو تقویت دیتا ہے اور مستحکم بناتا ہے۔ آپ نے اس مفہوم کو واضح کرنے کے لئے اپنی انگلیوں کی کنگھی بنائی اور اس طرح اس عمارت کی گرفت کے مضبوط ہونے کی طرف اشارہ فرمایا۔ (یوں کنگھی بنائی اور مضبوط ہاتھوں سے یوں تھام کر بتایا کہ مومن اس طرح ایک دوسرے میں پیوستہ ہوتے ہیں اور اس طرح ان کے اندر باہمی طاقت پیدا ہوتی ہے)۔ پس تمام کامیابیوں کی جڑ یہ اتحاد ہے جس کی طرف حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے زبان سے بھی نصیحت فرمائی اور ہاتھ کے اشارے سے بھی مضمون کو خوب کھول دیا۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ حدیث نمبر:459)

ہر وہ مومن جو ایک دوسرے سے تعلقات میں ایسی مضبوطی رکھتا ہے جیسے ایک ہی انسان کے دو ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پیوست ہو جاتی ہیں وہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے مقاصد کی پیروی کرنے والا ہے۔ جو ایسی طرز اختیار کرتا ہے کہ انگلیاں باہم پیوست ہونے کی بجائے ایک دوسرے کو

کاٹنے لگیں اور ایک دوسرے کے مخالف ہو جائیں اس کا حقیقت میں محمد مصطفی ﷺ سے تعلق کاٹا جاتا ہے۔ پس ہر وہ حرکت جو جماعت کی اجتماعیت کو طاقت بخشے، اجتماعیت کو مضبوط تر کرے، وہی حرکت ہے جو سنت نبوی کے تابع ہے۔ ہر وہ حرکت خواہ وہ قول ہو یا فعل ہو اس مضمون کے مخالف ہو، وہ محمد مصطفی ﷺ کی سنت کے مخالف بات ہے۔ پس اب سے اس بات کو سننے کے بعد اپنی زبانوں پر بھی نگاہ رکھیں، اپنے اعمال اور افعال پر بھی نگاہ رکھیں، اپنے تعلقات کو اس حدیث کے تابع کر دیں تا کہ جماعت احمدیہ متحد ہو کر پھر تمام بنی نوع انسان کو ایک ہاتھ یعنی محمد مصطفی ﷺ کے ہاتھ پر اکٹھا کرنے کی سعی کر سکے۔

ایک اور حدیث مسلم کتاب البر سے لی گئی ہے یہ حضرت نعمان بن بشیرؓ کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ مومنوں کی مثال ایک دوسرے سے محبت کرنے میں، ایک دوسرے پر رحم کرنے اور ایک دوسرے سے مہربانی سے پیش آنے میں ایک جسم کی سی ہے۔ جس کا ایک حصہ اگر بیمار ہو تو اس کی وجہ سے سارا جسم بیقراری اور بے چینی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ (مسلم کتاب البر والصلۃ حدیث نمبر: 4685)۔

بہت ہی پیاری مثال ہے اور ایک ایسی مثال ہے، جسے ہر انسان اپنی ذات کے حوالے سے بہترین رنگ میں سمجھ سکتا ہے۔ ایک انسان کے پاؤں کی انگلی کے کنارے پر بھی درد ہو، ناخن کا آخری حصہ بھی بے چین ہو، تو سارا جسم بے چین ہو جاتا ہے۔ بعض دفعہ ایسے مریض میں نے دیکھے ہیں، جن کے پاؤں کی انگلی کے ایک کونے میں کوئی گہرا زخم ہے، وہاں ٹیس اٹھتی ہے، بعض دفعہ بغیر زخم کے بھی ٹیس اٹھتی ہے اور ساری رات وہ سو نہیں سکتے۔ وہ بے قرار ہو کر آتے ہیں کہ اس بیماری نے ہمیں مصیبت میں ڈال رکھا ہے حالانکہ وہ پاؤں کی انگلی کا ایک کنارہ ہے اور اگر ایسا ناسور ہو جائے کہ اسے کاٹ پھینکنا پڑے تو ساری روح بے چین ہو جاتی ہے اور انسان ہزار کوشش کرتا ہے، لاکھ جتن کرتا ہے کہ کسی طرح کوئی ایسا حکیم، کوئی ایسا ڈاکٹر، کوئی ایسا قابل طبیب میسر آ جائے جو ہماری انگلی کو کاٹنے سے بچالے۔ پس یہ وہ کیفیات ہیں جو ہر انسان جانتا ہے، روزمرہ کے تجربے میں داخل ہے اور اس سے اچھی مثال مسلمانوں کو ایک دوسرے سے ہمدردی کی دی جا ہی نہیں سکتی اس سے اچھی مثال کسی انسان کے تصور میں آ ہی نہیں سکتی۔ زیادہ سے زیادہ لوگ مثالیں دیتے ہیں بچوں کے پیار کی یا دوسرے محبت کے رشتوں کی۔ مگر امر واقعہ یہ ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی مناسب حال مثال

مسلمانوں کی اجتماعی شکل کے اوپر چسپاں ہونے والی نہیں دی جاسکتی۔

اس پہلو سے میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا جماعت احمدیہ عالمگیر پر ایک احسان ہے اور اس احسان میں وہ تمام دنیا کی دوسری جماعتوں سے ممتاز ہے اور وہ لوگ جو فراست رکھتے ہیں ان کے لئے حق کی پہچان کے لئے ایک بڑی دلیل ہے کہ اگر پاکستان میں کسی ایک جگہ بھی کسی احمدی پر ظلم ہوتا ہے تو تمام دنیا کی جماعتوں میں بے چینی پھیل جاتی ہے۔ افریقہ کی ایسی دور دراز جماعتیں جہاں جدید ذرائع کی سہولتیں بھی نہیں پہنچیں نہ سڑکیں ہیں، نہ تار ہے، نہ ٹیلیفون ہے، نہ دیگر آرام ہیں۔ جنگل کی بے آرامی میں وہ لوگ زندگی بسر کرتے ہیں مگر جب ان کو یہ اطلاع ملتی ہے کہ ہمارے بھائیوں میں سے کسی پر کسی ملک میں کہیں ظلم ہوا ہے تو شدید بے چین ہو جاتے ہیں اور پھر ان کی طرف سے مجھے خط آنے لگتے ہیں، مجھ سے ہمدردیاں کرتے ہیں، دعائیں دیتے ہیں۔ کہتے ہیں اللہ کرے کہ جلد جماعت کے ان مظلوموں کی تکلیف دور ہو۔ جب کسی تکلیف کے دور ہونے کی خبر ملتی ہے تو بجلی کی لہروں کی طرح خوشیوں کی ایک برقی رَو سی دوڑ جاتی ہے اور ہر طرف سے ایک مسرت کا احساس ہونے کی اطلاعیں بھی ملنے لگتی ہیں۔

چنانچہ ہمارے اسیرانِ راہِ مولا جب آزاد ہوئے ہیں تو میں نے تو شروع میں اشارۃً ہی ٹیلی ویژن پر اس کا اعلان کیا تھا مگر جماعت احمدیہ کو اللہ تعالیٰ نے فراست عطا فرمائی ہے وہ خاص انداز کو دیکھ کر سمجھ گئے کہ یہی خوشخبری ہوگی کہ جماعت احمدیہ کے پرانے اسیر آزاد ہوئے۔ اس کا دکھ ان کو زیادہ تھا اور یہ ان کا دریافت کر لینا اس پہلی بات پر بھی روشنی ڈال رہا ہے کہ ان کو گہری محبت تھی، گہرا تعلق تھا، اس غم میں مبتلا رہتے تھے۔ جب دیکھا کہ میں نے کہا کہ ایک بہت بڑی خوشخبری میں جماعت کو دینے والا ہوں تو انہوں نے یقین کر لیا کہ یہ وہی خوشخبری ہوگی اور پھر اس پر ایسی مسرت کا اظہار کیا ہے کہ اپنے قریبیوں، عزیزوں، رشتے داروں کی بعض خوشیوں پر بھی اس طرح عالمگیر مسرت کا اظہار نہیں ہوا، نہ ہو سکتا ہے بلکہ چھوٹے گاؤں میں بھی خوشیاں جب پہنچتی ہیں تو اس قدر مسرت نہیں ہوتی۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ ہم نے تو عیدیں منائی ہیں آپ تو کہتے تھے کہ عید کے بعد ایک عید بعد میں آئے گی دو مہینے دس دن کے بعد۔ ہم نے تو یہ عید دیکھ لی اور عید پر عید یہ ہر روز عید بن چکی ہے۔ ایسا نشہ ہے اس خوشی کا کہ بچے بڑے سب اس میں مگن ہیں۔ ایک مستی کا عالم طاری ہے۔

پس یہ ثبوت ہے کہ آج حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی سچی غلام آپ ؐ کی طرف منسوب ہونے کا حق رکھنے

والی جماعت اگر ہے تو وہ عالمگیر جماعت احمدیہ ہے کیونکہ یہ نشانی جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے غلاموں کی اور سچے مومنوں کی بیان فرمائی ہے یہ آج جماعت احمدیہ کے سوا دنیا کی کسی اور جماعت پر اس طرح چسپاں نہیں ہوتی۔

بوسنیا کے مظلوموں کا جیسا غم جماعت احمدیہ نے کیا ہے وہ یہ بتاتا ہے کہ یہ اندرونی تربیت اس پختگی کو پہنچ چکی ہے کہ جماعت کے دائرے سے چھلک کر عام مسلمانان عالم کی ہمدردی میں تبدیل ہو چکی ہے اور یہی وہ رخ ہے جس کی طرف جماعت کو میں بہت کوشش کے ساتھ دن بدن آگے بڑھا رہا ہوں تاکہ یہ چار مقاصد جو مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمائے ہیں، یہ پورے ہوں تو ہم اس بات کے لئے پوری طرح مستعد اور تیار ہو جائیں گے کہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کا فیض آج ہمارے ہاتھوں تمام دنیا میں بانٹا جائے اور تمام دنیا کو ہم ایک امتِ واحدہ میں تبدیل کر دیں، اور یہ ضروری تھا کہ ہم پہلے خود ایک ہو جاتے اور مبارک ہو کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ وہ آثار ظاہر ہو چکے ہیں کہ ہم ایک امت واحدہ بن چکے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ وہ گہری ہمدردی رکھتے ہیں جس کا ذکر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔

ایک اور حدیث ہے جو بخاری کتاب المظالم **باب لا یظلم المسلم المسلم** سے لی گئی ہے۔ حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ تو وہ اس پر ظلم کرتا ہے، نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے۔ یعنی اس کی مدد کے لئے ہمیشہ تیار رہتا ہے۔ جو شخص اپنے بھائی کی ضروریات کا خیال رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت کا خیال رکھتا ہے۔ جو شخص کسی مسلمان کی تکلیف اور بے چینی کو دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی تکلیف اور بے چینی کو دور کرتا ہے۔ جو شخص کسی کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی قیامت کے دن پردہ پوشی فرمائے گا۔ (بخاری کتاب المظالم حدیث نمبر: 2262)

یہ حدیث ترتیب میں پہلی حدیث کے بعد ہی آنی چاہئے تھی اور اس کا ایک طبعی نتیجہ ہے۔ وہ شخص جو خود تکلیف میں مبتلا ہو وہ چین پا ہی نہیں سکتا جب تک اس تکلیف کو دور نہ کرے اور کوئی شخص اپنے وجود کے کسی حصے پر خود ظلم نہیں کر سکتا۔ اس کے لئے بہت مشکل ہے کہ بعض دفعہ ضرورت کے وقت بھی اپنے جسم کو تکلیف پہنچائے۔ اگر کانٹا نکالنا ہو اور اس کے لئے سوئی چبھونی پڑے تو آپ

اندازہ لگا سکتے ہیں اور اکثر ہم میں سے جانتے ہیں کہ انسان کتنی کتنی احتیاطوں سے اس سوئی کی نوک کو زخم کے منہ میں داخل کرتا ہے تا کہ کانٹا اس کی نوک پر آ جائے اور بغیر تکلیف کے وہ باہر نکل آئے اور ذراسی بے احتیاطی ہو تو انسان تڑپ اٹھتا ہے۔ پس مومن کو جب یہ ذاتی تجربہ حاصل ہو گیا اور تمام مسلمانوں کی جماعت کی مثال ایک مومن کی ذات سے دے دی گئی تو اس کا طبعی نتیجہ یہ ہے کہ دوسرے مومن پر انسان ظلم کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ جیسے اپنے بدن کو انسان تکلیف نہیں پہنچا سکتا اسی طرح اپنے بھائی کو اگر وہ تکلیف پہنچائے تو وہ سچا مومن نہیں ہوسکتا۔ وہ اس مثال کی حدوں سے باہر جا پڑے گا جو مثال حضرت محمد مصطفی ﷺ نے مومنوں کی جماعت یعنی اپنے سچے حقیقی غلاموں کی جماعت کے متعلق دی ہے۔ پس یاد رکھیں اول تو یہ توقع ہے، یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کو آپ سے توقع ہے کہ آپ اپنے کسی بھائی کو کسی نوع کا دکھ نہیں پہنچائیں گے۔ ''پہنچائیں گے'' کی نصیحت میں ایک اور بات ہے، آپ کو یہ توقع ہے کہ پہنچا سکتے نہیں ہیں کیونکہ اس معاملے میں آپ بے اختیار ہیں۔ ہر بھائی آپ کے بدن کا جزو بن چکا ہے جو تکلیف آپ اس کو پہنچائیں گے وہ آپ کو محسوس ہوگی اور جو تکلیف مجبوراً پہنچانی پڑے وہ ضرور محسوس ہوتی ہے۔ مثلاً بعض دفعہ انگلی کاٹنی پڑتی ہے اور میں ذاتی تجربے سے اس بات کا گواہ ہوں کہ حضرت محمد مصطفی ﷺ کا یہ قول سو فیصد بعینہ سچا ہے کیونکہ بعض دفعہ جب ایسی کارروائی کرنی پڑے کہ ایک شخص کو اس کے مسلسل ظلم کی وجہ سے جماعت سے کاٹ کر الگ پھینکنا پڑے تو اسی طرح تکلیف پہنچتی ہے جیسے اپنے بدن کے کسی عضو کو کاٹ کر باہر پھینکنا پڑے۔

پس یہ وہ مثال ہے جو آپ کے اوپر کامل طور پر صادق آنی چاہئے اور پہلی توقع یہ ہے کہ آپ اپنے بھائی پر ظلم کر ہی نہیں سکتے کیونکہ وہ تو آپ کا جزو بدن بن چکا ہے۔ دوسری یہ کہ اگر وہ تکلیف میں مبتلا ہو تو اس سے بے نیاز ہو کر آرام نہیں کر سکتے۔ جہاں جو تکلیف آپ کے سامنے آئے اور دور کرنے کے لحاظ سے آپ کی حد میں ہو، آپ کی پہنچ میں ہو، آپ ضرور کوشش کریں اور اس پہلو سے بھی میں بہت مطمئن ہوں۔ اگر چہ بعض ایسے لوگ بھی ہیں جماعت میں جو ظلم کرتے ہیں اور دوسروں کے حق بھی چھینتے ہیں، اگر چہ ایسے لوگ بھی ہیں جو تکلیف دور کرنے کی بجائے تکلیف پہنچانے میں خوشی محسوس کرتے ہیں، ان کے شر سے جماعت محفوظ نہیں رہتی مگر ایسے لوگ وہ ہیں جن کو رفتہ رفتہ تقدیر الٰہی نتھار کر ایک طرف کرتی چلی جارہی ہے اور رفتہ رفتہ وہ ننگے ہو کر جب سامنے آتے ہیں تو وہ آپریشن کرنا پڑتا ہے جس کا میں نے

ذکر کیا ہے۔ مگر اس اپریشن کی دو قسمیں ہیں یہ میں آپ کو اچھی طرح سمجھا دوں۔ ایک قسم یہ ہے کہ اپنا جزو بدن کاٹا جا رہا ہے، ایک قسم یہ ہے کہ غیر آپ کے بدن میں داخل ہے اور اس حد تک غیر اور تکلیف دہ ہے کہ آپ اسے نکال باہر پھینکنے میں راحت محسوس کرتے ہیں، دکھ محسوس نہیں کرتے۔

پس دو قسم کے لوگ ہیں جن کو بالآخر جماعت سے باہر نکالنا پڑتا ہے۔ ایک وہ جو شریر ہیں جو فساد رکھتے ہیں اور فساد کرتے ہیں وہ لوگ جن کا حقیقت میں حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ اور آپؐ کی جماعت یعنی جماعت احمدیہ سے کوئی تعلق نہیں رہتا بلکہ وہ بیرونی شریر ہیں جو جماعت میں گھس کر فتنہ پردازیوں سے کام لیتے ہیں اور محض ایک لبادہ اوڑھ رکھا ہے۔ ایسے لوگوں کو نکالنے کا دکھ نہیں ہوتا بلکہ جماعت جس کو وہ تکلیف پہنچا رہے ہوتے ہیں ان کی راحت کے خیال سے دل کو راحت پہنچتی ہے اس لئے فرضی طور پر ایک بات اس رنگ میں نہیں کہنی چاہئے کہ گویا بہت اچھی بات کہی جا رہی ہے خواہ حقیقت سے اس کا تعلق نہ ہو۔ پس میں ہمیشہ کوشش کرتا ہوں کہ بات کرتے وقت احتیاط کی جائے کہ حقیقت کے دائرے سے وہ بات باہر نہ نکلے۔ پس ہر آپریشن کا دکھ نہیں پہنچتا۔ بعض جراحی کے عمل ایسے ہیں جن سے حقیقۃً راحت محسوس ہوتی ہے اور اس راحت کو محسوس کرنے میں مجھے کبھی کوئی شرم محسوس نہیں ہوئی کیونکہ میں جانتا ہوں کہ یہ فتنہ پرداز اس جرم کی حد کو پہنچ چکا ہے کہ جس کے بعد یہ ہمارا جزو بدن نہیں رہا بلکہ غیر ہے جو اندر داخل ہو کر ان کو جو جزو بدن ہیں تکلیف پہنچا رہا ہے۔ پس جب ایک شیشے کا ٹکڑا پاؤں میں سے کھینچ کر باہر نکالا جائے، جبکہ ایک کانٹا نکالا جائے، جب کوئی دبی، چھپی ہوئی گولی اندر سے نکال کر باہر کی جائے تو کبھی تکلیف نہیں پہنچتی۔ یہ جھوٹ ہوگا اگر آپ یہ کہیں کہ ہمارے بدن سے ایک چیز نکلی اور ہمیں بڑا دکھ پہنچا۔ راحت محسوس ہوتی ہے کیونکہ اس سارے ماؤف حصے کو چین آ جاتا ہے جہاں اس بیرونی چیز نے ایک مصیبت بپا کر رکھی تھی۔ دکھ ان کا ہوتا ہے جو بعض دفعہ غلطیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ بنیادی طور پر وہ جماعت احمدیہ کا ہی جزو رہتے ہیں۔ جماعت سے نکالنا ان کو بے قرار کر دیتا ہے، ان کی زندگیاں ان پر اجیرن ہو جاتی ہیں وہ جزو بدن ہی ہیں۔ لیکن بعض مجبوریوں کے پیش نظر بعض ایسی غلطیوں کے پیشِ نظر جن کو نظام جماعت نظر انداز نہیں کر سکتا کیونکہ وہ انصاف کے تقاضوں کے خلاف ہوتا ہے، انہیں جب نکالنا پڑتا ہے یا انہیں جب سزا دینی پڑتی ہے تو حقیقۃً ایسی ہی تکلیف محسوس ہوتی ہے جیسے اپنے کسی بدن کے حصے کو انسان سزا دینے پر مجبور ہو جائے۔

پھر آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ اس پر ظلم نہیں کرتا اور اسے بے یارو مددگار نہیں چھوڑتا۔ تکلیف دور کرنا ایک الگ بات ہے۔ بے یارو مددگار نہ چھوڑنا ایک اور بات ہے۔ یعنی کئی لوگ آپ کو اپنی سوسائٹی میں ایسے دکھائی دیں گے جن کے پاس کوئی کام نہیں ہے، جو کئی قسم کی روزمرہ کی زندگی کی بقا کی جدوجہد میں تکلیفیں اٹھا رہے ہیں اور بظاہر وہ آپ سے الگ ہیں۔ لیکن اگر ساری جماعت کو ان کی تکلیف کا احساس نہ ہو اور اپنے بے یارو مددگار بھائیوں کی مدد کے لئے ذہن بے چین نہ ہو اور بے قرار نہ ہو تو پھر اس حدیث کا پورا اطلاق ان پر نہیں ہوگا۔ مسلمانوں کا حصہ تو ہیں کیونکہ وہ دکھ نہیں پہنچاتے اور واضح کھلا کھلا دکھ اگر کسی کو پہنچ جائے تو مدد بھی کرتے ہیں، ایکسیڈنٹ ہو جائے یا اور بیماری کی تکلیف ہو تو کوشش کرتے ہیں کہ وہ دور کی جائے لیکن میں اس سے اگلے مقام کی بات کر رہا ہوں جس کی طرف حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے اشارہ فرمایا ہے، وہ یہ ہے کہ تم میں سے بہت سے ایسے ہیں جن کا کوئی ناصر، کوئی معین، کوئی مددگار نہیں ہے۔ وہ اکیلے اپنی زندگی کی جدوجہد میں مخالف طاقتوں سے لڑ رہے ہیں اور مدد چاہتے ہیں۔ مگر ہوسکتا ہے ان کی غیرت کا تقاضا ہو وہ آپ کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائیں۔ تلاش کریں ایسے لوگوں کو، نظر رکھیں ان پر اور جو خدا تعالیٰ نے آپ کو صلاحیتیں بخشی ہیں، ان صلاحیتوں سے ان کو بھی حصہ دیں۔ اگر ایک شخص ہے جو تجارت کرنا نہیں جانتا اور آپ میں سے ایسا ہے جو تجارت کے فن سے اللہ تعالیٰ کے فضل سے مالا مال کیا گیا ہے، خوب اچھی طرح اسے تجارت کے داؤ پیچ آتے ہیں اور وہ اللہ کے فضل سے ان سے بہترین استفادہ کر رہا ہے تو اس کا اس حدیث کی رو سے یہ فرض ہوگا کہ وہ نظر دوڑائے، ایسے لوگ جو ان باتوں سے ناآشنا ہیں اور ضرورت مند ہیں، نہ ان کو نوکریاں مل رہی ہیں، نہ کوئی اور کام میسر ہیں، ان کو اپنے ساتھ لگائیں، پیار کے ساتھ رفتہ رفتہ ان کو سنبھالیں اور اپنے پاؤں پر کھڑا کریں۔

یہ جو نصیحت ہے اس ضمن میں ایک احتیاط کی بھی ضرورت ہے اور ضروری ہے کہ آپ کو جس راہ پر چلایا جائے اس کے گڑھوں سے بھی واقف کیا جائے۔ اس راہ پر چلتے ہوئے جو چور اُچکے ان راہوں پر ڈاکے ڈالتے ہیں ان سے بھی واقفیت کرائی جائے ورنہ آپ آنکھیں بند کر کے یہ قدم اٹھائیں تو نقصان کا بھی خطرہ ہے۔ بعض لوگ اپنی بعض بدعادتوں کی وجہ سے اس حالت کو پہنچتے ہیں کہ ان کی مدد کرنا بھی نقصان کا سودا ہے اور ان کو اگر آپ اپنی تجارت میں شامل کریں گے تو ہرگز بعید

نہیں کہ آپ کو شدید نقصان پہنچادیں۔بعض لوگوں کو آرام سے زندگی بسر کرنے کی عادت ہو چکی ہوتی ہے۔قرض لے کر وہ بے تکلفی سے کھاتے ہیں اور ان کو احساس نہیں ہوتا کہ جس بھائی سے قرض لیا ہے اس کی بھی ضرورتیں ہیں۔بعض تو بے حد مجبور ہیں، معمولی ضرورت کا قرض لیتے ہیں اور بے اختیار ہیں کہ واپس نہیں کر سکتے۔ایسے بھائیوں کا فرض ہے جنہوں نے ان کو قرض دیا ہو کہ حتی المقدور ان سے نرمی کریں اور کوشش کریں کہ وہ خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر ان کے بوجھ اتار سکیں، ان کے قرض اتار سکیں۔لیکن اگر نہیں، تو معاف کرنے کا بھی سوچیں۔لیکن یہ اور طبقہ ہے۔ایک ایسا طبقہ ہے جس کا ہاتھ قرض میں کھلا ہوتا ہے اس کی روزمرہ کی زندگی کی ضرورت جس قناعت کے طریق سے پوری ہو سکتی ہے وہ نہیں پورا کرتے۔وہ ایسا کھلا ہاتھ رکھتے ہیں جس کا خدا تعالیٰ نے ان کو حق نہیں دیا ہوا۔ان کی معاشی حالت کا تقاضا ہوتا ہے کہ وہ ہاتھ روک کر، تنگی ترشی کے ساتھ گزارہ کریں، اپنے بچوں کا خیال رکھیں، اپنے مستقبل بنانے کی کوشش کریں۔اس کی بجائے وہ کھلے ہاتھ خرچ کر کے یوں لگتا ہے جیسے بہت امیر کبیر لوگ ہیں ایسے لوگ تجارت کے لائق نہیں ہوتے۔ایسے لوگوں کی جب تک اصلاح نہ کی جائے اس وقت تک اگر ان کو تجارتوں میں آپ شامل کریں گے تو یہ آپ کو بھی نقصان پہنچائیں گے اور اپنے آپ کو بھی مزید نقصان پہنچائیں گے اس لئے جو کھلے دل کے تاجر ہیں ان کو یہ احتیاط لازم ہے کہ اگر کسی بھائی کی مدد کریں تو اس کی اخلاقی قدروں پر نظر ڈالیں۔اس کی صلاحیتوں پر نظر ڈالیں اور اس ضمن میں قرآن کریم کا ایک راہنما اصول ہمارے سامنے رہنا چاہئے۔قرآن کریم نے جہاں یتامیٰ کی خبر گیری کی تعلیم دی ہے وہاں یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر ایسے یتامیٰ ہوں جن کا مال بحیثیت قوم کے تمہارے سپرد ہو یعنی ان کے ماں باپ فوت ہو چکے ہیں، وہ چھوٹی عمر کے ہیں اور ان کے اموال ہیں جو قوم کے قبضے میں ہیں یعنی قوم کی طرف سے جو بھی نگران مقرر کئے گئے ہیں ان کے قبضے میں ہیں فرمایا وہ مال ان کو اس وقت تک نہیں لوٹانا جب تک ان میں رشد کے آثار نہ دیکھو، جب تک انہیں یہ سلیقہ نہ آجائے کہ خود اپنے مال کی کیسے حفاظت کی جاتی ہے۔بہت ہی عظیم الشان گہرا اقتصادی بقا کا اصول ہے جو قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے۔مراد یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ مال ان کا ہے وہ کہہ سکتے ہیں تم کون ہوتے ہو ہمارے مال پر تسلط سے ہمیں روکنے والے۔فرمایا کہ تم ان کو کہہ سکتے ہو کہ ہم تو کچھ نہیں لیکن ہمارا خدا تمہیں اس تصرف سے اس لئے روکتا ہے کہ تم اس بات کے اہل

نہیں ہو۔اس لئے قوم کو یہ حق دے دیا ہے کہ اپنے بے وقوفوں کے مال پر، ان کے اپنے مال پر بھی ان کو تصرف نہ کرنے دو جب تک رشد کے یعنی عقل اور فہم کے آثار ان میں نہ دیکھو۔ جب تک تربیت کر کے ان کو اس لائق نہ بنا دو کہ وہ خود اپنے مال کی حفاظت کرسکیں۔ پس اگر وہاں یہ اصول ہے تو جہاں آپ اپنا مال دوسروں کے رحم وکرم پر چھوڑنے کا ارادہ رکھتے ہوں، خواہ وہ نیک نیتی سے رکھتے ہوں، وہاں یہ احتیاطیں بدرجہ اولیٰ لازم ہیں اگر ان احتیاطوں میں آپ نے پورے انہماک سے کام نہ لیا تو ایسے لوگ پھر نقصان بھی پہنچا دیں گے اور پھر اکثر ایسے لوگ ناشکرے بھی رہتے ہیں۔ آپ ان کی مدد کریں گے، آپ ان کے سپرد کام کریں گے، کچھ پیسے کھا جائیں گے، کچھ تجارت کے مال کا نقصان پہنچا جائیں گے اور بعد میں باتیں بنائیں گے کہ ہمارا اس نے کھالیا ہے۔ ہم نے اس کی خاطر اتنی محنت کی، ہم نے اس کے لئے ایسے ایسے ٹھیکے حاصل کئے اور آخر پر نتیجہ نکلا یہ کہ ہمیں دھکے دے کر باہر نکال دیا۔ عمر بھر کی بدنامی آپ کے ساتھ لگی رہے گی۔ یہ تو درست ہے کہ اگر خدا کی خاطر آپ ایسا کریں گے، گرے پڑوں کو سہارا دینے کے لئے ایسا کریں گے تو آخرت کا اجر تو آپ کا یقینی ہے لیکن مومن کو تو فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً کی دعا کی تعلیم دی گئی ہے۔ یہ سکھایا گیا ہے کہ محض ایسے کام نہ کرو کہ آخرت میں جن کا اجر دیکھو، ایسے کام کرو اور ایسے نیک پھلوں کی دعائیں کرو کہ اس دنیا میں بھی تمہیں حاصل ہوں اور تمہارے لئے فائدہ مند ہوں اور آخرت میں تو بہر حال اس سے بہت زیادہ فوائد تمہارے انتظار میں، تمہاری امانت رکھیں گے۔ وہ کام گویا آپ کے نیک اجر کے امین بن جاتے ہیں۔

تو ان معنوں میں میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے میں سے گرے پڑے ایسے لوگوں کی بحالی کے لئے کوشاں ہوں جو کسی بدعادت کی وجہ سے نہیں بلکہ بعض ایسی مجبوریوں یا حادثات کے نتیجے میں ایک حال کو پہنچ گئے ہیں۔ محض کچھ کچھ پیسے دے کر ان کو زندہ رکھنا ان کی عزت نفس کے خلاف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک آپ ان کو خود اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں کر لیتے وہ سوسائٹی کا ایک معزز جزو نہیں بن سکتے۔ آپ کے نزدیک معزز ہو بھی جائیں تو ان کا اپنا ضمیر ان کو ہمیشہ ملامت کرتا رہے گا۔ اس لئے ان کے وقار اور ان کی عزت نفس کی حفاظت کی خاطر کوشش کریں کہ وہ کسی رنگ میں اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں لیکن اس رنگ میں کوشش نہ کریں کہ خود تو کھڑے نہ ہو سکیں، آپ کو بھی لے ڈوبیں اور آپ کو بھی اس حال کو پہنچا دیں جس حال کو وہ بدنصیب آپ پہنچے ہوئے ہیں۔ پس ان تمام

باتوں کو پیشِ نظر رکھ کر جس حد تک ممکن ہے حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی اس نصیحت پر عمل کرنے کی کوشش کریں کہ آپ اپنے بے یارو مددگار بھائی کو بے یارو مددگار نہ چھوڑیں۔

پھر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''جو شخص اپنے بھائی کی ضروریات کا خیال رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت کا خیال رکھتا ہے۔'' اور یہ بھی ایک ایسا ارشاد ہے جو سو فیصدی قطعیت کے ساتھ تجربے میں درست دکھائی دیتا ہے۔ اگر کوئی شخص محض اپنی ضروریات کی تکلیف میں مبتلا رہتا ہے اور ہر وقت اس کے ذہن پر یہ دباؤ ہے کہ میری فلاں ضرورت پوری نہیں ہوئی، فلاں ضرورت پوری نہیں ہوئی، وہ خود بھی دعائیں کرتا ہے نیک ہونے کی وجہ سے، اور بسا اوقات مجھے بھی دعاؤں کے لئے لکھتا ہے، اور اس کی تمام شخصیت کھل کر میری آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے کیونکہ اس کا فکر اس کا ہم وغم صرف اپنی ذات کے لئے ہے۔ ایک اور قسم کا احمدی بھی ہے جو اپنے لئے بھی دعا کے لئے لکھتا ہے، اپنے بعض دوسرے مجبور بھائیوں کے لئے بھی دعا کے لئے لکھتا ہے اور فکر کرتا ہے کہ اس کو یہ تکلیف ہے، اس کو یہ تکلیف ہے اس کے لئے بھی دعا کریں، اس کے لئے بھی دعا کریں۔ اس کی شخصیت بھی کھل کر میرے سامنے آجاتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی غلامی کے دائرے میں شمار ہونے کے زیادہ لائق ہے کیونکہ وہ دوسروں کی فکر میں رہتا ہے اور بعض ایسے ہیں جو پھر اس فکر کو بھی بڑھا کر دین کی فکر کو اتنا اپنے اوپر غالب کر لیتے ہیں کہ بعض دفعہ ان کے خطوں میں کسی اپنی ذاتی، کسی دوست کی ضرورت کا بھی کوئی ذکر نہیں ملتا۔ ہر وقت یہ فکر ہے کہ دین کی یہ ضرورت پوری ہو، دین کی وہ ضرورت پوری ہو، جماعت کی تربیت میں کمزوری ہے، اللہ تعالیٰ توفیق بخشے کہ ہم اس کمزوری کو دور کر سکیں۔ تبلیغ میں یہ کمزوری ہے اور دیگر مسائل جماعت کے یہ ہیں پس ایسے لوگوں کے خط ان مشکلات کے ذکر سے بھر پور ہوتے ہیں جو ان کی ذات سے تعلق نہیں رکھتیں۔ ایسے لوگ کیا گھاٹا کھانے والے ہیں؟ کیا ان کا سودا نقصان کا سودا ہے؟ جن کو اپنی ہوش نہیں باقی ہر چیز کی گویا ہوش ہے۔ اپنے بھائیوں کی ہے، دین کے کاموں کی ہے، دین پر پڑنے والی مصیبتوں کی ہے، گویا اپنی ذات پر، اپنے عزیزوں پر مصیبت ہی کوئی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگ گھاٹا کھانے والے نہیں ہیں کیونکہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی مسلمان کی تکلیف اور بے چینی دور کرتا ہے بلکہ جو شخص اپنے بھائی کی ضروریات کا خیال رکھتا ہے یہاں سے بات شروع فرمائی ہے،

اس کی ضرورت کا خیال رکھتا ہے، جو شخص اپنے بھائی کی تکلیف اور بے چینی کو دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی تکلیف اور بے چینی کو دور کرتا ہے۔ تو یہ امرِ واقعہ ہے اور میں اپنے ذاتی وسیع تجربے سے آپ کو بتا تا ہوں یعنی جماعت احمدیہ کے ساتھ جو میرا وسیع تعلق ہے اور ساری دنیا کے جماعت کے حالات پر کسی نہ کسی رنگ میں نظر رکھتا ہوں کہ ایسے لوگ جو اپنے بھائی کی ضرورت میں مگن رہتے ہیں، ان کا خیال رکھتے ہیں، جو جماعتی ضروریات کی خاطر اپنی ضروریات کو بھلا بیٹھتے ہیں اللہ تعالیٰ کبھی ان کو بھلا تا نہیں۔ ان کی سب ضروریات کا خود خیال رکھتا ہے اور بسا اوقات دعا کے لئے ہاتھ اٹھنے سے پہلے وہ ان کی ضروریات کو دعا سمجھ کر قبول فرمالیتا ہے اور ان کی ضروریات کو پورا کر دیتا ہے۔

پس بہت ہی محفوظ زندگی ہے ایسے مومن کی جس کا نقشہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے اس نصیحت میں کھینچا ہے اس سے بہتر اور کیا تصور ہوسکتا ہے کہ آپ خدا کے بندوں کی ضرورتوں میں مگن رہیں۔ آپ کی طاقت تو کم ہے آپ تو وہ سب ضرورتیں پوری نہیں کر سکتے لیکن آپ کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے آپ کی پشت پر وہ دنیا کا خالق و مالک کھڑا ہو جائے جس کی طاقت میں ہر چیز ہے اس سے اچھا بھی کوئی سودا ہوسکتا ہے؟ کتنا عمدہ، کیسا پیارا، کیسا نفع بخش سودا ہے کہ اپنی ادنیٰ طاقتوں کو آپ نے خدا کے بندوں کے لئے وقف کر دیا یا خدا کی جماعت کی ضروریات کے لئے وقف کر دیا اور اس کی طاقتیں حاصل کر لیں جو تمام طاقتوں کا سرچشمہ ہے۔ پس بہت ہی عظیم الشان نصیحت ہے یہ۔ اس پر کان دھریں اور اس سے فائدہ اٹھائیں کیونکہ یہ سو فیصدی سچی بات ہے آپ کی ساری تکلیفوں کے حل ہونے کا راز اس میں پوشیدہ ہے۔ فرماتے ہیں جو شخص کسی مسلمان کی تکلیف اور بے چینی کو دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی تکلیف اور بے چینی کو دور کر دیتا ہے۔ جو شخص کسی کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی قیامت کے دن پردہ پوشی کرے گا۔

پردہ پوشی کا مضمون بھی اسی طرح بدن سے تعلق رکھتا ہے جیسا کہ باقی سب امور جو میں نے بیان کئے ہیں ایک بدن کی مثال سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک انسان جب دیکھتا ہے کہ کسی جگہ سے وہ بے پردہ ہو رہا ہے تو فوراً بے اختیار اس کا ہاتھ اپنی اس قمیص کی طرف یا اس کپڑے کی طرف جائے گا جو ننگے بدن کو ڈھانپ لے اور بعض دفعہ بجلی کی سرعت سے، بغیر سوچے سمجھے، از خود ہاتھ حرکت کرتا ہے۔ احساس ہو سہی کہ کہیں سے میں ننگا ہو رہا ہوں اور اپنے جرموں پر بھی اور اپنی کمزوریوں پر بھی پردہ ڈالنے

کے لئے تو انسان اتنی اتنی کوششیں کرتا ہے کہ بعض دفعہ وہ کوششیں دھوکہ دہی تک پہنچ جاتی ہیں۔شرم سے اپنی کمزوریوں کو دور کرنا اوران پر پردہ ڈالنا اور بات ہے لیکن دھوکہ وہی کی خاطر، جونہیں ہے، وہ دکھانا وہ اور چیز ہے۔تو پردہ پوشی بعض دفعہ بے احتیاطی کے ساتھ کی جائے اور انسان کا ضمیر عموماً اس معاملے میں انسان کو بے احتیاطی پر مجبور کر ہی دیتا ہے،تو وہ دکھاوے پر منتج ہو جاتی ہے، وہ منافقت پر منتج ہو جاتی ہے، اتنا گہرا مادہ انسان کے اندر اپنے ننگ اور عیوب کو ڈھانپنے کا فطرةً ودیعت کیا گیا ہے۔

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ جب میں نے تمہیں ایک بدن قرار دے دیا، جب تم سے مجھے یہ توقعات ہیں کہ ایک جسم کی طرح اپنے تمام بھائیوں سے سلوک کرو گے جس طرح ایک جسم کے ہر عضو سے تمہاری روح، تمہارا دماغ، تمہارا شعور سلوک کرتا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ بھی ہے کہ جس طرح اپنی پردہ پوشی کرتے ہو غیر کی بھی پردہ پوشی کرو اور پردہ پوشی کے مضمون میں اس دنیا کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ قیامت کا ذکر فرمایا ہے۔ضرورتیں پوری کرنے کے مضمون کا جہاں تک تعلق ہے وہاں یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری ضرورتیں پوری کر دے گا۔ پردہ پوشی کے تعلق میں اس دنیا کا ذکر ہی کوئی نہیں قیامت تک بات پہنچادی۔ یہ اس بات کی گہری اور قطعی دلیل ہے کہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ اللہ کے نور سے کلام کرتے تھے اور یہ حدیث یقیناً سچی حدیث ہے کیونکہ ایک عام باتیں کرنے والا انسان، عام نصیحت کرنے والا انسان ازخود اس موقع پر یہی کہے گا کہ تم کسی کی پردہ پوشی کرو خدا تمہاری یہاں پردہ پوشی کرے گا۔اچانک اس بات کو اٹھا کر قیامت تک پہنچا دینا اس میں ایک گہری حکمت ہے۔ باقی تمام ضرورتوں کا تعلق دنیا سے ہے اور قیامت کی پردہ پوشی کا مطلب یہ ہے کہ اس دنیا کی پردہ پوشی اس میں شامل ہے لیکن بہت سے ایسے ہیں جن کے عیوب اس دنیا میں ننگے نہیں ہوں گے مگر قیامت کے دن ضرور ننگے کئے جائیں گے۔پس آخری پردہ پوشی وہی ہے جو قیامت کے دن ہوگی اور قیامت کے ذکر میں دنیا کی پردہ پوشی کو حضرت اکرم ﷺ نے بھلا نہیں دیا، نظر انداز نہیں فرمایا بلکہ فرمایا ہے کہ وہ دن جب کہ دنیا میں سب ڈھکے ہوئے پردے اگر خدا چاہئے گا تو اتار دیئے جائیں گے اور ہر ڈھکے ہوئے بدن کو ننگا بدن دکھایا جائے گا اس دن تمہاری بھائی کی پردہ پوشی تمہارے کام آئے گی اور خدا تعالیٰ کی طرف سے تمہارے عیوب کا پردہ بن کر تمہاری کمزوریوں کے سامنے آ کھڑی ہوگی۔اگر وہاں پردہ پوشی ہے تو اس دنیا میں لازماً ہے یہ اس کے اندر شامل بات ہے کیونکہ وہ دنیا جس نے یہاں کسی کا ننگ دیکھ لیا،

قیامت کے دن دوبارہ دیکھے نہ دیکھے، باخبر تو ہوگی مگر وہ پردہ پوشی اس مضمون کا انتہائی مقام ہے۔ تم نہ یہاں ننگے کئے جاؤ گے۔ نہ وہاں ننگے کئے جاؤ گے۔ اتنی عظیم الشان خوشخبری ہے اور سب سے زیادہ دنیا اس بات سے غافل ہے۔ اپنے بھائی کے عیوب کو تلاش کرنا جس کے خلاف قرآن کریم کی واضح نصیحت موجود ہے، ہدایت ہے وَّ لَا تَجَسَّسُوْا ہرگز تجسس اختیار کر کے اپنے بھائیوں کی کمزوریاں نہ پکڑا کرو اس سے کلیۃً غافل بلکہ آگے بڑھ کر کمزوریاں تلاش کرتے، ان کے متعلق باتیں کرتے، سوسائٹی میں وہ خبریں پھیلاتے اور خاص طور پر عورتوں میں یہ بیماری ہے اور مردوں میں بھی ہے۔

حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے پردہ پوشی کے مضمون کو تو درجہ کمال تک پہنچا دیا ہے۔ جب میں نے یہ ذکر کیا کہ باقی انبیاءؑ کی نصیحتیں دیکھ لیں اور مقابلہ کر کے دیکھیں تو بعض غیر مذاہب والے جب بات کو سنتے ہیں یا سنیں گے تو وہ سمجھتے ہوں گے کہ شاید اپنے نبی کی تعریفیں تو ہر ایک کرتا ہی ہے۔ مگر جب میں مضمون بیان کر رہا ہوں اس پر دیانتداری سے غور تو کر کے دیکھیں کوئی ایسی مثال تو نکال کے دکھائیں کہ کسی دنیا کے نبیؑ نے پردہ پوشی کے مضمون کو اس شان سے بیان کیا ہو اور اس تفصیل سے بیان کیا ہو اور اس گہری حکمت اور فراست سے بیان کیا ہو۔ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ پر جو تعلیم اتری ہے اس نے اس کے سارے پہلوؤں کو ڈھانپ لیا ہے۔ لَا تَجَسَّسُوْا فرمایا کہ ذکر کرنا تو بعد کی بات ہے، نظر ہی نہ ڈالو، تلاش ہی نہ کرو۔ تمہارے سامنے اگر کسی کی کمزوری آ جاتی ہے تو اس سے بھی آنکھیں بند کرنے کی کوشش کرو۔ بعض معاملات میں اس کی اجازت نہیں ہے اس کا ذکر بھی ضروری ہے لیکن وہ میں بعد میں کروں گا۔ عام طور پر جو بھائیوں کی کمزوریاں ہیں ان کے متعلق یہ تعلیم ہے اور اس ضمن میں حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے تعلیم کو اس حد تک آگے بڑھا دیا ہے کہ وہ زمانہ جبکہ خط و کتابت کا رواج ہی نہیں تھا، شاذ کے طور پر لوگ خط لکھا کرتے تھے، اس وقت یہ تعلیم دی کہ کسی کا خط نہ پڑھو۔ حالانکہ یہ مضمون آج کے زمانے سے تعلق رکھتا ہے اور آج بھی بہت بے وقوف اور متجسّس لوگ ایسے ہیں جو چوری ایک دوسرے کے خط پڑھتے، پھر ان کو احتیاط سے کھولتے اور اسی طرح بند کرتے ہیں اور بتاتے ہیں گویا ہمیں پتہ نہیں لگا اور گھر میں بہو بیٹیوں کے ساتھ یہ سلوک کرتے ہیں۔ بعض لوگ گھر میں کسی کی بیٹی آ جائے تو یہ دیکھنے کے لئے کہ اپنے ماں باپ کو کیا لکھتی ہے یا اس کے ماں باپ اس کو کیا لکھتے ہیں وہ اس کے خطوں کو اس طرح خفیہ خفیہ کھولتے اور اس کے ارادوں کو

معلوم کرتے ہیں حالانکہ یہ شدید گناہ ہے۔ایسی بات ہے جیسے جہنم کی آگ اپنی آنکھوں کے لئے مانگی جائے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے بڑی تنبیہ کے ساتھ اس بات سے منع فرمایا ہے۔

آج کل ایک ایسی چیز بھی ایجاد ہو چکی ہے جو اس زمانے میں نہیں تھی مگر خط کا مضمون اس پر بھی حاوی ہے اور وہ ٹیلیفون ہے۔بعض لوگ بڑی عمر کو پہنچ جاتے ہیں لیکن ایسے بیوقوف اور بیمار ہوتے ہیں کہ ان کو مزہ ہی اس بات میں آتا ہے، یہی چسکا بنایا ہوا ہے زندگی کا، کہ گھر میں بیٹھے لوگوں کے فون سن رہے ہیں اور یورپ میں تو ایسے لوگ ہیں جن کا پیشہ ہی یہ بن چکا ہے کہ بعض آلات کے ذریعہ وہ لوگوں کے ٹیلیفون سنتے ہیں۔چنانچہ انگلستان میں ایک مشہور واقعہ ہوا جس کے ساتھ سارے ملک میں بڑی دیر تک شور پڑا رہا کہ ایک شہزادی کے ٹیلی فون کو ایک ظالم آدمی نے اسی طرح بعض خاص آلات کے ذریعے سننا شروع کیا، اس کی ریکارڈ نگ کی، اس ریکارڈ نگ کو اخبارات کے سامنے بیچا اور اس بے چاری کی اس طرح اس کی بدی اور فطری کمزوری کی تشہیر کی اور انہوں نے ٹیلیفون کال کی بڑی قیمت مقرر کر دی کہ یہ پیسے دو گے تو پھر تمہیں ہمارا وہ ٹیلیفون نمبر ملے گا جہاں تم کچھ دیر کے لئے وہ ریکارڈ نگ سن سکو گے جو اس شہزادی نے اپنے طور پر کسی سے کی تھی اور پتا لگا کہ اتنا زیادہ کالوں کا رجحان تھا کہ وہ فون بار بار ''ڈراپ'' کر جاتا تھا اور بڑی بڑی رقمیں خرچ کر کے، لوگ چسکے لینے کے لئے، اس پرائیویٹ گفتگو کو سنتے تھے۔تو دیکھیں حضرت محمد مصطفی ﷺ نے انسان کے ذاتی امور کی حرمت کو کس شان سے بیان فرمایا ہے۔کیسی پاکیزہ سوسائٹی کو جنم دیا ہے جس کا تصور آج چودہ سو سال بعد بھی، ایسے ملک میں بھی موجود نہیں جو اپنے آپ کو ''سویلائزیشن'' کے بلند ترین مقام پر بیان کرتا ہے۔وہ سمجھتا ہے کہ ڈیموکریسی اور انسان کے ذاتی حقوق کے جیسے ہم علم بردار ہیں ایسے دنیا میں اور کوئی نہیں اور امرِ واقعہ بھی یہ ہے کہ دنیا کی نسبتوں سے جیسا انگلستان کو Democracy کے اوپر فخر کا حق ہے ویسا دنیا میں اور کسی قوم کو نہیں ہو سکتا۔لیکن اس کے باوجود نفسی آزادی اور نفسی حق کی حفاظت کا وہ تصور وہاں نہیں ملتا جو چودہ سو سال پہلے حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے ہمارے سامنے پیش فرمایا اور اس میں جیسا کہ میں نے خط کے تعلق سے بیان کیا ہے ٹیلیفون کال، الگ بیٹھ کر باتیں کرنا یہ ساری چیزیں شامل ہو جاتی ہیں۔ہر تجسس سے آپ کو روکا گیا ہے اور ساتھ یہ نصیحت فرمائی گئی ہے کہ اگر سن لو تو پھر اپنے تک رکھو پھر پردہ دری نہ کرنا۔جہاں یہ خوشخبری دی ہے کہ اگر تم پردہ پوشی کرو

گے تو اللہ قیامت کے دن تمہاری پردہ پوشی فرمائے گا وہاں اس میں یہ تنبیہ بھی شامل ہے کہ اگر پردہ دری کرو گے تو قیامت کے دن تمہاری پردہ پوشی کی کوئی ضمانت نہیں ہے اور جس کی قیامت کے دن پردہ دری ہوگی اس کی دنیا میں بھی پردہ دری ہوتی ہے۔

پس اس بہت ہی پاک اور گہری نصیحت کو اپنے معاشرے کی اصلاح کے لئے غیر معمولی اہمیت دیتے ہوئے اختیار کریں اگر آپ ان چند نصیحتوں کو اختیار کریں جن کا میں نے ذکر کیا ہے اور ایسی بہت سی ہیں جن کا بعد میں انشاء اللہ اس خطبات کے سلسلے میں ذکر آتا رہے گا تو آپ اپنے معاشرے کو جنت نشاں معاشرہ بنا سکتے ہیں۔ اپنی طبیعت کے تجسّسات پر نفرت کی نگاہ ڈالیں۔ ان کو چھوڑ دیں، یہ کمینی لذتیں ہیں، ان سے کوئی فائدہ نہیں، ان سے گھروں کے امن اٹھ جاتے ہیں، ایک بھائی کو اپنے بھائی پر اعتماد باقی نہیں رہتا، ایک بہو کو اپنے خسر یا اپنی ساس پر اعتماد نہیں رہتا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ سارے میری جستجو میں ہیں، اس طرف لگے ہوئے ہیں کہ کسی طرح میری کوئی مخفی بات کسی کے علم میں آ جائے۔ چنانچہ یہ ہوتا ہے اور اس حد تک ہوتا ہے کہ بعد میں جب مقدمات چلتے ہیں تو بعض دفعہ مجھے لکھا جاتا ہے کہ ہم نے خود اس بہو کا خط پکڑا ہوا ہے اس میں یہ بات لکھی ہوئی تھی اب بتائیں ہمارا رویہ درست ہے کہ نہیں۔ ان کو میں کہتا ہوں تمہارا رویہ، تم جو کچھ کہو ایک شیطانی رویہ تھا۔ تمہیں کوئی حق نہیں تھا کہ اپنی بہو کے ایسے خط کو پڑھو اور کوئی حق نہیں ہے کہ اب اسے عدالتوں میں یا میرے سامنے پیش کرو۔

پس حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نصیحتوں کو غیر معمولی اہمیت دیں آپ کی چھوٹی چھوٹی نصیحتوں میں بھی قیامت تک کے لئے بنی نوع انسان کی امن کی ضمانتیں دی گئی ہیں اس ضمانت کے نیچے آ جائیں، اسی کا سایہ ہے جو امن بخشے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

خطبہ ثانیہ کے بعد حضور نے فرمایا:

''جو دوست باہر سے آئے ہوئے ہیں ان کو ان کے ساتھی یہ سمجھا دیں کہ ہم نمازیں جمع کریں گے اور عصر کی نماز دوگانہ ہوگی۔ جو مسافر ہیں جو آج کے اجلاس میں شرکت کے لئے دوسرے شہروں سے آئے ہیں وہ میرے ساتھ ہی دوگانہ رکعتوں کے بعد سلام پھیریں گے جو مقامی دوست ہیں وہ بغیر سلام پھیرے کھڑے ہو کر اپنی روزمرہ کی عصر کی چار رکعتیں پوری کریں گے۔''

جماعت کی زندگی خلافت اور شوریٰ میں ہے۔
مجلس شوریٰ جماعت کے باہمی تعامل کا نام ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 15 /اپریل 1994ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیات کریمہ تلاوت کیں۔

وَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ‌ؕ لَوۡ اَنۡفَقۡتَ مَا فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا مَّاۤ اَلَّفۡتَ
بَيۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيۡنَهُمۡ‌ؕ اِنَّهٗ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ۝٦٤

(الانفال:64)

فَبِمَا رَحۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنۡتَ لَهُمۡ‌ۚ وَلَوۡ كُنۡتَ فَظًّا غَلِيۡظَ
الۡقَلۡبِ لَانۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِكَ‌ ۖ فَاعۡفُ عَنۡهُمۡ وَاسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ
وَشَاوِرۡهُمۡ فِى الۡاَمۡرِ‌ۚ فَاِذَا عَزَمۡتَ فَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ‌ؕ اِنَّ
اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُتَوَكِّلِيۡنَ ۝١٦٠ (آل عمران:160)

پھر فرمایا:۔

(پہلی آیت جس کی میں نے تلاوت کی ہے یہ سورۃ الانفال کی چونسٹھویں آیت ہے جس کی گزشتہ جمعہ میں بھی میں نے تلاوت کی تھی مگر مجھے بتایا گیا ہے کہ میں نے اَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ‌ؕ کی بجائے اَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِكُمۡ پڑھ دیا تھا کیونکہ اسی مضمون کی انہی لفظوں میں ایک اور آیت

بھی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِذۡ كُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِكُمۡ تو ذہن میں وہ آیت رہی ہے اس لئے اَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ کی بجائے قُلُوۡبِكُمۡ پڑھا گیا۔ یہ قرآن ہی کی ایک آیت ہے مگر دوسری آیت ہے، اس میں وہ لفظ نہیں ہے۔ اس لئے میں نے آج دوبارہ اس کی تلاوت کی ہے تا کہ اگر کسی نے ریکارڈ کی ہو تو وہ درست تلاوت پھر ریکارڈ کر لے اور پہلی تلاوت کو حذف سمجھے یا غلط (تلاوت کے متعلق ''غلط'' کا لفظ تو استعمال کرنے کو دل نہیں چاہتا) مگر پہلی تلاوت کے اوپر اس صحیح تلاوت کو ریکارڈ کر لے۔)

دوسری آیت جو میں نے پڑھی ہے اس کا تعلق شوریٰ سے ہے اور اس مضمون سے بھی ہے یعنی تالیف قلب کے ساتھ۔ یہ میں نے اس لئے پڑھی ہے کہ آج مختلف ممالک میں جماعت احمدیہ کی مجالس شوریٰ منعقد ہو رہی ہیں اور اس کے علاوہ دیگر اجتماع بھی ہیں تو اس لئے میں نے شوریٰ کا مضمون آج کے خطبے کے لئے اختیار کیا ہے۔

مجلس خدام الاحمدیہ ضلع گجرات کا ضلعی اجتماع کل چودہ اپریل سے شروع ہے۔ خدام الاحمدیہ قیادت ضلع منڈی بہاؤالدین کا پہلا ضلعی اجتماع بھی کل سے شروع ہو چکا ہے اور آج اختتام پذیر ہوگا۔ جماعت احمدیہ سویڈن کی مجلس شوریٰ آج پندرہ اپریل سے شروع ہو رہی ہے اور سب سے اہم جماعتہائے احمدیہ پاکستان کی مجلس مشاورت بھی آج سے شروع ہو رہی ہے اور انشاءاللہ تین دن جاری رہے گی۔ بعض عرب ممالک میں بھی آج خدام اور اطفال کے اجتماعات منعقد ہو رہے ہیں۔ انڈونیشیا سے بھی اطلاع ملی ہے کہ مجلس شوریٰ کل یعنی سولہ اپریل سے شروع ہو رہی ہے اور انشاءاللہ دو دن جاری رہے گی۔ جماعت احمدیہ ٹرینیڈاڈ چاند اور سورج گرہن کے نشان پر سو سال پورے ہونے پر تقریب منا رہی ہے اور اس کا سارے ملک میں چرچا ہے اور وہ بھی دعا کی درخواست کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان تقریبات کو مفید بنائے۔

پس آج جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا شوریٰ کا مضمون میرے پیشِ نظر ہے۔ وہ آیت جو شوریٰ والی ہے وہ بھی اسی مضمون سے تعلق رکھتی ہے۔ فَبِمَا رَحۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنۡتَ لَهُمۡ ۚ پس یہ محض اللہ کی طرف سے رحمت ہے کہ تو ان پر مہربان ہو گیا ان کے لئے تیرا دل نرم ہو گیا۔ وَلَوۡ كُنۡتَ فَظًّا غَلِيۡظَ الۡقَلۡبِ لَانۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِكَ اگر تو سخت دل ہوتا اور بدخلق ہوتا (نعوذ باللہ من ذالک) لَانۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِكَ وہ تیرے اردگرد

سے تجھے چھوڑ کر بھاگ جاتے ۔ فَاعْفُ عَنْهُمْ پس ان سے عفو کا سلوک فرما۔ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ ان کے لئے بخشش طلب کر۔ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ اور ان سے مشورہ کیا کر۔ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ لیکن فیصلہ تو نے کرنا ہے۔ان کے مشورے کا مطلب یہ نہیں کہ جو وہ کہیں وہ تو کرتا چلا جا۔ فیصلہ تیرے سپرد ہے جب تو فیصلہ کرے گا تو پھر ان مشورہ دینے والوں پر تیرا توکل نہیں، اللہ پر توکل ہوگا کیونکہ اللہ کی خاطر، اسی کی عطا کردہ فراست سے تو ایک نتیجے تک پہنچے گا اور پھر مومنوں پر توکل نہیں بلکہ اللہ پر توکل کرنا ہے۔اس میں مجلس شوریٰ کی روح اور اس کا گہرا فلسفہ بیان فرمادیا گیا۔ اِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ اور اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں سے بہت محبت رکھتا ہے۔

اس آیت کے تمام پہلوؤں پر گفتگو تو اس وقت پیش نظر نہیں ہے کیونکہ گزشتہ رمضان میں درس کے موقع پر یہ آیت بھی زیر بحث آئی تھی اور اس کے مختلف پہلوؤں پر میں نے روشنی ڈالی تھی مگر کوئی آیت بھی ایسی ہو نہیں سکتی جس کے تمام پہلو کسی کے اختیار میں ہوں کہ وہ بیان کر سکے۔ ہر دفعہ جب دوبارہ تلاوت ہوتی ہے تو کوئی نہ کوئی نیا مضمون ذہن میں آجاتا ہے، بعض دفعہ نہیں آتا کیونکہ عام تلاوت کے وقت ہر آیت پر ٹھہر ٹھہر کر غور کا موقع نہیں ملتا مگر ویسے میرا تجربہ ہے کہ جب بھی کسی آیت کو موضوع بنانا ہو تو کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اس کا کوئی نیا پہلو ذہن میں نہ آیا ہو اور یہ قرآن کریم کی ہر آیت کی ایک شان ہے کہ وہ ''کوثر'' جس کا حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا گیا تھا قرآن کی ہر آیت ۔ وہ کوثر بن جاتی ہے اور انہی معنوں میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ: (درثمین فارسی صفحہ:89)

ایں چشمہ رواں کہ بخلق خدا دہم
یک قطرہ ز بحر کمال محمدؐ است

ہے تو قطرہ، وہ دریا کیسے بن گیا۔ یہ وہی مضمون ہے کہ ہر آیت کریمہ ایک دریا کا منبع بن جاتی ہے۔اس سے ایک علم وعرفان کا دریا پھوٹ سکتا ہے۔ پس چونکہ یہ آیت بہت سے لطیف اور وسیع مضامین پر مشتمل ہے میں اس وقت اس حصے پر پہلے روشنی ڈالتا ہوں جس کا تعلق مومنوں کے اکٹھے اور ایک جان ہو جانے سے ہے۔

گزشتہ جمعہ میں جو آیت پڑھی تھی وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ

جَمِيۡعًا ۔اس پر ابھی مضمون جاری تھا کہ خطبہ ختم ہو گیا یہ انشاءاللہ آئندہ خطبے میں میں پھر دوبارہ شروع کروں گا۔ لیکن اس کے ایک پہلو کا شوریٰ سے گہرا تعلق ہے کیونکہ مشورے کی ہدایت سے پہلے حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کا صحابہ پر مہربان ہو جانا اور اس کے نتیجے میں حضور اکرمؐ کے ارد گرد ان کا گھومتے رہنا اور قرب اختیار کرتے رہنا یہ مضمون بیان ہوا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر یہ لوگ منتشر ہو جاتے اور اس کے معاً بعد فرمایا ہے۔ وَشَاوِرۡهُمۡ فِي الۡاَمۡرِ ۚ ان سے عفو کر، ان کے لئے بخشش طلب کر اور ان سے مشورہ لیا کر۔ پس مشورہ نبوت اور مقتدیوں کے درمیان، آنحضرت ﷺ کے متبعین کے درمیان، ایک گہرا تعلق کا رابطہ بن جاتا ہے۔

دوسری جگہ قرآن کریم میں مسلمانوں کی تعریف میں بھی یہ بیان فرمایا وَاَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ کہ ان کے معاملات آپس میں مشورے سے چلتے ہیں۔ ان دونوں باتوں کا تالیف قلب سے، ایک دوسرے کے ساتھ اکٹھا ہو جانے سے، ایک دوسرے سے محبت ہو جانے سے کیا تعلق ہے؟ ایک تو بڑا بھاری، واضح، کھلا کھلا تعلق یہ ہے کہ مشورے کی فضا قائم ہی وہاں ہوتی ہے جہاں بھائی چارہ ہو۔ اس کے سوا مشورے کی فضا قائم ہو ہی نہیں سکتی یہ انسانی فطرت کے خلاف بات ہے اور اگر بھائی چارہ نہ ہو اور مشورہ ہو تو پھر بد دیانتیاں چلتی ہیں، پھر مشورے میں دھوکے دیئے جاتے ہیں، مشوروں کے اعتبار اٹھ جاتے ہیں۔ پس یاد رکھو مجلس شوریٰ کی کامیابی کا راز اس بات میں ہے کہ جماعت احمدیہ بھائی بھائی بنی رہے اور بھائیوں کی طرح ایک جان ہو جائے یا ''ایک جان دو قالب'' جس طرح محاورہ مشہور ہے، خواہ قالب الگ الگ ہوں جان ایک ہی رہے۔ ایسی صورت میں جو مشورے ہوتے ہیں وہ بہت گہری فراست کے علاوہ تقویٰ پر مبنی ہوتے ہیں۔ جب ایک خاندان کے لوگ جو آپس میں پیار رکھتے ہیں، محبت کرتے ہیں، جب کسی مسئلے کے متعلق اکٹھے ہو کر، سر جوڑ کر باتیں کرتے ہیں تو مشوروں کے دوران گہری سنجیدگی پائی جاتی ہے، ہمدردی پائی جاتی ہے اور غور و فکر کے لئے ہر انسان گہرا انہماک رکھتا ہے اور یہی وہ روح ہے جو جماعت احمدیہ کی مجالس شوریٰ میں زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہنی چاہئے۔ اس کے بغیر جماعت احمدیہ کی شوریٰ یا مجالس مشاورت اپنے مقاصد کو نہیں پا سکیں گی۔

بھائی چارے کی فضا اتنی ضروری ہے کہ میں نے دیکھا ہے پہلے بھی، یعنی خلافت سے پہلے بھی جب میں بچپن سے مجالس شوریٰ میں بیٹھا کرتا تھا، کہ کوئی ایک شخص بھی مشورے کے دوران اگر کوئی

تلخ بات کہہ دیتا تھا تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ اور بعد میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ اس پر شدید ردعمل دکھاتے تھے اور کہتے تھے ہرگز ایسی بات نہیں کرنی جس سے تمہارے بھائی کی دل شکنی ہوتی ہو یا تمہارے انداز میں تکبر کا عنصر شامل ہو جائے۔ بعض لوگ بعض دفعہ ایک شخص کا ذکر کر دیتے تھے تو مجھے یاد ہے ایک دفعہ میں نے بھی ایک نام لے کر تبصرہ کیا تو حضرت خلیفۃ المسیح الثالث مجھ پر ناراض ہوئے اور فرمایا کہ یہ تمہیں نہیں کرنا چاہئے تھا کیونکہ گفتگو میں جو دلیل میں دے رہا تھا وہ نظر آ رہا تھا کہ خدا کے فضل سے غالب ہے اور اس کے بعد جس شخص کی دلیل کے جواب میں یہ دلیل تھی وہ بھی جماعت میں پرانے خادم اور ایک مرتبہ رکھتے تھے تو حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے بالکل درست میری تربیت فرمائی کہ تمہیں اس موقع پر نام نہیں لینا چاہئے تھا۔ دلیل کے مقابل پر دلیل سے بات رکھتے یہی کافی تھا۔ تو اس لئے سب سے پہلا پیغام میرا مجلس شوریٰ پاکستان کو اور دیگر مجالس شوریٰ کو یہی ہے کہ قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تالیف قلب کا اور ایک دوسرے سے اکٹھے ہو کر بھائیوں کی سی شکل اختیار کر جانے کا، مجلس شوریٰ کے ساتھ ایک گہرا تعلق ہے۔ آپس کی الفت نہ ہو تو مشورے بے معنی، بے حقیقت بلکہ بسا اوقات نقصان دہ ہو جاتے ہیں اور شوریٰ کا اعلیٰ مقصد ہاتھ سے جاتا رہتا ہے۔ اس لئے ہر مجلس شوریٰ میں دنیا میں کہیں بھی منعقد ہو، خواہ وہ جماعت کی عمومی مجلس شوریٰ ہو یا ذیلی مجالس کی ہوں، اس نصیحت کو خوب پلے باندھ لینا چاہئے کہ شوریٰ کے دوران بھی کوئی ایسی بات نہ ہو جس سے کسی بھائی کی دل شکنی ہو اور شوریٰ کے علاوہ بھی محبت کا ماحول قائم کرنا شوریٰ کے بابرکت ہونے کے لئے نہایت ضروری ہے۔ پس تالیف قلب کا جو مضمون میں اگلے جمعے سے دوبارہ شروع کروں گا اس کی اہمیت شوریٰ کے لحاظ سے بھی بہت بڑی اہمیت ہے اور جیسا کہ میں نے بارہا پہلے بھی ذکر کیا ہے میرے نزدیک **جماعت کی زندگی دو چیزوں میں ہے ایک خلافت اور ایک شوریٰ۔ یہ دو ایسی چیزیں جن کے اندر جماعت کی بقا کا راز ہے ہمیشہ ہمیش کے لئے اس بات کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے، اپنے دلوں میں اس کو جاگزیں کر لیں، اپنی فطرت ثانیہ بنالیں کہ خلافت سے وابستگی اور مجلس شوریٰ سے اس کے تمام لوازمات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے احترام اور ادب کا تعلق اور اس نظام کو تقویب دینا جماعت کی بقا کے لئے انتہائی ضروری ہے۔**

اب میں شوریٰ کے متعلق چند اور باتیں آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں جو آپ کی مجالس

شوریٰ میں عموماً زیر بحث آتی رہنی چاہئیں۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ کچھ عرصے کے بعد، جب ایک جگہ مجلس شوریٰ کا نظام جاری ہو جائے تو پھر لوگ اپنے ذہنوں پر زور دیتے ہیں اور تلاش کرتے ہیں کہ کیا بات ہم لکھیں کہ ہمارا اس سال کا بھی ایجنڈا بن جائے اور وہ بنائے ہوئے ایجنڈے غیر حقیقی ہوتے ہیں اور مصنوعی ہوتے ہیں اور ان بنائے ہوئے ایجنڈوں میں بعض دفعہ نہایت لغو باتیں راہ پا جاتی ہیں۔ ایک آدمی کو شوق ہے کہ میں ہر سال کچھ نہ کچھ ضرور لکھوں اور بسا اوقات سالہا سال کے مجالس شوریٰ کے ایجنڈے دیکھنے سے پتا چلتا ہے کہ بعض لوگ یا بعض جماعتوں کو مسلسل یہ شوق رہتا ہے کہ ہم ضرور اس میں حصہ لیں اور وہ کوشش کر کے بناوٹ کے ساتھ مشورے بھجوانے کی کوشش کرتے ہیں یا جماعتیں کرتی ہیں، اور ایسے مشورے غیر حقیقی اور بے معنی سے دکھائی دیتے ہیں بعض دفعہ ان کو رستے ہی میں روک لیا جاتا ہے، بعض دفعہ جب شوریٰ تک پہنچ بھی جائیں تو عجیب سے دکھائی دیتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کسی نے کوشش سے، بناوٹ سے یہ بات پیش کی ہے۔ مشورہ وہی حقیقی مشورہ ہے جو از خود ضرورت کے مطابق دل سے پھوٹے۔ وہ ضرورتیں کون کون سی ہیں جن کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا چاہئے، جن سے آپ کو دل لگا لینا چاہئے۔ جن کے نتیجے میں پھر صحیح مشورے آپ کو اللہ تعالیٰ خود عطا فرمائے گا وہ ضرورتیں میں چند آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔

سب سے پہلی ضرورت تو تالیف قلب کی ہے۔ جماعت کو کس طرح آپس میں محبت سے باندھے رکھنا ہے تا کہ کہیں بھی، کسی سطح پر بھی کوئی تلخی پیدا نہ ہو۔ اس سلسلے میں تمام جماعتوں میں از خود ایسے واقعات سامنے آتے رہتے ہیں۔ کوشش کر کے تجسس کی ضرورت نہیں بلکہ از خود سامنے آتے رہتے ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ بعض باتیں جماعت میں ایسی راہ پا گئی ہیں جس سے آپس کی محبت کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ بعض دفعہ چھوٹے حلقوں میں بعض جماعتوں میں یہ تکلیف دہ باتیں پائی جاتی ہیں۔ بعض دفعہ بعض جماعتوں میں بالعموم ایسی عادتیں پڑ جاتی ہیں جن سے محبت کا ماحول قائم نہیں رہتا اور اس کے نتیجے میں ہمیشہ آپس میں اختلاف رہتا ہے۔ چنانچہ بعض جماعتوں کا، میں نے ایک دفعہ نام بھی لیا تھا، اس پر ان کی طرف سے معذرت کے خطوط بھی آئے، اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ اپنے وعدوں پر قائم رہے یا نہیں، مگر آج میں کسی کا نام نہیں لینا چاہتا۔ بالعموم دنیا میں جہاں بھی جماعت کی ترقی رکتی دکھائی دے وہاں خدا کے فرشتوں کا تو کوئی قصور نہیں، وہ تو ہر جماعت کے لئے ترقی کے

پیغام لے کے آ رہے ہیں، ضرور اس جماعت میں کوئی ایسا نقص واقع ہوا ہے جس کے نتیجے میں ان کی ترقی رک گئی ہے۔ اس لئے وہ نقص تلاش کرنا یہ بہت ہی اہم کام ہے اور اس کا جس حد تک مجلس شوریٰ سے تعلق ہے اپنی شوریٰ میں ان باتوں کو پیش کرنا چاہئے کہ ہمارے ہاں بد قسمتی سے یہ باتیں پائی جاتی ہیں۔ لیکن اس میں ایک بہت ہی اہم احتیاط ہے جس کی طرف میں آپ کو خصوصیت سے متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ جب بھی ایسے نقائص کی بحث ہو جن کا تعلق جماعت میں افتراق پیدا کرنے اور دلوں کے پھاڑنے سے ہو وہ باتیں اپنی ذات میں بہت حساس ہوتی ہیں اور اگر ذرا بھی بے وقوفی سے وہ بات مجلس شوریٰ میں پیش کی جائے تو اپنا مقصد حاصل کرنے کی بجائے اپنے مقصد کے بالکل برخلاف نتیجہ پیدا کرتی ہے۔ چنانچہ بعض مجالس شوریٰ کی رپورٹوں سے مجھے پتا چلا کہ بعض دفعہ اس نیک نیت سے کہ ہماری جماعت میں یہ یہ باتیں ہو رہی ہیں ہمیں ان کی اصلاح کی طرف توجہ کرنی چاہئے، اس نیک نیت سے یا اس نیک نیت کا عذر رکھ کر، ایک مشورہ پیش کیا گیا اور پھر وہاں ایسی لڑائیاں آپس میں ہوئیں، ایسی ایک دوسرے کے اوپر باتیں کی گئیں جو ہرگز مجلس شوریٰ کے شان کے مطابق ہونا تو درکنار، جماعت احمدیہ جس اعلیٰ اخلاقی معیار پر ہے اس کی کسی عام مجلس میں بھی زیب نہیں دیتیں اور جب ایسی باتیں ہوئیں اور مجھے علم ہوا تو پھر میں نے فوراً اقدام کیا بعض لوگوں کو جماعت سے بھی خارج کرنا پڑا ہے، بعض لوگوں کو جماعت سے خارج تو نہیں کیا گیا مگر ان کے چندے بند کر دیئے گئے کیونکہ ان کی باتوں سے دکھائی دے رہا تھا کہ انہوں نے معاملات کو ذاتی بنالیا۔ پس یہ اہم بات ہے جس کی طرف میں خصوصیت سے پاکستان کی جماعتوں کو بھی اور مجلس شوریٰ مرکزیہ کو بھی اور تمام دنیا کی جماعتوں کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔

شوریٰ کیا ہے؟ شوریٰ دلوں کو باندھنے کا ایک ذریعہ ہے اور شوریٰ سے جتنا اعتماد، انتظام اور اتحاد جماعت میں پیدا ہوتا ہے بہت کم دوسرے ذرائع سے پیدا ہوتا ہے یا خلیفہ وقت کا براہ راست جماعت سے ایک تعلق ہے اور باہمی اعتماد کا ایک تعلق ہے یا پھر مجلس شوریٰ کا جماعت کے ساتھ ایک باہمی اعتماد کا تعلق ہے اور جیسا کہ میں نے قرآن کریم سے ثابت کیا ہے، مجلس شوریٰ کے ذکر میں جب اللہ تعالیٰ نے یہ نظام جاری فرمایا وہیں اس سے پہلے دلوں کے باندھے جانے، آپس کی محبت کے ذکر اور حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے اس خلق کا ذکر فرمایا ہے کہ اگر تو ان کے لئے نرم نہ ہو جاتا تو یہ لوگ یوں کرتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جماعت کو آپس میں اکٹھا کرنے اور جماعت کی باہمی

محبت کی حفاظت کرنے کے لئے ہر دل کو محمد مصطفی ﷺ کے دل کی نقل کرنی ہوگی۔

وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ کے ذریعے قرآن کریم یہ نہیں کہہ رہا کہ نعوذ باللہ کوئی احتمال تھا۔ فرماتا ہے کہ ایسا ہوا ہی نہیں، نہ ہونا تھا، کہ تو ایسا ہوتا لیکن طرز کلام یوں ہے جیسے ہم کہتے ہیں بفرضِ محال اگر تو ایسا ہوتا تو پھر تیری تمام تر دیگر اخلاقی خوبیوں اور تعلیمی خوبیوں کے باوجود یہ لوگ تجھے چھوڑ کے بھاگ جاتے۔ اب وہ جو رحمۃ للعالمین تھا، جس کو خدا تعالیٰ نے آخری اور کامل تعلیم عطا فرمائی تھی اس تعلیم کے ہوتے ہوئے بھی، جانتے ہوئے کہ یہ سچا ہے پھر بھی لوگ پیچھے ہٹ جاتے۔ یہ خدا کا کلام ہے جس کی انسانی فطرت پر گہری نظر ہے۔ پس دلوں کا ایک دوسرے کے لئے نرم رکھنا جماعت کی جمعیت کے لئے بے انتہا ضروری ہے اور وہ دل جو آپس میں بندھ جائیں، شوریٰ ان کی شوریٰ ہوتی ہے۔ مشورے وہ ہوتے ہیں جو ان دلوں سے اٹھتے ہیں جو ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، پیار کا تعلق رکھتے ہیں، سچی ہمدردی میں مشورے دیتے ہیں اور یہی وہ بنیادی جماعت احمدیہ کی شوریٰ کی صفات ہیں جن کی وجہ سے، ساری دنیا میں نظر دوڑا کے دیکھیں، مجلس شوریٰ جماعت احمدیہ کی کوئی مثال آپ کو کہیں دکھائی نہیں دے گی۔ بڑی سے بڑی مہذب قوموں میں بھی، خواہ اخلاقی ضوابط کتنے ہی عمدہ اور کیسے ہی بار بار سمجھائے جا چکے ہوں لیکن ان سلجھے ہوئے ضوابط کے باوجود چونکہ دل نہیں ملے ہوتے اس لئے ان کی مجالس جو مشورے کے لئے بلائی جاتی ہیں ان میں تلخیاں، بددیانتیاں ایک دوسرے پر گند اچھالنا یہ تمام باتیں ضرور راہ پاتی ہیں، کوئی دنیا کا ملک اس سے مبرّا نہیں ہے۔ پس وہ چیز جس نے ہمیشہ مجلس شوریٰ کو صالح رکھنا ہے وہ آپ کی محبت ہے۔ اگر ایک دوسرے سے پیار رکھیں گے، ایک دوسرے سے محبت کا سلوک کریں گے، اپنے بھائی کا دل دکھانے سے پرہیز کریں گے، اسے گناہ کبیرہ سمجھیں گے اور اگر غلطی سے دل دکھایا گیا ہے تو معافی طلب کریں گے، تو پھر آپ دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت کے اندر وہ آپس کا محبت کا رشتہ اور گہرا ہوتا چلا جائے گا کیونکہ یہ بھی ایک بنیادی انسانی فطرت کا راز ہے کہ محبت یا بڑھتی رہتی ہے یا کم ہوتی جاتی ہے، کسی مقام پہ ٹھہرا نہیں کرتی۔

پس وہ جماعتیں جن میں وہ بنیادی محرکات جو محبت پیدا کرتے ہیں، ان کی حفاظت کی جائے، وہ آپس میں ایک دوسرے سے محبت میں بڑھتے رہتے ہیں۔ جہاں وہ محرکات ختم ہو جائیں،

ان پر نظر نہ رہے یا دوسری شر کی چیزیں راہ پا جائیں، ایسے موقع پر پھر محبت کے سلسلے منقطع ہونے شروع ہو جاتے ہیں یا ان میں فاصلے بڑھتے بڑھتے آخر وہ سلسلے منقطع ہو جاتے ہیں۔ پس مجلس شوریٰ کی حفاظت کے لئے آپس کی محبت کی حفاظت ضروری ہے اور میں امید رکھتا ہوں کہ مجلس شوریٰ کے اندر تو لازماً بلا استثناء اس قدر تاکید کے ساتھ نگرانی ہونی ضروری ہے کہ ادنیٰ سی بات بھی جو طعن و تشنیع کا رنگ رکھتی ہو اس کو نظام شوریٰ برداشت نہ کرے اور ایسے معاملات کو مرکز کے علم میں لانا ضروری ہے۔ وہاں موقع پر نصیحت بھی ضروری ہے اور اگر یہ سمجھا جائے کہ بات ان کی مقامی جماعت کی طاقت سے کچھ باہر ہے تو پھر اس کو مرکز کے علم میں لانا ضروری ہے۔ یہ بھی ایک خلافت کا کام ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں اور وہ جوان کاموں پر مامور ہیں ہم توجہ دیتے ہیں۔

تمام دنیا کی مجالس شوریٰ کو یہ ہدایت ہے کہ اپنی شوریٰ کی رپورٹیں ہمیں بھجوایا کریں اور جہاں کسی ایک فقرے سے بھی یہ شبہ پیدا ہو کہ تفصیلی بحث کی چھان بین کی ضرورت ہے تو چونکہ یہ ہدایت ہے کہ آپ نے اس کی کارروائی ریکارڈ بھی کرنی ہے تو ایسے موقع پر پھر ان کو لکھ کر وہ ریکارڈ منگوایا جاتا ہے اور ایک موقع پر مجھے یہ ضرورت پیش آئی تو مجلس مشاورت ربوہ کا ریکارڈ بھی، بعض کیسٹ ہدایت دے کر منگوائیں اور خود سن کر دیکھا کہ کس رنگ میں وہاں باتیں ہو رہی تھیں اور کیا اس نہایت ہی مقدس روح کی حفاظت کی جارہی تھی کہ نہیں کہ ہم آپس میں بھائی بھائی ہیں اور اللہ کے خاص فضل کے ساتھ ہمیں یہ نعمت عطا ہوئی ہے، اگر ہم نے اس کی ناقدری کی تو اس کا انجام کیا ہے وہ جہنم کا کنارہ ہے جو انہی آیات میں مذکور ہے۔ فرماتا ہے تم جہنم کے کنارے پہ پہنچے ہوئے تھے کہ خدا نے تمہیں اس سے کھینچ کر دور کر دیا اور آپس میں ایک دوسرے سے باندھ دیا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جہنم کا کنارا اس کا برعکس مضمون ہے تو آپس میں بندھے جانا جنت کا مضمون پیش کرتا ہے۔ یعنی جہنم سے جنت کا سفر بیان فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے تمہیں اپنی رحمت سے اکٹھا کر دیا اور دوسری جگہ فرماتا ہے کہ یہ محمد مصطفیٰ ﷺ کے ذریعے ایسا کیا گیا۔ ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا اے محمدؐ! تو اگر جو کچھ بھی زمین میں ہے سب کچھ بھی خرچ کر دیتا تو یہ لوگ آپس میں محبت کے رشتوں میں نہ باندھے جاتے۔ یہ اللہ ہی ہے جس نے ان کو اکٹھا کیا ہے۔ دوسری طرف فرماتا ہے فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۔

پس یہ اللہ کی تجھ پر رحمت تھی اور غیر معمولی رحمت کہ تو ان پر نرم اور مہربان ہو گیا اور اس کے نتیجے میں وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿١٦٠﴾

یہ سارا مضمون وہی ہے جو میں پہلے کچھ حصہ بیان کر چکا ہوں۔ اب میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس مضمون میں اور اس پہلے مضمون میں جو میں نے ابھی آپ کے سامنے رکھا ہے تضاد کوئی نہیں ہے۔ اس آیت سے پتا چلتا ہے کہ محمد مصطفیٰ ﷺ کا نرم دل ہونا ان کو اکٹھے کرنے کا موجب بنا ہے اور اس آیت سے پتا چلتا ہے کہ تو اگر سب کچھ بھی زمین میں خرچ کر دیتا تو ان کو اکٹھا نہ کر سکتا۔ ان دو میں کوئی تضاد نہیں ہے بلکہ دو الگ الگ باتیں ہیں۔ مومنوں کے دلوں کی محبت پیسے کے نتیجے میں نہیں ہوتی اور خرچ کے نتیجے میں نہیں ہوتی اس مضمون کو چھوڑ کر، بعض لوگ سمجھتے ہیں، یعنی اس کو نظر انداز کر کے کہ رسول اللہ ﷺ کا تو پھر کوئی واسطہ ہی کوئی نہ ہوا۔ صرف اللہ نے براہِ راست محبت پیدا کر دی ہے اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے وسیلے کی کیا بات ہوئی؟ یہ محض کم فہمی ہے۔ امرِ واقعہ یہ ہے کہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے ذریعے ہی اللہ تعالیٰ نے مومنوں میں محبت پیدا کی ہے اور آپؐ کے رحمت ہونے کی ایک یہ نشانی بھی ہے فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ تجھے جو ہم نے رحمۃ للعالمین بنایا ہے اس رحمت کے اندر بہت سے اخلاقی پہلو ہیں۔ ایک پہلو اس کا یہ ہے کہ تو ان پر مہربان ہے، نرم دل ہے اور اس کے نتیجے میں پھر وہ اکٹھے ہوئے ہیں ورنہ یہ بھاگ جاتے تو صاف پتا چل رہا ہے کہ مومنوں کی تالیفِ قلب میں حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی رحمت کا ایک براہ راست گہرا تعلق ہے اور وہ رحمت جب لِنْتَ لَهُمْ کے طور پر جلوہ گر ہوتی ہے، رحمت کے بہت سے پہلو ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ دل ان کی محبت میں نرم ہو جاتا ہے، ان کے لئے ہر وقت جھکا رہتا ہے تو پھر مومنوں کے لئے ایک تالیف قلب کا سامان پیدا ہوتا ہے۔

دوسرا مضمون جو اس میں ہے یہ ہے کہ کوئی دنیاوی ذریعہ، اگر اللہ کی رحمت تجھے عطا نہ ہوتی، اور وہ یہ رحمت تھی جس کا ذکر کیا ہے، کوئی دنیاوی ذریعہ نہ مومنوں کو اکٹھا کر سکتا تھا اور نہ کبھی قوموں میں مال و دولت کے خرچ سے محبتیں پیدا ہوئی ہیں اور یہ بھی یاد رکھیں وہ لوگ جن کو لالچ ہو، جو پیسے کے

نتیجے میں اکٹھے ہوتے ہوں، ان کی محبتیں، جو ظاہری نظر آنے والی محبتیں تو محبتیں کہلا ہی نہیں سکتیں، یہ تو خود غرضیاں ہوتی ہیں۔ پیسے کی حرص میں جو کچھ خلق انسان کے اندر موجود ہے وہ بھی کھایا جاتا ہے اور ختم ہو جاتا ہے اور لوگ ایسے مکھیوں کی طرح ہوتے ہیں جو گندگی پر بیٹھتی ہیں، جب تک گندگی کا رس چوستی ہیں بیٹھی رہتی ہیں، اس کے بعد اٹھ کے کسی اور گندگی کی تلاش میں چلی جاتی ہیں۔ مگر فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ میں جو مضمون ہے وہ تو ہمیشہ ہمیش کے لئے محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف بڑے جذبے اور پیار اور محبت اور والہیت کے ساتھ جھکے رہنے کا نام ہے۔ یہ ہے حقیقی تالیف قلب جو رسول اکرم ﷺ کے ذریعے ہوئی کیونکہ ایسی صفت ہے جو عارضی نہیں ہے، جو ایک مستقل صفت ہے۔ دل کی نرمی اور دل سے پھوٹنے والا پیار کوئی ایسی چیز تو نہیں ہے کہ آج میٹھا اور کل کڑوا ہو جائے، یہ تو ایک دائمی محمد رسول اللہ ﷺ کے خلق کا اظہار قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ آپ ہیں ہی ایسے، وقتی طور پر نہیں ایسے ہوئے بلکہ ہمیشہ سے اللہ کی رحمت کے نتیجے میں بنائے ایسے گئے ہیں اور اس کے نتیجے میں مومنوں کا آپؐ کے گرد اکٹھے رہنا ایک لازمی امر ہے، یہ تبدیل نہیں ہو سکتا اور نہ ہوا۔ ایک لمحہ بھی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں نہیں آیا کہ جب مومن آپ کی ذات سے دور ہوئے ہوں۔

پس یاد رکھیں کہ وہی کردار ہم نے اپنے معاشرے میں ادا کرنا ہے اور جب آپ یہ کردار ادا کر دیں تو پھر مجلس شوریٰ کا ماحول پیدا ہوتا ہے لیکن شوریٰ میں پہلے دو اور نصیحتیں بھی ہیں جو فرمائی گئی ہیں ان کو پیشِ نظر رکھیں۔ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ ان سے عفو کا سلوک فرما، جب انسان کسی سے پیار کرتا ہے تو اس کا ایک ثبوت اس کے عفو میں ظاہر ہوتا ہے۔ کئی لوگ اپنے پیاروں سے پردہ پوشیاں کرتے رہتے ہیں اور جن سے پیار نہ ہو ان کے چھوٹے سے نقص کو بھی اچھال کے باہر پھینکتے ہیں۔ تو عفو کا محبت سے گہرا تعلق ہے اور عفو محبت کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا۔ پس جہاں اللہ تعالیٰ ہم سے عفو کا سلوک فرماتا ہے وہاں اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق سے محبت کا اظہار ہے جہاں حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کو نصیحت ہے کہ تو جب رحمت ہے ان کے لئے، جب تو ان کے لئے نرم دل ہے تو اس کا طبعی نتیجہ دکھا، ان سے عفو کا سلوک کر۔ یہ مراد نہیں تھی کہ محمد رسول اللہ ﷺ اس سے پہلے عفو نہیں کرتے تھے۔ یہ ایک طرزِ کلام ہے ہمیں سمجھانے کے لئے کہ دیکھو محمد رسول اللہ کو محبت تھی، انہوں نے عفو بھی کیا۔ تمہیں اگر آپس میں ایک دوسرے سے سچا پیار ہے تو تمہیں بھی عفو کا سلوک کرنا پڑے گا۔ عفو

سے مراد ہے روزمرہ کی عام غلطیوں، عام کمزوریوں پر، انسان بے وجہ تلخی محسوس نہ کرے یا تلخی محسوس کرنے کا موقع بھی ہو تب بھی برداشت کر جائے اور اپنے پیارے سمجھ کر ان سے انسان نرمی کا سلوک جاری رکھے۔ عفو کا مطلب ایک یہ ہے کہ آپ ایک چیز دیکھ رہے ہیں پتا ہے ٹھیک نہیں ہو رہی آنکھیں اس طرف کر لیں مگر اس کی ایک حد ہوتی ہے اس کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔

عفو کا مضمون جو ہے اس کا تعلق ایسی کمزوریوں سے ہے جن کا زیادہ تر اثر آپ کی ذات پر پڑتا ہے۔ اگر ایسی کمزوریاں ہیں جو نظام جماعت میں رخنہ ڈالنے والی ہوں تو وہاں عفو کا کوئی تعلق نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ نظامِ جماعت میں رخنہ تو **عفو کی بنیادی وجہ کے منافی ہے۔ عفو تو پیدا اس لئے ہوا تھا کہ آپس میں محبت ہے** تو وہ لوگ جو محبتوں پر حملے کر دیتے ہیں اور محبتوں پر تبر رکھ دیتے ہیں، جو عفو کی جڑ کاٹتے ہیں، ان سے عفو کا سلوک کیسے ہو سکتا ہے، ان سے عفو کی تعلیم کیسے دی جا سکتی ہے۔ پس حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی زندگی میں کہیں بے انتہا عفو دکھائی دیتا ہے، کہیں بڑی سخت پکڑ دکھائی دیتی ہے اور وہ لوگ جو ان باتوں کا فرق نہیں سمجھتے وہ پھر بعض دفعہ، جب میں بھی سنت محمد مصطفیٰ ﷺ پر عمل کرتا ہوں تو، مجھ پر اعتراض کرتے ہیں، مجھے لکھتے ہیں، یعنی اعتراض ان معنوں میں نہیں جس طرح ایک بیہودہ باتیں کرنے والا اعتراض کرتا ہے بلکہ اپنی نافہمی کی وجہ سے ان سے کوئی قصور ہوا ہوتا ہے، کہتے ہیں آپ تو عفو کی تعلیم دیتے تھے، آپ تو کہتے تھے رسول اللہ ﷺ بے حد عفو کرنے والے ہیں تو ہمارے معاملے میں کیا بات ہے، ہم سے کیوں نہیں عفو کا سلوک ہو رہا، تو وہ اس بات کو نہیں سمجھتے کہ عفو کے بھی مواقع ہیں اور پکڑ کے بھی مواقع ہیں۔ بعض دفعہ اللہ تعالیٰ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ہے، سَرِيْعُ الْحِسَابِ ہے اور بعض دفعہ عفو، غفور ہے۔ تو جب تک آپ ان بنیادی صفات الٰہی کو جو صفات محمد مصطفیٰ بھی بنیں ان پر غور کر کے ان کی کنہ کو نہیں سمجھیں گے اپنے روزمرہ معاملات کو درست کر نہیں سکتے اور نہ نظام جماعت سے آپ کا صحیح، حقیقی طور پر صالح تعلق قائم ہو سکتا ہے۔ پس فرمایا اگر تم ان سے محبت کرتے ہو اور کرنا چاہتے ہو تو پھر لِنْتَ لَهُمْ کے بعد عفو کا سلوک ضروری ہے لیکن ان شرائط کے ساتھ جن کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے، تفصیل سے یہاں بیان نہیں کیں مگر کئی موقعوں پر بیان بھی کی ہیں۔ عفو کا ایک محل ہے، موقع ہے، اس کے اندر رہتے ہوئے ضرور عفو سے کام لینا چاہئے اور عفو کا بہت زیادہ تعلق انسان کی ذاتی تکلیف سے ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ہر اس

تکلیف پر غیر معمولی عفو کا سلوک فرمایا ہے جو آپ ؐ کی ذات کو پہنچی تھی۔ لیکن نظامِ جماعت پر جب ضرب پڑی ہے تو آپ ؐ نے عفو کا سلوک نہیں کیا کیونکہ وہ امانت ہے۔ عفو کا ایسے جرم سے تعلق ہے جو آپ کے خلاف ہو اور جس میں آپ مالک ہوں چاہیں تو یہ سلوک کریں، چاہیں تو وہ سلوک کریں۔ مگر جہاں آپ امین بن جاتے ہیں، امانت دار ہیں، اللہ تعالیٰ کی امانت آپ کے سپرد ہے وہاں نہ صرف یہ کہ عفو کے سلوک کی اجازت نہیں بلکہ قرآن کریم نے مومنوں کی اس تربیت کے پیشِ نظر ان کو متنبہ کیا ہے کہ جب خدا کے حکم کے تابع تم ایک آدمی کو سزا دے رہے ہو تو پھر یاد رکھنا وہاں نرمی کرو گے تو تم گنہگار بن جاؤ گے، تمہیں وہاں نرمی کا حق نہیں ہے۔

پس قرآن کریم ایک کامل کتاب ہے، نہایت متوازن کتاب ہے، ہر تعلیم کو اس کے موقع اور محل پر بیان کرتی ہے اور موقع اور محل کی خوب نشان دہی کرتی ہے۔ پس اس پہلو سے میں مجالس شوریٰ کی روح کی حفاظت کی خاطر آپ کو سمجھا رہا ہوں کہ عفو کا سلوک عام کریں اور عفو زیادہ تر وہاں ہو جہاں اپنے آپ کو تکلیف پہنچی ہے اور اس تکلیف کو نظر انداز کرتے ہوئے خدا کی خاطر صبر کریں اور اپنے بھائی سے عفو کا سلوک فرمائیں اس سے محبت بڑھے گی لیکن مصیبت یہ ہے کہ اکثر اوقات اپنی دفعہ تو لوگ یوں بھڑک اٹھتے ہیں جیسے کسی بھڑکیلے مادے کو تیلی دکھا دی گئی ہو اور نظامِ جماعت کی دفعہ آنکھیں بند۔ منافق بیٹھے ہیں، باتیں کر رہے ہیں، آپ مزے سے ان کی باتیں سنتے ہیں، یا مزے نہ بھی لیتے ہوں تو اٹھ کر آجاتے ہیں، کوئی فکر نہیں کہ کیا ہو رہا ہے۔ تو جہاں موقع اور محل نہ رہے وہاں بدزیبی آجاتی ہے، بدصورتی اس کا نام ہے۔ ہر چیز جو با موقع ہو، برمحل ہو وہ خوبصورت ہے اور جو محل سے ہٹ جائے وہ بدزیبی ہے۔ اب کتنا ہی خوب صورت ناک ہو کسی کا، یہاں کی بجائے ماتھے پر لگ جائے اور لوگ دور بھاگیں گے اس سے، کوئی ایسا شخص، کوئی مرد ہے تو کوئی لڑکی سوچ بھی نہیں سکے گی کہ اس سے شادی کرے، سوچے تو ناک کٹوا کے ہی کرے گی۔ مگر یہ بے محل ہونے کا نتیجہ ہے اپنی ذات میں وہ ناک خوب صورت ہے۔ آنکھ ایک ادھر ہو جائے اور ایک نیچے لگ جائے تو بہت بھیانک تصور پیدا ہوتا ہے حالانکہ دونوں آنکھیں اپنی ذات میں کیسی ہی خوبصورت ہوں تب بھی وہ کشش کی بجائے وہ بڑا سخت دور پھینکنے کا کردار ادا کرتی ہیں، دھکا دینے کا کردار ادا کرتی ہیں۔ تو عفو بھی اپنے محل پر خوبصورت ہے، محل سے ہٹے گا تو بدزیب ہو جائے گا۔

پس جماعت میں اگر مجلس شوریٰ کی روح کو زندہ رکھنا ہے تو عفو پر اس طرح عمل کریں جیسے

محمد رسول اللہ ﷺ نے کیا۔ دین کی غیرت کی راہ میں عفو کو کبھی حائل نہیں ہونے دیا۔ اپنی تکلیف بہت اٹھائی، بہت دکھ اٹھائے، مگر جہاں تک ہم نے مطالعہ کیا ہے، محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذات کی تکلیف کا بدلہ کسی سے نہیں لیا، اس کو عفو کہتے ہیں اور اس عفو کے نتیجے میں پھر استغفار پیدا ہونا ایک لازمی بات ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جب آپ عفو کرتے ہیں تو یہ بھی تو خیال آتا ہے کہ اس شخص نے خدا کو بھی تو ناراض کر لیا ہو گا۔ اب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو ناراض کرنا دو پہلو رکھتا تھا ایک یہ پہلو کہ آپ نے اس کو برداشت کر لیا اور اس کے نتیجے میں اس کو معاف فرما دیا۔ ایک اور پہلو تھا کہ خدا بھی تو ناراض ہو جاتا ہے اور بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ انسان خود معافی میں مستعد ہوتا ہے یعنی جلدی دکھاتا ہے اور کہتا ہے میں بالکل کسی قسم کا بدلہ نہیں لینا چاہتا۔ مگر اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرتا اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے تعلق میں ایسا بار ہا ہوتا تھا کیونکہ آپؐ اپنی ذات کا جرم معاف کرنے میں بالکل بے پرواہ ہوتے تھے مگر جس کو کسی سے پیار ہو اس کے خلاف وہ جرم برداشت نہیں کرتا۔ یہ ویسی ہی مثال ہے جیسے میں نے ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ آپ کے سامنے سنایا تھا کہ آپ کو ایک شخص گالیاں دے رہا تھا اور نہایت سخت کلامی کر رہا تھا۔ مہمان باہر سے آیا ہے اور آتے ہی اس نے دندناتے ہوئے مسجد میں آپ کے خلاف باتیں کرنی شروع کر دیں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام خاموش بیٹھے سنتے رہے۔ ایک صحابی سے برداشت نہیں ہوا انہوں نے آگے سے کوئی سختی سے جواب دیا، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے روک دیا کہ ایسا نہیں کرنا۔ انہوں نے کہا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مخاطب کر کے کہ آپ ہمارے امام ہیں ٹھیک ہے لیکن جب محمد رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دی جائیں آپ برداشت نہیں کر سکتے اور ہم سے کسی طرح توقع رکھتے ہیں کہ اپنے پیر کو گالیاں دیتے ہوئے سنیں اور ہم برداشت کر لیں۔ تو میں یہ نہیں کہہ رہا کہ برداشت نہ کرو میں یہ سمجھا رہا ہوں کہ ایک فطرتی بات ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک جگہ لکھتے ہیں کہ مجھے جتنے روزانہ گالیوں کے خط آتے ہیں اور جیسا جیسا گند بولا جاتا ہے، کہتے ہیں تم لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ کیا کیا ہو رہا ہے مجھ سے، لیکن میں برداشت کرتا ہوں اللہ کی خاطر اور کبھی پرواہ نہیں کی۔ مگر جب پادریوں نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے خلاف بدزبانیاں کی ہیں تو دیکھیں جوابی حملے کیسے کیسے سخت کئے ہیں تو یہی اللہ تعالیٰ کا حال ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں بعض دفعہ اپنے ولی کی بے عزتی اور ولی کے ساتھ گستاخی کے

سلوک کو بالکل برداشت نہیں کرتا اور ایسا ردعمل بعض دفعہ اللہ تعالیٰ دکھاتا ہے جیسے ایک ہتھنی کے بچے کو مار دیا گیا ہو تو ہتھنی اس ظالم پر حملہ کرتی ہے اور اس کی لاش کو پھر مٹی میں رگید کر اس کے نشان مٹا دیتی ہے روند روند کر۔ تو اللہ کی غیرت کا بھی ایک سوال تھا اور قرآن کریم میں ''وَاسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ'' کا مضمون اسی لئے بیان ہوا ہے خصوصیت سے، کہ اے محمدؐ! تو تو معاف کرے گا، ہم جانتے ہیں، لیکن پھر ان کے لئے بخشش بھی اللہ سے مانگنا کیونکہ ہو سکتا ہے بعض گستاخیاں ہوں اللہ معاف نہ کرے، تجھے ہی بخشش بھی مانگنی ہوگی اور جب تو یہ کرتا ہے تو ایسے لوگ پھر اس بات کا حق رکھتے ہیں تو ان سے مشورے کرے کیونکہ یہ لوگ تجھ سے محبت کریں گے، تیرے عاشق ہو چکے ہوں گے پھر یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ تجھے غلط مشورے دیں۔ لیکن مشورہ ان سے کر فیصلہ تو نے کرنا ہے اور جب محبت کے یہ تعلق ہوں تو فیصلہ چاہے مشوروں کے خلاف ہو، کبھی اس کے نتیجے میں دوریاں پیدا نہیں ہوتیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے زمانے میں خصوصیت سے مجھے یاد ہے، ہمیں بچپن سے ہی آپ فرمایا کرتے تھے کہ مجلس شوریٰ میں ضرور آنا ہے اور بڑے اہتمام سے ہم لوگ باقاعدہ مجلس شوریٰ میں شریک ہوتے تھے بطور زائر کے، لیکن بہت سی ایسی اہم تربیت مجلس شوریٰ میں ایسی ہو رہی ہوتی ہے جو نہ تقریروں میں نہ خطبوں میں نہ باہر کہیں ہوتی ہے وہ سارا ماحول ایک زندہ فعال حرکت رکھتا ہے جس میں جماعت ایک دوسرے کے ساتھ ایک تعامل کر رہی ہوتی ہے۔ ایک دوسرے کے ساتھ تعلق اور اس کے نتیجے میں جو ردعمل پیدا ہو رہے ہیں اس کی ایک ایسی زندہ مثال ہے جیسے دو کیمیکلز کو آپس میں ملائیں تو آپ دیکھ رہے ہوتے ہیں کہ اس کے اندر آواز اٹھتی ہے اور کیمیکل ردعمل پیدا ہوتے ہیں اور پھر اس سے ایک نئی چیز بنتی ہے۔ تو مجلس شوریٰ جماعت کے باہمی تعامل کا نام ہے اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت اچھی تربیت ہوتی ہے، تو مجھے یاد ہے ہمیشہ مجلس شوریٰ میں ہم دیکھا کرتے تھے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور یہی بعد میں سب کا رواج رہا اکثر معاملات میں مشوروں پر بہت غور کرتے، ان کو سراہتے اور ان کی تائید میں فیصلے دیتے اور بعض دفعہ ان کے برخلاف فیصلے دیتے۔ بعض دفعہ تکلیف بھی محسوس کرتے اور بعضوں کو سمجھاتے کہ تم نے یہ غلط کیا ہے، یہ مشورہ دینا ہی نہیں چاہئے تھا، یہ نادانی ہے، یہ ناسمجھی ہے۔ لیکن کبھی ایک بھی واقعہ ایسا نہیں ہوا کہ جس کے نتیجے میں جماعت کے دل میں کوئی منفی ردعمل پیدا ہوا ہو بلکہ وہ واقعات، وہ مواقع جن میں خلیفہ وقت

نے شوریٰ کی بات نہیں مانی، اپنی تسلیم کروائی ہے، وہ ہمیشہ کے لئے خلافت کی تائید میں ایک زندہ ثبوت بن گئے کہ وقت نے ثابت کیا کہ وہی بات درست تھی اور اکثریت کے فیصلے غلط تھے۔ یہ ہے مجلس شوریٰ اور اس روح کو قائم رکھنے کے لئے آپس کا اعتماد ضروری ہے، یہ میں آپ کو سمجھا رہا ہوں۔ اگر یہ آپس کا اعتماد نہ ہوتو یہ ہو ہی نہیں سکتا اکثریت چھوڑ کر اگر ایک آدمی زائد بھی کسی ایسی پارٹی کے ساتھ ہو جس کا فیصلہ رد ہوتا ہے، تو دیکھیں کیسی قیامت آ جاتی ہے کہ ہمارے اکتیس ممبر تھے تمہارے تیس تھے اس لئے اکتیس کی بات مانی جائے گی تیس کی نہیں مانی جائے گی اور اگر کوئی اس کے خلاف فیصلہ دینے کی جرأت کرے تو دیکھیں کیسی کیسی قیامتیں ٹوٹیں گی۔ مگر ایسے فیصلے بھی ہوئے ہیں آنحضرت ﷺ کے زمانے میں بھی، بعد میں بھی اور ہم نے خلافت کے دور میں جو مجلس شوریٰ دیکھی اس میں، تو بار ہا تو نہیں، مگر کئی دفعہ ایسا دیکھا ہے، کہ ساری شوریٰ کی ایک رائے اور خلیفہ وقت کی دوسری اور وہی رائے درست نکلی۔ تمام صحابہ کی ایک رائے اور محمد رسول اللہ ﷺ کی دوسری اور وہی رائے درست نکلی۔

ایک وہ موقع تھا صلح حدیبیہ کا جبکہ حدیبیہ کے میدان میں حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کا فیصلہ یہ تھا کہ چونکہ راستہ محفوظ نہیں ہے اور قرآن کی رو کے منافی ہے کہ حج غیر محفوظ رستے پر بھی کیا جائے۔ آپؐ نے فرمایا حج نہیں ہوگا، یہیں قربانیاں دو اور سارے صحابہ بلا استثناء، متفق ہی نہیں، زور دے رہے تھے، جوش دکھا رہے تھے کہ نہیں ہم نے حج ضرور کرنا ہے، آپؐ نے کسی کی نہیں سنی۔ (بخاری حدیث نمبر :4178) وہی فیصلہ صادر فرمایا اور تاریخ گواہ ہے کہ کس طرح حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کو حیرت انگیز برکت نصیب ہوئی ہے اور صلح حدیبیہ ہی کے موقع پر فتح مکہ کی بنیاد ڈالی گئی ہے اور اسی موقع پر جو سورۃ نازل ہوئی ہے اس میں یہ خوشخبری دے دی گئی تھی کہ ایک فتح نہیں، ہم تجھے دوسری فتح کی بھی خوشخبری دے رہے ہیں، تو نے خدا کی خاطر اپنا سر جھکا دیا اور گویا کہ انسان ہر دفعہ اپنی ہی شکست تسلیم کرتا ہے۔ سورۃ فتح کا مضمون یہ ہے کہ تو نے خدا کی خاطر اپنی شکست تسلیم کر لی اس لئے خدا تجھے فتح پر فتح دے گا۔ یہ بظاہر کمزوری کی صلح بھی ترے لئے طاقت کا موجب بنے گی اور پھر ایک اور فتح بھی ہے جو اس کے بعد آنے والی ہے۔ پس دیکھیں ایک شخص کا فیصلہ تھا، توکل علی اللہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا اللہ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور جن سے محبت کرتا ہے پھر ان کے خلاف کوئی سازش کامیاب نہیں ہونے دیتا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے زمانے میں بھی ہم نے یہی دیکھا کہ جب آپ فیصلہ شوریٰ

کے فیصلے کے خلاف فرماتے تھے تو ساری مجلس شوریٰ اول تو اسی فیصلے پر بچھ جاتی تھی۔کوئی ایک مجلس شوریٰ میں شامل نمائندہ بڑبڑاتا ہوا باہر نہیں نکلتا تھا کہ ہمارے فیصلے کے خلاف فیصلہ کر دیا۔ایک بھی مثال اس کی مجھے یاد نہیں جو اس وقت ظاہر ہوئی ہو یا بعد میں جماعتوں میں جا کر کسی نے یہ بات کی ہو۔اس سے ایک اور بات کا بھی پتا چلتا ہے کہ مجلس شوریٰ کا نمائندہ چننے والے متقی لوگ تھے۔وہ اپنے میں سے اسی کو چنتے تھے جو متقی ہوتے تھے اور ان کا یہ ردعمل بتا رہا ہے کہ کیسے تقویٰ کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔کسی ایک نے بھی یہ غلطی نہیں کی کہ باہر جا کر کوئی بات کی ہو کہ جی ہمارا فیصلہ یہ تھا اور فلاں ہو گیا بلکہ سارے باہر نکلتے ہوئے، ہنستے کھیلتے یہی باتیں کیا کرتے تھے اس دن رات تک یہی مضمون رہتا تھا کہ دیکھو ہم کیسے بے وقوف نکلے اور وہی ہونا چاہئے تھا جو خلیفہ وقت نے فیصلہ دیا تھا اور جو ہمیں سمجھایا ہمارے ذہن میں آیا ہی نہیں، واقعۃً یہی چیز درست تھی اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے تھے کہ ہمیں ایسے عظیم الشان صالح نظام کا جزو بنایا ہے جہاں غلطی کے ہر امکان کو دور کرنے کے لئے درستی کرنے کا ایک طریق مقرر فرما رکھا ہے اور ان دونوں کے تعاون کے نتیجے میں ایک نہایت صحت مند، پاکیزہ نظام قائم ہوتا ہے۔پس مجلس شوریٰ میں ان باتوں کو ضرور ہمیشہ پیشِ نظر رکھیں آج بھی اور کل بھی۔اگر ان باتوں پر آپ عمل کریں گے تو آپ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ جماعت ہمیشہ زندہ رہے گی اور **مجلس شوریٰ سے خلافت کو تقویت ملتی اور خلافت سے مجلس شوریٰ کو صحت عطا ہوتی ہے۔**

پس ان دونوں باتوں کے نتیجے میں جماعت کی زندگی کی ہمیشہ ہمیش کے لئے ضمانت میسر آئے گی۔پس تقویٰ کے ساتھ مشورے دیا کریں۔محبتیں بڑھانے کے فیصلے کیا کریں اور جیسا کہ میں نے مثال دی ہے مشورہ سوچتے وقت ان باتوں کو سوچا کریں جو آپ کے دل سے از خود اخلاص کے ساتھ اٹھ رہی ہے۔ان میں میں نے ایک مثال دی ہے، جماعتوں کے اندر اگر کہیں تلخی پائی جاتی ہے تو ان کی وجوہات پر غور کر کے اس رنگ میں اپنی شوریٰ میں پیش کریں کہ اس کے نتیجے میں تلخی لازماً کم ہو، بڑھے نہیں۔اگر بڑھانے کے انداز میں مشورہ دے دیا تو آپ ذمہ دار ہوں گے اور ایسے مشورے کو پھر قبول بھی نہیں کرنا چاہئے لیکن اس کے علاوہ روزمرہ کی باتیں ہیں، تربیت کے نئے نئے تقاضے ہیں، نئی نئی قومیں احمدیت میں اور اسلام میں داخل ہو رہی ہیں، پھر اصلاح وارشاد کے بہت بڑے اور وسیع تقاضے اور بڑی امیدیں آپ سے وابستہ کی گئی ہیں، تو یہ سارے امور وہ ہیں جن میں دن رات

آپ کو پریشانی لاحق ہونی چاہئے۔سوچتے رہنا چاہئے کہ اس ضمن میں ہم کیا طریق اختیار کریں کہ اپنے مقاصد کو توقع سے بھی بڑھ کر حاصل کرسکیں۔تو پھر جو باتیں آپ کے دل سے خود بخود پھوٹتی ہیں، انہی پر مشورے ہونے چاہئیں اور جب آپس میں ایک دوسرے کو مشورہ دیں گے تو پھر ایک پختہ ذہن کا مشورہ جو اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ ایک کمال کے درجے کو پہنچا ہوا ذہن ہوگا یعنی اجتماعی ذہن جماعت کا۔ وہ مشورے جب پہنچیں گے، وہ پھوٹیں گے، ان کی منظوری ہوگی پھر فیصلے بنیں گے۔ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ کا مضمون نہ بھولیں۔آج بھی اسی طرح جاری ہے، کل بھی اسی طرح جاری رہے گا۔تمام مجالس شوریٰ کے فیصلے جن کو آپ سمجھتے ہیں، وہ مشورے ہیں۔ فیصلہ اس وقت بنتے ہیں جب کہ امام وقت ان کو قبول کر لیتا ہے اور وہ فیصلے بنتے ہیں جس شکل میں وہ ان کو قبول کرتا ہے پھر توکل علی اللہ کا مضمون ہے، پھر پرواہ نہ کریں پھر لازماً انہی فیصلوں میں برکت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ یہ مضامین بار بار دہرانے کے لائق ہیں کیونکہ جماعت کی زندگی سے اور جماعت کی بقا سے ان کا گہرا تعلق ہے۔

خطبہ ثانیہ کے بعد حضور انور نے فرمایا:

مجلس شوریٰ جو ربوہ میں منعقد ہو رہی ہے ان کو تو السلام علیکم خاص طور پر کہنا تھا۔محبت بھرا پیغام دینا تھا۔مبارک باد دینی تھی اسیرانِ راہ مولیٰ کی آزادی کی۔ان ہواؤں کے رخ میں تبدیلی کی مبارک باد دینی تھی اور ہواؤں کی لہک میں جو خوشگوار اثرات ظاہر ہوئے ہیں ان کے اوپر مبارک باد دینی تھی اور ایک بات خاص طور پر یہ کہنے والی ہے کہ مشاورت امانت ہوا کرتی ہے اس کے وہی حصے باہر بیان ہونے چاہئیں جن کی اجازت ہو ورنہ آپس کے مشورے ایک امانت کا رنگ رکھتے ہیں اور خصوصیت سے جو تبلیغی منصوبے وغیرہ بنائے جاتے ہیں ان میں یہ امانت کا پہلو زیادہ غالب ہے۔تو اپنے مشوروں کو امانت کے ساتھ دیں اور امانت کے ساتھ ہی اپنے سینوں میں لے کر واپس جائیں۔ اتنے ہی پہلو ظاہر فرمائیں جن پہلوؤں کے متعلق مجلس شوریٰ یا صدر مجلس کی ہدایات ہے کہ ان کو عام کریں ورنہ باقی جو آپس کی سوچیں ہیں ان میں غور و فکر ہونا چاہئے اور آپ پر خدا کی طرف سے عائد کردہ امانت آپ کے دل میں ہی محفوظ رہنی چاہئے۔بعض دفعہ بے تکلف اور غیر محتاط تبصرے نقصان پہنچا جاتے ہیں اور اس سے دشمن کو خواہ مخواہ شرارت کا موقع مل جاتا ہے۔ یہ بات ایک میں

نے کہنی تھی جو بھول گیا تھا اس لئے میں نے خطبے کے بعد اسے شامل کر دیا ہے۔
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہی سب سے بڑے محسن ہیں۔
مسلمان وہ ہے جو نیکیوں کی طرف دوڑے اور جس سے شر نہ پہنچے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 22 /اپریل 1994ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے مندرجہ ذیل آیت کریمہ تلاوت کی۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۱﴾ (الحجرات: 11)

پھر فرمایا:۔

اس آیت پر اور اس سے تعلق رکھنے والے مضمون پر گفتگو سے پہلے میں چند جماعتی جلسوں اور اجتماعات کا اعلان کرنا چاہتا ہوں تا کہ آپ سب ان کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں اور وہ اپنا ذکر سن کے خوش ہوں اور نیکی کی مزید تحریک دلوں میں پیدا ہو۔

جماعت احمدیہ غانا کا جلسہ سالانہ کل 21 /اپریل سے شروع ہو چکا ہے اور تین دن تک جاری رہے گا۔ ہفتہ کو اختتام پذیر ہوگا۔ جماعت احمدیہ غانا کا اللہ تعالیٰ کے فضل سے اپنے ملک پر بہت گہرا اثر ہے اور دنیا کے تمام ممالک میں اس لحاظ سے غانا کو ایک خاص مقام حاصل ہے اگر چہ کثرت کے لحاظ سے اور بھی بہت سے ممالک ہیں جن میں بکثرت احمدیت ہے مگر جماعت کی نیک نامی کا نمایاں طور

پر شہرہ اور بہت سی اعلیٰ روایات سے متعلق ملکی حکومت کے علاوہ بھی ہر سطح پر یہ ذکر خیر ملنا، اس پہلو سے جماعت احمدیہ بہترین کام کر رہی ہے۔ اس حد تک یہ بات وہاں خدا تعالیٰ کے فضل سے رائج ہو چکی ہے کہ یونائیٹڈ نیشنز کی طرف سے کوئی وفد آئے یا غیر ممالک کے Dignitaries آئیں، ان کے پروگراموں میں بھی جماعت احمدیہ کے مرکز میں جا کر ان تک پیغام تہنیت دینا یہ گویا ایک لازمہ سا بن گیا ہے۔ حال ہی میں یونائیٹڈ نیشنز کی طرف سے غانا پر ایک رپورٹ شائع ہوئی ہے جس میں خصوصیت سے جماعت احمدیہ کی خدمات کا اعتراف کیا گیا ہے۔ تو اس پہلو سے وہاں جماعت کا بہت بلند وقار ہے اور اس وقار کو قائم رکھنا اور اس نام کی شہرت کے لحاظ سے واقعۃً جماعت احمدیہ کی تعداد میں بھی اضافہ کرنا اور نیک کاموں میں بھی اضافہ کرنا یہ اب ان کی اولین ذمہ داری ہے۔ بعض دفعہ نیک نامی کا دائرہ زیادہ وسیع ہو جایا کرتا ہے اور حقیقت میں جو تعداد بعض نیک کاموں میں مشغول ہوتی ہے، وہ تعداد تھوڑی ہوتی ہے۔ چند لوگوں کے نیک کام کثرت کی طرف منسوب ہو جاتے ہیں۔ لیکن جماعت احمدیہ کو اس سے تسلی نہیں ہونی چاہئے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمیشہ میرے ذہن میں نیک نامی کا تصور یہی رہا ہے کہ اللہ جس پر تحسین کی نظر ڈالے۔ نیک نامی وہی ہے جو آسمان پر ہو۔ اس نیک نامی کے نتیجے میں اگر دنیا میں بھی نیک نامی نصیب ہو جائے تو یہ وہ نیک نامی ہے جو آسمان سے اترتی ہے اور پھر جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں اور حدیث پر یہ پیغام مبنی ہے کہ جب خدا تعالیٰ کسی قوم کے حق میں کوئی بات لکھ دیتا ہے یا کسی فرد کو پسند فرمانے لگتا ہے تو ملاءِ اعلیٰ کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ زمین پر اتریں اور اس شخص کی یا اس قوم کی نیک نامیاں دنیا میں پھیلائیں۔ یہ وہ نیک نامی ہے جو حقیقت میں کوئی معنی رکھتی ہے، ورنہ محض رعب کسی قوم کا پیدا ہو جائے یا اس کے متعلق اچھی باتیں مشہور ہو جائیں، ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ جماعت احمدیہ کے نزدیک وہی حقیقت ہے جو میں نے بیان کی ہے، اللہ کے ہاں نیک لکھے جائیں، یہ سب سے بڑی کامیابی ہے اور جب یہ ہو اور پھر زمین پر باتیں ہوں تو پھر کوئی حرج نہیں۔

پس جماعت احمدیہ غانا کو دو پہلوؤں سے اس نیک نامی سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ اول تو اپنی تعداد کو بڑھائیں تا کہ ملک کا ہر حصہ جماعت احمدیہ کے فیض سے فیضیاب ہو اور دوسرے یہ کہ زیادہ سے زیادہ احباب جماعت کو نیک کاموں میں ملوث کریں اور نیک کاموں میں صرف چند نیک

آدمیوں کی خوبیاں ہی ساری جماعت کے حق میں نہ بٹتی پھریں بلکہ ہر احمدی کو کچھ نہ کچھ نیکی کے کاموں میں حصہ لینے کی توفیق ملے۔

دوسرے بھی بعض اجتماعات ہیں مثلاً جلسہ سالانہ جو ہو رہے ہیں ان میں ایک جماعت احمدیہ سری لنکا کا جلسہ سالانہ ہے 24 /اپریل، اتوار سے شروع ہوگا اور 25 /اپریل کو ختم ہوگا۔ یہ جماعت چھوٹی سی ہے مگر اٹھنے والی جماعت ہے۔ گزشتہ چند سالوں سے خدا تعالیٰ کے فضل سے ان میں ایک بیداری کی لہر دوڑی ہوئی ہے اور وہ اب بڑھنا اور پھولنا پھلنا سیکھ رہے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ جلد جلد ان کو باقی دنیا کی جماعتوں کی سطح پر تیز رفتاری سے آگے بڑھنے کا سلیقہ عطا فرمائے حوصلہ بخشے، ان کی معاونت فرمائے اور ان کے بھی نیک اثر سارے ملک پر اسی طرح قائم ہوں جیسے غانا کے نیک اثر قائم ہیں۔

مجالس شوریٰ میں سے دو مجالس ہیں۔ ایک جماعت احمدیہ USA کی مجلس شوریٰ ہے اور ایک جماعت احمدیہ ناروے کی۔ یہ دونوں مجالس شوریٰ تین دن تک جاری رہیں گی اور 24 /اپریل کو اختتام پذیر ہوں گی۔ مجلس شوریٰ سے متعلق میں گزشتہ خطبے میں تفصیل سے روشنی ڈال چکا ہوں ان سب باتوں کو دہرانے کی ضرورت نہیں۔ یہ خطبے ان جماعتوں نے براہِ راست سنے ہیں۔ پس اسی مضمون کو اپنی اس شوریٰ پر بھی چسپاں کریں اور اسی کی ہدایت کے مطابق کام کریں۔ مرکزی بات اس خطبے کی یہ تھی کہ کوئی قوم حقیقت میں مشورہ دینے کی اہل نہیں ہوتی جب تک آپس میں محبت نہ پائی جائے اور محبت کے بغیر مشورے کی کوئی حقیقت نہیں ہے، ورنہ محبتوں کے بغیر کے مشورے تو دشمنی بن جایا کرتے ہیں، وہ تو ایک عذاب بن جاتے ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ ”گلف وار“ (Gulf War) سے پہلے امریکہ کے ایمبیسیڈر کی طرف سے صدر صدام کو مشورہ دیا گیا تھا کہ کویت پر حملہ کرنا تمہاری مرضی ہے، تمہارا کام ہے، ہمیں اس سے کیا اور اس طرح ایک شہ دے دی گئی۔ بہت ہی ان دنوں اس کے چرچے تھے، اخبارات میں بات اچھالی گئی اور کئی امریکیوں نے اس کے ثبوت مہیا کئے کہ درست بات ہے۔ تو مشیر کے لئے نیک دل اور محبت کرنے والا ہونا ضروری ہے۔ اگر محبت سے عاری دل ہو تو حقیقت میں مشورہ دیا ہی نہیں جا سکتا اور قرآن کریم نے مشوروں کو اور باہمی محبت کو اکٹھا باندھا ہے۔

پس اس پہلو سے میں آپ کو یاد دلاتا ہوں کہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت کے رابطے بڑھائیں، خصوصاً امریکہ میں اس بات کی ضرورت ہے کیونکہ وہاں مدتوں پہلے جو افریقن

باشندے امریکہ میں آباد ہوئے ہیں مسلسل سفید قوموں کے ظلم کے نتیجے میں ان میں بدقسمتی سے احساس کمتری جگہ پا گیا ہے اور کسی قوم کے لئے احساسِ کمتری سے مہلک اور کوئی چیز نہیں ہے۔ جماعت احمدیہ کو جو وہاں جدو جہد درپیش ہے اس میں ایک بڑی جدو جہد اس بات کی ہے کہ اپنے افریقن امریکن بھائیوں کو یقین دلائیں کہ آپ ہمارے بھائی ہیں، ہمارے دلوں میں آپ کی ویسی ہی عزت ہے جیسے ہر دوسرے مسلمان بھائی کی ہونی چاہئے۔ ایک عالمی جماعت ہے اس میں کوئی قومی اور علاقائی تفریق پیشِ نظر نہیں، نہ روا رکھی جاتی ہے۔ یہ باتیں سمجھانے کی ضرورت پڑتی ہے اور مسلسل پڑتی چلی جاتی ہے اور بعض ایسے بھی ہیں کہ جن کو میں براہِ راست خطوں کے ذریعے بھی سمجھاتا رہتا ہوں لیکن پھر کچھ عرصے کے بعد وہی بات پھر دوبارہ نکل آتی ہے لیکن ایسے چند ہیں۔ اللہ کے فضل سے امریکہ میں افریقن احمدیوں کی اکثریت ایسی ہے جو مخلص، مالی قربانی میں بھی پیش پیش، غریب ہے مگر اخلاص میں غریب نہیں لیکن وہ جو چند ایسے لوگ جن میں احساس کمتری پر مبنی بغاوت سر اٹھاتی ہے، وہ بعض جگہ دوسروں پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں اور ان کی وجہ سے ان کی شہرت اچھی نہیں رہتی یعنی جماعت کی بحیثیت مجموعی شہرت اچھی نہیں رہتی۔ اس کا تبلیغ پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔ بعض ایسے علاقے ہیں جہاں تبلیغ کے رکنے کی وجہ جیسا کہ بعض ان میں سے کہتے ہیں ہرگز یہ نہیں کہ نعوذ باللہ پاکستانی ان لوگوں کو اپنے سے نیچا دیکھتے ہیں، اس کے نتیجے میں ردعمل پیدا ہوتا ہے یہ بالکل جھوٹ ہے۔ پاکستانیوں کی اکثریت کو میں جانتا ہوں، کوئی پاگل کہیں پیدا ہو جائے تو اور بات ہے، دنیا میں ایسے پاگل ہوتے ہی رہتے ہیں لیکن اکثریت تو بچھنے والی ہے، اخلاص والی ہے، اپنے غیر ملکی بھائی کو جو پاکستان کے لحاظ سے غیر ملکی ہو، جب احمدیت میں دیکھتے ہیں تو ان کے دل کشادہ ہوتے ہیں، ان کی آنکھیں راہوں میں بچھتی ہیں۔ بہت ہی پیار اور محبت سے وہ ان کو دیکھتے ہیں اور ان سے حسن سلوک کرتے ہیں اس لئے یہ الزام درست نہیں ہے۔ غیروں نے آپ کو ٹھوکریں ماریں، غیروں نے تکلیف دی، اپنوں سے اس کے بدلے اتاریں گے! یہ تو ظلم ہے، یہی پاکستانی ہیں جو باقی دنیا میں بھی تو خدمت کر رہے ہیں وہاں کیوں نہیں کوئی ایسی حرکتیں کرتے۔ اس لئے اگر کہیں کچھ ٹیڑھے دماغ کے ہوں تو ان کو اپنی اصلاح کرنی چاہئے۔ بہت بڑا گناہ ہے اگر اپنے نسبتاً کم کالے رنگ کی وجہ سے ان کے نسبتاً زیادہ کالے رنگ پر کوئی تکبر کرے۔ کالوں میں تو آپ بھی ہیں، چاہے کیسے ہی گورے

پیدا ہو جائیں آپ کا شمار کالوں میں ہی رہے گا۔ پس کالے اور گورے کی بحث سے تو یہ مسائل حل نہیں ہوں گے۔ سب کو گورا بننا ہے یعنی نورانی لحاظ سے، حضرت محمد مصطفی ﷺ کا نور اپنانا ہے۔ وہ ایسا نور ہے جو ہر کالے کو گورا کر دیتا ہے، ہر گورے کا حسن چمک اٹھتا ہے۔ پس یہی وہ نور ہے جس نے دنیا کو ایک ہاتھ پر اکٹھا کرنا ہے۔ آپ کے کاموں میں، یعنی امریکہ کو میں مخاطب ہوں خصوصیت سے، آپ کے کاموں میں ہرگز برکت نہیں پڑ سکتی جب تک آپ میں سے کچھ احساس کمتری کے شکار رہیں اور اس کے نتیجے میں اگر کھلم کھلا نہیں تو اندرونی تفریق باقی رہے۔ میں نے مثالیں دی ہیں کئی دفعہ، کہ دیکھو افریقہ میں بھی تو وہی نسل ہے جس کی تم اولاد ہو۔ افریقن احمدیوں میں تو میں نے کہیں احساس کمتری نہیں دیکھا، کہیں کوئی غلط ردِ عمل نہیں دیکھا بلکہ تعجب ہوتا ہے بعض دفعہ افریقہ میں ایک افریقن کو امام مقرر کیا جاتا ہے ایک افریقن کو عہدہ دیا جاتا ہے اور وہ آ کر پیغام دیتے ہیں، سمجھاتے ہیں کہ ہمیں تو پاکستانی سے زیادہ فائدہ پہنچے گا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جیسی ان کی تربیت ہے، جیسا وہ نیک اثر ہم پر ڈالتے ہیں، ہمارے اپنی بھائی ابھی اس مقام کو پہنچے نہیں ہیں اور بڑی بے تکلفی سے وہ بات کہتے ہیں، ان کے چہروں پر مجھے کہیں سیاہی دکھائی نہیں دی کبھی دکھائی نہیں دی، وہ تو نور سے دمکتے ہوئے چہرے لگتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ احمدیت کی تربیت پا کر آنکھوں میں سیاہ سفید کی تفریق ہی مٹ جاتی ہے۔ کبھی مجھے یاد نہیں کہ کوئی احمدی ملا ہو اور میں نے اس کا رنگ دیکھا ہو، کون سا رنگ ہے۔ اس کی روح دکھائی دیتی ہے اور وہ سب روحیں پیاری دِکھتی ہیں۔ پس اگر کہیں کسی پاکستانی احمدی میں کوئی ایسا نقص رہ گیا ہے جس کا بد اثر پڑ رہا ہے تو اس کو میرا مشورہ ہے کہ وہ استغفار سے کام لے۔ اس کی وجہ سے اگر ایک یا دو یا دس کو ٹھوکر لگے تو مسیحؑ کا یہ قول میں اسے بتاتا ہوں جنہوں نے فرمایا کہ اگر کسی شخص سے کسی کو ٹھوکر لگے تو اس سے بہتر تھا کہ وہ ٹھوکر لگانے والا پیدا نہ ہوتا۔ لیکن وہ جن کو بات بات پر ٹھوکر لگے ان کو سنبھالنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ یہ ٹھوکر لگنے کا مزاج بڑا خطرناک ہے اور احساس کمتری سے یہ ٹھوکر لگنے کا مزاج پیدا ہوتا ہے، جس کو احساس کمتری نہ ہو ان کو ٹھوکر لگا ہی نہیں کرتی۔ اس لئے امریکہ کے لوگ سن رہے ہوں یا دوسرے لوگ، ہر جگہ کو یہ پیغام واحد ہے، خدا کے لئے کبھی احساسِ کمتری کا شکار نہ ہوں، آپ اللہ کی جماعت ہیں اور اللہ کی جماعت کو احساس کمتری زیب نہیں دیتا۔ ایسے لوگوں کو جب دنیا تکبر کی وجہ سے نیچے دیکھتی ہے تو اللہ کی نظر میں وہ اور اونچے ہو جاتے ہیں۔

قرآن کریم فرماتا ہے کہ تم کوئی ایسا قدم نہیں اٹھاتے ، ایسے رستوں پر نہیں چلتے جہاں دنیا تمہیں غضب اور ذلت کی نظر سے دیکھ رہی ہو اور خدا کے نزدیک تمہارا مرتبہ نہ بڑھ رہا ہو۔ اللہ کو تم اور پیارے ہو جاتے ہو۔ تو جس جماعت کو خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ یقین دہانی ہے، یہ ضمانت ہے کہ تمہیں دنیا میں کوئی ذلیل نہیں کر سکتا اور جب ذلیل کرنے کی کوشش کرے گا میری نظر میں تمہارا مرتبہ اور بلند، بلند تر ہوتا چلا جائے گا۔ اس جماعت کے پاس احساس کمتری پھٹکنا بھی نہیں چاہئے اور جو پھر بھی ایسی باتیں کرے وہ ظالم ہے اور ان ظالموں سے آپ کو متنبہ رہنا چاہئے۔ پس آپس میں سچی محبت پیدا کریں، ہم سب بھائی بھائی ہیں، ہمارے رنگ ونسل کی تفریق ہمارے اندر نہ کوئی خوبی پیدا کرتی ہے نہ ہمیں ذلیل کر سکتی ہے۔ تقویٰ ہی ہے جو ہماری عزت کا باعث ہو سکتا ہے اور تقویٰ کی عزت بندوں کے حوالے سے نہیں ہوا کرتی بلکہ اللہ کے حوالے سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اَكۡرَمَكُمۡ تم میں سے معزز عِنۡدَ اللّٰهِ اَتۡقٰٮكُمۡ (الحجرات:14) اللہ کے نزدیک وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ تم میں سے جو معزز ہے اس کی عزت کیا کرو اور جو متقی ہے اس کی عزت کیا کرو، قرآن کریم میں یہ آیت کہیں نہیں ملتی۔ کیونکہ تقویٰ کی عزت از خود قائم ہوتی ہے اور اللہ کے حوالے سے قائم ہوتی ہے اور اس فیصلے کا اختیار کہ کون متقی ہے، کون نہیں ہے، اللہ ہی کو ہے اور جب اللہ کسی کو متقی سمجھے، جس طرح میں نے بات کا آغاز کیا تھا، پھر فرشتوں کو خود حکم دیتا ہے، وہ ہوائیں چلاتے ہیں، وہ زمین پر اترتے ہیں اور لوگوں کے دلوں میں ایسے شخصوں کی محبت بھر دیتے ہیں۔ پس انہیں کسی محبت کی طلب نہیں ہوتی، نہ وہ اپنا ہاتھ محبت مانگنے کے لئے آگے بڑھاتے ہیں۔ خدا کی طرف سے وہ محبتیں ان کو عطا ہوتی ہیں کیونکہ تقویٰ کا تعلق اللہ سے ہے اور اِنَّ اَكۡرَمَكُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ اَتۡقٰٮكُمۡ تم میں سب سے معزز اللہ کے نزدیک وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔

جماعت احمدیہ ناروے کو بھی میرا یہی پیغام ہے۔ آج کل یورپ میں بھی Racism سر اٹھا رہا ہے اور Racism کا بھی دراصل احساس کمتری سے تعلق ہے۔ دنیا میں کوئی چیز احساس برتری نہیں ہے۔ احساس برتری اگر ہو یعنی معلوم ہو کہ میں حقیقۃً بہتر ہوں تو وہ دل میں نرمی پیدا کرتا ہے، انکسار پیدا کرتا ہے۔ تکبر، احساسِ کمتری کا بچہ ہے اگر تکبر حقیقت میں زیب دیتا تو اللہ تعالیٰ تکبر کو

ایسا ناپسند نہ فرماتا۔ پس Racism میں جو لوگ ملوث ہوتے ہیں دراصل وہ احساس کمتری کے نتیجے میں ملوث ہوتے ہیں۔ اب یورپ میں خصوصاً جرمنی میں جو Natsi تحریک چلی ہے جس میں یہودیوں کو نفرت کا نشانہ بنایا گیا آپ یہودیوں کو جو چاہیں کہیں لیکن جرمن قوم نے یہودیوں کو دیکھا کہ دیکھتے دیکھتے وہ ان کی اقتصادیات پر قابض ہوگئیں، ان کے اندر بعض ایسی صلاحیتیں تھیں جن کا وہ مقابلہ نہیں کر سکتے تھے، پس اس سے جو تکلیف پہنچی ہے، اس سے ان کے دلوں میں جو احساس اذیت پیدا ہوا ہے اس کی بنیاد اپنے آپ کو کم تر سمجھنے میں تھی۔ اگر وہ اپنے آپ کو برابر سمجھتے تو مقابلہ کرتے اور جب اکثریت میں تھے تو اقلیت کے ساتھ قانون کے اندر رہتے ہوئے مقابلہ کیوں ممکن نہیں ہے۔ پس یہ احساس تھا کہ ہم یہ نہیں کر سکتے جو یہ کر رہے ہیں اور کوئی وجہ ایسی ہے کہ یہ ہم پر غالب آ رہے ہیں، اس کا ردعمل پیدا ہوا ہے۔ جو حوصلے والے لوگ ہوتے ہیں، جن کے دل بڑے ہوں وہ کبھی چھوٹی چھوٹی باتوں میں حسد نہیں کیا کرتے۔ اگر کوئی آپ میں سے آگے نکل گیا ہے تو یہ دیکھیں گے کہ کس طرح آگے نکلا، کیوں نکلا؟ ہاں اگر اس نے کوئی غلط طریق اختیار کیا ہے تو اس غلط طریق کو مٹانے کے لئے کوشش کرنا یہ احساسِ کمتری نہیں۔ لیکن ایسے شخص کا ویسے ہی دشمن ہو جانا اور یہ سمجھتے ہوئے کہ ہم سے آگے نکل گیا ہے، اس سے حسد کے جذبات میں جلتے رہنا، یہ ساری باتیں Racism کی بنیاد ہیں اور اس سے بھی ہمیں نجات کی دعا مانگنی چاہئے۔ پس جماعت احمدیہ کے رخ دونوں طرف کے لوگوں کی طرف کھلے ہیں۔ جماعت احمدیہ کی آنکھیں ایک طرف ان کو بھی دیکھ رہی ہیں جو اپنی غلطی سے احمدیوں کے متعلق سمجھتے ہیں کہ اپنے آپ کو گویا معزز بنا بیٹھے ہیں، ہم پر تکبر کر رہے ہیں، اور ایک رخ ان کی لوگوں کی طرف ہے جو اپنی بے وقوفی کی وجہ سے ہمیں نیچا دیکھ رہے ہیں اور تکبر کی راہ ہمارے متعلق اختیار کئے ہوئے ہیں تو مشرق میں جائیں یا مغرب میں جائیں، جتنی بھی کج ادائیں ہیں انہیں ہم نے ٹھیک کرنا ہے اور کج ادائی کو ٹھیک کرنے کے لئے اپنی اداؤں کو درست کرنا ضروری ہے۔ پس میں یہ پیغام نہیں دیتا کہ ان کے خلاف ایک مہم چلائیں، ایک موومنٹ بنائیں، جس طرح آج کل مادی قوموں کا کام ہے اور بڑی بے وقوفی ہے جو وہ ایسا کرتے ہیں۔ ہمیں تو قرآن کریم نے ہمارے ہاتھوں میں **امر بالمعروف** اور **نھی عن المنکر** کے ہتھیار تھمائے ہیں اور خود درست ہونے کی تعلیم دی ہے۔

یہ دو باتیں اگر جماعت اپنا لے، آپس کی محبت کے ساتھ اپنے اخلاق کو درست کرے اور جن قوموں سے تعلق ہے ان قوموں کے حوالے سے، ان کی بیماریاں دور کرنے کے لئے، ان شعبوں میں جہاں وہ بیمار ہیں، اپنے آپ کو بہت ہی صحت مند بنائیں۔ اگر احساس کمتری کا مقابلہ ہے تو آپ ان کے سامنے بچھیں۔ جس طرح بھی ہو احساس کمتری کے بت کو توڑیں۔ اگر کوئی بڑا بنتا ہے تو اس کے سامنے سر اٹھانے سے بات نہیں بنے گی، یہ عجیب بات ہے کہ وہاں بھی علاج بچھنا ہی ہے لیکن ذلت کے ساتھ بچھنا نہیں وقار کے ساتھ۔ عزت اور احترام ان معنوں میں کہ آپ اس سے ڈرے نہیں ہیں، بے خوف ہیں اور بے خوفی کی علامت یہ ہے کہ آپ نصیحت سے باز نہیں آتے۔ اپنی اصلاح کرتے ہیں اور پھر قطع نظر اس کے کہ کوئی آپ کو کیا سمجھتا ہے، بری باتوں سے روکتے ہیں اور نیک کاموں کا حکم دیتے ہیں۔ یہ وہ ذریعہ اصلاح ہے جو جماعت احمدیہ کے ہاتھ میں ہے اور یہ ذریعہ اصلاح ناکام نہیں ہوا کرتا۔ یہ قرآن کریم کا نسخہ ہے جو ہمیشہ خدا کی طرف سے قوموں کو عطا ہوا اور قوموں پر آزمایا گیا اور قرآن نے بھی اس پر بہت زور دیا اور حضرت محمد مصطفی ﷺ نے بھی بہت زور دے دے کر سمجھایا کہ یہ نسخہ استعمال کرو یہ کبھی ناکام نہیں ہوگا۔ اب میں حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی بعض نصائح آپ کے سامنے رکھتا ہوں جن کا اسی باہمی محبت کے مضمون سے تعلق ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور پھر بعد میں فرمایا **وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَاجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ** اور مہاجر وہ ہے جو ان باتوں سے ہجرت کر جائے جن کو اللہ نے منع فرمایا ہے۔ (بخاری کتاب الایمان، حدیث: 2262)

یہ چند لفظوں کی نصیحت ہے مگر بہت ہی گہری ہے اور قوموں کی زندگی کے بننے سنورنے کا اس کے ساتھ تعلق ہے۔ پہلی بات تو مسلمان کی تعریف ہے اس سے بہتر تعریف جہاں تک دنیا کا تعلق ہے، ہو نہیں سکتی۔ ایک وہ تعریف ہے جس کا تعلق خدا سے ہے یعنی خدا کے حضور اپنے آپ کو بچھا دینا اور اس کی مرضی کے تابع ہو جانا۔ اس حدیث میں دونوں باتوں کا ذکر ہے۔ چند لفظوں میں، اگر آپ غور کر کے دیکھیں، تو مسلمان کی ایسی جامع مانع تعریف فرما دی گئی ہے جس کا اطلاق جس پر ہو اس کو کوئی دائرہ اسلام سے خارج کر ہی نہیں سکتا۔

جہاں تک دنیا کے دیکھنے کا تعلق ہے اگر کسی انسان سے کسی دوسرے کو کوئی شر نہ پہنچے اور اس

کی عزت محفوظ ہو، اس کا مال محفوظ ہو، اس کی ہر وہ چیز جس کی وہ قدر کرتا ہے جس سے وہ تعلق رکھتا ہے، دولت ہو یا بچے ہوں یا اور پیارے یا مذہبی لحاظ سے معزز لوگ، کسی پہلو سے بھی اگر اس کے عزیزوں پر کسی کی طرف سے کوئی حملہ نہ ہو بلکہ وہ اپنے آپ کو ان کے ہاتھوں میں محفوظ سمجھے تو آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ پھر مسلمان ہے۔ مسلمان وہ ہے جس سے کسی کو کوئی شر نہیں پہنچ سکتا۔ ''پہنچتا'' اور بات ہے ''پہنچ سکتا'' اور بات ہے، یہاں دونوں مضمون داخل ہیں۔ نہ پہنچتا ہے نہ پہنچ سکتا ہے۔ یہ مسلمان کے مزاج کے خلاف ہے کہ وہ کسی کی عزت پر ناجائز حملہ کرے کسی کے مال کو ہتھیانے کی کوشش کرے، کسی کے وقار کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے، غرضیکہ ہر شر کے پہلو سے ایک مسلمان سے دوسرا انسان محفوظ ہے۔ اب ایسا شخص اگر کوئی ہو تو وہ اسے غیر مسلم کیسے کہہ سکتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ وہ خدا تو نہیں ہے، اللہ کا فیصلہ اللہ نے کرنا ہے، جہاں تک بندوں کا تعلق ہے ان کو صرف اتنا اختیار ہے کہ کسی انسان کے روزمرہ کے طرز عمل کے اوپر ایک فتویٰ دیں اور جو دیکھتے ہیں اس کے مطابق فتویٰ دیں۔ اگر احمدیوں کے متعلق بنی نوع انسان میں یہ شہرہ ہو کہ یہ شریر لوگ نہیں ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں ہماری عزت محفوظ، ہماری دولت محفوظ، ہر وہ چیز جو ہمیں پیاری ہے وہ ان کے نزدیک بھی اس حد تک قابلِ احترام ہے کہ اس کو نقصان پہنچانے کا نہیں سوچ سکتے تو ایسے شخص کے متعلق کوئی غیر مسلم اسے کیسے کہہ سکتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے کھول کر مضمون بیان کر دیا ہے کہ اس کو تم غیر مسلم کہنے کا حق ہی نہیں رکھتے۔

پس جہاں تک اللہ کا تعلق ہے بظاہر بات بدلی ہے لیکن بات وہی ہے، ہجرت کی تعریف فرمائی ہے۔ فرمایا مہاجر وہ ہے جو ان باتوں کو چھوڑ دے جن کو اللہ نے منع فرمایا اور ان باتوں کی طرف حرکت کرنا شروع کرے، سفر اختیار کرے جو اللہ کو پسند ہیں تو اللہ کے نزدیک تو یہ مسلمان ہیں۔

جہاں تک بندوں کا تعلق ہے وہ بندے دیکھ رہے ہیں اور بات کھلی ہوئی ہے اس میں کسی کے عالم الغیب ہونے کی نہ ضرورت ہے نہ سوال۔ جو بے شر، بے ضرر آدمی ہے اس کو تم غیر مسلم کہنے کا حق نہیں رکھتے۔ جہاں تک اللہ کی ذات کا تعلق ہے اللہ جانتا ہے میں نے کیا حکم دیا ہے، مجھے کیا باتیں پسند، کیا ناپسند اگر وہ اپنے کسی بندے کو دیکھے کہ مسلسل اس کا سفر خدا کی ناپسند باتوں کی طرف سے ان باتوں کی طرف ہے جو خدا کو پسند ہیں، تو آسمان سے ہر لمحہ اس کے لئے مسلم ہی کا فتویٰ جاری ہوگا۔

پس اس پہلو سے آپ کو مسلم بننا ہے اور مسلم بننا ہوگا کیونکہ دنیا کے امن کا مسلم سے تعلق ہے۔ دنیا کا امن آج حقیقت میں اس اسلام سے وابستہ ہے جس کی تعریف آنحضرت ﷺ نے یہاں فرمائی۔ اس میں نمازوں، عبادتوں، زکوۃ کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ اس میں دو عملی حالتوں اور اندرونی کیفیتوں کا ذکر ہے اور حقیقت میں اندرونی کیفیات کی طرف نمایاں اشارہ ہے اس کے نتیجے میں بعض عملی حالتیں پیدا ہوتی ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ (الحجر:89) کہ تو اپنی نظریں، خدا نے جو جوڑا جوڑا نعمتیں لوگوں کو عطا فرمائی ہیں، ان کی طرف یونہی بے کار نہ دوڑایا کر، حرص اور لالچ کے ساتھ اپنی نظروں کو ان چیزوں کی طرف لمبا نہ کیا کر۔ یہ بے وقری کی بات ہے، خدا پسند نہیں کرتا۔ تو جس کے اندر سے یہ حرص مٹ جائے کہ کسی کی اچھی چیز دیکھے تو اسے کھینچ کے اپنا بنانے کی کوشش کرے، اس معاملے میں وہ بے شر ہو جاتا ہے اور اگر یہ اندرونی جذبہ نہ ہو اور یہ اندرونی اصلاح نہ ہو چکی ہو جس کا قرآن کریم کی اس آیت سے تعلق ہے جس کی تلاوت کی ہے، تو ایسا شخص کبھی بے شر نہیں ہو سکتا۔

پس اندرونی طور پر پہلے رجحانات کی اصلاح ضروری ہے اور رجحانات کی اصلاح میں بڑی محنت کرنی پڑتی ہے، بہت دقتیں پیش آتی ہیں اور بسا اوقات انسان خود اپنے اندر کے معاملات کو نہیں دیکھ رہا ہوتا اور غیر کے معاملات کو سمجھنے کے دعوے کرتا ہے۔ اس کو یہ نہیں پتا کہ میرے اندر جو ناتھی اس نے مجھے کس کس چکر میں ڈال رکھا ہے۔ میرے اندر کے بت ہیں جو مجھے کیا کیا دھوکے دے رہے ہیں ان سے بے خبر رہتا ہے اور غیر بے چارے نے خواہ کوئی بات نہ بھی سوچی ہو اس کی نیت پر حملہ کرنے میں بہت تیزی دکھاتا ہے۔ پس یہ جہالت کی باتیں ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے جس پہلو سے آپ کو مسلمان بننے کی ہدایت فرمائی ہے اس پر آپ غور کریں تو جب تک اندرونی طور پر آپ اپنے نگران نہ بن جائیں، اپنی سوچوں پر پہرے نہ بٹھا دیں، جب تک اپنی ہر خواہش اور تمنا پر ایک تقویٰ کا نگہبان مقرر نہ کر دیں اس وقت تک غیر آپ کے شر سے محفوظ نہ ہے، نہ ہو سکتا ہے اور جہاں تک دنیا کا تعلق ہے وہ بے تکلفی کے ساتھ، پورے اطمینان کے ساتھ آپ کے مسلمان ہونے کا فتویٰ نہیں دے سکتی۔

پس غانا میں اگر نیک نامی ہوئی ہے تو اس حدیث کے اس پہلے حصے سے اس کا تعلق ہے۔ وہاں ایک لمبے عرصے سے لوگوں نے دیکھا کہ جماعت احمدیہ کی طرف سے کبھی کسی کو کوئی برائی نہیں

پہنچتی۔ نہ یہ ڈاکے ڈالنے والے لوگ، نہ یہ رشوت خور، نہ یہ دوسرے کے مال غصب کرنے والے، نہ چوراچکے، نہ قتل کرنے والے، نہ غریبوں اور یتیموں پر ظلم کرنے والے۔ یہ شہرت ایک لمبے عرصے میں وہاں پرورش پائی ہے اور اس کا بعض لوگوں سے بعض دوسروں کے مقابل پر بہت زیادہ گہرا تعلق ہے۔ لیکن اتفاقاً کہیں کہیں کچھ بد بھی پیدا ہو جاتے ہیں تو اس لئے میں نے جماعت غانا کو نصیحت کی تھی کہ نظر رکھیں اور زیادہ سے زیادہ احمدیوں کو یہ نیکی کمانے میں لگا دیں، جھونک دیں۔ وہ سارے مل کر ایسے کام کریں کہ تمام غانا کا جو نیک تاثر ہے وہ مزید تقویت پائے اور ان کو یقین ہوتا چلا جائے کہ ہم نے جلد بازی میں کوئی رائے قائم نہیں کی تھی، یہ جماعت ہی مسلمانوں کی جماعت ہے، یعنی مسلم کی اس تعریف کے تابع ہے جو میں نے ابھی پڑھ کر سنائی اور جیسا کہ میں نے بیان کیا اس کا نیت سے تعلق ہے۔ ہر روز کی دنیا میں، ہر روز اور ہر رات آپ کی تمنائیں اور آپ کی خواہشات آپ کے دماغوں میں اس طرح جگالی کرتی ہیں جس طرح ایک بھینس یا گائے چارہ کھانے کے بعد جگالی کیا کرتی ہے۔ ہر انسان صبح کے وقت بھی جگالی کرتے ہوئے اٹھتا ہے اور رات کو بھی جگالی کرتے ہوئے سوتا ہے اور وہی اس کی جگالی ہے جو رات کو اس کی خوابیں بھی بنتی جاتی ہے یا اس کے اس نفس کے حصے میں ڈوب کر آئندہ اس کے کردار کی تشکیل کرتی ہے جو نفس کا حصہ اس کی نظر سے اوجھل ہے یعنی دماغ کا وہ حصہ جس میں بہت کچھ سوچا جا رہا ہے، بہت کچھ سکیمیں بنائی جا رہی ہیں، منصوبے بنائے جا رہے ہیں، چھان بین ہو رہی ہے، مختلف خیالات، مختلف تجارب کے آپس کے تعلقات کو دوبارہ مربوط کیا جا رہا ہے یا توڑا جا رہا ہے۔ ہر لمحہ یہ دماغ جو آپ کی نظر سے اوجھل ہے یہ کام کر رہا ہے، کئی قسم کی نئی شکلوں میں آپ کے خیالات کو نئی ترتیب دیتا ہے، آپ کے تجارب کا مطالعہ کرتا ہے غرضیکہ بہت ہی غیر معمولی طور پر جس کو کہتے ہیں War footing۔ یوں لگتا ہے کہ War footing پر دماغ میں منصوبے بنائے جا رہے ہیں اور نئی ترتیبیں قائم کی جا رہی ہیں اور اس کے لئے کتنا ہنگامہ ہو گا، کتنے لمبے سفر اختیار کرنے پڑتے ہیں خیالات کو اس کے متعلق آپ کو میں مثال کے طور پر بتاتا ہوں کہ سائنسدانوں نے جہاں دماغ کے تجزیئے کا مطالعہ کیا ہے کہ جب آپ ایک نظر ایک چیز کو دیکھتے ہیں تو اس کو پہچاننے کے وقت یا اس کے متعلق تاثر قائم کرنے کے وقت آپ کے اندر کتنی برقی روئیں دوڑی ہیں، کہاں کہاں پہنچی ہیں، کہاں کہاں سے واپس آئی ہیں، کن کن جگہ کی انہوں نے تلاش کی

ہے تو آپ سن کر حیران ہو جائیں گے کہ اس ایک نظر کے تجزیہ میں بعض دفعہ برقی روؤں کو لاکھوں میل کا فاصلہ طے کرنا پڑتا ہے اور چھوٹے سے دماغ میں، اس کثرت سے وہ آتی جاتی ہیں ایک کونے سے دوسرے کونے میں، دوسرے سے تیسرے کونے میں، جسم کی جو نسیں مختلف حصوں میں بعض کیفیتیں رکھتی ہیں ان کو بھی اکٹھا کرتی ہیں۔ ماضی کی ساری چھان بین کرتی ہیں۔ آپ کی اندرونی کیفیات کا مطالعہ کرتی ہیں، آپ کے تعلقات کا مطالعہ کرتی ہیں، ان تعلقات کے مطالعہ کے دوران ایسے شخص کا کوئی تصور موجود ہے کہ نہیں، وہ اچھا ہے کہ برا ہے۔ یہ ساری باتیں آن واحد میں ہو جاتی ہیں اور لاکھوں میل کا سفران برقی روؤں کو اختیار کرنا پڑتا ہے۔

تو رات بھر کے ہنگاموں میں آپ اندازہ کریں کہ کتنی بڑی مصروفیتیں، کتنے بڑے بڑے سفر طے ہوتے ہوں گے اور اس کو جو Data feed کیا ہے وہ آپ کے Conscious mind نے کیا ہے ان نیتوں نے کیا ہے جن کی جگالی کرتے کرتے آپ سوئے تھے۔ ان میں اگر بد تمنائیں تھیں جن کو حاصل کرنے میں آپ نا کام رہے یا کسی پکڑ سے بچنے کے لئے آپ نے جھوٹ کے منصوبے باندھے تھے یا آپ نے کسی کی لالچ کی تھی اور آپ کو وہ چیز ہاتھ نہیں آئی اس کو اخذ کرنے کے لئے آپ نے کچھ ترکیبیں سوچی ہیں تو وہ تو چند ہیں۔ اس گہرے دماغ میں ڈوب کر جو آپ کی نظر سے غائب ہے یہ بہت بڑے بڑے منصوبے بن جاتے ہیں اور وہ پھر پختہ شکل میں آ کر بعض دفعہ خوابوں میں آپ کو دکھائی دیتے ہیں جن کی بعض دفعہ تعبیریں بھی آپ نہیں سمجھتے۔ لیکن بسا اوقات آپ کی شخصیت کی ایک چھاپ آپ کی روح پر قائم کر دیتے ہیں اور اس طرح آپ کی ایک روح وجود میں آتی ہے۔ وہ منصوبے اگر شر کا پہلو رکھتے ہیں تو جو روح اس سے وجود میں آتی ہے وہ لوگوں کے لئے خیر کا موجب نہیں ہو سکتی اور اپنے لئے بھی وہ مرنے کے بعد شر کا ہی موجب ہو گی۔

پس خدا تعالیٰ نے جو آپ کو زندگی دی ہے جو قویٰ عطا فرمائے ہیں ان کو تخفیف کی نظر سے نہ دیکھیں۔ اتنا بڑا احسان ہے کہ اس کے تصور میں ڈوب کر اگر ساری زندگی بسر کریں تو اپنے دماغ کی ساکھ اور اس کی کارگزاریوں کے احسانات پر ہی غور کرنا شروع کریں تو آپ کی زندگی کیا، آپ کی نسلوں کی زندگیاں ختم ہو جائیں گی، آپ نہ پورا غور کر سکتے ہیں نہ پورا شکر کا حق ادا کر سکتے ہیں۔ پس آنحضرت ﷺ نے ہمارے سامنے معرفتوں کے خزانے لٹا دیئے ہیں۔ ایک ایک، دو دو کلمے میں ایسی

ایسی عظیم باتیں فرمادی ہیں کہ اگر آپ ان پر غور کر کے، ڈوب کر دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آپ کی ساری زندگی اس ایک کلمے پر عمل کرنے سے سنور سکتی ہے۔ فرمایا دیکھو تم بے شر ہو جاؤ یہاں تک کہ غیر گواہی دینے لگے، غیر کو معلوم ہو جائے کہ میری امت سے کسی کو کوئی نقصان نہیں ہے۔ میرے ماننے والوں سے وہ ہر لحاظ سے، ہر پہلو سے امن میں ہے تو فرمایا تم مسلمان ہو۔ پھر فرمایا کہ اللہ کی نظر میں مسلمان ہونا ضروری ہے۔

ایک یہ پہلو تو خود ظاہر کر دیتا ہے کہ جس شخص کے متعلق یہ تاثر ہو کہ اس سے کوئی شر نہیں پہنچ سکتا وہ مسلمان ہی ہوگا، اللہ کی نظر میں بھی مسلمان ہونا چاہئے۔ مگر اس میں ایک چھوٹا سا سقم ہے وہ یہ کہ بسا اوقات انسان دھوکہ دے کر لوگوں کو یہ بتانے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ بے شر ہے اور اس پہلو سے انسان سب سے زیادہ خطرناک جانور رہے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے صرف یہ علامت بیان کر کے فرض ادا نہیں فرمادیا۔ آنحضرت ﷺ سے بڑھ کر انسانی نفسیات کا عالم خدا کے بعد اور کوئی نہ تھا، نہ ہو سکتا ہے۔ آپ ہر جگہ جہاں ایک علامت بیان فرماتے ہیں ان خطرات کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو اس کے غلط استعمال سے غلط نتیجے پیدا کر سکتے ہیں کوئی نہ کوئی ایسا آپ Safety valve بھی مقرر فرما دیتے ہیں جس کے ہوتے ہوئے اس کا غلط نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا۔ پس بظاہر ایک آدمی کہہ سکتا تھا کہ یہی تعریف کافی ہے۔ جس شخص کا دل شرارت سے پاک ہو چکا ہو وہی ہے جس کی نیت، جس کے اعمال بھی شرارت سے پاک ہوتے ہیں۔ آپ نے خود یہ بھی ہمیں سمجھا دیا ہے تو پھر یہ خدا کے نزدیک بھی مسلمان ہی کہلانا چاہئے ، الگ تعریف کی کیا ضرورت ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جہاں تک بنی نوع انسان کے دیکھنے کا تعلق ہے بسا اوقات ان کو یہی پیغام ملتا ہے کہ یہ شخص بڑا محفوظ ہے اور یہ پیغام نہ اس کے لئے امن کا موجب ہے نہ اس شخص کے لئے جس کے متعلق یہ سوچ سوچی جاتی ہے۔ جانوروں سے انسان کا ایک نمایاں فرق اس بات میں یہ ہے کہ جانوروں میں بھی Camouflage پایا جاتا ہے، یہ درست ہے اور ہر سطح پر جانوروں کے حیرت انگیز کیموفلاج کے انتظام ملتے ہیں جو قدرت نے ان کو ودیعت فرمائے ہیں یعنی اوپر سے کچھ اور دکھائی دے رہے ہیں اندر سے کچھ اور، لیکن یہ سب دفاعی ہیں۔ حملے میں دھوکہ نہیں ہے۔ حملے میں کیموفلاج نہیں ہے اگر جالا مکڑی نے تنا ہے تو وہ تنا ہوا جالا دکھائی دیتا ہے آگے کوئی اندھا بن جائے اس میں جا پھنسے تو اس کی

مرضی ہے مگر اس میں دھوکہ کوئی نہیں۔ شیر حملہ کرتا ہے داؤ پیچ استعمال ہوتے ہیں مگر شیر شیر ہی دکھائی دیتا ہے گیدڑ دکھائی نہیں دے رہا ہوتا۔ یہ میری مراد ہے کہ کیموفلاج اگر ہے تو خاص مقامات پر برمحل کیموفلاج ہے، اس میں دھوکہ بازی اور بالا رادہ کسی کو نقصان پہنچانے کے لئے کیموفلاج آپ کو قدرت میں دکھائی نہیں دیتا۔ تمام زندگی کی قسموں پر غور کر کے دیکھ لیں وہاں دفاعی کیموفلاج ہے۔ لیکن انسان ایک ایسا جانور ہے جس نے کیموفلاج کو حملے کے لئے کثرت سے استعمال کیا ہے کہ آپ کو بڑے بڑے شریر، بہت پا کباز لبادوں میں دکھائی دیں گے اور وہ لوگوں کے مال ہتھیانے کے لئے، مال کے معاملات میں ایسی ایسی نیک شہرت کی باتیں کرتے ہیں کہ عام طور پر لوگ بے چارے دھوکہ کھا جاتے ہیں اور جہاں کسی شخص کے متعلق مجھے یہ اطلاع ملتی ہے کہ فلاں شخص جو ہے بہت ہی اچھا آدمی ہے، لوگ دس روپے پر دس روپے منافع دے رہے ہیں وہ دس پر پچاس دے رہا ہے اور بڑی نیک شہرت کا مالک ہے، اس نے بڑے لوگوں کو فائدے پہنچائے ہیں۔ وہیں میں سمجھ جاتا ہوں کہ یہ شخص اگر اس پہ اعتبار کرے گا تو مارا جائے گا کیونکہ یہ نیک شہرت عام دستور سے ہٹ کر ہے اور بنائی گئی ہے، بنی نہیں ہے۔ خود بخود لوگوں کی باتوں سے سن کر اس نے یہ اندازے نہیں کئے بلکہ جس شخص کی اس کے مال پر بدنیت ہے اس کے سامنے خود اس نے اپنے ثبوت پیش کئے ہیں اور اپنے نقشے کھینچے ہیں۔ تو اس لئے ہر وہ شخص جو دنیا کو بے شر دکھائی دیتا ہے بسا اوقات یہ اس شخص کی شرارت ہے، اس شخص کا فساد ہے کہ وہ اپنے آپ کو بے شر بنا کر دنیا کو دکھا رہا ہوتا ہے۔ اس لئے ضروری تھا کہ اس تعریف کے اوپر کوئی ایسی تعریف کا پہرہ بٹھا دیا جائے جس میں غلطی کا امکان نہ رہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ بے شر ہونا تبھی درست ہے اگر تم شر والی باتوں سے ہجرت کر کے ان باتوں کی طرف حرکت شروع کر دو جو بے شر ہیں۔ جب تک تم بے شر نہیں ہوتے دنیا کیسے تمہارے شر سے محفوظ ہو سکتی ہے۔ پس یہ مضمون ہے جسے حضور اکرم ﷺ بیان فرما رہے ہیں کہ **المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده** مسلمان تو وہی ہے جس کے شر سے مسلمان بچ جائیں، زبان کے شر سے بھی اس کے ہاتھ کے شر سے بھی۔ **وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ** اور مہاجر وہ ہے جو اس چیز سے ہجرت کر جائے جسے اللہ ناپسند فرماتا ہے اور منع کرتا ہے۔

دوسری حدیث جو میں آج آپ کے سامنے رکھنی چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہم جس دور میں داخل

ہوئے ہیں ہمیں بہت محنت درکار ہے، بہت اصلاحی کام کرنے ہیں اور جیسا کہ میں نے ایک حدیث آپ کے سامنے رکھی ہے اس مضمون کو آپ لے کر اگر جماعت کی اصلاح کے لئے اٹھ کھڑے ہوں تو اس کے لئے بھی بہت دقتوں کا سامنا ہے۔ ہر قدم پر وہ شخص جس کو آپ نصیحت کریں گے اس کی انا آپ کی نصیحت کی راہ میں کھڑی ہو جائے گی۔ وہ دھوکہ جس میں اس نے خود اپنے نفس کو پامال کر رکھا ہے وہ آپ کے مقابل پر کھڑا ہوگا اور اس نصیحت کا کیا فائدہ جو دل پر اثر انداز نہ ہو سکے۔ پس اس سلسلے میں اور پھر اپنی اصلاح کے سلسلے میں بڑی دقتیں ہیں۔ بعض لوگ مجھے لکھتے ہیں کہ آپ جو جو مضمون بیان کر رہے ہیں، ہیں تو اچھے لیکن ہمیں تو مصیبت پڑ گئی ہے، ہمیں تو اپنا وجود دکھائی دینے لگ گیا ہے۔ اتنا بڑا کام، اتنا مشکل کام ہم سے ہو نہیں سکتا۔ تو ان کے لئے پیغام یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جہاں مشکل راہوں کی طرف بلایا ہے وہاں ان کو آسان کرنے کے طریقے بھی سمجھائے ہیں آپؐ فرماتے ہیں: یَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَبَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا (بخاری کتاب العلم حدیث نمبر: 67) کہ لوگوں کو آسانی کی طرف بلاؤ۔ آسان باتیں بیان کر کے، سمجھا سمجھا کر، پیار سے ان رستوں کی طرف بلاؤ، ان کیلئے مشکل نہ ڈال دیا کرو۔

یہ ایک انداز نصیحت ہے جس سے قوموں کی اصلاح ہوتی ہے اور اس انداز نصیحت کو نظر انداز کر دیا جائے تو نصیحت فائدے کی بجائے نقصان پہنچا دیتی ہے۔ آپ کے بچپن کی بھی کچھ یادیں ہوں گی، میرے بچپن کی کچھ یادیں ہیں۔ مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہؓ جب ہمیں نصیحت کیا کرتے تھے تو کبھی اس سے ہم بدکے نہیں، کبھی اس سے دوری نہیں ہوئی بلکہ ان کی محبت ہمیشہ پہلے سے زیادہ بڑھی اور اس نسل کا جن کا صحابہؓ سے تعلق تھا، صحابہؓ نہیں بھی تھے، ان کا بھی یہی طریق تھا۔ مجھے یاد ہے دولہا بھائی میاں عبدالرحیم احمد کے والد جب سندھ جاتے تھے ان کے ہاں ٹھہرا کرتے تھے تو وہ ہمیں نماز کے لئے اس طرح جگاتے تھے کہ دور دور سے پہلے ہماری چارپائیوں کا چکر کاٹنا شروع کرتے تھے۔ گرمیوں کے دنوں میں خصوصیت سے باہر کھلی ہوا میں سویا کرتے تھے۔ اندر تو سوال ہی نہیں تھا گرمی میں سونے کا، لیکن سندھ میں کھلی ہوا کی وجہ سے مچھر کم کاٹتا ہے اس لئے بھی ضروری ہوتا ہے کہ آدمی باہر ہی سوئے۔ تو وہ پہلے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کوئی شعر پڑھتے ہوئے، کبھی درود پڑھتے ہوئے دور دور سے گھومنے لگتے تھے کہ آہستہ آہستہ اس کے کانوں میں آواز جائے اور آہستہ آہستہ نیند سے بیدار ہو، ایک دم نہ تکلیف پہنچے۔ پھر وہ دائرہ تنگ

ہونے لگ جاتا تھا پھر قریب آ کر، مخاطب کر کے، پیار سے وہ باتیں دہرایا کرتے تھے اور اس طرح وہ کہتے کہتے چلے جاتے تھے اور واقعۃً اس عرصے میں نیند ہی اچاٹ ہو چکی ہوتی تھی۔ اس لئے کوشش کر کے، مصیبت سمجھتے ہوئے نہیں آنکھ کھولا کرتے تھے، بلکہ آنکھ خود بخود کھل جاتی تھی اور ان کی آوازوں کا، ان کی باتوں کا بڑا لطف آتا تھا اور اس کے مقابل پر جو سکولوں میں اور مدرسوں میں اسی زمانے میں بھی بعض ایسے لوگ تھے جو ایسے اعلیٰ انداز کے تربیت یافتہ نہیں تھے۔ وہ بچوں کو آ کے شور مچا کر، بعض دفعہ سخت کلامی کے ساتھ اٹھانے کی کوشش کرتے تھے یہاں تک کہ وہ سارے ہڑ بڑا کر اٹھتے اور کہتے ہاں جی اٹھ گئے ہیں، اٹھ گئے ہیں آپ جائیں اور جاتے ہی پھر سو جاتے تھے تو کہنے کہنے کے انداز ہیں۔

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ ایسی بات کہو جو نرمی کا پہلو رکھتی ہو، دوسرا گھبرا ہی نہ جائے۔ اس کو اس طرح بتاؤ کہ اس کو سمجھ آئے اور آہستہ آہستہ اپنے اندر وہ پاک تبدیلیاں پیدا کرے اور اس کو مصیبت نہ پڑ جائے۔ تو مصیبت میں ڈالنا مقصود ہرگز نہیں ہے۔ لا تعسروا کے میں بھی تابع ہوں اور آپ بھی تابع ہیں۔ آپ بھی جب نصیحت فرمائیں سمجھا کر، پیار سے سمجھائیں۔ یہاں تک کہ نصیحت سے پیار ہو جائے اور اس رنگ میں نہ کہیں، ایسے رنگ میں کوئی بات نہ کہیں، جس سے اس کے نفس میں ایک ردعمل پیدا ہو اور نصیحت کے نتیجے میں اچھی بات کے قریب آنے کی بجائے اس سے اور بھی دور ہٹ جائے تو اچھی نصیحت وہ ہے، جو اچھے کاموں کی طرف بھی رغبت پیدا کرتی ہے اور نصیحت کرنے والے کے لئے بھی دل میں محبت پیدا ہوتی ہے۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ کن لوگوں کو نصیحت کی، سوچیں ذرا، بدیوں کے کس مقام تک جا پہنچے تھے۔ اس مرتبے تک بدیوں میں آگے بڑھ گئے تھے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (الروم:42) فساد ہی فساد ہو گیا تھا اور غالب آ گیا تھا فساد۔ آگ کے کنارے پر کھڑے تھے۔ ان کو کھینچ کے لائے ہیں اس طرح کھینچ کے لائے ہیں کہ نیکیوں کے بھی عاشق ہوئے اور نیک بات کہنے والے کے بھی عاشق ہو گئے اور جیسی محمد رسول اللہ ﷺ سے آپ کی زندگی میں محبت کی گئی ہے دنیا کے کسی نبی سے کبھی ایسی نہیں کی گئی۔ اگر ہے کوئی تو لا کر دکھائے۔ پس یہ مضمون ہے يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا بات کہو تو پیار کے ساتھ کہو، پیارے انداز سے سمجھا کے کہو، آسان دکھا کر ان کو رفتہ رفتہ بلاؤ اور ان پر سختی نہ کرنا۔ اگر سختی کرو گے تو نقصان اٹھاؤ گے ان کے لئے بھی نقصان کا موجب

بنو گے۔ وَبَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا اب یہ ہے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا کلام، یہ نہیں فرمایا وَبَشِّرُوْا وَلَا تنذروا کیونکہ ہر رسول بشیرًا و نذیرًا تو ہوتا ہی ہے یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ آپ یہ فرماتے کہ تبشیر تو کروانذار نہ کرنا۔ اس لئے ایک اور لفظ استعمال فرمایا ہے ’’وَبَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا ‘‘بشارتیں دو، نفرتیں پیدا نہ کرنا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ انذار نفرت پیدا کرنے کے لئے نہیں کیا جاتا، انذار برعکس نتیجہ پیدا کرتا ہے۔ اگر انذار حکمت کے ساتھ کیا جائے تو جو شخص وہ انذار کرتا ہے اس کے لئے بھی دل میں محبت پیدا ہوتی ہے مثلاً ایک شخص آپ کو بتاتا ہے کہ آگے ڈاکو ہیں آپ یہ رستہ اختیار نہ کریں، نقصان پہنچے گا تو یہ انذار ہے اور ایک شخص کہتا ہے خبردار اس رستے پر نہیں چلنا، منع ہے اس رستے پہ جانا۔ یہ بھی ایک انذار ہے مگر یہ دوسرا انذار ’’تنفروا ‘‘کے تابع ہے یہ سننے والے کے دل میں نفرت پیدا کرتا ہے اور جو پہلا انذار ہے وہ بشارت کے تابع ہے اور نبی بشیر اور نذیر ہوتا ہے۔ بشیر اور منفر نہیں ہوا کرتا وہ نفرتیں پیدا نہیں کیا کرتا تو انذار سے منع نہیں فرمایا لیکن تبشیر کہہ کر دراصل انذار کو بھی تبشیر کے تابع ہی کر دیا ہے۔ خوشخبریاں دو کیونکہ جب تمہارا انذار بھی خوشخبری کا رنگ رکھے گا تو ایک ایسا شخص جس کو یہ پتا لگے گا کہ واقعۃً اس راہ میں چور اور اچکے تھے اور آپ نے اس کو بچالیا تو یہ انذار ہے لیکن اس کے نتیجے میں اس کے دل میں آپ کی محبت پیدا ہوگی، نفرت پیدا نہیں ہوگی اور ایسا ہم روزمرہ کی زندگی میں دیکھتے ہیں کسی کو آپ نیک مشورہ دے دیں اور وہ نیک مشورہ کسی چیز سے بچنے کا مشورہ ہوتا ہے اور جب وہ بچ جاتا ہے اور جانتا ہے کہ اس مشورے کی وجہ سے اس کی زندگی بچی یا اس کی ایک قیمتی چیز بچ گئی تو وہ بعد میں آ کر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہے تو فرمایا ’’بشروا ‘‘۔

’’بشروا ‘‘کا ایک پہلو ہے خوش بھی کرو لوگوں کو، ان کے چہرے پہ کشادگی پیدا ہو جائے، ان کے اندر بشارت کے نتیجے میں جو جذبات میں ایک خاص پاک تبدیلی پیدا ہوتی ہے ویسی تبدیلیاں ان کے اندر پیدا ہونی شروع ہوں، وہ دکھائی دینے لگیں۔ پس آسانی کے ساتھ نصیحت کرو، آسان باتوں کی نصیحت کرو، خوشخبریاں پھیلاؤ، خوشخبریوں کے نتیجے میں لوگوں کو کھینچو اور کوئی ایسا کام نہ کرو جس کے نتیجے میں نفرتیں بڑھتی ہوں۔ یہ وہ طریق ہے جس کے ذریعے قوموں کی تقدیریں بدل جاتی ہیں۔ یہ دو نصیحتیں جو آپ کو کی گئی ہیں، حیرت انگیز ان میں گہرائی ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ وہ جماعتیں جو الٰہی جماعتیں ہوں ان کی ترقی کا راز اس میں مضمر ہے، ان کی پاک تبدیلیاں پیدا کرنے

کی صلاحیت کا راز اس میں مضمر ہے۔ اگر یہ طریق آپ اختیار کریں گے تو معاشرے سے بدیاں بھی دور ہوں گی اور اس کے نتیجے میں خوشخبری پیدا ہوگی۔ لوگ خوش ہوں گے۔ اگر اس طریق کو چھوڑیں گے تو جتنی نصیحتیں کریں گے اتنی ہی نفرتیں بڑھیں گی۔ پارٹی بازیاں ہوں گی ایک دوسرے کے لوگ خلاف ہوں گے، کچھ لوگوں کے لوگ نام رکھنے شروع کر دیں گے کہ یہ بڑا اپا کباز آیا ہے، یہ ہمیں ایسی باتیں کہتا ہے، ہمیں ان باتوں سے روکتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

تو آنحضرت ﷺ کی غلامی کا دم بھر کے آپ ہر خطرے سے محفوظ کر دیئے گئے ہیں۔ سب سے بڑا محسن جو دنیا میں کہیں پیدا ہوا وہ محمد رسول اللہؐ تھے آپ کی طرف سے کبھی کسی کو کوئی شر نہ پہنچ سکتا تھا نہ پہنچا بلکہ سلام ہی سلام پہنچا ہے۔ آپؐ نے مشکل رستوں کو بھی آسان بنا کر دکھا دیا۔ آپؐ نے ہر اس رنگ میں تبشیر فرمائی اور انذار بھی کیا تو ایسے رنگ میں کہ اس کے نتیجہ میں خوشخبریاں پھیلیں اور آپؐ کی محبت دلوں میں بڑھی۔ اللہ کرے کہ جماعت احمدیہ بھی یہ رنگ سیکھ لے۔ **اللھم صلی علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد وبارک وسلم انک حمید مجید۔**

خطبہ ثانیہ سے قبل حضور انور نے فرمایا:

مجھے یاد دلایا گیا ہے کہ لجنہ اماء اللہ جماعت کبابیر کا بھی ایک اجتماع ہو رہا ہے۔ ان کا غالباً پانچواں اجتماع ہے۔ لجنہ اماء اللہ کبابیر ساری عرب خواتین پر مشتمل لجنہ ہے صرف ایک ان میں ہندوستان سے گئی ہوئی کشمیر کی خاتون بھی ہیں مگر وہ بھی اب بالکل عربوں کی طرح بن چکی ہیں اور ایک خدام الاحمدیہ فرینکفرٹ ریجن کا اجتماع بھی ہو رہا ہے انہوں نے بھی تحریک کی تھی کہ ہمارا ذکر خیر جمعہ پر ہو بابرکت موقع پر ہمیں بھی اس کی برکت پہنچے۔ تو آپ سب بھی ہمارے مخاطب ہیں اور آپ سب کو ہم سب کی طرف سے السلام علیکم اور یہ اجتماع مبارک۔

طاقتور امامت محمد ﷺ کی غلامی میں ہے اس کے علاوہ کوئی امامت نہیں۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اسلوب محمدؐ سے سیکھیں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 29 /اپریل 1994ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے مندرجہ ذیل آیت کریمہ تلاوت کی۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝ (الحجرات:14)

پھر فرمایا:۔

آج کے جمعہ کے لئے بھی کچھ اعلانات ہیں اور دعا کی درخواستیں ہیں ان کے ذکر کے بعد پھر انشاء اللہ اسی مضمون کو آگے بڑھائیں گے جس مضمون پر خطبات کا یہ سلسلہ جاری ہے۔ جماعت ہائے احمدیہ یوگنڈا کا جلسہ سالانہ آج 29 /اپریل سے شروع ہو رہا ہے اور جلسے کے اختتام پر یعنی یکم مئی کو ان کی مجلس شوریٰ بھی منعقد ہو گی۔ کل سے جماعت ہائے احمدیہ تنزانیہ اور جماعت احمدیہ سپین کی مجالس شوریٰ بھی منعقد ہو رہی ہیں۔ خدام الاحمدیہ پاکستان کے زیرِ اہتمام 38ویں تربیتی کلاس آج 29 /اپریل سے شروع ہے، 13 /مئی تک جاری رہے گی۔ لجنہ اماء اللہ پاکستان کے زیر اہتمام بچیوں کی ایک

تربیتی کلاس آج سے شروع ہو رہی ہے۔ خدام الاحمدیہ ضلع اسلام آباد کا سالانہ اجتماع کل جمعرات سے شروع ہو چکا ہے، آج ختم ہو گا۔ خدام الاحمدیہ سن ہوزے، کیلیفورنیا کا ریجنل اجتماع آج سے شروع ہو رہا ہے 30 / اپریل (کل) تک جاری رہے گا۔ لجنہ اماء اللہ اور ناصرات الاحمدیہ فرینکفرٹ ریجن کا ایک روزہ سالانہ اجتماع کل تیس اپریل بروز ہفتہ منعقد ہو رہا ہے۔ ان سب کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں اللہ تعالیٰ ان اجتماعات کو خالصۃً للہ بنائے رکھے اور خالصۃً للہ اجتماعات کی جو برکتیں اللہ کے ہاں مقدر ہیں وہ ساری ان کو نصیب ہوں۔

جماعت احمدیہ کینیا کی طرف سے ایک شکوہ رہ گیا ہے کہ ان کا گزشتہ جمعے کے موقع پر مجلس شوریٰ کا انعقاد ہوا تھا اور 24 / اپریل تک وہ رہی تھی تو ان کا ذکر رہ گیا تھا تو دعا تو اب بھی ان کے لئے ہو سکتی ہے، شوریٰ کے جو فیصلے ہوئے ہیں ابھی آخری شکل تو اختیار نہیں کر چکے، تو جو بھی انہوں نے سوچا اللہ اس میں برکت ڈالے اور جب یہاں فیصلے پہنچیں گے اور ان کی منظوری ہو گی تو ہم دعا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان فیصلوں پر بہترین عمل درآمد کی بھی توفیق بخشے۔

جماعت احمدیہ کینیا اللہ تعالیٰ کے فضل سے اب اٹھ رہی ہے اور بیداری اور قربانی کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں۔ جب دعوت الی اللہ کی مہم کا دوبارہ یورپ سے آغاز کیا گیا ہے (پہلے پاکستان میں جاری ہوئی تھی تو یورپ سے دوبارہ اس مضمون کو خصوصیت سے جب اٹھایا گیا) تو اس وقت کینیا تمام افریقہ میں سب سے پیچھے تھا اور اتنی تھوڑی بیعتیں ہوتی تھیں کہ جب میں ان کے مربی صاحب سے پوچھا کرتا تھا کیا ہو رہا ہے؟ کہتے تھے یہ علاقہ ہی ایسا ہے یہاں شروع سے یہی رواج ہے۔ میں نے کہا ہم نے تو رواج بدلنے ہیں؟ نہیں بدلتے تو توڑنے ہیں اور لازماً آپ کو اٹھ کر باقی افریقہ کی سطح پر آگے بڑھنا ہو گا ورنہ تو کروڑ سال بھی بیٹھے رہیں گے تو یہاں کوئی بھی اثر نہیں پڑے گا۔ وہاں مشکل یہ تھی کہ پاکستانیوں کی ایک سوسائٹی تھی، کچھ ہندوستان کے احمدیوں کی وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ راضی تھے اور پتا ہی نہیں تھا کہ کس ملک میں رہتے ہیں، وہاں کے حقوق ادا کرنے ہیں، جس زمین کا نمک کھایا ہے اس کا شکریہ کا حق ادا کرنا ہے، ان کو حقیقت اسلام سمجھا کر، ان کے دلوں کو جیت کر ان باتوں کی طرف توجہ ہی نہیں رہی اور اسی پہ راضی تھے جو کہ بڑی مخلص جماعت ہے چندہ بھی اچھا دے دیتے ہیں اکٹھے مل کے بیٹھے ہیں۔ جیسے تھے ویسے ہی رہے اور یہاں تک کہ پھر حالات ایسے

تبدیل ہوئے کہ جن ملکوں میں جماعت ان ملکوں کا حصہ نہ بن سکی وہاں سے ان کے پاؤں اس طرح پھر حکومتوں نے اکھیڑے ہیں کہ وہاں ٹھہرتے بن نہیں پڑ سکی۔ چنانچہ باقی ایشیائیوں کی طرح پاکستان کے وہ احمدی جو بعض صورتوں میں کئی نسلوں سے افریقہ میں رہ رہے تھے (یعنی مشرقی افریقہ میں) ان کو وہاں ٹھکانہ نہیں ملا، بہت سے ان میں سے اب جلنگھم میں آ کے آباد ہو گئے ہیں۔ اسی طرح باقی ایشیائیوں کا حال ہوا۔ لیکن جہاں خدا کے فضل سے جماعت افریقن بن کر پہنچی ہے وہاں کیفیتیں ہی اور ہیں تو یہ میرے سامنے عذر پیش کیا جاتا رہا کہ جی یہاں تو یہی چل رہا ہے۔ میں نے کہا یہ چل رہا ہے، مجھے منظور نہیں یہ توڑنا پڑے گا۔ اٹھیں اور ان لوگوں میں داخل ہوں، ان کی جماعت بنیں۔ جس ملک میں رہتے ہیں وہاں Foreigner بن کے بیٹھے ہوئے ہیں، اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ کے فضل سے لمبے عرصے تک ان کے پیچھے پڑ کر، آہستہ آہستہ انفرادی طور پر بھی توجہ دلائی گئی، خدا کے فضل سے اب جماعت بیدار ہوگئی ہے۔ اب بیسیوں کی بجائے ہزاروں میں بیعتیں آنی شروع ہو گئی ہیں اور میں امید رکھتا ہوں کہ انشاء اللہ اب ان کا قدم بھی مغربی افریقہ کی طرح تیز رفتاری سے آگے بڑھے گا اور آئندہ چند سال میں لاکھ سے اوپر بھی انشاء اللہ تعالیٰ یہ بیعتیں پیش کر سکیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ ان کو بھی اس بیداری کے نیک عمل کی بہترین جزا دے اور بیداری جاری رہے، بڑھتی رہے اور زیادہ پھل عطا کرتی رہے۔ (آمین) یہی باتیں مشرقی افریقہ کے دوسرے ممالک پر بھی اطلاق پاتی ہیں یوگنڈا بھی اور تنزانیہ بھی، یہ بھی اس معاملے میں اپنے سے مجھے مخاطب سمجھیں۔

شوریٰ کے سلسلے میں ایک اقتباس مجھے کسی نے بھجوایا تھا حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا۔ تفسیر میں شوریٰ کا ذکر فرمایا ہے تو میں نے پرائیویٹ سیکرٹری سے کہا تھا کہ یہ رکھ چھوڑیں۔ جب کبھی شوریٰ کا تذکرہ آئے گا تو وہاں پڑھ کے سنائیں گے۔ اچھا دلچسپ اقتباس ہے اور انہی باتوں کو تقویت ملتی ہے جو میں آپ کے سامنے پچھلی دفعہ عرض کر چکا ہوں۔ حضرت مصلح موعودؓ سورۃ الماعون کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

> ”میں نے احمدیہ جماعت کی مجلس شوریٰ میں دیکھا ہے اور میرا بیس پچیس سال کی مجالس شوریٰ کا یہ تجربہ ہے کہ بسا اوقات کسی فیصلے کی پوری زنجیر اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک ایک عام آدمی کی رائے

بھی اس کے ساتھ نہ ملا لی جائے۔سو میں سے صرف ایک دفعہ مجھے اپنے طور
پر فیصلہ کرنا پڑتا ہے۔‘‘

اور جو میں نے گزشتہ مجالس شوریٰ کے فیصلوں کا جائزہ لیا تھا میرے خیال میں سو میں سے ایک دفعہ بھی زیادہ ہے۔اس سے بھی کم مرتبہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تنہا فیصلہ نافذ کرنا پڑا ہے۔لیکن ایک بات جو عام طور پر نظروں سے پوشیدہ رہی ہے اور اسی پر یہ مضمون روشنی ڈال رہا ہے وہ یہ ہے کہ **فیصلے کے وقت یہ نہیں ہوا کرتا کہ خلیفہ وقت الگ بیٹھا ہے اور ایک طرف سے فیصلے آ رہے ہیں اور آخر پر وہ بتاتا ہے کہ یہ منظور ہے، یہ نامنظور ہے۔ وہ اپنی رائے کو مسلسل مجلس شوریٰ کے ممبران کی رائے میں داخل کر کے ان کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتا ہے۔ یہاں تک کہ رائے جب آخری شکل اختیار کرتی ہے تو اس سے پہلے ہی خلیفۃ المسیح کی رائے اور اس کے مشورے، اس کی سوچ پوری طرح، پوری مجلس شوریٰ کی سوچ اور اس کے مشورے، اس کی رائے بن چکے ہوتے ہیں۔ اس لئے ویسے بھی ویٹو کا کوئی سوال باقی نہیں رہتا۔** حضرت مصلح موعودؓ کی بھی عادت تھی کہ بعض دفعہ کسی آدمی نے نام نہیں لکھوایا، مشورے مکمل ہو گئے، لیکن دور کسی ایک دیہاتی پر نظر پڑی جو ایک کونے میں خاموش بیٹھا ہے اس کو مخاطب کر کے نام لے کر اٹھایا کرتے تھے کہ چودھری صاحب آپ بھی اٹھیں، آپ نہیں بولے۔ بعض دفعہ وہ انکسار کے ساتھ کہہ دیا کرتے تھے کہ ’’جی میں کی بولاں‘‘۔ انہوں نے کہا نہیں نہیں آپ مجھے بتائیں، دیہاتیوں کا مشورہ بھی مجھے چاہئے۔ ہمارا مشورہ مکمل نہیں ہوگا جب تک مجھے دیہاتی، جس طرح کے آپ ہیں اس قسم کی نمائندگی کا مشورہ نہ ملے چنانچہ پھر وہ مشورہ دیا کرتے تھے۔ یہ وہ عمل ہے جو اب بھی خدا کے فضل سے جاری ہے لیکن میں بتا رہا ہوں تاریخی لحاظ سے ایک بہت ہی دلچسپ حوالہ ہے کس طرح مجلس شوریٰ کا ارتقاء ہوا ہے۔ کس طرح مجلس شوریٰ میں خلافت اور جماعت اسی طرح ہم آہنگ ہو جاتی ہے جیسے روزمرہ کاموں میں ویسے ہی ہم آہنگ ہے اور دو الگ وجود نہیں رہتے۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

’’سو میں سے صرف ایک دفعہ مجھے اپنے طور پر فیصلہ کرنا پڑتا ہے ورنہ
ننانوے دفعہ میں فیصلہ اس طرح کرتا ہوں کہ کچھ اس کی رائے میں سے لیا اور
کچھ اس کی رائے میں سے اور ایک نتیجہ پیدا کر لیا۔ اگر عوام کو مجلس مشاورت میں

شامل نہ کرتے تو وہ بھی صرف اپنے گھر کی ضروریات کے متعلق ہی اپنے دماغوں سے کام لینے کے عادی ہوتے۔''

جو عام روزمرہ کا دستور ہے ہر ایک اپنے گھر کی باتوں میں ہی منہمک رہتا ہے۔

''لیکن جب ہم نے ان کو اپنی مشاورت میں شامل کر لیا تو اس کا فائدہ یہ ہوا کہ ان کے دماغ ترقی کر گئے چنانچہ ان کی آراء کے ٹکڑے ٹکڑے مل کر ایک مکمل سکیم بن جاتی ہے جو جماعت کے لئے نہایت مفید اور بابرکت ثابت ہوتی ہے۔'' (تفسیر کبیر جلد دہم صفحہ 183-182)

پس اسی طریق کو تمام مجالس شوریٰ عالمگیر میں جاری رکھنا چاہئے اور اس کی حفاظت کرنی چاہئے۔ مشکل یہ درپیش ہوتی ہے کہ بعض لوگوں کو مخالفانہ رائے کو سننے اور برداشت کرنے کا حوصلہ نہیں ہوتا اور بعض لوگوں کو مخالفانہ رائے دینے کا سلیقہ نہیں آتا۔ وہ مجالس شوریٰ جو خلیفہ وقت کی صدارت میں منعقد ہوتی ہیں ان میں یہ دونوں منفی عناصر شاذ کے طور پر کبھی ظاہر ہوتے ہیں ورنہ نہیں کیونکہ خلیفہ وقت کی موجودگی میں جو مخالفانہ رائے بھی دیتا ہے وہ سلیقے سے بات کرتا ہے۔ وہ ادب کا پہلو، وہ ذاتی تعلق کا پہلو، اس کے اندر چھپے ہوئے نشتر کو کند کر دیتا ہے۔ اگر غصے سے بھی بات کرنی ہو تو نکلتی اس طرح ہے کہ بہت کم غصہ اس کے ساتھ چمٹا رہ جاتا ہے اور جہاں تک حوصلے کی بات ہے اللہ تعالیٰ خلیفہ وقت کو حوصلہ عطا فرماتا ہے، ہر قسم کی مخالفانہ رائے سنتا ہے اور اس حوصلے میں خلیفہ وقت کی ذاتی خوبی نہیں بلکہ نظام کی خوبی ہے کیونکہ کوئی بھی **اس کی رائے کی مخالفانہ رائے نہیں ہوتی۔ ہر رائے تائید کی نیت سے اٹھ رہی ہے اور خلیفہ وقت کے فیصلوں کو تقویت دینے کی خاطر اٹھ رہی ہے۔ اس لئے بظاہر لوگوں کو وہ رائے مخالفانہ معلوم ہو مگر وہ مخالفانہ نہیں ہوتی۔** چنانچہ بسا اوقات میرا بھی یہ تجربہ ہے کہ ایک منشاء میں نے ظاہر کر دیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت متقی ہے، وہ فیصلہ نہیں تھا، محض منشاء تھا۔ انہوں نے اس کو سنا اور بعض ان میں سے سمجھتے تھے کہ اس میں فلاں پہلو رہ گیا ہے۔ چنانچہ اٹھ کر بعض دفعہ بڑی لجاجت سے، معذرت کرتے ہوئے بات کرتے ہیں۔ میں ان کو کہتا ہوں کوئی ضرورت نہیں، کسی تمہید کی ضرورت نہیں، آپ شوق سے بتایئے کیا بات ہے۔ چنانچہ ان کو بعض دفعہ حوصلہ دے کے کھڑا کرنا پڑتا ہے۔ بتائیں تو سہی کیا بات ہے، وہ جب بتاتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ

بڑی معقول رائے تھی۔ پس نہ وہ مخالفت کی نیت سے بات کرتے ہیں، نہ سننے والا مخالفانہ بات سمجھ کر سنتا ہے اور یہ وہ بہترین صحت مند ماحول ہے جو جماعت احمدیہ کی مجلس شوریٰ کے سوا دنیا کے پردے پہ کہیں دکھائی نہیں دے گا۔ آپ چھوٹے سے چھوٹے، سادہ سے سادہ ملک میں چلے جائیں وہاں چھوٹے ہونے اور سادگی کی خوبیاں ملیں گی۔ بڑے سے بڑے ملک میں چلے جائیں وہاں طاقت کے مظاہرے ہوں گے اور طاقت کے نتیجے میں جو بات میں قوت پیدا ہوتی ہے وہ بھی دکھائی دے گی مگر یہ پاکیزگی جو جماعت احمدیہ کی شوریٰ کے ماحول کی ہے یہ ہر وجود کا ایک جان ہو جانا اور بڑی محبت اور تقویٰ کے ساتھ اپنی باتوں کو ادا کرنا اس کا کوئی عشرِ عشیر بھی آپ کو کہیں اور دکھائی نہیں دے گا۔ لیکن جب خلیفہ وقت موجود نہ ہو تو پھر میں نے دیکھا ہے کہ بعض دفعہ کچھ بے وقوفیاں سر اٹھانے لگتی ہیں۔ بے وقوفیاں ان معنوں میں کہ بات کرنے کا سلیقہ نہیں۔ اکھڑ بات کی، اس طریقے پہ بات کی گویا روڑا مار دیا ہے اور نہ ان صدران کو اتنا حوصلہ ہوتا ہے کہ وہ سمجھ لیں چنانچہ کئی دفعہ ہماری مجالس شوریٰ میں کرسی چلنے کی حد تک تو خدا کے فضل سے کبھی نہیں پہنچی جیسے کرسیاں دوسرے ایوانوں میں چل جاتی ہیں مگر تلخ بات ضرور چل پڑتی ہے یا چل پڑتی رہی ہے اور ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بہت غیر معمولی فضل فرمایا یہ ترکیب سمجھا دی کہ ان سب سے میں نے کہا کہ آپ اپنی ریکارڈنگ کیا کریں تا کہ جب بھی میں نے کچھ سننا ہو میں ریکارڈ منگواؤں اور خود سنوں۔ پس اس بات کا پہنچنا تھا کہ کم و بیش ویسے ہی احساس ہو گیا جیسے میں موجود ہوں اور یہ جو موجودگی کا احساس ہے یہ بہت ہی ضروری چیز ہے جماعت نے خلافت سے جو تعلق کا احساس سیکھا ہے۔ اس کا اگلا قدم وہ ہے کہ اللہ کی حضوری میں رہیں۔ جن کو اس دنیا میں حضوری کا تجربہ نہ ہو، اس کی مشق نہ ہو ان کو حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی حضوری کا تصور بھی نہیں ہوتا اور عملاً وہ دو دنیاؤں میں زندگی بسر کر رہے ہیں ایک ان کی اپنی دنیا ہے، ایک تصور میں خدا تعالیٰ سے تعلق کی دنیا ہے۔ ان دونوں کا رشتہ کوئی نہیں ہوتا۔ تو مجلس شوریٰ ہمیں یہ رشتے قائم کرنے کے سلیقے بھی عطا کرتی ہے۔ پس میں امید رکھتا ہوں کہ تمام دنیا میں مجالس شوریٰ انہی نصیحتوں کو پیش نظر رکھ کر جاری رہیں گی اور جاری کی جائیں گی اور اعلیٰ اخلاق کی حفاظت کی جائے گی کوئی بات اس طریقے پر نہیں کی جائے گی جس میں کسی قسم کی تلخی کا یا اپنے بھائی کی دل آزاری کا عنصر ہو اور اگر کوئی سادگی یا نادانی یا ناتجربہ کاری سے ایسی بات کر دیتا ہے تو حوصلے کے ساتھ

سن کر اسے سمجھانے کی ضرورت ہے بجائے اس کے کہ جواباً آپ بھی پتھر پہ پتھر ماریں اور سارا ماحول پراگندہ ہو جائے۔ پس میں امید رکھتا ہوں اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ یہ جو بہت ہی عظیم الشان نظام شوریٰ خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے دوبارہ ہمیں عطا کیا ہے، یہ اتنا قیمتی نظام ہے کہ اس کی خاطر ہر بڑی سے بڑی قربانی بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

اب میں اس آیت کریمہ کی طرف آتا ہوں جس کی میں نے تلاوت کی تھی۔ اس کا تعلق بھی اس مضمون سے ہے جو کچھ عرصے سے جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یَاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا اے انسانو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور اس پہلو سے کوئی فرق نہیں ہے، کالا پیدا ہوتا ہے یا گورا پیدا ہوتا ہے، لولہ لنگڑا پیدا ہوتا ہے یا صحت مند پیدا ہوتا ہے۔ مشرقی، مغربی، شمالی، جنوبی سب مرد اور عورت سے پیدا ہو رہے ہیں وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ اور ہم نے تمہیں قبائل میں اور بڑے بڑے گروہوں میں تبدیل کیا ہے لِتَعَارَفُوْا تا کہ تم ایک دوسرے کی پہچان کر سکو، ایک دوسرے کو پہچانتے وقت ان حوالوں سے بات کر سکو۔ یہ وہی مضمون ہے جس مضمون کے پیش نظر نام رکھے جاتے ہیں۔ ہر انسان کا ایک نام ہے وہ اس کی ذاتی شناخت ہے اور ذاتی شناخت کو آسان بنانے کے لئے پھر قبائلی شناخت، بعض دفعہ اس کی قوم کی شناخت، اس کے مذہب کی شناخت، یہ ساتھ مل جاتی ہیں تو نام کا مقصد پورا ہو جاتا ہے مگر انسان انسان ہی ہے۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ تم میں سب سے معزز خدا کے نزدیک وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ یقیناً اللہ تعالیٰ بہت علم رکھنے والا اور بہت باخبر ہے۔

یہاں اَكْرَمَكُمْ کے متعلق میں کچھ مزید کہنا چاہتا ہوں۔ انسان دنیا میں سب سے اول تو روٹی کے لئے جیتا ہے، کمائی کے لئے جیتا ہے، اقتصادی طور پر وہ زیادہ سے زیادہ اپنے وجود کو پھیلانا چاہتا ہے اور پھر اس کے علاوہ اولاد ہے، باقی رہنے والی نسلیں ہیں، خاندان ہیں، تعلقات ہیں، دوستیاں ہیں، قومی وقار ہیں، ان سب کی خاطر جیتا ہے۔ پھر قوت کے لئے جیتا ہے، طاقت حاصل کرتا ہے اور طاقت کے ذریعے وہ اپنے آپ کو دوسروں سے برتر دکھاتا ہے۔ یہ پہلے دو جو محرکات ہیں یہ عموماً جانوروں میں بھی پائے جاتے ہیں لیکن جب آپ طاقت والے حصے میں داخل

ہوتے ہیں تو اگر چہ جانور بعض پہلوؤں سے بعض دوسرے جانوروں پر طاقتور ہونے کے لحاظ سے فوقیت رکھتا ہے مگر شعوری طور پر جانور طاقت کے اجتماع نہیں کیا کرتے۔ اس غرض سے وہ طاقت حاصل نہیں کیا کرتے کہ دوسروں پر اپنی برتری دکھائیں۔ جیسی طاقت جس جانور کو خدا کی طرف سے نصیب ہوگئی اس کے طبعی استعمال سے، جتنا سا رعب پڑنا چاہئے اتنا خود بخود پڑتا ہے اور اس طرح جانوروں کی دنیا میں ایک باہمی مقابلے کی ایک طبعی جاری و ساری صورت ہے جو ہمیں دکھائی دے رہی ہے۔ شیر کا ایک مقام ہے، بکری کا ایک مقام ہے، بکری سے نیچے اس کے لیلوں کا بھی مقام ہے، ایک کتوں کا ایک اس کے پلوں کا مقام ہے۔ یہ سارا نظام کائنات طاقت کے لحاظ سے بھی مختلف گروہوں میں بٹا ہوا ہے۔ لیکن انسان کی طرح جانور اجتماعی کوشش سے اپنے لئے زائد طاقت حاصل کرنے کا شعور نہیں رکھتے۔ یہ پہلی دفعہ انسان میں واقع ہوا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اکرام کا تصور جانوروں میں نہیں ہے اور انسان میں ہے اور اکرام کے تصور کا طاقت سے بہت گہرا تعلق ہے۔ ایک اکرام طاقت سے ملتا ہے۔ اسی لئے عربی زبان جو الہامی زبان ہے اس میں طاقت اور عزت کے لئے ایک مشترک لفظ رکھا گیا ہے جسے عزیز کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ عزیز ہے۔ عزیز کا ایک معنی ہے عزت والا، بزرگی والا، صاحب شرف اور ایک ہے غالب۔ تو قوت کا جو عزت کے ساتھ ایک طبعی اٹوٹ رشتہ ہے وہ انسانی سطح پر ابھرنے کے بعد انسان کے شعور میں ابھرتا ہے۔ اس سے پہلے وہ رشتہ تو ہے مگر جانوروں کے شعور میں ابھرتا نہیں ہے۔ ان کو علم نہیں کہ طاقت سے عزت نصیب ہوا کرتی ہے پس انسان طاقت ڈھونڈتا ہے اور طاقت سے عزت پاتا ہے اور یہاں سے اس کی تربیت کا وہ اگلا سفر شروع ہو جاتا ہے جو اسے خدا کی طرف لے جاتا ہے۔

خدا کا جہاں تک تعلق ہے، اس پر آپ کی طاقت کیا اثر دکھا سکتی ہے۔ کوئی بھی حیثیت نہیں۔ کمزور سے کمزور اور طاقتور سے طاقتور خدا کی نظر کے سامنے کوئی بھی فرق والی حیثیت نہیں رکھتے۔ ایک مشہور سائنسدان نے غالباً آئن سٹائن کے کسی مضمون میں میں نے یہ پڑھا تھا اس نے بھی یہ نکتہ پیش کیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے مقابل پر جو مخلوق ہے اس کا فاصلہ اتنا زیادہ ہے کہ مثال کے طور پر جیسے سورج کا زمین سے تعلق ہے اور آپ اونچائی پہ کھڑے ہو جائیں یا نیچے اتر جائیں جہاں تک سورج کے فاصلے کا تعلق ہے وہ ایک ہی جیسا دکھائی دے گا۔ چاند نسبتاً قریب ہے اس لئے چاند کا

قرب یا چاند سے دوری زمین کی مختلف سطحوں پر ایک اثر دکھاتی ہے سطح سمندر پر اس کا قرب نمایاں ہوتا ہے اور وہ یعنی چاند اسے زیادہ زور سے اپنی طرف کھینچتا ہے اور سمندر کی تہہ میں چاند کی طاقت کچھ کم ہو جاتی ہے مگر سورج کی طاقت برابر ہے اس سے ذرا بھی فرق نہیں دکھائی دیتا یعنی ایسا فرق جو روزمرہ کی انسانی اور حیوانی زندگی پر نمایاں ہو کر اثر انداز ہو سکے۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کی ذات کا تعلق ہے اس کے سامنے تو سارے بندے، ہر طاقت، ہر کمزوری ایک ہی صف میں کھڑے ہیں اس لئے وہاں تو خدا کی نظر میں طاقت اور عزت کا کوئی جوڑ دکھائی نہیں دیتا۔ وہاں ایک اور مضمون شروع ہوا ہے جس کی طرف قرآن کریم کی آیت اشارہ فرما رہی ہے کہ خدا کے سامنے نہ تمہاری دولتیں کام آئیں گی۔ نہ تمہارے جتھے کام آئیں گے، نہ تمہاری سیاسی یا دوسری طاقتیں کام آئیں گی اور عزت پھر بھی تمہاری دلی تمنا ہے انسانی زندگی کا ایک حصہ بنا دی گئی ہے پھر کیسے خدا سے عزت پاؤ گے؟ اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ ہم تمہیں عزت کا رستہ بتاتے ہیں۔ تم سب سے زیادہ متقی ہو جاؤ اور یہ وہ چیز ہے جو اس سے پہلے حیوانی زندگی میں کہیں دکھائی نہیں دیتی۔ یہاں انسان حیوانی زندگی سے بالکل ممتاز ہو کر ابھرتا ہے۔ تقویٰ کا وہ مضمون ہے جو انسانی ارتقاء کی آخری منزل سے شروع ہوتا ہے یعنی انسانی منزل سے اور پھر یہی وہ مضمون ہے جو خدا کی طرف آپ کے سفر میں مسلسل آپ کا ساتھ دیتا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم نے اسے یوں بھی بیان فرمایا خَیۡرَ الزَّادِ التَّقۡوٰی سب سے اچھا زادِراہ تقویٰ ہے۔ تو پتا چلا کہ اس کی پہلے کی منازل جتنی بھی زندگی نے طے کیں انسان کے وجود تک اور انسان کی روزمرہ کی زندگی میں بھی، ان میں زادِراہ کچھ اور ہوا کرتا تھا۔ یہاں سے اگلا سفر جو بلندیوں کی طرف شروع ہونا ہے، جو خدا کی طرف ہے، اس کے متعلق ایک اور زادِراہ بیان کر دیا جس کا پہلے کوئی تصور نہیں ہے۔ فرمایا اِنَّ خَیۡرَ الزَّادِ التَّقۡوٰی تقویٰ بہترین زاد ہے اس سے بہتر زادِ سفر تمہیں نصیب نہیں ہو سکتا۔

پس تقویٰ سیکھنا ہے کیونکہ تقویٰ کے بغیر ہم اللہ کی نظر میں کوئی عزت نہیں پا سکتے اور یہ دنیا کی عزتیں تو یہیں مر مٹ جائیں گی، ہمارے ساتھ مٹی ہو جائیں گی اور یہاں بھی ان کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔ نہ قوموں کی عزتوں کی کوئی ضمانت ہے، نہ افراد کی عزتوں کی ضمانت ہے۔ تاریخ پر نظر ڈال کے دیکھیں، قومیں دیکھیں کہاں سے اٹھیں اور کہاں تک جا پہنچیں اور پھر تنزل کی راہ اختیار کرتے کرتے

کس طرح وہ ذلیل اور رسوا ہوگئیں۔ وہی قومیں جن پر ان کو برتری حاصل ہوا کرتی تھی، ان برتری والی قوموں کو خدا تعالیٰ نے ذلیل و رسوا اس حد تک ہونے دیا کہ وہ جو کل تک ذلیل تھے وہ ان پر حکومت کرنے لگے، وہ ان پر ایسے حاکم اور جابر بن کر سوار ہوگئے کہ بعض ایسے تاریخ کے دور آتے ہیں کہ وہ مجبور قومیں تصور بھی نہیں کرسکتیں کہ کبھی ان کے تسلط سے ہم آزاد ہوسکتے ہیں۔

آج ہی کی دنیا دیکھ لیجئے آج سے کچھ سال پہلے روس کے متعلق یہ سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا کہ وہ قومیں جو روس کے تسلط میں ہیں وہ اس سے آزادی کے کوئی خواب بھی دیکھ سکیں گی۔ مگر خدا نے وہ طاقتیں توڑنے کا فیصلہ کیا تو چھوٹی چھوٹی قومیں جن کی کوئی حیثیت نہیں تھی، جنہیں روس کی ایک بھبکی دبا کے مٹا سکتی تھی، وہ سر اٹھانے لگیں اور انہوں نے اپنے لئے آزادی کے مطالبے شروع کر دیئے۔ اب امریکہ کا رعب ہے اور قومیں امریکہ کو سجدے کر رہی ہیں لیکن نہیں جانتیں کہ یہ دور بھی ہمیشگی کا دور نہیں ہے۔ وہ تنزل کے آثار امریکہ میں ظاہر ہوچکے ہیں جو چند اور سالوں میں نمایاں ہو جائیں گے اور پھر امریکہ کی وہ برتری اور فضلیت، گویا ایک ہی سپر پاور ہے، یہ باقی نہیں رہے گی۔ وہ کمزور قومیں جو ایک طاقت کے وقتی طور پر غالب آنے کے نتیجے میں اپنی عزتوں کے سودے کر لیتی ہیں بہت ہی بے وقوف قومیں ہیں۔ وہ اپنے ضمیر کے سودے کرتی ہیں اور ان سودوں کا فائدہ کوئی نہیں۔ وقت بدل جاتے ہیں پھر کسی اور آقا کی تلاش کرنی پڑتی ہے، پھر اس کے حضور اپنے ضمیر بیچنے پڑتے ہیں۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ میں ان سارے مصائب کا علاج پیش فرما دیا گیا ہے۔ خواہ تم قومی حیثیت سے زندہ ہو، خواہ تم انفرادی حیثیت سے زندہ ہو، اگر تم تقویٰ پر قائم رہو گے تو پھر تمہاری عزتیں اللہ سے وابستہ ہو جائیں گی۔

عِنْدَ اللّٰهِ کا ایک مطلب ہے خدا کے نزدیک تم معزز ہو۔ اب خدا تو کسی کے سامنے جھک کر اس کی عزت نہیں کرتا۔ خدا کے حضور تم نے عزت کی سند حاصل کر لی ہے، یہ معنی ہے۔ تم وہ حق رکھتے ہو کہ تمہاری عزت کی جائے اور جب خدا کے نزدیک کسی قوم کا یہ حق ہو جائے کہ اس کی عزت کی جائے تو اس کی عزتیں بڑھتی ہیں پھر کوئی دنیا کی طاقت اس کی عزتوں کو کم نہیں کرسکتی۔ جب تک وہ خدا کے نزدیک معزز رہنے کا حق رکھتے ہیں وہ معزز بنائے جاتے ہیں خواہ وہ پہلے کیسے ہی ذلیل کیوں نہ ہوں اور جب وہ ایک دفعہ خدا سے تعلق جوڑ لیں تو اس کے بعد دو امکانات ہیں یا احتمالات بھی ہیں۔

ایک یہ کہ اس دنیا میں بھی تقویٰ کی زادراہ کو لے کر نسلاً بعد نسل آگے بڑھیں اور اس دنیا میں بھی مرتے دم تک اس زادراہ کو ساتھ چمٹائے رکھیں تا کہ پھر وہ آگے ان کا ساتھ دے۔ ایسی قوموں کی عزت کی ہمیشگی کے لئے ضمانت ہے جب تک وہ ان شرطوں کو پورا کریں اور منفی پہلو اس کا جس کا احتمال کے طور پر میں نے ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ آپ زادراہ لے کر جتنا چاہیں بڑھیں اگر وہ منزل سے پہلے ختم ہو گیا تو آپ کا گزشتہ سارا سفر ضائع گیا۔ صحرا میں سفر کرنے والا اگر منزل پہ پہنچنے سے اتنی دیر پہلے پانی سے محروم ہو چکا ہے کہ اس عرصے میں بغیر پانی کے انسان زندہ نہ رہ سکے تو وہ یہ دلیل تو نہیں دے سکتا کہ اے خدا تعالیٰ میں پچاس میل یا سو میل اسی صحرا میں سفر کر کے آیا ہوں جب کہ موسم زیادہ سخت تھا تو اب تھوڑی دور منزل رہ گئی ہے اب میں کیوں زندہ نہیں رہ سکتا، گویا پانی ختم ہو گیا تو کیا فرق پڑتا ہے۔ کوئی اس کی نہیں سنی جائے گی۔ زادراہ کا ایک قانون ہے وہ غالب قانون ہے وہ مسافر پر قبضہ کرتا ہے اور مسافر کو اس قانون کی ماننی پڑتی ہے۔ پس خوش نصیب وہ ہے جو اپنے زادراہ کو مرتے دم تک پورا رکھتا ہے اگر بڑھاتا چلا جائے تو اس کی طاقت بڑھتی جائے گی، اس کا تقویٰ بڑھتا جائے گا اس کی عزت بڑھتی جائے گی اور اگر نہیں تو کم سے کم ایسا محروم نہ ہو کہ خدا کے نزدیک وہ عزت سے خالی ہو جائے۔ پس جسے اس دنیا میں خدا کے نزدیک عزت سے خالی رہنا ہے مرنے کے بعد بھی وہ عزت سے خالی رہے گا اور قوموں کے لحاظ سے بھی یہی مضمون ہے۔

پس جماعت احمدیہ کے دو سفر ہیں ایک ہر احمدی کا ذاتی سفر ہے۔ جو اس کی موت تک جاری ہے۔ ایک ہمارا جماعتی سفر ہے، جس کے متعلق ہماری بھرپور کوشش ہے اور دلی آرزو ہے کہ یہ سفر ہمیشہ ہمیش کے لئے جاری رہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ایسا نہیں ہوا کرتا۔ ہمیں علم ہے کہ مذہبی قومیں بھی اپنے انتہائی عروج تک پہنچنے کے بعد پھر تنزل اختیار کر جایا کرتی ہیں۔ مگر جن بدنصیبوں کی وجہ سے وہ تنزل اختیار کرتی ہیں، ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہم وہ بدنصیب نہ ہوں۔ ہمارے دور میں ایک بھی ایسی بات اگلی نسلوں کے ورثے میں نہ آئے، جس میں تنزل کا خمیر پایا جاتا ہو۔ اس پہلو سے میں جماعت احمدیہ کو خوب متنبہ اور ہوشیار کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کی تقدیر ان غالب قوانین سے بالا نہیں ہے۔ یہ دائمی قوانین ہیں جن کا میں ذکر کر رہا ہوں کہ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اور یہ قانون کہ جب کوئی قوم تقویٰ سے عاری ہو جائے تو اس کے نتائج سے بھی ضرور ہی عاری ہو جایا

کرتی ہے۔خواہ کتنی ہی بلندیوں پر آپ کا قدم ہو آخر گرنا پڑتا ہے لیکن گرنے کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی جبری فیصلہ نہیں ہے۔ جب قوم اپنے حالات بدلتی ہے، اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ جب تک قوم اپنے حالات نہ بدلے، خدا تعالیٰ کبھی بھی ان کے تنزل کی تقدیر جاری نہیں فرماتا۔ پس ایک پہلو سے یہ تقدیر ہے ایک پہلو سے تدبیر ہے اور تدبیر اور تقدیر کا یہ رشتہ مکمل ہو جاتا ہے۔ اگر آپ تقدیر خیر کے خواہاں ہیں تو عمل خیر کی حفاظت کریں۔ اپنی سوچوں کو خیر کی سوچیں بنائیں، اپنی تمام تدبیروں کو خیر کی تدبیر بنائیں اور پھر دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی سوچوں اور آپ کی تدبیروں کو، جو عارضی اور فانی ہیں، ان کو تقدیر کے ذریعے لافانی کر دے گا۔ عزت آسمان سے اترے گی آپ کی کوششوں سے نصیب نہیں ہو سکتی مگر خدا کا یہ وعدہ پھر ضرور آپ کے حق میں پورا ہوگا کہ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ تم میں سے سب سے معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ تقویٰ اختیار کرنے والا ہے۔ پس اپنے تقویٰ کی اپنی ذات میں حفاظت کرنا، اپنے خاندان میں حفاظت کرنا اپنی آئندہ نسلوں میں حفاظت کرنا، ایسی گہری سوچوں کے ساتھ حفاظت کرنا کہ آئندہ جاری و ساری رہے، نسلاً بعد نسلٍ جاری رہے یہ وہ ہمارا اہم ترین فریضہ ہے جو ہمیں سونپا گیا ہے اور جماعت کے تیزی کے ساتھ پھیلاؤ کے نتیجے میں زیادہ سے زیادہ میری فکر انہیں باتوں پر مبذول ہے، انہی باتوں کے لئے وقف ہو چکی ہے کہ ہم ایک ایسی جماعت بن کر خدا کی نظر میں ابھریں کہ خدا کی تقدیر اس جماعت کو آج کے لئے نہیں، کل کے لئے، پرسوں کے لئے، نسلاً بعد نسلٍ، ہزاروں سال کے لئے معزز بنائے رکھے اور آنے والے اپنی عزتوں کے حوالے ہماری نسلوں کے بھی دیں کہ ان کی دعاؤں، ان کی کوششوں سے، ان کا فیض تھا کہ خدا کے فضل اور اکرام کی تقدیر آسمان سے ہمارے لئے اتر رہی ہے۔ اس پہلو سے اگر باتیں کرنی ہیں تو اس کی باتیں کرنی ہیں جو عند اللہ ''اتقی'' تھا یعنی محمد مصطفیٰ ﷺ۔ خدا کے نزدیک سب سے زیادہ متقی محمد رسول اللہ ﷺ تھے اور خدا کے نزدیک سب سے زیادہ اکرام کے لائق حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ پس تقویٰ کیا ہے اور اکرام کسے کہتے ہیں اور جس متقی کو خدا کی طرف سے اکرام نصیب ہوتا ہے اس کے اپنے روزمرہ کے دستور کیا ہوتے ہیں۔ اس کا دوسروں کے ساتھ تعلقات کا دائرہ کس طرح پھیلتا ہے یا سکڑتا ہے، کن لوگوں سے اس کے تعلق کٹتے ہیں، کن سے اس کے تعلق استوار ہوتے اور

بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ وہ اپنی عزت کو خود کن نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ کیا وہ عزت اس کے دل میں تکبر پیدا کر دیتی ہے یا اس کے برعکس جلوہ دکھاتی ہے۔ یہ وہ ساری باتیں ہیں جو ہمیں اپنی سوچوں سے نہیں ملیں گی، حضرت محمد مصطفی ﷺ کا حسن دیکھنے کے نتیجے میں جوں جوں آپ کا حسن ہمارے دل پر جلوہ گر ہو کے اسے اپنا بناتا چلا جائے گا، اسی طرح، اسی رفتار کے ساتھ، ہم تقویٰ کے مضمون سے بھی آگاہ ہوں گے اور تقویٰ کے نتیجے میں پیدا ہونے والے اکرام کے تقاضوں سے بھی آگاہ ہوں گے۔ پس اس پہلو سے میں احادیث نبویہ کے اس مضمون میں دوبارہ داخل ہوتا ہوں جو میں شروع کر چکا تھا۔

ترمذی کتاب البر والصلۃ میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں:

قال: قال رسول اللہ ﷺ لیس منا من لم یرحم صغیرنا ویوقر کبیرنا و یامر بالمعروف وینہ عن المنکر.

(ترمذی کتاب البر والصلۃ حدیث نمبر: 1844)

ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے فرمایا کہ وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ کون ہم میں سے نہیں ہے؟ فرمایا، جو اپنے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور اپنے بڑوں کی توقیر نہیں کرتا۔ ان کے ساتھ عزت کا معاملہ نہیں کرتا و **یامر بالمعروف وینہ عن المنکر** اور معروف باتوں کا حکم نہیں دیتا یا ان کی تلقین نہیں کرتا اور بری باتوں سے روکتا نہیں۔

یہ جو مجلس شوریٰ کا میں نے تصور آپ کے سامنے رکھا تھا یہ حدیث بعینہٖ اس پر چسپاں ہو رہی ہے۔ ہماری مجلس شوریٰ وہی ہوگی جہاں چھوٹوں پر رحم کیا جائے گا، بڑوں کی عزت کی جائے گی اور نیک باتوں کی نصیحت کی جائے گی، بری باتوں سے روکا جائے گا یہ خلاصہ ہے مجلس شوریٰ کا، لیکن اس حدیث کے حوالے سے ایک بات جو میں آپ کو سمجھانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ آج کل بعض علماء دین **امر بالمعروف اور نھی عن المنکر** کا بالکل الٹ معنی لیتے ہیں جس کا حضور اکرم ﷺ کے ارشاد سے کوئی بھی تعلق نہیں۔ ایک موقع پر حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ اگر تم کوئی بری چیز دیکھتے ہو، اپنے ہاتھ سے اس کو روک سکتے ہو تو روک دو، اگر نہیں تو زبان سے منع کرو، اگر زبان سے بھی منع نہیں کر سکتے تو دل میں برا مناؤ۔ ایک بہت ہی گہری حکمت پر مبنی، بہت ہی پاک نصیحت تھی جو جب ٹیڑھے دماغوں میں پڑی ہے تو اس نے دیکھیں کیسا ٹیڑھا رخ اختیار کر لیا۔ اب یہ کہتے ہیں کہ ہمیں رسول کریم ﷺ

نے حق دیا ہے کہ اگر کوئی اسلام کے خلاف بات کرتا ہے اور تمہارے پاس طاقت ہے، تلوار ہے تو تلوار چلا دو۔ اگر پتھر ہے تو پتھر مارو اور جس طرح بھی بن پڑے زبردستی نمازیں پڑھا دو۔ زبردستی بعض بدیوں سے روکو اور جبر کی حکومت رائج کر دو۔ یہ تلقین اتنی عام ہو چکی ہے اور ایسے ظالمانہ طور پر خصوصاً پاکستان کا مزاج بگاڑ رہی ہے کہ اس کے تصور سے بھی انسان کا دل دہلتا ہے کہ آئندہ کیا ہوگا۔

ابھی چند دن پہلے ایک خبر آئی کہ کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم یہ کام کرو تو اس نے کہا میں تلاوت کر رہی ہوں اس کو اتنا غصہ آیا، وہ خود حافظ قرآن تھا کہ اس نے قرآن کریم جلا دیا یعنی کہا گیا قرآن کریم جلا دیا تو اس پر شور پڑ گیا سارے شہر کی مساجد سے اعلان ہوا کہ بہت بڑا گناہ ہو گیا ہے اٹھو اور اس شخص کو سزا دو۔ یہاں تک کہ اس کی طرف جب بڑھے ہیں اس سے پہلے پولیس کی تحویل میں وہ آ چکا تھا اور حملہ آوروں نے پولیس سے اس کو چھینا، پہلے اس پر پتھر برسائے اور پھر ابھی جان باقی تھی کہ زندہ آگ میں جلا دیا اور اس طرح انہوں نے قرآن کی عزت قائم کی۔ اس کے پیچھے یہی جھوٹا اور غلط تصور ہے جس کا کوئی اشارہ بھی حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی اپنی پاک زندگی میں نہیں ملتا۔ یہ عجیب باتیں محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرتے ہیں جنہیں اول انسانی فطرت دھکے دیتی ہے اور نفس کی شرافت کسی طرح قبول کرنے کے لئے تیار نہیں اور دوسری طرف حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر نگاہ ڈالیں تو ایک بھی واقعہ ایسا آپ کی زندگی میں دکھائی نہیں دیتا کہ اپنے اس ارشاد کا یہ مطلب سمجھتے تھے جو ملاں آج دوسری دنیا کو سمجھا رہا ہے۔ وہ واقعہ ہو گیا اور پھر دو تین دن کے بعد خبر شائع ہوئی کہ اس کی بیوی نے بیان دیا ہے کہ بالکل جھوٹ ہے، ایسی کوئی بات ہی نہیں ہوئی۔ صرف بات یہ ہوئی تھی کہ وہ بے چارہ چائے بنا رہا تھا، پاس قرآن کریم رکھا تھا، پانی ابلا اور قرآن پر ابلتا ہوا پانی پڑ گیا۔ وہ سمجھا کہ مجھ سے گناہ ہو گیا ہے۔ اس نے کہا ہائے مجھ سے قرآن جل گیا اور وہ بات بیوی نے شاید کسی ہمسائی کو بیان کر دی ہو گی یا آگے چل پڑی تو بات کہیں سے کہیں جا پہنچی۔ پولیس آئی، اس کو زبردستی پکڑ کے لئے گئی اور پھر اسے اس MOB کے حوالے کر دیا گیا جنہوں نے اس کی Lynching کی ہے۔ اب یہ باتیں اگر محمد مصطفی ﷺ کی طرف منسوب کر کے کی جائیں تو یہ اور بھی زیادہ بھیانک ہو جاتی ہیں، یہ کیسی بدبختی ہے کہ ایسی بہیمانہ حرکتوں کا منبع حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کو بیان کیا جائے۔ اس طرح قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کا کہیں محمد رسول اللہ ﷺ کی

طرف سے کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ صحابہؓ کا تو یہ حال تھا کہ ایسی حالت میں بھی کہ جب یقین سمجھتے تھے کہ فلاں شخص کی یہ غلطی ہے اور ہمیں حق ہے، قرآن کی طرف سے حق ہے کہ ہم اسے قتل کر دیں، محمد رسول اللہ ﷺ سے پوچھے بغیر فیصلہ نہیں کرتے تھے۔ کامل قانون کی حکمرانی تھی اور آنحضرت ﷺ نے کبھی اشارةً بھی **نھی عن المنکر** کے یہ معنی عملاً ظاہر نہیں فرمائے کہ زبردستی لوگوں کو ہٹاتے پھرو۔ اب قرآن آنحضرت ﷺ کے قلب مطہر پر نازل ہوا ہے، آپؐ کی ذات مجسم قرآن بن گئی۔ ایک موقع پر صبح نماز کے وقت تھوڑے آدمی تھے تو آپؐ نے فرمایا کہ مجھے اتنی تکلیف ہوتی ہے یہ دیکھ کر کہ لوگ نمازوں کی طرف تو نہیں آتے اور بکری کے دو پائے اگر پکا کر ان کی طرف بلایا جائے تو دوڑے چلے آتے ہیں کہ اگر یہ جائز ہوتا تو میں ان گھروں کو جلوا دیتا۔ اب یہ جو ہے **نعوذ باللہ من ذلک** کسی مغلوب الغضب انسان کا کلام نہیں ہے۔ آپ جانتے تھے کہ وہ لوگ جو محمد رسول اللہ ﷺ سے سبق سیکھنے کے باوجود، نمازوں کی اہمیت کو سمجھنے کے باوجود، نمازوں سے غافل ہیں ان کا صلہ جہنم ہے۔ تو اس بڑی آگ سے بچانے کے لئے دل میں یہ خیال آ سکتا ہے کہ یہ کروں تو باقی لوگوں کو نصیحت ہو جائے۔ مگر کیوں رکے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو بھی اجازت نہیں دی تھی۔ فرماتا ہے اِنَّمَآ اَنۡتَ مُذَکِّرٌ ﴿۲۲﴾ لَسۡتَ عَلَیۡهِمۡ بِمُصَیۡطِرٍ (الغاشیہ: 22 تا 23) تجھے ہم نے مذکر بنا کے بھیجا ہے۔ "**مصیطر**" بنا کے نہیں بھیجا اور یہ ایسے جاہل لوگ ہیں کہ قرآن کریم کی اس روشن وضاحت کے باوجود کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کیا دائرہ ہے پھر بھی زبردستی اس کی طرف ایسی خوفناک اور ملحدانہ باتیں منسوب کرتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے اِنَّمَآ اَنۡتَ مُذَکِّرٌ اور مذکر کی تشریح قرآن بار بار یہ فرما رہا ہے کہ **نھی عن المنکر** کرو امر بالمعروف کرو لیکن تذکیر کے دائرے میں رہ کر نصیحت کے دائرے میں رہ کر۔ اپنے ہاتھ میں قوت لے کر یا قوت کا سہارا لے کر خواہ تمہارے ہاتھ کی ہو یا اور جگہ سے حاصل کرو، تمہیں اخلاقی تبدیلیاں پیدا کرنے کوئی حق نہیں ہے۔ **مصیطر** نہیں ہے۔ اے محمدؐ! تو **مصیطر** نہیں ہے، داروغہ نہیں ہے جس نے زبردستی تبدیلیاں پیدا کرنی ہیں۔ اگر سنیں گے تو ان کا فائدہ ہے۔ نہیں سنیں گے تو پھر اللہ کے سپرد ہے۔

اِلَّا مَنۡ تَوَلّٰی وَ کَفَرَ ﴿۲۴﴾ فَیُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الۡعَذَابَ الۡاَکۡبَرَ (الغاشیہ: 24 تا 25)

جو تَوَلّٰی کرے گا اور انکار کرے گا، اللہ کا کام ہے اسے عذاب اکبر میں مبتلا کرے، تمہارا

کام نہیں ہے۔ اب یہ واقعہ جو وہاں رونما ہوا ہے اس وقت اخباروں نے اچھالا اور ایک اخبار بھی ایسا نہیں تھا جس نے اس کی مذمت کی ہو اور کہا ہو کہ محمد رسول اللہ ﷺ پر یہ ناپاک داغ لگایا جارہا ہے ہم اسے برداشت نہیں کریں گے، یہ جھوٹی نصیحتیں ہیں۔ کسی نے آواز نہیں اٹھائی اور اب جبکہ حق ظاہر ہو گیا تب بھی سب دنیا خاموش ہے۔ کہاں ہے حکومت پاکستان کا انصاف۔ ان سب علماء کو جنہوں نے مسجدوں کے لاؤڈ سپیکروں سے وہ جاہلانہ اور غضب ناک اعلان کئے تھے جس کے نتیجے میں ایک معصوم کی جان اس طرح لی گئی اور بڑے دردناک طریقے پر لی گئی، اگر پاکستان کی حکومت میں ذرہ بھی انصاف ہو تو اب ان کو پکڑے۔ اول تو پہلے ہی پکڑنے کی ضرورت تھی اگر قانون کے محافظ اپنے قانون کے ساتھ لوگوں کو کھیلنے دیتے ہیں تو قانون کا وقار پھر باقی نہیں رہا کرتا۔ ایسے ملک میں پھر آئندہ امن کی کوئی ضمانت نہیں ہو سکتی۔ وہ بھی وقت تھا کہ حکومت پاکستان دخل دیتی اور سختی سے اس رو کو دباتی کہ قرآن کو جلایا یا نہ جلایا یہ حکومت کا کام ہے، ہم فیصلہ کریں گے۔ عدالتوں کا کام ہے، حکومت کا کام ہے ان فیصلوں کو نافذ کرے۔ جس نے اپنے ہاتھ میں قانون لیا ہے وہ مجرم ہے اس سے وہی سلوک کیا جائے گا جو اس نے کسی دوسرے سے کیا ہے۔ اس وقت وہ وقت تھا لیکن اگر وہ وقت ہاتھ سے گزر گیا تو اب کیوں زبانیں گنگ ہوگئی ہیں۔ اب اس معصوم کا خون پکار رہا ہے اور کوئی آواز نہیں ہے جو اس کے حق میں اٹھ رہی ہو۔ اس لئے جماعت احمدیہ کو امر بالمعروف کی حد میں رہنا ہے اور اس سلیقے کے ساتھ رہنا ہے جس سلیقے کے ساتھ قرآن اور محمد رسول اللہ نے ہمیں سکھایا ہے اور اس میں ایک یہ بھی جو اس وقت آپ کے سامنے میں نمونہ دکھا رہا ہوں کہ ہم ہر بدی کے خلاف ضرور آواز اٹھاتے رہیں گے اور ساری جماعت کا کام ہے ہر جگہ یہ آواز اٹھائے اور اب جبکہ واقعہ ظاہر ہو چکا ہے تمام دنیا کے ضمیر کو جھنجھوڑے اور کہے کہ دیکھو اس طرح ظلم ہوا کرتے ہیں اگر جاہل ملاؤں کے ہاتھ میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی باتوں کی تفسیر پکڑا دی جائے ان کو اپنی گفتگو کا سلیقہ نہیں، انہیں رہنے کے انداز نہیں آتے، ان کی باتوں سے غضب جھلکتا ہے، بات بات پر منہ سے جھاگیں نکلتی ہیں، انہوں نے محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت سکھانی ہے تمہیں؟ آپ نہیں سیکھ سکے اور جہالت دیکھیں عوام کی کہ یہی ملاں نسلاً بعد نسلٍ بولتا بولتا اپنے گلے بٹھا دے اور جانیں دے بیٹھے کہ آؤ نیکی کی طرف آؤ تو نیکی کی طرف کوئی نہیں آئے گا۔ گوجرانوالہ سے رشوت دور کر کے دکھا دو، گوجرانوالہ میں جو حق تلفی

ہو رہی ہے وہ دور کر کے دکھا دے، گوجرانوالہ کی عدالتوں میں سچے گواہ پیش کر دیں۔ کوشش تو کریں، سارے گوجرانوالہ کے مولوی اور ارد گرد کے اکٹھے ہو جائیں، گوجرانوالہ کی ایک گلی کو بھی مسلمان بنانے کی استطاعت نہیں رکھتے کیونکہ یہ خدا کا کام ہے جو امام اس نے بھیجا اس کے تو منکر ہو بیٹھے ہو اب تمہاری باتوں میں طاقت نہیں ہے۔ **طاقت وہاں ہے جہاں سے آج میں بول رہا ہوں محمد مصطفیٰؐ کے غلاموں میں طاقت ہے۔ مسیح موعودؑ کے منصب خلافت میں طاقت ہے۔ آج میں ایک آواز بلند کرتا ہوں زمین کے کناروں تک لبیک لبیک کی آوازیں آتی ہیں۔ ایک بدی دور کرنے کی نصیحت کرتا ہوں، بے اختیار دل اچھلتے ہیں، کہتے ہیں ہاں ہم حاضر ہیں، ہم ان سب بدیوں کو کاٹ پھینکیں گے، ایک نیکی کی طرف بلاتا ہوں، اس سے بڑھ کر نیکیوں کے لئے وعدے آتے ہیں اور پھر لوگ ان پر عمل کر کے دکھاتے ہیں۔** یہ صرف اس لئے ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو زمانے کا امام بنایا گیا ہے اور وہی امامت طاقتور ہے جو آپؐ کی غلامی کی امامت ہے اس سے ہٹ کر کوئی امامت امامت نہیں ہے۔

تم ظلموں کی طرف بلا لو، دیکھو کس طرح لوگ تمہاری آواز پر لبیک کہتے ہیں، تم سنگسار کرنے کے لئے لوگوں کو آواز دو، جھولیوں میں پتھر ڈال کر دوڑیں گے اور معصوم ہوں یا گنہگار ہوں ہر ایک پر وہ پتھر پڑیں گے اور اکثر معصوموں پر پڑیں گے۔ لیکن ظلم سے روکنے کی کوشش کر کے دیکھو کبھی ظلم سے روک نہیں سکتے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طاقت محمد رسول اللہؐ کو عطا ہوئی ہے تمہیں نہیں ہوئی اور یہی میں **جماعت کو سمجھانا چاہتا ہوں جب تک وہ امر بالمعروف کریں گے جو محمد رسول اللہ ﷺ کا امر بالمعروف ہے آپ کو آسمان سے طاقت نصیب رہے گی آپ کی باتوں میں عظمت پیدا ہوگی، وقار پیدا ہوگا، لوگوں کے دل ان کو ماننے کے لئے جھکیں گے اور اگر وہی نہی عن المنکر آپ نے کرنی ہے اور وہی کرنی ہوگی اور اس انداز سے کرنی ہے جس انداز سے محمد رسول اللہ ﷺ نے کی اور وہی کرنی ہوگی تو پھر دیکھیں کس طرح آپ کے روکنے سے لوگ رکتے ہیں اور یہی اس وقت جماعت میں ہو رہا ہے۔** پس آنحضرت ﷺ کی نصیحتوں کی گہرائی میں اتریں اور قرآن کے حوالوں سے ان نصیحتوں کو سمجھیں اور ان کے مطابق عمل کریں تو خدا تعالیٰ کی طرف سے آپ کو طاقت نصیب ہوگی کسی دنیا کے ہتھیار کی ضرورت نہیں کسی حکومت کی تائید کی ضرورت نہیں ہے۔

پس اہل پاکستان میری آواز کو سن رہے ہوں گے وہ اپنے طور پر اپنی حکومت کو پہنچائیں اور

ان سب بدکرداروں کو جنہوں نے یہ ظلم کیا ہے اور ظلم کمایا ہے ان کو عبرتناک سزائیں ملنی چاہئیں تاکہ آئندہ کسی کو قانون ہاتھ میں لینے کی جرأت نہ پڑے۔ کجا یہ کہ وہ یہ فیصلے کرے کہ سچا ہے یا جھوٹا ہے۔ یہ اختیار ہی ان کو نہیں ہے اور **امر بالمعروف** کے متعلق مسلسل آواز بلند ہونی چاہئے کہ یہ مطلب نہیں ہے جو تمہیں ملاں سمجھا رہا ہے۔ مسلسل جھوٹ بول رہا ہے۔ **امر بالمعروف** کا وہ مطلب ہے جو محمد رسول اللہؐ نے قرآن سے خود سمجھا اور زندگی بھر اس پر عمل کر کے دکھایا۔ ایک دفعہ ایک عرب متشدد دوست تھے مراکو کے۔ وہ مجھ سے گفتگو کر رہے تھے تو مجھے کہنے لگے کہ دیکھیں ہم لوگ جو ہیں ایک غیر اسلامی حکومت کے خلاف جہاد کر رہے ہیں۔ وہ بھی مسلمانوں کی مراکن کی حکومت ہے۔ میں نے کہا کس طرح کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا وہ تو عورتوں کے چہرے سے پردے اترے ہوئے بھی ہوں تو کوئی کارروائی نہیں کرتے یعنی زبردستی چہروں پہ دوبارہ پردے نہیں ڈالتے۔ اب ہمارا اتنا رعب ہے کہ کوئی عورت اگر اس طرح نکلے تو چاہے اپنے خاوند کے ساتھ ہی ہو ہم زبردستی اس کو گھسیٹ کے بازاروں میں لے جاتے ہیں اور اس کو سزا دیتے ہیں اور مجبور کرتے ہیں کہ اگر وہ پردہ نہیں کرے گی تو ہم اس کے ساتھ یہ کریں گے۔ جب وہ بات کر بیٹھا تو میں نے کہا اس **امر بالمعروف** اور **نھی عن المنکر** کا تم چودہ سوسال پہلے بھی کوئی نشان پاتے ہو۔ اس کا کوئی ذکر محمد رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے بھی ملتا ہے۔ کبھی آنحضرت ﷺ نے ایسا کر کے دکھایا ہو، کسی ایک عورت پر کسی مسلمان کو اجازت ملی ہو کہ اس کی بے پردگی یا اس کی اور کمزوری کے نتیجے میں اس کو ہاتھ اٹھانے کی یا بے عزتی کرنے کی خدا تعالیٰ کی طرف سے رخصت ملی ہو، کوئی اشارہ ملتا ہے؟ سوچتا رہا، سوچتا رہا، کہا نہیں میرے علم میں کوئی نہیں۔ تو میں نے کہا اگر نور کے زمانے میں اس کا کوئی نشان نہیں ہے تو پھر یہ اندھیروں کی پیداوار ہے، اس کا محمد رسول اللہ ﷺ سے کوئی تعلق نہیں۔ جس کو تم **امر بالمعروف** اور **نھی عن المنکر** سمجھ رہے ہو یہ بے غیرتی ہے اور بے حیائی ہے، اس سے بڑھ کر بے حیائی ہے۔ ایک عورت اپنے خاوند کے ساتھ چل رہی ہے اس کا ایک احترام ہے، اس کی ایک عزت ہے، تمہیں کس نے حق دیا ہے کہ اس عورت کے اوپر زبردستی کرو۔ اس نے جو بے پردگی کی ہے اتنا معمولی جرم ہے اس جرم کے مقابل پر کہ اگر مقابلہ کیا جائے تو اس کی تو کوئی بھی حیثیت نہیں۔ وہ جرم بھی تب بنتا ہے اگر تمہاری آنکھیں بے حیا ہوں۔ اگر دیکھنے والوں کی آنکھیں حیادار ہوں تو وہ جرم بھی کوئی جرم

نہیں رہتا، وہ کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتا اور تم اپنے ہاتھ میں لے بیٹھے ہو یعنی اسلام کا نفاذ خدا نے تمہارے سپرد کر دیا اور جیسی مکروہ عقلوں کے ساتھ تم نفاذ کرنا چاہتے ہو ویسا کرو گے، یہ اسلام نہیں ہے۔ ان لوگوں میں پاکستان کے ملانوں کی نسبت بہت زیادہ انصاف پایا جاتا ہے باوجود اس کے کہ شروع میں بڑا متشدد اور بڑا زور کے ساتھ اپنے موقف پیش کر رہا تھا، تھوڑی دیر کے اندر اندر بیٹھ گیا، اپنے ساتھیوں کو بھی اس نے کہنا شروع کر دیا یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ پس امر بالمعروف میں طاقت ہے اگر محمد رسول اللہ ﷺ کے اسلوب پر، آپؐ سے اس کے آداب سیکھ کر، آپ امر بالمعروف کریں اور آج قوم کو اس کی ضرورت ہے احمدیوں میں بھی امر بالمعروف کریں اور اس ضمن میں اس حدیث کا پہلا ٹکڑا اس غلط تصور کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہنے دیتا۔ فرماتا ہے: **لیس منا من لم یرحم صغیرنا ویوقر کبیرنا۔**

میں یہ سمجھا رہا ہوں کہ اس حدیث میں ہی وہ دفاعی والوز موجود ہیں نصیحت فرمارہے ہیں اپنے چھوٹوں پر رحم کرو اور بڑوں کی عزت کرو، پھر تمہیں حق ہے کہ تم **امر بالمعروف اور نهی عن المنکر** کرو۔ اگر امر بالمعروف کا مطلب بڑوں کی بے عزتی کرنا اور چھوٹوں پر ظلم کرنا ہوتا تو حضورؐ اس نصیحت کے ساتھ اس نصیحت کو ملا کر نہ آگے چلتے۔ پس پہلے ہی ایک ایسی پیاری تمہید باندھ دی جس سے اگلی بات کی غلط فہمی کا سوال ہی باقی نہیں رہا۔ پس جماعت احمدیہ کو **امر بالمعروف** اس طرح کرنا ہے کہ بڑے ہوں تو ادب کے ساتھ بات کریں۔ چھوٹے ہوں تو ان کی غلطیوں پر رحم کریں۔ اگر کسی بچے نے بال ایسے بڑھا لئے ہیں جاہلانہ طور پر، جیسا کہ یورپ میں آج کل رواج ہے اور پاکستان میں بڑے زور سے فیشن بنا ہوا ہے کہ عورتوں کی طرح گتیں بنالی ہیں تو اگر آپ کو غصہ آتا ہے تو آپ **امر بالمعروف** کے اہل ہی نہیں ہیں، چھٹی کر جائیں، ایک طرف ہٹ جائیں۔ اگر آپ کو رحم آتا ہے تو پیار سے سمجھائیں۔ اگر گلے میں زیور لٹکائے ہوئے ہیں اور وہ سمجھ رہا ہے کہ اس سے میری شان ہے تو اگر محبت اور پیار سے نصیحت نہیں کر سکتے تو ایک طرف ہٹ جائیں کیونکہ اگر آپ نے ایسا نہ کیا ایک طرف نہ ہٹے اور سختی سے، ظلم سے اس سے بات کی تو رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ تمہارا میرے سے کوئی تعلق نہیں رہے گا **مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا فَلَيْسَ مِنَّا** تم ہم میں سے ہی نہیں رہو گے تو ہماری طرف کیا بلاتے ہو۔ پس اللہ تعالیٰ جماعت احمدیہ کو قیامت تک اس سنت محمد

مصطفیٰ ﷺ پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے جو ہمیشہ کے لئے ہر خوبی کی زندگی کی ضمانت ہے اور ہر بدی کی موت کی خبر دیتی ہے اللہ کرے کہ ایسا ہی ہو۔ آمین۔

ریس ازم کو کسی پہلو سے اپنے قریب نہ آنے دیں۔
جرمنی میں اس کے خلاف عظیم جہاد کی ضرورت ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 6 رمئی 1994ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے مندرجہ ذیل آیات کریمہ تلاوت کیں۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰٓ أَن يَكُونُوا۟ خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّن نِّسَآءٍ عَسَىٰٓ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۖ وَلَا تَلْمِزُوٓا۟ أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا۟ بِٱلْأَلْقَٰبِ ۖ بِئْسَ ٱلِٱسْمُ ٱلْفُسُوقُ بَعْدَ ٱلْإِيمَٰنِ ۚ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ﴿١٢﴾

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱجْتَنِبُوا۟ كَثِيرًا مِّنَ ٱلظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ ٱلظَّنِّ إِثْمٌ ۖ وَلَا تَجَسَّسُوا۟ وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ﴿١٣﴾ (الحجرات: 12-13)

پھر فرمایا:۔

آج دنیا کے مختلف ممالک میں جو بعض اہم اجتماعات ہو رہے ہیں ان کے سلسلے میں سب سے پہلے صوبہ سرحد کی طرف سے درخواست آئی ہے کہ ان کا سالانہ اجتماع مجلس خدام الاحمدیہ کا جمعرات سے شروع ہے اور آج جمعے کے دن جاری رہ کر شام کو اختتام پذیر ہوگا اور اب وہاں غالبًا اختتام کے لمحے ہوں گے، شام ہو چکی ہوگی، جماعت احمدیہ جرمنی کی مجلس شوریٰ آج 6 رمئی بروز جمعۃ المبارک شروع ہو رہی ہے اور اس سے پہلے کچھ اجتماعات تھے جن کی اطلاع وقت پر نہیں مل سکی ان کی بھی خواہش ہے کہ ان کا نام دعا کی خاطر لے لیا جائے۔ ایک خدام الاحمدیہ اور اطفال الاحمدیہ ضلع میر پور خاص (سندھ) کا اجتماع تھا جو 28 اور 29 راپریل دو دن جاری رہا اور ایک خدام الاحمدیہ کراچی کا اجتماع تھا جو یکم مئی کو شروع ہوا۔ اسی طرح مسجد احمدیہ چٹا گانگ کی تعمیر کا آغاز ہوا ہے ان کی خواہش ہے کہ تمام دنیا کے احباب جماعت کو ان کے لئے دعا کی خصوصی درخواست کی جائے۔

جہاں تک مجلس شوریٰ جرمنی کا تعلق ہے آج کے خطبے میں خصوصًا ان کو موضوع بنا رہا ہوں اور ان کی وساطت سے سب دنیا کو وہی نصیحتیں ہیں خصوصًا اس لئے کہ امیر صاحب جرمنی نے اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ جہاں جرمنی میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت تیزی سے نشو ونما پا رہی ہے وہاں تربیتی مسائل بھی بہت درپیش ہیں اس لئے خصوصیت کے ساتھ اس جمعے میں مجلس شوریٰ کو تربیتی مسائل پر نصیحت کریں تا کہ ہم نئی بڑھتی ہوئی ذمہ داریوں سے کما حقہ عہدہ برآ ہو سکیں۔ یعنی جو ذمہ داریاں ہم پر عائد ہوئی ہیں ان کو عمدگی کے ساتھ جیسا کہ حق ہے ادا کر سکیں۔ مجلس شوریٰ کے ذکر میں جو باتیں میں پہلے کہہ چکا ہوں اور گزشتہ سے پیوستہ خطبے میں میں نے نصیحتیں کی تھیں وہ تو سب کے لئے قدر مشترک ہیں ان کو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے مگر جرمنی کے مسائل کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے چند باتیں میں عرض کروں گا۔ جرمنی کی جماعت یورپ میں وہ جماعت ہے جو بڑی تیزی سے مختلف اقوام میں پھیل رہی ہے اور اب یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا مزاج پاکستانی ہے کیونکہ ہزاروں کی تعداد میں یورپین اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت میں داخل ہو چکے ہیں اور اس کے علاوہ افریقن اور بعض دوسری قومیں بھی مثلاً ترک اقوام، عرب، بنگالی یہ سارے ہر سال اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت میں دلچسپی لیتے چلے جاتے ہیں اور دلچسپیوں میں بڑھتے جا رہے ہیں اور ہر سال خدا کے فضل سے کافی تعداد ان میں سے احمدیت قبول کر رہی ہے۔ پس یہ جو مختلف اقوام کے اکٹھا ہونے کے نتیجے

میں مسائل پیدا ہوتے ہیں ان پر روشنی ڈالنے کے لئے اور ان کا حل آپ کے سامنے رکھنے کے لئے میں نے ان آیات کی تلاوت کی ہے جو سورۃ الحجرات سے آیات ۱۲ اور ۱۳ سے لی گئی تھیں۔

ضمناً یہ بھی بتا دوں کہ اس وقت جو مجلس شوریٰ جرمنی میں ہو رہی ہے اس میں تمام Nationalities کے لوگ بطور نمائندہ شامل ہیں۔ جرمن، پاکستانی، بوزنین، ترک، عرب، بنگالی اور متعدد افریقن ممالک کے نمائندگان با قاعدہ بحیثیت نمائندہ شامل ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ انہوں نے مشرقی یورپ کی بعض اور قوموں کو بھی شامل کیا ہے کہ نہیں مگر البانین بھی وہاں سینکڑوں کی تعداد میں اب خدا کے فضل سے جماعت میں داخل ہو چکے ہیں اس لئے بعید نہیں کہ البانین نمائندے بھی ان میں ہوں اور اگر نہیں تو اب ان کو شامل کر لینا چاہئے۔ اسی طرح رومانیہ میں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ جماعت جرمنی کو توفیق ملی ہے کہ مستقل بنیادوں پر وہاں جماعت کا قیام کر لے۔ رومانین احمدی بھی جرمنی میں موجود ہیں۔ کوشش کرنی چاہئے کہ مجلس شوریٰ میں زیادہ سے زیادہ اقوام کی نمائندگی ہو اور یہ ان کی تربیت کے لئے ایک بہترین موقع ہے۔ پس پہلی نصیحت تو یہی ہے کہ مجلس شوریٰ کا دائرہ قوموں کے لحاظ سے بڑھائیں اور وسیع تر کریں اور مجلس شوریٰ میں ان کو اسلامی طرز مشاورت کا سلیقہ عطا کریں ان کو وہ اسلوب سکھائیں کہ اسلام کے نقطۂ نگاہ سے مشورہ کیسے کہا جاتا ہے اور کن شرائط کے ساتھ مشورہ دینا چاہئے اور کن شرائط کے ساتھ ان آداب کی پابندی کرنی چاہئے جو اسلامی آداب ہیں اور مشورہ قبول کس طرح ہوتا ہے اس سلسلے میں بھی اسلام مجلس شوریٰ کے موضوع پر ہر پہلو سے روشنی ڈالتا ہے یعنی اس کا ہر انداز دوسری دنیا کی قوموں کے انداز سے مختلف ہے قبول کرنے کا انداز بھی مختلف ہے۔ پس اس پہلو سے ان قوموں کو مجلس شوریٰ کی اہمیت اور اس کے اسلامی آداب سکھانے کا یہ ایک بہترین موقع ہے۔ مگر غالباً امیر صاحب کے پیشِ نظر کچھ روزمرہ کے تربیتی مسائل ہیں جو مختلف سمتوں سے اٹھتے ہیں اور امیر صاحب کو تنگ کرتے رہتے ہیں اس لئے میں ان امور کی روشنی میں جو مجھ تک خطوں کے ذریعے پہنچتے ہیں بعض نصیحتیں کرنی چاہتا ہوں اور مجلس شوریٰ کے نمائندگان کو چاہئے کہ ان کو خوب اچھی طرح ذہن نشین کر کے اپنے قلب میں جگہ دے کر، وہاں بٹھا کر پھر واپس اپنی اپنی جگہوں کو لوٹیں اور وہاں جا کر ان امور میں تربیت کی کوشش کریں۔

پہلی بات تو قرآن کریم کی ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمائی ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ کہ دیکھو کوئی قوم کسی دوسری قوم سے تمسخر نہ کرے کیونکہ ہوسکتا ہے وہ ان سے بہتر نکلیں یا بہتر ہو جائیں۔ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا میں دونوں مضمون ہیں یعنی ایک پہلو یہ ہے کہ تمہیں کیا پتا کہ وہ تم سے بہتر ہوں اور بعید نہیں کہ وہ تم سے بہتر ہوں کم سے کم اس برائی میں تو ملوث نہیں جسے تم Raceism کہتے ہو اور قومی بنیاد پر کسی اور کو تحقیر سے نہیں دیکھ رہے۔ دوسرے یہ کہ ایسے لوگ جو آج نیچے ہیں کل خدا تعالیٰ کی تقدیر ان کو اوپر بھی لے آیا کرتی ہے اور ہمیشہ قومیں ایک حال پر نہیں رہا کرتیں، اس لئے فرمایا کہ تم یہ نہ کرنا کہ قومی برتری کے خیال سے دوسروں کو تحقیر سے دیکھنا۔

پاکستانی بھی وہاں بہت کثرت سے ہیں اور بعض دفعہ پاکستانیوں کا طرز عمل بھی ایسا ہوتا ہے جس سے یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ ہمیں اپنے سے کم تر دیکھ رہے ہیں اور اس کے نتیجے میں بھی ردعمل پیدا ہو جاتے ہیں۔ باہر کی قوموں میں یہ قومی برتری کا تصور نسبتاً سادہ ہے اگر چہ سخت ہے۔ سادہ اس پہلو سے کہ سفید قوموں کو سفید قوموں کی برتری کا خیال ہے اور پھر بعض علاقوں میں یہ برتری کا خیال جرمن برتری یا فرنچ برتری یا انگلش برتری میں بھی تبدیل ہو جاتا ہے مگر ہمارے ہاں بدنصیبی سے قومی برتری کے خیالات یا توہمات فرقہ فرقہ اتنے بٹے ہوئے ہیں کہ ذات پات کی تمیز، قوموں کی تمیز یہ اتنی جڑیں پکڑ چکی ہے اور پھر مذہبی بنیادوں پر بھی ایسی باتیں ہیں جن کا ہندوستان کے معاشرے پر ہمیشہ بہت برا اثر پڑا ہے مثلاً ایک زمانہ تھا جب کہ تحریک پاکستان چل رہی تھی اس زمانے میں ہندوؤں کے اوپر تمسخر اور مذاق کہ لالہ قوم ہے اس نے کیا کرنا ہے ان کو پتا ہی نہیں لڑائی کیا ہوتی ہے اور پھر ان کے ہاتھوں اتنی مار کھائی اور ایسی ذلت اٹھائی کہ انسان اس کے تصور سے بھی شرم کے مارے سر جھکا لیتا ہے۔ یہی حال بنگلہ دیش میں اس وقت ہوا جبکہ ہندوستان کی فوجوں نے پاکستان کی ان فوجوں کو جو بنگلہ دیش میں تھیں مگر ہر دلعزیز نہیں تھیں بنگلہ دیش کی مدد سے ذلت آمیز شکست پہنچائی اور اس سے پہلے ان کے نعرے بڑے بڑے بلند تھے یہ کیا حیثیت رکھتے ہیں ہم ان کو یوں کچل دیں گے، بنگالی کیا چیز ہے۔ اس بنگالی نے پھر اس ذلّت کے ساتھ ان کو اٹھا کر اپنے ملک سے باہر پھینکا ہے کہ آج تک پاکستان کا نام قابلِ فخر نہیں بلکہ قابلِ شرم بنا ہوا ہے اور اگر کوئی شخص آج بھی پاکستان کی بات کرتا ہو، اس کی تائید کرتا ہوا وہاں ملے گا تو ساری قوم اس سے نفرت کا سلوک کرتی ہے اس لئے کہ نفرتیں

نفرتوں کے بچے دیا کرتی ہیں جن قوموں کی تذلیل کی جائے پھر ایسا وقت بھی آتا ہے کہ وہ بالا دستی اختیار کرتی ہیں اور پھر وہ نفرتیں یونہی مر مٹ نہیں جاتیں بلکہ اور نفرتوں کے بچے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

پس قومی تفاخر ہو یا ذات پات کا تفاخر ہو کہانیاں بنائی ہوئی ہیں لوگوں نے کہ کوئی میراثیوں کی، کوئی جولاہوں کی اور واقعہ یہ ہے کہ وہ قومیں جو میراثیوں اور جولاہوں پہ ہنستی تھیں ان میں وہی تصور جس پر وہ ہنسا کرتی تھیں اس تصور کو لئے ہوئے بڑے جولاہے اور بڑے میراثی پیدا ہوئے ہیں اور کشمیریوں پر ہنسا کرتے تھے دیکھو وہ کس بہادری سے کتنا عظیم جہاد کر رہے ہیں اگر چہ اسے اسلامی نقطۂ نگاہ سے سو فیصدی جہاد قرار دینا یہ ایک الگ مسئلہ ہے مگر ایک مظلوم قوم ہے جو اپنی آزادی کے لئے اس وقت سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے ہے ہندوستان کی حکومت چاہے پسند کرے یا نہ کرے یہ درست ہے اور یہ کہنے میں مجھے کوئی باک نہیں کہ باوجود اس کے کہ ہندوستان کے دورے پر جب میں گیا تھا اور ان کو مشورے دیئے تھے کہ تم ایسے تشدد کی راہ اختیار نہ کرنا یہ کامیاب نہیں ہوسکتی۔ تمہیں سمجھوتے کرنے چاہئیں، سیاسی سطح پر اتر کے ان باتوں کو سلجھانا چاہئے، ورنہ دونوں ملکوں کا بڑا نقصان ہوگا اور کشمیر مفت میں تم دونوں کی آپس کی رقابت کی چکی میں پیسا جائے گا وہی ہو رہا ہے مگر جہاں تک کشمیری قوم کا تعلق ہے اس نے ثابت کر دکھایا ہے کہ جو ان کو بزدل کہا کرتا تھا جھوٹ بولتا تھا، بڑی بہادر اور نڈر قوم ہے، ایسی عظیم قربانیاں اتنا مسلسل دیتے چلے جانا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ مجھے تو کشمیر کی حالت دیکھ کر الجیریا یاد آتا ہے چنانچہ میں نے ایک دفعہ ایک ہندوستانی لیڈر کو جو ملنے کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے ان سے کہا تھا کہ دیکھو ڈیگال بننا پڑے گا آخر تمہیں۔ ڈیگال جیسا زبردست جرنیل اور پھر بعد میں ویسا زبردست سیاست دان بھی فرانس میں کم پیدا ہوا ہے لیکن اپنی بڑائی کے باوجود، اپنے سب تکبر کے باوجود، اپنی سب فراست کے باوجود، جنگی میدان میں معاملہ فہمی اور داؤ پیچ سمجھنے کے باوجود آخر اسے شکست تسلیم کرنی پڑی۔ پس ہندوستان کو بھی میں مشورہ دیتا ہوں کہ ظلم و ستم کی کھیل پنپا نہیں کرتی۔ کشمیر کو دوست کے طور پر چھوڑو تو بہتر ہے شدید ترین دشمن بنا کے نہ چھوڑنا۔ ورنہ جن مقاصد کی خاطر تم ہندوستان کو ایک رکھنے کے لئے اور ایک یونٹ، ایک اکائی بنائے رکھنے کے لئے جدوجہد کر رہے ہو ان کو شدید نقصان پہنچے گا مگر بہر حال ہماری تو ایک عاجزانہ حیثیت ہے۔ ہم مشورہ دیتے ہیں نیکی اور سچائی کے ساتھ یہ قوموں کا کام ہے قبول کریں نہ کریں اگر

قبول کریں گے تو ان کو فائدہ ہوگا اگر قبول نہیں کریں گے تو نقصان ہوگا یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے وہ تبدیل نہیں کر سکتے کیونکہ وہ مشورہ جو تقویٰ پر مبنی ہو اور تقویٰ اللہ کا نور ہے اس مشورے کی مخالفت کرنے والا خود اپنا نقصان اٹھاتا ہے، خود اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے۔

تو میں مثال دے رہا تھا کہ دیکھو قوموں کے اوپر خواہ مخواہ تمسخر کرنے کے نتیجے میں جو لوگوں کو بے وقوف سمجھا کرتے تھے وہ خود بے وقوف بن گئے۔ جو لوگوں کو بزدل سمجھا کرتے تھے انہوں نے ان کی ایسی ذلت ناک شکستیں دیں کہ آج بھی ان کے تصور سے ان لوگوں کے سر جھکتے ہیں۔ پس یہ جھوٹے اور غلط خیالات ہیں۔ یہی وہ خیالات ہیں جنہوں نے یورپ میں آج پھر سر اٹھانا شروع کیا ہے اور Racism کا تصور پھر مضبوط ہوتا چلا جا رہا ہے۔ احمدیوں کو خصوصاً جرمنی میں اس کے خلاف عظیم الشان جہاد کرنے کی ضرورت ہے ایسا جہاد جو اعلیٰ اخلاق کے ہتھیاروں سے آراستہ ہو اور حسنِ خلق کی تلوار سے آپ دلوں کو فتح کرنے والے بنیں۔

جب بھی آپ Racist کے ساتھ مقابلہ کریں گے اگر اس مقابلے میں انہی کے ہتھیار آپ اٹھائیں گے تو آپ کو ضرور مار پڑے گی اور لازماً نقصان ہوگا کیونکہ Racism ان جگہوں پر پنپتا ہے جہاں اس ریس کی طاقت پہلے ہی سے بڑی ہوتی ہے ورنہ وہ دوسری قسم کے فسادوں میں تبدیل ہو جاتا ہے یعنی بغض کا جذبہ Racism نہیں بنتا۔ Racism کا گہرا تعلق عددی اور دوسرے غلبے سے ہے جہاں غلبہ ہو اور یقین ہو کہ ہم طاقت ور ہیں اور بزور بازو ہم کسی چھوٹی سی اقلیت کو مٹا سکتے ہیں وہاں اگر اقتصادی لحاظ سے وہ اقلیت کوئی چیلنج بن جائے یا بعض دوسرے پہلوؤں سے اسے کچھ برتری حاصل ہو تو اس کے ردعمل میں Racism پیدا ہوتا ہے اور پھر وہ بڑے زور کے ساتھ سر اٹھاتا ہے اور بعض دفعہ وہ ایک جنگ کا ایسا طوفان بن جاتا ہے جو سارے علاقے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ پس Racism کو اٹھنے نہ دیں یہ بہت ہی مہلک بیماری ہے اور اس کا بہت شدید نقصان پہنچے گا اور اسلام کی راہ میں بھی یہ زہر یا یوں کہنا چاہئے کہ یہ ایک شیطانی روک ہے جو اسلام کے رستے روکے گی جہاں Racism ہو وہاں اعلیٰ اقدار کے پھیلنے کا کوئی سوال باقی نہیں رہا کرتا۔ وہاں مقابلے اور جہت کے شروع ہو جاتے ہیں وہاں Poloraisation یعنی دو سمتوں میں بعض قوتوں کا مرکوز ہو جانا ایسے خطوط پر ہوتا ہے کہ ان خطوط میں پھر مذہبی اقدار کو داخل ہونے کا موقع ہی نہیں مل

سکتا۔ پس ہر پہلو سے یہ ایک نہایت ہی خطرناک مرض ہے۔

ایک پہلو سے تو مختلف قوموں کا جرمنی میں اسلام میں داخل ہونا اور احمدیت میں داخل ہونا اللہ تعالیٰ کا ایک خاص احسان ہے ویسے تو اللہ کا احسان ہی احسان ہے مگر اس پہلو سے بھی خاص احسان ہے کہ اس سے پہلے جو یہ خطرہ تھا کہ وہاں پاکستانی اور غیر پاکستانی کی Poloraisation ہو جائے گی اور اس کا مجھے ڈر تھا اور ہمیشہ اس بارے میں میں مجلس عاملہ کو بھی، دوسروں کو بھی نصیحت کرتا رہا وہ خطرہ اب ختم ہو چکا ہے۔ ٹلا نہیں بلکہ مٹ چکا ہے کیونکہ اب پاکستانی مختلف قوموں میں سے ایک قوم ہے اور جرمن بھی مختلف قوموں میں سے ایک قوم ہیں، افریقن بھی مختلف قوموں میں سے ایک قوم ہیں۔ مجھے یاد ہے جب پچھلے سالانہ جلسے پر امیر صاحب نے مجھ سے تعارف کروایا کہ اتنے افریقن ہوئے ہیں اور اتنے فلاں قوموں کے احمدی ہوئے ہیں تو ان کے چہرے پر خاص طور پر بشاشت تھی اور بے اختیار ان کے منہ سے نکلا کہ اب اللہ کے فضل سے وہ خطرہ ٹل گیا کہ فلاں پاکستانی ہے اور فلاں جرمن ہے اور ان کے آنے سے جرمنوں کی بھی بڑی تربیت ہوئی ہے تو بالکل درست بات انہوں نے کہی تھی اور جوں جوں اللہ کے فضل کے ساتھ مختلف قومیں جرمنی میں احمدیت میں داخل ہو رہی ہیں۔ احمدیت کے اندر دو ''پولز'' کے آپس میں متصادم ہو جانے کا خطرہ یہ اور زیادہ بعید ہوتا چلا جا رہا ہے مگر یہ حالات کے نتیجے میں ہے اور حالات اتفاقی ہوا کرتے ہیں۔ میں جس پہلو سے آپ کو متوجہ کر رہا ہوں وہ حالات سے بالا، حالات سے الگ، اس گہری قرآنی تعلیم کے تعلق میں بات کر رہا ہوں کہ حالات خواہ کیسے بھی ہوں احمدیت میں Racism کی جڑ پکڑنے کی کوئی گنجائش ہی باقی نہ رہے اور اس کی بناء اسلام کی تعلیم ہو۔ اس کی بناء اللہ تعالیٰ کی وہ نصیحتیں ہوں جو قرآن کریم میں بڑی شان اور قوت کے ساتھ فرمائی گئی ہیں۔ پس ایک نصیحت پکڑ لیں خواہ آپ کو ایسے حالات کا سامنا کرنا پڑے جس میں آپ کے اندر Racism ابھرے اور کسی مخالف گروہ سے خطرات درپیش ہوں۔ اسلامی تعلیم پر اگر آپ عمل کرنے والے ہوں گے تو Racism کو اپنی چوکھٹ کے قریب بھی نہیں آنے دیں گے یہ وہ زہر ہے جس کا روحانیت کے ساتھ ہمیشہ کا بیر ہے۔ بیک وقت Racism اور روحانیت اکٹھے چل ہی نہیں سکتے۔ جہاں Racism آیا وہاں روحانیت اور اللہ تعالیٰ کی محبت ہمیشہ کے لئے رخصت ہو جاتی ہے۔

پس کسی پہلو سے بھی Racism کو اپنے قریب نہ آنے دیں۔اس کا سایہ نہ پڑنے دیں اوراس ضمن میں بعض اعلیٰ اخلاقی قدروں کی ضرورت ہے محض مقابلے میں دلائل دینے کا کام نہیں، دلائل دینے کا موقع نہیں کیونکہ یہ وہ بیماری ہے جو دلائل سے سر نہیں ہوا کرتی ، دلائل کے ذریعے اس بیماری کا ازالہ ہو ہی نہیں سکتا۔ جتنا مرضی آپ زور لگا کے دیکھ لیں۔ جب جرمنی میں ریس ازم کے جذبات یہودیوں کے خلاف پرورش پانے لگے اور پھر وہ نا ٹسی تحریک میں تبدیل ہوئے اس کے بعد آج تک ان کے کچھ اثرات باقی تھے اور جرمن قوم نے اپنی فراست کی وجہ سے ان خطرات کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھا اور مختلف جرمن حکومتیں کوشش کرتی رہیں کہ دلائل کے ذریعے ان کا قلع قمع کریں اور مختلف طریق پر جرمن قوم کو سمجھاتی رہیں کہ اب ریس ازم کو قریب نہیں آنے دینا مگر جب حالات نے پلٹا کھایا ہے، جب برلن کی دیوار گری ہے تو بڑی تیزی کے ساتھ وہاں وہی خیالات دوبارہ ابھرنے شروع ہوئے ہیں۔پس ان کا عقل سے تعلق نہیں ہے ریس ازم کا جذبات سے تعلق ہے اور جذبات کی فتح عقل سے نہیں بلکہ اخلاق سے ہوتی ہے۔پس آپ کو اپنے اخلاق کو ترقی دینی ہوگی اور اخلاق کے ذریعے ریس ازم کا مقابلہ کرنا ہوگا۔

ایک خوبی جماعت احمدیہ میں اللہ تعالیٰ نے اس طرح داخل فرمائی ہے گویا ہماری فطرت ثانیہ ہے کہ وہ لوگ جونئی قوموں سے احمدیت میں داخل ہوتے ہیں ان کے لئے احمدی بے حد محبت رکھتا ہے اور اپنے دل میں فدائیت کا جذبہ پاتا ہے اور یہی وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ریس ازم کے مقابلے میں ان کو مزید طاقت عطا کرے گی پس وہ بھائی جو مختلف قوموں سے جماعت احمدیہ میں داخل ہورہے ہیں ان سے غیر معمولی محبت کا سلوک کرتے چلے جائیں تا کہ ان کے اندر آپ کے لئے محبت کا جذبہ بڑھے،فدائیت کا جذبہ بڑھے، باہمی تعلقات کے رشتے ،محبت اور پیار کے رشتے ہوں اور یہ رشتے جب تک قائم رہیں ریس ازم اس میں جگہ نہیں پا سکتا۔ بہت سے ایسے میرے ذاتی تجارب ہیں کہ بعض قوموں سے آنے والے احمدیوں میں جب میں نے ایسے آثار دیکھے اوران سے پہلے سے بڑھ کر زیادہ پیار کا سلوک کیا تو رفتہ رفتہ ریس ازم کے تمام آثار ان کے دلوں سے مٹ گئے اور گویا جڑوں سے اکھڑ گئے اور اس کے آثار پھر ان کے چہروں سے ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ جہاں پہلے ملاقاتوں کے بعد ایک چہرے پر تناؤ سا رہا کرتا تھا وہ سب تناؤ غائب۔ بے اختیار محبت، بے

اختیار پیار، بے اختیار ہنسی، یہ چہروں سے کھلنے لگتی ہے اور Racist جب کسی دوسرے سے ملتا ہے تو اس کے چہرے پر یہ تناؤ ضرور موجود ہوتا ہے۔ آپ لطیفہ بھی اس کو سنائیں وہ ہنس بھی پڑے تو اس میں بھی تناؤ رہے گا۔ آپ اچھی بات بھی کریں اور وہ قبول بھی کرلے پھر بھی تناؤ رہے گا اور ذراسی غلطی آپ سے ہو تو وہ تناؤ تیوری میں بدل جائے گا، غصے میں تبدیل ہو جائے گا اور وہ بڑی سخت ناقدانہ نظروں سے آپ کو دیکھے گا اور کڑی زبان سے آپ پر تبصرہ کرے گا۔ پس اس پہلو سے چہروں کے آثار سمجھا کریں۔ جہاں بھی آپ کو ریس ازم دکھائی دے گا یہ ایسی چیز نہیں ہے جو چھپ سکے۔ نہ محبت چھپ سکتی ہے نہ نفرت چھپ سکتی ہے یہ دونوں ایسی بے اختیار کیفیتیں ہیں جن کو وقتی طور پر کوئی بڑی قابلیت سے دھوکہ دینے کی خاطر چھپا لے تو ہمیشہ نہیں چھپ سکتیں کچھ دیر کے بعد ضرور سر اٹھائیں گی ضرور دکھائی دیں گی۔ پس مجلس شوریٰ میں اس بات پر غور کریں کہ کہاں کہاں ایسے بد آثار دکھائی دیتے ہیں یا یہ نہیں کہنا چاہئے تفصیل سے، یہ میں کہوں گا اس بات پر غور کریں کہ ہمیں کن اعلیٰ اخلاق سے پہلے سے بڑھ کر متصف ہونا چاہئے کن خدمتوں میں آگے سے زیادہ بڑھنا چاہئے۔ مؤاخات کے اور کون سے ذرائع اختیار کرنا چاہئیں کہ جس کے نتیجے میں جماعت احمدیہ کے اندر ریس ازم کے داخل ہونے کا کوئی سوال باقی نہ رہے۔ ہر دروازہ بند اور مقفل کر دیا جائے۔

اس پہلو سے مؤاخات کے ضمن میں میں آپ کو یاد دلاتا ہوں کہ آپ بوسنین کے ساتھ مؤاخات کر رہے ہیں یعنی جرمنی احمدی اور اللہ کے فضل سے اس کے بڑے اچھے نتائج ظاہر ہو رہے ہیں مگر بوسنین کا جہاں تک تعلق ہے وہاں ریس ازم کا خطرہ نہیں وہاں مؤاخات کسی خطرے کو ٹالنے کے لئے نہیں بلکہ انصار مدینہ کی سنت میں ہے جنہوں نے مہاجروں سے مؤاخات کی تھی اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہوا کہ اس مؤاخات میں بھی ایک ضمنی فائدہ یہ ہوا کہ ریس ازم مٹ گیا ورنہ اس سے پہلے اہل مکہ اپنے آپ کو افضل سمجھا کرتے تھے مہاجر اس قوم سے تعلق رکھتے تھے جو قریش تھے اور مدینے والوں کو وہ آرائیں کہا کرتے تھے جیسے زمیندار کہتے ہیں یہ سبزی لگانے والے، سبزی کاشت کرنے والے لوگ ہیں اور اس جہالت کے نتیجے میں ان زمینداروں نے اپنی ساری عظمتیں کھودیں۔ آرائیں پھر ان کی قوموں پر مسلط ہوئے ان کی دولتوں پر قابض ہوئے، ان کی منڈیوں پر قبضہ کرلیا تو یہ محض جہالت کی باتیں ہیں اس زمانے میں بھی یہ باتیں کچھ نہ کچھ پائی جاتی تھیں۔ اسی لئے آج تک ارائیں اپنے

آپ کو مدینے والوں کی نسل میں سے کہتے ہیں۔ کہتے ہیں ہم وہی لوگ ہیں جو مدینے سے تعلق رکھتے تھے جن کو انصار کا لقب دیا گیا تھا بہر حال یہ بھی ایک جوابی کارروائی ہے اپنی برتری کی۔ **برتری تو اخلاق سے ہے، برتری تقویٰ سے ہے اس بات سے نہیں ہے کہ آپ مدینے والوں کی اولاد ہیں یا مکے والوں کی اولاد ہیں، اس بات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے خلف کہلانے کے مستحق ہیں کہ نہیں، محمد رسول اللہ کی اولاد ہیں کہ نہیں۔ پس یہ وہ ایک گر ہے جسے خوب سمجھ لینا چاہئے۔**

جہاں تک بوسنین کا تعلق ہے ہمارا ان سے اس وقت جو محبت کا رشتہ ہے وہ ان کی مظلومیت کے نتیجے میں طبعی طور پر پیدا ہوا ہے اور ہم سچے دل سے بھائیوں کی طرح ان کو اپناتے ہیں، ان سے پیار کرتے ہیں اور اس میں احمدی غیر احمدی کا کوئی فرق نہیں ہے۔ اس لئے جب میں نے مؤاخات کا اعلان کیا تھا تو ہرگز یہ شرط نہیں لگائی تھی کہ احمدیوں سے صرف مؤاخات کرواور اس کے نمونے کے طور پر میں نے جس خاندان سے مؤاخات کی وہ غیر احمدی ہے ابھی تک غیر احمدی ہے، اور مؤاخات کے نتیجے میں ان کو احمدی بنانے کی میں نے کبھی کوشش نہیں کی۔ لٹریچر دلاتا ہوں، ان کو ہر موقع پر سمجھاتا ہوں، دل ان کے احمدیت کے ساتھ ہیں اور احمدیت کا پیار بڑھ رہا ہے لیکن مؤاخات احمدیت سے قطع نظر تھی اور اسی طرح رہنا چاہئے کیونکہ مظلوم قوم اور مسلمان قوم ہے یہاں مکے کی ہجرت کی ساری باتیں پوری طرح صادق نہیں آتیں۔ وہاں سے جو بھی نکلا ہے مظلوم نکلا ہے اور مظلوموں کے ساتھ مؤاخات ہونی چاہئے۔ پس اپنے مؤاخات کے تعلقات میں جتنے بوسنین بھی آپ کے قرب وجوار میں رہتے ہیں آپ ان کو سنبھال سکتے ہیں۔ ان سب سے مؤاخات کے لئے آپ کو محبت کا ہاتھ بڑھانا چاہئے۔

بعض جگہ احمدیوں نے یہ غلطیاں کی ہیں کہ محبت کا ہاتھ بڑھانے سے پہلے تبلیغ شروع کی ہے اور یہ دستور کے خلاف ہے یہ عقل کے خلاف ہے حکمت کے خلاف ہے۔ تبلیغ تو ہوتی رہے گی سب دنیا میں ہم نے تبلیغ کرنی ہے۔ بوسنین کو اس لئے نہیں کرنی اب یہ گرا پڑا ہے تو اس کو سنبھالو اٹھالو آسانی سے قابو آجائے گا یہ ناجائز طریق ہے، درست نہیں ہے، اعلیٰ اخلاق کے خلاف ہے۔ بوسنین کی ضرورت اس لئے پوری کرنی ہے کہ وہ مسلمان، مجروح، زخمی، بے یارو مددگار ہے اور ایسا مظلوم ہے کہ اس آج کی تاریخ میں، جو ہمارے قریب کے زمانے کی تاریخ ہے ایسی مظلومیت کسی اور قوم میں آپ کو دکھائی نہیں دے گی۔ پس اس پہلو سے ان سے محبت کا سلوک رکھیں لیکن مؤاخات کو جہاں

بوسنین میں غیر احمدیوں میں بڑھائیں وہاں دوسری قوموں میں بھی مؤاخات جاری کریں اور وہاں احمدیوں میں خصوصیت کے ساتھ کیونکہ وہاں غیر مظلوم نہیں ہے۔ احمدی سے اس لئے مؤاخات ضروری ہے کہ وہ مہاجر ہے اپنے معاشرے کو چھوڑ کر بے معاشرہ ہو گیا ہے، ایک جگہ سے جڑا کھڑی ہے اور دوسری جگہ جڑ پکڑنے کے لئے وہ ایک Soil کی، ایک زرخیز زمین کی تلاش میں ہے اور اس نے آپ کو وہ زمین سمجھا ہے۔ پس اس پہلو سے ریس ازم کا مقابلہ کرنا ہو یا احمدیت کو ویسے تقویت دینی ہو ہر پہلو سے نہایت ہی ضروری ہے کہ نئے آنے والوں سے مؤاخات کریں اور ان میں رنگ ونسل کی تمیز نہ ہو۔ افریقن بھی ان میں سے اسی طرح مؤاخات سے فیض یافتہ ہوں جس طرح جرمن قوم آپ کی مؤاخات سے فیض یافتہ ہو جس طرح مشرقی یورپ کے آنے والے البانین یا دوسری قوموں کے باشندے آپ کی مؤاخات سے فیض اٹھانے والے ہوں۔ اس مؤاخات کے دائرے کو بڑھانا شروع کریں لیکن یاد رکھیں کہ مؤاخات کے دائرے کو آج کل کے زمانے میں بعینہٖ اسی طرح نافذ نہیں کیا جا سکتا جس طرح حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے زمانے میں مہاجرین کے ساتھ مؤاخات کی گئی تھی اس لئے مہاجرین کے ساتھ مؤاخات کا تصور سامنے رکھتے ہوئے بعض لوگ یا تو مؤاخات اپنے لئے ناممکن سمجھتے ہیں یا پھر حد سے زیادہ قربانی کرتے ہیں جو موقع اور محل کے لحاظ سے مناسب نہیں ہے۔ یہاں حالات مختلف ہیں، یہ قومیں ایسی ہیں اور آج کی تہذیب ایسی ہے کہ یہاں بھائی بھی بھائی کا نہیں بن کے رہتا۔ بیٹا ماں کا نہیں، باپ بیٹی کا نہیں ایک گھر میں جوں جوں بچے بڑے ہوتے ہیں وہ ایک دوسرے سے الگ ہوتے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ کھانے کے بعد باپ اپنی اولاد کو بل بھی پیش کرتے ہیں کہ اس مہینے کا خرچ ہوا ہے تو تم دو اپنی کمائی سے۔ تو یہاں، جہاں انسانیت کا معیار بگڑا ہے وہاں مؤاخات نسبتاً آسان ہوگئی ہے کیونکہ تھوڑی سی نیکی بھی مؤاخات کا رنگ اختیار کر جائے گی۔ ان کے ساتھ ایسا سلوک کہ غیر ہوتے ہوئے اپنائیت کا سلوک ہو، ضروری نہیں کہ اس سلوک میں آپ گھر آدھا بانٹ دیں اور جائیداد تقسیم کر دیں اور اپنی آمد میں خواہ آپ کا اپنا بھی گزارہ نہ چلے آپ ان کو حصے تقسیم کریں ہرگز یہ مراد نہیں ہے۔ موقع اور محل کے مطابق یہاں مؤاخات کا وہی تصور ہے جو میں آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں کہ وہ سوسائٹیاں جو آپس میں پھٹ چکی ہیں یا انسانی قدروں کی کمی ہے جس کی وجہ سے وہ رشتے جو انسان کو انسان کے ساتھ باندھتے ہیں وہ یا

کٹ گئے ہیں یا مدھم اور کمزور پڑ چکے ہیں۔ آپ غیر ہو کر جب کسی سے پیار اور محبت کا سلوک کرتے ہیں، اپناتے ہیں تو وہی اس کے لئے مؤاخات ہے۔

بعض جگہ بعض احمدی اپنا دائرہ اثر بڑھانے میں اس لئے بہت کامیاب ہیں کہ ان کی عادت ہے کسی سے ملتے ہیں تو کہتے آؤ ایک چائے کی پیالی میرے ساتھ پی لو۔ اب وہ شخص ان سے زیادہ اچھا کھانے پینے والا لیکن چائے کی پیالی کو اس لئے قبول نہیں کرتا کہ اس کو چائے کی پیالی کی احتیاج ہے بلکہ اسے تعجب ہوتا ہے کہ ہم تو بعض دفعہ دوست اکٹھے بیٹھ کر جب کسی ریسٹورنٹ میں جاتے ہیں تو اپنی اپنی جیب سے پیسے نکال کر دیتے ہیں اور یہ عجیب سا شخص ہے کہتا ہے کہ میرے ساتھ آ کر چائے پی لو اور پھر بعض دفعہ وہ کہتے ہیں ہم تمہیں پاکستانی کھانا کھلائیں گے تو ایک اور تعجب دل میں پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیا چیز ہے پاکستانی کھانا۔ چنانچہ وہ عموماً قبول کر لیتے ہیں اور ان کے لئے یہی مؤاخات ہے۔ جب ایک دفعہ گھر آ جائے تو اہل خانہ کا ان سے حسن سلوک ان کے دل جیت لیتا ہے۔ پس تھوڑی قربانی سے مؤاخات کے بڑے پھل آپ کو مل سکتے ہیں اور اس پہلو سے اپنے دائرہ مؤاخات کو بڑھانا ناممکن نہیں ہے۔ اس کو وسیع کریں اور جتنی آپ کو توفیق ہے اس توفیق کی حد تک چھوٹی چھوٹی قربانیاں کریں، پیار کا اظہار کریں مگر ایک بات یاد رکھیں کہ مصنوعی محبت کبھی دل نہیں جیتا کرتی۔ محبت وہی دل جیتتی ہے جو دل سے نکلے۔ پس بعض لوگوں کو عادت ہوتی ہے وہ چالاکی سے ہر دلعزیز بننے کی کوشش کرتے ہیں اور ایسے آدمی میں نے کئی دیکھے ہیں پاکستان میں بھی ہوا کرتے تھے، جگہ جگہ دعوتیں دیتے پھرتے ہیں آؤ، اور مقاصد اور ہوتے ہیں۔ بعض دفعہ ایسے دوستوں کو بنا کے پھر لوٹتے بھی ہیں۔ ایسے لوگوں کی چالاکیاں انسان ذرا بھی فراست سے دیکھے تو نظر سے چھپ نہیں سکتیں اور تھوڑے ہی دنوں میں ان کا کردار نمایاں ہو کر قوم کے سامنے بجائے عزت کے ایک ذلت کا نشان بن جاتا ہے۔

پس آپ نے اگر مؤاخات کرنی ہے تو اسلامی قدروں کے مطابق کرنی ہے اور اس سے جہاں ریس ازم کا مقابلہ ہوگا وہاں اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اس کے ساتھ احمدیت کی راہیں بھی ہموار ہوں گی اور آپ کی زندگی زیادہ بہتر انداز میں کٹے گی زیادہ پر لطف ہو جائے گی۔ پس قرآن کریم فرماتا ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ کہ ہوسکتا ہے وہ تم سے بہتر ہو جائیں۔ دوسری بات اس میں یہ میں

سمجھانی چاہتا ہوں کہ بسا اوقات مغرب میں جب تحقیر سے کسی کو دیکھا جاتا ہے تو ان کے متعلق جھوٹی باتیں کم بناتے ہیں جیسے ہمارے ملکوں میں عادت ہے، کوئی حقیقی نقص پکڑتے ہیں اور اس نقص کی نشاندھی کر کے پھر اس کے خلاف نفرت پھیلاتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا عَسٰۤى اَنۡ يَّكُوۡنُوۡا خَيۡرًا مِّنۡهُمۡ اس میں کم سے کم ہمارے لئے یہ نصیحت ضرور ہونی چاہئے کہ ہمیں ان برائیوں کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہئے جو ہم میں موجود ہیں اور خصوصیت سے پاکستانی معاشرے میں احمدیت کے نقطہ نگاہ سے نہیں بلکہ ملکی نقطہ نگاہ سے کچھ ایسی خرابیاں ہیں جس کی جڑیں ملک ہندوستان میں پیوستہ ہیں یعنی وہ برصغیر جسے ہندوستان کہا جاتا تھا اس کی ملکی بیماریاں ہیں جو مختلف قوموں میں کم وبیش یکساں پائی جاتی ہیں۔ اس پہلو سے اگر پاکستانیوں نے اپنی برائیوں کو دور کر کے اس خوشخبری کو پورا نہ کیا جو قرآن کریم نے دی ہے کہ عَسٰۤى اَنۡ يَّكُوۡنُوۡا خَيۡرًا مِّنۡهُمۡ تو پھر دوسروں کے ہاتھ میں ریس ازم کے لئے ایک جائز تلوار ضرور پکڑی رہے گی اور وہ ان برائیوں کا بہانہ بنا کر آپ کے خلاف نفرت کی تعلیم دیتے رہیں گے۔

پس جرمن قوم میں رہنے والے پاکستانیوں کے لئے ازبس ضروری ہے کہ وہ اپنی برائیوں کی نشاندھی کریں اور ان کے دور کرنے کی کوشش کریں اس ضمن میں مجلس شوریٰ کو باقاعدہ کھل کر پروگرام بنانا چاہئے کیونکہ وہ برائیاں معروف ہیں ہر کس وناکس کو علم ہے کہ کیا کیا برائیاں ہیں اس ضمن میں میں نے ایک اصلاحی کمیٹی قائم کی تھی اور ملکی سطح پر تمام ملکوں کو یہ ہدایت کی تھی کہ آپ اصلاحی کمیٹیاں قائم کریں اور بعض برائیوں کی نشاندھی کر کے پیشتر اس کے کہ وہ ناسور بن جائیں ان کی اصلاح کی کوشش کریں اور اپنے اخلاقی مریضوں کو شفا دینے کی کوشش کریں۔ بعض ملکوں نے اس نصیحت کو یاد رکھا اور ان کی ماہانہ رپورٹوں میں نہیں تو وقتاً فوقتاً سال میں ایسی رپورٹیں ملتی رہتی ہیں جس سے پتا چلتا ہے کہ وہ ان باتوں پر نظر رکھ رہے ہیں۔ لیکن بعض ملک ان باتوں کو بھلا بیٹھے ہیں۔ جرمنی میں جو اصلاحی کمیٹی ہے وہ کام کر رہی ہے اگر چہ اتنی فعال نہیں جتنی میں دیکھنا چاہتا تھا مجلس شوریٰ میں اس بات پر بھی غور کریں۔ اتنا وقت تو آپ کے پاس نہیں ہوگا کہ تمام برائیوں کا تجزیہ کر کے ان نقائص کو دور کرنے کے لئے منصوبہ بنائیں مگر اپنی اصلاحی کمیٹی کے کام پر نظر رکھتے ہوئے اسے مضبوط اور فعال بنانے کے لئے ضرور آپ کچھ تدبیریں سوچ سکتے ہیں۔

اصلاحی کمیٹی کا جو میرا تصور تھا وہ بعینہٖ جرمنی کی اصلاحی کمیٹی میں موجود نہیں ہے۔ اصلاحی کمیٹی تو ہے لیکن اس وقت حرکت میں آتی ہے جب بیماری سر اٹھا چکی ہوتی ہے۔ میں نے جو نصیحت کی تھی وہ یہ نہیں تھی بلکہ یہ تھی کہ اصلاحی کمیٹی صاحبِ فراست لوگوں پر اور گہری حس رکھنے والے لوگوں پر مشتمل ہونی چاہئے وہ برائیوں کو سونگھ کر پتا کریں کہ کہاں کہاں برائیوں کی بو ہے اور نظر نہ بھی آئیں تو ان کی شامّہ حسّ یعنی سونگھنے کی حسّ ان کو بتا دے کہ کہیں کوئی خطرہ موجود ہے پھر ان کو باقاعدہ بیماری بننے سے پہلے دور کریں۔ اگر آپ انتظار کرتے رہیں کہ کہیں فساد ہو جائیں، کہیں دنگے شروع ہو جائیں۔ کہیں کوئی قتل و غارت ہو جائے اور پھر اصلاحی کمیٹی حرکت میں آئے تو اصلاحی کمیٹی نہیں یہ تو پھر ایک پولیس کمیٹی بن جائے گی اور میں نے جب پہلی دفعہ نصیحت کی تھی تو خوب کھول کے یہ فرق ظاہر کیا تھا اور امورِ عامہ کو بھی میں نے سمجھایا تھا کہ امورِ عامہ کو میں پولیس نہیں دیکھنا چاہتا۔ امورِ عامہ کو میں ایسا باشعور ادارہ دیکھنا چاہتا ہوں جو آئندہ پیش آنے والے خطرات کو بھانپ کر ان بیماریوں کی اصلاح کریں جو ابھی سر نہیں اٹھا سکیں اور ان بیماریوں کی اصلاح کریں جو وبا بھی بن سکتی ہیں۔ ان کا پیش خیمہ کریں، یہ ہے اصل امورِ عامہ کا کام یعنی اور کاموں کے علاوہ۔ تو اصلاحی کمیٹی انہی خطوط پر قائم ہونی چاہئے اور اگر جرمنی میں اصلاحی کمیٹی اس بات کو بھلا بیٹھی تھی جیسا کہ مجھ پر تأثر ہے تو مجلس شوریٰ اس بات پر غور کرے اور صرف ایک مرکزی اصلاحی کمیٹی نہیں بلکہ علاقائی اور بڑے شہروں میں، شہر کی سطح پر بھی ایسی باشعور اصلاحی کمیٹیاں قائم ہونی ضروری ہیں جو ہر قسم کی برائیوں پر اس طرح نظر رکھیں کہ ابھی برائیاں عام انسان کو دکھائی نہ دینے لگیں۔

دیکھیں جب پو پھوٹتی ہے تو بہت سے لوگ ہیں جن کو وہ پو دکھائی نہیں دیتی اور اس کے لئے گہری فراست کی نظر چاہئے جسے تجربہ ہو۔ اسی لئے پرانے زمانوں میں جبکہ روزہ شروع ہونے کا وقت معلوم کرنے کے لئے وہ ذرائع موجود نہیں تھے جو اب میسر ہیں۔ اس زمانے میں مجھے یاد ہے کہ بعض لوگ اٹھ کر باہر نکل کر دیکھا کرتے تھے پو پھوٹی ہے کہ نہیں اور اس میں کوئی بچہ کہہ دیتا تھا پھوٹ گئی ہے کوئی کہتا تھا نہیں پھوٹی۔ یعنی ابھی ایسی درمیانی سی حالت ہوتی تھی پھر وہ لوگ جن کو تجربہ ہوتا تھا وہ کہتے تھے کہ نہیں پھوٹ گئی ہے پکی بات ہے اور اس پر پھر اذان ہو جاتی تھی یا کھانا بند ہوتا تھا۔ تو بعض دفعہ قومی حالات میں جو پو پھوٹتی ہے وہ بیماریوں کی پو بھی پھوٹا کرتی ہے اور ضروری نہیں کہ روشن

دن ہی طلوع ہو بعض دفعہ اندھیری راتیں بھی طلوع ہوتی ہیں یا شام کی شفق سے اگر تشبیہ دیں گے تو وہ بات پوری بنتی نہیں اس لئے میں نے عمداً صبح والی بات لی تھی ۔ تو پیشتر اس کے کہ وہ اندھیرا دن طلوع ہو جائے جس کے بعد آپ کی پیش نہیں جائے گی ۔ آپ آثار سے معلوم کیا کریں کہ کون کون سی وبائیں پھیلنے والی ہیں، پھیل سکتی ہیں اور ان کے ازالے کے لئے جب آپ کو کوشش کرنی ہوگی تو پھر اکیلی اصلاحی کمیٹی کا کام نہیں ہے ۔ اصلاحی کمیٹی کا کام ہے محسوس کرنا اور جماعت کو متنبہ کرنا، مجلس عاملہ میں وہ باتیں پیش کرنا اور پھر مجلس عاملہ کو اپنی مجموعی حیثیت سے صرف ایک عہدیدار کو نہیں بعض دفعہ دو تین چار عہدیداروں کو متحرک کرنا ہوگا، کہیں اصلاح وارشاد کے سیکرٹری کا بیچ میں عمل دخل ہو جائے گا کہیں آپ کو بعض صورتوں میں فنانس کی ضرورت ہوگی کچھ لٹریچر شائع کرنا ہے، کہیں دورے کروانے ہوں گے، مربیوں کے نظام کو حرکت میں لانا ہوگا غرضیکہ بہت سے امکانی حل ہیں جن کے لئے بعض دفعہ مجلس عاملہ میں غور ضروری ہوا کرتا ہے ۔ پس ایسے مسائل کو مجلس عاملہ میں رکھیں لیکن جہاں تک جرمنی میں اس وقت ظاہر ہونے والی بیماریوں کا تعلق ہے وہ بہت سی ایسی ہیں جو ہو چکی ہیں اور ہونے کے بعد بھی پوری نظر نہیں آرہیں اس لئے میں جو بات کر رہا ہوں وہ تو اوپر کی بات ہے یہ ضروری ہے آئندہ کے لئے مگر اس وقت جو صورت حال ہے جرمنی کی وہ یہ ہے کہ بہت سے پاکستانی اپنے ساتھ ایسی معاشرتی بیماریاں لے آئے یا اخلاقی بدیاں لے آئے جن کی وجہ سے جماعت کو بھی نقصان پہنچ رہا ہے اور احمدیت کو بھی نقصان پہنچ رہا ہے ۔ جہاں تک غیر احمدیوں کا تعلق ہے وہ خود جو چاہیں کریں، جو چاہیں کرتے پھریں وہ سمجھتے ہیں کوئی حرج نہیں ہم تو مسلمان ہیں ہمیں تو فرق نہیں پڑتا لیکن جب احمدی کوئی بات کرے تو پھر مجھے طعنوں کے خط لکھتے ہیں اور کہتے ہیں یہ جماعت احمدیہ ہے گویا کہ دل ان کا گواہی دیتا ہے کہ سب اچھی باتیں احمدیت ہی کے پاس ہونی چاہئیں اور سب بری باتوں کی چھٹی ان کو ملی ہوئی ہے ۔ اس لئے اپنے اندر اگر ہزار خرابی بھی دیکھیں گے تو یہ نہیں کہیں گے کہ یہ اسلام ہے ہم یہاں کیوں بیٹھے رہیں لیکن

احمدیت ؏ میں ایک خرابی بھی دیکھیں گے تو یہ طعنوں کا خط درثمین (صفحہ:130)

لکھتے ہیں کہ اس کو آپ احمدیت کہتے ہیں؟ یہ احمدیت کی تعلیم ہے؟ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ مصرعہ صادق آتا ہے۔

دل ہمارے ساتھ ہیں گو منہ کریں بک بک ہزار

کہ دل ہمارے ساتھ ہیں اگر منہ ہزار بک بک کریں دل ان کے جانتے ہیں کہ یہ اچھوں کی جماعت ہے اسے اچھا ہونا چاہئے اس سے اچھی توقعات وابستہ ہوتی ہیں۔ پس آپ مجھے کیوں طعنے دلواتے ہیں خواہ مخواہ بیٹھے بٹھائے اور جب غیروں کی طرف سے آواز آتی ہے تو مجھے اور بھی زیادہ اس بات کی تکلیف پہنچتی ہے کہ اپنوں نے کیوں مجھے بروقت اس بات میں متنبہ نہیں کیا میں فوری طور پر جواب طلبی کرتا ہوں امورِ عامہ کی، دوسروں کی، کہ عجیب بات ہے اول تو یہ بتائیں کہ بات سچی ہے کہ نہیں اگر یہ سچی ہے تو آپ کو پہلے دکھائی دینی چاہئے تھی آپ کی طرف سے میں دیکھتا یہ آپ نے کیوں انتظار کیا کہ غیر اٹھے اور مجھے طعنے دے اگر چہ اس طعنے کی اپنی ذات میں کوئی حقیقت ہو یا نہ ہو مگر یہ ایک زیادہ تکلیف دہ صورت بن جاتی ہے۔

پس اپنی معاشرتی برائیوں پر، اخلاقی برائیوں پر، مذہبی برائیوں پر، ملکی قانون کو توڑنے کے لحاظ سے جو خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں ان سب پر نظر رکھیں اور اس پہلو سے اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق عطا فرمائے کہ احمدیت کو کوئی جائز طعنہ نہ مل سکے۔ جب آپ غیر احمدی مسلمانوں کی بات کرتے ہیں تو وہ تو طعنہ صرف اس وقت دیتے ہیں۔ میں نے جب تحقیق کی ہے جب ان کو کوئی مفاد وابستہ ہو اور ان کو کسی احمدی سے کچھ نقصان پہنچا ہو یا پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ مگر جو دوسری قومیں ہیں مثلاً جرمن۔ وہ جب لکھتے ہیں تو وہ اسلامی نقطہ نگاہ سے لکھتے ہیں ہمیشہ ان کا موضوع یہ ہوتا ہے کہ ہم تو آپ کی جماعت کو اچھا سمجھ رہے تھے مگر ہم نے وہاں یہ یہ برائیاں دیکھیں اور اس کا براہِ راست نقصان اسلام کو پہنچتا ہے اس لئے ان باتوں کو چھوٹا نہ سمجھیں اور ہر طرف ہر احمدی نگران ہو اور خصوصیت سے اصلاحی کمیٹیاں ان باتوں پر غور اور فکر کریں اور مستقل ان بیماریوں کو جڑ سے اکھیڑنے کے لئے کوشش کرتی رہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَ لَا تَلۡمِزُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ وَلَا تَنَابَزُوۡا بِالۡاَلۡقَابِ تم ایک دوسرے پر طعن نہ کیا کرو۔ اَنۡفُسَکُمۡ اپنے آپ کو طعنے نہ دیا کرو۔ وَلَا تَنَابَزُوۡا بِالۡاَلۡقَابِ اور مختلف تمسخر والے نام یا تحقیر والے نام نہ رکھا کرو۔ بعض قوموں میں نام رکھنے کی عادت ہے اور اس لحاظ سے بھی دنیا کی تمام قوموں میں ہندوستانیوں کو برتری حاصل ہے اس میں کوئی دنیا کی قوم ان کا مقابلہ نہیں کرسکتی وہ تو فوراً کوئی بات ہو تو نام رکھ دیتے ہیں اور اکثر نام بگاڑے جاتے

ہیں اس طرح۔ کسی کا کچھ نام رکھا ہوا ہے کسی کا کچھ نام رکھا ہوا ہے لیکن بعض نام پیار سے رکھے جاتے ہیں انہیں وہ القاب شمار نہیں کیا جا سکتا جن کا ذکر قرآن کریم فرما رہا ہے اب چھوٹے میاں ہیں۔ چھوٹو رام تھے ان کا تو شاید نام ہی یہی تھا مگر قد چھوٹا ہو تو اس کو چھوٹے میاں، منے میاں کہہ دیتے ہیں اور اس قسم کے نام پیار کے ہوتے ہیں اور وہ نام ان کو تکلیف نہیں دیتے۔ پس وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ کی تعریف حقیقی طور پر یہی ہے کہ ایسا کوئی نام نہ رکھا کرو جس سے اس شخص کو تکلیف پہنچے۔ اگر اس تعریف کے سوا کوئی اور تعریف کرنے کی کوشش کریں گے تو وہ درست ثابت نہیں ہوگی۔ پس تکلیف پہنچانے کی عرض سے کوئی نام نہیں رکھتے اور اگر کوئی نام تکلیف پہنچاتا ہے خواہ نیک نیتی سے رکھا ہو تو اس سے وہ ہاتھ کھینچ لیتے ہیں اور توبہ کر لیتے ہیں۔ وہی نام دینے چاہئیں جن میں پیار کا اظہار ہو محبت کا اظہار ہو۔

وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ میں فرمایا اپنے آپ کو اَنْفُسَكُمْ سے مراد ہے تم اپنے آپ کو۔ ظاہر ہوا کہ اسلامی تصور میں مسلمان بھائی بھائی ہیں اور اس حد تک بھائی بھائی ہیں کہ وہ اگر کسی بھائی کو نقصان پہنچاتے ہیں تو اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے۔ تو اس انداز سے یہ نصیحت فرما دی کہ تم اگر کسی کو کوئی نقصان پہنچاؤ گے تو اپنے آپ کو نقصان پہنچاؤ گے اور اپنی سوسائٹی کو نقصان پہنچاؤ گے۔ اس میں دو پہلو ہیں اول یہ کہ اَنْفُسَكُمْ کہہ کر اچانک ایک خوابیدہ بھائی چارے کے احساس کو جگا دیا گیا۔ فرمایا تم سمجھتے ہو تم دوسروں کو طعنہ دے رہے ہو تم تو اپنوں کو طعنہ دے رہے ہو بڑے بے وقوف لوگ ہو۔ پھر یہ فرمایا کہ اپنے آپ کو اگر نقصان پہنچاؤ گے تو وہ ساری جماعت کو نقصان پہنچے گا اور ایسی جماعتیں پھر دنیا میں ترقی نہیں کرتیں ان کو بحیثیت جماعت نقصان پہنچ جاتا ہے۔

بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ان باتوں کو فسوق فرمایا ہے۔ فرمایا جب تک تم ایمان نہیں لائے تھے ایسی باتیں کیا کرتے تھے وہ بھی بری تھیں لیکن ایمان لانے کے بعد، پھر ایسی باتیں، یہ تمہیں زیب نہیں دیتیں۔ سجتی نہیں۔

پس یہ کہنا کہ جی ہمارا ملک ہی ایسا ہے وہاں سے ہم لوگ یہی برائیاں لے کے آئے ہیں اور سارے ہی ایسے ہیں اس آیت کے بعد یہ دلیل نہیں چل سکتی۔ فرماتا ہے بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ باقی ایمان تو نہیں لائے کہ ان سے توقعات بلند ہو جائیں۔ تم جو ایمان لے آئے ہو

تم سے اور توقعات ہیں اس لئے سجتی نہیں ہے تم پر بات۔ بَعْدَ الْاِیْمَانِ ایسی باتیں اور اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے۔ ایک عام انسان بھی کسی آدمی کو منہ پہ یہ کہے کہ دیکھو تم کون ہو؟ ایسی باتیں تم پر سجتی نہیں تو اچانک اس کے دل میں ایک شرمندگی کا احساس پیدا ہوتا ہے اور یہ طرزِ نصیحت ہے جو بڑی مؤثر ہے مگر جب اللہ فرمائے اور اپنے عاجز بندوں سے اس طرح پیار سے مخاطب ہو۔ جس میں ایک قسم کا شکوہ بھی ہے اور پیار بھی ہے کہ دیکھو ایمان لے آئے ہو۔ ایمان کے بعد ایسی باتیں زیب نہیں دیتیں تو اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی محبت بھی دل میں بڑھنی چاہئے اور جن باتوں سے خدا روکتا ہے غیر معمولی جذبے کے ساتھ ان سے رکنے کی کوشش کرنی چاہئے لیکن ساتھ فرمایا

وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ہم تمہیں پیار سے سمجھا رہے ہیں باز آ جاؤ اگر نہیں رکو گے تو پھر ظالم بنو گے اور ظالموں کے ساتھ پھر اللہ تعالیٰ کا سلوک بالکل معلوم اور معروف ہے۔ ظالموں سے خدا محبت نہیں کیا کرتا۔ خدا سے نجات کے تعلق کے سب رشتے ٹوٹ جائیں گے۔ ایک تو یہ مرتبہ ہے کہ تمہاری برائیوں کے باوجود اللہ تعالیٰ تمہیں پیار سے سمجھا رہا ہے۔ اپنا اپنا کہہ کے بلا رہا ہے کہتا ہے تم ایمان والے ہو، تمہیں یہ باتیں زیب نہیں دیتیں اور پھر فرماتا ہے کہ میں تمہیں سمجھا رہا ہوں۔ سمجھ جاؤ تو بہتر ہے ورنہ پھر تم ظالم ہو جاؤ گے پھر میں یہ نہیں کہوں گا کہ تم میرے ہو اس لئے تمہیں زیب نہیں دیتیں۔ پھر تم سے وہی سلوک ہوگا جو ظالموں کی قوموں سے کیا جاتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ اس پر میں آج کے خطبے کو ختم کروں گا کیونکہ یہ ایک ایسی بیماری ہے جو جرمنی میں کافی پائی جاتی ہے۔ بہت سی خرابیوں کی جڑ ظن ہے۔ الزام تراشی یہاں تک کہ بعض دفعہ ایسا بھی واقعہ ہوا ہے کہ ایک نسبتاً بڑے علاقے کا افسر ہے یعنی امیر ہے یا صدر ہے بڑے علاقے کا۔ ایک مقامی چھوٹی جماعت کا صدر ہے اور امیر کی طرف سے کوئی پکڑ ہوئی ہے چھوٹے عہدیدار کی تو بجائے اس کے کہ وہ اپنی اصلاح کرتا اس نے کوئی چھ سال کی پرانی بات نکال لی اور اس کو شہرت دے دی کہ اس امیر نے یہ حرکت کی تھی۔ اب تعجب ہوا مجھے جب اطلاع ملی میں نے تحقیق کروائی، میں نے کہا یہ کیسی جاہلانہ بات ہے اگر وہ ایسی بے ہودہ بات تھی تو چھ سال پہلے کیوں باہر نہیں آئی۔ تو پتا چلا کہ اول تو اس وقت بھی ظن ہی تھا اور ایسا ظن تھا جس کی اسلامی معاشرے میں بڑی

سخت سزا دی جاتی ہے اور باہر اس لئے نہیں آئی کہ اس کے ساتھ تعلقات ٹھیک تھے اور غصے کی کوئی وجہ پیدا نہیں ہوئی۔ اب جبکہ بڑے عہدیدار نے چھوٹے عہدیدار کو پکڑا ہے تو انہوں نے کہا اچھا پھر یہ بات ہے تو پھر ایک پرانی بات میں نے سوچی ہوئی تھی کہ تم یہ کیا کرتے تھے اور میں سب کو بتاؤں گا اور بتانا شروع کر دیا۔ پھر تحقیق ہوئی تو مانا کہ ہاں میں نے بتایا ہے لیکن اس نے کہی تھی یا یہ حرکت کی تھی۔ کب کی تھی؟ چھ سال پہلے۔ تو چھ سال تک تم سوئے کیوں رہے اور ذمہ داری اس کی پتا کس پر ڈالی؟ مجھ پر۔ کہتے تھے انہوں نے خطبے دیئے تھے کہ تقویٰ اختیار کرو میں نے تقویٰ اختیار کر لیا۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون اگر یہی تقویٰ کا پیغام آپ کو پہنچا ہے تو میری توبہ پھر اس تقویٰ سے۔ جہالت ہے یہ تو ایسا الزام ہے مجھ پر کہ اپنے جرم میں مجھے بھی آپ شامل کر رہے ہیں۔ وہ فعل اپنی ذات میں ایک نہایت مکروہ فعل ہے۔ ظن پر کسی پر الزام لگانا اور اسلام اس کے خلاف سختی کی تعلیم دیتا ہے۔ بڑی سخت سزا مقرر کی گئی ہے اور پھر چھ سال تک خاموش بیٹھا رہے انسان، اور تقویٰ کی بات سن کر یہ گناہ کی بات یاد آ جائے کہ یہ گناہ میں نے کرنا تھا میں کر نہیں سکا۔ ایسے آدمی کی تو جماعت میں کوئی گنجائش نہیں۔ جماعت تو اپنا فیصلہ کرے گی لیکن میں جماعت جرمنی کو سمجھانا چاہتا ہوں کہ یہ پہلی بار نہیں ہے کہ ظن کے اوپر آپس میں اختلافات پھیلے ہوں اور افتراق پیدا ہوا ہو وہاں یہ بیماری عام ہے۔ ایک دوسرے کی ٹوہ لگاتے ہیں سوچتے ہیں کہ اس نے یہ کیا ہوگا اس کے بعد یا اس کو مشتہر کرنا شروع کر دیتے ہیں یا انتقام لینے کے لئے پلے باندھ کے بیٹھ جاتے ہیں۔ آج نہیں تو کل اللہ تعالیٰ ان کو ننگا کرے گا اور ان سے نظامِ جماعت بھی سختی سے سلوک کرے گا یعنی وہ سختی جو انتظامی سختی ہوا کرتی ہے۔ مگر میں جماعت جرمنی کو نصیحت کرتا ہوں وہ تقویٰ اختیار کریں استغفار سے کام لیں۔ اس طریق پر آپ کی اصلاح کے دروازے بند ہو جائیں گے اگر آپ ان بدیوں سے باز نہیں آئیں گے۔

بہر حال یہ چند نصیحتیں ہیں۔ وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ نصیحت ہے آخر پر جو بہت ہی اہمیت رکھتی ہے۔ فرمایا دراصل بعض برائیوں کی جڑھ اس بات میں ہے کہ تم ایک دوسرے کے خلاف ان کی پیٹھ پیچھے باتیں کرتے رہتے ہو۔ ان کو بدنام کرتے رہتے ہو اور اس میں لطف اٹھاتے ہو۔ فرمایا تمہیں علم نہیں ہے کہ یہ کیسی گندی اور ذلیل حرکت ہے۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے تمہارا بھائی مر جائے تو مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانے لگو۔ فرمایا فَكَرِهْتُمُوْهُ تم اس سے

کراہت کرتے ہو اور کَرِهْتُمُوْهُ کا ایک مضمون یہ ہے کہ اب سن لیا نا تم کیسی کراہت کر رہے ہو لیکن روز مرہ یہی گوشت کھاتے ہو یہی گند کرتے ہو۔ تو یہ بات خصوصیت کے ساتھ جماعت جرمنی کو مضبوطی سے پکڑ لینی چاہئے کہ اگر کسی بھائی کے پیچھے اس کی برائی ہو رہی ہے تو اس مجلس میں اٹھ کر اس کو کہا جائے یہ جائز نہیں ہے، ہم یہ پسند نہیں کرتے۔ اگر وہ باز نہیں آتا تو اس مجلس سے اٹھ کے آجائیں اور کوشش کریں کہ معاشرے سے اس بدی کی بیخ کنی ہو جائے اس کا قلع قمع ہو جائے اس کی جڑیں اکھاڑ کے پھینک دی جائیں اور بھی بہت سی نصیحتیں تھی جو کرسکتا تھا اس معاملے میں لیکن مجلس شوریٰ کو میں آخر پر یہی نصیحت کرتا ہوں کہ یہ اور اس سے ملتی جلتی دوسری برائیاں جن پر آپ کی نظر ہے ان کو دور کرنے کے لئے خصوصیت سے پروگرام بنائیں اور ان پر عمل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے توفیق چاہتے رہیں۔ دعاؤں کے ساتھ کوشش کریں تا کہ ہم جو بڑی تیزی سے جرمنی میں خدا کے فضل کے ساتھ پھیل رہے ہیں ہم برائیاں لے کر دوسروں تک نہ پہنچیں بلکہ برائیاں دور کرنے والے بن کر ان تک پہنچیں۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اخلاق محمدیؐ سے دنیا فتح ہوگی

دعا کے بعد سب سے قوی ہتھیار حسن خلق کا ہتھیار ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 13 رمئی 1994ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے مندرجہ ذیل آیات کریمہ تلاوت کیں۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ۝۳۷ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝۳۸

(النساء:38,37)

پھر فرمایا:۔

گزشتہ جمعہ پر جو میں نے تلاوت کے لئے دو آیات چنی تھیں ان سے متعلق آج مجھے

پرائیویٹ سیکرٹری صاحب نے یہ بتایا کہ وہ آیات تو سورۃ الحجرات کی تھیں لیکن لکھنے والے نے غلطی سے حوالہ سورہ تحریم کا درج کر دیا تھا کیونکہ یہ حوالے کی غلطی ہے اس لئے ضروری ہے کہ وہ تمام سننے والے جنہوں نے ریکارڈ بھی کیا تھا خصوصیت کے ساتھ ریکارڈ میں یہ درستی کر لیں۔ آیات وہی ہیں، آیات میں غلطی نہیں ہے مگر حوالہ غلط بھی نامناسب بات ہے اور یہ کتابت کی غلطی تھی جس نے بھی حوالہ درج کیا غلطی سے اس سے ایک اور سورۃ کا نام لکھا گیا تھا۔

یہ جو آیات میں نے تلاوت کی ہیں ان کے مضمون پر گفتگو سے پہلے میں آج بھی کچھ اجتماعات کا اعلان کرتا ہوں۔ تین ہیں آج کے اجتماعات۔ ایک تو جماعت احمدیہ جاپان کی مجلس شوریٰ کل چودہ مئی سے شروع ہو رہی ہے۔ دو دن جاری رہ کر 15 رمئی کو اختتام پذیر ہوگی۔ جماعت احمدیہ جاپان اگرچہ تعداد میں بہت چھوٹی ہے مگر اللہ کے فضل سے کاموں میں اور حوصلے میں بہت بلند ہے اور اب تک مسلسل ان کے اندر استقلال سے نیکیوں کو چمٹنے کی صفت ایسی ہے جو نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہے باوجود اس کے کہ جاپان میں آ کر پناہ ڈھونڈنے والے یا کام تلاش کرنے والے احمدی تھے جو واپس چلے گئے اور تعداد میں کمی آئی مگر ان کی قربانیوں میں کوئی کمی نہیں آئی۔ پس اللہ ان کو ہمیشہ اپنی راہنمائی، اپنی حفاظت میں رکھے اور ہمیشہ ان کا قدم آگے بڑھاتا رہے اور جو کمی، جانے والوں کے نتیجہ میں آئی ہے وہ نئے آنے والوں کے ذریعے پوری فرمائے بلکہ اس سے بہت بڑھ کر پوری فرمائے۔ نئے آنے والوں سے میری مراد تبلیغ کے ذریعے آنے والے ہیں اور جاپان کی جماعت صرف مالی قربانی میں نہیں بلکہ تبلیغ کے معاملے میں بھی خدا کے فضل سے بڑی مستعد جماعت ہے اور ابھی دو تین دن کی ڈاک میں بعض دوستوں نے اطلاع دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کی تبلیغ کو پھل لگے ہیں اور یہ زمانہ تبلیغ کے پھلوں کا زمانہ ہے اور ہر طرف بہار آ رہی ہے اس لئے میں امید رکھتا ہوں کہ جاپان بھی اس الٰہی بہار سے بھرپور حصہ لے گا۔ جاپان میں یہ مشکل ہے کہ تعداد کے مقابل پر اور نفوس کے لحاظ سے جماعت احمدیہ بہت تھوڑی ہے، نہ ہونے کے برابر ہے اور بہت دیر بعد جاپان میں کام شروع ہوا۔ شروع میں تو اس کام کا کوئی نتیجہ نکلا ہی نہیں یعنی سالہا سال تک ہمارے مبلغ پیغام دیتے رہے مگر وہ ماحول اتنا مختلف ہے کہ ان کے ہاں روحانی قدروں کا کوئی تصور ہی نہیں اس لئے جاپان میں کوئی بھی کوشش کارآمد نہ ہوئی لیکن جب خدا کے فضل سے بعض مخلص غیر مبلغ لوگ وہاں پہنچے

اور انہوں نے مبلغ کو تقویت دی تو وہ ماحول پیدا ہو گیا جس کے نتیجے میں خدا کے فضل سے کوششیں بارآور ہو جایا کرتی ہیں اور اب وہ ماحول ماشاء اللہ بہت عمدگی کے ساتھ اپنے پھل دکھا رہا ہے، اپنے جوہر دکھا رہا ہے۔

جاپان سے متعلق میں ان کو حضرت مصلح موعودؓ کی ایک خواب یاد دلانا چاہتا ہوں۔ حضرت مصلح موعودؓ نے ایک دفعہ رؤیا میں دیکھا کہ آپ نے ایک چھوٹا پرندہ کمزور سا پکڑا ہے اور یہ جاپان کی مثال کے طور پر آپ کو دکھایا گیا تھا کہ جاپان میں تبلیغ کیسے ہوگی اور وہ اتنا کمزور ہے کہ اسے غالباً میری کوئی والدہ ہیں ام متین تھیں یا کوئی اور مجھے نام یاد نہیں وہ اسے کچھ کھلانا چاہتی ہیں تو حضرت مصلح موعودؓ کہتے ہیں کہ ابھی اس کا معدہ کمزور ہے کہ بہت تھوڑا تھوڑا کھلاؤ ابھی اس میں ہضم کرنے کی طاقت نہیں ہے اور یہ رؤیا بہت پرانی اخبار میں چھپی ہوئی ہے مجھے اس کی تفصیل یاد نہ رہی ہو تو اس کا مرکزی نقطہ یہی تھا کہ جاپان کی قوم میں ابھی دین کو ہضم کرنے کی طاقت پیدا نہیں ہوئی اور رفتہ رفتہ اتنا کھلاؤ جتنا اسے ہضم کرنے کی طاقت ہے پس اس پہلو سے جماعت احمدیہ کو وہاں صبر بھی دکھانا چاہئے اور حوصلہ بھی اور حکمت کے ساتھ رفتہ رفتہ روحانی غذا دینے کی کوشش کرنی چاہئے جو ساتھ ساتھ ہضم ہوتی چلی جائے۔

ایک اجتماع مجلس انصار اللہ USA کا ہے جو تیرھواں سالانہ اجتماع ہے۔ کل 14 رمئی سے شروع ہو رہا ہے اور 15 رمئی کو اختتام پذیر ہوگا اور ایک جماعت احمدیہ ملتان کے واقفین نو کی تربیتی کلاس ہے۔ ان سب کو عمومی طور پر میرا پیغام وہی ہے جو میں خطبے میں سب جماعت کو دے رہا ہوں اور اس خطبے میں بھی اسی سلسلے میں چند اور باتیں کروں گا۔

جن آیات کی میں نے تلاوت کا ہے ان کا ترجمہ یہ ہے کہ اور اللہ کی عبادت کرو اور لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اور والدین کے ساتھ احسان کا سلوک کرو۔ وَّ بِذِي الْقُرْبٰى اور اقرباء کے ساتھ بھی، اپنے رشتہ داروں کے ساتھ بھی اور یتیموں کے ساتھ بھی اور مسکینوں کے ساتھ بھی وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى اور وہ پڑوسی جو قرب میں رہتے ہوں۔ اس کے مختلف معانی کئے گئے ہیں مگر ایک معنی یہ میں آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى اور وہ پڑوسی جو قریب میں رہتے ہوں۔ وَالْجَارِ الْجُنُبِ اور وہ پڑوسی جو پہلو میں رہتے ہیں مگر ویسے رشتہ دار نہیں وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ اور ساتھ اٹھنے بیٹھنے

والے لوگوں کے لئے وَابْنِ السَّبِيْلِ اور رستہ چلتے یعنی مسافروں کے لئے وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اور جن پر تمہارے ہاتھوں کو غلبہ عطا ہوا ہو۔ ان سب سے حسن سلوک کرو اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا یادرکھواللہ تعالیٰ تکبر کرنے والے اور اترانے والے شخص کو پسند نہیں فرماتا۔ اترانے والا اس کو کہتے ہیں جو چھوٹی سی بات پر اچھلنے لگ جائے اور فخر کے ساتھ دکھاوا کرنے لگے۔ فرمایا فَخُوْرً فخر کرنے والے اور اترانے والے شخص کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وہ لوگ جو بخل سے کام لیتے ہیں اور بخل ہی کا حکم بھی دیتے ہیں۔ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ اور جو خدا نے ان پر فضل فرمائے ہوئے ہیں وہ انہیں لوگوں سے چھپاتے ہیں تا کہ کہیں مانگ نہ بیٹھے۔ بتاتے نہیں ہیں کہ انہیں خدا نے کیا کچھ عطا کیا ہوا ہے۔ انکساری کی بنا پر نہیں بلکہ اس خوف کی وجہ سے نہیں بتاتے کہ لوگوں کو پتا لگا کہ ہمارے پاس کیا کچھ ہے تو کہیں مانگ ہی نہ بیٹھیں۔ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا اور کافروں کے لئے ہم نے ایک ذلت والا عذاب مقرر کر رکھا ہے یا تیار کر رکھا ہے۔

یہ جو آیات ہیں ان کے مضمون پر میں احادیث کے حوالے سے روشنی ڈالوں گا۔ عمومی طور پر ان کا تعارف یہ کرواتا ہوں کہ اللہ کی عبادت جس میں شرک کا شائبہ بھی نہ ہو یہ بنیادی تعلیم ہے۔ وہ عبادت جو خالصۃً اللہ کے لئے ہو اور شرک سے کلیۃً پاک اور صاف ہو وہ انسانی تعلقات کو منقطع کرنے پر آمادہ نہیں کرتی بلکہ اللہ کے حوالے سے ان تعلقات کو قائم کرنے کی تلقین کرتی ہے۔ پس وہ عبادت گزار جو دنیا سے تعلقات کاٹ کر ایک طرف ہو جائیں وہ حقیقت میں واحد خدا کی عبادت کرنے والے نہیں بلکہ کسی اور ذات کی عبادت کرتے ہوں گے۔ اللہ کی عبادت کرنے والا جو شرک سے پاک ہو اس کی یہ صفات ہیں اور ان صفات سے اس کی عبادت کا خلوص پہچانا جائے گا کیونکہ جو عبادت انسان خدا کے حضور کرتا ہے اس پر دنیا تو گواہ نہیں ہے اس کے دل کی کیا کیفیت ہے۔ وہ خالصۃً اللہ کے لئے ہے کہ نہیں، شرک سے پاک ہے کہ نہیں۔ یہ سارے وہ معاملات ہیں جن کا رخ خدا کی طرف ہے اور اللہ دیکھ رہا ہے اور بندے کو کچھ پتا نہیں کہ کیا ہو رہا ہے لیکن ایسے لوگوں کی کچھ علامات ایسی ہیں جو بندے بھی دیکھ سکتے ہیں اور ان علامتوں کو دیکھ کر ان کو معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ خالص عبادت کرنے والا غیر مشرک ہے جس نے اپنے وجود کو تمام تر اللہ کے لئے کر دیا یہ وہ لوگ ہیں

جن کی صفات بیان ہو رہی ہیں۔

سب سے پہلے فرمایا وَّبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا کہ والدین سے احسان کا سلوک کرو۔ والدین ایک قسم کے رب بن جاتے ہیں کیونکہ والدین کے ذریعے انسان دنیا میں آتا ہے اور خدا تعالیٰ کے بعد سب سے پہلے والدین ہی کا ذکر ضروری تھا اور یہی کیا گیا ہے لیکن والدین کو ایسے مرتبے پر رکھا ہے جہاں فرمایا ان کے ساتھ احسان کا سلوک کرو۔ خدا تعالیٰ کا جہاں تک معاملہ ہے خدا تعالیٰ کے ساتھ احسان کا سلوک ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ خدا تعالیٰ کے احسان ہم پر حاوی ہیں اور اس میں ایک بہت لطیف مضمون یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ اگر چہ ماں باپ تمہیں پیدا کرتے ہیں مگر احسان اللہ کا ہے جب تم ان کے ساتھ حسن سلوک کرو تو ایسا کرو کہ تمہاری طرف سے وہ احسان ان کی طرف رواں ہونے والا ہو۔ ایک اور موقع پر اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتا ہے کہ دعا کرو ان کے لئے کہ اے خدا ان سے یہ سلوک فرما اور یہ سلوک فرما كَمَا رَبَّيٰنِيۡ صَغِيۡرًا جس طرح انہوں نے بچپن میں میری تربیت فرمائی اور میری پرورش کی لیکن وہاں بھی یہ نہیں فرمایا کہ والدین کا احسان ہے۔ احسان تو ہے اس کا انکار نہیں یہ نہ غلطی سے سمجھیں کہ **نعوذ باللہ من ذلک** قرآن کریم والدین کے احسان کی نفی فرما رہا ہے۔ جس سیاق وسباق میں بات ہو رہی ہے وہاں یہ مضمون ہے کہ احسان اللہ ہی کا ہے اور تخلیق کے جو ذرائع اس نے پیدا فرمائے ہیں ان کے ذریعے ایک چیز پیدا ہوتی ہے اور وہ احسان کی خاطر ماں باپ ایسا نہیں کرتے۔ اب آپ دیکھ لیں جو آج کل کی دنیا میں ماں باپ کے سامنے بچے سر اٹھاتے ہیں اور بڑی بڑی باتیں کرتے ہیں ان میں ایک یہ بات بھی ہوتی ہے کہ تم نے کون سا ہم پر احسان کیا ہے۔ تم نے شادی کی تھی اپنی لذتوں کی خاطر، اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے، ہم نے تو پیدا ہونا ہی تھا نہ ہوتے تو پھر تمہیں تکلیف پہنچتی، ہم پر کوئی احسان نہیں۔ یہ ایک ایسی بات ہے جو حقیقی ہے۔ میرے سامنے بعض دفعہ مغربی دنیا میں بعض لوگوں نے ذکر کیا کہ یہاں بچے ایسی ایسی باتیں کرتے ہیں اور بعض دفعہ خطوں میں مشرق سے بھی بعض احمدی لکھتے ہیں کہ ہمارے بچوں کے سر پھر گئے ہیں وہ بدتمیزی سے باتیں بھی کرتے ہیں کہ تم نے ہمیں پیدا کیا تمہارا کیا احسان ہے۔ یہ جو مضمون ہے یہ پھر آگے بڑھتا ہے پھر ایسے سرکش خدا پر بھی ایسی ایسی باتیں کرنے لگ جاتے ہیں مگر امر واقعہ یہ ہے کہ ماں باپ پیدا کرتے ہیں تو احسان کی نیت سے پیدا نہیں کرتے اس میں کوئی

شک نہیں لیکن اللہ جب پیدا فرماتا ہے تو احسان کے ساتھ پیدا فرماتا ہے۔ ماں باپ مستغنی نہیں ہیں یعنی اگر ان کے بچے نہ ہوں تو ان میں کمزوری واقع ہوتی ہے لیکن خدا مستغنی ہے اگر وہ بندوں کو پیدا نہ کرے یا یکسر مٹا دے تب بھی وہ اپنی حمد میں، اپنی ذات میں ہر دوسری چیز سے مستغنی رہے گا۔ پس یہ وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا لازماً احسان ہے اپنی مخلوق پر لیکن دوسرے لوگ جو چیزیں پیدا کرتے ہیں ان کا ان پر ان معنوں میں احسان نہیں جیسے خالق کا مخلوق پر احسان ہوا کرتا ہے۔ تو فرمایا مگر تم نے ان سے احسان کا سلوک کرنا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو نسل پیچھے رہ رہی ہے وہ اس سے جو آنے والی نسل ہے مستغنی ہو جایا کرتی ہے اور احسان کے بغیر اس سے تعلقات کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔ ماں باپ کبھی بھی بچوں سے مستغنی نہیں ہو سکتے لیکن بچے ماں باپ سے مستغنی ہو سکتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ، پیچھے رہ گئے چھوڑو پرے، ہماری زندگیاں ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں اور ان کو بوجھ محسوس کرتے ہیں۔ پس وہ لوگ جو ماں باپ کی ان قربانیوں کو بھول جاتے ہیں جو چاہے وہ اپنے نفس کی تسکین کی خاطر ہی کرتے ہیں۔ مگر بہر حال قربانیاں ہیں اور بعد کی خدمتوں کو بھول جاتے ہیں ان کو توجہ دلائی کہ تم اگر احسان مند نہیں ہونا چاہتے تو احسان کرو کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے تمہاری خاطر تکلیفیں بہر حال اٹھائی ہیں۔ چنانچہ ماں کے ذکر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دیکھو کتنا لمبا عرصہ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ ایک تکلیف کے بعد دوسری تکلیف اٹھاتے ہوئے تمہیں ماؤں نے اپنے پیٹوں میں پالا ہے اور یہاں تک کہ تمہاری پیدائش ہوئی پھر اس کے بعد تمہارے لئے تکلیفیں اٹھاتی رہیں۔ تو اللہ احسان کا انکار نہیں فرما رہا مگر ایک نفسیاتی انداز ہے گفتگو کا جو بہت ہی گہرا اور انسانی فطرت سے مطابقت رکھتا ہے۔ بجائے یہ کہنے کے کہ اے بچے، اے لڑکے تو اپنے ماں باپ کا احسان یاد کر اور وہ بدلے اتار۔ امرِ واقعہ یہ ہے کہ ماں باپ کے احسان کے بدلے اتر ہی نہیں سکتے نہ خدا کے احسان کے اتر سکتے ہیں فرمایا اگر تو بوجھ محسوس کرتا ہے تو احسان کر کیونکہ اسی میں تیری بہتری اور تیری بھلائی ہے اور یہ سارے احسانات جن کا بعد میں ذکر آئے گا یہ اللہ کے احسان کی یاد میں ہی کئے جا رہے ہیں۔ اللہ کے بے شمار احسانات ہیں ان کا بدلہ خدا سے تو آپ اتار نہیں سکتے۔ اللہ فرماتا ہے کہ میرے بندوں پر احسان کرو اگر تم احسان مند ہو اور یہ ہمیں خدا کا احسان اتارنے کی کوشش کرنے کا ایک رستہ بتا دیا۔

یہ بات جو میں بیان کر رہا ہوں یہ حقیقت ہے یہ کوئی ملمع کاری نہیں بلکہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے انہی معنوں میں اس مضمون کو کھول کر ہمارے سامنے رکھا۔ جب فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں سے ناراضگی کا اظہار فرمائے گا اور اس رنگ میں ان سے باتیں کرے گا کہ دیکھو جب میں بھوکا تھا تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا، جب میں پیاسا تھا تو نے مجھے پانی نہیں پلایا، جب میں ننگا تھا تو نے مجھے کپڑے نہیں پہنائے، جب میں بے گھر تھا مجھے گھر مہیا نہ کیا۔ ہر دفعہ بندہ یہ سن کر کہے گا کہ اے خالق و مالک! میں محتاج ہوں تو تُو محتاج نہیں۔ تو کب پیاسا تھا جب کہ میں نے تجھے پانی نہیں پلایا تو کب بھوکا تھا جب میں نے تجھے کھانا نہیں کھلایا۔ تو ہر دفعہ اللہ یہ جواب دے گا جب میرا ایک بندہ پیاسا تھا اور تو نے اسے پانی نہیں پلایا تو تو نے مجھے پانی نہیں پلایا۔ جب میرا ایک غریب بندہ بھوکا تھا اور تو نے اسے کھانا نہیں کھلایا تو گویا تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا۔ اللہ کی عظمتوں کا کوئی حساب نہیں ہے وہ بھی اپنے لئے عاجزی کے رنگ ڈھونڈھ لیتا ہے حالانکہ ہر قسم کے عجز سے پاک ہے۔

تو اس آیت میں یہی مضمون ہے کہ اصل تو خدا کا احسان ہے مگر خدا کا احسان تم خدا پر اتار نہیں سکتے۔ خدا کے احسان کی یاد میں میرے بندوں سے احسان کا سلوک کرو اور ان میں سب سے پہلے ماں باپ کا حق ہے۔ سب سے پہلے سرفہرست ماں باپ کو بیان فرمایا۔ اب ماں باپ سے متعلق بدقسمتی سے آج کل جو نیا زمانہ ہے اس میں ان کی طرف کم سے کم توجہ رہ گئی ہے۔ مشرق میں بہت سی جگہوں پر ابھی تک یہ قدریں باقی ہیں لیکن مغرب میں تو تیزی سے یہ اعلیٰ قدریں مٹتی چلی جارہی ہیں اور مشرق میں بھی بہت ایسے دردناک اور تکلیف دہ واقعات سامنے آتے رہتے ہیں کہ نئی نسلیں اپنے ماں باپ کے تقاضے پورے نہیں کرتیں۔

یہ وہ مسائل ہیں جو جماعت احمدیہ کے سامنے بھی وقتاً فوقتاً آتے رہتے ہیں اور یہ مسائل ایسے ہیں جو ایک طرف کے نہیں دوسرے طرف کے بھی ہیں اور ان دونوں کے درمیان توازن رکھنا بے حد ضروری ہے۔ یہ بات سمجھا کر پھر میں چند احادیث آپ کے سامنے رکھوں گا۔ توازن اس لئے کہ ماں باپ کے احسان کے نام پر بعض دفعہ بچے ماں باپ کی طرف اتنا جھکتے ہیں کہ بیوی بچوں سے انصاف کے تقاضے بھول جاتے ہیں مگر ان کو یہ یاد نہیں رہتا کہ اللہ تعالیٰ نے احسان کا لفظ استعمال فرمایا

ہے اور احسان نا انصافی پر مبنی ہو ہی نہیں سکتا۔ اس راز کو سمجھیں کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ماں باپ سے احسان کرو لیکن ماں باپ سے احسان یہ اجازت نہیں دیتا کہ کسی اور سے نا انصافی کرو کیونکہ کوئی احسان نا انصافی کی بنیاد پر قائم نہیں ہوسکتا۔ اگر بیوی سے نا انصافی کی بنیاد پر ماں باپ کا احسان قائم ہوتا ہے تو اس آیت کریمہ کے مضمون کو جھٹلانے کے بعد، رد کرنے کے بعد ایسا ہوسکتا ہے اس کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ یاد رکھیں احسان اور عدل کا یہ جو تعلق ہے یہ قرآن کریم نے بار ہا کھولا ہے اور تمام تعلیمات میں یہ تعلق بہت نمایاں ہو کر دکھائی دیتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى اللہ پہلے عدل کا حکم دیتا ہے پھر احسان کا حکم دیتا ہے۔ جس نے عدل نہیں کیا اس نے احسان نہیں کیا اور احسان کے بعد پھر اِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى کا مقام ہے یعنی اس طرح دو جیسے وہ تمہارے اپنے ہوں اور وہاں احسان کا لفظ ہی بے تعلق دکھائی دینے لگے۔ تو اس لئے میں یہ سمجھا رہا ہوں کہ اکثر مجھے اس قسم کے خط ملتے رہتے ہیں کبھی بچیوں کی طرف سے، کبھی ماں باپ کی طرف سے، کبھی لڑکوں کی طرف سے اور وہ پوچھتے ہیں کہ ماں باپ کے حق میں کیا کیا بات داخل ہے۔ ابھی پاکستان سے ایک نو احمدی خاتون کا خط بھی ملا ہے وہ لکھتی ہے کہ ماں باپ کے احسان پر قرآن کریم نے بہت زور دیا ہے یعنی ان کے حقوق ادا کرنے پر بہت زور دیا ہے اور میری احمدیت ان پر اتنی شاق گزر رہی ہے کہ بعض دفعہ مجھے لگتا ہے کہ شاید ماں باپ کا حق ادا نہیں کر رہی اور گناہ کر رہی ہوں۔ ان کو تو میں نے سمجھانے کا خط لکھا ہے تاریخ کے حوالے سے۔ اس ماں کے حوالے سے جس نے اپنے بچے کے اسلام پر اتنی تکلیف محسوس کی تھی کہ ایک موقع پر اس نے کہا اے بیٹے میں تجھے اپنا دودھ نہیں بخشوں گی۔ میں حسرت کے ساتھ مروں گی اور ہمیشہ ہمیش کے لئے ترے دل پر یہ داغ لگا رہے گا کہ میں نے ماں سے بدسلوکی کی تھی اور مجھ سے ناراض گئی۔ الفاظ یہ نہیں تھے مگر مضمون یہی تھا جو ماں نے ادا کیا۔ اس وقت اس کے بیٹے نے کیسی حکمت کی بات کی اور کیسی عقل کی اور کیسی عارفانہ بات کی۔ اس نے کہا تو مجھے بہت پیاری ہے کوئی اور چیز دنیا میں مجھے اتنی پیاری نہیں مگر ایک یعنی محمد رسول اللہ ﷺ اور میرا خدا۔ پس اگر تو کہتی ہے کہ اللہ اور رسول کو تیری خاطر چھوڑ دوں اور یہ ڈراوا دیتی ہے کہ میں اس حالت میں مروں گی کہ تیرے گناہ نہیں بخشوں گی تو پھر اے ماں! میرے سامنے سو جانیں تیری سسکتی ہوئی نکل جائیں مگر میں خدا کی قسم محمد رسول اللہ ﷺ اور اپنے خدا کو نہیں چھوڑوں

گا۔ یہ ہے حفظِ مراتب کا معاملہ۔

پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ ہر دوسرا تعلق اس کے مقابل پر کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اب جو کچھ کرو اللہ کی خاطر کرو کیوں کہ ہر شریک کی نفی ہو چکی ہے۔ ہر خاطر کی نفی ہو چکی ہے۔ اللہ کی خاطر کرو اور سب سے پہلے یاد رکھو کہ اللہ تمہیں والدین سے احسان کے سلوک کی ہدایت فرماتا ہے۔ اب احسان کا سلوک جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے حقوق کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کیا جائے گا اور بہت ہی باریک توازن ہے جو آپ کو لازماً اختیار کرنا ہوگا۔ اگر ماں اس بات پر راضی ہے کہ آپ دوسروں سے عدل کا سلوک نہ کریں تو پھر آپ کا ماں سے راضی رہنا یا ماں کو راضی رکھنا فرض نہیں ہے بلکہ اگر آپ عدل کو قربان کر کے ایسا کریں گے تو خدا سے بے وفائی کر کے ایسا کریں گے۔ لیکن دوسری طرف یہ بھی حکم ہے کہ ماں باپ چاہے زیادتیاں کرتے چلے جائیں ان کے سامنے اُف نہیں کرنی۔ ایسی صورت میں ماں باپ کی زیادتیاں برداشت کریں۔ وہ جتنے طعنے دیں، جس قدر سخت کلامی کریں آپ اف نہ کریں کیونکہ خدا کی خاطر آپ یہ برداشت کر رہے ہیں لیکن کسی کی حق تلفی نہیں کرنی۔ اس کے برعکس دوسری صورت بھی ہے کہ ماں باپ کو ایک ردی کی چیز کے طور پر پھینک دیا جاتا ہے اور بیوی بچوں کے ساتھ ایک انسان عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتا ہے۔ یہ بھی نہ صرف عدل کے تقاضوں کے بالکل مخالف ہے بلکہ ایک بہت بڑا گناہ بن جاتا ہے۔ یہ جو صورت حال ہے اس کو باریک توازن کے ذریعے درست حالت میں رکھنا ایک بڑا مشکل کام ہے۔ لیکن اگر آپ غور کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ اصل معاملہ حسنِ خلق یا بد اخلاقی کا ہے۔ وہ لوگ جن کے اخلاق درست ہوں وہاں یہ مسائل اٹھتے ہی نہیں ہیں۔ جن کے اعلیٰ اخلاق ہوں وہاں تو اس بات کا کوئی واہمہ بھی پیدا نہیں ہوسکتا کہ کوئی بیٹا ماں اور بیوی کے حقوق کے درمیان یہ جنگ لڑ رہا ہو کہ کس کو کیا دوں اور کس سے کیسا سلوک کروں۔ وہاں تو ہر آدمی ایک دوسرے پر فدا ہو رہا ہوتا ہے، ایک دوسرے کے لئے قربانی کر رہا ہوتا ہے۔ چنانچہ ماں باپ کے علاوہ ایک دوسری لسٹ لمبی سی ہے ان کا بھی خیال رکھنا ہوگا۔

پس میں نے جہاں تک ان حالات کا جائزہ لیا ہے مجھے ہر دفعہ بنیادی بیماری اخلاق کی کمزوری دکھائی دیتی ہے جہاں مائیں مثلاً اچھے اخلاق کی ہوں اور بہوئیں بھی اچھے اخلاق کی وہاں مل

جائیں وہاں دونوں طرف سے ایسے ایسے پیارے فدائیت کے خط آتے ہیں کہ دل کی گہرائیوں سے ازخود دعائیں اٹھتی ہیں اور ایک عجیب کیفیت طاری ہو جاتی ہے کہ سبحان اللہ کیسی پیاری بہو اور کیسی پیاری ساس ہے کہ اپنے خطوں میں الگ الگ ایک دوسرے کی تعریفیں، ان کے لئے دعائیں، انہوں نے ہمارا دل راضی کر دیا۔ بہوئیں لکھتی ہیں کہ ہمیں تو بعض دفعہ لگتا ہے وہ ہماری ماں سے زیادہ پیار کرنے والی ہے اور ساسیں لکھتی ہیں کہ ہماری بیٹیوں نے کب ہماری ایسی خدمت کی تھی جیسی یہ بہو کر رہی ہے، یہ تو بیٹیوں سے بڑھ گئی ہے۔ پس جہاں حسن خلق ہو وہاں ناانصافیوں کا تو وہم وگمان بھی باقی نہیں رہتا۔ احسان سے معاملہ **ایتاء ذی القربیٰ** میں داخل ہو جاتا ہے اور دنیا میں انسان کو جنت مل جاتی ہے۔ پس میری یہ کوشش ہے اور میں لمبے عرصے سے یہ کوشش کر رہا ہوں کہ جماعت احمدیہ کے بنیادی اخلاق درست ہو جائیں تو ہمارے تمام معاشرتی اور باہمی لین دین کے مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔

بنیادی طور پر حسن خلق ہے جو حقیقت میں قوموں کو زندہ کیا کرتا ہے اور حسن خلق ہی ہے جو دنیا پر غالب آیا کرتا ہے دلائل اور مسائل سے دنیا نہیں جیتی جاتی۔ دلائل اور مسائل سے تو بعض دفعہ فساد بڑھتے ہیں۔ لیکن حسنِ خلق سے گھر بھی جیتے جاتے ہیں اور گلیاں بھی جیتی جاتی ہیں اور شہر بھی جیتے جاتے ہیں اور ملک بھی جیتے جاتے ہیں۔ **تمام دنیا کی فتح حسن خلق پر مبنی ہے اور آنحضرت ﷺ کے ہاتھوں میں دعا کے بعد سب سے زیادہ قوی ہتھیار حسن خلق کا ہتھیار تھا۔**

پس ؎ گھریلو مسائل ہوں یا تمدنی مسائل ہوں یا (دیوان غالب) مذہبی مسائل ہوں جماعت احمدیہ کو ایسے اعلیٰ اخلاق اختیار کرنے چاہئیں کہ جن کے نتیجے میں جن کو لوگ مسائل کہتے ہیں وہ دکھائی نہ دیں، مسائل اٹھیں ہی نہ۔ کیونکہ اعلیٰ اخلاق کے آدمی کے سامنے مسائل کھلتے رہتے ہیں جیسے غالب کہتا ہے۔

پرتو خلد سے ہے شبنم کی فنا کی تعلیم

اس طرح بداخلاقیاں اور مسائل ایک اعلیٰ اخلاق کے چہرے کے سامنے ازخود کھل جاتے ہیں پس وہ اعلیٰ اخلاق ہیں جن کو محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے حوالے سے میں آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔

حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے متعلق بخاری میں حضرت ابنِ عمرؓ کی یہ حدیث درج ہے ابن عمرؓ، حضرت عائشہؓ سے بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جبریل ہمیشہ مجھے پڑوسی سے

حسنِ سلوک کی تاکید کرتا آ رہا ہے یہاں تک کہ مجھ خیال ہوا کہ کہیں وہ اسے وارث ہی نہ بنا دے۔(بخاری کتاب الادب حدیث نمبر:5555)

پڑوسی کے ساتھ اتنا حسن سلوک کہ فرمایا مجھے یہ خیال ہوا کہ شاید آئندہ کبھی آئے تو وارث ہونے کی تعلیم بھی دے دے کہ پڑوسی کو خدا تعالیٰ نے تمہارے اموال میں وارث قرار دے دیا ہے اور یہ وہ رشتہ ہے جس میں مذہب کا اور خون کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی جو قریبی ہیں اقرباء پڑوسی ہیں ان کا بھی خیال رکھنا ہے۔ لیکن جو بے تعلق ہیں ان کے ساتھ بھی برابر حسن سلوک کرنا ہے۔ پس یہ وہ مضمون ہے جس کو مغرب میں بہت کم سمجھا جاتا ہے کیونکہ یہاں پڑوسی بعض دفعہ اس طرح ساتھ ساتھ رہتے ہیں کہ سالہا سال گزر جاتے ہیں اور کسی کو یہ بھی خبر نہیں ہوتی۔ وہ کون ہے کہاں سے آیا۔ پھر چلا گیا تو کہاں چلا گیا؟ اور لوگ یہ بات پسند بھی نہیں کرتے مگر آنحضرت ﷺ نے جس رنگ میں پڑوسی سے تعلق کی ہدایت فرمائی ہے اس کے پیش نظر یہ تعلقات اجنبی ہونے کی بجائے پسندیدہ ہو سکتے ہیں اور ان پڑوسیوں میں بھی جو اسلام کی روح سے ناآشنا ہیں ان میں بھی اسلام کے حسن کے ذریعہ ان کے دلوں کو فتح کیا جا سکتا ہے۔ آنحضورؐ نے ایک موقع پر ہدایت فرمائی کہ بہتر ہے کہ ایک عورت اپنے شوربے کو ذرا لمبا کر لے یعنی کھانا پکا رہی ہے تو تھوڑا سا اور پانی ڈال لے تاکہ ہمسائے کو بھی کچھ پہنچا سکے۔(مسلم کتاب البر صلہ حدیث نمبر:4759) اب یہ ایک فطری بات ہے کہ اگر آپ پڑوسی کے معاملات میں ویسے دخل دیں اور کھڑے ہو کے اس سے باتیں کرنا شروع کریں تو کم سے کم انگریز مزاج تو اس کے خلاف بھڑکے گا اور بالکل پسند نہیں کرتا کہ آپ آتے جاتے اس کو چھیڑیں، اسے سلام دعا کریں اور کھڑے ہو کر بعض دفعہ باتیں کرنے کی کوشش کریں یا پوچھنے لگ جائیں تم کون ہو لیکن اگر اسے کوئی تحفہ پہنچا دیں کہ آج ہمارے گھر میں یہ پکا ہے اور ہم نے چاہا کہ تمہیں بھی شریک کریں تو ہرگز اس کے خلاف کوئی بدردعمل نہیں ہوگا بلکہ غیر معمولی طور پر ایسے لوگ متاثر ہوتے ہیں۔

مجھے جرمنی سے ایک خاتون نے خط لکھا جن کے ہمسایوں سے بہت اچھے تبلیغی مراسم مضبوط ہونے لگ گئے، قرار پا گئے اور اس کی وجہ انہوں نے یہ بتائی کہ ایک موقع پر کوئی چیز انہوں نے پکائی تو اپنے ہمسائے کو بھجوا دی یہ کہہ کر کہ یہ ہمارا پاکستانی طرز کا کھانا ہے۔ میں نے سوچا کہ آپ کو بھی

کھلائیں، اتنا متاثر ہوا وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایسے واقعات بھی اس دنیا میں ہو سکتے ہیں۔ یہ خود گھر پر چل کر شکریہ ادا کرنے کے لئے آیا اور پھر تبلیغ کی ساری باتیں سنیں، دلچسپی لی، کتابیں مانگیں اور اب پورا تبلیغ کا سلسلہ اس کے ساتھ شروع ہو چکا ہے۔ تو جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا گھر بھی اعلیٰ خلق سے جیتے جائیں گے، دنیا بھی اعلیٰ خلق سے ہی جیتی جائے گی اور آنحضرت ﷺ نے جو طریق ہمیں سمجھائے ہیں وہ ضرور دلوں کو فتح کرنے والے ہیں۔

پھر حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ خدا کی قسم وہ شخص مومن نہیں ہے، خدا کی قسم وہ شخص مومن نہیں ہے۔ آپ ؐ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ ﷺ کون مومن نہیں ہے۔ آپ ؐ نے فرمایا وہ جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں اور اس کے اچانک واروں سے محفوظ نہ ہو۔ (بخاری کتاب الادب حدیث: 5557) اب یہ جو بات ہے یہ آج کل ایک بیماری بن گئی ہے کہ پڑوسیوں سے جھگڑے اور یہ بیماری مغرب میں زیادہ نہیں پائی جاتی، مشرق میں زیادہ پائی جاتی ہے اور یہاں بھی جو پڑوسیوں کے جھگڑے ہیں الا ما شاء اللہ۔ کبھی کبھی دوسرے پڑوسیوں سے بھی جھگڑے چلتے ہیں مگر اس کی وجہ کچھ اور تعصّبات ہوتے ہیں۔ روزمرہ کی زندگی میں انگلستان میں یا جرمنی میں پڑوسی پڑوسی سے جھگڑتا نہیں۔ کوئی واسطہ ہی نہیں رکھتا اس کی اپنی دنیا ہے۔ جہاں جھگڑے چلیں گے وہاں عام طور پر ''ریـــس ازم'' یا اس قسم کے بعض دوسرے عناصر ہیں جو عمل دخل دکھاتے ہیں ورنہ عام طور پر جھگڑے نہیں چلتے۔ ہمارے ملک میں جہاں پڑوسی سے حسنِ سلوک کا رجحان بھی پایا جاتا ہے وہاں جھگڑنے کا بھی بہت رجحان پایا جاتا ہے اور بعض دفعہ پڑوسیوں میں بڑی سخت تو تو، میں میں ہوتی ہے۔ لاہور میں تو ایک دفعہ ایک محلے میں میں گیا تھا بچپن میں، تو وہاں پتا چلا کہ پڑوسیوں کے جھگڑے کئی کئی دن بعض دفعہ مہینوں چلتے ہیں اور وہ گالیاں دے دے کر ایک دوسرے کو پھر پرات الٹ کے عورتیں چلی جایا کرتی تھیں کہ اب ہم دوبارہ آئیں گی تو پرات الٹ کے پھر تمہیں باقی گالیاں دیں گی۔ ہمارے ملک خدا بخش صاحب جو ملک عطاء الرحمٰن صاحب کے والد ہیں ان کے ہاں میں گیا تھا ایک دفعہ بچپن میں، جب میں کالج میں پڑھتا تھا تو ان کے پڑوس میں یہ قصے چل رہے تھے میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھے تو میں حیران رہ گیا میں نے کہا یہ کیا ہو گیا انہوں نے کہا یہ تو روزمرہ کی بات ہے یہ تو کوئی حیرانی کی بات ہی نہیں، سارا محلّہ اس طرح چل رہا

ہے، تو یہ بدیاں بھی ہیں۔

حسن سلوک کرنے کا جو مادہ ہے اگر وہ نہ رہے تو بدی میں تبدیل ہو جایا کرتا ہے۔ بے تعلقی بے تعلقی میں ہی رہتی ہے اس لئے نہ حسن نہ قبیح، نہ خوبی نہ برائی۔ مگر وہ قومیں جو اپنی خوبیوں کی حفاظت نہیں کرتیں وہ خوبیاں پھر بدیوں میں تبدیل ہو جایا کرتی ہیں۔ پس اگر آپ نے حسن سلوک نہ کیا تو اس حدیث کی نصیحت کے یا انذار کے نیچے آپ آئیں گے۔ فرمایا وہ مومن نہیں خدا کی قسم وہ مومن نہیں۔ پوچھا گیا کون؟ تو فرمایا وہ جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں اور اچانک حملوں سے محفوظ نہ ہو۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے صحیح بخاری کتاب الایمان میں کہ آنحضورﷺ نے فرمایا۔ تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک حقیقی مومن نہیں بن سکتا جب تک اپنے بھائی کے لئے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

جس طرح قرآن کریم کا مضمون اقرباء سے شروع ہو کر پھر پھیلتا چلا جا رہا ہے احادیث میں بھی اقرباء کے ذکر بڑی عمدگی اور گہرائی اور تفصیل کے ساتھ ہیں اور پھر درجہ بدرجہ تعلقات کے پھیلاؤ کے ساتھ آنحضرتﷺ کی نصیحتوں کا فیض بھی پھیلتا چلا جاتا ہے۔ فرمایا کوئی مومن حقیقی مومن نہیں بن سکتا۔ اس مرتبہ اس کی یہ تشریح فرمائی جب تک اپنے بھائی کے لئے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ یہ ایک ایسی چھوٹی سی نصیحت ہے جس سے بڑی نصیحت ممکن ہی نہیں ہے انسانی تعلقات کو درست کرنے کے لئے اس چھوٹی سی بات میں تمام انسانی مصالح بیان فرما دیئے گئے ہیں ایک طرز فکر کا ذکر ہے۔ اگر تم اپنے بھائی کے لئے وہی پسند کرو جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو تو اس کی عزتیں تم سے محفوظ ہو گئیں، اس کے مال تم سے محفوظ ہو گئے، اس کے تمام حقوق تمہارے ہاتھوں میں اسی طرح محفوظ ہوں گے جس طرح اس کے اپنے ہاتھوں میں ہیں۔ اتنی عظیم الشان تعلیم ہے کہ تمام دنیا کے انسانی روابط میں خواہ وہ انفرادی سطح پر ہوں یا ملکی اور تمدنی سطح پر ہوں تمام دنیا کے مسائل کا حل اس اصلاحی مشورے میں داخل ہے کہ تم دوسروں کے لئے وہی چیز پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو۔ اب تمام دنیا میں جو ملکی سیاست چل رہی ہے اس میں کہاں اس بات کو داخل ہونے کی گنجائش ہے وہ اپنے لئے کچھ اور پسند کرتے ہیں دوسرے کے لئے کچھ اور پسند کرتے ہیں۔ رشتے داروں میں بھی یہی حال ہو رہا ہے یہاں تک کہ بعض دفعہ مشورہ بھی مانگا جائے تو مشورہ دینے

والا امین نہیں رہتا۔ ایسا مشورہ دیتا ہے کہ جو کسی اپنے عزیز کو نہیں دے سکتا اور ایسی نگاہیں دوسروں پر ڈالتا ہے جو اپنے کسی عزیز پر نہیں ڈال سکتا۔ پس یہ وہ نصیحت ہے کہ گہرائی کے ساتھ اس کے مضمون کو سمجھنے کے بعد اپنانے سے ہمارا معاشرہ حقیقۃً جنت کا نشان بن سکتا ہے۔ ہماری تمام بداخلاقیوں کو دور کرنے کا راز اس نصیحت میں ہے، تمام حسن خلق اختیار کرنے کا راز اس نصیحت میں ہے کہ جو اپنے لئے پسند کرتے ہو وہی اپنے بھائی کے لئے پسند کرو۔

آنحضرت ﷺ کے متعلق حضرت عبداللہ بن ابی طوفہؓ بیان کرتے ہیں کہ آپؐ کا اپنا ملنے جلنے کا انداز کیا تھا۔ فرماتے ہیں کہ تکبر نام کو بھی نہیں تھا نہ آپؐ ناک چڑھاتے نہ اس بات سے برا مناتے اور بچتے کہ آپؐ بیواؤں اور مسکینوں کے ساتھ چلیں۔ (حدیقۃ الصالحین صفحہ: 42)

بعض لوگوں میں یہ عادت ہوتی ہے کہ کوئی غریب ساتھ چل رہا ہو تو اس سے کچھ فاصلہ رکھتے ہیں اور کئی دفعہ روزمرہ زندگی میں ہم نے دیکھا ہے ہمیشہ سے ہی ایسے واقعات دیکھنے میں آتے رہتے ہیں کہ بھرے بازار میں اگر کوئی امیر چل رہا ہو اور غریب اس کے ساتھ چل پڑے تو وہ اپنی اداؤں سے، اپنے انداز سے ایک فاصلہ بناتا ہے تاکہ دیکھنے والا محسوس کرے کہ ہم ایک نہیں ہیں اور اس طرح اس سے بات کرتا ہے کہ وقتی طور پر بات کرے اور کسی طرح پیچھا چھوٹے یہ اپنی راہ لے اور یہ جو فاصلے ہیں یہ ضروری نہیں کہ دور ہٹ کر بنائے جائیں انسانی انداز میں یہ فاصلے پائے جاتے ہیں اور دیکھنے والے صاحب فہم انسان کو دکھائی دیتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کا مرتبہ اور مقام دیکھیں اور ایک صحابی کا جس نے بڑی باریک نظر سے آپؐ کے معاملات کو دیکھا ہے یہ بیان سنیں فرماتے ہیں آپؐ بیواؤں اور مسکینوں کے ساتھ اس طرح چلتے تھے کہ ان کے ساتھ چلنے کو کبھی آپؐ نے اپنی شان کے منافی نہیں سمجھا۔ مل جل کر ان کے ساتھ چلا کرتے تھے ایک ہو کر چلا کرتے تھے اور ان کے کام آتے تھے اور ان کی مدد کرتے تھے بے سہارا عورتوں اور مسکینوں اور غریبوں کی مدد کے لئے ہر وقت کمر بستہ رہتے اور اس میں خوشی محسوس کرتے تھے۔

اب یہ جو آخری پہلو ہے اس حدیث کا یہ بہت ہی اہم ہے۔ نیکیاں یا اس قسم کے اخلاق جن کا ذکر کیا جا رہا ہے یہ دو طرح سے اختیار ہو سکتے ہیں اول چونکہ خدا نے فرمایا چونکہ محمد رسول اللہ ﷺ نے ایسا کیا اس لئے ہمیں کرنا چاہئے لیکن طبیعت پر بار رہتا ہے۔

اگر طبیعت پر بار رہتا ہے تو پھر آپ نے سنت پوری نہیں کی اگر محمد رسول اللہ ؐکی سنت پر چلنا ہے تو پھر اپنے کمزور بھائیوں سے ایسا ذاتی تعلق پیدا کریں کہ ان کی مدد سے آپ کے دلوں میں خوشی پیدا ہوتی ہو اور اس سے لطف آتا ہو اور اگر یہ ہو جائے تو آپ کی نیکی کی حفاظت کے لئے اس سے بڑا ضامن اور کوئی نہیں۔ ہر وہ نیکی جو کوفت پیدا کرتی ہے جس سے تھکاوٹ ہو یا بیزاری ہو، وہ نیکی نہ افراد میں زندہ رہتی ہے نہ قوموں میں زندہ رہا کرتی ہے۔ نیکی وہی زندہ رہتی ہے جس کے ساتھ ایسا ذاتی تعلق ہو کہ نیکی کے بعد لطف آئے۔ پس ہر انسان اس پہلو سے خود غرض ہے۔ وہ غرض کے بغیر کوئی چیز نہ اختیار کر سکتا ہے نہ کسی چیز کو ہمیشہ کے لئے اپنا سکتا ہے۔ وقتی طور پر بعض مجبوریوں کے پیش نظر، بعض اصولوں کی خاطر ایک انسان طبیعت کے خلاف کام بھی کر لیتا ہے مگر ہمیشہ وہ نیکیاں اس کے ساتھ نہیں رہتیں جب تک اس کے دل کا جز و نہ بن جائیں، جب تک ان نیکیوں سے پیار نہ پیدا ہو جائے اور ان نیکیوں کے کرنے سے دلوں میں ایک طبعی بشاشت پیدا نہ ہو۔ پس یہ صحابی بڑے ہی زیرک انسان تھے جنہوں نے سیرت کو بیان کیا ہے اور کس گہرائی سے بیان کیا ہے۔ محسوس کیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ جب خدمت کرتے تھے تو کوئی طبیعت پر بوجھ نہیں ہوتا تھا بلکہ خوشی کا احساس نمایاں تھا۔ اس سے لطف آرہا ہے کہ آہا کتنا اچھا موقع ملا میں اپنے غریب بھائی کے کام آرہا ہوں۔

پھر آنحضرت ﷺ کے متعلق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ آپ ؐ نے ایک موقع پر فرمایا کہ شادی کی بدترین دعوت وہ ہے جس میں امراء کو بلایا جائے اور غرباء کو چھوڑ دیا جائے۔ (مسلم کتاب النکاح حدیث: 2586)

اب ہمارے ملک میں بھی میں نے دیکھا ہے کہ دن بدن یعنی پاکستان کی بات میں کر رہا ہوں اور اس طرح اور بھی بہت سے ملکوں میں یہ رواج ہے اور یورپ میں تو اس بات کا تصور ہی نہیں کہ اپنے تعلقات کے دائرے سے ہٹ کر بھی کسی کو دعوتوں میں بلایا جائے مگر ہمارے ملکوں میں بھی یعنی نسبتاً غریب ملکوں میں یہ رواج اب زور پکڑ رہا ہے کہ امراء کی دعوتیں اتنی اونچی سطح پر اٹھتی ہیں کہ وہاں کسی غریب کو چہرہ دکھانے کی بھی مجال نہیں اور اگر غریب رشتہ دار بھی ہوں تو ان سے انحراف کیا جاتا ہے کہ کہیں ہمارے لئے شرمندگی کا موجب نہ بنیں اور امیروں کی دعوتیں الگ ہیں، ان کے اندر ہی عیش و عشرت کے الگ ہیں اور غریبوں کی دعوتیں الگ ہیں غریبوں کی دعوتوں میں امیر نہیں جاتے اور

امیروں کی دعوت میں غریبوں کو بلایا نہیں جاتا۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں ''شادی کی بدترین دعوت'' اور اکثر ایسا شادی بیاہ کے موقع پر ہوتا ہے فرمایا شادی کی بدترین دعوت وہ ہے جس میں امراء کو تو بلایا جائے اور غریبوں کو چھوڑ دیا جائے اور اس کے ساتھ ایک عجیب بات فرمائی اور ''جو شادی کی دعوت کو قبول نہ کرے وہ اللہ اور اس کے رسول کا نافرمان ہے'' اب یہ ایک وسیع مضمون کا ایک ٹکڑا ہے اور اگر اس کو پہلے مضمون کے تعلق کے ساتھ جوڑ کر نہ سمجھیں تو بات سمجھ میں نہیں آئے گی۔

بیسیوں مرتبہ آپ نے بھی شادی کی دعوت کو کسی مجبوری سے قبول نہیں کیا ہوگا اور جہاں تک اپنے قریبیوں، دوستوں، عزیزوں کی شادی کی دعوت کا تعلق ہے وہ تو آپ شوق سے جاتے ہیں انتظار کرتے ہیں کہ آپ کو دعوت نامہ آئے بعض دفعہ نہ بھی آئے تو چلے جاتے ہیں۔ پھر کن دعوتوں کا ذکر ہے یہ اصل میں غریب دعوتوں کا ذکر ہے امراء کے مقابل پر غریبوں کا ذکر چلا ہے۔ فرمایا ہے بدنصیب اور بدبخت ہیں وہ شادیاں جن میں بلانے والے غریبوں کو نہ بلائیں اور صرف امیروں کو بلائیں اور پھر جب غریب اپنی شادیوں پر ان کو بلائیں تو یہ وہاں نہ جائیں کہ یہ غریبوں کی شادی ہے۔ اس لئے شادی بیاہ کے موقع پر میں نے جماعت کو نصیحت کی تھی اور اب وہ غالباً چھپ کر تمام دنیا میں پہنچ چکی ہوگی اس میں یہ بات بطور خاص داخل کی تھی کہ امیروں کو خاص طور پر غریبوں کی شادی میں پہنچنا چاہئے بلکہ کوشش کرنی چاہئے کہ وہ اور ان کی بچیاں جو بھی اس بات کے لئے وقت نکال سکیں وقت سے پہلے وہاں جائیں اور ان کے گھروں کو صاف ستھرا کریں ان کو تیار کریں ان کی کمیاں دور کریں، کھانا پکانے وغیرہ میں ان کی مدد کی جائے اور جو چیزیں وہ نہیں خرید سکتے وہ اپنی طرف سے خرید کر ان میں داخل کریں اور یہ تبھی ممکن ہے کہ اگر وہ جائیں اور ان کی غربت کو دیکھیں کیونکہ محض نصیحت سے انسان کا دل حقیقت میں پگھل نہیں سکتا لیکن آنکھیں جب دیکھتی ہیں ایک حالت کو تو پھر ضرور پگھلتا ہے۔

پس آنحضرت ﷺ نے جو نصیحتیں فرمائی ہیں بہت ہی گہری، بہت ہی دیرپا اور دور کا اثر رکھنے والی ہیں کیونکہ حقیقت ہے کہ جب ایک غریب آپ کی شادیوں میں آئے گا اس کے کپڑوں کو آپ دیکھیں گے اور پھر اگر کوئی انسانیت ہو اور وہ عورتیں جو آپس میں پہلے یہ جھگڑ رہی تھیں کہ میرے کپڑے ایسے تھے اور تیرے کیسے ہو گئے جو گھر میں بچیاں شکوے کرتی ہیں کہ میری فلاں بہن کے تم

نے اچھے بنا دیئے اور مجھے کیوں نسبتاً خراب بنا کے دیئے وغیرہ وغیرہ۔ یہ جاہلانہ سطحی باتیں ہیں سب مٹ جائیں گی کیونکہ جب ایک غریب کو پرانے کپڑوں میں دیکھیں گی اگر انسانیت ہے تو دل پگھلیں گے اور شرمندگی کا احساس ہوگا اور اپنے آپ کو وہ لوگ مجرم سمجھیں گے کہ ہمارے اتنے تعلقات تو تھے واقفیت تو تھی کہ ہم نے ان کو بلایا ہے لیکن کیوں یہ خیال نہ کیا کہ ان کے لئے بھی اچھے کپڑے بنا دیئے جاتے۔ اور پھر جب غریب کی شادی پر آپ جائیں گے تو پھر آپ کو محسوس ہوگا کہ کیا کیا مسائل ہیں شادیوں کے۔ کہاں اپنے حال میں ڈوبے ہوئے امراء جن کے دماغ میں صرف یہ ہے کہ تین لاکھ سے کم میں شادی نہیں ہوتی پانچ لاکھ سے کم میں شادی نہیں ہوتی دس لاکھ سے کم میں شادی نہیں ہوتی کہاں وہ جو دو چار ہزار میں شادی کی کوشش کر رہے ہیں اس نے بچوں کے لئے بھی غریبانہ کچھ بنا کے دینا ہے، جو مہمان آنے والے ہیں ان کے لئے بھی کچھ پیش کرنا ہے تو یہ مسائل سوائے اس کے حل نہیں ہو سکتے کہ آنحضرت ﷺ سے آپؐ کے اخلاق سیکھے جائیں۔ کسی دوسرے سے نہیں خود آپؐ سے آپؐ کے اخلاق سیکھے جائیں اور وہ یہ حدیثیں ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی زبانی بھی اور آپؐ کے کردار کی زبانی بھی آپؐ کے اخلاق ہمارے سامنے رکھتی ہیں۔ فرمایا شادی کی بدترین وہ مثال ہے کہ غریبوں کو نہ بلاؤ اور جب غریب تمہیں بلائیں تو تم اگر نہ جاؤ گے تو خدا اور رسولؐ کی نافرمانی ہوگی۔

پھر آنحضرت ﷺ کا اپنے غلاموں سے سلوک، غلاموں سے مراد یہ ہے ادنیٰ غریب بندوں سے سلوک ایک ایسے معاشرے میں جس کے اخلاق آپؐ نے درست فرما دیئے تھے۔

اس معاشرے میں بھی وہ ایک تعجب انگیز سلوک تھا حیرت سے نگاہیں اس پہ اٹھ رہی تھی اور اس سے میری مراد وہ واقعہ ہے جو ظاہر بن حرام کے ساتھ پیش آیا۔ ظاہر بن حرام ایک دیہاتی تھا جو نہایت ہی بدصورت اور مکروہ صورت اور اس کے علاوہ اس کے کپڑے بھی گندے، دیہاتی کھیتوں میں کام کرنے والے کے جسم میں سے پسینے کی بدبو بھی آتی تھی اس کو رسول اللہ ﷺ سے بہت پیار تھا جب بھی آتا تھا کوئی تھوڑی سی سبزی، کوئی ایک گاؤں کا پھل تحفہ اٹھا کر لے آیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ وہ کھڑا تھا کہ اچانک اس نے دیکھا کہ کسی نے پیار سے اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیئے ہیں اور اس نے حیرت سے پوچھا اور اس نے اپنا جسم ساتھ رگڑنا شروع کیا پہچاننے کی غرض سے گویا پہچان پا رہا

ہے کہ کون ہے اور ساتھ ساتھ باتیں کرتا جاتا تھا کہ یہ ہوگا وہ ہوگا اور آنحضرت ﷺ اسی طرح اپنے ہاتھوں سے اس کی آنکھیں بند کئے پاس کھڑے رہے اور وہ منہ سے بولا نہیں جسم رگڑتا رہا گویا پہچاننے کی کوشش کر رہا ہے اور مقابلۃً پیار کا اظہار جس طرح بعض دفعہ آپ نے دیکھا ہوگا بچے ماؤں سے لپٹ کے رگڑتے ہیں اپنے آپ کو۔ بعض دفعہ بلی کے بچوں کو آپ نے پیار سے دیکھا ہوگا بستر میں گھس کے وہ اپنے بدن کو خوب رگڑتے ہیں پیار سے۔ یہ اس نے محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شروع کیا ہوا تھا اور آپؐ خاموش کھڑے اس کے نخرے برداشت کرتے رہے یہاں تک کہ آنحضور ﷺ نے یہ اعلان کیا کہ ہے کوئی غلام خریدنے والا۔ میں ایک غلام بیچتا ہوں۔ تب اس نے آنحضور ﷺ سے عجز کے ساتھ یہ کہا یا رسول اللہؐ! اس بدصورت، بے قیمت انسان کو کون خریدے گا۔ آپؐ نے فرمایا دیکھو میرا خدا، آسمان کا خدا تمہارا خریدار ہے۔ محمدؐ بیچ رہا ہے یہ غلام۔ ان بندوں کو کیا پتا کہ تمہاری کیا قیمت ہے میرے اللہ کے نزدیک تمہاری بہت قیمت ہے اور پھر اس نے بتایا۔ یا رسول اللہؐ یہ کیسے ممکن تھا کہ میں آپؐ کو پہچان نہ لیتا۔ مجھ سے یہ پیار کا سلوک اور کر کون سکتا تھا۔ ایک ہی تھا اور وہ محمد مصطفیٰؐ تھے۔ پس میں جانتا تھا اور میں سوچتا تھا کہ اس سے بہتر اور کون سا موقع مجھے میسر آئے گا کہ اپنے بدن کو آپؐ کے پاک بدن سے رگڑوں۔

پس ایک طرف غربت تھی جس میں سے بدبو بھی اٹھ رہی تھی جو بدصورتی کا مظہر تھی ہر دنیا کے لحاظ سے برائی اس میں پائی جاتی تھی، ایک طرف حسن وخوبی کا وہ پیکر کہ اس سا کوئی پیکر کبھی ایسا حسین پیدا نہیں ہوا تھا یہ امتزاج تھا اعلیٰ اور ادنیٰ کا۔ اس طرح خدائی بندوں سے ملتی ہے۔ اس طرح خدا کے مظہر دنیا میں خدا کے پیار اور محبت کو خدا کے بندوں میں منتقل کیا کرتے ہیں۔ آپ ایسا ہونے کی کوشش کریں اگر اپنے اخلاق آپ نے محمد رسول اللہ ﷺ سے سیکھے اور ویسے بنانے کی کوشش کی تو آپ تو کیا آپ کے غلاموں کا بھی خدا خریدار بن جائے گا، تمام دنیا پر آپ کے دل حکومت کریں گے یعنی محمد مصطفیٰ ﷺ کی حکومت جاری ہوگی اور یہی ایک ذریعہ ہے اپنے معاشرے کو درست کرنے کا اپنے شہروں کی گلیوں کو، اپنے شہروں کو، اپنے علاقوں اور اپنے ملکوں کو۔ تمام دنیا کا حسن آج اس ایک بات سے وابستہ ہے کہ محمد مصطفیٰ ﷺ کے غلام محمد رسول اللہ ﷺ کے سچے اور حقیقی غلام بن جائیں اور آپؐ کے احسان کا جادو سب دنیا کے دلوں پر چلنے لگے۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ آمین۔

اخلاق نصیحت اور عمل کے ذریعے سنوارے جاتے ہیں۔
آنحضرت ﷺ کا سب سے بڑا ہتھیار حسنِ عمل تھا۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 20 رمئی 1994ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیات کریمہ تلاوت کیں۔

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝

اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝

(الدھر:10,9)

پھر فرمایا:۔

قرآن کریم نے اللہ کی عبادت کے بعد جو سب سے زیادہ زور دیا ہے وہ خدمتِ خلق پر ہے اور حقیقت میں یہ دو ہی دین کے حصے ہیں یا اللہ کی عبادت ہے یا بنی نوع انسان سے اچھے تعلقات، خدا کی مخلوق سے محبت کرنا اور بار ہا پہلے بھی میں یہ جماعت کو سمجھا چکا ہوں یہ دو الگ مضمون نہیں ہیں بلکہ ایک ہی درخت کی دو شاخیں ہیں۔ جتنا آپ کو عبادت کا مفہوم سمجھ آئے گا، جتنا آپ عبادت کا

حق ادا کریں گے اس کے ساتھ ساتھ ہی بنی نوع انسان سے تعلقات کی شاخ بھی نشوونما پاتی چلی جائے گی اور یہ دونوں شاخیں اکٹھی بڑھتی ہیں۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ عبادت کی شاخ تو صحت مند ہو اور نشوونما پا رہی ہو اور بنی نوع انسان سے تعلقات کی شاخ مرجھا جائے اور اس کی جگہ بہت ہی کریہہ المنظر، کانٹے دار، کسیلی، کڑوی شاخیں نکل آئیں۔ اگر ایسا ہو تو یہ اس بات کا قطعی ثبوت ہوگا کہ عبادت کرنے والے کی عبادت رائیگاں گئی ہے۔ اس کو عبادت کے مفہوم سے کوئی آشنائی نہیں۔ وہ دھوکے میں ہے کہ عبادت کرتا ہے کیونکہ خدا کی عبادت کرنے والا خدا کی مخلوق سے محبت کے سوا اور کوئی راہ نہیں پاتا۔

پس اس پہلو سے بنی نوع انسان کے ساتھ روابط بڑھانے میں عبادت اور پرخلوص عبادت کو بہت گہرا دخل ہے اور پرخلوص عبادت کی پہچان انسانی سطح پر دکھائی دیتی ہے۔ جو خدا کی سطح پر ہے وہ تو آپ دیکھ نہیں سکتے۔ انسانی سطح پر جو دیکھ سکتے ہیں وہ حسن خلق سے پہچان سکتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی مخلوق سے، بنی نوع انسان سے، مجبور اور مقہور لوگوں سے خدا کا بندہ جس طرح سلوک کرتا ہے اسی حد تک اس کی عبادت خدا کے ہاں مقبول دکھائی دینے لگتی ہے۔

پس اس پہلو سے میں نے حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی ان احادیث کا انتخاب کیا ہے، بکثرت ایسی احادیث ہیں اور حقیقت میں ان پر احاطہ نہیں ہوسکتا جن کا بنی نوع انسان کے باہمی تعلقات سے تعلق ہے اور انسان کے اخلاق کی تعمیر کرنے والی احادیث ہیں۔ کیونکہ آپ کے اخلاق کی تعمیر کا آغاز آپ کے گھر سے ہوتا ہے۔ آپ کے اخلاق کی تعمیر کا آغاز گھر سے ہو کر ہمسایوں پر اثر دکھاتا ہے۔ ہمسایوں کے بعد پھر یہ باہر کا رخ اختیار کرتا ہے، درجہ بدرجہ، سلسلہ بہ سلسلہ اپنوں سے غیروں کی طرف سفر شروع ہوتا ہے یہاں تک کہ اس سفر کے نتیجے میں آپ کو انسانیت کا نیا عرفان نصیب ہونے لگتا ہے۔ تعلقات کے ذوق بلند ہونے لگتے ہیں۔ یہاں تک کہ کل تک جو غیر تھا وہ اپنا دکھائی دینے لگتا ہے اور جو اپنے ہیں وہ اپنے رہنے کے باوجود غیروں کے حقوق پر دخل انداز نہیں ہو سکتے یعنی اپنائیت کا ایک نیا مضمون انسان کے سامنے ابھرتا ہے۔ اگر خدا کے تعلق میں انسان کے تعلقات کا دائرہ نہ بڑھے تو پھر اپنے اپنے رہتے ہیں اور ہر حالت میں ان کے مفادات کو انسان دوسروں پر ترجیح دیتا ہے۔ لیکن یہ جو سفر ہے جس کی طرف میں آپ کو بلا رہا ہوں جو حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے ساری زندگی اختیار فرمایا اور تمام بنی نوع انسان کو اسی طرف آنے کی دعوت دی یہ مضمون اور ہے، اس

عام انسانی تعلق سے مختلف۔اس مضمون کی رو سے آپ کے جو اپنے گھر والوں سے تعلقات درست ہوتے ہیں اور اسوۂ نبویؐ پر درست ہوتے ہیں تو پھر وہاں ٹھہرتے نہیں۔ پھر ہمسایوں کے ساتھ تعلقات استوار ہوتے ہیں اور درست ہوتے ہیں پھر ہمسایوں سے آگے بڑھ کر اہلِ محلّہ اور اہلِ شہر اور اہل ملک یہاں تک کہ یہ پھیلتے چلے جاتے ہیں اور تمام حدود اس بات سے عاری ہو جاتی ہیں کہ ان کو روک سکیں اور محدود جگہ میں مقید کر سکیں۔ علاقائی حدود کو بھی یہ تعلقات پھلانگ جاتے ہیں۔قومی حدود کو بھی تعلقات پھلانگ جاتے ہیں، نسلی حدود کو بھی یہ تعلقات پھلانگ جاتے ہیں۔ رنگ کی حدود کو بھی یہ تعلقات پھلانگ جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ عالمی صورت اختیار کر جاتے ہیں اور وہاں پھر کل عالم اپنا ہی خاندان کا ایک حصہ دکھائی دینے لگتا ہے اور اسی کے نتیجہ میں سچا انصاف جنم لیتا ہے ورنہ اگر اپنوں اور غیروں میں فرق دکھائی دیتا رہے تو پھر حقیقت میں آپ انصاف کا حق ادا نہیں کر سکتے۔تبھی قرآن کریم نے اس مضمون کو بڑھاتے بڑھاتے اِیْتَآیِٔ ذِی الْقُرْبٰی تک پہنچا دیا۔ یہ مراد نہیں ہے کہ اپنوں سے اور سلوک کرو اور ذِی الْقُرْبٰی سے اور سلوک کرو ذِی الْقُرْبٰی سے سلوک سے مراد یہ ہے کہ ہر مومن کا ہر دوسرے سے سلوک عدل سے شروع ہوتا ہے، احسان میں داخل ہوتا ہے۔احسان کی تمام منازل طے کرنے کے بعد ذوی القربیٰ کی حدود میں داخل ہو جاتا ہے اور پھر وہاں سارے اپنے دکھائی دیتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے اس مضمون کو سمجھانے کی خاطر انسان کو اللہ تعالیٰ کے عیال قرار دیا اور عیال سے مراد ہے جیسے گھر کے سب افراد ہوں۔ ذِی الْقُرْبٰی کی ایک دوسری اصطلاح عیال ہے، عیال اللہ ۔ اگر سب مخلوق اللہ کی عیال ہے تو آپ کا تعلق عیال کے تعلق میں اسی طرح ڈھلے گا جیسے گویا آپ کی عیال ہو اور یہی وہ مضمون ہے جو میں آنحضرت ﷺ کے اسوہ کے حوالے سے جماعت کو سمجھا رہا ہوں۔ عالمی تبلیغ کے ساتھ اس کا گہرا تعلق ہے، عظیم عالمگیر روحانی انقلاب برپا کرنے کے ساتھ اس کا گہرا تعلق ہے۔اس کے بغیر آپ کو یہ اہلیت نصیب ہی نہیں ہو سکتی۔لیکن جب میں گھروں پر نظر ڈالتا ہوں تو بہت سے گھروں کے حالات دیکھ کر دل دہل جاتا ہے کہ ہم نے تو ابھی اس سفر کا بعض جگہ آغاز بھی نہیں کیا۔ بہت سے احمدی گھر ہیں جہاں تعلقات بھیانک صورت میں پائے جاتے ہیں۔ جہاں باپ بچوں کے حقوق ادا نہیں کرتا۔ بیوی خاوند کے حقوق ادا نہیں کرتی۔ بچے

ماں باپ کے حقوق ادا نہیں کرتے۔ ان کو اتنی بھی تمیز نہیں کہ روزمرہ کی زندگی میں آپس میں گفتگو کیسے کی جاتی ہے۔ تحکّمات یا اعتراضات یا بد خلقی کا شکار ہو کر وہ خاندان جہنم کا نمونہ بن جاتے ہیں اور پھر آگے اولادیں اتنا دور ہٹ جاتی ہیں کہ بعض دفعہ انسان ان کے حالات پر غور کر کے حیران کیا رہ جاتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ حیرانی اس کے لئے کافی نہیں۔ بعض خط میں پڑھتا ہوں تو جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ ایک بیٹی لکھتی ہے ماں سے متعلق، ایسی بد خلق عورت ہے اور تمام عمر اس نے میرے باپ کو ایسے ایسے دکھ دیئے ہیں کہ میں کچھ نہیں کہہ سکتی مگر آپ جتنی نصیحت کریں میرے دل سے اس ماں کے لئے دعا نہیں نکل سکتی اور ایک لڑکی اپنے باپ کے متعلق لکھتی ہے کہ ایسے ظلم کئے ہیں اس نے ماں پر اور پھر ان کے حوالے سے ہم سب پر اور یہاں تک کہ گندی گالیاں دینا تکیہ کلام بن گیا ہے اور ہمارے حوالے سے ہمارے سامنے کہتا ہے کہ یہ میری اولاد نہیں ہے۔ جہاں یہ حالات ہوں وہاں عالمگیر انقلاب کا تصور محض ایک جنت الحمقاء میں بسنے والی بات ہے، اس کا کوئی بھی حقیقت سے تعلق نہیں۔ پس وہ خشک شاخیں ہیں جن کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے درخت وجود کی سرسبز شاخوں میں کچھ ایسی بھی ہیں جو خشک ہو چکی ہیں۔ فرمایا وہ کاٹی جائیں گی کیونکہ اس درخت نے تو ضرور سرسبز و شاداب رہنا ہے۔ اس کا تو مقدر ہے کہ اس کی شاخیں تمام دنیا پر پھیل جائیں، تمام عالم پر محیط ہو جائیں اور روحانی پرندے اس میں گھونسلے بنائیں اور اس کی شاخوں میں آرام پائیں اور اس کے پھل پھول سے لذتیں حاصل کریں۔ لیکن ایسی بھی ہیں جو خشک شاخوں میں تبدیل ہو چکی ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ تم میرے وجود سے کاٹی جاؤ گی اور جہنم تمہارا ٹھکانا ہے۔ اسی طرح جس طرح کہ خشک شاخوں کے لئے آپ کے سوا اور کوئی ٹھکانا نہیں ہوا کرتا۔ ان کا انجام اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا پس اس پہلو پر نظر پڑتی ہے تو دل دہل جاتا ہے۔

یہ میں جانتا ہوں اور کامل یقین ہے کہ جماعت کی بھاری اکثریت ان بدبختیوں سے آزاد ہے اور مبرا ہے لیکن بہت سے بیچ میں داخل ہیں اور جماعت کی طرف منسوب ہو رہے ہیں اور اپنے ماحول میں اپنی عفونت پھیلا رہے ہیں اور ان کے بدنمونے باہر نکلتے ہیں اور جماعت کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ اس لئے ان سب کو سنبھالنا ہمارا فرض ہے۔ محض اس لئے نہیں کہ وہ جماعت کے لئے بدنامی کا موجب ہیں بلکہ اس لئے کہ ہمدردی کے وہ بھی تو مستحق ہیں۔ ہم کیسے یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ

آگ میں جلنے والی لکڑیاں ہیں ان کو جلنے دو۔ اگر یہ طرزِ عمل درست ہوتا، اگر یہی رجحان حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کا رجحان ہوتا تو تمام دنیا آگ میں جل جاتی۔ ایک ایک کے لئے آپ کا دل نرم ہوا اور پگھلا، ایک ایک کے لئے آپ کی رحمت پانی بن کے برسی اور جہاں جہاں گئے وہ تلخیوں کی آگ بجھاتے رہے بلکہ آپ کی دعائیں آج کی تلخیوں کی آگ بجھانے میں مددگار ثابت ہو رہی ہیں۔ آپ ہی کا فیض ہے جو احمدیت بن کے ابھرا ہے اور آپ ہی کی رحمت اور دعاؤں کی بارشیں ہیں جو احمدیت پر برس رہی ہیں اور ہمیں دھو رہی ہیں اور ہمیں پاک کر رہی ہیں۔ پس اس پہلو سے ان لوگوں کی اصلاح کی طرف توجہ بے انتہا ضروری ہے۔ تمام دنیا کی جماعتوں کو میں نصیحت کرتا ہوں کہ اخلاق کے مضمون کو سن کر یہ نہ سمجھیں کہ ہر انسان خود بخود سنے گا اور اس کے اندر پاک تبدیلی پیدا ہو جائے گی بلکہ بعض اخلاقی قدریں ایسی ہیں جن کی نظام جماعت کو بہر حال حفاظت کرنی ہوگی اور روزمرہ کی زندگی میں کسی احمدی کا کوئی ایسا فعل جو اس کو اور اس کے خاندان کو جہنم میں دھکیلنے والا ہو اس کو دیکھ کر جانتے بوجھتے ہوئے آپ برداشت کر جائیں اور آرام کی نیند سو جائیں، اگر ایسا ہو تو پھر آپ کے ایمان میں کوئی فرق ہے۔ اگر ایسا ہے تو آپ نے سنت کا مضمون ہی نہیں سمجھا، حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے تعلق کا مفہوم ہی آپ پر روشن نہیں ہوا۔

اس تعلق کے حوالے سے اور اس بنیادی اصول کے پیشِ نظر جو میں نے آپ کے سامنے کھول کر رکھا ہے کہ عبادت کو سچا کر دیں، عبادت میں اخلاص اور پیار کے رنگ بھر دیں جو خدا تعالیٰ سے ذاتی تعلق کی صورت میں منتج ہو پھر بنی نوع انسان کی طرف ویسا سفر کریں جیسا حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے دَنَا فَتَدَلّٰى (النجم: 9) کی صورت میں کیا۔ خدا کے قریب ہوئے، پھر زمین پر جھک گئے اور بنی نوع انسان کی ہمدردی میں ان کی بدیاں دور کرنے میں اپنی دعائیں صرف کر دیں، اپنے پاک نمونے صرف فرما دیئے اور اس طرح رفتہ رفتہ وہ عظیم انقلاب مکہ اور مدینہ میں برپا ہوا جس نے آئندہ آنے والی دنیا کو تبدیل کرنا تھا۔ وہ ایک ایسی ساعت تھی جس کے بطن سے ایک اور ساعت نے پیدا ہونا تھا اور یہ آخرین کا زمانہ وہی زمانہ ہے جس میں آنحضرت ﷺ کے زمانے میں رونما ہونے والا انقلاب از سرِ نو رونما ہو رہا ہے اور ہو کر رہے گا کوئی اس کو تبدیل نہیں کر سکتا۔ مگر وہ بد نصیب جو اس انقلاب کی راہ میں روک بنتے ہیں اپنے کہلا کر راستے میں روڑے اٹکاتے ہیں اور اپنی

بداخلاقیوں کی وجہ سے اپنے لئے جہنم لیتے ہیں اور اپنی اولاد کو بھی جہنم میں دھکیلتے ہیں ان کی اصلاح لازماً محض دور کی نصیحت سے نہیں بلکہ قریب کی نگرانی سے بھی کرنی ہوگی۔ اس لئے جماعت احمدیہ کو ہر جگہ یہ چاہئے کہ وہ اصلاحی کمیٹیاں جو اس کام کے لئے میں نے مقرر کی ہیں ان کو کہہ کر ایسے بداخلاق گھروں کی نگرانی کا انتظام کریں اور انہیں بار بار پا کر نصیحت سے سمجھانے کی کوشش کریں تا کہ ہر گھر میں وہ جنت پناہ لے لے یعنی جنت پناہ لینے سے مراد میری یہ ہے کہ محمد رسول اللہؐ کی سنت میں ہی جنت پناہ لیتی ہے اور اس کے سائے میں آ کر جنت پلتی اور نشو ونما پاتی ہے ورنہ ہم جنت کی پناہ میں آتے ہیں تو یہ عمداً اس لئے کہہ رہا ہوں کہ وہ جنت پناہ لے لے محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت میں اور اس جنت کا سایہ پھر پھیلتا چلا جائے گا اگر وہ سنت نبوی کی جنت ہے۔

یہ وہ ضروری پیغام ہے جس سے متعلق عمل میں تاخیر نہیں ہونی چاہئے۔ بسا اوقات نظام جماعت تک آواز پہنچتی ہے اور کچھ دیر کے لئے گرم جوشی کا نمونہ دکھاتے ہیں پھر مدھم پڑ جاتے ہیں مگر **اخلاقی جہاد ایک بہت ہی بڑا اور اہم جہاد ہے اور اسلام کے عالمگیر جہاد کا ایک لازمی حصہ ہے۔** اس لئے حتی المقدور کوشش کریں کہ ایسے لوگ بچائے جائیں اور اگر بچائے نہیں جاسکتے، پوری کوشش کے باوجود ان کو بچانا آپ کے بس میں نہیں یا آپ کی کوششیں مقبول نہیں ہوتیں اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر انہیں بچانے کا فیصلہ نہیں کرتی تو پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس حکم کو یاد رکھیں کہ یہ شاخیں ہیں جو کاٹی جائیں گی پھر ان کو ساتھ لے کر آگے نہ چلیں۔ پھر بہتر یہ ہے کہ ہلکے بدن کے ساتھ تیز تر سفر اختیار کریں اور ان شاخوں کو جن کو بچانے کی ہر ممکن کوشش آپ نے کی، ان کو کاٹ کر الگ پھینک دیں اور اس کے متعلق کارروائی میں پہلے صبر کی ضرورت ہے۔ کچھ عرصہ مسلسل صبر کے ساتھ، دعاؤں کے ساتھ، اخلاص کے ساتھ، نفرت اور خشونت کے ساتھ نہیں، نرمی اور پیار کے ساتھ ان کو نصیحت کرتے چلے جائیں، ان کے حالات درست کرنے کی کوشش کریں۔ اللہ کرے کہ ایسا ہو جائے اگر ایسا نہ ہو تو پھر ان کو کاٹ کر الگ پھینکنا ضروری ہو جاتا ہے۔ یہ ایک ماؤف حصہ ہے جماعت کا، جس کا ساتھ رہنا دوسرے حصوں کے لئے بھی نقصان کا موجب بن سکتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے کس قسم کے معاشرہ کو جنم دیا۔ کس قسم کے معاشرہ کی پرورش کی اور اس کی تعمیر فرمائی۔ چھوٹی چھوٹی بعض نصیحتوں میں اس کی جھلکیاں ملتی ہیں۔ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے

متعلق ابوذرؓ بیان کرتے ہیں:

قال قال رسول الله ﷺ یا نساء المسلمات لا تحقرن لجارتھا ولو فرسن شاة۔ (بخاری کتاب الھبۃ حدیث: 2378)

مراد یہ ہے کہ کوئی عورت اپنی ہمسائی کو حقیر نہ جانے **ولو فرسن شاة** خواہ ایک بکری کے پائے کے ذریعے ہی اس کے ساتھ تعلقات قائم کرے۔

اب یہ بہت ہی پاکیزہ نصیحت ہے اور بہت ہی اعلیٰ فصاحت و بلاغت کا ایک مرقع ہے۔ ہمسائی کو حقیر نہ جانے۔ یہاں مراد یہ ہے کہ ہمسائی کو تحفہ دینا اس کی عزت افزائی ہے۔ اگر تم ہمسائی کو تحفہ نہیں دیتیں تو گویا تمہارے نزدیک اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے اور عموماً انسان میں یہ رجحان پایا جاتا ہے کہ اپنے برابر کو تحفے دیتا ہے یا اپنے سے بالا کو تحفے دیتا ہے اور اپنے سے چھوٹوں کو بھول جاتا ہے اور یہ سلسلہ Gross Root سے یعنی گھاس کی جڑوں کی سطح سے شروع ہو کر درختوں کی چوٹیوں تک اسی طرح چلتا ہے اور انسان اپنے تعلقات میں جو تحفے تقسیم کرتا ہے اور تحفے وصول کرتا ہے وہ عموماً برابری کے دائرے میں گھومتے ہیں یا بلند تر لوگوں کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں۔ قرآن کریم نے اس کے خلاف بہت ہی اہم نصیحت فرمائی۔ فرمایا کہ جب تم خدا کی خاطر کچھ خرچ کیا کرو تو یاد رکھنا کہ یہ تمہارے اندر ہی گھومنے پھرنے والی چیزیں نہ ہوں یہ نیچے بھی اتریں۔ خدا کی خاطر کرتے ہو تو خدا کے سب بندوں کا خیال رکھنا ہوگا۔ اگر خدا کے سب بندوں کا خیال نہیں رکھو گے تو تمہاری یہ نیکیاں جو بظاہر ہمسایوں سے تعلقات کی نیکیاں ہیں یا دوستوں کو تحائف پیش کرنا ہے یہ تمہارے سامنے ننگی ہو جائیں گی یہ تمہارے نفس کی خاطر ہوں گی، خدا کی خاطر نہیں ہوں گی۔

جو آیت میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝ (الدھر: 9 تا 10) کہ وہ لوگ جو خدا کی خاطر کھلاتے ہیں، ان کے اندر دو صفات نمایاں پائی جاتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ عَلٰى حُبِّهٖ اللہ کی محبت کی وجہ سے کھلاتے ہیں دوسرے یہ کہ عَلٰى حُبِّهٖ جبکہ رزق سے خود محبت ہو اور انسان خود بھوکا ہو اور خود ضرورت مند ہو، اس کے باوجود وہ خرچ کرتے ہیں اور یہ دونوں معنے دراصل آپس میں مل کر ایک ہو جاتے ہیں کیونکہ

انسان ایثار اس وقت کرتا ہے، جب وہ کسی محبت کی وجہ سے کر رہا ہو۔ ورنہ ایثار کے کوئی معنی نہیں۔ ایثار کا تصور ہی جھوٹا ہے بغیر محبت کے۔ ماں بچے کے لئے ایثار کرتی ہے اس لئے کہ محبت ہے۔ محبوب کی خاطر عاشق ایثار کرتا ہے اس لئے کہ محبت ہے۔ تو ایثار کا لفظ ایسا ہے جس کا اٹوٹ رشتہ محبت کے ساتھ ہے، تو اللہ تعالیٰ نے عَلٰی حُبِّہٖ فرما کر ایک حیرت انگیز مضمون بیان فرمایا اس قدر غریبانہ حالت ہے تمہاری کہ کھانے سے محبت ہوگئی ہے اور اس کے باوجود تم خرچ کرتے ہو تو کیسے کر سکتے ہو عَلٰی حُبِّہٖ اللہ کی محبت کے نتیجہ میں۔ ایک محبت دوسری محبت پر غلبہ پا لیتی ہے اور خدا کی محبت کی خاطر تم ایک مادی چیز کی محبت کو نظر انداز کر کے دھتکار دیتے ہو اور پھر اس کا ثبوت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب وہ لوگ تمہارا شکریہ ادا کرتے ہیں، تو تم اچانک اس سے تکلیف محسوس کرتے ہو، تم سمجھتے ہو کہ یہ تمہارا شکریہ ادا کر کے تمہاری نیکی کو ضائع کر رہے ہیں۔ تم سمجھتے ہو کہ شکریوں کے ہم مستحق بھی تو نہیں ہیں۔ ہم نے جس منہ کی خاطر یہ نیکی کی تھی اس سے اپنی جزاء پالی۔ اس محبت کے بدلے میں ہمیں محبت نصیب ہوگئی۔ اب یہ کیسا شکریہ ادا کر رہا ہے، یہ تو بے محل ہے۔ چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے اِنَّمَا نُطْعِمُکُمْ لِوَجْہِ اللّٰہِ ان کی آواز یہ ہوتی ہے کہ ہم تو اللہ کے چہرے کی خاطر، اللہ کی رضا کی خاطر، اس کا پیار لینے کے لئے تم پر خرچ کر رہے ہیں۔ لَا نُرِیْدُ مِنْکُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُکُوْرًا تمہارا ہمارا شکریہ ادا کرنا اور اس کے بدلے جزا دینے کی سوچنا بالکل بے تعلق بات ہے۔ جس کی خاطر ہم نے کیا اس سے ہم نے جزا پالی۔

یہ مضمون بہت ہی گہرا ہے کیونکہ اس سے آگے پھر ایک اور رستہ کھلتا ہے وہ یہ کہ جب بھی بنی نوع انسان کی آپ خدمت کریں اور باوجود اس کے کہ خود ضرورت مند ہیں پھر بھی خدمت کریں اور اللہ کی خاطر، اس کی محبت میں خدمت کریں اور اس کو یہ بتا دیں کہ ہم تمہارے محسن نہیں، اللہ ہمارا محسن بھی ہے اور تمہارا محسن بھی ہے۔ لَا نُرِیْدُ مِنْکُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُکُوْرًا میں یہ دوسرا پیغام بھی ہے کہ جس کی خاطر ہم نے کیا تھا اس کا تمہیں احسان پہنچ رہا ہے ہمارا تو نہیں پہنچ رہا۔ ان کا تعلق خدا سے قائم کروانے کے لئے ایک بہت ہی عظیم مضمون ہے۔ جس کو یہ سمجھ آجائے کہ یہ احسان کرنے والا خود کر ہی نہیں رہا یہ تو اس کی خاطر کر رہا ہے جس نے اس کو کہا ہے، اس کی توجہ اس طرف پھر جائے گی۔ یہ ویسی ہی بات ہے جیسے کوئی نوکر فقیر کی جھولی میں کچھ ڈال دے اور وہ اس کی بلائیں لے، اس کو

دعائیں دے اور وہ کہے کہ نہ نہ ایسا نہ کرو، گھر کی بی بی نے مجھے کہا تھا۔ میں اپنی طرف سے تو نہیں کر رہا میرے مالک نے مجھے یہ تعلیم دی ہے اور حکم دیا ہے اور جب کوئی غریب آیا کرے اس کو یہ سب کچھ دیا کرو تو اچانک اس کے تعلق کا رخ اس نوکر سے مالک کی طرف پھر جائے گا اور یہی وہ مضمون ہے جو قرآن کریم کی آیت ہمیں سکھلا رہی ہے اس سے عالمگیریت جو ہے اس کا تعلق خدا تعالیٰ کے رب العالمین ہونے سے بندھ جاتا ہے اور تربیت کے بہت ہی لطیف مضامین ہمارے ہاتھ آتے ہیں۔ پس آنحضرت ﷺ نے بھی ایسی ہی تعلیم دی اور یہ جو کچھ ہوا ہے۔ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے عرفان قرآن کے نتیجے میں جو پاکیزہ بہت ہی پیاری نصیحتوں کے طور پر ہمیں حدیثیں عطا ہوئی ہیں ان کے ذریعہ یہ انقلاب برپا ہوتا ہے۔ محض قرآن کا مطالعہ ایک انسان کے لئے کافی نہیں جب تک ایک عارف باللہ کی نظر سے قرآن کا مطالعہ نہ کرے اور قرآن کا عرفان سب سے بڑھ کر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو تھا اس لئے حدیثوں سے بھی سچا فیض ہم تبھی پا سکتے ہیں اگر قرآن کے مضامین سے ان حدیثوں کو جوڑ کر دیکھیں پھر ایک نیا مضمون ابھر آئے گا۔ ایک نیا معانی کا جہان آپ کو دکھائی دینے لگے گا۔

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک بکری کے پائے کے ذریعے ہی سہی۔ اسے حقیر نہ سمجھے اور بکری کا پایہ ایک حقیر سی چیز ہے۔ پاؤں جو زمین پر لگتے ہیں، گند میں ملوث رہتے ہیں، وہ انسانی جسم کا بظاہر سب سے حقیر حصہ ہیں تو فرمایا بکری کے پائے سے نیچے اور کیا چیز ہوگی جو تم کھا سکتے ہو اور جو کچھ بھی بکری میں سے تم کھاتے ہو وہ پاؤں سے برتر ہے اوپر کی چیزیں ہیں۔ تو پایہ ہی سہی، ایک پایہ ہی بھیج دو۔ پائے سے ذلیل تر تو نہ سمجھو۔ یعنی دوسرے لفظوں میں یہ نصیحت فرما دی، ایک قسم کا انگیخت کیا ہے اس کی غیرت کو، اس خدمت خلق کے جذبے کو کہ اپنی پڑوسن کو ایک پایہ بھی تم نہیں دے سکتیں۔ مراد یہ نہیں کہ پائے پر ہی اکتفا کرو۔ ولو کا مضمون بتا رہا ہے کہ چلو اور کچھ نہ سہی اتنا تو کرو اگر یہ بھی نہیں کرو گے تو پھر تمہارے اندر کوئی انسانیت باقی نہیں رہے گی۔ پس یہ وہ تعلیم ہے جسے ہمیں عام کرنا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے اسوہ کے نتیجے میں وہ تعلقات جو گھروں میں درست ہوں گے۔ باپ بیٹی کے، ماں بیٹے کے، خاوند کے اپنی بیوی سے، بیوی کے خاوند سے، سارے گھر کے رشتے داروں کے، وہ فیض جو آنحضرت ﷺ کی سنت کا گھروں کو پہنچتا ہے وہ وہاں محدود نہیں رہ سکتا۔ رحمۃ للعالمین ہیں یہ فیض پھر ان گھروں کی چار دیواریوں سے نکل کر اور اچھل کر ساتھ کے گھروں میں داخل ہونا

چاہئے اور ہمسائیگی کے حقوق کا مضمون بہت ہی اہم ہے۔ میں نے پچھلی دفعہ بھی نصیحت کی تھی کہ یورپ میں بھی اگر آپ نے تبلیغ کرنی ہے تو ہمسائیگی کے حقوق کے ذریعہ یہ سفر شروع کریں اور وہ مضمون یادرکھیں کہ محض ہمسایوں کو بار بار سلام کرنا اور باتیں کرنے کے لئے ٹھہرالینا یہ فائدہ نہیں دے گا بلکہ الٹا نقصان پہنچائے گا۔ یہی نصیحت ہے جو کام آ سکتی ہے کئی دفعہ انسان سامنے نہ آئے تو زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ ایک تحفہ بھیج دے اور پھر تحفہ بھیج دے یہاں تک کہ لینے والے کے دل میں کرید ہو کہ یہ ہے کون جو مجھ سے بار بار اس طرح کا احسان کا سلوک کر رہا ہے۔ آپ اس کی تلاش کو نہیں نکلیں گے وہ آپ کی تلاش کو نکلے گا اور اس طرح یہ جو ظاہری نعمت ہے یہ ایک باطنی نعمت میں تبدیل ہونے لگ جائے گی۔ آپ محض ظاہری تحائف ہی نہیں دیں گے بلکہ روحانی تحائف کے لئے اس کے دل کو قبولیت کے لئے آمادہ کر دیں گے۔ پس نیک ہمسائیگی ایک بہت ہی بڑا اخلق ہے اور اس کو اختیار کرنے سے انسان کئی قسم کی بدیوں سے بچ سکتا ہے اور کئی قسم کی نعمتوں کو پالیتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے یعنی سچا مومن ہے وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اپنے مہمان کا احترام کرے۔ جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ بھلائی اور نیکی کی بات کہے یا پھر خاموش رہے۔ (بخاری کتاب الاحرب حدیث: 5559)

یہ تین نصیحتیں آپ نے اللہ اور آخرت کے حوالے سے کی ہیں۔ بیچ کی باتیں بیان نہیں فرمائیں۔ جو ارکانِ اسلام پر ایمان رکھتا ہے۔ جو رسولوں پر ایمان رکھتا ہے، جو کتابوں پر ایمان رکھتا ہے، یہ ساری باتیں چھوڑ دی ہیں۔ آغاز بیان فرمایا ہے اور انجام بیان فرمایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ سے آغاز کی طرف اشارہ ہے۔ اللہ ہی سب نعمتوں کا دینے والا ہے اور اللہ ہی سے انسان کو ہر عطا نصیب ہوتی ہے۔ خواہ اس کی آنکھیں ہوں، ناک، کان ہوں، صحت ہو، جو کچھ بھی اس کو میسر ہے یا اس کا رزق ہو یا اور کئی قسم کی نعمتیں جو اسے آئے دن خدا کی طرف سے میسر ہوتی ہیں اور وہ ان کو دیکھتا بھی نہیں اور سوچتا بھی نہیں اس کو پتا بھی نہیں کہ وہ بعض نعمتوں سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ تو فرمایا جو اللہ پر یقین رکھتا ہے یعنی اللہ کے ابتدائے آفرینش سے انسان کی خاطر جو احسانات شروع ہوتے ہیں ان پر نگاہ رکھتا ہے اور پھر یومِ آخرت پر جو انجام ہے اور ان دونوں کے درمیان ایک رشتہ ہے جس کی طرف

بطور تنبیہ اشارہ فرمادیا گیا ہے اللہ نے جو کچھ عطا کیا اگر اس کے بعد انسان مرکھپ کر مٹی ہو جائے تو بے شک اس سے بے پروائی کرتا پھرے اس کو کوئی بھی فکر نہیں ہوسکتی۔ ایک انسان پر آپ جتنا بھی احسان کرلیں بالآخر اگر اس نے آپ کے سامنے پیش نہیں ہونا تو وہ بے شک احسان فراموشیاں کرے اس کو کیا فرق پڑتا ہے۔ تو یہ وجہ ہے کہ آخرت کا مضمون ساتھ ساتھ بیان فرمایا ہے۔ یہ تو ٹھیک ہے نعمتوں سے تم غافل ہو جاؤ گے اور شاید سمجھو کہ کیا فرق پڑتا ہے لیکن اگر کوئی شخص خدا کی نعمتوں پر بھی نظر رکھتا ہو ۔ اور آخرت کے دن پر بھی نظر رکھتا ہو یا یوں کہہ دیں کہ اللہ پر ایمان رکھتا ہو اور آخرت کے دن پر نظر رکھتا ہو تو اللہ کی نعمتوں سے غافل ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ اس کو یہ پتا ہے کہ یہ دینے والا، حساب لینے والا بھی ہے۔ جو کچھ اس نے عطا کیا ہے ایک ایک چیز کا حساب لے گا۔ جیسا کہ غالب نے کہا ہے۔

ایک ایک قطرہ کا مجھے دینا پڑا حساب
خونِ جگر، ودیعت مژگانِ یار تھا

(دیوان غالب: 48)

کہ میرے دل کا جو خون ہے جگر کا جو خون ہوا ہے، میرے محبوب کی پلکوں کی چبھن سے ایک ایک قطرہ کر کے رسا ہے اس میں سے اور چونکہ میرے محبوب کی ودیعت ہے اس لئے ایک ایک قطرے کا حساب دینا پڑا۔

یہ تو محض شاعری ہے مگر اگر حقیقت ہے تو وہ حقیقت ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ بیان فرما رہے ہیں۔ خدا کی نعمتوں کے ایک ایک قطرے کا حساب دینا ہوگا اور وہ حساب اس رنگ میں نہیں ہوگا کہ تم نے مجھے کیا دیا۔ اس رنگ میں ہوگا کہ میرے بندوں کو تم نے کیا دیا۔ جو کچھ حاصل کیا اس سے غیروں کو کیا فیض پہنچایا۔ پس اس لئے آنحضرت ﷺ بار بار یہ فرما رہے ہیں کہ جو کوئی اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ یعنی وہ سچا مومن اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے۔ یعنی پڑوسی کی تکلیف کے معاملے میں بھی تمہارا مؤاخذہ ہوگا اور کئی شکایتیں ملتی ہیں میں حیران رہ جاتا ہوں۔ ایک شخص نے مجھے دعا کے لئے لکھا کہ بڑا سخت پریشان ہوں پڑوسی سے متعلق۔ تو میں ڈر گیا، میں نے کہا پتا نہیں کون سی آفت آئی ہے۔ میں نے وہاں لکھا نظارتوں کو کہ فوری طور پر تحقیق کریں کہ کیا شر ہے جو اس کو پہنچ رہا ہے، اتنا بڑا فساد کیوں برپا ہو گیا۔ تو پتا یہ لگا کہ پڑوسی کے درخت کی کچھ شاخیں اس کے

گھر میں آ رہی ہیں اور وہاں ان کے پت جھڑ سے گند پڑتا ہے یا اس کی وجہ سے اور کچھ ان کے گھر کو شاید دھوپ میں کمی آ جاتی ہے اور پڑوسی کہتا ہے کہ خبر دار جوان کو ہاتھ لگایا۔ اب یہ کوئی انسانیت ہے۔ میں اتنا شرمندہ ہوا پڑھ کے۔ میں نے خواہ مخواہ امورِ عامہ اور نظارت اصلاح وارشاد کو ہلا کے رکھ دیا کہ آپ کو پتا ہی نہیں ربوہ میں کیا ہو رہا ہے۔ جا کے دیکھیں تو سہی کیا کیا ظلم ہو رہے ہیں۔ جواب آیا تو یہ آیا۔ اول تو اس کو اتنی تکلیف کیوں ہے۔ اگر وہ شاخیں پڑتی ہیں تو صفائی کر لیا کرے۔ اگر بداخلاق پڑوسی ہے تو اپنے اخلاق سے اس کا دل جیت لے لیکن اگر یہ نہیں تو پڑوسی کو بھی سوچنا چاہئے۔ وہ درخت تو اللہ کا فیض ہے اس کی شاخوں سے اس کو چھاؤں ملتی ہے۔ اس کے گھر کو ایک نعمت میسر ہے۔ اگر یہ ہمسائے کے لئے وہ نعمت نہیں بنتی اور ہمسائے کو چڑانے کا موجب ہے تو کاٹ دیں ان شاخوں کو۔ آپ دنیا کے معمولی آرام یا دنیا کی رعونت کی خاطر کہ میں اونچا نکلا ہوں میں نے ہمسائے کو نیچا کر دکھایا، خدا کو ناراض کر رہے ہیں اور یہ آخرت کو بھول رہے ہیں۔ یہ چھوٹے چھوٹے تعلقات جو تلخیوں میں بدلتے ہیں بعض دفعہ ان کے نتیجے میں بڑے بھیانک نتیجے نکلتے ہیں۔ بعض بچے ہیں جو اپنے ماں باپ کو ہمسائے کے مقابلہ پر کمزور دیکھ کر بڑے سخت بد ارادے دلوں میں باندھتے ہیں۔ ان کی نیتیں غالب ہو جاتی ہیں، وہ بدخلق بن کر اٹھتے ہیں اوپر اور کہتے ہیں کہ جب ہم بڑے ہوں گے تو ہم اس طرح ان لوگوں سے بدلے لیں گے تو ان باتوں کو چھوٹا نہ سمجھیں۔ یہ ہمسائیگی کی بداخلاقیاں آپ کی نسلوں کو تباہ کرتی ہیں۔ پس آنحضرت ﷺ جو فرماتے ہیں کہ دیکھو ہمسائے کو تکلیف نہ دینا تم پوچھے جاؤ گے۔ قیامت کے دن یہ باتیں بھلائی نہیں جائیں گی بلکہ تمہارے حساب، تمہارے کھاتوں میں لکھی ہوئی دکھائی دیں گی۔

پھر فرماتے ہیں کہ جو کوئی بھی اللہ اور آخرت پر ایمان لاتا ہے، اپنے مہمان کا احترام کرے۔ یہ بھی ایک عجیب بات ہے۔ مہمان کا احترام آپ سمجھتے ہیں کہ خود بخود ظاہر ہونے والا خلق ہے۔ اس میں نصیحت کی کیا ضرورت تھی۔ جو مہمان نواز ہیں وہ مہمان نوازی کرتے ہیں، جو مہمان نواز نہیں وہ نہیں کرتے۔ لیکن اکثر انسانوں میں مہمان نوازی پائی جاتی ہے۔ جس مہمان نوازی کی محمد رسول اللہ ﷺ بات فرما رہے ہیں وہ یہ عام مہمان نوازی نہیں اس کا بھی تعلق اسی آیت سے ہے وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا وہ اللہ کی محبت کی خاطر،

گھروں میں تنگی ہونے کے باوجود، اپنے مہمان نوازوں سے عزت افزائی سے پیش آتے ہیں اور مسکینوں سے بھی اور یتیموں سے بھی اور اسیروں سے بھی۔ تو قرآن کریم نے یہ تمام مضامین کھول دیئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک معزز مہمان آپ کے پاس آیا اور آپ مہمان نوازی کر رہے ہیں۔ اگر ایک برابر کا مہمان آیا ہے اور آپ اس کی مہمان نوازی کر رہے ہیں تو اس آیت کے اثر سے وہ باہر ہے۔ اس کا اس آیت میں کوئی ذکر نہیں کیونکہ یہ شروع ہوتی ہے مسکین کے ذکر سے، یتیم کے ذکر سے اور قیدی کے ذکر سے، قیدی تو آپ کے پاس نہیں آ سکتا مگر آپ قیدی کے پاس پہنچ سکتے ہیں اگر قیدی کے پاس کچھ کھانا لے کر جاتے ہیں۔ کچھ نعمت لے کر اس کے پاس پہنچتے ہیں کہ مجھے خیال آیا کہ یہاں کی گندی خوراک کھا کھا کر تم تنگ آ گئے ہوگے تو کچھ اس میں سے بھی چکھو اور خدا کی خاطر ایسا کر رہے ہیں ورنہ ہم تو تمہیں جانتے بھی نہیں، شکریہ بھی ادا نہ کرنے دیں اس کو۔ تو یہ وہ مہمان نوازی ہے جو اس آیت کے تابع ہوگی۔ پھر آپ ایک یتیم کی پرورش کرتے ہیں، اس پر نظر ڈالتے ہیں، باپ کے پیار سے جو محروم ہے اس کو کئی قسم کے دکھ ہوتے ہیں جب تک آپ توجہ سے نہیں دیکھیں گے آپ کو دکھائی نہیں دے سکتے۔ یہ آپ کے سامنے پیش ہی نہیں ہوں گے۔ تو یتیموں کی پرورش کرنا، ان کی خاطر کرنا، یہ بھی بہت ہی بڑا خلق ہے اور پھر وہ مہمان جو عام سادہ سا غریب سا مہمان ہے آپ کے گھر چلا آیا ہے۔ وہاں آپ کے خلق کا امتحان ہوتا ہے اگر اسے آپ نیچے کی نظر سے دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں لو جی فلاں صاحب آ گئے ہیں اس کو روٹی ڈالو، اس قصے کو ختم کرو تو یہ بدخلقی گناہ بن جائے گی۔ ظاہری طور پر جو مہمان نوازی ہے یہ مہمان نوازی نہیں ہوگی بلکہ آپ کے گناہوں کے کھاتے میں یہ عمل لکھا جائے گا۔

پس آنحضرت ﷺ جس مہمان نوازی کی بات فرما رہے ہیں وہ ایسا خلق عظیم ہے جس کا انسان کے تعلقات کے دائرے سے تعلق نہیں، اس کا خدا کے بندوں کے تعلقات کے دائرے سے تعلق ہے۔ اللہ کے تعلقات عالم پر جہاں محیط ہیں وہاں آپ کے تعلقات بھی محیط ہونے لگتے ہیں، وہاں تک پھیلتے ہیں، وہاں تک ان تعلقات کی رسائی ہوتی ہے، وہ رنگ اختیار کر جاتے ہیں تو پھر یہ مضمون جو اس آیت نے بیان فرمایا ہے وہ آپ کی ذات پر اطلاق پانے لگتا ہے۔ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے اس مضمون کو ایک بہت ہی پیاری روایت کے طور پر بیان فرمایا۔ ایک موقعہ پر ایک

صحابی صبح آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا کہ تم نے رات کیا حرکت کی تھی۔ کیا بات تھی کہ اللہ تعالیٰ کو وہ بات آسمان پر بہت ہی پسند آئی اور خدا تعالیٰ نے اس کے نتیجہ میں مجھ پر ایک آیت نازل فرمائی اور وہ آیت یہ تھی۔

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۗ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

(الحشر: 10)

وہ اپنے نفسوں پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ خود غربت کا شکار ہوں اور خود تنگی میں مبتلا ہوں۔ یہ وہی مضمون ہے۔ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝ دوسرے رنگ میں یوں فرمایا کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ جو خود تنگی میں مبتلا ہونے کے باوجود دوسروں کو اپنے نفسوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ وہ صحابی یہ بات سن کر حیران رہ گئے کیونکہ ان کے گھر واقعۃً رات ایک ایسا ہی واقعہ ہوا تھا۔ اس سے پہلی رات آنحضرت ﷺ کی خدمت میں کوئی مہمان آئے اور اس زمانہ میں غربت کا دور تھا آنحضور ﷺ بعض دفعہ اپنے گھر میں کچھ بھی نہ پاتے جس سے خدمت کر سکیں تو تقسیم کر دیا کرتے تھے مہمانوں کو اور مسجد میں اعلان فرما دیا کرتے تھے کہ یہ مہمان آیا ہے کون ہے جو اسے اپنے گھر لے جائے۔ وہ معلوم ہوتا ہے کوئی خاص ہی تنگی کے دن ہوں گے اور آواز کوئی نہ آئی۔ ایک صحابی اٹھے اور انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے دے دیں۔ اس مہمان کو لے کر گھر چلے گئے اور جانتے تھے کہ گھر میں اتنا سا کھانا ہے کہ میاں بیوی کو بھی پورا نہیں آسکتا، بمشکل بچوں کو دے کر ان کو سلایا جا سکتا ہے۔ یہ تردد تھا اور یہ تردد اوروں کے دلوں میں بھی ہوگا لیکن اللہ نے ان کو ایک ترکیب سکھا دی اور وہ ترکیب یہ تھی کہ جا کے بیوی کو کہا کہ مہمان آیا ہے، اللہ کا مہمان ہے، محمد رسول اللہ ﷺ نے یہ نعمت ہمیں عطا کی ہے۔ اس کا خیال رکھنا مگر کھانا بہت تھوڑا ہے۔ اس لئے مجھے یہ ترکیب آئی ہے کہ تم بچوں کو بہلا پھسلا کر سلا دو۔ جب بچے سو جائیں تو پھر تم مجھے آواز دینا کہ کھانا لگ گیا ہے۔

جب میں مہمان کو لے کے آؤں گا تو غلطی سے جیسے پلّو لگ جائے دیئے کی لو کو اس طرح دیئے کو بجھا دینا یعنی پلو مار کر دیا بجھا دیں گے تاکہ مہمان کو پتا نہ لگے کہ کتنا کھانا ہے اور کیا ہو رہا ہے۔ پھر مہمان کھائے گا اور میں اور تم خالی مچا کے لیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا مہمان کھانا کھاتا رہا اور یہ خالی منہ سے آوازیں نکالتے رہے کہ بڑا ہی مزہ آ رہا ہے۔ (بخاری کتاب المناقب حدیث: 3514) ایک روایت میں ہے حضرت مصلح موعودؓ نے ایک دفعہ بیان فرمایا تھا اس کے الفاظ یاد نہیں لیکن مضمون یہ تھا کہ رسول اللہؐ نے فرمایا وہ کیا بات تھی کہ تم زمین پر مچا کے لے رہے تھے اور آسمان پر خدا مچا کے لے رہا تھا، خدا اس کا لطف اٹھا رہا تھا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور مہمان کو پتا ہی نہیں تھا۔ کسی نے محمد رسول اللہؐ کو خبر نہیں دی تھی لیکن صبح جب نماز پہ وہ نمازی حاضر ہوئے تو خدا نے الہامًا آپ کو بتا دیا تھا اور وہ آیت ہمیشہ کے لئے اس زندہ و پائندہ واقعہ کی حفاظت کے لئے قرآن میں محفوظ فرما دی گئی۔ یہ ہے مہمان نوازی وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا ان کو اپنے مہمانوں سے ذاتی تعلقات ان کی مہمان نوازی پر آمادہ نہیں کرتے۔ اللہ کی محبت ہے اور وہ یہ دیکھتے نہیں کہ یہ دنیا میں معزز ہے یا غیر معزز ہے۔ وہ مہمان ہے اور اللہ کا مہمان ہے۔ مہمان ہے اور محمد رسول اللہؐ کا مہمان ہے، وہ اسلام کا مہمان ہے اور اس کی مہمان نوازی میں اگر اس روح سے آپ خدمت کرتے ہیں تو یہ وہ روح ہے جو اس واقعہ کے ساتھ آپ کو بھی وابستہ کرتی چلی جائے گی۔ اس واقعہ میں جس صحابی کے خلق کی بات ہو رہی ہے اس کا نام نہیں آیا پس یہ بے نام کہانی سلسلہ در سلسلہ آگے بڑھتی چلی جائے گی اس میں بہت سے اور بھی شامل ہوتے جائیں گے جو اس قسم کے اخلاق کا نمونہ دکھائیں گے۔ پس آنحضرت ﷺ کی نصائح پر غور کریں اور فکر کریں اور جس پیار اور گہرے درد اور جذبے کے ساتھ آپؐ نے اخلاق کو استوار فرمایا ہے، اخلاق کی اصلاح فرمائی ہے اور اخلاق کا مضمون انسان کو سمجھایا ہے اس پر غور کریں۔

جب سے دنیا بنی ہے اور میں پھر کہتا ہوں کہ جب سے دنیا بنی ہے ساری کائنات میں جتنے انبیاء آئے ہیں سب کے حالات پر غور کر لیں سب نبیوں نے مل کر بھی اپنی امت کے اخلاق کی ایسی اصلاح نہیں کی ہوگی جیسے محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمائی۔ ان کی نصیحتیں اکٹھی کر کے دیکھ لیں وہ ساری ایک جھولی میں آ جائیں گی اور دوسری جھولی بھر جائے گی پھر اور جھولیاں چاہئیں ہوں گی اور حضرت محمد

رسول اللہ ﷺ کی نصیحتیں ختم نہیں ہوں گی۔اتنی پاکیزہ اصلاح فرمائی ہے اپنی امت کے اخلاق کی کہ اس محنت کو رائیگاں جانے دینا بہت بڑا جرم ہے۔ یہ اس وقت کے لوگوں کے آداب کی اصلاح نہیں ہورہی تھی یہ تہذیب اخلاق آئندہ زمانے کے انسانوں سے بھی تعلق رکھتی ہے، آج سے بھی تعلق رکھتی ہے،کل سے بھی تعلق رکھتی ہے، تو خوش نصیب ہے وہ جماعت جس کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ دوبارہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا فیض پہنچنے کے ایسے دائمی سامان ہو گئے کہ جیسے ایک اعلیٰ درجہ کا باغ ہو اس میں نہریں بہتی ہوں، اس میں زمین کے چپہ چپہ تک زندگی بخش پانی پہنچانے کا انتظام ہو۔اس طرح جماعت کا نظام آپ کو عطا ہو گیا ہے جو دنیا میں اور کسی کو میسر نہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ خلافت عطا ہوئی ہے اور خلافت کے ساتھ یہ نظام جماعت عطا ہوا۔اس طرح آپ کو گھر گھر ، ایک ایک کھیت کے ایک ایک چپہ تک اس حسن و زندگی کے پانی کے پہنچانے کی سہولت میسر آ گئی ہے۔ پس تمام جماعت کی تربیت میں نظام جماعت مستعد ہو جائے اور وہ لوگ جن تک یہ باتیں پہنچتی ہیں وہ آنحضرت ﷺ کی محبت اور اللہ کی محبت کے نتیجے میں اپنے اخلاق کو سنواریں، اپنی بیویوں کے اخلاق کو سنواریں، اپنی بہنوں کے اخلاق کو سنواریں، اپنے بچوں اور اپنی بچیوں کے اخلاق کو سنواریں۔ پھر ہمسائے کی طرف توجہ کریں لیکن حسن خلق کے ذریعے، محض نصیحتوں کے ذریعہ نہیں۔اخلاق سنوارنے کے دو ہی طریق ہیں ایک نصیحت کے ذریعہ اور ایک عمل کے ذریعہ۔ آنحضرت ﷺ کا سب سے بڑا ہتھیار حسن عمل تھا۔حسن عمل کے ذریعہ آپ دلوں کو فریفتہ کر لیتے پھر وہ نصیحتیں ان دلوں پر اس طرح پڑتی تھیں جیسے ایک پیاسی زمین پانی کو قبول کرتی ہے۔ جیسے دیر کی خشک سالی کے بعد خدا کی رحمت کا پہلا قطرہ برستا ہے تو بعض پیار کرنے والے اپنی زبانیں باہر نکال لیتے ہیں کہ ہماری زبان پر وہ رحمت کا قطرہ پڑے۔ یہ تبھی ہوسکتا ہے اگر کسی سے پیار ہو اور محبت ہو۔

پس آپ کا حسن خلق کا سفر حسن عمل سے شروع ہو گا محض زبان کی نصیحت سے نہیں۔ اپنے حسن عمل کو اس بلند مرتبے تک پہنچا دیں کہ جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا **بعثت لاتمم مقام الاخلاص** (سنن الکبریٰ للبیقی) کہ میرا قدم اخلاق کی بلند ترین چوٹیوں پر ہے کیونکہ خدا نے میری بعثت ہی ایسی جگہ فرمائی ہے۔

جہاں اخلاق ختم ہوتے ہوں اور ان پر میرا قدم ہے پس آپ نے بھی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی پیروی میں اپنے اخلاق کو سجانا ہے اور درست کرنا ہے۔ اب جس کے اخلاق یہ رنگ پکڑ جائیں وہ کیا بنی نوع انسان کا حق مارنے کا تصور بھی کر سکتا ہے۔ یہ بدخیال اس کے ذہن میں آ ہی نہیں سکتا۔ اگر یہ بدمعاملگیاں جماعت میں موجود ہیں۔ اگر گھروں کے آپس کے تعلقات بگڑے ہوئے ہیں۔ لین دین میں لوگ ایک دوسرے کو دھوکہ دیتے ہیں۔ سبز باغ دکھا کر پیسے وصول کرتے ہیں۔ یہ کہہ کر کہ ہم تمہیں کینیڈا لے کر جائیں گے، لندن چھوڑ جاتے ہیں اور پیسے لے کر بھاگ جاتے ہیں۔ یہ بدخلقیاں محمد رسول اللہؐ کی طرف منسوب ہونے والے میں تو پانے کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ وہ تو بالکل برعکس تصور ہے۔ اس کا کوئی دور کا بھی رشتہ نہیں۔ اسی لئے میں نے جماعت کو نصیحت کی ہے کہ جب یہ واقعات میرے تک پہنچتے ہیں تو میرا دل کھولنے لگتا ہے۔ غصہ سے نہیں، بے اختیاری اور غم کی کیفیت میں کہ کیا کروں کس طرح ان کو سمجھاؤں۔ ایسے ایسے لوگ ہیں جو میرے پاس آتے ہیں السلام علیکم ہم فلاں جگہ سے آئے ہیں یہ تحفہ پیش کرنا چاہتے ہیں اور مجھے پتا ہوتا کہ فلاں کے پیسے کھا گئے ہیں فلاں کے ساتھ ظلم کر بیٹھے ہیں جب میں ان سے کہتا ہوں کہ میں مجبور ہوں، میں آپ کا تحفہ قبول نہیں کر سکتا اپنے مظلوم بھائی کا حق تو پہلے اس کو دے دیں۔ عدل پر احسان کی بنیاد ہوا کرتی ہے۔ اگر عدل پر ہی آپ کا قدم نہیں ہے تو آپ احسان کرنے کے مجاز کیسے ہو گئے۔ اس لئے اپنے جرم میں، اپنی ناانصافیوں میں مجھے تو شامل نہ کریں تو پھر وہ قسمیں کھاتے ہیں، کہتے ہیں اوہو ہو یہ تو بالکل جھوٹی رپورٹیں آپ کو پہنچی ہیں۔ ہم تو ایسے نہیں اور بعض دفعہ پھر اللہ تعالیٰ اس طرح ان کے ظلم سے پردہ اٹھا دیتا ہے کہ بعض ان کے قریبی رشتہ دار، ان کی بیویاں بعض دفعہ آ کے رو پڑتی ہیں کہ ہمارے خاوند میں یہ بات پائی جاتی ہے خدا کے لئے اس کی اصلاح کریں۔ جو میرے سامنے قسمیں کھا کر جاتا ہے کہ ہرگز میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ کسی کو لالچ دے کر لندن لانے کی یا ہمبرگ لانے کی لالچ دے کر اس سے پیسے لے کر بھاگ جاؤں یا امریکہ پہنچانے کا وعدہ کروں اور رستے میں آدھے سفر میں چھوڑ کر لاپتا ہو جاؤں۔ اس کے بعد ان کے رشتہ دار آ جاتے ہیں، ان کی بعض دفعہ بیویاں واقعۃً پہنچتی ہیں اور رو پڑتی ہیں کہ ہمارے خاوند کے لئے دعا کریں اس میں یہ بدتمیزی یا بدخلقی پائی جاتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ حقیقت حال سے پردے اٹھانے لگتا ہے اور یہ ایک بہت ہی خطرناک پیغام ہے۔

جب خدا یہاں سے پردے اٹھانے شروع کردے تو مرنے کے بعد کے سارے پردے پھر چاک ہو جاتے ہیں۔ وہ پردے ایسے اٹھتے ہیں کہ قیامت کے دن بھی پھر یہ گریں گے نہیں بلکہ ساری بنی نوع انسان میں آپ کی رسوائی کا سامان بنیں گے۔ تو حسن خلق سیکھیں بجائے اس کے کہ لوگوں کے پیسے کھانے کے لئے چالیں چلیں اور غریبوں کو جو بعض دفعہ اپنی ساری جائدادیں بیچ ڈالتے ہیں۔ ان میں سے کسی کو آسٹریا میں چھوڑ کر برباد کیا ہوا ہے کسی کو بلغاریہ چھوڑ دیا اور اپنی چاندی کھری کی اور بھاگ گئے۔ کوئی ماسکو سے خط آرہا ہے، کوئی یہاں پہنچا ہوا ہے۔ یہاں کی حکومت اس کے پیچھے پڑی ہے کہ تم پاسپورٹ تو دکھاؤ تم آئے کس طرح ہو۔ وہ غریب کہتا ہے کہ میرا پاسپورٹ تو میرا ایجنٹ لے کر چلا گیا تھا کہ ذرا مجھے دینا میں اس پہ تمہارو یز الگوادوں گا اور وہ کینیڈا کا ویزہ، وہ دن اور آج کا دن، میں دھکے کھاتا پھرتا ہوں نہ مجھے ٹھہرنے کی جگہ نہ میں یہاں کے سوشل پروگرام سے فائدہ اٹھا سکتا ہوں۔ چوروں کی طرح یہاں زندگی بسر کر رہا ہوں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس کو دکھاؤ اس کا نام بتاؤ، اور یہ بیچارہ کہتا ہے کہ آخر احمدی ہے کہیں پھنس نہ جائے۔ میں نے اس کو کہا تم بڑے عجیب انسان ہو گنہگار کی ایسی پردہ پوشی کرنا جو دوسروں کے لئے بھی تکلیف کا موجب ہو اس کا انسان کو حق نہیں ہے، اس کی اجازت نہیں ہے۔ تمہاری ہمدردی اپنی جگہ خدا تمہیں اس کی جزا دے اتنا کچھ تم سے ہو گیا اور ابھی تک تمہارے دل میں یہ بات مانع ہے کہ کہیں خدا تمہیں اس کو تکلیف نہ پہنچ جائے۔ تو تم تو سچے ہو اور مومن ہو اور خدا کی رحمتیں تم پر ہوں مگر تمہیں یہ حق نہیں کہ کیونکہ ایسا شخص اگر آزاد چھوڑا جائے گا تو دوسروں کو بھی نقصان پہنچائے گا۔ ایک راہزن پر رحم کرنے کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ پس اس کے متعلق بتاؤ۔ کھل کر بتاؤ اس کا حوالہ پیش کرو یہ تو ایک اتفاقی واقعہ ہے۔ مگر میں یہ بتا رہا ہوں کہ ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ گھروں میں بدخلقی کی اطلاع، ہمسایوں سے بھی بدخلقی کی اطلاع، دنیا کی حرص میں لوگوں کے پیسے لوٹنا اور بڑے بڑے ان پر ظلم کرنا، یہ نہ جاننا کہ پیچھے ان کی ماؤں بہنوں کا کیا حال ہے۔

آج ہی ایک ماں کا خط ملا۔ اس قدر دردناک کہ اپنے بچے کی صورت دیکھنے کو ترس گئی ہے۔ وہ فلاں ملک میں اٹکا پڑا ہے۔ کیونکہ ایک شخص اس کو فلاں جگہ پہنچانے کے لالچ میں کئی لاکھ روپے بھی کھا گیا ہے اور اس کو وہاں چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ کچھ پتا نہیں اس کا کیا حال ہے۔ تو سوائے اس کے کہ آپ کی بدنصیبی میں ماؤں کے دل کی بدعائیں بھی پہنچ جائیں اس کے سوا اور آپ کیا کما رہے ہیں۔ یہ

لعنتیں ہیں دنیا کی اس کے سوا ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اگر آپ میں حیا ہے اور آپ کو خدا کا خوف ہے، اس اللہ پر ایمان لاتے ہیں جس کا محمد رسول اللہؐ نے حوالہ دیا ہے، اس یوم آخرت پر ایمان لاتے ہیں جس کا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حوالہ دیا ہے تو چاہئے گھر بار کی چیزیں بیچنی پڑیں، اپنی جائیدادیں بیچنی پڑیں ان لعنتی قرضوں کو اتاریں جو آپ کے کھاتے میں لعنت بن کر ہمیشہ پڑی رہیں گی اور بنی نوع انسان کو تکلیف دینے سے باز آجائیں کیونکہ یہ دنیا کی نعمتیں آئندہ کسی کام کی نہیں سوائے اس کے کہ آپ کو جہنم میں لے جائیں۔ جو نعمتیں ظلم کے نتیجہ میں حاصل ہوں وہ لعنتی نعمتیں ہیں، ان کی کوئی حیثیت نہیں کوئی حقیقت نہیں۔

پس اخلاق کے میدان میں ہمیں دو جگہ محاذ آرائی کرنی ہے۔ ایک اخلاق کو سنوارنا ہے اس طریق پر کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اخلاق کو سمجھا جس شان سے اور جس حسن کے ساتھ نکھار کر آپؐ نے اخلاق کی تعریف فرمائی اور عمل کر کے دکھایا ویسے ہی آپ بھی اس مضمون کو سمجھیں اور اعلیٰ درجے کے اخلاق کو، **ان اخلاق کو اختیار کریں جن کی چوٹی پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قدم ہے** اور دوسری طرف اپنے بدخلق بھائیوں کو بچانے کی کوشش کریں ان کو جہنم سے بچائیں۔ بدخلق گھروں کو اخلاق کی نعمت دیں۔ ان کو بتائیں کہ زندگی کا لطف اخلاق میں ہے، بدخلقی میں نہیں۔ بدخلقی ہی کا دوسرا نام جہنم ہے۔ پس اللہ تعالیٰ ہمیں یہ عظیم جہاد پورا کرنے کی اور اس جہاد کے تمام تقاضے پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

قومیں پھٹ جائیں تو فیض نبوت کے بغیر اکٹھی نہیں ہو سکتیں۔

حبل اللہ سے مراد قرآن اور محمد ﷺ کی سنت ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 27 مئی 1994ء بمقام ناصر باغ گروس گیراؤ۔ جرمنی)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے مندرجہ ذیل آیت کریمہ تلاوت کی۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ (آل عمران: 104)

پھر فرمایا:۔

آج اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ مجلس خدام الاحمدیہ جرمنی کا پندرھواں سالانہ اجتماع منعقد ہو رہا ہے اور آج کے جمعہ ہی کے دوران یا اسی ذریعہ سے ان کے اجتماع کا افتتاح ہوگا۔ یعنی افتتاح کی کسی الگ تقریب کی ضرورت نہیں یہی جمعہ ان کے اجتماع کا افتتاح ہے۔ اس کے

ساتھ کچھ اور دنیا کے ممالک میں بھی بعض مجالس یا بعض اجتماعات منعقد ہو رہے ہیں ان کے نام بھی میں پڑھ کر سنا دیتا ہوں ان کو بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں اور جو آج کے پیغامات ہیں وہ ان سب کے لئے مشترک ہیں۔

مجلس مشاورت جماعت احمدیہ U.K آج 27 رمئی سے شروع ہو رہی ہے۔ تین دن تک جاری رہے گی۔ مجلس خدام الاحمدیہ بریمپٹن کینیڈا کا ایک روزہ سالانہ اجتماع کل بروز ہفتہ شروع ہو رہا ہے۔ جماعت احمدیہ ملائیشیا کا جلسہ سالانہ 29 رمئی سے 31 رمئی تک منعقد ہو رہا ہے۔ اس علاقے کے قریبی ممالک سے بھی بہت سے نمائندگان اس میں شرکت کے لئے تشریف لائے ہیں۔ امریکہ کے ساؤتھ ریجن کے خدام، اطفال اور لجنہ کی ذیلی تنظیموں کے سالانہ اجتماع 28 اور 29 رمئی بروز ہفتہ اور اتوار منعقد ہوں گے۔

جس آیت کریمہ کی میں نے تلاوت کی ہے یہ آل عمران کی آیت 104 ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ تم سب مضبوطی کے ساتھ اللہ کی رسی کو تھام لو اور باہمی منقسم نہ ہو، ایک دوسرے سے پھٹ کر الگ نہ ہو جاؤ۔ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اور اللہ کی نعمت کو یاد کرو جبکہ تم باہم دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں کو آپس میں باندھ دیا۔ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا تو تم اللہ کی نعمت کے ذریعے بھائی بھائی ہو گئے۔ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے تو اس نے تمہیں اس میں گرنے سے بچا لیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے نشانات کو کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تا کہ تم ہدایت پاؤ۔

حَبْلِ اللّٰهِ سے کیا مراد ہے اس کے متعلق ایک دفعہ میں نے ایک گزشتہ خطبہ میں بیان کیا تھا کہ ہمارے آقا و مولیٰ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ ہی حبل اللہ ہیں۔ لیکن حبل اللہ کا صرف ایک ہی مفہوم نہیں۔ خود حضرت اقدس محمد ﷺ سے ثابت ہے کہ قرآن کریم حبل اللہ ہے۔ پس کیا ان دونوں باتوں میں کوئی فرق ہے یا ایک ہی مضمون کے بیان کے دو پہلو ہیں۔ میرے نزدیک ایک ہی مضمون کے بیان کرنے کے دو الگ الگ انداز ہیں۔ امرِ واقعہ یہ ہے کہ حضرت اقدس محمد ﷺ کا دامن تھامے بغیر قرآن کچھ بھی فائدہ کسی کو نہیں پہنچا سکتا اور حقیقی قرآن کا مفہوم انسان پر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے وسیلے کے بغیر روشن نہیں ہو سکتا۔ پس اگرچہ کتاب اللہ ہی حبل اللہ ہوتی ہے مگر اس حبل اللہ کا نمائندہ

جس کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر کتاب اللہ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا جاتا ہے وہ بھی حبل اللہ ہے اور حبل اللہ ہی کی ایک دوسری صورت ہے۔

پس اس پہلو سے میں پھر اسی بات کا اعادہ کرتا ہوں کہ حبل اللہ سے مراد قرآن کریم بھی ہے۔ قرآن کریم اوّل طور پر ان معنوں میں کہ قرآن کے نزول سے ہی محمد مصطفیٰ کا وجود ظہور میں آتا ہے۔ اسی لئے کتابوں پر ایمان پہلے رکھا گیا ہے اور انبیاء پر ایمان اس کے بعد رکھا گیا ہے۔ کتاب نبی بناتی ہے اور کتاب ہی سے نبی بنتا ہے مگر اس نبی کو نظر انداز کر کے محض کتاب پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش ایک شیطانی کوشش ہے، نفس کا دھوکہ ہے۔ حقیقت میں خواہ وہ قرآن ہو یا تورات ہو یا انجیل یا کوئی اور نام اس کتاب کا رکھ لیجئے جب تک اس نبی کے ساتھ تعلق نہ باندھا جائے جس پر کتاب نازل ہوئی ہے اور سلسلہ وار اس تعلق کو آگے بڑھایا نہ جائے اس وقت تک حقیقت میں حبل اللہ کو تھامنے کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے۔

قرآن کی زندہ مثال حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تھے اور آپ ہی کی زبان سے ہم نے قرآن کو سمجھا اور آپ ہی کی ذات میں قرآن جلوہ گر دیکھا۔ آپ کی ذات میں قرآن کریم چمکا ہے اور اس کے مضامین روشن ہو کر ہمارے سامنے ایک زندہ وجود کے طور پر آئے ہیں اور آپ کے بعد یہی سلسلہ خلافت کے ذریعے آگے جاری ہوا۔ پھر مجددیت کے ذریعہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچا۔ پس یہ سارا سلسلہ ہے کوئی الگ سلسلہ وہی حبل اللہ کا سلسلہ نہیں۔ پس اس سلسلے کو مضبوطی سے تھام لیں۔ یہی وہ مضمون ہے جو اس آیت کریمہ میں بیان فرمایا گیا ہے۔ اگر اس کو مضبوطی سے تھام لیں گے تو اس کا پہلا اثر اور پہلا فیض آپ یہ دیکھیں گے کہ آپ اکٹھے ہو گئے ہیں۔ آپ کے بٹے ہوئے دل جو قریب تھا کہ آپ کو لے کر آگ میں جا پڑتے، وہ بٹے ہوئے دل مجتمع ہوئے۔ خدا تعالیٰ نے ان کو آپس میں باندھ دیا اور اس باندھنے کے ذریعے پھر اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحم کے ساتھ آپ پھر منتشر ہونے کی بجائے مجتمع ہوئے اور ایک ملت واحدہ کے طور پر آپ کا وجود ابھرا۔ یہ ہے حبل اللہ کو مضبوطی سے تھامنا اور اس کی ظاہری علامت جو دنیا میں دکھائی دینے لگتی ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے لفظ ''نعمت'' کو استعمال فرمایا ہے۔ فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ

فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِہٖۤ اِخۡوَانًا تم اس کی نعمت کے ذریعے بھائی بھائی بنے ہو۔نعمت سے جیسا کہ آپ قرآن کریم کے محاورے سے معلوم کر سکتے ہیں۔اول مراد نبی ہوتا ہے اور امرِ واقعہ یہ ہے کہ **جب قومیں پھٹ جاتی ہیں تو نبوت کے فیض کے بغیر وہ دوبارہ اکٹھی نہیں ہوا کرتیں۔کوئی دنیا کی طاقت مذہبی لحاظ سے پھٹی ہوئی اور پھٹتی ہوئی قوموں کو دوبارہ ایک ہاتھ پر جمع نہیں کرسکتی سوائے نبوت کے۔پس ان معنوں میں نبوت حبل اللہ ہے۔**

شریعت کے لئے کتاب اترتی ہے۔مگر اس کتاب کے ساتھ تعلق نبوت کے ذریعے قائم ہوتا ہے اور جب ایک دفعہ ایک ہاتھ پر جمع ہونے کے بعد پھر قومیں پھٹ جاتی ہیں تو پھر نبوت ہی کا فیض ہے جو انہیں دوبارہ اکٹھا کیا کرتا ہے۔ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِہٖۤ اِخۡوَانًا میں یہ پیغام ہے اور جماعت احمدیہ اس پیغام کی ایک زندہ حقیقت بن کر منصۂ شہود پر ابھری ہے۔ایک زندہ ثبوت بن کر ظاہر ہوئی ہے۔تمام دنیا میں دوسرے مسلمان فرقوں اور مذاہب کو دیکھ لیں جب وہ ایک دفعہ پھٹنے شروع ہوئے تو پھٹتے چلے گئے۔ان سے وحدت جاتی رہی۔ایک ہاتھ پر وہ اکٹھے پھر نہ ہو سکے۔نہ وہ ہاتھ آسمان سے اترا نہ ان کو توفیق ملی کہ اس ہاتھ میں ہاتھ دے کر وہ پھر اکٹھے ہو جائیں۔ان کے دل بٹے تو پھر بٹتے ہی رہے۔ان کے باہمی عناد اور زیادہ دشمنی میں تبدیل ہوتے رہے۔لیکن دشمنوں نے محبت کا روپ پھر نہ دھارا۔ایک ایسی دردناک کہانی ہے جو تمام عالم میں اسی طرح آپ کو چسپاں ہوتی ہوئی دکھائی دے گی۔**آج صرف ایک جماعت احمدیہ ہے کہ اللہ کے فضل اور رحم کے ساتھ یہ اعلان عام کرسکتی ہے کہ کسی نے اگر حبل اللہ پر اکٹھے ہوتے ہوئے کسی کو دیکھنا ہے تو آئے اور جماعت احمدیہ کا مشاہدہ کرے۔تمام دنیا میں 134 ممالک میں پچھلے سال تک تھا اور اب یہ سلسلہ ایک سو چالیس ممالک تک پھیل چکا ہے۔تو دنیا کے ایک سو چالیس ممالک میں مختلف مذاہب سے جو پہلے مختلف مذاہب سے تعلق رکھتے تھے۔وہ لوگ مختلف زبانیں بولنے والے، مختلف رنگ ونسل سے تعلق رکھنے والے، مختلف سیاسی مملکتوں میں بسنے والے یا ان کے باشندے آج ایک ہاتھ پر اس طرح اکٹھے ہو گئے ہیں کہ ایک ملت واحدہ وجود میں آ گئی ہے۔اگر یہ اللہ کی نعمت کے ساتھ نہیں تھا تو کیسے ممکن تھا۔پس وہ خدا کی نعمت دوبارہ نبوت کے طور پر ہم میں اتری ہے اور وہی محمدی نبوت ہے، وہی اللہ اور رسول کی محبت میں قائم ہونے والی جماعت ہے جسے خدا تعالیٰ نے نبوت کی نعمت سے پھر**

نوازا ہے، جو دوبارہ ایک ہاتھ پر جمع ہو چکی ہے، ایک ہی ہاتھ پر اٹھتی ہے ایک ہی ہاتھ پر بیٹھ جاتی ہے، ایک ہی اشارے پر حرکت میں آتی ہے اور ایک ہی آواز پر لبیک کہتی ہے۔ اگر چہ جواب دینے والوں کی زبانیں مختلف ہیں، ہوسکتا ہے وہ سینکڑوں زبانیں بول رہے ہوں۔ لیکن دل کی آواز وہی ہے کہ لبیک اللھم لبیک۔ اے ہمارے اللہ تیرے نام پر جو آواز بلند ہوئی ہے ہم اس کے جواب میں لبیک کہتے ہیں اور لبیک کہتے چلے جائیں گے۔

پس یہ وہ مضمون ہے، امت واحدہ بنانے والا، جس کو قرآن کریم کی اس آیت کے حوالے سے میں آپ کو دوبارہ یاد دلاتا ہوں اور یہ بتاتا ہوں کہ قرآن کریم نے جو مثال دی ہے وہ ایک طرف اللہ کی نعمت کو ہم پر خوب کھول کر بیان کرنے والی ہے۔ دوسری طرف ہر قسم کے پیش آمدہ خطرات کو دکھانے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہارا حال یہ تھا کہ یعنی محمد مصطفی ﷺ کی نعمت پر اکٹھے ہو جانے والو! تمہارا حال یہ تھا کہ تم آپس میں بٹے ہوئے تھے، ایک دوسرے سے نفرت کرتے تھے، دل بھی پھٹے ہوئے تھے، قبائل بھی جدا جدا تھے۔ یہاں تک کہ قریب تھا کہ تم اس آگ میں جا پڑو جس کے کنارے تک تم پہنچ چکے تھے۔ باہمی نفرتیں، باہمی اختلافات، باہمی دشمنیاں، ان کی مثال قرآن کریم نے ایک ایسے آگ کے گڑھے سے دی ہے جس کے کنارے پر آپ کھڑے ہوں اور بعید نہ ہو کہ وہ کنارہ منہدم ہو اور اپنے اوپر کھڑے ہونے والوں سمیت جہنم میں جا پڑے۔ فرمایا خدا نے اپنی نعمت سے تمہیں اس سے بچالیا، تمہارے دلوں کو باندھ دیا اور ایک کر دیا اسے یاد رکھنا۔ ایسا نہ ہو کہ دوبارہ تم پھر وہی حرکت کرو اور جس خوفناک انجام سے تم بچائے گئے ہو دوبارہ آنکھیں کھولتے ہوئے اس انجام کی طرف آگے بڑھو۔ یہ وہ تنبیہ ہے جو اس مبارک باد کے ساتھ شامل ہے اور ہمیں چونکہ ابھی بہت لمبا سفر کرنا ہے۔ بہت عرصہ لگے گا، ایک صدی کی بھی بات نہیں۔ ہوسکتا ہے پوری دو مزید صدیاں اس کام کے پایہ تکمیل تک پہنچنے میں لگ جائیں۔ اس لئے اس ایک بات کو مضبوطی سے پکڑ لیں کہ قرآن پر ہاتھ ڈالنا ہے اور اس طاقت کے ساتھ ڈالنا ہے کہ کبھی وہ ہاتھ پھر قرآن سے جدا نہ ہو اور قرآن پر ہاتھ ڈالنا ہے محمد مصطفی ؐ کا دامن پکڑ کر اور آپ ؐ کے قدموں کو چھو کر اور آپ ؐ سے وابستہ ہو کر اور اس عزم صمیم کے ساتھ کہ سر الگ ہو جائیں مگر محمد مصطفی ؐ کے قدموں سے الگ نہیں ہوں گے۔ ہاتھ کاٹے جائیں مگر محمد مصطفی ؐ کا دامن نہیں چھوڑیں گے۔ یہ ہے وہ حبل اللہ کو پکڑ لینا جس کے

نتیجے میں یہ اجتماعیت کا فیض جو آج بھی آپ دیکھ رہے ہیں، پہلے بھی دیکھتے رہے ہیں، کل بھی اور پرسوں بھی اور میں امید رکھتا ہوں کہ صدیوں تک دیکھتے چلے جائیں گے۔ یہ فیض آپ کے ساتھ دائمی برکت کے طور پر رہے گا۔ یہ قدرت ثانیہ بن کر آپ کا ساتھ دے گا اور آپ کو نہیں چھوڑے گا مگر ایک بنیادی شرط یہ ہے کہ آپ حبل اللہ کو نہ چھوڑ نا۔ حبل اللہ سے چمٹے رہیں اور ہر قربانی پیش کر دیں مگر حبل اللہ سے الگ ہونے کا تصور بھی نہ کریں۔

آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو حبل اللہ کے ساتھ چمٹے رہنے کی جہاں نصیحت فرمائی وہاں اس کا ایک ایسا حل پیش کیا جو بظاہر چھوٹی چھوٹی معمولی سی نصیحتوں پر مشتمل دکھائی دیتا ہے۔ مگر وہی حل ہے جس میں حبل اللہ کے ساتھ چمٹے رہنے کی روح موجود ہے۔ اس کے بغیر آپ اس نعمت کی حفاظت نہیں کر سکتے۔ اور وہ حل حضور اکرم ﷺ نے یہ پیش فرمایا کہ اخلاق حسنہ پر قائم ہو جاؤ۔ اب بظاہر حبل اللہ کو مضبوطی سے تھامنے کا اخلاق حسنہ سے کوئی ایسا تعلق تو دکھائی نہیں دیتا کہ گویا ایک ہی چیز کے دو نام ہوں۔ مگر حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے پاک نمونے اور آپ ؐ کی پاک نصائح پر جب آپ غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اخلاق حسنہ یعنی وہ اخلاقِ محمدی ﷺ جن کی بنیادیں عشق الٰہی میں گڑی ہوئی ہیں ان کے اخلاق کے بغیر کوئی دنیا کی جماعت ایک ہاتھ پر اکٹھی نہیں رہ سکتی، ان اخلاق حسنہ کے بغیر کوئی دل آپس میں ملے نہیں رہ سکتے۔ ان اخلاق حسنہ کے بغیر کوئی ملت، واحدہ نہیں کہلا سکتی کیونکہ اخلاق حسنہ سے دوری ہی دراصل دلوں کو پھاڑنے کا دوسرا نام ہے اور یہ بنیادی روح ہے جس کو حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے ہمیشہ پیشِ نظر رکھا اور اسی طریق کے مطابق جماعتِ صحابہؓ کی تربیت فرمائی۔ پس وہی مضمون ہے جو میں گزشتہ چند خطبات سے آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں اور اس مضمون کو آج کی دنیا میں غیر معمولی اہمیت ہے جب تک جماعت احمدیہ اخلاق حسنہ کے ذریعے خود باہم محبت کے رشتوں میں مضبوطی کے ساتھ باندھی نہیں جاتی تمام دنیا کو ایک ہاتھ پر جمع کرنے کا خیال ہی محض ایک خواب ہے، ایک دیوانے کی بات ہے اس سے زیادہ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ پس ان باتوں کو غور سے سنیں اور سمجھیں اور مضبوطی سے ان باتوں کو پکڑ لیں کیونکہ یہ حبل اللہ تک پہنچانے والی باتیں ہیں۔ یہی وہ باتیں ہیں جن کو مضبوطی سے دل میں بٹھا کر آپ حبل اللہ کا فیض پائیں گے اور آپ کے دل اکٹھے ہوں گے اور باہم مضبوط رشتوں میں باندھے جائیں گے۔

حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ چھوٹی چھوٹی ، پیاری پیاری باتوں میں نصیحت فرماتے ہیں اور ہر نصیحت کے پیچھے ایک عرفان کا خزانہ ہے۔اس پر آپ غور کریں اور روزمرہ کی زندگی میں اس کا آپ اطلاق کر کے دیکھیں تو پتا چلے گا کہ قوموں کی اجتماعیت کو قائم رکھنے کے لئے یہ بظاہر چھوٹی دکھائی دینے والی نصیحتیں کتنی عظمت رکھتی ہیں۔

کوئی زندگی کا ایسا گوشہ نہیں جس پر آنحضرت ﷺ نے نصیحت نہ فرمائی ہو۔ نہ گھر کے حالات ایسے ہیں جن پر آپ کی نظر نہ گئی ہو، نہ بازار کے حالات ہے جن پر آپ کی نظر نہ گئی ہو، نہ امن کے حالات ہیں، نہ جنگ کے حالات ہیں۔ نہ دن کے نہ رات کے،کوئی لمحہ وقت کا ایسا نہیں، کوئی انسانی مصروفیت ایسی نہیں،جس کے ساتھ حضرت محمد مصطفی ﷺ کی نصیحتوں کا تعلق نہ ہو گویا کہ ایسا نور ہے جو انسانی ضروریات کے ہر گوشے پر پڑ رہا ہے، ہر حصے کو منور کر رہا ہے۔پس اس پہلو سے ان تمام نصیحتوں پر نظر رکھنا آپ کی اخلاقی قدروں کو قائم کرنے کے لئے اور اعلیٰ سطح پر بلند رکھنے کے لئے انتہائی ضروری ہے۔

ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا۔تم رستوں میں بیٹھنے سے بچو۔صحابہؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ ہم وہاں بیٹھنے پر مجبور ہیں اس کے بغیر چارہ نہیں ہے۔مراد یہ تھی کہ امراء تو ایسے ہوتے ہوں گے جن کے پاس احاطے ہیں۔بعض زمیندار ہیں جن کے پاس ڈیرے ہوتے ہیں،تو غریب بے چارے کہاں جائیں۔ان کے لئے تو یہی ممکن ہے کہ بازار میں نکلیں سڑکوں پر کسی جگہ بیٹھ رہیں اور وہیں مجلس لگالیں تو انہوں نے ایک جائز عذر پیش کیا کہ یارسول اللہ ﷺ پھر ہم کیا کریں، کہاں جائیں۔ ہمارے تو گھر بھی چھوٹے چھوٹے۔ان میں بھی لوگوں کو نہیں بلا سکتے تو مجلسیں کہاں کریں۔حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جب تم وہاں بیٹھنے پر مجبور اور مصر ہو یعنی مجبوری کو قبول فرمالیا اور فرمایا تم اصرار بھی کر رہے ہو تو پھر راستے کو اس کا حق دیا کرو۔مفت میں نہ بیٹھو اس کی قیمت ادا کرو۔انہوں نے عرض کیا کہ راستے کا حق کیا ہے یارسول اللہ ﷺ ۔تو آپؐ نے فرمایا نظریں نیچی رکھنا، دکھ دینے سے بچنا،سلام کا جواب دینا، نیک بات کی تلقین کرنا اور بری بات سے روکنا۔(بخاری کتاب الاستیذان حدیث نمبر:5760)۔

اب اگر ایسے لوگ بازاروں میں بیٹھے ہوں اور رستے میں بیٹھے ہوں تو ان رستوں کے لئے تو

زینت بن جائیں گے، ان رستوں کی رونق بن جائیں گے، اس کے ذریعے راستے کشادہ ہو جائیں گے بجائے اس کے کہ یہ لوگ تنگی کا موجب بنیں اور راہ کی ٹھوکر بنیں یہ راہ کی ٹھوکروں سے بچانے والے بن جائیں گے۔ پس جہاں بھی آپ جاتے ہیں جس بازار سے بھی نکلتے ہیں وہاں آنحضرت ﷺ کی اس نصیحت کو پیش نظر رکھا کریں اس سلیقے سے جائیں کہ آپ کی ذات سے کسی کو دکھ نہ پہنچے۔ آپ کی نگاہیں ان جگہوں پر نہ پڑیں جہاں نہیں پڑنی چاہئیں۔ آپ سلام کا جواب دیں اور ایک دوسری جگہ فرمایا **افشوا السلام** (ترمذی کتاب صفۃ القیامۃ) سلام کو خوب رواج دو۔ سلام کے جواب دینے کا جو یہاں ذکر فرمایا ہے اور سلام کرنے کی نصیحت نہیں فرمائی اس میں ایک حکمت ہے کیونکہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے جو آداب ہمیں سکھائے ہیں ان کی رو سے چھوٹا جب بڑے کو دیکھتا ہے تو پہلے چھوٹا بڑے کو سلام کرے اور چلنے والا بیٹھنے والے کو سلام کرے۔ یعنی بیٹھے رہنے والے کا کام نہیں ہے کہ وہ ہر چلتے پھرتے کو سلام کرتا جائے بلکہ چلنے والا بیٹھے رہنے والے کو جو کسی جگہ بیٹھا ہو اس جگہ وہاں سے گزرتے ہوئے حق ادا کرے اور اس کو سلام کرے۔ (بخاری کتاب الاستیذان حدیث نمبر: 5764) پس آنحضور ﷺ کی ذات میں کہیں ادنیٰ سا بھی تضاد دکھائی نہیں دیتا۔ آپؐ کی نصیحتوں میں بھی کہیں آپس میں کوئی تصادم نہیں ہے۔ پس یہاں آنحضرت ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ رستے کا حق ادا کرو اور اس طرح ادا کرو کہ جب تم بیٹھے ہو تو چلتے پھرتے لوگوں کو سلام کرتے رہو۔ فرمایا سلام کا جواب دو کیونکہ یہ چلنے والوں کا کام ہے اور انہیں کو نصیحت ہے کہ وہ جب کسی مجلس کے پاس سے گزریں تو اس کو سلام کہہ کر گزریں۔ نیک بات کی تلقین کرو۔ وہاں بیٹھ کر بے ہودہ سرائی نہ کرو۔ بعض دفعہ یہ مجلسیں لگتی ہیں وہ مجلسیں ضروری نہیں کہ سڑک کے کنارے پر لگی ہوں۔ ہوٹلوں میں بھی لگتی ہیں، چائے کی دوکانوں میں بھی لگتی ہیں، حلوائیوں کی دوکانوں پر بھی لگتی ہیں۔ ان کے سامنے کھڑے ہو کر لوگ گپیں مار رہے ہوتے ہیں۔ مگر جہاں جہاں بھی یہ مجلسیں لگتی ہیں بالعموم آنحضور ﷺ کی نصیحت سے عاری نظر آتی ہیں۔ نہ وہاں نیکی کی باتوں کی تلقین ہو رہی ہے، نہ وہاں کسی کے سلام کا جواب دینے کی پروا ہوتی ہے، نہ نظروں کو ادب سکھایا جاتا ہے، نہ بری باتوں سے روکا جاتا ہے۔ پس یہ وہ اسلوب ہیں جن کو امتِ واحدہ جب اختیار کرتی ہے تو جمعیت میں مزید طاقت عطا ہوتی ہے۔ آپس کے رشتے پہلے سے بڑھ کر مضبوطی سے باندھے جاتے

ہیں۔ پس ان نصیحتوں کو ہر بازار میں اپنے ساتھ اپنی حرزِ جان بنا کر ساتھ لے جایا کریں اور ان پر عمل کیا کریں۔

ایک روایت ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو بخاری سے لی گئی ہے اور پہلی روایت بھی بخاری سے لی گئی تھی۔ ایک آدمی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا کون سا اسلام افضل اور بہتر ہے؟ آپؐ نے فرمایا کھانا کھلانا اور ہر ملنے والے کو خواہ جان پہچان ہو یا نہ ہو سلام کہنا۔ (بخاری کتاب الاستیذان، حدیث نمبر: 5767)

آنحضور ﷺ سے ایک ہی سوال جب مختلف وقتوں میں کیا جاتا تھا اور سوال کرنے والا ایک خاص کردار کا مالک ہوتا تھا تو آنحضرت ﷺ اس ایک ہی سوال کے مختلف جواب دیا کرتے تھے اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ کے کلام میں کوئی تضاد ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پوچھنے والے کو اس کے موقع اور محل کے مطابق کا جواب دیا جائے۔ ایک ایسا آدمی آیا جو اپنی ماں سے حسن سلوک نہیں کرتا تھا یا اس کا حق ادا نہیں کرتا تھا۔ اس کو فرمایا کہ ماں کی خدمت سب سے بڑا جہاد ہے اور ایک اور موقع پر جہاد کی دوسری تعریف فرمادی۔ چنانچہ حسبِ حال نصیحت فرمانا بھی سنت ہے۔ جب آپ نیک نصیحت کریں گے اور بری باتوں سے روکیں گے تو اس وقت بھی اس طرزِ محمد مصطفی ﷺ کو پیش نظر رکھیں کہ یونہی آنکھیں بند کر کے ہر اچھی بات کرتے چلے جانا، ہر بری بات سے روکنا یہ مراد نہیں ہے۔ موقع اور محل دیکھ کر ایسی نصیحت کریں جو جس کو سنائی جائے اس سے تعلق رکھتی ہو اور اسے فائدہ پہنچانے والی ہو۔ پس آنحضور ﷺ نے فرمایا کھانا کھلانا سب سے افضل کام ہے حالانکہ بہت سی دوسری احادیث میں مختلف کام ہیں جو افضل بتائے گئے ہیں اور ایک افضل کا مطلب ہے جو سب سے اچھا ہو تو دوسرا افضل اس سے مختلف کیسے ہوسکتا ہے۔ یہ وہ سوال ہے جس کا میں آپ کو جواب سمجھا رہا ہوں۔ ہر شخص کے نقطہ نگاہ سے اس کے حالات پر چسپاں ہونے والا افضل اپنے معنے بدلتا رہتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ایک ایسا شخص آپ کے پیشِ نظر ہو جو کنجوس ہو، جو مہمان نوازی میں کمزور ہو تو اس کو یہ نصیحت فرمائی کہ سب سے افضل اسلام یہ ہے کہ لوگوں کو کھانا کھلایا کرو اور پھر دوسری نصیحت یہ فرمائی کہ ہر ملنے والے کو خواہ جان پہچان نہ ہو سلام کہا کرو۔ یہ بھی میرے نزدیک اسی مزاج کے ساتھ تعلق رکھنے والی بات ہے۔ جو شخص فطرتاً خسیس ہو اور لوگوں تک اپنا فیض آگے بڑھ کر نہ پہنچائے وہ بے وجہ ہر شخص کو سلام

بھی نہیں کرتا۔ اس سے بڑا اس کے فائدے کا آدمی نظر آ جائے تو اسے جھک کر بھی سلام کرے گا۔ اس کے سوا ہر آیا گیا اس کے لئے اجنبی ہے اور بے معنی ہے۔ پس جس شخص کو آپ نصیحت فرما رہے ہیں اس کی بنیادی کمزوری کو پیش نظر رکھا ہے اور فرمایا کہ تم کھانا کھلانے میں کمزور ہو یہ کہا تو نہیں مگر مراد یہی تھی تم کھانا کھلایا کرو یہ بہت اچھا کام ہے اور اسی طرح سلام میں نہ صرف پہل کرو بلکہ ہر ایک کو سلام کیا کرو۔

آنحضور ﷺ سے روایت ہے یہ بھی بخاری سے لی گئی ہے۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی کسی دوسرے کو اس کی جگہ سے اس غرض سے نہ اٹھائے کہ تا وہ خود اس جگہ بیٹھے۔ وسعت قلبی سے کام لو اور کھل کر بیٹھو۔ چنانچہ ابن عمرؓ کا طریق یہی تھا کہ جب کوئی آدمی آپؓ کو جگہ دینے کے لئے اپنی جگہ سے اٹھتا تو آپؓ اس کی جگہ پر نہ بیٹھتے۔ (بخاری کتاب الاستیذان: 5799)

اس حدیث کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ حدیث کہلاتا ہے دوسرا حصہ اثر ہے۔ پہلے حصے میں آنحضرت ﷺ کی نصیحت ہے دوسرے میں صحابی نے جو نصیحت سنی اس سے اپنے لئے جو اس نے کردار چن لیا اور جو طریق اختیار کر لیا اس کا ذکر ہے۔ پہلا واجب التعمیل ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ من وعن اس پر عمل کریں۔ دوسرا واجب التعمیل نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے اس صحابی نے غلط سمجھا ہو اور اس کے بعد جو میں حدیث آپ کے سامنے رکھوں گا اس سے پتا چلتا ہے کہ اس صحابی نے اس حدیث کا مفہوم صحیح نہیں سمجھا۔ یعنی احتیاط میں کچھ ضرورت سے زیادہ ہی آگے بڑھ گئے۔ لیکن آنحضرت ﷺ جنہوں نے نصیحت فرمائی آپؐ اس نصیحت کا مضمون سب سے بہتر سمجھتے ہیں اسی لئے میں نے اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے اس کے ساتھ ایک دوسری حدیث بھی رکھ دی ہے۔

پہلی حدیث کا بھی جو پہلا حصہ ہے یعنی جس کو میں حدیث کہتا ہوں مراد یہ ہے کہ جب آپ کسی جگہ جاتے ہیں تو کسی کو یہ نہ کہیں کہ تم اٹھ جاؤ خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو۔ مرتبے میں چھوٹا ہو یا بڑا ہو یا عمر میں چھوٹا ہو یا بڑا ہو کسی کو یہ کہہ کر جگہ خالی کروانا کہ میں آیا ہوں تھوڑی سی جگہ خالی کر دو۔ یہ بدخلقی ہے اور آنحضرت ﷺ اخلاق کے جس بلند ترین مقام پر فائز تھے آپؐ اسی مقام کی

باتیں امت کو سکھا رہے ہیں۔ فرماتے ہیں مجھ سے اخلاق سیکھو، مجھ سے تعلق باندھا ہے، میں حبل اللہ ہوں۔ تم نے اللہ سے تعلق باندھنا ہے تو میرے وسیلے سے باندھو گے اور یہ انداز ہیں وہ تعلق باندھنے کے کہ جیسے میں کرتا ہوں ویسا ہی تم کرو۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے کبھی کسی جگہ جانے پر کسی کو اشارۃً یا کنایۃً یا لفظاً اپنے مقام سے نہیں اٹھایا۔

یہاں یہ بات سمجھانی بھی ضروری ہے بعض دفعہ لوگ منہ سے نہیں کہتے مگر انداز بتا رہا ہوتا ہے کہ جگہ خالی کرو۔ وہ دیکھتے اس طرح ہیں کہ اور تمہیں کیا چاہئے میں آ گیا ہوں۔ اٹھو اور اپنی جگہیں پیش کردو۔ چاہے یہ زبان سے کہا جائے یا عمل سے کیا جائے یہ دونوں چیزیں اس بلند اخلاق سے گری ہوئی ہیں جس پر حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ فائز تھے مگر اس کا یہ مطلب نکالنا کہ اگر کوئی اپنی جگہ خالی کرے تو وہاں نہ بیٹھو یہ درست نہیں ہے اور یہ حصہ اثر ہے یعنی صحابی کی بات ہے، آنحضرت ﷺ کا طریق نہیں تھا، ابن عمرؓ کا طریق لکھا ہوا ہے کہ جب کوئی آپ کو جگہ دینے کے لئے اٹھتا تو آپ کہتے تھے نہیں میں نہیں بیٹھوں گا وہاں۔ آنحضرت ﷺ کا طریق کیا تھا۔ حضرت واثلہؓ بن خطاب سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص حاضر ہوا۔ حضور ﷺ اسے جگہ دینے کے لئے اپنی جگہ سے ہٹ گئے۔ کیسے بلند اخلاق ہیں جہاں آنے والوں کو نصیحت فرمائی ہے کہ تم نے اٹھانا نہیں ہے۔ وہاں یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر بیٹھا رہنے والا تن کر بیٹھا رہے کہ آنے والے کو نصیحت ہے کہ نہیں اٹھانا تو ہم کیوں اٹھیں اپنی جگہ سے۔ محمد رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کون معزز ہوسکتا تھا، ہوسکتا ہے یا ہو سکے گا۔ ایک ہی ہیں جو کائنات میں سب سے معزز تھے اور ہمیشہ معزز رہیں گے۔ آپ کا دستور یہ تھا کہ مسجد میں تشریف فرما ہیں۔ آنے والا آیا ہے تو اپنی جگہ سے کچھ سرک گئے تا کہ اس کے لئے جگہ بن جائے۔ وہ شخص کہنے لگا حضور! جگہ بہت ہے آپ کیوں تکلیف فرماتے ہیں۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا ایک مسلمان کا حق ہے کہ اس کے لئے اس کا بھائی سمٹ کر بیٹھے اور اسے جگہ دے۔

(بیہقی فی شعب الایمان۔ مشکوۃ باب القیام)

پس آنے والے کو اور نصیحت ہے، بیٹھنے والے کو اور نصیحت ہے اور دونوں طرف Cushoning ہے۔ اگر کسی ایک سے بھی اخلاقی غلطی ہو تب بھی ٹھوکر نہیں لگے گی۔ دونوں

طرف ایسی دبیز چیزیں ہیں جو Shock proof ہیں۔صدمہ کو ختم کرنے والے اخلاق ہیں۔ پس اگر ایک سے ٹھوکر لگنے کا خطرہ بھی ہو تو دوسرا اپنے اوپر اس کو اس نرمی سے لے لیتا ہے کہ اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔پس وہ جو دستور تھا ابن عمرؓ کا، وہ ان کا اپنا ایک انداز تھا۔رسول اللہ ﷺ کی نصیحت سنی کہ دل میں اس زور سے گڑ گئی ہے کہ آپ وہم بھی نہیں کر سکتے تھے کہ اشارۃً یا کنایۃً بھی میں اس مضمون کے کسی پہلو پر عمل پیرا نہ ہوسکوں۔پس اس بات کو مبالغہ کی حد تک قبول کیا اور جب کوئی آپ کے لئے جگہ خالی کرتا تھا آپ وہاں بیٹھنے سے انکار کر دیتے تھے۔یہی واقعہ محمد رسول اللہ ﷺ سے بھی ہوا آنے والے نے آپؐ کے ادب میں انکار کیا حضور نے فرمایا نہیں ہر مسلمان کو چاہئے کہ آنے والے کے لئے کچھ جگہ بنائے کچھ سمٹے۔یہاں ملاقاتیں جب ہوتی ہیں تو بعض دفعہ میں نے دیکھا ہے کرسیاں کم ہوتی ہیں آنے والے زیادہ ہوتے ہیں اور بعض دفعہ بچے بھی کرسیوں پر ڈٹے بیٹھے رہتے ہیں۔ان کے بڑے کھڑے ہیں اور ان کو پرواہ نہیں ہوتی اور اس عمر میں اگر یہ نصیحت ان کو دل نشین نہ کرائی گئی تو بڑے ہو کر وہ بد اخلاق لوگ بنیں گے۔یہ درست ہے کہ ماں باپ خود بچوں کو یہ کہہ کر اٹھو اٹھو میرے لئے جگہ خالی کرو۔ان کی عزت نفس کو کچلنا نہیں چاہئے مگر جب دوسرے آتے ہیں تو اس وقت نصیحت کر کے ان کو سمجھانا چاہئے کہ اپنے لئے جگہ نہ مانگیں، دوسروں کو جگہ دینے کے لئے آمادہ تو کریں یہاں تک کہ یہ ان کی فطرت ثانیہ بن جائے اور ہمارے سب بچوں کو یہ بنیادی محمد رسول اللہ ﷺ کا خلق ایسا یاد ہو جائے کہ ان کی رگ و پے میں سرایت کر جائے، ان کی فطرت ثانیہ بن جائے۔ہر شخص آنے والا بھی محمد رسول اللہ ﷺ کے خلق کا مظاہرہ کر رہا ہو اور بیٹھنے والا بھی محمد رسول اللہ ﷺ کے خلق کا مظاہرہ کر رہا ہو۔امرِ واقعہ یہ ہے کہ حدیث پر عمل کرتے ہوئے اور آپؐ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے آپ کے ذہن میں جو نقشہ ابھرنا چاہئے وہ یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ گو جسمانی طور پر ہم سے جدا ہو چکے ہیں مگر آپؐ کی سیرت ہم سے کبھی جدا نہ ہو اور اس کائنات کے ہر جزو کو آپؐ کی سیرت بھر دے، ہر اندھیرے کو آپؐ کی سیرت کا نور روشنی میں تبدیل کر دے اور یہی ایک ذریعہ ہے جس سے زمانہ کی تاریکیاں اجالوں میں تبدیل کی جائیں گی۔اس کے بغیر اور کوئی رستہ نہیں ہے۔اس لئے چھوٹی چھوٹی نصیحتوں کو معمولی نہ سمجھیں۔انہی سے آپ نے کائنات میں رنگ بھرنے ہیں، خوشبوئیں عطا

کرنی ہیں۔ محمد مصطفی ﷺ کا حسن ہے جس نے درحقیقت اس کائنات کے بدصورت چہروں کو لازوال حسن میں تبدیل کر دینا ہے۔

آنحضور ﷺ سے حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا میری سنت میں یہ بات بھی شامل ہے کہ میزبان اعزاز وتکریم کے ارادے سے مہمان کے ساتھ گھر کے دروازے تک الوداع کہنے آئے۔ (سنن ابن ماجہ ابواب الاطعمہ باب الضیافتہ)۔

اب آنحضرت ﷺ کا ایک غلام اس نیت سے اس عادت کو اپنا تا ہے تو اس کو پتا بھی نہیں کہ اس چھوٹی سی بات کا بعض دفعہ دوسروں پر کتنا گہرا اثر پڑتا ہے۔ مختلف مہمان تشریف لاتے ہیں (یعنی باہر سے ملنے کے لئے مختلف ملکوں سے) تو جہاں تک توفیق ہے میں آنحضرت ﷺ کی اس نصیحت پر عمل کرتا ہوں اگر بعض دوسرے مہمانوں کی مجبوریوں سے، کیونکہ ان کے آپس میں بھی حق ہوتے ہیں، میں باہر تک نہ جاسکوں تو کم سے کم دفتر کے دروازے تک آ کر ان کو رخصت کرتا ہوں اور مجھے یاد ہے ایک پاکستان کے بہت معزز خاندان کے دوست تشریف لائے ان کا نام ظاہر کرنا مناسب نہیں تو کوئی تکلّف نہیں تھا، کوئی یہ خیال نہیں تھا کہ خاص طور پر ان کو مرعوب کروں گا۔ جیسے عادت تھی ان کو باہر تک کار کے دروازے تک چھوڑنے گیا۔ تو وہاں سے پتا چلا ایک احمدی نے لکھا کہ وہ جگہ جگہ ہر مجلس میں یہی تذکرے کر رہے ہیں کہ حیرت انگیز اخلاق ہیں اور میں اپنی جگہ شرمندہ بھی ہوا اور میں نے سوچا کہ اتنی معمولی سی بات، جو میرا خلق ہے ہی نہیں، یہ تو میرے آقا ومولیٰ محمد رسول اللہ ؐ کا خلق تھا میں نے تو عاریتاً مانگا ہوا تھا اور میری نیکی کا اس میں کوئی بھی دخل نہیں۔ یہ وہ خلق ہے جو ایک خلق ایک موقع پر، ایک چھوٹے سے اظہار میں دلوں کو جیت لینے والا ثابت ہوا ہے۔ روزمرہ کی زندگی میں آپ اس خلق کو اپنائیں تو دیکھیں کتنے دل جیتے جائیں گے لیکن خلق ایک نہیں بلکہ ہزارہا خلق ہیں۔ زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے خلق ہیں جو محمد مصطفی ﷺ کے فیض عام نے ہم تک پہنچائے اور ایک سمندر فیوض کا جاری فرمادیا ہے۔ ان اخلاق کو اپنی زندگیوں میں اپنالیں پھر دیکھیں آپ کے اندر کتنی عظیم انقلابی طاقتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے آپؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جب

تم تین ہوتو تم میں سے دوا لگ سرگوشی نہ کریں جب تک کہ دوسرے لوگوں کے ساتھ نہ مل جاؤ کیونکہ اس طرح تیسرے آدمی کو رنج ہوسکتا ہے۔(مسلم کتاب السلام باب تحریم مناجاۃ)۔مراد یہ ہے کہ پتا نہیں وہ کیا بات کر گئے ہیں۔اب یہ جو خلق ہے اس کا خاص طور پر ایسے ملکوں سے گہرا تعلق ہو جاتا ہے جہاں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں۔مختلف قومیں آباد ہیں، اپنی اپنی زبانیں لے کر آ گئیں۔اب یہ تو ہر ایک کے لئے ممکن نہیں کہ ہر ایک دوسری زبان کو سیکھے اور اپنی بات کے ایسی زبانوں میں ترجمے کرتا چلا جائے کہ مجلس میں بیٹھا ہوا ہر شخص اس کو سمجھ سکے۔ یہ مراد نہیں ہے اول مراد یہ ہے کہ اگر ایسی مجلس میں ہو جہاں ایک ہی زبان بولی اور سمجھی جاتی ہے تو کانوں میں سرگوشی نہ کرو اور دوسروں کی موجودگی میں ان سے الگ چھپ کر گویا راز کی بات نہ کرو۔ دوسری بات اس میں یہ ہے کہ اگر ایسی زبان بولنے والے ہیں جو تم بول سکتے ہو اگر چہ تمہاری زبان نہیں اور ایسا شخص بھی موجود ہو جو تمہاری زبان جانتا ہے تو جب آپ ایسے شخص سے اپنی زبان میں بات کریں گے تو عملاً یہ سرگوشی کے قائم مقام ہو جائے گی اور وہ شخص جو آپ کی زبان نہیں سمجھتا تیسرا ہے اس کے لئے تکلیف کا موجب بنے گی۔اسی لئے اکثر اوقات میں احمدیوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ جس ملک میں ہو اس کی زبان کو اتنی اہمیت دو کہ اگر تم سو بیٹھے ہو اور ایک بھی اس زبان کا بولنے والا ہو جو تمہاری زبان نہیں سمجھتا، تو اس حدیث کی نصیحت کا وہاں بھی اطلاق ہو گا۔آپس میں جب تم باتیں کرو گے وہ ایک شخص یہ سمجھے گا کہ مجھے اکیلا چھوڑ دیا گیا ہے گویا میں اس مجلس کا حصہ نہیں ہوں اور اس کا اس کے اوپر بہت اثر پڑ سکتا ہے یہاں تک کہ بعض لوگ اسی وجہ سے پھر مذہب سے بدظن ہو کر دور ہٹ جاتے ہیں۔ چنانچہ انگلستان ہی میں مجھے پتا چلا کہ دو خواتین تھیں جو کسی زمانے میں بہت ہی مخلص احمدی تھیں اور اس کے بعد ان کا رابطہ کٹ گیا۔جب میں انگلستان آیا تو مجھے کسی نے بتایا کو وہ دو خواتین تھیں وہ ابھی تک زندہ ہیں اور ان کا رابطہ اس وجہ سے کٹا کہ وہ مجلسوں میں آتی تھیں تو پاکستانی خواتین آپس میں اردو میں یا پنجابی میں باتیں کرتی رہتی تھیں اور وہ جن کا ملک ہے وہ اپنے ہی ملک میں اجنبی بنی بیٹھی رہتی تھیں۔ یہاں تک کہ وہ جماعت سے بدظن ہو گئیں اور باوجود اس کے کہ پہلے ابتداء میں وہ بڑی قربانی کرنے والی تھیں، چندے بھی بہت دیا کرتی تھیں وہ قطع تعلق کر کے ایک طرف بیٹھ رہیں۔ جب مجھے پتا چلا تو ان کی طرف میں نے معذرت کا پیغام بھجوایا۔ان کی دل جوئی کی باتیں کیں اور ان سے کہا کہ مذہب تو اپنی جگہ ہے کسی کی بداخلاقی

کی وجہ سے آپ کیوں خودکشی کرتی ہیں، اپنا نقصان کیوں اٹھاتی ہیں۔ اس نے بڑا غلط کام کیا ہے لیکن یہ مطلب تو نہیں کہ آپ اپنا تعلق محمد رسول اللہؐ اور اسلام سے کاٹ لیں۔ چنانچہ اللہ کے فضل کے ساتھ اس نصیحت نے اثر دکھایا اور ایک خاتون کا پتا چلا ان کو میں نے بہت لجاجت کے ساتھ بلایا کہ ہمارے گھر تشریف لائیں، ہمارے ساتھ کھانا کھائیں اور لجنہ کو پیغام دیا کہ یہ جب ملا کریں تو ان سے عزت کے ساتھ پیش آیا کریں۔ دو تین چھوٹی چھوٹی باتوں سے ان کی کایا پلٹ گئی، چندوں میں غیر معمولی طور پر نمایاں ہوگئیں۔ حالانکہ خطرہ یہ تھا، اطلاع یہ تھی کہ ایک موقع پر وہ یہ سوچ رہی تھیں کہ دوبارہ عیسائیت میں مدغم ہو جائیں اور اسلام کو ترک ہی کر دیں کیونکہ وہ سمجھتی تھیں کہ اگر کسی مذہب میں عام روزمرہ کے اخلاق بھی درست نہیں ہیں تو پھر اس نے ہماری راہنمائی کیا کرنی ہے؟ تو آنحضرت ﷺ کی یہ چھوٹی چھوٹی نصیحتیں ہمارے عمل کرنے کے لحاظ سے چھوٹی ہیں، اپنے مرتبے اور مقام اور رفعتوں کے لحاظ سے چھوٹی نہیں۔ ان کی مثال ان دوکلموں کی سی ہے جن کے متعلق آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔

كَلِمَتَانِ خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ.

(بخاری کتاب الایمان حدیث نمبر:6188) کہ دو کلمے ہیں بالکل چھوٹے چھوٹے زبان پر ہلکے ہیں لیکن وزن میں بہت بھاری ہیں اور اللہ کو بہت ہی پیارے ہیں۔ تو چھوٹی نصیحت ان معنوں میں کہ اس نصیحت پر عمل کرنا یا ان نصیحتوں پر عمل کرنا اتنا آسان ہے کہ آدمی جب عمل کرتا ہے تو حیرت سے دیکھتا ہے کہ یہ نیکی کیسے ہوگئی یہ تو معمولی سی بات ہے۔ لیکن وزن میں یہ باتیں اتنی گہری، اتنی وزنی اور اتنی ٹھوس ہیں کہ قوموں کی تقدیریں بدلنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔

پس اپنے آپ کو ایک بااخلاق جماعت بنائیں اور بااخلاق جماعت بننے کے لئے بااخلاق گھر بنانے ضروری ہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ بازاروں میں تو آپ خلیق ہوں اور گھروں میں بدتمیز اور بداخلاق ہوں اس سے قومیں نہیں بن سکتیں یہ ایک دھوکے کی زندگی ہے۔ بعض لوگ مجھے لکھتے ہیں مثلاً بعض عورتوں نے مجھے لکھا کہ ہمارے خاوند بڑے ہر دلعزیز ہیں۔ باہر بہت اچھی باتیں کرتے ہیں۔ لوگ ان کے بڑے قائل اور ان کے گرویدہ اور گھر آکر ایسے بداخلاق ہو جاتے ہیں کہ مجھ سے اور بچوں سے تلخی کے سوا کوئی بات ہی نہیں نکلتی۔ یہ خلق محمدیؐ نہیں ہے یہ تو خلق منافقت ہے خلق محمدیؐ تو

وہ ہے جو اندھیروں میں بھی اسی طرح روشن ہو جیسے روشنی میں روشن تر ہو جاتا ہے اور جگہ کے فرق سے اس کے اندر کوئی فرق نہیں پڑتا سوائے اس کے کہ وقت کے تقاضوں سے بعض دفعہ پہلے سے بڑھ کر وہ جوش دکھاتا ہے۔ پس وہی خلیق ہے جو اپنے گھر میں خلیق ہو تبھی آنحضرت ﷺ نے اخلاق کا سفر گھر سے شروع کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔

آنحضور ﷺ فرماتے ہیں **خیر کم خیر کم لاھلہ** تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے بہترین ہو۔ **وانا خیر کم لاھلی** (ترمذی کتاب المناقب) اور میں تم سب سے زیادہ اپنے گھر والوں کے لئے بہترین ہوں۔ آنحضرت ﷺ کے خیر کا سفر گھر سے شروع ہوتا ہے لیکن گھر پر ختم نہیں ہو جاتا گھر سے شروع ہوتا ہے اور بازاروں میں پھرتا ہے، دوسروں کے گھروں تک فیض پہنچاتا ہے، تمام عالم آپ سے فیض یاب ہو جاتا ہے۔

پس اپنے گھروں میں اپنے اخلاق درست کریں تو پھر آپ حقیقت میں سچے طور پر خلیق کہلا سکتے ہیں۔ با اخلاق انسان کہلا سکتے ہیں اور اس کے بغیر آپ دنیا میں تبدیلی نہیں کر سکتے۔ میں نے پہلے بھی اس طرف توجہ دلائی تھی کہ گھر میں بداخلاقی کے بہت سے ایسے بدنتائج نکلتے ہیں جو نسلوں کو تباہ کر سکتے ہیں۔ باہر کی بداخلاقی وقتی طور پر آپ کو نقصان پہنچا سکتی ہے، آپ کے دین کو نقصان پہنچا سکتی ہے لیکن بات آئی گئی ہوگئی۔ لیکن جو بداخلاقی آپ گھر میں کرتے ہیں وہاں اپنی نسلوں کو بداخلاق بنا رہے ہوتے ہیں۔ ایسی نسلیں پیچھے چھوڑ کر جا رہے ہوتے ہیں جو سارے ماحول میں بدخلقیوں کے زہر گھلا دیتی ہیں اور پھر نسلاً بعد نسل آپ کی بداخلاقیوں کو آگے بڑھاتی چلی جاتی ہیں کیونکہ بدخلق ماں باپ کے بچے بسا اوقات، الا ماشاء اللہ، سب کے سب بدخلق نکلتے ہیں اور جو شخص اپنے گھر میں اپنے باپ کو گندی زبان استعمال کرتے دیکھتا ہے وہ خود بھی ویسی ہی گندی زبان پھر دوسروں کے لئے استعمال کرتا ہے اور بعض دفعہ وہ اپنے باپ کے لئے بھی وہ زبان استعمال کرتا ہے مگر دل میں کرتا ہے۔ بہت سے ایسے نفسیاتی مریض میرے پاس آئے ہیں مثلاً ابھی کچھ عرصہ پہلے انگلستان میں ایک غیر مسلم خاتون تھیں بہت شدید نفسیاتی مرض میں مبتلا تھیں میرے پاس تشریف لائیں کہ میں تو سب ڈاکٹروں کے پاس پھر چکی ہوں میرا کوئی علاج نہیں اور میرا دل چاہتا ہے کہ خودکشی کر کے اپنے آپ کو ختم کرلوں۔ میں نے کہا کیا بیماری ہے آپ کو۔ کہنے لگیں کہ بڑے بُرے خیالات دل سے اٹھتے

ہیں۔ان کی طرز سے میں سمجھا کہ برے خیال سے کوئی اور مراد ہے۔ میں نے کہا خدا تعالیٰ کے متعلق آپ دل میں بدزبانی کرتی ہیں انہوں نے کہا ہاں یہی بات ہے آپ نے بالکل صحیح بات پکڑی ہے۔ میں نے کہا کیا اس سے پہلے آپ اپنے ماں باپ یا خاوند کے خلاف ایسے ہی جذبات رکھتی تھیں اور ان کو دبا لیا کرتی تھیں۔ان کا چہرہ کھل گیا جیسے میں ان کے دل کے راز پڑھ کر جس طرح کتاب سنائی جاتی ہے وہ سنا رہا ہوں۔انہوں نے کہا یہی تو بات ہے جو کسی کو پتا نہیں چلتی بالکل اسی طرح واقعہ ہوا ہے۔میں نے کہا اس پر آپ نے اس کو دبایا اور آپ خوف زدہ ہوئیں اور آپ نے کہا دیکھو میرے باپ کا مقام کیا ہے اور میں اس کے متعلق کیا لفظ سوچ رہی ہوں اور ڈر گئیں اور پھر ایک خوف دوسرے خوف میں تبدیل ہونے لگا۔ پھر آپ کو اسی سوچ میں خیال آیا کہ اگر میں اللہ کے متعلق ایسا کلمہ کہہ دوں تو پھر کیا ہوگا۔تو یہ آپ کا خوف ہے جو آپ کو ڈرا رہا ہے۔وہ بدی خدا کے متعلق آپ کے دل سے نہیں پھوٹ رہی۔اس لئے آپ اس بات کو بھول جائیں کہ آپ گنہگار ہیں۔اصل میں اس گناہ کی جو کنہ ہے، آغاز ہے وہ نیکی سے شروع ہو رہا ہے اور خوف زدہ ہو کر آپ کو پتا نہیں کہ آپ کیا حرکت کر رہی ہیں اور کس دباؤ کے نیچے ہیں۔ان کو میں نے پیار سے سمجھایا اور میں نے کہا کہ آپ مسلمان تو نہیں لیکن آنحضرت ﷺ کی ایک نصیحت ہے جو شاید آپ کے دل کو تسلی دے سکے۔آپؐ نے فرمایا میری امت کے ان خیالات کے گناہ اٹھا دیئے گئے ہیں جو مجبوراً ان کے دل میں پیدا ہوتے ہیں مگر ان پر عمل کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا، بے اختیاری کی باتیں ہیں۔ میں نے کہا دیکھو ہمارے آقا و مولا محمد مصطفیٰ ﷺ نے چودہ سو سال پہلے ایسے تمام نفسیاتی مریضوں کا علاج بھی بیان فرما دیا۔ اس کا حل پیش کر دیا۔میری یہ باتیں سن کر ان کو اتنا اطمینان نصیب ہوا کہ انہوں نے کہا کہ آج تک نہ کبھی کسی ڈاکٹر سے یہ بات مجھے ملی نہ کسی بزرگ سے یہ بات سمجھ آئی۔آج پہلی دفعہ میرے دل کو ٹھنڈ پڑی ہے ورنہ میرا دل چاہتا تھا کہ میں خودکشی کر کے مرجاؤں اور بعینہٖ یہی بات تھی۔

پس حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی نصائح زندگی کے ہر حصے پر چھائی ہوئی ہیں۔ہر نفسیاتی بیماری سے تعلق رکھتی ہیں اور جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے ان باتوں میں بھی جو دلوں میں پوشیدہ ہیں محمد رسول اللہ ﷺ پہلے ہی جواب دے رہے ہیں گویا تمام دنیا میں لوگوں کے دلوں پر نظر ہے حالانکہ عالم الغیب نہیں مگر عالم الغیب سے ایسا گہرا تعلق ہے کہ اس سے ایک روشنی پائی ہے اور وہ روشنی تمام

انسانوں کے دلوں تک سرایت کر جاتی ہے۔ پس حضور اکرم ﷺ کی نصیحتوں کو بڑی مضبوطی سے تھام لیں۔ یہی حبل اللہ ہے حقیقت میں۔ اسے پکڑ لیں تو پھر کبھی منتشر نہیں ہوں گے۔ فرماتے ہیں دیکھو جب تیسرا آدمی بیٹھا ہو تو ایسی زبان میں بات نہ کیا کرو جس سے اس کے لئے ٹھوکر کا سامان ہو وہ سمجھے کہ مجھے الگ کر دیا گیا ہے اور دل میں رنجش محسوس کرے۔

آنحضور ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا یہ حضرت ابو ذرؓ کی روایت ہے، مسلم کتاب البر سے لی گئی ہے معمولی نیکی کو بھی حقیر نہ سمجھو۔ نیکی نیکی ہی ہوتی ہے چاہے تھوڑی ہی ہو۔ امرِ واقعہ یہ ہے کہ کہتے ہیں۔ چوری چوری ہی ہوتی ہے۔ پنجابی میں کہتے ہیں ’’لکھ دی وہ چوری تے ککھ دی وی چوری‘‘ لاکھ چراؤ تب بھی چوری ’’ککھ‘‘ چراؤ تب بھی چوری۔ چوری چوری ہی ہے۔ نیکی کا بھی یہی حال ہے نیکی کا ایک ازلی پیوند خدا تعالیٰ کی ذات سے ہے۔ جس نیکی سے بھی آپ پیوند لگائیں گے آپ کا تعلق خدا تعالیٰ سے قائم کرنے والی ہوگی۔ اسی لئے آنحضور ﷺ فرماتے ہیں اخلاقی تعلیمات کو معمولی نہ سمجھو۔ یہ نیکیاں ہیں۔ ان کو اہمیت دو۔ یہاں تک فرمایا اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے پیش آنا بھی تو ایک نیکی ہے اور کچھ نہیں ہوتا تو ہنس کر بات کر لیا کرو۔ (مسلم کتاب البر والصلۃ، باب استحباب طلاقۃ الوجہ عند اللقاء)

آج کل کے زمانے میں بعض لوگ بڑے فخر سے نئی تہذیب کا یہ محاورہ پیش کرتے ہیں کہ مسکرا کے ملو تمہیں اس کی کوئی قیمت نہیں دینی پڑتی۔ آج سے چودہ سو سال پہلے حضرت محمد مصطفی ﷺ ہمیں یہ نصیحت فرما چکے ہیں کہ خندہ پیشانی سے ہی پیش آجاؤ یہ مراد نہیں کہ یہی کافی ہے۔ موجودہ نصیحت کہ مسکرا کر ملو تمہیں اس کی کوئی قیمت نہیں دینی پڑتی۔ ایک سرسری اور محض ایک مصنوعی سی نصیحت ہے۔ اس میں گہرائی نہیں ہے۔ اس بات کو تسلیم کر لیا گیا ہے کہ جہاں پیسے دینے پڑیں وہاں بے شک نیکی نہ کرو کیونکہ دلیل یہ قائم کی گئی ہے کہ دوسرے سے مسکرا کر پیش آؤ کیونکہ تمہیں مسکراہٹ کی قیمت نہیں دینی پڑتی۔ بصورت دیگر اگر قیمت دینی بھی پڑے تو پھر بے شک نہ مسکراؤ۔ اسلامی تعلیم تو بہت گہری ہے اور اس سے بہت زیادہ ہے۔ مسکراؤ بھی اور اپنے پلے سے دو بھی اور قربانیاں بھی کرو۔ یہ اسلامی تعلیم ہے مگر اگر کسی وجہ سے تم اور کچھ نہیں کر سکتے تو کم از کم اتنا تو کرو کہ خندہ پیشانی سے بھائی سے پیش آؤ۔

آنحضرت ﷺ نے ایک دوسرے موقع پر فرمایا یہ چھوٹی نیکیوں کی بات ہو رہی ہے اس ضمن میں میں حوالہ آپ کے سامنے رکھتا ہوں کہ کوئی شخص جب ہماری مسجد یا بازار سے گزرے تو اپنے نیزے کی انی کو پکڑ لے ایسا نہ ہو کہ کسی مسلمان کو لگ جائے۔(سنن ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی النبل یدخل فی المسجد)

یعنی اپنی چیزوں سے دوسروں کی حفاظت کرنا تمہارا فرض ہے اور اگر بازار میں ہتھیار لے کر جارہے ہو تو اپنا ہاتھ اس پر رکھو تا کہ اگر ٹھوکر لگے اور صدمے سے تم اتفاقاً گر جاؤ تو تم زخمی ہو، تمہارا بھائی زخمی نہ ہو۔ نیزے کے پھل پر ہاتھ رکھنے میں یہ تعلیم ہے ورنہ اتفاقاً ٹھوکر لگتی ہے اور گرتے ہیں تو نیزہ کسی کو لگ جاتا ہے تو آپ کہتے ہیں معاف کرنا میرا یہ ارادہ نہیں تھا، یہ تو میری نیت نہ تھی اس طرح ہو گیا۔ تو آنحضور ؐ کی نصیحت پر عمل ہو تو آپ یہ نہیں کہیں گے کہ معاف کرنا میری غلطی سے یہ ہو گیا ہے۔ جو غلطی سے ہوا آپ کو نقصان ہو گا۔ آپ کے بھائی کو نہیں ہو گا۔ بھائی آپ کی طرف لپکیں گے کہ او ہو آپ کو تکلیف پہنچی ہے ہم اس کا ازالہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا اور یہ حدیث بھی ابوذرؓ کی ہے اور مسلم سے لی گئی ہے کہ میں نے ایک آدمی کو دیکھا (یہ ایک کشفی نظارہ ہے جس کا بیان ہے) جو جنت میں پھر رہا تھا۔ اس نے صرف یہ نیکی کی تھی کہ ایک کانٹے دار درخت کو جس سے راہ گزرنے والے مسلمانوں کو تکلیف ہوتی تھی رستے سے کاٹ دیا تھا۔ ایک اور روایت ہے کہ ایک آدمی نے رستے میں ایک درخت کی لٹکی ہوئی ٹہنی دیکھی جس سے مسلمانوں کو گزرتے وقت تکلیف ہوتی تھی۔ اس نے کہا خدا کی قسم میں اس ٹہنی کو کاٹ کر پرے ہٹا دوں گا تا کہ مسلمانوں کو یہ تکلیف نہ دے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اس کے فعل کی قدر کی اور اس کو بخش دیا (مسلم کتاب البر والصلۃ باب فضل ازالۃ الاذی عن الطریق)

یہاں یہ بات سمجھانے کے لائق ہے کہ بعض دفعہ جو چھوٹی چھوٹی نیکیاں ہیں وہ بڑے بڑے اثرات دکھاتی ہیں۔ ایک دفعہ ایک مریض میرے پاس تشریف لائے ان کی ایک آنکھ بینائی سے جاتی رہی تھی اور خطرہ تھا کہ دوسری آنکھ بھی نکالنی پڑے گی اور وہ رستہ چلتے کسی شاخ سے آنکھ ٹکرانے کے نتیجے میں یہ بیماری شروع ہوئی تھی۔ کوئی تیز سا پتا تھا جو تیزی سے چلتے چلتے آنکھ میں لگا اور اس کو تراش گیا ہے اور جب ایک آنکھ ضائع ہو تو بعض دفعہ Sympethaticaly کہا جاتا ہے کہ گویا اس کی ہمدردی میں دوسری آنکھ بھی جواب دے جاتی ہے تو ایسا ہی کیس تھا۔ پس ہے تو

چھوٹی سی نیکی لیکن اس کے اثرات بہت بڑے ہو جاتے ہیں اور بڑے پھیل جاتے ہیں۔ ایک چھوٹے سے فعل سے آپ بنی نوع انسان کو کئی قسم کی مصیبتوں سے بچا لیتے ہیں تو آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اسے معاف فرما دیا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کے بعد وہ بدیاں کرتا رہا اور پھر بھی معاف رہا۔ اس مضمون کو ہمیشہ صحیح صورت میں سمجھنا چاہئے جب اللہ تعالیٰ کسی سے عفو کا سلوک فرماتا ہے اور اس کی بات کو پسند کر لیتا ہے تو اس کے نتیجے میں اس کو دوسری نیکیوں کی توفیق ملتی ہے اور اسے واپس نہیں بلاتا جب تک کہ اس کی نیکیوں کا پلڑا بھاری نہ ہو جائے۔ پس اس فیض کے ذریعے جو دوسروں کو پہنچا مسلسل اس کو بھی ایک فیض ملتا چلا جاتا ہے۔ اس کی اپنی وہ بدیاں دور ہونے لگتی ہیں جو خود اپنی ذات کے لئے خطرہ ہیں اور ان کی جگہ نیکیاں لے لیتی ہیں۔

ایک موقع پر ایک شخص نے سوال کیا کہ یا رسول اللہؐ میں اسلام سے پہلے بھی بعض نیکیاں کیا کرتا تھا مثلاً پرندوں کو چوگا ڈال دیا کرتا تھا جو کچھ میسر آئے تا کہ یہ بھوکے نہ رہیں اس کا بھی کوئی اجر ہوگا جو اسلام سے پہلے پہلے نیکیاں کی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا یہی تو اجر ہے۔ تمہیں نہیں پتا چل رہا کہ تم مسلمان ہو گئے ہو یہ اسی کا اجر ہے۔ تو یہ معنی ہیں مغفرت کے کہ ایک نیکی کئی بدیوں سے روکتی ہے اور نئی نیکیوں کو جنم دے جاتی ہے۔ پس جتنے لوگوں کو بھی اس شاخ سے نقصان پہنچ رہا تھا اور نہیں پہنچا اس کی نیکیاں اس شخص کے حق میں اس طرح لکھی گئیں کہ وہ خود اپنے نفس کی بدیوں سے بچایا گیا۔ یہاں تک کہ اللہ نے اس کو بلایا نہیں جب تک اس کی نیکیوں کا پلڑا بدیوں پر بھاری نہ ہو گیا۔

حضرت مقداد بن معدی کربؓ سے مروی ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا جب کوئی اپنے بھائی سے محبت کرتا ہو تو چاہئے کہ اسے بتا دے کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے (مشکوٰۃ المصابیح باب الحب فی اللہ و من اللہ) لیکن محبت کیسی ہے جس کا ذکر ضروری ہے۔ آپ کو یہ سمجھانا بہت ضروری ہے ورنہ بے ہودہ غلط محبتوں کی یہاں بات نہیں ہو رہی۔

حضرت ابو ذرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے افضل عمل اللہ کی خاطر محبت کرنا ہے اور اللہ کی خاطر بغض کرنا ہے۔ (سنن ابوداؤد کتاب السنة باب الاھواء)۔

پس جن محبتوں کا ذکر حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ فرما رہے ہیں وہ للٰہی محبت ہے۔ اللہ کی خاطر آپ کسی بھائی کو پیار کرتے ہیں تو اس کو بتائیں کہ میں خدا کی خاطر تم سے پیار کرتا

ہوں اس آپس میں سوسائٹی میں محبت کے رشتے مضبوط ہوتے ہیں اور اسی طرح اللہ کی نعمت یعنی محمد رسول اللہ ﷺ دلوں کو باندھنے کا موجب بنتے ہیں۔

پھر حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا ایمان کی ایک نشانی انصار سے محبت رکھنا اور نفاق کی ایک علامت انصار سے بغض رکھنا ہے۔ یہ حدیث بخاری کتاب الایمان سے لی گئی ہے۔ یہ تو سب کو علم ہے کہ انصار تھے۔ یعنی آنحضرت ﷺ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے مدینہ کے وہ باشندے جنہوں نے مہاجر بھائیوں کے لئے اپنی خدمات پیش کیں اور اللہ کی خاطر، بعضوں نے گھر بانٹ لئے، بعضوں نے جائیدادیں تقسیم کر دیں۔ مگر خدا کی خاطر اپنے لٹے ہوئے بھائیوں کی مدد کی۔ یہ انصار ہیں مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی ایک لطیف تشریح فرمائی ہے کہ اس سے مراد ہر زمانے میں دین کی خدمت کرنے والے ہیں۔ (مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ 381)۔ پس آج بھی مثلاً جماعت جرمنی میں جو کثرت سے دین کی خدمت کرنے والے پیدا ہو رہے ہیں۔ ان سے بغض رکھنا آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ کو پسند نہیں ہے۔ اللہ اس سے پیار کرتا ہے جو انصار سے پیار کرتا ہے۔ پس اس طرح اگر اس انصار کی تعریف کو وسیع کر دیا جائے تو ہر خدمت دین کرنے والا اپنے اردگرد محبوں کی ایک جماعت پیدا کرتا چلا جائے گا اور اس کے نتیجے میں نیکی کی قدر ہوگی اور نیکی کو اہمیت ملے گی اور نیکی کے نتیجے میں لوگ محبوب ہوا کریں گے۔

چونکہ اب وقت ختم ہو چکا ہے اور بھی دوسرے پروگرام ہیں اس لئے مجھے افسوس ہے کہ اس مضمون کو میں آج اس خطبہ میں ختم نہیں کر سکا۔ انشاء اللہ باقی باتیں آئندہ خطبے میں آپ سے ہوں گی میں صرف ایک نصیحت کے بعد آپ سے اجازت چاہوں گا کہ اس وقت جو خصوصیت کے ساتھ نصرت کے محتاج ہیں، فی سبیل اللہ جن کی خدمت کرنا آج جماعت جرمنی پر اور یورپ پر خصوصیت سے فرض ہے وہ اپنے بوسنین بھائیوں کی خدمت ہے۔ یہ محض للہ ستائے گئے ہیں ان کا اور کوئی قصور نہیں تھا سوائے اس کے کہ یہ اسلام سے وابستہ تھے اور جن طاقتوں نے بھی یہ فیصلہ کیا بہت بڑا ظلم کیا کہ یورپ کے دل میں یہ ہم ایک اسلامی حکومت نہیں بننے دیں گے۔ اگرچہ ان کو خود اسلام کا علم نہیں تھا مگر مارے اسلام کے نام پر گئے ہیں۔ کاٹے

اسی لئے گئے ہیں کہ انہوں نے حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے دامن کو تھاما ہوا تھا اور کسی قیمت پر اس سے علیحدہ ہونے پر آمادہ نہیں تھے۔ پس یہ انصار ہیں آج جن کے ساتھ آپ کو سب سے زیادہ محبت کا سلوک کرنا چاہئے۔ اگر ایسا کریں گے تو آنحضرت ﷺ آپ کو خوش خبری دیتے ہیں کہ اللہ آپ سے محبت کرنے لگے گا۔ خدا کرے کہ آپ بنی نوع انسان سے اللہ کی خاطر محبت کریں اور اللہ بنی نوع انسان کی خاطر آپ سے محبت کرنے لگے۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ آمین۔

حبل اللہ سے مراد اخلاقِ محمدیؐ ہیں جو آب حیات ہیں۔

جھوٹ اور بد دیانتی کو جڑ سے اکھیڑ دیں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 3 / جون 1994ء بمقام بیت النور۔ نن سپیٹ ہالینڈ)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیت کریمہ تلاوت کیں۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ (آل عمران: 104)

پھر فرمایا:۔

آج کا یہ خطبہ جو میں ہالینڈ سے نن سپیٹ کے مقام سے دے رہا ہوں، یہاں ایک خاص تقریب ہے یعنی مجلس خدام الاحمدیہ ہالینڈ کا نواں سالانہ اجتماع شروع ہو رہا ہے اور تین دن تک جاری رہے گا۔ اسی طرح مجلس خدام الاحمدیہ اور اطفال الاحمدیہ صوبہ اڑیسہ ہندوستان کا بیسواں سالانہ اجتماع چار جون بروز ہفتہ سے شروع ہو رہا ہے اور دو دن تک جاری رہ کر پانچ جون کو اختتام پذیر ہو گا۔ ان دونوں اجتماعات کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں جو نصیحتیں کروں گا وہ درحقیقت صرف خدام سے تعلق نہیں رکھتیں یا اطفال سے تعلق نہیں رکھتیں بلکہ تمام دنیا کے احمدی مردوں، عورتوں، بوڑھوں،

بچوں سب سے یکساں تعلق رکھتی ہیں اور یہ وہی مضمون ہے جو میں اس سے پہلے خطبات میں ایک سلسلے کے طور پر شروع کر چکا ہوں۔ یعنی اللہ کی رسی کو مضبوطی سے جمیعت کے طور پر تھام لو یعنی ایک ایک کر کے ہی نہیں بلکہ اجتماعی طور پر تھام لو۔ یہ آیت جس کی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے اس مضمون پر روشنی ڈال رہی ہے۔ اس کے ایک حصے پر پہلے میں گفتگو کر چکا ہوں، اب میں خصوصیت سے اس بات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے رسی کو تھامنے کا نہیں فرمایا بلکہ جَمِيْعًا تھامنے کا فرمایا ہے۔ اس سے بہت سے لوگوں کے ان وساوس کا جواب آ جاتا ہے کہ ہم جب خود اپنے طور پر اچھے مسلمان ہیں، قرآن کریم پر مضبوطی سے ہاتھ ڈالا ہوا ہے اور تمام اوامر پر عمل کرتے ہیں، تمام نواہی سے رکتے ہیں، جس بات کا اللہ حکم دیتا ہے اسے ادا کرتے ہیں، جس سے رکنے کی ہدایت ہے ہم رک جاتے ہیں تو کیا ضرورت ہے کسی اور اجتماع کی؟ کیا ضرورت ہے کسی جماعت سے تعلق باندھنے کی؟ تو اس کا جواب قرآن کریم کی یہ آیت ایک لفظ میں دے رہی ہے۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا انفرادی طور پر اس کتاب پر ہاتھ ڈالنا کافی نہیں بلکہ جمیعت کے طور پر اس کتاب پر ہاتھ ڈالنا ہے، ایک جماعت کے طور پر، تا کہ خدا کی وحدانیت کا جلوہ اس دنیا میں بھی ظاہر ہو اور جیسا کہ وہ ایک ہے اسی طرح اس کے ماننے والے بھی تمام تر ایک ہو جائیں۔

یہ جو مضمون ہے اس کو میں نے حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے حوالے سے بیان کرنا شروع کیا ہے۔ قرآن کریم پر براہِ راست عمل تو تبھی ممکن ہے کہ اگر براہِ راست انسان قرآن کریم کے علوم پر اطلاع پا سکے قرآن کریم کے اوامر و نواہی سے جیسا کہ حق ہے، جیسا کہ اللہ چاہتا ہے، عمل کرنے یا رُک جانے کا تعلق ان کے سچے عرفان سے ہے ان کی سچی تفہیم سے ہے اور اگر سچی تفہیم نہ ہو تو انسان کچھ نہیں سمجھ سکتا کہ میں کس چیز سے رکوں اور کیسے رکوں۔ کس پر عمل کروں اور کیسے عمل کروں۔ **پھر اس کے علاوہ قرآن کی ایک روح ہے اور وہ براہِ راست ہر شخص کو عطا نہیں ہو سکتی وہ روح حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی روح میں مدغم ہے اور یہاں ایک ہی چیز کے دو نام بن جاتے ہیں۔** خواہ اس کا نام قرآن رکھیں یا محمدؐ رکھیں، درحقیقت ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جب پوچھا گیا کہ آنحضرت ﷺ کی سیرت بیان

فرمائیں تو آپؐ نے اس چھوٹے سے فقرے میں آپؐ کی تمام سیرت بیان فرما دی اور اس کی حقیقی روح کی طرف توجہ دلائی فرمایا کان خلقه القرآن ۔(مسلم کتاب الصلوٰۃ)

کان خلقه القرآن فرمایا، کان خلقه فی القرآن نہیں۔ اگر یہ فرماتیں کہ ”ان خلقه فی القرآن تو اس کا یہ مطلب تھا کہ قرآن میں تلاش کرو وہاں آپؐ کا خلق ملتا ہے۔“ کان خلقه القرآن ”آپؐ تو مجسم قرآن تھے۔ آپؐ کا تمام خلق قرآن ہے۔ گویا تمام قرآن آپؐ خود ہیں ان معنوں میں نبی کی ضرورت ہمیشہ باقی رہتی ہے اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ نبی سے الگ ہٹ کر قرآن پر کسی طرح بھی مضبوطی سے ہاتھ ڈالا جاسکتا ہے۔

نبی سے تعلق بعض دفعہ فرضی عشق سے بھی کیا جاتا ہے۔ نبی کے نام پر قربانیاں پیش کر کے، نبی کے نام پر بعض دفعہ اپنی جان قربان کر کے، بعض دفعہ ظالمانہ طور پر لوگوں کی جانیں لے کر، لوگ سمجھتے ہیں ہمارا تعلق حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ سے قائم ہو گیا اور سوائے ان غیرت کے چند لمحات کے جہاں فطرتیں جوش دکھاتی ہیں روزمرہ کی عام زندگی میں وہ تعلق قائم نہیں رہتا۔ پس تعلق قائم کرنے کے لئے کچھ رستے ہیں، کچھ رابطے ہیں۔ ان رابطوں کے ذریعہ تعلق قائم ہوتے ہیں اور باندھے جاتے ہیں۔ جب تک وہ رابطے حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ قائم نہ ہوں قرآن سے تعلق قائم نہیں ہوسکتا۔ نہ قرآن کا سچا فہم ہوسکتا ہے، نہ قرآن سے سچی محبت ہوسکتی ہے کیونکہ قرآن سے محبت کے لئے خلق محمد مصطفیٰؐ ہے جو عشق کے شعلے آپ کے دل میں جگاتا ہے اور سارے دل کو نور بنا دیتا ہے۔ اس عشق کے بغیر قرآن کریم کی باتیں کرنا اہل قرآن کے خشک سینوں کی باتیں ہیں ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ **محمد مصطفیٰ ﷺ کو قرآن سے الگ کر کے نہ محمدؐ سے محبت ہو سکتی ہے نہ قرآن سے محبت ہوسکتی ہے۔ یہ دونوں ایک چیز ہیں اور ایک دوسرے سے کسی پہلو سے کسی وقت کسی جگہ جدا نہیں ہوسکتے۔**

پس عامة الناس کے لئے سب سے بہتر اور آسان طریق یہ ہے کہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ سے محبت نہیں بلکہ آپؐ کے ہر خلق سے جب محبت ہو تو اسے انسان اپناتا ہے اور اپنا سکتا ہے ورنہ اگر یہ کہا جائے کہ محمد رسول اللہ ﷺ جیسے بننے کی کوشش کرو تو کیسے آپ کر سکتے ہیں۔ مگر جب خلق اپنا لیتے ہیں تو از خود ایک تعلق قائم ہو جاتا ہے اور اس طرح ایک رابطہ نہیں مسلسل رابطے بڑھتے چلے

جاتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اگر ایک انسان کسی سے محبت کرتا ہے تو اس کی عادات کو اپنانے کی کوشش کرتا ہے۔اس کے حسن کو اپنی ذات میں داخل کرنے کی اور رائج کرنے کی کوشش کرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم خلق آدمی ایک دوسرے سے قریب ہو جاتے ہیں۔ جو جھوٹے ہیں وہ جھوٹوں کے قریب ہو جاتے ہیں۔ جو سچے ہیں وہ سچوں کے قریب ہو جاتے ہیں۔ جو بنی نوع انسان سے پیار کرنے والے ہیں وہ از خود بنی نوع انسان سے پیار کرنے والوں کے ساتھ اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ جو بعض دوسری خوبیاں رکھتے ہیں اگر آرٹسٹ ہیں تو آرٹسٹ کے ساتھ اکٹھا ہو جائے گا۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ پرندے بھی اپنے ہم جنس پرندوں کے ساتھ پرواز کرتے ہیں۔ پس حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ ایک ہونا اور جمع ہونا کوئی فرضی کہانی نہیں ہے۔آپ وہ خلق اختیار کریں تو آپ محمد رسولؐ اللہ کے قریب ہوں گے اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ جواباً آپ سے محبت کرنے لگیں گے۔ یہ محبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر منعکس ہوگی کیونکہ روحوں کی محبتیں خدا کے تعلق سے پھر دنیا میں جلوے دکھاتی ہیں اور اس طرح آپ کے تعلق آنحضور ﷺ سے بڑھتے چلے جائیں گے۔وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ کی یہ حقیقت ہے۔اس حقیقت کو بھلا کر آپ کو کچھ پتا نہیں چلے گا کہ کیسے اس رسی پر مضبوطی سے ہاتھ ڈالا جا سکتا ہے ورنہ کہنے والے تو بہت کہتے ہیں کہ صرف قرآن کو پکڑ لو کسی جمیعت کی ضرورت نہیں ہے۔

اب جب میں جرمنی کا دورہ کر رہا تھا تو بعض سکھائے پڑھائے امام، ان بوسنیز کو جو احمدیت سے بہت محبت کرنے لگے ہیں اور قریب آ رہے ہیں، ان کو اس آیت کے حوالے سے متفرق ہونے کی تعلیم دے رہے تھے۔کیسی جاہلانہ بات ہے قرآن تو اس ہدایت کے ذریعے منتشر اور متفرق لوگوں کو اکٹھا ایک ہاتھ پر جمع کرتا ہے اور جو دل میں کجی رکھتا ہے وہ اسی آیت کے حوالے سے ان کو پھر دوبارہ منتشر اور متفرق ہو جانے کی ہدایت دے رہا ہوتا ہے۔ چنانچہ موقع پر اس کا جب مؤثر جواب دیا گیا تو ان سب کے جنہوں نے جواب کو سنا چہرے کھلکھلا اٹھے اور ایک بھی ایسا نہیں تھا جو پہلے سوال سے متأثر ہو کر جماعت سے دور ہو گیا ہو کیونکہ وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا میں جمیعت کی طرف اشارہ ہے، جو ایک مرکزیت چاہتی ہے۔جمیعت فرداً فرداً قرآن کریم کو پکڑ لینے کا نام نہیں ہے اور یہ تو جمیعت کو بکھیرنے والی اور منتشر کرنے والی باتیں ہیں۔قرآن اگر ایک ہاتھ پر

اکٹھا کرتا ہے اور وہ محمدؐ رسول اللہ کا ہاتھ ہے اور اس ہاتھ پر اکٹھا کرتا ہے۔ جس کا محمدؐ رسول اللہ سے تعلق ہے اور واسطہ ہے اور اٹوٹ تعلق ہے، جو ٹوٹ نہیں سکتا، تو یہ وہ جمیعت ہے، جس کی طرف قرآن کریم کی یہ آیت بلا رہی ہے۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا اللہ کی رسی کو مضبوطی سے مگر جمیعت کے ساتھ تھام لو۔

میں اس مضمون کو بیان کررہا ہوں کہ یہ بات تو سن لی مگر کیسے ہوگا، کس طرح یہ رسی تھامی جائے گی اس کی تفصیل بیان کررہا ہوں کہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ سے رابطے بڑھائیں ایک رابطہ کافی نہیں ہے۔ ایک رابطہ ایمان سے پیدا ہوتا ہے اور اس ایمان کے رابطے کے بعد پھر نئے رابطوں کے تقاضے شروع ہوجاتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ سب سچ بولنے والوں سے زیادہ سچے تھے اگر آپ اس سچے وجود سے محبت رکھتے ہیں لیکن سچ سے نفرت کرتے ہیں تو آپ جھوٹے ہیں۔ ناممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ جھوٹوں کے گروہ میں رہ کر سکینت پائیں اور اطمینان حاصل کریں۔ ایسے لوگوں کو خدا توفیق نہیں دیتا کہ آنحضور ﷺ کی معیت میں ہوں یا معیت میں شمار ہوں۔ پس معیت کا جہاں تک تعلق ہے وہ زمانے سے بلند تر ہے اس کا کسی زمانہ سے تعلق نہیں ہے۔ ہر زمانے میں لوگ آنحضرت ﷺ کی معیت حاصل کرسکتے ہیں اگر آنحضور ﷺ کے اخلاق کو اپنائیں۔ اور اگر دیکھتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ چھوٹوں پر شفقت فرمانے والے بڑوں کا بلکہ چھوٹوں کا بھی ادب کرنے والے ہر معاملے میں ایثار دکھانے والے تھے اور بے انتہا منکسر المزاج تھے یہ تمام صفات جاننے کے باوجود کہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی شخصیت کی زینت تھی پھر کوئی ان صفات سے دور رہتا ہے تو اس کو وہم ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے قریب رہتا ہے محض محمدؐ رسول اللہ کا نعرہ لگا دینا آنحضورؐ کے قریب نہیں کرسکتا، محض اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرنا اللہ کے قریب نہیں کرسکتا۔ صفات الٰہی جب بندوں میں جلوہ گر ہوتی ہیں، تو پھر وہ اپنے خدا کے قریب ہوتے ہیں اور سب سے زیادہ صفات الٰہی حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ میں جلوہ گر ہوئیں۔ پس ان صفات سے پیار کریں، فرضی عشق نہیں کہ ہاں یہ اچھی صفات ہیں بلکہ اس حد تک پیار کریں کہ آپ ان کو اپنائے بغیر چین نہ پائیں۔ اس طرح آپ کے تعلق حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ سے بڑھنے لگیں گے اور جو رسول اکرم ﷺ کی صفات اپنا کر آپ سے تعلق جوڑتا ہے وہ اپنے بھائی سے الگ ہو ہی نہیں سکتا

وہ سارے لوگ جو آنحضور ﷺ کے قریب ہو رہے ہیں صفات کے رستوں سے، ان کے اندر بھی وہ صفات جلوے دکھانے لگتی ہیں اور وہ آنحضور ﷺ کے قریب ہی نہیں ہو رہے ہوتے بلکہ ایک دوسرے کے بھی قریب ہو رہے ہوتے ہیں اور یہی وہ اخوت ہے جس کی طرف قرآن کریم بار بار آپ کو بلا رہا ہے۔ وہ اخوت حضور ﷺ کے تعلق کے بغیر آپ کو نصیب نہیں ہو سکتی۔ اس لئے قرآن کریم نے دنیا میں سب سے زیادہ محبت کی تلقین حضرت محمد ﷺ سے فرمائی ہے اور احادیث میں خود حضور ﷺ نے بھی اور اس کے تعلق میں معاً بعد یہ مضمون چلتا ہے کہ آپس میں بھی ایک دوسرے سے محبت کرو۔ یہ دو تین باتیں الگ الگ نہیں ہیں ایک مرکزی مضمون کی شاخیں ہیں، جوں جوں اس مضمون میں آپ آگے بڑھتے ہیں اور رستے دکھائی دیتے ہیں اور خوب صورت نظارے آپ کو نظر آئیں گے۔ مگر جس طرح ایک درخت جس کی جڑیں مضبوطی سے زمین میں ہوں اس کی شاخیں الگ الگ پھیل کر اپنی اپنی بہار دکھا رہی ہوں الگ دکھائی دینے کے باوجود وہ ایک ہی درخت کی شاخیں ہوتی ہیں اور درخت کے وجود سے ان کو الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح امت محمدیہ بنتی ہے اور اس طرح امت محمدیہ پھیلنا شروع ہوتی ہے۔ پھر وہ پھولتی ہے اور تمام ایک ہی وجود کی شاخیں ہیں۔

اسی مضمون کو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی جماعت کے حوالے سے یوں بیان فرمایا کہ ''اے میرے درختِ وجود کی سرسبز شاخو!'' کہ میں وہ درخت ہوں جس نے عشق محمد مصطفیٰ سے سیراب ہونے کے بعد دوبارہ دنیا میں ایک نئی رونق پائی ہے۔ ایک نئی بہار دیکھی ہے اور اے افرادِ جماعت جو مجھ سے تعلق رکھتے ہو تم میرے درختِ وجود کی سرسبز شاخیں ہو۔ پس شاخوں کا آپس کا تعلق براہِ راست ممکن ہی نہیں جب تک درخت کے ساتھ تعلق نہ ہو اور یہ درختِ انبیاء ہوا کرتے ہیں جو اپنے ماننے والوں کو ایک جگہ اکٹھا کرتے اور ایک دوسرے سے جوڑتے ہیں۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے جس امام کی بعثت کی خبر دی تھی اس امام کے آنے کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ منتشر بکھرے ہوئے لوگوں کو پھر آنحضرت ﷺ کے وجود کے ساتھ ملحق کرے، منسلک کرے اور ایک بنا دے یہاں تک کہ وہ جمیعت جو دنیا سے جاتی رہی وہ پھر دوبارہ اسلام کو نصیب ہو۔ یہ مضمون میں نے عمداً تعلقِ اخلاقِ حسنہ کے حوالے سے بیان کیا ہے ورنہ اگر اس کے بغیر بیان کرتا تو آپ لوگوں

میں سے بہت سے ذہنی تعیش کا ذریعہ بنا کر اس مضمون سے مزا اٹھاتے اور بھول جاتے۔ میں سمجھانا چاہتا ہوں کہ یہ مضمون اخلاق سے تعلق رکھتا ہے اور اخلاق کے بغیر نہ آنحضرت ﷺ سے تعلق ہو سکتا ہے نہ آپس کا تعلق ہو سکتا ہے اور اس کی ضرورت آج پہلے سے سب سے زیادہ بڑھ کر ہے کیونکہ جماعت احمدیہ خدا کے فضل سے اب اس تیزی سے ترقی کر رہی ہے کہ دشمن بالکل ہکا بکا ہو گیا ہے۔ شرارت کے منصوبے بنا رہا ہے حسد کی آگ میں جل رہا ہے لیکن اس کی کچھ پیش نہیں جاتی، حکومتوں کی سطح پر مشورے ہو رہے ہیں اور ہمیں اللہ کے فضل سے ان کی اطلاعیں ملتی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پیچ و تاب کھاتے ہوئے چاہتے ہیں کہ جس طرح بھی چاہیں جہاں جہاں چاہیں جماعت کو ڈسیں اور ایک کوشش ان کی وہی ہے جو میں نے بیان کی کہ جماعت میں افتراق پیدا کرنے کے لئے قرآن کریم کی آیات سے غلط نتائج نکال کر ان کو دھوکہ دینے کی کوشش کی جاتی ہے حالانکہ قرآن کریم کی کوئی ایک آیت بھی اگر مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنے کے لئے استعمال کی جائے تو وہ ہرگز قرآن کا مفہوم نہیں ہے جو آپ کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے وہ شیطان کی باتیں ہیں کیونکہ قرآن تو اکٹھا کرنے کے لئے آیا ہے نہ کہ منتشر کرنے کے لئے۔ پس ہر وہ حوالہ جو قرآن کا حوالہ ہو اور آپ کے اندر آپس میں تفریق پیدا کرتا ہو۔ آپ کی جمعیت کو منتشر کرنے والا ہو اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے انگریزی میں کہا جاتا ہے کہ Devil quotes the Scriptures بعض دفعہ شیطان الٰہی کتب کے اور صحیفوں کے حوالے دیتا ہے اور اس کے حوالے دینے اور ایک نیک انسان کے حوالے دینے میں فرق یہ ہے کہ شیطان شیطانی نتائج نکالتا ہے اور نیک انسان نیک نتائج نکالتا ہے اور درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ پس قرآن کریم کی ہر وہ تشریح جو آپ کے دلوں میں محمد رسول اللہ کی محبت پیدا کرے قرآن کو محمد رسول ؐ اللہ سے الگ نہ کرے بلکہ ایک ہی دکھائے اور پھر آپ پر واجب کرے کہ آپ محمد رسول ؐ اللہ کو مضبوطی سے تھام لیں یہی حقیقت میں حبل اللہ کو مضبوطی سے تھامنے کے معنی ہیں اور پھر آپ کو سمجھائے کہ قرآن کی تعلیم کے مطابق اگر خدا ایک ہے تو اس کے ماننے والے اس دنیا میں بھی ایک ہو جانے چاہئیں۔ یہ معانی الٰہی معانی ہیں یہی ہیں جو قرآن کا مقصود ہیں۔ ان کا شیطان سے کوئی تعلق نہیں۔

لیکن یہ کام بڑی محنت کا کام ہے محض بات سن کر سر ہلا دینے سے یہ مسئلہ طے نہیں ہوگا

ضروری ہے کہ ایک ایک خُلقِ محمدیؐ پر غور کریں، ایک ایک نصیحت پر غور کریں اور دیکھیں کہ کس حد تک آپ پر چسپاں ہو رہی ہے جہاں جہاں چسپاں ہو رہی ہے وہاں آپ کا حضور اکرم ﷺ سے ایک تعلق قائم ہو گیا ہے جہاں جہاں نہیں ہو رہی وہ خلا ہیں۔ جتنی زیادہ مضبوطی کسی تعلق کے لئے درکار ہو اتنے روابط بڑھائے جاتے ہیں اگر کہیں سے وہ روابط اکھڑنا شروع ہو جائیں تو بعض دفعہ قائم تعلقات کو بھی وہ خلا توڑ دیا کرتے ہیں اور وہاں سے بھی تعلقات اکھڑنا شروع ہو جاتے ہیں۔

آنکھ کے Retina کی مثال ہے۔ آنکھ کا وہ پردہ جس پر تصویر منعکس ہوتی ہے وہ تمام تر آنکھ کے ڈیلے سے جڑا ہوا ہے۔ جہاں وہ تصویر منعکس ہوتی ہے وہ ایک جوڑ ہے جہاں ایک طرف ڈیلے کا آخری کنارہ ہے دوسری طرف وہ پردہ ہے جس کے ساتھ دماغ کا تعلق ہے۔

پس وہ پردہ کبھی کبھی ڈیلے کو بعض بیماریوں کے نتیجے میں کہیں کہیں سے چھوڑنا شروع کر دیتا ہے۔ خصوصیت سے وہ لوگ جو لوہارے کا کام کرتے ہیں اور بہت تیز بجلی کی شعاعوں سے جن سے لوہا پگھلایا جاتا ہے ان کی طرف ننگی آنکھ سے دیکھتے ہیں ان کی آنکھوں میں وہ جگہ جگہ ایسے خلا پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں کہ وہ پردہ کہیں سے اکھڑ جائے اور وہ لوگ جو سورج کو براہ راست دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں ان کے ساتھ بھی یہی واقعہ ہوتا ہے کہ سورج کی روشنی کو آنکھ برداشت نہیں کر سکتی یعنی اگر تیزی سے سامنے آنکھ اٹھا کر دیکھا جائے تو برداشت نہیں کر سکتی اور اس کے نتیجے میں کہیں کہیں وہ سیمنٹ اکھڑ جاتا ہے جو پردے کو ڈیلے کے ساتھ جوڑتا ہے اور جہاں جہاں سے وہ اکھڑتا ہے پھر وہاں سے اکھڑنا شروع ہو جاتا ہے اور ایسے لوگ بالآخر اندھے ہو جاتے ہیں۔ تو اگر آپ نے ان حصوں کی نگرانی نہ کی جن حصوں میں آنحضرت ﷺ کے اخلاق موجود نہیں ہیں وہاں سے آپ کا تعلق اکھڑا ہوا ہے اور آپ محفوظ نہیں ہیں۔

دو ہی قسم کے سفر ہیں یا تو تعلق بڑھاتے چلے جانے کا سفر ہے یا پھر تعلقات کم کرتے چلے جانے کا سفر ہے بیچ کی کوئی چیز نہیں۔ پس اگر آپ نے توجہ کے ساتھ اپنے اخلاق کی نگرانی نہ کی تو آنحضرت ﷺ سے آپ کے وہ رابطے جو آپ سمجھتے ہیں کہ موجود ہیں وہ بھی قائم نہیں رہیں گے۔

رفتہ رفتہ آپ اور دور ہٹتے چلے جائیں گے۔ پس یہ یقینی بنا دیں کہ آپ کا ہر قدم آنحضورﷺ کی طرف اٹھ رہا ہو۔ اگر کمزور ہیں تو آہستہ قدم اٹھے گا۔ اگر لاچار ہیں اور کھڑے ہو کر نہیں چل سکتے تو گھسٹتے ہوئے چل سکتے ہیں اگر گزوں اور فٹوں میں نہیں جا سکتے تو انچ انچ کچھ نہ کچھ تو سرکتے ہوئے آگے جا سکتے ہیں مگر اگر آپ آگے بڑھ رہے ہیں تو پھر آپ کو کوئی خطرہ نہیں۔ پھر آپ کی کمزوریاں آپ کی راہ میں حائل نہیں ہونے دی جائیں گی کیونکہ خود آنحضرتﷺ نے اس مضمون کو یوں بیان فرمایا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص جو بہت ہی زیادہ گنہگار تھا اور بہت سے قتل کر چکا تھا وہ بزرگوں کے پاس جانے لگا اور ان سے پوچھنے لگا کہ میرے گناہ کا کوئی علاج ہے اور میرے اتنے گناہ ہیں تو بزرگ یہ سمجھ کر کہ اس کا معاملہ حد سے گزرا ہوا ہے اسے جواب دے دیتا کہ نہیں تمہارا کوئی علاج نہیں۔ وہ کہتا تھا اچھا پھر اگر میرا علاج ہی کوئی نہیں تو ایک گناہ اور سہی وہ اسے بھی قتل کر دیا کرتا تھا۔ اسی طرح وقت گزرتا رہا یہاں تک کہ کسی ایک عارف باللہ کے پاس وہ پہنچا اس نے کہا خدا ہر گناہ بخش سکتا ہے اگر تمہارے اندر پاک تبدیلی پیدا ہو اور تم گناہوں کے شہر سے ہجرت کر کے نیکیوں کے شہر کی طرف چلنا شروع کرو آنحضورﷺ اسے ایک بہت ہی پیاری تمثیل سے بیان فرماتے ہیں۔ کہتے ہیں اس شخص نے گناہوں کے شہر سے (ایک تمثیل ہے مراد یہ نہیں کہ کوئی گناہوں کا شہر تھا کوئی نیکیوں کا شہر تھا) مراد ہے ایک طرف ہجرت شروع کی یعنی بدیاں چھوڑنی شروع کر دیں اور نیکیوں کے شہر کی طرف بڑھنا شروع ہوا یعنی نیکیاں اختیار کرنی شروع کر دیں۔ وہ کوشش کرتا رہا یہاں تک کہ اس کی موت آ پہنچی اور وہ خدا کے حضور حاضر ہوا۔ فرشتوں سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دیکھو یہ بندہ بدیوں کے شہر سے نیکیوں کے شہر کی طرف ہجرت کر رہا تھا اس لئے اس کی بخشش کا سامان ہونا چاہئے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا اللہ یہ تو تھوڑا سا سفر ہی طے کر سکا تھا۔ اللہ نے فرمایا پیمائش کرو بدیوں کے شہر سے اس مقام تک جہاں اس نے جان دی ہے اور پھر نیکیوں کے شہر سے اس مقام کی جہاں اس نے جان دی ہے۔ یہ اللہ کے انداز ہیں مغفرت کے اور آنحضرتﷺ ہمیں ایک بہت گہری حکمت سمجھا رہے ہیں ورنہ یہ مراد نہیں کہ فیتوں کے ساتھ کوئی پیمائش کی جاتی ہے مگر تمثیل ہے بہت پیاری کہ جب خدا نے ان سے کہا کہ بدیوں کے شہر سے اس شخص کی وہاں تک پیمائش کرو جہاں اس نے جان دی تو جب وہ پیمائش کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ اس زمین کو بڑھاتا چلا جاتا تھا یہاں تک کہ اس کا بہت فاصلہ بڑھ گیا اور جب نیکیوں

کے شہر کی طرف سے فرشتوں نے پیمائش شروع کی تو اللہ تعالیٰ نے زمین کو سکیڑنا شروع کیا یہاں تک کہ وہ بہت قریب دکھائی دینے لگی۔ تب اللہ نے فرمایا کہ دیکھو نیکیوں کا شہر اس کے قریب تر تھا۔(مسلم کتاب التوبہ حدیث نمبر:4968) مراد یہ ہے کہ اگر آپ اپنی زندگی میں بالا رادہ بدیوں سے نیکیوں کی طرف حرکت شروع کر دیں۔ آنحضرت ﷺ کے عدم سے آپؐ کے وجود کی طرف جانا شروع کر دیں تو پھر اگر تھوڑا سا سفر طے کر کے ہی آپ کی موت آجائے تو اللہ تعالیٰ آپ کے سفر کو برکت بخشتا ہے اور یہ مغفرت کا سلوک فرماتا ہے کہ اگر آپ زندہ رہتے تو آپ نے ضرور پہنچنا تھا۔ اسی کو فضلِ الٰہی کہا جاتا ہے۔ پس بخشش اصل میں فضل سے ہوتی ہے اور فضل میں یہ مضمون بہت ہی اہمیت اختیار کر جاتا ہے کہ فضل کی کوئی وجہ ہوتی ہے خدا کے نزدیک بخشش میں بھی کچھ انصاف ہیں اور کوئی بھی خدا کا فعل خواہ وہ بے انتہا احسان کا ہو انصاف سے عاری نہیں ہوا کرتا تو انصاف کے تقاضوں میں خدا نے یہ بات داخل فرما لی ہے کہ اگر میرا بندہ نیک نیت سے نیکی کی طرف حرکت کر رہا ہے تو چونکہ اس کی زندگی میرے قبضہ میں ہے اس لئے مجھ پر ایک فرض ہے کہ اس کی نیکی کی قدر کروں اور یہ خیال کروں کہ اگر وہ زندہ رہتا اور اسی طرح آگے بڑھتا رہتا تو نیکیوں کو پالیتا۔

پس یہ وہ مضمون ہے جو اس حدیث میں ہمیں سکھایا گیا ہے اس کو پیش نظر رکھ کر آپ اپنے اخلاق کو سنوارنے کی کوشش کریں اور آنحضرت ﷺ کی طرف ہجرت شروع کر دیں اور جوں جوں آپ آنحضورؐ کے قریب ہوں گے اسی طرح اسی قدر آپ آپس میں بھی ایک دوسرے کے قریب ہوتے چلے جائیں گے کیونکہ آنحضورؐ سب سے زیادہ اپنی امت سے محبت کرنے والے تھے بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (التوبہ:128) سب سے پیار کرنے والے، رحمۃ للعالمین تھے۔ تمام جہانوں کے لئے رحمت۔ لیکن جہاں مومنوں کا ذکر ہے وہاں تو خدا فرماتا ہے رؤوف رحیم خدا کی صفات بیان کر دیں وہ تو گویا خدا کی طرح رأفت فرمانے والے اور بے حد رحم کرنے والے اور بار بار رحم کرنے والے تھے۔ جو محمد رسول اللہ کے قریب ہوگا وہ لازماً امت کے قریب ہوگا۔ پس اخلاق وہ سیمنٹ ہیں جن سے ایک طرف سے آپ آنحضور ﷺ سے جوڑے جاتے ہیں اور دوسری طرف حضور نبی اکرم ﷺ کے غلام اور

عشاق آپس میں ایک دوسرے کے قریب ہوتے اور ایک دوسرے سے اٹوٹ رشتوں میں باندھے جاتے ہیں۔

پس وہ نصائح جو آنحضورﷺ نے اخلاق سے متعلق فرمائیں ان کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھیں اور ایک ایک نصیحت کو تعلق کی رسی سمجھیں اسے آپ قبول کریں گے تو آپ کو محمد رسول اللہ ﷺ سے تعلق کا ایک اور رابطہ نصیب ہو جائے گا اگر بے پروائی سے دیکھیں گے تو اس حد تک آپ آنحضورؐ سے کاٹے جائیں گے۔ پس اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ اس طرح قدم قدم لحظہ لحظہ آنحضورﷺ کے قریب ہوتے چلے جائیں۔ پھر ہم لازماً ایک دوسرے کے قریب ہوں گے، پھر لازماً وہ جمعیت نمودار ہوگی جو تمام کائنات کو امت واحدہ بنانے کی طاقت رکھتی ہے۔ پھر آپ پھیلیں گے، پھر آپ کو یہ خطرہ نہیں ہوگا کہ اب بوسنین آ گئے، اب بنگالی آ گئے، اب البانین آ گئے، اب افریقن آ گئے۔ ہم کس طرح ان کو جوڑیں گے۔ یہ نسخہ جو میں نے آپ کو بتایا ہے آپ اختیار کریں تو آپ باہم ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح خود بخود جوڑے جائیں گے کہ آپ حیران رہ جائیں گے اور وہی اخلاق ہیں جو آپ کو ایک دوسرے سے باندھیں گے ورنہ اخلاق کے بغیر تو سیمنٹ کوئی ہے ہی نہیں، اخلاق سے ہی قومیں جوڑی جاتی ہیں۔ آخری بات یہ ہے کہ اخلاق نہ ہوں تو قومیں نہیں جڑتیں بلکہ ہر خلق کی بجائے ایک بدخلقی جنم لے لیتی ہے اور ہر بدخلقی ایک دوسرے سے الگ کرنے کا کام دکھاتی ہے۔ پس اخلاق کو غیر معمولی اہمیت دیں مگر ان اخلاق کو حضور اکرمﷺ کے حوالے سے حاصل کریں تا کہ آپ کا دین مکمل ہو۔ آپ آنحضورؐ کے ساتھ محبت کا رابطہ بڑھائیں اور اس سے از خود آپ کے تعلقات اپنے بھائیوں سے بڑھیں گے لیکن اس میں ایک مزید فائدہ یہ ہے کہ اگر آنحضورﷺ کے حوالے سے اخلاق سیکھے جائیں تو وہ اللہ کے حضور بہت ہی مقبول ہوتے ہیں اور اللہ اور اس کے فرشتے ایسے لوگوں پر درود بھیجتے ہیں اور ان پر ہمیشہ آسمان سے رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ پس وہ سودے جو اخلاق کے سودے ہیں ان میں بھی زیادہ قیمت حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

بعض لوگ اپنے مزاج کی کمزوری کی وجہ سے بعض حصوں میں با اخلاق ہوتے ہیں اور بعض حصوں میں اپنے اخلاق کی کمزوری کی وجہ سے بداخلاق ہوتے ہیں نہ ان کی بداخلاقی کی وہ اہمیت، نہ ان کے اخلاق کی وہ اہمیت۔ یہ بیماریاں ہیں، یہ نفسیاتی کمزوریاں ہیں۔ بعض لوگ بدلہ نہیں لیتے کہ

جی معاف کرتا ہوں حالانکہ بیچ میں سے ڈر پوک ہوتے ہیں۔ بنی اسرائیل کا بھی یہی حال تھا سخت ڈرتے تھے فرعون سے اور فرعون والوں سے اور معاف کر دیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت موسیٰؑ نے جوان کو تعلیم دی اس میں بدلے کو اتنی اہمیت دی کہ مجبور کر دیا کہ ضرور بدلہ لیں تا کہ ان کی اندرونی کمزوری دور ہو۔ جب وہ سخت دل ہو گئے اور معافی کا نام بھول گئے تب مسیحؑ تشریف لائے اور ان کو نصیحت کی کہ تم نے بدلہ لینا ہی نہیں کوئی ایک گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا بھی آگے کر دو۔ یہ مختلف زمانوں کی بیماریوں کے علاج ہیں لیکن نفسیاتی کمزوریاں ہیں جو بعض دفعہ قومی بدکرداریاں بن جاتی ہیں ان کے علاج میں بھی بعض دفعہ جب زیادہ بے احتیاطی ہو جائے لمبا عرصہ تک وہ علاج کیا جائے تو مصیبت ہی آ جاتی ہے مگر جو حوالہ میں دے رہا ہوں یعنی حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کا حوالہ۔ آپؐ سے آپؐ اخلاق سیکھیں گے تو نہ کبھی افراط کی طرف جا سکتے ہیں نہ کبھی تفریط کی طرف جا سکتے ہیں کیونکہ آپؐ کا نور ایسا نور تھا جو وسطی نور تھا نہ وہ شرق کا تھا نہ غرب کا تھا۔ آپ آنحضور ﷺ کے وجود میں کوئی کجی نہیں دیکھتے۔ کوئی کسی طرف ناجائز میلان نہیں پاتے آپؐ کو امت وسطی عطا فرمائی گئی صراط مستقیم بخشی گئی۔ پس وہ اخلاق جن کو آپؐ آنحضرت ﷺ کے حوالے سے تعمیر کریں گے ان میں عفو بھی ہوگا، ان میں انتقام بھی ہوگا۔ عفو بھی برمحل اور انتقام بھی برمحل ہوگا اور نہ انتقام بدخلقی ہوگی اور نہ عفو بدخلقی بن سکے گا کیونکہ امرِ واقعہ یہ ہے کہ اگر عفو حد سے بڑھ گیا ہے اور اس کے نتیجے میں نقصان ہو رہا ہے تو بظاہر وہ نیکی ہے مگر دراصل بدخلقی ہے۔ اگر انتقام لینا لازم ہو رہا ہے اور آپ نہیں لے رہے تو نیکی نہیں یہ بدی بن جاتی ہے۔ پس تمام اخلاق کی تعریف اس کے سوا ممکن نہیں کہ اشرف المخلوقات حضرت محمد مصطفی ﷺ سے خلق سیکھیں جو متوازن تھے اور تمام اخلاق میں بیچ کی راہ آپؐ نے اختیار فرمائی۔ آپؐ کی غلامی کے نتیجے میں کوئی خطرہ نہیں ہے کہ کبھی آپ ایک طرف مائل ہو جائیں گے کبھی دوسری طرف مائل ہو جائیں گے پھر جو آپ کے تعلق آپس میں استوار ہوں گے پھر وہی تعلقات دوسری قوموں کو آپ کے ساتھ جوڑنے کے لئے اور آپ کے اندر ایک لازوال تعلق پیدا کرنے کا ذریعہ بن جائیں گے۔

اس مضمون میں جو احادیث میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں ان میں ایک حضرت ابو ہریرہؓ سے

مروی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہے یعنی اپنا آپ اس میں دیکھتا ہے اور ایک مومن دوسرے مومن کا بھائی ہے اپنے بھائی کا مال و متاع ضائع کرنے سے بچو اور اس کی غیر حاضری میں اس کے مال کی دیکھ بھال کرو۔ (ابوداؤد کتاب الادب باب فی النصیحۃ حدیث: 4272)

اب اس میں دو تین باتیں اکٹھی اوپر تلے بیان فرمائی گئی ہیں ایک یہ کہ مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہے آئینہ کے متعلق میں بڑی تفصیل سے پہلے روشنی ڈال چکا ہوں کہ آئینہ برائیاں بھی دکھاتا ہے اور خوبیاں بھی دکھاتا ہے۔ اچھا آئینہ وہ ہے جو برائیاں دکھاتے وقت بھی جھوٹ نہ بولے اور غصے والا آئینہ نہ ہو کہ برائیوں کو بڑھا کے دکھائے۔ بعض آئینے لاشعوری ہونے کے باوجود غصے والے ہوتے ہیں ان کے اندر ایسی خرابی ہوتی ہے کہ ناک بھی موٹا دکھائی دے گا، آنکھ پھیلی ہوئی اور سارے اعضاء بگڑے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ تو مومن جو مومن کا آئینہ ہے اس سے مراد ہے شفاف آئینہ۔ جس چیز کو جیسے دیکھتا ہے ویسے بیان کرتا ہے۔ جن کو کسی سے نفرت ہو وہ بدیاں بیان کرتے رہتے ہیں نیکیوں کی طرف خیال ہی نہیں کرتے جن کو کسی سے محبت ہو نیکیاں ہی بیان کرتے رہتے ہیں اور بدیوں کی طرف دھیان ہی نہیں دیتے آئینہ جو صاف شفاف ہو سچا ہوتا ہے جہاں بدیاں بیان کرتا ہے وہاں خوبیاں بھی دکھاتا ہے تبھی آپ کو آئینوں سے نفرت نہیں ہوتی بلکہ آئینہ جھوٹا ہو تو اس کو پسند نہیں کرتے۔ آئینہ سچا ہو تو آپ کے ہر سقم کو دکھاتا ہے تا کہ آپ اسے دور کرسکیں اور اونچی آواز سے نہیں دکھاتا بلکہ راز رکھتے ہوئے دکھاتا ہے یہاں تک کہ وہی آئینہ جب کوئی دوسرا اٹھا کر دیکھتا ہے اسے اپنی تصویر دکھائی دیتی ہے، اپنے اس بھائی کی نہیں دکھائی دیتی جو پہلے اس آئینے سے فائدہ اٹھا چکا ہے۔ کتنا وسیع مضمون ہے، کتنا گہرا اور لطیف مضمون ہے۔ اگر اس پر بھی آپ غور کرنا شروع کریں تو گھنٹوں غور کریں آپ کو نئے سے نئے لطیف مطالب ہاتھ آتے چلے جائیں گے خلاصۃً آپ کو میں پھر یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اپنے بھائیوں کو آئینے کی طرح دیکھیں اس طرح کہ جب آپ ان کو کسی کمزوری کی طرف متوجہ کریں تو مخفی طور پر اس رنگ میں کریں کہ وہ غصہ نہ کھائے بلکہ آپ کا ممنون احسان ہو اور پھر اس کو بھول جائیں کہ جب کوئی اور مومن آپ کے سامنے آئے تو اس کی کمزوریاں آپ کو یاد ہی نہ ہوں کہ کوئی ایسی بھی کمزوریاں تھیں، آگے بات نہ چلے۔ پھر آپ ان کی خوبیوں کی بھی تعریف کیا کریں۔ وہ شخص جو صرف کمزوریاں بتاتا ہے وہ لازماً تکلیف پہنچاتا ہے اور

ایسا شخص کسی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ جو خوبیوں پر بھی نظر رکھتا ہے خوبیوں سے پیار کرتا ہے اس کے منہ سے اگر برائیاں بھی معلوم ہوں تو بری نہیں لگتیں۔ تبھی ماؤں کی بات بچے سب سے کم بُری مناتے ہیں کیونکہ ان کو پتا ہے ہر وقت خوبیوں پر نظر ہے ایک برائی بھی دیکھ لی ہے تو بتاتی ہے تو کوئی حرج نہیں وہ تحمل کے ساتھ، حوصلے کے ساتھ، ان باتوں کو سنتے ہیں اور نصیحت کرنے والا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے نصیحت کے رنگ سیکھے تو اس کے تعلقات میں رحمت غالب ہوگی اور رحمت کے نتیجے میں وہ شخص جس کو نصیحت کی جاتی ہے اس کی توجہ رحمت کی طرف رہتی ہے اور نصیحت سے بُرا نہیں مناتا۔ پس آئینہ وہ بنیں جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تھے اور بسا اوقات آپؐ جب عمومی نصیحت فرمایا کرتے تھے تو ذکر بھی نہیں کرتے تھے کہ کون ہے لیکن جن کے دل میں کمزوریاں ہوتی تھیں وہ بھانپ لیتے تھے وہ جان لیتے تھے اور اس طرح یہ ضروری نہیں تھا کہ حضور اکرم ﷺ ہر ایک کے پاس جائیں اور ہر ایک شخص کو یہ بتائیں کہ تم کون ہو اور کیا ہو بلکہ آپ کا تعلق تمام بنی نوع انسان سے تھا۔ اس لئے اپنے خطبات میں اپنی عمومی نصائح میں آپ ایسی نصائح فرما دیتے تھے کہ ہر دل جس میں کمزوری تھی وہ بھانپ لیتا تھا کہ میرے متعلق بات ہو رہی ہے لیکن یہ بھی جان لیتا تھا کہ مجھ پر ستاری کا پردہ ڈالا گیا ہے اور اس طرح پھر وہ اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ تو فرمایا مومن ایک دوسرے کا آئینہ ہے (یعنی اپنا آپ اس میں دیکھتا ہے)۔ یہ ایک دوسرا مضمون ہے یعنی اپنا آپ اس میں دیکھتا ہے یہ ترجمہ کرنے والے نے اپنی طرف سے لکھ دیا ہے حدیث کے الفاظ نہیں ہیں یہ تو مضمون کو محدود کرنے والی بات ہے۔ مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہے، بس اتنی بات ہے۔ کبھی وہ اس کو دیکھتا ہے اور اس کو بتاتا ہے کہ تم کیا ہو کبھی اس کے حوالے، سے اپنے آپ کو پہچانتا ہے اور اپنی حقیقت معلوم کرتا ہے کہ میں کون ہوں۔ اس دوسرے پہلو سے یہ بات نمایاں طور پر سامنے آتی ہے کہ مومن اپنی کمزوریوں کی تلاش میں رہتا ہے اور سب سے بہتر اس کی کمزوریاں بتانے والا اس کا بھائی ہے اور نہ صرف یہ کہ وہ انتظار کرے کہ کوئی مجھے بتائے وہ خود علیحدگی میں پوچھتا ہے کہ بتاؤ مجھ سے کوئی ایسی بات تو نہیں ہوگئی مجھ میں کوئی ایسی عادت تو نہیں جو بری لگی ہو یا کوئی بات مجھ سے ہوئی ہو جو تمہیں پسند نہ آئی ہو۔ اس بات کی تلاش میں رہتا ہے اور آنحضرت ﷺ ہمیشہ اس بات کی جستجو میں رہتے تھے کہ آپؐ کی ذات سے کسی کو ادنیٰ سی بھی تکلیف نہ پہنچے۔

پھر فرمایا۔ اپنے بھائی کا مال و متاع ضائع کرنے سے بچو اور اس کی غیر حاضری میں اس کے مال کی

دیکھ بھال کرو۔ آج کی دنیا میں تعلقات خراب کرنے کی وجوہات میں اہم ترین وجہ یہ ہے کہ ایک دوسرے کے مال پر حرص کی نظر ہوتی ہے اور اگر ایک دوسرے کا مال بددیانتی سے کھایا جاسکتا ہے تو لوگ کھاتے ہیں بلکہ سکیم بنا کر بھی کھاتے ہیں اور اگر نہیں کھاتے تو اس لئے کہ کوئی سامنے ہے اور جہاں وہ پیچھے ہٹا وہاں اس کی غیبوبت میں اس کا مال کھانا شروع کردیا۔ قرآن کریم اس کی مثال دیتا ہے کہتا ہے کہ دیکھو ہر قوم میں اچھے اور برے لوگ ہیں بعض یہود ایسے ہیں کہ ان کو ڈھیروں بھی تم دے دو تو وہ دیانتداری سے کام لیتے ہیں یعنی دیانتداری صرف کسی ایک قوم یا ایک مذہب کا خاصہ، اور حصہ نہیں۔ ہر خدا کے بندے میں بعض خوبیاں پائی جاتی ہیں اور بعض ایسے بدبخت ہیں کہ جب تک تم سامنے کھڑے رہو اس وقت تک تم سے دیانت کا سلوک کریں گے ذرا تم نے آنکھ جھپکی یا منہ موڑا اور وہ تمہارے لئے بددیانت ہو گئے۔ تو آنحضرت ﷺ حاضر کی دیانت سکھانے کے لئے غائب کی دیانت پر زور دے رہے ہیں۔ جو شخص عدم موجودگی میں دیانتدار ہے اس سے بڑا دیانتدار کوئی نہیں ہوسکتا ورنہ حاضر میں تو بددیانت بھی بعض دفعہ دیانت کر جاتے ہیں۔

پس یہ بات اپنی ذات میں پیدا کریں، اپنے ماحول میں پیدا کریں، اپنے بچوں کو سکھائیں کہ سامنے کی دیانتداری تو بدخلقوں کو بھی نصیب ہو جایا کرتی ہے کیونکہ سامنے ہونے کا ایک خوف ہے مگر پیٹھ پیچھے دیانتداری، یہ اصل خلق ہے۔ لیکن آنحضور ﷺ نے تو اس خلق کو اور بھی زیادہ بڑھا کر پیش فرمایا ہے۔ فرمایا ہے صرف یہ نہیں کہ دیانتداری کرو بلکہ اس کے مال کی حفاظت کرو۔ اس کی آنکھیں بن جاؤ، اس کے کان بن جاؤ، اس کے ہاتھ پاؤں ہو جاؤ، جب تمہارا بھائی ایک چیز چھوڑ جاتا ہے تو اس سے قطع نظر کہ اس نے تمہیں حفاظت کے لئے کہا یا نہیں کہا، تمہیں فکر لاحق ہو جانی چاہئے کہ میرے بھائی کو نقصان نہ پہنچ جائے۔ یہ بہت ہی اعلیٰ درجے کے اخلاق ہیں جو حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سکھلائے اور جن کے نتیجے میں تمام مالی بدمعاملگیاں سب ختم ہو سکتی ہیں کوئی بھی ان میں باقی نہیں رہ سکتی۔ جس شخص کی روح یہ ہو کہ اپنے بھائی کی یعنی ہر دوسرے کی چیز کی اس کی عدم موجودگی میں حفاظت کر رہا ہو۔ اس کے لئے ممکن کس طرح ہے کہ وہ ہر وقت دماغ لڑائے کہ کس طرح میں شراکت کی ترکیب کروں، کس طرح ہم ایک دوسرے سے مل کر کچھ سودے کریں، جب منافع ہوں تو میں کوشش کروں کہ زیادہ منافع ملے۔ میرے ہاتھ آجائے۔ نقصان ہوں تو کوشش ہو کہ بڑا نقصان اس کے پلے پڑ جائے۔ یہ باتیں سوچنے والے کبھی غیب میں کسی کے مال کی

حفاظت کر سکتے ہیں؟ اس لئے بہت ضرورت ہے کہ ہمارے جو معاملات ہیں ان کو اتنا صیقل کریں، اتنا مانجھیں، اتنا صاف کریں کہ دنیا میں احمدیوں سے بڑھ کر نیک معاملہ کرنے والی کوئی قوم نہ ہو، آپ کے تعلقات اب دنیا میں پھیل رہے ہیں، بہت بڑی وسعت اختیار کر رہے ہیں، ہر قسم کی قومیں آ رہی ہیں۔ ان میں سے کچھ مالدار بھی ہوں گے جو آئیں گے، کچھ ضرورت مند بھی ہوں گے جو آپ کے ساتھ تجارتی معاملات بھی کریں گے اور آپ سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے وہاں یہ خلق ہے جوامت واحدہ بنانے میں بہت عظیم کردار ادا کرے گا اور اگر یہ خلق آپ کو نہ نصیب ہوا تو بنے ہوؤں کو توڑنے اور بکھیرنے میں سب سے بڑا گناہ آپ کو ہوگا۔

پس آپس کے تعلقات درست کرو۔ یہاں تو حال یہ ہے کہ بھائی بھائی کے معاملے میں بھی دیانت دار ثابت نہیں ہوتا۔ ماں باپ آنکھیں بند کرتے ہیں تو جائیداد کے جھگڑے شروع ہوتے ہیں جو ختم ہونے کا نام نہیں لیتے۔ بارہ بارہ سال بیس بیس سال تک جھگڑے چلتے ہیں۔ ایسی جماعتیں ہیں جن کے ساتھ بالآخر مجھے تنگ آ کر یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ اتنی دیر کے اندر یہ جھگڑے ختم کرو یا مجھ سے تعلق توڑ لو بیچ کی کوئی اب راہ نہیں رہی۔ بیس بیس سال کے ایسے بگڑے ہوئے تعلقات، جماعتیں پھٹی ہوئیں اور اللہ کا احسان ہے کہ جماعت احمدیہ کو خدا نے یہ بنیادی خلق عطا کیا ہوا ہے کہ خلافت سے وابستہ ہے جب یہ کہا کہ پھر مجھ سے کوئی تعلق نہیں تو پھر لوگوں نے قربانیاں کیں۔ وہ جماعتیں درست ہوئیں اب ان میں بڑی برکت پڑ رہی ہے۔ بعض ایسی جماعتیں ہیں ہندوستان ہی میں، جن کا حال یہ تھا کہ سالہا سال سے کسی نئے احمدی کا منہ دیکھنا نصیب نہیں تھا اب ان جماعتوں میں صرف وہیں بہتر کام نہیں ہوا بلکہ سارے ماحول میں انہوں نے کام شروع کیا ہوا ہے اور حیرت انگیز انقلاب برپا ہو رہا ہے۔ تو جمعیت دوسروں کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور وہ تمام اخلاق جو جمعیت کو منتشر کرنے والے ہیں وہ آپ کے تبلیغی کاموں میں نہ صرف روک بنتے ہیں بلکہ آئے ہوؤں کو بھی دوبارہ دھکیل کر باہر پھینک دینے کا موجب بنتے ہیں اور یہ معاملات ان میں ایک بہت ہی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ بدمعاملگی کے نتیجہ میں خاندان بکھر گئے، بھائی بھائی کا دشمن ہوا، بھائیوں نے بہنوں کے حق مارنے کی کوشش کی بہنوں نے بھائیوں کے حق مارنے کی کوشش کی اور جہاں خاندان بکھر گئے وہاں جماعت کو جمعیت کیسے نصیب ہو سکتی ہے۔ پس آنحضور ﷺ کی باتوں پر غور کریں اور اپنے دل میں

ایسی جگہ دیں کہ پھر کبھی آپ کے دل سے جدا نہ ہوں۔ان کی روشنی میں اپنے آپ کو دیکھیں سب سے بڑا آئینہ تو محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔محمد رسول اللہ ﷺ کے چہرے کے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھیں پھر پتا چلے گا کہ آپ کیا ہیں اور یہ وہ سارے حسن ہیں جو اس آئینے میں محمد رسول اللہ ﷺ کے حسن آپ کو دکھائی دیں گے۔ جہاں جہاں آپ میں کمی ہے یہ حسن آپ کو بتائیں گے اور کسی نفرت کے ساتھ نہیں بلکہ محبت اور پیار اور شفقت اور رحمت کے ساتھ، رأفت کے ساتھ بتائیں گے کہ دیکھو میں تو یہ ہوں اگر تم میری پیروی کرنا چاہتے ہو تو ایسا بننے کی کوشش کرو۔ پس آنحضور ﷺ یہ ایک مثال دیتے ہیں کہ غیر حاضری میں اپنے بھائی کے مال کی حفاظت کرو جب اور کوئی اس کی حفاظت کرنے والا نہ ہو اور پھر اس مثال کو ایک بہت ہی حیرت انگیز طور پر دل پر گہرا اثر کرنے والی کہانی کے طور پر بیان کرتے ہیں۔کہانی نہیں یعنی ایک قصہ، واقعہ کے طور پر بیان کرتے ہیں۔

ایک لمبی حدیث ہے جس میں تین آدمیوں کا ذکر ہے جو ایک غار میں رات بسر کرنے کے لئے داخل ہوئے اور زلزلہ آیا یا اور آندھی یا طوفان کے نتیجے میں وہ غار جس کے منہ سے پتھر سرکا ہوا تھا وہ رات کو ان کے سوتے میں غار کے منہ پر آپڑا اور اتنا بھاری تھا کہ وہ اس کو ہلا نہیں سکتے تھے۔تب ان تینوں نے یہ سوچا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے کسی ایسے نیک عمل کا حوالہ دے کر اس سے عاجزانہ عرض کریں کہ اے خدا اگر یہ سچا واقعہ ہے جو ہم بیان کر رہے ہیں اور اگر تیرے سوا کسی اور کی خاطر ہم نے یہ نہیں کیا، محض تیرے جلال کی خاطر اور تیرے تعلق کی خاطر ہم نے ایسا کیا تھا تو پھر تو ہم سے رأفت کا معاملہ فرما اور ہم اس پتھر کو نہیں ہٹا سکتے تو اس پتھر کو ہٹا دے۔ جب ایک شخص نے اپنا واقعہ بیان کیا تو چونکہ وہ سچا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابل پر 1/3 حصہ پتھر کو ایک طرف سرکا دیا یعنی ابھی انسان گزر نہیں سکتا تھا مگر شگاف پیدا ہو گیا۔ پھر دوسرے نے واقعہ بیان کیا پھر اللہ تعالیٰ نے انہی آسمانی ذرائع سے جن سے پتھر غار کے منہ میں آیا تھا ان کو حرکت دیتے ہوئے انہی کے ذریعہ سے پتھر کو اور سرکا دیا لیکن ابھی وہ باہر نہیں جا سکتے تھے۔ایک شخص جس نے اپنا واقعہ بیان کیا اس کا معاملات سے تعلق ہے اور اسی حدیث سے ہے جو میں آپ کے سامنے پیش کر چکا ہوں، اسی کی تشریح ہے۔اس پر تیسرا آدمی بولا ابھی آخری حصہ باقی تھا اور نکل نہیں سکتے تھے اگر یہ تیسرا آدمی کچھ نہ بیان کرتا تو گویا وہ پتھر وہیں پڑا رہتا کہ اے میرے اللہ میں نے کچھ مزدور رکھے تھے اور کام لینے کے بعد ان کو مزدوری ادا کر دی

تھی ان کا حق نہیں مارا۔ البتہ ایک آدمی نے مزدوری کم سمجھتے ہوئے نہ لی یعنی کم سمجھتے ہوئے تو یہ بریکٹ کے ترجمہ کرنے والے کے الفاظ ہیں مراد یہ ہے کہ کسی وجہ سے ناراض ہو گیا یا جو بھی وجہ تھی اس نے مزدوری نہ لی اور چلا گیا۔ میں نے اس کی یہ چھوڑی ہوئی رقم کاروبار پہ لگا دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں برکت دی اور بہت نفع ہوا۔ کچھ مدت کے بعد بالآخر اس پر تنگدستی کا دور آیا اور اتنا غریب ہوا کہ مجبور ہو گیا کہ واپس آ کر مجھ سے اسی مزدوری کا مطالبہ کرے۔ کہتے ہیں وہ شخص جب آیا اور مجھے اس نے مزدوری دینے کے لئے کہا تو میں نے اسے ایک اونٹوں اور بکریوں اور بھیڑوں سے بھری ہوئی وادی دکھائی کہ یہ سب تمہاری مزدوری ہے لے لو۔ اس نے کہا بھائی مذاق تو نہ کرو، میں غریب آدمی ہوں غلطی ہوئی مزدوری چھوڑ کر چلا گیا تھا لیکن کم سے کم مجھ سے مذاق تو نہ کرو۔ اس نے کہا نہیں بھائی میں مذاق نہیں کر رہا میں سچ کہہ رہا ہوں کیونکہ اس مزدوری کو میں نے تمہارے بعد کام پر لگایا تھا اور اس کا الگ حساب رکھا تھا اور اللہ نے اتنی برکت دی کہ جہاں میرے مال میں برکت پڑی وہاں تمہارے مال میں بھی برکت پڑی اور یہ جو بھیڑ بکریاں اور اونٹ تمہیں دے رہا ہوں میں شروع سے ہی الگ رکھتا چلا آیا ہوں کیونکہ ان کو پھر میں تجارت پر لگاتا ہوں پھر برکت پڑتی ہے پھر یہ بڑھ جاتے ہیں تو ان کا حساب میں نے الگ رکھا ہوا ہے اور یہ تمہارے ہیں۔ اس پر وہ خوشی سے دعائیں دیتا ہوا چلا گیا اور اس وقت وہ پتھر سرک گیا اور ان تینوں کو خدا نے یہ توفیق بخشی کہ اس قید خانہ میں جان دینے کی بجائے دوبارہ آزادی کا سانس ان کو نصیب ہوا۔ (بخاری کتاب احادیث النساء حدیث نمبر: 3206)

یہ چھوٹی چھوٹی نیکیاں ہیں اور یہ تمثیل ہے۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ کب، کہاں، یہ کیسے واقعہ ہوا لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ ضروری نہیں کہ اسی طرح کی مصیبت میں ہم پھنسے ہوں۔ ہم ہزار قسم کی مصیبتوں میں پھنس جاتے ہیں اور وہاں صرف ایک انسان کی نیکی اسے فائدہ نہیں دیتی بلکہ اپنے بھائی کو بھی دیتی ہے اور یہاں وہ مثال بہت ہی پیارے طور پر صادق آتی ہے کہ مومن مومن کا آئینہ ہے اور بھائی بھائی ہے اور اس کے غیب میں اس کے مال کی حفاظت کرتا ہے اور اس طرح مومن کا فیض اپنے بھائی کو پہنچتا ہے اور تمثیل ایسی عظیم بیان کی کہ ان تینوں کا اجتماعی فیض تھا جس فیض نے ان کو نجات عطا کی، انفرادی فیض نہیں تھا۔ پس حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی باتیں حیرت انگیز طور پر عرفان میں ڈوبی ہوئی بلکہ عرفان کا ایک سمندر ہیں جو ہمارے سامنے پیش کرتی ہیں ان کو غور

سے سنیں، پڑھیں، اپنے دل میں جگہ دیں تو پھر پتا چلے گا کہ آپ کی کوئی نیکی بھی ضائع نہیں جاتی۔ کوئی خلق ایسا نہیں ہے جو بے پھل کے رہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے نتیجہ میں آپ ہی کے اموال اور جان اور آپ کی خوشیوں میں برکت نہیں دیتا بلکہ آپ کا فیض اردگرد بھی پھیلاتا ہے اور وہ لوگ جو مالی کمزوریوں میں مبتلاء ہیں۔ بد دیانتی سے ایک دوسرے کا مال کھاتے ہیں یا نیک نیت سے اشتراک کرتے ہیں اور جب بُرا وقت آئے تو پھر بہانے بنا بنا کر اپنا نقصان کم کرنے اور بھائی کا نقصان بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں یا دھوکے دے کر اور لالچ دے کر پیسے وصول کرتے ہیں اور پھر ان کے کام نہیں کرتے ان کو بے یار و مددگار چھوڑ جاتے ہیں ان کا جماعت مومنین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان کو وہم ہے کہ وہ حضرت محمد مصطفی ﷺ کے غلام ہیں کیونکہ وہ اپنا تعلق آنحضورؐ سے کاٹ لیتے ہیں اور پھر آپس میں بھائیوں سے بھی ان کا کوئی تعلق قائم نہیں رہتا وہ دور ہوتے چلے جاتے ہیں اور دور ہٹتے چلے جاتے ہیں اور دور ہٹا دئے جاتے ہیں خدا کی طرف سے، یہاں تک کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وہ مثال صادق آتی ہے فرمایا ”اے میرے درخت وجود کی سرسبز شاخو! تم میں بعض (فرماتے ہیں) ایسے بھی ہیں میں جانتا ہوں جو خشک ٹہنیوں کی طرح ہیں بظاہر میرے وجود سے لگے ہوئے ہیں لیکن میرے وجود سے ان کا کوئی تعلق نہیں کیونکہ جو تعلق رکھتا ہے وہ لازماً سرسبز و شاداب ہوگا۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ آپ کو حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ سے سچا عشق ہو اور آپ خشک ٹہنی بن جائیں۔

پس اس دور میں جب خدا تعالیٰ نے آنحضورؐ کے اخلاق کو از سرنو دنیا میں قائم کرنے کا فیصلہ فرمایا تو آپؐ ہی کے خلق پر امام مہدیؑ کو پیدا کیا اور آپ نے وہی محاورے استعمال فرمائے جو آنحضور ﷺ نے فرمائے تھے اور انہی کے حوالے سے ساری باتیں پھر کہیں۔ پس آپ کہتے ہیں تم خشک ٹہنیوں کی طرح میرے ساتھ زیادہ دیر نہیں لگے رہو گے کیونکہ جس طرح ایک باغبان اپنے زندہ پودوں کی حفاظت کے لئے خشک ٹہنیوں کو ان سے جدا کر دیتا ہے۔ کیونکہ وہ خشک ٹہنیاں دوسری زندہ ٹہنیوں کا رس بھی چوسنے لگ جاتی ہیں مگر بے کار۔ رس تو چوستی ہیں مگر کسی کام نہیں آتا اور اپنے ساتھ کی شاخوں کو بھی سکھانے لگ جاتی ہیں۔ فرمایا میرا ایک باغبان ہے، میرا ایک خدا ہے جو مجھ پر اور میرے تعلقات پر نظر رکھ رہا ہے وہ پسند نہیں فرمائے گا کہ میری ذات کے ساتھ خشک ٹہنیاں پیوستہ رہیں اور وہ ضرور کاٹی جائیں گی اور جب وہ کاٹی جاتی ہیں تو پھر وہ جلانے کے کام آتی ہیں پھر تم جہنم کا

ایندھن بنو گے۔ پس اپنے تعلقات کو حضرت محمد مصطفی ﷺ سے استوار کریں اور وہ یہی ایک ذریعہ ہے کہ آپ کے اخلاق کا جوڑنے والا مصالحہ حاصل کریں وہ ایک طرف آپ کو محمد رسول اللہ سے جوڑے گا اور دوسری طرف اپنے بھائیوں کے ساتھ جوڑے گا اور اس طرح وہ جمعیت نمودار ہوگی جس کی متعلق قرآن کریم فرماتا ہے وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا‘‘

اللہ تعالیٰ ہمیں وہ جمعیت عطا فرمائے اس جمعیت کے بغیر ہم دنیا میں کوئی انقلاب برپا نہیں کر سکتے۔ الحمد للہ کہ وہ جمعیت نصیب ہو رہی ہے، الحمد للہ کہ میں محبت کے عجیب عجیب حیرت انگیز دل لبھانے والے اظہار دیکھ کر آیا ہوں۔ جرمنی کی جماعت کو خدا نے یہ توفیق بخشی ہے کہ وہ تیزی کے ساتھ نشوونما پانے لگی ہے۔ ہر قوم میں پھیل رہی ہے۔ ہر قوم سے تعلق جوڑ رہی ہے اور ایسے ایسے نئے آنے والے عشاق دیکھے ہیں کہ ان کی نظروں کو دیکھ کر میں ورطۂ حیرت میں ڈوب گیا۔ وہی لوگ جو ایک دو سال پہلے ملے تھے ان کی آنکھوں میں اجنبیت تھی، کوئی تعلق کے آثار نہیں تھے اب وہ آنکھیں عشق سے معمور تھیں۔ ہر لحظہ قربانی کے لئے تیار تھیں یہاں تک کہ ایک موقع پر جب میں نے ایک معاملے میں نصیحت کی اور اس کا لوگوں پر اثر ہوا تو ایک سکھایا پڑھایا امام آگے آیا۔ اس نے وہی باتیں کیں جو ہم جانتے ہیں کہ پاکستان میں مولوی، احمدیوں سے دور کرنے کے لئے دوسروں کو سکھاتے ہیں۔ صاف دکھائی دے رہا تھا کہ سکھایا پڑھایا شخص ہے۔ جب وہ یہ باتیں بیان کر رہا تھا اور ایک مکیڈونیا کا احمدی جو تھوڑا عرصہ ہوا احمدی ہوا تھا لیکن اتنی محبت اور ایسا جوش اس کے دل میں ہے کہ بار بار اچھل کے اٹھتا تھا میری طرف دیکھتا تھا کہ مجھے اجازت دیں میں اس کا جواب دوں گا۔ مگر میں ہر دفعہ اس کو اشارے سے روکتا رہا اور پھر تحمل سے میں نے بات بیان کی یہ ویسے ہی عشاق ہیں جن کا ذکر آپ پرانے زمانوں میں انبیاء کے حوالوں سے پڑھتے ہیں اور انبیاء ہی کی برکت سے وجود میں آئے ہیں۔ اگر مسیح موعود دوبارہ دنیا میں تشریف نہ لاتے تو وہ اولین کے نظارے جو تاریخ کی زینت تھے وہ آج اس زمانے کی زینت نہیں بن سکتے تھے۔ پس ان خوبیوں کی حفاظت کریں یہی اخلاق حسنہ ہیں جو آپ کو زندگی بخشیں گے یہی اخلاق حسنہ ہیں جو لوگوں کے دلوں میں ایک عظیم روحانی انقلاب برپا کر دیں گے۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔ آمین۔

للّٰہی محبت، للّٰہی بغض اسوہ رسول ﷺ کی روشنی میں

محبت سب کیلئے نفرت کسی سے نہیں کا حقیقی مفہوم

(خطبہ جمعہ فرمودہ 10 / جون 1994ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیت کریمہ تلاوت کی۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۖ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۗ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ (آل عمران: 104)

پھر فرمایا:۔

یہ آیت کریمہ جس کی پچھلے دو خطبات میں بھی تلاوت کر چکا ہوں اسی کا مضمون جاری ہے لیکن اس سے پہلے میں چند اعلانات کرنا چاہتا ہوں۔ مجلس خدام الاحمدیہ ضلع سرگودھا کی طرف سے درخواست آئی ہے کہ آج سے ان کے اجتماعات شروع ہو رہے ہیں اس لئے ان کو بھی خصوصی دعاؤں میں شامل کیا جائے۔ جماعت احمدیہ گوئٹے مالا کا پانچواں جلسہ سالانہ کل گیارہ جون سے شروع ہو رہا ہے، دو دن جاری رہے گا۔ اس میں پہلے دو دن تو علمی تقاریر اور جو روایتی جماعت کے پروگرام ہیں وہ ہوں گے لیکن ایک دن آخر پر مذہبی رواداری کے نام پر سیمینار منعقد کیا جا رہا ہے جس میں تمام بڑے

بڑے مذاہب کو موقع دیا جائے گا کہ وہ اپنے نمائندے بھیجیں اور اپنے مذہب کے نقطہ نگاہ سے اس پر روشنی ڈالیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ بڑے بڑے اہم نمائندوں نے دعوت کو قبول کر لیا ہے وہ بھی اس سیمینار میں شریک ہوں گے۔ مجلس خدام الاحمدیہ نارتھ یارک (یہ کینیڈا میں ہے) کا تیسرا جلسہ سالانہ اور اجتماع بارہ جون بروز اتوار منعقد ہو رہا ہے۔ آل آندھرا پردیش خدام الاحمدیہ اور اطفال الاحمدیہ کا سالانہ اجتماع کل گیارہ جون سے شروع ہو رہا ہے اور اس کے بعد جلسہ پیشوایانِ مذاہب ہوگا۔ لجنہ اماء اللہ میونخ ریجن کا ایک روزہ سالانہ اجتماع کل گیارہ جون کو منعقد ہو رہا ہے بہت سے ایسے اجتماعات ہیں جو اور بھی جگہ ہو رہے ہوں گے، بعضوں کو موقع مل جاتا ہے وقت پر اطلاع دے دیتے ہیں، بعضوں کی اطلاعیں بعد میں ملتی ہیں، بعضوں کو وقت پر یاد بھی نہیں رہتا مگر خواہش سبھی کی ہوتی ہے۔ پس جہاں جہاں بھی دینی اغراض سے جماعت احمدیہ کسی رنگ کے بھی اجتماع منعقد کر رہی ہے، دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان میں برکت ڈالے۔ خالصۃً للہ اکٹھے ہوں، خالصۃً للہ جدا ہوں اور ان کے تمام کے ملنے میں بھی برکتیں ہوں، ان کی جدائیوں میں بھی برکتیں ہوں۔

حضرت عبادہ بن صامتؓ روایت کرتے ہیں یہ کہتے ہیں کہ میں آپ سے صرف وہی بات بیان کروں گا جو من وعن میں نے حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اپنے الفاظ میں کوئی روایت بیان نہیں کی بلکہ وہ الفاظ یاد رکھے ہیں اور یہ روایت بیان کرتے وقت کہا کرتے تھے کہ میں وہی بات کہوں گا جو بعینہٖ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور غالباً یہ غیر معمولی احتیاط اسی لئے انہوں نے برتی ہے کیونکہ حدیث قدسی میں جب آنحضور ﷺ بات خدا کی طرف منسوب کریں تو وہ کلام غیر معمولی اہمیت اختیار کر جاتا ہے اور من وعن ویسا ہی بیان کرنا ضروری ہے فرماتے ہیں ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میری وجہ سے آپس میں محبت کرنے والوں پر میری محبت واجب ہوگئی ہے اور میری وجہ سے ایک دوسرے پر خرچ کرنے والوں پر میری محبت واجب ہوگئی ہے اور میری وجہ سے ایک دوسرے سے دوستی کرنے والوں پر میری محبت واجب ہوگئی ہے اور صلہ رحمی کرنے والوں پر بھی'' یہ جو آخری فقرہ ہے ''صلہ رحمی کرنے والوں پر بھی'' ان کے ضمیر کی احتیاط نے پھر ایک تقاضا کیا ہے کہ مجھے یہ بعینہٖ یاد نہیں غالباً یہی کہا تھا اس لئے احتیاطاً یہ کہا کہ یا تو بالکل یہی الفاظ تھے ''صلہ رحمی کرنے والوں پر'' یا یہ فرمایا تھا کہ ''ایک دوسرے سے

میری خاطر ملنے جلنے والوں پر' اللہ پران کی محبت فرض ہو جاتی ہے۔(مسند احمد بن حنبل، جز خامس صفحہ:229)

آج کے جتنے اجتماعات ہیں وہ خدا کے فضل کے ساتھ محض للہ ہیں اور جماعت کے تمام اجتماعات محض للہ ہوتے ہیں۔کوئی میلہ ٹھیلہ مراد نہیں ہوتی اور کوئی مقصد نہیں ہوتا اور اس کے ساتھ ہی آپس میں تعلقات کے روابط بڑھتے ہیں اور ان اجتماعات میں شامل ہونے والے ایک دوسرے سے محبت کرنے لگتے ہیں۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جلسہ سالانہ کے مقاصد میں جو بات بیان فرمائی وہ یہی تھی کہ محض للہ یہاں آؤ اور دین سیکھو اور آپس میں محبتیں بڑھاؤ اور ایک دوسرے سے تعارف حاصل کرو اس طرح جماعت میں ایک عالمگیریت آنی شروع ہو جاتی ہے اور آپ اگر اپنے طور پر سوچیں، وہ لوگ جن کو مرکزی جلسوں میں آنے جانے کے موقعے ملتے رہتے ہیں یا مہمانوں کی خدمت کی توفیق ملتی رہی ہے وہ جانتے ہیں کہ جماعت احمدیہ کے تعلقات کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ دنیا میں کوئی اور جماعت اور کوئی اور قوم یہ دعویٰ ہی نہیں کر سکتی۔کیونکہ کثرت کے ساتھ اللہ کے نام پر ایک جگہ اکٹھے ہونے والے جو مختلف ملکوں اور قوموں اور مختلف تہذیبوں سے تعلق رکھتے ہیں کہیں اور اکٹھے نہیں ہوتے اور آپس میں پھر ایک دوسرے سے ان کی محبتیں نہیں بڑھتیں۔انگلستان کی جماعت میں جب تک انٹرنیشنل جلسہ شروع نہیں ہوا تھا ان کو اس بات کا ذائقہ ہی نہیں تھا کہ یہ کیا چیز ہوتی ہے۔اتفاقاً کوئی باہر سے آ گیا اور شامل ہو گیا۔اب یہ دیکھتے ہیں کہ کس طرح ہر جلسے پر سب دنیا سے لوگ کھچے چلے آتے ہیں اور مختلف رنگوں اور مختلف نسلوں کے اور جب ایک مقامی آدمی کی ان پر نظر پڑتی ہے تو بلا شبہ محبت کی نظر پڑتی ہے۔کئی دفعہ گزرتے ہوئے میں نے دیکھا ہے کوئی غیر ملکی کھڑے ہیں اور ساتھ اردگرد مقامی لوگ جمگھٹا کر کے کھڑے ہو گئے اور بڑے غور اور پیار سے ان کو دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ہر ایک کی خواہش ہوتی ہے ان سے مصافحہ کرے، ان سے تعلقات بڑھائے۔یہی حال آنے والوں کا ہوتا ہے۔جاتے ہیں تو بھیگی ہوئی آنکھوں کے ساتھ واپس جاتے ہیں اور واپس جا کر جو خطوط لکھتے ہیں ان سے پتا چلتا ہے کہ یہ مقامی لوگوں سے ہی نہیں بلکہ وہ دوسرے، جو دوسرے ملکوں سے آئے تھے ان سے بھی ان کے تعلقات بڑے گہرے ہو گئے ہیں اور پھر آپس میں خط و کتابت کے سلسلے چل پڑتے ہیں ایک دوسرے کو دعوت دیتے ہیں کہ تم ہمارے ملک میں بھی آؤ۔تو یہ عالمگیریت جو جماعت احمدیہ کو عطا ہوئی ہے۔درحقیقت حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیم

ہی کا صدقہ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو یہ گر سیکھے یہ حضرت محمد رسول اللہؐ سے ہی سیکھے تھے اور ان کو پھر جاری فرمایا اور ایسی جماعت میں جاری فرمایا جس کو آپ کے ساتھ للّٰہی محبت تھی۔ ایسی محبت کہ آج کی دنیا میں اس کی کوئی مثال نظر نہیں آ سکتی کہ کسی جماعت کو اپنے امام سے ایسا گہرا عشق، اتنا پیار ہو کہ اس کی ادنیٰ باتوں پر بھی جان قربان کرنے کے لئے تیار بیٹھی ہو۔ پس وہ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سیکھا وہ اپنے آقا و مولا اور ہم سب کے آقا و مولا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے سیکھا اور چونکہ آپؐ ہی کی پیشگوئی کے مطابق آپؑ کو اس دنیا کے مہدی اور امام تسلیم کر کے ہمارے دل میں للّٰہی محبت پیدا ہوئی اس لئے اسی محبت کے صدقے، اسی محبت کے رابطے سے ہمارے آپس کے تعلقات بڑھ رہے ہیں لیکن ہم کتنے ہیں جو اس بات کو سوچتے ہیں۔ بسا اوقات ملنے والوں کو، تعلق بڑھانے والوں کو خیال ہی نہیں آتا کہ یہ سلسلہ کیا ہو رہا ہے اور کہاں سے چلا تھا۔

یہ جو حدیث میں نے آپ کے سامنے پڑھ کر سنائی ہے یہ سارے جلسوں کی روح اس کے اندر شامل ہے اور حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وجود کا حضرت رسول اکرم ﷺ کا کلام حصہ بن چکا تھا۔ آپ کی سرشت بن گئی تھی، آپ کی فطرتِ ثانیہ تھی۔ پس جو باتیں بھی آپ فرماتے تھے، جو نصیحتیں بھی کرتے تھے وہ تمام تر قرآن اور حدیث پر مبنی بلکہ اس کی روح میں جذب ہو کر کیا کرتے تھے اور بھی تو کرتے ہیں یہی کہتے ہیں کہ قرآن کی باتیں کر رہے ہیں، کون ہے جو ان کی بات کو مانتا ہے۔ **تو للّٰہی محبت سے طاقت پیدا ہوتی ہے۔ یہ مضمون ہے جو میں آپ کو سمجھا رہا ہوں۔ اس طاقت ہی کے نتیجے میں اجتماعیت بنتی ہے۔ اسی طاقت کے نتیجہ میں اطاعت کی روح پیدا ہوتی ہے۔ للّٰہی محبت کو نکال دیں تو پیچھے کچھ بھی نہیں رہے گا،** وہ جمعیت جو بظاہر ایک توحید کے نام پر ایک عظیم مقدس نام پر عالمگیریت کا دعویٰ کرتی ہے وہ منتشر ہو کر پارہ پارہ ہو جاتی ہے۔ مسجد کا مسجد سے تعلق ٹوٹ جاتا ہے۔ فرد کا فرد سے تعلق ٹوٹ جاتا ہے اور صلہ رحمی کا کوئی سوال ہی باقی نہیں رہتا۔

پس اگر آنحضرت ﷺ نے 'صلہ رحمی' بھی فرمایا تھا تو اس مضمون کی تکمیل ہوئی ہوگی۔ میرا ذاتی رجحان یہی ہے کہ آپ نے صلہ رحمی ہی فرمایا ہوگا۔ ان کو جو شک پڑا ہے راوی کو اس وجہ سے شک پڑا ہے کہ مضمون تو عالمگیریت کا ہے سب بھائیوں کا ایک دوسرے سے اللہ کی خاطر محبت کرنے کا، یہاں صلہ رحمی کا کیا ذکر آ گیا۔ اپنی طرف سے تو پورا یاد کیا تھا اور نفس گواہی دیتا تھا کہ یہی ہے جو مجھے

یاد ہے تبھی شروع میں یہ دعویٰ کیا کہ میں جو کچھ بیان کروں گا لفظاً لفظاً وہی ہے جو حضور اکرم ﷺ سے میں نے سنا ہے۔

آخر پر پہنچ کر اگر شک ہے تو دراصل یادداشت کا شک نہیں مضمون کا شک پڑا ہے۔ آنحضورؐ تو للّٰہی محبت کی باتیں کرتے ہیں تمام دنیا کے ہر قوم سے تعلق رکھنے والے اس محبت میں باندھے جاتے ہیں وہاں رشتوں کی محبت کی کیا بحث ہے۔ لیکن صلہ رحمی کا اس سے گہرا تعلق ہے کیونکہ قرآن کریم عدل اور احسان کے بعد **ایتاء ذی القربیٰ** کی بات کرتا ہے۔ احسان میں کون سے خونی رشتے ہوتے ہیں۔ احسان کا مضمون ہی دراصل عالمگیریت سے تعلق رکھتا ہے۔ تمام بنی نوع انسان کے ساتھ یہ مضمون برابر تعلق رکھتا ہے اور کوئی فرق نہیں ہے تو سوال یہ ہے کہ پھر ایسی بات کہہ کر احسان کا مضمون بیان کر کے جس کا بنی نوع انسان سے اور انسان کی عالمگیریت سے تعلق ہے اچانک مضمون کا رخ صلہ رحمی کی طرف پھیر دینا اور **ایتاء ذی القربیٰ** کا ذکر کر دینا کیا معنے رکھتا ہے۔ جو معنے وہاں رکھتا ہے وہی یہاں معنے رکھتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ للّٰہی محبت پھر ایسی بڑھی کہ اس میں پھر سوچوں کے دائرے ختم ہو جائیں۔ یہ سوچ کہ ہمیں محبت ہونی چاہئے۔ یہ اگر کام دکھا رہی تھی تو خود غائب ہو جائے اور اس کی جگہ ایک ایسا تعلق لے لے جس میں سوچوں کا کوئی دخل نہیں ہوا کرتا۔ ماں بیٹے سے محبت کرتی ہے تو یہ سوچ کر تو نہیں کرتی کہ مجھے محبت کرنی چاہئے۔ بیٹا ماں سے پیار کرتا ہے یہ سوچ کر تو نہیں کرتا کہ مجھے پیار کرنا چاہئے۔ اسی طرح رحمی رشتوں کا حال ہے۔ تو فرمایا کہ صلہ رحمی کرو یعنی بنی نوع انسان کے ساتھ اللہ کی خاطر ایسا تعلق قائم کرو کہ وہ تمہارے خونی رشتے بن جائیں اور خونی رشتوں کی طرح پاک صاف اور دلیل کے احتیاج سے بالا ہو جائیں، کوئی دلیل کی ضرورت نہ رہے، از خود تعلق دل سے پھوٹے۔

اور امرِ واقعہ یہ ہے کہ آج کی دنیا میں جماعت احمدیہ اس مضمون کے اطلاق کا ایک زندہ اور پاکیزہ نمونہ ہے۔ آپ بے شک اپنی یادوں کو کرید کر دیکھیں۔ آپ نے جب جلسوں میں شرکت کی ہے جہاں للّٰہی لوگ اکٹھے ہوتے ہیں تو کبھی آپ نے کسی افریقہ سے آئے ہوئے سے اس لئے محبت نہیں کی کہ مجھے کرنی چاہئے۔ کسی فجی آئی لینڈ کے دوست سے یہ تعلق نہیں باندھا کہ چونکہ ایسا ہونا چاہئے اس لئے میں تعلق کروں گا۔ دل سے از خود محبت پھوٹتی ہے۔ اسی 'طبعی محبت' کا نام 'صلہ رحمی'

ہے۔ پس آج کی دنیا میں حقیقت میں حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے ارشادات کو عملی نمونہ کے طور پر اگر کسی نے زندہ دیکھنا ہے اور اجاگر ہوتا ہوا دیکھنا ہے تو جماعت احمدیہ کی تخلیق میں دیکھے۔ جماعت احمدیہ جن خطوط پر آگے بڑھ رہی ہے یہ وہی نمونے ہیں جن کو پیدا کرتی ہوئی اور مزید بڑھاتی ہوئی آگے بڑھ رہی ہے۔ پس جیسا کہ میں پہلے بھی اس مضمون کو نئے آنے والوں کے تعلق سے بیان کر چکا ہوں۔ آج پھر آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ یہ جو خدا نے آپ کو نعمت عطا فرمائی ہے اور آپ کو معلوم بھی نہیں تھا کہ کیسے عطا ہوئی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وسیلے سے دوبارہ عطا ہوئی ہے۔ اس وسیلے کو نکال دیں تو باقی امت محمدیہ بھی تو وہی موجود ہے جس میں قرآن بھی موجود ہے اور حدیث بھی موجود ہے ان کو کیوں یہ محبت نصیب نہیں۔ کس طرح ان کے دل ایک دوسرے سے کٹے ہوئے اور بٹے ہوئے ہیں۔ پس اس نصیحت کو یاد رکھیں کہ اللہ نے دوبارہ یہ نعمت اپنے فضل سے عطا کی ہے اور نعمت کے سوا دل نہیں باندھے جا سکتے۔ پہلے بھی میں نے ایک آیت کریمہ کے حوالے سے سمجھایا تھا کہ اگر چہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو فرمایا ہے کہ تو نے دل نہیں باندھے میں نے باندھے ہیں۔ تجھ میں طاقت نہیں تھی کہ ان ایک دوسرے کے دشمنوں اور جان کے دشمنوں کو بھائیوں کے رشتے میں آپس میں باندھ دو، ایک جان بنا دو۔ اللہ کو طاقت تھی، اللہ نے باندھا ہے لیکن کیسے؟ بِنِعۡمَتِهٖۤ اللہ کی نعمت سے اخوان بنے ہیں اور نعمت کا مضمون قرآن سے ثابت ہے۔ اول طور پر نبوت پر اطلاق پاتا ہے۔ پس فرمایا کہ تیری نبوت جو تجھے خدا نے رحمت کے طور پر عطا کی ہے وہ بھی تو تو گھر سے نہیں لے کے آیا تھا۔ وہ نبوت بھی تو ہم نے عطا کی تھی۔ اس نبوت میں طاقت نہیں مگر اللہ نے جس مقام پر تجھے فائز فرمایا ہے اس مقام کو اس منصب کو کچھ طاقتیں عطا کی ہیں انہی کی برکت ہے کہ یہ سب کچھ ہو رہا ہے یہ سب ایک دوسرے سے تعلق باندھے جا رہے ہیں۔

اس بات کا قطعی ثبوت کہ یہ تفسیر درست ہے یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو بیچ سے نکال لیں۔ آپ کی محبت کو ہٹا دیں تو وہی قرآن ہے وہ کبھی وہ محبت پیدا نہیں کر سکتا۔ آنحضرت ﷺ جب اپنے رفیق اعلیٰ کے حضور جانے کے لئے رخصت ہوئے تو کیا واقعہ گزرا۔ کس طرح پھر آپس میں لڑائیاں شروع ہوئیں اور پھر وہ تفرقے بڑھتے بڑھتے آج اس حال پہ مسلمان پہنچ چکے ہیں کہ ناقابلِ بیان ہے۔ تو نعمت سے اول مراد رسول کی ذات ہے۔ خدا کا نبی ہے اور باہمی محبت اس کے مرکز میں پہلے

مرکوز ہو کر پھر وہاں سے منتشر ہوتی ہے اور شعاعوں کی طرح پھوٹتی ہے۔ وہ تعلق بیچ میں نہ ہو تو آپ سب منتشر ہو جائیں گے اگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آج تصور اپنے میں سے نکال دیں تو آپ میں سے کسی کو ایک دوسرے کی پرواہ نہیں رہے گی اور اس تعلق کو خلافت آگے بڑھا رہی ہے اور وہ تعلق پھر خلافت کی ذات میں مرکوز ہوتا ہے اور پھر آگے چلتا ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آیت استخلاف کی تفسیر میں یہی فرمایا ہے۔ فرمایا وہ جاہل ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ نبوت کی برکتیں نبی کی زندگی تک محدود ہو جاتی ہیں ان برکتوں کو آگے چلانے کے لئے آیت استخلاف کا وعدہ ہے اور خلافت کے ذریعہ وہ برکتیں آگے بڑھائی جاتی ہیں۔

پس یہ بھی امرِ واقعہ ہے کہ جیسی محبت خلیفہ کو جماعت سے ہوتی ہے یا جماعت کو خلیفہ سے ہوتی ہے اس کی کوئی مثال دنیوی تعلقات میں کہیں دکھائی نہیں دیتی اور یہی محبت ہے جو پھر آپس میں انتشار کرتی ہے۔ جس طرح ایک مرکز پر لیزر کی شعاعیں اکٹھی ہوں اور پھر منتشر ہو کر ارد گرد پھیلیں، وہی کیفیت ہے۔ یہ محبت جتنی زیادہ ہوگی اتنا ہی آپ کے آپس میں للّٰہی تعلقات بڑھیں گے۔ یہ ایک ایسا مضمون ہے جو میں ساری اپنی زندگی کی تاریخ اور تجربوں پر نگاہ ڈال کر بیان کر رہا ہوں۔ میں نے دیکھا ہے جن کو خلیفہ وقت سے زیادہ محبت ہوتی ہے وہی آپس میں ایک دوسرے سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔ جن کے دل میں بغض اور دُوریاں ہوتی ہیں وہ آپس میں بھی ایک دوسرے سے بغض کرتے ہیں اور دُور ہو جاتے ہیں۔

پس اگر آپ نے اس نعمت کو پکڑے رہنا ہے تو وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا اللہ کی رسی پر اجتماعیت کے ساتھ مضبوطی سے ہاتھ ڈال دیں اور ایسا ہاتھ ڈالیں کہ لَا انْفِصَامَ لَهَا وہ مضمون بھی صادق آئے کہ پھر اس ہاتھ کا چھٹنا ممکن نہ رہے۔ اگر ایسا ہو تو آپ کی آپس کی محبت کی ہمیشہ کے لئے ضمانت ہے، کوئی دنیا کی طاقت آپ کو پارہ پارہ نہیں کر سکتی، کوئی دنیا کی طاقت آپ کے دلوں کو پھاڑ نہیں سکتی اور یہ سارے وہ مضمون ہیں جو قرآن کی وحی کی روشنی میں آنحضرت ﷺ کی ذات میں ظاہر ہوئے، آپؐ کی ذات میں جلوہ گر ہوئے، آپؐ کی زبان سے ہم نے ان کو سنا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وساطت سے اس زمانہ میں ہم نے ان کے اندر ایک زندگی پائی۔ وہ زندگی جو ہمیشہ سے تھی مگر لوگ مردہ تھے جن پر وہ اثر نہیں کر رہی تھی، مسیح موعود

علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد سے ہم نے اسے زندہ محسوس کیا اور اسی زندگی سے ہمارے محبت کے رشتے زندہ ہو گئے، ہمارے دل دوبارہ دھڑکنے لگے، ہم میں اجتماعیت کا احساس، پیدا ہوا۔ یہ جب تک زندہ رہے گا ہم دنیا کو امتِ واحدہ بناتے رہیں گے۔ یہ طاقت ہمیں خدا سے نصیب ہوئی ہے، کوئی دنیا کی طاقت، یہ طاقت ہم سے چھین نہیں سکتی۔ راز اس کا وہی ہے جو میں بیان کر چکا ہوں۔ اس کو سمجھیں، اس پر قائم ہو جائیں تو آپ کے اندر مزید مقناطیسی طاقتیں پیدا ہوں گی اور آپ بڑی قوت کے ساتھ نئے آنے والوں کو اپنے ساتھ کھینچیں گے اور یہ اجتماعیت کا دائرہ بڑھتا چلا جائے گا۔ اللہ کرے کہ ہمیں آنحضرت ﷺ کی ان نصیحتوں کو سمجھنے اور حرزِ جان بنانے یعنی جان میں ایک سب سے پیارا وجود سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اب اس کے مختلف اظہار ہیں۔ ان اظہارات سے آپ اپنی محبتوں کے جائزے لے سکتے ہیں ان کا تجزیہ کر سکتے ہیں کہ کس حد تک آپ للّٰہی محبت کے اہل ہیں یا للّٰہی محبت کرنے والے اور واقعۃً اپنی زندگی کے روزمرہ کے اعمال سے ثابت کرنے والے ہیں کہ آپ کو ایک دوسرے سے اللہ کی خاطر محبت ہے۔ میں یہ بات پھر خاص طور پر دہرانا چاہتا ہوں جو حضور اکرمؐ نے فرمائی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''میری محبت ان پر واجب ہوگئی'' جو للّٰہی محبت میری وجہ سے کرتے ہیں مجھ پر فرض ہو گیا ہے کہ میں ان سے محبت کروں تو یہ مضمون روحانیت کا حرف آخر ہے۔ تمام مذاہب کا اعلیٰ مقصد بندے کو خدا سے ملانا ہے اور خدا کی محبت کے آداب سکھانے ہیں، وہ رستے بتانے ہیں جس پر چل کر انسان اللہ تعالیٰ سے محبت کر سکتا ہے۔ ان رستوں کی تفصیل پر جائیں تو بہت مشکل رستے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے مقامات پر بڑی بڑی ٹھوکریں آتی ہیں اور بے شمار ایسے مقامات ہیں جہاں آپ کو یوں لگے گا کہ سانس اکھڑ گیا ہے اور چلنا دوبھر ہو گیا ہے۔ لیکن یہ محبت کا رستہ ہے جو سب رستوں سے زیادہ آسان ہے اور تمام نصیحتوں کی جان ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم میری خاطر آپس میں پیار کرو گے تو وہ پیار تو ایسا ہے جو تم جانچ سکتے ہو، دیکھ سکتے ہو۔ مجھ سے جو پیار کرتے ہو تم کئی دفعہ دھوکے میں رہتے ہو تمہیں پتا ہی نہیں لگ سکتا کہ پیار ہے بھی کہ نہیں۔ اس پیار کی کچھ علامتیں ہیں جو ظاہر ہونی چاہئیں وہ اللہ ہمیں بتاتا ہے محمد رسول اللہؐ کی وساطت سے۔ وہ علامتیں یہ ہیں کہ اگر تم سچی محبت مجھ سے کرتے ہو تو آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو گے کیونکہ ان سب کا رشتہ مجھ سے ہے۔

میرے رشتے کی خاطران سے تعلق بڑھاؤ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اپنی ذات پر تمہاری محبت فرض کرلوں گا۔ اگر کسی مذہب میں اس بات کی ضمانت مل جائے کہ اس کے پیروکاروں پر اللہ کی محبت فرض ہوگئی تو اس سے بڑی اور کیا نعمت ممکن ہے۔ جیسا کہ میں نے کہا تھا یہ نصیحت روحانیت کے مضمون کا حرفِ آخر ہے۔ اس سے بلند تر کوئی نصیحت نہیں ہوسکتی تھی اور کتنی سادہ اور کتنی آسان ہے لیکن روزمرہ کی جو علامتیں ہیں ان پر بھی غور ضروری ہے۔ ان پر نظر ڈالے بغیر ہم پہچان نہیں سکتے کہ ہماری محبت محض ایک رومانی فرضی محبت تھی یا سچی اور حقیقی تھی۔

فرماتا ہے ”میری محبت واجب ہوگئی“ اور میری وجہ سے ایک دوسرے پر خرچ کرنے والوں پر میری محبت واجب ہوگئی۔ اب جلسے پر بھی جب دوست تشریف لاتے ہیں اس کے علاوہ بھی جب ایک احمدی دیکھتا ہے کہ کسی اور احمدی کو کوئی ضرورت ہے اور وہ اس پر کمر بستہ ہو جاتا ہے کہ کسی طرح اس کی ضرورت کو پورا کرے اور یہ روزمرہ عام طور پر جاری وساری مضمون ہے تو بحیثیت جماعت وہ یہ گواہی دیتا ہے کہ ہم وہی جماعت ہیں جس کا ذکر اس حدیث نبوی میں ملتا ہے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کی محبت مجھ پر واجب ہوگئی۔ پس خدا کی خاطر ایک دوسرے پر خرچ کرنا، خدا کی خاطر ایک دوسرے کی ضروریات کو پورا کرنا یہ درحقیقت اللہ کی محبت کی ایک علامت ہے اور اسی لئے للّٰہی محبت کی شرطوں میں اس کو داخل فرمایا گیا ہے۔

پھر فرماتا ہے، ایک دوسرے پر خرچ کرنے والوں پر میری محبت واجب ہوگئی اور میری وجہ سے ایک دوسرے سے دوستی کرنے والوں پر میری محبت واجب ہوگئی۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ جو حقیقت میں آنحضرت ﷺ سے محبت کرتے ہیں اور خدا سے محبت کرتے ہیں وہ دینی خدمت کرنے والوں سے نفرت کر ہی نہیں سکتے، یہ ناممکن ہے۔ اس لئے جب بھی کہیں جماعتوں سے مجھے یہ اطلاع ملتی ہے کہ دھڑے بندیاں ہوگئی ہیں اور کچھ لوگ ہیں جو امیر اور اس کے ساتھیوں کے خلاف باتیں کرتے ہیں اور پھر اکٹھ کر کے ایک دوسرے کے ساتھ مشورے کر کے کسی اور کو امیر لانے کی کوشش کر رہے ہوتے ہیں تو مجھے یقین ہو جاتا ہے کہ وہاں سے ایمان اٹھ چکا ہے اور خدا کی محبت کا کوئی اثر ان لوگوں کے دلوں پر باقی نہیں۔ تبھی بعض دفعہ میں نے بہت سخت خطبے اس مضمون پر دیئے ہیں اور بعض دفعہ مجھے لوگ احتجاج کرتے ہیں، لکھتے ہیں کہ چھوٹی سی بات تھی آپ سمجھا دیتے، بات کر دیتے۔

آپ اتنا زیادہ جلال میں کیوں آ جاتے ہیں۔ایک نے مجھے لکھا کہ جرمنی کے ایک خطبہ کے وقت جب آپ بیان کر رہے تھے تو مجھے ڈر تھا کہ آپ کا ہارٹ فیل نہ ہو جائے اس جوش وخروش کے ساتھ باتیں کر رہے تھے۔اصل بات یہ ہے کہ یہ چھوٹی چھوٹی بات جو آپ کو دکھائی دے رہی ہے بے انتہا وقعت والی بات ہے، بے حد ضروری ہے اور ہماری روحانی زندگی کا مرکزی وجود ہے۔ ہماری روحانی زندگی اس بات کو سمجھنے میں ہے کہ اگر اللہ سے محبت ہو تو اللہ کی خاطر کام کرنے والوں سے نفرت ہو ہی نہیں سکتی۔

خلیفہ کی بات تو الگ ہے۔وہ لوگ کہتے ہیں ہمیں خلیفہ سے محبت ہے، ہاں ان سے نفرت ہے۔ میں کہتا ہوں اگر ان سے نفرت ہے تو مجھے تم سے محبت نہیں ہے تو اللہ نے یہی مضمون تو سمجھایا ہے کہ میری خاطر محبت کرنے والوں پر میری محبت فرض ہو جاتی ہے۔وہ جو میری خاطر اگر مجھ سے محبت ہے، آپس کی محبت نہیں کر سکتے تو میری محبت ان پر، ان کی مجھ پر، کیسے فرض ہو سکتی ہے۔جب اللہ پر ہی نہیں تو میں کون ہوں؟ میری کیا حیثیت ہے؟ اصل واقعہ ہے کہ یہ جھوٹ ہے۔ سچی محبت کی سچی علامتیں خدا نے کائنات کے سب سے سچے بندے کے منہ سے جاری کروائیں اور یہ ایک قطعی حقیقت ہے۔آپ جن کو انتظامی تجربے ہیں وہ سارے گواہ ہوں گے، سارے اپنے پرانے تجربوں پر نگاہ ڈال کر دیکھ لیں۔ جو سچے مومن ہیں جن کو حقیقت میں اللہ اور رسولؐ سے اور جماعت سے پیار ہے وہ خدا کی خاطر خدمت کرنے والوں سے نفرت کر ہی نہیں سکتے۔جن کے دلوں میں بغض دکھائی دے گا ان کے دلوں میں اسی حد تک اللہ کی محبت میں رخنہ دکھائی دے گا یعنی دکھائی دے نہ دے نتیجہ یہ نکلتا ہے۔پس اس بات کو معمولی نہ سمجھیں۔خدا کی خاطر ایک دوسرے سے پیار کا صرف یہ مطلب نہیں کہ کسی ایک بزرگ کے سامنے ماتھا ٹیک دیا۔وہ ماتھا ٹیکنا تو شرک بھی بن جاتا ہے۔خدا کی خاطر پیار کا یہ ہے اصل مضمون، جس سے آپ کے پیار کی حقیقت کھلتی ہے۔کوئی شخص جس کو آپ جانتے بھی نہیں وہ جو دن رات خدا کی خاطر محبت میں دوڑا پھرتا ہے اور کام کرتا ہے اپنے گھر والوں کو بھلا دیتا ہے آپ اس سے کیسے نفرت کر سکتے ہیں۔نفرت تو کیا اگر آپ کے دل میں طبعی محبت پیدا نہیں ہوتی تو آپ کو خدا کی محبت کا عرفان ہی حاصل نہیں۔

پس حقیقت میں یہ ایسی ہی خدمت کرنے والے ہیں جو جماعتوں کو باندھنے کا موجب

بنتے ہیں اور انہی جماعتوں میں برکت پڑتی ہے جو پھر ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں وہ ان کی بات کو ٹھکراتے نہیں ان کو طعنے نہیں دیتے۔ وہ جب ان سے خدا کے نام پر کچھ مانگنے کے لئے نکلتے ہیں تو عزت واحترام سے ان کے ساتھ پیش آتے ہیں ان کے شکریے ادا کرتے ہیں، تو وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے گھر ایک معزز انسان آیا ہے جس کا سفر محض اللہ کی خاطر تھا۔ اس نے ہمارے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا ہے کوئی اپنی نفسانی غرض کے لئے نہیں، کوئی ہم سے مدد مانگنے کے لئے نہیں، کوئی سفارش کروانے کے لئے نہیں، کسی تجارت کی غرض سے نہیں آیا۔ وہ تجارت جس کا خدا نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اللہ سے کریں اس کا پیغامبر بن کر آیا ہے۔ ہمیں کہتا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو لیکن ایسے بھی ہیں جو جب ان کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں تم تو ہر وقت مانگتے ہی رہتے ہو۔ تم سمجھتے ہو دین ہے ہی پیسے دینا۔ تم لوگ دنیا پرست ہو گئے ہو روحانیت سے عاری ہو۔ ہر وقت پیسہ پیسہ، پیسہ دو، پیسہ دو، ان بیوقوفوں کو کیا پتا کہ اللہ نے اپنے دین کے ساتھ اخلاص کی تعریف میں بلکہ بیعت کی شرط میں یہ داخل کر دیا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (التوبہ: 111) اللہ نے تو جان کے بھی سودے کئے اور ساتھ ہی پیسے پر بھی ہاتھ ڈال دیا کچھ بھی باقی نہیں چھوڑا۔ فرمایا یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمہاری جانوں کا اور تمہارے سارے اموال کا سودا کر لیا اور تمہارا کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ اس کے بدلے پھر جنت تم پر فرض ہو گئی۔ پس للّٰہی محبت کرنے والوں سے اگر محبت ہو اور وہ خدا کے حکم کے تابع آپ سے پیسے مانگنے نکلتے ہیں۔ اپنی جیب میں ڈالنے کے لئے نہیں، اگر آپ کو توفیق نہیں تو کم سے کم کوئی عفو کا کلمہ ہی کہیں، کوئی نرمی کی معذرت ہی پیش کریں۔ قرآن کریم تو یہ فرماتا ہے وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ (الضحیٰ: 11) اور پھر فرماتا ہے کہ اگر اور کچھ نہیں تو عفو کا قول اور نرمی کا قول ہی اس صدقے سے بہتر ہے جس کے بعد تکلیف پہنچے یا تکلیف دی جائے تو نرم قول ہی کہہ دیا کرو۔ لیکن اگر سچی محبت ہے تو نرم قول کی بات نہیں، ایسے آنے والے کے لئے دل محبت سے اچھلنا چاہئے۔ اس کی عزت دل میں بڑھنی چاہئے۔ اس کی قدر ہونی چاہئے۔ انسان کو اس کو عزت کے ساتھ گھر میں بیٹھنے کی دعوت دینی چاہئے مگر میں جانتا ہوں اکثر کو موقع نہیں ملتا۔ کراچی جیسے شہر میں میں نے ایسے دیوانے ہر وقت پھرتے دیکھے ہیں، لاہور میں دیکھے ہیں، ربوہ میں دیکھے ہیں۔ رجسٹر

اٹھائے ہوئے، بجائے گھر والوں کے پاس بیٹھنے کے، وہ گرمیاں ہوں، سردیاں ہوں، بازاروں گلیوں میں گھوم رہے ہوتے ہیں۔ آپ کہاں جا رہے ہیں؟ جی فلاں چندے کی تحریک کرنے جا رہا ہوں۔

یہ جو جماعت کے چندے زندہ ہیں جن کی وجہ سے جماعت کے کاموں میں زندگی پڑ رہی ہے یہ انہی مخلصین کی قربانیوں کا نتیجہ ہے۔ پس ان کو دعائیں بھی دیں، ان کے لئے دل میں پیار محسوس کریں۔ اگر پیار محسوس نہیں کرتے تو اللہ کی محبت آپ پر واجب نہیں ہوگی۔ کیونکہ اللہ فرماتا ہے کہ جو میری خاطر آپس میں محبت کے رشتے باندھتے ہیں ان پر میری محبت واجب ہوتی ہے اور اللہ کی خاطر ویسے کیسے محبت ہوسکتی ہے۔ یہ کوئی فرضی بات نہیں غور تو کر کے دیکھیں اللہ کی خاطر ویسے کیسے آپ کو محبت ہو جائے گی جب تک اللہ کے تعلق رکھنے والوں کے ساتھ محبت نہ ہو۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جی کسی کو دنیاوی محبت ہوگئی اور اس حدیث کا بہانہ لے لیتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ اس کو اطلاع کرو جس سے تمہیں محبت ہوگئی ہے۔ (مشکوۃ المصابیح باب الحب فی اللہ ومن اللہ)۔ حالانکہ آپ للّٰہی محبت کی بات کر رہے ہیں۔ دنیا کے عشق کی باتیں نہیں کر رہے اور اس بہانے لوگ اطلاعیں کرتے ہیں۔ ایک دفعہ ایک خط میرے پاس کسی کا کسی کے نام آیا لیکن میری معرفت اور جو لکھنے والے تھے ان کو اتنا یقین تھا کہ وہ صحیح بات کر رہے ہیں کہ انہوں نے میری وساطت سے وہ خط بھجوانے کے لئے درخواست دی کہ آپ پڑھ بھی لیں اور آگے چلا دیں۔ وہ ایسا لغو اور بے ہودہ خط تھا اور مجھے حوالہ دیا گیا تھا اس حدیث کا کہ دیکھیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو کسی سے محبت کرے اسے بتا دے کہ مجھے تم سے محبت ہے۔ اس محبت کا تو وہم و گمان بھی حضور اکرمؐ کے ذہن یا دل سے گزرا نہیں تھا۔ جس کی بات تم کر رہے ہو اور آگے آپ چلا دیں۔ میں نے ان کو کہا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا آپ بھی آئندہ یہ جہالت نہ کریں نہ خود لکھیں نہ مجھے دیں نہ کسی اور کو دیں۔ یہ معین بات میرے ذہن میں آئی تھی تو میں آپ کو سمجھا رہا ہوں کہ اس سے ادنیٰ درجوں پر ایسی بہت سی مثالیں آپ کو ملیں گی۔ کئی لوگوں کے دل میں یہ غلط فہمی ہوتی ہے وہ مراد نہیں ہے۔ للّٰہی محبت ہو، پھر جائیں اس کو بتائیں کہ تمہاری ذات سے ہمیں اور کوئی تعلق نہیں تم اللہ کی خدمت کرنے والے ہو اس لئے ہم تم سے محبت کرتے ہیں۔ اس طرح جماعت کے رشتے للّٰہی محبت میں اتنے مضبوط اور مضبوط سے مضبوط تر ہوتے چلے جائیں گے کہ وہ اجتماعیت جو آج آپ خدا کے فضل سے دیکھ رہے ہیں اس میں مزید

طاقت پیدا ہوگی۔ نیا خون دوڑنے لگے گا اور اس کی جماعت کو بہت ضرورت ہے۔ پس جہاں جہاں جماعتیں ابھی بھی پھٹی ہوئی ہیں ان کو سوچ لینا چاہئے کہ وہ اپنے ایمان کی تکذیب کر رہی ہیں کوئی نہ کوئی گروہ ان میں لازماً ایسا ہوگا جس کو ایمان کی حلاوت نصیب نہیں ہوئی۔ اس لئے میں کہتا ہوں، کوئی نہ کوئی، کیونکہ جب دوسرا فریق مناصب سے اتر جاتا ہے اور ان کی مخالفت کرنے والا اوپر آ جاتا ہے تو وہ اس سے وہی سلوک شروع کر دیتے ہیں حالانکہ اگر وہ سچے تھے تو منصب سے اترنے کے بعد ان کو عجز اور اطاعت کے وہ نمونے دکھانے چاہئیں جس سے منصب پر فائز لوگ سمجھیں کہ ہم جھوٹے تھے۔ ہم حق نہیں رکھتے کہ اس منصب پر آئیں، یہ وہ لوگ ہیں جو حق رکھتے ہیں۔ پس للّٰہی محبت کی پہچان تو روزمرہ عام ہے۔ ذرا سی آنکھیں کھول کر دیکھیں تو آپ پہچان سکتے ہیں کہ کس حد تک آپ آنحضورؐ کی ہدایت کے مطابق محبت کرتے ہیں۔

آخر پر فرمایا اور صلہ رحمی کرنے والوں پر بھی میری محبت واجب ہوگئی۔ ایک صلہ رحمی تو وہ ہے جو ماں باپ اور بیٹیوں اور بیٹوں اور ماں باپ کے درمیان یا بھائیوں بہنوں کے درمیان چلتی ہے۔ ایک وہ ہے جو للّٰہی محبت صلہ رحمی میں تبدیل ہو جاتی ہے اور یہاں جہاں تک میں سمجھا ہوں یہی مراد ہے کہ جب وہ محبت بڑھ کر ایسی ہو جاتی ہے جیسے خونی رشتے ہوں تو پھر ایک ایسے مقام پر پہنچ جاتے ہیں جو مومن کا معراج ہے۔ اس مضمون کو ان آیات سے تقویت ملتی ہے جن میں یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ اگر تمہیں اللہ اور رسولؐ کی محبت اپنے ماں باپ، اپنے اقرباء، اپنے سب دوسرے عزیزوں سے بڑھ کر نہیں ہے تو تمہیں نہیں پتا کہ ایمان کیا ہوتا ہے۔ پس صلہ رحمی سے یہی مراد ہے کہ ایسے مقام پر پہنچ جاؤ جب رشتے خونی رشتوں کا رنگ اختیار کر جائیں اور اس روحانی خونی رشتوں میں سب سے بڑا مقام محمد رسول اللہؐ کا ہے۔ پس ظاہر بات ہے کہ جہاں سے وہ صلہ رحمی پھوٹتی ہے۔ جو مرکز ہے صلہ رحمی کا وہاں سب سے زیادہ محبت ہو۔ اسی مضمون پر اور بھی بہت سی احادیث ہیں جن میں سے چند میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے آدمی کے دل میں ایمان اس وقت تک داخل نہیں ہوگا یہاں تک کہ وہ تم سے اللہ اور اس کے رسول کی خاطر محبت کرے۔ (سنن الترمذی کتاب المناقب) اس حدیث میں اور پہلی حدیث میں صرف الفاظ کا فرق نہیں،

مضمون کا بھی فرق ہے۔ پہلی حدیث میں صرف للّٰہی محبت کی بات تھی۔ یہاں اس مضمون کو مزید کھول دیا گیا ہے کہ یہ ہو نہیں سکتا کہ للّٰہی محبت ہو اور محمد رسول اللہ ﷺ سے محبت نہ ہو۔ جو بات میں آپ کے سامنے بیان کر چکا ہوں اسی کے ثبوت کے طور پر یہ حدیث پیش کر رہا ہوں کہ اس میں تمام وہ تعلقات داخل ہوتے ہیں۔ جو اللہ کی محبت کے نتیجہ میں بنی نوع کی محبت کا رنگ اختیار کر لیتے ہیں اور پھر درجہ بدرجہ ان سے جب تعلق بڑھتا ہے تو حقیقت میں اللہ کی محبت کے اظہار ہو رہے ہوتے ہیں۔ پس آنحضور ﷺ نے قطعی نشانی یہ بیان فرما دی کہ جو بھی اللہ اور رسولؐ کی محبت کی خاطر کسی بھائی سے محبت نہیں کرتا اس کے دل میں ایمان نے جھانکا بھی نہیں۔ اس کو پتا بھی نہیں کہ ایمان کیا ہوتا ہے؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یقیناً ایمان کا سب سے مضبوط کڑا یہ ہے کہ تو اللہ کی خاطر محبت کرے اور اسی کی خاطر نفرت کرے۔ اس میں بھی وہی مضمون ہے جو میں بیان کر چکا ہوں لیکن ایک کا اضافہ اور ہے اور وہ ہے نفرت کا۔ بسا اوقات احمدی جب یہ مختلف جلسوں پر نمایاں طور پر لکھ کر لگاتے ہیں کہ ''محبت سب کے لئے نفرت کسی کے لئے نہیں'' تو اس سے لوگوں میں ایک بڑی کشش پیدا ہوتی ہے اور لوگ ملتے ہیں۔ ایک دفعہ ایک اخباری نمائندے نے ایسے ہی اعلانات دیکھ کر مجھ سے معین سوال کیا کہ کیا واقعۃً سب سے محبت رکھتے ہیں اور نفرت کسی سے نہیں۔ میں نے کہا نہیں۔ اس نے کہا پھر یہ لکھ کے کیا لگایا ہوا ہے۔ میں نے کہا آپ اس کا مفہوم نہیں سمجھے۔ مراد یہ ہے کہ عمومی طور پر جہاں ابھی ہمیں پتا نہیں کہ کوئی کیا چیز ہے ہم بنی نوع انسان میں سب سے محبت ہی کرتے ہیں اور کسی سے نفرت نہیں کرتے۔ کوئی رنگ، کوئی نسل، کوئی مذہب، ہمارے لئے نفرت کا پیغام لاتا ہی نہیں ہے۔ ہم سب سے محبت کرتے ہیں لیکن جو اللہ سے نفرت کرے اس سے ہم نفرت کرتے ہیں۔ وہ اور مضمون ہے یہ اور مضمون ہے۔ ان دونوں کو خلط ملط نہ کرو۔ وہ پھر سمجھ گیا اس نے کہا ٹھیک ہے میں بات سمجھ گیا ہوں یہ درست ہے۔ اور اسی لئے غالباً اس نے سوال بھی کیا تھا کہ یہ تو غیر فطرتی بات ہے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ ہر ایک سے محبت ہو خواہ آپ کو جن سے محبت ہے ان سے کوئی شخص نفرت بھی کر رہا ہو۔ یہی وہ مضمون ہے جو حضرت جلّ شانہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو سمجھا کر اپنے باپ کے لئے دعا سے روکا۔ جہاں تک حضرت ابراہیمؑ کی دعا کا تعلق ہے اس دعا میں ہی آپ نے یہ عرض کیا تھا کہ اے خدا میں اپنے باپ کے لئے بخشش کی دعا کرتا ہوں وہ صراطِ مستقیم سے ہٹا ہوا تھا، وہ بھٹکا ہوا تھا،

ضالین میں سے تھا۔ تو یہ تو پتا تھا آپ کو لیکن اس کے باوجود دعا کے وعدے پر قائم رہے اور دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے جب دعا سے روکا ہے تو یہ کہا کہ جب ہم نے اس کو یہ کہا کہ وہ اللہ سے بغض رکھتا تھا پھر کبھی اس کے دل میں خیال نہیں پیدا ہوا یہ ہے حباً للہ اور بغضًا للہ۔ پس اگر آپ اس عبارت کا یہ ترجمہ سمجھتے ہیں کہ ہر ایک سے محبت ہے خواہ وہ آپ کے پیاروں سے نفرت کرتا ہو تو یہ بالکل جھوٹ ہے۔ انسانی فطرت کے خلاف بات ہے۔ ایسا دعویٰ ہی نہ کریں جو آپ کو منافق بنانے والا ہو۔ امر واقعہ یہ ہے کہ جس سے زیادہ محبت ہوگی اس سے جو نفرت کرے گا اس کے خلاف طبعًا دل میں نفرت پیدا ہوگی۔ کوئی اس بات کو اچھا سمجھے یا نہ سمجھے فطرتِ انسانی یہی ہے اور فطرت کو کوئی تبدیل نہیں کرسکتا۔ ناممکن ہے کہ آپ فطرت کو تبدیل کرسکیں۔ کوئی تعلیم خواہ کیسی ہی Polished لے کر آئے وہ فطرت کو نہیں بدل سکتی۔ پس بغض بھی اللہ کے لئے ہوا کرتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے اس مضمون کو خوب کھول کر بیان فرمایا ہے۔ اپنی خاطر نہ کرو اپنے تعلقات کو نظر انداز کردو۔ مگر جب اللہ سے کوئی نفرت کرتا ہے اور خدا سے ٹکراتا ہے اور اسی حد تک اس سے بغض تم پر فرض نہیں تمہاری فطرت کا ایک طبعی حصہ ہے طبعی ردعمل ہے کیونکہ تم محبت کرتے ہو۔ پس یہ کوئی ایسی تعلیم نہیں ہے جس کو بتا کر واجب کیا جارہا ہے کہ نفرت کرو۔ یہ تعلیم ہے جو یہ بتا رہی ہے کہ چونکہ تمہیں محبت ہے اسی لئے اللہ سے بغض کرنے والوں کے لئے تمہارے دل میں نفرت کے سوا کچھ پیدا ہو ہی نہیں سکتا۔ زور بھی لگاؤ تو کچھ نہیں کرسکتے لیکن وہ نفرت اور عام دنیا کی نفرت الگ الگ چیزیں ہیں۔ یہ مضمون آپ کو سمجھانا ضروری ہے ورنہ آپ اس رنگ میں نہ نفرت کرنے لگ جائیں جن معنوں میں دنیا نفرت کرتی ہے۔ وہ نفرت ایسی ہے جو آپ کے رحم سے اس کو محروم نہیں کرتی۔

آنحضرت ﷺ سب سے زیادہ للہی محبت کرتے تھے، سب سے زیادہ للہی بغض کرتے تھے۔ مگر ان کے لئے جب تک وہ زندہ رہتے تھے ان کے لئے دعائیں کرتے تھے اور رحمت کی وجہ سے دعائیں کرتے تھے۔ ابوجہل کے لئے بھی دعا کی۔ حضرت عمرؓ کے ساتھ ان کو بھی تو بریکٹ میں ڈالا کہ اے خدا یہ نہیں تو وہ دے دے۔ وہ نہیں تو یہ دے دے، وہ رحمت ہی کی تو دعا تھی۔ پس بغض کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ آپ ان کیلئے ہلاکت کے گڑھے کھودنے لگ جائیں ان سے ناجائز انتقامی کارروائیاں کریں جن کا خدا نے آپ کو اختیار نہیں دیا۔ ان کا برا چاہنا اور ہے اور للہی نفرت ہونا اور

چیز ہے۔اس مضمون کو اچھی طرح سمجھ لیں ورنہ آپ کے دل میلے اور کڑوے ہو جائیں گے اور میلے اور کڑوے دلوں میں اللہ کی محبت بھی نہیں رہتی۔ وہ بھی وہاں سے ڈیرے اٹھا لیتی ہے۔ پس للّٰہی نفرت کا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص آپ کو پسند نہیں آتا آپ کو تکلّف ہوتی ہے ایسے شخص سے۔لیکن اس کو آپ مارتے نہیں ہیں، اس کو زہر نہیں دیتے، اس کے اموال نہیں لوٹتے، اس کے بچوں کا برا نہیں چاہتے۔اللہ کی خاطر رحم جو ہے وہ ہر چیز پر غالب ہے کیونکہ خود اللہ کا رحم ہر چیز پر غالب ہے اسی لئے آنحضرت ﷺ کو رحمۃ للعالمین فرمایا گیا۔اب وہ رحمۃ للعالمین خدا کی رحمت ہی کا ایک حصہ ہے جو حضور کو عطا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میری رحمت ہر دوسری چیز پر غالب ہے میری تمام صفات پر میری رحمت غالب ہے۔ پس نفرت پر بھی غالب آجاتی ہے۔

پس دنیا سے اللہ کی خاطر محبت کریں، اللہ کی خاطر بغض کریں، مگر بغض وہ نہیں جو دنیا والے کرتے ہیں کہ ان کی برائیاں سوچیں، ان کا برا چاہیں، **اللہ کی خاطر نفرت ایک عجیب نفرت ہے۔اس کے باوجود آپ برا نہیں چاہتے۔کب آنحضور ﷺ نے دنیا کا برا چاہا تھا۔آپ تو ان کو بھی دعائیں دیتے تھے جو آپ کو مارتے تھے اور تکلیفیں پہنچاتے تھے۔** تو صاف پتا چلا کہ نفرت کا مضمون کچھ اور معنے رکھتا ہے اس کو دنیا کے عام رائج معنوں میں لینا بڑی بھاری جہالت ہوگی۔ ورنہ اس کا مطلب یہ بنے گا کہ رسول اللہ ﷺ خود تو دوسروں کو نصیحت فرماتے تھے کہ خدا کی خاطر بغض بھی کرو اور بغض نہیں کرتے تھے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ جب بغض کا کہتے تھے تو خود بھی بغض رکھتے تھے۔مگر جو صاحب اکرام لوگ ہیں ان کی نفرتیں بھی عزت والی ہوا کرتی ہیں وہ کمینوں والی نفرتیں نہیں کیا کرتے اور سب سے بڑے صاحبِ اکرام حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں تو آپؐ سے للّٰہی بغض کے رنگ سیکھیں۔ کس طرح آپ نے بغض کیا اور کس طرح اس بغض کے باوجود آپؐ نے رحمتیں برسائیں اور نیک دعائیں دیں کبھی کسی کا برا نہیں چاہا۔ ہر ایک کے لئے پاکیزہ تعلیم دی، رحمت اور عفو کی تعلیم دی، اور جنگ میں جب صحابہ کو بھجوا کرتے تھے تو جو نصیحتیں فرماتے تھے ان نصیحتوں سے ظاہر ہے کہ مخالف خدا کی خاطر دشمنی کرتے ہوئے دندناتے ہوئے چلے آرہے ہیں، حملہ آور ہو رہے ہیں اور رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں بوڑھوں کو کچھ نہیں کہنا، فلاں کو کچھ نہیں کہنا، جو قیدی ہو جائے اس سے حسنِ سلوک کرنا ہے اس کو برا نہیں کہنا۔ یہ بغض ہے ہاں یہی بغض ہے مگر صاحبِ اکرام لوگوں کا بغض ہے۔ وہ جن کو

اللہ نے اکرام بخشا ہے اور ان کا بغض دنیا کی محبتوں سے بھی بہتر ہوا کرتا ہے۔ اس بغض کے باوجود آپؐ ہی کی دعائیں تھی جنہوں نے عرب کی کایا پلٹ دی تھی۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں وہ ایک فانی فی اللہ کی دعائیں ہی تو تھیں جس نے صدیوں کے مردوں کو زندہ کر دیا۔ جو بگڑے ہوئے تھے ان کو الٰہی رنگ عطا فرما دیئے۔ پس ہرگز نفرت اور للّٰہی بغض کا کوئی جاہلانہ معنی نہ کریں۔ جو بغض آنحضرت ﷺ نے کیا ہے اس حد تک کریں اور وہ بغض ایک اور رنگ میں ظاہر ہوا ہے جو سمجھنا ضروری ہے۔ ان کی بدعادتوں سے نفرت تھی ان کو اس حد تک بری نظر سے دیکھتے تھے کہ صحابہ میں اگرچہ منع نہ بھی ہو وہ باتیں پسند نہیں فرماتے تھے۔

فرمایا یہود اب خدا کی خاطر بغض کی ایک ایسی مثال ہیں جس کے اوپر قطعیت کے ساتھ قرآن گواہی دے رہا ہے۔ مَغۡضُوۡبِ عَلَیۡهِمۡ وہ اللہ کے مغضوب تھے اگر ان سے غضب نہیں تو پھر اور کس سے غضب ہوگا۔ پس آنحضرت ﷺ کے نزدیک یہود مغضوب تھے لیکن کیسا غضب دکھایا، یہ بھی تو غور کریں۔ فرمایا دیکھو یہود سر منڈاتے جس کو آج کل Skin Head کہتے ہیں۔ ٹنڈیں کرانا اور حد سے زیادہ داڑھیاں بڑھا دیتے ہیں۔ تم یہ کام نہ کرو اور جو یہود کرتے ہیں ان کی روزمرہ کی عادتیں ہیں اس کے الٹ کرو۔ ایسی بات بغض سے کہی جا سکتی ہے۔ اس حد تک بغض کہ قابلِ نفرت اداؤں بلکہ ان کے ہم شکل ہونے سے بھی بغض اور جہاں تک ان کی ذات پر احسان کا تعلق ہے ایک ایسا جاری چشمہ تھا احسان کا، جس سے کبھی کوئی یہودی محروم نہیں رہا۔ انصاف کا سلوک ان سے کیا گیا، احسان کا سلوک ان سے کیا گیا، ان کے حقوق کی حفاظت کی گئی یہاں تک کہ جب گواہوں نے ایک چوری کے معاملے میں گواہی دی ایک یہودی کے خلاف تو آپؐ نے فرمایا نہیں جب تک مجھے دوسری طرف سے بھی گواہی نہ ملے میں فیصلہ نہیں کروں گا۔ قتل کے مقدمے میں ایک وفد حاضر ہوتا ہے جو یہودی قبیلے کی طرف تجارت کے لئے گیا تھا۔ مجھے قبیلے کا نام یاد نہیں آ رہا، خیبر میں جو قبیلہ آباد تھا اس کی بات کر رہا ہوں۔ اس قبیلے کی طرف ایک وفد گیا ہے تجارت کا، ان کا ایک آدمی قتل ہو گیا۔ اب صحابہ میں دیکھیں کیسی اطاعت کی روح تھی، کیسی تنظیم تھی، وہ چاہتے تو جو سمجھتے تھے اس کے مطابق عمل کر دیتے۔ سمجھتے یہ تھے کہ ہمارا حق ہے ان میں سے کسی ایک آدمی کو قتل کر دیں مگر قانون کو اپنے ہاتھ میں نہیں لیا، واپس آئے۔ آنحضور ﷺ کے حضور یہ بات پیش کی اور یہ چاہا کہ ہمیں

اجازت دی جائے کہ اب ہم ان کا ایک آدمی قتل کر دیں۔ آپؐ نے فرمایا نہیں گواہ لاؤ۔ اب یہ غضب کی بات ہے کہ دنیا کے لحاظ سے تو غضب نہیں رحمت کی باتیں ہیں لیکن آنحضرت ﷺ کا غضب بھی ایسے کریموں کا غضب تھا جس کریم سے بڑھ کر کسی کریم کا تصور ہو ہی نہیں سکتا اور وہ غضب عدل کی راہ میں کبھی حائل نہیں ہوا۔ پس یہ بات یاد رکھیں شدید نفرت بھی ہو تب بھی عدل کی راہ میں وہ نفرت حائل نہیں ہوسکتی۔ خواہ اس نفرت کا نام آپ للّٰہی نفرت رکھیں۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ گواہی کیسی، وہ تو سب یہودی ہیں ہم قوم ہیں، ایک دوسرے کے دوست ہیں وہ تو گواہی نہیں دیں گے۔ آپؐ نے فرمایا اگر وہ گواہی نہیں دیں گے تو میں بھی فیصلہ نہیں دوں گا مجھے عدل پر قائم کیا گیا ہے۔ پس نفرت جو عدل کو میلی آنکھ سے دیکھ ہی نہیں سکتی اس نفرت کی تعلیم ہے۔

قرآن کریم اس مضمون کو کھول کر بیان فرماتا ہے وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۫ (المائدہ:9) یہاں شنان قوم سے مراد دشمن کی نفرت آپ سے ہے۔ فرمایا ایک قوم آپ سے نفرت کرتی ہے اور اس کی دشمنیاں مسلّم ہیں، ہوتی چلی آئی ہیں۔ ان نفرتوں کے حوالے سے بھی آپ کو عدل سے ہٹنے کی اجازت نہیں۔ پس نفرت کریں، وہ نفرت کریں جو رحمۃ للعالمینؐ نے کی تھی اور آپؐ کی نفرت غلط اداؤں سے تھی ایسی بے ہودہ حرکتوں سے نفرت تھی جن سے خدا کو نفرت ہوتی ہے۔ تو دراصل ان بے ہودہ اداؤں والا وجود عملاً رستے سے ہٹ جاتا ہے اور وہ نفرتیں نمایاں ہو کر خدا کی خاطر نفرت کرنے والوں کی نظر میں آ جاتی ہیں ان سے نفرت کرتا ہے۔ ان سے دور ہٹتا ہے اور اس کا فیض یہ پاتا ہے کہ خود ان بدیوں سے پاک ہونے لگتا ہے۔ ان بدیوں کے مالک سے نفرت نہیں۔ یعنی ان معنوں میں نفرت بہرحال نہیں کہ اس کا برا چاہیں، اس کو گزند پہنچانے کی اجازت ہو، اس کو گالیاں دیں، اس کی عزت نہ کریں، آنحضرت ﷺ تو بڑے سے بڑے دشمن کے آنے پر بھی جب کوئی آپؐ کے ہاں آتا تھا اٹھ کر کھڑے ہو جاتے تھے اس کا اعزاز فرمایا کرتے تھے۔ باہر سے غیر مسلموں کو عیسائیوں کے وفد کو آپ نے اپنی مسجد میں عزت کے ساتھ ٹھہرایا اور وہیں اس سے گفتگو فرماتے تھے۔ پس یہ جو خیال ہے کہ اللہ کی خاطر نفرت، مارو کوٹو، یہ تو مولویانہ خیال ہے، قرآن کا تو اس سے کوئی تعلق ہی نہیں۔

پس اللہ کی خاطر محبت کریں اور اللہ کی خاطر نفرت کا یہ معنی نہ لیں۔ آپ کو اس کی اجازت

نہیں ہے کہ ہم اس امام سے اس لئے نفرت کرتے ہیں ہم نے نمازیں پیچھے پڑھنی چھوڑ دی ہیں کہ یہ برا آدمی ہے اور ہمیں حکم ہے کہ ہم للّٰہی بغض کریں۔ اس حوالے سے میں بات کر رہا ہوں اب بھی مجھے بعض دفعہ لکھتے ہیں مگر پہلے تو مجھے روزمرہ یہ تجربہ ہوا کرتا تھا۔ میں پاکستان کی جماعتوں میں ہر ذریعے سے پہنچا ہوں۔ سائیکلوں پہ بھی، گھوڑوں پہ بھی، بسوں پہ بھی، کاروں پہ بھی، گاڑی کے ذریعے بھی۔ بہت سفر کیا ہے اور وہاں جہاں جہاں اختلاف ہوتا تھا وہاں بعض لوگ جو کچھ دین کا علم رکھتے ہیں یہ آگے سے حوالہ دیا کرتے تھے کہ للّٰہی بغض ہے ہمیں تو کوئی نفرت نہیں ہمارا تو ذاتی طور پر کچھ نہیں، یہ غلط آدمی اوپر آ گیا جماعت کے اوپر اور اس کی بے ہودہ ذلیل حرکتوں کی وجہ سے ہمیں اس سے نفرت ہے۔ اس کو ہم کہتے ہیں للّٰہی بغض۔ ایسا للّٰہی بغض جس کا رسول اللہ ﷺ کو علم نہیں تھا تمہیں علم ہو گیا ہے۔ پس اپنی تعریفیں ایسی نہ بنائیں جو محمد رسول اللہؐ کی تعریفوں سے ہٹ جائیں وہ جھوٹی اور لعنتی تعریفیں ہیں۔ وہ آپ کو بھی جھوٹا اور لعنتی کر دیں گی۔ وہ محبت کریں، للّٰہی محبت، جو محبت محمد رسول اللہؐ نے کر کے دکھائی ہے اور وہ نفرت کریں للّٰہی نفرت جو حضرت محمد رسول اللہؐ نے کر کے دکھائی اور ان نفرتوں کے ہوتے ہوئے بھی آپ رحمتوں کی بارش برسانے والے وجود تھے۔ جن سے للّٰہی نفرت ہوتی تھی ان کے لئے دعائیں کرتے، ان پر رحمتیں برساتے۔ ایسی نفرتیں کریں جو ساری دنیا میں آپ کی نفرتیں وہ عظیم انقلاب برپا کر دیں گی جو دنیا کی محبتیں بھی نہیں کر سکتیں۔ یہ نفرتیں بھی دلوں کو باندھنے والی نفرتیں بن جاتی ہیں نہ آپ کی محبت دلوں کو توڑنے والی رہے گی نہ آپ کی نفرت دلوں کو توڑنے والی رہے گی۔ صلہ رحمی کی وہ آخری بات جو آنحضورؐ نے فرمائی وہ اپنی پوری شان کے ساتھ جلوہ گر ہو گی اور تمام دنیا ایک امت واحدہ ہی نہیں بلکہ ایک وسیع عالمی روحانی گھر میں تبدیل ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حَکَم وعدل کو ماننے کے سوا کوئی صراط مستقیم نہیں۔
حضرت امام حسنؓ، حضرت امام حسینؓ اور صحابہؓ کا مقام۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 17/جون 1994ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے فرمایا۔

یہ مہینہ محرم الحرام کا ہے جس کی بہت سی فضیلتوں کا احادیث میں اور اسلامی لٹریچر میں ذکر ملتا ہے لیکن اس موقع پر آج کے خطبے میں حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے اہل بیت، آپؐ کی آل کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کا وہ رشتہ ہے جس رشتے سے ہمارا خدا سے رشتہ بنتا ہے۔ پس آپ کی اولاد سے اس تعلق کا قائم نہ رہنا یا اولاد سے کسی قسم کا بغض، ان دونوں رشتوں کو کاٹ دیتا ہے۔ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی اولاد وہ اولاد نہیں تھی جس نے اپنا روحانی تعلق حضرت اقدس محمد رسول اللہؐ سے قائم نہ رکھا بلکہ وہ اولاد تھی جس نے اس تعلق کے تقاضوں میں اپنی جانیں دے دیں اور عظیم ترین قربانیاں پیش کیں۔ پس اس پہلو سے وہ جس کے دل میں اہل بیت کا بغض ہے حقیقت میں اس کے دل میں محمد رسول اللہؐ کا بغض ہے اور اسلام کا بغض ہے اور اس کی کوئی نیکی، حقیقی نیکی نہیں کہلا سکتی۔ یہ ایک طبعی حقیقت ہے کہ جس سے محبت ہو اس کے محبوب سے محبت ہو۔ جس سے محبت ہو اس سے جو محبت کرتے ہیں ان سے بھی تعلق قائم ہو اور یہ دونوں باتیں حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی بہت ہی پیاری اور مقدس بیٹی حضرت فاطمہؓ کی اولاد کو نصیب تھیں۔ ان سے حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کو محبت تھی اور وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے محبت کرتے تھے اور

پھر یہ خونی تعلق بھی تھا اس لئے کسی مسلمان کے تصور میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی کہ آنحضورﷺ کے اہل بیت سے دوری تو در کنار، اس کے وہم میں بھی یہ بات داخل ہو کہ میرا ان سے کسی قسم کا تعلق ٹوٹ سکتا ہے۔ اس کے بالکل برعکس ایک گہری بے ساختہ محبت حقیقت میں اس کے ایمان پر گواہ ہوگی اور آنحضرتﷺ سے پیار پر ایک ایسی پختہ اور دائمی گواہی دے گی کہ جس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ مگر اس کے برعکس آنحضرتﷺ کی اولاد میں سے پیدا ہونے والے محبت کرنے والوں اور محبوبوں کا ذکر تو محبت سے کیا جائے مگر ان کا جن کا خونی رشتہ نہ بھی تھا مگر خونی رشتوں سے بڑھ کر انہوں نے اپنی جانیں آپؐ پر نثار کیں ان کا بغض سے ذکر کیا جائے، اگر ایسا ہو تو ایسے شخص کے ایمان کے خلاف یہ گواہی بھی بہت مضبوط اور نا قابل تردید گواہی ٹھہرے گی۔ پس حقیقی اور سچی بیچ کی راہ یہ ہے کہ آنحضرتﷺ سے جس نے، جس رنگ میں بھی، تعلق باندھا خواہ خون کا رشتہ تھا یا نہ تھا اس سے طبعی بے ساختہ دل میں پیار پیدا ہو۔ یہ سچی علامت ہے انسان کے ایمان کی اور آنحضورﷺ سے حقیقی وابستگی کی۔

آج عالم اسلام نہ جانے کن اندھیروں میں بھٹک رہا ہے کہ یہ دو محبتیں آپس میں پھٹ چکی ہیں اور ان دونوں کو ایک گھر میں جگہ نصیب نہیں۔ وہ لوگ جو اہل بیت کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں وہ اہل بیت سے محبت کے ساتھ آنحضورﷺ کے عشاق اور ان فدائیوں کا نفرت اور بغض سے ذکر کرنا بھی جزو ایمان سمجھتے ہیں جن کا ان معنوں میں خونی رشتہ نہیں تھا جن معنوں میں حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کا رشتہ تھا یا آپ کی اولاد کا تھا اور اس طرح محبت میں زہر گھول دیتے ہیں اور اس کے برعکس وہ لوگ جو صحابہ کرامؓ کی عزت بلکہ گہری محبت اور عقیدت کو دل میں جگہ دیتے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں اس کے ساتھ محرم کے دنوں میں شیعوں کے خلاف حرکت کرنا اور ان کی مجالس کو درہم برہم کرنا، ان کے جلوسوں میں مخل ہونا، یہ بھی ایک ایمان کا حصہ ہے اور وہ رشتے جو باہم جوڑنے کے لئے بہت ہی اہم کردار کر سکتے تھے جو تمام عالم اسلام کو ایک جگہ اکٹھا کرنے میں ایک بہت ہی مضبوط کردار ادا کر سکتے تھے ان کو اکٹھا کرنے کی بجائے باہم تفریق کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے۔ پس محرم کے دن وہ دن نہیں ہیں جن میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ آج اہلِ بیت کی قربانیوں کی یاد میں تمام عالم اسلام اکٹھا ہو گیا ہے اور پہلی نفرتیں مٹ چکی ہیں، کوئی فرقے بازی کی تفریق باقی نہیں رہی، آج اس محبت کے

صدقے ایک ہاتھ پر ایک جان کے نذرانے لئے ہوئے اکٹھے ہو رہے ہیں۔اس کے برعکس آپ عجیب بات اخباروں میں پڑھتے ہیں اور ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر ذکر سنتے ہیں کہ محرم آ رہا ہے۔سخت خطرات ہیں، بڑی دشمنیاں ہوں گی، گلیوں میں خون بہیں گے، سر پھٹول ہو گی، ایک دوسرے کو گالیاں دی جائیں گی اور اسلام کے دو بڑے حصے یعنی شیعہ اور سنی اگر اس عرصہ میں گزشتہ محرم سے اب تک قریب آ بھی گئے تھے تو پھر دوبارہ ایک دوسرے سے ایسا پھٹیں گے کہ وہ نفرتوں کی یاد آئندہ محرم تک باقی رہے گی اس لئے حکومتوں کے ادارے الرٹ ہو رہے ہیں۔بعض جگہ فوجوں کو بلایا جا رہا ہے، بعض جگہ پولیس کے Reserves کو حرکت دی جا رہی ہے اور کہا جا رہا ہے کہ نہایت خطرے کے دن ہیں۔محبت سے خطرے ہیں؟ کیسے خطرے ہیں؟ محبت تو خطروں کو مٹا دیا کرتی ہے، محبت تو خطروں کے ازالے میں کام آتی ہے۔پس دونوں جگہ محبت میں کوئی جھوٹ شامل ہو گیا ہے۔ دونوں جگہ نظریں ٹیڑھی ہوگئی ہیں اور حقیقت حال کو دیکھنے سے کلیۃً عاری ہو چکی ہیں ورنہ ناممکن تھا کہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی محبت آپؐ کے صحابہؓ اور آپؐ کے اہل بیت کے درمیان ایسی پھٹ جاتی کہ گویا ایک سے وابستگی دوسرے سے نفرت کے ہم معنی ہو جاتی۔ایک سے نفرت دوسرے کی محبت کے مترادف ہو جاتی۔یہ تو ہو ہی نہیں سکتا اس لئے محمد رسول اللہ ﷺ کی محبت میں تو کوئی جھوٹ نہیں، ان محبت کے دعویٰ کرنے والوں میں ضرور جھوٹ ہے جو اس محبت کو یہ رنگ دیتے ہیں۔

پس میں تمام عالم اسلام کو ان احمدیوں کی وساطت سے جو اس خطبے کو سن رہے ہیں یہ پیغام دیتا ہوں کہ محرم کے دنوں کو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ دلی محبت پیدا کرنے کے لئے استعمال کیا کریں اور سنیوں کا یہ کوئی حق نہیں کہ وہ لوگ جو اہل بیت کی محبت میں جلوس نکالتے ہیں خواہ ان کی رسمیں پسند آئیں یا نہ پسند آئیں ان کے محبت کے اظہار میں کسی طرح مخل ہوں، ان پر پتھراؤ کریں، اِن پر گولیاں چلائیں، ان پر گالیوں کی بارش کریں۔یہ کیا انداز ہیں محبت کے۔یہ تو دلوں میں گھٹی ہوئی اور گھولی جانے والی نفرتیں ہیں جو ابل ابل کر باہر آ رہی ہیں۔پس جب تک حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے عشق کو اور آپؐ سے سچی محبت کو تمام امت کو باہم باندھنے کا ذریعہ نہ بنایا جائے اس وقت تک امت کے مسائل حل نہیں ہو سکتے۔سب ہی حضور کی محبت کا دعویٰ کر کے ایک

دوسرے کے خلاف نفرت کی تعلیم دیتے ہیں اور یہ سلسلہ بڑھتے بڑھتے 72 حصوں میں امت کو تقسیم کر گیا اور آج تک ان کو ہوش نہیں آئی۔ پس جماعت احمدیہ کو آنحضورﷺ کی محبت کا پیغام اس رنگ میں امت کو دوبارہ دینے کی ضرورت ہے جس رنگ میں پہلی بار دیا گیا تھا۔ قرآن کریم نے جو دلوں کے باندھنے کا ذکر فرمایا ہے وہ اللہ کی نعمت کے ساتھ باندھنے کا ذکر فرمایا ہے اور اللہ کی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت محمد رسول اللہ ﷺ تھے اور حقیقت یہ ہے کہ آپ ؐ ہی کی محبت نے ایک دوسرے کے دشمن قبائل کو یک جان کر دیا تھا۔ وہ جو ایک دوسرے کے جان کے دشمن تھے وہ بھائیوں کی طرح بلکہ ان سے بھی بڑھ کر جان نثار کرنے والے دوست بن چکے تھے اور حضور اکرم ﷺ کے وجود کو نکال کر اس کا تصور بھی پیدا نہیں ہوسکتا، ناممکن دکھائی دیتا ہے۔ پس اگر چہ محمد رسول اللہ ﷺ نے خود بالا رادہ ایسا کام نہیں کیا مگر اللہ نے آپ ؐ کی ذات میں آپ ؐ کی نعمت میں ایک ایسی غیر معمولی کشش رکھ دی تھی کہ ناممکن تھا کہ لوگ آپ ؐ کی ذات پر ایک مرکز کی حیثیت سے جمع نہ ہو جائیں۔ پس مرکز مدینہ نہیں تھا، مرکز محمد رسول اللہ ﷺ تھے۔ مرکز مکہ نہیں تھا، مرکز محمد رسول اللہ ﷺ تھے۔ جہاں کہیں آپ ؐ جاتے تھے وہیں مرکز منتقل ہوتا تھا۔ آپ بیٹھتے تھے تو اسلام کا مرکز آپ ؐ کی ذات میں بیٹھتا تھا۔ آپ اٹھتے تھے تو اسلام کا مرکز آپ ؐ کی ذات میں اٹھتا تھا اور یہی وہ نکتہ تھا جو صحابہؓ کے عشق نے ہمیشہ کے لئے ہم پر حل کر دیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے مرکز سے محبت اور آپ ؐ کی ذات میں اکٹھے ہونے کا نام ہی اسلامی وحدت ہے اور یہی توحید کا پیغام ہے جو آج ہمیں سب دنیا کو دینا ہے۔ مگر محمد رسول اللہ ﷺ کی امت کو پہلے دینا ضروری ہے کیونکہ سب سے زیادہ اس امت کا حق ہے کہ انہیں دوبارہ ازمنۂ گزشتہ کی یاد دلا کر، ان زمانوں کے واسطے دے کر جن زمانوں میں محمد رسول اللہ ﷺ کی اولاد بھی تھی، آپ ؐ کے صحابہؓ بھی تھے اور کسی کے دل پھٹے ہوئے نہیں تھے۔ وہ تمام صحابہؓ جب حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کو دیکھتے تھے تو ان کی نظریں عشق اور فدائیت سے ان پر پڑتی تھیں۔ ان کے ذکر دیکھو کیسے کیسے پیار سے حدیثوں میں محفوظ کئے گئے۔ کس طرح صحابہؓ ان کو آنحضرت ﷺ کے کندھوں پر سوار دیکھتے تھے، نماز میں سجدوں میں جاتے تھے تو اس طرح پیار سے ان کو اتار دیا کرتے تھے، کس طرح ساتھ کھیلتے اور حرکت کرتے اور لاڈ اور پیار کرتے ہوئے دیکھتے تھے اور یوں لگتا تھا کہ تمام صحابہؓ کی آنکھوں میں دل پگھل پگھل کر آ رہے ہیں۔ وہ طرز بیان بتاتی ہے کہ

غیر معمولی عشق تھا۔

پس وہی اہل بیت ہیں، وہی صحابہؓ ہیں، آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد تمہیں کیا جنون کودا ہے کہ انہی اہل بیت اور صحابہؓ کو ایک دوسرے کے دل پھاڑنے کے لئے استعمال کرنے لگے ہو۔ وہ تو محبتوں کے پیغامبر تھے، عشق کے سمندر تھے، تم نے انہیں نفرتوں کے سمندر میں تبدیل کر دیا ہے۔ پس آج امت محمدیہؐ کو یہ باتیں سمجھانے کی ضرورت ہے ورنہ یہ امت، امت محمدیہؐ کہلانے کی مستحق نہیں رہے گی۔ ابھی چند دنوں تک آپ دیکھیں گے کہ محرم کے جلوس کراچی میں بھی نکلیں گے، خیر پور میں بھی نکلیں گے، ملتان میں بھی نکلیں گے، بہاولپور میں بھی اور لاہور وغیرہ میں بھی اور ہر جگہ غیر معمولی طور پر پولیس کی طاقت دو نفرت کرنے والے سمندروں کے بیچ میں دیوار کی طرح حائل ہو گی اور پھر وہ یَبۡغِیَان ہوں گے، وہ ایک دوسرے کے خلاف بغاوت کریں گے اور ان دیواروں کو توڑ کر، ان کی نفرتیں پھلانگتی ہوئی دوسرے کے امن کو پارہ پارہ کر دیں گی اور ان کی زندگیوں کو زہر آلود کر دیں گی۔ یہ کیا دن ہیں اور ان دنوں کے کیا تقاضے ہیں؟ اور یہ کیا حرکتیں ہیں جو ان دنوں میں کی جارہی ہیں؟ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جن پر ظالم ملاں یہ الزام لگاتے ہیں کہ آپؑ نے نہ اہل بیت کی عزت کی نہ صحابہؓ کی۔ ان کی اہل بیت کی عزتیں تو ہر روز برسر عام گلیوں میں پھرتی ہیں اور جو کچھ کسر رہ جاتی ہے وہ محرم کے دنوں میں طشت از بام ہو جاتی ہے۔ کچھ بھی لُکا چُھپا باقی نہیں رہتا۔ مگر حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپؐ کے صحابہؓ اور آپؐ کے اہل بیت کے عشق میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جو پاکیزہ تحریریں ہیں ان پر مہریں لگائی گئی ہیں، ان پر تالے لگا دئے گئے ہیں۔ جو عشق کے اظہار ہیں انہیں اجازت نہیں کہ وہ گلیوں میں کھل کر نکلیں۔ جو نفرتوں کے پیغام ہیں وہ گلیاں ان کی ہیں، وہ صحن ان کے ہیں، جب چاہیں جس طرح چاہیں نفرتوں کا اظہار جس ملک میں چاہیں کرتے پھریں، یہ بڑا ظلم ہے، یہ ایک خودکشی ہے۔

پس آج کے خطبے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چند تحریریں چنی ہیں جو میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں اور یہی آج امت کا علاج ہے کہ ایک ہی زبان سے ایک ہی منہ سے صحابہؓ کے عشق کے قصے بھی بیان ہوں اور اہل بیت کے عشق کے قصے بھی بیان ہوں تا کہ پھر امت ان دو پاک ذرائع سے ایک ہاتھ پر اکٹھی ہو جائے۔ یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کے عشق میں، اور وہی

مرکزیت اسلام کو دوبارہ نصیب ہو۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''افسوس یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ قرآن نے تو امام حسینؓ کو رتبہ ابنیت کا بھی نہیں دیا تھا۔''

یہ وہ عبارت ہے جس کو لے کر مولویوں نے شور مچایا کہ دیکھو امام حسینؓ کے خلاف کیسی سخت زبان استعمال کی ہے۔ رتبہ ابنیت کا بھی نہیں دیا تھا، کہتے ہیں دیکھو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی اولاد میں شمار نہیں کرتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عبارت پوری پڑھتے تو ان کو پتا چلتا کہ اگلے فقرے میں یہ فرمایا کہ:

''آیت خاتم النبیین بتا رہی ہے کہ ''مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ کہ محمدؐ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں تو یہ اشارہ اس طرف ہے کہ حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ ہی نہیں، صحابہ میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو جسمانی طور پر محمدؐ رسول اللہ کا بیٹا ہو اور ہر ایک وہ ہے جو روحانی طور پر آپ کا بیٹا بن سکتا ہے۔''

پس یہ تفریق دور کرنے کے لئے ایسا عظیم نکتہ امت محمدیہ کے سامنے پیش فرمایا کہ تم خون کے رشتے سے ابنیت کی باتیں چھوڑ دو کیونکہ قرآن کریم نے ہر رشتے سے ابنیت کی باتیں ختم کر دی ہیں سوائے روحانی رشتے کے۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ رسول کا رشتہ سب سے برابر کا رشتہ ہو جاتا ہے اور اس رشتے سے جو روحانی بیٹا بنے گا اس کی راہ میں کوئی چیز حائل نہیں ہو سکتی اور جو روحانی بیٹا نہیں بنے گا ظاہری تعلق بھی اس کا کام نہیں آ سکتا۔

یہ وہ مضمون تھا جسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمایا اور ان ملانوں نے کیسے کیسے ظلم کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف یہ غلط باتیں منسوب کیں کہ گویا **نعوذ باللہ من ذالک** آپؑ کے دل میں نہ صحابہ کی عزت تھی نہ اہل بیت کی تھی۔ اب میں آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الفاظ میں بتاتا ہوں کہ آپ کے نزدیک اہل بیت کا کیا مقام

تھا اور صحابہ کا کیا مقام تھا۔فرماتے ہیں:۔

''حضرت عیسیٰؑ اور امام حسینؓ کے اصل مقام اور درجہ کا جتنا مجھ کو علم ہے دوسرے کو نہیں ہے۔''

اب عیسیٰؑ اور امام حسین کا کیا جوڑ ہے۔نبیوں میں اپنی جان کی عظیم قربانی پیش کرنے میں عیسیٰؑ کو ایک عجیب مرتبہ اور عجیب مقام حاصل تھا۔نبیوں میں وہ ایک منفرد مقام ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ سے پہلے گزرے ہیں جس طرح، جس شان کے ساتھ حضرت عیسیٰؑ نے حق کی خاطر اپنی جان کی قربانی پیش کی ہے اور صلیب کی اذیتیں قبول کی ہیں۔پس دیکھیں ایک عارف باللہ کا کلام کس طرح ان باتوں کو جوڑتا ہے جس طرف ایک ظاہری نظر رکھنے والے کا تصور بھی نہیں جا سکتا۔فرماتے ہیں:۔

''عیسیٰؑ اور امام حسینؓ کے اصل مقام و درجہ کا جتنا مجھ کو علم ہے دوسرے کو نہیں ہے کیونکہ جوہری ہی جوہر کی حقیقت کو سمجھتا ہے اس طرح پر دوسرے لوگ خواہ وہ امام حسینؓ کو سجدہ کریں مگر وہ ان کے رتبہ اور مقام سے محض ناواقف ہیں اور عیسائی خواہ حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا یا خدا جو چاہیں بنا دیں مگر وہ ان کے اصل اتباع اور حقیقی مقام سے بے خبر ہیں اور ہم ہرگز یہ باتیں تحقیر سے نہیں کہہ رہے۔''

ان کی تحقیر مراد نہیں بلکہ امرِ واقعہ بیان کر رہے ہیں کہ مسیح کا جو حقیقی مرتبہ میرے دل پر روشن ہوا ہے اور حسین کا جو حقیقی مرتبہ میرے دل پر روشن ہوا ہے وہ ان کے سجدہ کرنے والوں کے دلوں پر بھی روشن نہیں اور سجدہ کرنا خود بتاتا ہے کہ مقام سے بےخبر ہیں۔پس اسی فقرہ میں اپنے کلام کی تائید میں ایک محکم دلیل بھی داخل فرما دی۔وہ شان کیا ہے۔فرماتے ہیں:۔

''مَیں اس اشتہار کے ذریعہ سے اپنی جماعت کو اطلاع دیتا ہوں کہ ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ یزید ایک ناپاک طبع دُنیا کا کیڑا اور ظالم تھا اور جن معنوں کی رو سے کسی کو مومن کہا جاتا ہے وہ معنے اس میں موجود نہ تھے۔''

یہ ہے اعلان حق۔کوئی پرواہ نہیں کہ سنی اس سے خوش ہوتے ہیں یا ناراض ہوتے ہیں حالانکہ

آپ اہل سنت سے تعلق رکھتے تھے، اہل تشیع میں شامل نہیں تھے اور مقام تو درحقیقت دونوں سے بالا تھا کیونکہ آپ نے حکم عدل کے طور پر دونوں کے درمیان فیصلے کرنے تھے۔ پس آپ دنیا کے خوف سے بالکل مستغنی اور بالا تھے۔ فرماتے ہیں:۔

''یزید ایک ناپاک طبع دُنیا کا کیڑا اور ظالم تھا اور جن معنوں کی رو سے کسی کو مؤمن کہا جاتا ہے وہ معنے اس میں موجود نہ تھے۔ مومن بننا کوئی امر سہل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں کی نسبت فرماتا ہے:۔ ''قَالَتِ الْأَعْرَابُ اٰمَنَّا ۖ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا'' مومن وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے اعمال ان کے ایمان پر گواہی دیتے ہیں جن کے دل پر ایمان لکھا جاتا ہے اور جو اپنے خدا اور اس کی رضا کو ہر ایک چیز پر مقدم کر لیتے ہیں۔''

فرماتے ہیں:۔

''دنیا کی محبت نے اس کو اندھا کر دیا تھا۔ مگر حسین رضی اللہ عنہ طاہر ومطہر تھا اور بلاشبہ ان برگزیدوں میں سے جن کو خدا تعالیٰ اپنے ہاتھ سے صاف کرتا ہے اور اپنی محبت سے معمور کرتا ہے اور بلاشبہ وہ سردارانِ بہشت میں سے ہے۔''

یہ حضرت امام حسینؓ کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مؤقف ہے اور ایک ایک لفظ بتا رہا ہے کہ سچے دل کی آواز ہے جو بے ساختہ اور بلا تکلف دل سے بلند ہو رہی ہے:

''سردارنِ بہشت میں سے ہے اور ایک ذرہ کینہ رکھنا اس سے موجب سلبِ ایمان ہے اور امام کی تقویٰ اور محبت الٰہی اور صبر استقامت اور زہد اور عبادت ہمارے لئے اسوہ حسنہ ہے اور ہم اس معصوم کی ہدایت کے اقتداء کرنے والے ہیں جو اس کو ملی تھی۔ تباہ ہو گیا وہ دل جو اس کا دشمن ہے اور کامیاب ہو گیا وہ دل جو عملی رنگ میں اس کی محبت ظاہر کرتا ہے۔''

اب دیکھیں ''عملی رنگ'' نے اسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے۔ زبان کے دعوؤں کی بات نہیں ہو رہی۔ زنجیروں سے سینہ کوبی کی بات نہیں ہو رہی۔ فرمایا ہے جو عمل سے اس سے محبت کرتا ہے

اور اپنے عمل سے اس کی محبت کو سچا ثابت کر دیتا ہے یعنی حسین کے رنگ اختیار کرتا ہے وہی سنت اپنا لیتا ہے جو حسین کی سنت تھی۔ فرماتے ہیں:۔

''کامیاب ہو گیا وہ دل جو عملی رنگ میں اس کی محبت ظاہر کرتا ہے اور اس کے ایمان اور اخلاق اور شجاعت اور تقویٰ اور استقامت اور محبت الٰہی کے تمام نقوش انعکاسی کے طور پر کامل پیروی کے ساتھ اپنے اندر لیتا ہے۔''

کون کون سے ہیں؟ ایمان، اخلاق، شجاعت یعنی بہادری، تقویٰ یعنی خدا خوفی اور اپنی بات پر صبر کے ساتھ قائم ہو جانا اور کسی مخالفت کی پرواہ نہ کرنا یعنی استقامت اور محبت الٰہی کے تمام نقوش اپنے دل پر منعکس کرتا ہے اور انہیں اپنا لیتا ہے۔ ''جیسا کہ ایک صاف آئینہ ایک خوب صورت انسان کا نقش'' اپنے اندر لے لیتا ہے۔ یہ اپنے اندر لے لیتا ہے کے الفاظ پہلے گزر چکے ہیں اب میں نے وہی مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ دہرائے ہیں جو اس فقرے کے شروع میں تھے:

''یہ لوگ دنیا کی آنکھوں سے پوشیدہ ہیں کون جانتا ہے ان کی قدر مگر وہی جو انہی میں سے ہے'' جو ویسا ہی دل رکھتا ہے ویسا ہی محبت الٰہی میں وہ پاک اور صاف کیا گیا ہے اور محبت کی آگ میں جلایا گیا ہے وہی ہے جو ان لوگوں کے حالات کو جانتا ہے۔ ان کے تجارب سے واقف ہے۔ غیر کی آنکھ، باہر سے دیکھنے والی، اس کی حقیقت کو پہچان نہیں سکتی۔

''دنیا کی آنکھ ان کو شناخت نہیں کر سکتی کیونکہ وہ دنیا سے بہت دور ہیں۔ یہی وجہ حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی تھی۔'' اب دیکھیں کیسا عظیم نکتہ ہے اور یہ محبت اور معرفت کی آنکھ سے ہی دکھائی دیتا ہے۔ یہ مجلسوں میں پڑھا جانے والا نکتہ تو نہیں ہے۔ فرماتے ہیں:

''یہی وجہ حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی تھی کیونکہ وہ شناخت نہیں کیا گیا۔''

ایک سو سال کے شیعوں کے ماتم ایک طرف اور یہ فقرہ ایک طرف۔ کیسی حقیقت کی روح پر انگلی رکھ دی ہے۔ اس کی شہادت کی یہی وجہ تھی کہ حسینؓ کو شناخت نہیں کیا گیا۔ مگر افسوس کہ جیسا کہ وہ کل شناخت نہیں کیا گیا تھا ویسا ہی آج بھی شناخت نہیں کیا گیا، ورنہ حسینؓ کے نام پر محمدؐ رسول اللہ کے عشاق سے نفرتوں کی تعلیم نہ دی جاتی اور محمد رسول اللہ ﷺ کے عشاق حسینؓ کا عذر رکھ کر ان سے محبت کرنے والوں سے نفرت کی تعلیم نہ دیتے۔ پس شناخت کا جہاں تک معاملہ ہے خدا کے پیارے تو

بعض دفعہ نہ اپنے وقت پر شناخت کئے جاتے ہیں نہ بعد میں شناخت کئے جاتے ہیں۔ مگر وہی ان کو شناخت کرتا ہے جو ویسا دل رکھتا ہے، ویسا مزاج اس کو عطا ہوتا ہے، ویسی ہی فطرت ودیعت کی جاتی ہے، وہی ہے جو حقیقت میں شناخت کا حق رکھتا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں ”یہی وجہ حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی تھی کیونکہ وہ شناخت نہیں کیا گیا۔ دنیا نے کس پاک اور برگزیدہ سے اس کے زمانے میں محبت کی تا حسین رضی اللہ عنہ سے بھی محبت کی جاتی۔“ یہاں یہ مراد نہیں ہے کہ کوئی محبت نہیں کرتا۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں آپؐ کے بڑے بڑے عشاق پیدا ہوئے۔ ہر نبی کے وقت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بھی کچھ عشاق پیدا ہوئے مگر مراد یہ ہے کہ کثرت کے ساتھ، قومی طور پر، بڑی تعداد میں، بہت بعد میں آنے والے محبت کی باتیں کرتے ہیں لیکن وہ لوگ یا ان کے مزاج کے لوگ جو اس برگزیدہ کی زندگی میں، اس زمانے میں ہوتے ہیں وہ اس کو نہیں پہچانتے اور یہ حقیقت ہے کہ قرآن کریم نے اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تعلق رکھنے والی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ تم وہی ہو جنہوں نے موسیٰ کو اذیتیں دیں، تم وہی ہو جو اس زمانے میں نبیوں کو قتل کیا کرتے تھے حالانکہ وہ تو دو ہزار سال بعد پیدا ہوئے تھے۔ وہ، وہ کیسے ہو گئے۔ مراد یہ ہے کہ تم ایسے لوگ ہو کہ تمہاری سرشت ایسی ہے۔ اگر تم اس زمانہ میں ہوتے تو وقت کے مقدس انسان کو پہچان نہ سکتے اور ضرور اس کی دشمنی میں اس کی عزت اور جان کے درپے ہو جاتے لیکن اب تم اس کی محبت کی باتیں کرتے ہو۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ان لوگوں کا ذکر فرما رہے ہیں کہ یہ لوگ جب برگزیدہ لوگوں کی زندگی میں اس وقت سے حصہ پاتے ہیں تو کبھی ان کو پہچان نہیں سکتے اور جب وہ وفات پا جاتے ہیں یا ویسے کسی وجہ سے ان سے دور ہٹ جاتے ہیں، زمانے بدل جاتے ہیں، اس وقت پھر یہ ان کی محبت کے گیت گاتے اور ان کے نام کو اچھالتے ہیں۔

> ”غرض یہ امر نہایت درجہ کی شقاوت اور بے ایمانی میں داخل ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ اس شخص کی یا کسی بزرگ کی جو ائمہ مطہرین میں سے ہے تحقیر کرتا ہے یا کوئی کلمہ استخفاف کا اس کی نسبت اپنی زبان پر لاتا ہے۔ وہ اپنے ایمان کو ضائع کرتا ہے کیونکہ اللہ جلّشانہ اس کا دشمن ہو جاتا ہے جو اس کے

برگزیدوں اور پیاروں کا دشمن ہے۔ جو شخص مجھے بُرا کہتا یا لعن طعن کرتا ہے اس کے عوض میں کسی برگزیدہ اور محبوب الٰہی کی نسبت شوخی کا لفظ زبان پر لانا سخت معصیت سمجھتا ہوں۔''

فرمایا جو مجھے برا سمجھتا ہے، مجھ پر لعن طعن کرتا ہے اس کا بدلہ میں معصومین سے نہیں لیتا اور شوخی کے طور پر ان پر اپنا غصہ اتارنا ایک سخت لعنت کی بات سمجھتا ہوں، سخت برا سمجھتا ہوں۔

پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

''اس میں کس ایماندار کو کلام ہے کہ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما خدا کے برگزیدہ اور صاحبِ کمال اور صاحب عفت اور عصمت اور ائمۃ الھدیٰ تھے (یعنی ہدایت کے اماموں میں سے تھے) اور وہ بلاشبہ دونوں معنوں کی رو سے آنحضرت ﷺ کی آل تھے۔ خون کے لحاظ سے بھی آل تھے اور روحانی وراثت کے لحاظ سے بھی آل تھے۔ لیکن کلام اس بات میں ہے کہ کیوں آل کی اعلیٰ قسم کو چھوڑا گیا ہے اور ادنیٰ پر فخر کیا جاتا ہے۔ تعجب کہ اعلیٰ قسم امام حسن اور امام حسین کے آل ہونے کی اور کسی کے آل ہونے کی جس کی رو سے وہ آنحضرت ﷺ کے روحانی مال کے وارث ٹھہرتے ہیں اور بہشت کے سردار کہلاتے ہیں۔ یہ لوگ اس کا تو کچھ ذکر نہیں کرتے اور ایک فانی رشتے کو بار بار پیش کیا جاتا ہے۔''

یہ وہ نقص ہے جس کی طرف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کی محبت رکھنے والوں کے تعلق میں بیان فرما رہے ہیں کہ ان کو اس پہلو سے اپنی اصلاح کرنی چاہئے۔ ان دونوں کا مرتبہ جس کے نتیجہ میں آنحضرت ﷺ نے ان کو روحانی طور پر بہت اعلیٰ مراتب پر فائز فرما دیا وہ روحانی تعلق کی بنا پر تھا نہ کہ جسمانی رشتے کی بنا پر۔ آپؐ نے فرما دیا، سے یہ مراد ہے کہ آپؐ نے ان کے اعلیٰ مراتب کی نشاندہی فرمائی اور ان کی شان میں بہت ہی پاکیزہ اور مقدس خیالات کا اظہار فرمایا۔ ان کو ان اعلیٰ مراتب پر فائز تو خدا نے فرمایا تھا مگر حضرت محمدؐ رسول اللہ کی زبان سے ہم نے اس کا ذکر سنا اس لئے آپؐ جب کہتے ہیں کہ وہ سردارانِ بہشت میں سے

ہے تو بلا شبہ یہ اللہ کا کلام ہے جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا ہے ورنہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اپنی طرف سے تو کسی کو سردارِ بہشت نہیں بنا سکتے تھے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ آپؐ کی نظر ان کے روحانی مراتب پر تھی، ہرگز اس بات پر نہیں تھی کہ چونکہ میری بیٹی کی اولاد میں سے ہوں گے یا بیٹی کی پشت سے پیدا ہوں گے اس لئے یہ سردارِ بہشت ہیں۔ پس ان کا سردارانِ بہشت ہونا بتاتا ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کا روحانی ورثہ پایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں اس اعلیٰ بات کا ذکر تم نہیں کرتے اور محرم کے موقع پر یا ویسے مجالس میں خونی رشتے کی باتیں کرتے چلے جاتے ہو۔ اگر ایسا کرو گے تو دوسرے روحانی ورثہ پانے والوں کی طرف بھی محبت کی نگاہ پڑے گی، نفرت کی نگاہ ان پر نہیں پڑ سکتی۔ یہی وجہِ تفریق ہے۔ یہی بیماری ہے جس کی نشان دہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمائی اور جس طرف اب توجہ کرنا ضروری ہے۔

تمام شیعوں کو میری نصیحت ہے کہ وہ اپنی مجالس میں جتنا چاہیں محبت کا اظہار کریں مگر اگر روحانی تعلق سے ایسا کریں تو پھر وہی روحانی تعلق کی باتیں ان کو حضرت ابوبکرؓ سے بھی محبت پر مجبور کر دیں گی، حضرت عثمانؓ سے بھی محبت پر مجبور کر دیں گی، حضرت عمرؓ سے بھی محبت پر مجبور کر دیں گی۔ تمام صحابہؓ کے لئے ان کے دل میں محبت کے سوا اور کچھ نہیں رہے گا لیکن چونکہ جسمانی رشتے پر زور دیا جاتا ہے اور اس پہلو سے صحابہؓ کو کلیۃً حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے جدا دکھایا جاتا ہے گویا ایک الگ قوم ہے جس کا آپؐ سے اور آپؐ کے مقاصد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لئے یہ نفرتیں رفتہ رفتہ ان کے دلوں میں جاگزیں ہوئیں اور پھر بڑھتی چلی گئیں یہاں تک کہ بغضِ صحابہ ان کے ایمان کا حصہ بن گیا اور اس نے پھر یہ ردعمل دکھایا کہ سنّیوں میں بھی سپاہ صحابہ جیسی چیزیں پیدا ہوئیں جن کے اعلیٰ مقاصد میں شیعوں کا خون بہانا اس طرح داخل ہو گیا جیسے اسلام کے دشمنوں کے خلاف جہاد صحابہؓ کے دلوں میں داخل تھا۔ صحابہؓ کے دلوں میں اسلام کے خلاف تلوار اٹھانے والوں کے مقابل پر جہاد کا ایک جوش پایا جاتا تھا لیکن یہ ایک دفاعی جہاد تھا، اس میں نفرتوں کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ یہ ان نفرتوں کے خلاف جہاد تھا جن نفرتوں کا صحابہؓ کو نشانہ بنایا جا رہا تھا، حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو نشانہ بنایا جا رہا تھا لیکن جو آج ہم دیکھ رہے ہیں وہ بالکل برعکس قصّہ ہے سپاہِ صحابہ کے دل میں شیعوں کی نفرت ہے جو موجزن ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ شیعوں میں سے کسی کا قتل یا ان میں سے کسی مجلسی کا قتل کرنا نہ صرف یہ کہ اللہ کے حضور ان

کے لئے اعلیٰ مراتب کا ضامن ہو جائے گا بلکہ بعض ان میں سے مولوی یہ بیان کرتے ہیں کہ تم اگر ایسا کرو گے اور اس کوشش میں تم مارے جاؤ تو تم سردارانِ بہشت میں سے شمار ہو گے۔ تم دیکھنا کہ کیسے کیسے پاک وجود تمہارے استقبال کی خاطر جنت کے دروازوں تک آتے ہیں۔ ایسے ایسے لغو قصے بیان کئے جاتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ ان قصوں کے ماننے والے دماغ کس قسم کے ہوں گے، مگر ہمارے ملک میں بدقسمتی سے جہالت بہت ہے اور یہی جہالت ہے جو اس تفریق کو مزید ہوا دے رہی ہے اور ان فاصلوں کو بڑھا رہی ہے۔

پس محرم میں محبت کی اور باہم رشتوں کو باندھنے کی تعلیم دینی ضروری ہے اور جیسا کہ مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے حقیقت یہ ہے کہ اول زور روحانی تعلق پر دینا ضروری ہے اور پھر جسمانی طور پر اگر تعلق ہے تو اس تعلق میں اضافہ ہوگا، کمی نہیں ہو سکتی۔ یعنی جسمانی تعلق سونے پر سہاگے کا کام دے گا لیکن شرط یہ ہے کہ پہلے روحانی تعلق قائم ہو اور روحانی تعلق پر زور دیا جائے پھر زائد کے طور پر جب جسمانی رشتہ دکھائی دے گا تو لازماً سب کو محبت ہوگی۔

پس سنّیوں کو بجائے اس کے کہ نفرتوں کی تعلیم دیں اور ان کے جلوسوں پر حملہ آور ہوں اور طرح طرح سے ان کی راہیں روکیں یا کاٹیں یا ان پر بم پھینکیں یا زبان سے گندی گالیوں کی گولہ باری کریں۔ ان کا فرض ہے کہ ایسے موقع پر ان سے بڑھ کر صحابہؓ کے عشق کی باتیں کیا کریں اور ان میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے اہلِ بیت کو جو صحابہ کا مرتبہ بھی رکھتے تھے، روحانی وارث بھی تھے اور روحانی وارثوں میں بھی بہت بلند مقام پر فائز تھے ان کا ذکر بھی کریں اور دوسرے صحابہؓ کا ذکر بھی کریں۔ صدیقوں کا ذکر بھی کریں اور شہیدوں کا ذکر بھی کریں اور کثرت سے درود اور سلام کی مجلسیں لگائیں اور اس میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں تو یہی دن کتنی برکت کے دن بن سکتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ دونوں طرف سے ان دنوں کو، نفرتیں پھیلانے کے لئے استعمال کیا جائے، دونوں ایک دوسرے کی نیکی کی باتوں میں سبقت لے جانے کی کوشش کریں اور یہ بتائیں دنیا کو کہ ہم محمد رسول اللہ ﷺ کے عشاق سے زیادہ محبت کرنے والے ہیں۔ **ہم اہل بیت سے دوسروں کی نسبت زیادہ پیار رکھنے والے ہیں۔ اہل بیت کے ترانے اگر سارے سنّی گانے شروع کر دیں تو شیعوں کی آواز کو اس آواز میں ڈبو سکتے ہیں اور زیادہ عشق کے ترانے گائیں، ان سے بلند تر آواز**

میں اور ان کو بتائیں کہ محبت کی باتیں ہی کافی ہیں نفرت کی باتیں بیان کرنا ضروری نہیں۔ پس اس موقع کا اصل علاج یہ ہے۔

نہ پولیس علاج ہے نہ فوج علاج ہے، یہ علاج کتنے سالوں سے تم کرتے چلے آرہے ہو۔ آج تو کہہ دیتے ہو کہ 'را' کی وجہ سے ایسا ہوا ہے، ہندوستان کے ایجنٹ ہیں جو یہ کام کروا رہے ہیں۔ کل تم کہا کرتے تھے کہ قادیانیوں کی وجہ سے ایسا ہو رہا ہے۔ احمدی ایجنٹ ہیں جو کروا رہے ہیں۔ بھٹو صاحب کے زمانے میں بھی یہی ہوا اور ضیاء کے زمانے میں تو باقاعدہ دستور بن گیا تھا کہ حکومت کی طرف سے نوٹیفکیشن جاری ہوتے تھے اور کہا جاتا تھا احمدیوں کی نگرانی کرو۔ بڑی سختی کے ساتھ تمام تر جاسوسی ان کے لئے وقف کر دو کیونکہ ہمارے علم میں یہ بات آئی ہے کہ محرم کے موقع پر احمدی شیعوں اور سنّیوں میں فساد برپا کریں گے اور ظلم کی حد، ہر دفعہ توجہ دشمن سے ہٹا کر دوستوں کی طرف کر دی جاتی۔ ساری احمدیت کی تاریخ اس بات کو جھٹلا رہی ہے اور کئی پولیس افسران ان تحریروں کو پڑھ کر یہ کہا کرتے تھے اور بعض احمدیوں کے سامنے بات بیان کی کہ ہماری حکومت پتا نہیں پاگل ہوگئی ہے، ان کو پتا نہیں کہ احمدیوں کا مزاج ہی یہ نہیں ہے۔ کبھی ہوا ہے آج تک کہ ان کی سوسالہ تاریخ میں کہ احمدیوں نے فساد برپا کئے ہوں؟ ایک پر امن جماعت ہے، ان کے خلاف فساد ہوئے ہیں، درست ہے لیکن آج تک ایک بھی واقعہ ایسا نہیں ہے کہ جماعت احمدیہ نے کبھی دوسروں میں فساد کے خیالات پھیلائے ہوں یا کسی طرح فساد پھیلانے میں کسی قسم کا دخل ہی دیا ہو۔ کامیابی تو دور کی بات ہے۔ کہتے ہیں اشارۃً یعنی بعض پولیس افسران کی بات کر رہا ہوں انہوں نے اپنی لمبی سروس کا حوالہ دے کر کہا کہ میں جانتا ہوں اس لمبے زمانے میں جو پولیس میں سروس کی ہے اور میں حلف اٹھا سکتا ہوں اس بات پر کہ احمدی مزاج میں فساد کرانا داخل نہیں۔ کبھی مجھے آج تک کسی احمدی میں بھی اشارۃً یہ بات دکھائی نہیں دی۔ تو کرتے کیا تھے، جنہوں نے شرارت کرنی ہوتی تھی ان پر سے توجہ ہٹا کر جو شرارت کے خلاف ہوا کرتے تھے ان کی طرف توجہ مرکوز کر دیا کرتے تھے اور پھر ان کو فساد کی کھلی چھٹی تھی جو ان میں فساد کر رہے تھے۔ زیر نظر احمدی ہیں اور فساد کرانے ہیں یا شیعوں نے یا سنّیوں نے اور وہ پھر کھلم کھلا اپنی سازشیں کرتے اور فساد کرتے اور فسادوں کے بعد ایک دفعہ بھی ان دشمن حکومتوں کو ایک ادنیٰ سی بات بھی ہاتھ نہ آئی کہ ثابت کر سکیں کہ یہ فساد احمدیوں نے کروایا تھا۔ مجھے یاد ہے انہی دنوں

میں جب یہ کہا کرتے تھے کہ احمدیوں سے متنبہ رہو۔ کراچی میں ساری پولیس کی توجہ احمدیوں کی طرف تھی اور ادھر کراچی میں شیعوں کے امام باڑے جل گئے۔ شیعوں کو ان کے گھروں میں زندہ جلا دیا گیا تو کون لوگ گئے تھے وہاں۔ کیا کوئی احمدی تھا؟ تحقیق نے کیا ثابت کیا تھا کہ احمدیوں کا کوئی دور سے بھی اس بات سے تعلق نہیں ہے۔

پس جب ایک قوم جھوٹ بولنے کی عادی ہو جائے اور عملاً جھوٹ کی پرستش کرنا شروع کر دے تو جھوٹ کی ساری تدبیریں اپنے ہی خلاف الٹا کرتی ہیں۔ احمدی تو امن پیدا کرنے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اور احمدیوں سے آپ کبھی فساد کی بات نہیں دیکھیں گے۔ اب آپ کہتے ہیں ’را‘ نے ایسا کیا۔ اب ’را‘ کیسے وہ دشمنیاں دلوں میں پیدا کر سکتی ہے جو تاریخ کے سینکڑوں سال گواہ ہیں کہ تمہارے دلوں میں مسلسل چلی آ رہی ہیں۔ کم از کم ایک ہزار سال گزر چکا ہے اس تاریخ کو کہ خود مسلمانوں نے مختلف وقتوں میں ایک دوسرے کے گھر جلائے ہیں، ایک دوسرے کی قبریں اکھاڑی ہیں، مُردوں کو دوبارہ پھانسی دی گئی ہے اور ان کے پنجروں کو پھانسی پر لٹکایا گیا ہے۔ یہ ہلاکو خان کا واقعہ بھول گئے ہو۔ ایک سنّی دور میں جب بعض شیعوں پر مظالم ہوئے ہیں تو اس کے ردعمل کے طور پر پھر شیعہ وزیر نے انتقام لیا اور اس نے ہلاکو خان کو دعوت دی کہ آؤ اور اس ملک پر قبضہ کرو۔ یہ تاریخ بتا رہی ہے۔ وہاں کونسی ’را‘ تھی جو اپنا کام دکھاتی تھی؟ میں ہندوستان کے حق میں بات نہیں کر رہا، میں کسی کے حق میں بھی بات نہیں کر رہا نہ کسی کے خلاف بات کر رہا ہوں۔ **میں یہ سمجھا رہا ہوں کہ حقیقت حال پر نظر رکھو۔ نفرتیں جہاں پرورش پاتی ہیں وہی جگہ ہے نگرانی کی اور ان نفرتوں کی پرورش گاہوں میں اگر کوئی دشمن گھس کر مزید انگیخت کرے تو وہ ایسی کوشش کر سکتا ہے اس سے انکار نہیں لیکن نفرتیں قائم ہیں تو کوشش پھر ضرور کامیاب ہوں گی اور یہ عذر قابل تسلیم نہیں ہوگا کہ فلاں نے ایسا کروایا ہے۔ تم کرنے پر تیار بیٹھے تھے اور اس نے جو تلوار نیچے گری ہوئی تھی اٹھا کے تمہارے ہاتھوں میں تھما دی اس سے زیادہ تو اس کو کوئی کام نہیں۔ لیکن کرنے والے تم ہو، تمہاری نیتیں ہیں جن میں زہر گھلے ہوئے ہیں، وہ نیتیں ہیں جو ایک دوسرے کو برداشت نہیں کر سکتیں، وہ آنکھیں ہیں جو ایک دوسرے کو اچھا دیکھ نہیں سکتیں، ان نفرتوں کا علاج کرو۔ ان نظروں کو درست کرنے کی کوئی تدبیر کرو، ان دلوں سے نفرتیں ہٹا کر ان میں محبتوں کے رس گھولنے کی کوشش کرو، اس کے سوا کوئی علاج ہی نہیں ہے اور یہ**

علاج امامِ وقت تمہیں بتا رہا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جو حکم عدل بن کر آئے تھے وہ سلیقہ سکھا رہے ہیں کہ دیکھو اس طرح صحابہؓ کی بھی تعریف کرو۔ اس طرح اہل بیت کی بھی تعریف کرو۔ ان پر بھی درود بھیجو، ان پر بھی درود بھیجو، یہی ایک ذریعہ ہے امت کے اکٹھا ہونے کا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

> ''یقیناً ہمارے نبی خیر الوریٰ ﷺ ہمارے رب اعلیٰ کی دونوں صفات رحمانیت اور رحیمیت کے مظہر تھے پھر صحابہ رضوان اللہ علیھم حقیقت محمدیہ جلالیہ کے وارث ہوئے جیسا کہ پہلے تجھے معلوم ہو چکا ہے۔''

اب ان صحابہؓ کے ذکر میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اہلِ بیت یعنی خونی رشتے کے ذریعے منسلک اور دوسروں سب کا اکٹھا ذکر فرما رہے ہیں اور تمام صحابہؓ کی تعریف فرما رہے ہیں اس میں نعوذ باللہ اہل بیت اس تعریف سے خارج نہیں ہوئے بلکہ جیسا کہ پہلے میں حوالہ دے چکا ہوں اول طور پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیش نظر ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

> ''پھر صحابہ حقیقت محمدیہ جلالیہ کے وارث ہوئے جیسا کہ تجھے معلوم ہو چکا ہے ان کی تلوار مشرکین کی جڑ کاٹنے کے لئے اٹھائی گئی اور مخلوق پرستوں کے ہاں ان کی ایسی کہانیاں ذکر ہیں جو بھلائی نہ جاسکیں گی۔ انہوں نے صفت محمدیہ کا حق ادا کر دیا۔''

اب صفت محمدیہؐ کو صحابہؓ میں رائج فرمایا ہے۔ یہ ایک بہت ہی اہم نکتہ ہے۔ وہ تمام صفات حسنہ جو خونی رشتوں میں تعلق رکھنے والے اہل بیت میں تھیں یا محض روحانی رشتہ میں بندھے ہوئے صحابہؓ میں تھیں وہ تمام خوبیاں نہ اِن کی ذاتی تھیں، نہ اُن کی ذاتی تھیں وہ صفت محمدیہؐ کے ان میں جاری ہونے کے نتیجہ میں تھیں۔ جو اس نکتہ کو سمجھ جائے وہ ایک کے مقابل پر دوسرے سے نفرت کر ہی نہیں سکتا کیونکہ صفت محمدیہؐ کی طرف پیٹھ دکھا کر صفت محمدیہؐ سے محبت نہیں کی جاسکتی۔ صفت محمدیہؐ پر حملہ آور ہوتے ہوئے صفت محمدیہؐ کے عشق کے گیت نہیں گائے جاسکتے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کس اعلیٰ پیرائے میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت ہی کو صحابہ میں جلوہ گر دکھایا۔ فرمایا ہے وہاں بھی سیرت محمدیہؐ کام کر رہی ہے۔ اے سیرت محمدیہؐ کے عشاق! کیا تم سیرت

محمد یہ سے دشمنی کرو گے؟۔

پس جہاں صفتِ محمدی کے سوا کچھ ہے ہی نہیں۔ ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ '' وہاں اہل بیت یا غیر اہل بیت کی کوئی تفریق نہیں ہے۔ اگر حسن ہے تو محمد کا حسن ہےصلی اللہ علیہ وسلم۔ سیرت ہے تو محمد کی سیرت ہےصلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ میں اگر کوئی مدح کی بات پائی جاتی ہے تو محمدؐ رسول اللہ کی سیرت کو اپنانے کے نتیجے میں ہے اور بعینہٖ یہی وجہ فضیلت کی اہل بیت میں پائی جاتی ہے اس کے سوا کوئی وجہ نہیں۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

''اللہ تعالیٰ نے صحابہ کو اور ان کے تابعین کو اسم محمدؐ کا مظہر بنایا اور ان کے ذریعے رحمانی جلالی شان ظاہر کی اور انہیں غلبہ عطا کیا اور پے در پے نعمتوں کے ذریعہ ان کی نصرت فرمائی۔''

پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام صحابہ رضوان اللہ علیہم کے ذکر میں فرماتے ہیں:۔

''صحابہ رضوان اللہ علیہم کے زمانے میں تو یقین کے چشمے جاری تھے اور وہ خدائی نشانوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے اور انہی نشانوں کے ذریعہ سے خدا کے کلام پر انہیں یقین ہو گیا تھا اس لئے ان کی زندگی نہایت پاک ہو گئی تھی۔''

اب یہ وہ حصہ ہے جس کی کمی کی وجہ سے ساری امت، کہلانے والی امت میں، یعنی رسول اللہصلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہونے والے لوگوں میں فساد پھیلا ہوا ہے۔ یعنی یہ وہ نکتہ ہے جس کو نہ سمجھنے کی وجہ سے، جس پر عمل نہ کرنے کے نتیجہ میں، کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ انہوں نے محمد رسول اللہصلی اللہ علیہ وسلم میں خدائی نشان دیکھے اور اپنی آنکھوں سے دیکھے اور اس ذریعہ سے خدا کے کلام پر انہیں یقین ہو گیا تھا اس لئے ان کی زندگی نہایت پاک ہو گئی تھی۔ پس جنہوں نے الٰہی نشان دیکھے ہوں لازم ہے کہ ان کی زندگی پاک ہو اور پاک زندگیوں میں یہ بدنمونے دکھائی نہیں دے سکتے جو محرم کے دنوں میں آپ دیکھتے ہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ پاک دلوں سے دوسرے پاکوں کے خلاف نفرت اور بغض کے کلمے اس طرح نکلیں جس طرح پھوڑے سے پیپ نکلتی ہے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ پاک وجود صحت مند وجود ہوتا ہے، اس میں گندی پیپ کے پالے ہوئے پھوڑے نہیں ہوا کرتے۔ پس جب بھی صحابہؓ کے خلاف شیعوں کی مجالس میں سخت قسم کی ظالمانہ زبان استعمال کی جاتی

ہے تو یہ دلوں کے پھوڑے ہیں جو سارا سال پکتے رہتے ہیں اور وہ پیپ اس وقت پھٹ کر اچھل اچھل کر باہر نکلتی ہے اور بہت ہی بد بودار مواد ہے جو باہر نکل کر گلیوں میں آتا ہے اور ساری فضا کو یہ بد بودار کر دیتا ہے۔ دوسری طرف مقابل کو دیکھیں۔ اگر وہ ان کے مقابلہ کرنے والے بھی رسول اللہ ﷺ کی سچائی کے نشان دیکھ کر اپنے دلوں کو پاک کر چکے ہوتے تو ایسے موقع پر استغفار سے کام لیتے۔ گند کا جواب گند سے نہ دیتے بلکہ ان کے لئے دعا گو ہو جاتے، ان پر زیادہ رحم اور شفقت کرتے، ان کو سمجھانے کے لئے سارا سال کارروائیاں کرتے اور دلائل کی دنیا میں ان کو گھسیٹ کر لاتے اور دلائل کے میدانوں میں یہ فیصلے کرتے۔ بجائے اس کے کہ تلوار کے میدان میں ایسے فیصلے کئے جائیں۔

پس ادھر بھی وہ پاک نمونے نہیں ہیں ادھر بھی وہ پاک نمونے نہیں ہیں اور امرِ واقعہ یہ ہے کہ اس زمانے میں اگر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے سچا تعلق باندھنا ہے تو اس امام سے تعلق باندھے بغیر یہ سچا تعلق قائم نہیں ہوسکتا جو امام ان پیش گوئیوں کے مطابق آیا ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائیں **وہ تعلق جو تیرہ سو سال میں تم کاٹ بیٹھے، وہ تعلق تیرہ سو سال کے بعد دوبارہ جوڑنے کے وقت آئے اور آسمان سے وہ رسی نیچے کی گئی جس رسی سے ہاتھ جدا ہو چکے تھے۔ اب ایک ہی راہ ہے کہ اس رسی کو دوبارہ مضبوطی سے پکڑ لو اور پھر حضرت محمد مصطفی ﷺ کے دامن میں پناہ لے لو اس پناہ کے سوا اور کوئی پناہ نہیں ہے اور یہ پناہ امام وقت کے انکار کے ذریعہ میسر نہیں ہوسکتی۔ یہ پناہ صرف اس صورت میں نصیب ہوسکتی ہے اگر امام وقت کو تسلیم کرو، اس سے محبت کا رشتہ باندھو، کیونکہ یہی محبت کا رشتہ سلسلہ وار خدا تک پہنچے گا، محمد مصطفی ﷺ کی سچی محبت تمہارے دلوں میں پیدا کرے گا۔ صحابہؓ کی سچی محبت کے سلیقے تمہیں سکھائے گا، اہل بیت کی سچی محبت کی روح تمہیں عطا کرے گا۔** یہ صاحبِ عرفان محبت ہوگی جس کے نتیجے میں پاک عمل پیدا ہوتا ہے۔ یہ ایسی محبت ہوگی جس کے نتیجہ میں دل پاک کئے جاتے ہیں اور پاک دل ایک دوسرے سے نفرت نہیں کیا کرتے۔ پاک دل آپس میں بٹ نہیں جایا کرتے بلکہ ایک ہاتھ پر جمع ہو جاتے ہیں اور امتِ محمدیہؐ کو دوبارہ ایک ہاتھ پر جمع کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے جس امام کو بھیجا ہے وہی ان روحانی رشتوں کا ضامن بن کر آیا ہے۔ وہی ان روحانی رشتوں کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے منادی بن کر بھیجا گیا ہے۔ تم اس کی ندا پر کان دھرو اور اطاعت اور محبت کے ساتھ اس کے حضور اپنے دلوں کو ان معنوں میں جھکا دو کہ جس طرف وہ بلاتا

ہے وہ دل لپکتے ہوئے لبیک کہتے ہوئے اس طرف دوڑیں۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس طرف وہ ان دلوں کو بلا رہا ہے یعنی تم سب کے دلوں کو وہ محمد رسول اللہ ﷺ کا رستہ ہے وہ خدا کا رستہ ہے اور کسی کا نہیں اس کے سوا اور کوئی رستہ نہیں۔ اسی کا نام صراط مستقیم ہے، اسی سے وحدت ملّی عطا ہوتی ہے۔ اسی سے تفرقے پھر وحدت کی لڑیوں میں پروئے جاتے ہیں۔

پس آپ سب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آواز پر لبیک کہیں اور اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ دور کی باتیں ہیں تو ان نصیحتوں پر تو عمل کریں یا بتائیں کہ ان میں کیا نقص ہے۔ ان سے بہتر بات تو پیش کر کے دکھائیں۔ آپ تسلیم نہیں کرتے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام وہی ہیں جو حکم عدل بن کر آئے تھے اور تمہارے درمیان انصاف سے فیصلہ کرنے والے تھے اب آپ کے فیصلے میں نے تمہیں سنا دیئے ہیں۔ ان فیصلوں سے بہتر فیصلے کر کے تو دکھاؤ۔ بتاؤ تو سہی کہ اس سے زیادہ اور کون سی پاک اور مؤثر راہ ہو سکتی ہے جو مسلمانوں کے بٹے ہوئے دلوں کو پھر ایک ہاتھ پر اکٹھے کر سکتی ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانا اب تمہارے اختیار کی یا ہاں یا نہ کی بات نہیں رہی۔ امرِ واقعہ یہ ہے کہ سچا امام جن رستوں کی طرف بلاتا ہے ان رستوں سے انکار خودکشی کے مترادف ہو جایا کرتا ہے۔ تو انکار کرو گے بھی تو باتیں وہی ماننی پڑیں گی جو حضرت مسیح موعودؑ کہتے ہیں۔ ان باتوں سے بہتر باتیں تمہارے فرشتے بھی سوچ نہیں سکتے کیونکہ یہ خدا کا کلام ہے جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ آپ ؐ کی برکتوں سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل پر نازل ہوا۔ جو وحدت کے رستے آپؑ نے بتائے ہیں ان کے سوا اور کوئی وحدت کا رستہ نہیں۔ پس اس رستے سے آؤ یا اس رستے سے آؤ، طوعاً آؤ یا کرھاً آؤ۔ تم نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اگر بیعت نہیں کرنی تو باتوں کو تو لازماً ماننا پڑے گا اور اگر نہیں مانو گے تو اسی طرح بٹے رہو گے۔ اسی طرح ایک دوسرے کے خلاف نفرتوں کی تعلیم دیتے رہو گے۔ نفرتوں کی منادی کرتے رہو گے اور ہر سال بجائے اس کے کہ محرم امت محمدیہ ؐ کو ایک کرنے کا عظیم الشان نظارہ دکھائے ہر سال یہ محرم آپ لوگوں کو اور زیادہ متفرق کرتا چلا جائے گا، آپ کے دلوں کو اور زیادہ پھاڑتا چلا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو عقل دے، ہوش دے اور وہ سچی باتیں جو ایک صاف اور پاک دل کو صاف دکھائی دیتی ہیں۔ کسی دلیل کی حاجت نہیں رہتی۔ سچ تو خود اس طرح بولتا ہے کہ مومن کی پیشانی

سے برستا ہے، سچ تو خود اس طرح بولتا ہے جیسے مشک خوشبو دیتا ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی باتوں میں وہ سچائی ہے جو مومن کی پیشانی کے نور کی طرح آپ کے چہرے سے برس رہی ہے۔ آپ کی باتوں میں وہ سچائی ہے جو مشک کی طرف خوشبو رکھتی ہے اور خود بخود اٹھتی ہے اور فضا کو مہکا دیتی ہے۔ پس ان باتوں پر غور سے کان دھرو اور ان کو اپنے دلوں میں جگہ دو۔ یہی ایک رستہ امت کو دوبارہ وحدت کی لڑیوں میں پرونے کا رستہ ہے۔ اس کے سوا اور کوئی رستہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حبل اللہ کی حفاظت میں جان بھی جائے تو دریغ نہ کرو۔
محمدیؐ اخلاق سے اپنے آپ کو مزین کریں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 24 /جون 1994ء بمقام ٹورانٹو، کینیڈا)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے مندرجہ ذیل آیت تلاوت کی:۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا ۪ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ (آل عمران:104)

پھر فرمایا:۔

یہ آیت کریمہ جس کی میں نے تلاوت کی ہے گزشتہ تین خطبات کا بھی عنوان بنی رہی ہے آج کا عنوان بھی یہی ہے اور آئندہ بھی شاید ایک دو خطبات میں یہی مضمون چلے۔ ان آیات کی روح یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے تمہیں آگ کے گڑھے پر جب تم کنارے پر پہنچ گئے تھے وہاں سے کھینچ کر اس سے بچالیا ہے اور اس بچانے کی علامت یہ بیان فرمائی ہے کہ تمہارے دل پھٹے ہوئے تھے تمہیں ایک ہاتھ پر ایک دل کی دھڑکن کی طرح اکٹھا کر دیا ہے اور اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمہارے دلوں میں آپس میں محبت کے رشتے باندھے، ایک جان کر دیا۔ پس اس نعمت کو

اب کبھی بھلانا نہ اور ہاتھ سے چھوڑنا نہ۔ اگر تمہارا آپس کا باہمی ربطِ محبت اور باہمی تعلق دوبارہ کسی وجہ سے منغض ہو گیا، اگر پھر آپس میں افتراق پیدا ہو گئے ایک دوسرے سے پرے ہٹنے لگے تو اس کا انجام وہی ہے جہاں سے تمہیں کھینچ کر واپس لایا گیا تھا یعنی بھڑکتی ہوئی آگ کا کنارہ۔ پس قوموں کے اتحاد کے بعد جب وہ افتراق اختیار کیا کرتی ہیں تو ان کا انجام وہی انجام ہے جہاں سے قرآن کریم نے بات کا آغاز فرمایا ہے تو اس پہلو سے یہ مضمون غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے اور میں حدیث اور سنت کے حوالے سے بیان کر رہا ہوں کہ باہمی محبت کو فروغ دینے والی کون سی باتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نعمت یعنی مجسم نعمت حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم جب دنیا میں نازل ہوئے تو خدا تعالیٰ نے آپؐ کے ذریعے سے بکھرے ہوئے دلوں کو کیسے اکٹھا کیا تھا۔ وہ اخلاق حسنہ تھے جنہیں اخلاق مصطفویؐ کہا جا سکتا ہے۔ دعائیں اور عبادت، ایک اپنا مقام رکھتی ہیں لیکن دعاؤں اور عبادت کے نتیجے میں وہ اخلاق والی قومیں پیدا ہوتی ہیں جو انبیاء سے اخلاق سیکھتی اور ویسے ہی رنگ اختیار کر جاتی ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم نے ان کا ذکر رسولؐ سے الگ نہیں فرمایا بلکہ فرماتا ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اور پھر سب صفات اکٹھی بیان فرماتا ہے۔ پس یہ وہ مضمون ہے جس پر میں حدیث اور سنت کے حوالے سے روشنی ڈال رہا ہوں تا کہ جماعت جو مدتوں کے انتظار کے بعد تیرہ صدیوں تک امت کے دربدر پھرنے اور متفرق ہوتے چلے جانے کے بعد پھر خدا نے آسمان سے وہ رابطہ اتارا جس **سے ایک دفعہ پھر حبل اللہ پر ہمارا ہاتھ پڑ گیا اور حبل اللہ پر ہاتھ پڑے بغیر یعنی اللہ کی رسی کو تھامے بغیر متفرق اور منتشر قومیں اکٹھی نہیں ہوا کرتیں۔ پس اس نعمت کی قدر کرو اور کسی قیمت پر بھی حقیقت میں جان بھی جائے تو اس رسی کو ہاتھ سے جانے نہ دو اور جو بھی جماعت میں افتراق کی باتیں کرتا ہے یا اس کے رویّے سے دُوریاں پیدا ہوتی ہیں وہ جان لے کہ وہ خدا کی اس تقدیر کے برعکس رخ اختیار کئے ہوئے ہے اور ایسے لوگوں سے ہمیشہ جماعت کو خطرہ درپیش رہے گا۔**

یہ جو مضمون ہے یہ بہت وسیع اور بلند بھی ہے اور گہرا بھی لیکن حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے تمام مشکل مضامین کو اپنی ذات میں آسان کر کے دکھا دیا۔ وہ بڑے بڑے اعلیٰ اخلاقی مراتب جن کے متعلق درس دینے والے فلاسفر درس دیتے رہے اور دیتے رہیں گے مگر سمجھا نہ سکے اور ان چیزوں کو اخلاق میں رائج نہ کر سکے۔ آنحضرت ﷺ نے ان الجھے ہوئے مشکل مسائل کو چھوٹی چھوٹی سادہ

پیاری دل لبھانے والی باتوں کی صورت میں بیان کیا اور اپنے کردار سے ان باتوں کو ایسا سمجھایا کہ وہ اخلاق آپؐ کے دیکھنے والوں کے دل پر نقش ہوئے۔ ان کے خون میں، رگ و پے میں سرایت کر گئے اور ساری زندگیاں ان کی ذات اور ان کے کردار میں جاری و ساری رہے۔ پھر انہوں نے وہی اخلاق آئندہ نسلوں میں منتقل کئے۔ یہ سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ اس میں انقطاع بھی ہوئے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان مجددین کو بھیجا جن کے ذریعے خاص الٰہی فضل کے نتیجے میں سنت محمد مصطفیٰ ﷺ کو پھر جاری فرمایا گیا۔ یہ سلسلہ اسی طرح ٹوٹتا اور پھر جڑتا ہوا تاریخ میں آگے بڑھتا رہا یہاں تک کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ آیا جبکہ ''مسلماں را مسلماں باز کردن'' کی تقدیر پوری ہوئی کہ خدا نے مسلمانوں کو دوبارہ مسلمان بنانے کا فیصلہ فرما لیا۔ یہ اس مضمون کا اختصار سے خاکہ ہے جو میں آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں اور یہی احمدیت کی سب سے بڑی صداقت کی دلیل ہے۔

جماعت احمدیہ عالم اسلام میں ایک ہی جماعت ہے جو ایک ہاتھ پر اکٹھی ہے، جماعت احمدیہ عالم اسلام میں ایک ہی جماعت ہے جو ایک سو چالیس ممالک میں پھیلی ہوئی ہونے کے باوجود پھر بھی ایک جمعیت رکھتی ہے، ایک مرکز رکھتی ہے اور دور دور پھیلے ہوئے احمدیوں کے دل بھی آپس میں جڑے ہوئے ہیں۔ ایک تکلیف کسی احمدی کو خواہ پاکستان میں پہنچے خواہ بنگلہ دیش میں، ہندوستان میں یا کسی اور ملک میں، اس تکلیف کی جب بھی خبر دنیا میں پھیلتی ہے جماعت احمدیہ خواہ دنیا کے کسی ملک سے تعلق رکھتی ہو یوں محسوس کرتی ہے کہ ہماری ہی تکلیف ہے اور عجیب اتفاق ہے، اتفاق تو نہیں یعنی خدا کی تقدیر کا ایک حصہ ہے کہ جیسے میں آپ کے لئے غمگین ہوتا ہوں جماعت میرے لئے غمگین ہوتی ہے کہ اس غم سے مجھے زیادہ تکلیف نہ پہنچے اور ہر ایسے موقع پر مجھ سے تعزیت کا اظہار کیا جاتا ہے اور ایسی سادگی اور بھولے پن سے، جیسے وہ اس بات پر مقرر کئے گئے ہیں کہ میری دلداری کریں۔ چنانچہ اسیران راہ مولا کے معاملے میں مسلسل ہمیشہ دنیا کے کونے کونے سے لوگ مجھ سے ہمدردی کرتے رہے، فکر کا اظہار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مائیں بچوں کے حوالے سے لکھتی رہیں کہ جب آپ ان کا ذکر کرتے ہیں اور آپ کی آنکھوں میں نمی آجاتی ہے تو ہمارے بچے بے چین ہو جاتے ہیں۔ ایک ماں نے لکھا کہ بچہ رو پڑا اس نے رومال نکالا اور دوڑا دوڑا گیا، میرا ذکر کر کے کہ ان کے آنسو پونچھوں۔ اب یہ جو واقعہ ہے یہ اللہ کے اعجاز کے سوا ممکن نہیں ہے۔ اس مادہ پرست دنیا میں کوئی ہے تو دکھائے کہاں ایسی باتیں ہیں۔ یہ حضرت

محمد مصطفی ﷺ ہی کا اعجاز ہے اور اسی آیت کے حوالے سے میں اس اعجاز کا ذکر کر رہا ہوں۔

آنحضور ﷺ کو اللہ مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ تجھ میں طاقت نہیں تھی مگر مجھ میں طاقت تھی اور میں نے تیرے ذریعے یہ معجزہ دکھایا ہے خدا سے جب تیری ذات ملحق ہوگئی اور خدا نے جب تجھ میں انفاخ قدسی پھونکے تو اس کے نتیجہ میں تو وہ نعمت بن گیا جس نعمت کے ذریعے تمام بکھرے ہوئے ایک دوسرے سے کٹے ہوتے ایک دوسرے کے دشمنوں کو ایک ہاتھ پر دوبارہ باندھنے کے انتظام ہوئے اور اس مضمون کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے اگر یہ نہ ہوتا تو یہ لوگ آگ میں جھونکے جانے کے لائق تھے۔ آگ کے کنارے تک پہنچے ہوئے تھے۔ وہاں سے خدا فرماتا ہے میں نے تمہیں کھینچ کر ایک دوسرے کے باہمی مودت عطا کی، ایک دوسرے کی محبت میں باندھ دیا پس پھر بھی اگر ایسا کرو گے تو آگ کے سوا تمہارا کوئی انجام نہ ہوگا۔

اس مضمون کو جیسا کہ میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں خصوصیت سے اس زمانے میں بیان کرنے کی ضرورت اس لئے درپیش ہے کہ ہم کثرت کے ساتھ پھیل رہے ہیں اور آسمان پر یہ بات جو پہلے میں کہا کرتا تھا کہ لکھی گئی اب وہ ابھر کر روشن چہروں کی صورت میں سامنے آگئی ہے اور آسمان سے جن پھلوں کے وعدے دیئے گئے تھے وہ پھل ہم اپنے اوپر برستے دیکھ رہے ہیں کوئی سال ایسا نہیں گزر رہا جس میں خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ تبلیغ کی رفتار نہ بڑھ رہی ہو اور نئی نئی قومیں داخل نہ ہو رہی ہوں۔ کوئی مہینہ ایسا نہیں گزرتا جس میں نئے نئے لوگوں کے آنے کی خوشخبری نہ ملتی ہو۔ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جبکہ کثرت کے ساتھ لوگ اللہ تعالیٰ کے فضلوں کا ذکر شکر کے ساتھ ادا کرتے ہوئے مجھے اطلاعیں نہیں بھیجتے کہ ہم نے ایسے ایسے اعجاز دیکھے ہیں کہ ہماری روح تمام تر سجدہ ریز ہو چکی ہے۔ ایسے ایسے اعجاز دیکھے ہیں کہ ان کے لطف کو بیان کرنے کی ہمارے قلم میں طاقت نہیں۔ ہم لاعلم ناتجربہ کار محض اس وجہ سے میدان تبلیغ میں نکلے کہ آپ نے کہا تھا کہ آج اللہ تم سے یہی چاہتا ہے کہ تم میدان تبلیغ میں نکل کھڑے ہو، ہم نہتے لوگ ہمارے پاس کوئی زادِ راہ نہیں تھا۔ مگر اللہ نے آوازوں میں ایسی ایسی برکتیں ڈالیں کہ جہاں سے کوئی توقع نہیں تھی وہاں سے بھی خدا کے فضل سے لبیک لبیک کہتے ہوئے لوگ جوق در جوق احمدیت میں داخل ہونے لگے۔ پس یہ جو رونما ہونے والا معجزہ ہے یہ کسی ایک جگہ کا نہیں، کسی ایک ملک کا نہیں، کل عالم میں یہی ایک عجیب کیفیت ہے جو فضا میں پیدا ہو چکی ہے اور اس کیفیت سے جماعت کے دل اس طرح نشے میں مخمور ہیں کہ تمام دنیا کی جماعت میں

جو تبلیغ کا کام کر رہے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ واقعۃً جیسے ہم مدہوش ہو چکے ہوں۔ اب انہوں نے ظاہری شراب کا مزہ تو نہیں چکھا مگر ان کی طرزِ کلام بتاتی ہے ان کی تحریر بتا رہی ہوتی ہے کہ جو ان کو مزہ ہے وہ دنیا کی شراب پینے والوں کے تصور میں بھی نہیں آ سکتا۔ بعض لوگ کہتے ہیں اب ہماری زندگی میں اور کوئی مزہ نہیں رہا اور بس دل چاہتا ہے کہ ہمیشہ خدا کی راہ کی طرف لوگوں کو بلاتے رہیں اور آسمان سے گرتے ہوئے پھلوں کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھیں، اپنے سینوں سے لگائیں اپنی جھولیوں میں محفوظ کریں اور آئندہ پھر اسی کام پر روانہ ہو جائیں۔ بہت سے ایسے داعی الی اللہ سفر کرنے والے ہیں۔ میں نے روانہ ہونے کا جو لفظ بولا ہے تو ذہن میں افریقہ سے آئی ہوئی بعض اطلاعات تھیں وہاں بڑی مشکلات ہیں سفر میں اور ایک مبلغ نے لکھا کہ بعض دفعہ بخار کی حالت میں بھی آگے بڑھنا پڑا۔ بعض دفعہ بیچ میں نالے ندیاں وغیرہ آئیں اسی طرح ان سے پیدل گزرنا پڑا کبھی کبھی پانی اوپر سے گزر جاتا تھا لیکن پھر نیچے بھی ہو جاتا تھا۔ یعنی کہیں خطرات تھے کہیں انسان معمول کے پانی سے پایا۔ پانی سے گزرنا تھا۔ مگر ایک دھن سوار تھی کہ ہم نے جانا ہی جانا ہے بڑھنا ہی بڑھنا ہے کیونکہ ندی پار سے یہ اطلاع ملی تھی کہ بعض لوگوں کو دلچسپی ہے۔ یعنی اس حالت میں ہم نے سفر کئے۔ بخار بھی آئے لیکن کوئی پرواہ نہیں کی اور پھر ایسے ایسے خطرات درپیش ہوئے کہ یوں لگتا تھا کہ خیریت سے ہمارا واپس جانا ممکن نہیں ہوگا۔ مگر ہر قدم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلطان نصیر عطا ہوتے رہے، حیرت انگیز مدد آسمان سے اترتی ہم نے دیکھی۔ ان جگہوں سے پھل ملے جہاں وہم و گمان بھی نہیں تھا جن لوگوں نے انکار کر دیا کہ ہمارے پاس نہ آؤ وہیں سے وہ لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے کہا ہم ساتھ کے گاؤں سے ہیں ہمارے پاس آؤ اور وہاں گئے اور وہ اللہ کے فضل کے ساتھ سارے کا سارا گاؤں احمدیت کو قبول کر گیا۔

تو یہ جو میں روانہ ہونے کی بات کر رہا ہوں۔ داعی الی اللہ بھی ایک قسم کی ہجرت کرتے ہیں وہ اپنی آرام گاہوں سے ہجرت کرتے ہیں اور مشکل مقامات کی طرف سفر کرتے ہیں اور ہر سفر پر اللہ کے انعام کو ایسا اپنے اوپر برستا دیکھتے ہیں۔ تو پھر اگلے سفر کی ہمت وہیں سے پاتے ہیں وہیں سے آئندہ سفر کے ارادے باندھے جاتے ہیں ورنہ دنیا میں تو یہ ہوتا کہ انسان اگر سفر پر جائے اور مشکل درپیش ہو تو یہ توبہ کرتا ہوا واپس آتا ہے کہ آئندہ میری توبہ آئندہ میں یہ سفر نہیں کروں گا مگر دعوت الی اللہ کا ایک عجیب نشہ ہے کہ ہر مشکل سفر کے بعد یہ ارادے باندھتا ہوا انسان لوٹتا ہے کہ میں پھر جب

توفیق ملے گی پھر اس راہ پر آگے قدم بڑھاؤں گا۔ یہ وہ دور ہے جس میں ہم داخل ہو رہے ہیں اس دور کے تقاضے یہ ہیں کہ ہم اپنی تمام اخلاقی خرابیوں کو دور کر کے اپنے اخلاق کو زینت دیں اپنے سینوں کو سجائیں کیونکہ یہ روحانی مہمان ہمارے سینوں میں بٹھائے جانے کے لائق ہیں ہم نے ان کو اپنے سینے سے لگانا ہے۔ اپنے کردار کے خانوں میں اتارنا ہے اور وہیں ان کی تربیت کرنی ہے اگر ہمارے اخلاق بد ہوئے اگر ہم ایک دوسرے سے دور ہٹنے شروع ہو گئے ہوں۔ جیسا کہ بعض دفعہ ہوا ہے۔ اگر ہم آپس میں ایک دوسرے کی محبت میں مضبوط رشتوں کے ساتھ نہیں باندھے گئے تو آنے والوں کو ہم کیسے مضبوط رشتوں میں باندھیں گے اور مضبوط رشتے کیا ہیں؟ یہ کوئی فرضی چیز نہیں ہے۔ یہ اخلاق کے رشتے ہیں۔ یہ بات ہے جو میں آنحضورﷺ کے حوالے سے جماعت کو بار بار سمجھا رہا ہوں اور میں جانتا ہوں کہ ابھی اور سمجھانے کی ضرورت ہے۔ یہ کوئی فرضی مضامین کی تقریریں نہیں ہیں۔ امر واقعہ یہ ہے اس حقیقت کی دنیا میں اتر کے دیکھو، محبت کے رشتے اخلاق سے باندھے جاتے ہیں اگر اخلاق نہ ہوں تو ساری باتیں فرضی ہیں۔ وہ لوگ جن کے اخلاق گھر میں سنورے ہوئے نہیں وہ لوگ جو اپنی بیویوں سے حسن سلوک سے پیش نہیں آتے وہ لوگ جو اپنے بچوں سے حسنِ سلوک سے پیش نہیں آتے وہ بیویاں جو اپنے خاوندوں سے حسن سلوک سے پیش نہیں آتیں وہ لوگ جو اپنے ہمسایوں سے اپنے رشتہ داروں سے حسن سلوک سے پیش نہیں کرتے، وہ ساسیں جو اپنی بہوؤں کو اپنی بیٹیاں نہیں سمجھتیں وہ بہوئیں جو اپنی ساسوں کو اپنی ماں نہیں سمجھتیں وہ نندیں جو اور وہ بھائی اور وہ بھابیاں وغیرہ وغیرہ یہ سارے اپنے عملی امتحان کے میدان ہیں جو ہمارے سامنے روز کھلتے ہیں روز ہم ان میدانوں میں اترتے ہیں اور نہیں سوچتے کہ کہاں کہاں ناکام رہے۔ پس دنیا کی زندگی کو عام روزمرہ کے درپیش آنے والے مسائل کی صورت میں دیکھیں تو یہ فلسفے کی اونچی اڑان کی باتیں نہیں رہتی۔ یہ روزمرہ رونما ہونے والے گھر کے اور گلیوں کے عام واقعات بن جاتے ہیں۔ آنحضرتﷺ نے اسی حوالے سے ہماری تربیتیں فرمائی ہیں۔ آنحضورﷺ نے عام انسان کی اپچ سے اس کی پہنچ سے بالا مضامین بیان نہیں فرمائے۔ باوجود اس کے وہ مضامین جو بیان فرمائے وہ دنیا کے بڑے بڑے دانشوروں کی سوچ کی اپچ سے، ان کی پہنچ سے بالا تھے آج بھی بالا ہیں۔ وہ مضامین جو آنحضورﷺ نے سادہ اور عام لفظوں میں اپنے کردار کے حوالے سے ہمیں سمجھا دیئے، آج دنیا کے بڑے بڑے

دانشور، دانشور ہونے کے باوجود ان کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے، ان کی اہمیت کو نہیں جان سکتے۔ ان کو یہ بھی نہیں پتا کہ انصاف کے قیام کے بغیر دنیا میں کوئی امن قائم نہیں ہوسکتا۔ انصاف کی بات کرتے ہیں تو یہ نہیں جانتے کہ وہ انصاف جو دوغلا معیار رکھتا ہوا پنوں کے لئے اور ہو، غیروں کے لئے اور ہو، وہ انصاف دنیا میں کوئی انقلاب برپا نہیں کرسکتا، کوئی امن دنیا کو نہیں بخش سکتا۔ اب یہ سادہ باتیں ہیں بظاہر ہر انسان کو سمجھنی چاہئیں لیکن علم ہونے کے باوجود سمجھ نہیں آتی۔ یہ فرق ہے جو میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کیسے سمجھ آتی ہیں اس کے لئے حضرت محمد مصطفی ﷺ سا عظیم کردار ہونا ضروری ہے۔ ایسا کردار جو باتیں کہے وہ خود اس کا ایسا پاک اور عظیم نمونہ بن جائے کہ ہر بات دل تک اترے اور رگ وریشہ میں سرایت کر جائے۔ یہ وہ کام تھا جو حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے کر کے دکھایا اور یہی وہ پاک نمونے ہیں جنہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دوبارہ جاری فرمایا اور آپؑ کے صحابہؓ کی صورت میں ہم نے ان پاک نمونوں کو قادیان کی گلیوں میں اور اس سے باہر، ربوہ میں اور اس سے باہر، ہر جگہ زندہ نمونوں کے طور پر چلتے پھرتے دیکھا۔ یہ پاک نمونے ہیں جو اب اس نسل میں منتقل ہونے لازم ہیں۔ اگر اس نسل میں یہ نمونے منتقل نہ ہوئے تو دنیا کے امن کی کوئی ضمانت نہیں۔ آنے والے جو آئیں گے وہ پھر آپ سے اعلیٰ کردار نہیں سیکھیں گے بلکہ بداخلاقیاں سیکھیں گے اور ایسے لوگ جو اعلیٰ اخلاق پر فائز نہیں ہوتے وہ دو طرح سے خطرات کے حامل ہوتے ہیں۔ ایک آنے والوں کے لئے وہ خطرہ بن جاتے ہیں دوسرے آنے والے ان کے لئے خطرہ بن جاتے ہیں۔ یعنی جو بداخلاق لوگ ہیں وہ آنے والوں کی بدخلقیاں سیکھتے ہیں اور ان کی بدیوں کی پیروی کرنے سے لذت پاتے ہیں۔ پس دونوں صورتوں میں لازم ہے کہ آپ سنت محمد مصطفی ﷺ کو ان آسان راہوں سے پائیں جن آسان راہوں سے میں آپ کے سامنے بیان کر رہا ہوں۔

آنحضورؐ کے اخلاق پر غور کریں، کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے کہ اسے اختیار کرو۔ آپ سنتے ہیں اور دل اچھلتا ہے اور اسے اپنانے کے لئے طبیعت بے قرار ہوتی ہے اور فطرت سے جس طرح ماں کے دودھ کے لئے بچہ اچھلتا ہے اور اس کے نتیجے میں ماؤں کا دودھ چھاتیوں میں آجاتا ہے اس طرح آنحضرت ﷺ سے فیض پانے کے لئے آپ کی فطرت پکارنے لگتی ہے اور آنحضورؐ کے فیض کا دودھ آپ کی فطرت میں جاری ہونے لگتا ہے۔ یہ وہ

آسان طریق ہے جس پر چل کر ایک عظیم انقلاب برپا کیا جا سکتا ہے۔ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ سے صحابہ نے جو باتیں سیکھیں یا باتیں پوچھیں، چھوٹی چھوٹی سادہ سادہ آسان باتیں ہیں۔ مگر ان سے اس لحاظ سے سرسری طور پر گزر نہ جایا کریں کہ یہ تو عام سی بات ہے یہ تو ہمیں بھی پتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بظاہر آپ کو پتا ہے لیکن حضور اکرم ﷺ کا بیان اس سے گہرا ہے جتنا آپ سمجھتے ہیں۔ ٹھہر ٹھہر کر پیار اور محبت سے ان کو دیکھتے ہوئے، ان سے لطف اندوز ہوتے ہوئے، ان مضامین پر سے گزرا کریں تو پھر آپ کو حقیقت میں اپنی اعلیٰ اخلاقی تربیت کی توفیق عطا ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور ﷺ کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرمائیں گے جو کچھ لوگوں سے محبت رکھتا ہے لیکن ان سے عملی لحاظ سے نہیں ملا حضور ﷺ نے فرمایا۔ آدمی اس کے ساتھ ہوتا ہے جس سے اس کو محبت ہوتی ہے (صحیح بخاری کتاب الادب حدیث: 5704)۔ اب یہ بات تو سن لی کہ ”اس کے ساتھ ہوتا ہے“۔ اس کا کیا مطلب بنا؟ بعض لکھنے والے یہ لکھتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ جس سے محبت ہے قیامت کے دن اس کے ساتھ ہی اٹھایا جائے گا لیکن یہ مضمون جو ہے وہ اس سے بہت زیادہ گہرا ہے اور بہت زیادہ پھیلا ہوا ہے۔ اس کا ایک حوالہ قرآن میں ہے، ایک حوالہ تاریخ اسلام میں ہے، ایک حوالہ آنحضرت ﷺ کے قول اور فعل کے یکساں ہونے میں ہے۔ ان تینوں پہلوؤں سے میں آپ کو سمجھاتا ہوں کہ اس حدیث سے آپ کو کیا پیغام ملنا چاہئے۔

سب سے پہلے تو قرآن کریم میں اس کا حوالہ یہ ہے وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (الجمعہ: 4) کہ وہ آخرین بھی ہیں جو ابھی صحابہ سے نہیں مل سکے لیکن ہیں انہیں میں سے وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اور اللہ اس بات پر قادر ہے اور اس بات کی طاقت رکھتا ہے اور حکمت رکھتا ہے کہ جب چاہے ایسا کر دکھائے۔ آنحضرت ﷺ کی زندگی کے مطالعہ میں بارہا یہ بات سامنے آئی ہے کہ بعض دفعہ ایک ایسے شخص کا ذکر کیا جاتا ہے جس کا کوئی نام نہیں بتایا جاتا اور یوں معلوم ہوتا ہے وہ شخص اجنبی تھا جو اس محفل میں اچانک کہیں سے آیا ہے۔ بعض دفعہ جب اس شخص کے متعلق تحقیقات کی جاتی ہے اور حدیثیں بتاتی ہیں کہ پھر کیا نتیجہ نکلا تو معلوم ہوتا ہے وہ جبرائیل علیہ السلام تھے جو انسانی شکل میں متمثل ہو کر آنحضورؐ سے سوال کیا کرتے تھے تا کہ اس جواب سے جو آپ دیں، صحابہ کی تربیت ہو سکے، پس اس حدیث کا بھی ویسا ہی رنگ ہے۔ حضرت

عبداللہؓ بن مسعود کہتے ہیں ایک شخص آیا وہ مدینے کی سوسائٹی کا نہیں تھا، انجانا انسان تھا۔ ورنہ صحابہ ہر جگہ یہ کہتے ہیں فلاں شخص آیا اس نے یہ سوال کیا۔ وہ ایسا شخص ہے جس کو کوئی پہچانتا نہیں تھا وہ آیا ہے اور آتے ہی اس نے یہ سوال کیا یا رسول اللہؐ! اس شخص کے متعلق آپؐ کیا فرماتے ہیں جو ایسی قوم سے محبت رکھتا ہے جو ان سے نہیں ملی۔ اس میں ایک پیغام یہ ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو بہت سے صحابہ کے دل میں آپ سے ملنے کی تمنا پیدا ہوئی۔ یعنی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں وہ آخرین جن کا قرآن کریم میں ذکر ملتا ہے کہ وہ ابھی صحابہ سے نہیں ملے اس زمانے میں ان سے ملنے کی تمنا لازماً پیدا ہوئی ہے جس تمنا کا ذکر اس سوال میں کیا گیا ہے کہ یا رسول اللہؐ! ان لوگوں کا کیا حال ہے جو ان سے ملنا چاہتے ہیں ان سے محبت رکھتے ہیں جو ابھی نہیں ملے۔

پس تاریخ نے جو اوّلین کی ہو یا آخرین کی ہو قرآن کے حوالے سے ہمیں اس طرح باندھ دیا ہے کہ ہم الگ وجود نہیں رہے اور یہ خیال کر لینا کہ چودہ سو سال پہلے یا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وقت کے حوالے سے کہیں گے کہ تیرہ سو سال پہلے، صحابہ کے دل میں محمد مصطفی ﷺ کی محبت کے نتیجے میں ان سے بھی محبت پیدا ہوئی جن میں گویا محمد رسول اللہؐ نے دوبارہ ورود فرمانا تھا اور ان کا ذکر غائبانہ سنا تو دل میں یہ امنگیں بیدار ہونے لگیں، کروٹیں بدلنے لگیں کہ ہم دیکھیں تو سہی کہ وہ کون لوگ ہیں۔ کاش ہم دیکھ سکتے۔ یہ ویسا ہی مضمون ہے جیسے حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی محبت میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام بے چین ہو کر بعض دفعہ مسجد میں حضرت حسان بن ثابتؓ کا یہ شعر پڑھتے تھے کہ:

كُنْتَ السَّوَادَ لِنَاظِرِيْ فَعَمِيَ عَلَيَّ النَّاظِرُ

مَنْ شَاءَ بَعْدَكَ فَلْيَمُتْ فَعَلَيْكَ كُنْتُ أُحَاذِرُ

پس یہ دوطرفہ محبت تھی۔ اس شعر کا مطلب یہ ہے، حضرت حسانؓ نے حضرت رسول اکرم ﷺ کے متعلق یہ عرض کیا کہ اے میرے آقاؐ۔ اے میرے محبوبؐ! میری آنکھ کی پتلی تو تو تھا جس کے ذریعے میں دیکھا کرتا تھا۔ آج تو نہیں رہا تو میری آنکھ کی پتلی اندھی ہوگئی۔ مجھے دنیا دکھائی نہیں دیتی۔ ''مَنْ شَاءَ بَعْدَكَ فَلْيَمُتْ'' اب تیرے بعد جو چاہے مرتا پھرے، مجھے کوئی پرواہ نہیں، مجھے تو تیری موت کا غم تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آپ سے ایسا عشق تھا کہ ایک دفعہ مسجد میں یہ شعر پڑھتے جاتے تھے اور زار زار روتے چلے جا رہے تھے۔ ایک صحابی نے عرض کیا حضرت مسیح موعودؑ کو مخاطب کر

کے کہ اے آقا کیا بات ہے۔ یہ شعر پڑھ رہے ہیں اور اتنا رو کیوں رہے ہیں۔ انہوں نے کہا اتنا پیارا شعر حسان نے کہا ہے کہ میرے دل میں حسرت اٹھ رہی ہے کاش میں نے یہ شعر کہا ہوتا۔ یہ عشق ہے جو دوطرفہ عشق ہے اور قرآن اور احادیث گواہ ہیں کہ جس طرح آخرین کو اولین سے محبت ہوئی اسی طرح اولین کو بھی آخرین سے محبت ہوگئی تھی اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا وہ اکٹھے ہوں گے کیونکہ جن کو جن سے محبت ہوتی ہے ان کو جدا نہیں رکھا جائے گا۔ پس مرتبوں میں بھی وہ اکٹھے کئے گئے۔ آئندہ کی دنیا میں بھی اکٹھے کئے جائیں گے۔ یہ مضمون ہے جو یہ حدیث بیان فرما رہی ہے۔

پھر فرمایا ''المرء مع من احب'' یہاں تاریخ کے حوالے سے صحابہؓ کے دور کے حوالے سے ایک اور واقعہ ہے جو قابلِ غور ہے۔ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں ایک ایسے انسان بھی تھے جن کو آنحضور ﷺ سے گہرا عشق تھا۔ مگر ان کی والدہ کی حالت ایسی تھی کہ انہیں چھوڑ کر حضور کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتے تھے۔ حضرت اویس قرنیؓ نے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ پایا۔ لیکن عملاً وہی حال تھا کہ ''لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ'' ملنے کی تمنا رکھتے رہے مگر مل نہ سکے۔ آنحضرتؐ کو اللہ نے خبر دی کہ ایک تیرا عاشق ہے دور دراز علاقوں میں رہنے والا، وہ بے انتہا تجھ سے ملنے کی تمنا رکھتا ہے مگر ماں کی خدمت کی وجہ سے اللہ کے اس فرمان کے نتیجے میں کہ ماں کی خدمت اہمیت رکھتی ہے، وہ تیرے پاس حاضر نہیں ہوسکتا۔ آنحضور ﷺ نے اویس قرنی کو سلام بھیجا اور تاریخ اسلام سے ثابت ہے کہ دو ہی وجود ہیں جنہیں آنحضور ﷺ نے سلام بھیجا ہے یعنی باہر دور رہنے والے جن سے ملاقات نہ ہوسکی۔ ایک اویس قرنیؓ اور ایک امام مہدی۔ پس اس طرح تاریخ میں رشتے ملتے ہیں۔ اولین کے آخرین سے اس طرح تعلق باندھے جاتے ہیں یہ کوئی فرضی افسانوی مضمون نہیں ہے یہ گہری حقیقتیں ہیں۔ پس ایک وہ قرنی تھا جس نے زمانہ پایا اور پھر بھی مل نہ سکا۔ ایک وہ تھا جو قادیان میں پیدا ہوا جس نے ایسا عشق کیا کہ اس کی کوئی مثال امت محمدیہ میں دکھائی نہیں دیتی۔ اس کے دل پر بھی اللہ سے علم پا کر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نظر پڑی اور فرمایا کہ اگر تمہیں برف کے تودوں پر سے گھٹنوں کے بل چل کر بھی وہاں پہنچنا پڑے تو مہدی تک پہنچنا اور میرا اسلام کہنا۔ یہ عجیب واقعہ ہے، ایک عظیم واقعہ ہے، لیکن اولین کو آخرین سے ملانے والی بات ہے اس مضمون کو سمجھنا ضروری ہے۔

اور تیسرا سبق اس حدیث میں یہ ملتا ہے کہ آنحضورؐ نے فرمایا: ''المرء مع من احب'' اس کا

مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ مرتبے میں اکٹھے کئے جائیں گے۔ جس سے محبت ہے تم ضرور اس سے اکٹھے کئے جاؤ گے اگر کسی سے محبت ہو اور آپ اس کے لائق نہ ہوں تو اس کے ساتھ اکٹھے نہیں کئے جا سکتے۔ اکٹھے کئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ جس سے محبت ہو انسان لازماً ویسا بننے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی محبت کی صداقت اس کی اس کوشش میں مضمر ہے کہ وہ ویسا بن سکے، اور جو ایسا کرے گا جو ویسا بننے کی کوشش کرے گا اس کو ملایا جائے گا اور اس کو مرتبوں میں بھی ملایا جائے گا، اس کو قیامت کے دن بھی اکٹھا کیا جائے گا۔

پس آج آپ نے اگر وہی بننا ہے جن کا آخرین کے حوالے سے قرآن میں ذکر موجود ہے اگر آپ نے وہی بننا ہے جن کا اس حدیث میں ذکر ہے کہ ایک شخص آنحضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! وہ لوگ جو نہیں ملے کسی سے اور ابھی دور ہیں ان سے اگر کسی کو محبت ہو جائے، اَن دیکھوں سے، تو اس کے متعلق کیا ارشاد ہے۔ فرمایا جس سے محبت ہو وہ ملایا جاتا ہے۔ اس کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ لازماً خواہ کیسا ہی ہو ملا دیا جائے گا۔ سچی محبت کی بات ہو رہی ہے اور سچی محبت میں ملنے کا ایک طریقہ ہم صورت ہونا ہے، ہم شکل ہونا ہے یعنی مزاج اور اخلاق میں ایک جیسا ہونا۔ پس فرمایا کہ اگر واقعۃً محبت ہے تو ان دونوں کے مزاج پھر ملنے شروع ہو جائیں گے۔ اگر آخرین کو اولین سے محبت ہے تو وہ اولین کی نقل اتاریں گے ویسا بننے کی کوشش کریں گے۔ پس جماعت احمدیہ کے لئے جہاں اس میں بڑی خوش خبریاں ہیں وہاں ذمہ داریاں بھی بہت ہیں اور ہم میں سے ہر ایک کو ہمیشہ آئینہ اپنے پیش نظر رکھنا چاہئے۔ جب کہا جاتا ہے کہ مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہے (ابوداؤد کتاب الادب حدیث: 4272) تو عملاً سب سے بڑا آئینہ تو محمد رسول اللہؐ ہیں۔ محمد رسول ﷺ کی ذات، آپؐ کے اخلاق حسنہ کو اپنے پیش نظر رکھیں تو اپنا چہرہ داغ داغ دکھائی دے گا۔ آئینے میں کوئی دوسرا وجود دکھائی نہیں دیا کرتا۔ محمد رسول اللہ کے آئینے میں دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس آئینے کے حوالے سے اپنی خرابیاں سامنے آئیں گی اور جہاں کہیں ویسا حسن ملے گا اسے اور زیادہ نکھارنے کی تمنا پیدا ہوگی۔ پس یہ وہ طریق ہے جس کے ذریعے سے ہم اپنے اخلاق کو اخلاق حسنہ میں تبدیل کر سکتے ہیں اور اخلاق حسنہ کو ترقی دے کر مکارم الاخلاق میں تبدیل کر سکتے ہیں یعنی وہ اخلاق جن پر حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کا قدم تھا۔

یہ دوسری حدیث صحیح بخاری کتاب الایمان سے لی گئی ہے۔ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا تین باتیں ہیں جس میں وہ ہوں وہ ایمان کی حلاوت اور مٹھاس کو محسوس کرے گا۔ اول یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسولؐ باقی تمام چیزوں سے اسے زیادہ محبوب ہو۔ دوسرا یہ کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر کسی سے محبت کرے اور تیسرا یہ کہ وہ اللہ کی مدد سے کفر سے نکل آنے کے بعد پھر کفر میں لوٹ جانے کو اتنا ناپسند کرے جتنا کہ وہ آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔ (بخاری کتاب الایمان باب حلاوۃ الایمان۔ حدیث: 15)

یہ وہی آگ ہے جن کا میں نے پہلے اس آیت کریمہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے جو میں نے تلاوت کی ہے۔ اس آگ میں ڈالا جانا دراصل آپس میں ایک دوسرے کا دشمن ہونا، ایک دوسرے سے دلوں کا پھٹ جانا ہے اور اگر ایسا ہو تو آگ کے سوا اور کوئی انجام نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے اس ذکر سے پہلے آپس کی محبت کا ذکر فرمایا ہے۔ پس جو تفسیر میں اس آیت کی کر رہا تھا حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی آسمانی تفسیر اسی کی تائید فرما رہی ہے اور اس کی تائید میں ان دو تین باتوں کو ملا کر ایک گہرا فلسفہ بیان فرما رہی ہے۔ تین نصیحتیں فرمائیں۔ ایمان کی حلاوت وہی محسوس کرے گا جس کے نزدیک اللہ اور اس کا رسول باقی سب رشتوں سے زیادہ پیارے ہوں۔ رشتوں کے تعلق میں یہ وہ نئے رشتے ہیں جو روحانی زندگی میں ایک امام کے ساتھ منسلک ہونے کے نتیجے میں نئے وجود میں آتے ہیں۔ انہی رشتوں کو ہم خَلْقًا اٰخَرَ (المومنون: 15) کہہ سکتے ہیں۔ قرآن کریم نے نئی روحانی زندگی کا نام خَلْقًا اٰخَرَ رکھا ہے۔ خلق اول کیا ہے؟ وہ عام روزمرہ کے رشتے جن میں ماں کو بیٹے سے محبت ہوتی ہے، بیٹے کو ماں سے، باپ کو بچوں سے، بچوں کو باپ سے وغیرہ وغیرہ۔ بہن بھائیوں کے تعلقات ہیں، یہ سارے وہ طبعی رشتے ہیں جن کو خلق اول کے رشتے کہا جاتا ہے۔

جب انسان حقیقت میں مومن بن جاتا ہے تو اسے ایک ''خلق آخر'' عطا ہوتی ہے قرآن کریم کے رو سے یہی اصطلاح ہے جو اس پر صادق آتی ہے۔ ایک نیا جنم لیتا ہے، ایک نئے وجود کو اختیار کر لیتا ہے۔ اس وجود کے بھی کچھ محبت کے قوانین ہیں اور وہ قوانین یہ ہیں کہ اللہ اور رسولؐ کی محبت ہر دوسری محبت پر غالب آجائے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی محبت کے مقابل پر جب بھی دنیا کی کوئی محبت ٹکرائے، اس کے سامنے کھڑی ہو، تو اس محبت کو جو دنیا کی محبت ہے، انسان ٹھکرا دے اور اللہ کی

محبت کو اختیار کرلے اور رسول کی محبت کا بھی یہی حال ہو کیونکہ وہ محبت بھی اللہ کے حوالے سے ہے اور یہی سلسلہ آگے چلتا ہے۔ للّٰہی محبت کا پھر یہی مطلب بن جاتا ہے کہ اگر کسی وجود سے اللہ کی خاطر پیار ہے تو اس کے مقابل پر دنیوی تعلق کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی، اس محبت کو لازمًا اختیار کیا جاتا ہے۔

آنحضورؐ فرماتے ہیں ''دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی خاطر کسی سے محبت کرے'' تو دراصل پہلی بات ہی کا منطقی نتیجہ ہے جو آگے بڑھایا جارہا ہے اللہ کی محبت سب محبتوں پر فوقیت رکھے اور اسی محبت کے نتیجے میں رسولؐ کی محبت ہر دوسری محبت پر فوقیت اختیار کر جائے اور پھر اسی حوالے سے اگلا قدم یہ ہو کہ سارے معاشرے میں ایک دوسرے سے تم اللہ کی خاطر محبت کرنے لگو اور جب اللہ کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کرو تو یہ محبت ہر دوسری محبت پر غالب آجائے۔

اس کے بعد فرمایا ہے جو شخص کفر سے نکل آنے کے بعد دوبارہ اس میں جانے کو یہ سمجھے کہ گویا مجھے آگ کے گڑھے میں دھکیلا جارہا ہے وہی ہے جو ایمان کی لذت کو پاتا ہے، پس ایمان کی تعریف وہ ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔ کفر کی تعریف یہ ہے کہ جو ان تعلقات سے پرے ہٹ جاتا ہے اور یہی مضمون ہے جو اس آیت کریمہ میں بیان ہوا ہے جو میں نے آپ کے سامنے رکھی تھی کہ تم تو آگ کے کنارے پر کھڑے تھے۔ ہم نے تمہیں بچایا آپس کی محبت میں باندھ کر، ایک دل بنا کر، ایک جان کرنے کے بعد دوبارہ اس کا تصور بھی نہ کرنا کہ پھر تم ایک دوسرے سے لڑ پڑو۔

اب آپ سوچئے کہ روزمرہ کی زندگی میں کتنے ہیں جو بات بات پر بھڑکتے ہیں۔ بات بات پر اپنے بھائی کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کتنے ہیں جو اپنے قریبی رشتوں کے باوجود ان کا حق بھی ادا نہیں کر سکتے کجا یہ کہ وہ روحانی رشتوں کے حق ادا کریں۔ پس درستی پہلی منزل پر نہیں بلکہ بنیاد میں ہوگی۔ بنیادیں اگر درست نہیں تو پہلی منزل بھی درست تعمیر نہیں ہوسکتی اور اخلاق کی بنیاد روزمرہ کے خونی رشتوں میں ہے، وہ اخلاق درست ہوں تو پھر خلق آخر کی تعمیر شروع ہوتی ہے جو بعد کی آنے والی منازل ہیں کہ بالآخر اللہ کا ساتھی بنا دیتی ہیں، اللہ کا دوست بنا دیتی ہیں۔ وہاں تک پہنچاتی ہیں جہاں خدا کی محبت کے بعد اور کوئی محبت قابلِ ذکر باقی نہیں رہتی۔

پس یہ کہہ دینا تو آسان ہے کہ ہم اللہ کی خاطر کسی سے محبت کرتے ہیں لیکن اگر دنیا کی خاطر بھی محبت نہیں کر سکتے تو اللہ کی خاطر کیسے کریں گے۔ اگر بھائی بہنوں کا حق ادا نہیں کر رہے، ماں باپ

مرتے ہیں تو بہنوں کے حق مار کر بیٹھ جاتے ہیں۔ وراثت میں ان کو شریک کرنے کی ہمت نہیں پاتے۔ اگر قریبی رشتہ دار ایک دوسرے سے بڑھ کر حق ادا کرنے کی بجائے ان کے اپنے حق چھیننے میں کوشاں رہتے ہیں۔ اگر ایک آدمی دوسرے شریک کے مال پر نظر رکھتا ہے۔ جب تک آمدنیں زیادہ ہوتی رہیں خاموشی کے ساتھ گزارے چلتے رہیں۔ جہاں ابتلا آیا جہاں نقصان کا خطرہ ہوا وہاں شریک نے کوشش کی کہ جتنا سمیٹ سکتا ہوں میں سمیٹ لوں اور اس سے الگ ہو جاؤں۔ جہاں یہ حالات دکھائی دیں وہاں اللہ کی محبت کی باتیں کرنے کا حق ہی کوئی نہیں۔ یہ بہت دور کی باتیں ہیں۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسے زمین پر چلنا نہیں آیا اور آسمان پر چھلانگیں لگانے کے خواب دیکھ رہے ہوں۔ پس یہ وہ روزمرہ کی سادہ باتیں ہیں جو محمد رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اپنے عمل سے سکھائی ہیں۔ ایسے عظیم کردار کا نمونہ دکھایا ہے جو زمین کے ساتھ بھی جڑا ہوا تھا لیکن آسمان سے بھی باتیں کر رہا تھا فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ (النجم:10) آپؐ بلند ہوئے تو خدا تک جا پہنچے۔ اتنا قریب ہوئے کہ اس سے پہلے کبھی کسی مخلوق کو یہ توفیق نہ ملی تھی نہ آئندہ کبھی ملے گی لیکن دنیا پر پھر جھک آئے اور اس طرح بنی نوع انسان اور خدا کے درمیان وسیلہ بن گئے جس کا قرآن کریم میں ذکر ملتا ہے۔ پس بلندی کی باتیں تو ہوں گی لیکن پہلے زمین کے تقاضے تو پورے کرلو۔ روزمرہ کے اخلاق درست کئے بغیر تم اس بات کا حق نہیں رکھتے کہ خلق آخر کی باتیں کرو اور تم ابھی خلق آخر کے میدان میں داخل کئے جا چکے ہو کیونکہ وہ عظیم الشان قومیں جو بڑے ولولوں کے ساتھ بڑی امیدیں لئے تمہاری طرف بڑھ رہی ہیں تمہارے دامن میں پناہ چاہتی ہیں۔ جن کو دنیا میں اور کہیں امن نصیب نہیں ہوا لیکن جانتی ہیں کہ اگر امن ہے تو مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیغام میں ہے اور آپ کے دامن میں پناہ لینے سے امن ملتا ہے وہ آپ کی طرف دوڑی چلی آرہی ہیں۔ پس آپ فکر کریں اور گھبرا کر اپنے گردو پیش کا جائزہ لیں اور جاگنے کی کوشش کریں۔ بڑی مصیبت یہ ہے کہ لوگ جاگتے نہیں ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اس مضمون کو بار بار فرمایا ہے اور بچپن میں بھی اس کا کچھ لطف آتا تھا مگر اب جوں جوں تجربہ بڑھ رہا ہے میں اس کی حقیقت کو سمجھتا جا رہا ہوں اور جانتا ہوں کہ آپ کا یہ کلام محض لطف کی بات نہیں ہے بلکہ آپ کی گہری پریشانی اور لمبے تجربہ کا مظہر ہے۔

؎ وہ نہیں جاگتے سو بار جگایا ہم نے (درثمین صفحہ:16)

اس قدر بے چین کرنے والا فقرہ ہے اس قدر مسیح موعود کو بے قراری لگی ہوئی تھی کہ میں کس طرح جھنجھوڑوں اور طبیعتوں کو بیدار کروں اور بتاؤں کہ تم آج بھی سوئے پڑے ہو، کیوں نہیں اٹھتے؟ کیوں میری باتیں نہیں سنتے؟ آج وہ وقت آ گیا ہے کہ جھنجھوڑ کر جماعت کو بیدار کیا جائے اور بتایا جائے کہ دیکھو اٹھو اپنے نفس کا خیال کرو، اپنے نگران بنو، اگر تم اپنے نگران نہ بنے تو کوئی باہر کی آواز تم نہیں سن سکو گے۔ اندر سے ایک مربی بیدار ہونا ضروری ہے اندر سے ایک نگران کا جاگ اٹھنا ضروری ہے۔ جب یہ نگران جاگ اٹھتا ہے تو اپنی ہوش نہیں رہتی کجا یہ کہ انسان دوسروں میں کیڑے ڈالتا رہے۔ جب یہ نگران بیدار ہو جائے تو انکساری پیدا کرتا ہے۔ انسان بے چین ہو جاتا ہے دوسروں کی بدیوں کی بجائے ان کی خوبیوں پر نظر رکھ کر ان سے موازنہ کرتا ہے اور کہتا ہے مجھ سے وہ بھی اچھا ہے، مجھ سے وہ بھی اچھا ہے۔ یعنی جس بد بخت کا نگران سویا ہوا ہو وہ ہر دوسرے پر عیب جوئی کی نظر ڈالتا ہے اور دوسروں کے عیب تلاش کر کے ان کے پیچھے اپنی برائیاں چھپاتا رہتا ہے اس کو اسی میں ہی لطف آتا ہے کہ فلاں میں بھی یہ بدی ہے اور فلاں میں بھی یہ برائی ہے، فلاں میں یہ خرابی ہے اور میں ان سے اچھا ہوں حالانکہ بسا اوقات اس میں بھی جھوٹ ہوتا ہے۔ جو برائیاں وہ دوسروں میں پیش کر رہا ہوتا ہے اس سے کہیں زیادہ اس کے اندر موجود ہوتی ہیں۔

پس اخلاق حسنہ کے پیدا کرنے سے پہلے ایک اندرونی مربی کا بیدار ہونا لازم ہے اس کے بغیر آپ کو کبھی اخلاق نصیب نہیں ہو سکتے اور سب سے اچھا سکھانے والا وہی ہے جو دل کے اندر پیدا ہوتا ہے اور دل سے جاگ اٹھتا ہے اور وہ آواز ہے جو آپ قریب سے سنتے ہیں۔ اس آواز کو اگر آپ جھٹلائیں اور اس کا انکار کریں تو ممکن ہے کہ کریں، مگر دن بدن بے چینی بڑھتی رہے گی دن بدن اور زیادہ پشیمان ہوتے چلے جائیں گے یہاں تک کہ خدا کے حضور روئیں گے کہ اے خدا! میری کیا حالت ہے۔ میں بدی کو جانتا ہوں، پہچانتا ہوں، پھر بھی کرتا ہوں۔ اور تیرے حضور میں مسلسل اس سفر میں زندگی گزار رہا ہوں کہ جانتے ہوئے کہ میرا قدم غلط سمتوں میں اٹھ رہا ہے پھر بھی وہ قدم اٹھا رہا ہوں۔ یہ مربی بیدار ہونے کے بعد کی باتیں ہیں اس سے پہلے کی نہیں ہیں۔ پھر وہ نفس کی پکار، وہ بے چینیاں، وہ بے قراریاں، وہ شرمندگیاں، خدا کے حضور جب آنسو بہاتی ہیں پھر تربیت کے سامان ہوتے ہیں۔ مگر بد اخلاق انسان کو تو ان مضامین کا کوئی تصور بھی نہیں کہ یہ کیا چیزیں ہیں۔ نہ کبھی یہ

ہجرتیں کیں، نہ یہ کبھی سفر اختیار کئے۔اس لئے میں آپ کو بار بار ایک ہی بات کہتا چلا جا رہا ہوں۔ اس لئے نہیں کہ گویا میں بھول گیا ہوں کہ میں نے کل بھی آپ کو یہی بات کہی تھی یا پرسوں بھی یہی بات کہی تھی۔ میں اپنے لمبے تجربے سے اس بات پر گواہ بن گیا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بے قراری کو آج پھر ہمارے ہر دل کو بے چین کر دینا چاہئے اس بے قراری کو ہمیں اپنا لینا چاہئے، یہ مطلب ہے میرا اور ہمارے ہر دل کو لگ جانی چاہئے۔اس سے ہمارے اندر تربیت کے امکانات روشن ہوں گے اور اس کے نتیجے میں ہمارے اندر کا سویا ہوا نفس بیدار ہوگا۔اب آپ یہ خطبہ سنتے ہیں یا پہلے بھی سنتے رہے ہیں۔اب گھروں میں جا کر وہی زندگی گزاریں جو پہلے تھی اور روزمرہ کی زندگی کو بیدار مغزی کے ساتھ دیکھیں نہ کہ ہم اپنے اندر کوئی پاک تبدیلی پیدا کر رہے ہیں کہ نہیں، تو یہ ساری باتیں بے کار جائیں گی اور پھر مجھے دوبارہ وہی کہنا پڑے گا کہ:

؎ وہ نہیں جاگتے سو بار جگایا ہم نے (درثمین صفحہ:16)

پس اخلاق حسنہ کی حفاظت کے لئے اپنے اندر ایک Consciousness ایک بیداری کا احساس پیدا کریں اور روزمرہ کے تعلقات سے یہ جائزہ لینا شروع کریں۔اس کے لئے کوئی رپورٹ لکھنے کی ضرورت نہیں۔کسی بیرونی مبلغ یا مربی کا آپ کے پاس آ کر آپ کے سوال و جواب کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔آپ کا اپنا دل ہے۔آپ کو پتا ہے کہ آپ روزمرہ کی زندگی میں اپنے بھائیوں کے کتنے حق مارتے رہے ہیں اپنے عزیزوں کے کتنے حقوق ادا کرتے رہے ہیں یا ان سے غافل رہے ہیں یا چھوٹی سی بات پر غصے کے نتیجے میں آپ اپنی بیویوں پہ کس کس طریق سے بھڑکتے رہے ہیں یا کمزوروں پر ہاتھ اٹھانے میں جلدی کرتے رہے ہیں یا اپنے سے کمزور بھائی یا بہن پر تمسخر کرتے رہے ہیں اور اسے اپنے سے حقیر جانتے رہے ہیں۔یہ سارے امور ایسے ہیں جو روزمرہ کی زندگی میں کسی باہر سے آئے ہوئے مربی کے سمجھائے بغیر ہر انسان جانتا ہے، جان سکتا ہے۔بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ۝ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ۝ (القیامۃ: 15,16) ہر انسان اپنے نفس کو خوب اچھی طرح جاننے کی صلاحیت رکھتا ہے خواہ ہزار عذر پیش کرتا رہے۔پس اپنے اخلاق حسنہ کو روزمرہ کی زندگی میں سنواریں اور آنحضور ﷺ کے اخلاق کے جتنے حوالے میں نے دیئے ہیں انہیں پھر غور سے سنیں اور اپنے حالات پر ان کو چسپاں کر کے دیکھیں کہ کس حد تک آپ کو آنحضرت ﷺ سے محبت

ہے اور اس حوالے کے بغیر آپ کو حقیقت میں اس کی اہمیت سمجھ نہیں آئے گی۔ آنحضورؐ فرماتے ہیں تم اسی کے ساتھ ہو گے جس سے محبت ہے اور جس سے محبت ہے ویسا بننا ہوگا۔

پس اگر آپ نے دیکھنا ہے کہ آپ آنحضورؐ کے ساتھ اٹھائے جائیں گے کہ نہیں آپ ان لوگوں میں شمار ہوں گے کہ نہیں جن کے متعلق فرمایا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ محمد رسول اللہ ﷺ اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ہیں جن کو اللہ نے فرمایا کہ ان کے ساتھ ہیں۔ تو پھر آپ اس محبت کی پہچان اس طرح کر سکتے ہیں اور اس کے سوا نہیں کر سکتے کہ کس حد تک آنحضورؐ کے اخلاق سے آپ کو محبت ہوگئی ہے۔ کسی شخص سے محبت کے ناک سے نفرت، اس کی آنکھوں سے نفرت، اس کی بھنووں سے نفرت، اس کے ہونٹوں سے نفرت، اس کے کلوں، اس کے جسم، اس کی کمر، اس کی ٹانگوں سے نفرت، یہ کیسے ممکن ہے؟ پس ایک ایک عضو میں آپ کے پاس اپنی محبت کی صداقت کی پہچان موجود ہے۔ آنحضورؐ کی جس سیرت سے آپ دور ہیں اس سیرت سے آپ محبت نہیں کرتے اور اگر اس سیرت کے مضمون کو ساری زندگی پر پھیلا دیں اور کہیں بھی آپ کو آنحضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم سے مماثلت دکھائی نہ دے تو پھر یہ دعویٰ کرنے کا آپ کو کیا حق ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم سے بڑی محبت کرتے ہیں بڑے درود بھیجتے ہیں۔ یہ جھوٹے فرضی قصے ہیں۔ محبت تو ایسی چیز نہیں جو پہچانی نہ جاسکے یہ تو زندگی میں روزمرہ کے کردار بن کر جاری ہو جاتی ہے۔ پس آنحضور ﷺ کے اخلاق آپ کی محبت کے حوالے سے سیکھیں۔

آنحضور ﷺ نے فرمایا۔ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا کہ کہاں ہیں وہ لوگ جو میرے جلال کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔ آج میں انہیں اپنے سائے میں جگہ دوں گا اور آج میرے سائے کے علاوہ اور کوئی سایہ نہیں۔ (مسند احمد بن حنبل الجزء2۔ صفحہ 237)

اب آپ نے دیکھا کہ یہاں ایک لفظ کے فرق نے مضمون کو کتنا بدل دیا ہے۔ یہاں جمال کی خاطر محبت نہیں بلکہ جلال کی خاطر محبت ہے۔ جو اس وجہ سے محبت کرتے ہیں کہ اگر ہم نے اپنے بھائی سے محبت نہیں کی اور اس کے حق ادا نہیں کئے تو خدا کا جلال مجھے بھسم کر دے گا۔ یعنی صرف اللہ کی محبت کی خاطر محبت نہیں کرتے، بلکہ اللہ کی ناراضگی کے خوف سے بھی محبت کرتے ہیں۔ اور بہت سے ایسے مواقع ہیں جہاں جمال سے زیادہ جلال ہے جو آپ کو سیدھے رستے پر ڈالا کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ

قیامت کے دن فرمائے گا وہ کہاں ہیں جو میرے جلال کی خاطر محبت کرتے تھے۔ جمال کی خاطر محبت کرنے میں ہم آہنگی کا مضمون پایا جاتا ہے۔ عام طور پر جمال کی خاطر ایک دوسرے سے ملتے جلتے لوگ، ہم صفات لوگ، ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں مگر جلال کی خاطر محبت کا مضمون الگ ہے۔ جہاں آپ کے مزاج نہیں بھی ملتے، جہاں طبعاً آپ کو الگ الگ ہونا چاہئے، محض اللہ کے خوف سے، اس کے جلال کے ڈر سے آپ اگر اپنے ایسے بھائی سے پیار کرتے ہیں جس سے عام حالات میں دنیا والوں کو پیار نہیں ہوا کرتا۔ فرمایا خدا فرمائے گا کہاں ہیں وہ لوگ۔ آج میرے سائے کے سوا اور کوئی سایہ میسر نہیں اور میں ان کو سایہ دوں گا کیونکہ خدا کے جلال سے اگر کوئی انسان گھبرا کر کوئی نیکی اختیار کرتا ہے تو اسی جلال کا تقاضا یہ ہے کہ جب کوئی سایہ اس کے جلال سے اور میسر نہ ہو تو اللہ اپنا سایہ ایسے بندوں کے سر پر فرمائے۔

حضرت حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس ایسا بندہ لایا جائے گا جس کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا تم نے دنیا میں کیا عمل کیا اور لوگ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات چھپا نہیں سکیں گے۔

مراد یہ ہے کہ وہ وقت ایسا ہوگا جبکہ کوئی کسی سے کوئی بات چھپا نہیں سکتا اور خدا سے تو ناممکن ہے کہ حشر کے میدان میں کوئی انسان چھپا سکے، اس وقت اللہ تعالیٰ یہ فرمائے گا تم نے دنیا میں کیا عمل کیا؟

''وہ جواب دے گا اے میرے رب تو نے مجھ مال دیا۔ میں لوگوں سے خرید وفروخت اور لین دین کرتا تھا۔ درگزر کرنا اور نرم سلوک کرنا میری عادت تھی۔ خوشحال اور صاحبِ استطاعت سے بھی آسانی اور سہولت کا رویہ اختیار کیا کرتا تھا اور تنگ دست کو بھی سہولت سے قرض ادا کرنے کی مہلت دیتا تھا''۔

یہ وہ ایک کردار ہے جو بعض دفعہ آپ کو دنیا میں دکھائی دیتا ہے کہ جب وہ لین دین کرتے ہیں تو اپنی فکر نہیں ہوتی اپنے سے زیادہ دوسرے کی فکر کرتے ہیں اور اعلیٰ اخلاق کے نتیجے میں ایسا ہونا ایک طبعی امر ہے۔ جب سودا کرتے ہیں تو خیال کرتے ہیں کہ اس کو بھی تو کچھ فائدہ پہنچے سارا میں ہی کیوں اٹھاؤں۔ کوئی نقص ہے، کسی چیز میں تو کھول کے بیان کرتے ہیں اس خیال سے کہ میری وجہ سے کسی بھائی کو نقصان نہ پہنچ جائے۔ کوئی غریب ہو تو اس کو سہولت دے دیتے ہیں۔ کہہ دیتے ہیں کہ اچھا اگر واپس کر سکتے ہو تو کرو، نہیں تو نہ سہی، میں چھوڑتا ہوں گھبرانے کی بات نہیں۔ ایسے شخص کا ایک

ذکر آنحضورؐ فرما رہے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ اسے اٹھائے گا اور پوچھے گا کہ تم کیا کیا کرتے تھے جب وہ یہ جواب دے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ مجھے اس بات کا زیادہ حق پہنچتا ہے کہ درگزر سے کام لوں اور اپنے اس بندے سے شفقت کا سلوک کروں۔

یہ عجیب بات ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو خدا کے بندوں سے حسن سلوک کرتے ہیں ان کا کوئی حسن سلوک ضائع نہیں جاتا بلکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن یہ فرمائے گا کہ میرا زیادہ حق ہے حسن سلوک کرنے کا۔ اگر میرے بندے نے دوسرے سے حسن سلوک کیا ہے تو آج یہ حق دار ہے کہ میں اس سے بہت بڑھ کر اس سے حسن سلوک کروں۔ ''عقبہؓ بن عامر اور ابو مسعودؓ انصاری کہتے ہیں کہ ہم نے بھی یہی بات آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے انہی الفاظ میں سنی۔'' (مسلم کتاب البیوع۔ باب فضل انظار المعسر :2919)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے (یہ بھی صحیح بخاری سے لی گئی ہے اور اس سے پہلی جو تھی جو مسند احمد بن حنبل سے تھی) کہ آپؐ نے فرمایا بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ تجسّس نہ کرو۔ دوسروں کے عیوب کی ٹوہ میں نہ لگے رہو۔ ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو۔ کوئی شخص اپنے بھائی کے پیغام پر پیغام نہ دے، یہاں تک کہ یا تو وہ اس سے نکاح کر لے یا وہ بات ختم ہو جائے۔

یہ چھوٹی چھوٹی ایسی نصیحتیں ہیں جو بعض منفی پہلوؤں سے تعلق رکھتی ہیں۔ جن کے ہوتے ہوئے محبت قائم نہیں رہ سکتی۔ اگر یہ مزاج ہوں تو یہ محبت کو کھا جاتے ہیں۔ پس جہاں آپ محبت کی کوشش کریں وہاں اس بات پر نظر رکھیں کہ بعض ایسے اخلاق ہیں جو دوسرے اخلاق کو کھا جاتے ہیں اور بیک وقت دونوں قائم نہیں رہ سکتے۔ آنحضور ﷺ نے جہاں مثبت تعلیمات عطا فرمائیں وہاں محبت کو کھا جانے والے زہروں کا بھی ذکر فرمایا کہ ان سے پرہیز رکھنا ورنہ تمہاری محبتیں ضائع ہو جائیں گی اور یا تو محبت کرنے کے اہل ہی نہیں بنو گے یا محبت بنی بنائی بگڑ سکتی ہے۔

اس میں پہلی بات ہے کہ بدگمانی سے بچو، بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ اور بہت سے خاندانوں میں جن کے اختلافات کے واقعات مجھ تک پہنچے ہیں ان میں میں نے دیکھا ہے کہ بدگمانی ایک بہت ہی بھیانک کردار ادا کرنے والی چیز ہے۔ بعض خاوند اپنی بیوی پر اتنے بدگمان ہوتے ہیں وہ اگر کسی عزیز رشتے دار سے ہنس کر بات کر لے تو اس پر الزامات کی بوچھاڑ شروع ہو جاتی ہے کہ تم ہو ہی

بدکردار۔ پتا نہیں تم نے کس نظر سے اس کو دیکھا۔ کوئی بچی بے چاری بے تکلفی سے اس گھر میں کھڑی ہے کھڑکی کے پاس، خاوند آ گیا کہ اچھا تم کسی کو دکھانے کے لئے کھڑی تھی۔ میں یہ وہ باتیں کہہ رہا ہوں جو مجھ تک پہنچتی رہتی ہیں اور بہت سی ایسی باتیں ہیں جو تحقیق کے بعد میں بتا رہا ہوں۔ نام نہیں لیتا لیکن ایسے عجیب وغریب واقعات بھی سامنے آتے رہتے ہیں۔ بعض عورتوں کی زندگیاں اجیرن ہو جاتی ہیں صرف خاوند ہی نہیں ساس بھی بدگمانیوں میں پڑی ہوئی ہے، نندیں بھی دوڑ دوڑ کر بھائی کو شکائتیں کرتی ہیں کہ تمہاری جو بیوی ہے جب تم جاتے ہو تو پھر یہ یہ کرتی ہے اور سارا گھر اس کے لئے ایک عذاب کا موجب بن جاتا ہے۔ ایسی بعض عورتیں ہیں وہ سِل کی مریض ہو جاتی ہیں۔ بعض کینسر میں ماری جاتی ہیں۔ عمر بھر گھلتی رہتی ہیں اور یہ لوگ، یہ خاندان، یہ نہیں سوچتے کہ ان کی بچیاں اگر کسی اور گھر میں جائیں ان سے یہ سلوک ہو تو پھر ان کو کیسا لگے گا! ایسے زہریلے اخلاق ہیں کہ جن کے ہوتے ہوئے اخروی محبت یعنی حیات آخرت کی محبت کا تو سوال ہی نہیں دنیا کے عام انسان تعلقات کی محبت ایسے لوگوں کو نصیب نہیں ہو سکتیں۔ یہ گھر اجاڑنے والی باتیں ہیں مگر اس کے علاوہ معاشرے میں بعض لوگ ویسے ہی ہیں جو ہر وقت دوسرے کے تجسس میں رہتے ہیں۔ وہ آیا، وہ گیا، اس نے کیوں ایسا کیا اس نے کسی کو کس نظر سے دیکھا؟ ایسی بے وقوفی ہے اور بداخلاقی ہے اپنا حال پتا کوئی نہیں کہ کس حال میں رہے ہو۔ ہر وقت دوسروں کی ٹوہ میں لگے رہتے ہو اور اکثر آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق جو نتیجے نکالتے ہو وہ جھوٹ ہوتے ہیں۔ یہ جو آنحضورؐ نے نتیجہ نکالا ہے کہ تمہارے نکالے ہوئے نتیجے جھوٹ ہوتے ہیں۔ میں نے اس پر غور کر کے دیکھا ہے نفسیاتی لحاظ سے اس کے سوا کوئی نتیجہ نکل ہی نہیں سکتا۔ وجہ یہ ہے کہ جستجو کرنے والے اور ہر وقت عیب تلاش کرنے والے عموماً نفرت کی نظر سے دیکھ رہے ہوتے ہیں اور جو نفرت کی نظر سے دیکھتا ہے وہ ہمیشہ عیوب کو بڑھا کر دیکھتا ہے اور لازم ہے کہ غلط نتیجہ نکالے۔ محبت کی آنکھ تو حیادار ہوا کرتی ہے۔ وہ تو اپنے محبوب کی کمزوری دیکھ بھی لے تو آنکھیں اور منہ ادھر کر لیتی ہے اور محبت کی آنکھ سے دوسروں کو دیکھنے والوں سے اللہ تعالیٰ بھی اسی طرح عفو کا سلوک فرماتا ہے۔ جب وہ خود کمزوریوں میں مبتلا ہوتے ہیں تو خدا کی آنکھ گویا انہیں دیکھ رہی اور قرآن کریم میں جو بارہا عفو کا مضمون دکھائی دیتا ہے اس کا یہی مطلب ہے۔ ان بندوں سے عفو فرماتا ہے جو دوسروں سے عفو فرماتے ہیں لیکن ان کا یہ حال ہو کہ ایسی دل میں نفرتیں

ہیں دوسروں کے لئے کہ ہر وقت ان کی برائی کی ٹوہ میں لگے رہیں تو ان کا نتیجہ لازماً جھوٹ ہوتا ہے اور اسی لئے قرآن کریم فرماتا ہے کہ بدظنی سے بچو۔ اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (الحجرات: 13) وہ اثم والا جو ظن ہے وہ بدظنی کے نتیجے میں پیدا ہونے والا جھوٹ ہے۔ فرمایا جب تم جھوٹ تک پہنچو گے اور جھوٹے نتیجے نکالو گے تو خدا کے نزدیک پکڑے جاؤ گے اور گناہ میں مبتلا ہو گے۔

پس محبتوں کو زائل کرنے والی اور برباد کر دینے والی ایک عادت ہے جو نظام پر بھی اپنا اثر دکھاتی ہے۔ بسا اوقات جب جماعتوں میں اختلاف پیدا ہوتے ہیں بعض دفعہ لڑائیاں ہو جاتی ہیں۔ میں جب تحقیق کرواتا ہوں تو پتا چلتا ہے کہ فلاں نے فلاں کام فلاں صدر نے اس لئے کیا تھا کہ وہ اپنے عزیز کو یہ فائدہ پہنچا دے۔ فلاں نے فلاں کام اس لئے کیا تھا کہ اس کے کسی دوست کو زیادہ ووٹ مل جائیں۔ ایسی جاہلانہ باتیں، ایسے پاگلوں والے قصے، گھر بیٹھا کوئی پاگل اپنے دماغ میں ایسی باتیں سوچتا رہتا ہے اور پھر نظام سے ناراض ہوا ہوا، دُور ہٹا ہوا کہ ہم بھی پھر مقابل پہ یوں کریں گے حالانکہ جب تحقیق کی جاتی ہے تو اصل آدمی کے فرشتوں کو بھی نہیں پتا کہ کیا ہو رہا ہے۔ وہ اپنا سادگی سے، معصوم طریق پر ذمہ داریوں کو ادا کر رہا ہے۔ ایک بیٹھا بدظنیوں کی گِس گھولتا چلا جا رہا ہے۔ ایسے لوگ توافعی مزاج بن جاتے ہیں، سانپ بھی اسی طرح گِس گھولتا رہتا ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے جہاں محبتوں کی تعلیم دی وہاں محبتوں کو ہلاک کر دینے والی خصلتوں کی بھی نشاندہی فرمائی۔ فرمایا اول یہ ہے کہ بدظنی سے بچو اگر تم بدظنی میں مبتلا ہوئے تو نہ تمہارے گھر کے رشتے قائم رہ سکتے ہیں نہ تمہاری سوسائٹی کے رشتے قائم رہ سکتے ہیں۔ اگر کسی میں نقص ہے تو خدا پر چھوڑ دو۔ کیا ضرورت ہے اس کی تلاش کرو اور پھر بغیر گواہی کے، بغیر دیکھے اندازہ لگا لینا اور اس پر اپنا مزاج بگاڑ لینا اور کسی معصوم کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنانا بہت بڑا گناہ ہے۔

فرمایا ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو۔ بدظنی کی عادت بغض کو چاہتی ہے بغض کے نتیجے میں بدظنیاں پیدا ہوتی ہیں اور بدظنی کے نتیجے میں لازماً بغض بڑھتے ہیں اور ایک اور چیز بیان فرمائی جس کا بظاہر اس سے تعلق نہیں ہے۔ وہ یہ ہے کہ اپنے بھائی کے پیغام پر پیغام نہ دیا کرو۔ دراصل فطرت کی جو کجی بیان ہو رہی ہے اس کا اسی سے تعلق ہے۔ ایک انسان جب کسی اچھے رشتے کے متعلق پتا کرتا

ہے کہ کسی اور نے پیغام دے دیا ہے تو بعض لوگ دوڑتے ہیں اور کسی اور ذریعے سے وہ پیغام بھیج دیتے ہیں تا کہ وہ اچھا رشتہ اس کو نہ ملے اور ان کومل جائے۔ آنحضرت ﷺ نے مومن کو جو اخلاق سکھائے ہیں یا اپنے غلاموں کو جو اخلاق سکھائے ہیں ان میں یہ بات بھی داخل فرمائی ہے کہ اس کے پیچھے بھی دراصل خفیہ حسد ہے، اس کے پیچھے بھی دراصل مخفی بدی ہے ورنہ اگر تمہیں اپنے بھائی سے پیار اور محبت ہوتو وہ اچھی چیز جس کو تم اچھا سمجھتے ہو اس کو وہ ہاتھ آ جائے تو تمہیں کیا تکلیف ہے اور پہلے پھر، اس کو خیال آیا ہے تمہیں تو نہیں پہلے خیال آیا۔ اس لئے اب صبر کرو اگر تم نے دیر کی ہے رشتہ کا پیغام دینے میں، تو تم ذمہ دار ہو اپنے بھائی کے رشتے میں دخل اندازی نہ کرو۔ اگر یہ طریق چلے تو ہر وہ بچی جس کا رشتہ گھر میں آتا ہے تو اس کے ماں باپ یکسوئی سے اس شخص کو پیش نظر رکھ کر فیصلے کر سکتے ہیں۔ اگر یہ انتظار کریں کہ اور رشتے آئیں پھر ہم موازنہ کریں پھر اور رشتے آئیں پھر ہم موازنہ کریں تو یہ تو نیلامی لگ جائے گی۔ حقیقت میں اس سے معاشرہ سنورتا نہیں بلکہ بگڑ جاتا ہے۔ جن لوگوں کو یہ عادت ہو کہ انتظار کرتے رہیں کہ یہ رشتہ بھی ہاتھ میں رہے پھر اور آ جائے۔ وہ بھی اس حدیث کے مضمون کی مخالفت کرنے والے ہیں۔ جو پیغام پر پیغام دیتا ہے وہ بھی مخالفت کرتا ہے یہاں تو لڑکی اور جاندار کا معاملہ ہے آنحضور ﷺ تو اس بات کو بھی پسند نہیں فرماتے تھے کہ باہر سے اگر قافلے آتے ہیں تو ایک شخص جب سودا کر رہا ہے تو دوسرا جا کر اس سودے میں دخل اندازی کرے۔ فرمایا ٹھہرا کرو، انتظار کرو۔ جب پہلا سودا اگر اس کے حق میں ہو جائے تو بسم اللہ ٹھیک ہے اگر نہ ہو پھر تمہارا حق ہے کہ اپنی بات کرو۔ (بخاری کتاب الشروط: 2525) تو یہ وہ اخلاق حسنہ کے ایسے پہلو ہیں جن کو ہم منفی پہلو شمار کر سکتے ہیں یعنی یہ منفی پہلو اگر موجود رہیں گے تو اخلاق حسنہ کے مثبت رنگ آپ پر نہیں چڑھ سکتے۔ بعض داغ ایسے ہوتے ہیں ان پر بعض رنگ چڑھ ہی نہیں سکتے۔ آنحضور ﷺ نے ان داغوں کی نشاندھی فرمائی ہے۔

پس اگر آپ حقیقت میں ایک دوسرے کے ساتھ للّٰہی محبت کے رشتے باندھنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے دنیاوی، عام روزمرہ کے تعلقات کو کم سے کم انسانیت کے معیار تک تو پہنچائیں۔ اگر آپ پہنچائیں اور اس دوران اپنے کپڑے سے وہ داغ دور کرتے رہیں جو اچھے رنگ کپڑے پر نہیں چڑھنے دیا کرتے بلکہ ہر رنگ میں اپنا چہرہ دکھاتے ہیں۔ جب تک آپ ان کو صاف نہیں کر لیں گے

آپ اس لائق نہیں ہوں گے کہ اس خَلْقًا اٰخَرَ کی تربیت کے دور میں داخل ہوں جس میں مومنوں کی ایک عظیم الشان اعلیٰ پائے کی تربیت شروع ہوتی ہے۔خونی رشتوں کے تعلقات کا حق ادا کرنے کے بعد پھر وہ بیرونی دنیا سے ویسے ہی تعلقات باندھتے ہیں۔ پھر عدل، احسان میں تبدیل ہونے لگتا ہے۔ پھر احسان، ایتاء ذی القربیٰ میں بدل جاتا ہے پھر ساری دنیا ایک ہی خاندان دکھائی دینے لگتی ہے اگر چہ بظاہر خون کے رشتے نہیں ہوتے۔اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے اور حضور اکرم ﷺ کے نقش قدم پر چل کر وہ اعلیٰ کردار اپنانے کی توفیق بخشے جس کی طاقت سے ہم نے تمام دنیا کے کردار کو بدلنا ہے اور محمدی کردار میں تبدیل کر دینا ہے۔

خطبہ ثانیہ سے قبل حضور انور نے فرمایا:

دو اعلان ہیں جو خطبہ ثانیہ سے پہلے میں کرنا چاہتا ہوں۔ایک تو یہ ہے کہ جماعت انڈونیشیا کا جلسہ سالانہ ہو رہا ہے انہوں نے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ ان کو بھی دوست اپنی دعا میں یاد رکھیں۔انڈونیشیا کی جماعت بھی بڑی مخلص اور فدائی اور مشکل حالات میں بھی ثابت قدم ہے اور کئی پہلوؤں سے دنیا کی جماعتوں کے لئے نمونہ ہے۔سکنڈے نیوین ممالک کی تینوں ذیلی تنظیموں کا آج مشترکہ اجتماع شروع ہو رہا ہے اور یہ غالباً سویڈن میں ہوگا۔ بروز ہفتہ لجنہ اماء اللہ۔ ناصرات الاحمدیہ واشنگٹن ڈی سی کے مقامی اجتماعات منعقد ہو رہے ہیں۔ان سب کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں اللہ ہر پہلو سے ان اجتماعات کو بابرکت فرمائے۔

ایک افسوسناک خبر ہے وہ ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک صحابی حضرت مولوی محمد حسین صاحب جو انگلستان کے جلسے میں بھی شرکت فرماتے رہے اور کثرت سے لوگ ان کو اس وجہ سے ملتے رہے نئی نسل کے لوگ کہ وہ تابعین میں شمار ہو جائیں اور ان کے پاس بیٹھے۔میں نے اپنے نواسوں کو اور نواسیوں کو ان سے اسی نیت سے ملایا تھا۔تصویر بھی کھینچی تھی تا کہ وہ کہہ سکیں کہ ہم نے ایک صحابی کو دیکھا اس کے ہاتھ سے ہاتھ ملایا۔تو یہ برکتیں بہت ہی کم رہ گئی ہیں اب۔اور مولوی محمد حسین صاحب کا تو اپنا ایک مقام ایک رنگ تھا سبز پگڑی والے کہلاتے تھے۔بچپن کے زمانے میں جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک صندوق کی یا سیف کی چابی گم گئی تو آپؑ نے چابی بنوانے کے لئے بازار میں بھجوایا جہاں ان کے والد غالباً لوہارے کا کام کرتے تھے تو

ان کو بھیجا گیا کہ آپ جا کے چابی ٹھیک کریں، درست کریں یا تالا کھول دیں جو بھی شکل تھی۔ تو یہ واقعہ ان کو خوب اچھی طرح یاد تھا اور سبز پگڑی والے مشہور تھے۔ ہر جگہ مبلغ کے طور پر جہاں پھرتے تھے ہر دلعزیز ہوتے تھے غیر احمدی علماء ان سے بہت گھبراتے تھے کیونکہ اللہ کے فضل سے ان کو استدلال کی بھی بڑی طاقت نصیب تھی اور طبیعت میں مزاح بھی تھا۔ جہاں موقع محل کا تقاضا ہو وہاں مزاح ملا کر ساتھ اپنی دلیل کو بڑی طاقت عطا کر دیا کرتے تھے۔ کل اطلاع ملی ہے کہ آپ وصال پا گئے ہیں مولائے حقیقی کے حضور حاضر ہو چکے ہیں۔ ان کے رشتہ دار کافی دنیا میں خدا کے فضل سے پھیلے ہوئے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا کی برکت سے اس خاندان کو بہت برکت ملی ہے، سب دنیا میں پھیل گئے ہیں۔ میرا خیال ہے اس وقت وصال کے وقت تک یہ ایک جوڑا ایک سو چھتیس بن چکا ہے تو اللہ کے فضل سے اس طرح صحابہ کی اولاد کو بھی بڑی برکت ملی ہے۔

دوسرے ایک بزرگ سید غلام ابراہیم صاحب صدر جماعت احمدیہ کیندرہ پاڑاہ (اڑیسہ) تراسی سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ قادیان میں پہلی بار ان سے ملاقات ہوئی تھی اور میں ان سے بہت متأثر ہوا تھا۔ بہت بزرگ صاف گو اور بہت ہی باوفا انسان تھے۔ سونگڑہ کی جماعت میں شدید مخالفت کے دوران بھی یہ ثابت قدم رہے اس کے اردگرد کے علاقے میں بھی اور ہمیشہ احمدیت کے لئے ایک ننگی تلوار رہے۔ ان کو احساس ہو گیا تھا کہ ان کے وصال کے دن قریب آ رہے ہیں۔ عمر بھی زیادہ تھی اور صحت بھی کافی گر گئی تھی تو وہیں مجھ سے انہوں نے وعدہ لیا کہ میرا نماز جنازہ آپ نے ضرور پڑھانا ہے اور پھر ہر خط میں یاد دلایا کرتے تھے کہ وہ میرا وعدہ نہیں بھولنا۔ میں ان کو تسلی کا جواب دیا کرتا تھا کہ خدا کرے آپ کو لمبی صحت ملے مگر وہ کہتے تھے کہ نہیں آپ نے یہ وعدہ ضرور یاد رکھنا ہے کہ میری نماز جنازہ پڑھائیں۔ تو اس لئے آج کی نماز جنازہ میں ان کو بھی شامل کیا جائے گا اور اس کے علاوہ کچھ نام ہیں جن کا اعلان کر دیا گیا ہے۔

تو نماز جمعہ کے بعد عصر کی نماز ہو گی اور عصر کی نماز کے معاً بعد دوست صف بندی کر لیں۔ پھر انشاء اللہ نماز جنازہ غائب پڑھائی جائے گی۔

جلسہ سالانہ کا نظام عالمی بھائی چارے کو تقویت دیتا ہے۔
اعلیٰ اخلاق میں عالمی معیار قائم رکھنا بہت ضروری ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 8 / جولائی 1994ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے فرمایا:۔

گزشتہ دو خطبات چونکہ کینیڈا کے سفر کے دوران گزرے اس لئے براہ راست ٹیلی ویژن پر وہ خطبات دکھائے نہیں جا سکے لیکن ان کی ریکارڈنگ یہاں بھجوائی جاتی رہی ہے جس طرح پرانے خطبات ان دو خطبات کے موقع پر کام آ گئے یہ دو خطبات جو کینیڈا میں دئے گئے تھے وہ بھی آپ کو بعد ازاں کسی وقت دکھا دئے جائیں گے۔

کینیڈا کا سفر اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہر پہلو سے بہت کامیاب گزرا۔ اس دفعہ کینیڈا کے جلسوں میں حاضری خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ گزشتہ موقع سے دگنی یا اس سے بھی زائد تھی۔ اگرچہ امریکہ سے بھی بہت بھاری تعداد میں زائرین تشریف لائے تھے لیکن ان کی تعداد کو الگ بھی کر دیا جائے تب بھی کینیڈا کے زائرین جو باہر سے آئے تھے اور ٹورانٹو کے رہنے والے احمدی ان کی تعداد اللہ تعالیٰ کے فضل سے پہلے سے کافی زیادہ تھی۔ بہت سی ایسی تعداد تھی جو پاکستان سے نئے آنے والے تھے۔ یعنی وہ پرانے احمدی احباب جو اس انتظار میں تھے کہ ان کو قومی طور پر رہائش کا حق مل جائے اور وہ اپنے اہل و عیال کو بلا سکیں۔ اس عرصہ میں زیادہ تر تعداد کا اضافہ اسی وجہ سے ہوا ہے کہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ کینیڈین حکومت نے قومی طور پر وہاں رہنے کی اجازت کا حق

دے دیا اور ان کے خاندانوں کو بلوانے کا حق دے دیا۔ اس پہلو سے بکثرت ملاقاتیں ایسے لوگوں سے تھیں جن سے گزشتہ دس گیارہ سال سے ملنے کا موقع نہیں ملا تھا اور کینیڈا کے جلسے میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ دونوں طرف کی دیرینہ ضرورت پوری ہوگئی۔

تربیتی لحاظ سے کینیڈا میں جو ضرورتیں ہیں ان کا ایک حصہ تو صرف دورے کے نتیجے میں ہی خود بخود پورا ہو جاتا ہے۔ وہ نئی نسل کے نوجوان جو کچھ عرصہ بیرونی فضا میں دم لینے کی وجہ سے کسی حد تک اگر نہیں تو کچھ نہ کچھ متأثر ضرور ہو جاتے ہیں۔ جب ان سے دوروں کے وقت ملاقاتیں ہوتی ہیں، جلسوں میں وہ ذوق وشوق سے حصہ لیتے ہیں تو وہ سارے زنگ جو بیرونی فضا کے ان پر لگے ہوتے ہیں وہ خود بخود دھل جاتے ہیں اور دھلے دھلائے نئے پاک چہرے نمایاں ہو جاتے ہیں، کوئی کدورت باقی نہیں رہتی۔ یہ تو ایک عمومی فائدہ ہے جو دوروں کے نتیجے میں پہنچتا ہی ہے۔ اس کے علاوہ نئی نسلوں کا سوال و جواب کا موقع ملتا ہے اور اس دفعہ مثلاً خصوصیت سے ہم نے بچیوں کے سوال و جواب کی جو مجلس رکھی تھی وہ بہت ہی مفید رہی۔ میرے لئے اس لحاظ سے کہ مجھے نئی نسل کی احمدی بچیوں کے سوالات کو بذاتِ خود سننے کا موقع ملا اور نفسیاتی لحاظ سے جو مسائل ہیں ان کو سمجھنے کا موقع ملا۔ ان کے لئے اس لحاظ سے کہ وہ باتیں جو بسا اوقات ان کے ماں باپ بھی ان کو سمجھاتے تھے اور سمجھ نہیں سکتی تھیں وہ مجھ سے جواب سننے کے بعد نہ صرف ان کے چہروں سے اطمینان ظاہر ہوتا تھا بلکہ آپس میں جب انہوں نے باتیں کیں اور وہ باتیں مجھ تک پہنچیں تو یہ معلوم کر کے دل اللہ تعالیٰ کے شکر سے لبریز ہو گیا کہ وہ تمام سوال کرنے والیاں بھی اور جو نہیں سوال کر سکتی تھیں ان سب کو خدا تعالیٰ کے فضل سے پوری طرح جوابوں سے تسلی ہوئی اور اسلام کی حقانیت پر دل پہلے سے بڑھ کر مطمئن ہوا۔ میں نے ان سے یہ وعدہ کیا تھا کہ آپ میں سے وہ بچیاں جو پہلے سے سوال لے کر بیٹھی ہوئی تھیں اور وقت کی کمی کی وجہ سے وہ سوال نہیں کئے جا سکے، تقریباً دو گھنٹے وہ مجلس رہی، لیکن اس کے باوجود بہت سے سوال باقی دکھائی دے رہے تھے کیونکہ بچیوں کی قطار ابھی باقی تھی کہ وقت ختم ہو گیا۔ ان سے میں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ آپ یہاں بھجوا دیں تو انٹرنیشنل ٹیلی ویژن کے ذریعے ہم انشاء اللہ ان سوالات کے جواب دیں گے اور آئندہ بھی تمام دنیا کے احمدیوں کو میری نصیحت ہے کہ اپنی نئی نسل کے لڑکوں اور لڑکیوں کے سوالات خصوصیت سے یہاں بھجوا دیا کریں تا کہ ایک عالمی مجلس

سوال و جواب کے ذریعہ ان کے سوالات کے براہِ راست جواب دیئے جاسکیں۔ اس پر جو ضمنی سوال اٹھیں گے پھر انشاء اللہ ان پر بھی گفتگو ہوتی رہے گی۔

بہر حال یہ جلسہ خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت برکات لے کر آیا، بہت سی برکات دائمی صورت میں پیچھے چھوڑ گیا اور اس موقع پر چونکہ وہ براہِ راست کینیڈا والے بھی میرا خطبہ سن رہے ہوں گے ان کو میں اپنی طرف سے بھی اور تمام جماعت عالمگیر کی طرف سے بھی کامیاب جلسہ پر مبارکباد دیتا ہوں اور تمام کارکنوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے دن رات بے حد محنت کی اور بڑی قربانی کے جذبے سے اپنے سپرد ذمہ داریوں کو نبھایا۔ ہر پہلو سے خدا کے فضل سے انتظام بہت اعلیٰ تھا اور نمونے کا تھا۔ کھانے کا معیار بھی بہت اچھا تھا۔ یہاں تک کہ بہت سے لوگ جن کو دوسری جگہ ہر قسم کے اچھے کھانے میسر تھے، وہ کھانے چھوڑ کر لنگر کے کھانے کی طرف زیادہ مائل رہے اور بہت شوق سے ذکر کرتے رہے کہ جو مزا لنگر کی دال کا یا آلو گوشت کا آتا ہے، وہ اور کسی کھانے میں نہیں آتا۔ تو یہ بین الاقوامی طور پر جلسہ سالانہ قادیان کی چھوٹی چھوٹی صورتیں جگہ جگہ ظاہر ہو رہی ہیں۔ کوشش یہی ہے کہ بعینہٖ ویسی ہوں جیسا کہ قادیان میں جلسے ہوا کرتے تھے اور الحمد للہ کہ جو کچھ کمی اس پہلو سے رہ گئی تھی وہ ہمارے آپس میں مل بیٹھ کر معاملہ فہمی کے نتیجہ میں بہت حد تک دور ہوگئی اور آخری صورت میں یہ جلسہ کئی پہلوؤں سے قادیان کی یاد دلانے والا تھا۔ میری خواہش یہی ہے کہ قادیان کا جلسہ ہر جماعت میں اس طرح منعقد کیا جائے، انہی روایات کے ساتھ، انہی اعلیٰ نیک اور پاک نصیحتوں کا نمونہ بن کر آئے اور انہی اعلیٰ اور پاک نصیحتوں پر عمل کرنے کا نمونہ بن کر آئے۔ اگر ہر جلسہ ایسا ہو تو خدا کے فضل سے تمام ان ملکوں میں جہاں ایسے جلسے ہوتے ہیں۔ جماعت کے آپس میں محبت کے رشتوں میں پہلے سے زیادہ مضبوط ہونے کے سامان ہوں گے اور اس پہلو سے تمام سالانہ جلسے جماعت کو آپس میں محبت میں باندھنے میں غیر معمولی کردار ادا کرتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو پہلے جلسے کی اغراض بیان فرمائی تھیں ان میں ایک یہ اہم غرض تھی کہ ان جلسوں کے ذریعے مختلف جگہوں کے احمدی آپس میں ایک دوسرے سے ملیں گے، اس طرح مودّت یعنی محبت کا رشتہ قائم ہوگا، ایک دوسرے کو سمجھیں گے، ایک دوسرے سے فائدہ اٹھائیں گے اور اس طرح ایک عالمی برادری وجود میں آنے لگے گی۔ پس یہ ضروری ہے کہ ہر

ملک میں اسی طرح کے جلسے انہی فوائد کو لئے ہوئے جماعت کے سامنے بار بار آتے رہیں اور اس طرح ایک ملکی سطح پر جب باہمی محبت کے رشتے بنیں گے تو ان ملکوں میں جو باہر سے لوگ جاتے ہیں وہ بھی ایک عالمی برادری کا احساس پیدا کرنے میں مزید ممد ثابت ہوں گے اور ہوتے ہیں۔ افریقہ کے ممالک میں جب جلسے ہوتے ہیں تو افریقہ کے اردگرد کے ممالک سے کچھ نمائندے پہنچتے ہیں۔ جب امریکہ میں جلسے ہوتے ہیں تو وہاں سے اردگرد کے ممالک سے شامل ہونے والے احمدی پہنچتے ہیں۔ اگرچہ فاصلے وہاں بہت زیادہ ہیں مگر پھر بھی کوئی نہ کوئی دکھائی دے ہی دیتا ہے۔ کوئی سرینام کا بھی نمائندہ مل جاتا ہے، کوئی گیانا کا نمائندہ بھی مل جاتا ہے، کوئی ٹرینیڈاڈ کا نمائندہ بھی مل جاتا ہے۔ غرضیکہ کینیڈا میں جلسہ ہو یا شمالی امریکہ میں اردگرد کے ممالک کی نمائندگی ضرور ہوتی ہی رہتی ہے۔ پس اس پہلو سے جماعت کا دائرہ مودّت، باہم ایک دوسرے سے ملاقات کے سامان مہیا ہونے کے نتیجہ میں پہلے سے زیادہ گہرا ہوتا چلا جاتا ہے اور پھیلتا چلا جاتا ہے۔

جو مضمون میں نے اس سے پہلے شروع کر رکھا ہے یہ بھی دراصل اسی مضمون کا حصہ ہے جو میں آپ کے سامنے بیان کر رہا ہوں یعنی تمام دنیا میں ایک مضبوط احمدی بھائی چارہ اس معیار کا قائم کیا جائے جس معیار کا بھائی چارہ قرآن ہم میں دیکھنا چاہتا ہے۔ جس معیار کا بھائی چارہ قرآن کریم کی زندہ مثال حضرت اقدس محمد ﷺ کے ذریعے چودہ سو سال پہلے بڑی کامیابی اور بڑی شان کے ساتھ مکّے اور مدینے میں قائم ہوا تھا اور دیر تک ان تربیت یافتہ، باہمی محبت کے رشتوں میں بندھے ہوئے صحابہ کرامؓ نے آگے پھر اس بھائی چارے کو پھیلایا اور مختلف ملکوں تک پہنچایا۔ اب دور یہ ہے کہ آخرین کے سپرد یہ ذمہ داری ہے۔ چودہ سو سال کے فاصلے بیچ میں حائل ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے یہ انتظام فرما دیا ہے کہ آخرین، اولین ہی کی طرح انہی سے اچھی ادائیں سیکھتے ہوئے، دل لبھانے والے انداز اپناتے ہوئے، تمام دنیا کو پھر حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے ہاتھ پر جمع کریں گے اور جلسہ سالانہ کی روایات اس میں بہت ہی ممد ہیں۔

اب عنقریب آپ کے ہاں یعنی یو۔ کے میں بھی ایک جلسہ ہونے والا ہے اور یہ جلسہ عام جلسوں کے مقابل پر زیادہ مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی پہلو سے دور دراز سے لوگ اس جلسے میں ضرور شامل ہونے کے لئے آتے ہیں۔ محض میری شمولیت کی بات نہیں ورنہ میں تو جرمنی کے جلسوں

میں بھی شامل ہوتا ہوں، بعض دیگر یورپین ممالک میں بھی شامل ہوتا ہوں، امریکہ بھی جاتا ہوں۔ وہاں اردگرد کے علاقوں سے تو لوگ پہنچ جاتے ہیں لیکن عالمی نمائندگی نہیں ہوتی۔ یہ وہ جلسہ ہے جو آنے والا ہے جس میں عالمی نمائندگی اسی انداز پر ہوتی ہے۔ جس انداز پہ قادیان یا ربوہ کے جلسوں میں ہوا کرتی تھی۔ پس UK کی جماعت کے لئے یہ بات بہت مبارک ہے اور جتنی مبارک ہے اسی قدر ذمہ داریوں کو بھی بڑھاتی ہے اور میں خوش ہوں اور مطمئن ہوں کہ UK کی جماعت اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ ان ذمہ داریوں کو نہایت عمدگی سے نبھاتی چلی جارہی ہے اور امید ہے کہ آئندہ ہر سال زیادہ عمدگی سے ان ذمہ داریوں کو نبھاتی چلی جائے گی۔

پس آنے والے دنوں کے لئے ابھی سے تیاریاں کریں ابھی سے جائزے لیں کہ گزشتہ سالوں میں کیا کمی رہ گئی تھی۔ جسے پورا کرنے کے لئے ہمیں محنت کرنی چاہئے۔ اب غالباً تین ہفتے باقی رہ گئے ہیں۔ اس عرصہ میں بہت سے کام ہونے والے باقی ہیں۔ ظاہری طور پر جو اسلام آباد کی سجاوٹ اور صفائی کے معاملات ہیں ان پر مسلسل توجہ دی جارہی ہے اور اس وقت بھی ٹیمیں کام کر رہی ہیں۔ خدام بھی اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ بڑی محنت سے دور دور سے آتے ہیں اور بہت اخلاص کے ساتھ خدمت کرتے ہیں انصار بھی اپنی توفیق کے مطابق حصہ لیتے ہیں۔ لجنات بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے اپنے اپنے دائرہ کار میں وہاں محنت کرتی ہیں اور اس حصے کو سجاتی اور ستھرا کرتی ہیں جہاں خواتین نے ٹھہرنا ہو۔ یہ کام تو ہوتے چلے آئے ہیں اور ہو رہے ہیں۔

میں خصوصیت سے جو آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ عالمی بھائی چارے کے حوالے سے میں سمجھانا چاہتا ہوں کہ اگرچہ اکثر باہر سے آنے والے ہمیشہ UK کی جماعت کی خدمات اور اعلیٰ اخلاق سے متاثر ہو کر جاتے ہیں مگر امسال اس سے بھی زیادہ بہتر انداز میں ان کی خدمت کریں، ان کو اپنے حسن خلق سے اپنا گرویدہ بنائیں، ان کو اپنے قریب کریں تا کہ ہر آنے والا بعد میں فاصلے کے لحاظ سے دور ہو جائے مگر دلوں کے لحاظ سے اور بھی زیادہ قریب آجائے۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ جہاں محبت ہو وہاں فاصلے بڑھنے کے باوجود دل اور زیادہ قربت محسوس کرتے ہیں اور ملنے کی بے چینی فاصلوں کے بڑھنے سے کم نہیں ہوتی اور محبت میں کمی آنے کی بجائے اضافہ محسوس ہوتا ہے۔ پس اس پہلو سے چونکہ سب دنیا سے احمدی نمائندے آئیں گے میں چاہتا ہوں کہ UK کی جماعت کو اللہ

اپنے فضل سے ایسے اعلیٰ اور پاک نمونے دکھانے اور قائم کرنے کی توفیق بخشے کہ تمام دنیا میں یہ آنے والے آپ کی محبت کی یادیں لے کر جائیں اور وہاں ایسے تذکرے کریں جن کے نتیجے میں ہر ملک میں جہاں نمائندگی ہو آپ کے انداز سیکھنے کی خواہش نہ صرف پیدا ہو بلکہ اس پر عمل کے پاک نمونے یہاں سے وہاں پہنچیں اور وہاں بھی ایسی ہی روایات کو فروغ ملے۔ ہر آنے والا جو مختلف ممالک سے آتا ہے اس میں سے کچھ ایسے ہیں جو اپنے طور پر آتے ہیں اور اکثریت ایسوں کی ہے لیکن کچھ ایسے ہیں جو باقاعدہ جماعت کی نمائندگی میں یہاں آتے ہیں۔ جو لوگ جماعت کی نمائندگی میں یہاں آتے ہیں ان کو میری نصیحت ہے کہ پہلے سے اس بات کی تیاری کر کے آئیں کہ جو لوگ ان کے ملکوں کی نمائندگی کر رہے ہیں ان کو بھی اخلاقی ضابطوں کے لحاظ سے اعلیٰ نمونہ دکھانے کی تلقین کریں اور ملکی نمائندہ جو بھی امیر کی طرف سے مقرر ہو ان ملکوں کے باشندے یہاں بھی ان کی اطاعت میں رہیں۔ اگرچہ یہ اطاعت ایک قسم کے جزوی دائرے میں ہوگی مگر اس کے باوجود ایسا ہونا ممکن ہے۔ یہ مراد نہیں کہ ان کے امیر کا جو نمائندہ یہاں مقرر ہوگا تمام اس ملک کے آنے والے ان کے تو ماتحت ہوں گے لیکن مقامی امیر سے آزاد ہوں گے۔ اس کا کوئی تصور اسلام میں یا نظام جماعت میں موجود نہیں۔

وہ تمام تر جس ملک میں جاتے ہیں اس ملک کی امارت کے تابع رہتے ہیں اور ان سے تعاون کرنا ان کا اولین فرض بن جاتا ہے لیکن جیسے ایک امیر کے تابع بہت سے شہر، بہت سی جماعتیں ہوتی ہیں اور اپنے دائرہ کار میں وہ اپنے اپنے صدر یا اگر امیر ہے تو اس امیر کے تابع ہوتے ہیں اسی طرح جلسے پر آنے والے بھی اپنے دائرہ کار میں اپنے امیر کے تابع ہوتے ہیں مگر نظام جماعت کی عمومیت کے اعتبار سے وہ تمام کلیۃً مقامی امیر یعنی ملک کے امیر کے تابع رہتے ہیں اور یہی نظام ہے جو انشاء اللہ ہمیشہ جاری رہے گا۔ پس اندرونی تنظیم کی خاطر ایک دوسرے کے اخلاق پر نظر رکھنے کے لئے، ایک دوسرے کو اعلیٰ خلق کی تعلیم دینے کے لئے یہ ایک نیا پہلو ہے جس کی طرف میں متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ تمام جلسے پر آنے والے اپنے اپنے ملک کے نمائندہ کے زیر نگرانی اپنے آپ کو منظّم رکھیں اور آپس میں نیک مشوروں کے لئے بھی بے شک وقت نکالیں تا کہ اس جلسے پر جو کچھ وہ سیکھیں واپس جا کر اپنے ملک میں اسے رائج کرنے کے لئے منظّم طریق پر وہ ان باتوں کو دائرہ تحریر میں لائیں اور باقاعدہ ان کی طرف سے واپسی پر اپنے ملک کی مجلس عاملہ کے سامنے رپورٹ پیش ہو۔ اگرچہ بڑے بڑے ممالک

میں تو پہلے ہی یہی رنگ اختیار کیا جاتا ہے مگر میرا اندازہ یہی ہے کہ چھوٹے ممالک میں ابھی جلسے کو اس انداز پر قائم نہیں کیا جاتا یا منعقد نہیں کیا جاتا جو قادیان کی پاک روایتیں ہیں۔ پس یہ نصیحت خصوصیت سے چھوٹے ممالک پر اطلاق پاتی ہے۔ ان کے نمائندے بھی خصوصیت سے اس بات کو زیر نظر رکھ کر آئیں ذہن نشین کر کے آئیں کہ ہم نے یہاں جو سیکھنا ہے اسے واپس جا کر اپنے ملکوں میں رائج کرنا ہے تا کہ مرکزی جلسوں کے نمونے زیادہ سے زیادہ تعداد میں کل عالم میں پھیلیں اور قائم ہو جائیں۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کی غرض و غائت میں یہ ایک اہم غرض و غائت ہے کہ اسے کسی قیمت پر بھی ثانوی حیثیت نہیں دی جا سکتی۔ جلسے کا نظام عالمی بھائی چارے کو تقویت دینے اور اخلاقی لحاظ سے ایک عالمی معیار پیدا کرنے اور قائم رکھنے کے لئے بہت ہی ضروری ہے اور اگر ان پاک روایات کو آپ ہمیشہ جاری رکھیں تو اس کے علاوہ آپ کو نظم و ضبط کے بھی نئے سلیقے ملتے ہیں اور ہر قسم کے کاموں میں انتظامات کا ایک ایسا تجربہ نصیب ہوتا ہے جو روزمرہ کی زندگی میں آپ کے ہر طرح سے کام آ سکتا ہے اور جماعت کے کردار کی تخلیق میں بہت مدد کرتا ہے۔ جماعت کا ایک کردار ہے جس کا نہ کسی ملک سے تعلق ہے، نہ کسی قوم سے تعلق ہے، نہ کسی خاندان سے تعلق ہے۔ جماعت بحیثیت جماعت احمدیہ ایک اسلامی کردار کی حامل ہے اور یہی کردار درحقیقت آپ کا تشخص بن رہا ہے اور بنتا چلا جائے گا۔ یہی کردار ہے جس کے تشخص کو نمایاں کرنے کے نتیجے میں ایک عالمی برادری وجود میں آئے گی اور اس کے بغیر یہ ممکن نہیں ہے۔ پس اس کردار کی تعمیر میں اور اس کے تشخص کو نمایاں کرنے میں جماعت احمدیہ عالمگیر کے سالانہ جلسے ایک بہت ہی اہم کردار ادا کرتے ہیں اور جس طرح مجلس شوریٰ ایک خاص دائرے میں خلافت کی نمائندہ اور دست و بازو بن جاتی ہے اسی طرح یہ جلسے بھی اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ خلافت کے قیام اور استحکام اور اس کے فوائد کو عام طور پر جاری کرنے میں بہت ہی ممد ثابت ہوتے ہیں۔ پس آنے والوں کے لئے UK کی جماعت محنت اور تیاری کرے اور اخلاقی لحاظ سے ہر شخص جو شامل ہونے والا ہے اور میری آواز کو سن رہا ہے وہ اپنا اور اپنے بچوں اور عزیزوں کا جائزہ لے اور دیکھے کہ پہلے اگر کچھ کمزوریاں تھیں تو امسال وہ کمزوریاں نہ ہوں۔

اس پہلو سے جیسا کہ میں پہلے بھی بیان کرتا رہا ہوں مگر اکثر جلسے کے قریب کے خطبے میں

بیان کرتا رہا ہوں مگر اب میں سمجھتا ہوں کہ اگر جلسے سے پہلے خطبے میں یہ باتیں بیان کی جائیں تو جس وسعت کے ساتھ انہیں پھیلانے کی ضرورت ہے اور جس گہرائی سے تنظیموں کا فرض ہے کہ ان کی نگرانی کریں اور عمل درآمد میں مداور مددگار ثابت ہوں ان کے پاس وقت نہیں رہتا اور باتیں سننے کے باوجود انفرادی طور پر کچھ لوگوں پر اس کا اثر پڑتا ہوگا اور فائدہ اٹھاتے ہوں گے مگر جماعتی لحاظ سے ان باتوں کو جاری کرنا اور یہ دیکھنا کہ وہ تمام جماعت تک پہنچ چکی ہیں اور تمام خاندان اور افراد ان سے فائدہ اٹھا رہے ہیں جلسے کے بہت قرب کے نتیجے میں ممکن نہیں رہتا۔ ایک اور پہلو یہ ہے کہ دور تک کی آواز پہلے تو بعض دفعہ مہینے یا دو مہینے بعد پہنچا کرتی تھی اور اب ٹیلی ویژن کے ذریعہ خطبہ پہنچتا ہے تو ہر جگہ اس کا انتظام نہیں ہے اس لئے ہر ملک کو کچھ موقع ملنا چاہئے کہ پیغام سن کر اپنی جماعت میں آنے والوں کا جائزہ لیں، ان سے رابطہ کریں، ان تک یہ بات پہنچائیں۔ پس جلسے سے معاً پہلے کے خطبے میں یہ باتیں بیان کرنا اس حد تک سودمند یعنی فائدہ مند ثابت نہیں ہوسکتیں جتنا کچھ عرصہ پہلے بیان کرنا فائدہ مند ثابت ہوسکتا ہے۔ پس کینیڈا کے جلسے کے حوالے سے مجھے یہ خیال آیا کہ آج ہی آپ سے جلسہ سالانہ UK کے متعلق بھی چند باتیں کروں۔

ایک اہم بات جس کی طرف توجہ دلاتا رہا ہوں اور پھر اس کو زیادہ شدت کے ساتھ یاد دلانے کی ضرورت ہے وہ جلسے کے ایام میں نماز باجماعت کا قیام ہے۔ آنے والے مہمان بھی یکساں اس سے مخاطب ہیں اور یہاں خدمت کرنے والے بھی یکساں اس میں مخاطب ہیں۔ جلسے کے ہنگامے کی وجہ سے غیر شعوری طور پر بعض دفعہ خدمت کرنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ خدمت تو ہم کر ہی رہے ہیں، نمازیں بھی ہو جائیں گی گویا نمازیں ثانوی حیثیت اختیار کر جاتی ہیں اور خدمت اولیت اختیار کر جاتی ہے۔ یہ وہ رجحان ہے جسے شدت سے توڑنے کی ضرورت ہے۔ نمازیں اول ہی رہتی ہیں سوائے اس کے کہ خدمت کے ایسے ہنگامے میں آئیں کہ فوری طور پر اس وقت ادا نہ کی جاسکیں۔ مگر اس سے بڑا ہنگامی وقت کیا ہوسکتا ہے جبکہ قومیں اپنی زندگی اور موت کے جہاد میں مصروف ہوں اور اس سے زیادہ یہ ہنگامہ کیسے اہمیت اختیار کر سکتا ہے کہ جب اس زندگی اور موت کی جدوجہد میں مرکزی حیثیت حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کو حاصل ہو۔ ایسی صورت میں بھی عین جنگ کے درمیان نماز باجماعت کے احترام کو اس شدت سے قائم کیا گیا کہ یہ خصوصی حکم دیا گیا کہ اس دوران اگر

حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ باجماعت نماز پڑھائیں تو شامل ہونے والے آدھی نماز پڑھ کر واپس جائیں تا کہ دوسروں کو موقع ملے کہ وہ آجائیں اور بقیہ آدھی نماز پیچھے پڑھ سکیں اور پھر باقی اپنی بقیہ نماز سب اپنے اپنے وقت پر جا کے پوری کریں۔ اس سے زیادہ نماز باجماعت کے قیام کی اہمیت کا اور کوئی نمونہ پیش کرنا ممکن نہیں اور اس کی روشنی میں نماز باجماعت کی اہمیت کا اندازہ لگانا آسان نہیں بلکہ ایک پہلو سے مشکل ہو جاتا۔ یعنی معاملہ اتنا بلند ہو جاتا ہے کہ عام انسان کی سوچ کی سطح سے بھی اوپر نکل جاتا ہے۔ اتنی زیادہ اہمیت نماز باجماعت کی کہ جہاد ہورہا ہے، لڑائی جاری ہے اور سپاہی اپنے اپنے لڑنے کے مقام سے واپس آتے ہیں اور آنحضور ﷺ کے پیچھے باجماعت ایک رکعت نماز پڑھتے ہیں اور کچھ انتظار کرتے ہیں کہ وہ پڑھ لیں تو پھر ہم واپس اپنی جگہوں پر جائیں۔ یہ جہاں معاملے کو آسان بناتا ہے وہاں مشکل بھی بنا دیتا ہے اور اسی حیرت انگیز خصوصی حکم کے متعلق میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ ایک مشکل میرے ذہن میں بھی ابھرتی تھی۔ جس کا یہ حل سمجھ میں آیا کہ یہ حکم استثنائی طور پر حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ سے صحابہؓ کے تعلق کے نتیجے میں ہے۔

آنحضور ﷺ کے عشاق آپؐ سے ایسی محبت رکھتے تھے کہ جہاں شہادت سامنے کھڑی دکھائی دیتی تھی وہاں یہ خیال کہ ایک نماز آنحضورؐ پڑھا رہے ہوں اور ہم اس میں شمولیت سے محروم رہ جائیں اس قدر سوہان روح تھا کہ اللہ تعالیٰ نے پیار و محبت سے ان دلوں کی بیقراری کو دیکھا اور اس کا یہ حل تجویز فرمایا۔ ایک بہت ہی عظیم گواہی ہے صحابہؓ کے عشق پر بھی اور حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ پر ان کے ایمان کی صداقت اور حقانیت پر کہ ایسے وقت میں اس سے بڑھ کر اور کوئی گواہی کبھی خدا کی طرف سے کسی کے حق میں نہیں دی گئی کہ عشاق کے دل پر نظر پڑے اور یہ حکم ہو کہ عین جنگ کے دوران لڑتے لڑتے تمہیں اجازت ہے کہ اپنی دلی تمناؤں کو پورا کرو اور اگر شہادت مقدر ہے تو اس سے پہلے حضرت محمد مصطفی ﷺ کی امامت میں ایک رکعت ہی سہی مگر ایک رکعت باجماعت ادا کرو۔ تو یہ تو اس پہلو کا حل ہے جو میں نے کہا تھا کہ یہ معاملہ جہاں اہمیت کو آسان بناتا ہے وہاں مشکل بھی بنا کے دکھاتا ہے۔ پس میں نے غور کیا تو مجھے اس مشکل کا یہی حل دکھائی دیا مگر نماز باجماعت کی اہمیت اپنی جگہ اس سے سوا بھی باقی رہتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وقت کے ہنگامے ثانوی حیثیت رکھتے ہیں سوائے اس کے کہ ناممکن ہو جائے اور ایسا بھی ہوا ہے کہ بعض دفعہ سارا دن ایسا شدید ہنگامہ رہا کہ

خدا تعالیٰ کے ہاں یہ منظور نہیں تھا کہ آنحضور ﷺ اس شدید مصروفیت کے وقت پانچ نمازیں الگ الگ پڑھ سکیں۔ پس ایک ایسے ہی موقع پر آنحضرت ﷺ نے پانچ نمازیں اکٹھی ایک دوسری کے بعد باجماعت پڑھائیں اور سب رفقائےؓ کار نے اس میں شرکت کی، سب صحابہؓ نے شرکت کی، اور وہ موقع ہے جب آپ نے ان ظالموں کو بددعا دی کہ لعنت ہو ان پر جن کی وجہ سے ہمیں نمازیں وقت کے بعد پڑھنی پڑیں۔ ورنہ آنحضور ﷺ کے منہ سے بددعا کے کلمات نہیں نکلا کرتے تھے۔ اس سے بھی وقت پر نماز پڑھنے اور باجماعت پڑھنے کی اہمیت کا آپ کو اندازہ ہوگا مگر مرورِ زمانہ سے رفتہ رفتہ مسلمانوں میں سے باجماعت نماز کے اہتمام کا تصور مٹتا جا رہا ہے اور انفرادی نماز ہی کو کافی سمجھا جاتا ہے۔

جہاں انفرادی نماز کو کافی سمجھا جائے وہاں انفرادی نماز بھی رفتہ رفتہ اٹھنا شروع ہو جاتی ہے اور معاشرے میں انفرادی نماز ادا کرنے والے بھی تھوڑے رہ جاتے ہیں کیونکہ درحقیقت انفرادی نماز کی باجماعت نماز حفاظت کرتی ہے۔ اگر باجماعت نماز کو اہمیت دی جائے اور شدت سے قائم کیا جائے تو نماز قائم کرنے کا دوسرا مفہوم بھی اس میں داخل ہے۔ اول قیام نماز سے مراد یہ ہے کہ باجماعت نماز پڑھی جائے۔ اصل حق عبادت کا تب ادا ہوتا ہے کہ تمام جماعت مل کر خدا کے حضور حاضر ہو اور اسی پہلو سے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں ”ہم“ کے لفظ سے خدا کے حضور گزارش کی جاتی ہے جس میں باجماعت کا تصور شامل اور داخل ہے ورنہ انفرادی نماز میں تو اِيَّاكَ اَعْبُدُ وَاِيَّاكَ اَسْتَعِيْنُ کہا جا سکتا تھا۔ پس باجماعت نماز ایک گہرا فلسفہ رکھتی ہے اور یہ وہ طریق عبادت ہے جس کے نتیجے میں حقیقت میں عبادت خدا کے حضور قائم ہوتی ہے۔ اپنے پاؤں پر کھڑی ہو جاتی ہے۔

دوسرا مفہوم قیام عبادت کا میں نے جیسا کہ اشارہ کیا ہے وہ یہ تھا کہ عبادت کے باجماعت ادا کرنے سے انفرادی عبادت کو تقویت ملتی ہے اور وہ بھی اپنے پاؤں پر کھڑی ہو جاتی ہے کیونکہ جتنے باجماعت نماز پڑھنے والے ہیں وہ گھروں سے رخصت ہوتے وقت بھی گھروں میں عبادت کر کے جاتے ہیں۔ واپس آتے وقت بھی ایک معین وقت پر عبادت کرتے ہیں اور وہ خاص ایسے معین وقت ہیں جبکہ اہل خانہ اور بچے ان کو دیکھتے ہیں اور نمازوں کی اہمیت ان کے دلوں میں جاگزیں ہو جاتی ہے۔ جو لوگ باجماعت نماز کے لئے پانچ وقت گھروں کو نہیں چھوڑتے وہ انفرادی طور پر پڑھتے بھی ہیں تو اپنی مرضی اور اپنے وقت سے پڑھتے ہیں اور ضروری نہیں کہ ایک خاندان والے اس کو خصوصیت سے

دیکھیں اور اس عبادت کا ان کے دل پر گہرا اثر پڑے۔ لیکن نظام کے ساتھ، پابندی کے ساتھ، عین معین وقت پر، ان کا اپنے گھروں اور آراموں سے جدا ہو کر باہر نکل جانا اور جانے سے پہلے کچھ نماز پڑھنا پھر واپسی پر کچھ نماز پڑھنا، یہ ایسی یادیں ہیں جو بچپن ہی میں ذہن اور دل کے پردوں پر ثبت ہو جاتی ہیں۔ اور ایسی اولادیں جو اپنے باپوں، بھائیوں وغیرہ کو ایسا کرتے دیکھتی ہیں ان کے لئے ممکن نہیں کہ اس یاد کو بھلا سکیں اور اس کے نتیجے میں نماز کی اہمیت ہمیشہ کے لئے آئندہ نسلوں کے دلوں میں منتقل ہو جاتی ہے پس اس پہلو سے بھی یہ ایک بہت ہی اہم حکم الٰہی ہے جس کی پابندی ضروری ہے۔ ہماری روحانی زندگی کا ایک مرکزی ستون ہے جس کے بغیر روحانی زندگی کی عمارت قائم ہی نہیں رہ سکتی۔

پس جلسوں میں بھی اس کو شدت کے ساتھ قائم کرنا، ایک اہم ترین ضرورت ہے اور اس پہلو سے بھی ضروری ہے کہ جلسوں پر عام طور پر صرف احمدی ہی نہیں بلکہ بعض غیر احمدی، بعض غیر مسلم بھی شامل ہوتے ہیں اور وہ عمومی طور پر آپ کا ایک جائزہ لے رہے ہوتے ہیں اور اس جائزے کے نتیجے میں یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ یہ کس قسم کے لوگ ہیں۔ کیا اس لائق ہیں کہ ان کے ساتھ شامل ہوا جائے یا نہ ہوا جائے۔ ایسے موقعوں پر آپ کی بے اعتنائیاں، ان کے دلوں پر منفی اثر قائم کرتی ہیں اور عبادت کا ذوق وشوق، ان کے دلوں کو احمدیت کی صداقت کا پہلے سے بڑھ کر قائل کر دیتا ہے اور جن جگہوں میں بھی عبادت ذوق وشوق سے ادا کی جائے بعض لوگ ان یادوں کو ہمیشہ احترام سے دیکھتے ہیں اگر چہ احمدی ہونے کی توفیق نہ بھی ملے تو ہمیشہ ان کا ذکر پیار اور محبت سے کرتے ہیں۔ پس بہت سے غیر احمدی اخباروں کے نمائندے یا دیگر اپنی اپنی جگہوں میں اہمیت رکھنے والے سردار جب قادیان آیا کرتے تھے تو واپسی پر جب وہ تبصرے لکھتے تھے اور بہت سے ان کے تبصرے اخباروں میں چھپے ہوئے بھی موجود ہیں۔ ایک چیز کا وہ نمایاں طور پر ذکر کرتے تھے کہ وہ عجیب قوم ہے کہ ادھر نماز کا وقت ہوا ادھر سارا شہر خاموش ہو گیا اور مسجدیں جاگ اٹھیں اور مسجدیں نمازیوں سے بھر جاتی تھیں۔ یہاں تک کہ جو مسجدوں میں جگہ نہیں پا سکتے تھے وہ باہر گلیوں میں کھڑے ہو کر نمازیں ادا کرتے تھے اور حیرت انگیز طور پر انہوں نے ان باتوں کا مشاہدہ کیا اور یہ گواہی دی کہ خدا کی عبادت کو قائم کرنے والے اگر کسی نے دیکھنے ہیں تو قادیان جا کر دیکھے۔

پس جب میں کہتا ہوں کہ جلسہ سالانہ قادیان کی نقلیں کی جائیں تو یہ وہ نقل ہے جو سب سے

زیادہ اہم ہے۔ پس اس جلسے پر بھی نماز باجماعت کو قائم کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کریں۔ خود UK کی جماعت کو اس سے بہت فائدہ پہنچے گا کیونکہ یہاں ابھی بھی نئی نسلوں میں کچھ کمزوریاں پائی جاتی ہیں جو عبادت کے لحاظ سے کافی توجہ طلب ہیں اور بہت سے شہر ایسے ہیں جہاں نوجوان رفتہ رفتہ اخلاص تو رکھتے ہیں لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ ان کا اخلاص ابھی گہرے عمل کی صورت میں ڈھلا نہیں۔ بہت اچھا موقع ہے کہ جلسہ پر ان کی تربیت کی جائے اور اخلاص کو جس طرح اعمال میں ڈھالنے کی ضرورت ہے اس موقع سے فائدہ اٹھایا جائے اور یہ فائدہ اٹھانے کے دن ابھی شروع ہو چکے ہیں۔ اس لحاظ سے میں کہہ رہا ہوں کہ آپ کی جتنی ٹیمیں وہاں خدمت خلق کے لئے پہنچتی ہیں ان پر ابھی سے نماز باجماعت کے قیام کی اہمیت واضح کرنا انتہائی ضروری ہے۔ پانچوں وقت نمازیں وقت کے اوپر باجماعت ادا ہونی چاہئیں اور تمام کام کرنے والے اپنے کام چھوڑ کر وقت پر نماز کے لئے حاضر ہو جایا کریں۔ یہ چند دن جو ان کو تربیت کے ملیں گے انشاء اللہ تعالیٰ ان کی زندگیوں میں ایک نقش دوام کا کام کریں گے۔

میں امید رکھتا ہوں کہ جو کچھ وہ سیکھیں گے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے پھر آئندہ بھی ان پر عمل جاری رکھیں گے۔

پس یہ بہت ہی اہم بات ہے کہ جلسے کی تیاری کے دوران بھی نماز باجماعت کے قیام کو اہمیت دی جائے اور جلسے کے دنوں میں بھی ان کے ذہنوں اور دلوں پر یہ بات اچھی طرح ثبت کر دی جائے کہ اس دوران بھی آپ نے نماز سے روگردانی نہیں کرنی۔ وہ لوگ جو انتظاموں میں ایسے وقت میں مصروف ہوتے ہیں کہ مجبوری ہے اس وقت مہمانوں کا اتنا زور ہوتا ہے مثلاً روٹی کی تقسیم، سالن کی تقسیم اور اس قسم کے کام ہیں کہ اس وقت فوری طور پر نماز باجماعت ادا نہیں کی جا سکتی۔ ان کے افسران کی ذمہ داری ہے کہ اپنے گزشتہ تجربے کی رو سے ابھی سے وہ پروگرام بنائیں اور جلسے کے پروگراموں میں ان پروگراموں کو مستقل جگہ دی جائے اور وہ اپنی اپنی امارتوں میں یہ باقاعدہ رپورٹ پیش کریں یا یوں کہنا چاہئے افسر جلسہ گاہ یا افسر جلسہ سالانہ کے سامنے باقاعدہ یہ رپورٹ بھی پیش کریں کہ ہم نے نمازوں کے متعلق یہ منصوبہ بنایا ہے، اس طریق پر عمل ہو گا۔ ہمارے اتنے فیصد کارکنان باقاعدہ مرکزی باجماعت نماز میں حصہ لے سکیں گے اور اتنے فیصد کے لئے ہم نے اپنے تجربے کی رو سے یہ یہ وقت مقرر کئے ہیں۔ اگر اس کو بھی آئندہ جلسہ سالانہ کے پروگراموں کا ایک

مستقل حصہ بنالیا جائے تو پھر یہ بات ہمیشہ وقت پر خود بخود یاد آجایا کرے گی۔ضروری نہیں کہ ہر جلسے سے پہلے خلیفہ وقت ان باتوں کو ہمیشہ دہرائے ، نہ یہ ضروری ہے کہ آئندہ خلفاء بھی اسی طریق پر ان باتوں کو دہراتے رہیں مگر وہ چیزیں جو نظام کا حصہ بن کر نقشے میں داخل ہو جایا کرتی ہیں وہ از خود موقع کے اوپر یاد آجایا کرتی ہیں۔پس یہ وہ نئی بات ہے جو میں چاہتا ہوں کہ تمام دنیا کے سالانہ جلسوں کے انتظامات میں داخل کر دی جائے کہ ہر افسر جو کسی شعبے کا انچارج ہے وہ اپنے شعبے میں کام کرنے والوں کے لئے نماز با جماعت کے قیام کے لئے جو بھی منصوبہ بناتا ہے اس کی تحریری رپورٹ وہ اپنے افسر کو پیش کرے اور اس طرح جلسے کو جو اجتماعی کمیٹی ہے اس کے سامنے بھی یہ بات پیش کر دی جائے کہ ہم اس سال نماز کے قیام کے سلسلے میں یہ یہ اقدامات کریں گے۔خصوصیت کے ساتھ اس میں صبح کی نماز بہت اہمیت رکھتی ہے۔صبح کی نماز کے وقت حاضری ظہر یا عصر کی نماز سے کم نہیں بلکہ زیادہ ہونی چاہئے کیونکہ انتظامات کے لحاظ سے سب سے کم دباؤ صبح کی نماز کے وقت ہوتا ہے اکثر انتظامات ابھی چل نہیں رہے ہوتے۔وہ جو رات کے وقت آرام کے لئے ٹھہرے ہیں وہ صبح کی نماز کے وقت ابھی دوبارہ اٹھ کر اپنے قدموں پر چلنا شروع نہیں کرتے اور بہترین وقت ہے کہ نمازوں کی حاضری اس وقت سب سے زیادہ ہو لیکن میرا مشاہدہ یہ ہے کہ نمازوں کی حاضری اس وقت سب سے کم ہوا کرتی تھی۔لیکن جب مثلاً جرمنی میں بھی اور یہاں بھی توجہ دلائی گئی تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کا بہت نیک نتیجہ ظاہر ہوا۔

کم اور زیادہ کی بحث میں ایک بات ہے جو پیش نظر رہنی چاہئے۔ظہر اور عصر اور مغرب کی نمازیں اس لئے زیادہ نمازیوں سے بھرتی ہیں کہ بہت سے بیرونی مہمان جو باہر ٹھہرے ہوئے ہیں یا مقامی لوگ جو باہر ٹھہرے ہوئے ہیں ان کو آنے کا موقع ملتا ہے۔اس لئے اس استثناء کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے اور میں جو بات آپ سے کہہ رہا ہوں اس کو پیش نظر رکھ کر کہہ رہا ہوں۔یعنی اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوں کہ میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت جتنی حاضری ہوتی ہے یعنی دوپہر وغیرہ کو اتنی ہی صبح ممکن ہے، یہ ممکن نہیں ہے مگر جو موجود ہیں ان کے لحاظ سے میں یہ بات کر رہا ہوں۔تناسب کے لحاظ سے ان کی حاضری صبح گر جاتی ہے۔اس کی ایک وجہ تو شاید یہ ہے کہ جلسے کے دنوں میں مہمان دیر تک پھرتے یا آپس میں باتیں کرتے ، مجلسیں لگاتے اور سمجھتے ہیں کہ جلسے کے مزے پورے لوٹنے میں

تقریریں ختم ہونے کے بعد کا دور جو ہے وہ بہت ہی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ تقریریں تو سن لیتے ہیں کیونکہ ان کے بغیر جلسے میں شمولیت کا فائدہ کوئی نہیں۔ لیکن جو مزے اٹھاتے ہیں وہ تقریروں کے بعد اٹھاتے ہیں بعض لوگ اور یہ پھر ٹولوں کی صورت میں خوب سیریں کرتے پھرتے، کہیں کباب خریدتے، کہیں تکے کھاتے، کہیں سے سموسے لیتے اور کھانے میں جو کمی ہے اس کو پورا کرتے، بچے بھی خوب پھرتے اور پھر گھروں میں یہ مجالس لگاتے، ایک دوسرے کے کیمپوں میں جا کے بیٹھتے ہیں۔ اچھا نیک مشغلہ ہے اس میں کوئی برائی نہیں، ان کا حق ہے ذرا Relax ہوں اور جو دوسرے جلسے کے فوائد ہیں ان کے پیش نظر آپس میں مل جل کر محبت بڑھائیں۔ **لیکن وہ ساری محبتیں جو آپس میں بڑھیں اور خدا کی محبت میں حائل ہو جائیں وہ محبتیں محبت کہلانے کے لائق نہیں ہیں کیونکہ ہمیں تو للّٰہی محبت کا حکم ہے۔**

پس وہ ساری مجالس جو رات دیر تک چلتی ہیں اگر صبح کے وقت کی نماز میں حائل ہو جائیں تو وہ نیکی کا سب کردار کھو بیٹھتی ہیں اور وہ مسلمانوں کی مجالس کہلانے کی مستحق نہیں رہتیں۔ تبھی آنحضرت ﷺ نے اس بات کو سخت ناپسند فرمایا کہ عشاء کی نماز کے بعد گپوں کی لمبی مجلسیں چلیں جو تہجد اور صبح کی نماز میں حائل ہو جاتی ہیں۔

پس اگر آپ کی مجلسیں جوان ہنگامی دنوں میں ایک دلچسپ مجبوری بھی ہیں ضرور جاری رہنی ہیں تو اس شرط پر جاری رہیں کہ صبح کی نماز میں کسی قیمت پر حائل نہیں ہوں گی۔ اگر زیادہ دیر جاگے ہوئے ہوگئی ہے تو پھر سونے میں دیر کر دیں اور صبح کی نماز پڑھ کر جلسے سے پہلے گھنٹہ دو گھنٹے آرام کر لیں اور اگر یہ طاقت نہیں تو پھر آپ کو رات دیر تک جاگنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ پھر اپنے وقت پر سونا لازم ہے مگر جو بھی ہو صبح کی نماز آپ کی دیگر دلچسپیوں سے کسی قیمت پر متاثر نہیں ہونی چاہئے۔ جو خدمت کرنے والے ہیں ان کی بھی ایک نفسیات ہے۔ وہ سمجھتے ہیں رات ہم نے خوب خدمتیں کی ہیں اب ذرا آرام کر لیں یہی تو وقت آرام کا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ صبح کے وقت کے آرام کا جو مزہ ہے وہ ساری رات کے دوسرے آرام کا نہیں۔ شیطان نے اس میں ایسی لذت رکھ دی ہے کہ ضرور دخل دیتا ہے اور آدمی کو کہتا ہے کہ دیکھو اب تو مزہ آرہا ہے نیند کا، اب کونسا اٹھنے کا وقت ہے حالانکہ وہی وقت ہے اٹھنے کا۔ جو اس وقت اٹھتا ہے وہ ثابت کرتا ہے کہ میں نے اب اپنے سب آراموں کو خدا کی خاطر ایک

طرف پھینک دیا ہے اور وہ ترک کر کے میں اللہ کے حضور حاضر ہونے لگا ہوں۔ جو لطف ایسے اٹھنے کا ہے وہ کسی اور اٹھنے میں نہیں۔ پس خدمت کرنے والوں کو بھی میری نصیحت ہے کہ یہ عذر یا احسان پیش نظر نہ رکھیں کہ آپ نے خدمت کی ہے اس لئے صبح کی نماز ترک کرنے کا حق مل گیا ہے، ہرگز نہیں۔

آنحضرت ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا جب کہ قوم سارا دن جہاد کی محنت اور مشقت کے بعد سخت تھکی ہوئی تھی اور سفر کی صعوبت بھی اس پر اضافہ تھی کہ آج کی رات اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو بڑے پیار سے دیکھا ہے جو خصوصیت سے وقت پر عبادت کے لئے اٹھے تھے۔ **جب دنیا کی محنتیں یا بدنی محنتیں اتنی بڑھ جائیں کہ اس وقت نماز کے لئے اٹھنا سب سے زیادہ دوبھر ہو، وہی وقت ہے اللہ تعالیٰ کی محبت جیتنے کا، وہی تو وقت ہے خصوصیت سے اس کی نظر میں آجانے کا۔ پس خدمت کرنے والوں کی خدمتیں بھی تو اسی طرح قبول ہوں گی کہ وہ ایسی نمازوں کا حق ادا کریں جو بڑی مشکل ہو جاتی ہیں اور اگر وہ ایسا کریں تو ان کی ساری خدمتیں عبادت بن جائیں گی اور اس سے اچھا اور کوئی سودا نہیں۔** پس نظام جماعت کو بھی اس بات میں ممد ہونا چاہئے کہ یہ یاد دہانیاں سب کارکنوں کو ہوتی رہیں اور یہ دیکھا جائے کہ کسی نظام میں ضرورت سے زیادہ آدمی خدمت کے لئے موجود نہ رہیں سب سے کم خدمت پر مامور ہونے کا وقت نمازوں کے قیام کا وقت ہے اور یہ سبق بھی ہمیں اسی مثال سے ملتا ہے جو میں نے جہاد کی مثال آپ کے سامنے رکھی کہ عین جہاد کے دوران قرآن کریم نے نماز باجماعت کا ارشاد فرمایا ہے اور جگہ چھوڑ کر نماز کے لئے آنے کا حکم ہے۔ **پس اگر جہاد کی دفاعی ضرورت کے وقت بھی جگہ کو چھوڑ کر تعداد کو نصف کیا جا سکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ جلسے کے انتظامات میں نمازوں کے قیام کے وقت کم سے کم کارکنان نہ رکھے جائیں جن کے بغیر کام چلنا ممکن نہ ہو اور جو رکھے جائیں ان کے لئے وہاں نمازوں کا انتظام ہونا چاہئے۔** پس جو پہروں کی ٹولیاں بعض جگہ بیٹھتی ہیں وہاں ان کے مرکز قائم ہوتے ہیں۔ صبح کی نماز کے وقت خصوصیت سے کم سے کم ضروری نگران موجود رہیں اور باقی سب نماز پہ پہنچیں۔ جب وہ آجائیں تو پھر جو موجود ہیں وہ وہاں اپنی اپنی باجماعت نماز پڑھیں۔ تو اس لحاظ سے یہ جلسہ ایک مستقل نماز باجماعت کے قیام کا انداز سکھانے والا جلسہ بن جائے اور جو میں نے نصیحت تمام دنیا کی جماعتوں کو کی ہے اس نصیحت کی بہترین مثال UK کی جماعت پیش کرے اور اس پہلو سے میں امید رکھتا ہوں کہ وہ ساری نمازیں جو اس کے نتیجہ میں

باہر ادا کی جائیں گی ان کی جزا میں بھی اللہ تعالیٰ UK کی جماعت کو شامل فرمالے گا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے نیکیاں جاری کرنے والوں کے لئے یہی خوش خبری عطا فرمائی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ جولوگ نیکیاں جاری کرتے ہیں جب تک وہ نیکیاں جاری رہتی ہیں ان نیکیوں کے کرنے والوں کے اعمال کی جزا میں اللہ تعالیٰ نیکیاں جاری کرنے والوں کو بھی حصہ دیتا چلا جاتا ہے مگر جو نیکیاں کرتا ہے اس کی جزا میں سے کچھ کاٹتا نہیں کیونکہ خدا تعالیٰ لامتناہی قوتوں کا مالک ہے اس کے پاس کمی نہیں ہے۔ پس جو نیکیاں آپ کے ذریعے آئندہ مختلف ملکوں میں قائم ہوں گی۔ یعنی UK جماعت کے بہترین مثالوں کے ذریعے، حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے الفاظ میں میں آپ کو خوشخبری دیتا ہوں کہ وہ نیکیاں جاری کرنے والے اپنا اجر بھی پائیں گے اور اتنا ہی اجر خدا تعالیٰ آپ کے حصے میں بھی لکھتا چلا جائے گا۔ پس بہترین موقع ہے کہ اپنی نیکیوں کے مددگار تمام دنیا میں پیدا کردیں اور ان نیکیوں کی جزائیں آپ کو بخشنے والے تمام دنیا میں پیدا ہو جائیں۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔

جہاں تک عمومی حسن خلق کا تعلق ہے وہ تو کسی اور بیان کا محتاج نہیں۔ میرے تمام خطبات آج کل اسی موضوع پر چل رہے ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ خطبات میں بھی یہ مضمون جاری رہے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو اور جماعت احمدیہ کو ایک امت واحدہ بنانے میں ہم سب کو بہترین کردار ادا کرنے کی توفیق عطا ہو۔ آمین۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

توہین خداوندی کا سوال توہین رسالت سے پہلے ہے۔

انبیاءؑ کو خدا ہی عزت دیتا ہے۔ گستاخی رسول کے قانون پر تبصرہ۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 15 جولائی 1994ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے مندرجہ ذیل آیات تلاوت کیں۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ
الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝٦
قُلْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ
مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝٧
وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗۤ اَبَدًا ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝٨
قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِىْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ
تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝٩

(الجمعہ: 6 تا 9)

پھر فرمایا:۔

یہ سورہ جمعہ کی آیات 6 تا 9 ہیں جن کی میں نے تلاوت کی ہے اس مضمون پر مزید کچھ کہنے سے پہلے بعض اعلانات ہیں۔ لجنہ اماءاللہ و ناصرات الاحمدیہ جرمنی کا سولہواں سالانہ اجتماع کل 16/

جولائی بروز ہفتہ سے شروع ہو رہا ہے اور 17 / جولائی تک جاری رہے گا۔ تو لجنہ اماء اللہ کے اور ناصرات کے اس اجتماع میں دوست ان کو دعا میں یاد رکھیں اللہ ان اجتماعات کو بابرکت فرمائے اور ہر پہلو سے ایسی برکتیں عطا فرمائے جو دائمی رہنے والی ہوں، اجتماع کے دنوں کے ساتھ ختم نہ ہو جائیں۔

جن آیات کی میں نے تلاوت کی ہے ان کا مضمون بہت ہی دلچسپ اور گہرا اور عبرتناک ہے۔ پہلے بھی بارہا اس آیت کی تلاوت کے حوالے سے مذہبی قوموں کے اس ادبار کا ذکر کر چکا ہوں جب وہ اپنی تعلیمی ذمہ داریوں کو بھلا دیتی ہیں۔ قرآن کریم نے جو نقشہ کھینچا ہے اس کے دو پہلو ہیں جو ایک دوسرے کے بعد نظر کے سامنے ابھرتے ہیں پہلا یہ کہ وہ تمام لوگ جو اہل کتاب ہیں وہ تمام تر اس آیت کے مضمون کے مخاطب بنتے ہیں۔ مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ یعنی تورات صرف یہود کے علماء اور رَبّٰنِيِّيْنَ کے لئے تو نازل نہیں ہوئی تھی بلکہ ان تمام کی خاطر نازل کی گئی تھی جنہوں نے موسیٰ کو قبول کیا اور اس پر ایمان لانے کے نتیجے میں اس کی شریعت کے پابند ٹھہرے۔ پس قرآن کریم فرماتا ہے کہ وہ تمام اہل کتاب جن سب کو تورات عطا کی گئی تھی لیکن پھر اس کتاب کا بوجھ انہوں نے اٹھانا ترک کر دیا یعنی اس کی پابندیوں سے بری الذمہ ہو گئے اور آزاد ہو گئے۔ ان کی مثال ایک ایسے گدھے کی سی ہے جس پر کتابوں کا بوجھ ڈالا جائے اور کتابوں کا بوجھ جب گدھے پہ ڈالا جاتا ہے تو دو طرح کے واقعات رونما ہوتے ہیں یعنی طبعی نتیجے دو ظاہر ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ گدھے کو کچھ پتا نہیں کہ اس کے اوپر کیا لدا ہوا ہے اور اس کی بلا سے جب یہ بوجھ اترے تو وہ فرحت محسوس کرتا ہے، فراغت محسوس کرتا ہے کہ شکر ہے اس مصیبت سے چھٹکارا ملا۔ چونکہ وہ جانتا نہیں کہ اس بوجھ کی قیمت کیا ہے اس لئے اس کے نزدیک اس کی کوئی بھی قدر نہیں ہوتی اور ایسی کامل مثال ہے کہ ہر پہلو سے کامل طور پر ان مذہبی قوموں پر چسپاں ہوتی ہے جن کو اللہ تعالیٰ ایک نعمت عطا کرتا ہے پھر وہ خود اس نعمت کو سمجھنے کے اہل نہیں رہتے اور جب وہ نعمت اس لائق نہیں ٹھہرتی کہ وہ اس سے استفادہ کریں، اس سے پیار محبت بڑھائیں، اس نعمت کے نتیجے میں خود بھی فیض اٹھائیں اور دنیا کو بھی فیض پہنچائیں تو ایک محض ایسا بوجھ ہے جیسا گدھے کے اوپر کتابوں کا بار ہو اور پھر وہ لازماً اسے اتار پھینکتے ہیں ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا میں یہی مضمون ہے جو بیان ہوا ہے۔ پھر انہوں نے اس کو نہیں اٹھایا۔ جیسے گدھے بھی جب کتابیں ڈالی جاتی ہیں تو ہمیشہ پھر کتابیں اپنی کمر پر اٹھائے ہوئے اسی کے

ساتھ تو نہیں سویا کرتے اور اسی کے ساتھ تو نہیں زندگی گذارتے۔ جب منزل پہ پہنچے ان کتابوں کا بوجھ اتارا اور فارغ ہو گئے۔

دوسرا پہلو اس کا علماء ہیں جو بائبل کے علماء خصوصیت کے ساتھ اس آیت کے پیش نظر ہیں ایک طرف تو قرآن کریم فرما رہا ہے کہ انہوں نے بوجھ اتار دیا، دوسری طرف مثال دے رہا ہے کہ گدھے ہیں جنہوں نے بوجھ اٹھایا ہوا ہے تو اس دوسرے پہلو پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو علماء کا نقشہ سامنے آتا ہے جنہوں نے بوجھ نہیں اتارا بلکہ اس بوجھ کو اٹھائے پھرتے ہیں اور اعلان یہ کرتے ہیں کہ ہم ہی اس بوجھ کے کلیۃً ضامن اور مالک بن بیٹھے ہیں۔ ہم سے ہی جو آنا چاہے تعلیم حاصل کرے۔ ہم ہی مذہب کی کلیۃً اجارہ داری حاصل کر چکے ہیں۔ ہم مذہب کی نمائندگی اختیار کر چکے ہیں۔ پس جس نے کچھ علم سیکھنا ہے ہم سے آ کے سیکھے۔ تو مذہبی کتابوں کا اجارہ دار بن جانا جب تنزل کے دور میں علماء کے سپرد ہو جاتا ہے تو اس وقت کا نقشہ ہے جو بہت ہی خوبصورت الفاظ میں کھینچا گیا ہے۔ قوم کا فرض تھا ان میں سے ہر فرد تورات کی تعلیم کو سمجھتا اس پر عمل کرتا اور اس کا نگران اور محافظ بننے کی کوشش کرتا۔ اس صورت میں تورات کی تعلیم ان کی نگران ہو جاتی اور ان کی حفاظت کرتی۔ لیکن قوم نے بحیثیت قوم اس تعلیم کی ناقدری کی، اس سے پیٹھ پھیر لی اور اپنے گلوں سے یہ بوجھ اتار دیا اور پھر کیا ہوا؟ پھر یہ بوجھ گدھوں پر آ پڑا۔ ان گدھوں پر جو اس کو سمجھنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتے اور امرِ واقعہ یہ ہے کہ جب قوم ایک چیز کی ناقدری کرتی ہے تو عموماً وہ چیز اس حصے کی سپرد کی جاتی ہے جسے اپنے میں سے کمتر سمجھتی ہے اور یہی واقعہ ہمیشہ امتوں میں گزرا ہے اور یہی ہوتا رہے گا کہ جب کوئی قوم الٰہی پیغامات کی ناقدری کرتی ہے تو قوم کا وہ حصہ اس کو اٹھاتا ہے جو قوم کے نزدیک بے حیثیت اور ذلیل ہوتا ہے۔ لیکن رفتہ رفتہ چونکہ وہ اس پیغام کے اجارہ دار بن جاتے ہیں اس پیغام کی برکت سے اور قوم کی جاہلیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ ایک قسم کی سرداری بھی اختیار کر جاتے ہیں لیکن ان کی اپنی حالت ان گدھوں کی سی ہے جن پر کتابوں کے بوجھ لادے گئے ہوں ان کو کچھ پتا نہ ہو کیا اٹھایا ہوا ہے۔ تو اگر مرکبّ گدھا ہونے کا کوئی مضمون ہے تو وہ یہاں بیان ہوا ہے جیسے جہل مرکبّ کہتے ہیں ایک تو پہلے ہی گدھے تھے جن پر بوجھ ڈالا گیا۔ اوپر سے کوئی عقل فہم نہیں کچھ پتا نہیں کہ ہے کیا اور ان کو قوم سردار بنا بیٹھتی ہے۔ پس کیسی رسوا کن سزا ہے خدا کے پیغام کی بے حرمتی کرنے کی۔ اس سے

زیادہ ذلیل سزا کسی قوم کو نہیں دی جاسکتی کہ جس پیغام کو انہوں نے درخور داعتناء ہی نہیں سمجھا تھا وہ سمجھتے تھے اس لائق نہیں ہے کہ ہم اس پر توجہ کریں، اسے پڑھیں، اس پر عمل کریں، اٹھا کر قوم کے اس حصے کے سپرد کر دیا جو ان کے نزدیک ادنیٰ اور معمولی حیثیت کے لوگ تھے پھر خدا کی تقدیر نے ان کو ہی ان کا مذہبی سردار بنا دیا اور ایسے مذہبی سردار جو پہلے ہی بے حیثیت ہوں اوپر سے عقل نہ ہو کہ خدائی پیغام کو سمجھ سکیں وہ قوم کے لئے سب سے بڑی لعنت بن جاتے ہیں۔ یہ تمام مذہبی تاریخ کا خلاصہ ہے جو اہل کتاب کے حوالے سے قرآن کریم کی اس آیت کریمہ نے ہم پر کھول دیا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ان بدنصیبوں کی مثال بہت ہی بری ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلا دیا وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ اور اللہ ظالموں کی قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ اس کا اس پہلے مضمون سے کیا تعلق ہے؟ پہلے جس قوم کا ذکر ہے اس نے تکذیب تو نہیں کی اس نے تو بوجھ اتارا ہے مگر ایمان قائم رکھا ہے اور کچھ حصے نے بوجھ اٹھایا بھی ہوا ہے خواہ گدھوں کی طرح اٹھایا ہو، انہیں مکذب تو نہیں کہا جاتا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگ پھر جب بھی انبیاءؑ آتے ہیں ان کی تکذیب کرتے ہیں۔ جن کو مذہب کے فلسفے سے اور اس کی حقیقت سے آگاہی نہ ہو، جو مذہبی پیغام کی عظمت اور مرتبے کو نہ سمجھتے ہوں، ان کے لئے مذہبی پیغامات جو آئندہ آنے والے نبی کی طرف ہدایت کرنے والے ہوتے ہیں بالکل بے کار اور بے معنی ہو جاتے ہیں اور ایسی قوم تکذیب کے لئے ذہنی اور قلبی اور نفسیاتی ہر لحاظ سے پوری طرح تیار ہوتی ہے۔ پس حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی آمد پر جو واقعہ گزرا دراصل یہ اسی کی طرف اشارہ ہے کہ تورات کی پاک تعلیم تو قوم نے گدھوں کے سپرد کر دی تھی اور گدھے بھی بوجھ کے طور پر اسے اٹھاتے پھرتے رہے ہیں۔ ان کی سرداری میں تم جا چکے ہو تمہیں کیسے ان کی طرف سے ہدایت نصیب ہو سکتی ہے۔ تمہارے تو مقدر میں تکذیب لکھی جا چکی ہے۔ پس اگر تم محمد مصطفی ﷺ کو پہچان نہیں سکتے تو تمہاری اس جہالت کا قصور ہے جس کے نتیجے میں تم نے پہلے پیغام کی ناقدری کی تھی اور اس ناقدری کے نتیجے میں یہ جہالت در جہالت کا سلسلہ شروع ہوا۔ لیکن اس کے باوجود تم اللہ کے دوست ہونے کا دعویٰ کرتے ہو، کہتے ہو ہمیں اللہ کی حرمت اور عزت کا بڑا پاس ہے ہم اللہ کی خاطر سب کر رہے ہیں۔ یہ دعوے ساتھ ساتھ جاری وساری ہیں۔ فرمایا اس صورت میں تو صرف ایک ہی علاج ہے کہ تم

خدا کے نام پر اپنی سچائی کا اقرار کرتے ہوئے یہ اعلان کرو کہ اگر ہم حقیقت میں خدا سے محبت کرنے والے نہیں اور خدا کی خاطر یہ بوجھ نہیں اٹھائے ہوئے تو اے خدا ہمیں موت دے دے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ کبھی ایسا نہیں کریں گے وہ اپنے دل کی سچائی پر موت کی شرط نہیں لگائیں گے اور خدا سے اس بنا پر موت نہیں مانگیں گے کہ اگر ہم اپنے دعوؤں میں جھوٹے ہیں تو اے خدا تو ہمیں موت دے دے۔

چنانچہ جب میں نے جماعت احمدیہ کی طرف سے مباہلے کا چیلنج دیا تھا تو آپ کو علم ہے کس طرح مولویوں میں کھلبلی مچ گئی تھی اور افراتفری پڑ گئی تھی لیکن کوئی بھی حقیقت میں شرائط کے ساتھ اس پیغام کو قبول کر کے مباہلے کے لئے سامنے نہ آیا اور ہزار بہانوں اور عذروں سے انہوں نے اس مباہلے کو ٹال دیا مگر مباہلے کی اور بھی قسمیں ہیں۔ لفظ مباہلہ ان پر اطلاق نہیں پاتا۔ یہاں بھی لفظ مباہلہ اس صورت پر اطلاق نہیں پا رہا بلکہ مباہلہ کی وہ رسمی شکل جس کا میں نے بیان کیا تھا وہ قرآن کریم کی دوسری آیات سے تعلق رکھتی ہے لیکن ایک یہ بھی قسم ہے۔

پس میں تمام جماعت احمدیہ کی طرف سے تمام دنیا کے مولویوں کو اس نوع کے مباہلے کی طرف بلاتا ہوں۔ ہم بھی تمام دنیا کے احمدی خدا تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر اس کی قسمیں کھا کر یہ کہتے ہیں کہ ہم جو کاروبار کر رہے ہیں اللہ کی محبت میں کر رہے ہیں اور ہماری تمام توانائی اور ساری طاقت اللہ کی محبت سے پھوٹتی ہے۔ کوئی نفرتیں ہمارے پیش نظر نہیں، کوئی انتقام ہمارے پیشِ نظر نہیں۔ بنی نوع انسان کی بھلائی ہے تو وہ بھی اللہ ہی کی خاطر ہے اور خدا گواہ ہے کہ اس کے سوا ہمارا اور کوئی مقصد نہیں۔ یہ حلفیہ اعلان تمام دنیا کے احمدی، ایک ایک بچہ میرے ساتھ آج اس وقت کر رہا ہے جو سب دنیا میں اس پیغام کو سن رہا ہے اور دیکھ رہا ہے۔ مولوی بھی یہ اعلان کر دیں کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں محض اللہ کی محبت میں کر رہے ہیں کوئی ذاتی کمینی دشمنیاں، کوئی ذاتی مفادات، کوئی سیاسی مقاصد ہرگز ہمارے پیش نظر نہیں۔ ہم کلیۃً اس سے مبرا ہیں پھر دیکھیں کہ کیا ان کے ساتھ ہو گا لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ۝ ہم اعلان کرتے ہیں کبھی یہ ایسا نہیں کریں گے کیونکہ جانتے ہیں کہ ان کے اعمال کیا ہیں؟ کیا وہ اپنے آگے بھیج رہے ہیں؟ اپنے کردار سے واقف ہیں۔ اس لئے ان کے لئے ممکن نہیں ہے لیکن ان کو یہ بتا دو کہ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ

فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ کہ اے موت سے بھاگنے والو اور فرار اختیار کرنے والو! یاد رکھو موت سے تم نہیں بھاگ سکتے۔ تمہارے اعلان کے نتیجے میں جلدی آ جائے یا تم اپنی اجل مسمی تک پہنچائے جاؤ جو صورت بھی ہوگی تم نے لازماً خدا کے حضور حاضر ہونا ہے پھر کیا ہوگا ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اس خدا کے حضور حاضر ہو گے جو غیب کو بھی جانتا ہے اور حاضر کو بھی جانتا رہتا ہے فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ تمہیں وہ خوب اچھی طرح سے باخبر کر دے گا ان باتوں سے جو تم کیا کرتے تھے۔

یہ وہ مضمون ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے مذہبی قوموں کے انحطاط کی تاریخ کا خلاصہ ہے لیکن ایسا خلاصہ جو ہر پہلو پر حاوی ہے۔ یہ ادبار کئی طرح سے قوم کو اپنے گھیرے میں لے لیتا ہے۔

آج کل جو آپ آئے دن ایسے ہنگاموں کی باتیں سنتے ہیں جن میں انبیاءؑ کی عصمت اور عزت اور احترام کے نام پر بنائے جانے والے قانون پر زیر بحث ہیں اور یہ کہا جاتا ہے کہ عصمتِ انبیاءؑ اور خصوصاً آنحضرت ﷺ کی ہتک اور گستاخی کے نتیجے میں جو موت کی سزا پاکستان میں مقرر کی گئی ہے اس میں کسی قسم کی تبدیلی برداشت نہیں کی جائے گی۔ گویا محض للہ یہ کارروائی تھی اور اس کے خلاف کوئی حرکت، کوئی قانون، کوئی کوشش قابلِ برداشت نہیں، یہ جو ہنگامہ آرائیاں پاکستان میں ہوتی رہی ہیں اور بنگلہ دیش میں بھی چلائی جا رہی ہیں اور بعض ملکوں میں بھی یہ تحریک اسی طرح آہستہ آہستہ آگے بڑھائی جائے گی۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں اس کے تمام پہلوؤں پر ایک خطبات کے سلسلے میں روشنی ڈالوں۔ متفرق مواقع پر سوال و جواب کی مجالس میں یہ باتیں زیر بحث لائی جا چکی ہیں۔ جب سلمان رشدی کا قصہ ہوا تھا اس وقت بھی جماعت کے موقف کے طور پر میں نے یہ باتیں بیان کی تھیں۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ قوم پر حجت تمام کرنے کے لئے ایک دفعہ اس مضمون کے ہر پہلو سے پردہ اٹھا دوں تا کہ بات اتنی کھل جائے کہ کوئی شخص پھر خدا کے حضور یہ عذر نہ پیش کر سکے کہ ہمیں معاملے کی سمجھ نہیں آئی تھی، ہم تو ان باتوں سے واقف نہیں تھے۔

پہلی بات تو میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جو کچھ ہو رہا ہے اس کا اس آیت کریمہ سے گہرا تعلق ہے وہ قومیں جو ذاتی مذہبی علم نہیں رکھتیں یعنی مذہبی علم سے بے اعتنائی کے نتیجے میں اس علم کی طرف توجہ ہی نہیں رہتی اور عامۃ الناس الگ ہو جاتے ہیں اور مولوی، ملّاں الگ ہو جاتے ہیں۔ قوم کے دو

طبقے بن جاتے ہیں ایک وہ جنہوں نے الٰہی کلام اور پیغام کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے اور ذاتی طور پر مذہب کا کوئی علم بھی نہیں رکھتے۔ سوائے چند معمولی باتوں کے ان کو اور مذہب کی کسی حقیقت کا علم نہیں ہوتا۔ لیکن کچھ ایسے لوگ ہیں جو پھر اس میں سپیشلسٹ کہلاتے ہیں یعنی وہ کہتے ہیں کہ تمام مذہبی انبار ہماری گردنوں پر ڈالے گئے ہیں، ہم سمجھتے ہیں۔ وہ مذہب کے نمائندہ بن کے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ جب مذہب کی نمائندگی میں کچھ بات کہتے ہیں تو قوم کی اکثریت ذاتی طور پر اس تحقیق کی اہلیت ہی نہیں رکھتی کہ وہ سچ بول رہے ہیں یا جھوٹ بول رہے ہیں۔ جو بات بیان کرتے ہیں وہ حقیقت میں مذہب کی بات ہے بھی کہ نہیں اپنے نفس کا جھوٹ ہے، اپنے نفس کی تعلّی ہے اپنی انانیت کے قصے ہیں یا حقیقت میں خدا رسول کی باتیں ہیں یہ تمیز کرنے کی اہلیت ان قوموں میں نہیں رہتی۔ اس کے بعد ان کا مذہب جن کا ان کو علم نہیں ان کے خلاف ہوّا بنا کر پیش کیا جاتا ہے اور ڈر کے مارے یہ لوگ آگے آگے بھاگتے ہیں اور امن کی پناہ گاہیں ڈھونڈتے ہیں کہ کسی طرح اس مصیبت اس بلا سے چھٹکارا ملے۔ لیکن پیچھا کرنے والوں کا اعلیٰ مقصد خدا اور خدا کی محبت نہیں ہوتی جیسا کہ اس آیت کریمہ سے خوب واضح ہو چکا ہے۔ ان کی شرطیں اور قسم کی ہوتی ہیں دنیاوی مفادات سے تعلق رکھتی ہیں، ذاتی انتقامات سے تعلق رکھتی ہیں اور خدا کی محبت کا نہ قصے کے آغاز میں ذکر نہ درمیان میں نہ آخر پر، اس سے بالکل بے تعلق باتیں ہوتی ہیں۔

پس ان دنوں میں جو ناموس رسول ﷺ کے نام پر تحریک چلائی جا رہی ہے اس کے جو مختلف پہلو ہیں وہ میں آپ کے سامنے کھول کر رکھنا چاہتا ہوں۔ یعنی تمام دنیا کے مسلمانوں کے سامنے خصوصیت سے، تاکہ وہ ان کو سمجھیں اور کچھ روشنی حاصل کریں۔ ان اندھیروں میں نہ بھٹکتے رہیں جہاں ان کی گزشتہ بے اعتنائیوں نے انہیں جا پہنچایا ہے۔

اول تو یہ بات کھول کر پیش کرنے کے لائق ہے کہ اس تحریک یا اس جیسی تحریکات کے محرکات کیا ہیں؟ کیا یہ سیاسی اغراض کی خاطر اور سیاسی غلبے کی خاطر بعض مولویوں کے بہانے ہیں جو انہوں نے قوم کے سامنے رکھے ہیں یا حقیقت میں ناموس رسولؐ یا ناموس خدا کی خاطر اس کی محبت میں یہ یہ سب تحریکات چلا رہے ہیں؟ یہ غور طلب باتیں ہیں۔ پہلے میں اسی حصے پر کچھ گفتگو کرتا ہوں۔

امرِ واقعہ یہ ہے کہ کل عالمِ اسلام میں اس وقت ملائیت اور مسلمان سیاستدانوں کے

درمیان ایک جدوجہد جاری ہے اور اس کا نہ ناموس خدا سے کوئی تعلق ہے نہ ناموس رسول سے کوئی تعلق ہے۔ یہ اصطلاحیں اب پاکستان اور ہندوستان اور بنگلہ دیش میں گھڑی گئی ہیں ورنہ تاریخ اسلام تو اس سے بہت پہلے سے ہے جبکہ یہ قصے نہ اٹھائے گئے نہ زیر بحث لائے گئے۔ آج بھی جو مصر میں فسادات ہوتے رہتے ہیں اور حکومت اور ملانوں کے درمیان مستقل جدوجہد جاری ہے وہ کس عصمت انبیاء کے نام پر کس کی خاطر ہے؟ الجیریا میں جو کچھ ہوتا رہا ہے اور ہو رہا ہے اس کا عصمت رسولؐ سے بھلا کیا تعلق ہے؟ ایران میں ملاّنوں نے جس نام پر قوم پر غلبہ حاصل کیا اس کا عصمت رسولؐ سے کیا تعلق تھا؟ سوڈان میں جو کچھ ہوتا رہا اور اب ہو رہا ہے اس کا عصمت رسولؐ سے کیا تعلق ہے؟ غرضیکہ تمام عالمِ اسلام پر آپ نظر ڈالیں ایک لمبی جدوجہد ہے جو ملائیت کی مسلمان سیاست کے خلاف ہے اور وہ جب تک سیاست پر قابض نہ ہو جائیں ان کی دل کی بھڑک ٹھنڈی نہیں ہو سکتی۔ پس یہ محض مختلف بہانوں کے نام رکھے گئے ہیں، کہیں اس کا نام عصمت انبیاءؑ رکھ دیا گیا ہے، کہیں اس کا نام یہ رکھا گیا ہے کہ یہ ہمارے سیاسی راہنما اسلام کے دشمن اور دنیاوی طاقتوں کے نام پر کھیلنے والے ہیں۔ کہیں امریکہ کے ایجنٹ بنائے گئے، کہیں یہودیت کے ایجنٹ بنائے گئے، کہیں انگریزوں کے ایجنٹ بنائے گئے۔ بہانوں کے نام مختلف ہیں لیکن بہانے کی غرض سب جگہ ایک ہی ہے کہ ملاں مذہب کے نام پر سیاسی غلبہ حاصل کرنا چاہتا ہے اور وہ سیاست دان جو اس بات کو سمجھتے نہیں اور ملاں کے سامنے انچ انچ کر کے یا چپہ چپہ یا بالشت بالشت یا پھر قدموں اور میلوں میں زمینیں چھوڑتے چلے جا رہے ہیں وہ نہیں جانتے کہ یہ بلا جتنی زیادہ زمین پر قابض ہوتی ہے اتنی زیادہ طاقتور ہوتی چلی جاتی ہے اور پیچھا چھوڑنے کا تو کوئی سوال ہی باقی نہیں۔ آج ایک بہانہ ٹوٹا تو کل دوسرا بہانہ بنے گا۔ کل وہ بہانہ توڑا گیا تو تیسرا بہانہ بنے گا۔ احمدیت کا جھگڑا بظاہر قوم چکا دے گی جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ نوے سالہ مسئلہ حل ہو چکا اور اسے حل ہوئے کتنی مدت گزر چکی ہے۔ 74ء میں کہتے ہیں حل ہوا تھا اور آج 94ء ہے تو بیس سال پہلے جو مسئلہ حل ہو گیا تھا کیا اس مسئلے نے قوم کا پیچھا چھوڑ دیا!؟ اس لئے کہ ملاّں وہ بلا ہے جو پیچھا چھوڑنے والی بلا ہی نہیں ہے۔ اس حیثیت کو تم سمجھتے نہیں، تم جانتے نہیں، یعنی سیاستدان جانتے نہیں کہ حقیقت میں یہ سیاستدان کی گردن پر پنجے گاڑنے کے لئے بہانے بنائے گئے ہیں اور ان پنجوں میں یہ گردن زیادہ سے زیادہ جکڑی جا رہی ہے، یہ شکنجہ تنگ ہو رہا ہے۔ پس ان کو اس سے

بحث نہیں تھی کہ کسی جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی ناموس کی حفاظت ہے یا نہیں ہے۔ یہ الگ مضمون ہے جس کو میں آپ کے سامنے پیش کروں گا کہ سب سے زیادہ ناموس رسولؐ کی محافظ اور علمبردار تمام دنیا میں جماعت احمدیہ ہے اور میں دلائل سے ثابت کر کے دکھاؤں گا کہ جھوٹے ہیں جو کہتے ہیں کہ جماعت تو ناموس نہیں کرتی ہم ناموس کے علمبردار ہیں۔ ان کے اپنے عقیدے کھلم کھلا ان کو جھٹلا رہے ہیں لیکن یہ بعد کے حصے سے تعلق رکھنے والی بات ہے۔

پہلی بات تو آپ کو خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ محض سیاست ہے اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں اور دین کو ایک بہانہ بنایا گیا ہے اور دین کو اس رنگ میں بہانہ بنایا گیا ہے کہ صاف ثابت ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو دین کی ادنیٰ بھی عقل نہیں ہے، ایک ذرہ بھی شناسائی نہیں ہے۔ ان کے حساب سے تو بالکل وہی حال ہے جیسے گدھے نے کتابیں اٹھائے رکھی ہوں، جس کو پتا ہی نہ ہو کہ کتابوں میں ہے کیا۔ پس اور باتیں تو چھوڑئیے یہی ناموس رسولؐ کے حوالے سے میں آپ پر ثابت کروں گا اور باقاعدہ دلائل کے ساتھ، قرآنی حوالوں سے احادیث اور سنت کے حوالوں سے کہ ان مولویوں کے مسلک میں ایک ادنیٰ بھی حقیقت اور سچائی نہیں۔ محض جھوٹے بہانے ہیں اور ناموس رسولؐ کو اگر خطرہ ہے تو ان لوگوں سے ہے اور خطرہ ہو چکا ہے ماضی میں تو ان لوگوں سے وہ لاحق ہوا ہے ورنہ اور کوئی خطرہ نہیں۔ قرآن کی تعلیم کیا ہے؟۔ اس کی تفصیل پر آپ غور کریں گے تو حیران رہ جائیں گے کہ قرآن کی باتوں کا ان باتوں سے جو آج پاکستان میں زیر بحث آ چکی ہیں کوئی دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ سیاستدان اپنی ہوشیاریوں اور چالاکیوں کے باوجود یہ سمجھتا ہے کہ مولویوں کو ان کے مذہبی تقاضے منظور کر کے وہ زیرنگیں کر سکتا ہے اور بعض صورتوں میں وقتی طور پر فائدے اٹھانے میں کامیاب بھی ہو جاتا ہے۔ مگر یہ خیال کہ یہ کامیابی دائمی اور مستقل ہے یہ بالکل جھوٹ ہے۔ آج چند دن کے لئے ٹھنڈ پڑتی ہے کل وہ ٹھنڈ پھر ایک جہنم میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

اب بھٹو صاحب نے جب جماعت احمدیہ کو باقاعدہ اسمبلی کو ایک خاص طریق پر منظّم کر کے جماعت احمدیہ کے خلاف غیر مسلم ہونے کا اعلان کروایا تو اس سے پہلے جو اخبارات میں خبریں آ رہی تھی وہ بالکل کھلی کھلی اور واضح تھیں۔ جو اس کے بعد خبریں آئیں وہ بھی بڑی کھلی کھلی اور واضح ہیں اور تاریخ پاکستان کا ایک انمٹ حصہ بن چکی ہیں۔ علماء یہ اعلان کر رہے تھے کہ بھٹو صاحب آپ ہماری

بات مان لیں آپ کو ہمیشہ ہمیش کے لئے امیر المومنین بنالیں گے۔قوم کے صرف سیاسی راہنما ہی نہیں، مذہبی اور روحانی راہنما اور ایسے مذہبی اور روحانی راہنما جن کے متعلق ہم اعلان کریں گے کہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے وصال کے بعد سے آج تک ایسا عظیم راہنما پیدا نہیں ہوا۔اور پھر اس کے معاً بعد جب علماء کا وفد پیش ہوا تو کیسی کیسی انہوں نے خوشامدیں کیں۔کیسی کیسی تعریفیں کیں اور کہا کہ وہ مسئلہ جسے چوٹی کے علماء اور ہمارے آباؤ واجداد حل نہ کر سکے اسے اے امیر المومنین تیری ایک جنبش قلم نے حل کر دیا۔ بڑے بڑے زبردست اداریئے لکھے گئے اور ابھی وہ سیاہیاں سوکھی نہیں تھیں کہ بھٹو صاحب کے خلاف ایسی گندی تحریک چلائی گئی۔ دیواریں ان کو گالیاں دیتے ہوئے کالی کر دی گئیں۔اسلام کا بدترین دشمن قرار دیا گیا اور وہ سیاسی تحریک جو بالآخر اس مارشل لاء پر منتج ہوئی جس میں بد سے بدتر حکومت وجود میں آئی، وہ مارشل لاء انہی مولویوں کی تائید اور پوری طرح کوشش کے نتیجے میں ظاہر ہوا تھا اور سیاسی طاقتیں جو بھٹو صاحب کی مخالف تھیں وہ ان کے ساتھ لگی ہوئی تھیں۔

پھر ضیاء کے دور میں بھی یہی ہوا۔کیسی کیسی تعریف کے پل باندھے گئے کہ اے قوم کے سردار!،اے روحانی راہنما! بھٹو کے قدم جہاں رک گئے تھے اس منزل سے آگے تو بڑھا اور کوئی پرواہ نہیں کی کہ دنیا تجھے کیا کہتی ہے نہ تو نے امریکہ کا خوف کھایا نہ پاکستان میں احمدیوں کی جو بھی سیاسی طاقت تھی یا رعب پڑا ہوا تھا اس کی ایک ذرہ بھر بھی پرواہ کی اور اکیلا آگے بڑھا اور وہ کام کر گیا جو کبھی پہلے کوئی نہیں کر سکا تھا۔تو بھٹو صاحب سے ایک قدم آگے بڑھا دیا بلکہ کئی قدم آگے بڑھا دیا اور پھر جس طرح ان کا انجام ہوا جس طرح اس انجام سے پہلے ان کے خلاف تحریکات چلیں اور دیواروں پر ان کے متعلق جو لکھا گیا وہ آج بھی اہل پاکستان کو یاد ہوگا۔اس (نعوذ باللہ من ذالک) امیر المومنین کا نام آخر پہ کیا بتایا گیا۔صرف فرق یہ ہے کہ قرآن نے تو گدھا کہا تھا انہوں نے گدھے کے لفظ کو بدل کے کتے میں تبدیل کر دیا لیکن اپنا سردار انہی کو بنایا جن کو دوسرے دن خود کتا کہا اور کتے کہہ کہہ کر گلے سے اتارا۔عجیب قوم ہے اور یہ مولوی ہے یہ سب ملاں کی تحریکات ہیں۔اب ایسے مولویوں کے سپرد اگر آپ اپنی گردنیں کر دیں گے اور کر چکے ہیں اور کرتے چلے جا رہے ہیں تو اس قوم کا کیا انجام ہوگا میں آپ کو وہ انجام دکھانا چاہتا ہوں۔وہ وقت گزر چکے ہیں جب آپ اپنے قدم واپس کر سکتے تھے یہ بالکل خیال دل سے مٹا دیں کہ احمدیت نعوذ باللہ من ذالک آپ سے مرعوب ہو کر آپ کے خوف میں

منتیں کر رہی ہے کہ یہ قدم اٹھاؤ۔ آپ کو بتا رہی ہے کہ جو قدم بھی اٹھائے جانے چاہئیں وہ آپ نہیں اٹھا سکتے۔ آپ میں وہ دلیر دل رکھنے والے وہ تقویٰ شعار اور سچائی پر قائم رہنے والے باشعور لوگ باقی نہیں رہے جو اصولوں کی خاطر بڑی سے بڑی مخالفتوں کے سامنے اپنی چھاتیاں پیش کر دیتے ہیں۔ اس لئے قوم کے اخلاق کا جب دیوالیہ پٹ چکا ہو، جب عقلیں ان کے سپرد کر دی جائیں جن کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے کہ ان کی مثال ایسی ہے جیسے گدھوں پر کتابوں کا بوجھ لاد دیا جائے، تو پھر ان سے یہ توقع رکھنا کہ وہ عقل کی بات کو سنیں گے اور اپنے اندر کوئی پاک تبدیلی پیدا کریں گے یہ خود ایک بے عقلی کی بات ہے۔ تو پھر کیوں ایسا کیا جاتا ہے۔ مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ محض اپنے رب کے حضور اپنی معذرت کے طور پر کہ اے اللہ ہم پر کوئی عذر نہیں۔ ہم کو پیغام پہنچانے کے لئے مقرر فرمایا گیا تھا ہم اس پیغام کا حق ادا کر چکے ہیں اس ابلاغ کا حق ادا کر چکے ہیں آگے اس قوم کا مقدر ہے، یہ بات مانے یا نہ مانے مگر ہم آخر وقت تک آخری سانس تک اس پیغام کو پوری تفصیل کے ساتھ اس قوم کے سامنے کھول کھول کر رکھتے رہے ہیں۔ یہ معذرت جو قرآن سے ثابت ہے، جو سنت سے ثابت ہے، جو صحابہؓ کے کردار سے ثابت ہے کہ مرتے مرتے بعض ایسے پیغام شہادت کے وقت آخری سانسوں میں دیئے اور ساتھ یہ کہا کہ ہم بطور معذرت کے یہ پیغام دے رہے ہیں کہ اللہ کے حضور بری الذّمہ ہو کے حاضر ہوں کہ ہم نے اپنے پیغام کی ذمہ داری کو ادا کر دیا تھا۔ پس اس کے سوا اس کی اور کوئی غرض نہیں۔ ورنہ بارہا پہلے بھی ہو چکا ہے کہ جب کوئی سیاسی تبدیلی رونما ہوئی تو بھولے احمدیوں نے مجھے لکھنا شروع کیا کہ الحمد للہ کہ صبح آ گئی۔ مجھے یاد ہے کہ ایسے موقع پر میں نے ایک عرب شاعر کا یہ شعر پڑھا تھا۔

يَا اَيُّهَا اللَّيْلُ الطَّوِيْلُ اَلَا انْجَلِیْ
بِصُبْحٍ وَمَا الْاِصْبَاحُ مِنْكِ بِاَمْثَلِ

کہ اے طویل اندھیری رات خدا کے لئے روشن ہو جا ایک صبح کی صورت میں۔ لیکن یہ کہنے کے بعد کہتا ہے بِصُبْحٍ وَمَا الْاِصْبَاحُ مِنْكِ بِاَمْثَلِ لیکن صبح بھی جو آئے گی وہ تجھ سے روشن تر تو نہیں ہو سکتی۔ وہ تو ایک اندھیری رات کے بعد ایک اندھیری صبح کی باتیں ہو رہی ہیں۔ تو میں نے تمام جماعت پر خطبے میں یہ بات کھول کر اسی شعر کے حوالے سے بیان کی تھی کہ تم جن کو طلوع فجر سمجھ

رہے ہو وہ ایک اور اندھیری رات کا طلوع ہے۔ بعض ایسے اوقات آتے ہیں جب راتوں کے بعد راتیں ہی طلوع ہوتی ہیں۔ پس جس قوم کی بدنصیبی یہ ہو جائے کہ ہر رات کے بعد ایک رات طلوع ہو رہی ہو اس قوم کو یہ تو نہیں سمجھایا جا سکتا کہ تم رک جاؤ اور آنکھیں کھولو اور دیکھو۔ وہ اندھیرے ان کے اپنے دماغوں کی پیداوار ہیں وہ ان کو گھیرے میں لے لیتے ہیں۔ مومن کا نور بھی اس کے دل سے پھوٹتا ہے اور اس کے آگے آگے چلتا اور اندھیری راتوں کو مومن کے لئے روشن کر دیتا ہے۔ پس یہ عجیب راتیں ہیں جن میں کچھ تو ہیں جو اندھیروں میں بھٹکتے اور مزید بھٹکتے چلے جاتے ہیں۔ کچھ وہ ہیں جن کے دل کا پاک باطنی کا نور ان کے چہروں پر ہویدا ہوتا ہے ان کے آگے آگے روشنی کرتا ہوا چلتا ہے۔ تو ہرگز یہ توقع نہیں ہے کہ آپ میں سے کوئی ایسا انسان ہے یعنی پاکستان کے سیاستدانوں میں سے جو تقویٰ شعاری کے ساتھ، خدا کے نام پر، صداقت کی خاطر سینہ سپر ہو جائے اور قائداعظم کے نام کو دوبارہ اس ملک میں زندہ کر سکے۔

ہم نے اپوزیشن بھی دیکھ لی ہے اور حکومت بھی دیکھ لی ہے۔ وہ حکومت بھی دیکھ لی جو کبھی اپوزیشن تھی۔ وہ اپوزیشن بھی دیکھ لی ہے جو کبھی حکومت ہوا کرتی تھی۔ آئندہ کتنی بار یہ رات اور دن پلٹیں گے اللہ بہتر جانتا ہے۔ مگر کوئی بھی صداقت کے لئے روشنی کا پیغام نہیں لا سکا۔ اب جو موجودہ دور میں بات ہوئی ہے اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ کیسے کیسے بہادر لوگ ہیں۔ جو اعلان کیا گیا تھا ایک وزیر کی طرف سے اس کی مرکزی روح یہ تھی کہ اس نام پر ہم ظلم نہیں ہونے دیں گے اور عیسائیوں سے وعدہ ہو رہا تھا احمدیوں کی تو بات ہی کوئی نہیں تھی۔ عیسائی قوموں کے آگے ہاتھ جوڑے جا رہے تھے کہ بالکل پرواہ نہ کرو۔ مجال ہے جو کسی عیسائی کے خلاف ہتک رسولؐ کا مقدمہ دائر ہو جائے ہم یہ وعدہ کرتے ہیں۔ ہمیں اور احمدیوں کو ہمارے حال پر چھوڑ دو۔ مولویوں کو یہ خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں احمدیوں کو بھی کوئی انصاف کی ضمانت نہ دے دی گئی ہو اس پر جو ہنگامے انہوں نے کھڑے کئے ہیں اس پر جو ساری قوم کا حال ہوا ہے، کس طرح سیاستدان اپنے پاجاموں میں کانپے ہیں اور کیسی کیسی منتیں کی ہیں اور کہا کہ خدا کی پناہ، انا للّٰہ ہم تو سوچ بھی نہیں سکتے قادیانیوں کے حق میں انصاف کا فیصلہ! ہماری توبہ، ہماری بلا سے ہم ایسا نہیں کر سکتے اور اعلانات سے صفحوں کے صفحے اخباروں کے کالے ہوئے پڑے ہیں اور یہ مولوی ہے جو پیچھا نہیں چھوڑ رہا اور پھر ایک ایسا واقعہ رونما

ہوا ہے جو انصاف کی تاریخ میں کل عالم میں کہیں بھی رونما نہیں ہوا۔ نئی انصاف کی تاریخیں لکھی گئی ہیں کہ سپریم کورٹ کا گھیراؤ ملاں کر رہے ہیں کہ اگر تم نے انصاف کا فیصلہ کر دیا، یعنی یہ الفاظ اس کے اندر شامل ہیں، کہ اگر تم اس نتیجے پہ پہنچے کہ احمدیوں کو قرآن اور شریعت حق دیتے ہیں کہ ان کے خلاف ظالمانہ کارروائیاں جو قوم کر رہی ہے وہ نہ کرے تو پھر ہم تمہارا پیچھا نہیں چھوڑیں گے اور تم سے انتقام لیں گے اور اس کے نتیجے میں سپریم کورٹ کے یا ہائی کورٹ کے ججز کی طرف سے ظاہر ہے کوئی اعلان نہیں ہو سکتا اگر ہو سکتا تھا تو وہ نہیں ہوا مگر یہ ہو سکتا تھا کہ اگر انصاف کا تصور اس قوم کے نزدیک یہ ہے تو یہ ہمارے استعفے ہیں۔ یہ تمہاری ردی کی ٹوکری کے لائق ہیں، جہاں چاہو پھینکو ان کو مگر ہم باعزت اور باانصاف لوگ ہیں ہم ایسی قوم کی خدمت کرنے سے معذور ہیں جہاں انصاف کا یہ تصور ہو اور قوم کی نمائندگی میں برسر اقتدار آنے والی پارٹی کا یہ ردعمل ہو کہ عدلیہ گھیراؤ میں آ رہی ہے اور وہ آرام سے گھروں میں بیٹھے ہوئے ہیں اور منتیں کر رہے ہیں اور پھر نتیجہ کیا نکلتا ہے یہ اعلان تو نہیں کر سکتے ایسی توفیق ان میں بھی کسی کو نہیں ہوئی۔ لیکن ان کے ہوم منسٹر صاحب نے جو وزیر داخلہ ہیں انہوں نے اعلان کیا اور عجیب اعلان ہے کہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر سپریم کورٹ سے کوئی انصاف کا فیصلہ ہو گیا یعنی انصاف کے فیصلے سے مراد یہ ہے کہ یہ اس نتیجے پہ پہنچے کہ احمدی برحق ہیں، ان کا کوئی جرم نہیں ہے اور ان کے خلاف مقدمات جھوٹے ہیں اگر یہ فیصلہ سپریم کورٹ نے کر دیا تو میں استعفیٰ دے دوں گا۔ اب اس میں پیغام کیا مضمر ہے ساری دنیا دیکھ رہی ہے سن رہی ہے وہ اندازہ لگا سکتی ہے اس استعفے سے ملاں کی تسلی کیسے ہو سکتی ہے سوائے اس کے کہ کوئی مخفی ضمانت اس میں پوشیدہ ہو، سوائے اس کے کہ کوئی ان کہی باتیں ہوں اس کے اندر ورنہ اس کے نتیجے میں ملاں کا گھیراؤ اٹھانا بالکل بے معنی بات ہے۔ تو جس قوم کے انصاف کا یہ عالم ہو اور اس طرح اس کا پول ساری دنیا میں کھل جائے اس سے مجھے یہ توقع کہ عقل کی باتیں سن کر اپنے رویہ کو تبدیل کر لیں گے، یہ محال بات ہے، سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ میں تو حق گوئی سے کام لیتا ہوں انصاف کی توقع ہو یا نہ ہو، فائدہ اٹھانے کی توقع ہو یا نہ ہو آج کل عالم میں اسلام کے تصور انصاف کو پیش کرنے کی ذمہ داری جماعت احمدیہ کے سپرد ہے۔ پس گلف کرائسز ہو یا کوئی اور ایسا موقع ہو، یہ جانتے ہوئے کہ ہماری آواز صدا بصحرا ثابت ہو گی جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا ہے مَعْذِرَةً اِلٰی اللّٰہِ۔ اللہ کے حضور معذرت پیش کرتے ہوئے ہم اپنی

طرف سے اپنا فرض ادا کر دیتے ہیں اور اس ذمہ داری سے سبکدوش ہوتے ہیں۔

پس یہ وہ مضمون ہے جس کا اگلا حصہ دینی پہلوؤں سے تعلق رکھتا ہے۔ سیاست کے متعلق میں ضمناً صرف اتنا کہوں گا کہ بار بار بعض دفعہ خدا تعالیٰ آزمائش کرتا ہے اور ایک نہیں دو بار موقع دیتا ہے اور اگر بار بار ناشکری کی جائے اور ان موقعوں سے فائدہ اٹھا کر اصلاح نہ کی جائے۔ قوم کی سرداری سپرد کی جائے اور اس کے باوجود اپنی ذمہ داریوں کو ادا نہ کیا جائے تو پھر خدا تعالیٰ کی عذاب کی تقدیر بھی نازل ہو جایا کرتی ہے۔ وہ بہتر جانتا ہے کہ کب تک مہلت ہے اور کب تک نہیں ہے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ مہلت کے دن اب تھوڑے رہ گئے ہیں۔ اس لئے میں چاہتا تو یہ تھا کہ ایک ہی خطبے میں آج جلدی میں وہ ساری باتیں کہہ دوں مگر جب میں نے مضمون کو دیکھا اور اس کا احاطہ کرنے کی کوشش کی تو اتنا وسیع تھا کہ شاید دو خطبوں میں بھی پورا نہ ہو سکے شاید تین خطبوں تک یہ مضمون چل جائے۔ میری دعا ہے کہ اللہ مہلت کو اتنا لمبا تو ضرور کرے کہ کوئی عقل والے جو ہیں وہ بچ جائیں۔ عوام الناس میں جو شریف طبقہ ہے ان تک آواز پہنچے وہی سمجھ جائیں۔ اور ایسا بہت سا شریف طبقہ عوام الناس میں موجود ہے جو لاعلمی کے نتیجے میں غلط کاری میں ملوث ہے۔ تو جتنے آدمی بچ سکیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کا احسان اور اس کی رحمت ہے۔ حضرت نوحؑ کو کون ناکام کہہ سکتا ہے جن کے آنے پر چند کے سوا ساری قوم کی صف لپیٹ دی گئی تھی۔ کون بد بخت ہے جو یہ کہے گا کہ نوحؑ ناکام رہا۔ نوحؑ ناکام نہیں رہے بلکہ ہمیشہ ہمیش کے لئے قرآن نے ان پر سلامتی بھیجی ان چند آدمیوں کا بچانا بھی نوحؑ کی فتح تھی اور ان سب کا غرق ہو جانا بھی نوحؑ کی فتح تھی۔ پس سچائی اس بات سے مستغنی ہو جایا کرتی ہے کہ خدا کی تقدیر کس طرح ظاہر ہوتی ہے۔ خدا کی تقدیر سے کوئی مستغنی نہیں ہو سکتا مگر ان معنوں میں مستغنی ہو جاتی ہے کہ خدا کی تقدیر پر سچے لوگوں کا کوئی اختیار نہیں ہوا کرتا۔ وہ ہر تقدیر پر راضی رہنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔

پس ہماری کوشش تو یہی ہے سمجھانے کے نتیجے میں، دعاؤں کے نتیجے میں۔ جہاں تک کوئی قوم سنبھل سکتی ہے سنبھل جائے لیکن اگر ایسا نہ ہو سکے تو پھر جو خدا کی تقدیر ہے ہم اس پر راضی ہیں اسے تبدیل کرنے کی کسی انسان میں طاقت نہیں ہے وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ (الرعد: 12) کہ جب خدا تعالیٰ کسی قوم کو اسی کی بدیوں کی سزا

دینے کا فیصلہ کر لیتا ہے فَلَا مَرَدَّ لَهٗ کوئی نہیں ہے جو اسے ٹال سکے۔ کوئی نہیں ہے جو اس کے سزا کے فیصلے کے درمیان حائل ہو سکے وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ اور اور بھی مددگار اس قوم کو خدا کی پکڑ سے پھر بچا نہیں سکتے۔ کہیں دنیا میں کوئی ان کا مددگار باقی نہیں رہتا۔ تو بظاہر تو ایسے وقت کے قریب قوم کو پہنچایا جا رہا ہے لیکن اللہ بہتر جانتا ہے کہ ہماری گزشتہ گریہ وزاری کے نتیجے میں قوم کو اصلاح کا موقع اور دیتا ہے یا خدا کے نزدیک وہ حالت جا پہنچی ہے جس کے متعلق حضرت نوحؑ کو بتایا گیا تھا کہ اب ان میں جو بھی ہے وہ غلط کار لوگ پیدا کرنے والا ہے۔ اب اس قوم کو بدیوں کے گھیرے سے بچایا نہیں جا سکتا۔ تو جو بھی خدا کی تقدیر ہو گی حکمت پر مبنی ہو گی مگر جہاں تک سمجھانے کی باتیں ہیں وہ تو میں نے جیسا کہ بیان کیا ہے وہ ہمارا فرض ہے اور میں سمجھاتا رہوں گا۔

توہین رسالت کی بحث میں اب میں براہ راست مذہبی پہلو سے داخل ہوتا ہوں۔ سوال یہ ہے کہ صرف توہین رسالت کا سوال ہے یا توہین خداوندی کا بھی کوئی سوال ہے۔ یا ملائک کی توہین کا بھی سوال ہے یا کتب کی بھی توہین کا سوال ہے۔ توہین رسالت سے صرف حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی توہین کی مذموم کوشش ہے یا دیگر انبیاءؑ کی توہین کا بھی کوئی سوال ہے۔ یہ بھی سوال اٹھتا ہے کہ کیا وہ انبیاءؑ جو کسی قوم کے نزدیک سچے ہیں انہی کی توہین کا مسئلہ ہے یا ان کی توہین کا بھی مسئلہ ہے جن کو لوگ جھوٹا سمجھتے ہیں۔ ان کے متعلق قرآن کیا اجازت دیتا ہے؟

اگر قرآن یہ کہے کہ جن نبیوں کو تم سچا سمجھتے ہو ان کی عزت کی خاطر کھڑے ہو جاؤ اور ان کی توہین کرنے والوں کے خلاف سخت سے سخت قوانین بناؤ اور جن کو تم جھوٹا سمجھتے ہو ان کی تذلیل کی کھلی اجازت دو تو پھر ساری دنیا میں مذہب کے نام پر فساد پھیل جائے گا کیونکہ تمام دنیا میں بکثرت ایسے ہیں جو اکثر نبیوں کو جھوٹا سمجھتے ہیں۔ یہ علماء کی جہالت کی حد ہے کہ اس بات کو سمجھتے نہیں کہ اسلام کے سوا کوئی بھی ایسا مذہب نہیں جس نے تمام دنیا کے انبیاءؑ کی عصمت کی حفاظت کی ہو اور انہیں سچا قرار دیا ہو۔ اگر ہے تو کوئی نکال کے دکھائے اور ایسی جاہل قوم ہے کہ پاکستان کے علماء نے اخباروں میں جو بیان دیئے ہیں ان کی شہ سرخیاں لگی ہیں کہ صرف ایک اسلام ہے جس نے عصمت رسالت کا تصور پیش کیا ہے اور کسی قوم، کسی مذہب میں یہ تصور نہیں ہے یعنی آنحضرت ﷺ کی رسالت کی بات کرتے ہیں اور باقی انبیاءؑ کی نہیں۔ حالانکہ صرف ایک اسلام ہے جس نے تمام دنیا کے مذاہب کے نبیوں کی

عصمت کا اعلان کیا ہے اور ان کی توہین کو کراہت کی نظر سے اور ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہے۔ باقی سب مذاہب دوسرے تمام مذاہب کے انبیاءؑ کو جھوٹا سمجھتے ہیں۔

اس لئے اگر علماء کی یہ مراد ہے کہ قرآن یہ کہتا ہے کہ جن کو تم سچا سمجھو ان کی توہین کے خلاف قانون سازی کرو جن کو تم جھوٹا سمجھو ان کے متعلق کھلی چھٹی دو کہ جو چاہے جتنی چاہے سر بازار گالیاں دیتا پھرے تو پھر ساری دنیا میں مسلمانوں کے لئے تو موقع نہیں ہوگا لیکن تمام مذاہب کو کھلی چھٹی ہوگی کہ اسلام کے خلاف جتنی چاہیں گندی زبان استعمال کریں اور نعوذ باللہ من ذٰلک آنحضرت ﷺ کے خلاف جتنی چاہیں گندی زبان استعمال کریں اور اس پر ان کے خلاف تمہیں کوئی عذر نہیں ہوگا۔

کیونکہ قرآن کریم نے یہ مسئلہ اللہ کے حوالے سے اٹھایا ہے اور اصل بات اللہ کے حوالے سے ہی شروع ہونی چاہئے۔ یہ عجیب بات ہے کہ مولوی توہین رسالت کی باتیں کرتے ہیں توہین خداوندی کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ اس لئے بات وہاں سے شروع ہوگی جہاں سے قرآن شروع کرتا ہے، جہاں سے عقل کا تقاضا ہے کہ بات شروع کرو۔ انبیاءؑ کوئی عزتیں گھر سے تو نہیں لے کے آئے، انبیاءؑ کو تو تمام تر عزت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنایت ہوئی ہے۔ اگر اللہ ہی کی عزت باقی نہ رہے تو انبیاءؑ کی عزت کو کسی نے کیا کرنا ہے۔ اس لئے بات اللہ کے حوالے سے شروع ہوگی۔

پہلا سوال یہ اٹھتا ہے اور قوم کو چونکہ علم نہیں کہ مذہب کیا ہے یا قرآن کیا کہتا ہے۔ اس لئے میں ان کو یہ حوالہ دے کر سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ آپ کو کم سے کم مولویوں سے یہ پوچھنا تو چاہئے کہ اللہ کی عصمت کا بھی قرآن کریم میں کہیں ذکر ہے کہ نہیں؟ کہیں اللہ کی توہین کا مضمون بھی بیان ہوا ہے کہ نہیں؟ اگر ہوا ہے تو دکھاؤ کہاں ہوا ہے! اور پھر وہاں وہ جگہ بھی بتاؤ جہاں اس کے خلاف کسی سزا کا اعلان کیا گیا ہو۔ یہ سوال کیوں نہیں اٹھایا جاتا؟ اسمبلی کے کسی ممبر نے کسی ملاں سے مڑ کے یہ سوال نہیں کیا لیکن ملاں نے تو آپ کو جواب نہیں دینا۔ میں آپ کو بتاتا ہوں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ کتنا عظیم جواب ہے اس سوال کا! اس سوال کا بھی حل آ گیا جو میں نے فرضی طور پر اٹھایا تھا کہ کسی کو سچا سمجھو تو عزت کرو یا جھوٹا سمجھنے کے باوجود بھی تمہارا فرض ہے کہ عزت کرو اور قوم کا دل نہ دکھاؤ۔ قرآن کریم اللہ کے حوالے سے یہ مسئلہ اٹھا رہا ہے۔ فرماتا ہے

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو۔ مومنوں کو مخاطب کر کے فرماتا ہے۔ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ تمہیں ہم اس بات کی بھی اجازت نہیں دیتے کہ ان جھوٹے خداؤں کو گالیاں دو جن کو وہ خدا کے سوا معبود بنائے بیٹھے ہیں یہ اللہ کی تعلیم ہے۔ اس کے مقابل پر ملاں کی بد بخت تعلیم کے منہ پر تھوکنے کو بھی دل نہیں چاہتا۔ کتنی عظیم تعلیم ہے، مسلمانوں کو روکا جا رہا ہے کہ تمہارا فرض ہے کہ جس کو کوئی خدا سمجھتا ہے اس سے بحث نہیں ہے کہ وہ سچا ہے کہ جھوٹا ہے، ہم جانتے ہیں کہ وہ جھوٹا ہے، ہم تمہیں اجازت نہیں دیتے کہ ان جھوٹے خداؤں کو بھی گالیاں دو۔ نتیجہ پھر کیا نکلے گا فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ پھر ان کو حق حاصل ہو جائے گا کہ وہ اللہ کو گالیاں دیں اور علم نہ ہو کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ پس روکا ہے تو مسلمانوں کو روکا ہے۔ غیروں کو نہ روکا ہے نہ ان کے لئے کوئی سزا مقرر فرمائی ہے بلکہ یہ کہا کہ اگر تم ایسا کرو گے تو غیروں کو حق حاصل ہو جائے گا۔ ایک عقلی انسانی سطح پر حق حاصل ہو جائے گا کہ وہ بھی جوابی کارروائی کریں تم جھوٹے خدا کو گالیاں دے کر اپنے منہ گندے کرو گے اور اس سے ان خداؤں کو کچھ پہنچے گا بھی نہیں۔ وہ ہیں ہی نہیں۔ جو فضا میں چیز ہی نہیں اس پر فائر کرنے سے وہ مرے گی کہاں سے۔ لیکن تم اپنے خدا پر وہ فائر کروالو گے۔ اسے ان کی بدبختیوں کے تیروں کا نشانہ بنا دو گے۔ پس کتنی پاکیزہ، کتنی گہری، کتنی عقل پر مبنی تعلیم ہے۔ نہ قوم کو پتا، نہ مولویوں سے اس قسم کے سوال کئے جاتے ہیں بلکہ ڈر کے مارے جان نکلی جاتی ہے۔ اوہو! ہو! یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ خدا کی اور رسولوں کی عزت کا معاملہ ہو اور ہم کوئی اور کارروائی کر بیٹھیں۔ پتا ہی نہیں عزت ہوتی کیا ہے۔ پتا نہیں قرآن کیا کہہ رہا ہے۔ اللہ کے حوالے سے بات شروع ہونی چاہئے قرآن نے اللہ ہی کے حوالے سے بات شروع کی ہے اور یہ تعلیم دی ہے اب یہ سوال ہے کہ ہیں تو وہ جھوٹے، ہم تو جانتے ہیں کہ وہ جھوٹے ہیں، تو پھر خدا یہ کیوں کہتا ہے کہ تم نے کچھ نہیں کہنا۔ وجہ بیان فرمائی كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ کہ تم لوگ اتنی بات بھی نہیں سمجھتے کہ نفسیاتی لحاظ سے ہر شخص اپنے اعمال کو اچھا سمجھ رہا ہوتا ہے۔ وہ لوگ جو جھوٹے خداؤں کی عبادت کرتے ہیں ان کے دل میں واقعی ان خداؤں کی محبت ہوتی ہے اور ہر شخص اپنے عمل اور اپنے عقیدے کو خوب صورت بنا کے دیکھ رہا ہوتا ہے پس اگر وہ لوگ جو ان کو بدنظر سے دیکھتے ہیں یا حقیقت میں مکروہ سمجھتے ہیں وہ ان پر کھلے حملے کرنے شروع کریں تو مذہب کی دنیا میں ایک عام خانہ جنگی شروع ہو جائے گی جس کا کوئی

نیک انجام نہیں ہوسکتا۔ تو پھر حل کیا ہے؟ فرمایا ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمۡ مَّرۡجِعُهُمۡ گھبراہٹ کیا ہے، جلدی کیا ہے۔ تم سب نے خدا کے حضور حاضر ہونا ہے۔ ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمۡ مَّرۡجِعُهُمۡ ان سب کا بالآخر انجام یہ ہے کہ خدا کے حضور لوٹائے جائیں گے فَيُنَبِّئُهُمۡ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ وہ ان کو بتائے گا کہ ان کے اعمال کیسے تھے، حسین تھے یا بد تھے۔ پس اگر خدا نہیں ہے تو پھر مولویوں کی جلدی اور گھبراہٹ قابلِ فہم ہے۔ پھر اس دنیا میں اگر ان کی سزا سے کوئی بچ کے نکل گیا تو پھر کسی کے ہاتھ بھی نہیں آئے گا۔ اس لئے ان کی گھبراہٹ واقعۃً قابلِ فہم ہے جب خدا ہے ہی کوئی نہیں تو جو سزا دینی ہے اس دنیا میں دے لو مرنے کے بعد پھر کیا ہونا ہے۔ لیکن اگر خدا ہے اور خدا ہے اور خدا ہی کے نام پر سارے قصے ہیں تو پھر انسان کو کسی گھبراہٹ اور تکلیف کی ضرورت نہیں ہے۔ ہر ایسے بد بخت کو خدا خود سزا دے گا جو اللہ تعالیٰ کی عزت پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کرے گا۔ اور اس ساری آیت میں کہیں اشارۃً یا کنایۃً بھی بندوں کو اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر اللہ کی ناموس کے نام پر ایک دوسرے پر تلوار چلانا شروع کردیں۔

اب چونکہ وقت ختم ہو گیا ہے اور ریڈیو والے شکایت کرتے ہیں کہ آپ اگر وقت پر خطبہ ختم نہ کریں تو ٹیلی ویژن کا وقت تو لمبا ہے ریڈیو کا صرف ایک گھنٹے کا ہے اور عین اس وقت جبکہ بات آخر پر پہنچی ہوتی ہے ہم محروم رہ جاتے ہیں۔ تو اس لئے میں نے سوچا تھا کہ عین وقت پر آج ختم کروں گا۔ چونکہ مضمون بہت لمبا ہے ہوسکتا ہے آئندہ ایک دو یا شائد تین خطبوں تک بھی مضمون چل جائے۔ لیکن ایک دفعہ میں مضمون کے ہر پہلو کو اس طرح خوب کھول کر، نتھار کر قوم کے سامنے پیش کر دینا چاہتا ہوں اس کے بعد پھر ان کا خدا کے ساتھ معاملہ ہوگا اور ہم اللہ تعالیٰ کے حضور بری الذمہ ٹھہریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

شرک فی التوحید اور شرک فی الرسالت کی وضاحت

توہین رسالت کا قانون احمدیوں پر تبر چلانے کیلئے ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 22 / جولائی 1994ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا۔

آج بھی دنیا میں مختلف مقامات پر جماعت احمدیہ کے یا ذیلی تنظیموں کے اجلاسات ہو رہے ہیں اور ان کی خواہش ہے کہ ان کے ان اجلاسات کا اعلان کر دیا جائے تا کہ احباب ان کو دعاؤں میں یاد رکھیں۔ ضلع میر پور خاص سے اطلاع ملی ہے کہ مجلس خدام الاحمدیہ اور اطفال الاحمدیہ کا جو سالانہ اجتماع ہے آج 22 / جولائی سے شروع ہو رہا ہے اور دو دن تک انشاء اللہ تعالیٰ جاری رہے گا۔ خدام الاحمدیہ گوجرانوالہ کی تین مجالس کا سالانہ اجتماع بھی آج منعقد ہو رہا ہے۔ مجلس انصار اللہ بنگلور (بھارت) کا دوسرا سالانہ صوبائی اجتماع 24 / جولائی بروز اتوار منعقد ہو رہا ہے اور کل 23 / جولائی کو لجنہ اماء اللہ ڈھاکہ کا ایک سیمینار اور خدام الاحمدیہ سکاربرا کینیڈا کا سالانہ اجتماع منعقد ہو گا۔

گزشتہ خطبے میں میں نے ذکر کیا تھا کہ پاکستان میں گستاخیءِ رسول کے نام پر کچھ ہنگامے ہوئے، کچھ شور پڑا، کچھ حکومت کو یوں محسوس ہوا جیسے زلزلہ طاری ہو گیا ہو۔ کچھ معافیاں مانگی گئیں، کچھ بیانات سے لوگ منحرف ہوئے۔ ایک عجیب وغریب سا ہنگامہ ہوا تھا اس کے متعلق میں ذکر کر رہا تھا کہ یہ کیوں ہو رہا ہے اور کیا ہو رہا ہے اور یہ خیال تھا کہ میں انشاء اللہ آئندہ خطبے میں اس کی مذہبی

حیثیت پر کھل کے روشنی ڈالوں گا کیونکہ مضمون لمبا ہے اس لئے میں نے یہ بھی کہا تھا کہ ہوسکتا ہے آئندہ دو تین خطبات تک یہ سلسلہ چلے۔ آج ابھی تمہید ہی ختم نہیں ہوئی اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ شاید ہی مذہبی حصے کی باری آئے کیونکہ اس کے علاوہ بھی ایک دو اعلانات کرنے ہیں مثلاً جلسہ جو قریب آرہا ہے اس کے متعلق چند ہدایات ایسی تھیں جو ذکر سے رہ گئی تھیں ان کا ذکر بھی ہوگا۔ روانڈا کے متعلق ایک تحریک کرنی ہے پس ان تمام امور سے شاید اتنا وقت نہ بچے کہ مذہبی حصے کا کم سے کم ایک پہلو ہی پوری طرح بیان کیا جاسکے۔

پاکستان میں جو کچھ ہورہا ہے درحقیقت سیاست کی قلابازیاں ہیں اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ علماء نے بھی سیاستدانوں کی دکھتی رگ پکڑی ہوئی ہے اور علماء کی دکھتی رگیں بھی سیاست کے ہاتھوں میں ہیں اس لئے جیسے کوئی مداری کسی کھلونے کے بٹن دباتا ہے اور کرتب کرتا یا کراتا ہے ویسے ہی کرتب وہاں دکھائے جارہے ہیں جو اتنا بڑا ہنگامہ بیان کیا گیا کہ علماء نے سپریم کورٹ کا گھیراؤ کرلیا اس کی جو تصویریں وہاں سے پہنچی ہیں وہ میں آپ کو دکھاؤں کتنا بڑا علماء کا سپریم کورٹ کا گھیراؤ تھا۔ پندرہ بیس کل ہیں جن میں سے دو چار داڑھی والے مولوی ہیں باقی ان کے شاگرد اور لگی لپٹی باتیں کرنے والے اس کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے اور جو آنکھوں دیکھا حال لوگوں نے بیان کیا ہے اسے سن کے ہنسی آتی ہے کہ چند مولوی گھیراؤ کے نام پر سپریم کورٹ کے سامنے جا کر بیٹھ گئے اور پاکستان کا مرکزی حکومت کا وزیر خود ان کے احترام میں ان سے درخواست کرنے آیا کہ آپ سے ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہرگز کچھ نہیں ہوگا، آپ چلیں ہمارے ساتھ۔ چنانچہ تھوڑے سے نخروں کے بعد وہ ان کے ساتھ روانہ ہوگئے۔

سوال یہ ہے کہ ان کا مطالبہ کیا تھا؟ ان کا مطالبہ سپریم کورٹ سے تھا اور سپریم کورٹ پر دباؤ تھا کہ اگر تم نے ہماری مرضی کے فیصلے نہ کئے تو ہم یہ گھیراؤ بند نہیں کریں گے۔ ایک وزیر یا ساری کیبنٹ کا کیا حق تھا کہ سپریم کورٹ کی طرف سے ان سے کوئی وعدہ کرتی۔ اس لئے اندر کی کہانی کھلم کھلا باہر آگئی ہے۔ جیسے کہتے ہیں نا انگریزی میں بلی تھیلے سے باہر آگئی تو پاکستان کی بلیاں ساری کی ساری تھیلے سے باہر دکھائی دیتی ہیں۔ عجیب وغریب واقعہ ہے چند علماء کا اکٹھے ہونا اور پھر اتنی بڑی اخباروں میں بیان بازی کہ گویا بہت ہی عظیم الشان ایک واقعہ ہوگیا ہے اور ناموس رسولؐ کی خاطر علماء

کٹ مریں گے اور ملک برداشت نہیں کرے گا کہ اس کے خلاف کوئی بات ہو اور پھر حکومت کا سر جھکانا کہ ہم کون ہوتے ہیں ناموس رسولؐ کے خلاف کوئی بات کرنے والے۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کوئی ایسا نہیں پیدا ہوا یہاں جو ناموس رسولؐ کے خلاف بات کرے۔ اس لئے آپ سپریم کورٹ کا گھیراؤ چھوڑ دیں اور سپریم کورٹ کے متعلق جو آپ کا دباؤ ہے وہ فکر نہ کریں ہم ذمہ دار ہیں۔ اگر سپریم کورٹ نے ایسا ویسا فیصلہ دیا تو ہم استعفیٰ دے دیں گے۔ یہ کیا تماشہ ہے، کیا کھیل ہے؟ اس کا دوسرا نام نورا کشتی بھی ہے اور پاکستان میں نورا کشتی بہت ہوتی ہے لیکن عجیب بات ہے کہ نورا کشتی کے دنگل میں تبھی لوگ دلچسپی لیتے ہیں اگر احمدیوں کو بیچ میں بٹھایا جائے اور ان کے گرد پھر نورا کشتی کے کھیل ہوں، باقی معاملات میں نورا کشتی نہیں ہوتی۔

پرانے زمانے کی بات ہے احمدیوں کے معاملے میں اتنے ہنگامے ہوئے 74ء کے بعد تقریریں ہوئیں۔ ٹیلی ویژن پر پرائم منسٹر صاحب نے اعلان کئے کہ میں کوئی گولی اپنے عوام کے اوپر نہیں چلنے دوں گا جو مرضی کرلو۔ لیکن بلوچستان میں ہزار ہا بلوچیوں کو فوج کشی کے ذریعے بھون ڈالا گیا اور وہاں نورا کشتی نہیں ہوئی۔ یہ فرق ہے ایک، وہ سمجھانا چاہتا ہوں۔ جہاں حکومت کو یہ اطمینان ہو کہ احمدیوں کا گوشت ان لوگوں کے سامنے پھینک دیا جائے تو حکومت کا ادنیٰ سا بھی نقصان نہیں ہوگا بلکہ ان کی وفاداریاں خریدی جاسکتی ہیں اور ان سے پھر اور بہت سے کام لئے جاسکتے ہیں وہاں حکومت ایک ذرہ بھی اس بات کی پرواہ نہیں کرتی کہ معصوم احمدیوں کو ان مولویوں کے آگے ڈالا جائے اور کیسے کیسے ان پر مظالم کروائے جائیں۔ ایک ادنیٰ سی بھی پرواہ حکومت کو نہ انصاف کی، نہ حسن سلوک کی، نہ شہریت کے حقوق کی کچھ بھی باقی نہیں رہتی اور جہاں معاملہ حکومت کا اپنا آجائے حکومت کو خطرہ ہو کسی تحریک سے وہاں ہر قسم کی فوج کشی بھی شروع ہو جاتی ہے اور پولیس ایکشن کا بھی کوئی کنارہ باقی نہیں رہتا۔ یہاں تک کہ بھٹو صاحب کے مزار کے گرد بھی گولیاں چل جاتی ہیں۔ آخر وہاں کیوں عوام الناس کا خون قیمتی نہیں ہے۔ وہاں ان چھاتیوں پر کیوں گولیاں برسائی جاتی ہیں؟ یہ مسئلہ ہے جو آپ لوگوں کو خوب ذہن نشین کر لینا چاہئے تاکہ آئندہ جب کوئی اس قسم کی نورا کشتیاں ہوں تو معصوم احمدی بھولے پن میں مجھے یہ نہ لکھنا شروع کر دیں کہ انقلاب آ گیا۔ وہ انقلاب جو آئے گا وہ اوپر آئے گا وہ آسمان پر آئے گا اور آسمان سے اترے گا پھر کسی کی مجال نہیں کہ اس انقلاب کی راہ روک

سکے۔ اس لئے کھیل تماشوں کو انقلاب نہ سمجھا کریں۔ واقعہ یہ ہے کہ سیاستدان بہت مشکلات میں ہیں اور ایک ان پر یہ تاثر ہے کہ احمدیوں کے معاملے میں اگر ہم نے کوئی بھی سختی کی تو اس بہانے فوج واپس آ جائے گی اور سیاست کی صف لپیٹی جائے گی۔ یہ ایک پرانا نظریہ چلا آ رہا ہے۔ پیپلز پارٹی کے آغاز کے وقت کی بات ہے پیپلز پارٹی ہی میں یہ ایجاد ہوا تھا کہ جب بھی احمدیوں کے خلاف تحریک کو کچلا گیا تو مارشل لاء لگ گیا۔ اس لئے مارشل لاء سے ملک کو بچانے یا اپنی جانیں چھڑانے کے لئے ضروری ہے کہ احمدیوں کو جن کے سامنے ڈالنا ہے وہ چیریں پھاڑیں جو مرضی کریں کوئی پرواہ نہیں ہے لیکن مارشل لاء کا خطرہ مول نہیں لینا۔ اس کے برعکس جب سیاسی تحریکیں زور پکڑتی ہیں تو وہاں کیوں گولی چلتی ہے وہاں کیوں گلیوں میں خون بہائے جاتے ہیں۔ وہاں کیوں وسیع پیمانے پر قیدیں ہوتی ہیں۔ کیا ان دونوں باتوں میں تضاد ہے؟ یہ مسئلہ ہے جو میں کھولنا چاہتا ہوں۔ درحقیقت کوئی تضاد نہیں۔ اس صورت میں دو ہی ان کو احتمالات دکھائی دیتے ہیں یا تو اس تحریک کے نتیجے میں ہم ذلیل و خوار ہو کر اتریں گے اور ان رقیبوں سے جوتیاں کھائیں گے یا مارشل لاء آئے گا نہ ہم رہیں گے نہ یہ رہیں گے۔ اس وقت مارشل لاء ایک بہت قیمتی چیز اور Wellcome چیز دکھائی دیتی ہے۔ اس وقت ان سیاستدانوں کی نظریں حقیقت میں مارشل لاء پر لگی ہوتی ہیں۔ یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ رقیب روسیاہ حکومت میں آ جائے۔ وہ کہتے ہیں ان کو تو بہر حال اتارو مارو کوٹو جس طرح بھی چاہو جیلوں میں ٹھونسو، ان کی چھاتیاں بھون دو گولیوں سے، لیکن آنے نہ دو یا تو یہ مر کے ختم ہو جائیں گے اور ہم حکومت کریں گے یا اگر آیا تو مارشل لاء ہی آئے گا نا، ان کا بھی حق حکومت سے جاتا رہے گا ہمارا بھی جاتا رہے گا۔

پس جو اس سے پہلے مارشل لاء تھا جو ضیاء کا مارشل لاء لگا ہے اس میں احمدیوں کے معاملے کا کوئی بھی دخل نہیں تھا۔ کوئی دور کی بھی بات احمدیت کی نہیں تھی۔ اس لئے مارشل لاء سے تو ان کو نجات ممکن نہیں ہے۔ جب لگنا ہے جیسا بھی لگنا ہے وہ تو ان کا مقدر بن چکا ہے۔ جہاں سیاست میں اخلاق باقی نہ رہیں جب سیاست میں اصول نہ چلیں۔ جہاں ہر چیز، ہر حربہ، ہر پارٹی کے لئے جائز ہے خواہ وہ حکومت میں ہو یا حکومت سے باہر ہو۔ جہاں ملک میں عوام الناس کے احساسات نہ حکومت پارٹی کو ہوں نہ اپوزیشن پارٹی کو ہوں، صرف حکومت کی بھوک ہو اور اس کی طلب سب کچھ کروا ڈالے۔ جہاں یہ دستور سیاست ہو وہاں سیاست نہیں چلا کرتی۔ آج نہیں تو کل ضرور نا کام ہو

جاتی ہے۔ احمدیت کے معاملے کو ایک طرف کر کے دیکھ لیجئے پہلے بھی تو کر چکے ہیں۔ پھر کب آپ کو مارشل لاء سے نجات ملی تھی۔ تاریخ پاکستان کا بدترین مارشل لاء وہ تھا جو احمدیت کی وجہ سے نہیں آیا بلکہ آپ کی آپس کی لڑائیوں کی وجہ سے آیا ہے۔ ان تحریکات کے نتیجے میں آیا جو بھٹو صاحب کے خلاف مہم چل رہی تھی اور اگر اب حکومت سمجھتی ہے کہ بھٹو صاحب کی پارٹی کے خلاف اب جو تحریکات چل رہی ہیں ان میں احمدی گوشت پھینک کر ہم ان خونخواروں سے نجات حاصل کر لیں گے تو جھوٹ ہے، وہم ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو تاریخ پاکستان کا علم ہی کوئی نہیں۔ کوئی اس سے سبق حاصل نہیں کیا۔ مارشل لاء ناانصافی سے لگتا ہے۔ مارشل لاء بے حیائی کے نتیجے میں لگتا ہے۔ اس وقت لگتا ہے جب فوج پہلے ہی تیار ہوتی ہے اور فوج میں بھی بہت آنکھیں ہیں جو حرص کے ساتھ حکومت کو دیکھ رہی ہوتی ہیں کہ جہاں ایسا بہانہ مل جائے کہ عوام یقین کر لیں کہ اب چارہ کوئی نہیں تھا اس کے سوا وہاں ضرور دخل دیا جائے اور جب یہ بہانہ ہاتھ آ گیا جب عوام الناس میں یہ بات عام ہوگئی کہ دیکھو سیاست پھر ناکام ہوگئی ہے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت مارشل لاء سے ملک کو بچا نہیں سکے گی۔ مارشل لاء سے پہلے کے بیان بھی تو کبھی پڑھ کے دیکھیں۔ تمام فوجی افسر یہی بیان دیتے ہیں ہمیں تو کوئی دلچسپی نہیں۔ دو دن پہلے تک یہی بیان آ رہے ہوتے ہیں اس لئے بیانات کی کیا بات ہے۔ اپنے حالات درست کرو، اپنے کردار درست کرو، اصولوں پر قائم ہو تو ملک بھی بچے گا اور آپ بھی بچیں گے۔ اگر یہی ہلڑ بازی رہی جیسی کہ چل رہی ہے اور پھر ناانصافی کی حد کہ جماعت احمدیہ کو ہر دفعہ اپنے مفادات کی خاطر قربان کرنے کے لئے ظالموں کے رحم و کرم پر پھینک دیا جائے جہاں رحم و کرم نام کی کوئی چیز باقی نہیں ہے۔ اور جہاں مذہب سے تمسخر کیا جائے، مذہبی اقدار سے کھیلا جائے وہاں کب تک آخر آپ مارشل لاء سے بچیں گے۔ وہی محاورہ صادق آتا ہے کہ بکرے کی ماں آخر کب تک خیر منائے گی، کبھی تو چھری کے نیچے آئے گی۔ تو بکرے کی مائیں بنے بیٹھے ہو اور کہتے ہو کہ مارشل لاء سے گریز کرو، مارشل لاء سے بچنے کی کوشش کرو، یہ تو ممکن نہیں ہے۔ اپنی ادائیں بدلو تو پھر ضرور ہے اور ہونا یہی چاہئے اور میں تو سب سے زیادہ مارشل لاء کے خلاف اپنے خطبات میں ذکر کر چکا ہوں اور فوج کو اچھی طرح سمجھا چکا ہوں کہ دیکھو کہ یہ کوئی طریق نہیں ہے۔ ملک کی سیاست کو درست کرنے میں اثر انداز ہو۔ جب بے اصولیاں ہوتی ہیں تم چپ

کر کے ایک طرف بیٹھے رہتے ہو اور کہتے ہو جی سیاست آزاد ہے۔ اور جب جانتے ہو کہ وہ بے اصولیاں حد برداشت سے باہر چلی جائیں گی اور تمام حدود پھلانگ دیں گی پھر تمہیں موقع ملے گا اور تم پوری طرح آ کر ساری سیاست کی صف لپیٹ دو گے۔ یہ وفاداری نہیں ہے۔ یہ انصاف نہیں ہے۔ فوج کا کام ہے اپنا دباؤ اس وقت ڈالے جبکہ بے حیائیاں ہو رہی ہوں جیسا کہ اب ہو رہی ہیں۔ جو پاکستان میں نورا کشتی کھیلی جارہی ہے اس کا حقیقت میں مذہب سے کوئی بھی تعلق نہیں ہے۔

میں مثال کے طور پر آپ کے سامنے صورتحال رکھتا ہوں۔ علماء کے بیانات پہلے سن لیجئے یہ جو دس پندرہ علماء ہیں جنہوں نے گھیراؤ کیا ہوا تھا سپریم کورٹ کا۔ ہاں یہاں بھی ایک سوال اٹھتا ہے کہ اگر سپریم کورٹ کا گھیراؤ ہو تو کوئی با اصول حکومت کیا کرتی ہے۔ اگر سپریم کورٹ کا گھیراؤ ہوا اور اس گھیراؤ کے سامنے کوئی حکومت سر تسلیم خم کر دے تو اس کا مطلب ہے کہ آخری سہارا ملک کے بچاؤ کا بھی ہاتھ سے جاتا رہا کیونکہ سپریم کورٹ انصاف کی آخری ذمہ دار اور علمبردار ہے۔ اگر اس پر چھوکرے دباؤ ڈال دیں یا داڑھی والے بچے دباؤ ڈال دیں اور حکومت برداشت کر جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ سپریم کورٹ کی کوئی عزت، اس کے پاس انصاف کی کوئی ضمانت باقی نہیں رہی۔ اور پھر سپریم کورٹ کے جج کو دیکھیں کہ آرام سے بیٹھے ہوئے ہیں۔ کسی عزت والے، غیرت والے ملک میں ایسے واقعات نہیں ہوا کرتے۔ انگلستان ہو یا امریکہ ہو یا یورپ کا کوئی آزاد ملک ہو یا مشرق بعید کے آزاد اور عزت دار ملک جو ہیں وہاں یہ ناممکن ہے کہ ایسا واقعہ ہو، اگر دباؤ ڈالا جائے عدالت پر اور حکومت دخل اندازی نہ کرے اور دباؤ ڈالنے والوں کو سخت سزائیں نہ دے تو تمام جج ایسی صورت میں اپنی عدالتوں سے استعفیٰ دے کر باہر چلے جائیں گے اور خطرناک قسم کا عدلیہ بحران پیدا ہو سکتا ہے۔ لیکن ہمارے ملک کے جج بھی ماشاءاللہ آرام سے بیٹھے ہوئے ہیں جوں تک نہیں رینگی سر پہ کہ کیا واقعہ ہو گیا ہے۔

اور جہاں تک علماء کے بیانات کا تعلق ہے ان کو دیکھئے ذرا۔ ’’حکومت کو جان لینا چاہئے کہ توہین رسالت کے قوانین میں ترمیم کرنے والوں کے خلاف عوام خود تحریک چلائیں گے حکومت کو ہوش کے ناخن لینے چاہئیں کیونکہ عوام میں ابھی تک اتنی ہمت ہے کہ وہ حکمرانوں کے اس قسم کے مذموم ارادوں کو ناکام بنا دیں‘‘ (بیان مولوی اعظم طارق۔ روزنامہ جنگ لندن 12 / جولائی 1994ء) سوال یہ ہے کہ وہ مذموم ارادے تھے کیا؟ معافیاں کس بات کی مانگی جارہی ہیں۔ یہ اعلان کیوں ہو رہا ہے کہ

ہاں ہاں ہم تو کبھی سوچ بھی نہیں سکتے رسول اللہ ﷺ کی ہتک۔ کس نے ہتک کی تھی؟ کس نے ہتک کرنے والوں کی حمایت کی تھی؟ کوئی ایسا واقعہ تو ہوا ہو۔

بیان جس سے بعد میں کنارہ کشی اختیار کر لی گئی وہ یہ تھا کہ جو قانون ملک میں رائج ہے۔ دفعہ 295۔سی کے تابع اس کا غلط اطلاق ہم نہیں ہونے دیں گے اور یہ جو خطاب تھا یہ عیسائی دنیا سے تھا۔ احمدیت کا کہیں اشارۃً بھی کوئی ذکر اس میں نہیں تھا۔ ایک عیسائی ملک میں جو عیسائیت میں سب سے زیادہ یورپ میں متشدد ہے یعنی آئر لینڈ وہاں یہ بیان دیا گیا تھا کہ دیکھو گھبراؤ نہیں۔ یہ ہمارے جو قوانین ہیں آنحضرت ﷺ کی عزت کی حفاظت کے نام پر، ان کی طرف ان کا رخ ہی نہیں ہے جو بے عزتی کرنے والے لوگ ہیں۔ جو گستاخی کرتے ہیں ان سے ان قوانین کا کیا تعلق ہے، تمہیں کیا فکر ہے، جو عشق میں جان دینے والے ہیں یہ تو ان کے خلاف بنایا گیا ہے اس لئے حکومت اس بات کی ضمانت دیتی ہے کہ آئندہ کبھی کسی عیسائی کو اس قانون کے تابع نہیں پکڑا جائے گا۔ یہ الفاظ نہیں تھے مفہوم یہ تھا جو سارے یورپ نے سمجھا اور مولویوں کو یہ وہم پیدا ہوا کہ کہیں عیسائیوں کی گردن چھوڑتے چھوڑتے یہ احمدیوں کی گردنیں نہ چھوڑ دیں۔ اور صرف یہ مبحث تھا جس کے اوپر سارا شور پڑا ہے۔

جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا ہے اور میں اب بھی آگے جا کے ثابت کروں گا سب سے زیادہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی ناموس پر فدا ہونے والی جماعت احمدیہ ہے۔ سب سے زیادہ ناموس مصطفیٰ میں فدا اور عاشق اور دن رات درود بھیجنے والی اور تمام دنیا میں حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے اعلیٰ اور برتر مقام کو ثابت کرنے اور قائم کرنے والی جماعت احمدیہ ہے۔ اس لئے جو مرضی کہتے پھریں یہ تو فرضی باتیں کہیں کر رہے ہیں۔ جماعت احمدیہ کا تو ان قوانین سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں اور آگے جا کر جیسے بات کھلے گی یہ سب فرضی قصے ہیں۔ مگر مولویوں کے ہاتھ میں حکومت نے جماعت احمدیہ کی گردن تھما دی تھی یہ کہہ کر کہ مرتد کا قانون تو ہم بنا نہیں سکتے، مجبوری ہے، بین الاقوامی قوانین اجازت نہیں دیتے اس لئے اس قانون کو استعمال کرتے ہوئے جتنے احمدیوں کو چاہو متّہم کر کے ان کو تختہ دار پہ چڑھا دو۔ اس میں حکومت تم سے تعاون کرے گی۔ یہ سازش تھی جس کے متعلق ان کو وہم پیدا ہوا کہ کہیں حکومت اس سازش سے پھر نہ گئی ہو یعنی اپنا کردار ادا کرنے سے پھر نہ گئی ہو، اس پر انہوں نے شور ڈالا۔

پھر ایک بیان جاری ہوا قائم مقام امیر جماعت اسلامی کی طرف سے ’’توہین رسالت کی سزا کے بارے میں وزیر اعظم واضح اعلان کریں کوئی بھی مسلمان اس سلسلے میں نرمی برداشت نہیں کر سکتا۔ (حکومت) دوٹوک انداز میں واضح اعلان کرے کہ یہ جرم پہلے کی طرح قابلِ دست اندازی پولیس ہے اوراس کے مرتکب کی سزا موت ہوگی۔‘‘ (بیان چودھری رحمت الٰہی۔روزنامہ جنگ لندن 12/جولائی 1994ء)

پھر اعلان تھا ’’توہین رسالت کے قانون میں ترمیم کو برداشت نہیں کیا جائے گا۔بعض شر پسند اپنی سیاست کو چمکانے کی خاطر توہین رسالت کی سزا کو ایشو بنا رہے ہیں۔‘‘ (بیان حافظ محمد سلیم۔ روزنامہ مشرق لاہور 7/مئی 1994ء ص 4)۔ پھر ایک ملاں کی طرف سے بیان تھا ’’وزیر قانون توہین رسالت کے مرتکب ہوئے ہیں‘‘ یہ مولانا درخواستی کا اعلان تھا۔ پھر اعلان تھا مولانا محمد اجمل صاحب کا اور سید نفیس شاہ بے شمار نام ہیں ان کا خلاصہ یہی ہے کہ ’’اسلامی قوانین کو متنازع قرار دیا گیا تو تحریک چلائیں گے‘‘ (روزنامہ جنگ لندن۔19/دسمبر 1993ء)

اقبال حیدر صاحب کے بیان پر ردعمل کے طور پر ملک میں ان کے سر کی قیمت لگ گئی اور چند لاکھ روپے میں وزیر قانون کا سر مارکیٹ میں بکنے لگا۔ پھر اعلان کیا ’’حکومت توہین رسالت کے قانون یا سزا میں تخفیف کا نہ ارادہ رکھتی ہے اور نہ ایسا کرنے کا سوچ سکتی ہے یہ وفاقی کابینہ کا بیان ہے پوری کیبنٹ بیٹھی ہے اور اس نے یہ اعلان کیا ہے اور خالد کھرل نے کہا کہ اقبال حیدر کی طرف جو بیان منسوب ہوا ہے من گھڑت ہے، وزیر اعظم محترمہ بے نظیر بھٹو صاحبہ نے اونچی سطح کی عدالتی تحقیقات کا حکم دے دیا‘‘ (روزنامہ جنگ لندن۔12/جولائی 1994ء)۔کیا حکم تھا کہ میں نے یہ بیان دیا بھی تھا کہ نہیں اور میری طرف یہ بیان منسوب ہوا ہے تو کیوں ہوا ہے اس کا کیا مطلب تھا۔ عدالتی تحقیقات اگر ہونی تھی تو ان اخباری نمائندوں سے بھی تو پوچھا جاتا جن کے سامنے یہ بیان دیا گیا تھا وہ جو اصل تحقیق کا ایک حصہ بنتے ہیں، ایک پارٹی ہیں ان کا کہیں ذکر ہی نہیں چلتا۔ یہ تو انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس میں بیان ہونا چاہئے تھا کہ وہ تحقیق کرے کہ آئر لینڈ کے اخبارات سچے بیانات دیتے بھی ہیں یا وہ پاکستانی اخبارات کی طرح کے ہیں۔ پھر ’’دفعہ 295۔سی میں موت کی سزا تبدیل نہیں کی گئی موجودہ حکومت آئین اور اس کے تحت بنائے گئے قوانین کے مطابق قادیانیوں کے بارے میں سابقہ پالیسی پر کاربند ہے‘‘ (روزنامہ جنگ لندن۔12/جولائی 1994ء)۔ یہ اعلانات ہیں کیبنٹ کے

اور حکومت کے۔صدر صاحب فرماتے ہیں ’’توہین رسالت کا اصل قانون برقرار رہے گا اس قانون میں نہ ترمیم کی ہے نہ ایسا کرنے کا ارادہ ہے‘‘ (روزنامہ جنگ لاہور۔8 / جولائی 1994ء) سرکاری ترجمان کا مساوات میں بیان شائع ہوتا ہے ’’توہین رسالت کی سزا موت ہے۔ترمیم ممکن نہیں۔وزیراعظم محترمہ بےنظیر بھٹو اور ان کی حکومت نبی کریمؐ کی فضیلت اور احترام پر پختہ یقین رکھتی ہے اور اس قانون میں ترمیم کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔توہین رسالت کے مرتکب افراد کو معاف کرنے کی کوئی تجویز زیر غور نہیں‘‘ (روزنامہ مساوات 9 / جولائی 1994ء)۔وفاقی کابینہ نے کہا ’’توہین رسالت کی سزا کم ہوگی نہ قانون بدلے گا‘‘ (روزنامہ پاکستان لاہور۔12 / جولائی 1994ء) پھر وفاقی کابینہ کا ایک بیان ہے کہ حکومت اس حد تک جانے کو تیار ہے یعنی ہمارا پیچھا چھوڑ و خدا کے لئے ’’حکومت اس حد تک جانے کو تیار ہے کہ توہین رسالت کے مرتکب کو تین مرتبہ پھانسی دی جائے‘‘ (روزنامہ نوائے وقت لاہور۔12 / جولائی 1994ء) تین مرتبہ کہتے ہیں ہم پھانسی دیں گے خدا کے واسطے معاف کردو ہمیں۔توہین رسالت کے قانون میں تخفیف یا تبدیلی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور یہ اعلان جو ہے تین مرتبہ پھانسی کا، کابینہ کی طرف سے جاری ہوا ہے، وزیراعظم بھٹو صاحبہ کی کیبنٹ اعلان کر رہی ہے کہ ہم اس پر بھی تیار ہیں ہمیں معاف کردو۔

پھر کہتے ہیں کھلی ہی نہیں بلکہ ’’مخفی گستاخی‘‘ کرنے والا بھی پکڑا جائے گا یہ بڑا دلچسپ ہے محاورہ ’’مخفی گستاخی‘‘۔کیونکہ جہاں گستاخی دکھائی نہ دے وہاں مخفی گستاخی تو ہر جگہ بیان کی جاسکتی ہے۔اور وہی قصہ ہے جو چل رہا ہے ملک میں۔کہتے ہیں ’’توہین رسالت کے قانون میں تخفیف یا تبدیلی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا رسول اکرمؐ کی شان میں کھلی یا مخفی گستاخی کرنے والا سزائے موت کا حق دار ہے‘‘ (بیان اقبال حیدر وزیر قانون و انصاف روزنامہ خبریں۔7 / جولائی 1994ء صفحہ 8)۔یہ اقبال حیدر صاحب کا بیان آ گیا ہے کہتے ہیں ’’گستاخ رسولؐ کے لئے موت سے بڑھ کر کوئی اور سزا ہوتی تو اس پر بھی عملدرآمد کرتے توہین رسالت کے مرتکب بدبختوں کے لئے اس ملک میں کوئی جگہ ہے نہ کوئی مقام ہم جیسے غلام مصطفیٰؐ کے لئے ناموس رسالت سے بڑھ کر کوئی سعادت نہیں ہے‘‘ یہ وزیر اطلاعات صاحب فرما رہے ہیں (بیان خالد کھرل وزیر اطلاعات ونشریات۔روزنامہ مساوات فیصل آباد۔8 / جولائی 1994ء)۔گورنر پنجاب کہتے ہیں ’’گستاخ رسولؐ واجب القتل ہے قانون میں ترمیم نہیں ہوگی‘‘ (روزنامہ خبریں۔7 / جولائی 1994ء)۔’’حکومت توہین رسالت کے بل میں ردوبدل نہیں کرے گی

شاتم رسولؐ کی سزا موت ہے‘‘ (گورنر پنجاب چودھری الطاف حسین ۔روزنامہ مساوات فیصل آباد۔8 / جولائی 1994ء)۔سردار ظفر عباس صاحب آف رجوعہ ممبر قومی اسمبلی کہتے ہیں ’’حکومت توہین رسالت کے قانون میں تبدیلی کا سوچ بھی نہیں سکتی جنہیں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کا اعزاز حاصل ہو وہ توہین رسالت کے قانون میں ترمیم کیسے کر سکتے ہیں‘‘ (روزنامہ پاکستان لاہور۔9 / جولائی 1994ء)۔ یہ ہے جوان کا توہین رسالت سے متعلق شور وغوغا اور فرضی قصے اور نورا کشتیاں اور وجوہات میں نے بیان کی ہیں اصل اس کا پس منظر کیا ہے۔

اب میں آپ کو یہ بتاتا ہوں کہ اس قوم کا کردار، دین سے لاعلمی کے نتیجے میں کس حد تک مسخ ہو چکا ہے۔ فیصلہ سیشن جج لودھراں مجریہ 7 / جون 1994ء کہتے ہیں:

"The Muslims are very sensitive regarding Finality of the Prophethood. Muslims can tolerate "Shirk" in Toheed but they cannot tolerate any shirk in Prophethood. Preaching of anything contrary to the finality of the Prophethood outrages religious feelings to the Muslims."

اس وقت اس قوم کی یہ حالت ہو چکی ہے کہ علماء ان کی جہالت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کو اس مقام تک لے گئے ہیں کہتے ہیں اللہ کا شرک کوئی ایسی بات نہیں ہے، ثانوی حیثیت رکھتا ہے لیکن شرک فی الرسالت برداشت نہیں ہو سکتا اور شرک فی الرسالت کیا چیز ہے اس کی تشریح کچھ ضروری ہے۔

پہلا تو اس کا حصہ ہے اللہ کا شرک برداشت ہو جائے گا رسولؐ کا شرک برداشت نہیں کریں گے۔ اللہ اس بارے میں کیا کہتا ہے فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۹﴾ (النساء:49)

کہ اللہ تعالیٰ اپنا شریک بنانا کسی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتا۔ خدا فرماتا ہے کہ جو میرا شرک کرے گا میں اسے معاف نہیں کروں گا۔ اس کے سوا جو بھی گناہ ہو میں وہ معاف کر سکتا ہوں اور

میں بہت بخشنے والا اور مہربان ہوں۔ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ بخشتا ہے اس کے سوا (یعنی اللہ کے شرک کے سوا) ہر چیز بخش سکتا ہے لِمَنْ يَّشَآءُ جس کے لئے چاہے وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِيْمًا اور جو اللہ کا شرک کرے وہ بہت ہی بڑا افتراء، بہت ہی کھلا کھلا افتراء کرنے والا ہے۔

لیکن ان علماء نے پاکستان کے دماغ اور سوچ اور کردار کو اس حد تک ذلیل اور رسوا کر دیا ہے کہ خدا کے اس دعوے کے برعکس یہ اعلان کیا جا رہا ہے اور عدالتوں میں اعلان کیا جا رہا ہے کہ ہم رسالت کا شرک برداشت نہیں کریں گے۔ خدا کا شرک ہوتا ہے تو ہوتا پھرے اور کر ہی رہے ہیں سارے، ایک دوسرے کو خدا بنائے بیٹھے ہیں، قبروں کی پوجا ہو رہی ہے کون سا شرک ہے جو وہاں جاری نہیں ہے اور جس کے خلاف کسی قسم کا کوئی احتجاج پایا جاتا ہو۔ مردہ پرستی تو اتنی عام ہوتی جا رہی ہے کہ اس پر چادر چڑھانا یوں لگتا ہے کہ ہمیشہ ہمیش کے لئے خدا کی مغفرت کی چادر کی لپیٹ میں آ گئے۔ کسی نے خوب کہا تھا کوئی غریب، فقیر ایک قبر کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو کوئی صاحبہ آئیں اور بہت بڑی چادر اس کو پہنائی۔ اس نے کہا مُردوں کو پہنا رہی ہے یہ غریب ننگا بیٹھا ہوا ہے اس کو چادر نہیں پہناتیں۔ یہ اس قوم کا حال ہے عورتوں کے سروں سے چادریں اتر گئی ہیں۔ غریبوں کو تن ڈھانپنے کے لئے چار بالشت کپڑا میسر نہیں آتا اور قبروں پر بڑی بڑی چادریں پہنانے والے وزراء اعظم اور گورنر اور بڑے بڑے مشاہیر پہنچتے ہیں اور تصاویر کھچوا لیتے ہیں اور ان کی بخشش کے سامان ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ان کا مسلک یہ ہے کہ اللہ کے شرک کا تو کوئی حرج ہی نہیں ہے شرک فی رسالت برداشت نہیں ہوگا اور شرک فی رسالت ہے کیا!؟ یہ بھی تو سمجھا جائے لیکن اس سے پہلے میں حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کا اپنا مؤقف بھی آپ کو بتا دوں آپؐ اس موضوع پہ کیا کہتے تھے، آپ کا دل تو وہی تھا جو خدا کا دل تھا جو خدا کی باتیں تھیں وہی محمد مصطفی ﷺ کے منہ کی باتیں بن جایا کرتی تھیں۔

جنگ احد کے موقع پر جب ابوسفیان بار بار نام پکار پکار کر غیرت دلا رہا تھا کہ ہو زندہ تو آؤ میدان میں نکلو۔ وہ چاہتا تھا کہ پتا چلے مسلمان کہاں چھپے بیٹھے ہیں تو اس نے حضرت محمد مصطفی ﷺ کے نام سے مسلمانوں کی غیرت کو للکارا اور کہا کہاں ہے محمد اگر وہ زندہ ہو تو سامنے آئے۔ اس پر صحابہؓ جواب دینے لگے مگر حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے ہاتھ کے اشارے سے اور زور سے ان کو دبا دیا کہ نہیں کوئی جواب نہیں دینا۔ پھر یکے بعد دیگرے مختلف صحابہؓ کے انہوں نے نام لئے بیان کرنے

والے کہتے ہیں ابوبکرؓ کا نام لیا عمرؓ کا نام لیا اور دوسروں کے نام لئے۔ ہر دفعہ جو غیرت میں کوئی صحابیؓ اٹھتا تھا تو اس کو دبا دیا جاتا تھا کہ نہیں، کچھ نہیں کہنا۔ یہاں تک کہ اس نے اعلان کیا اعـل هبل ۔ اعل هبل کہ ھبل ذات کی جے ہو ھبل کا نعرہ لگاؤ وہ بلند ہو۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ یہ نعرہ سن کے بے چین ہو گئے اور فرمایا جواب کیوں نہیں دیتے جواب کیوں نہیں دیتے وہ خدا پر ھبل بت کی برتری کا اعلان کر رہا ہے اب کیوں جواب نہیں دیتے اب کیوں خاموش ہو۔ انہوں نے کہا یا رسولؐ اللہ ہم کیا کہیں؟ فرمایا کہو الله اعلیٰ و اجل، الله اعلیٰ و اجل اور احد کی وادی الله اعلیٰ و اجل کے نعروں سے گونج اٹھی (بخاری کتاب المغازی حدیث نمبر ۳۷۴۷)۔ وہ چند صحابہؓ زخمی صحابہؓ تھے جو ایک غار کی پناہ میں بیٹھے ہوئے تھے مگر جب خدا کی غیرت کا سوال آیا، جب شرک خداوندی کا سوال آیا تو نہ ناموس مصطفویؐ خاموش رہ سکتی تھی اس وقت نہ محمد رسول اللہ کی جان کی کوئی قیمت آپؐ کے اپنے نزدیک باقی رہی، نہ صحابہؓ کی عزتوں اور ان کی جانوں کی کوئی قیمت باقی رہی کیونکہ یہ سارے سلسلے اللہ ہی کی محبت اور اس کے عشق میں تھے اور اگر یہ نہ ہو تو رسالت کی حیثیت ہی کوئی نہیں۔ اگر توحید نہیں تو رسالت کی کوئی بھی حیثیت نہیں، کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ مگر اس قدر جاہل بنا دیا گیا ہے اس قوم کو جیسا کہ میں نے وہ آیت پڑھی تھی کہ جب خدا تعالیٰ انسانوں پر شریعت کا بوجھ لادتا ہے اور وہ اس بوجھ کو اتار پھینکتے ہیں جیسا کہ قومیں اتار پھینکتی ہیں تو پھر وہ بوجھ گدھوں پر لاد دیا جاتا ہے اور گدھے ان کے سردار بنا دیئے جاتے ہیں یہ صورت حال ہے جو بعینہٖ ہمارے پیارے وطن، بدنصیب پاکستان پر صادق آ رہی ہے۔

جہاں تک اللہ کی توہین کا تعلق ہے وہ ایک الگ مسئلہ ہے۔ جہاں تک شرک خداوندی کا تعلق ہے یہ اور بات ہے لیکن شرک کا مطلب خدا کی توہین نہیں لیا گیا۔ یہ جو مبحث کا اختلاط ہے اس کو اب میں کھول کر آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ اس سے پہلے کہ میں یہ بات شروع کروں یہ میں سمجھانا چاہتا ہوں کہ یہ جب کہتے ہیں شرک فی الرسالت برداشت نہیں تو مراد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے علاوہ کوئی اور نبی برداشت نہیں۔ اتنا جاہلانہ نعرہ ہے کہ وہ لوگ جن کو اسلام کی ادنیٰ بھی شدھ بدھ ہو وہ سمجھ سکتے ہیں کہ اس نعرے میں کوئی جان نہیں بالکل اسلام کے برعکس ہے۔ سارے عالم پر نگاہ دوڑا کر دیکھ لیجئے، تمام مذاہب کی کتب کا مطالعہ کیجئے، ایک بھی ایسا نبی نہیں ہے، جس نے کسی اور نبی کی تصدیق کو اپنے ایمان کی تصدیق میں شامل کیا ہو۔ بدھؑ اپنے کو منواتا ہے اور مطمئن ہو کر چلا جاتا ہے۔

کرشنؑ آتا ہے اور اپنے آپ کو منوا کر مطمئن ہو کے چلا جاتا ہے۔ رامؑ نازل ہوتا ہے اور اپنے آپ کو منوا کر چلا جاتا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام بھی اپنی منوا کر چلے گئے۔ اور موسیٰؑ نے بھی یہ شرط نہیں داخل کی اپنے ایمان میں کہ جب تک دوسرے انبیاءؑ کو بھی نہ مانو مجھے تم تسلیم نہیں کر سکتے۔ ایک ہی وہ رسولؐ تھا یعنی محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپؐ کی تفہیمِ توحید کا ایک عظیم جلوہ ہے کہ خدا نے آپؐ کو یہ تعلیم بخشی کہ جب تم کہتے ہو ''لا الٰہ الّا اللّٰہ'' تو خدا کا کوئی شریک نہیں لیکن نبی بہت ہوں گے اور ہر ایک کی تمہیں عزت کرنی ہوگی اور ہر ایک کو بعض پہلوؤں سے برابر دیکھنا ہوگا چنانچہ یہ اعلان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی طرف منسوب فرمایا گیا اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ یہ رسول ان سب باتوں پر ایمان لے آیا ہے جو اللہ کی طرف سے اس رسول پر اتاری گئیں۔ (ان باتوں کی خبر ابھی پاکستان کو نہیں پہنچی)۔ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ اور سارے مومن جو محمد رسولؐ اللہ کے مومن ہیں وہ ایمان لے آئے ہیں ان باتوں پر كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ ایک رسول پر ایمان نہیں لائے۔ تمام کے تمام اللہ پر ایمان لے آئے ہیں فرشتوں پر ایمان لے آئے ہیں ایک کتاب نہیں تمام کتابوں پر ایمان لے آئے ہیں شرک فی القرآن بھی اب اس کو آپ کہہ دیجئے۔ وَرُسُلِهٖ اور اللہ کے تمام رسولوں پر ایمان لے آئے ہیں اور یہ اقرار کرتے ہیں لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ اور کہتے ہیں ہم عہد کرتے ہیں اے خدا کہ ہم تیرے بھیجے ہوؤں کے درمیان کوئی تفریق نہیں کریں گے اور ایک ہو یا لاکھ ہوں ہمارے نزدیک یہ شرک فی النبوۃ نہیں ہے، یہ توحید ہی کا کرشمہ ہے کہ اس توحید سے جتنے جلوے پھوٹیں گے وہ سارے سر آنکھوں پر، ان سب کے سامنے ہم سرِ تسلیم خم کریں گے۔ یہ ہے قرآن کا بیان۔ یہ ہے قرآن کی رو سے توحید فی الوہیت اور توحید فی الرسالت۔ پھر کہتے ہیں لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۫ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸۶﴾ اے خدا ہمارے لئے اس کے سوا اب رہا کیا ہے کہ سنیں اور اطاعت کریں اور وہ آواز جس رسول کی طرف سے آئے اگر وہ تیری آواز ہے اور تبدیل نہیں ہوئی تو ہر آواز سرِ تسلیم خم کرنے کے لائق ہے۔ چنانچہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو پرانے انبیاءؑ کی باتیں بیان کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ اے محمدؐ ان سب رسولوں کی ہدایت کے مطابق تو بھی پیروی کر۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ محمد رسولؐ اللہ جو سب

ہدایتوں سے بڑھ کر ہدایت لانے والے تھے ان کو حکم ہو کہ ان کی ہدایتوں کی پیروی کر۔ مراد وہی ہے جو میں بیان کر رہا ہوں کہ ان کی ہدایت کی کوئی بھی قیمت نہیں اگر وہ خدا کی طرف سے نہیں تھیں اور اگر خدا کی طرف سے تھیں تو کون ہے جو اس ہدایت کے سامنے سر بلند کر سکے۔ یہ وہ توحید فی الرسالت ہے جس کی یہ باتیں کر رہے ہیں۔

اور پھر یہ خیال کہ آنحضرت ﷺ سے پہلے سارے شریک منظور آپؐ کے وصال کے بعد شریک منظور نہیں تو اس بات کو تو ان کے عقیدے کھلم کھلا جھٹلا رہے ہیں۔ اس قدر دوغلا پن، اس قدر منافقت، اتنا جھوٹ۔ قوم کو بتاتے نہیں یہ دوسرے سانس میں کہ عیسیٰ ابن مریم نازل ہوگا اور نبی اللہ کے طور پر نازل ہوگا! اور کیا ان کے فتوے شائع ہوئے نہیں ہیں کہ وہ امت میں آئے گا اور امت میں نبوت کرے گا اور جو اس کی نبوت سے انکار کرے گا وہ امت محمدیہ سے باہر نکل جائے گا۔ پکا کافر اور پکے سے پکا کافر ہو جائے گا!!۔ تو نبوت کے تو خود قائل ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے بعد آنے والے کے قائل ہیں لیکن مشرکانہ نبوت کے یہ قائل ہیں ہم نہیں۔ ہم جس نبوت کے قائل ہیں وہ یہ ہے کہ امت محمدیہ میں مسیح پیدا ہوگا آپؐ کے غلاموں میں سے اٹھے گا اور آپؐ کی غلامی میں ہر شرف پائے گا۔ **یہ شریک کو بلاتے ہیں آج سب سے بڑی شریک مسلمانوں کی عیسائیت ہے اور عیسائیت کے رسول کو امت محمدیہؐ میں نازل کرتے ہیں اور کہتے ہیں شرک فی الرسالت برداشت نہیں کر سکتے** اور پھر شرک کیا ہوتا ہے!۔ اس کے سر پر سینگ ہوتے ہیں؟ یہ ایسے نبی کی رسالت اور نبوت کو تسلیم کریں گے، اس کے کہے میں چلیں گے، نبی اس کو کہا کریں گے اس کی نبوت کا کلمہ پڑھیں گے جس کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ یہ جو عیسیٰؑ تھا اس کو ہم نے بنی اسرائیل کا نبی بنا کے بھیجا تھا امت محمدیہ کا نبی کبھی نہیں بنایا۔ قرآن کہے گا بنی اسرائیل کا نبی۔ مولوی کہیں گے نہیں، بنی اسرائیل ہی کا منظور ہے کیونکہ ہم تو مرے جاتے تھے امت محمدیہ میں تو ناممکن تھا کہ کوئی پیدا ہو جائے اس لئے شکر کرو خدا کا۔ غیر قوموں سے ہی، آیا تو سہی اور اس بے چارے نے دو ہزار سال قید تنہائی کاٹی ہے اب اس کا انکار کرو گے، ظلم نہ کرو، جیسا کیسا بھی ہے قبول کرلو، چاہے امت موسوی کا ہو اس سے کیا غرض ہے، نبی چاہئے تھا نا نبی آ گیا۔ پر نبی چاہئے کیوں تھا؟ نبوت تو بند ہے۔ بند کیوں ہوئی اگر چاہئے تھا!؟ پہلے ان تضادات کو تو حل کرلو پھر یہ بڑھکیں مارو جو تم مارتے ہو

اور کہو کہ شرک فی النبوۃ منظور نہیں، مشرک خود ہو، نبی کے قائل ہو لیکن غیر نبی کے قائل ہو۔ اس نبی کے قائل ہو جس کی امت نے سب سے زیادہ اسلام کی رقابت کی ہے، اسلام کے خلاف حسد کیا ہے۔ اسے اپنا سردار ماننے کے لئے تیار بیٹھے ہو اور ابھی کہتے ہو شرک فی الرسالت کے ہم قائل نہیں۔ شرک فی اللہ کے تو قائل ہیں ہی، وہ تو تم مان بیٹھے ہو اب شرک فی الرسالت والا قصہ بھی ساتھ ہو گیا۔ نہ وہ رہا نہ وہ رہا۔ تمہاری مثال تو اس بے وقوف تیل ڈلوانے والے کی سی بن گئی ہے جو چھوٹا برتن لے کر زیادہ تیل کے پیسے لے کے گھر سے نکلا اور برتن کے پیندے میں بھی تھوڑی سی جگہ بنی تھی کپ الٹا سا بنا ہوتا ہے اس نے جب تیل خریدا تو کچھ تیل چونکہ پیسے زیادہ دے بیٹھا تھا، بچ گیا تو اس نے اس کو الٹا دیا اور کہا باقی اس طرف ڈال دو۔ دکاندار نے کہا ہیں ہیں یہ کیا کرتے ہو وہ تو گر گیا۔ اس نے فوراً سیدھا کر دیا اور جو تھا وہ بھی گیا۔ ان کے تو شرکوں کا یہ حال ہے وہ بڑا برتن تو خدا والا خود الٹا بیٹھے۔ کہہ دیا یہ نہیں ہمیں اس کی پرواہ کوئی نہیں، اللہ کا شرک کیا فرق پڑتا ہے اور وہ جو شرک رسالت تھا وہ بھی ہاتھ سے گیا، وہ معاملہ بھی ہاتھ سے گیا۔ ثابت کر بیٹھے ہیں اپنے عمل اور اپنے عقیدوں سے کہ شرک فی الرسول کے اگر قائل ہیں تو یہ قائل ہیں اور جماعت احمدیہ کا بلا استثناء بلا شک یہ عقیدہ ہے کہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے بعد آپ کے غلاموں میں سے خدا کسی کو شرف بخشے تو بخشے غیر کی مجال نہیں ہے کہ امت محمدیہ میں دخل دے۔ پس شرک فی الرسالت کس کا ہے اور کس کا نہیں، کوئی تو عقل کرو مگر جب عقل رہے ہی نہ باقی تو پھر قرآن کے اس فتوے نے صادر ہونا ہی ہونا ہے کہ اپنا بوجھ تم اتار بیٹھے ہو اور گدھوں کی پیٹھوں پہ لاد دیا ہے جن کو کچھ پتا نہیں کہ کیا لدا ہوا ہے۔

پھر امام مہدی کی باتیں کرتے ہیں۔ امام مہدی نے کرنا کیا ہے آ کر۔ شریعت کامل ہو گئی قرآن غیر مبدل کتاب، حدیث میں صحاح ستہ ایسی ہیں جن پر بہت اعتبار کیا جا سکتا ہے۔ کسی نبوت کی تاریخ میں اتنی مستند کتابیں موجود نہیں جتنی صحاح ستہ ہیں۔ پھر تمہیں کیا چاہئے مہدی کے کیوں قائل ہو؟ وہ بہتر فرقوں والی بات کیا ہوئی؟ بٹے کیوں اور بٹتے کیوں چلے جا رہے ہو؟ عملاً ساری امت مشرک بنی بیٹھی ہے یہ سارے حالات سب برداشت ہیں لیکن اگر برداشت نہیں تو یہ عقیدہ برداشت نہیں کہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی غلامی میں وہ امام جن کی آپ نے خبر دی ہے جب وہ آئیں تو ان کو ماننا فرض ہے۔ یہ عقیدہ ہے جو تکلیف دیتا ہے اس کے سوا کوئی تکلیف نہیں۔ پس یہ

سب جھوٹے قصے ہیں، فرضی باتیں ہیں۔ ان لوگوں کو علم ہونا چاہئے، ان کے سیاستدان اتنے جاہل اور لاعلم ہیں ان کو پتا ہی نہیں کہ آخر جھگڑا ہے کیا اور جج بیٹھے فیصلے دے رہے ہیں کہ دیکھو نا بات یہ ہے کہ اللہ کا شرک تو خیر کوئی بات نہیں وہ ہم برداشت کرلیں گے مگر رسالت کا شرک برداشت نہیں کر سکتے۔ جو جاہلوں نے قصے چلائے وہ چل پڑے۔ میں نے عدالتوں کے فیصلے دیکھے ہیں صاف نظر آرہا ہے کہ مولوی پہنچتے ہیں اپنے جتھے اٹھا کے اور ججوں سے کچھ کہتے ہیں ان بے چاروں کو اپنے دین کا علم کوئی نہیں وہ کہتے ہیں اچھا جی پھر لکھ دو فیصلے ہمارے لئے۔ وہ مولویوں کی تحریریں صاف پہچانی جاتی ہیں۔ یہ تحریر پہچاننے کا فن تو کوئی مشکل نہیں ہے۔ ہزاروں سال کی پرانی کتابوں کے متعلق ماہر فن یہ بتا دیتے ہیں کہ یہ فلاں کی تحریر ہے یہ فلاں کی نہیں ہے اور یہ فلاں جگہ دخل اندازی ہوئی ہوئی ہے۔ بائبل کے متعلق بھی اس طرح تحقیق ہے تو ان مولویوں کی تحریریں اور ججوں کی تحریریں ایک جیسی تو نہیں ہوتیں بڑا نمایاں فرق ہے اور وہ فرق ان کے فیصلوں میں صاف دکھائی دیتا ہے۔ جہاں مولوی کا فیصلہ شروع ہوا ہر احمدی کو سمجھ آجاتی ہے کہ اب کس کی بات شروع ہوگئی ہے۔ جہاں یہ چل رہا ہے وہاں شرک کیا اور گناہ کیا فسق و فجور کیا سب ایک تھیلی کے چٹے بٹے بن جاتے ہیں۔

اتنا گناہ بڑھ گیا ہے پاکستان میں کہ اس کا تصور بھی باہر نہیں کیا جا سکتا ایسے ایسے بھیانک جرائم روزانہ نظر کے سامنے آتے ہیں اور ہزاروں لاکھوں ایسے ہوں گے جو نظر کے سامنے نہیں آتے کیونکہ جہاں پولیس بے چاری مجبور اور بے اختیار ہو، پیسے کا انکار کرنا ان کے لئے ممکن نہ رہے اگر شرم ہے تو پیسے کی۔ بعض لوگوں کو پیسے کی بڑی شرم ہوتی ہے وہاں پیسے کی بڑی شرم ہے۔ باقی شرمیں اٹھ گئی ہیں یہ شرم ہے جو بڑی مضبوطی سے قائم ہے اور مولویوں میں بھی یہ بڑی شرم پائی جاتی ہے، پیسے کی بڑی شرم کرتے ہیں۔ ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غالباً واقعہ ہے کہ ایک مولوی صاحب کے متعلق پتا چلا کہ اس نے نکاح پہ نکاح پڑھا دیا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کو اس پہ بڑا حسن ظن تھا انتظار کرتے رہے وہاں ملنے کے لئے آیا کرتا تھا تو ملنے آیا تو ان سے پوچھا مولوی صاحب میں تو بڑی آپ کی عزت کرتا تھا آپ تو بڑے متقی، بزرگ پرہیزگار انسان یہ میں مان نہیں سکتا کہ یہ واقعہ ہوا ہو میں آپ کے منہ سے سننا چاہتا ہوں کہ جھوٹ ہے۔ اس نے کہا جناب میری بات تو سن لیں یک طرفہ بات نہ کرتے چلے جائیں میری بات تو سنیں مجھے موقع تو دیں۔

انہوں نے کہا اچھا بتاؤ کیا بات ہے اس نے کہا بات تو ٹھیک ہے میں نے نکاح پہ نکاح پڑھایا ہے مگر جس کا پڑھایا ہے جب اس نے چڑی جتنا روپیہ میرے ہاتھ پہ رکھ دیا تو میں کیا کرسکتا تھا۔ ''چڑی جتنا'' کہتا ہے روپیہ اتنا بڑا نظر آ رہا تھا مجھے۔ جو حرص کی آنکھ ہو وہ پھر بڑھا کے بھی دیکھ رہی ہوتی ہے۔ بہت بڑا اس کو روپیہ دکھائی دیا کہ جی میں کیا کرسکتا تھا تو وہاں پیسے کی بڑی شرم ہے۔ اب بیچاری پولیس کیا کرے، کوئی پیش رفت نہیں جاتی جہاں پیسہ چل جائے وہاں ہر دوسرا جرم جائز ہے اس لئے سب مقدمے دب جاتے ہیں، سب گناہ نظر سے غائب ہو جاتے ہیں۔ وہاں نظر آتے ہیں جہاں پیسہ نہ دیا گیا ہو اور مرضی ہے چاہو تو اپنے خلاف شرعی عدالت میں کیس بھجوا دو، چاہو تو عام عدالت میں۔ قوم کو دو اختیار ہیں ایک طرف شریعت کی اتنی غیرت کہ مولوی کہتا ہے کہ شریعت نہ آئی تو ساری قوم سر کٹا دے گی دوسری طرف ہر مجرم اور ہر ایک ہی مجرم بنا ہوا ہے شرعی عدالت سے ایسا بھاگتا ہے جیسا کوّا غلیلے سے بھاگتا ہے اور جاتے کیوں نہیں وہاں مقدمے، وہ عدالت مردار کی طرح کیوں بیٹھی ہوئی ہے دنیا کی ساری عدالتیں مقدموں سے بھری ہوئی ہیں اتنی بھری ہوئی ہیں کہ چھ چھ مہینے، سال سال، کئی کئی سال تک مجرموں کے فیصلے ہی نہیں ہو رہے۔ وجہ یہ ہے کہ شریعت سے ڈرتے ہیں لوگ اور پیسہ دے دیتے ہیں پولیس کو۔ پولیس کے اختیار میں ہے چاہے تو شریعت کی عدالت میں بھیجے چاہے تو ملکی قانون میں بھیج دے یہ تو شریعت کا احترام ہے۔

اور تقویٰ اور ہمدردی بنی نوع انسان کا یہ حال ہو گیا ہے کہ ایک سے زائد مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ مجھے بعض قیدیوں نے حالانکہ مجھے جانتے بھی نہیں، ان احمدی قیدیوں سے تعارف حاصل کر کے جو اس جرم میں پکڑے گئے کہ وہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ کہا کرتے تھے انہوں نے بتایا کہ کچھ نیک آدمی یہاں ہمارے لوگوں میں بس کے گئے ہیں ان سے آپ کا پتا چلا ہے سنا ہے آپ بھی خدا ترس ہیں۔ عمر قید کی سزا ختم ہو چکی ہے پچیس سال ہو گئے ہیں باہر نکلنے کے لئے پیسے نہیں۔ اتنی بے حیائی، ایسی سنگدلی، ہر شخص مردار خور بنا ہوا ہے۔ کہیں قتل ہو سہی پھر دیکھیں تھانے دار کس طرح لہک لہک کر جس طرح گدھیں اترتی ہیں اس طرح اپنی پولیس فورس لے کر قتلوں پہ اترتے ہیں اور پھر رائٹ اینڈ لیفٹ، دائیں اور بائیں جس جس کا نام آ سکے اس کا لکھتے چلے جاتے ہیں کہ تفتیش ہے اور پھر پیسے چلتے ہیں اور ایسے واقعات ایک نہیں بارہا ہوئے ہیں کہ زیادہ پیسے دے کر مجرم تو آزاد ہو گئے

اور معصوم پکڑے گئے اور ابھی ایسے ہی تین معصوم بچوں کی ماں کا مجھے خط ملا اور ہماری تحقیق کے مطابق وہ بالکل سچی ہے۔ وہ کہتی ہے اس طرح قتل ہوا تھا ایک گاؤں میں پچیس سال کی بات ہے اور شریکے نے ہماری جائیدادوں پر قبضے کرنے تھے اس لئے جو قاتل تھے انہوں نے پولیس کو پیسے دیئے وہ آزاد دندناتے پھر رہے ہیں اور میرے تینوں بچے، تین ہی بیٹے تھے وہ اس وقت جیل میں پچیس سال عمر قید کاٹ رہے تھے۔ اس بے چاری کے کبھی کبھی دردناک خط آ رہے تھے کل پھر اسی مضمون کا خط ملا ہے کہ پچیس ہزار ایک بیٹے کو باہر نکلوانے کے لگ رہے ہیں جبکہ پچیس سال عمر گزر چکی ہے فیصلہ ہو گیا ہے کہ باہر نکل آ ؤ۔ مجھے مدد کریں تو ہوگا۔ جماعت تو مدد کرتی ہے اپنوں کی بھی اور غیروں کی بھی اور جہاں تک توفیق ہے ہم کوشش کرتے ہیں کہ ظلم کے خلاف جہاد کریں لیکن جس قوم کا یہ حال ہو گیا ہو ایسی جرائم پیشہ قوم ان کی اندرونی نفسیاتی بیماری یہ ہے۔ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر توہین رسالت کے نام پر جس طرح مولوی کہتا ہے آنکھیں بند کر کے ایک جھوٹی غیرت دکھا دو گے تو سارے گناہ بخشے جائیں گے۔ اتنی ٹیڑھی سوچیں ہیں کہ ٹیڑھی سوچیں اور ٹیڑھے تصورات ساری قوم کی بدکرداریاں بن گئی ہیں اور یہ بدبخت ملاں اس کا ذمہ دار ہے جس نے ساری قوم کو پاگل بنا رکھا ہے اور قوم ذمہ دار ہے جو پوچھتی نہیں ان سے کہ بتاؤ تو سہی قرآن نے کہاں لکھا ہے توہین کا مضمون۔ کیا سزائیں دی گئی ہیں۔ ہم بھی تو دیکھیں ہم بھی تو پڑھیں لیکن علم کا نہ شوق ہے نہ کوئی امکان ہے دور کا بھی، کہ قرآن سے ذاتی تعلق پیدا کریں اس کے مضامین کو پڑھیں اور غور کریں۔ جو مولوی کہتا ہے اس کی وہ بات منظور ہے جو ان کو حق سے دستبردار ہونے پر مجبور نہ کرے وہ ساری باتیں منظور ہیں لیکن اگر سیاست کے اوپر مولوی حملہ کرنے لگے تو پھر دیکھیں کیسا ذلیل اور رسوا ہوتا ہے پچھلے انتخابات میں بھی کیا گیا آئندہ بھی ذلیل ہوتا رہے گا۔

تو یہ صرف تمہیدی بیان ہے جو میں آج کے خطبے میں ختم کر سکا ہوں انشاء اللہ اگلا حصہ' میں جمعے میں' جو اس جلسہ سالانہ کے دوران آئے گا شروع کروں گا اور چونکہ ختم نہیں ہو سکتا اس لئے میرا خیال ہے کہ افتتاحی تقریر کا مضمون بھی یہی رکھ لوں اور اسی مضمون کو آگے چلا دوں باقی جو دو دن کی تقریریں ہیں وہ تو الگ خاص موضوع ہے اس میں تو اس کو داخل نہیں کیا جا سکتا۔

جہاں تک جلسے کی ہدایت کا تعلق ہے، ایک ہدایت میں اب خصوصیت سے دینا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ بہت سے باہر سے آنے والے یہاں آئیں یا دوسرے جلسوں میں جائیں بعض دفعہ قرض

مانگتے ہیں۔ اپنے میز بانوں سے یا دوستوں سے اور ظاہر یہ کرتے ہیں کہ بہت مشکل میں پڑ گئے ہیں اور بعد میں پھر مجھے مصیبت پڑتی ہے۔ سب ان کے شکوے ہمارے اوپر اور یہ آئے تھے اور لے گئے اور وہ آئے تھے اور کھا گئے اور پیسے نہیں مل رہے تو اس لئے میں نے پہلے بھی بارہا اعلان کیا ہے۔ میں پھر کرتا ہوں یہاں جلسہ ہو یا امریکہ ہو یا دنیا میں کہیں باہر سے آنے والے ہوں اگر کوئی احمدی جو مسافر ہے اور مسافری کا عذر رکھ کر قرض طلب کرتا ہے تو اس کو نظام جماعت کی طرف Refer کریں یعنی اس کی طرف اس کو توجہ دلائیں کہ یہاں جاؤ اور نظامِ جماعت اگر مجھے کہے گا تو پھر میں تیار ہوں گا ورنہ براہِ راست مجھے اجازت نہیں ہے۔ جن کے ذاتی معاملات اور تعلقات ایسے ہیں کہ وہ اگر قرض دے دیں اور کھایا بھی جائے تو پرواہ نہ ہو ان کا معاملہ الگ ہے وہ بے شک شوق سے کریں ان کا اپنا روپیہ ہے۔ چاہے تو جہنم میں پھینک دیں مجھے اس سے کیا غرض ہے، ہاں یہ تکلیف ہوگی کہ جہنم کی بجائے جنت میں بھی پھینک سکتے تھے، سلسلہ کو چندہ دے سکتے تھے بجائے اس کے کہ ایک کھانے والے کے سپرد کر دیا۔ مگر بہر حال وہ پھر مجھے کچھ کہہ نہیں سکیں گے لیکن اگر باہر سے آنے والے پیسے مانگتے ہیں اور آپ دے دیتے ہیں اور تحقیق نہیں کرتے یا جماعت سے نہیں پوچھتے اور پھر وہ آپ کو گزند پہنچاتا ہے تو آپ ذمہ دار ہیں آج بھی، کل بھی، پرسوں بھی ذمہ دار رہیں گے۔ میں کئی دفعہ یاد دہانیاں کرا کے تھک چکا ہوں۔ آپ لوگ مانتے نہیں ہیں، لیکن اچھی طرح اس بات کو ذہن نشین کر لیں۔

دوسرے سیکیورٹی کے نظام میں ہر احمدی سیکیورٹی افسر ہے اور یہ بات دنیا کے کسی اور نظام کو حاصل نہیں۔ بیدار مغزی کے ساتھ اپنے دائیں بائیں بیٹھے ہوؤں کو دیکھیں، پہچانیں، نہیں جانتے تو مستعد رہیں، ہوشیار رہیں۔ گویا آپ اس کی ہر حرکت کے ذمہ دار بن گئے ہیں۔ یہ سیکیورٹی کا نظام ہے لیکن حسن خلق کے ساتھ نظم وضبط کے ساتھ۔

جہاں تک روانڈا کا تعلق ہے میں بارہا جماعت کو نیک تحریکات کرتا ہوں اور بارہا توقعات سے بڑھ بڑھ کے جماعت خدمت دین کرتی ہے، لبیک کہتی ہے اور میں پھر بھی نہیں تھکتا، پھر بھی آپ کو بلاتا رہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ہمارا کردار ہے اور کردار کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ کسی جگہ بھی ظلم کے زخم لگے ہوں، کسی جگہ بھی لوگ فلاکت زدہ ہوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہوں تو مومن کا کردار یہ ہے کہ ایسے موقع پر جو کچھ بھی اس کے بس میں ہو ضرور کرتا ہے۔ اور کافر کا یہ کردار ہے کہ اسے کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ کیا

ہو رہا ہے۔ قرآن کریم اس مضمون کو یوں بیان فرماتا ہے۔ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿۱۲﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿۱۳﴾ فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿۱۴﴾ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ﴿۱۵﴾ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿۱۶﴾ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿۱۷﴾ (البلد:12 تا 17)

کہ اصل دین تو وہ ہے جو جفاکشی کی طرف بلانے والا ہو بلند چوٹیوں کی طرف چڑھنے کی دعوت دیتا ہو گھاٹیوں سے اوپر آنے کی طرف اشارے کر رہا ہو اور یہ ہے کیا؟ گھاٹیوں سے بلندی پر چڑھنا کس کو کہتے ہیں۔ اس میں ایک بات یہ بیان فرمائی کہ جب بھوک عام ہو جائے اور بظاہر تمہارے بس میں نہ ہو اس کو نپٹانا پھر بھی جو تم میں طاقت ہے تم وہ لے کر آگے بڑھ جاتے ہو اور جو یہ نہیں کرتے وہ مومن نہیں ہیں ان کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔ پس میں جانتا ہوں کہ ہمارا آٹے میں نمک کے برابر بھی حصہ نہیں ہوگا ہمیں جو توفیق ہے سارے کام دوسرے بھی جاری ہیں مگر یہ اطمینان تو ہوگا کہ ہم نے تمام بوجھوں کے باوجود اللہ تعالیٰ کی اس دائمی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے لبیک کہا ہے اور روانڈا کے مظلوم ہیں جو خصوصاً زائر میں انتہائی دردناک حالات میں زندگی گزار رہے ہیں۔ Cholera پھیلا ہوا ہے مصیبتوں میں مبتلا ہیں ان کے لئے میں اپنی طرف سے ایک ہزار پاؤنڈ کا معمولی نذرانہ پیش کر کے جماعت کو تحریک کرتا ہوں کہ توفیق کے مطابق دیں دوسرے جو لازمی دائمی چندے ہیں ان پر اثر نہیں ڈالنا وہ اپنی اپنی اہم ضروریات ہیں لیکن وعدوں میں نہ رہیں زیادہ کوشش کر کے جتنا بھی توفیق ہے وہ دے دیں کیونکہ وہاں کے حالات اب وعدوں کا انتظار نہیں کر سکتے۔ جہاں تک جماعت زائر کا تعلق ہے ان کو میں نصیحت کرتا ہوں جیسے میں نے پہلے کہا تھا وہ ہیضے کی وبا جس میں اور ذرائع میسر نہ ہوں جیسے کہ وہاں اس وقت نہیں ہیں بہت ہی موثر علاج ہے۔ ''سلفر۔200'' اور مفت میں کثرت کے ساتھ بنائی جاسکتی ہے آپ کی ٹیمیں وہاں پہنچیں اور ان کو روزانہ صبح شام ''سلفر'' ۔200 میں کھلائیں۔ چند گولیاں میٹھی اور مٹھاس تو ویسے ہی ان بے چاروں کو ضرورت ہے وہ تو ایک دانہ بھی میٹھا منہ میں پہنچ جائے تو اس کو غنیمت سمجھیں گے اور اس کے علاوہ Camphor ہے۔ اگر ہیضہ ہو چکا ہو آغاز میں ''کیمفر ۔30 '' دیا جائے تو اس سے ہیضہ بڑھنے سے رک جاتا ہے پھر میں تفصیل سے پہلے بھی بتا چکا ہوں Cuprum ہے اگر پاؤں میں تشنج زیادہ ہو ہاتھ پاؤں مڑتے ہوں۔ اگر کھلے اسہال ہوں تو اس پر Veratrum Album دوا ہے تو اس

طرح میں دواؤں کے متعلق ہیضے کے متعلق خصوصیت سے پہلے روشنی ڈال چکا ہوں اور وہاں کے مبلغ وہ ریکارڈ بھی کرتے ہوں گے۔ فوری طور پر اگر خود نہیں کر سکتے اتنی توفیق نہیں تو دوسری تنظیموں کو بتائیں اور ان کو کہیں کہ ہم آپ کو دوائیاں تیار کر دیتے ہیں۔ ہماری سرداری میں تم ٹیمیں تیار کرو اور فوری طور پر کثرت سے ان جگہوں میں پہنچ کر ان کے علاج کی کوشش کروان کو اس دردناک عذاب سے بچانے کی کوشش کرو۔ ایک بھوک اور اوپر سے ہیضہ تو بہت ہی تکلیف دہ بیماری ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے اور ہماری ادنیٰ اور بہت ہی حقیر کوششوں کو قبول فرماتے ہوئے آسمان سے ان پر رحم نازل فرمائے۔ آمین

محمد رسول اللہ ﷺ اور قرآن ہر الزام سے پاک اور بلند تر ہیں۔

توہین رسالت کا مضمون قرآن کریم کی روشنی میں

(خطبہ جمعہ فرمودہ 29 رجولائی 1994ء بمقام اسلام آباد، برطانیہ)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے مندرجہ ذیل آیات کریمہ تلاوت کیں۔

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ
لَكٰذِبُوْنَ ۚ﴿۲﴾ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۳﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا
ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۴﴾ وَاِذَا
رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ
كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ؕ هُمُ
الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۫ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۵﴾ وَاِذَا

قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللهِ لَوَّوْا رُءُوسَهُمْ
وَ رَأَيْتَهُمْ يَصُدُّونَ وَ هُمْ مُّسْتَكْبِرُونَ ۞ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ
اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ لَنْ يَّغْفِرَ اللهُ لَهُمْ ؕ
اِنَّ اللهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۞ هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ
لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ وَ لِلّٰهِ
خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۞
يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ
مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ لٰكِنَّ
الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۞ (المنافقون: 1 تا 9)

پھر فرمایا:۔

توہینِ رسالتؐ کے نام پر جو مختلف ممالک میں یعنی اسلامی کہلانے والے ممالک میں تعزیراتی کارروائیاں کی جارہی ہیں اور اپنے دستوروں میں ان تعزیرات کو باقاعدہ دفعات کی صورت میں داخل کیا جارہا ہے اس سلسلے میں، میں نے خطبات کے ایک سلسلے کا آغاز کیا تھا اور جماعت کو یہ بتایا تھا کہ چونکہ لمبا مضمون ہے ایک دو تین خطبوں کی بات نہیں اس لئے میں کوشش کروں گا کہ آئندہ جلسے کے خطبے پر کسی حد تک اس مضمون کو سمیٹوں اور پھر بقیہ حصے کو افتتاحی تقریر میں بیان کروں۔ آج میں نے جن آیات کی تلاوت کی ہے ان کا اس مضمون سے گہرا تعلق ہے۔ چونکہ وقت تھوڑا ہے اس لئے موقع اور محل کے مطابق ان پر تفصیلی روشنی بعد میں ڈالی جائے گی لیکن سادہ ترجمہ میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

قرآن کریم فرماتا ہے جب منافقین تیرے پاس آتے ہیں یعنی اے محمد ﷺ ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو یقیناً اللہ کا رسول ہے اور اللہ جانتا ہے کہ تو اللہ کا رسول ہے اور اللہ یہ بھی گواہی دیتا ہے کہ یہ منافقین یقیناً جھوٹے ہیں۔ گواہی یہ دے رہے ہیں تو اللہ کا رسول ہے اللہ سب سے بہتر جانتا ہے کہ ہاں تُو اللہ ہی کا رسول ہے اور اس کے باوجود خدا گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جو یہ اعلان کر رہے ہیں جھوٹ بول رہے ہیں۔

اِتَّخَذُوۡۤا اَیۡمَانَہُمۡ جُنَّۃً انہوں نے اپنی قسموں کو ایک ڈھال بنالیا ہے۔ کس غرض سے؟ فَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ تا کہ اس بہانے بیچ میں داخل ہو کر اللہ کے رستے سے لوگوں کو روکیں اِنَّہُمۡ سَآءَ مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ یقیناً بہت برا ہے جو یہ کرتے ہیں ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ اٰمَنُوۡا ثُمَّ کَفَرُوۡا یہ وہ منافقین نہیں ہیں جو شروع ہی سے نفاق رکھتے تھے بلکہ ان منافقین کی بات ہو رہی ہے جو پہلے ایمان لے آئے تھے ایمان لانے کے بعد انہوں نے کفر کیا ہے۔ اٰمَنُوۡا ثُمَّ کَفَرُوۡا پس صرف منافق ہی نہیں مرتد بھی ہیں اور یہ بہت ہی اہم حصہ ہے اس آیت کا کیونکہ اس سے صرف ایک مضمون پر نہیں بلکہ ایک دوسرے اہم مضمون پر بھی روشنی پڑتی ہے جو آج کل اسلامی ممالک میں مبحث بنا ہوا ہے یعنی مرتد کی سزا کیا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ اس صورت میں ان دونوں مضامین کو ایک جگہ اکٹھا کر رہا ہے۔ ایسے بد بخت منافقین کا ذکر کیا جا رہا ہے جو یقیناً ایمان لے آئے تھے اور یقیناً بعد میں کافر ہو گئے یعنی ارتداد اختیار کر گئے۔ فَطُبِعَ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ اور بیماری اس حد تک بڑھ گئی کہ ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی اب ان کے بچنے کا، ان کے دوبارہ ایمان لانے کا کوئی سوال ہی باقی نہیں رہا۔ پس یہ اگر وہم کسی دل میں ہو کہ یہ دوبارہ ایمان لا سکتے تھے اس لئے ان سے نرمی کا سلوک کیا گیا۔ اس وہم کو قرآن کریم کی یہ آیت ہمیشہ کے لئے رفع کر دیتی ہے۔ وہ یہ لوگ ہیں جن کے لئے آئندہ ایمان لانے، توبہ کرنے کا کوئی سوال باقی نہیں رہا کیونکہ خدا گواہی دے رہا ہے کہ ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی ہے۔ فَہُمۡ لَا یَفۡقَہُوۡنَ اس کیفیت کو پہنچ چکے ہیں کہ ان کے سوچنے کی طاقت معطل اور ماؤف ہو چکی ہے، وہ بات نہیں سمجھ سکتے۔

وَ اِذَا رَاَیۡتَہُمۡ تُعۡجِبُکَ اَجۡسَامُہُمۡ یہ معلوم، معروف لوگ ہیں ان کی جسمانی طرز ان کے ٹھاٹھ باٹھ دیکھنے والی آنکھوں کو پسند آتے ہیں اور یہاں ''تو'' میں اگر چہ حضور اکرمؐ ہی مخاطب دکھائی دیتے ہیں مگر آنحضرت ﷺ تو کسی ظاہری ٹھاٹھ باٹھ سے متأثر ہونے والے انسان نہیں تھے اس لئے بعض دفعہ رسول کے حوالے سے امت کے ہر فرد کو مخاطب کیا جاتا ہے تو مراد یہ ہے کہ اے سننے والے، اے دیکھنے والے جب تو ان لوگوں کو دیکھتا ہے تو ان کی ظاہری ٹھاٹھ باٹھ، ان کے رہن سہن سے متاثر ہوتا ہے۔ وَ اِنۡ یَّقُوۡلُوۡا تَسۡمَعۡ لِقَوۡلِہِمۡ اور ایسی بناوٹ سے، ایسی لوچدار باتیں کرتے ہیں کہ جب بات کرتے ہیں تو تجھے ان کی باتیں بھی دلچسپ معلوم ہوتی ہیں تو

کان لگا کے ان کی باتوں کو سنتا ہے۔ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ط لیکن اندر سے یہ حال ہے کہ منافق جیسے بزدل ہوتے ہیں یہ بھی سخت بزدل ہیں جیسے خشک لکڑیاں چُن دی جائیں تو ذرا سا آ گ کا شعلہ بھی ان کو بھڑ کا دیتا ہے اور بھسم کر دیتا ہے خواہ آسمانی بجلی ہو یا زمین سے پیدا ہونے والی آ گ ہو یہ لوگ محفوظ نہیں ہیں لیکن جب لکڑیاں چن کر رکھی جائیں تو بہت بھلی دکھائی دیتی ہیں۔ یورپ میں خاص طور پر سردیوں کے لئے لکڑیاں سجائی جاتی ہیں اور ناروے میں بہت رواج ہے بہت خوب صورت دکھائی دیتی ہیں مگر ایک آسمانی بجلی کا شعلہ یا ایک دیا سلائی ان کو آ گ لگا دے تو ایک دم بھڑک کر وہ خاکستر ہو جاتی ہیں۔ تو فرمایا ان لوگوں کی اندرونی حالت یہ ہے دیکھنے میں بڑے اچھے سجے ہوئے اور اچھی طرح اپنی ذات میں قائم وجود دکھائی دیتے ہیں مگر خود ڈرتے ہیں۔ جانتے ہیں کہ ذرا سی کوئی آفت آئی تو ان کے لئے جان لیوا ثابت ہوگی۔ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ط یہ ہیں دشمن ان سے بچ کے رہو۔ اگر ان کا علم نہیں کہ کون ہیں تو بچ کے کس سے رہو۔ صاف مضمون کھول دیا گیا ہے۔ نام لئے بغیر ہر اس شخص کا ذکر ہے جو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے زمانے میں جانا پہچانا منافق تھا۔

قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ اللہ کی لعنت ان پر یہ کہاں دور ہٹے جاتے ہیں۔ لیکن انسان کو قتل کا حکم یہاں بھی نہیں دیا۔ اللہ کی لعنت ہو ان پر لیکن کہیں اشارۃً یا کنایۃً یہ نہیں فرمایا کہ تمہیں حق ہے مسلمانو، کہ ان کا قتل و غارت کرو۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ۞ اتنی واضح ان کی شناخت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جب ان آیات کا نزول ہوا ہے اس سے پہلے ہی صحابہؓ ان کے پاس جایا کرتے تھے اور ان کو کہا کرتے تھے کہ تم توبہ کرو استغفار سے کام لو تو اللہ کا رسولؐ تمہارے لئے استغفار کرے گا۔ وہ تو مجسم شفقت ہے اس لئے اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دو توبہ کر لو تا کہ خدا کے رسولؐ کی استغفار تمہیں نصیب ہو۔ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وہ سر مٹکاتے ہیں وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ اور تو ان کو دیکھتا ہے کہ وہ اور بھی خدا کی راہ سے لوگوں کو پھراتے ہیں، باز نہیں آتے اور تکبر میں مبتلا ہیں۔

پس اگر یہ معیّن لوگ نہیں تھے تو قرآن کریم نے کن کا ذکر فرمایا ہے کن کے پاس لوگ جایا

کرتے تھے، ان کو سمجھایا کرتے تھے کون آگے تکبر سے سر مٹکایا کرتے تھے اور کون تھے جو خدا کی راہ سے روکتے تھے اور باز نہیں آتے تھے اور مسلسل تکبر میں مبتلا رہے۔ سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ اَسۡتَغۡفَرۡتَ لَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ ؕ برابر ہے ان پر خواہ تو ان کے لئے استغفار کرے یا نہ استغفار کرے۔ سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ اگر ان کے دلوں پر مہر لگ گئی تھی تو پھر استغفار سے کوئی ان کو فائدہ پہنچ سکتا تھا؟ کیا حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کا استغفار ان کو عذاب سے بچا سکتا تھا؟ صحابہؓ اپنی خوش فہمی میں یہ کہتے تھے مگر اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ جن لوگوں کے دلوں پر ہم مہر کر دیں ان کو کسی نبی کا استغفار بھی بچا نہیں سکتا۔ ان کی تقدیر ہمیشہ کے لئے لکھی جا چکی ہے۔ آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا برابر ہے ان پر خواہ تو ان کے لئے استغفار کرے یا نہ کرے۔ لَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ اللہ ہرگز کسی صورت میں ان کو معاف نہیں فرمائے گا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِيۡنَ اور اللہ تعالیٰ فاسقوں کی قوم کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ هُمُ الَّذِيۡنَ يَقُوۡلُوۡنَ لَا تُنۡفِقُوۡا عَلٰى مَنۡ عِنۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰهِ ایسے شریر لوگ ہیں کہ اعلان کرتے پھرتے ہیں کہ جو محمد رسول اللہؐ کے پاس ان کیساتھ رہنے والے ہیں ان پر کچھ خرچ نہ کیا کرو۔ حَتّٰى يَنۡفَضُّوۡا یہاں تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ جائیں۔ پھر پیسہ دو یعنی لالچ بھی دیتے ہیں کہ اگر تم چھوڑ دو تو ہم تمہیں پیسہ دیں گے، ہم ہر طرح سے تمہاری خدمت کریں گے۔ آج کل جرمنی میں بھی یہ مہم چلی ہوئی ہے۔ کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے فضل سے بوسنین احمدیت میں داخل ہو رہے ہیں اور کثرت کے ساتھ وہاں روپیہ پیسہ پھینکا جا رہا ہے اور قطعی گواہیاں اس بات کی ہیں کہ سعودی عرب کا پیسہ وہاں پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے کیونکہ بعض مخلصین جو بوسنین ہیں بوسنین میں تبلیغ میں سب سے آگے اور بڑے ہمت والے باوقار انسان ہیں جن کی باتوں کا لوگوں پر اثر پڑتا ہے انہوں نے بتایا ہے کہ ان کو باقاعدہ پیش کش کی گئی ہے کہ ہم تمہیں اتنے ہزار ماہانہ دیا کریں گے یا اس سے بھی زیادہ اور تم کسی طرح احمدیت کو چھوڑ دو۔ انہوں نے صاف جواب دے دیا کہ میرا ایمان بکاؤ نہیں ہے تم اپنے پیسے اپنے پاس رکھو مگر کسی صورت بھی میں احمدیت نہیں چھوڑ سکتا۔ تو جو اس وقت ہو رہا تھا وہ آج بھی ہو رہا ہے ہم اس کے عینی شاہد ہیں۔ پس قرآن کریم کا جو کلام ہے یہ دائمی اثر رکھنے والا ہے۔ انسانی فطرت سے تعلق رکھتا ہے۔ آغازِ آدم سے قیامت کے دن تک کے واقعات انسانی فطرت کے حوالے سے اس میں بیان ہوئے ہیں جن میں کوئی تبدیلی واقع نہیں

ہوئی۔ تو فرمایا جب وہ یہ کہتے ہیں کہ تم ان کو چھوڑ دو اور ہم تمہیں پھر اس کے نتیجے میں مالا مال کر دیں گے تو اللہ فرماتا ہے۔ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بیوقوف بھول جاتے ہیں کہ آسمان اور زمین کے خزانے تو اللہ کے پاس ہیں۔ یہ کسی کو کیا دیں گے، وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ منافق ایسے بیوقوف لوگ ہیں کہ ان باتوں کو سمجھتے نہیں ہیں۔

اور پھر يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ان میں ایسا بھی بد بخت ہے، جو کھلا کھلا یہ اعلان کرتا ہے کہ ہمیں مدینہ لوٹنے دو، وہاں کا سب سے معزز انسان نعوذ باللہ من ذالک وہاں کے سب سے ذلیل انسان کو نکال باہر کرے گا۔ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ جیسے سب خزائن اللہ ہی کے پاس ہیں، عزتیں بھی سب اللہ ہی کے پاس ہیں اور اس کے رسول ؐ کے لئے ہیں وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ اور مومنوں کے لئے بھی۔ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لیکن یہ منافق لوگ ہیں جو کچھ علم نہیں رکھتے۔

میں نے مضمون کا آغاز اس بات سے کیا تھا کہ سب سے اہم توہین تو اللہ کی ہے۔ اللہ ہی کی ذات سے تعلق میں ہر نیکی کا وجود ہوتا ہے ہر نیک شخص وجود میں آتا ہے خواہ وہ رسول ہو یا غیر رسول ہو۔ تمام عزتیں اللہ ہی کے لئے ہیں اللہ کی عزت کو چھوڑ کر پھر کوئی عزت بھی باقی نہیں رہتی۔ پس ہتک رسول ؐ کا مضمون اللہ کی ہتک سے شروع ہوتا ہے اس کو نظر انداز کر کے تم کن باتوں میں پڑ گئے ہو اور اللہ کی ہتک کا جہاں تک تعلق ہے قرآن کریم نے اس مضمون کو مختلف پیرایوں سے کھول کھول کر بیان فرمایا ہے اور ایک بھی جگہ اللہ تعالیٰ کی ہتک کے نتیجے میں انسان کو اختیار نہیں بخشا کہ وہ اس کو کسی قسم کی کوئی سزا خود دے۔

ایک آیت میں اس سے پہلے پڑھ چکا ہوں اس کے حوالے سے بات کر چکا ہوں اب ایک اور پہلو سے، قرآن کریم کا اسلوب بڑا عجیب ہے، ایک اور پہلو سے اس مضمون کو چھیڑتا ہوں جس کا قومی عقائد سے تعلق ہے۔ قومی عقائد کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ یہ بیان فرما رہا ہے کہ بعض مذاہب کے عقائد ایسے ہیں جن میں خدا تعالیٰ کی کھلی کھلی توہین پائی جاتی ہے اور ان میں سب سے زیادہ توہین آمیز عقیدہ عیسائیت کی طرف منسوب فرمایا گیا۔ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا یہ اعلان کرتے ہیں کہ رحمٰن خدا نے بیٹا بنا لیا ہے۔ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا دیکھو تم بہت ہی سخت بہت بری

بات کر رہے ہو۔ اتنی بری بات ہے کہ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا یہ بات اتنی خطرناک ہے کہ اس سے آسمان پھٹ سکتے ہیں اور زمین دونیم ہوسکتی ہے ٹکڑے ٹکڑے ہوسکتی ہے اور پہاڑ پارہ پارہ ہو سکتے ہیں۔ جس کا خدا پہ ایمان ہو اس کی طرف سے اس سے بڑی گستاخی نہیں ہوسکتی کہ اس نے اپنے بیٹے بنا لئے ہیں یا اس کی کوئی اولاد ہے اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا کس بات سے آسمان پھٹ سکتے ہیں پہاڑ ریزہ ریزہ ہو سکتے ہیں زمین ٹکڑے ٹکڑے ہوسکتی ہے، دوبارہ دھرایا ہے اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا کہ انہوں نے رحمٰن کی طرف اولاد منسوب کر دی ہے۔ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا حالانکہ اللہ کی شان کے خلاف ہے کہ وہ کوئی بیٹا بنا لے۔ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا واقعہ یہ ہے کہ جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے وہ اللہ کے حضور ایک غلام کی صورت میں حاضر ہوگا۔ ایک مخلوق، ایک بندے کی صورت میں حاضر ہوگا اور کوئی شخص اس کے بیٹے کے طور پر اس کے حضور حاضر نہیں ہوگا لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا اللہ تعالیٰ نے ان کا گھیرا ڈال رکھا ہے اور ان کی گنتی سے خوب باخبر ہے جانتا ہے کہ یہ کتنے لوگ ہیں کون ہیں کیا کچھ کرتے ہیں وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا (مریم: 89 تا 96) ان میں سے ہر ایک، ایک ایک کر کے، انفرادی طور پر خدا کے حضور حاضر ہوگا۔ یہ ہے وہ توہین خداوندی جو ایک مذہبی عقیدے کی بنیاد کے طور پر قرآن کریم نے بیان فرمائی ہے اور اتنا سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے کہ قریب ہے اس عقیدے سے آسمان اور زمین اور پہاڑ پھٹ پڑیں لیکن اس کے باوجود انسان کو اختیار نہیں بخشا کہ وہ خدا کی گستاخی کرنے والوں کو کوئی بدنی سزا دے۔

پھر سورۃ کہف (آیات 5,6) میں بھی یہی مضمون بیان فرمایا ہے اور فرماتا ہے كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ بہت ہی خطرناک بات، بہت ہی ظالمانہ بات ہے كَبُرَتْ حد سے بڑھی ہوئی، حد سے تجاوز کی ہوئی بات ہے اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا سوائے جھوٹ کے یہ لوگ اور کچھ نہیں کہتے۔ یہ تو قرآن کریم کا بیان ہے۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کی توہین کا تعلق ہے اور مختلف جگہوں میں مختلف صورتوں میں جہاں تاریخ انبیاءؑ کا ذکر ہے وہاں ان کے معاندین کا، خدا تعالیٰ کا تحقیر سے ذکر کرنا بھی بیان ہوا ہے۔ ایک کے بعد دوسرے نبی کی تاریخ آپ پڑھتے

چلے جائیں قرآن سے پڑھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ تمام قرآن میں اس بات کی قطعی گواہیاں موجود ہیں کہ انبیاءؑ کے مخالفین نے اللہ تعالیٰ کی گستاخیاں کیں اور اسی وجہ سے آنحضرتؐ کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تو ان کی باتوں سے دل آزارمت ہو، یہ ظالم تو اللہ کے خلاف بھی ایسی باتیں کرتے ہیں اور اللہ اور رسولؐ کی ہتک کو اس طرح ایک جگہ باندھ دیا اور نصیحت صبر کی فرمائی، نصیحت اعراض کی فرمائی۔ کہیں یہ نہیں کہا کہ اس کے نتیجے میں تلوار ہاتھ میں لو اور ان کی گردنیں اڑادو۔ جہاں تک عمومی تکذیب کا تعلق ہے میں نے وہ سب آیات اس لئے چھوڑ دی ہیں کہ ہر قرآن کا قاری جانتا ہے بہت زیادہ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں، کیونکہ وقت تھوڑا ہے لیکن کوئی دنیا کا مولوی ایک بھی ایسا نہیں جو اس اعلان کا جو میں یہاں کر رہا ہوں، اس کا انکار کر سکے۔ قرآن کریم کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے خلاف گستاخانہ جملوں کا ذکر فرماتا ہے خدا کی تضحیک، خدا کے ساتھ تمسخر کا ذکر فرماتا ہے اور کسی ایک جگہ بھی انسان کو اجازت نہیں دیتا کہ اللہ تعالیٰ کی ان گستاخیوں کا بدلہ اپنے ہاتھ میں لے۔

کتاب اللہ کی تضحیک کا جہاں تک تعلق ہے صرف قرآن ہی کی نہیں، اس سے پہلے تمام کتب کی تضحیک کی گئی اور قرآن کی بطور خاص تضحیک کی گئی۔ سورۃ نساء آیت 141 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ

کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے کتاب میں یہ تعلیم نازل فرمائی ہے، یعنی عرش سے یہ تعلیم اتاری ہے۔ تمہارے لئے کہ جب بھی تم سنو، اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کیا جائے اور ان سے تمسخر کیا جائے اور یاد رکھیں کہ اٰيٰتِ اللّٰهِ کا مضمون بہت ہی وسیع ہے۔ تمام انبیاءؑ بھی اٰيٰتِ اللّٰهِ میں شامل ہیں اور تمام کتب ”اٰيٰتِ اللّٰهِ“ میں شامل ہیں تو فرمایا کہ تمہارے لئے ہم نے آسمان سے اس کتاب یعنی قرآن میں یہ تعلیم نازل فرمائی ہے کہ جب بھی تم سنو کہ اللہ کی آیات کا انکار کیا جاتا ہے یا ان سے تمسخر کیا جاتا ہے تو کیا کرو؟ تلواریں لے کر ان لوگوں کی گردنیں اڑادو؟ ہرگز نہیں۔ فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ ان کے پاس نہ بیٹھا کرو۔ ہمیشہ کے لئے بائیکاٹ ہے! وہ بھی نہیں۔ فرمایا حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ہاں جب وہ دوسری باتیں شروع کریں تو معاشرے کے جو ملنے جلنے کے آداب ہیں ان کے مطابق ان سے بے شک ملنا جلنا رکھو لیکن اس مجلس میں نہیں

بیٹھنا جس میں خدا تعالیٰ کی آیات کی گستاخی ہو رہی ہو۔ یہ قرآنی تعلیم اور قرآنی سزا ہے جو اتنی وضاحت سے پیش کی گئی ہے کہ فرمایا ہے کہ آسمان سے ہم نے تمہارے لئے بطور خاص یہ تعلیم اتاری ہے اگر تم بیٹھو گے ان کے ساتھ تو کیا ہوگا؟ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ خدا کو تو کوئی نقصان نہیں، اس کے رسولوں کو، اس کی آیات کو تو کوئی نقصان نہیں، فتویٰ یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو ضائع کر بیٹھو گے اور تم ان جیسے نہ ہو جاؤ اس لئے ہم تمہیں بچانے کی خاطر یہ تعلیم دیتے ہیں کہ اس موقع پر ان سے اٹھ کر الگ ہو جایا کرو۔ جہاں تک ان کی سزا کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا اس کی پرواہ نہ کرو۔ یہ اللہ کا کام ہے تمام منافقین اور تمام کافروں کو اللہ تعالیٰ جہنم میں اکٹھا کرنے والا ہے۔ پھر فرمایا وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ (الانعام:69)۔

اور اے مخاطب! اول مخاطب چونکہ واحد ہے اس لئے اول مخاطب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا جب تو دیکھے ان لوگوں کو جو ہماری آیات میں تمسخر کرتے ہیں، تضحیک سے کام لیتے ہیں اور کئی کئی قسم کی باتیں بناتے ہیں۔ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ ان سے اعراض کر، ان سے منہ پھیر لے۔ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں مصروف ہو جائیں پھر ان سے دنیاوی روابط رکھے جا سکتے ہیں۔

یہ ہے عظمت قرآن۔ یہ ہے کلام اللہ کا حوصلہ اور جگرا۔ یہ وہ تعلیم ہے جو مسلمانوں کے علاوہ بطور خاص حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو دی گئی۔ ان آیات کے ہوتے ہوئے اس کے مخالف کوئی معنی نشر کرنا یا قبول کرنا سراسر قرآن اور خدا کی گستاخی ہے۔ پس اگر گستاخی کی کوئی سزا ہے تو ان لوگوں کو ملنی چاہئے جو واضح طور پر قرآن کریم کی کھلی کھلی تعلیم کے خلاف بغاوت کرتے ہیں اور اس تعلیم کا انکار کرتے ہیں جو اللہ نے بطور خاص آسمان سے ان کے لئے نازل کی ہے اور اپنے من مانے معانی قرآن کو پہنانے کی کوشش کرتے ہیں اور جب بھی اپنے حق میں کوئی دلیلیں پیش کرتے ہیں تو ان آیات پر ہاتھ رکھ دیتے ہیں۔ ذکر تک نہیں ملتا ان آیات کا ان کی باتوں میں۔ حالانکہ انصاف کا

تقاضا، تقویٰ کا تقاضا یہ تھا کہ اگر ایک مضمون کو چھیڑا گیا ہے اور اس مضمون کی آیات قرآن کریم میں موجود ہیں تو ان کو نظر انداز کر کے تم کوئی استدلال کرنے کا حق نہیں رکھتے۔ ان کو لو، اکٹھا کرو، پھر دیکھو کہ قرآن کریم کی کھلی کھلی محکمات کیا تعلیم دے رہی ہیں اور کیا بات تم پر کھول رہی ہیں۔ اس کے خلاف جو کچھ بھی ہے وہ ردّ کرنے کے لائق ہے۔

جو تعلیم آج مسلمان ملکوں میں بعض ازمنۂ وسطیٰ سے تعلق رکھنے والے علماء کی طرف سے دی جارہی ہے اس کے نتیجے میں مسلمانوں کا مزاج بگاڑا جارہا ہے اور ایسا خوفناک مزاج ان کو عطا کیا جارہا ہے جن کا اسلام سے کوئی بھی تعلق نہیں۔ وہ صرف گستاخی ہی کے مرتکب نہیں بلکہ سارے عالم میں اسلام کی بدنامی کے مرتکب ہو رہے ہیں اور ایسے دوغلے ہیں کہ جب مغربی ملکوں میں آتے ہیں تو اور تعلیمیں دلاتے ہیں۔ کہتے ہیں اسلام تو بڑے حوصلے کا مذہب ہے سب سے برابر کا سلوک کرتا ہے ہر شخص کے خواہ وہ کافر ہو، خواہ وہ مومن ہو، حقوق سب برابر ہیں، یہاں تک کہ مولوی انگلستان میں یہ اعلان کرتے رہے کہ ہمارے اور احمدیوں کے ہمارے ملک میں حقوق بالکل برابر ہیں کوئی بھی فرق نہیں اور عیسائیوں کو کوئی خطرہ نہیں، ہندوؤں کو کوئی خطرہ نہیں۔ یہ غیر ملکوں کے اعلانات ہیں اور اپنے ملک میں جو اعلانات ہوتے ہیں وہ کیا ہیں اور کیا کردار بنا رہے ہیں؟ اس کی مثال یہ ہے کہ قرآن کریم کی ہتک کے الزام میں ایک شخص کو عدالت میں پیش کئے بغیر محض ملاؤں کے اعلان کے نتیجے میں گوجرانوالہ میں جس جلّادی کے ساتھ، جس ظالمانہ طور پر مارا گیا ہے اس کے واقعات پڑھ کے لرزہ پیدا ہو جاتا ہے۔ حافظ سجاد فاروق آف گوجرانوالہ کو 12 راپریل کو اس الزام پر کہ اس نے قرآن کریم کی توہین کی ہے اور اسے جلایا ہے، یہ الزام کیسے لگا اس پر؟ وہ چائے بنا رہا تھا ابلتا ہوا پانی غلطی سے اس سے، پاس قرآن کریم رکھا ہوا تھا، اس پر جا پڑا۔ اس بے چارے نے استغفار کے رنگ میں توبہ کے رنگ میں کہا اوہو ہو! مجھ سے کیا گناہ ہو گیا، قرآن جل گیا ہے۔ اس کی بیوی نے بلند آواز سے کہا اوہو ہو! کیا ظلم ہو گیا ہمارے ہاں میاں کے ہاتھ سے قرآن جل گیا۔ وہ پتلی دیوار تھی ہمسایوں نے اس بات کو سن لیا۔ انہوں نے شور مچایا، مولویوں تک بات پہنچی، ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ سارا محلّہ، اردگرد سے لوگ بلوائی بن کر اکٹھے ہو گئے، پولیس لائی گئی، پولیس کے ہاتھوں زبردستی چھین کر اس بے چارے کا جو حشر کیا گیا، بغیر پوچھے، بغیر وضاحت طلب کئے وہ یہ تھا۔ یہ ایک خبر کے حوالے سے میں آپ کو بتا

رہا ہوں مساجد سے اعلان کیا گیا اور لوگوں سے کہا گیا کہ وہ تھانے پہنچ جائیں اور پولیس سے چھڑا کر اس شخص کو خود سزا دیں۔ مساجد سے ہی قتل کا فتویٰ جاری کیا گیا، ہزاروں لوگوں نے تھانے پر حملہ کیا اسے سنگسار کرنے کے لئے پولیس سے زبردستی چھڑوا لیا اور ننگا کر کے، (یہ قرآنی تعلیم پر عمل ہو رہا ہے) ننگا کر کے سنگسار کرنا شروع کیا۔ وہ اللہ کے واسطے دیتا رہا کہ سب جھوٹ ہے میں قرآن کی عزت کرنے والا ہوں اور کسی نے اس کی بات کو نہ سنا۔ وہ حافظِ قرآن تھا جس کے اوپر یہ الزام لگایا جا رہا ہے۔ اس کے بعد اس کی نعش کو جلایا گیا اور جلی ہوئی نعش کو موٹر سائیکل کے پیچھے باندھ کر شہر کی گلیوں میں گھسیٹا گیا اور پھر اس جلی ہوئی گھسیٹی ہوئی نعش پر سنگ باری کی گئی۔ آخر پولیس نے مسخ شدہ لاش حاصل کی اور پولیس کے اہل کار اسے رات کے اندھیرے میں لے کر قبرستان میانی صاحب میں دفن کر آئے۔ یہ ایک اور دلچسپ بات ہے۔ احمدی اگر ان کے قبرستان میں دفن ہو جائے تو ان کے سارے جو مدفون ہیں ان کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے کہیں خدا ان کو بھی جہنم میں نہ ڈال دے کہ احمدی کیوں پاس دفن ہو گیا۔ وہ شخص اگر واقعی ایسا مردود تھا کہ اس نے قرآن کریم کی ہتک کی تھی تو قطعِ نظر اس کے کہ قرآن کیا کہتا ہے ان کے نزدیک اس سلوک کے لائق تھا جو اس سے کیا گیا ہے اور وہ میانی صاحب کے قبرستان میں دفن ہے کسی اور مردے کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوا۔ مگر یہ تو ضمنی بات ہے۔

یہ وہ ظالمانہ کردار ہے جس کو حضرت اقدس محمد ﷺ کی طرف، قرآن کی طرف منسوب کرنا اتنی بڑی گستاخی ہے کہ اگر کسی گستاخی کی کوئی سزا ہے تو اس گستاخی کی سزا ہونی چاہئے۔ قرآن تو سزا نہیں پیش کرتا، حدیث سے تو کوئی سزا ثابت نہیں لیکن جن لوگوں کے نزدیک ہے انہوں نے مولویوں کا منہ کیوں کالا نہیں کیا؟ کیوں ان کو نہیں پکڑا، کہ تم نے بڑی بدبختی کی ہے، انصاف کے سارے تقاضے بالائے طاق رکھتے ہوئے ان کو پارہ پارہ کرتے ہوئے تم نے قرآن کی طرف غلط تعلیم منسوب کی۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے کردار کی طرف غلط تعلیم منسوب کی اور پھر اپنی طرف سے خود ہی منصف اور خود ہی عادل بن بیٹھے اور فیصلہ وہ کیا جس کا عدل سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں۔ جن ملکوں میں یہ خوفناک مزاج پیدا کیا جا رہا ہے اس کی پہچان اس سے بڑھ کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ کوئی مولوی، بدبخت سے بدبخت مولوی اگر اس کو کہا جائے کہ خدا کی قسم کھا کے یہ اعلان کرو کہ میرے نزدیک حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے وقت میں ایسا واقعہ ہوتا تو محمد رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے ساتھی یہ

حرکتیں کرتے ؟ کبھی ایسی قسم کھانے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ جانتا ہے کہ وہ جھوٹا ہے، جانتا ہے کہ قرآن اور محمد رسول اللہؐ کی سنت سے ان باتوں کا کوئی دور کا بھی تعلق نہیں۔

جہاں تک انبیاءؑ کی توہین کا تعلق ہے قرآن کریم بھرا پڑا ہے۔ چند آیات نمونۃً میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں جس میں مسلسل انبیاءؑ کی توہین کا ذکر چلتا ہے اور کسی ایک جگہ بھی انسان کو اس توہین کے نتیجے میں توہین کرنے والے کو سزا دینے کا اختیار نہیں دیا گیا۔

فرماتا ہے كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ (الذاریات:53) اسی طرح ان سے پہلے جو رسول آتے رہے ہیں یعنی پہلے رسولوں کا ذکر ہے ان کا ذکر کر کے فرمایا: اسی طرح ان سے پہلے بھی جو رسول آتے رہے ہیں یعنی پہلے جب بھی آتے تھے ان کو ان کے مخالفین نے ان کو جادوگر کہا یا پاگل قرار دیا اور پاگل اور جادوگر قرار دینا کیا مولویوں کے نزدیک عزت کے کلمات ہیں یا تذلیل کے کلمات ہیں، اگر تذلیل کے کلمات ہیں تو بتایئے ان کی کہاں سزا قرآن کریم نے مقرر فرمائی ہے۔

سورۃ یٰسین آیت 31 میں ہے۔ مَا يَأْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ایک بھی رسول ان بد بخت دنیا والوں کے پاس نہیں آیا مگر ضرور اس سے وہ ٹھٹھا کرتے رہے اور تمسخر اڑاتے رہے۔ کیا اس کا نام ہتکِ رسالت ہے یا نہیں ہے؟ یہ سوال اٹھتا ہے۔ اگر رسولوں کا مذاق اڑانا گستاخی نہیں ہے اور ہتک نہیں ہے تو پھر ہتک کا تمہارا تصور کیا ہے؟ اور اگر ہے اور یقیناً ہے تو اس کی سزا قرآن کریم نے کہاں مقرر فرمائی ہے؟ پھر فرمایا: وَمَا يَأْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (زخرف:8) میں بھی یہی مضمون ہے۔

سورۃ الاعراف آیت 61 کے حوالے سے ہے نوحؑ کو ان کی قوم نے کہا اِنَّا لَنَرٰىكَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ہم تمہیں اول درجے کا گمراہ پاتے ہیں کھلا کھلا ضلالت والا، راہِ راست سے ہٹا ہوا۔ مولویوں کے نزدیک پتا نہیں یہ ہتک ہے یا نہیں ہے مگر میں عام انسان کو جس کی عقل اس قدر مسموم نہیں ہو چکی کہ اپنے عقائد کے چکر میں پڑ کر اس میں سوچنے کی طاقت بھی نہ رہی ہو، ان کو مخاطب کرتے ہوئے میں بتاتا ہوں کہ یہ مسلسل ہتک کی باتیں ہیں اور شدید گستاخی کے واقعات ہیں جو قرآن کریم کی رُو سے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ پیش آتے رہے۔ پھر حضرت نوحؑ کو کہا

قَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّ ازْدُجِرَ (القمر:10) کہ یہ شخص مجنون ہے اور ایسا دھتکارا ہوا ہے جو چاہے اس کے ساتھ ڈانٹ ڈپٹ کا سلوک کرے اسے ذلیل ورسوا کرے، کھلی چھٹی ہے۔ حضرت نوحؑ کے متعلق کہا اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ (المومنون:26) اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ اس کو تو جن چڑھ گیا ہے اور جن چڑھنا، شیطان چڑھنا ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔

ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق کہا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ (الانبیاء:69) کہ یہ ایسا شخص ہے کہ اس کی سزا آگ میں جلائے جانے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اگر تم اپنے معبودوں کی مدد کرنا چاہتے ہو تو اس کو آگ میں جلا دو۔ یہ عزت افزائی کے کلمات ہیں جو قرآن کریم نے ابراہیمؑ کے واقعات میں بیان فرمائے ہیں؟

پھر لوطؑ کے متعلق کہا قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ (الشعراء:168) انہوں نے لوطؑ سے کہا کہ اگر تو باز نہیں آئے گا تو ہم تجھے ضرور دیس سے نکال دیں گے اپنے ملک سے نکال باہر کریں گے۔

اور حضرت صالحؑ سے کہا قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ (الشعراء:154) کہ تجھ پر تو جادو ہو چکا ہے، اپنے ہوش، عقل ٹھکانے نہیں رہے جادو والے سے ہم کیا بات کریں۔ پھر مزید اس پر یہ بات بڑھائی بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ (القمر:26) وہ بہت سخت جھوٹا اور حد سے بڑھا ہوا ہے اپنی بے راہ روی میں۔

حضرت ہودؑ کے متعلق الاعراف: 67 میں لکھا ہے قوم نے کہا اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ اے ہود! ہم تو تجھے بہت ہی بیوقوف دیکھ رہے ہیں، پرلے درجے کا احمق انسان ہے وَّ اِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ صرف یہی نہیں ایک بیوقوف، اوپر سے جھوٹا یعنی جیسے کہتے ہیں کریلا اور نیم چڑھا تو کہتے ہیں بیوقوف تو خیر تو ہے ہی، اوپر سے جھوٹا بھی نکلا ہے۔ یہ عزت افزائی کے کلمات مولویوں کے نزدیک ہوں گے کیونکہ ان میں کوئی سزا مقرر نہیں اگر ہتک رسول ہوتی تو سزا بھی تو ہونی چاہئے تھی۔

حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ کے متعلق فرعون نے کہا اور فرعون کی قوم نے: اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَ قَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ (المومنون:48) کیا ان جیسے عام انسانوں کی

ہم اطاعت کریں جبکہ ان کی قوم ہماری عبادت کر رہی ہے۔ عٰبِدُوْنَ کا مطلب غلام ہے اور چونکہ اس میں عبادت کا مفہوم بھی ہے تو غلامی اس حد تک پہنچ جائے کہ گویا کسی مالک کی کسی آقا کی پرستش شروع ہو جائے۔ یہ دونوں مضمون اس ایک لفظ میں داخل ہیں۔ ہمارے غلام، ہمارے نوکر چاکر، ان کی مجال کیا ہے؟ یہ تو گویا ہماری عبادت کرتے ہیں اور ان لوگوں میں سے یہ موسیٰ ہو اور ہارون، اور ہم ان کی اطاعت کرنی شروع کر دیں یہ کیسے ممکن ہے؟

حضرت شعیبؑ کے متعلق قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ وہی مُسَحَّرِيْن کا الزام جو حضرت صالحؑ پر لگایا گیا تھا شعراء آیت 185 میں درج ہے کہ حضرت شعیبؑ پر بھی لگایا گیا۔ الشعراء 187 میں ہے وَ اِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ہم تو سوائے اس کے کچھ نہیں جانتے کہ تو یقیناً جھوٹا ہے۔ انبیاءؑ پر الزام کی تو یہ داستان ہے۔

انبیاءؑ کے مقدس خاندان، اہلِ بیت سے تعلق رکھنے والوں اور ان کی ماؤں پر بھی تو الزام لگائے گئے اور وہ بھی ایسی چیز ہے جس سے بہت اشتعال پیدا ہوتا ہے۔ عام دنیادار، اللہ کی ہتک پر اتنے مشتعل نہیں ہوا کرتے جتنے اپنے انبیاءؑ اور ان کے رشتے داروں کی گستاخی پر مشتعل ہو جاتے ہیں۔ تو ایک طرف تو عیسائیوں کا وہ عقیدہ بیان کیا گیا جو مؤحدین کو مشتعل کرنے والا تھا۔ اب یہودی مؤحدین کا وہ عقیدہ بیان کیا جا رہا ہے جو عیسائیوں کے لئے جائز وجہِ اشتعال رکھتا ہے لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے کسی سزا کا کوئی اعلان نہیں فرمایا وَّبِكُفْرِهِمْ وَ قَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا (النساء: 157) کہ یہود ایسے ظالم لوگ ہیں کہ صرف کفر نہیں کیا بلکہ مسیح کی ماں پر نہایت ناپاک الزام لگایا جس کے نتیجے میں مسیحؑ بھی ایک جائز انسان کہلانے کا مستحق نہیں رہا۔ کیا یہ ہتکِ عزت نہیں ہے؟ کیا یہ رسول اور اس کی ماں اور ان دونوں کی ایسی ہتک نہیں ہے کہ اگر کوئی سزا مقرر ہونی چاہئے تو یہاں اعلان ہو جانا چاہئے تھا کہ اس کی یہ سزا ہے! تو پھر تم ان باتوں کو کس کھاتے میں ڈالو گے؟ کیسے ان آیات کے ہوتے ہوئے ان قوموں سے سلوک کرو گے؟ اگر اپنی من مانی کرنی ہے تو ہر ہتک کے نتیجے میں قتل لازم ہے اس لئے اگر تقویٰ کا ادنیٰ سا بھی شائبہ تمہارے اندر پایا جاتا ہے تو اس اعلان کے بعد ایک طرف عیسائیوں کے قتل وغارت کے لئے تلواریں سونت لو اور نکل کھڑے ہو دوسری طرف یہود کو فنا کرنے کے لئے ان پر حملہ آور ہو جاؤ اور یہ نہ دیکھو کہ اس راہ میں

تمہاری جان جاتی ہے کہ ان کی جاتی ہے۔ اگر یہ دیکھنا ہے تو پھر غیرت کون سی ہوئی؟ غیرت تو وہ ہوا کرتی ہے کہ جب مثلاً ماں کی بےعزتی ہو تو بچے خواہ ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں، بڑے سے بڑے ظالم کے سامنے نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ غیرت تو مرغی سے سیکھو کہ جب اس کے بچوں پر چیل جھپٹتی ہے تو وہ تن جاتی ہے اور چیل کے سامنے اٹھتی ہے اور اس کے مقابلے کے لئے اڑانیں کرتی ہے۔

جب خون خوار ؎ کتّا جس کے سامنے اس کی کوئی حیثیت نہیں اس کے

چوزوں پر حملہ آور ہوتا ہے تو قطعِ نظر اس کے کہ اس کی جان پر کیا بنے گی وہ درثمین صفحہ:140

بپھرتی ہوئی اس کتے پہ جا پڑتی ہے۔ یہ عام جانوروں کی غیرت ہے، تم ایسے ظالم لوگ ہو کہ خدا اور رسولؐ کی عزت کی غیرت کے حوالے دیتے ہو اور قرآن میں جہاں جہاں ان کی بےعزتیوں کا ذکر ہے ان سے آنکھیں بند کر کے گزر جاتے ہو اور کہتے ہو کہ یہاں نہیں۔ عیسائی بہت طاقتور لوگ ہیں، ان کو ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ یہودی بہت طاقتور ہیں، ان کو ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ہم تو وہیں اپنی غیرت کا مظاہرہ کریں گے جہاں ہم اتنے طاقتور ہوں کہ ہمارے قتل کے نتیجے میں ہمارے منہ پر خراش بھی نہ آ سکے۔ اسلامی غیرت کا یہ تصور ہے!؟ کس کس جگہ انہوں نے اسلام کو بدنام کیا ہے وہ شمار میں نہیں آ سکتیں باتیں؟ اب آگے چلئے یہ بھی کہتے ہیں کوئی ایسی بات نہیں۔ حضرت مریمؑ کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں یہود، رکھتے پھریں ہمیں کیا اس سے۔ آنحضرت ﷺ کے متعلق کہتے ہیں کہ سب بےعزتیاں برداشت، خدا کی بےعزتی برداشت مگر محمد رسول اللہؐ کی بےعزتی ہم برداشت نہیں کر سکیں گے۔

آیئے اب قرآن کریم سے آنحضرت ﷺ کی ہتک کے واقعات کا اور ان کے نتیجے میں پیدا ہونے والے حالات کا مطالعہ کرتے ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۛ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۚ (الفرقان:5)

یہ کہتے ہیں کہ یہ سوائے جھوٹ کے اور کچھ نہیں جو محمدؐ نے خود گھڑ لیا ہے اور یہی نہیں یہ ایک اور قوم کا ایجنٹ بھی ہے وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ اس جھوٹ، افتراء باندھنے میں اور گھڑنے میں ایک دوسری قوم نے اس کی مدد کی ہے، اپنے لوگ نہیں ہیں۔ اٰخَرُوْنَ سے مراد ہے کوئی باہر کی قوم ہے جو اس کی مدد کے لئے آئی ہے فَقَدْ جَآءُوْ انہوں نے مل کر یہ شرارت کی ہے

جَآءُوْ ظُلْمًا وَّ زُوْرًا بہت بڑا ظلم کمایا ہے ان لوگوں نے مل کر اور بہت بڑا جھوٹ گھڑا ہے۔ کیا یہ ہتک رسولؐ ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو تمہاری منطق کیا ہے تمہاری عقل کو کیا ہو گیا ہے۔ ہتک اور کس کو کہتے ہیں اور اگر ہے تو اس کی سزا بتاؤ قرآن کریم میں کہاں لکھی ہے؟

وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ۝ (الفرقان: 6)

اور اسی پر بس نہیں کی، انہوں نے کہا یہ تو پرانے لوگوں کی باتیں ہیں۔ اكْتَتَبَهَا محمد رسول اللہ ﷺ نے، رسولؐ اللہ تو میں کہہ رہا ہوں یعنی ان کے نزدیک محمد ﷺ نے اكْتَتَبَهَا اسے لکھوا رکھا ہے، کسی کی مدد سے لکھوا لیا ہے فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا یہ جانتے تھے اور اقرار کرتے تھے کہ پڑھے ہوئے نہیں ہیں اس لئے لکھوایا بھی کسی سے اور کوئی اور پڑھنے والا صبح شام ان پر یہ باتیں پڑھ کے سناتا ہے تاکہ یہ بھول نہ جائیں۔

پھر سورۃ المومنون کی آیات ہیں ان میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان ظالموں نے محمد رسول اللہ ﷺ کو کیا کیا کہہ کر اذیتیں پہنچائیں کہا، اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ۨ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا انہوں نے کہا کہ ایسا شخص ہے جس نے خدا پر جھوٹ کا طومار باندھ رکھا ہے وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ہم ایسے شخص پر ایمان ہرگز نہیں لا سکتے۔ محمد رسول اللہ نے کیا جواب دیا اپنے غلاموں کو یہ تلقین فرمائی کہ اٹھو تلواریں سونتو اور ان کے سرتن سے جدا کر دو! ہرگز نہیں۔

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ اے میرے رب تو میری مدد فرما اس وجہ سے کہ لوگ مجھے جھٹلا چکے ہیں میرا کوئی اختیار نہیں۔ تو ہی ہے جو میری مدد فرما سکتا ہے۔ (المومنون: 40-39)

پھر آنحضرت ﷺ کو دیوانہ کہا گیا۔ سورۃ الحجر میں فرماتا ہے:

وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ (الحجر: 7) انہوں نے کہا اے وہ شخص! اور خطاب دیکھیں کیسا تحقیر کا ہے۔ اے وہ شخص جس پر ذکر اتارا جارہا ہے تو یقیناً پاگل ہے اس کے سوا ہم اور کچھ نہیں کہہ سکتے لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (الحجر: 8) اگر تو سچا ہوتا تو ہمارے پاس فرشتے لے کے کیوں نہ آتا مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ۝ (الحجر: 9)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سزا تو دینی ہے۔ ہم ہی دیں گے، مگر جب حق پوری طرح ثابت ہو جائے ان پر۔ پھر خدا فرشتے بھیجتا ہے اور جب فرشتے بھیجتا ہے، تو ان لوگوں کو پھر کوئی مہلت نہیں دی جاتی۔ پھر آنحضرت ﷺ کو بار بار مجنون کہا گیا۔ القلم کی آیت 52 میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں جس میں کچھ تھوڑا تھوڑا مضمون کا اضافہ ہے میں وہی آیات لے رہا ہوں ورنہ آیات تو بہت کثرت سے ہیں

وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ﴿٥٢﴾ ایک طرف تو ذکر کا یعنی خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والے کلام کا حوالہ دیتے ہیں تحقیر کے ساتھ اور طعنوں کے ساتھ کہ گویا وہ جس پر ذکر اتارا جا رہا ہے۔ تیرا یہ حال ہے کہ اللہ نے چنا بھی تو کس شخص کو چنا جو مجنون ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس ذکر کو وہ طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے ہیں جب وہ سنتے ہیں تو غیظ و غضب میں مبتلا ہو جاتے ہیں معلوم ہوتا ہے اس ذکر میں کوئی ایسی طاقت ہے، ایسی شان ہے جس سے ان کے سینوں میں آگ بھڑک اٹھتی ہے ورنہ پاگلوں والی باتوں پر تو کوئی بھڑ کا نہیں کرتا۔ پاگلوں والی باتوں پر تو ہم نے سوائے اس کے کہ کوئی پاگل ہو کسی کو غصہ میں آتے نہیں دیکھا وہ ہنستے ہیں مذاق اڑاتے ہیں پتھر بھی مار دیتے ہیں مگر پاگل کی بات، پاگلوں والی سن کر کوئی بھڑک اٹھے، یہ نہیں ہو سکتا۔ تو قرآن کریم کا اندازِ بیان دیکھیں، اسی بیان میں اس کا توڑ بھی رکھ دیا بتا بھی دیا کہ تم جھوٹے ہو اگر یہ ایسا ذکر تھا جو تمہارے سامنے پیش کرتا ہے جو پاگلوں والی باتیں ہیں، تمہیں غصہ کس بات کا آجاتا ہے؟ فرماتا ہے۔ وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ﴿٥٢﴾ پاگل ایسے ہیں کہ جب ذکر کو سنتے ہیں تو غیظ و غضب سے ان کی آنکھیں لال ہو جاتی ہیں یعنی آنکھیں لال ہونے کا تو اردو محاورہ ہے، قرآن کریم فرماتا ہے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ہے ذکر سنتے ہیں تو یوں لگتا ہے کہ ابھی تجھے غضب آلود نظروں سے پھسلا دیں گے۔ اب پاکستان سے آئے ہوئے لوگ تو خوب اچھی طرح جانتے ہیں۔ مولوی جن آنکھوں سے ان کو دیکھتا ہے وہ لگتا ہے کہ غضب ناک نظروں ہی سے ان کے پاؤں تلے سے زمین نکال دے گا اور وہی فطرت انسان کی قدیم سے اسی طرح چلی آرہی ہے۔ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں بھی یہی حال تھا ان لوگوں کا۔ اس سے پہلے زمانوں میں بھی یہی حال

تھا کہ بات سنتے تھے اور غصہ آ جاتا تھا اور غضب آلود نگاہیں ڈال ڈال کر ڈرانے کی کوشش کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے یہ شخص تو محض دیوانہ ہے اگر دیوانہ ہے تو دیوانے کی بڑ پر غصہ کس بات کا آتا ہے؟

پھر فرمایا وَ اِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ﴿۴۲﴾ (الفرقان: 42) کہ جب تجھے دیکھتے ہیں تو تمسخر اور ٹھٹھوں کا نشانہ بنا لیتے ہیں، جب دیکھتے ہیں تیرا مذاق اڑاتے ہیں اور بات اس طرح کرتے ہیں اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا دیکھو دیکھو یہ وہ شخص ہے جسے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے! کیسا تکبر، کیسی تحقیر اور ان سب گستاخیوں کا ذکر کرتے کرتے ایک جگہ بھی اللہ تعالیٰ تلوار پکڑ کر ان کے سر اڑانے کی تعلیم نہیں دے رہا۔ مولویوں کے کان میں اگر کسی نے پھونک دیا تو وہ اللہ نہیں ہے جس نے محمد رسول اللہ پر کلام نازل فرمایا تھا کوئی اور روح ہے جو یہ باتیں پھونک رہی ہے کیونکہ اس خدا کو اس وقت یاد نہیں تھا کہ آئندہ زمانوں میں گستاخی کی سزا موت اور موت کے سوا کوئی مقرر نہیں کرنی اور وہ بھی انسانی ہاتھوں سے۔ پس قرآن کے نزول کے وقت تو اللہ تعالیٰ کو یہ باتیں یاد نہیں اب مولویوں کو کہاں سے سجھائی دے گئیں۔ صاف پتا چلتا ہے کہ کوئی اور چیز ہے جو ان کے کانوں میں یہ باتیں گھول رہی ہے یا پھونک رہی ہے۔ پھر فرمایا:

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۲﴾ (الانبیاء: 42) اور یقیناً تجھ سے پہلے بھی تمام رسولوں کی تضحیک کی گئی۔ پس جس چیز سے وہ تضحیک کیا کرتے تھے اس تضحیک نے خود ان کو گھیرے ڈال لئے یعنی خدا کی تقدیر نے ان سے سزا دینے کے لئے وہ ساری باتیں ان کے خلاف پیدا کر دیں جو انبیاءؑ کے خلاف وہ استعمال کیا کرتے تھے۔

وَ اِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ (الانبیاء: 37) کہ یہ لوگ جب تجھے دیکھتے ہیں تجھ سے مذاق کرتے ہیں ٹھٹھا کرتے ہیں اور باتیں اس طرح کرتے ہیں کہ یہ وہ شخص ہے جو ہمارے معبودوں کے تذکرے کرتا ہے دیکھو دیکھو اس کی صورت دیکھو! کیا یہ سب عزت افزائی کے کلمات ہیں؟ اگر نہیں تو قرآن کریم نے کہاں ان کی سزا مقرر فرمائی اور ان سب باتوں کو سن کر حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے خود کیا نمونہ دکھایا۔ یہ آیات تو مسلسل ایک سلسلہ ہے تمام انبیاءؑ کی تضحیک کا تذکرہ ایک طرف اور حضرت اقدس محمد ﷺ کے

خلاف گستاخیوں اور تمسخر کا تذکرہ ایک طرف۔ قرآن کریم میں یہ مضمون پہلے تمام انبیاء کے مضمون پر بھاری ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ تمام انبیاءؑ سے جو مذاق کئے گئے جو ان کی رسوائیاں کرنے کی کوشش کی گئی وہ سارے ایک طرف اور آنحضرت ﷺ سے جو بدسلوکی کی گئی، وہ پھر ان سب انبیاءؑ سے کی گئی بدسلوکیوں پر بھاری ہوتی ہے۔

پھر یہ بھی کہا گیا کہ ہم اس لئے اس کی دشمنی کرتے ہیں کہ آباؤ اجداد کے مذہب سے ہٹانے والا ہے۔ پھر کہا گیا کہ یہ شاعر ہے ہم تو انتظار کر رہے ہیں کہ زمانے کی آفات اس کو کچل کے رکھ دیں گی۔ (الطّور: 31) پھر کہا گیا کہ پراگندہ خیالات اور خوابوں ہی کو اپنا الہام بنا بیٹھا ہے۔ پراگندہ خوابیں ہیں نفسانی خیالات ہیں۔ (الانبیاء:6) اور آج کل کے مولوی الہام سے ملتا جلتا ایک اور غلیظ لفظ استعمال کرتے ہیں تو ترقی یافتہ ہیں کافی، وہی طرز ہے وہی نہج ہے جو پہلوں کی تھی، صرف بدکرداریوں میں اور بدزبانیوں میں ان سے آگے بڑھ چکے ہیں۔ کہتے ہیں اس نے تو اپنی طرف سے بات بنالی ہے (الطّور:34) پھر معجزات کا انکار اور یہ کہنا کہ کہتے ہیں بڑے معجزات آئے ہیں ایک بھی لا کے دکھائے معجزہ تب ہم مانیں گے یہ تو ایک بھی معجزہ پیش نہیں کرسکتا (الروم:59) اب یہ باتیں میں پرانے زمانے کی کر رہا ہوں جن کو قرآن کا زیادہ علم نہیں ہے وہ شاید یہ سمجھ رہے ہوں میں اس زمانے کی بات کر رہا ہوں بعینہٖ یہی بات پاکستان کے مولوی، احمدیوں سے کہتے اور ان سے مطالبے کرتے ہیں کہتے ہیں تم کہتے ہو مرزا صاحب نے بڑے معجزے دکھائے، ایک لا دو۔ ایک بھی آیا تو ہم مان جائیں گے اور جو معجزوں کا سردار تھا جس سے معجزوں کے سمندر پھوٹے جس کے کلام کے متعلق فرمایا گیا کہ اگر سمندر ان نشانات کو لکھ لیں ان آیات کو جو قرآن میں نازل ہو رہی ہیں اور ان کے معانی کو۔ سمندر سیاہی بن جائیں اور درخت قلم بن جائیں تو ایک کے بعد سمندر پر سمندر ختم ہوتے چلے جائیں اور نئے ان کی مدد کو آتے چلے جائیں تب بھی آیاتِ الٰہی، کلمات اللہ کا مضمون ختم نہیں ہوگا اور سب سے بڑا کلمات کا مضمون قرآن کریم میں بیان ہے۔

پس یہ وہ لوگ ہیں جو اس وقت بھی یہی کہا کرتے تھے کہ ایک دکھا دو، ایک نشان لاؤ اور ہم ایمان لے آئیں گے اللہ تعالیٰ اس کا بھی جواب دے چکا ہے وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ وہ خدا کی قسمیں کھا کھا کر یہ اعلان کرتے ہیں لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ

لَيُؤْمِنُنَّ بِهَا اگر وہ ایک بھی محمد رسول اللہ ﷺ آیت لا دیں تو وہ ضرور اس پر ایمان لے آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَاۤ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (الانعام:110) اللہ کے پاس تو بے شمار آیات ہیں مگر کیسے تمہیں سمجھا دیں کہ جھوٹے ہیں بد بخت ساری آیات بھی آ جائیں تب بھی یہ نہیں مانیں گے، پہلے تھوڑی آیات ہیں جن کا انکار کر بیٹھے ہیں اور کون سی آیت ان کو منوا لے گی۔

تو ان کا سلوک تھا انبیاءؑ سے، یہ سلوک حضرت اقدس محمد ﷺ کے ساتھ تھا اور پھر یہ کہ تیری باتیں سننے کی ٹوہ رکھتے ہیں اور جب تو ان سے باتیں کرتا ہے تو پھر نظر انداز کر دیتے ہیں بے عزتی کرتے ہیں گویا ان کے کانوں میں بوجھ پڑ گیا ہے یہ سارے طریق انہوں نے حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کو جھٹلانے اور آپؐ کی تکذیب کے اور آپؐ کی تذلیل کے اختیار کئے لیکن آنحضرت ﷺ نے کہیں اس کے جواب میں سوائے اس کے کہ ان کو ہدایت کی دعائیں دی ہوں ان کے خلاف کوئی بدنی کارروائی نہیں فرمائی نہ آپؐ کو اس کی تعلیم دی گئی جہاں تک معین تذلیل کا تعلق ہے، جہاں تک ایک معین واقعہ تضحیک کا تعلق ہے اس سورۃ میں وہ آخر پر بیان ہوا ہے جس کی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی تھی۔ وہ آیت یہ ہے:

يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَاۤ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ سورۃ المنافقون میں جن منافقوں کا ذکر ہے ان کے سردار کی بات اب ہو رہی ہے اور اس کا معین ہونا اتنا قطعی ہے کہ کوئی ادنیٰ سا بھی شعور رکھنے والا یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کی Identity نہیں ہے۔ لوگ جانتے نہیں تھے کہ یہ کون ہے۔ فرمایا يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَاۤ اِلَى الْمَدِيْنَةِ وہ منافقین یہ اعلان کر رہے تھے کہ جب ہم مدینے واپس لوٹیں گے تو وہاں کا سب سے معزز انسان یعنی عبد اللہ بن ابی بن سلول مدینے سے وہاں کے سب سے ذلیل انسان کو نکال باہر کرے گا۔ اس سے بڑی گستاخی رسولؐ کا تصور بھی ممکن نہیں، ایسے خبیث الفاظ میں ایک انسان صحابہؓ کے سامنے کھلم کھلا یہ اعلان کرتا پھرے اور اس کے ساتھی اس بات کو شہرت دے رہے ہوں۔ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ اور حال یہ ہے کہ تمام عزت اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی ہے اور انہی کے واسطے سے مومنین کو نصیب ہے وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لیکن منافقین جو ہیں وہ نہیں جانتے۔

یہ واقعہ غزوۂ بنی مطلق سے واپسی پر ہوا تھا، ایک چشمے پر پانی کی باری کے انتظار میں انصار اور مہاجرین کا ایک جھگڑا ہو گیا تھا۔ اس کے نتیجے میں عبداللہ بن ابی بن سلول نے فائدہ اٹھاتے ہوئے انصار کو جو مدینے کے رہنے والے تھے مہاجرین کے خلاف کرنے کے لئے اور یہ سمجھ کر کہ آج میرا موقع ہے آج میں اپنی ساری گزشتہ رسوائیوں کا بدلہ اتارلوں گا، یہ بد بخت اعلان کیا تھا۔ اس کے نتیجے میں کیا ہوا۔؟ 'سیرت ابن ہشام' میں اس کا تذکرہ ملتا ہے۔ اسی طرح 'درمنثور للسیوطی' میں بھی اس بات کا حوالہ ہے کہ قرآن کریم نے جس واقعہ کا حوالہ دیا ہے اس کی تفصیل کیا ہے میں اس کی بات کر رہا ہوں۔ ان سیرت کی کتب میں اس کی تفصیل یہ ملتی ہے کہ عبداللہ بن ابی بن سلول نے جب یہ حرکت کی تو صحابہؓ کو بہت طیش آیا مگر کسی صحابیؓ نے قانون کو اپنے ہاتھ میں نہیں لیا بظاہر ان کو یہ یقین تھا کہ یہ شخص واجب القتل ہو چکا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ایک کے بعد دوسرا گیا اور عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ ہمیں اجازت دیں ہم اس بد بخت شخص کا سرتن سے جدا کر دیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے کسی کو اجازت نہیں دی یہاں تک کہ اس کا اپنا بیٹا جو منافق نہیں تھا بلکہ مخلص مسلمان تھا وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ! ہوسکتا ہے آپؐ اس لئے اجازت نہ دیتے ہوں کہ آپؐ کو خیال ہو کہ میرا باپ ہے بعد میں کسی وقت قتل کرنے والے کے خلاف میرے دل میں غصہ نہ پیدا ہو جائے تو یا رسول اللہ ﷺ اس کا حل تو یہ ہے کہ میں بھی تو مسلمان ہوں میری بھی تو غیرت کھول رہی ہے۔ مجھے اجازت دیں کہ میں اپنے ہاتھ سے اپنے باپ کا سرتن سے جدا کروں، اپنے ہاتھ سے اپنے باپ کو قتل کروں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس کی تمہیں کوئی اجازت نہیں۔

یہ ہتکِ رسول کا واقعہ قرآن میں درج ہے اس سے زیادہ قوی کوئی حدیث ایسی پیش کر سکتا ہے کوئی ملّاں؟ جس میں ہتک رسول کا مضمون اس طرح بیان ہوا ہو اور پھر قرآن کے معانی کے خلاف مضمون ہو؟ اگر ہوگا تو وہ قوی ہو ہی نہیں سکتا۔ ہر وہ حدیث جو قرآن کریم کے واضح بیانات سے ٹکراتی ہے وہ ٹکرا کر پارہ پارہ ہو جائے گی کیونکہ وہ حدیث ہی نہیں ہے۔ اس لئے مولوی جب ان آیات کو پڑھتے ہیں اور پھر حدیثوں میں پناہ ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں یہ دو گستاخیاں کرتے ہیں۔ اول یہ کہ قرآن سے اعتبار اٹھاتے ہیں اور حدیث کی طرف دوڑاتے ہیں اور پھر حدیث سے

اعتبار اٹھا دیتے ہیں اور آنحضرت ﷺ کی ذات سے اعتبار اٹھاتے ہیں کیونکہ جیسے قرآن میں کوئی تضاد نہیں محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات میں بھی کوئی تضاد نہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ قرآن کریم کے کھلے کھلے اعلان کے خلاف محمد رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث، ادنیٰ سا بھی مضمون پیش کرے اور اس کو حدیث کہنا ہی گستاخی ہے یا کچھ اس کی باتیں ایسی ہیں جو تمہاری فہم سے بالا ہیں مگر قرآن کریم کے کھلے کھلے اعلان کے بعد کسی حدیث کی طرف اس اعلان سے متضاد مضمون بیان کرنا قرآن کی بھی گستاخی ہے حدیث کی بھی گستاخی ہے، محمد رسول اللہؐ کی گستاخی ہے۔

اب اس واقعہ کے بعد کیا ہوا وہ عجیب داستان ہے احادیث میں اس کا ذکر محفوظ ہے کہ جب یہ شخص اپنی طبعی موت مرا، محمد رسول اللہ ﷺ نے کسی کو اس کو قتل کرنے کی اجازت نہیں دی لہٰذا طبعی موت مرا تو آنحضور ﷺ اس کے جنازے کے لئے روانہ ہوئے۔ صحابہؓ بہت بے چین تھے مگر حضرت عمرؓ کے سوا کسی نے جرأت نہیں کی حضرت عمرؓ آگے راستہ روک کے کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ منافق ہے کیا آپؐ اس کا جنازہ پڑھیں گے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپؐ پر وہ آیات نازل ہوئی ہیں جن میں یہ ذکر ہے کہ اگر تُو ستر دفعہ بھی ان کے لئے استغفار کرے گا تو میں نہیں بخشوں گا اللہ یہ اعلان کر رہا ہے اور حضرت عمرؓ کی ناسمجھی دیکھیں، اپنی ذات میں تو بہت عقل والے تھے رسول اللہ ﷺ کے مقابل پر کسی صحابیؓ کی کوئی فہم کام نہیں کر سکتی، یہ نہیں سوچا کہ جس پر آیت نازل ہوئی ہے وہ اس کا مضمون اس سے بہت زیادہ بہتر سمجھتا ہے جو اس آیت کا حوالہ دے رہا ہے تو حضرت رسول اللہ ﷺ نے جب یہ بات سنی تو فرمایا عمر میرا رستہ چھوڑ دو خدا یہ کہتا ہے نا کہ اگر تو ستر دفعہ بھی استغفار کرے گا تو میں نہیں بخشوں گا، میں ستر سے زیادہ دفعہ استغفار کرلوں گا۔ **اللھم صلی علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد وبارک وسلم۔**

یہ محمد رسولؐ اللہ ہیں۔ یہ قرآن ہے، ہر ایسے الزام سے یہ پاک ہیں اور بلند تر ہیں جو آج کا مولوی اسلام اور محمد رسول اللہ ﷺ اور قرآن پر لگا رہا ہے۔ اس عظیم کردار کے خلاف جس کے حق میں تمام قرآن گواہ کھڑا ہے اور تمام تاریخ انبیاءؑ گواہ کھڑی ہے، کسی بھی مصنوعی، وضعی کسی حدیث کا، کسی عالم کے فتوے کا حوالہ لے کر جو بات کرتا ہے وہ گستاخِ رسول ہے، وہ گستاخِ کتاب اللہ ہے۔ وہ اللہ کا گستاخ ہے۔ تمام انبیاءؑ کی اہانت کرنے والا ہے۔ اس کھلی کھلی دن کی طرح روشن گواہی کے خلاف

کون ہے جو کوئی عذر بھی اس کے خلاف پیش کر سکے۔ لیکن اب مضمون چونکہ لمبا ہے اور خطبہ پہلے ہی وقت سے کافی آگے بڑھ چکا ہے اس لئے انشاء اللہ تعالیٰ میں افتتاحی تقریر میں بقیہ حصہ بیان کرنے کی کوشش کروں گا اور وہ سارے پہلو بیان کروں گا جس کا اس مضمون سے تعلق ہے بعض سمیٹنے پڑیں گے مجبوری ہے وقت کی، لیکن انشاء اللہ اس کے تمام پہلوؤں پر مزید روشنی ڈالی جائے گی۔

اب خطبہ ختم ہوتا ہے۔ ساڑھے چار بجے انشاء اللہ دوبارہ یہاں جلسے کی کارروائی کا آغاز ہو گا۔ تو آپ سب دوست ساڑھے چار بجے واپس تشریف لے آئیں۔

خلافت رابعہ میں اجتماعیت کا آغاز ہوا ہے۔ خلافت رابعہ آنے والی آسمانی تقدیروں کے لئے پیش خیمہ بن گئی۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 5 راگست 1994ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے مندرجہ ذیل آیات کریمہ تلاوت کیں۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِۦ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿١٠٣﴾

وَٱعْتَصِمُوا۟ بِحَبْلِ ٱللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا۟ ۚ وَٱذْكُرُوا۟ نِعْمَتَ ٱللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَآءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِۦٓ إِخْوَٰنًا وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ ٱلنَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ ٱللَّهُ لَكُمْ ءَايَٰتِهِۦ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٠٤﴾

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى ٱلْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِٱلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ ۚ وَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ ﴿١٠٥﴾

وَلَا تَكُونُوا۟ كَٱلَّذِينَ تَفَرَّقُوا۟ وَٱخْتَلَفُوا۟ مِنۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ ٱلْبَيِّنَٰتُ ۚ وَأُو۟لَٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠٦﴾

(آل عمران: 103 تا 106)

پھر فرمایا:۔

آج کے دن جو مختلف ممالک میں اجتماعات ہو رہے ہیں یا کل یا پرسوں ہوں گے ان سے متعلق بعض اعلانات کرنا چاہتا ہوں کیونکہ ان سب ممالک کی خواہش ہوتی ہے کہ ہمارا ذکر بھی جمعہ میں چلے اور اس طرح اس عالمی برادری میں سب کو ہمارے لئے بھی دعا کی توفیق ملے۔ ملائشیا کا جلسہ سالانہ اللہ کے فضل کے ساتھ آج 5 /اگست سے شروع ہو رہا ہے تین دن تک جاری رہ کر 7 /اگست کو اختتام پذیر ہوگا۔ لجنہ اماءاللہ گی آنا کا جلسہ سالانہ 7 /اگست بروز اتوار منعقد ہوگا۔ آج 5 /اگست کو مجلس خدام الاحمدیہ حلقہ ترگڑی ضلع گوجرانوالہ کا تیسرا سالانہ اجتماع منعقد ہو رہا ہے۔ مجلس خدام الاحمدیہ واطفال الاحمدیہ مسی ساگا ایسٹ (کینیڈا) کا ایک روزہ سالانہ اجتماع کل 6 /اگست کو منعقد ہو رہا ہے اسی طرح خدام الاحمدیہ مارخم کا سالانہ اجتماع بھی کل منعقد ہوگا۔ مجلس خدام الاحمدیہ ویسٹرن کینیڈا کا دوروزہ سالانہ اجتماع کل 6 /اگست سے شروع ہو رہا ہے اور 7 /اگست بروز اتوار اختتام پذیر ہوگا۔

جلسہ سالانہ UK اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ ایک غیر معمولی شان کا جلسہ ثابت ہوا۔ اللہ کے فضلوں کو ہم ہمیشہ برستا دیکھتے ہیں لیکن ان فضلوں میں بھی بعض دفعہ اچانک یوں لگتا ہے جیسے غیر معمولی تیزی پیدا ہوگئی ہے اور توقع سے بڑھ کر اللہ کے فضلوں کی برسات ہوتی ہے۔ جلسہ سالانہ جس صورتحال میں اختتام پذیر ہوا اس میں کسی انسانی حکمت اور کسی منصوبہ بندی کا کوئی ادنیٰ سا بھی دخل نہیں تھا۔ لوگوں نے بعد میں مجھ سے پوچھا کہ یہ کیا ہوا میں نے کہا مجھے تو لگتا تھا کہ اچانک بارش شروع ہوگئی ہے حالانکہ بارش پہلے بھی ہو رہی تھی لیکن بعض دفعہ بارش میں بھی اس قدر زور پیدا ہو جاتا ہے کہ لگتا ہے اب بارش شروع ہوئی ہے۔ یہ خدا تعالیٰ نے دشمن کو جماعت احمدیہ کے عالمی اجتماع کا ایک نظارہ دکھانا تھا اور بتانا تھا کہ اس وقت ایک ہی امت واحدہ ہے جو حقیقت میں حضرت محمد مصطفی ﷺ کی طرف منسوب ہونے کا حق رکھتی ہے وہ جماعت احمدیہ ہے جو خلافت کے ذریعہ ایک ہاتھ پر اس طرح اکٹھی ہوگئی ہے کہ ایک جسم کے ٹکڑوں کی طرح ساری دنیا کی جماعت بن چکی ہے اور کس طرح بے ساختگی کے ساتھ جگہ جگہ سے بے قرار فون آنے لگے ہمارا بھی ذکر کرو، ہمارا بھی ذکر کرو اور ہمارا بھی ذکر کرو۔ مشرق سے مغرب، شمال سے جنوب، ہر طرف دنیا کے تمام باشندے، مختلف ملکوں سے

تعلق رکھنے والے اس ایک عالمی وجود کا ایک حصہ بن چکے تھے۔ حصہ تو تھے لیکن جس شان سے خدا نے ایک وجود کے حصے کے طور پر ان کو دکھایا ہے یہ ایک ایسی کیفیت تھی جس کے لئے نشے کے سوا کوئی لفظ مجھے ملتا نہیں اور دیر تک نشے کی کیفیت رہی۔ میری بیٹی نے مجھ سے پوچھا کہ ابا کیا حال ہے۔ میں نے کہا میں تو اس وقت بتا بھی نہیں سکتا کہ کیا حال ہے۔ اس نے کہا میرا بھی یہی حال ہے لیکن بات یہ ہے کہ اللہ میاں نے اتنی زیادہ خوشیاں ایک دن میں اکٹھی کر دیں کہ ان کے پوری طرح شعور کی طاقت نہیں رہی تھی اس لئے میں نے تو فیصلہ کیا ہے کہ اب باری باری ایک ایک حصے کو سوچ کے سارا دن اسی کے مزے لوں گی اور یہ بات بہت اچھی تھی اور میرے دل کو بھی لگی۔ میں نے بھی یہی سوچا یہی ایک طریق ہے جب بہت زیادہ چیزیں اکٹھی ہو جائیں تو انسان پھر بعد میں تسلی سے مزے لیتا ہے اور یہ تو ایسا دن گزرا ہے اور جلسہ بحیثیت مجموعی اول سے آخر تک کہ سارا سال مزے لینے کے لئے سامان اکٹھے ہو گئے ہیں اور میں امید رکھتا ہوں کہ اگلے سال انشاء اللہ اس سے بھی زیادہ مزے کے سامان پیدا ہوں گے کیونکہ ہر دفعہ جب ہم کوشش کرتے ہیں کہ بہت اچھی باتیں پیدا ہوں ان سے بڑھ کر خدا تعالیٰ کچھ اور باتیں دکھا دیتا ہے یہ بتانے کے لئے کہ تمہارے صرف ہاتھ لگ رہے ہیں اس قافلے کو حرکت اللہ دے رہا ہے اور تمہارے ہاتھ لگوا دیتا ہے کہ تمہیں بھی محسوس ہو کہ کچھ تمہارا بھی حصہ پڑ گیا۔

اور اللہ کے فضل کے ساتھ اس عالمی برادری کے انعقاد میں جو بنیادی بات کارفرما ہے اس کو بھولنا نہیں چاہئے اور وہ ہے حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی دعائیں اور اللہ کا آپؐ سے وعدہ۔ پس اگر ہم اس حقیقت کو بھلا دیں اور محض مزے میں پڑے رہیں تو وہ مزہ بالکل بے کار اور بے معنی ہو جائے گا۔ اس مزے کا جس بنیادی حقیقت اور سچائی سے تعلق ہے اس کے واسطے سے مزے لوٹیں تو اور ہی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ کہاں وہ دن، چودہ سو سال پہلے عرب میں ایک عظیم معجزہ رونما ہوا یعنی حضرت محمد مصطفی ﷺ یکہ وتنہا آپؐ کو تمام دنیا پر غالب آنے کی خوشخبریاں دی گئیں۔ اس وقت جب آپؐ یکہ وتنہا تھے اور تمام دنیا کی فتوحات کے ذکر اس زمانے میں حیرت انگیز لگتے ہوں گے۔ وہ وجود جو مکے میں بھی اس طرح بدسلوکی کا شکار رہا، ایسی ظالمانہ بدسلوکیوں کا شکار رہا کہ عرب سمجھتے تھے کہ جب چاہو ایک چٹکی کے مسلنے کی طرح اس شخص کو ہم ہلاک کر سکتے ہیں اور اگر نہیں کرتے تھے تو سمجھتے

تھے ہم نے ہاتھ روکے ہوئے ہیں۔قومی روایات کی خاطر، قبائلی تعلقات کی خاطر اور کچھ رسم ورواج ہیں پرانے جو چلے آرہے ہیں، وہ یہی سمجھا کرتے تھے کہ ہم نے ہاتھ روکے ہوئے ہیں مگر جب ہاتھ چلانے کا فیصلہ کیا تو دیکھیں خدا نے کیسے حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کو ان کے ہر پھندے سے آزاد فرمایا! ان کی ہر سازش کو ناکام بنا دیا۔ان کا ہاتھ آپؐ تک پہنچتے پہنچتے بھی ایسا بے کار ہو گیا جیسے شل ہو گیا ہو۔وہ غارِ ثور کا واقعہ ہمیشہ کے لئے ایک معجزے کے طور پر انسانی تاریخ میں چمکتا رہے گا اور کوئی اس کا عقلی جواز انسان کو سمجھ نہیں آسکتا کہ یہ ہو کیسے گیا ہے اور اگر یہ ہو نہ چکا ہوتا اور تاریخ کا حصہ نہ بن چکا ہوتا تو دنیا کے لوگ کبھی مانتے نہ کہ ایسا واقعہ ممکن ہے۔یعنی ریگستان میں جہاں دور دراز تک کوئی چھپنے کی جگہ نہیں صحرا کھلا ہوا پڑا ہے جس پر قدموں کے نشان ایک دفعہ پڑ جائیں جب تک آندھیاں نہ آئیں وہ نشانات اسی طرح ثابت رہتے ہیں کوئی چیز ان کو مٹاتی نہیں۔ایسے ہی ایک خاموش دن میں آنحضرت ﷺ مدینے کی طرف ہجرت فرما رہے ہیں اور ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے اس پر چڑھ کر غارِ ثور میں پناہ ڈھونڈتے ہیں اور مشہور کھوج لگانے والے آپؐ کے دشمنوں کے ساتھ جو تعاقب کر رہے تھے ساتھ ساتھ چلے آرہے تھے بلکہ راہنمائی کر رہے تھے اور ایسی صورت میں انہوں نے کہا یہ پہاڑی ہے اس پر وہ چڑھے ہیں۔تو سب اوپر چڑھ گئے وہاں ایک غار کے سوا کوئی چھپنے کی جگہ نہیں تھی۔غار پر اس طرح کھڑے باتیں کر رہے تھے کہ ان کے پاؤں نیچے سے دکھائی دے رہے تھے اور اس عرصے میں ایک مکڑی نے جالا بن دیا اور کہا جاتا ہے کبوتری نے یا کسی پرندے نے اس پہ انڈا دے دیا۔یہ چھوٹا سا واقعہ ہوا ہے اور وہ گھر جس کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے کہ تمام گھروں میں سب سے کمزور گھر ہے یعنی جالا، وہ دنیا کے سب گھروں سے زیادہ طاقتور بن گیا جب خدا کا اذن آیا اور دشمن کو توفیق نہ ملی کہ اس نازک ترین گھر کو پار کر کے وہ جو پیچھے پناہ گزیں تھا اس کو گزند پہنچا سکے۔یہ ایک بہت ہی عظیم الشان واقعہ ہوا ہے ایسے شخص سے اس کمزوری کی حالت میں خدا نے وعدے فرمائے اور کچھ وعدے ایسے تھے جو آپؐ کے دیکھتے دیکھتے آپؐ کی زندگی میں بڑی شان سے پورے ہوئے۔

میں غارِ حرا کہہ رہا تھا۔یہ غارِ ثور ہے غارِ حرا میں آنحضرت ﷺ عبادتیں کیا کرتے تھے نا وہیں سے نبوت کا آغاز ہوا ہے تو لفظ حرا میرے ذہن پہ اتنا حاوی رہا ہے کہ پہلے بھی میں ایسے کر چکا

ہوں غار ثور کی بات بھی کرتا تو منہ سے حرا ہی نکلتا تھا کیونکہ اسلام کا سورج حرا سے طلوع ہوا ہے اور ثور میں عارضی طور پر چھپا تھا جیسے بدلی اس پہ سایہ ڈالے مگر یہ جو وجہ ہے یہ پہلی دفعہ نہیں پہلے بھی کئی دفعہ ہو چکا ہے اس لئے فوری طور پر چٹ لکھ کے مجھے یہ بتا دیا کریں جب میں ثور کی بات کروں اور حرا کہہ رہا ہوں‘‘ اس وضاحت کے بعد حضور نے خطبہ کا مضمون جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

بہر حال غارِ ثور کا واقعہ ہے وہاں آنحضرت ﷺ نے پناہ لے رکھی تھی اور آئندہ بھی آپؐ کی زندگی (یعنی آئندہ سے مراد اس وقت سے لے کر آگے تک) ہر کمزوری کی حالت میں آپؐ کو عظیم الشان وعدے دیئے گئے ہیں۔ ایک وقت وہ تھا جب کہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ خندق کھودنے میں مصروف تھے اور ایسی کمزوری کی حالت تھی کہ یہ ڈر تھا کہ اگر خندق کی تیاری سے پہلے دشمن آ جائے تو مدینے والوں کے دفاع کی کوئی صورت باقی نہیں تھی اور بڑا بھاری دشمن تمام قبائل کا لشکر کشی کر رہا تھا اور قریب سے قریب تر آ رہا تھا۔ تمام صحابہ دن رات محنت کر کے خندق کھود رہے تھے۔ لیکن مشکل یہ آ پڑی کہ ایک پتھر رستے میں حائل ہو گیا اگر وہ نہ توڑا جاتا تو وہ خندق چل نہیں سکتی تھی۔ جب سب زیادہ سے زیادہ طاقتور اور قوی ہاتھ بے کار ہو گئے اور اس پتھر کو نہ توڑ سکے۔ اس وقت حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی گئی کہ یا رسول اللہ ﷺ آپؐ اب اس پتھر پر ضرب لگائیں اور اس وقت آنحضرت ﷺ کی کمزوری کا یہ عالم تھا یعنی جسمانی کمزوری کا کہ بھوک کی شدت سے اس وقت صحابہ پیٹ پہ پتھر باندھے پھر رہے تھے۔ کسی نے رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ تو حالت ہے دیکھیں پتھر باندھے ہوئے ہیں آنحضور ﷺ نے اپنے بطن مبارک سے کپڑا اٹھایا تو دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ یعنی سب سے زیادہ بھوک کی تکلیف حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو تھی۔ (مسند احمد جلد 4 صفحہ:303)

اس وقت جب آپؐ نے اس آلے سے وار کیا ہے جو نوکدار گینتی کہلاتی ہے شاید۔ اس سے جب پتھر پہ ضرب لگائی اس سے ایک چنگارا اٹھا تو حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ پھر ایک اور ضرب لگائی پھر ایک چنگارا اٹھا پھر ایک اور ضرب لگائی پھر ایک اور چنگارا اٹھا اور پتھر دو نیم ہو گیا اور وہ روک جاتی رہی۔ اس وقت صحابہؓ نے آپؐ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ نعرہ کیوں لگاتے تھے ساتھ جب شعلہ بلند ہوتا تھا۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ اس وقت خدا تعالیٰ نے مجھے اس شعلے میں کبھی یمن کے قلعوں کی چابیاں پکڑائیں، کبھی میں ان شعلوں میں مشرق یعنی اہل فارس کی

فتوحات دیکھتا تھا کبھی مغرب کی فتوحات دیکھتا تھا۔(مسند احمد جلد 4 صفحہ:303) تین ایسی خوشخبریاں تھیں جن کا ترتیب کے ساتھ مجھے لفظاً لفظاً ذکر یاد نہیں رہا اس لئے میں اس سے احتراز کر رہا ہوں۔ مگر بنیادی طور پر یہ بات ہے اس انتہائی کمزوری کی حالت میں جبکہ دفاع کے لئے بھوکے خندق کھود رہے تھے آنحضرت ﷺ قیصر و کسریٰ اور یمن کے قلعوں کی فتوحات کے نظارے دیکھ رہے تھے۔ ایسی حالت میں اگر دشمن آپ کو مجنون کہتا تھا تو ان کے لئے اس کے سوا کوئی لفظ نہیں تھا۔ ایسی باتیں یا مجنون کیا کرتے ہیں یا سب سے زیادہ صادق اور سب سے زیادہ باشعور انسان جو اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان رکھتے ہیں۔ پس ان کی اندھی آنکھوں نے آنحضرت ﷺ کا اصلی مقام تو نہیں دیکھا مگر جو فتویٰ دیا ہے وہ ان دو کے سوا کسی پر لگ نہیں سکتا۔ ایسی حالت میں جو انسان بلند بانگ دعاوی کرے اور یہ کہے کہ میں قیصر و کسریٰ کی فتح کے خواب دیکھ رہا ہوں یا اس کے نظارے مجھے دکھائی دے رہے ہیں یا ان کے محلات کی چابیاں مجھے عطا کی جارہی ہیں ایسے شخص کو دنیا یا تو پاگل کہے گی یا پھر اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ، چنیدہ، بھیجا ہوا رسول، ایسا نبی جس سے خدا خود پیار کی باتیں کرتا ہے، جسے خود آسمان سے خوشخبریاں عطا کرتا ہے ان دو انتہاؤں کے بیچ میں اور کوئی مقام نہیں ہے۔ پس انہوں نے تو بہرحال اس بات کی تصدیق کی کہ یہ ناممکن بات ہے پس ان کے مجنون کہنے میں بھی حقیقت میں ایک بہت بڑا اعتراف حق ہے اور آئندہ زمانوں میں کام آنے والا اعتراف حق تھا۔ ایسی صورت تھی کہ دنیا والے کی نظر میں وہ باتیں ناممکن تھیں، ایک دیوانے کے خواب سے زیادہ ان باتوں کی کوئی حیثیت نہیں تھی اور ایک ایک بات اللہ نے ان لوگوں کے دیکھتے دیکھتے، ان کی زندگیوں میں پوری کر دکھائی۔

کچھ ایسے وعدے تھے جن کا آخرین سے تعلق تھا اس دور سے تعلق تھا جس دور میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی غلامی میں تمام عالم کو محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے فتح کرنے کے لئے کھڑا کر دیا ہے۔ ہم اس سے بہت زیادہ عاجز ہیں جو خدا کے عاجز بندے محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ ان سے بہت زیادہ کمزور ہیں جو خدا کے کمزور بندے محمد رسول اللہ ﷺ کے اس وقت ساتھ تھے۔ کیونکہ ان کی طاقت کے پیمانے اور تھے اور وہ محمد رسول اللہ ﷺ کی قوت سے براہ راست فیض پا کر قوی ہوئے تھے۔ ہمارے درمیان چودہ صدیاں حائل ہیں اور اس کے باوجود حضرت

مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا احسان ہے کہ آپؑ نے بھی دعاؤں اور درود کی برکت سے وہ مرتبہ پا لیا وہ فیض پالیا کہ آپؑ کی پرورش میں آنے والے آپؑ کے پروں اور اس کے سائے تلے پنپنے والے اور نشوونما پانے والے وہ آخرین جن کا اولین سے چودہ سو سال کا فرق تھا خدا تعالیٰ نے ان کو ایک دوسرے کے ساتھ ملانے کا فیصلہ فرما لیا اور قرآن میں یہ خوشخبری رکھ دی کہ آخرین ایسے ہوں گے جو اولین سے ملائے جائیں گے۔ یہ عجیب دور ہے ہم اس خوشخبری کو نہ صرف اپنی ذات میں پورا ہوتے دیکھ رہے ہیں بلکہ ایک ایسا تاریخ کا حصہ بن گئے ہیں جو تاریخ بنانے والے ہیں تاریخ کا پھل نہیں ہیں۔ ہمارے ذریعے تاریخ بنائی جا رہی ہے اور وہ تاریخ جس کا ہم پھل ہیں وہ محمد رسول اللہ ﷺ نے بنائی تھی۔ پس آئندہ بھی جو تاریخ ہمارے لئے ذریعے بنے گی وہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ ہی کی تاریخ ہے گویا ہمارے واسطے سے اس تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہو رہا ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کی طرف میں نے مختصراً اشارہ کیا تھا کہ اس حقیقت کو پیشِ نظر رکھ کر لطف اندوز ہوں۔ اگر آپ اس حقیقت کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں گے تو جتنی بھی آپ کی کامیابیاں ہیں وہ ساری کامیابیاں ایسی سعادتیں نظر آئیں گی جن کے ہم حق دار نہیں تھے وہ ایسے سہرے نظر آئیں گے جو پہلوں کے سروں پر باندھے جانے کے لائق تھے انہی کے فیض سے انہی کی برکت سے ہمارے نصیبوں میں آئے جبکہ ہم حقیقت میں اس لائق نہیں کہ ان کامیابیوں اور ان سہروں کے حقدار قرار دیئے جائیں۔ یہ وہ حقیقت ہے جو میں نے ہمیشہ اپنی ذات میں محسوس کی ہے ایک ذرہ بھی اس میں مبالغہ نہیں۔ میں اپنے وجود کو، اپنی حقیقت کو جانتا ہوں۔ جماعت احمدیہ کو جو کچھ بھی فیض مل رہا ہے بلاشبہ ایک ذرہ بھی اس میں شک نہیں نہ آپ آئندہ کبھی کریں کہ اولین کی دعاؤں اور برکتوں کا فیض ہے جو آخرین میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے جاری ہوا ہے۔ ہر کامیابی ان کی ہے اور ہمیں ان کامیابیوں میں جو ذریعہ بنایا گیا ہے یہ ہماری سعادت ہے پس سعادت پر شکر گزار ہوں اور حد سے زیادہ شکر گزار بندے بننے کی کوشش کریں۔ حد سے زیادہ کا لفظ غلط ہے، حد سے زیادہ سے مراد میری شاید یہ تھی کہ ہماری حدیں جو چھوٹی چھوٹی حدیں ہیں ان کو پار کرنے کی کوشش کریں۔ شکر اتنا کریں کہ اپنی حدود توڑ دیں تب بھی شکر کا حق ادا نہیں ہو سکے گا۔ اگر اس صورت حال کو اس حقیقت کے ساتھ جیسے میں بیان کر رہا ہوں سمجھ کر پھر خدا کا شکر ادا کریں گے تو آپ کا لطف کچھ اور قسم کا لطف ہو جائے گا۔ یہ تماش بینی

نہیں رہے گی اگر اس حقیقت کو بھلا دیں گے تو آپ تماش بینوں میں شمار ہونے لگیں گے اور یہی ڈر تھا مجھے جو چند دن لاحق رہا اور اسی لئے میں نے فیصلہ کیا تھا کہ جمعہ پر میں جماعت کو خوب اچھی طرح سمجھا دوں کہ ایسے واقعات جو رونما ہوتے رہے ہیں پہلے بھی اور آئندہ بھی ہوں گے ان کی لذت کو تماش بینی کی لذت میں تبدیل نہ ہونے دینا ورنہ بہت بڑے نقصان کا سودا کر رہے ہوگے۔

اگر یہ ظاہری ہنگامے، یہ شور، یہ ٹیلیفون کے قصے یہ ظاہری صورت میں ہی آپ کو لطف دے رہے ہیں تو یاد رکھیں کہ اس سے بہت زیادہ ہنگامے اور حیرت انگیز جذبات کا زیر و بم، ایسے بیہودہ اور ذلیل گانوں کے تعلق میں بھی دکھائی دیتا ہے جن کی کوئی بھی حیثیت نہیں، کوئی بھی حقیقت نہیں۔ دنیا کے عظیم معاملات سے ان کا دور کا بھی تعلق نہیں۔ ''پاپ میوزک'' کا آج کل شور ہے۔ ''پاپ سنگر'' دنیا میں مشہور ہو رہے ہیں ایسے ایسے پاپ سنگر ہیں جن کے گانوں پر بعض دفعہ ایک ایک کروڑ آدمی یا اس سے بھی زیادہ دس دس لاکھ تو ان کی موجودگی میں ان کے سُروں پر پاگل ہو رہا ہوتا ہے اور ٹیلی ویژن کے ذریعے کروڑ بلکہ کروڑوں ایسے ہوں گے جو دیکھتے ہیں اور سر دھنتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان کو عجیب روحانی سرور حاصل ہوا ہے، تو ہم تو ایسے سطحی لوگ نہیں ہو سکتے۔

یہ جو نظارہ تھا یہ ان نظاروں کے مقابل پر جو آپ ایسے پاپ سنگر کی کامیابی کی صورت میں دیکھتے ہیں دنیا والوں کی نظر میں کچھ بھی نہیں۔ وہ کہتے ہیں چند ٹیلیفون کالز آ گئیں تو کیا فرق پڑ گیا۔ لیکن جس طرح میں آپ کو جس گہرائی کے ساتھ اس کی حقیقت بتا رہا ہوں کہ یہ تو ایک عجیب نظارہ ہے ایسا نظارہ جس نے کل عالم کو ایک ہاتھ پہ اکٹھا کیا ہے اور یہیں پر بس نہیں کی بلکہ اس تمام عالم کو اس اولین کے عالم سے جا ملایا ہے جو چودہ سو سال پہلے ظہور میں آیا تھا۔ دیکھیں کتنی عظمت اس واقعہ کی ایک نئی شان کے ساتھ ابھرتی ہے اور یہ واقعہ صرف زمانے میں نہیں پھیلتا، موجودہ زمانے میں نہیں پھیلتا بلکہ گزشتہ زمانوں سے پیوست ہو جاتا ہے اور یہ سلسلہ پھر آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ پس ہمارا وجود ایک روحانی وجود ہے اور اس کی لذتیں بھی ہمیشہ روحانی رہنی چاہئیں اور روحانی رکھنے کے لئے جدوجہد کی ضرورت پڑے گی ورنہ بسا اوقات ایسی عظیم کامیابیاں آئندہ ہمارے قدم چومنے کے لئے تیار بیٹھی ہیں کہ ہمارے نفسوں کو دھوکے میں ڈال دیں گی ہمارے سروں میں کجی پیدا کر دیں گی بجائے

اس کے کہ خدا کے حضور جھکیں غلط مفہوم اپنی عظمت کے ان سروں میں سما جائیں گے اور انہیں پاگل کر دیں گے۔

پس اس بات کی فکر کریں اور اپنے گھروں میں بھی جب ان باتوں کی لذتوں کا ذکر کریں تو اللہ کے حوالے سے، حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے اور اپنی عاجزی کے حوالے سے ذکر کریں۔ ہر چند کہ ہم حق دار نہیں تھے عجیب اللہ کی شان ہے کہ عظیم وعدے ہمارے ذریعے پورے ہو رہے ہیں اور ہمارے زمانے میں پورے ہو رہے ہیں۔ اس انکسار کی آپ حفاظت کریں تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خدا کا وعدہ ہے کہ تیری عاجزانہ راہیں اسے پسند آئیں اور یہ ایسا وعدہ ہے جو ہمیشہ آپ کی ذات میں پورا ہوتا رہے گا اور یہی ایک حقیقی عجز ہے جو بناوٹی نہیں بلکہ حقیقی ہے، اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہے۔ یہ حقیقی عجز ہے اگر اس عجز کی حقیقت کو آپ پہچان جائیں اور جان لیں کہ واقعۃً یہی حالت ہماری ہے کہ ہم کچھ بھی نہیں تو پھر آپ دیکھیں کہ خدا تعالیٰ کے فضل کتنے بڑھ چڑھ کر ہمیشہ آئیں گے اور ہماری عقلوں کو اپنی قوت اور عظمت اور شوکت اور جلال اور جمال کے ساتھ وقتی طور پر گویا ماؤف کر دیا کریں گے۔ بعض دفعہ جب غیر معمولی چمکار ہوتی ہے جلووں کی، تو آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں پھر مزید دیکھنے کی طاقت نہیں رہتی۔ بعض دفعہ دماغ وقتی طور پر معمولی جلال اور شان کے اظہار سے ماؤف ہو جاتے ہیں یعنی ان کے اندر وہ مزید طاقت نہیں رہتی کہ وہ اس بات کو سمجھ سکیں، سمٹا سکیں اپنے تھوڑے لفظوں میں اس کو سما سکیں۔ پس اس پہلو سے میں امید بلکہ یقین رکھتا ہوں کہ جماعت احمدیہ انشاء اللہ اپنے عجز کی حفاظت کرتی رہے گی تو خدا تعالیٰ ان پر بے شمار فضل نازل فرماتا رہے گا۔

اس ضمن میں میں خصوصیت سے آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ اکٹھے رہیں آپ نے ایک اجتماع کا مرکز دیکھا تھا اور اجتماعیت کا جو نظارہ آپ کے علم میں تھا مگر اس طرح آنکھوں کے سامنے نہیں ہو رہا تھا جب آنکھوں کے سامنے ابھرا ہے تب آپ کو معلوم ہوا ہے کہ ایک ہاتھ پر، ایک مرکز پر اکٹھا ہونا کس کو کہتے ہیں اور کیسا عظیم روحانی لطف اس چیز میں ہے۔ اس لئے آج جو میں نے آپ کے سامنے آیت تلاوت کی ہے اس کا اسی مضمون سے تعلق ہے کہ آپ اپنی اجتماعیت کی حفاظت کریں ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ رہیں، چمٹے رہیں، کوئی ایسی بات نہ کریں جو کسی طرح بھی جماعت کے

ایک وجود میں رخنہ پیدا کر سکے۔

لیکن اس سے پہلے میں ایک دو اور ذکر کرنا چاہتا ہوں، جب ٹیلیفون دنیا بھر سے آ رہے تھے تو کیونکہ لائنیں تھوڑی تھیں اس لئے مکمل طور پر وہ لائنیں جام ہو چکی تھیں اور جسوال برادران نے بڑی حکمت سے کام لیا کہ لمبی بات نہیں کرتے تھے فوراً واپس فون رکھتے تھے اور کہتے ہیں جب رکھتے تھے تو گھنٹی بج رہی ہوتی تھی یعنی مسلسل گھنٹی بجی ہے اور بعد میں مجھے فونوں پر اور خطوں کے ذریعے بھی لوگوں کے پیغامات ملے اور اپنی بے کسی اور بے بسی کا اظہار کیا کہ کس طرح ہم مسلسل فون پر بیٹھے رہے ہیں لیکن کوئی پیش نہیں گئی۔ ایک نے مجھے لکھا ہے کہ اسلام آباد میں جو ایکسچینج ہے اس کے ذریعے میں نے کوشش کی تو اس نے کہا یہ ہو کیا رہا ہے کیونکہ ہر جگہ سے مجھ پر اتنا دباؤ ہے کہ فوراً ملا دو اور آگے لائنیں جام ہوئی ہوئی ہیں آگے سے اٹھاتا کوئی نہیں۔ مجھے تو سمجھ نہیں آ رہی کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ اس نے کہا چلیں میں اسی کو بتا دوں۔ اس نے اس کو سمجھایا کہ یہ واقعہ ہو رہا ہے اس پر وہ ٹیلیفون والا بھی حیرت میں مبتلا ہو گیا یہ عجیب بات ہے اتنا زیادہ دنیا سے وہاں فونوں کا دباؤ ہے۔ مگر میں بتانا چاہتا ہوں کہ جن جماعتوں کو توفیق نہیں مل سکی تھی یا جن خاص محبت کرنے والوں کو توفیق نہیں مل سکی تھی میں ان کے چند نام آپ کو پڑھ کے سنا دیتا ہوں۔ سب سے پہلے تو ناظر صاحب اعلیٰ ربوہ۔ وہ کہتے ہیں میں آپ کا نام سنتا تھا بے قرار ہوتا تھا، آدمی مقرر کیا ہوا تھا، مسلسل بیٹھا ہوا تھا وہ، لیکن کچھ پیش نہیں جا رہی تھی فون ہوتا ہی نہیں تھا یا ہوتا تھا تو Engage ہوتا تھا۔ دوسرے ناظر صاحب اصلاح وارشاد کا ربوہ سے یہی پیغام ملا ہے ہمارے منگلا صاحب پرائیویٹ سیکرٹری صاحب کا بھی یہی پیغام ملا ہے۔ صدر صاحبہ لجنہ اماء اللہ حضرت ام متین کا بھی اسی طرح بے قراری کا پیغام ملا ہے۔ جماعت احمدیہ سیرالیون کی طرف سے پیغام ملا ہے کہ ہم تو مسلسل کوشش کر رہے تھے لیکن آپ تک بات نہیں پہنچ پا رہی تھی۔ ضیاء اللہ مبشر ریجنل صدر ٹوکیو ریجن۔ جاپان کا ذکر تو آ گیا تھا مگر یہ کہتے ہیں میں اپنے ریجن کی طرف سے بھی کوشش کر رہا تھا جماعت احمدیہ لین اور بوریمی سلطنت عمان، ان کا بھی اسی طرح کا اظہار ہے۔ حیدر آباد سندھ کی طرف سے اور فضل عمر ہسپتال کے ایڈمنسٹریٹر صاحب کی طرف سے۔ سید سجاد احمد اور سید طاہر احمدی ''کوما کی'' جاپان سے اور میری ہمشیرہ عزیزہ امتہ الباسط کی طرف سے بھی فیکس تفصیلی ملی ہے کہ بہت برا حال رہا ہم تو فون کر کر کے تھک گئے کوئی پیش نہیں جاتی تھی۔ منصور احمد

مبلغ سلسلہ تاشقند۔ ناصر احمد خان صاحب فرانس، سیف الحق صاحب اور ملک لطیف خالد صاحب اوبر ہاوزن جرمنی۔ جرمنی سے تو کئی فون آئے تھے مگر یہ ایک صرف نام لکھا ہوا ہے یہاں۔ محمد رافع قریشی صاحب بیلجیئم، ملک سجاد احمد صاحب اور فریحہ احمد صاحب کینیڈا، اور کینیڈا سے میں نے ملک لال خان صاحب کا نام تو اس وقت سنایا تھا مگر ان کا مجھے فیکس ملا ہے کہ وہ آپ کو ٹیلی پیتھک رابطے سے میرا نام ملا ہوگا کیونکہ میرا فون نہیں مل سکا تو ان سے میری ٹیلی پیتھی چلی ہے کئی دفعہ ایسا ہوا جب جاپان ہوا کرتے تھے تو ہم نے تجربہ کیا ٹیلی پیتھی کا۔ پرانے زمانے کی بات کر رہا ہوں۔ تو اس وقت ٹیلی پیتھی کے ذریعے میں ان کو بعض پیغام دیا کرتا تھا ان کی طرف سے بعد میں فون آ کر کنفرمیشن ہو جاتی تھی کہ ہاں آپ نے فلاں وقت مجھے یاد کیا تھا میں کہتا تھا ہاں کیا ہے، تو اس طرح چلتا تھا۔ تو چنانچہ انہوں نے مذاق میں وہی بات لکھی ہے کہ میرا فون تو آپ کو نہیں ملا پھر آپ نے جو ذکر کیا وہ ٹیلی پیتھک فون ملا ہوگا۔ شیخ الطاف الرحمٰن صاحب سویڈن۔ زیڈ اے پونتو صاحب انڈونیشیا۔ رفیع جنرل سیکرٹری صاحب نیویارک جماعت اور راشدہ فیضی صاحبہ یہ نارتھ کیرولینا سے۔ پیغام تو بہت سے ہیں اور اب آتے بھی رہیں گے مگر اب زیادہ ہمارے پاس گنجائش نہیں ہے اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

تو میں یہ بتا رہا تھا کہ جو سب سے زیادہ لطف اس جلسے پہ آیا ہے وہ اجتماعیت کے ایک ایسے نظارے سے آیا ہے جو آسمان سے اترا تھا اس میں زمینی کوششوں کا کوئی دخل نہیں تھا اور بتایا جا رہا تھا کہ یہ عالمی جماعت ہے جو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے ہاتھ پر کل عالم کو اکٹھا کرنے کے لئے بنائی جا رہی ہے اور اس طرح تم ایک وجود بن گئے ہو۔ اس ایک وجود کی حفاظت کی خاطر میں آج آپ کو ان قرآنی آیات کے حوالے سے نصیحت کرتا ہوں جن کی تلاوت میں نے کی ہے (سورۃ آل عمران آیت 103 تا 106)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ کہ اے مومنو! اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ تقویٰ کا حق ہے اور تقویٰ کا حق کیا ہے؟ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ کہ مرنا نہیں ہے سوائے اس کے کہ تم مسلمان ہو۔ اب اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر لحظہ مسلمان رہو کیونکہ موت کی نہ ہمیں خبر نہ ہمارا

اختیار۔ اور تقویٰ کا حق ادا کرنا اتنا مشکل کام ہے کہ زندگی کا ہر لمحہ جب بھی موت آئے انسان خدا کے حضور مسلمان لکھا ہو۔ پس تقویٰ کی باتیں کرنا آسان ہے، تقویٰ کا حق ادا کرنا بہت مشکل ہے اور اس ضمن میں بھی میں دعا کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ کروڑوں احمدی ہو جائیں گے عنقریب انشاء اللہ لیکن اب کروڑ ہیں یا لکھوکھہا ہیں اللہ بہتر جانتا ہے مگر ان سب کے لئے یہ ناممکن ہے یعنی جو میں حالات دیکھ رہا ہوں بالکل ناممکن دکھائی دیتا ہے کہ ہر شخص ایسی زندگی گزار رہا ہو کہ جس لمحے موت آئے اسلام پر موت آئے۔ بڑا مشکل مطالبہ ہے۔ مگر ایک مطالبہ ہم بھی تو کر سکتے ہیں خدا سے اور وہ عجز کا مطالبہ ہے ایک عاجزانہ مطالبہ ہے اور وہ یہ ہے کہ موت دینا تیرے قبضے میں ہے۔ مرنا ہمارے اختیار میں نہیں۔ نہ ہماری زندگی ہمارے اختیار میں نہ ہماری موت اختیار میں۔ تو تو یوں کر۔ ایسا فضل فرما کہ جس حالت میں ہم مسلمان ہوں اسی حالت میں وفات دینا اس کے سوا وفات نہ دینا۔ پس یہ تقویٰ کی شرط عجز کے ساتھ پوری ہوتی دکھائی دیتی ہے اس کے بغیر ناممکن دکھائی دیتی ہے۔ پس اس عاجزی کے ساتھ اگر آپ خدا کے حضور ہمیشہ دعا کرتے رہیں کہ ہم نہیں جانتے کہ ہمارے اکثر لمحے ایسے گذر رہے ہیں یا کم لمحے ایسے گزر رہے ہیں جن میں ہم حقیقت میں مسلمان نہیں رہتے۔ تو بہتر جانتا ہے مگر اگر چند لمحے بھی تیرے حضور ایسے آئیں کہ جب ہم تیری نگاہ میں مسلمان ٹھہرتے ہوں تو اے خدا اس وقت ہمیں وفات دینا ہمارے ظلم کے لمحوں میں ہمیں وفات نہ دینا۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا یہ اسی حَقَّ تُقٰتِهٖ کی اگلی تفسیر ہے۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور اکٹھے ہو کر تھامے رکھو وَّ لَا تَفَرَّقُوْا اور ہرگز تفرقہ اختیار نہ کرو۔ اللہ کی رسی کے متعلق میں پہلے بھی وضاحت سے بار بار بیان کر چکا ہوں اصل حبل اللہ تو وحی الٰہی ہے جو کتاب کی صورت میں نازل ہوتی ہے اور پھر یہ وحی ایسی ہے جس پر نازل ہوتی ہے اس کو مجسم حبل اللہ بنا دیتی ہے۔ پس بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حبل اللہ سے تو قرآن مراد ہے آپ رسول بھی مراد لے لیتے ہیں مگر میں زیادہ بہتر سمجھتا ہوں اس بات کو کہ حقیقت قرآن کو براہ راست ہاتھ مارنا ممکن نہیں ہے جب تک رسولؐ کی وساطت سے جو زندہ قرآن ہے قرآن پر انسان اپنا ہاتھ نہ مارے اور اسے پکڑ نہ لے اور تفصیل قرآن کی براہ راست تو کسی کو معلوم ہوتی ہی نہیں اور جو براہِ راست قرآن کو سمجھنے کی کوشش بھی کرتے ہیں اگر

خدا سے فیض یافتہ نہ ہوں تو اسی قرآن سے تفرقے کی باتیں نکال لیتے ہیں بجائے اس کے کہ اکٹھے ہونے کی باتیں سیکھیں۔ پس حضرت محمد مصطفی ﷺ ہی وہ زندہ قرآن ہیں جن پر ہمیشہ مضبوطی سے ہاتھ رہنا چاہئے۔ یعنی آپؐ کے قدموں پر یہ ہاتھ ایسے پڑیں کہ پھر کبھی ان سے جدا نہ ہوں اور آپ کی پیروی میں حبل اللہ کی پیروی ہے۔ پس اس پہلو سے حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی سیرت پر نظر رکھنا اور اپنی زندگی کے ہر لمحے پر اس سیرت کو جاری کرنا ہی یہ حَقَّ تُقٰتِہٖ کا مضمون ہے جو پہلی آیت کے مضمون سے براہِ راست تعلق رکھتا ہے۔ یعنی کس طرح آپ کو پتا چلے گا کہ آپ کا ہر لمحہ مسلمان ہے اگر محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت پر ہے تو یقیناً مسلمان ہے اگر اس سیرت سے ہٹ کر ہے تو مسلمان لمحہ نہیں ہے پس ان دو آیتوں میں بظاہر دوری دکھائی دیتی ہے۔ بے تعلق مضمون ہے۔ لیکن ہرگز بے تعلق نہیں بعینہٖ وہی مضمون ہے جو دوسرے رنگ میں بیان ہو رہا ہے وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۝۱۰۳ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ایک ہی مضمون کی دو شکلیں ہیں اور پھر اس کے ساتھ ایک عجیب نصیحت فرمائی گئی وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اور اللہ کی نعمت کو یاد رکھنا۔ پس وہ لوگ جو اس بات پر ضد کرتے ہیں کہ نہیں محمد رسول اللہ ﷺ، حبل اللہ نہیں ہیں بلکہ قرآن ہے ان کی جہالت ہے کیونکہ حبل اللہ کی تشریح یہ فرمائی وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ تم اللہ کی نعمت کو یاد کرو اور نعمت رسول ہی ہوا کرتا ہے۔ رسالت ہی نعمت ہے اور قرآن کریم نے انعامات میں سب سے بڑا انعام رسالت کو بیان فرمایا ہے پس حضرت محمد مصطفی ﷺ وہ نعمت ہیں جن کو یاد کرنا چاہئے۔ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا جب تم آپس میں پھٹے ہوئے ایک دوسرے کے دشمن تھے ایک دوسرے سے جدا جدا تھے۔ یاد کرو کہ اللہ نے اپنی نعمت کے ذریعے تمہیں ایک ہاتھ پر اکٹھا کیا ہے۔

میں نے پہلے بھی اس غلط فہمی کو دور کیا تھا کہ بعض دفعہ لوگ کہتے ہیں قرآن کریم میں دوسری جگہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ اگر تو چاہتا اور سب کچھ جو زمین میں ہے سب بھی خرچ کر دیتا تب بھی ان کو اکٹھا نہیں کر سکتا تھا۔ یہ محض اللہ ہے جس نے دلوں کو باندھا ہے تو اس آیت کا اس مضمون سے کہیں تضاد تو نہیں جو میں نے ابھی بیان کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس میں کوئی بھی تضاد نہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ ذاتی طور پر تمام عرب کو اکٹھا کرنے، ایک ہاتھ پر جمع کرنے کی

استطاعت نہیں رکھتے تھے۔ جب اللہ کی نعمت بنے ہیں اور مجسم نعمت بن گئے ہیں تو اس نعمت کے ذریعے خدا تعالیٰ نے لوگوں کو اکٹھا کیا ہے پس قرآن کریم نے آنحضرت ﷺ کے وجود کی صحابہؓ کو اکٹھا کرنے میں ایک ذریعہ بننے کی نفی نہیں فرمائی بلکہ اس کی توثیق فرمائی ہے جیسا کہ فرمایا کہ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ کہ اے محمد رسول اللہ ﷺ اگر تو مزاج میں سخت ہوتا اور ان لوگوں سے کسی لحاظ سے بھی بدخلقی سے پیش آتا تو یہ تجھے چھوڑ کر اردگرد بھاگ جاتے تو اس وقت پھر اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ کا مضمون کیسے صادق آتا۔ پس اللہ ہی ہے جو اکٹھا کرتا ہے مگر کچھ ذریعے اختیار فرماتا ہے اور اکٹھا کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تھے اور اس ذریعے کی روح یہ بیان فرمائی کہ نہایت اعلیٰ خلق کے مالک تھے آپؐ کے گوشے اپنے صحابہ کے لئے نرم تھے، آپ کا پیار اور رحمت تھی جو لوگوں کے دل جیت رہی تھی اور آپؐ کو رؤف رحیم فرمایا یعنی بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ کہ اتنا زیادہ رحمت کرنے، والا اتنا شفقت کا سلوک کرنے والا ہے کہ گویا خدا کی دو صفات اس کی ذات میں جلوہ گر ہوگئی ہیں اللہ رؤف ہے تو یہ بھی رؤف بن گیا ہے اللہ رحیم ہے تو یہ بھی رحیم بن گیا ہے۔

پس محمد رسول اللہ ﷺ کی وساطت کے بغیر خدا تعالیٰ کے قرب کا تصور ایک جاہلانہ تصور ہے، بالکل بے حقیقت تصور ہے۔ اہل قرآن سے بڑھ کر اس دنیا میں کوئی جاہل نہیں ہے جو مسلمان کہلا کر بھی حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ سے بے نیازی کی باتیں کرتے ہیں گویا محمد رسول اللہ ﷺ تو صرف ایک مشین تھے جن پر قرآن اتر گیا اور اس کے بعد ہمیں چھٹی ہوئی۔ اب محض قرآن ہی ہے جس پر ہاتھ ڈال لو اور رسول اللہ ﷺ کی ضرورت نہیں رہی۔ حالانکہ رسولؐ کی اگر ضرورت نہ ہو تو آج کیا ہو گیا۔ آج قرآن وہ نہیں ہے۔ کیا وہی ہم ہیں جو اس زمانے میں ہوا کرتے تھے جب محمد رسول اللہ ﷺ تھے کیا عالم اسلام کا وہی عالم ہے جو صحابہؓ کا عالم تھا اور ان کے دل اور ان کی روح کی کیفیات تھیں؟ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ وہ اگر عالم پاک تھا تو یہ خاک کی دنیا ہے اس کو اس عالم پاک سے کوئی بھی نسبت نہیں رہی اور قرآن وہی ہے۔ پس اہل قرآن کو جھوٹا کرنے کے لئے اس سے بڑی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ قرآن تو اسی طرح ہے ایک ذرہ بھی اس میں تبدیلی نہیں ہوئی اور تم

اہل قرآن بن کر تمام سعادتیں محض اس کتاب سے محمد رسول اللہ ﷺ کی وساطت کے بغیر حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہو اور اس کے دعویدار ہو تو کچھ کر کے دکھا دو۔ کیا تم نے دنیا میں انقلاب برپا کیا ہے۔ وہ صحابہ جو محمد رسول اللہ ﷺ کے اردگرد پروانوں کی طرح تھے وہ تو تم سے تعداد میں کم تھے اور کمزور تھے انہوں نے تو ساری کائنات کی کایا پلٹ دی تھی۔ تمام ماحول انقلاب کا ماحول بنا دیا تھا، تم آج اسی طرح باتیں کرتے ہو قرآن کے ساتھ تعلق کی، جھوٹ ہے اور تعلق تو حقیقت میں دماغ سے نہیں دل سے ہوا کرتے ہیں اور دل کے تعلق میں محبت کے تقاضے ہیں جو پورے کرنے پڑتے ہیں اور محمد مصطفیٰ ﷺ سے بھی کوئی تعلق فرضی نہیں ہو سکتا جب تک قلبی نہ ہو اور قلبی تعلق ہی ہے جو انسان کی کایا پلٹتا ہے۔

اَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِکُمۡ میں قلب کی باتیں ہو رہی ہیں دماغ کی باتیں کہاں ہو رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ یہ نہیں کہتا کہ تمہیں خوب سمجھا دیا ہم نے اب بات سمجھ لو اور اس پر قائم ہو جاؤ۔ فرماتا ہے ہم نے دلوں کو باندھا ہے ورنہ اچھی بھلی باتیں سمجھ آ جاتی ہیں پھر بھی اگر دلوں میں روحانیت نہ ہو زندگی نہ ہو تو وہ باتیں انسان کے کچھ بھی کام نہیں آتیں۔ پس فرمایا اَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِکُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِہٖۤ اِخۡوَانًا تم اللہ کی نعمت کے ذریعے بھائی بھائی بنے ہو۔ اب وہ نعمت جب اٹھی یعنی نبوت کی ساری برکتیں تو نہیں اٹھیں مگر محمد رسول اللہ ﷺ کا وجود بنفسہ اس دنیا سے اٹھ گیا اس وقت وہی قرآن تھا وہی مسلمان تھے اچانک دیکھا آپ نے کیا واقعہ رونما ہوا۔ کس طرح وہ پھر لڑ پڑے ہیں آپس میں، کس طرح ایک قیامت سی برپا ہوگئی۔ سارے عرب میں ہر طرف فتنوں نے سر اٹھا لئے۔ وہ کیا تھا اور کیا نہیں تھا لیکن جو اس مسئلے کو حل کرتا ہے کہ اچانک یہ کیوں تغیر پیدا ہوئے۔ بعض مستشرقین سے جب گفتگو ہوا کرتی تھی پہلے، تو وہ میرے سامنے یہ بات طعن کے طور پر رکھتے تھے کہ اسلام نے کیا انقلاب برپا کیا۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں چند دن تک اور بعد میں دیکھو کس طرح فساد برپا ہو گئے تو ان کو میں کہتا تھا کہ تمہیں دیکھنے کی آنکھیں نہیں ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے عظیم مرتبے پر یہ باتیں گواہ ہیں اور اس سے بڑی گواہی اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ عرب جن کا یہ مزاج تھا ان کو کس طرح ایک جان بنا کے رکھ دیا، ایک قالب میں تبدیل کر دیا اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے دل کے ساتھ وہ سارے دل ہم آہنگ ہو گئے تو جب آنحضور ﷺ نہ رہے تو وہ بات نہ رہی جو آپ

کے وجود کے ساتھ وابستہ تھی۔

پس بعض وجود خدا تعالیٰ کی طرف سے بعض برکتوں کے مجسم نمائندہ ہو جایا کرتے ہیں اور نبی خدا کی برکتوں کا سب سے بڑا نمائندہ ہوتا ہے لیکن آنحضرت ﷺ کا ایک جسمانی وجود تھا، ایک روحانی وجود ہے جیسا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضور ﷺ کے وصال کے بعد عرض کیا کہ اے میرے آقا خدا تجھ پر دو موتیں اکٹھی نہیں کرے گا۔ پس وہ روحانی وجود زندہ ہے۔ وقتی طور پر جب روحانی اور جسمانی وجود اکٹھے ہوں تو بعض دفعہ جسمانی وجود کے غائب ہونے سے نفسیاتی طور پر انسان دھوکا کھاتا ہے کہ وہ اب ہم میں نہیں رہا اور اس کی وجہ سے بہت سی آزادیاں جو حقیقت میں آزادیاں نہیں بلکہ غلامیاں ہیں یعنی شیطان کی غلامیاں، وہ سر اٹھانے لگتی ہیں اور انسان سمجھتا ہے کہ ایک وجود وقتی طور پر ہم میں نہیں رہا اور ایک نفسیاتی کیفیت ہے۔ آنحضرت ﷺ کے وصال کے معاً بعد جو سلسلہ شروع ہوا ہے اور وہ خلافت رابعہ کے آخر پر بدنصیبی سے خلافت کی نعمت کو ہاتھ سے کھونے پر منتج ہوا وہ یہی نفسیاتی کیفیت تھی آنحضورؐ ظاہری طور پر ساتھ رہا کرتے تھے آپؐ کا روحانی وجود ہمیشہ کے لئے ساتھ رہ رہا تھا۔ عادت پڑ گئی تھی اس روحانی وجود تک اس جسمانی وجود کے واسطے سے پہنچنے کی اور فوری طور پر انسان اس تبدیلی کو محسوس کر کے اس کو ہضم نہیں کر سکا۔ پھر رفتہ رفتہ خدا تعالیٰ نے آنحضور ﷺ کے روحانی وجود کو ایک زندہ وجود کے طور پر امت میں ہمیشہ جاری رکھا ہے مگر ان لوگوں کے لئے جو روحانی وجود کو دیکھنے اور اس کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ ایک فرق ہوا کرتا ہے۔ وجود تو روحانی ہی ہے جسمانی وجود تو اس کا ایک پیکر ہے جس نے اس کو اٹھایا ہوا ہے مگر عام طور پر غبی سے غبی دماغ بھی جسمانی وجود کو دیکھ کر متاثر ہو جاتا ہے اور ذہین انسان ہے جو اس کے اندر کے روحانی وجود پر نظر رکھتا ہے۔ پس جب وقتی طور پر جسمانی وجود کو الگ کیا جائے یوں معلوم ہوتا ہے کھلی چھٹی مل گئی ہے جو چاہو کرتے پھرو۔ یہی کیفیت ہے جو اسلام کی یا رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد کی ابتدائی تاریخ میں رونما ہوئی اور ہم نے اپنے دور میں اس کو اسی طرح دیکھا ہے۔

جب میں ربوہ سے روانہ ہوا یعنی اس عارضی ہجرت میں تو فوری طور پر ربوہ کے ان لوگوں کا یہی ردعمل تھا جو میرے وہاں رہنے کے رعب کی وجہ سے ٹھیک رہتے تھے اور بعد میں کئی قسم کی شرارتیں

شروع کر دیں۔ کئی قسم کے فتنوں نے سر اٹھا لیا۔ لوگ مجھے لکھتے تھے کہ اوہو یہ کیا ہو گیا اب تو آپ آ گئے ہیں اور حکومت نے ان لوگوں کو شہ دی ہے منافقوں کی سرپرستی کر رہی ہے پیٹھ ٹھونک رہی ہے اور لگتا ہے کہ سب ہاتھ سے نکل جائیں گے۔ میں ان کو ہمیشہ یہ لکھتا رہا کہ آپ کو وہم ہے نہیں نکلیں گے ہاتھ سے۔ وقتی طور پر ایک دھوکا ہے ان کا اور پھر صحیح صورتحال پر واپس آ جائیں گے اور وہ جو رشتہ بندھے گا وہ دائمی ہے وہ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ وہ ابتلاء میں ثابت قدم رہنے والا رشتہ ہے۔ پس جو چند منافقین ہیں، چند کمزور ہیں، وہ ٹھیک ہے ہاتھ سے جاتے رہیں گے مگر ان کی قطعاً کوئی پرواہ نہ کریں۔ ان میں سے بھی بہت سے واپس آئیں گے اور پھر مزاج درست کر کے واپس آئیں گے اور بعد میں پھر یہی کیفیت رونما ہوئی مگر اب تو اللہ تعالیٰ نے اس ظاہری اور روحانی رشتے کو ملا کر عالمی طور پر ٹیلی ویژن کے ذریعے ایک ایسا نیا نظام قائم کر دیا ہے کہ خلافت احمدیہ کو قیامت تک مستحکم کرنے کے لئے یہ سب کچھ کیا گیا ہے۔ **اس لئے اب یہ خیال بھلا دیں دل سے کہ خلافت رابعہ آ گئی اور بعد میں پھر وہی کچھ ہو گا جو پہلے ہو چکا ہے۔ یہ بالکل واضح جھوٹ ہے اگر کوئی یہ غلط امیدیں لگائے بیٹھا ہے تو وہ نامراد رہے گا ان امیدوں کا پھل کبھی نہیں دیکھے گا۔ کیونکہ خلافت رابعہ میں تو اجتماعیت کا آغاز ہوا ہے اختتام کے اعلان نہیں ہو رہے یہ بتایا جا رہا ہے کہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو خلافت دی گئی ہے محمد رسول اللہ ﷺ کی حکومت کو قیامت تک جاری کرنے کے لئے دی گئی ہے اور اس لئے یہ وہم دل سے نکال دو کہ خلافت رابعہ آخری دور ہے۔ خلافت رابعہ آئندہ آنے والے حالات کے لئے جو آسمان سے تقدیریں رونما ہو رہی ہیں ان کے لئے ایک پیش خیمہ بن گئی ہے۔** پس نئے باب کا آغاز ہے نہ کہ پرانے دور کے اختتام کا اعلان ہے۔

پس یہ جو آپ نے کیفیتیں دیکھیں اور اس سے لطف اندوز ہوئے ان سب باتوں کو اس سارے پسِ منظر میں سمجھیں، اس کی کیفیات کو اپنے دلوں میں اپنے خون میں اپنے مزاج میں داخل کر دیں اور ساری زندگی آپ کی سرور کی زندگی بن جائے گی۔ پس وہ خدا کا احسان کہ آپ کو اکٹھا کر دیا آج یہ دوہری صورت میں ظاہر ہوا ہے اور اس آیت کے حوالے سے میں بتاتا ہوں کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی برکت سے ہوا ہے۔ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖۤ اِخۡوَانًا محمد رسول اللہ ﷺ کی نعمت سے تم جیسے کل بھائی بنائے گئے تھے۔ **آج پھر بھائی بنائے گئے ہو لیکن خدا کی قسم اب جو بنائے گئے ہو**

انشاء اللہ قیامت تک اللہ تعالیٰ تمہیں بنائے رکھے گا۔ اگر تم انکساری کے ساتھ اور خدا تعالیٰ کی نعمت کا شکرادا کرتے ہوئے زندگیاں بسر کرو گے تو اس نعمت کو کوئی تم سے چھین نہیں سکے گا اور یہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں توجہ دلائی گئی ہے۔ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ اس لئے ہے کہ تم خدا کے شکر گزار بندے بنو وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا تم تو آگ کے کنارے پر کھڑے تھے اللہ نے اس کنارے سے تمہیں بچا لیا۔ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ دیکھو اس طرح اللہ تعالیٰ اپنے نشانات تم پر کھول کھول کر بیان فرماتا ہے ان کی حقیقتیں بیان فرماتا ہے ان کا فلسفہ تم پر روشن فرماتا ہے تا کہ تم ہدایت پاؤ۔ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۱۰۵ کہ تم میں اب ہمیشہ ایک ایسی امت قائم رہنی چاہئے يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ جو بھلائیوں کی طرف بلاتی رہے نیکی کی طرف بلائے وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ اور معروف چیزوں کا حکم دے وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ اور بری باتوں سے روکتی رہے وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ یہی وہ لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں یعنی کامیابیاں حاصل کرنے والے ہیں۔ پس یہ جو اجتماعیت ہے آپ کی اس کی حفاظت کا ایک اور گر آپ کو بتایا گیا۔ پہلا تو یہ کہ اللہ کی نعمت کا ذکر کرتے رہو اور یہ احسان مندی کا ایک اور طریق ہے وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ میں دراصل میں نے جو آپ سے کہا تھا، شکر گزاری کا مضمون اللہ تعالیٰ نے یہیں بیان فرمایا ہے وہ ذکر کے ساتھ وابستہ ہے وہ لوگ جو احسان فراموش ہوتے ہیں وہ احسانات کو بھلا دیا کرتے ہیں اور وہ لوگ جو احسان کو دل میں قبول کرتے ہیں، دل پہ گہرا اثر لیتے ہیں وہ احسانات کا ذکر کرتے ہی رہتے ہیں۔ بعض دفعہ ایک چھوٹی سی بات بھی ایک انسان کسی احسان مند انسان کے ساتھ کر دے حسن سلوک کی، تو اتنا ذکر کرتا ہے، کہ جس سے احسان واقع ہو گیا وہ بے چارہ مصیبت میں پڑ جاتا ہے وہ شرمندگی سے اس کو روکتا ہے خدا کے لئے بس کرو کچھ بھی نہیں چھوٹی سی بات تھی مگر وہ چھوڑتا ہی نہیں تو اتنا بڑا احسان یعنی محمد رسول اللہ ﷺ ان کے ذکر کو کیسے چھوڑو گے۔ پس ذکر میں احساس شکر داخل ہے کثرت کے ساتھ اس احسان کا ذکر کیا کرو تا کہ تم شکر گزار بندے بنو اور اگر شکر گزار بندے بنو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر بکثرت اور احسان فرمائے گا اور دوسرا ایک ذریعہ اس نیکی کی

حفاظت کا یہ بیان فرمایا ہے وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّـةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ تم میں ہمیشہ کچھ لوگ اس بات پر وقف رہنے چاہئیں جو بھلائی کی طرف بلاتے رہیں کوئی مانے نہ مانے کوئی اثر قبول کرے یا نہ کرے بلاتے ہی رہیں وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ اچھی باتوں کا حکم دیں یعنی يَاْمُرُ سے مراد جبر کا حکم نہیں ہے بلکہ تاکیدی نصیحت مراد ہے۔ تاکیدی طور پر اچھی باتوں کی نصیحت کرتے رہیں اور بری باتوں سے روکتے رہیں وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ یہی وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہوں گے۔ پس کامیابی کا سہرا قوم کے اس حصے کے سر پر باندھا گیا ہے جو لوگوں کو نیک نصیحت کرتا ہے اور بری باتوں سے روکتا ہے پس آپ اگر اس کامیابی میں اول شریک ہونا چاہتے ہیں وہ کامیابی جو خدا نے آپ کے لئے مقدر فرمادی ہے تو وہ اول حصہ بنیں جن کے متعلق خدا نے فرمایا ہے کہ اگر تم نصیحت کرنے والے بنو گے، برائیوں سے روکنے والے بنو گے تو درحقیقت تم کامیاب ہو گے کیونکہ تمہاری وجہ سے قوم ہلاکت سے بچائی جائے گی۔

پھر فرمایا وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ دیکھو ایسے نہ بن جانا کہ وہ لوگ جو پھٹ گئے آپس میں ایک دوسرے سے جدا جدا ہو گئے اخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ اور اختلاف کر بیٹھے باوجود اس کے کہ ان کے پاس کھلے کھلے روشن نشان آ چکے تھے۔ یہ کون لوگ ہیں؟ اولین کے بعد آنے والے لوگ ہیں اور یہاں براہِ راست وہ آخرین مخاطب ہیں جن کو خدا نے دوبارہ محمد رسول اللہ ﷺ کی نعمت کے ذریعے ایک ہاتھ پر اکٹھا فرمایا ہے۔ اس مضمون کی ترتیب کو دیکھیں کیسی واضح ہے فرمایا دیکھو تمہیں ہم نے دوبارہ اکٹھا کیا ہے اسی ایک رسولؐ کے ہاتھ پر دوبارہ اکٹھا کیا ہے، اسی کی نعمت کے طفیل اسی کے احسان کے تابع تم اکٹھے ہوئے ہو اب پھر وہ حرکت نہ کرنا جو محمد رسول اللہ ﷺ کے وصال کے کچھ عرصے کے بعد ظاہر ہوئی اور قوم پھٹ گئی اور مختلف فرقوں میں تبدیل ہو گئی اور ان کے دل بھی جدا جدا ہو گئے، ان کے دماغ بھی جدا جدا ہو گئے فرمایا اگر تم ایسا کرو گے تو یاد رکھنا یہ وہ لوگ ہیں۔ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ان کے لئے بہت بڑا عذاب مقدر ہے۔

پس اللہ تعالیٰ ہمیں اس نئے دور کے فیض کو اپنے وجودوں میں ہمیشہ زندہ رکھنے کی توفیق عطا فرمائے جو دراصل پرانے دور ہی کا ایک فیض ہے جو نئے پیمانوں میں آیا ہے کہتے

ہیں۔ پرانی شراب نئی بوتلوں میں۔ یہ شراب طہور وہی ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ کو عطا ہوئی تھی یہ فضلوں کی وہی بارش ہے جو آپؐ پر برستی تھی ہاں نئے پیمانوں میں اب یہ بٹ رہی ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اسے اسی طرح پاک وصاف رکھتے ہوئے بغیر کسی ملونی کے تمام دنیا میں تقسیم کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ خود بھی ہم اس شراب کے نشے میں سرشار رہیں اور دنیا کو بھی سرشار کرتے چلے جائیں۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حضرت محمد مصطفی ﷺ کی نصائح میں گہری حکمتیں ہیں۔
ان نصائح کی حقیقی پہچان اور عرفان حاصل کر کے عمل کرنا چاہئے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 12 / اگست 1994ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے مندرجہ ذیل آیت کریمہ تلاوت کی۔

وَلۡتَكُنۡ مِّنۡكُمۡ اُمَّةٌ يَّدۡعُوۡنَ اِلَى الۡخَيۡرِ وَيَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ‌ؕ وَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۰۵﴾ (آل عمران: 105)

پھر فرمایا:۔

آج کے خطبے سے پہلے جو اجتماعات ہیں ان میں سب سے پہلے خدام الاحمدیہ امریکہ کا سالانہ اجتماع ہے جو آج 12 / اگست سے شروع ہو رہا ہے اور تین دن جاری رہے گا۔ مجلس خدام الاحمدیہ سوئٹزر لینڈ کا بھی تین روزہ اجتماع آج ہی شروع ہو رہا ہے اور تین دن تک جاری رہے گا اور لجنہ اماء اللہ سوئٹزر لینڈ کا سالانہ اجتماع کل 13 / اگست سے شروع ہو کر دو دن جاری رہے گا۔ جماعت احمدیہ کینیڈا کی تیسری نیشنل تعلیم القرآن کلاس آج 12 / اگست سے شروع ہو کر 18 / اگست تک جاری رہے گی۔ اس کے علاوہ سرینام کی طرف سے یہ شکوہ موصول ہوا تھا کہ ہم نے بھی اعلان کے لئے کہا تھا۔ 29، 30 اور 31 / جولائی کو ہمارا بھی جلسہ ہو رہا تھا لیکن آپ نے وہ اعلان نہیں کیا۔ سرینام کی جماعت ماشاء اللہ اب اٹھ رہی ہے۔ ایک عرصہ سونے کے بعد کچھ بیداری کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں اس لئے اس اعلان سے اگر مزید ان کی آنکھیں کھولنے میں مدد ملے تو بہت اچھا موقع ہے اللہ تعالیٰ

ان کو پوری طرح بیدار ہو کر اعلیٰ خدمت دین کی توفیق عطا فرمائے۔اس کے علاوہ جو اعلانات ہیں ان میں ایک شکوہ ہے جو جائز ہے۔ٹرینیڈاڈ کی طرف سے شکوہ ملا ہے کہ ایک اہم ملک کا اضافہ خدا تعالیٰ نے ہمیں کرنے کی توفیق عطا فرمائی تھی اور اس کی رپورٹ بھی بھجوائی گئی تھی۔معلوم ہوتا ہے وہ فیکس وقت پہ پہنچی نہیں، اس لئے وہ نام رہ گیا۔پس ملکوں کی فہرست میں بھی ایک اضافہ ہو جاتا ہے اور اس میں ٹرینیڈاڈ نے چونکہ غیر معمولی کوشش کی اور خدمت کی اور ان کوششوں کو اللہ تعالیٰ نے اچھا پھل لگایا اس لئے ان کو بھی اس فہرست میں یعنی نئے ملکوں میں احمدیت کا پودا لگانے والوں میں داخل سمجھنا چاہئے۔انہوں نے ایک نئے جزیرے جو ایک الگ حکومت پر مشتمل ہے، ایسٹرن کیریبین کے جزیرے Saint Lucia میں اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ احمدیت کا پودا لگایا ہے اور یہ زیادہ تر افریقی نسل کے باشندے ہیں جو وہاں آباد ہیں۔

جلسہ سالانہ UK پر جو پیغامات تہنیت ملتے رہے اور وہ آخری آدھے گھنٹے میں جو لمبے کا عرصہ لگتا تھا اتنے کثرت سے پیغام آ رہے تھے کہ ناممکن تھا کہ ان کو وصول ہی کیا جا سکتا تو بعد میں بعض خطوط ملے، بعض Faxes، بعض ٹیلیفون آئے کہ ہم بھی بہت بے قرار تھے اس وقت شامل ہونے کے لئے اور شامل تھے لیکن ہمارا نام آپ تک نہیں پہنچ سکا تھا۔ان میں سب سے پہلے وکیل اعلیٰ صاحب تحریک جدید کا نام ہے۔ناظر صاحب اعلیٰ کا نام پہلے مذکور ہو چکا ہے۔پھر امیر صاحب USA کہتے ہیں ہم نے بھی بہت کوشش کی تھی لیکن افسوس رابطہ نہیں ہو سکا۔سرینام کے انچارج حمید احمد صاحب ظفر نے بھی پیغام دیا ہے اور کراچی کی طرف سے عبدالرحیم بیگ صاحب قائم مقام امیر کا بھی یہی پیغام ہے۔اسی طرح لاس اینجلیز، سعودیہ، میرپور خاص، نوکوٹ، جاپان اور کینیڈا سے بھی بعض متفرق پیغام ملے ہیں۔

جو آیت میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے پہلے بھی کر چکا ہوں اس کا با محاورہ ترجمہ یہ ہے۔وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ اور چاہئے کہ تم میں سے ایسی قوم نکلے جو بھلائیوں کی طرف، اچھی باتوں کی طرف بلانے والی ہو جائے وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ اور ہمیشہ اچھی باتوں کا حکم دیتی رہے وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ اور ہمیشہ بری باتوں سے روکتی رہے۔قوم کے حوالے سے میں نے یہ تانیث میں ترجمہ کیا ہے ورنہ لفظاً جو يَاْمُرُوْنَ کا مطلب ہے حکم دیتے

رہیں اور یَنۡهَوۡنَ کا مطلب ہے وہ لوگ برائیوں سے روکتے رہیں تو اس وضاحت کے بعد میں سمجھانا چاہتا ہوں کہ جو خطبات کا سلسلہ شروع ہے اس کا بنیادی طور پر اسی مضمون سے تعلق ہے۔ کچھ نیک نصیحتیں جو میں کر رہا ہوں وہ تمام حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے حوالے سے کر رہا ہوں کیونکہ آنحضور ﷺ کی چھوٹی چھوٹی نصیحتوں میں بھی بہت عظیم حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ بہت گہرا اثر ہے۔ بہت وزنی ہیں جہاں تک دلوں پر اثر کا تعلق ہے۔

آنحضرت ﷺ کے متعلق حضرت جریرؓ روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ بھی اس پر رحم نہیں کرتا۔ (بخاری کتاب الادب حدیث نمبر: 5554) ایک چھوٹا سا فقرہ ہے اس میں ایک عظیم الشان حکمتوں کا سمندر بیان ہو گیا ہے۔ ہر انسان اللہ تعالیٰ سے ایک توقع رکھتا ہے اور اس سے نیچے بندے اس سے کچھ توقع رکھتے ہیں۔ اگر وہ چاہتا ہے کہ اس کی توقعات اللہ تعالیٰ پوری فرمائے تو ضروری ہے کہ اپنے نیچے جو بندے اس کے سپرد ہیں ان کی توقعات اپنے حق میں پوری کر کے دکھائے۔ یہ ناممکن ہے کہ خدا کے بندوں سے تعلق کاٹ دیا جائے اور خدا کا تعلق برقرار رہے۔ پس یہاں رحم کا تعلق ہے اگر چہ یہ لفظ عام طور پر نرم دلی سے پیش آنے کے لئے استعمال ہوتا ہے مگر بنیادی اصول یہی ہے کہ ہر وہ بات جس میں آپ اپنے ہم جنسوں سے یا اپنے ماتحتوں سے بدسلوکی کرتے ہیں یا ان کے حقوق کا خیال نہیں رکھتے۔ ان تمام باتوں میں اصولاً آپ اللہ تعالیٰ کے رحم کے اور اس کے پیار کی توجہ کے مستحق نہیں رہتے۔ پس اس پر غور کر کے اگر ہم اپنے تمام تعلقات کے دائروں کی نگرانی کریں تو بہت سے ایسے تعلقات ہیں جن میں ہمیں رخنے دکھائی دیں گے اور بہت سی ایسی دعائیں ہیں جن کی ناکامی کا سبب معلوم ہو جائے گا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے بڑی گریہ وزاری کے ساتھ یہ دعا کی یا وہ دعا کی اور جہاں تک ان کے اپنے ماتحتوں سے تعلق کا سوال ہے یا اپنے ہم جنسوں، دوسروں سے تعلق کا سوال ہے انہی معاملات میں وہ ان سے زیادتی کر جاتے ہیں۔ مثلاً کئی ایسے ہیں جو غربت کا شکوہ کرتے ہیں کہتے ہیں ہم نے بہت خدا کے حضور گریہ وزاری کی مگر کوئی شنوائی نہیں ہوتی اور واقعہ یہ ہے کہ بہت سے ان میں ایسے ہیں جن کی بعض دفعہ یہ کمزوریاں پوشیدہ رہ جاتی ہیں، ان پر ستاری کا پردہ پڑا رہتا ہے۔ بعض ان میں سے ایسے ہیں جن کی کمزوریاں لوگوں کے سامنے کھلیں یا نہ کھلیں میرے

سامنے آجاتی ہیں اور اس وقت یہ نکتہ سمجھ آتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے بھائیوں سے معاملات میں دیانتداری کے سلوک نہیں کئے۔ جو اعلیٰ توقعات امانت کی ان سے وابستہ تھیں ان کو پورا نہیں کیا۔ اور پھر خدا سے شکوے ہیں کہ ہم تیرے حضور گریہ وزاری کرتے رہے ماتھا ٹیکتے رہے مگر کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔

ایک اور اہم پہلو اس میں قابل توجہ یہ ہے کہ اللہ کے حضور محض مالی ضرورت لے کر جانا یہ دعا کی قبولیت کی ضمانت نہیں ہوسکتی۔ اللہ سے تعلق اور محبت کے رشتے استوار رہنے چاہئیں اور ان رشتوں کے نتیجے میں پھر خدا کے فضل نازل ہوتے ہیں اور جہاں محبت کے تعلقات استوار ہوں وہاں نقصان بھی انسان خدا کی خاطر خوشی سے برداشت کرتا ہے۔ پس اگر نقصان کے وقت انسان کے غصے کا پارہ چڑھ جائے اور انسان یہ سمجھے کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے یہ میرا نقصان ہونے دیا، یہ تکبر بھی ہے اور قرآن کریم اس کے خلاف سخت کراہت کا اظہار فرماتا ہے۔ ایسے شخص کے لئے خدا تعالیٰ کی ناراضگی کی وعید ہے۔ پس اپنے نقصانات میں بھی آپ پہچانے جاتے ہیں اور ایسی صورت میں جو واقعۃً خدا کے حضور راضی برضا رہتے ہوئے سر جھکا دیتا ہے اس کی ضرورت کی دعائیں پھر پوری کی جاتی ہیں۔ اس لئے اس مضمون سے یہ جو مختلف باریک پہلو نکل رہے ہیں یہ حدیث کے الفاظ تو چند ہیں لیکن جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے اور ایک دو مثالیں دے کر مضمون کھول رہا ہوں اپنے تمام زندگی کے تعلقات کے دائرے میں اس بات کو استوار کر کے دیکھیں امر واقعہ ہے کہ وہ لوگ جو خدا کے بندوں کی مدد میں رہتے ہیں دعا نہ بھی کریں تو اللہ ان کی مدد پر رہتا ہے اور جو اپنے بھائیوں، اپنے قریبیوں کے حال سے غافل رہیں خواہ ان کا مالی نقصان نہ بھی کریں، بددیانتی سے نہ بھی پیش آئیں لیکن ان کے غم محض اپنی ذات کے لئے ہوں، اپنے عزیزوں کے لئے نہ ہوں، اپنے گردوپیش کے لئے نہ ہوں، ان کی دعائیں بھی اسی حد تک کمزور ہوجاتی ہیں۔ پس دعاؤں کی قبولیت کا گہرا راز اس مضمون میں ہے کہ جو بندوں پر رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس سے رحم کا سلوک نہیں فرماتا۔

ایک حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

قال: رسول اللہ ﷺ من استعاذ باللّٰہ فاعیذوہ، ومن سال باللّٰہ فاعطوہ، ومن دعاکم فاجیبوہ، ومن صنع الیکم معروفا

فكافئوه، فان لم تجدوا ما تكافئونه به فادعوا له حتى تروا انكم قد كافاتموه. (ابوداؤد کتاب الزکاۃ حدیث نمبر:1672)

حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کے نام پر پناہ مانگتا ہے اس کو پناہ دو اور جو شخص اللہ کا نام لے کر مانگتا ہے اسے کچھ نہ کچھ ضرور دو اور جو شخص دعوت کے لئے بلاتا ہے اس کی دعوت قبول کرو۔ جو شخص تم سے نیک سلوک کرتا ہے اس کے اس نیک سلوک کا بدلہ کسی نہ کسی رنگ میں ضرور دو۔ اگر بدلہ دینے کے لئے تمہارے پاس کچھ نہ ہو تو اتنی دعا کرو کہ تمہارا دل مطمئن ہو جائے کہ گویا تم نے بدلہ ادا کر دیا ہے۔

بہت ہی پیارا کلام ہے بہت ہی تفصیل سے باریکی میں اتر کر مضمون کو سمجھایا گیا ہے کہ دعا محض کر دینا کہ ٹھیک ہے جزاک اللہ کہہ کر الگ ہو جائیں یہ کافی نہیں ہے جب تک دل مطمئن نہ ہو کہ میرے دل سے بوجھ اتر گیا ہے اور اپنے بھائی کی میں نے دعا سے اتنی خدمت کر دی ہے کہ اللہ ضرور اس کا فیض اس کو پہنچائے گا اس وقت تک دعا سے رکنا نہیں، تمہارا حق ادا نہیں ہو گا۔ اس حدیث میں چھوٹی چھوٹی کئی باتیں ہیں ان میں سے ہر ایک کو الگ الگ قریب سے دیکھنا ضروری ہے۔

جو اللہ کے نام پر پناہ چاہے اسے تم پناہ دو۔ اللہ کے نام پر پناہ چاہنے والے ایسے بھی ہو سکتے ہیں جو خدا کے دشمن رہے ہوں اور ان پر یہ مضمون بلا استثناء صادق نہیں آتا۔ کئی ایسے بھی تھے حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جنہوں نے تمام عمر دشمنی میں گزاری اور بعد میں پناہ مانگی تو ان کو پناہ نہیں دی گئی۔ بعضوں کو بعد میں پناہ دے دی گئی مگر بعضوں کو وطن چھوڑ کر دوسرے ملکوں کی طرف بھاگنا پڑا۔ تو اللہ کے نام پر پناہ مانگنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر شخص کو بلا استثناء ضرور پناہ دو عام حالات کا تقاضا یہ ہے کہ ضرورت مند محتاج ہے اس کو کہیں کسی کے شر سے پناہ نہیں مل رہی اور پناہ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اپنے گھر میں جگہ دو کیونکہ اگر یہ مضمون ہو تو پھر دنیا کا ہر گھر، گھر والوں کے سوا ہر ایک دوسرے سے بھر جائے۔ اس لئے حدیث کو اس کے محل اور موقع کے مطابق سمجھنا ضروری ہوتا ہے۔ پناہ سے مراد ہے کسی شر سے پناہ، کسی فتنے سے پناہ۔ پس ایک شخص کسی بڑے آدمی کے مظالم کا شکار ہے۔ وہ کسی کے پاس پناہ لینے آتا ہے تو اس کا فرض ہے کہ جتنی اس کو طاقت ہے اس کی حمایت

کرے اور اس بات کا خوف نہ کرے کہ اس حمایت کے نتیجے میں اسے کیا نقصان پہنچ سکتا ہے۔ حلف الفضول کی جو روح تھی وہ یہی تھی۔ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے بھی نبوت سے پہلے حلف الفضول کا ممبر بننا قبول فرمایا اور اس دور میں اپنے عہد کو اس طرح قائم رکھا کہ ایک دفعہ نبوت کے بعد جبکہ نبوت کے نام پر بے شمار دشمنیاں پیدا ہو چکی تھیں ایک شخص آنحضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا آپ وہی ہیں جو حلف الفضول کے عہد میں ممبر تھے ان میں سے ایک آپؐ ہیں اور میں وہ عہد آپ کو یاد دلاتا ہوں اور آپؐ سے تقاضا کرتا ہوں کہ ایک ظالم شخص نے میری رقم دبائی ہوئی ہے اس سے رقم دلوائیں۔ آنحضورؐ نے پوچھا وہ کون ہے تو اس نے کہا ابوجہل۔ اب بعد از نبوت ابوجہل کی دشمنی اور اس کا عناد اور ایک پرانے عہد کو اس پر صادر کرنا عام حالات میں تو ایک آدمی کہہ سکتا ہے کہ بڑی نامعقول بات ہے۔ حلف الفضول کا یہ مطلب تو نہیں تھا کہ جو دین میں جان کے دشمن بن چکے ہوں ان سے چیز دلوائی جائے۔ ایک معقول کوشش کی حد تک وعدہ ہے اور وہ پورا ہو سکتا تھا اگر یہ خاص غیر معمولی دشمنی کے حالات نہ ہوتے مگر بہر حال حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ عہد کے معاملات میں ادنیٰ سا داغ بھی اپنے اوپر قبول نہیں فرماتے تھے۔ جائز تھا انکار کر دیتے مگر آپ اٹھ کھڑے ہوئے۔ صحابہؓ کو بھی تعجب ہوا کہ یہ کیا ہو رہا ہے اس کو ساتھ لیا اور ابوجہل جو ایک مجلس میں بیٹھا ہوا تھا اس کے پاس جا کر کہا کہ تو نے اس کے اتنے پیسے دینے ہیں، یہ غریب اور مظلوم ہے اس کے پیسے ادا کرو۔ اس نے کہا ٹھیک ہے میں ابھی دلواتا ہوں اور رقم کے لئے کسی کو ہدایت کی، وہ رقم لا کر اس نے پیش کر دی اور وہ شخص لے کر شکریہ ادا کیا یا نہیں کیا وہاں سے رخصت ہوا۔ بعد ازاں اس کے ساتھیوں نے ابوجہل سے کہا کہ تم تو ہمیں تعلیم دیا کرتے تھے کہ اس شخص کا جان، مال اور عزت سب حلال ہے اور جب موقع ملے اس کو ہلاک کر دو اور تمہارا اپنا یہ حال ہے کہ تیرے پاس اکیلا آیا اور تو نے ان کی باتیں سنیں اور ان پر عمل کیا۔ ابوجہل نے جواب دیا کہ تم نے وہ نہیں دیکھا جو میری آنکھیں دیکھ رہی تھیں۔ میں انکار کے لئے لب ہلانا چاہتا تھا تو میں دیکھتا تھا کہ آنحضرت ﷺ کے پیچھے گویا دو مست اونٹ کھڑے ہیں جو مجھ پر ہر دم حملے کے لئے تیار تھے۔ اگر میں انکار کرتا تو مجھ پہ جھپٹ پڑتے۔ اس نظارے سے میں اتنا مرعوب ہو گیا کہ مجھ میں طاقت نہیں تھی کہ میں انکار کر سکتا۔ تو اللہ کے نام پر

جو لوگ دوسروں کو پناہ دینے کا عہد کرتے ہیں اور پھر خالص وفا کے ساتھ اس پر قائم رہتے ہیں اور اس بات کی پرواہ نہیں کرتے کہ ان کو کیا نقصان پہنچے گا اللہ تعالیٰ ان کی مدد پر مستعد ہو جاتا ہے اور ان کو نقصان نہیں پہنچنے دیتا۔ لیکن اس یقین دہانی کے بعد آپ کو قدم نہیں اٹھانا چاہئے۔ اس یقین دہانی سے پہلے اٹھانا چاہئے۔ یہ شرط نہیں ہے کہ پہلے آپ کو خدا کی طرف سے یقین دلایا جائے کہ میں بالکل کچھ نہیں ہونے دوں گا تم عہد پر قائم رہو بلکہ مومن کا تجربہ بتاتا ہے اور لمبا تجربہ بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلص بندوں کو نقصان نہیں پہنچنے دیتا اس لئے جو عہد پورا کرنا ہے وہ عہد کے ساتھ ایفاء کی جو شرط لگی ہوئی ہے، جو قرآن نے لگا رکھی ہے، جو سنت نبوی نے لگا رکھی ہے اس شرط کے پیش نظر پورا کرنا ہے خواہ اس راہ میں سب کچھ کھو یا جائے۔ یہ ہے پناہ کا مضمون اور اس میں ہر قسم کی پناہ لینے والے آتے رہتے ہیں۔

جب اللہ کے نام پر کوئی پناہ مانگتا ہے اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس کو انسانوں سے مایوسی ہو چکی ہوتی ہے۔ عام طور پر دنیا والے پہلے لوگوں کی طرف جھکتے ہیں۔ جب سب دروازے کھٹکھٹا چکیں اور کچھ پیش نہ جائے تب وہ اللہ والوں کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں اللہ کے نام پر ہمیں یوں کرو اور اس وقت آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا کہ یہ آخری دروازہ ہے اس کو بند نہ کرنا آخر تمہارے خدا کے نام پر ہے یہ بہت ہی گہری اللہ سے پیار کا اظہار کرنے والی حدیث ہے، پیار کی مظہر حدیث ہے۔ یعنی دنیا نے تو اس کو چھوڑ دیا اس کو کوئی اور دروازہ نہ ملا مدد کے لئے، اگر ملتا تو کبھی وہ تمہارے پاس آکے یہ نہ کہتا کہ مجھے اب اللہ کے نام پر پناہ دو۔ تو اس دروازے کو بند نہ کرنا کیونکہ خدا کی عظمت کا تقاضا ہے کہ اس کے دروازے اس کے بندوں پر ہمیشہ کھلے رہیں اور اگر تم اس کا ذریعہ بن جاؤ گے تو اللہ کی رحمت کے دروازے تم پر کھلیں گے۔ پس اس مضمون کی وسعت اور گہرائی کے ساتھ جب آپ اس حدیث پر عمل کریں گے تو آپ کی جو انفرادی کمزوریاں ہیں وہ اپنی جگہ، ان حدود کے اندر ہی بہر حال آپ نے کام کرنا ہے آپ کی طاقت سے بڑھ کر خدا آپ سے توقع نہیں رکھتا لیکن جہاں تک آپ کسی کو خدا کے نام پر پناہ دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں وہ پناہ دینے کی کوشش کریں۔

پھر فرمایا کہ جو اللہ کا نام لے کر مانگتا ہے اسے کچھ نہ کچھ ضرور دو۔ کچھ نہ کچھ دینے کا جو

مضمون ہے اس کو ایک حدیث میں مزید کھول دیا گیا ہے۔ بعض دفعہ انسان کے پاس کچھ بھی دینے کے لئے نہیں ہوتا۔ یا اتنا تھوڑا ہے کہ اس شخص سے زائد حق دار اس کے موجود ہوتے ہیں تو ایسی صورت میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سختی سے انکار نہیں کرنا بلکہ اس کے حق میں کلمہ خیر کہنا ہے اور دعا کے ذریعے اس کی مدد ہونی چاہئے۔ کلمہ خیر جب کہتے ہیں تو اس کا مطلب ہے نرمی کا سلوک کرو۔ اس کو دعا دو۔ پس دعا بھی ایک طاقت ہے اور اگر ان معنوں میں آپ دعا دیں کہ اور کچھ نہیں تو چلو دعا ہی دے دو تو بالکل غلط ہے۔ اس وقت یہ یقین رکھتے ہوئے کہ چونکہ میرے پاس کچھ نہیں ہے اور میں عملاً اس قربانی میں شامل نہیں ہوسکتا اس لئے میں اپنے عطا کرنے والے سے مانگتا ہوں کہ تو اس کو عطا فرما دے۔ اس صورت میں یہ دعا قبول ہوگی کہ اگر انسان کی عادت ہو کہ جو کچھ اس کے پاس ہے اس میں اپنے غریب بھائیوں کا حصہ نکالنے کی دیانتداری سے کوشش کرتا ہے اور جو کرتا ہے وہ دیکھے گا اور ضرور دیکھے گا کہ اللہ تعالیٰ صرف اس کو ہی عطا نہیں کرے گا جو مانگنے آیا تھا اس کو بھی بہت عطا کرے گا اور اس میں قطعاً کوئی شک نہیں ہے۔ تمام وہ لوگ جو ان راہوں پر چلنے والے ہیں وہ گواہ ہیں، سب دنیا میں ایسے احمدی گواہ ہیں اور بسا اوقات مجھے خطوں کے ذریعے اپنے تجربے بھی لکھتے ہیں کہ خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربانی کے لئے تیار رہنا خواہ قربانی کی توفیق نہ بھی ملے ایک اتنا مقبول عمل ہے کہ خدا کی نظر میں اتنا پسندیدہ ہے کہ اس نہ کی ہوئی قربانی کو بھی اللہ قبول فرمالیتا ہے اور جزا اسی طرح دیتا ہے جیسے قربانی ہوگئی اور اس کو ہی نہیں جس کے حق میں دعا کی گئی ہے اس کو بھی جزا دیتا ہے جس نے دعا کی ہو۔

پھر آپؐ نے فرمایا جو شخص دعوت کے لئے بلاتا ہے اس کی دعوت قبول کرو۔ (مسلم کتاب النکاح)

اس مضمون کی اور بھی حدیثیں ہیں ان کی روشنی میں اس کو سمجھنا چاہئے ورنہ یہ تو ناممکن ہے کہ ایک شخص مثلاً اپنی مثال دیتا ہوں مجھے جو دوست یہاں دعوت پر بلاتے ہیں میں ان سے منتیں کرتا ہوں بعض دفعہ کہ خدا کے لئے نہ بلاؤ اگر ایک دفعہ میں نے رستہ کھول دیا تو اس کو بند نہیں کیا جا سکے گا اور بہت شاذ کے طور پر اپنے دل میں ان کے بعض استحقاقات کو پیش نظر رکھتے ہوئے بعض کے حق میں فیصلہ کرنا پڑتا ہے۔ لیکن اگر یہ سلسلہ ہو تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اب میں جرمنی جاؤں گا وہاں ہزاروں گھر ایسے ہیں جو کہیں گے ہمارے گھر ضرور آؤ اور چند منٹ کے لئے بھی جائیں تو

آپ کے مہینے خرچ ہو جائیں گے۔ قادیان جب گیا تھا تو وہاں بعض لوگوں نے بڑی لجاجت سے اور بڑے، بے حد اخلاص سے کہا کہ ہمارے گھر میں ایک دفعہ قدم رکھ جائیں اور کہا تو یہی جاتا ہے کہ قدم رکھ جائیں۔ وہاں جائیں تو وہاں چائے بھی تیار ہوتی ہے یا کوئی پھل جو کچھ توفیق ہو یا کوئی دودھ کا گلاس لئے بیٹھا ہے اور کہتا ہے کہ ایک گھونٹ اور آپ ایک گھونٹ بھر کر باہر نکلتے ہیں تو آگے لائن لگی ہوتی ہے کہ ہمارا گھر بھی ساتھ ہی ہے وہاں تشریف لے آئیں۔ جب میں نے ایک سلسلہ شروع کیا تو پھر باقی وقت قادیان میں میرا اسی طرح گھروں میں ہی پھرتے ہوئے گزر گیا، ان کی دلداری کی تو توفیق مل گئی لیکن بہت سے ایسے اہم کام تھے جن کی طرف توجہ دینا ضروری تھا جو توجہ سے محروم رہ گئے۔ بہت سے ایسے غیر تھے ملنے والے جن کی درخواستیں دیکھنے کا بھی موقع نہیں ملا اور یہاں آ کر پتا چلا کہ وہ جماعت کے لئے بہت اہمیت رکھتے تھے۔ اہل قادیان کے مفاد میں تھا کہ ان سے ملتا، ان سے کھل کر گفتگو کرتا لیکن جب واپس آیا تو پھر ڈاک دیکھی تو پتا چلا کہ وہ درخواستیں پڑی رہ گئی ہیں۔ بعضوں کے شکوے بعد میں آنے شروع ہو گئے۔ تو ہر چیز کو موقع اور محل کے مطابق دیکھنا چاہئے۔

اس حدیث کا جو میں مطلب سمجھتا ہوں وہ اس حدیث سے ہی نہیں بلکہ دوسری حدیثوں کے حوالے سے ان کی روشنی میں ان کو جانچ کر سمجھا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ ایک جگہ فرمایا کہ خواہ ایک بکری کے پائے کی دعوت ہی کیوں نہ ہو اور بعض اور جگہ ایسی باتیں بیان فرمائیں جس سے پتا چلتا ہے کہ از راہِ تکبر اپنے غریب بھائی کی دعوت رد کرنا ایک گناہ ہے اور اس کی دل شکنی کا موجب ہوتا ہے۔ پس کوئی ایسی دعوت رد نہ کرو جس میں تمہاری نیت میں کوئی ایسا ادنیٰ سا بھی فتور ہو کہ تم اپنی بڑائی کی وجہ سے رد کر رہے ہو یا کسی کی غربت کی وجہ سے رد کر رہے ہو۔ یہی مفہوم ہے جس کے مطابق تمام حدیثیں ایک دوسرے سے مطابقت کھا رہی ہیں ورنہ ناممکن ہو جاتا ہے کہ عملاً لفظاً بعض لوگ اس حدیث پر عمل کریں کیونکہ بعض لوگوں کے تعلقات کے دائرے اتنے وسیع ہوتے ہیں کہ ان کے لئے ہر دعوت کو ظاہراً قبول کرنا ممکن نہیں ہوتا مگر دعوت کو ایک اور رنگ میں بھی قبول کیا جا سکتا ہے۔ اسی محبت اور اخلاص سے ان کے شکریے ادا کئے جائیں، ان سے معذرتیں کی جائیں یہاں تک کہ وہ معذرتیں قبول کر لیں۔ یہ بھی ایک دعوت

قبول کرنے کا رنگ ہے۔ تو جہاں آپ دعوتیں لفظاً لفظاً قبول نہیں کر سکتے وہاں کم سے کم کلمہ خیر کے ذریعے اپنی اس کمزوری کا ازالہ کریں اور اس کو یقین دلا دیں دعوت کرنے والے کو کہ تمہاری دعوت کی میرے دل میں گہری قدر ہے، میں ممنون احسان ہوں گویا میں نے دعوت قبول کر لی ہے لیکن میری مجبوریاں حائل ہیں۔

پھر فرمایا کہ جو شخص تم پر نیک سلوک کرتا ہے اس کے اس نیک سلوک کا بدلہ کسی نہ کسی رنگ میں ضرور دو۔ اگر بدلہ دینے کے لئے تمہارے پاس کچھ نہ ہو تو کم سے کم دعائے خیر ہی کرو۔ یہ وہی بات ہے جو میں پچھلی حدیث کے حوالے سے بیان کر چکا ہوں اور اس میں پھر یہ واضح فرمایا گیا ہے کہ دعا اتنی کرو کہ تمہیں احساس ہونے لگے کہ تم نے اس کے احسان کا بدلہ چکا دیا ہے۔

ایک حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کُنْ وَرِعًا تَكُنْ اَعْبُدَ النَّاسِ کہ تو پرہیز گار ہو جا، متقی ہو جا تو سب بندوں میں زیادہ عبادت کرنے والا شمار کیا جائے گا۔

اب یہ بہت ہی اہم مضمون ہے اس پر غور کرنا چاہئے۔ عبادت کا مقصد نیک بنانا ہے اور اگر ایک شخص دن رات عبادت میں مصروف ہو لیکن تقویٰ سے عاری رہے اور روزمرہ کے اس کے انسانی تعلقات میں بھی رضائے باری تعالیٰ کے تابع تعلقات قائم نہ ہوں تو ایسے شخص کی عبادتیں بے کار ہیں۔ لیکن ایک شخص نیکی میں اتنا مصروف ہے کہ عبادت میں کمی آ رہی ہے یہ مطلب نہیں کہ فرض عبادات بجا نہیں لاتا یا نوافل کا کلیۃً تارک ہے۔ مراد یہ ہے کہ اس میں غیر معمولی انہماک نہیں دکھا سکتا، ایسے شخص کو یقین دلایا گیا ہے کہ اگر تو نیکی پر قائم ہے اور خالصۃً للہ کام کر رہا ہے تو **اعبد الناس** بن جائے گا، سب لوگوں سے بڑھ کر عبادت کرنے والا۔ یہ جو مضمون ہے اس کے اوپر آنحضرت ﷺ کا ایک اور ارشاد گواہ ہے اس لئے کوئی نفسی تعبیر نہیں حقیقۃً یہی مراد ہے اور اس کی تشریح یہ ہے کہ آنحضور ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا کہ اگر تم رضائے باری تعالیٰ کی خاطر اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ بھی ڈالتے ہو تو عبادت ہے۔ تو مراد یہ ہے کہ ایک شخص ایسا نیک ہو چکا ہو کہ روزمرہ کی زندگی کے سارے کام وہ اللہ کی رضا کی خاطر کرتا پھر رہا ہے تو **اعبد الناس** تو خود بخود ہو گیا کیونکہ اس کا زندگی کا ہر لمحہ آنحضور ﷺ کی اس تشریح کی روشنی میں عبادت بن جاتا ہے۔ پس کوئی فرضی بات نہیں ہے حقیقۃً

ساری زندگی عبادت بن جاتی ہے۔ پس جس کی ساری زندگی عبادت بن چکی ہو اس سے زیادہ عبادت کرنے والا اور کون ہوسکتا ہے۔

پھر فرمایا کُنْ قَنِعًا تَكُنْ اَشْكَرَ النَّاسِ کہ قانع ہو جا، قناعت اختیار کر۔ تمام شکر گزار بندوں سے زیادہ شکر گزار تو ہو جائے گا۔

اب قناعت کیا چیز ہے اس سلسلے میں میں ایک دفعہ تفصیلی روشنی ایک دو خطبات میں ڈال چکا ہوں یاد دہانی کے طور پر مختصراً یہ بتاتا ہوں کہ قناعت کہتے ہیں جو کچھ خدا نے دیا ہے خواہ وہ بہت تھوڑا ہی ہو اپنے پاؤں اس چادر کے اندر سمیٹ لیں اور اس سے باہر پاؤں نکالنے کا تصور بھی نہ کریں۔ ایسا شخص جو ہے وہ کبھی قرض دار نہیں بن سکتا۔ ایسا شخص اپنی تمناؤں کو سمیٹتا ہے۔ اپنی ضرورتوں کو سکیڑتا ہے یہاں تک کہ وہ اس چادر کے اندر سما جاتا ہے جو خدا نے اس کو رزق کی چادر عطا فرمائی ہے اور ایسا شخص پھر شکر کرتا ہے اللہ تعالیٰ کا کہ میری تمام ضرورتیں پوری ہیں۔ میں ٹھیک ہوں تیرے حضور اور یہی شکر ہے۔ ان معنوں میں بھی جو قناعت اختیار نہیں کرتا اور خدا کے دئے ہوئے سے آگے بڑھ کر ناجائز طور پر یا اپنے نفس کو یہ یقین دلا کر کہ سب کچھ جائز ہے لوگوں کے اموال پر نظر رکھتا ہے لوگوں سے مانگتا ہے ان کے آگے جھکتا ہے کبھی قرض کے نام پر کبھی ویسے بھکاری بن کر، وہ خدا کا شکر گزار نہیں ہوسکتا اس کی تو ساری ضرورتیں پھر بندوں کی محتاج ہو جاتی ہیں اور اسے شکر کیسے نصیب ہوگا۔ ہر وقت اس کا دل کفر میں مبتلا رہتا ہے کہ اچھا خدا نے تو ضرورت پوری نہیں کی ہم نے فلاں سے قرض لے کر پوری کر لی۔ فلاں کے سامنے ہاتھ پھیلا کر پوری کر لی، فلاں کے آگے اپنے رونے رو کر پوری کر لی۔ پس وہ اپنے دکھڑے ہر ایک کے سامنے بیان کرتے رہتے ہیں اور روتے رہتے ہیں اور ساری زندگی ان کی اسی طرح گزر جاتی ہے۔ قرض لیتے ہیں تو واپس نہیں کرتے، تجارت کرتے ہیں تو دھوکا کر جاتے ہیں۔ ایسا شخص حقیقت میں ان کا بھی شکر گزار نہیں ہوتا جن سے یہ ظلم کر رہا ہوتا ہے اور کبھی ایسے لوگ ان کا شکر ادا کرنے کی نفسیاتی صلاحیت نہیں رکھتے کیونکہ جو شخص کسی سے دھوکا کرتا ہے وہ اس کے خلاف کوئی عذر بھی بناتا ہے اور عموماً اس کے خلاف شکوے شروع ہو جاتے ہیں کہ اس نے تو مجھ سے یہ کیا تھا، اس نے تو مجھ سے یہ معاہدہ کیا تھا، اس نے تو مجھ پر ظلم کر دیا، مجھے نوکری دے دی حالانکہ مجھے دوسری جگہ بہت اچھی نوکری مل رہی تھی اور میں اس کی خاطر آیا

تھا۔ ہزار نفس کے بہانے ہیں جو اگر انسان اپنے دل میں غور کرے تو جانتا ہے کہ جھوٹے ہیں اور وہ بندوں کا بھی شکر گزار نہیں بنتا اور ایک اور حدیث کا مضمون اس پر صادق آتا ہے کہ مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسِ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ (ترمذی کتاب البر والصلہ حدیث: 1877) کہ جو بندوں کا شکر گزار نہیں ہوتا وہ اللہ کا بھی شکر گزار نہیں ہوتا۔ فرق صرف یہ ہے کہ اس حدیث میں رخ دوسرا بنتا ہے کہ جو اللہ کا شکر گزار نہیں ہوتا وہ بندوں کا بھی نہیں ہوتا۔

پس قناعت سے باہر نکلنا ناشکری کو دعوت دینا ہے یا ناشکری کے ابتلاؤں میں پڑنے والی بات ہے۔ اللہ کسی اعلیٰ خلق والے انسان کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ ناشکری میں مبتلا نہ ہو اور جائز ضرورت کے قرض عدم قناعت کی وجہ سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی تعلیم کے مطابق جدوجہد کی خاطر لے تو پھر یہ جائز ہے لیکن قناعت کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے قرضے نہ لے اگر وہ ڈوبے تو ان کو پھر کسی صورت ادا نہ کر سکے۔ یہ قناعت کا دوسرا پہلو ہے جسے آپ کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔ اگر ایک شخص کے پاس اتنی سی جائیداد ہے کہ وہ ساری بھی بیچ دے تو قرض خواہ کا قرضہ ادا نہ کر سکے اس سے باہر جب وہ قرض کی چھلانگ لگاتا ہے تو قناعت سے باہر نکل گیا۔ اس کو پتا ہے کہ میں اسے ادا کرنے کی توفیق ہی نہیں رکھتا اور اسے علم ہے کہ دنیا کی تجارتوں میں ایسے خطرے ہوتے ہیں کہ جو کچھ سرمایہ ہے سب ڈوب جائے۔ پس قناعت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اگر قرض لو کسی سے کچھ مانگو اس یقین دہانی کے ساتھ کہ تم اسے واپس کرو گے یا شکریہ کے ساتھ جو تمہارے پاس منافع آئے اس میں بھی حصہ دو گے تو ایسی صورت میں اپنی قناعت کے دائرے سے باہر قدم رکھنا جائز نہیں ہے۔ اور قناعت کے دائرے بڑھتے ہیں جو شخص قانع ہو اس کے متعلق فرمایا وہ شکر گزار ہے۔

اب اس کا دوسرا پہلو بھی تو ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم میرا شکر ادا کرو گے تو میں تمہیں بڑھاؤں گا۔ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (ابراہیم: 8) کا وعدہ ہے پھر ایک اور گُر ہمارے ہاتھ آیا کہ قناعت کا یہ مطلب نہیں کہ منہ بسور کر کسی محدود دائرے میں بیٹھے رہو اور ساری عمر وہیں قید رہو۔ قناعت کو شکر سے باندھ کر حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے لامتناہی احسانات کے دروازے کھول دئے ہیں۔ اتنا عظیم الشان مضمون ہے کہ اس میں ڈوب کر انسان زندگی کے فلسفے کو پالیتا ہے۔ اب اس بات کو اچھی طرح سمجھ کر اگر آپ ان لوگوں کے حالات پر نظر ڈالیں جو قانع تھے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ پھر خدا

نے ان کے اموال میں اتنی برکت دی کہ بہت تھوڑے میں غیر معمولی برکتیں پڑیں اور جو کچھ انہوں نے حاصل کیا انسان کو یقین نہیں آسکتا کہ اتنے تھوڑے مال میں اتنی بڑی برکتیں پڑسکتی ہیں اور پھر ان کو بھی زیادہ دیا گیا، ان کی اولادوں کو بھی زیادہ دیا گیا، دولتوں کے دروازے ان پر کھول دیئے گئے اور واقعہ یہ تھا کہ ان کے آباؤاجداد میں سے کوئی قانع تھا اور پوری طرح قناعت کے مضمون کو سمجھتے ہوئے خدا کا شکر گزار بندہ بنتے ہوئے قانع رہا اور نتیجہ یہ نکلا کہ خدا نے شکر کے بدلے دینے شروع کئے جو ختم ہی نہیں ہوتے۔

تو آنحضورﷺ کی چھوٹی چھوٹی نصیحتوں میں بعض دفعہ بوجھل باتیں بھی دکھائی دیتی ہیں کہ قانع بننا بڑا مشکل کام ہے، کیسے قانع بنیں؟ لیکن اگر آنکھیں کھول کر ان کو پڑھیں، گہرائی میں اتر کر ان کا مطالعہ کریں تو ان بوجھوں کو ہلکا کرنے والے مضامین اسی کے اندر موجود ہوتے ہیں۔ پس لفظ شکر نے قناعت کے سارے بوجھ دور کر دیئے کیونکہ شکر کے ساتھ اَزِیْدَنَّکُمْ کا وعدہ موجود ہے۔

پھر فرمایا وَاَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِکَ تَکُنْ مُؤْمِنًا اب مومن کی یہ تعریف فرمادی کہ وَاَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِکَ تَکُنْ مُؤْمِنًا لوگوں کے لئے وہ بات پسند کرو جو تم اپنے نفس کے لئے پسند کرتے ہو۔ اب یہاں مسلم کا لفظ نہیں آیا۔ عام طور پر مسلم کی تعریف میں مسلمانوں کے تعلقات کا ذکر ملتا ہے اس سے بعض غیروں کو یہ غلط طور پر مسلم کی تعریف میں مسلمانوں کے تعلقات کا ذکر ملتا ہے اس سے بعض غیروں کو یہ غلط فہمی پیدا ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں کے احسانات محض مسلمانی کے دائرے میں ہیں وہ اس مضمون کو سمجھ نہیں سکتے لیکن آنحضرتﷺ نے لفظ مسلم کو غیر مسلموں پر احسان کے معنوں میں بھی استعمال فرمایا ہے۔ لیکن لفظ مومن کو خصوصیت کے ساتھ تمام بنی نوع انسان کے ساتھ احسان کے معاملے کے تعلق میں بیان فرمایا ہے۔ یہ وہ ایک موقع ہے جو اس کی مثال ہے۔ آنحضورؐ فرماتے ہیں کہ اَحِبَّ النَّاسِ لوگوں کے لئے وہی چیز چاہو۔ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِکَ جو تم اپنے نفس کے لئے چاہتے ہو تَکُنْ مُؤْمِنًا تو تم مومن ہو جاؤ گے۔ یعنی خدا کے حضور مومن لکھے جاؤ گے اب اس کا کیا تعلق ہوا۔ مومن لکھے جانے کا اس بات سے کیا تعلق ہے۔ جب تک اس کو سمجھیں گے نہیں، نہ اس حدیث پر صحیح عمل ہوسکتا ہے نہ اس سے پورا استفادہ ہوسکتا ہے۔

لفظ مومن کے دو رُخ ہیں ایک اللہ کی طرف اور ایک بندے کی طرف۔ مومن کا ایک مطلب ہوتا ہے امن دینے والا اور ایک مطلب ہے ایمان لانے والا جو شرعی اصطلاحی ترجمہ ہے۔ جب اللہ کے تعلق میں ہم بات کرتے ہیں تو مراد ہے ایمان لانے والا اور جب بندوں کے تعلق میں بات کرتے ہیں تو امن دینے والا ہے۔ تو ہر شخص اپنے لئے امن پسند کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر تسکین مل جائے کسی شخص کو تو یہی اس کی جنت ہے اور تمام تر بنی نوع انسان کی کوششیں اپنے نفس کو تسکین دینے کی کوششیں ہیں اور اپنے نفس کو خطرات سے بچانے کی کوشش ہیں۔ تو فرمایا کہ تم مومن کہلاتے ہو۔ مومن کا ایک رخ تو خدا کے بندوں کی طرف بھی ہے اور اس رخ کا ترجمہ یہ ہے کہ ہر بندہ تم سے امن میں رہے اور اگر وہ بندہ تم سے امن میں رہتا ہے تو پھر تم خدا سے امن میں رہو گے اور تمہارا ایمان کامل ہوگا کیونکہ اللہ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں انسان آ جائے اور اس کی امن کی چادر کے اندر داخل ہو جائے۔ پس وہی مضمون رحم والا یہاں بھی صادق آ رہا ہے اس کی طرز بیان مختلف ہے مراد یہ ہے کہ تمام بنی نوع انسان تم سے اس طرح امن محسوس کریں جیسے تمہارا اپنا نفس تم سے امن محسوس کرتا ہے۔ تمہارے نفس کو بالا رادہ کوئی شر نہیں پہنچ سکتا۔ جہالت میں اور بے وقوفی کے استدلال میں تو انسان سب سے زیادہ اپنے نفس کو ہی نقصان پہنچاتا ہے مگر یہاں بالا رادہ نقصان کا مضمون ہے کوئی شخص جان بوجھ کر اپنے نفس کو تکلیف نہیں پہنچاتا اور ہر شخص کا نفس اس سے امن میں ہے۔ پس فرمایا تمام بنی نوع انسان کے ساتھ ایسا سلوک کرو کہ وہ سارے تم سے امن میں آ جائیں اگر ایسا کرو گے تو اللہ تعالیٰ سے تم امن میں آ جاؤ گے، اللہ کی پناہ میں آ جاؤ گے اور وہ تمہارے امن کی حفاظت فرمائے گا اور اس طرح تمہارا ایمان کامل ہوگا۔ پس وہ جو دوسرا پہلو ہے مومن کا اس کے ترجمے کو سر دست میں چھوڑتا ہوں کیونکہ اب مجھے جلدی اس مضمون کو ختم کرنا ہے۔ وہ پہلو بھی تفصیل سے اسی مضمون سے تعلق رکھتا ہے مگر حدیث کے چند الفاظ ایسے ہیں ان کا مضمون بیان کرنے کے بعد ایک اور اہم اعلان کرنا ہے میں نے اس خطبے کے دوران۔

وَاَحۡسِنۡ مُجَاوَرَةَ مَنۡ جَاوَرَکَ تَکُنۡ مُسۡلِمًا اور اپنے پڑوسی کے پڑوس کا حق ادا کرو، ہمسائیگی کا حق ادا کرو تم مسلم ہو جاؤ گے۔

یہاں بھی عجیب بات ہے کہ مسلمان کا ذکر نہیں فرمایا۔ پڑوسی تو غیر مسلم بھی تھے۔ آنحضورؐ

کے زمانے میں یہودی بھی مسلمانوں کے پڑوسی ہوا کرتے تھے اور کئی ایسے مقدمات ہیں جن میں ایک پڑوسی یہودی کی طرف سے کوئی شکایت پیدا ہوئی یا برعکس صورت پیدا ہوئی ہے۔تو پڑوس میں تو ہندو بھی بستے ہیں مسلمان بھی، یہودی بھی ہر قسم کے لوگ ہیں۔فرمایا اپنے پڑوسی کے ساتھ یہ نہیں کہ ہمسائیگی کے حق ادا کرو۔ اَحْسِنْ مُجَاوَرَةَ مَنْ جَاوَرَکَ ایسی عمدہ ہمسائیگی کرلو کہ بہت ہی خوب صورت ہو اعلیٰ درجہ کی ہمسائیگی ہو۔اگر تم ایسا کرو گے تو تم مسلم بن جاؤ گے اور مسلم کا مطلب ہے کسی کو امن دینے والا اور دوسرا ہے اپنے آپ کو کسی کے سپرد کرنے والا۔سپردگی کا جو مضمون ہے اس کا اللہ سے تعلق ہے اور سلامتی کا پیغام دینے کا جہاں تک تعلق ہے وہ بنی نوع انسان سے تعلق رکھتا ہے تو فرمایا کہ تم پھر مسلم کہلاؤ گے اگر اپنے ہمسائیوں سے بہت اعلیٰ درجے کا حسن سلوک کرو گے۔اب دیکھیں جو ہمسائیوں کی لڑائیوں کے جھگڑے ہیں وہ کتنے ہیں جو ابھی بھی جماعت میں چل رہے ہیں۔ربوہ ہی سے بعض قضائی معاملات ہیں جو بالآخر جب نچلی سطحوں پر طے نہ ہو سکے، مرافعہ اولیٰ بھی حل نہ کرسکی، قضاء بورڈ بھی اپنی بات منوانے میں ناکام ہو گیا تو اپیلیں مجھ تک پہنچیں اور معاملہ چھوٹی سی گلی کا ہے، ایک درخت کے پتوں کا ہے جو کسی کے گھر میں گر رہے ہیں، کسی درخت کی شاخوں کا معاملہ ہے، کسی نالی کا معاملہ ہے، اس ذلیل سی چیز کی خاطر آنحضرت ﷺ کی بیان فرمودہ تعریفِ مسلم سے انسان باہر نکل جاتا ہے۔ دفع کرو ان چھوٹی چھوٹی چیزوں کو۔اگر گر گر کر اپنا حق چھوڑ کر بھی کچھ کرنا پڑتا ہے تو احسن مجاورۃ کا مضمون تقاضا کرتا ہے کہ حق بھی چھوڑو۔ عام مجاورۃ میں تو دونوں طرف برابر کے حقوق ہیں لیکن اگر آپ بہت زیادہ خوب صورت یعنی ہمسائیگی کرنے والے ہیں تو اس میں حقوق چھوڑنے کے بھی مواقع آتے ہیں اس میں سے کسی کی تلخی کو خوشی اور ہنس کر قبول کرنے کے بھی مواقع پیدا ہوتے ہیں یہ سب آزمائشیں اس مضمون کا حصہ ہیں۔

اگر ایسے لوگ پیدا ہوں جو آنحضور ﷺ کی اس تعریف کے مطابق مسلم بنیں تو ایک پاکستان کیا تمام دنیا کی حکومتیں بھی مل کر اسے غیر مسلم کہتی رہیں اس کو کوڑی کا بھی فرق نہیں پڑے گا کیونکہ غیر مسلم کہنے والے عام تعریفوں کے بھی مستحق نہیں ہیں۔ ہر جگہ فساد برپا ہیں ایک دوسرے کے حقوق تلف ہو رہے ہیں۔پس جماعت احمدیہ کو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی نصائح پر گہری نظر

سے ان کی حقیقتیں پہچان کر جہاں تک توفیق ملتی ہے ان کا عرفان حاصل کر کے ان پر عمل کرنا چاہئے۔

پھر فرمایا وَ اَقِلِّ الضِّحْكَ فَاِنَّ كَثْرَةَ الضِّحْكِ تُمِيْتُ الْقَلْبَ (ابن ماجہ کتاب الذھد حدیث: 4207) ہنسی مذاق کرو مگر اس میں تجاوز نہ کرو، بڑھو نہیں۔ بعض لوگوں نے اپنی زندگی کا مقصد ہی ٹھٹھا بنایا ہوتا ہے ان کو ٹھٹھے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے ٹھٹھے کے لئے رہتے ہیں اس کے سوا کوئی مقصد ہی نہیں سنجیدہ باتوں کو سوچنے کے لئے، سنجیدہ امور میں غم وفکر کے لئے، دینی مسائل میں اپنی جان کو قربان کرنے کے لئے ان کے دماغ میں مزاج ہی نہیں پیدا ہوتا، ان کے متعلق ہے یہ حدیث۔ فرمایا کہ تم ذرا تحمل اختیار کرو ہنسنے کھیلنے میں ہی اپنی ساری زندگی گنوا بیٹھو گے اگر ایسا کرو گے تو پھر تمہارا دل مر جائے گا اور مرا ہوا دل ہنستا بھی ہے تو کھوکھلا ہنستا ہے اور ایسے لوگوں کو میں نے بہت غور سے دیکھا ہے ان کی ہنسیاں کھوکھلی ہو جاتی ہیں۔ ان کے قہقہے بھی بے معنی اور جس طرح خالی ڈھول بج رہا ہے لیکن وہ شخص جو غم بھی کرتا ہے، روتا بھی ہے اس کی ہنسی بھر پور اور بے اختیار اور طبعی اور سچی ہوتی ہے۔ پس آنحضرت ﷺ نے کیسی پیاری پہچان ہمارے سامنے رکھ دی فرمایا کہ دل مر جائیں گے اور دل مر جائیں گے تو نہ رونے کے رہیں گے نہ ہنسنے کے رہیں گے تمہاری زندگی ایک مصنوعی زندگی بنی رہے گی۔ ایک ڈھول کی سی آواز اٹھے گی نہ سچی خوشی تمہیں ہنسنے میں آئے گی نہ رونے کا لطف اٹھا سکو گے۔ پس مرے ہوئے دلوں کے ساتھ ایک آدمی زندہ کیسے کہلا سکتا ہے۔ یہ وہ چند نصیحتیں تھیں جو آج کے خطبے کے لئے ہیں باقی انشاءاللہ آئندہ۔

اب میں ایک اور ضروری اعلان کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ آج میں ایک بہت ہی اہم نکاح کا اعلان کروں گا اس کا تعارف پہلے کروا دیتا ہوں نکاح نماز جمعہ کے بعد ہوگا اب چونکہ لوگ کم بھی ہو گئے ہیں اور دن بھی کافی بڑے ہیں اس لئے اب نمازیں جمع نہیں کی جائیں گی بلکہ جمعے کے بعد عصر اپنے وقت پر ادا ہوگی۔ پچھلے کچھ عرصے سے، کئی دنوں سے ہم یہی کر رہے ہیں تو نماز جمعہ کے بعد سنتیں ادا کرنے سے پہلے احباب تشریف رکھیں ایک اہم نکاح کا اعلان کرنا ہے جو عام عادت کے برخلاف ہے۔ عام طور پر جمعہ کے ساتھ میں نکاح نہیں پڑھا کرتا اور جنازوں کو بھی حتی المقدور کسی دوسرے وقت پر ٹالتا ہوں کیونکہ جمعہ کی اپنی ضروریات ہیں۔

آج جس نکاح کا اعلان کرنا ہے یہ ہمارے عزیز نسیم مہدی صاحب جو کینیڈا کے امیر ہیں

ان کا نکاح ہے اور آپ کو علم ہے کہ کچھ عرصہ پہلے ان کی اہلیہ چھوٹی عمر میں ہی وفات پا گئیں یعنی بہت چھوٹی عمر تو نہیں تھی مگر جو عام دنیا کی عمریں ہیں ان کے لحاظ سے چھوٹی عمر ہی تھی۔ غیر معمولی اخلاص رکھنے والی اور انسانی صفات حسنہ سے مزین بہت ہی پیارا وجود تھا۔ ان کی وفات کے بعد اس گھر میں ایک خلا پیدا ہوا ہے۔ پہلے تو مجھے دور سے دکھائی دیا کرتا تھا مگر اب جب میں کینیڈا گیا ہوں تو میں نے بڑی سختی سے اپنے دل میں یہ محسوس کیا اور یہ خلا ان کی خوبیوں کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ وہ خوبیاں ایسی ہیں کہ ایک خاوند ان خوبیوں کو بھلا کر ایک شادی کرنے کے لئے طبعاً اپنے آپ کو آمادہ ہی نہیں پاتا اور ضرورتیں ایسی ہیں جو ہر روز تقاضا کر رہی ہیں۔ وہاں عورتیں ہیں ان کے حقوق ادا کرنے ہیں۔ بچی چھوٹی ہے چھوٹے بچے ہیں وہ کس طرح از خود گھر کو سنبھال سکتے ہیں۔ نتیجۃً بعض عورتوں نے از راہ ترحم ان کے کھانے پکانے شروع کئے ان کو ڈیپ فریز کرنا شروع کیا جس نے مجھے اور بھی تکلیف دی۔ امیر کی شان یہ نہیں ہے کہ اس پر رحم کے طور پر اس کے ساتھ کوئی ایسے سلوک کئے جائیں۔ امیر تو خود محسن ہے ان کا جذبہ تو خدمت ہی کا ہوگا مجھے پتا ہے لیکن جو باتیں ان کے متعلق ہوتی تھیں تو بعض لوگ اس طرح ہی بیان کرتے تھے جیسے بعض عورتیں بے چاری بڑا رحم کھا کے تو اتنی قربانیاں کر کے آتی ہیں تو میں نے اسی وقت فیصلہ کر لیا تھا کہ یہ مانیں یا نہ مانیں ان کی شادی ضرور کروانی ہے۔ چنانچہ لاکھ انہوں نے انکار کیا کہ میرے حالات ایسے ہیں آپ کو پتا ہی ہے۔ میں نے کہا مجھے سب پتا ہے مگر شادی میں نے کروا دینی ہے تو چونکہ بہت ہی مخلص اور فدائی ہیں نہ کا مادہ ہی نہیں ان میں۔ اس لئے وہ اصرار، مجبوری پیش کر رہے تھے اور مجھے پتا تھا بات ماننی ہے۔ ایک اور ایسا خاندان ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے انکار کا خمیر ہی نہیں ہے وہ حضرت مولوی شریف احمد صاحب مرحوم و مغفور مبلغ سلسلہ کا خاندان ہے۔ تو میں نے کہا ان دونوں کے مزاج ایسے ہیں کہ دونوں کا رشتہ آپس میں ہونا چاہئے اور انشاء اللہ تعالیٰ یہ رشتہ دین و دنیا میں ہر لحاظ سے بابرکت ثابت ہوگا۔ چنانچہ فون پر پھر میں نے بچی سے بھی اجازت لی اور وہ بھی چند باتوں میں ہی سمجھ گئی۔ اس نے کہا ٹھیک ہے جو آپ کا فیصلہ ہے وہ ہم سب کا فیصلہ ہے تو ان کے نکاح کا کچھ تعارف تو میں نے کروا دیا ہے اب مختصر نکاح انشاء اللہ نماز جمعہ کے بعد کروایا جائے گا۔

اس نکاح کے ساتھ ایک اور نکاح بھی ہو جائے گا اور ان کے طفیل ان کو بھی فیض مل گیا۔ وہ

ہے ہماری نعیمہ کھوکھر صاحبہ، مظفر کھوکھر صاحب کی اہلیہ اور مظفر کھوکھر صاحب جماعت کے بڑے خدمت کرنے والے ہیں لیکن اور بھی بہت سے خدمت کرنے والے ہیں اور ہر جگہ استثناء نہیں رکھے جاسکتے مگر عین بروقت انہوں نے اپنی خواہش کا اظہار کیا اور میں نے یہی سمجھا کہ اب ان کو بھی شامل کر لیا جائے تو ایک بابرکت موقع ہے اور ان کے اپنے حقوق بہر حال ایسے ہیں جماعت پر کہ کوئی نامناسب بات نہیں ہوگی اگر ان کو بھی شامل کیا جائے۔ انشاء اللہ عزیز نسیم مہدی کے نکاح کے بعد محمود، مظفر اور نعیمہ کھوکھر کے بیٹے کا نکاح بھی انشاء اللہ اس کے معاً بعد کیا جائے گا۔

قرآن کریم کے مطابق تفقہ فی الدین کا انتظام کریں۔
نومبائعین کی تربیت کے لئے کلاسز کے اجراء کی تحریک

(خطبہ جمعہ فرمودہ 19 /اگست 1994ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے مندرجہ ذیل آیت کریمہ تلاوت کی۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ (التوبہ:122)

پھر فرمایا:۔

آج کے خطبہ سے پہلے بھی کچھ اعلان ہونے والے ہیں۔ایک مجلس خدام الاحمدیہ واطفال الاحمدیہ کینیڈا کا ساتواں سالانہ اجتماع آج 19 /اگست سے شروع ہو رہا ہے۔ تین دن جاری رہے گا اور 21 /اگست کو ختم ہوگا۔مجلس خدام الاحمدیہ واطفال الاحمدیہ ضلع کوٹلی آزاد کشمیر کا پندرھواں ضلعی سالانہ اجتماع بروز جمعرات سے شروع ہو چکا ہے اور آج اس خطبے کے ساتھ اس کا اختتامی اجلاس ہو رہا ہوگا۔اس کے علاوہ دو اعلانات پہلے ہونے سے رہ گئے تھے کیونکہ ہمیں بعد میں اطلاع ملی تھی کیونکہ سب کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کے اجتماعات کا ذکر آئے جب تک یہ توفیق ہے یہ سلسلہ جاری ہے یہ نام لئے جاتے رہیں گے۔لجنہ اماء اللہ USA کا سالانہ اجتماع 12 تا 14 /اگست منعقد ہوا تھا اور مجلس خدام الاحمدیہ ضلع کوئٹہ کا سالانہ اجتماع 13 اور 14 /اگست کو منعقد ہوا۔

یہ آیت کریمہ جس کی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے اس کا ترجمہ یہ ہے کہ مومنوں کے لئے یہ تو ممکن نہیں کہ سب کے سب تبلیغ اور تربیت کے لئے نکل کھڑے ہوں یعنی تمام مومن اپنے سارے دوسرے کام چھوڑ دیں اور کلیۃً اس روحانی جہاد کے لئے نکل کھڑے ہوں اور ہر طرف دعوت الی اللہ کا کام اس طرح کریں کہ گویا ہر دوسرا کام چھوڑ دیا گیا ہے۔ فرمایا یہ ممکن نہیں ہے لیکن یہ ممکن نہیں تو کچھ تو ممکن ہے وہ کیا ہے۔ فرمایا:

فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ ان میں سے ہر گروہ میں کوئی نہ کوئی طَآئِفَةٌ یعنی ایک جماعت چھوٹی سی، وہ مدینے یعنی مرکز میں پہنچتی لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ تا کہ دین سیکھیں وَ لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ یہاں اگر چہ مدینہ پہنچنے کا ذکر نہیں ہے مگر یہ مفہوم میں داخل ہے۔ چنانچہ اس آیت کا آخری حصہ اس کی وضاحت فرمارہا ہے پھر وہ واپس لوٹیں تو دین سیکھنے کا مرکز تو وہی تھا جہاں حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ تھے اس لئے چونکہ یہ بات مفہوم میں داخل ہے اسے واضح کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ تو لفظاً یوں بنے گا کہ کیوں ایسا نہ ہوا کہ مومن تمام کے تمام نکل کھڑے ہوتے۔ فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ پس ایسا کیوں نہ ہوا یا ایسا کیوں نہ ہو کہ ان میں سے ہر ایک جماعت میں سے فرقہ سے مراد یہاں مذہبی فرقہ نہیں ہے بلکہ قومی فرقہ یا مختلف علاقوں کے رہنے والوں کو جو فرقہ فرقہ بٹے ہوئے ایک جگہ رہتے ہیں یعنی آپس میں تو اکٹھے رہتے ہیں مگر ساری امت مسلمہ یکجا نہیں ہوتی بلکہ مختلف حصوں میں بٹ کر رہتی ہے تو یہاں فرقے سے یہ مراد ہے تو مختلف علاقوں کے رہنے والے مختلف قوموں کے رہنے والے ان قوموں سے تعلق رکھنے والے کیوں نہ نکلیں کہ وہ دین کا علم حاصل کریں۔ تفقہ میں صرف علم نہیں بلکہ اس کا فہم، اس کا ادراک جس حد تک ممکن ہو اور اس کے ساتھ ساتھ تفقہ میں اس کی حکمتیں پانا بھی شامل ہے۔ تو اس طرح علم سیکھیں کہ اس کی حکمتوں سے واقف ہوں، اس کے فلسفہ سے آگاہ ہو جائیں۔ جب اس طرح تیار ہو جائیں تو پھر وہ واپس لوٹیں وَ لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ تا کہ وہ اپنی اپنی قوموں کو ڈرائیں۔ اِذَا رَجَعُوْٓا جب وہ واپس جائیں تو واپس کہاں سے جائیں۔ کہیں سے آئے تھے تو واپس جائیں گے۔ تو مراد یہ ہے کہ سب علاقوں سے ایسے دینی مراکز میں لوگوں کا اکٹھے ہونا ضروری ہے جہاں دین کی تعلیم دی جاتی ہے، دین کی حکمتیں سکھائی جاتی ہیں، مسائل سے تفصیل کے

ساتھ آ گاہ کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ آنے والا استاد بننے کے اہل ہو جاتا ہے۔ یہ استاد کا مفہوم اس میں داخل ہے کیونکہ مقصد ہی استاد تیار کرنا بیان فرمایا گیا ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ طالبعلم آئیں اور سیکھ کے چلے جائیں اپنے ذاتی فائدے کے لئے مختلف علمی مراکز میں پہنچیں۔ فرمایا کہ اس لئے آئیں کہ واپس جائیں تو اپنی قوم کے معلم بن جائیں اور ان کو دین سکھائیں اور اس ہلاکت سے ڈرائیں جس میں وہ مبتلا ہیں لیکن انہیں ابھی علم نہیں کہ وہ ہلاکت میں مبتلا ہو چکے ہیں لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ شاید کہ وہ بچ جائیں۔ اگر ان کو اچھی طرح سمجھایا جائے کہ بات کیا ہے تو ان کے لئے امکان پیدا ہوگا کہ وہ بچ جائیں۔ یہ وہ دور ہے جبکہ کثرت کے ساتھ لوگ اسلام میں داخل ہونا شروع ہوئے اور یہ ممکن نہیں تھا کہ مرکزی معلمین ہر جگہ پہنچ کر ان کی تربیت کر سکتے، ان کو دین سکھا سکتے اور مسائل سمجھا سکتے۔ ایسی صورت حال کا حل یہ پیش فرمایا گیا ہے اور آج جماعت احمدیہ بعینہٖ اس دور میں سے گزر رہی ہے۔ اس کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے فضل سے انعامات کے پھلوں کی بارش ہو رہی ہے کہ انہیں سنبھالنا ایک بہت بڑا کام ہے اور وہ پھل جو سنبھالا نہ جائے وہ ضائع ہو جایا کرتا ہے۔ پس اب یہ فکر کا دور ہے اور اس فکر کا حل قرآن کریم نے چودہ سو برس پہلے سے ہمیں بتا رکھا ہے۔ تمام دنیا میں جہاں جہاں کثرت سے لوگ احمدیت میں داخل ہوئے ہیں وہاں ان ملکوں میں مرکزی دینی تربیت گاہیں قائم کرنا ضروری ہے جو تمام سال کام کرتی رہیں۔

گزشتہ سال میں نے نصیحت کی تھی کہ پہلے تین مہینے آنے والوں کی تربیت کے لئے وقف کریں لیکن جب میں نے قرآن کریم کے اس مضمون پر دوبارہ غور کیا تو مجھے یہ سمجھ آئی کہ یہاں دو تین مہینے کی بات نہیں بلکہ ایک دائمی جاری وساری نظام کا ذکر ہے جو ایک دفعہ جاری ہوگا تو رکے گا نہیں اور ہمیشہ جاری رہے گا۔ پس تربیتی کلاسز جن کا انعقاد ہوتا ہے اور جو لوگ چاہتے ہیں کہ ان کا ذکر بھی چلے ان کو میں سمجھا رہا ہوں کہ ہر ملک میں ایک دائمی جاری رہنے والی تربیتی کلاس کا انتظام کرنے کی قرآن نے ضرورت بیان فرمائی ہے اور قرآن جب ضرورت بیان فرماتا ہے تو وہ لازماً ضرورت حقہ ہوتی ہے وہ ایسی ضرورت ہوتی ہے کہ اسے نظر انداز کیا جائے تو یقیناً شدید نقصان پہنچتا ہے۔ پس اب تربیت اور تبلیغ کے کام الگ الگ نہیں رہے بلکہ ایک دوسرے کے ساتھ مدغم ہو چکے ہیں اور قرآن کریم کی اسی آیت نے اس مضمون کو بھی کھول کر بیان فرما دیا وہ تربیت حاصل کریں گے دین کو اچھی طرح

سمجھیں گے، دین میں ان کو استحکام نصیب ہوگا اور پھر بہترین داعی الی اللہ بننے کے لئے واپس لوٹیں گے یا داعی الی اللہ بن کر واپس لوٹیں گے تو تربیت اور تبلیغ کو الگ الگ، ایک دوسرے سے جدا دو مضامین کے طور پر پیش نہیں فرمایا بلکہ دونوں کو ایک دوسرے میں مدغم کر دیا ہے۔ تربیت کرنے والوں کو سمجھایا کہ انہوں نے قبول تو کر لیا مگر ہوسکتا ہے دین ان میں پوری طرح جذب نہ ہوا ہو یا وہ دین میں پوری طرح ڈوبے نہ ہوں۔ پس تفقہ کا ذکر فرمایا لِیُعَلِّمُوْ نہیں فرمایا کہ سکھائیں ان کو وَلِیَتَعَلَّمُوْ نہیں فرمایا کہ وہ سیکھیں بلکہ یتفقھو کا مطلب ہے وہ دین کی حقیقت کو سمجھ جائیں اس غرض سے اکٹھے ہوں اس کی حکمتوں کو جان لیں، اس کے مسائل کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ اس کے بعد پھر ان کے متعلق شیطان کے لئے ممکن نہیں رہے گا کہ وہ ان کو پھسلا سکے۔ پس حقیقت میں جو فہم اور ادراک کا استحکام ہے اس سے بڑا کوئی استحکام نہیں۔ عروہ وثقی پر ہاتھ ڈالنا کہ پھر وہ کبھی اس سے جدا نہ ہو سکے یہ رشد و ہدایت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ ایسی واضح رشد و ہدایت کہ کھرے کھوٹے میں پوری طرح تمیز ہو چکی ہو اس کے بعد ایسے شخص کو کوئی پھسلا سکتا ہی نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ کوششیں ہوں گی جیسا کہ ہو رہی ہیں کہ بے حد روپیہ دے کر لالچیں دے کر ان لوگوں کو اپنی طرف کھینچا جائے۔ کوششیں ہوں گی اور ہو رہی ہیں کہ جماعت احمدیہ کے متعلق یک طرفہ غلط فہمیاں پھیلائی جائیں مگر وہ لوگ جو دینی مراکز میں جا کر تفقہ حاصل کر چکے ہوں وہ شیطان کی حد استطاعت سے باہر چلے جاتے ہیں۔ شیطان کے لئے ممکن نہیں ہوتا کہ انہیں پھسلا سکے کیونکہ وہ اس حد تک سیکھ چکے ہیں کہ جب واپس جاتے ہیں وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ وہ تو اب منذر بن کے، نذیر بن کے واپس جا رہے ہیں تو وہ تو لوگوں کو ڈرانے کی صلاحیت حاصل کر کے واپس جا رہے ہیں ان کو کوئی کس چیز سے ڈرا سکتا ہے۔

پس تفقہ سے مراد ایسا تفقہ ہے کہ دین میں اتنا گہرا استحکام ہو جائے اور مسائل اس طرح دلوں میں اتر چکے ہوں کہ اس کے بعد ان کے دلوں میں ولولہ پیدا ہو کہ کاش ہم واپس جائیں اور اپنی قوم کو بتائیں کہ ہم کیا دیکھ آئے ہیں اور تم کن باتوں سے محروم ہو اور اگر اسی طرح تم اسی حالت میں زندگی بسر کرتے رہے تو تمہارے لئے ہلاکت یقینی ہے، یہ انداز ہے اور یہ عجیب بات ہے کہ یہاں تبشیر کا کوئی ذکر نہیں ہے حالانکہ تبلیغ کے لئے زیادہ تر تبشیر کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اس ضمن میں میں

ایک دفعہ پہلے بھی جماعت کو متوجہ کر چکا ہوں کہ ہمارے ہاں تبشیر کہتے کہتے انذار کا تصور دماغ سے نکل ہی گیا ہے حالانکہ قرآن کریم ہر جگہ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا، بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا کہتا جاتا ہے اور مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا بیان فرماتا ہے اور دونوں کو اس طرح اکٹھا کرتا ہے جس طرح مکے مدینے، مکے مدینے لوگ کہتے ہیں ان کو یہ بھی نہیں پتا کہ دونوں کا فاصلہ کتنا ہے لیکن ہمارے ملکوں میں لفظ مکے کے ساتھ مدینہ خود بخود سے نکل جاتا ہے۔ تو بشیر اور نذیر کو اس طرح جوڑ جوڑ کر بیان فرمایا ہے کہ اس میں تو فاصلہ بھی کوئی نہیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ بشیر وہی ہے جو نذیر بھی ہو اور یہ دونوں اس طرح ایک دوسرے کے سامنے پول بنے ہوئے ہیں ایک دوسرے کے سامنے قوتوں کے مرکز بنے ہوئے ہیں کہ ایک کو ہٹاؤ تو دوسرا ہٹ جائے گا۔ کوئی ماں تربیت نہیں کر سکتی اپنے بچے کی اگر وہ مبشرہ ہی ہو اور نذیرہ نہ بنے۔ کوئی باپ اپنے بچے کی تربیت نہیں کر سکتا اگر وہ نذیر ہی بنا رہے اور مبشر نہ ہو تو اس طرف دھیان چاہئے۔ خدا تعالیٰ نے یونہی تو نہیں بے وجہ بار بار بشیر نذیر، بشیر نذیر کہہ کہہ کر سارے قرآن میں ان دو تصورات کو ایسا باندھ دیا کہ ایک دوسرے سے جدا ہو ہی نہیں سکتا۔ شاذ کے طور پر بعض ایسے محل پہ جہاں تبشیر کے مضمون کا ذکر اقتضائے حال کے مطابق نہیں تھا جہاں نذیر کا لفظ ضروری تھا وہاں نذیر کو اکیلا بیان فرمایا گیا ہے بعض دوسرے مواقع پر جہاں وقت کا تقاضا تھا کہ وہاں صرف بشارت کا مضمون بیان ہو وہاں بشیر کا ذکر فرمایا گیا۔ لیکن بالعموم بشیر اور نذیر دونوں کو آپس میں ایک دوسرے سے ایسے رشتے میں باندھا گیا ہے کہ وہ ٹوٹ نہیں سکتا ایک تصور کے ساتھ دوسرا از خود ابھر آتا ہے۔ تو میں جماعت کو پہلے بھی توجہ دلا چکا ہوں کہ آپ بشیر ہی بنے رہیں گے یا نذیر بھی بنیں گے ساتھ اور بعض اوقات ایسے ہوتے ہیں جب نذیر کا دور چلتا ہے اور بشیر سے بڑھ کر نذیر بننا پڑتا ہے ورنہ قوم بچ نہیں سکتی۔ اسی لئے جلسہ سالانہ میں میں نے کہا گیارھواں سال ہونے کو آیا بشیر بنتے بنتے اب کچھ نذیر بھی تو بنو۔ کچھ ان کو بتاؤ کہ ہماری دعائیں کیا اثر رکھتی ہیں اور تمہیں ہلاکت سے جن چیزوں نے بچا رکھا تھا ان میں ہماری دعائیں بھی شامل تھیں۔ اگر یہ پردہ اٹھا تو تم میں جو بدبخت ہیں وہ ضرور سزا پائیں گے اور بدنصیبی ہوگی کہ ان کے ساتھ قوم بھی ڈوب جائے۔

پس قوم کو بچانے کے لئے یہ تبشیر کا ایک خاص پہلو ہے کہ اس کو بچانے کے لئے ڈرایا جاتا ہے اور جب وہ ڈر جاتے ہیں تو پھر اس خوف میں سے بشارت نکلتی ہے۔ آپ کسی کو بتائیں کہ اس

رستے پر ڈا کو پڑتے ہیں، یہاں سانپ بچھو ہیں یا مہلک جانور ہیں تو بظاہر تو یہ ڈرانا ہے لیکن ایسا ڈرانا کہ اگر اس کے فائدے اٹھائیں تو اس میں بشارت مضمر ہے خود بخود اس کی کوکھ سے خوشی نکلتی ہے اور اسی کا نام بشارت ہے۔ چنانچہ جب کوئی واقعہ ہو جائے مثلاً آپ کہتے ہیں کہ یہ بس خطرناک ہے یہ ڈرائیو بڑا خطرناک ہے اس پر نہ بیٹھو اور کوئی نہیں بیٹھتا اور اس بس کو حادثہ پیش آ جاتا ہے تو دیکھیں کتنی مدت گھروں میں باتیں ہوتی ہیں کہ دیکھو اللہ نے کیسا بچایا، عین وقت پر ہمیں تنبیہ کر دی گئی اور ہم بچ گئے تو ایک وقت کا ڈرانا عمر بھر کی خوشخبری بن جایا کرتا ہے۔ تو نذیر کے اندر بھی تبشیر کا مضمون داخل ہے پس اس پہلو سے نذیر بننے کے دن آ چکے ہیں، ضرورت ہے کہ ہم اپنی قوم کو ہر جگہ خصوصیت سے ان علماء کو ڈرائیں جنہوں نے فتنوں کی حد کر دی ہے، ہر حد سے تجاوز کر چکے ہیں پوری طرح بے حیا ہو چکے ہیں، جانتے ہیں کہ جھوٹ ہے بولے چلے جاتے ہیں ان میں سے ہر ایک ایسا ہے اگر ہر ایک نہیں تو بھاری اکثریت ایسی ہوگی کہ اگر ان کو خدا کا خوف دلا کر اپنے بچوں کی قسم دی جائے اور کہا جائے کہ بتاؤ کیا جماعت احمدیہ کا یہی عقیدہ ہے کہ **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** میں محمد رسول اللہ ﷺ سے مراد حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہیں تو مجھے یقین ہے کہ اکثر ان میں سے قسمیں نہیں کھائیں گے۔ جب ان کو مباہلے کے چیلنج دیئے گئے تھے تو سارے بہانے کر کے دوڑ گئے تھے کیونکہ وہ ایسی ہی باتیں تھیں جو بیان کی گئی تھیں۔ میں نے ان کو بتایا کہ تم کہتے ہو فلاں تحریر سے یہ نکلتا ہے۔ فلاں تحریر سے یہ نکلتا ہے، میاں بشیر احمد صاحبؓ نے یہ تحریر لکھی جس کا یہ مطلب نکلتا ہے، حضرت مصلح موعودؓ نے یہ کتاب لکھی اس کا یہ مطلب نکلتا ہے۔ ہزار جھوٹے مطالب نکال کر جو جماعت احمدیہ کے عقائد کے برخلاف ہیں اور ایک بھی احمدی ان تحریروں سے وہ مطلب نہیں نکالتا، نہ ان مطالب پر ایمان رکھتا ہے۔ اگر تم واقعۃً خدا کے حضور سچے ہو اور کہتے ہو کہ ہاں یہی سچ ہے جو ہم کہہ رہے ہیں اور ہر احمدی کا یہ عقیدہ ہے تو پھر میں مباہلے کے لئے تمہیں بلاتا ہوں اسی بات پر مباہلہ کر لو۔ دیکھو کیسے کیسے بہانوں سے فرار کئے۔ فلاں جگہ پہنچو اور فلاں جگہ آؤ اور ایسی شرطیں باندھیں کہ جانتے تھے کہ یہ شرطیں نامعقول ہیں اور نہ ان کو کوئی پورا کرے گا اور اگر کرتے بھی تو انہوں نے دوڑ جانا تھا وہاں سے۔ پس یہ حالت ہے ان کے نفس ان کو مجرم بنائے ہوئے ہیں ان کے نفس ان کو بتاتے ہیں کہ تم جھوٹے ہو اور ساری دنیا اب یہ کہنے لگ گئی ہے۔ پاکستان سے جو لوگ آ رہے ہیں کئی دفعہ ان سے بات ہوئی تو وہ

کہتے ہیں کہ پہلے تو اس طرح کھل کر لوگ نہیں کہا کرتے تھے مگر اب ایک ایسا دور آ گیا ہے کہ جب عام مجالس میں یہ باتیں ہو رہی ہیں کہ مولوی جھوٹا ہے اور احمدی سچے ہیں۔

ایک ایسے غیر احمدی نے جو اونچے طبقے میں پھرنے والے ہیں انہوں نے بیان کیا اپنے ایک عزیز دوست سے جس نے مجھے یہ روایت پہنچائی۔ اس نے کہا کسی جگہ بات ہو رہی تھی تو ایک صاحب جو کافی بارسوخ تھے وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے کہا سچی بات یہ ہے کہ اگر مسلمان ہے تو احمدی ہے باقی سب جھوٹ ہے۔ محض ڈھکوسلے ہیں، مولویوں نے فساد بنائے ہوئے ہیں اسلام کہیں نہیں ہے ان کے پاس۔ اگر اسلام ہے تو احمدیت میں ہے تو وہ دور آ چکا ہے جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہام کے مطابق آراء نے تبدیل ہونا تھا اور آسمان سے آراء تبدیل کرنے کی ہوائیں چل چکی ہیں۔ پس یہ وہ دور ہے کہ ان شریروں کو جو باز نہیں آ رہے بتایا جائے کہ اب اگر تم اس حرکت سے باز نہیں آؤ گے تو تمہارے لئے ہلاکت ہے اور یہ انذار کرنے والے پُرانوں ہی میں سے نہیں نئوں میں سے پیدا ہوں۔ یہ جو دور ہے یہ ایک لحاظ سے تو جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے آج کے حالات پر صادق آ ہی رہا ہے مگر قرآن کریم کی جو آیت میں نے پڑھی ہے اس کا مضمون زیادہ وسیع ہے۔

قرآن کریم یہ بتا رہا ہے کہ ایسے دور آتے ہیں جب کہ کثرت سے لوگ حق کو قبول کرنے لگ جاتے ہیں اور جب وہ کرتے ہیں تو اس کے نتیجے میں خطرات پیدا ہوتے ہیں ان خطرات میں سے سب سے پہلے یہ خطرہ ہے کہ ان لوگوں کو حق قبول کرنے کے بعد کوئی بہکانے کی کوشش نہ کرے اور یہ جو سلسلہ چل پڑا ہے اس کا رخ نہ بدل جائے۔ پس اگر تم چاہتے ہو کہ اس عظیم دور کا رخ ہمیشہ ترقیات کی سمت جاری رہے تو قرآن کریم فرما رہا ہے کہ ضروری ہے کہ ان سب نئے آنے والوں کو ایسے مراکز میں بلاؤ جہاں دین کی تربیت دی جا رہی ہو۔ **تفقہ فی الدین** ہو اور اس حد تک ان کو دین کے مسائل سے آگاہ کرو، اس کی حکمتوں سے آگاہ کر دو کہ ان کے دل میں ایک ولولہ پیدا ہو جائے وہ محض مصنوعی طور پر ایک طالبعلم کے طور پر نہ بیٹھے رہیں، ان کے دل میں یہ جوش اٹھے کہ اب تو ہمیں استاد بننا چاہئے کہ جلدی واپس جائیں اور اپنی قوم کو ڈرائیں کہ وقت آ گیا ہے۔ جب قبولیت کی ہوا چلتی ہے تو انکار کرنے والوں کی پکڑ کے دن بھی آیا کرتے ہیں یہ بھی بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا کا ایک مضمون ہے جس کو تاریخ ثابت کرتی ہے۔ پس یہ دور ہے جس میں ہم داخل ہوئے ہیں۔ بشارت

کے نتیجے میں جو چلے آئیں گے وہ بچائے جائیں گے۔ جو بشارت کے دور میں بھی ہوائیں چلنے کے باوجود رکیں گے ان کی سزا کا وقت آ گیا ہے۔ پس یہی لوگ جنہوں نے بشارت کے نتیجے میں حق کو قبول کیا ان کی ایسی تربیت کرو، ان کے دلوں میں ایسے ولولے بھر دو کہ بے چین ہو ہو کر واپس لوٹیں کہ ہم جا کر اپنی قوم کو بھی یہ خبر دیں اور یہ بات ایسی سچی ہے کہ بارہا میں نے اپنی آنکھوں کے سامنے اس کو پورا ہوتے دیکھا ہے۔ ربوہ کے جلسوں کے دوران بھی اور اب بھی بسا اوقات ایسے آدمی جو بہت دور سے سفر کر کے پہلی دفعہ جلسوں میں شرکت کے لئے آئے جب ان سے میں نے تاثر پوچھا تو بالکل اس آیت کے مصداق تأثر تھا۔ ایک نے کہا کہ اب تو میرا دل چاہتا ہے کہ جلدی واپس جاؤں۔ میں نے کہا کیوں اتنی جلدی کیا ہے؟ انہوں نے کہا ہماری قوم جو محروم بیٹھی ہے میں جا کر بتاؤں تو سہی کہ کیا دیکھ کے آیا ہوں اور کن چیزوں سے وہ محروم ہے۔ پس لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ میں یہ مفہوم ہے جو بار بار ہم اپنی آنکھوں کے سامنے حقیقۃً پورا ہوتے بھی دیکھتے ہیں۔

پس تمام دنیا میں تمام جماعتیں ایسے مستقل مراکز قائم کر دیں جہاں نئے آنے والوں کے کچھ کچھ نمائندہ سارا سال تربیت پاتے رہیں۔ لمبے تربیتی پروگرام نہیں بنانے۔ سر دست چھوٹے چھوٹے بنانے ہیں مگر ایسے بنانے ہیں کہ تفقہ' کا حق ادا ہو جائے۔ مثلاً موٹے مسائل میں سے ایک وفات مسیح کا مسئلہ ہے اس مسئلے کو اگر سمجھا دیا جائے تو اس کی اہمیت بھی خوب ابھر کر روشن ہو کر آنکھوں کے سامنے آتی ہے۔ لوگ کہتے ہیں وفات مسیح سے کیا فرق پڑتا ہے مرے عیسیٰ زندہ رہے اب تو یہ کہنے لگ گئے ہیں کہ کہتے ہیں ٹھیک ہے مر گیا تو مر گیا زندہ ہے تو زندہ ہے ہمیں کیا۔ کہ تمہیں کیوں نہیں۔ تمہاری زندگی اور موت کا مسئلہ ہے عیسیٰؑ کی زندگی اور موت کا نہیں امت محمدیہؐ کی زندگی اور موت کا مسئلہ ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے بارہا کھول کھول کر یہ بات واضح فرمائی کہ وہ امت ہلاک نہیں ہوسکتی جس کے آخر پر مسیح ابن مریم ہوگا۔ ایک موقع پر فرمایا جس کے اول میں میں ہوں اور آخر پر مسیح ابن مریم اور ان لفظوں میں نہیں مگر اس مفہوم کو بار بار اس شدت اور اس زور کے ساتھ بیان فرمایا کہ سوائے اس کے کہ کسی کا نفس مجرم ہو چکا ہو اور کہے میں نے نہیں ماننا۔ حضرت عیسیٰؑ کے آنے کے عقیدے سے کوئی شخص بھی جو حقیقۃً آنحضرت ﷺ کی پیشگوئیوں کا احترام اپنے دل میں رکھتا ہے انکار نہیں کرسکتا، ناممکن ہے۔ جو بھاگتے ہیں بظاہر رسول اللہ ﷺ کی پیشگوئی ماننے سے انکار کر رہے

ہیں۔اصل میں جماعت احمدیہ سے بھاگ رہے ہوتے ہیں کیونکہ ان کے لئے چارہ ہی کوئی نہیں، بیچاروں کے لئے اتنا خوف ہے کہ یہ اگر مان لی رسول اللہ ﷺ کی بات تو جماعت کو ماننا پڑے گا، مسیح موعودؑ کی صداقت ماننا پڑے گی۔اس لئے رسول اللہ ﷺ کو بھی چھوڑ جاتے ہیں۔اس حد تک ان کے دلوں میں بغض بڑھ چکے ہیں اور اصل خوف کی وجہ یہی ہے ورنہ وفات مسیحؑ کے عقیدہ سے بذات خود نفرت نہیں رکھتے تھے یہ لوگ۔

اب صورت حال یہ ہے کہ جوں جوں وقت گزر رہا ہے اس عقیدے کو دوبارہ کھول کر پیش کر کے اس کی حکمتیں بیان کرنا ضروری ہے اور تفقہ اس سلسلے میں یہ ہوگا کہ ہر آنے والے کو سمجھایا جائے کہ تم نے کیا عقیدہ چھوڑا ہے کیا قبول کیا ہے، باقی مسلمان یہ مانتے ہیں اور تم یہ ماننے لگے ہو۔ان کے وہ ماننے کے بدنتائج کیا ہیں اور تمہارے یہ ماننے کے اچھے نتائج کیا ہیں اور اگر اس بات کو قوم نہیں سمجھے گی تو ہلاک ہو جائے گی کیونکہ جو بچانے والا تھا وہ تو آ بھی چکا اور اگر اس حال میں گزر گیا کہ تمہاری زندگیاں ختم ہوئیں اور تم نے اس کو نہ پہچانا تو تمہاری ہلاکت یقینی ہے اور لفظ ہلاکت خواہ کیسا ہی تکلیف دہ دکھائی دے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے یہی لفظ استعمال فرمایا ہے۔ كَيْفَ تَهْلِكُ هٰذِهِ الْأُمَّةُ کس طرح ہلاک ہوگی یہ امت اَنَا اَوَّلُهَا وَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ آخِرُهَا اول پہ میں کھڑا ہوں اور آخر پہ مسیح آنے والا ہے یہ کیسے ہلاک ہو سکتی ہے اور اگر نہ آیا آخر پر تو ہلاک ہو جائے گی اور آیا اور نہ پہچانا گیا تب بھی ہلاک ہو جائے گی۔تو زندگی اور موت تو بظاہر عیسیٰؑ کی ہے مگر حقیقت میں امت مسلمہ کے آخری دور کی زندگی اور موت کی بحث چل رہی ہے۔انہیں یہ سمجھانے کی ضرورت ہے کہ ہوش کے ناخن لو عقل سے کام لو مسیح کی اہمیت کو پہلے سمجھو اگر تم اس عقیدے پر قائم رہے کہ مسیح وفات نہیں پاچکے زندہ آسمان پر بیٹھے ہوئے ہیں تو پھر تمہارے لئے لازم ہے کہ دعائیں کرو کہ جلد خدا ان کو آسمان سے اتارے اور اس کی اہمیت لوگوں کے سامنے بیان کرو۔

علماء کو جب میں نے چند سال پہلے یہ کہا تو ایک مولوی نے بھی یہ اعلان نہیں کیا۔اس طرح یہ بھاگتے ہیں مباہلوں سے بھی بھاگتے ہیں، حقیقی سچے استدلال سے بھی بھاگتے ہیں۔میں نے کھلے عام مولویوں کو جلسے پر دعوت دی تھی کہ دیکھو تم سارے اصرار کر رہے ہو اور کتابیں لکھ رہے ہو کہ مسیح فوت نہیں ہوا بلکہ زندہ جسم سمیت آسمان پر چڑھایا گیا۔وہاں اپنے دوبارہ اترنے کا انتظار کر رہا ہے

اور امت محمدیہ کو یہ خوش خبری دے رہے ہوا پنی طرف سے کہ وہ ضرور آئے گا اور جب وہ آئے گا تو یہ سارے جھوٹے ادیان جو دعویدار بنے پھرتے ہیں یہ سب باطل ہو جائیں گے اور صفحہ ءِ ہستی سے مٹا دئے جائیں گے اور مسلمانوں کے سارے درد دور ہو جائیں گے، ساری مصیبتیں دور ہو جائیں گی اور سارے مسائل حل ہو جائیں گے اور مسیح ہی سے ہماری آخری زمانے کی بقا ہے اور اس کے آنے کے نتیجے میں ہم دوبارہ زندگی کے سانس لینے لگیں گے۔ یہ ہے کھلی کھلی تعلیم۔ تو میں نے ان کو سمجھایا، میں نے کہا یہ بات سچی ہے نا تم جانتے ہو۔ یہ تو میں تمہاری طرف کوئی جھوٹ منسوب نہیں کر رہا اور اگر سچی ہے تو اتنی اہم ہے کہ ضرورت ہے کہ سب دنیا کو بتاؤ یہ نئی تحریکات کیا چلا رہے ہو۔ اس بگڑے ہوئے دور میں اگر وہ تریاق نہ آیا جس سے بیمار نے بچنا ہے تو تمہاری ساری کوششیں بے کار جائیں گی اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر یہ بیمار مر جائیں گے۔ یہ حضرت محمد رسول اللہ کا پیغام ہے تمہارے نام۔ میری بات نہیں مانتے اس پیغام کو تو عزت کی نگاہ سے دیکھو۔ آنحضورؐ فرما رہے ہیں کہ اس آخری زمانے کے مسلمانوں کی بیماریوں کا تریاق مسیح ہے۔ وہ نازل ہوگا تو یہ بیماریاں دور ہوں گی ورنہ نہیں ہوں گی تو کیوں نہیں بتاتے کہ مودودی جھوٹے ہیں۔ کیوں نہیں بتاتے کہ منہاج القرآن کی تحریکات اور ایک نام اور دوسرے نام کی تحریکات یہ ساری لغو باتیں ہیں بے معنی باتیں ہیں۔ رابطہ عالم اسلامی کی کوششیں محض ڈالروں کو آگ لگانے والی بات ہے۔ کچھ نہیں بنے گا ان سے جب تک مسیح نہیں اترے گا۔ اگر یہ جھوٹ ہے نعوذ باللہ من ذلک اور تم یہ جھوٹ سمجھتے ہو تو محمد رسول اللہ ﷺ سے اپنا رشتہ توڑ لو کیوں کہ آپؐ نے فرمایا ہے۔ نہ مسیح موعودؑ نے نہ میں نے۔ یہ محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ آخری زمانے میں تمہارے بچنے کا دارو مسیح کے ہاتھ میں ہے اس کے سوا کہیں نہیں ہے۔ اتنی اچھی طرح سمجھا کر بات بتا کر میں نے ان سے اپیل کی کہ اب آسمان سے اتارنا تو تمہارے بس میں نہیں ہے تم سے اڑھائی گز کی چھلانگ بھی نہیں ماری جاتی۔ آسمان پر کہاں پہنچو گے اور یہ بھی نہیں پتا کہ وہ کس ستارے میں بیٹھا ہوا ہے اور ہر ستارہ اتنی دور ہے کہ اگر تم روشنی کے کندھوں پر بیٹھ کر ان ستاروں کی طرف سفر اختیار کرو تو لاکھ لاکھ سال تک سفر کرتے رہو تب بھی وہاں نہیں پہنچو گے کیونکہ زمین کے اکثر ستارے ہم سے ان سے بھی زیادہ دور ہیں۔ تو کہیں تو ہے نا آخر اور تم کہتے ہو اور تم سچے ہو کہ مسیحؑ کسی ستارے میں کہیں چھپ کر بیٹھا ہوا ہے۔ اب یہ نہیں پتا Dark Matter میں ہے یا Light Matter میں ہے۔

کہاں ہے؟ تو اول تو پاکستان کے سائنس دانوں کو، سعودی عرب کے سائنس دانوں کو اتنے بڑے مسئلے میں تحقیق کرنی چاہئے ۔کیسی ظالمانہ بات ہے سچ مانتے ہیں اور ایسا سلوک کرتے ہیں جیسے جھوٹی کہانی ہو۔ یہ امر واقعہ ہے یہ کھول کھول کر میں نے بات اس لئے سمجھائی کہ ان کے دلوں کا جھوٹ خود ان کے سامنے کھل کر باہر آ جائے ۔عقیدہ وہی ہے جو میں بتا چکا ہوں اور اس سے سلوک وہ ہے جیسے جنوں بھوتوں کی کہانیوں سے سلوک ہوتا ہے۔ ہو تو تب کیا نہ ہو تب کیا، ہمیں کیا فرق پڑتا ہے؟ تو صاف پتا چلتا ہے کہ ہر مولوی کا دل گواہ ہے کہ سب جھوٹی کہانی ہے جس میں ہم بیٹھے ہوئے ہیں یوں نہیں ہوگا اور اگر سچی ہے تو پھر فکر کیوں نہیں کرتے ۔ گنجے سر کے علاج کے لئے تو لوگ اتنا خرچ کر دیتے ہیں اور اتنا روپیہ برباد کیا جاتا ہے۔معمولی معمولی بیماریوں کی تحقیق پر اتنا روپیہ خرچ ہو جاتا ہے۔ساری امت مسلمہ کی روحانی بیماری کا مسئلہ ہے اسے ٹھیک کرنے کے لئے جو معالج مقرر ہے وہ دیر کر رہا ہے، نسلوں کے بعد نسلیں مر رہی ہیں ۔تم دوسرے تریاق ڈھونڈتے پھرتے ہو۔ جانتے ہو کہ اصدق الصادقینؐ نے فرمایا ہے کہ کوئی انسانی تریاق کام نہیں دے گا جب تک آسمان سے یہ اترنے والا نہیں اترے گا اس وقت تک یہ امت بچائی نہیں جاسکتی اور پھر فکر نہیں کرتے ۔

تو میں نے سمجھایا، میں نے کہا دیکھو اور کچھ نہیں تو دعا کرو اور جب دعا کرو تو دجال کو نہ بھولنا کیونکہ مسیح سے پہلے دجال کا ذکر ہے۔تمہیں تو دجال ہی نظر نہیں آیا، تم نے مسیح کو کہاں سے دیکھ لینا تھا۔ دجال کا ذکر ہے اور دجال کے متعلق فرمایا ہے کہ ایسا ہوگا، ایسا ہوگا اور اتنا لمبے قد کا، ایک آنکھ والا یعنی دائیں آنکھ اس کی کانی اور بائیں آنکھ روشن ۔وہ لمبی تفصیلات ہیں جو میں بارہا آپ کے سامنے رکھ چکا ہوں، کھول کر بیان کیں، علماء کو بتایا کہ دیکھو یہ دجال مسیح سے پہلے آنا ہے پھر مسیح آئے گا۔تو مسیح کی فکر ہے تو دجال کی فکر کرو پہلے۔اور دجال آئے گا تو اس نے سوار کس پر ہونا ہے گدھے پر سوار ہونا ہے اور ایسے گدھے پر جس کے دو کانوں کے درمیان ستر ہاتھ کا فاصلہ ہے۔جس کا قد اتنا اونچا ہے کہ وہ Cloud Line جس کو کہتے ہیں اس سے بھی وہ اوپر ہے اور اس کی رفتار ایسی ہے کہ وہ ہوائی جہازوں کو مات کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے الفاظ ہیں مشرق سے قدم اٹھائے گا وہ گدھا۔ ایک پاؤں مشرق میں تو دوسرا مغرب میں Land کرے گا۔جس طرح ہوائی جہاز چلتے ہیں روزانہ مشرق سے اٹھتے ہیں اور مغرب میں لینڈ کر رہے ہوتے ہیں وہی نقشہ ہے۔مگر جس کو دکھائی نہ دے

ان کو میں بتا رہا ہوں۔ دجال کی تو آنکھ کانی ہوئی چلو، تمہاری آنکھ کو کیا ہو گیا ہے تمہیں کیوں نہیں دکھائی دیتا۔ لیکن نہیں دیتا تو پھر دعا کرو، دہائی ڈالو، شور مچاؤ، اندھے بے چارے نہیں چل سکتے تو پوچھتے تو ہیں نا کہ آؤ بھئی ہمیں رستہ دکھاؤ تو یہ بھی نہیں کر رہے۔ دہائیاں دو خدا کے حضور گریہ وزاری کرو اور قوم کو متوجہ کرو۔ قوم کو کہو دیکھو تم مر رہے ہو اور مرتے چلے جاؤ گے کوئی اور طاقت تمہیں بچا نہیں سکتی ہم جھوٹ بولتے تھے اگر ہم کہتے تھے کہ ہمارے پاس آؤ ہم تمہیں بچا لیں گے۔

خاتم النبیین والے مولوی بنے ہوئے ہیں ان کو اعلان کرنا چاہئے تھا کہ ہماری توبہ، ہم کون ہوتے ہیں تمہیں ان کے حملوں سے بچانے کے لئے جن کو ہم سمجھتے ہیں کہ خاتم النبیینؐ پر حملہ ہے نعوذ باللہ من ذالک۔ اگر بچانے والا ہے تو آسمان پر بیٹھا ہوا ہے پہلے اس کو اتارو ساری قوم گریہ وزاری کرے، صدقے دے، دعائیں کرے، اور دعاؤں کا مضمون گدھے سے شروع ہو گا۔ یہ دعا کرے اے اللہ وہ گدھا تو پیدا کر دے جس کی پیٹھ پر سوار ہو کر دجال نے سفر کرنے ہیں تا کہ اگر ہمارا داؤ چلے تو گدھا ہی مار دیں۔ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری اور دجال سے دنیا کا پیچھا چھڑائیں مگر خیر اگر یہ مقدر نہیں ہے تو گدھا پیدا تو کر۔ وہ آگ کھا کے چلے اور اتنے لمبے لمبے سفر کرے اور وہ پیٹھ پر گندم کے پہاڑ لا دکر غریب قوموں کی مدد کے لئے نکلے۔ یہ اب کچھ نظر نہیں ان کو آرہا۔ ابھی سب ہونا ہے تو پھر واویلا کریں کہ اے خدا اس گدھے کو پیدا کر جس کے بعد پھر دجال آئے وہ سواری کرے پھر ہمیں خوب مارے یہاں تک کہ ہم سب مٹ جائیں صرف ستر ہزار باقی رہ جائیں اور ان کے ناکوں میں بھی دھواں چلا جائے دجال کا۔ جب یہ سب کچھ ہو جائے تو پھر ہم کہیں گے اے خدا مسیح کو اتار۔ تو سب کچھ تو ہونے والا پڑا ہوا ہے، تمہیں ہوش ہی کوئی نہیں مسیح کے لئے دعائیں نہیں کر رہے اس لئے سارے جھگڑے ایک طرف چھوڑو اور مسیح کو پکارو آسمان سے اور مسیح کے آنے کی تیاری کرو یعنی گدھا مانگو، دجال مانگو اور پھر ان کی ہلاکت کی دعائیں کرو گے تو وہ مریں گے جب پیدا ہی نہیں ہوئے انہوں نے مر کہاں سے جانا ہے بیچاروں نے۔

یہ مضمون سمجھایا تھا اور جب غیر احمدی مجالس میں آیا کرتے تھے اور مجھ سے باتیں سنتے تھے تو ہنس پڑتے تھے۔ میں حیران ہو کے ان کو دیکھتا تھا، اتنا سنجیدہ عقیدہ میں بیان کر رہا ہوں یہ ہنس رہے ہیں۔ بعض لوگ قہقہے مارنے لگ جاتے تھے۔ پھر جاتے اسی مولوی کے پاس ہیں جو خدا تعالیٰ کی بیان

کردہ حکمتوں کا یوں حلیہ بگاڑ کے رکھ دیتے ہیں اور جب ان کو سمجھایا جاتا ہے تو قہقہے مارتے ہیں، ہنستے ہیں، مذاق اڑاتے ہیں لیکن ان مولویوں کا اپنا یہ حال ہے کہ یہ ان عقیدوں کو دل سے تسلیم نہیں کرتے اگر کرتے ہیں تو جو میں کہہ رہا ہوں وہ سب کچھ کر دکھاتے۔ ایک عظیم قوم کی زندگی اور موت کا مسئلہ ہو اور اس سے اس طرح انسان ہلکے پھلکے انداز سے سلوک کرے کہ ٹھیک ہے جی مر گیا تو مر گیا، زندہ ہے تو زندہ ہمیں کیا۔ تمہیں کیا! تم نے مرجانا ہے اگر وہ مر گیا تو۔ وہ نیچے آئے بغیر مر گیا تو تم سارے زمین پر پڑے پڑے مر جاؤ گے کیونکہ تمہاری زندگیاں اس کی ذات کے ساتھ وابستہ ہیں۔

تو اس کو کہتے ہیں تفقه في الدين اور قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ وہ جو نئے آنے والے ہیں ان کو بلاؤ تفقہ کروان کے لئے لِّيَتَفَقَّهُوْا تا کہ وہ تم سے تفقہ سیکھیں۔ ان کے دماغوں میں اس طرح یہ بات گھول گھول کر ڈال دو، اس طرح ان کو پلا دو یہ بات کہ واپس جا کر اپنی قوم کو ڈرانے کے مستحق ہو جائیں اور ڈرانے کی اہلیت حاصل کر لیں کیونکہ جاتے ہی ان کے سپرد نذیر کا کام کر دیا گیا ہے۔ اب دیکھیں درمیان میں اور کوئی مضمون نہیں۔ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ﴿۱۲۲﴾ صداقت کو اتنا واضح طور پر دیکھ لیں ایسا یقینی طور پر سمجھ لیں کہ پھر کوئی چیز ان کو صداقت سے ہٹا نہ سکے بلکہ اس مرتبے کو حاصل کر لیں جو استادوں کا مرتبہ ہے اور وہ جا کر اپنی قوم کو ڈرائیں اور بتائیں کہ ہم وہ جگہ وہ نور دیکھ آئے ہیں جس کے بغیر ہر طرف اندھیرا ہے اگر اسی حالت میں تم پڑے رہے تو تم اندھیروں میں بھٹکتے ہوئے جانیں دے دو گے۔ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ تا کہ ان کی قوم خوف کرے کچھ خدا خوفی سے کام لے کچھ اپنے حال پر ڈرے اور اس طرح وہ ہدایت پا جائے۔

تو دیکھیں تبلیغ اور تربیت کو خدا تعالیٰ نے کس طرح حکمت کے ساتھ ایسے رشتوں میں باندھ دیا ہے جو ٹوٹ نہیں سکتے۔ بشارت انذار بن گئی ہے۔ انذار بشارت ہو گئی ہے۔ ایک ہی چیز کے دو نام بن گئے ہیں۔ پس آپ جن کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے لاکھوں کو احمدیت میں داخل ہونے کی توفیق بخشی ہے اب مزید انتظار کئے بغیر ان کی تربیت کا ایسا انتظام کریں کہ صرف ان کو نماز پڑھنا نہیں سکھانا، روزمرہ کے مسائل نہیں بتانے بلکہ تفقه في الدين یہاں بیان فرمایا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تفقہ کے ساتھ پھر باقی چیزیں از خود پیدا ہو جاتی ہیں، اگر تفقه في الدين ہو تو انسان کے اندر

ایک بے حد تڑپ پیدا ہو جاتی ہے، ایک بے قرار تمنا اس کے دل سے اٹھتی ہے کہ ایسے پیارے دین کو میں کیوں نہ سیکھوں، کیوں اس میں مزید ترقی نہ کروں، کیوں نہ ان حکمت کی باتوں پر عمل پیرا ہو جاؤں۔ پس عمل کا ایک گہرا تعلق عقیدے کے یقین سے ہے اور عقیدے کے یقین کا گہرا تعلق گہری فہم سے ہے۔ جو عقیدہ گہری فہم کے بغیر ہو اس کا نام چاہے آپ یقین رکھتے پھریں وہ یقین نہیں ہے وہ ایک تصور کا خیال ہے اس سے زیادہ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ جو گہرا فہم ہو جائے، اچھی طرح بات سمجھ لیں اس سے یقین پیدا ہوتا ہے اور جب یقین پیدا ہوتا ہے تو پھر ایسے شخص کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ وہ لازماً اس کے فوائد سے بھی آگاہ ہو جاتا ہے۔ اس کے انکار کے نقصانات سے بھی آگاہ ہو جاتا ہے۔ فوائد کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ نقصانات سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔

پس جماعت احمدیہ اس دور میں داخل ہوتے ہوتے اب وہاں پہنچ گئی ہے کہ یوں لگتا ہے اس آیت کی سرزمین کے مرکز میں ہم جا پہنچے ہیں اس آیت کے مضمون نے چاروں طرف سے ہمیں گھیر لیا ہے اب کسی مزید التواء کا موقع نہیں رہا، کسی تاخیر کا ہمیں حق نہیں رہا۔ لازم ہے کہ معاً اس آیت کے مضمون کا تفقہ کر کے اس کو تفصیل کے ساتھ سمجھنے کے بعد اس کے مطابق وہ تربیت گاہیں قائم کریں جہاں ہر ملک میں اور اگر ایک ملک میں ضرورت ہو تو ایک جگہ سے زائد تفقہ کے مراکز قائم ہوں۔ اس میں نئے آنے والوں کو بلایا جائے اور باری باری مختلف گروہ آتے جائیں اور سبق سیکھ کر واپس چلتے چلے جائیں اور یہ جو تربیتی کلاس ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے یہ اب سارا سال کی ہو گی۔ اب یہ اعلان نہیں ہو گا کہ آج کشمیر میں ہو رہی ہے۔ آج افغانستان میں ہو رہی ہے۔ آج پاکستان میں ہو رہی ہے۔ پھر تو ساری دنیا کی کلاسوں کے متعلق مستقل دعا کرنی پڑے گی۔ اللہ تعالیٰ انگلستان کی کلاسوں کو بھی کامیاب فرمائے اور جرمنی کی کلاسوں کو بھی اور سویڈن اور ڈنمارک کی بھی اور افریقہ میں سیرالیون کی کلاسوں کو بھی اور گھانا کی کلاسوں کو بھی، نائیجیریا کو بھی۔ کتنے نام ہر جمعہ میں لے سکتا ہوں ایک سو بیالیس تک تو پہنچ چکے ہیں اور ان کے اندر بھی بے شمار کلاسیں ہوں گی تو یہ کلاسیں لگائیں اور مستقل جماعت ان کلاسوں کے لئے دعا کرے اور ان کے لئے کوشش کرے۔

اس کے لئے چونکہ ہمارے پاس ابھی وہ فوج تیار نہیں ہوئی جس کا نام وقف نو کی فوج ہے اس لئے ضروری ہوگا کہ عارضی طور پر صاحب علم اپنے آپ کو وقف کریں اور صاحب علم خواتین اپنے

آپ کو وقف کریں اور ہر جگہ عورتوں کے لئے بھی مراکز ہوں اور مردوں کے لئے بھی اور ان کی تربیت اس جذبے سے کی جائے کہ ایک بات اتنی اچھی طرح سے سمجھ جائیں کہ پھر ناممکن ہو دشمن کے لئے کہ اس پر حملہ کر سکے اور پھر وہ اس بات کو لے کر نکل کھڑے ہوں ہر جگہ پھیلاتے چلے جائیں۔تو اس طرح آپ کے آئندہ آنے والے تربیت کے علاوہ تبلیغی تقاضے بھی پورے ہوں گے، کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہم سے سلوک فرمایا ہے ایک کو دو اور دو کو چار اور چار کو آٹھ کرتا چلا گیا ہے۔اب یہ دور اگر جاری رکھنے کی دل میں تمنا ہے تو اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے رخ کے مطابق چلنا شروع کریں اور یہ خدا کی تقدیر کا رخ ہے جو اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے۔اس رخ پر چلیں گے تو خدا کی تقدیر ہمیشہ آپ کے حق میں عجائب کام دکھائے گی، ناممکن باتیں آپ اپنی آنکھوں کے سامنے ہوتا دیکھیں گے اور میں یقین دلاتا ہوں کہ اب تک جو آپ دیکھ چکے ہیں اس کے بعد آپ کو کوئی حق نہیں ہے کہ ان عجائب کا انکار کر سکیں۔حیرت انگیز اعجاز خدا نے دکھائے ہیں آپ اب گواہ بن چکے ہیں۔

پس ان باتوں پر عمل کریں جو قرآن کی روشنی میں قرآن کی تعلیم کے مطابق میں آپ کو سمجھا تا ہوں اور دیکھیں اگلے سال کے لئے کہ خدا تعالیٰ کیسے کیسے عجائب آپ کیلئے، لئے بیٹھا ہے اور عجیب کام آپ کے لئے کر دکھائے گا۔ **پس اب ہم دنیا کے سامنے ایک چیلنج بن چکے ہیں۔دنیا سمجھتی ہے کہ اتفاقی واقعات ہیں یہ حادثات کے نتائج ہیں۔ہم کہتے ہیں کہ تقدیر الٰہی ہے جو جماعت احمدیہ کو ایک نئے دور میں داخل کر چکی ہے۔اس کے ہر سال کا موڑ پہلے سے بڑھ کر شاندار آئے گا اور یہ تقدیر ہے جو میں دیکھ چکا ہوں اور میں دیکھ رہا ہوں کہ آئندہ اسی طرح جاری ہوتی چلی جائے گی۔** پس اس سفر کی تیاری اس شان سے کریں کہ ہر موڑ پر آپ کو خدا کے نئے کرشمے، نئے جلوے دکھائی دیں اور ایسے جلوے ہوں جو دنیا کی آنکھوں کو چندھیا دیں مگر وہ انکار نہ کر سکیں اور یہ وہ طریق ہے جو قرآن سے سیکھ کر میں آپ کو سمجھا رہا ہوں۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً مومنوں کے لئے یہ تو ممکن نہیں ہے کہ وہ سارے کے سارے اکٹھے جہاد میں مصروف ہو جائیں۔فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ پس ایسا کیوں نہیں کہ ان میں سے ہر گروہ میں سے ایک چھوٹا گروہ نکلے، ایک جماعت نکلے لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ تا کہ وہ دین سیکھے۔اب نکلے، گھروں سے نکلے مراد ہے کسی جگہ جانا ہے جہاں

دین سکھایا جاتا ہے ان جگہوں کے نام نہیں لئے۔ مدینہ نہ کہنے کی ایک یہ بھی حکمت ہے کہ اسلام نے تو پھیلنا تھا ہر شخص کے لئے ممکن ہی نہ رہتا کہ وہ مدینے پہنچ سکے اور اگر آنحضرت ﷺ کا وصال ہو جانا تھا جیسا کہ ہونا تھا یہ بھی ممکن تھا کہ مدینہ میں وہ ایسے پاکباز، مصلح، دین سکھانے والے باقی نہ رہیں اور قوم کی حالت بگڑ چکی ہو تو ان سارے احتمالات کا جواب اس ایک آیت نے دے دیا۔ اس کو کہتے ہیں فصاحت و بلاغت۔ جہاں بظاہر کوئی سقم دکھائی دیتا ہے اس کو غور سے ٹھہر کے دیکھیں تو آپ حیران ہو جائیں گے کہ وہ سقم نہیں ہے بلکہ عظیم روشنیوں کی طرف کھلنے والی ایک کھڑکی تھی۔

پس اس آیت کو اس زمانے پر چسپاں کر کے دیکھیں تو آپ کو سمجھ آ جائے گی کہ کیوں مدینے کا ذکر نہیں کیا گیا کیوں حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف جسمانی طور پر آنے کا ذکر نہیں فرمایا۔ ایک کھلی کھلی بات فرما دی گئی ہے جس کے سارے گوشے کھلے رکھ دئے تا کہ ہر زمانے کی ضرورت پر پوری طرح اس کا اطلاق ہو سکے۔ نکلیں، کدھر کو نکلیں، کہاں جائیں کچھ بیان نہیں فرمایا۔ فرمایا کوئی جگہ ایسی ضرور ہونی چاہئے جہاں ان کی تربیت کا انتظام ہو اور یہ مومنوں کی جماعت کا اجتماعی فرض بیان فرما دیا گیا۔ جہاں جہاں ممکن ہے ان کے مراکز قائم کردو۔ لیکن یہ تمہارے لئے ممکن نہیں رہے گا یہ بھی ایک عجیب پیشگوئی ہے کہ جہاں جہاں بیعتیں ہو رہی ہیں وہاں وہاں پہنچ کر ان کی تربیت کر سکو۔ ان پر ذمہ داری ڈالو، ان کے نمائندے آئیں، وہ سیکھیں، واپس جا کر اپنوں کو سکھائیں اور خصوصیت سے غیروں کو انذار کے ساتھ اس ہدایت اور پناہ گاہ کی طرف بلائیں۔ یہ مضمون ہے جو جتنا آپ غور کرتے ہیں اور کھل کر، نتھر کر جیسے پھول کھلتا ہے اس طرح کھل کر ہمارے سامنے بہت خوبصورتی کے ساتھ ظاہر ہو رہا ہے۔

پس تمام دنیا کی جماعتیں اس مضمون کی روشنی میں ایسی جگہوں پہ مراکز قائم کریں جہاں اردگرد کے علاقے کے لوگوں کے لئے آنا ممکن ہو اور ایسا نظام جاری کریں کہ سارا سال یہ سلسلہ جاری رہے، چلتا رہے۔ ان کے لئے وہاں رہائش کا انتظام بھی دیکھنا ہوگا اور ادلنے بدلنے کا نظام جاری کرنا پڑے گا۔ یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ جب تک کوئی سمجھ نہ جائے اس وقت تک اس کو ٹھہرائے رکھنا ہے اور بہت زیادہ مکینیکل نہ بنائیں کلاسز کو۔ یہاں مدت بھی بیان نہیں فرمائی گئی۔ لِّيَتَفَقَّهُوْا یہ شرط رکھ دی۔ بعض لوگ ذرا ٹھہر کے سمجھتے ہیں بعض جلدی سمجھ جاتے ہیں۔ جو ذرا ٹھہر کے سمجھتے ہیں ان کو روکنا

چاہئے کہ ابھی تم اس لائق نہیں ہوئے جیسے پہلے سال کوئی فیل ہو جائے تو اس کا ایک سال اور بڑھا دیا جاتا ہے تو اس قسم کا سالوں کا معاملہ تو نہیں۔ مگر نظر رکھنے والے موجود رہنے چاہئیں۔ جب ایک شخص کے متعلق جانتے ہیں کہ اس میں بشاشت پیدا ہو رہی ہے اس کے اندر ولولہ پیدا ہو گیا ہے، بات کو سمجھ چکا ہے تو کہیں اچھا بھئی السلام علیکم، رخصت ہو تم اب اس کام میں مصروف ہو جاؤ جس کے لئے خدا کے ارشاد کے تابع ہم نے تمہیں تیار کیا تھا۔ اپنی قوم میں لوٹو اور انذار شروع کر دو۔

اس طرح آپ کریں گے تو آپ دیکھیں گے کہ خدا کے فضل سے کس طرح جماعت کو استحکام نصیب ہوتا ہے اور کس تیزی سے جماعت روز افزوں ترقی کرتی چلی جاتی ہے۔ ہر آنے والا، آنے والے دور کے لئے خود تیاری کر رہا ہوگا اور آپ کا مددگار ہو جائے گا اور آپ کو نئے لوگوں کو تبلیغ کرنے کے لئے، نئی قوموں کو تبلیغ کرنے کے لئے، نئے ملکوں کو تبلیغ کرنے کے لئے خالی چھوڑ دے گا۔ اپنی قوموں کو تو ہم اب سنبھالتے ہیں۔ ہماری فکر آپ نے جو کرنی تھی کر لی اب ہم پر چھوڑ دیں۔ خدا نے جب ہم پر اعتماد فرمایا ہے ہمیں بات کا اہل قرار دیا ہے کہ خود سمجھنے کے بعد اپنی قوم کا انذار کریں گے تو پھر ہمیں کرنے دیں۔ ہماری فکر نہ کریں۔ آپ جائیں دوسرے ملکوں کو تلاش کریں۔ ایک سو بیالیس ان کے پاس چھوڑ دیں۔ نئے ایک سو بیالیس ڈھونڈیں نئی قوموں کی طرف نکلیں نئے شہروں کی طرف رجوع کریں اس طرح اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اب یہ سلسلے، یہ پھیلنے والے سلسلے وہ بن کر ابھرنے والے ہیں کہ تمام دنیا کی مولوی کی طاقت بھی اس راہ میں حائل نہیں ہو سکتی۔

میں خدائے واحد و یگانہ کی قسم کھا کر آپ کو بتاتا ہوں کہ اب ایسے دور آنے والے ہیں کہ مولوی تھر تھر کانپیں گے اور نامراد ہو کر دیکھتے رہیں گے اور کچھ کر نہیں سکیں گے۔ آپ نے آگے بڑھنا ہے اور بڑھتے چلے جانا ہے یہاں تک کہ آپ کے قدموں کی دھمک اگلی صدی میں سنائی دے جائے گی۔ اللہ آپ کے ساتھ ہو۔ اللہ حامی و ناصر ہو۔ حوصلے اور یقین کے ساتھ اس سفر کو جاری رکھیں، قرآن کی بتائی ہوئی ہدایتوں کے مطابق آپ چلیں گے تو یہ نسخے ایسے ہیں جو کبھی ناکام نہیں ہو سکتے۔ اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

پیار، محبت اور دعاؤں کے ساتھ کی ہوئی نصیحت اثر کرتی ہے۔

رسول کریم ﷺ کی پر اثر نصائح

(خطبہ جمعہ فرمودہ 26 /اگست 1994ء بمقام ناصر باغ، گروس گیراؤ جرمنی)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے مندرجہ ذیل آیت کریمہ تلاوت کی۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ (آل عمران: 105)

پھر فرمایا:۔

آج اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ جماعت احمدیہ جرمنی کے سالانہ جلسہ کا افتتاح ہو رہا ہے اور گزشتہ کچھ عرصہ سے میرا یہی طریق ہے کہ جمعہ ہی پر افتتاح کا اعلان کر دیا جاتا ہے اور جمعہ کے مضمون ہی میں افتتاح کے لئے نصائح شامل ہو جاتی ہیں۔ اس جلسے کے ساتھ دنیا بھر میں اور بھی کچھ جلسے، کچھ اجتماعات، کچھ تربیتی کلاسز منعقد ہو رہی ہیں سب کی خواہش ہے کہ ان کا ذکر کر دیا جائے۔ مجلس خدام الاحمدیہ ضلع چکوال کا چوتھا سالانہ اجتماع کل جمعرات سے جاری ہے اور آج جمعہ کے ساتھ اختتام پذیر ہوگا۔ اسی طرح ضلع خوشاب کی مجلس انصار اللہ کا اجتماع بھی کل سے جاری ہے اور آج ختم ہوگا۔ ضلع سرگودھا کا سالانہ اجتماع آج منعقد ہو رہا ہے اور ایک ہی دن کا اجتماع ہے۔ مجلس خدام الاحمدیہ ماریشس کا ریجنل اجتماع آج 26 /اگست سے شروع ہو رہا ہے، جماعت احمدیہ بیروت کا تیسرا جلسہ سالانہ کل دو دن جاری رہے گا اور 28 /اگست بروز اتوار اختتام پذیر ہوگا۔ جماعت احمدیہ چارکوٹ

جموں 27 اگست سے شروع ہو رہا ہے۔ کشمیر کی تمام مجالس کا مشترکہ سالانہ اجتماع بھی کل 27 اگست بروز ہفتہ سے شروع ہے اور 28 اگست تک جاری رہے گا۔ اسی طرح جماعت احمدیہ دوبئی ایک جلسہ سیرت النبی منعقد کر رہی ہے اور اس جلسے کی کامیابی کے لئے دعا کی درخواست کرتی ہے۔ یہ تمام جماعتیں جن کا اعلان کیا گیا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ ٹیلیویژن کے رابطے کے ذریعے ہمارے اس اجتماع میں برابر کے شریک ہیں اللہ تعالیٰ ہر پہلو سے ان کے اجتماعات میں برکت دے اور تمام نیک امنگوں اور تمناؤں کو پورا فرمائے اور اجتماعات کی برکتیں خواہ وہ ایک روزہ ہوں یا دوروزہ یا تین روزہ لمبے عرصے تک ان میں جاری وساری رہیں۔

جس آیت کریمہ کی میں نے تلاوت کی ہے اس کا ترجمہ یہ ہے۔ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ چاہئے کہ تم میں سے ایک قوم ایسی ہو جو اس بات پر وقف رہے کہ لوگوں کو بھلائی کی طرف بلاتی رہے۔ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ اور اچھے کاموں کی ہدایت دیتی رہے۔ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ اور بری باتوں سے روکتی رہے۔ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ایسا کرنے والے ہی ہیں جو ضرور کامیاب ہوں گے۔ پس جماعت احمدیہ کے نصب العین میں یہ بات داخل ہے کہ ہم نیکیوں کی طرف بلائیں، اچھی باتوں کی طرف بلائیں، نیک کاموں کا حکم دیں اور بُرے کاموں سے روکیں۔ یہی وہ ہتھیار ہیں جن کے ذریعے ہم نے اسلام کے لئے عالمی جنگ جیتنی ہے اور ان ہتھیاروں کو روزمرہ استعمال کرنا اور عادت بنا لینا ہی ایک ایسا اہم فریضہ ہے جو جماعت کو توجہ کے ساتھ ادا کرنا چاہئے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ محض ہتھیار سجا لینا ہی کافی ہوتا ہے۔ بعض لوگ پستول لگائے پھرتے ہیں۔ بعض دوسرے ہتھیار ہاتھوں میں لئے پھرتے ہیں مگر جب وقت آتا ہے تو ان کے ہتھیار ان کو بچانے میں کامیاب نہیں ہو سکتے کیونکہ ہتھیار کے لئے ایک روزمرہ کی واقفیت، روزمرہ کا انس ان ہتھیاروں سے، ایسی واقفیت کہ جس کے نتیجہ میں از خود وہ ہاتھوں میں بروقت پہنچیں اور صحیح، ٹھیک نشانہ لگا سکیں۔ یہ کام ایسا نہیں جو محض ہتھیار سجانے سے خود بخود آ جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا کام ہے جس کے لئے وہ لوگ جو ہتھیاروں کو سمجھتے ہیں اور ان سے واقعۃً فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں ان ہتھیاروں کو روزمرہ کی زندگی کا ایسا حصہ بنا لیتے ہیں کہ ہر وقت ان سے کھیلتے رہتے ہیں بسا اوقات ایسے نشانہ باز میں نے دیکھے ہیں کہ ہاتھ میں پستول ہے تو بار بار ہاتھوں میں اٹھاتے ہیں اور بار بار

اس کو اچھالتے، اچانک نشانہ لیتے، اسی طرح شکاری جو ہوائی نشانہ لینے کی مشق کرتے ہیں وہ کم و بیش روزانہ ہی خالی بندوق سے کھیلتے رہتے ہیں خواہ سامنے کوئی شکار نہ ہو۔

تو نیک بات کی طرف بلانا اور نیک نصیحت کرنا دو مقاصد رکھتی ہے۔ ایک یہ کہ اپنی آپس میں تربیت کی جائے دوسرے یہ کہ تمام دنیا کو بھلائی کی طرف بلایا جائے جن لوگوں کو روزمرہ ان ہتھیاروں کے استعمال کی عادت نہ ہو وہ دوسری قوموں کو بھی اس طرف بلانے کا سلیقہ نہیں جانتے۔ وہ لوگ جو روزمرہ گھروں میں اس خدا تعالیٰ کے بتائے ہوئے ہتھیار کو صحیح طریق پر استعمال کرنے کی پریکٹس نہیں کرتے ان لوگوں کو باقی دنیا میں بھی ان کو استعمال کرنے کی توفیق نہیں ملتی۔

پس یہ جو قرآن کریم نے نصیحت فرمائی ہے بہت ہی اہم ہے۔ اتنی اہم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ لوگ جو نیکیوں کی طرف نہیں بلاتے، جو بدیوں سے روکتے نہیں ہیں ان کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کشتی میں سوار کچھ لوگ ہوں جس کی ایک اوپر کی منزل ہو اور ایک نیچے کی منزل ہو۔ نیچے کی منزل والے اس کشتی کی تہہ میں سوراخ کر رہے ہوں اور اس پر اوپر کی منزل والے روکیں نہیں کہ ہمیں کیا یہ تو نیچے کی منزل میں ہونے والا واقعہ ہے۔ نتیجۃً جب وہ سوراخ ہو جائے تو ان سب نے بہر حال غرق ہونا ہے۔ قوموں کی زندگی، قوموں کی بقاء کا مسئلہ ہے جو قرآن کریم نے بیان فرمایا اور حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے اس طرح اس کو سمجھا اور سمجھایا۔ پس جماعت احمدیہ کو اس بات کو روزمرہ کا شیوہ بنا لینا چاہئے کہ اچھی باتوں کی طرف بلانا شروع کرے اور اچھی باتوں کا حکم دیا کرے اور بُرے کاموں سے روکا کرے۔ اس سلسلے میں کچھ احتیاطیں ہیں، اس خدا تعالیٰ کی ہدایت پر عمل کرنے کے کچھ اسلوب ہیں، کچھ تقاضے ہیں، جن کو نظر انداز کر کے ہم اپنے مقصد کو حاصل نہیں کر سکتے۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہاں یَأْمُرُوْنَ کا جو لفظ فرمایا گیا ہے اگر چہ اس میں حکم کا مضمون پایا جاتا ہے مگر آنحضرت ﷺ نیک کاموں کی طرف حکماً نہیں بلایا کرتے تھے بلکہ ساتھ دل پر اثر کرنے والی نصیحت کے ذریعے لوگوں کو نیکی کی تلقین فرماتے تھے اور اگر کوئی اس پر عمل نہ کرے تو اس کو سزا دینے کا کبھی آپؐ نے ارادہ نہیں فرمایا بلکہ آپؐ کا دل اس کی حالت پر مغموم ہو جایا کرتا تھا جو نیک بات سن کر بھی اس پر عمل نہیں کرتا۔ پس عمل سے مراد یہاں نصیحت کرنا ہے نہ کہ تحکّم کے ساتھ

نصیحت کرنا عجز کے ساتھ نصیحت کرنا ہے، نہ کہ تحکّم کے ساتھ کسی اچھی بات کی طرف بلانا ہے اور اسی سنت نبوی میں اس طریق کی کامیابی کا راز مضمر ہے۔ وہ لوگ جو نصیحت کرتے تو ہیں مگر سنت کے مطابق عجز اور انکساری اور محبت اور پیار اور دل کے گہرے جذبے سے نصیحت نہیں کرتے بلکہ ان کے اندر تحکّم پایا جاتا ہے ان کی نصیحت کبھی کامیاب نہیں ہوتی بلکہ بسا اوقات برعکس نتیجہ نکالتی ہے بسا اوقات ایسی نصیحت کرنے والے سوسائٹی میں نفرتوں کے بیج بو دیتے ہیں اور لوگ ایسے نصیحت کرنے والے سے دور بھاگنے لگتے ہیں اسی طرح یہ دیکھا گیا ہے کہ نصیحت کرنے والے بسا اوقات طعن و تشنیع سے کام لیتے ہیں اور نصیحت اس رنگ میں کرتے ہیں گویا جس شخص کو نصیحت کی جارہی ہے وہ تو ہر نیکی سے عاری ہے اور جو نصیحت کرنے والا ہے وہ بڑا متقی ہے اور بہت ہی خدا تعالیٰ کے ہاں معزز مقام رکھنے والا ہے تو اس طرح نصیحت کرتے ہیں جیسے نیچے جھک کر کسی ذلیل آدمی کی طرف انسان نگاہ کرے اور اسے روکے، بسا اوقات کتے کو دھتکارا جاتا ہے کہ یہ کام نہ کر و اس میں ایک امر کا مضمون ہے۔ کتا جب برتن میں منہ ڈالنے لگتا ہے تو آپ نے دیکھا ہوگا کس طرح لوگ سختی سے اس کتے کو دھتکار دیتے ہیں۔ لوگ بسا اوقات اپنی نادانی اور ناسمجھی میں انسانوں سے بھی یہی سلوک کرتے ہیں۔ کوئی بری بات ان سے صادر ہوتے دیکھتے ہیں تو حقارت کے ساتھ اور ڈانٹ ڈپٹ کر اسے اس بات سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں ہم نے نصیحت کا حق ادا کر دیا حالانکہ یہ نصیحت کا حق ادا کرنا نہیں، یہ نصیحت کے برعکس مضمون ہے جو نصیحت کا الٹ اثر پیدا کرتا ہے۔

کئی دفعہ میں نے دیکھا ہے بعض لوگوں کو طعن و تشنیع کی ایسی عادت پڑ جاتی ہے کہ وہ اپنے لمبے لمبے خطوط میں مجھے بھی ایسی ہی نصیحتیں کرتے ہیں کہ فلاں جگہ یہ ہو رہا ہے، فلاں جگہ وہ ہو رہا ہے، آپ سختی سے ان کو روکتے کیوں نہیں، آپ ان کو ڈانٹتے کیوں نہیں، آپ ان کو سزائیں کیوں نہیں دیتے۔ فلاں جگہ ہم نے دیکھا کہ ایسی حرکت ہو رہی تھی۔ وہ اپنے مزاج کو میرے مزاج پر ٹھونسنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس میں تحدّی پائی جاتی ہے اور یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ اگر مجھ سے ان کا یہ سلوک ہے کہ گویا مجھے حکماً یہ فرمایا جارہا ہے کہ فلاں بات یوں ہو رہی ہے، فلاں نے پردہ نہیں کیا ہوا تھا، آپ نے کیوں اس کو پروگرام میں آنے دیا۔ فلاں نے فلاں بے احتیاطی کی تھی، کیوں ڈانٹ ڈپٹ کر اس کو ٹھیک نہیں کیا گیا؟ اگر مجھ سے یہ طریق ہے تو پھر اپنے ساتھیوں اور عامۃ الناس سے ان کا کیا

طریق ہوگا۔ ایسے لوگ سوسائٹی میں جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے نفرتوں کے بیج بودیتے ہیں اور حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے طریق سے ہٹ کر ایک غیر طریق اختیار کرتے ہیں جس میں کامیابی نہیں ہوسکتی۔ قرآن کریم نے جو وعدہ فرمایا ہے وہ یہ ہے وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ یہ لوگ جو اس نصیحت پر عمل کرنے والے ہوں گے خدا وعدہ کرتا ہے کہ یہی وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہونے والے ہوں گے۔ پس نصیحت کے بھی انداز ہیں، اسلوب ہیں، سلیقے ہیں۔ جو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ ہی سے سیکھنے ہوں گے اور اسی کردار کے مطابق اپنے کردار کو ڈھالنا ہوگا۔ پس نصیحت کے ساتھ طعن و تشنیع کو ملانا نصیحت کو برباد کر دینا ہے اور ایسا شخص خود آپ بھی نقصان اٹھاتا ہے۔ وہ جانتا ہی نہیں کہ عمر بھر وہ ایک اندرونی تکبر کا شکار رہا ہے۔ وہ جانتا ہی نہیں کہ اس کا نصیحت کرنا دوسرے کی بھلائی کے لئے نہیں تھا بلکہ اپنی بڑائی کے اظہار کے لئے تھا۔ یہ بتانا مقصود تھا کہ میں تم سے بہتر ہوں اور اگر یہی طریق ہو نصیحت کا تو ایسی نصیحت کبھی بار آور ثابت نہیں ہوسکتی۔ پس نصیحت کریں لیکن خلق محمدیؐ کو اپناتے ہوئے، پیار اور محبت کے ساتھ، دلسوزی کے ساتھ، جان گداز کرتے ہوئے، اس طریق پر کلام کریں جو دل پر اثر کرنے والا ہو اور اس کے نتیجے میں واقعۃً پاک تبدیلی پیدا ہو۔

دوسری بات یہ ہے کہ یَدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ میں نیکی کی طرف بلانے والے کا کچھ اپنا بھی تو کردار ایسا ہونا چاہئے کہ اس کی نیکی اس کی ذات سے اس طرح چھلکے جیسے لبالب پیالہ بھرا ہو تو اس سے کوئی شربت چھلکتا ہو۔ اگر انسان خیر کی طرف بلاتا ہے اور خود مجسم خیر نہیں ہے یا کم سے کم اس خیر کی طرف بلاتا ہے جو خیر اس میں نہیں پائی جاتی تو یہ نصیحت بھی خواہ عاجزی کے ساتھ کی جائے بالکل بے اثر ثابت ہوتی ہے۔ پس یَدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ میں ایک دوہرے فائدے کا مضمون ہے۔ جو لوگ بھلائیوں کی طرف بلانے والے ہیں ان کا ضمیر ان کو ہمیشہ ان کی اپنی اصلاح کی طرف توجہ دلاتا رہتا ہے اور بعض دفعہ اگر ایک انسان مجبوراً ایک منصب پر فائز ہے جہاں اس نے ضرور بھلائی کی طرف بلانا ہے تو اس کی اپنی کمزوریاں بار بار اس کے سامنے آتی ہیں اور اس کے حضور فریادی ہو جاتی ہیں کہ تم دوسروں کو جن نیکیوں کی طرف بلا رہے ہو اپنی ذات کی طرف بھی توجہ کرو۔ اس کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ جو سننے والے ہیں وہ ایسے شخص سے کیا سلوک کریں۔ بعض دفعہ ایک شخص

کسی بھلائی کی طرف بلاتا ہے اس کی اپنی ذات میں اگر وہ نیکی ہو بھی تو بعض دفعہ اس کے بچوں میں نہیں ہوتی؟ اس کے حلقہ احباب میں کسی میں نہیں ہوتی، اس کی بیوی میں نہیں ہوتی۔ اس کے عزیزوں میں نہیں ہوتی۔ ایسی صورت میں اسلامی طریق کیا ہے؟ آنحضرت ﷺ کا طریق کیا تھا؟ آنحضور ﷺ نے کبھی بھی کسی نصیحت کرنے والے کو تحقیر سے نہیں دیکھا اور تحقیر سے اس کے ساتھ سلوک نہیں فرمایا۔ بعض ایسے بھی تھے جنہوں نے آنحضورؐ کو نصیحت کی اور ایک دفعہ نہیں کئی دفعہ ایسا واقعہ ہوا اور جس بات کی نصیحت کی وہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ میں اس سے بہت زیادہ پائی جاتی تھی یہاں تک کہ کوئی نسبت ہی نہیں تھی۔ ایک دفعہ ایک یہودی نے آنحضرت ﷺ کو تلقین کی کہ لین دین کے معاملے درست رکھو اور مالی معاملات اپنے صاف کرو۔ اب آنحضرت ﷺ سے بڑھ کر اور کون ایسا ہو سکتا تھا بلکہ یہاں تک طعنہ دیا کہ آپؐ کے خاندان کا یہی طریقہ ہے کہ لوگوں کے پیسے لے لیتے ہیں اور پھر واپسی کا نام نہیں لیتے۔ صحابہؓ بہت مشتعل ہوئے۔ بعض اس یہودی کی طرف لپکے کہ اسے سزا دیں مگر آنحضرت ﷺ نے انہیں روک دیا اور صبر کی تلقین فرمائی۔ صرف اتنا کہا کہ ہاں اس کا میں نے کچھ دینا ہے ابھی اس کی ادائیگی کر کے مجھے بری الذمہ کیا جائے۔ چنانچہ آنحضور ﷺ نے نہ صرف اس مطلوبہ مال کی ادائیگی فرمائی بلکہ اس سے بڑھ کر دے دیا۔

پس آنحضرت ﷺ کی زندگی میں بھی بسا اوقات ایسے واقعات ہوئے ہیں کہ جب آپؐ کو نصیحت کرنے والا خود آپؐ کے مقابل پر ان باتوں میں بہت کمزور اور کچا ہوتا تھا جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے کسی کو صبر کی نصیحت فرمائی کسی کو اور باتوں کی نصیحت فرمائی۔ اس نے الٹ کر آنحضورؐ کے اوپر یہ حملہ کیا آپ کو کیا پتا صبر کیا ہوتا ہے؟ جس پہ غم پڑے وہی جانتا ہے کہ صبر کیا ہوتا ہے۔ مگر آنحضرت ﷺ نے کبھی ایسے شخص کو ڈانٹا نہیں، کبھی ایسے شخص کو جواب میں طعنہ نہیں دیا کہ تم اپنی حیثیت تو دیکھو اور دیکھو کہ مجھ سے باتیں کر رہے ہو جو ان تمام خوبیوں میں مکارم اخلاق پر فائز کیا گیا ہے، جو اخلاق کی بلند ترین چوٹیوں پر قدم رکھتا ہے۔ کبھی ایک دفعہ بھی آپؐ نے جواباً نہیں فرمایا بلکہ خاموشی اور صبر کے ساتھ اس نصیحت کرنے والے کی دل آزاری کو بھی برداشت کیا۔

پس یہ بھی ایک پہلو ہے جس کی طرف میں جماعت کو توجہ دلانا چاہتا ہوں اور جرمنی کی جماعت میں اس کی خصوصیت سے ضرورت ہے اگر ایک عہدیدار اپنے عہدے کی مجبوری سے ایک

نصیحت کرتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ان بعض خوبیوں سے عاری ہوں یا اس کے قرب وجوار میں اس کے دوست، عزیز ان خوبیوں سے عاری ہوں جواباً اس پر یہ حملہ کرنا کہ تم اپنی شکل تو دیکھو، اپنا حال تو دیکھو ہمیں جس طرف بلاتے ہوا پنے بچوں کو کیوں ٹھیک نہیں کرتے یہ بھی درست اسلامی طریق نہیں ہے بلکہ ایک نہایت ہی ناپاک ردعمل ہے، ایک ناپاک رویہ ہے جس کے نتیجے میں سوسائٹی میں نفرتوں کے زہر گھولے جاتے ہیں اور نصیحتیں بیکار جاتی ہیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ یہ نصیحت کا ایک بہت ہی نازک مرحلہ ہے جبکہ نصیحت کرنے والا اپنے فرض کی وجہ سے مجبور ہو، ایسے مقام پر مامور ہو کہ اس کا کام ہے کہ وہ نصیحت کرے۔ ایسے موقع پر دیکھنے والا شاید یہ خیال کرتا ہو کہ اس نے اپنے نفس کو بھلا دیا ہے اور دوسرے کو نصیحت کر رہا ہے مگر میں جہاں تک انسانی نفسیات کو سمجھتا ہوں اس کا یہ خیال درست نہیں ہے کیونکہ بسا اوقات ایسے نصیحت کرنے والے اپنے دل میں خود ہی گھلتے ہیں اور غم کھاتے ہیں اور دعائیں کرتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ خدا ہماری کمزوریوں کو دور فرمائے تا کہ ہم لوگوں کی جن کمزوریوں کو دور کرنے کی کوشش کر رہے ہیں وہ کمزوریاں ہماری ذات سے بھی بالکل کلیۃً الگ ہو کر ہمارے وجود کو پاک اور صاف چھوڑ جائیں۔ ایسے ماں باپ ہیں جو اپنے بچوں کو نصیحت کرتے ہیں ان میں بھی کمزوریاں پائی جاتی ہیں۔ بچوں میں بعض دفعہ وہ وہ خوبیاں دیکھنا چاہتے ہیں جو ان کی ذات میں نہیں ہیں۔ بچوں میں سے وہ کمزوریاں دور کرنا چاہتے ہیں جو بعض دفعہ ان کے اندر بھی پائی جاتی ہیں تو اگر اس طریق کو بچے اپنا لیں اور بات بات پر ماں باپ کے سامنے زبانیں کھولیں اور کہیں کہ تم میں بھی یہ فلاں بات ہے تم میں بھی یہ فلاں بات ہے تو ساری دنیا کا نظام درہم برہم ہو جائے اور کسی کو اپنے گھر میں بھی تربیت کی توفیق نہ ملے۔ پس تربیت کے ساتھ کچھ شرافت کے تقاضے وابستہ ہیں اور وہ شرافت ہے جو تربیت کو فائدہ پہنچاتی ہے اور تربیت کو تقویت دیتی ہے۔ جس کو نصیحت کی جا رہی ہے اس کی شرافت کا تقاضا ہے کہ نصیحت کرنے والے کی کمزوریوں سے چشم پوشی کرتے ہوئے یہ دیکھے کہ بات سچی ہے یا نہیں ہے اگر بات سچی ہے تو وہ موقع طعنہ دینے کا نہیں۔ بات سچی ہے تو کسی اور وقت اس کو اور رنگ میں سمجھایا جائے کہ تم میں یہ کمزوری پائی جاتی ہے تم اسے دور کرنے کی کوشش کرو۔

پس آنحضرت ﷺ نے نصیحت کے مضمون میں ایک بنیادی بات ایسی فرمادی ہے جس کے نتیجے میں ہم اپنے نصیحت کے کردار کو مزید صیقل کر سکتے ہیں اور چمکا سکتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا حکمت کی

بات مومن کی گم شدہ اونٹنی کی طرح ہے۔(ترمذی کتاب العلم حدیث نمبر:2611) گمشدہ اونٹنی کہاں سے ہاتھ آتی ہے، کون اسے پہنچاتا ہے، یہ نہیں دیکھا جاتا بلکہ وہ حکمت کی بات کو اپنی بات سمجھتا ہے۔ پس جن لوگوں کو نصیحت کی جاتی ہے ان کو نصیحت کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرنا چاہئے۔ یہ دیکھنا چاہئے کہ نصیحت اچھی ہے یا بُری ہے اگر بُری ہے تو اس سے کنارہ کشی ضروری ہے اگر اچھی ہے تو جواباً طعنہ دینا حسن خلق نہیں ہے بلکہ سوسائٹی سے رفتہ رفتہ نصیحت کی قدروں کو اڑا دینے اور باطل کر دینے کے مترادف ہو جاتا ہے۔ جن سوسائٹیوں میں ناصحین کو طعنے ملتے ہیں ان سوسائٹیوں سے رفتہ رفتہ امر بالخیر اور نہی عن المنکر کا رواج ہی اٹھ جاتا ہے۔ پس سننے والے کے بھی کچھ تقاضے ہیں اور ان کو یادرکھنا چاہئے کہ نصیحت اگر اچھی بات پر مشتمل ہے تو اس نصیحت کو طعن و تشنیع میں اڑانے سے نہ ان کو فائدہ پہنچے گا نہ سوسائٹی کو کچھ فائدہ پہنچے گا بلکہ ان کی ایک نفسانیت ہے جو اور زیادہ موٹی ہو جائے گی، ان کی انانیت ہے جو اور بھی زیادہ پہلے سے بڑھ کر سرکشی کرنے لگے گی۔ پس عجز کا مقام سب سے اچھا مقام ہے۔ عجز کی راہیں سب سے اچھی راہیں ہیں۔ پس نصیحت کرنے والا اگر آپ کی نظر میں بعض ان خوبیوں سے عاری ہو جو وہ آپ میں دیکھنی چاہتا ہے تب بھی شکریہ کے ساتھ ان باتوں کو قبول کریں کیونکہ اس نے باتیں اچھی کہی ہیں جو آپ کے فائدے کی ہیں اور اس وہم کو دل سے نکال دیں کہ نصیحت کرنے والا خود اپنے آپ کو نصیحت نہیں کرتا۔

میں اس بات کا گواہ ہوں ہزار ہا احمدی مجھے خطوں میں یہ بات لکھتے ہیں کہ ہم فلاں نیکی کی بات کہنے پر مجبور ہیں۔ اپنے بچوں میں بھی اچھی بات دیکھنا چاہتے ہیں مگر خود کمزوریوں میں ملوث ہیں خدا کے حضور گریہ وزاری کرتے ہیں، روتے ہیں اور شرمندہ ہوتے ہیں لیکن اپنی ذات میں ہم میں یہ طاقت نہیں کہ ان کمزوریوں سے الگ ہو سکیں۔ پس آپ بھی دعاؤں کے ذریعہ ہماری مدد کریں۔ پس ناصح کا ایک چہرہ ایسا ہے جو دنیا کو دکھائی دے رہا ہے۔ ایک چہرہ ایسا ہے جو وہ خود اپنی ذات میں دیکھ رہا ہے اور وہ چہرہ جو ہے بسا اوقات عرقِ ندامت میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے، بسا اوقات اپنی ذات میں شرمندگی محسوس کر رہا ہوتا ہے۔ پس اس کا معاملہ خدا پر چھوڑ دیں اور حق یہ ہے کہ اس کو اچھا جواب دیں اور اس کے لئے دعا کریں۔ یہی وہ حسن محمدیؐ ہے جس نے دنیا کو فتح کرنا ہے۔ یہی خلق محمدی ﷺ ہے جس کی آج جماعت احمدیہ علمبردار بنائی گئی ہے۔ پس نصیحت کے اسلوب اور

سلیقے خوب باریکی سے سمجھیں اور پہچانیں پھر دیکھیں کہ انشاءاللہ سوسائٹی میں سے کس طرح جلد جلد بدیاں دور ہونی شروع ہوں گی اور خوبیاں ان کی جگہ لینے لگیں گی۔

قرآن کریم نے ہمیں یہ اسلوب سکھایا ہے کہ اگر کوئی تمہیں اچھی بات کہے تو اس سے بہتر بات میں اس کا جواب دو۔ اگر کوئی تحفہ دیتا ہے تو اس سے بہتر تحفہ اس کو دو۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم میں توفیق نہیں کہ ہر تحفہ دینے والے کو اسی طرح جنس کے لحاظ سے بہتر تحفہ دے سکو تو پھر دعا کرو اور اتنی دعا کرو کہ تمہارا دل مطمئن ہو جائے کہ تم نے اس تحفے کا حق زیادہ بہتر رنگ میں ادا کر دیا ہے۔ (ابوداؤد کتاب الزکاۃ) پس نیک نصیحت کرنے والا بھی تو نیک بات کہہ رہا ہے اس کو الٹ کر دل کو چرکا لگانے والی باتیں کرنا حسن خلق کے خلاف ہے، اسلامی تعلیم و تربیت کے منافی ہے۔ پس یہ دیکھیں کہ کسی نے آپ کو اچھی بات کہی ہے یا بُری کہی ہے اگر اچھی کہی ہے تو آپ کا فرض ہے کہ آپ اس اچھی بات کو بہتر رنگ میں اسے واپس کریں نہ کہ بُرے رنگ میں اور تکلیف دہ رنگ میں واپس کریں۔ اور اگر بُری بات کہی ہے تو بُری بات کے نتیجے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کا اسوہ یہ تھا کہ صبر اختیار فرماتے تھے اور صبر کے ساتھ بُری باتوں کو برداشت کرنے کی کوشش کرتے تھے یہاں تک کہ بعض اوقات دینی غیرت کے تقاضے جواب دینے پر آپؐ کو مجبور کر دیا کرتے تھے جو ایک الگ مضمون ہے لیکن ہر تلخی کو آپؐ نے حوصلے اور صبر کے ساتھ برداشت فرمایا۔ پس یہ وہ سوسائٹی کا Soil ہے یعنی یہ وہ سرزمین ہے جو نیک باتوں کی نشوونما کے لئے تیار کی جاتی ہے اگر نیک باتیں، نیک نصیحتیں سننے والے اچھا ردعمل دکھائیں گے تو یہ ایک زرخیز زمین بن جائے گی جہاں ہر بیج جو گرتا ہے وہ اُگے گا اور نشوونما پائے گا اور اگر اس زمین میں صلاحیتیں ہوں تو بُرے بیج کو قبول کرنے کی بجائے اسے رد کر دے گی اور محض نیکی کا بیج ہے جو قبول کرے گی اور وہ اس کی نشوونما کا موجب بنے گی۔ پس میں اس وقت جماعت کی عمومی سرزمین کی فکر میں ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ جماعت کی زمین ایک ایسے زرخیز Soil یعنی وہ زمین یا کھیت جن میں چیزیں اُگتی ہیں ایسے زرخیز کھیتوں میں تبدیل ہو جائے کہ جس کے نتیجے میں امر بالمعروف ایک عام رواج پا جائے اور نہی عن المنکر کہنے والا یہ خوف نہ کرے کہ اس کے ساتھ جواباً سختی کا سلوک کیا جائے گا۔ بعض لوگ تو ایسی سختی کا سلوک کرتے ہیں کہ قطع نظر اس کے کہ نیک نصیحت کرنے والا واقعۃً عمل پیرا ہے یا نہیں ان کو نصیحت کی بات پتھر کی

طرح معلوم ہوتی ہے اور جب تک وہ جوابی پتھر نہ مار لیں اس وقت تک ان کو چین نہیں آتا حالانکہ نصیحت کرنے والا عاجز، منکسر المزاج، صاف بات کرنے والا ہوتا ہے، لیکن اس کے نتیجے میں خاندانی جھگڑے چل پڑتے ہیں۔

ایک آدمی نے کسی سے کہا یا کسی عورت نے کسی دوسری عورت سے کہا کہ بی بی تمہارا بچہ یہ حرکت کر رہا تھا اسے سمجھاؤ اسے بُری باتوں سے باز رکھو تو نتیجہ یہ نکلا اور جو میں باتیں کہہ رہا ہوں یہ فرضی باتیں نہیں عملاً مجھ تک پہنچنے والے قصے ہیں مجھ تک پہنچنے والے واقعات ہیں۔ نتیجہ نکلا کہ اس نے جواباً اس کو بڑی سخت گالیاں دیں۔ اس نے کہا تمہارے اپنے بچوں میں ہزار عیب ہیں اور یہ ہیں اور وہ ہیں اور جو عیب نہیں تھے وہ بھی گنوائے خبردار رہو جو تو نے میرے بچوں کی طرف اس آنکھ سے دیکھا! تو ہوتی کون ہے کہ میرے بچوں میں کیڑے ڈالے؟ یہ اس قدر جہالت ہے کہ اس خوفناک جہالت میں کڑوے اور تھوہر کے پھل تو نشوونما پا سکتے ہیں لیکن کوئی اچھا شریف پودا ایسے Soil پہ نشوونما نہیں پا سکتا۔ ہر Soil کا ایک مزاج ہوتا ہے ہر زمین کا ایک مزاج ہوتا ہے اور جس زمین کو Cultivate کر کے تیار کیا جاتا ہے اس زمین میں اچھے پودے نشوونما پاتے ہیں۔ پس جس طرح باغوں کی دیکھ بھال کے لئے ضروری ہے کہ زمین کو خوب تیار کیا جائے کہ اچھے درختوں اور پھل دار درختوں کی نشوونما میں وہ زمین خوب مددگار ثابت ہو۔ ایسی ہی زمینیں ہیں جو اچھے پھل لاتی ہیں جہاں خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ بہترین فصلیں اُگتی اور بنی نوع انسان کے لئے بھلائی کا موجب بنتی ہیں۔ پس جماعت احمدیہ کی مثال بھی ایسی ہی ہے اور قرآن نے یہی مثال ہے جو جماعت احمدیہ کی دی ہے۔

كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ (الفتح: 30) آپ کی مثال ہی خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایک کھیتی کی سی دی ہے۔ پس کھیتی کی مثالیں دے کر آپ کو سمجھانا کچھ تعجب کی بات نہیں ہے۔ پس مہربانی فرما کر اپنے اندر نصیحت کو پنپنے کے لئے ماحول تیار کریں۔ ہر اچھی بات کے نتیجے میں جھک کر بات کریں، شکریہ ادا کریں اور یہ نہ دیکھیں کہ وہ شخص کون ہے اور کیسے بات کر رہا ہے اور ہر نصیحت کرنے والے کا فرض ہے کہ نصیحت کے وقت طعن و تشنیع سے کلیۃً پاک ہو اور ایسی بات کرے جس میں اس کی ذات کے تکبر کا، انا کا شائبہ تک بھی نہ رہے، جھک کر بات کرے، پیار سے

بات کرے، ادب سے گفتگو کرے اور کوشش کرے کہ قرآن کریم نے جن خوش نصیبوں کا ذکر فرمایا ہے کہ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ وہ بھی انہیں میں داخل ہو جائے اور خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ اس کے حق میں پورا ہو کہ وہ کامیاب ہونے والا ہے۔ پس جماعت کو کامیابی کے لئے ان تمام نصائح پر عمل کرنا ضروری ہے جو قرآن کریم نے کامیابی کے لئے شرط قرار دی ہیں۔

آج کل خصوصیت سے اس لئے اس کی ضرورت ہے کہ جماعت جرمنی اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہتر تیزی سے نشو ونما پا رہی ہے اور بڑی کثرت سے غیر قومیں جماعت میں داخل ہو رہی ہیں ان کو نصیحت کرنا ہے، ان کو نیک کاموں کی طرف بلانا ہے، ان کو پیار اور محبت کے ساتھ اسلامی آداب سکھانے ہیں۔ پس نصیحت کے انداز اگر آپ آنحضرت ﷺ سے نہیں سیکھیں گے تو پھر آپ نصیحت کا حق ادا کرنے کے اہل نہیں ہیں اور جیسا کہ میں نے ہتھیاروں کی مثال دی تھی جب تک اپنے گھر میں اپنے ماحول میں ان ہتھیاروں کو استعمال نہ کرنا سیکھیں گے اس وقت تک عادتاً آپ میں نصیحت کرنے کا ملکہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ آنحضور ﷺ اپنے قرب و جوار میں ہی نہیں، اپنے گھر میں نصیحت کا آغاز فرمایا کرتے تھے، اپنے بچوں سے نصیحت کا آغاز فرماتے تھے، اپنے اقرباء سے نصیحت کا آغاز فرماتے تھے اور اس طرح آپؐ کی فطرت ثانیہ نصیحت کرنا تھا اور وہ نصیحت جو للہ ہوتی تھی وہ گہرا اثر کرتی تھی۔ پس آپ نے بھی آنحضرت ﷺ کے اسلوب اپنا کر دنیا میں پاک تبدیلیاں پیدا کرنی ہیں اس لئے نصیحت کو ضرور اپنائیں۔

جماعت جرمنی میں خصوصیت سے اس لئے بھی ضرورت ہے کہ بہت سے ایسے احباب اور خواتین اور بچے مختلف ملکوں سے یہاں آئے ہیں جن کا وہاں اخلاقی معیار بہت بلند نہیں تھا، جن کا روزمرہ گفتگو کا طریقہ بھی کرخت تھا اور ان کی گفتگو میں ملائمت نہیں پائی جاتی تھی۔ یہ ان کے معاشرے کا حصہ تھا یہاں آنے کے بعد یہی عادتیں اگر ان کے اندر جاری رہیں تو وہ نقصان پہنچانے والی ہیں۔ ان کے لئے بھی نقصان کا موجب ہیں اور جماعت کے لئے بھی نقصان کا موجب ہیں۔ آنے والے آپ کی طرف توقعات کی نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں ایسی توقعات جو بہت بلند ہیں۔ پس آپ اپنے اندر، اپنے ماحول میں، اپنے گھر میں نصیحت کو رواج دیں اس کثرت کے ساتھ نیک باتوں کی طرف بلائیں اس کثرت کے ساتھ بُری باتوں سے روکیں کہ آپ کا اپنا معاشرہ پہلے سے بڑھ کر با اخلاق اور باادب

ہونا شروع ہو جائے۔ با ادب جو میں نے کہا ہے اس لفظ ادب میں محض اردو کا مضمون داخل نہیں بلکہ عربی کا مضمون میرے ذہن میں ہے۔آنحضرت ﷺ کی وہ احادیث جن میں اعلیٰ اخلاق سکھائے گئے ہیں اور محض اخلاق سے تعلق رکھنے والی احادیث ہیں ایسی کتابوں میں جن میں وہ احادیث ہوں کتاب الآداب کہا جاتا ہے اور ادب سے مراد روزمرہ زندگی کا طریقہ ہے۔خوش اسلوبی کے ساتھ زندگی گزارنا اور خوش اسلوبی کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ معاملہ کرنا یہ سارا لفظ ادب کے اندر داخل ہے۔

پس جماعت جرمنی میں ادب کے معیار کو بلند کرنے کی بہت ضرورت ہے۔ چند دن پہلے جب میں ابھی انگلستان ہی میں تھا کسی صاحب نے مجھے جماعت جرمنی کی اسی کمزوری کا طعنہ دیا اور کہا کہ آپ تو باتیں کرتے ہیں بڑی اچھی جماعت ہے، بڑی مخلص جماعت ہے، فدائی ہے، خدمت دین میں ہر معاملے میں آگے قدم بڑھانے والی ہے مگر میرے علم کے مطابق تو ان میں بہت سی اخلاق سے گری ہوئی باتیں ہیں ان کے گھروں میں بھی کوئی ادب کا سلیقہ نہیں ہے اور اپنے ماحول کے لئے کوئی اچھا نمونہ پیش نہیں کرتیں۔ میں نے صبر کے ساتھ اس طعن کو برداشت کیا اور دعائیں کیں کہ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے کہ میں جماعت جرمنی کو یہ باتیں سمجھاؤں کہ ان کی روزمرہ کی کمزوریاں بعض لوگوں کے لئے طعن و تشنیع کا سامان مہیا کرتی ہیں اور اگر یہ بات درست ہے جیسا کہ بیان کی گئی تو پھر میں نے ضروری سمجھا کہ جماعت کو توجہ دلاؤں کہ میری نظر میں آپ کا جو بھی مرتبہ اور مقام ہوگا میں امید رکھتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ خدا کی نظر میں بھی آپ کا وہی مرتبہ اور مقام ہو مگر جو باتیں، جو کمزوریاں میری نظر سے پوشیدہ ہیں اور آپ کو بُری نظر سے دیکھنے والے کی نظر میں نمایاں ہیں ہم دعا کریں کہ اللہ کرے کہ وہ باتیں آپ کے اندر سے غائب ہو جائیں جیسے کبھی ان کا کوئی وجود ہی آپ میں نہیں تھا اور آپ کا ظاہر و باطن پاک اور صاف ہو جائے۔ آپ میں جو خوبیاں ہیں وہ بدیوں کو کھا جائیں یہ بات جو میں نے کہی ہے کہ آپ کی خوبیاں بدیوں کو کھا جائیں یہ اپنی طرف سے نہیں کہی قرآن نے یہی اعلان فرمایا ہے۔ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ (ھود:115) کہ یاد رکھو سچی نیکیاں، حقیقی نیکیاں بری باتوں کو کھا جاتی ہیں۔ پس اگر میری توقعات آپ سے درست ہیں اور میں یقین رکھتا ہوں کہ درست ہیں تو میں یہ بھی امید رکھتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے توقع رکھتا ہوں کہ قرآن کی اس خوش خبری کے مطابق رفتہ رفتہ آپ کی بدیوں کو آپ کی نیکیاں کھا جائیں گی اور آپ کے اندر سے

بدیوں کی بیخ کنی کا ایک نظام جاگ اٹھے گا اور وہ نظام اندر ہی سے جاگا کرتا ہے۔ باہر کی نصیحت ایسا اثر نہیں دکھاتی جیسا کہ اندر سے جب بدیاں دور کرنے کا نظام جاگتا ہے تو اثر دکھاتا ہے۔ آپ کی ذات میں ایک شعور بیدار ہونے کی ضرورت ہے۔ آپ کی ذات میں اس احساس کے جاگ اٹھنے کی ضرورت ہے کہ ہم نے اپنی کمزوریوں کو کم کرنا ہے اور اپنی خوبیوں کو بڑھانا ہے۔ اگر یہ سلسلہ آپ شروع کر دیں تو آپ پہلی نصیحت اپنی ذات کو کریں گے اور یہیں سے اس ہتھیار کو چلانے کا سلیقہ سیکھیں گے۔ اپنی ذات میں ڈوب کر، اپنے اندرونے میں خوب پھر کر جائزہ لیں کہ آپ میں کیا کمزوریاں پائی جاتی ہیں اور کسی نہ کسی کمزوری کو دور کرنے کا فیصلہ کریں اور بار بار اپنے آپ کو یاد کرائیں کہ یہ کمزوری اب پھر سر اٹھا رہی ہے، اور پھر سر اٹھا رہی ہے، اور پھر سر اٹھا رہی ہے اور ہر دفعہ اس اٹھتے ہوئے سر کو دبانے کی کوشش کریں۔ دعاؤں کے ساتھ، انکسار اور محنت اور کوشش اور صبر کے ساتھ، تو میں یقین رکھتا ہوں اللہ تعالیٰ آپ کے اندر بہت ہی پاک تبدیلیاں پیدا فرما دے گا۔

ایسا نصیحت کرنے والا جو اپنی ذات کو نصیحت کرتا ہے۔ ایسا نصیحت کرنے والا جو اپنی ذات کو نصیحت کرتے ہوئے نصیحت کے آداب سیکھتا ہے وہ دوسروں کو نصیحت کرنے کا بہترین اہل بن جاتا ہے اور یہ وہ مضمون ہے جس کی طرف میں خصوصیت سے آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ آپ جب اپنی ذات کو نصیحت کرتے ہیں تو کبھی آپ کی نصیحت آپ کی ذات کو بری نہیں لگتی کیا وجہ ہے؟ اس لئے کہ ایسی اپنائیت ہے کہ گویا ایک ہی وجود ہے جو نصیحت کرنے والا ہے اور ایک ہی وجود ہے جس کو نصیحت کی جارہی ہے۔ ان کے درمیان دوئی کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ پس جب اس بات کو آپ سمجھیں کہ آپ جب اپنے آپ کو نصیحت کرتے ہیں تو کیوں وہ نصیحت آپ کو بری نہیں لگتی آپ کو اس غور کے نتیجہ میں دوسروں کو نصیحت کرنا آ جائے گا۔ آپ جب اپنی کسی برائی کو دیکھتے ہیں تو اپنی ذات میں اپنے وجود کو بار بار جھنجھوڑتے ہیں اور سمجھاتے ہیں مگر گالیاں دے کر نہیں بلکہ بے قراری کے ساتھ، بے چینی کے ساتھ، شرمندگی محسوس کرتے ہوئے اور اپنائیت کے ساتھ یہاں تک کہ آپ کا نفس خود آپ کے خلاف کبھی بغاوت نہیں کرتا اور پھر دعا کرتے بھی ہیں اور دعا کرواتے بھی ہیں اور مسلسل اس بات کی کوشش کرتے چلے جاتے ہیں کہ وہ بدی دور ہو۔ جب تک دور نہ ہو آپ نصیحت سے باز نہیں آتے۔ یہی وہ کامیاب طریق ہے یہی وہ صحیح طریق ہے جس سے آپ دوسروں کی بدیاں دور کر سکتے ہیں۔

جب دوسروں کو نصیحت کریں تو اپنے تجربوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی ذات میں ڈوب کر جو سبق آپ نے سیکھے ہیں ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایسی نصیحت کریں کہ دوسرا یہ سمجھے کہ آپ اس سے بالا کوئی الگ ذات نہیں ہیں بلکہ اس کے وجود کا ایک حصہ ہیں اور گہری ہمدردی اور اپنائیت کے ساتھ آپ اسے نصیحت کر رہے ہیں اور پھر اگر وہ نہ مانے تو چھوڑنا نہیں مگر غصے کا اظہار نہیں کرنا۔ جس طرح آپ کا نفس جب آپ کی بات نہیں مانتا تو آپ اسے چھوڑتے نہیں مگر غصے کا اظہار بھی نہیں کرتے، مسلسل محنت کرتے چلے جاتے ہیں۔ فَذَكِّرْ إِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى (الاعلیٰ:10) میں یہی مضمون ہے جو میں بار بار آپ کے سامنے کھول چکا ہوں کہ نصیحت کریں اور کرتے چلے جائیں، نصیحت سے چمٹ جائیں۔ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (العصر:5) ایسے لوگ بن جائیں جن کے متعلق قرآن فرماتا ہے کہ وہ صبر کے ساتھ اچھی باتیں کہتے چلے جاتے ہیں تو جیسے اپنی ذات میں آپ صبر کرتے ہیں ویسے ہی دوسروں کی ذات میں بھی صبر سے کام لیں اور پیار اور محبت کے ساتھ مسلسل سمجھاتے چلے جائیں اور ان وقتوں کا انتظار کریں جب انسان کا وقت، انسان کی روح، انسان کا دل نصیحت کو قبول کرنے کے لئے خاص طور پر آمادہ ہوتا ہے اور ہر حال میں انسان جس کو نصیحت کی جاتی ہے جب غم زدہ ہو تو وہ نصیحت کام آجاتی ہے، اگر خوف زدہ ہو تو وہ نصیحت کام آجاتی ہے۔ انسان کی کیفیتیں بدلتی رہتی ہیں اور ان بدلتی کیفیتوں میں نصیحت کا اثر پذیر ہونا بھی ساتھ ساتھ بدلتا رہتا ہے۔

اگر اپنی ذات پر آپ غور کریں تو آپ کو بھی معلوم ہوگا کہ بعض دفعہ بعض بدیاں آپ اپنی جان سے چھڑا نہیں سکے مگر کسی صدمے کی حالت میں، کسی خوف کی حالت میں آپ نے خصوصیت کے ساتھ اس بدی کو دور کرنے کی کوشش کی ہے اور آپ کو کامیابی نصیب ہو جاتی ہے۔ بعض دفعہ ایک انسان ایک مشکل میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اس خوف کی حالت میں اللہ تعالیٰ سے بھی عہد کرتا ہے کہ اے خدا مجھے اس مشکل سے بچالے تو میں اس بدی کو ہمیشہ کے لئے ترک کر دوں گا یا اس بدخیال سے باز آجاؤں گا اگر تو مجھے اس سے بچالے گا۔ ایسے بھی بہت سے واقعات ہیں جو احادیث میں ہمیں ملتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے نصیحت آموز باتیں جو بیان فرمائیں ان میں اس قسم کی بھی کئی باتیں ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ بعض خاص وقت ہوتے ہیں جن میں بعض نصیحتیں زیادہ گہرا اثر کرتی ہیں۔ پس وقتوں کے لحاظ سے، مناسبتوں کے لحاظ سے نصیحت کرنا یہ بھی ایک فن ہے اور اس کے مطابق کسی

انسان کی ذہنی اور قلبی کیفیت کے مطابق نصیحت کرنا یہ بھی ایک اہم فن ہے۔ جو نصیحت کے کارآمد ہونے میں ایک بہت اہم کردار ادا کرتا ہے۔ ایک انسان کبھی کسی موڈ میں ہوتا ہے، کبھی کسی موڈ میں ہوتا ہے۔ اس کے مزاج بدلتے رہتے ہیں اس کی حالتیں بدلتی رہتی ہیں اگر غلط حالت کے وقت آپ کوئی بات کریں تو وہ اثر انداز نہیں ہوگی اس لئے موقع اور محل اور موسم کے مطابق بات کرنا بھی صحیح نصیحت کا ایک لازمی جز ہے جس کے بغیر نصیحت صحیح معنوں میں فائدہ نہیں دیتی یا پھل نہیں لاسکتی۔ دیکھیں اگر آپ گندم کے بونے کے موسم میں خریف کی فصلیں بونے کی کوشش کریں تو اس کا کچھ بھی فائدہ نہیں ہوگا۔ جو ربیع کی فصلوں کا وقت ہے اس میں ربیع کی فصلیں ہی کام آتی ہیں جو خریف کی فصل کی کاشت کا وقت ہے اس میں خریف کی فصلیں ہی کاشت کی جاتی ہیں حالانکہ زمین وہی ہے اور بظاہر موسم بھی ویسا ہی معلوم ہوتا ہے اب دیکھیں سردیوں سے جب آپ گرمیوں میں داخل ہوتے ہیں تو بظاہر موسم تو ویسا ہی ہے جیسا جب گرمیوں سے سردیوں میں داخل ہوتے ہیں۔ فضا ویسی ہی درمیانہ درجے کی خنک یا گرم ویسے ہی اس کے اندر خاص قسم کی اثر انداز باتیں پائی جاتی ہیں۔ وہ کیا ہیں؟ ہم ان کی تفصیل نہیں بیان کر سکتے۔ مگر گرمی سے سردی میں داخل ہو رہے ہوں یا سردی سے گرمی میں داخل ہو رہے ہوں فضا کی لہریں تقریباً ویسے ہی دل پر اثر انداز ہو رہی ہوتی ہیں اور ٹمپریچر اگر دیکھا جائے تھرمامیٹر کے ذریعے تو اس میں بھی کم وبیش ویسے ہی ٹمپریچر یا درجہ حرارت نظر آئیں گے جیسے چھ مہینے پہلے کے موسم میں تھے غرضیکہ انسان اپنے معائنے کے ذریعے کوئی فرق محسوس نہیں کرتا۔ لیکن اس کے باوجود کچھ فرق ہیں اور بیج ان کو پہچانتے ہیں اور زمین ان کو پہچانتی ہے اور وہ لوگ جو تجربے سے جانتے ہیں وہ اس بحث میں نہیں پڑتے کہ یہ فرق کیا ہے ان کو یہ پتا ہے کہ ربیع کے موسم میں ربیع کی فصلیں کاشت کرنی ہیں۔ ان کو پتا ہے کہ خریف کے موسم میں خریف کی فصلیں کاشت کرنی ہیں۔ پس اسی طرح انسانی طبیعتوں کا حال ہے۔

بعض خاص اوقات قوموں پر آتے ہیں جب خاص قسم کی نصیحتیں ان پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ بعض خاص حالات افراد پر آتے ہیں جب خاص قسم کی نصیحتیں ان پر اثر انداز ہوتی ہیں اور یہ گہرے مطالعہ کا مضمون ہے لیکن اس کے ساتھ ہی انسانی فطرت میں خدا تعالیٰ نے یہ ملکہ بھی ودیعت کر دیا ہے کہ فلسفیاتی لحاظ سے آپ اس مضمون کی باریکی کو سمجھیں یا نہ سمجھیں مگر یہ جان لیتے ہیں کہ کوئی کس موڈ

میں ہے؟ اس سے کیسے بات کرنی چاہئے؟ ایک چہرے پر غم کے آثار ہیں تو کسی بہت بڑے فلاسفر کی ضرورت تو نہیں کہ ان غم کے آثار کا باریکی سے مطالعہ کرے اور پھر یہ فیصلہ کرے کہ لطیفے کی بات مناسب ہے کہ نہیں۔ غم کی کئی قسمیں ہیں، کئی وجوہات ہوسکتی ہیں، کئی دفعہ فکر سے بھی ویسے اثرات ظاہر ہو جاتے ہیں جیسے غم سے ہوتے ہیں لیکن چہرے کا مزاج بتا دیتا ہے کہ اس وقت کیسی بات کرنی ہے اور کیسی نہیں کرنی۔ پس نصیحت میں یہ ساری باتیں دیکھی جاتی ہیں کئی دفعہ کسی کی موجودگی یا عدم موجودگی کا بھی نصیحت پر بہت اثر پڑتا ہے۔ بھری مجلس میں آپ ایک بات کہیں تو اس کا اور ردعمل ہوتا ہے الگ بات کریں تو اور ردعمل ہوتا ہے۔ جرمنی ہی سے مجھے کسی نے ایک ٹرکش میٹنگ کے متعلق لکھا تھا کہ ہم نے بہت سے ٹرکش احباب بلائے اور جیسا کہ آپ نے کہا تھا ٹرکش علماء کو بھی بلاؤ اور جب ہم نے تبلیغی گفتگو شروع کی تو ٹرکش عالم صاحب چونکہ ان کو جواب نہیں آتا تھا اپنے سارے ساتھیوں کو لے کر وہاں سے رخصت ہو گئے۔ اب یہ ایک مثال ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ نصیحت کا مضمون کتنے گہرے باریک مطالعہ کو چاہتا ہے۔ میں نے ان کو یہ نہیں کہا تھا کہ آپ ٹرکش علماء کو ان کے مریدوں کی موجودگی میں بلا کر ان سے بحثیں کریں۔ میں یہ بات سوچ بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ ان لوگوں میں ایک انانیت پائی جاتی ہے۔ تقویٰ کا وہ اعلیٰ معیار نہیں ہے اگر یہ دیکھیں گے کہ ہمارے مریدوں کے سامنے ہماری سبکی ہو رہی ہے تو سب کو ساتھ لے کر اٹھ کھڑے ہوں گے اور چاہے قرآن کی دلیل سے ہار کھا رہے ہوں، ان کا نفس اپنے آپ کو ذلیل ہوتا ہوا محسوس کرتا ہے۔ پس حکمت کے تقاضے بہر حال پورے کرنے ہیں اور نصیحت کرتے وقت حکمت کے تقاضوں کو پیش نظر رکھنا سب سے زیادہ ضروری ہے کیونکہ نصیحت میں اپنی ذات میں ایک ایسی بات پائی جاتی ہے کہ سننے والا طبعاً اس کے خلاف ردعمل دکھائے گا۔ پس ایسی طرز سے نصیحت کرنا کہ اس کے ردعمل کا کوئی امکان باقی نہ رہے اور طبعی منافرت کے باوجود وہ شخص نصیحت کو قبول کرے یہ وہ فن ہے جو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی پیروی ہی سے حاصل ہوسکتا ہے اس کے بغیر نصیب نہیں ہو سکتا۔ غیر معمولی اثر کرنے والی نصیحت ہوتی تھی آنحضورؐ کی اور بظاہر اس نصیحت کو کسی فصیح و بلیغ کلام سے سجایا نہیں گیا مگر عام سادہ جملے بھی دلوں میں ڈوب جاتے تھے اور حیرت انگیز پاک تبدیلیاں پیدا کرتے تھے۔ کوئی دیکھنے والا یہ سوچ سکتا ہے کہ یہ کلام مرصع نہیں، یہ خاص سجایا نہیں گیا لیکن امر واقعہ

یہ ہے کہ فصاحت و بلاغت کی تعریف سے ایسا شخص ناواقف ہوتا ہے۔ فصیح و بلیغ کلام کی تعریف یہ ہے کہ موقع اور محل کے مطابق ہو۔ پس وہی نصیحت فصیح و بلیغ ہے جو بظاہر الفاظ سے مرصع نہ ہو اور ظاہری الفاظ کی سجاوٹ اس میں نہ پائی جائے مگر اس کے اندر Penetrate ہونے کی، سرایت کرنے کی صلاحیت پائی جائے۔ وہ چند سادہ الفاظ بڑے بڑے فصیح و بلیغ کلام پر بھی فوقیت لے جاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کا یہی انداز تھا چھوٹی چھوٹی باتوں میں اتنا گہرا اثر ہوتا تھا کہ وہ دل سے نکلتی تھیں اور دلوں میں ڈوب جاتی تھیں۔ یہ جو میں نے کہا ہے دل سے نکلتی تھیں اور دلوں میں ڈوب جاتی تھیں یہ اس کا سب سے اہم پہلو ہے کیونکہ وہ نصیحت جو دل سے نہ نکلے وہ دلوں میں ڈوبنے کی بھی صلاحیت نہیں رکھتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی ہر نصیحت دل سے اٹھتی تھی اور لازماً دل تک پہنچتی تھی۔

دوسری اہم بات آپؐ کی نصیحتوں میں یہ ملتی ہے کہ آپؐ کی ہر نصیحت آپؐ کے کردار سے اٹھتی تھی۔ صرف دل سے نہیں اٹھتی تھی آپؐ کے کردار سے اٹھتی تھی اور کردار پر اثر انداز ہو جایا کرتی تھی۔ زندگی بھر آپؐ نے کبھی ایک ادنیٰ سی بات بھی ایسی نہیں فرمائی جو آپؐ کے کردار کا ایک لازمی حصہ نہ ہو اور کسی ایسی بدی سے نہیں روکا جس سے آپؐ کا نفس پاک نہ ہو۔ پس نصیحت کے لئے جو سب سے زیادہ مؤثر دو محرکات ہیں وہ آپؐ کی نصیحتوں میں ملتے تھے اول یہ کہ دل سے اٹھتی تھی اور لازماً دل پر اثر انداز ہوتی تھی۔ دوسرے کردار سے اٹھتی تھی اور لازماً کردار پر قبضہ کر لیتی تھی۔ پس ان دو پہلوؤں سے اپنی نصیحتوں کو طاقت عطا کریں۔ آنحضرت ﷺ کی چند پاک نصیحتوں پر میں اس خطبے کو ختم کرتا ہوں۔ یہ وہی سلسلہ ہے جو میں نے پہلے سے شروع کر رکھا ہے۔

آنحضورؐ نے ایک موقع پر فرمایا کہ ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کے پانچ حق ہیں۔ سلام کا جواب دینا، بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کرنا، فوت ہو جائے تو اس کے جنازے میں شامل ہونا، اس کی دعوت قبول کرنا اور اگر وہ چھینک مارے اور الحمد للہ کہے تو اس کی چھینک کا جواب یرحمک اللہ کی دعا کے ساتھ دینا۔ ایک روایت میں ہے کہ جب تو اس سے ملے تو اسے سلام کہے اور جب وہ تجھ سے خیر خواہانہ مشورہ مانگے تو خیر خواہی اور بھلائی کا مشورہ دے۔ (بخاری کتاب الاستیذان: 5766)

اب آپ نے یہ جو نصیحتیں سنی ہیں اکثر آپ میں سے یہ سمجھتے ہوں گے کہ عام چھوٹی چھوٹی

سی باتیں ہیں کیا فرق پڑتا ہے ان کے کرنے سے اور ان سے کیا نمایاں تبدیلی سوسائٹی میں ہوسکتی ہے، مگر ایک ایک کر کے اس پر غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ ایسی نصیحتیں ہیں سوسائٹی کی کایا پلٹ سکتی ہیں۔ سب سے پہلے فرمایا کہ سلام کا جواب دینا۔ اب آپ کو کوئی السلام علیکم کہتا ہے تو وعلیکم السلام کہہ ہی دیتے ہیں مگر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم فرماتے ہیں کہ سلام کا جواب دینا تو آپؐ جس رنگ میں سلام کا جواب دیا کرتے تھے وہ مجسم دعا ہوا کرتی تھی محض منہ سے وعلیکم السلام نہیں کرتے تھے۔ پس حضور اکرمؐ سے جو باتیں سنتے ہیں یہ یاد رکھیں کہ آنحضورؐ ان باتوں کو خود کس رنگ میں بجالاتے تھے اور کس رنگ میں وہ بات خود کیا کرتے تھے۔ ایک ایسا شخص جس کو سلام کہا جائے وہ بعض دفعہ خود بخود بغیر سوچے سمجھے وعلیکم السلام کہہ دیتا ہے اور پورا لفظ بھی ٹھیک نہیں بولتا وعلیک سلام اور بعض دفعہ سر ہلا دیتا ہے کہ ہاں ٹھیک ہے مجھے سلام پہنچ گیا ہے۔ گویا وہ بڑا مرتبہ رکھتا ہے اور سلام کہنے والا چھوٹا مرتبہ رکھتا ہے مگر آنحضورﷺ ہمیشہ سلام کو دعا کے طور پر لیتے تھے اور دعا کے رنگ میں اس کا جواب دیتے تھے۔ پس ہر دفعہ جب آپ وعلیکم السلام کہتے ہیں یا السلام علیکم کہتے ہیں تو آپ کے دل سے اگر یہ تمنا واقعۃً اٹھتی ہے کہ اس شخص کو سلامتی نصیب ہو اس شخص پر اللہ کی سلامتی کا سایہ رہے تو ایسا شخص آپ کے شر سے بھی خود بخود محفوظ ہو جاتا ہے کیونکہ سچے دل سے دعا کرنے والا اس کے برعکس نہیں چاہ سکتا۔ پس اگر غور کر کے آپ سلام کو رواج دیں اور سلام کا جواب سلام میں دل کی گہرائی سے دیں تو یہ قطعی بات ہے کہ سچے دل سے وعلیکم السلام کہنے والا کبھی اس شخص کے حق میں شر کی بات نہیں سوچ سکتا جس کو وہ سلام کی دعا دیتا ہے ورنہ وہ اول درجے کا منافق ہوگا، ورنہ اس کا جواب حقیقت میں جواب نہیں بلکہ ایک منافقت کا اظہار بن جاتا ہے تو آپؐ نے فرمایا حق ہے مسلمان کا تم اس کے سلام کا جواب دو یعنی اس کو دعا دو اور اسے سلامتی کا یقین دلاؤ اور اس کے لئے سلامتی کی دعا مانگو۔

پھر فرمایا کہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کرو ہمارے ہاں عیادت کا رواج ہے مگر مسلمان کے حق کے طور پر نہیں بلکہ بڑے آدمی کی عیادت کی جاتی ہے، دوست کی عیادت کی جاتی ہے اور کسی کا سوسائٹی میں کوئی مرتبہ ہو یا کوئی اپنا قریبی ہو تو اس کی عیادت کی جاتی ہے۔ آنحضرتﷺ یہ نہیں فرما رہے کہ اپنے دوستوں کی عیادت کرو اپنے سے بڑے لوگوں کی عیادت کرو۔ آپؐ فرماتے ہیں مسلمان کا حق ہے کہ اس کی عیادت کی جائے۔ پس اگر کوئی ایسا غریب انسان ہے، بے سہارا ہے،

لاچار ہے، اس کی عیادت نہیں ہورہی اور صاحب اثر لوگوں کی عیادت ہوتی ہے تو آنحضرت ﷺ کی نصیحت پر عمل نہیں ہوا۔ پس عیادت کے مضمون سے پتا چلتا ہے کہ مسلمان کا بحیثیت سوسائٹی یہ فرض ہے کہ اپنے میں سے کسی کو بغیر عیادت کے نہ رہنے دے اور بے سہارا نہ رہنے دے اگر اس بات کو آپ رواج دیں گے تو کتنے ہی ایسے ہیں جن کی بیماری کی تلخیاں دور ہونی شروع ہو جائیں گی، ان کو سکون نصیب ہو جائے گا جبکہ اس وقت اس میں کمی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ آئے دن مجھے کبھی ہندوستان سے کبھی، بنگلہ دیش سے، کبھی پاکستان سے، کبھی افریقہ سے ایسے خطوط ملتے ہیں کہ میں ایک کمزور، ناچار، بیمار ہوں۔ کوئی مجھے نہیں پوچھتا اور بعض لوگ لکھتے ہیں خدا کے سوا میرا کوئی نہیں رہا۔ میں ان کو کہتا ہوں کہ اگر واقعۃً آپ نے یہ بات سچی کہی ہے کہ خدا کے سوا آپ کا کوئی نہیں تو مبارک ہو کہ آپ کا سب کچھ ہے لیکن اگر آپ کی مراد یہ ہے کہ خدا کا کیا فرق پڑتا ہے دنیا نے مجھے چھوڑ دیا ہے اور خدا میرے ساتھ کا مطلب ہے کہ کوئی بھی میرے ساتھ نہیں رہا تو آپ نے خود اپنا ہمیشہ کے لئے نقصان کر دیا ہے۔ لیکن بات سمجھانے کے بعد میں جماعت کو توجہ دلاتا ہوں اگر میرے علم میں کوئی ایسے ذی اثر صاحب ثروت ہوں جو اس کے قریب رہتے ہوں ان کو توجہ دلاتا ہوں اور بعض دفعہ ایک شہر سے دوسرے شہر میں خصوصیت سے ایسے شخص کی عیادت کے لئے احمدیوں کو بھجواتا ہوں یا نظام جماعت کو کہتا ہوں کہ وہ کسی کو بھجیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ ہمیشہ اس کا بہت ہی نیک نتیجہ نکلتا ہے۔ ایک ایسا شخص جو اپنے آپ کو بے سہارا سمجھ رہا ہوتا ہے جو سمجھتا ہے کہ کوئی میری عیادت کی فکر اس لئے نہیں کر رہا کہ میں بے حقیقت چیز ہوں۔ اچانک اس کے اندر ایک نیا اعتماد اٹھ کھڑا ہوتا ہے اس کے اندر ایک حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے وہ جانتا ہے کہ جماعت احمدیہ کا ہر فرد سہارے والا ہے اور جو اس جماعت کا فرد ہے اس کو ایک ضمانت ہے کہ وہ اکیلا نہیں چھوڑا جائے گا۔

پس آنحضرت ﷺ نے جو نصیحت مسلمان کو بحیثیت مسلمان کی ہے اس کی حقیقت کو سمجھیں اور اپنی سوسائٹی میں جہاں بھی آپ ہیں یہ رواج قائم کر دیں کہ کوئی غریب سے غریب انسان بھی بیماری کے وقت بے سہارا نہیں چھوڑا جائے گا۔ جب آپ اس کی عیادت کو جائیں گے تو اس کے ساتھ بہت سے اور فائدے بھی مضمر ہیں عیادت کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ پوچھ آئے کیوں جی کیا حال ہے اس نے کہا بہت برا حال ہے اور آپ گھر کو واپس آ گئے۔ یہ میں ایسی بات کہہ رہا ہوں جو میں نے

تجربے سے سیکھی ہے جب ایک کمزور اور غریب کی عیادت کو آپ جاتے ہیں تو اور بھی بہت ساری باتیں آپ کے سامنے آ جاتی ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی نصیحتیں حکمتوں کا خزانہ تھیں اور ہیں اور رہیں گی۔

کئی دفعہ یہ واقعہ ہوا کہ مجھے بحیثیت ہومیو پیتھ کے کسی نے بلا بھیجا کہ فلاں بیمار ہے گھر میں کوئی ڈاکٹر اور میسر نہیں آ رہا یا ہم میں طاقت نہیں ہے کہ ہم علاج کرواسکیں اور مریض آپ کے پاس نہیں آ سکتا اس لئے آپ خود آ کر اسے دیکھیں اور اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی، میں نے جا کر دیکھا تو اس وقت مجھے سمجھ آئی کہ عیادت کیا ہوتی ہے۔ صرف بیماری کا مسئلہ نہیں تھا خوراک کا بھی مسئلہ تھا۔ صرف بیماری کا مسئلہ نہیں تھا اس کے عمومی گھر کے حالات اور رہن سہن کا بھی مسئلہ تھا جو مکھیوں اور مچھروں میں گھرا ہوا مریض جس کے گھر میں بچے بھوک سے بلبلاتے اور شور کرتے ہوں اس کی عیادت کا یہ مطلب کہاں سے ہو گیا کہ آپ کا کیا حال ہے۔ اس کی عیادت کا تو یہ مطلب ہے کہ جب آپ اس کی عیادت کو جائیں تو آپ کے دل سے ایک ہمدرد، ایک سچا عیادت کرنے والا مسلمان بیدار ہو کر اٹھ کھڑا ہو اور آپ اس کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھیں اس کی دوسری چیزیں بھی ساتھ پوری کریں جن کی ان کو ضرورت ہے۔ یہ مفہوم ہے آنحضور ﷺ کا کہ اپنے بھائیوں کو بغیر عیادت کے نہ چھوڑنا کیونکہ ایک مریض جب لاچار اور بے سہارا سوسائٹی میں اس طرح چھوڑ دیا جاتا ہے کہ گویا وہ اپنی موت کے انتظار کے لئے بنایا گیا تھا جب ایک سچا مسلمان اس کی عیادت کو جاتا ہے تو اس کی اور بھی بہت سی ضرورتیں پوری کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہؓ میں یہ بہت خوبی پائی جاتی تھی۔ میں کثرت سے ایسے صحابہؓ کو جانتا ہوں کہ جب وہ عیادت کو جایا کرتے تھے تو دوسری ضرورتیں بھی ساتھ پوری کیا کرتے تھے اور واپس آ کر بعض دفعہ نظام کو بھی متوجہ کرتے تھے کہ فلاں ایک مریض ایسا ہے جس کو اس اس چیز کی ضرورت ہے۔ پس عیادت کا جو مضمون آنحضرت ﷺ نے بیان فرمایا ہے اس میں سوسائٹی پر سوسائٹی کے ہر ممبر کا ایک حق ہے جس کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

پھر فرمایا فوت ہو جائے تو اس کے جنازے میں شامل ہو۔ اب جنازہ تو پڑھا ہی جاتا ہے اور اکثر دیکھا گیا ہے کہ کوئی نہ کوئی دو دو چار چار آدمی تو مل ہی جاتے ہیں لیکن یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ کوئی بڑا آدمی فوت ہو تو ہجوم در ہجوم لوگ اکٹھے ہو جاتے ہیں اور کوئی غیر معروف شخص کوئی غریب

انسان فوت ہو تو بعض دفعہ مسجدوں میں اعلان کرنے پڑتے ہیں اور یہ بھی ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس پر میں خود گواہ ہوں۔ مجھے یاد ہے ربوہ میں بعض دفعہ سخت گرمی میں ظہر کے وقت ایک جنازہ آتا تھا اور لوگ سلام پھیر کر چونکہ وہ شخص معروف نہیں ہوتا تھا اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے تھے اور اعلان کرنے والا بے چارہ اعلان کرتا رہ جاتا تھا کہ جنازے کے لئے آدمی نہیں مل رہے آپ آئیں اس شخص کا جنازہ پڑھیں اور جنازہ پڑھتے بھی تھے تو رخصت ہو جاتے تھے۔ پڑھ کر ساتھ دفنانے کے لئے نہیں جاتے تھے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کتنے شفیق اور مہربان تھے کہ مسلمانوں کی سوسائٹی کی تفصیلی ضروریات پر نظر تھی زندوں کی ضروریات پر بھی نظر تھی بیماروں کی ضروریات پر بھی نظر تھی اور ان کی ضروریات پر بھی جو شیطان بن جایا کرتے تھے اور زندوں سے مردوں میں چلے جایا کرتے تھے۔ پس مرنے کے بعد کے حقوق بھی آپؐ نے کھول کھول کر ہمارے سامنے رکھے اور میں جانتا ہوں اس زمانے میں جس کی میں بات کر رہا ہوں بہت سے ایسے مخلصین تھے نوجوان بھی اور بوڑھے بھی کہ ایسے جنازوں کے ساتھ ضرور جاتے تھے اور وہی ہیں درحقیقت جو آنحضرت ﷺ کی اس نصیحت کو سمجھتے اور اس کا حق ادا کرنے والے تھے اور وہی چند لوگ ہیں جو ساری امت کے لئے کفایہ ہو جایا کرتے تھے۔ پس آپ اس بات کو بھی خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لیں اور دل میں جاگزیں کر لیں کہ جب غریب مرتا ہے تو اس کا بھی یہی تقاضا ہے، جب بے سہارا مرتا ہے تو اس کے بھی کچھ حقوق ہیں آپ پر۔ ان حقوق کو ادا کرنا امت مسلمہ کا فرض قرار دیا گیا ہے اور اپنے غریب سے غریب بھائی کا بھی اتنا حق تو ضرور ادا ہونا چاہئے کہ جب کوئی مر جائے تو کم از کم اس وقت بھی اس کی مصاحبت کریں۔ اگر زندگی میں آپ کو مصاحبت کی توفیق نہیں ملی تو مرنے کے بعد ہی سہی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ایک ہی شخصیت کے یہ دو پہلو ہیں جو ایک ہی شخصیت میں ابھرتے ہیں۔ جو شخص غریبوں کی عیادت کرنے کا سلیقہ رکھتا ہے وہ مردے کے حقوق ادا کرنے کا بھی سلیقہ رکھتا ہے۔ جو زندوں کو چھوڑ دیا کرتا ہے وہ مردوں کو بھی چھوڑ دیا کرتا ہے۔ پس اس بات کو بھی رواج دینا بہت اہم ہے کہ اپنے غریب بے سہارا لوگوں کے جنازوں میں بھی شامل ہوں اور یہ ساری نصیحت درحقیقت بالآخر ان لوگوں کے حقوق کی طرف توجہ دلا رہی ہے جو سوسائٹی کا سب سے کمزور حصہ ہیں۔

چنانچہ فرمایا کہ یہ بھی اس کا حق ہے اس پر فرض ہے کہ اس کی دعوت کو قبول کرے۔ اب امیر

آدمی کی دعوت قبول کرنا کون سی نیکی ہے۔اچھے کھانوں کی طرف بلایا جائے تو ان کھانوں کی طرف جانے پر لبیک کہنا بھلا کون سی نیکی ہے۔آنحضرت ﷺ جو فرما رہے ہیں یہ اور بات ہے۔فرماتے ہیں کہ اگر تمہارا غریب بھائی تمہیں اپنے گھر دعوت پہ بلاتا ہے تو اس کی غربت کی وجہ سے اس کا انکار نہ کر دینا خواہ اس کے گھر سے کچھ بھی ملنے کی توقع نہ ہو۔پس آنحضرت ﷺ نے ایک موقع پر جیسا کہ میں پچھلے خطبہ میں بھی بیان کر چکا ہوں فرمایا کہ اگر ایک پائے کی دعوت بھی ہو۔یعنی ایک بکری کے پاؤں کی دعوت بھی ہو اس کو بھی حقیر نہ سمجھو۔یہاں سارا دلداری کا مضمون ہے، بے سہارا لوگوں کے سہارا بننے کا مضمون ہے۔پس ایسی دعوت جو اپنے روزمرہ کے کھانے کے معیار سے بہت گری ہوئی ہوتی ہے اس کو دعوت کی خاطر قبول نہیں کیا جاتا یعنی کھانے کی خاطر تو قبول نہیں کیا جاتا بلکہ دلداری کی خاطر قبول کیا جاتا ہے۔پس آپؐ نے جہاں فرمایا کہ دعوت قبول کرو مراد یہ ہے کہ تکبر کی راہ سے کسی غریب سے غریب آدمی کی دعوت کا رد نہیں کرنا ہاں اگر ایسی مجبوری ہے کہ بڑے آدمی کی دعوت بھی تم رد کرتے ہو ان مجبوریوں میں تو پھر یہ کوئی گناہ نہیں یہ جائز ضرورت ہے لیکن محض اس لئے کہ کوئی شخص غریب ہے اس کی دعوت رد کرنا یہ مسلمان کا دوسرے مسلمان کی حق تلفی کے مترادف ہے۔

پھر فرمایا اگر وہ چھینک مارے تو الحمد للہ کہے اب دیکھیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ اسلام نے اتنی چھوٹی چھوٹی باتیں بھی بیان فرمائیں۔حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں ہی میں زندگی ہے اول تو یہ چھینک کا کیوں خیال آیا، سوچنے والے سوچتے ہوں گے کہ روزمرہ کی باتیں ہوتی ہیں اباسیاں بھی تو انسان لیتا ہے انگڑائیاں بھی تو لیتا ہے اس موقع پر کوئی دعا نہیں سکھائی گئی چھینک کے موقع پر کیوں دعا سکھائی گئی۔آج جبکہ سائنس ترقی کر چکی ہے۔جبکہ علم طب نے غیر معمولی تحقیق کے ذریعے بڑے بڑے راز دریافت کر لئے ہیں انسانی زندگی کے، تو یہ بات سامنے آئی ہے کہ چھینک عموماً اس وقت آتی ہے، جب کہ کوئی ایسا ذرہ دماغ کی طرف حرکت کر رہا ہے، ناک کی نالیوں میں کہ اگر وہ دماغ تک پہنچے تو اس کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔پس غیر معمولی طاقت کے ساتھ وہ چھینک آتی ہے اور ایک سائنسی رسالے میں مَیں نے یہ پڑھا اور میں حیران رہ گیا کہ چھینک کی رفتار اتنی تیز ہوتی ہے کہ سینکڑوں میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چھینک آتی ہے تا کہ کوئی ذرّہ جو دماغ کی طرف جا رہا ہے۔جس سے نقصان کا خطرہ ہے وہ آناً فاناً اس غیر معمولی دھکے سے باہر نکل جائے۔پس آپ نے

دیکھا ہوگا، جو مرضی کر لیں، چھینک رکتی نہیں، کئی لوگوں کو میں نے دیکھا ہے، ناک کو دباتے ہیں، ادھر سے ادھر سے ہاتھ رکھتے ہیں، رومال رکھ لیتے ہیں، جو مرضی کریں آئی ہوئی چھینک نہیں رکتی، کیونکہ اس کی طاقت بڑی ہے۔ پیچھے دباؤ بہت غیر معمولی ہے۔اس راز کو خدا تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو سمجھا دیا کہ غیر معمولی موقع ہے اور دعا کا وقت ہے، کیونکہ ایک بہت بڑا خطرہ ایک شخص کے لئے پیدا ہوا تھا، جو ٹال دیا گیا ہے تو فرمایا کہ جب تمہیں چھینک آئے تو کہا کرو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سب حمد اللہ ہی کے لئے ہے جس نے مجھے اس سے نجات بخشی اور جب کوئی سنے تو یہ کہے یرحمک اللہ اللہ تجھ پر رحم فرماتا رہے جس طرح اس دفعہ تجھ پر خدا نے رحم فرمایا ہے اس طرح آئندہ بھی رحم فرماتا رہے۔تو بظاہر ایک چھوٹی سی بات تھی لیکن اس کی کنہ تک جائیں اس کی تہہ تک اتر کر دیکھیں تو کتنا بڑا حکمت کا اس میں خزانہ ہے۔ ہزارہا ایسے مواقع ہوتے ہیں جب انسان کو خدا تعالیٰ خطرات سے بچا لیتا ہے لیکن انسان کو علم بھی نہیں ہوتا۔مگر کم سے کم ان موقعوں پر جہاں انسان یقینی طور پر جانتا ہے کہ مجھے خدا نے اپنے فضل کے ساتھ ایک بڑے خطرے سے بچا لیا ہے ضروری ہے کہ انسان کا دل حمد کی طرف مائل ہو اور بھائیوں کا جو دیکھ رہے ہیں یہ فرض ہے کہ اس میں اس کی مدد کریں اور کہیں آئندہ بھی اللہ تجھ پر رحم فرماتا رہے، آئندہ بھی اللہ تعالیٰ تجھے اس قسم کے خطرات سے بچاتا رہے۔

تو آج کے لئے میں نے نمونۃً یہ ایک حدیث آپ کو سمجھانے کے لئے چنی تھی۔خیر کی طرف بلانے کا مطلب یہ بھی ہے کہ جو بات آپ اچھی سنیں وہ دوسروں تک پہنچائیں اور آنحضرت ﷺ کی محبت بھری، پیار بھری حکمت سے پُر نصیحتوں کو اپنے معاشرے میں عام کریں اپنے بچوں کو سکھائیں، اپنے بڑوں کو بتائیں اور اپنے غیروں کو بھی سمجھائیں۔اللہ کرے کہ ہمیں اس کی توفیق ملے اور آپ کو میں یقین دلاتا ہوں کہ اگر اس بات کو آپ شیوہ بنالیں گے جیسا کہ میں نے آپ کو سمجھایا ہے کہ اپنی ذات سے نصیحت کا سفر شروع کریں گے اپنے گھر، اپنے ماحول میں نصیحت کرنے کی عادت ڈالیں گے، پیار اور محبت اور دعاؤں کے ساتھ نصیحت کریں گے تو پھر اللہ تعالیٰ آپ کی ذمہ داریاں آسان فرمادے گا جو غیروں کی تربیت کی ذمہ داریاں آپ پر ڈالی گئی ہیں اور جو دن بدن بڑھتی چلی جارہی ہیں۔بعض جگہ اس قدر تیزی سے بڑھ رہی ہیں کہ انسان فکروں میں ڈوب جاتا ہے کہ ہم کیسے ان ذمہ داریوں کا حق ادا کرسکیں گے مگر آنحضورؐ کا طریق نصیحت یہ تھا کہ چھوٹی چھوٹی پیاری پیاری باتوں

سے عظیم پاک تبدیلیاں پیدا فرما دیتے تھے اور آج بھی فرما رہے ہیں۔ آج بھی یہی باتیں ہیں جو آپ کے اور میرے دل پر اثر انداز ہو رہی ہیں۔ تو انہی باتوں کو اپنائیں اور اسی طرح کی نصیحت کے طریق اختیار کرتے ہوئے اپنی سوسائٹی کے اندر پاک تبدیلیاں پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو اور آپ کی توفیقات کو بڑھائے اور آپ کی باتوں میں اثر پیدا کرے۔ خدا کرے آنحضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی نصیحتوں کی طرح ہماری نصیحتیں بھی ہمارے دل کی گہرائیوں سے اٹھنے والی ہوں اور ہمارے کردار کی گہرائیوں سے اٹھنے والی ہوں تا کہ وہ دنیا کے دلوں اور کردار پر یکساں غالب آجائیں۔ اللہ کرے کہ ایسا ہی ہو۔ آمین۔

خلق محمدی ﷺ میں ہماری نجات ہے اس کو اپنائیں۔

لین دین کے معاملات احادیث کی روشنی میں

(خطبہ جمعہ فرمودہ 2 ستمبر 1994ء بمقام احمدیہ سنٹر۔Schnelsen، جرمنی)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے فرمایا۔

آج مختلف ملکوں میں جو اجتماعات وغیرہ ہو رہے ہیں ان میں سے جن کی طرف سے دعا کی درخواست آئی ہے اور اعلان کرنے کا تقاضا ہے ان میں مجلس انصار اللہ ضلع کوئٹہ اور مجلس انصار اللہ ضلع چکوال کے دو روزہ سالانہ اجتماعات یکم ستمبر سے شروع ہیں اور آج خطبہ جمعہ کے ساتھ اختتام ہوگا۔ جماعت ہائے احمدیہ ویسٹرن کینیڈا کا سترھواں جلسہ سالانہ کل 3 ستمبر سے شروع ہو رہا ہے اور دو دن جاری رہے گا۔ تعلیم الاسلام پبلک اسکول آسنور کشمیر نے 28 اگست کو جلسہ سیرۃ النبی ﷺ کا انعقاد کیا۔ اطلاع دیر سے ملنے کی وجہ سے اعلان نہ ہو سکا۔ انہوں نے بھی اس موقع پر پیغام کی خواہش کی تھی۔ ایک فیکس ابھی ملا ہے لجنہ کوما کی، جاپان کا ایک روزہ سالانہ اجتماع 4 ستمبر بروز اتوار منعقد ہو رہا ہے ان سب کو دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ تعالیٰ جماعت کے سب اجتماعات کو محض للہ کرے اور محض للہ اجتماعات کی تمام برکتوں سے ان کو نوازے۔

جیسا کہ میں پہلے بھی بار بار یاددہانی کروا چکا ہوں خطبات کا جو سلسلہ جاری ہے اس کا گہرا تعلق سورۃ جمعہ کی اس عظیم خوشخبری سے ہے۔ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ کہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ ان آخرین میں بھی بھیجے جائیں گے جو ابھی تک ان اوّلین سے مل نہیں

سکے۔یعنی ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے جب کہ وہ آخرین پیدا ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ ان اوّلین سے ملا دے گا۔ میں جماعت کو یہ سمجھا رہا ہوں کہ اس ملانے کے لئے ایک بہت عظیم اور مضبوط پل کی ضرورت ہے اور یونہی کہانیوں کی طرح فرضی طور پر نہیں ملائے جائیں گے بلکہ اس کی ایک معقول وجہ دکھائی دے گی اور دنیا کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ آخرین اوّلین سے مل گئے ہیں۔ وہ ملانے والا پل کہہ لیجئے یا وہ مضبوط رسی جس کے ذریعے سے آپ کا اولین سے رابطہ ہونا ہے وہ خلق محمدیؐ ہے۔

حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے جس طرح اپنوں پر محنت فرمائی اور دن رات جانفشانی کے ساتھ آپؐ نے اپنے صحابہؓ کے اخلاق کو درست فرمایا اور کچھ فطری طور پر آپؐ کے حسن میں ایسی شان تھی کہ محنت کی بھی ضرورت نہیں پڑتی تھی اس لئے بہت سے عشاق تھے جو آپؐ کے حسن کے گرویدہ ہو کر ازخود ہی آپؐ کے اخلاق ان کی ذات میں منتقل ہوتے چلے جاتے تھے۔یعنی نور محمدؐ ان میں سرایت کرتا جاتا تھا۔اب بھی وہی دور ہے ان معنوں میں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے بھیجا کہ آنحضور ﷺ کی سیرت کو ازسرِ نو زندہ صورت میں دکھائیں اور آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ آنے والا ایک ایسا شخص ہوگا کہ ایمان ثریا پر بھی چلا گیا تو اسے زمین پر کھینچ لائے گا۔(بخاری کتاب التفسیر حدیث:4518) پس ایمان کا دوبارہ زندہ ہونا اور خلق محمدیؐ کا انسانوں کی سیرت میں سرایت کر جانا درحقیقت ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔پس آنحضرت ﷺ کی نصائح اور آپؐ کے اعمال حسنہ کے حوالے سے جو میں خطبات سلسلہ وار دے رہا ہوں ان کو توجہ سے سنیں اور ان پر غور کریں اور جہاں تک توفیق ملے دعاؤں کے ساتھ، صبر کے ساتھ، اللہ تعالیٰ سے نمازوں کے ذریعے مدد مانگتے ہوئے ان تمام اخلاق کو اپنائیں جو آنحضرت ﷺ کے اخلاق تھے۔ان تمام اخلاقی نصیحتوں پر عمل فرمائیں جو آنحضرت ﷺ نے ہمیں عطا فرمائیں۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص ظلماً کسی مسلمان کا حق مارلے اللہ تعالیٰ اس کے لئے دوزخ کی آگ مقدر کر دیتا ہے اور جنت اس پر حرام کر دیتا ہے۔(مسلم کتاب الایمان حدیث:194)۔اب یہ ایک ایسی بات ہے جو اس زمانے کا روزمرہ کا دستور بن چکی ہے اور بڑی قومیں اگر حق مارتی ہیں تو قومی حساب سے مارتی ہیں۔انفرادی اخلاق کے لحاظ سے ان کا مرتبہ مشرقی قوموں کے مقابل پر بہت اونچا ہے

لیکن قومی ظلم وستم میں کسی طرح سے کسی سے پیچھے نہیں۔مگر بہر حال جہاں فرداً افرداً کسی کے حقوق کی ادائیگی کا سوال ہے، سچ بولنے کا سوال ہے، لین دین میں دیانتداری کا سوال ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ مغربی اقوام، مشرقی اقوام کے مقابل پر غیر معمولی طور پر اسلام کے قریب ہیں اور یہ خوشکن پہلو ہے جس کو دیکھ کر ان کے لئے نجات کی امید پیدا ہوتی ہے مگر وہ مشرقی اقوام جو دن رات مذہب کا پرچار کرتی ہیں مذہب کے نام پر ہر قسم کی زیادتی بھی جائز سمجھتی ہیں اپنے نفس پر زیادتی کی قائل نہیں ہیں۔ اپنے نفس کو ذبح کر کے خدا کے حضور حاضر کر دینے کی قائل نہیں ہیں۔ جہاں ان کے ذاتی مفادات کا قومی مفادات سے ٹکراؤ ہو، جہاں ان کے ذاتی مفادات کا مذہبی مفادات سے ٹکراؤ ہو، اعلیٰ روحانی اقدار کا تصادم ہو وہ ہمیشہ اعلیٰ اقدار کو اپنی ذلیل ادنیٰ اقدار پر قربان کرتی چلی جاتی ہیں۔ یہ وہ گہرا نقص ہے جو لین دین کے معاملات میں سب سے زیادہ کریہہ صورت میں دکھائی دیتا ہے۔

لین دین کے معاملات میں ہمارے اکثر مشرقی ممالک میں اتنی کریہہ صورت ہے، اتنی مکروہ صورت ہے کہ وہ صورتحال دیکھ کر یقین نہیں کر سکتا کہ ان سوسائٹیوں کا حقیقۃً مذہب سے کوئی تعلق ہے۔ ہمارے سپرد اگر ہم آخرین ہیں، اگر ہم وہی ہیں جن کا سورۂ جمعہ میں ذکر فرمایا گیا نہ صرف اپنے خلق کو آنحضور ﷺ کے خلق کے مطابق کرنا ہے بلکہ ان تمام قوموں کے اخلاق میں بھی پاک تبدیلی پیدا کرنا ہے اور ہماری بعثت کا اوّلین مقصد ہے۔ پس اس پہلو سے جماعت میں جہاں داغ داغ یہ کمزوریاں دکھائی دیتی ہیں اس سے غیر معمولی تکلیف پہنچتی ہے۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ نسبتاً یہ چادر سفید ہے مگر یہاں نسبت کا معاملہ ایک دھوکے والا معاملہ ہے۔ جب آپ کہتے ہیں جماعت احمدیہ نسبتاً بہتر ہے تو موازنہ کرتے ہیں ان بدوں سے جو تمام تر بدیوں میں ڈوبے پڑے ہیں ان کے مقابل پر تو اچھا ہونا کوئی خوبی اور تعریف کی بات نہیں ہے۔ اس پر تو یہی محاورہ صادق آتا ہے کہ ''اندھوں میں کانا راجہ'' کانا ہونا ایک عیب ہے اور عیب ہی رہے گا ہاں اگر اندھوں کی دنیا میں اس کو راجہ منتخب کر لیا جائے تو یہ موازنہ کر کے کہ دیکھیں اندھوں کا راجہ ہے آپ اس کے عیوب کو دور تو نہیں کر سکتے۔ پس موازنہ کرنا ہے ان سے جن سے خدا نے کیا ہے یعنی اولین سے۔ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ (الفتح:30) اور ان لوگوں کے ساتھ جو آپؐ کے ساتھ تھے۔ جنہوں نے آپؐ سے اخلاق سیکھے ان سے جب موازنہ کریں تو اپنی نیکیاں بھی داغ داغ دکھائی دینے لگتی ہیں۔

پس ترقی کی خاطر اور ان اعلیٰ مراتب کو حاصل کرنے کے لئے جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مقدر کر رکھے ہیں مگر ہاتھ بڑھانا اور چند قدم اس طرف بڑھانا ہمارا کام ہے۔ آپ پر لازم ہے کہ اخلاق مصطفویؐ کو اپنائیں اور ان سے چمٹ جائیں، اسے وہ رسی سمجھ لیں، وہ عروہ سمجھ لیں جس پر ہاتھ ڈالا جائے تو پھر وہ یا تو الگ نہیں ہوسکتا۔ اخلاق مصطفویؐ کو ایسا اپنی جان سے لگا لیں اس مضبوطی کے ساتھ اس پر ہاتھ ڈال دیں کہ پھر دنیا کی کوئی طاقت اس ہاتھ کو اخلاق مصطفویؐ سے جدا نہ کر سکے۔ یہ وہ مضمون ہے جو میں بیان کر رہا ہوں اور اس کی اہمیت بار بار بیان کرنی پڑتی ہے، بار بار تمہید آپ کے سامنے پیش کرنی پڑتی ہے تاکہ آپ محض اس کو ایک عام درس نہ سمجھ لیں، اس اعلیٰ مقصد کے ساتھ ہمیشہ اس کا ربط پیشِ نظر رکھیں اس کا تعلق ہمیشہ آپ کے سامنے رہے۔ پھر ان باتوں کو سنیں اور ان باتوں پر عمل کی کوشش کریں۔

لین دین کے معاملات ہیں جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے مجھے جماعت احمدیہ کی طرف سے بھی ہمیشہ تکلیف دہ خبریں ملتی رہتی ہیں۔ ایسے افراد کی شکائتیں آتی ہیں بعض دفعہ اپنے بعض دفعہ غیر کرتے ہیں بعض دفعہ غیر احمدی مسلمان کرتے اور بعض دفعہ غیر مسلم بھی طعنہ دیتے ہیں۔ چنانچہ ہندوستان سے بعض دفعہ مجھے غیر مسلموں کے طعنے ملے کہ ہم نے سنا تھا آپ کی جماعت بہت خدا ترس جماعت ہے، نیک جماعت ہے اور اس جماعت کے اس فرد نے تو ہم سے یہ معاملہ کیا۔ جب تحقیق کروائی گئی تو اس غیر مسلم کی بات سچ نکلی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ جماعت احمدیہ میں جماعت سے تعلق قائم رکھنے کا اتنا گہرا جذبہ ہے کہ اگر ان کو یہ خطرہ محسوس ہو بعض انسانوں کو جو بعض باتوں میں کمزوری دکھاتے ہیں کہ اس کے بعد ہماری علیحدگی ہے تو پھر وہ حتی المقدور کوشش کرتے ہیں کہ علیحدگی کی نوبت نہ آئے۔ تو ایسے لوگوں کو جب میں نے لکھا اور ان کو علم ہوا کہ بات مجھ تک پہنچ چکی ہے تو کسی کمیشن بٹھانے کی ضرورت نہیں پڑی، کسی اور جھگڑے کو طول دینے کی ضرورت نہیں پڑی از خود انہوں نے استغفار کیا، توجہ کی، وہ رقمیں جو دبا بیٹھے تھے ادا کیں اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کو خطرناک ٹھوکر سے نجات پانے کی توفیق ملی۔ یہاں جرمنی سے بھی ایک دفعہ ایک ہندو عورت نے مجھے لکھا کہ فلاں شخص پر جو جماعت احمدیہ کا ممبر ہے میں نے احسان کیا، اس کے ساتھ حسن معاملہ کیا اور اس نے پھر یہ مجھے بدلہ دیا کہ اتنے میرے پیسے دبا کے بیٹھ گیا ہے۔ جب اس کی ضرورت تھی محض

اس لئے کہ میرا احمدیوں سے تعلق تھا اور میں جانتی تھی کہ احمدی عام انسانی معاملات میں باقی سب سے بہتر ہیں اس بات پر بھروسہ کرتے ہوئے میں نے اس پر بھروسہ کیا بلکہ احسان کا معاملہ کیا تو بہت ہی تکلیف دہ صورتحال میرے سامنے آئی اور ایسی اور بھی آتی رہتی ہیں اگرچہ کم ہیں مگر ہیں ضرور۔ پس آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کو غور سے سن لیجئے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ظلماً کسی مسلمان کا حق مارے اللہ تعالیٰ اس کے لئے دوزخ کی آگ مقدر کر دیتا ہے اور جنت اس پر حرام کر دیتا ہے۔ اس پر ایک شخص نے عرض کیا حضورؐ اگر وہ تھوڑی سی چیز ہو تو پھر بھی آپؐ نے فرمایا ہاں چاہے پیلو کے درخت کی ایک شاخ ہی کیوں نہ ہو۔ معمولی بھی ہو تو اس کی یہی سزا ہوگی۔ لیکن یہاں لفظ مسلمان سے آپ کسی دھوکے میں مبتلا نہ ہوں۔ دوسری احادیث میں بالبداہت یہ ذکر ملتا ہے کہ مسلمان کے لئے کسی انسان کا حق مارنا بھی دوزخ کھانے کے مترادف ہے۔ پس بعض دفعہ آنحضرت ﷺ نے مسلمان کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ مسلمانوں میں اسلام کی محبت کے تقاضے کے پیش نظر، ان کو خصوصیت سے ایک تحریک کرنے کی خاطر اور ایک چیز کی کراہت بتانے کے لئے جو شخص اپنے بھائی کو نہیں چھوڑے گا غیر کو اس سے کیسے امن مل سکتا ہے۔ پس یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ آنحضورؐ کا مقصد یہ ہے کہ تم مسلمان کا مال نہ کھانا بلکہ غیروں کے کھا جانا۔ یہ تو ایک ایسی چیز ہے جس پر قرآن لعنت ڈالتا ہے اور یہود کی مثال لعنت کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ وہ یہ کہا کرتے تھے کہ اپنوں کے تو بے شک حقوق ادا کرو، غیروں کے پیسے جتنے ہیں کھاؤ سب تم پر حلال ہے۔ یہ ویسی ہی بات ہے جیسے پاکستان کے بعض مولوی فتوے دیتے پھرتے ہیں اور کھلم کھلا اعلان کرتے ہیں کہ جس جس نے بھی کسی احمدی کے پیسے دینے ہیں وہ نہ دے وہ اس احمدی پر حرام ہیں اور جس نے دینے ہیں اس پر حلال ہو چکے ہیں تو یہ بدبخت یہود کی خصلت ہے جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے اور قرآن اس عادت پر لعنت ڈالتا ہے کہ اپنوں کے پیسوں کے ساتھ تو ٹھیک معاملہ کرو اور غیروں کے پیسے ہضم کر جاؤ۔ یہ ایک ایسی مکروہ چیز ہے جس کی مثال قرآن کریم نے کھول کر بیان کر دی۔ پس احادیث نبویہ کو قرآن سے الگ کر کے ان کو سمجھنا ایک جہالت ہے اور احادیث پر ظلم کرنے کے مترادف ہے۔ پس جہاں بھی مسلمان کا لفظ آیا ہے وہاں گہرائی سے اس مضمون میں ڈوب

کر سمجھنا چاہئے کہ کیوں فرمایا گیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ جو شخص ایسا بدنصیب ہو کہ اپنے بھائی مسلمان کے پیسے بھی مار جاتا ہے اس سے غیروں کے معاملات میں انصاف کرنے کی کوئی دور کی بھی توقع نہیں کی جاسکتی۔ وہ تو سارے بنی نوع انسان کے لئے خطرہ بن جاتا ہے۔ پس لفظ مسلمان کہنا اس موقع پر غیر کے مال کھانے کی اجازت نہیں دیتا بلکہ غیر کے مال کھانے سے روکنے کے لئے ایک عمدہ نصیحت کا طریق ہے جسے اسلام کی محبت کو اُکسا کر آنحضرت ﷺ نے تربیت کے لئے استعمال فرمایا ہے۔ پس فرمایا کہ جو شخص ظلماً کسی مسلمان کا حق مار لے اللہ تعالیٰ اس کے لئے دوزخ کی آگ مقدر کر دیتا ہے اور جنت اس پر حرام کر دیتا ہے۔

حضرت حکیم بن حزامؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا خرید وفروخت کرنے والوں کو جب تک وہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں انہیں اختیار ہے کہ وہ سودا فسخ کر دیں اور اگر خرید وفروخت کرنے والے سچ بولیں اور مال میں اگر کوئی عیب یا نقص ہے تو اسے بیان کر دیں تو اللہ تعالیٰ ان کے اس سودے میں برکت دے گا اور اگر وہ دونوں جھوٹ سے کام لے کر کسی عیب کو چھپائیں گے یا ہیرا پھیری سے کام لیں گے تو اس سودے سے برکت نکل جائے گی۔ (بخاری کتاب البیوع حدیث: 2825)

اس میں لین دین کے معاملات کی دو تین نصیحتیں ہیں ان کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔ روزمرہ کا اپنا فطرت ثانیہ کی طرح کا دستور بنالینا چاہئے۔ ایک تو یہ کہ جب تک سودا ہو رہا ہے اور اگر افہام و تفہیم ہو بھی گئی ہے، ہاں کہہ بھی دی گئی ہے اگر اٹھنے سے پہلے کوئی شخص وہ سودا فسخ کر دیتا ہے تو اس کو حق ہے لیکن اٹھنے کے بعد جب جدائی پڑ جائے پھر اس کو حق نہیں ہے کہ اس سودے کو فسخ کرے۔ دوسرے بات یہ فرمائی گئی ہے کہ خرید وفروخت کرنے والے سچ بولیں یعنی اپنے اموال کے عیوب بھی بیان کریں۔ آنحضرت ﷺ کا یہ دستور تھا کہ نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ جس کی ڈھیری ہے گندم وغیرہ کی، جنس کی اس میں جو خراب دانے ہیں وہ اوپر کر کے پیش کرے اور جو کمزور دانے ہیں یا خراب ہیں یا بھیگے ہوئے ہیں ان کو خشک دانوں میں چھپائے نہیں۔ چنانچہ خلفاء کا بھی یہی دستور تھا کہ نگرانی فرماتے تھے کہ منڈیوں میں یہ دھوکہ نہ ہو کہ اچھے صحت مند دانے اوپر رکھے گئے ہوں اور خراب دانے نیچے دبا دئے گئے ہوں۔ ہمارے ہاں تو معاشرے میں روزمرہ کا دستور ہی یہ ہے۔ پھلوں کی پیٹیاں سجائی جاتی ہیں تو اچھے پھل چن کر اوپر رکھے جاتے ہیں اور سارے گندے نیچے ڈال دئے جاتے ہیں

اور اس کے بعد جب کھولنے والا دیکھتا ہے تو بعد میں پتا چلتا ہے وہ کس بات کا سودا کر بیٹھا ہے۔ تو بد دیانتی کے سودے نے سارے کے سارے معاشرے کو گندہ کر دیا ہے۔ کسی چیز پر اعتبار نہیں رہا۔ یورپ میں دیکھیں کبھی اس معاملے میں دھوکے سے کام نہیں لیتے۔ جو چیز سامنے دکھائی دے رہی ہے وہی اندر بھی ہوگی۔ آخری تہہ تک وہی چیز نکلتی چلی جائے گی۔ پس جماعت احمدیہ کو اس معاشرے میں رہ کر اس نیکی میں بھی ان سے آگے نکلنا چاہئے۔

جب قوموں میں اقتصادی بحران پیدا ہوتے ہیں تو بعض اقوام کے اخلاق جو اقتصادی تجربے کے نتیجے میں حاصل ہوتے ہیں اور اقتصادی ترقی کے نتیجے میں حاصل ہوتے ہیں وہ رفتہ رفتہ کمزور پڑنے لگتے ہیں۔ ان کے اخلاق ہم سے بہت اچھے ہیں ان باتوں میں، مگر ان کی بنیاد مذہب نہیں ہے بلکہ سینکڑوں سال کا اقتصادی تجربہ ہے۔ اقتصادی تجربے نے ان کو بعض اصول سکھائے اور ان سے انہوں نے فائدہ اٹھایا لیکن جب اقتصادی بحران پیدا ہوں تو غیر مذہبی قوموں کے ایسے اخلاق بھی ہاتھ سے نکلنے شروع ہو جاتے ہیں۔ ان کی بقاء کی کوئی ضمانت نہیں ہوتی۔ مذہبی قوموں میں فرق یہ ہے کہ اگر وہ سچی ہوں اگر واقعۃً اللہ سے تعلق ہو تو اقتصادی بہتری یا اقتصادی بدحالی کا ان کے اخلاق سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہر صورت میں ہر حال میں وہ اپنے اعلیٰ اخلاق پر قائم رہتے ہیں۔

پس جماعت جرمنی میں خصوصیت سے جہاں اب احمدی تجارت کی طرف مائل ہو رہے ہیں نصیحت کرتا ہوں اور یہ نصیحت سب دنیا کے لئے ہے مگر آج میں چونکہ جرمنی سے خطاب کر رہا ہوں اس لئے جرمنی اولین مخاطب ہے۔ اپنے تجارت کے معاملے میں ایسا نمایاں کردار دکھائیں کہ وہ ضرب المثل بن جائے اور ہر تجارت کرنے والا جو احمدی سے تجارت کرے اسے کامل یقین ہو کہ احمدی کبھی دھوکہ نہیں دیتا اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ برکت پڑے گی اور یہ نہ کرو گے تو تمہاری برکتیں زائل ہو جائیں گی۔ اس لئے خواہ روحانی طور پر اللہ کی رضا حاصل کرنے کی خاطر یہ کام کریں، خواہ عقل سے کام لیں دونوں کا نتیجہ ایک ہی نکلتا ہے۔ عقل سے کام لیں تب بھی اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ تجارتوں میں برکت پڑے تو حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی نصیحت پر عمل کریں اور کامل سچائی سے اور صاف گوئی سے کام لیں، اپنے مال کا جو نقص ہے وہ بتایا کریں اور پھر جو سودا ہوگا وہ یقیناً اس موقع پر ہی برکت کا موجب نہیں بلکہ آئندہ بھی ہمیشہ آپ کے

لئے برکت کا موجب بنے گا۔

یہ ایک عقل کی بات ہے لیکن محض عقل کا سودا مومن عقلمند کے لئے کافی نہیں۔ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ کی یعنی وہ مومن جو عقل رکھتے ہیں ان کی جو تعریف قرآن کریم نے فرمائی ہے اس سے پتا چلتا ہے کہ ان کی عقل ہمیشہ ان کو خدا کی طرف لے جاتی ہے۔ یعنی دنیا کے سودے کرنے والے بھی عقل والے ہوتے ہیں وہ فائدہ اٹھاتے ہیں لیکن مومن اور اس دنیا دار عقل مند میں فرق ہے۔ مومن عقل والا بہت بڑی قیمت لگاتا ہے اپنے سودے کی اور جہاں ایک طرف کچھ نقصان اٹھانے پر آمادہ ہو جاتا ہے وہاں اللہ تعالیٰ کی رضا کا سودا کر لیتا ہے جس کی کوئی قیمت ہی نہیں ہے۔ پس آپ جب نیک روش اختیار کریں، صاف گوئی اختیار کریں، تجارت میں دیانتداری سے کام لیں تو محض دنیاوی فائدے کی خاطر نہیں، بلکہ اللہ کی رضا کی خاطر ایسا کریں۔ اگر ایسا کریں گے تو آپ کو نقصان بھی ہوتا چلا جائے تو آپ کے قدم ڈگمگائیں گے نہیں۔ آپ پر کسی قسم کا زلزلہ نہیں آئے گا۔ آپ کامل توکل کے ساتھ اس راہ پر گامزن رہیں گے اور یہی اعلیٰ اخلاق کی سب سے اچھی مثال ہے جن اخلاق کو دنیا کے کوئی بدلتے ہوئے حالات کسی طرح ڈگمگا نہیں سکتے، وہ صاحب خلق لوگ ہیں، جن کے ساتھ ہونے کا خدا وعدہ فرماتا ہے اور ان لوگوں کی تقدیریں بدلی جاتی ہیں۔ ان میں سے انفرادی طور پر بھی لوگ بالآخر خدا تعالیٰ کی برکتوں کا مورد بنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے انعامات اور فیوض پاتے ہیں اور قومی طور پر بھی یہ قومیں تمام دنیا میں تمام دوسری قوموں پر غالب آجاتی ہیں۔ لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ (الصّف:10) پر بھی غور کر کے دیکھیں۔ آنحضرت ﷺ کے دین نے سب دنیا کے دینوں پر غالب آنا ہے اور دین یہی روش، مسلک، اخلاق، مذہب کا نام ہے۔ پس اگر آپ کے اندر اخلاق نہیں ہیں تو وہ کیا اسلام ہوگا جو دنیا پر غالب آئے گا۔ محض اسلام کا نام غالب آئے گا اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اللہ کو نام میں کوئی دلچسپی نہیں بلکہ آنحضرت ﷺ کو خدا تعالیٰ نے پہلے سے خبر دے رکھی تھی کہ ایک ایسا زمانہ آئے گا جب اسلام کا محض نام رہ جائے گا اور ایسے لوگ بڑے بدنصیب ہوں گے ان کے علماء دنیا کی بدترین مخلوق ہوں گے۔ (مشکوۃ کتاب العلم والفضل:38) تو نام سے فرق نہیں پڑا کرتا۔ اگر اسلام نے غالب آنا ہے اور ہر طرف اسلام نے پھیل جانا ہے اور خلق محمدیؐ ساتھ غالب نہیں آتا اور خلق محمدؐ گلی گلی گھر گھر عام نہیں ہو جاتا تو اسلام کے اس نام کی فتح میں خدا تعالیٰ کو کوئی

دلچسپی نہیں ہے۔ پس اخلاق کی حفاظت کریں اور جہاں تک لین دین کا معاملہ ہے جیسا کہ میں کھول کھول کر آپ کے سامنے بات کو رکھ رہا ہوں، اگر عقل استعمال کرنی ہے اور محض سودے کی بات کرنی ہے تو تب بھی محمد رسول اللہ ﷺ کی نصیحت سے ہٹنا اپنا سراسر نقصان کرنا ہے اور اگر مومنوں والے اُولُوا الْاَلْبَابِ بننا ہے، وہ صاحبِ عقل جو ہر سودے پر خدا کی رضا کو خرید لیا کرتے ہیں تو پھر دنیا کے فائدے تو آنے ہی آنے ہیں لیکن دن بدن آپ کا قدم اللہ کی رضا جوئی کی راہ پر آگے بڑھتا چلا جائے گا۔ اللہ ہمیں اس اعلیٰ سَودے کی توفیق عطا فرمائے۔

روزمرہ کے جو دستور ہیں سَودوں کے ان میں بھی آنحضرت ﷺ نے بڑی باریک نصائح فرمائی ہیں اور دل حیرت میں ڈوب جاتا ہے کہ کس طرح آج سے چودہ سو سال پہلے آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کی اخلاقی ضرورتوں کا اس قدر باریکی سے خیال رکھا ہے۔ کوئی چھوٹی سے چھوٹی امکانی چیز ایسی نہیں جسے نظر انداز کر دیا گیا ہو۔ روزمرہ جو تجارتیں ہوتی ہیں بازاروں میں جو دستور عام طور پر رائج ہیں باہر سے سودے لانے والے سودے لا رہے ہیں مارکیٹوں تک پہنچ رہے ہیں ان کے ساتھ شہر والے کیا سلوک کرتے ہیں۔ ان سب باتوں پر آنحضورؐ کی نظر تھی۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ کوئی شہر والا دلال بن کر دیہات سے تجارتی سامان لانے والے کا سودا بیچے۔ (بخاری کتاب البیوع حدیث: 2525) اب یہ دیکھنے میں تو کوئی معیوب بات نہیں ہے۔ ایک شہر کا شخص کسی دوسرے دیہاتی کے مال کا سودا دلال بن کر بیچے تو اس میں کیا حرج ہے لیکن جیسا کہ میں باقی باتیں بھی بیان کروں گا غور کریں گے تو آپ کو ان کی حکمت سمجھ آ جائے گی۔ اسی طرح آپؐ نے اس سے بھی منع فرمایا کہ صرف بھاؤ بڑھانے کے لئے بولی دی جائے۔ آپؐ نے فرمایا کوئی آدمی اپنے بھائی کے سودے پر سودا نہ کرے اور نہ اپنے بھائی کی منگنی کے پیغام پر پیغام بھجوائے اور کوئی عورت اپنی بہن کی طلاق کا مطالبہ اس غرض سے نہ کرے کہ تا وہ اس کی جگہ لے اور اس کا حصہ اپنے برتن میں ڈالے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تجارتی قافلے کو آگے جا کر ملنے اور سودا کر لینے سے منع فرمایا اسی طرح اس بات سے بھی منع فرمایا کہ کوئی شہر کا رہنے والا دلال بن کر دیہاتی کا سامان بکوائے۔

یہ باتیں بہت گہری حکمت سے تعلق رکھتی ہیں اور تجارت کو ہر قسم کی گندگی سے پاک کرنے

کے لئے بہت ہی اہم نصائح ہیں۔ جب دیہاتی سودے لے کر شہروں میں پہنچتے ہیں تو اگر ان کو آگے بڑھ کر کچھ تاجر نہ ملیں اور منڈیوں تک اسی طرح پہنچنے دیں تو جس کا مال جس طرح ہے موازنے کے طور پر سب کے سامنے آ جاتا ہے اور منڈی میں چونکہ ہر قسم کے مال پہنچتے ہیں اور ہر جگہ کے مال پہنچ رہے ہوتے ہیں اس لئے وہاں جو سودا ہے وہ آنکھیں کھول کر ہو رہا ہے۔ اچھے برے کا حال معلوم ہو چکا ہوتا ہے اور جو قیمت طے ہوتی ہے وہ قدرتی اور طبعی اقتصادی قوانین کے تابع طے ہوتی ہے اس میں کوئی شکوہ نہیں کسی قسم کے دھوکے کی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن اگر دلال کسی دیہاتی کا سامان منڈیوں میں پہنچنے سے پہلے پرائیویٹ طور پر پھر کر بیچنا شروع کرے تو اس میں کئی قسم کی خرابیاں ہیں جو روزمرہ ہمارے سامنے آتی رہتی ہیں۔ اول ایسا دلال چاپلوسی کی باتیں کر کے خریدنے والے کو یہ دھوکہ دیتا ہے کہ میں تمہیں سستا دلوا رہا ہوں اور اگر منڈی میں مال آ گیا تو پھر تمہیں اس قیمت پر نہیں ملے گا۔ اس لئے ابھی سودا کر لو ورنہ مارے جاؤ گے اور وہ سودا کر کے مارا جاتا ہے کیونکہ اکثر یہ لوگ دھوکہ دیتے ہیں، جھوٹ بولتے ہیں اور بعض دفعہ دونوں سے دھوکہ کر رہے ہوتے ہیں۔ وہ زمین دار بیچارے کو یہ کہہ رہے ہوتے ہیں کہ تمہارا مال بڑی قیمت پر بکوائیں گے اور ادھر سے اور قیمت وصول کرتے ہیں۔ اس بے چارے کو جا کر اور قیمت دیتے ہیں۔ تو یہ ایک دھوکے بازی کے نظام کو فروغ دینے والی بات ہے اس لئے محض دلالی منع نہیں مگر دلالی وہ ہو جو سب کے سامنے منڈیوں میں ہو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن مخفی دلالی جو مارکیٹ کو بائی پاس کر کے دھوکے کے طور پر کی جائے اور حقیقت پر پردہ ڈال کر کی جائے وہ دھوکہ دہی ہے۔ آنحضرت ﷺ کی باریک نگاہ یہاں تک بھی پڑی ہے اور ان مخفی دھوکوں سے بھی آپؐ نے ہمیں متنبہ فرمایا ہے حالانکہ سرسری نظر میں یہ بات عجیب لگتی تھی کہ شہر والا دیہات کی دلالی کر رہا ہے تو کیا نقصان ہے۔

اصل میں اعلیٰ تجارت کے اصول حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایسے سکھا دئے ہیں کہ آج کی دنیا میں بھی وہی اصول اطلاق پا رہے ہیں۔ ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہے۔ منڈیوں کی آزادی کی حفاظت ہے جو آزاد تجارت کو فروغ دیتی ہے۔ اگر منڈیاں آزاد نہ ہوں تو تجارت آزاد نہیں رہ سکتی اور پھر منڈیوں میں بھی یہ نصیحت کہ جو برا مال ہے اس کو برے مال کے طور پر دکھا کے لوگوں کے سامنے پیش کرو۔ جو خراب مال ہے اس کو خراب اور جو اچھا مال ہے اس کو اچھے مال کے طور

پرا لگ دکھاؤ۔ پھر جو سودے ہوں ایک آدمی تاجر پھر کے دیکھتا ہے وہ موازنہ صحیح کر سکتا ہے۔ پھر جو سودا کرتا ہے وہ آنکھیں کھول کر کرتا ہے۔ یہ معلوم کر کے کہ مجھ میں کس قیمت پر بیچنے کی استطاعت ہے لیکن بعض بدنصیب ایسے ہوتے ہیں جو وہاں سے الگ الگ ستھرا مال لاتے ہیں اور یہاں آ کر ملا دیتے ہیں۔ چنانچہ پاکستان میں میں نے یہ بھی دیکھا ہے بعض زمیندار جو آلوؤں کی یا پیازوں کی کاشت کرتے ہیں خاص طور پر بہت بڑے بڑے ایسے زمیندارے ہیں جو ساہیوال وغیرہ کی طرف رواج پا چکے ہیں وہاں ارائیں مہاجرین زیادہ تر ان کاموں میں سب سے آگے بڑھے ہوئے ہیں اور ایسے فارمز بھی ہیں میں نے جا کر دیکھے ہیں بہت ہی صاف ستھرے فارمز ہیں بے انتہا محنت کی گئی ہے اور اس کے نتیجے میں عام آلو کے مقابل پر بہت بڑے بڑے سائز کا آلو پیدا ہوتا ہے بہت اچھا پیاز وغیرہ وغیرہ پھر وہ ان کو قرینے سے الگ الگ لگاتے ہیں اور الگ الگ بوریوں میں الگ الگ قیمتوں کے ساتھ منڈی میں پہنچاتے ہیں۔ وہاں تاجر خریدتے ہیں۔ بعض چنیوٹ لے کر آتے ہیں بعض ربوہ لے جاتے ہیں، کوئی لالیاں لے جاتے ہیں اور پھر دوبارہ محنت کرتے ہیں بڑوں کے ساتھ موٹوں کے ساتھ چھوٹوں کو ملا دیتے ہیں اور گڈمڈ کر کے پھر بے چارے ایک اور محنت کرتے ہیں پھر موٹے موٹے بعض نکال کر اوپر رکھ دیتے ہیں۔ جو محنت بے چاروں نے کی، جو شرافت کا سلوک کیا، سب کا ستیاناس کر دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم کما رہے ہیں۔ ایک تو خدا کا عذاب کما رہے ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خدا کی ناراضگی کما رہے ہیں یہ تو درست ہے مگر عملاً زیادہ دیر تک یہ تاجر پنپ نہیں سکتے۔ صاف پتا چل جاتا ہے لوگوں کو ایک سودا ہوا، دو سودے ہوئے، بالآخر تھک کر لوگ ان لوگوں سے منہ موڑ لیتے ہیں اور جو تاجر صاف ستھرا ہو، جس کی بات کا اعتماد ہو، جس کا مال وہی ہو جو وہ بیان کرے اس کی تجارت ضرور پنپتی ہے اور بالآخر وہی تاجر ہے جو سب دوسروں پر غالب آ جاتا ہے۔

پس خدا کی رضا کا سودا کرنا ہو یا دنیا کے تجارت کے اصول سیکھنے ہوں تو سودا سکھانے والا ایک ہی ہے یعنی محمد مصطفی ﷺ۔ ہر قسم کے سودوں کے گُر آپ کو محمد رسول اللہؐ سے ملیں گے اور ان گُروں کو سمجھ کر دل میں لگا کر اپنا لیں گے تو پھر آپ کا تعلق اولین سے بنے گا۔ پھر وہ پل تعمیر ہوں گے جن کے ذریعے اولین اور آخرین ملا دیئے جائیں گے اور ضرور ملائے جانے ہیں ورنہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت بالکل بے کار اور بے معنی ہو جاتی ہے اور یہ ناممکن ہے کہ خدا تعالیٰ

ایک ایسے شخص کو منتخب کرے جس کا آنا یا نہ آنا برابر ہو جائے۔ پس آپ پر صداقت احمدیت کا ان معنوں میں انحصار ہے۔ اگر آپ نے یہ صداقت اپنے اعمال سے ثابت نہ کی تو خدا نے تو ضرور کرنی ہے۔ اس لئے قومیں بدلائی جائیں گی۔ آپ کی جگہ کچھ اور لوگ آئیں گے جن کو خلق محمدیؐ اپنانا ہوگا اور خدا کی تقدیر ان کو اپنانے میں مدد دے گی۔ پھر وہ اولین اور آخرین ملانے کا ایک زندہ ثبوت بن جائیں گے۔ پس ان باتوں کو چھوٹی نہ سمجھیں بہت گہری ہیں اور ان کے نتیجے میں قوموں کی کایا پلٹ جایا کرتی ہے۔

اب بیاہ کی بات ہو رہی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کوئی عورت اس شرط پر شادی نہ کرے کہ اس کا خاوند اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے دے اور یہ باتیں ہمارے ملک میں عام پائی جاتی ہیں اور احمدیوں میں دوسری شادی بہت کم پائی جاتی ہے۔ مگر جتنی بھی ہے ان میں تکلیف دہ باتیں ہمارے سامنے آجاتی ہیں۔ بعض عورتیں کہتی ہیں کہ پہلی بیوی کو طلاق دو گے تو ہم شادی کریں گے اور بعض بدنصیب مرد نئی دلہن کے چاؤ میں پہلی بیوی کو طلاق دے دیتے ہیں یا یہ وعدہ کر لیتے ہیں کہ ہم کَالْمُعَلَّقَةِ چھوڑ دیں گے ہم ان سے کوئی تعلق نہیں رکھیں گے۔ تو پہلی بیوی تو حرام خود ہی کر لی دوسری بھی حرام ہو گئی۔ اس لئے بہت ہی بیوقوفی کی بات ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے پہلے اچھی بھلی بیوی دی تھی اس کو تم اپنے منہ سے حرام کر بیٹھے ہو اور جو دوسری کی اس کو اللہ نے آپ پر حرام کر دیا۔ پس یہ جہالت نہ کیا کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے جو نصیحتیں فرمائی ہیں ان کا گہری نظر سے مطالعہ کر کے ان پر عمل کریں اسی میں برکت ہے، اسی میں معاشرہ کا حسن ہے اور آپ نے لازماً ایک حسین معاشرہ دنیا کے سامنے پیش کرنا ہے ورنہ آپ کا کوئی سودا نہیں کرے گا۔ اس لئے میں امید رکھتا ہوں کہ جہاں عورتوں کا تعلق ہے عورتیں بھی اس بات کو سمجھیں کہ ناجائز غیر اسلامی شرطیں نہ لگایا کریں اور مرد یہ سمجھیں کہ اگر وہ لگاتی ہیں تو ان کی قطعاً پرواہ نہ کریں۔

محض بھاؤ بڑھانے کے لئے بولی نہ دی جائے بعض لوگ منڈیوں میں یہ کرتے ہیں کہ بھاؤ بڑھانے کے لئے باقاعدہ آدمی مقرر کئے ہوتے ہیں جب بولی آئے گی اتنی آئے تو تم اس سے زیادہ کچھ اور کر دینا پھر اس سے زیادہ کچھ اور کر دینا پھر وہ جب اس برج تک پہنچ جاتے ہیں اور اگر وہ اپنا ہی جعلی آدمی ہو اور اس بات پر ٹھہر جائے تو وہی چیز پھر دوبارہ منڈی میں بکنے آتی ہے۔ کیونکہ خریدار تو

کوئی ہوتا نہیں وہ تو مصنوعی خریدار ہوتا ہے اور یہ جو رواج ہے یہ بہت سا بعض یورپین جو نیلامی کی مارکیٹیں ہیں ان میں بھی راہ پا گیا ہے اور وہاں بھی کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ مصنوعی طور پر بولی بڑھائی جاتی ہے اور بعض میں جب وہ چیز اپنے ہی خرید لیں جنہوں نے اصل میں خریدنا نہیں تو پھر دوبارہ وہ اگلی دفعہ آپ منڈی میں جائیں گے تو پھر وہی لگی ہوگی تو یہ دھوکے بازیاں ہیں تکلیف کی چیزیں ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قیمت بڑھانے کی خاطر بولی نہ دی جائے اور مصنوعی طور پر سجا کر چیز نہ پیش کی جائے۔

میں نے آپ کو پہلے بھی قصہ سنایا تھا وہ ہے لطیفہ لیکن بات دل نشین کرنے کے لئے اچھا دلچسپ واقعہ ہے۔ ایک شخص ایسی ہی منڈی میں اپنی گھوڑی بیچنے کے لئے لے گیا۔ گھوڑی کیا تھی ٹٹو تھی بالکل۔ براحال، کھال ہڈیوں سے چمٹ کر سوراخوں میں داخل ہوئی ہوئی پسلیاں گنی جاتی تھیں تو کسی نے اس کو مشورہ دیا کہ تم ہمارے بیچنے کے دستور کو تو سمجھو، منڈیوں کے آداب سمجھو، پھر لے کر جاؤ۔ بیوقوفوں والی بات ہے اس طرح لے کر تم جارہے ہو کون دام ڈالے گا۔ تو اس نے کہا پھر تم مجھے بتاؤ میں کیا کروں۔ اس نے کہا اس کو مایہ (کلف) لگا کر تو دھوپ میں کھڑا کر دو۔ جب وہ اکڑے گی مایہ (کلف) تو اس کی کھال تن کر جس طرح مرے ہوئے گدھے کی کھال ہو جاتی ہے اس طرح وہ پھول کر سارے اس کے اوپر عیب ڈھانپ دے گی اور تنی ہوئی کھال میں اندر گھسنے کی تو گنجائش ہی کوئی نہیں ہوتی تو اچھی گھوڑی، مضبوط، توانا دکھائی دے گی، جا کے بیچ دینا۔ اچھا بھلا سودا ہو جائے گا۔ اس بے چارے نے کچھ مایہ پر سرمایہ لگایا اور کافی لگا دی اور جب وہ منڈی پہنچا تو پوری گھوڑی پھولی ہوئی جس طرح اپھارہ ہوا ہو اس طرح اس کی شکل بنی ہوئی اور دیکھنے والے دیکھتے تھے۔ پتا بھی لگ رہا تھا کہ مایہ لگی ہوئی ہے۔ یہ تو نہیں کہ صحت مند گھوڑی اور مایہ والی گھوڑی میں فرق ہی نظر نہ آئے تو لوگ آ کے دیکھ کے چلے جاتے تھے۔ آخر ایک گاہک پڑا اس نے آگے پیچھے سے پھر کر دیکھا، دلچسپی لی اور اس نے کہا کہ شکر ہے کہ اب تو کچھ سودا ہوا۔ اس نے کہا کتنی قیمت لیتے ہو۔ اس نے کہا تین سو روپے۔ اس نے کہا تین سو تو میں دے دوں گا مگر ابرق نہیں لگایا تم نے، اگر ابرق بھی ساتھ لگا دیتے تو بڑی خوب صورت گھوڑی نظر آتی۔ تو یہ لطیفہ ہی ہے اصل میں، لیکن ایسا دردناک لطیفہ ہے جو ہمارے ماحول پہ صادق آتا ہے۔ ہماری ہر منڈی کا کردار یہی ہے۔ ابرق لگانا بھول جائیں تو بھول جائیں

ورنہ مایہ (کلف) ضرور لگاتے ہیں۔ یہ تو کوئی انصاف نہیں، کوئی شرافت نہیں، کوئی عقل کی بات نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ نے چودہ سو سال پہلے جو نصیحتیں کیں آج تک آپ کو علم نہیں کہ وہ کیا نصیحتیں ہیں۔ آج بھی آپ کو پتا نہیں کہ کن خطرات سے آپ کو آگاہ فرمایا تھا۔ کن گڑھوں میں گرنے سے بچنے کی آپؐ نے تلقین فرمائی تھی لیکن آنکھیں بند کر کے ایسا کرتے چلے جاتے ہیں۔ دودھ دینے والے جانوروں کے دودھ روک لیتے ہیں، کئی کئی دن اور اتنا بیچاروں کو پھر پانی پلاتے ہیں کہ وہ دودھ بھی پتلا ہو کر بڑھتا ہے اور کئی دن کا رکا ہوا جس کو دوہا نہ جائے اس کی وجہ سے وہ تھن خوب بھر جاتے ہیں۔ سودا کرتے ہیں، خرید کر ایک بے چارہ زمین دار لے کے گھر آتا ہے تو پہلے دن بیس سیر دوسرے دن ڈیڑھ پاؤ۔ کوئی نسبت ہی نہیں رہتی۔ تو یہ کوئی شرافت نہیں ہے۔ قومی کردار بڑا ذلیل ہو جاتا ہے۔ ہر شخص کے لئے مصیبت ہے۔ **اس لئے خلق محمدیؐ میں ہماری نجات ہے، اس کو اپنائیں۔ پھر جتنا بھی آپ کا حق ہو آپ کو ملے گا اور اسی میں برکت پڑے گی کیونکہ آنحضرت ﷺ نے برکت کا بھی وعدہ فرمایا ہے۔**

ایک حدیث مسند احمد سے اور ابوداؤد دونوں سے لی گئی ہے۔ حضرت ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے پاس دو آدمی آئے جن میں وراثت کی ملکیت کے بارے میں جھگڑا تھا اور معاملہ پرانا ہو جانے کی وجہ سے ثبوت کسی کے پاس نہ تھا یعنی وراثت کا جھگڑا تھا۔ دیر اتنی ہو چکی تھی کہ کوئی اس وقت کے موقع کے گواہ بھی ایسے نہیں تھے، کوئی ثبوت نہیں پیش کر سکتا تھا لیکن مطالبے میں دونوں کی شدت تھی۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی بات سن کر فرمایا میں انسان ہوں اور ہو سکتا ہے کہ تم میں سے کوئی زیادہ لسّان ہو اور خوب چرب زبانی سے کام لے کر اور بڑھ بڑھ کر باتیں کرے اور اپنی زبان کی ہوشیاری سے مجھ پر اثر انداز ہو جائے۔ فرمایا کوئی عمدہ انداز اور لہجے میں بیان کر سکتا ہو اور میں اس کی باتوں سے متأثر ہو کر کوئی رائے قائم کر لوں اور اس کے حق میں فیصلہ دے دوں۔ آخر انسان ہوں اور روزمرہ کے معاملات میں اس قسم کی بشری غلطی سرزد ہو سکتی ہے لیکن ساتھ فرمایا ایسی صورت میں اسے اس فیصلہ سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہئے جس کے حق میں ناجائز فیصلہ ہو جائے اور اپنے بھائی کا حق نہیں لینا چاہئے کیونکہ اس کے لئے وہ ایک آگ کا ٹکڑا ہے جو میں اسے دلا رہا ہوں۔ یعنی آنحضرت ﷺ سے تو آگ کے ٹکڑے کی کوئی دور کی بھی توقع نہیں کی جاسکتی مگر ایک دھوکے باز

جب غلط باتیں بیان کرے گا اور گواہی موجود نہیں ہوگی تو جو طبعی منطقی نتیجہ نکلنا چاہئے۔ آنحضرت ﷺ اپنی فطری منطق سے وہی نتیجہ نکالیں گے جو نکلنا چاہئے اور اس کے نتیجے میں اگر اسے کوئی ایسی چیز حاصل ہو جائے جو اس کا حق نہیں ہے۔ تو فرمایا وہ مجھ سے آگ لے رہا ہوگا اور وہ زائد چیز جو مجھ سے لے گا وہ دولت جو مجھ سے حاصل کرے گا قیامت کے دن وہ سانپ بن کر اس کی گردن سے لپٹ جائے گی۔ آنحضرت ﷺ سے جب دونوں جھگڑے والوں نے یہ بات سنی تو دونوں کی روتے روتے چیخیں نکل گئیں اور ان میں سے ایک نے عرض کیا یا رسول اللہؐ میری ساری جائیداد لے کر اس کو دے دیں مگر میں یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا کہ کسی غلطی سے آپؐ کا فیصلہ میرے حق میں ہو جائے جو میرا حق نہ ہو۔ انہوں نے کہا میرے بھائی کو دے دیں۔ یہ سن کر آپؐ نے فرمایا تم اس پر آمادہ ہو تو یوں کرو کہ جائیداد تقسیم کرو، قرعہ اندازی کرو، جس کے حصہ میں جو قرعہ نکلے اسے وہ خوشی سے لے لے اور اس کا طریق یہ ہے کہ ایک شخص جائیداد کے اندازے کرتا ہے، اسے تقسیم کرتا ہے، اپنی طرف سے انصاف کے ساتھ اور دوسرے کو پہلے قرعہ اٹھانے کا حق ملتا ہے۔ یا وہ فیصلہ کرنے کا حق ملتا ہے کہ میں ان میں سے جو مرضی چن لوں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر اتنے تم محتاط ہو گئے ہو اور تقویٰ پر قائم رہنا چاہتے ہو تو زیادہ اور کم کی بحث چھوڑ دو، برابر تقسیم کر لو (ابوداؤد کتاب القضاء حدیث: 3112) اور اس کا طریق یہ بیان کیا جیسا کہ میں نے آپ کے سامنے کھولا ہے۔ چنانچہ اسی کے مطابق پھر ان دونوں کا فیصلہ ہوا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے بیان فرمایا۔ ایک دوسرے سے حسد نہ کرو۔ ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کے لئے بڑھ چڑھ کر بھاؤ نہ بڑھاؤ۔ ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو۔ ایک دوسرے سے پیٹھ نہ موڑو۔ ایک دوسرے کے سودے پر سودا نہ کرو بلکہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔ مسلمان اپنے بھائی پر ظلم نہیں کرتا اس کی تحقیر نہیں کرتا اس کو شرمندہ یا رسوا نہیں کرتا۔ آپؐ نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تقویٰ یہاں ہے یہ الفاظ آپؐ نے تین دفعہ دہرائے۔ پھر فرمایا انسان کی بدبختی کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقارت کی نظر سے دیکھے۔ ہر مسلمان کا خون، مال، عزت، آبرو دوسرے مسلمان پر حرام اور اس کے لئے واجب الاحترام ہے۔ (مسلم کتاب البر والصلۃ حدیث: 4650)

یہ ایسی نصیحتیں ہیں جن میں معاشرے کی روزمرہ کی برائیوں کے حوالے سے نیکیاں اختیار کرنے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ بغض کا تعلق حسد سے بھی ہے اور حسد کا بغض سے اور پھر مال میں ایک دوسرے سے دھوکہ کرنے سے بھی ان باتوں کا تعلق ہے۔ ایک انسان جب اپنے بھائی کی خوشی پر راضی نہیں ہوتا مثلاً ایک بھائی کی تجارت چمک رہی ہے اور دوسرے بھائی کو مزہ نہیں آ رہا، پسند نہیں آ رہی۔ تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یا تو وہ اس کے پاؤں کھینچنے کی کوشش کرتا ہے، اس کی ٹانگ کھینچنا جس کو کہتے ہیں اور اسے گرانے کی کوشش کرتا ہے یا دھوکہ دہی سے یا دوسری چالاکیوں سے اس سے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے۔ پس اخلاقی خرابیوں میں جو لین دین سے تعلق رکھتی ہیں، حسد کا بہت گہرا تعلق ہے۔ شریکے میں کسی کا گھر اونچا بن گیا، کسی کی عمارت پختہ ہوگئی تو یہی چیز دوسرے کو کھائے چلی جاتی ہے۔ ایک دفعہ کسی اچھی چیز پر کسی نے مبارک باد دی اور ایک دوسری عورت نے کہا کہ اب تم بھی کوشش کرو گی کہ ایسی ہی بناؤں میں یا اس سے بڑھ کر بناؤں۔ تو وہ نیک خاتون تھی اس نے کہا نہ بی بی مجھے اس سے ہی بڑی خوشی ہے۔ میری بہن کی چیز ہے مجھے اچھی لگ رہی ہے تو مجھے تو خیال بھی نہیں آیا کہ میں اس سے بڑھ چڑھ کے بناؤں۔ اللہ کی مرضی ہے زیادہ دے تو اس کی مرضی لیکن مجھے کوئی تکلیف نہیں۔ یہ جو روح ہے اگر یہ مومنوں میں پائی جائے تو سب کی خوشی سب کی خوشی بن جاتی ہے۔ ہر ایک کی خوشی ہر دوسرے کی خوشی ہو جاتی ہے اور ایسے لوگوں کا دل ہمیشہ ٹھنڈا رہتا ہے اور اطمینان پاتا ہے۔ اپنے بھائیوں میں سے کسی کو خوشحال دیکھیں تو ان کا دل بھی راضی ہوتا ہے وہ اور دعائیں دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے ساتھ پھر حسن سلوک فرماتا ہے اور ایسے بندے کی ادائیں خدا کو بہت بھاتی ہیں اور وہ ان کے لئے بھی اس جیسی نعمت یا بعض دفعہ ان سے بڑھ کر نعمت دینے کا فیصلہ فرما لیتا ہے۔ لیکن وہ لوگ جو حسد کرنے لگتے ہیں ان کی نیکیاں بعض دفعہ اس طرح کھائی جاتی ہیں کہ اس کے بعد ان کو روحانی طور پر کوڑھ ہو جاتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مضمون کو بیان فرمایا ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں **کہ ایک روحانی بیماری کوڑھ ہے اور اس کوڑھ کی علامت یہ ہے کہ اگر اپنے بھائی کو اچھا دیکھو تو تمہیں تکلیف ہو اور بھائی کو بُرا دیکھو تو تمہیں خوشی ہو۔ یہ روحانی کوڑھ ہے جس کا علاج پھر کوئی نہیں، یہ ناسور بن جاتا ہے جو اپنے جسم کو کھانے لگتا ہے، وہ آگ جو دوسرے کو جلانے کی تمنا رکھتی ہے مگر جلا نہیں سکتی،**

وہ اپنے آپ کو ضرور بھسم کر جاتی ہے۔ پس ایسے لوگ ہر روحانی فیض اور برکت سے محروم رہ جاتے ہیں۔ پس اگر اپنے بھائی کی کوئی اچھی چیز آپ کو معلوم ہو تو وہ موقع ہے اپنے دل کو ٹٹول کر اپنی تشخیص کرنے کا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو نصیحت فرمائی ہے وہ اسی حدیث نبویؐ سے تعلق رکھتی ہے کہ **و لا تباغضوا** ایک دوسرے سے بغض کا معاملہ نہ کیا کرو یعنی وہ تم سے بغض کر رہا ہو اور تم اس سے بغض کر رہے ہو **و لا تحاسدوا** اور ایک دوسرے سے حسد کا معاملہ نہ کیا کرو۔ جب تم حسد کرو گے تو پھر دوسرے تم سے حسد کریں گے۔ ساری سوسائٹی میں ایک دوسرے سے بغض، ایک دوسرے سے حسد کا تعلق جاری ہو جاتا ہے یا بے تعلقی ہو جاتی ہے۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو کوڑھ فرما کر اس کی پہچان بتائی کہ تمہیں کسی طرف سے خوشی کی خبر ملے تو اپنے دل میں دیکھو کہ تمہیں کیا ہوا ہے۔ اگر چٹکی کاٹی گئی ہے، اگر تکلیف ہوئی ہے، بعض دفعہ لگتا ہے خنجر گھونپ دیا گیا ہے تو اسی حد تک تم بیمار ہو جتنی زیادہ تکلیف، اتنا کوڑھ آگے بڑھ چکا ہے اور جتنی خوشی ہوگی اتنا ہی تم ایمان کے رستے پر آگے بڑھنے والے ہو۔ اگر بھائی کی اچھی خبر سے تمہارا دل خوش ہو جاتا ہے تم کہو الحمدللہ فلاں کو اللہ نے یہ نعمت عطا فرمائی تو یاد رکھو کہ تم ایمان کے رستے کے مسافروں میں سب سے آگے بڑھنے والے مسافر ہو اور کم سے کم اگر تکلیف نہیں ہوتی تو یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ بہت اچھی صحت نہیں، مگر بیمار بھی نہیں ہے۔ مگر ہمارے معاشرے میں بیماریاں زیادہ بڑھ رہی ہیں اور جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا مشرقی ملکوں میں تو بہت ہی زیادہ تباغض اور تحاسد پایا جاتا ہے لیکن مغربی قوموں میں بھی کم نہیں ہے۔ یہ بیماری ہے جس میں یہ بھی ہم سے خوب مقابلہ کرتے ہیں۔ یہ جتنے آپ نے دیکھے ہوں گے سر منڈائے ہوئے بعض پھرنے والے، وہ اچھا گھر دیکھتے ہیں پتھر مار مار کے اس کے شیشے توڑ دیتے ہیں۔ موٹر دیکھتے ہیں تو اس کے اوپر ڈنٹ ڈال دیتے ہیں، اس کے شیشے توڑ کے اپنا کوئی بھی فائدہ نہیں مگر دوسرے کا نقصان کر کے راضی ہوتے ہیں۔ یہ کوڑھ ہے، جو وہ لوگ، جو محروم ہیں، بعض خوبیوں سے وہ اپنے لئے لعنتیں لے لیتے ہیں، خوبیاں تو پھر بھی حاصل نہیں کر سکتے۔ کسی کے گھر کے شیشے توڑنے سے ان کے گھر کے شیشے تو نہیں لگ جائیں گے، کسی کی کار کو نقصان پہنچا کر ان کو تو کار نصیب نہیں ہوگی مگر وہ تو چونکہ بے دین لوگ ہیں۔ ان کو علم نہیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ مومن اگر مومن کہلا کر ایسی باتیں کرے

تو اس کا تو سراسر نقصان ہی نقصان کا سودا ہے اس کی نیکیاں کھائی جاتی ہیں۔اس بیماری سے اور خدا تعالیٰ کا غضب وہ حاصل کر لیتا ہے۔

دیکھیں ناسور اور کینسر کھانے والی چیزیں ہیں۔وہ بیماریاں ہیں جو اوروں کا نہیں تو اپنا گوشت کھاتی ہیں اور اسی کا نام ناسور بھی ہے اور کینسر بھی جب اور بڑھ جائے اور لاعلاج ہو جائے تو یہ بیماریاں آنحضورﷺ بیان فرمارہے ہیں ان کی بعینہٖ یہی نوعیت ہے یہ دوسروں کو تو کھا نہیں سکتیں اپنی روحانی طاقتوں کو، اپنی خوبیوں کو کھانے لگتی ہیں اور انسان اس کوڑھ کا مریض ہو کر محض ایک ذلیل اور رسوا ڈھانچہ بن جاتا ہے اس میں کچھ بھی قابل قدر چیز باقی نہیں رہتی۔پس ان سے پرہیز کریں۔

پھر فرمایا پیٹھ نہ موڑو دوسروں سے، پیٹھ نہ موڑنے کا کیا مطلب ہے۔پیٹھ موڑنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو اس سے اونچا نہ سمجھو اور اس سے بے اعتنائی نہ کرو۔بعض لوگوں میں دیکھا گیا ہے کہ اگر وہ مجلس میں ہوں جہاں اچھے کھاتے پیتے لوگ، اچھے کپڑوں میں ملبوس ان سے باتیں کر رہے ہیں اور کوئی ان کا پرانا غریب بھائی یا دوست یا کلاس فیلو ان تک آ جاتا ہے تو وہ اس طرف پیٹھ پھیر لیتے ہیں کہ ان کو یہ نہ پتا چل جائے کہ ہم ایک دوسرے کے بے تکلف دوست ہیں اور اگر وہ بے تکلفی سے بات کرے تو ان کو بڑا غصہ آتا ہے کہ تم کہاں آ دھمکے ہو پرانی باتیں پرانی ہو گئیں اب تو میرا رتبہ بڑا بڑھ چکا ہے، میں اونچا ہو گیا ہوں۔دیکھتے نہیں کن لوگوں سے باتیں کر رہا ہوں۔

تو آنحضرتﷺ کتنی باریک نظر سے اپنے صحابہؓ کی کمزوریاں دور فرماتے تھے۔دھوبی کپڑوں کو پٹخ پٹخ کر اس کے داغ دور کرتا ہے لیکن بعض اور بھی محنت کرنے والے ہیں وہ واپس لا کر پھر نظر سے دیکھتے ہیں اور ایسے مسالے رکھتے ہیں کہ اگر ذرا سا بھی کوئی داغ رہ جائے اس کو بھی دھوتے ہیں۔مگر روحانی بدن صاف کرنے والوں میں تمام صاف کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر محمد رسول اللہﷺ کا مرتبہ تھا کیونکہ آپؐ کے متعلق قرآن کریم نے یہ اعلان فرمایا ہے کہ آپؐ پاکبازوں کو پاک کرنے والے تھے۔ان لوگوں کے مزکّی تھے جو پہلے ہی پاک لوگ ہو چکے تھے، تقویٰ شعار کو مزید تقویٰ عطا کرتے تھے۔چنانچہ قرآن کریم نے یہی تعارف فرمایا ہے شروع میں ہی کہ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (البقرہ:2) کہ یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی بھی شک نہیں ہے اور اس بات میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ بڑے بڑے متقی بھی محمد رسول

اللہ ﷺ کے دربار میں آئیں گے تو اس تعلیم کی برکت سے ان کے تقووں میں بھی ترقی ہوگی اور متقیوں کو بھی ہدایت ملے گی۔ پس متقیوں کو تقویٰ سکھانے والا پاکبازوں کو پھر پاک کرنے والا یہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ تھے اسی لئے آپؐ نے پھر آخر پر یہ نصیحتیں فرمانے کے بعد فرمایا کہ تقویٰ یہاں ہے، تقویٰ یہاں ہے۔ مجھ سے تقویٰ سیکھو پھر تم پاک اور صاف بنائے جاؤ گے۔

پس معمولی سی بے رخی جو بھائی کے ساتھ ہے یہ بھی تقویٰ کے خلاف ہے۔ سودے پر سودا کرنا یہ بھی حسد اور بغض کا بچہ ہے کیونکہ اگر کسی بھائی کا اچھا سودا ہو رہا ہے آپ کو تکلیف ہے تو آپ کہیں گے میرے ساتھ ہو جاؤ تو چار آنے بڑھا کر آپ بیچ میں دخل اندازی کریں اور سودا کر لیں تو یہ ناجائز ہے۔ ایک طرف منڈی میں مال لے جانے کی نصیحت ہے دوسری طرف براہ راست اتفاقاً سودے ہوتے رہتے ہیں ان کے آداب سکھائے گئے ہیں۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ کا ہر سودا منڈی میں جا کر ہو۔ مراد یہ ہے جو قدرتی، طبعی، اقتصادی ذرائع سے مال خود بخود منڈی پہنچتے ہیں ان کے اس طبعی Flow میں اس طبعی حرکت میں تم نے مداخلت نہیں کرنی اور اس کو مصنوعی نہیں بنا دینا۔ یہ اقتصادی طبعی تقاضے ہیں ان میں دخل اندازی نقصان دہ ہے اور مومن کے لئے ناجائز ہے لیکن یہ مراد نہیں کہ آپس میں کوئی سودا نہیں کرنا۔ پس آپس کے سودوں میں یہ فرمایا گیا ہے جب آپس میں سودا کر رہے ہو تو وہ منڈی تو نہیں ہے جہاں بھاؤ دئے جائیں، جہاں نیلامیاں ہو رہی ہوں:۔ تمہارا فرض ہے کہ خاموشی سے وہ سودا ہونے دو، اگر وہ سودا ٹوٹ جاتا ہے، نہیں ہوتا پھر تم زیادہ دے کر اس سے خریدنا چاہتے ہو تو تمہارا حق ہے اور اس سودے کے طریق کو بیاہ شادی کے ساتھ بھی وابستہ فرما دیا۔ اگر کسی کو علم ہو کہ اس کے کسی بھائی، کسی عزیز، کسی دوست واقف نے کسی بچی کا پیغام دیا ہوا ہے تو اسلامی اسلوب یہ ہے کہ جب تک اس کا فیصلہ نہ ہو وہ انتظار کرے اور اگر کوئی لمبا لٹکانا چاہتا ہے تو لڑکی کے ماں باپ کا فرض ہے کہ شروع میں اس کو بتا دیں کہ ہم مجبور ہیں ہم جلدی فیصلہ نہیں کر سکتے اس لئے آپ آزاد ہیں۔ اگر دوبارہ درخواست دینا چاہتے ہیں تو آپ کا حق ہے لیکن یہ جو سودا ہے یہ اس وقت کالعدم سمجھا جائے ایسی صورت میں جو چاہے پیغام دے سکتا ہے لیکن اگر کوئی پیغام کسی کا آیا ہوا اور وہ لٹکا کر بیٹھ جائے اور یہ انتظار کرے کہ شاید کوئی اور اچھا پیغام آ جائے تو یہ بھی سراسر ظلم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی اس نصیحت کی خلاف ورزی ہے۔ پس جہاں ایک طرف پیغام پر

پیغام نہیں دینا یہ ایسی ہی بات ہے جیسے سودے پر سودا کر رہے ہو۔ وہاں دوسری طرف ان کے لئے بھی اس میں نصیحت ہے جس کو بچیوں کے پیغام ملتے ہیں کہ پیغام کے انتظار میں نہ بیٹھیں کیونکہ اگر پیغام کے انتظار میں بیٹھے ہیں تو رسول اللہ ﷺ کو جھٹلا کر بیٹھ رہے ہیں۔ آپؐ نے تو فرمایا ہے سودے پر سودا ہونا ہی نہیں تو تم کس بات کا پھر انتظار کر رہے ہو اس لئے انتظار کرنا ہی اس نصیحت کی خلاف ورزی ہے یا یہ کہیں کہ ہمیں کچھ وقت لگے گا سوچنے میں آپ انتظار کر سکتے ہیں تو کریں۔ یا یہ کہیں کہ ہمیں چونکہ زیادہ وقت چاہئے اس لئے آپ آزاد ہیں درمیان کی کوئی صورت نہیں ہونی چاہئے۔ اگر اس نصیحت کو ہم روزمرہ کے معاشرے میں رائج کر دیں تو ہماری اقتصادیات بھی بہتر ہو جائیں گی اور ہمارے سوشل تعلقات اور معاملات بھی خدا کے فضل سے بہتر ہو جائیں گے۔

ایک آخری بات میں اس موقع پر کہنا چاہتا ہوں یہ مضمون تو لمبا ہے اور بھی خطبوں میں چلے گا کہ ایک ایسی بات جس کو میں آج اس نئے مرکز میں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا ہے بطور اعلان کے کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ جماعت کی ترقی کے ساتھ ساتھ ہماری آئندہ ضرورتوں کو پورا کرنے کے خیال میں از خود ہی ہمیں بڑی بڑی جگہیں مہیا کرتا چلا جا رہا ہے اور ایک جگہ کے تنگ ہونے کا خطرہ پیدا ہوتا ہے تو اللہ اور جگہ عطا فرما دیتا ہے۔ آپ کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کا یہی سلوک ہے۔ پس ان جگہوں کو جو آپ کو عطا ہو رہی ہیں خیر و برکت سے بھریں۔ اگر خیر و برکت سے بھریں گے تو اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں وعدہ فرماتا ہے کہ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ کہ اچھا شہر پاک شہر جہاں اچھے شہری لوگ رہتے ہیں یا ایسی بستی جہاں اچھے اچھے لوگ ہیں اس کو بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ کہا جاتا ہے۔ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ اور اللہ بخشش کرنے والا ہے۔ بڑی برکتیں پڑتی ہیں ایسی جگہ میں جہاں اچھے لوگ اس بستی کو طیب بنا دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے پھر میری مغفرت کا سلوک ان سے جاری رہتا ہے جو کمزوریاں ہیں ان پر بھی پردے پڑ جاتے ہیں ان کی خوبیاں بڑھتی رہتی ہیں۔ بہت ہی پیارا نقشہ ہے۔ پس ہر اس جگہ کو جو خدا تعالیٰ مزید وسعتیں دیتے ہوئے آپ کو عطا کرتا ہے اسے بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ میں تبدیل کریں اور اپنی پاکیزگیوں سے اس جگہ کو اچھا بنا دیں۔ یہ تو خوش خبری کا اعلان ہے۔

ایک اور انذار بھی ہے چونکہ خوش خبری کے ساتھ انذار لگا ہوا ہے میں نے بار بار یہ جماعت کو نصیحت کی ہے کہ اپنے سودوں میں آنحضرت ﷺ کی اس نصیحت کو پیش نظر رکھیں کہ جو بھی حرام کا

کاروبار کرتا ہے خصوصاً سؤر اور شراب کا کاروبار کرتا ہے اس پر رسول کریم ﷺ نے لعنت ڈالی ہے اور اس سودے کو ملعون قرار دیا ہے۔ اس لئے بار بار نصیحت کی کہ اس سے باز آ جاؤ اور پہلا قدم یہ اٹھایا گیا کہ میں نے کہا کہ میں ایسے لوگوں کا چندہ جماعت کے لئے وصول نہیں کروں گا۔ اگر انہوں نے ایسی زندگی بسر کرنی ہے کہ ایسا رزق اپنے لئے اپنا لیتے ہیں جس پر رسول اللہ ﷺ لعنت ڈال چکے ہیں تو ٹھیک ہے اپنی ذات پر، اپنے بچوں پر یہ حرام رزق خرچ کرتے رہیں جماعت کو اس میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ہم یہ نہیں لیں گے۔ ایک لمبا عرصہ تک ان سے یہ سلوک رکھا گیا جب کہ جماعت کی طرف سے مجھ پر بار بار دباؤ ڈالا گیا کہ یہ لوگ اب ڈھیٹ ہو چکے ہیں جنہوں نے توبہ کرنی تھی کر لی ہے جن تک بات پہنچی تھی پہنچائی گئی، بار بار پہنچائی گئی۔ جنہوں نے اثر قبول نہیں کیا ان کے لئے اب کچھ اور قدم اٹھانا چاہئے۔ میں ان سے کہتا تھا جماعت میں شرافت ہے میں سمجھتا ہوں کہ یہ شرافت کام آئے گی ناراضگی کا اظہار ہو گا تو آہستہ آہستہ باز آ جائیں گے لیکن افسوس کہ ہمبرگ کے ریجن میں خصوصیت سے ایسے بدنصیب سارے جرمنی میں سب سے زیادہ موجود ہیں جن پر یہ نیک نصیحتیں اثر انداز نہیں ہوئیں۔

ایک موقع پر ایک دفعہ ایک شریف انسان کسی دوکان سے ایک بڑا سودا کر کے آیا، چیزیں لے لیں اور پیسے کہا کہ بعد میں پہنچ جائیں گے اور ایک دو تین مہینے گزر گئے اس کو بل نہیں آیا۔ آخر وہ دکاندار کے پاس پہنچا۔ اس نے اس کو پیسے بھی ادا کئے اور پوچھا کہ آپ نے تین مہینے تک اتنی خاموشی اختیار کی مجھے بل ہی نہیں بھیجا، یاد دہانی نہیں کرائی۔ تو دکاندار نے کہا میں شرفاء کو یاد دہانی نہیں کرایا کرتا۔ مجھے پتا ہے کہ شرفاء خود ہی خیال رکھتے ہیں تو اس نے کہا اگر کوئی نہ دے اور نہ ہی دے تو اس نے کہا پھر میں یہ سمجھتا ہوں کہ شریف انسان نہیں ہے پھر اس کو یاد دہانی کرواتا ہوں۔ تو جب اتنی لمبی مدت گزر گئی اور میں نے آپ کے اندر شرافت کے کوئی آثار نہیں دیکھے یعنی ان لوگوں میں جن کو یہ لمبے عرصے تک مہلت دینا، ان کو ہلاکت سے بچا نہیں سکا تو آج میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ امیر صاحب جرمنی سے جیسا کہ میں نے رستے میں بات کی تھی ایسے وہ لوگ جن کو مہلتیں دی گئیں اور وہ ہٹ دھرمی سے اس بات پر قائم ہیں ان کے اخراج از جماعت کا اعلان کر دیں اور اب ان کی مرضی ہے انہوں نے دنیا قبول کر لی ہے تو دنیا میں رہیں۔ آئندہ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی

جماعت سے ان کا کوئی تعلق نہیں اور ان آخرین میں وہ نہیں لکھے جائیں گے جن کا ذکر یہاں چل رہا ہے اگر کوئی ان میں، کسی میں شرافت اور حیا ہے تو خدا اسے بچالے اور باقیوں کا معاملہ پھر خدا کے سپرد ہے وہ جو چاہے ان سے سلوک فرمائے۔

اپنے کردار میں وہی اعلیٰ، پاک نمونے قائم کریں جن کی حضرت محمد مصطفی ﷺ کے غلاموں سے توقع ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 9 ستمبر 1994ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے فرمایا۔

آج کے خطبے سے پہلے جن اجتماعات یا جلسوں کے اعلانات کی خواہش کا اظہار کیا گیا ہے وہ حسب ذیل ہیں۔ مجلس خدام الاحمدیہ ضلع بہاولنگر کا سالانہ اجتماع کل 8 ستمبر بروز جمعرات سے جاری ہے اور آج خطبے کے ساتھ ختم ہوگا، مجلس انصار اللہ ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ کا ایک روزہ سالانہ اجتماع آج ہی شروع ہو کر آج ہی ختم ہوگا، لجنہ اماء اللہ اور ناصرات الاحمدیہ دوبئی کے زیر اہتمام 9 ستمبر کو سیرۃ النبیؐ کا جلسہ منایا جا رہا ہے۔ مجلس انصار اللہ ضلع عمرکوٹ کا سالانہ اجتماع آج سے شروع ہو رہا ہے، کل اختتام پذیر ہوگا۔ مجلس انصار اللہ مونٹریال کا سالانہ اجتماع 11 ستمبر بروز اتوار منعقد ہو رہا ہے۔ ناصرات الاحمدیہ کوئٹہ کا سالانہ اجتماع 11 ستمبر بروز اتوار منعقد ہو رہا ہے۔ مجلس انصار اللہ ضلع حیدرآباد کا سالانہ اجتماع 11 ستمبر بروز اتوار منعقد ہو رہا ہے۔ مجلس انصار اللہ ضلع بدین کا اجتماع 12 ستمبر کو اور ضلع میرپور کا 13 اور 14 ستمبر بروز منگل بدھ منعقد ہوگا۔ اس کے علاوہ زیورک سے اطلاع ملی ہے کہ جماعت احمدیہ سوئٹزرلینڈ کا بارھواں سالانہ جلسہ آج بروز جمعہ 9 ستمبر سے شروع ہو کر 11 ستمبر بروز اتوار تک جاری رہے گا۔ علاوہ ازیں صدر صاحب جماعت احمدیہ دہلی اطلاع دیتے ہیں کہ امسال پہلی مرتبہ دہلی میں 11 ستمبر 1994ء بروز اتوار مجلس خدام الاحمدیہ کا

سالانہ اجتماع منعقد ہو رہا ہے۔

یہ جو سلسلہ اعلانات کا شروع ہوا ہے اب یہ مزید جاری نہیں رکھا جا سکتا۔ اگر آئندہ اعلانات کرنے ہوئے تو وہ صرف ملکی اہم اجتماعات کے اعلان ہوا کریں گے یا بعض ایسے اعلانات جن کے متعلق میں سمجھتا ہوں کہ وہ جماعتیں دلداری کی محتاج ہیں یا کسی وجہ سے ان کی حوصلہ افزائی ضروری ہے۔ دراصل یہ سلسلہ جو شروع ہوا ہے اب اس نے ایک نیا رنگ اختیار کر لیا ہے کئی دفعہ چٹھیاں ملتی ہیں، فیکسز ملتے ہیں اور باقاعدہ شکوے اور شکائتیں شروع ہو جاتے ہیں کہ آپ کو فلاں وقت فیکس دی گئی تھی آپ نے ہمارا اعلان کیوں نہ کیا۔ فلاں وقت اس کی تکرار کی گئی تھی پھر بھی آپ نے اعلان نہیں کیا۔ پھر اس کے بعد بات ختم ہونے کے بعد پھر اطلاع دی گئی اور سب ہمارے کارکن یا کارکنات ہم سے پوچھتے ہیں کہ کیا ہوا۔ ہمارے خلاف کیا بات ہے جو ہمارے اعلان نہیں ہو رہے۔ تو یہ دعا کی درخواستیں نہیں نام و نمود کا سلسلہ بن چکا ہے جو بہت ہی مضر بات ہے اور ہمارے ایمان کے لئے نقصان دہ ثابت ہوگا اس لئے آئندہ سے یہ سلسلہ بند ہے سوائے اس کے کہ ملکی سطح پر اہم اجتماعات یا جلسے ہوں یا جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے بعض استثناء میں تالیف قلب کی خاطر یا تالیف قلوب کی خاطر خود کروں اور اس میں کسی درخواست کا تعلق نہیں ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اگر خود میرے دل میں کسی جماعت کی دلداری کا خیال ڈالا اور جماعتی حکمت کے پیش نظر میں نے ضروری سمجھا تو میں خود ہی ایسا کروں گا۔ جو گذشتہ اجتماعات جن کا اعلان رہ گیا تھا اب ان کا اعلان بھی ایک دفعہ کر دیتا ہوں کیونکہ اس کے بعد پھر یہ شکووں کے سلسلے بند ہو جانے والے ہیں۔ ایک گھانا کے امیر ہمارے پاس بیٹھے ہوئے ہیں مجلس خدام الاحمدیہ گھانا کا نیشنل اجتماع یکم ستمبر تا 3 ستمبر منعقد ہوا لیکن اعلان نہیں ہو سکا۔ لجنہ اماء اللہ کا سالانہ ضلعی اجتماع کون سی لجنہ اماء اللہ ہے نہیں لکھا ہوا۔ 6 ستمبر کو منعقد ہوا کسی لجنہ اماء اللہ جس کا بھی ہوا تھا ان کے اجتماع کو بابرکت فرمائے (اس پر حاضرین نے آمین بلند آواز سے کہا تو حضور نے فرمایا) باقی سب کے لئے بھی صرف اسی ایک کے لئے آمین نہیں ہے۔ مجلس انصاراللہ ضلع کراچی اور حافظ آباد کے سالانہ اجتماعات 6 ستمبر کو ہوئے اور مجلس انصاراللہ ضلع نواب شاہ کا اجتماع 7 ستمبر بروز بدھ منعقد ہوا۔ اسی طرح مجلس انصار اللہ سانگھڑ کا اجتماع 8 ستمبر یعنی کل منعقد ہوا۔

جو میں نے سلسلہ خطبات کا شروع کر رکھا ہے اس میں انسانی تعلقات کے دائرے پیش نظر ہیں اور انسان کے انسان سے معاملات کے حالات بہتر بنانے کی خاطر حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی نصائح ہی سے استفادہ کر رہا ہوں اور آپؐ ہی کے الفاظ میں حتی المقدور اس پاک چلن اور پاک نمونے کی جماعت سے توقع رکھتا ہوں جو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے قدموں سے منسوب ہونے کا ایک طبعی تقاضا ہے۔ پس احادیث آپؐ ہی کے الفاظ میں پیش ہو رہی ہیں کہیں کہیں ضروری سمجھتا ہوں تو بعض حصوں کی تشریحات یا ان سے جو مضمون نکلتے ہیں ان پر گفتگو شروع ہو جاتی ہے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''جہاں بھی تم ہو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔''، ''جہاں بھی تم ہو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔'' یہ بہت ہی گہرا فقرہ ہے یعنی اس کا خیال کیوں آیا ہے کسی کو جہاں بھی تم ہو اس لئے کہ اللہ ہر جگہ موجود ہے اور یہ ایک ایسے شخص کا کلام ہے جس کو نہ صرف خدا کی ذات پر کامل یقین ہے بلکہ اس کے ہر آن حاضر ہونے کا بھی پورا یقین ہے اور اس کے بغیر یہ تصور ہی دماغ میں پیدا نہیں ہوسکتا کہ جہاں بھی تم ہو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ ''اگر کوئی برا کام کر بیٹھو تو اس کے بعد نیک کام کرنے کی کوشش کرو یہ نیکی اس بدی کو مٹا دے گی۔'' قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ (ھود: 115) کہ نیکیاں بدیوں کو دور کر دیتی ہیں اردو محاورے میں کہتے ہیں کھا جاتی ہیں تو اردو محاورہ تو غلط ہے کیونکہ نیکیاں بدیوں پہ تو تھوکتی بھی نہیں اس لئے کھانے کا کیا سوال ہے ہاں ان کو زائل کر دیتی ہیں جیسا کہ قرآنی محاورہ ہے۔ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا کہ حق آیا اور باطل بھاگ گیا کیونکہ باطل کے مقدر میں ہی بھاگنا ہے۔ پس نیکی اور بدی کی مثال نور اور اندھیرے کی سی ہے اور حق اور باطل کی بھی یہی مثال ہے پس يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ہی درست محاورہ ہے اور ہونا بھی یہی تھا کیونکہ اللہ کا کلام ہے۔ فرماتا ہے کہ نیکیاں آتی ہیں تو بدیوں کو دور کر دیتی ہیں۔ اس بات کو سمجھانے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ آگے جو بات آرہی ہے اس کا کوئی غلط نتیجہ نہ نکالے۔ فرمایا اگر کوئی برا کام کر بیٹھو تو اس کے بعد نیک کام کرنے کی کوشش کرو۔ یہ سلسلہ نہ انسان چلا بیٹھے کہ بدیوں پر جرأت اختیار کرے اور بدیاں کرتا چلا جائے اور کہے اس کے بعد میں کچھ نیکی کرلوں گا اور بدیاں دور ہو جائیں گی۔ بدی کے اثر اور اس کی عقوبت کا ذکر نہیں چل رہا یہ مضمون وہ ہے جو

قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے اور قرآن کریم فرماتا ہے کہ نیکی ہوتی ہی وہ ہے جو بدیوں کو نکال باہر پھینکے پس اگر ہر دفعہ وہی بدی کرنی ہے اور اس پر اصرار کرنا ہے اور پھر اس حدیث کا غلط معنی سمجھ کر نیکیاں کر کے اس کی عقوبت سے بچنے کی کوشش کرنا ہے تو یہ نہایت بیوقوفی ہے اس کا اس حدیث کے مضمون سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مراد ہے نیکیاں کرو خواہ بار بار بھی کمزوری ہو مگر اس وجہ سے نہیں کہ میں نیکی کر کے کمزوری ٹھیک کرلوں گا۔ یہ جہالت ہے یہ اللہ تعالیٰ کے کلام سے لاعلمی بلکہ اس کی گستاخی کے مترادف ہے اس لئے بات کو سمجھ لیجئے مراد یہ ہے کہ اگر بدی ہوتی ہے تو اس بدی کو دور کرنے کی آپ میں طاقت نہیں ہے تو اس کا علاج یہ ہے کہ نیکیاں کریں اور جب نیکیاں کرتے ہیں تو نیکی کی لذت آپ پہ قبضہ کر لیتی ہے اور ایک ذاتی تعلق نیکی سے ایسا پیدا ہو جاتا ہے کہ اس کے مقابل پر بدی کا مزہ کم ہونے لگتا ہے یہاں تک کہ وہ بدی زائل ہو جاتی ہے۔ پس اگر بے اختیاری میں گناہ ہوں یا بے اختیاری میں بار بار بھی ہوں تو اس نیت سے نیکی کرنی ہے کہ اس بدی کو زائل کرنے میں نیکی سے مدد لینی ہے اور نیکیاں کرتے چلے جانا ہے یہاں تک کہ بدی کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے اور اس کا وہی حال ہو جیسے جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ سچائی کا نور جب آتا ہے تو باطل کے اندھیرے خود بخود بھاگ جاتے ہیں وہ اکٹھے رہ نہیں سکتے۔

پھر فرمایا ''اور لوگوں سے خوش اخلاقی اور حسن سلوک سے پیش آؤ'' (ترمذی کتاب البر والصلۃ باب فی معاشرۃ الناس)۔ لوگوں سے خوش اخلاقی اور حسن سلوک بھی نیکی کی مثال کے طور پر بیان ہوا ہے جب یہ فرمایا کہ نیکی کرو تو اس نیکی میں ایک خوش اخلاقی اور حسن سلوک کو بھی داخل کرلیا اور یہ ایک عام نیکی ہے جس سے معاشرہ سدھرتا ہے اور معاشرے میں آپس میں تعلقات میں ملائمت، نرمی اور شائستگی پیدا ہو جاتی ہے اس لئے اس کو عام دستور بنانا ضروری ہے کہ ہر ایک سے حسن سلوک کریں حسن معاملت کریں اور مسکرا کر محبت اور پیار سے بات کریں دلداریاں کریں یہ جو روزمرہ کے اخلاق کے تقاضے ہیں انہیں پورا کرنا ان نیکیوں میں داخل فرما دیا گیا ہے جن کے ذریعہ بدیاں مٹتی ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے ایک ماموں تھے جو بچھو کا دم کرتے تھے حضورؐ نے جب دم کرنے سے منع فرمایا تو وہ حضورؐ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ

اے اللہ کے رسول آپؐ نے دم کرنے سے منع فرمایا ہے اور میں بچھو کا دم کرتا ہوں اور لوگوں کو اس سے فائدہ ہوتا ہے اس پر آپؐ نے فرمایا تم میں سے جو شخص اپنے بھائی کو کوئی فائدہ پہنچا سکے وہ ضرور پہنچائے۔ مقصد یہ ہے کہ دم درود کو پیشہ بنانا جائز نہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو بیچنے کے مترادف ہے یعنی ایک قسم بیچنے کی یہ بھی ہے کہ انسان کچھ قرآن کریم کی آیات یا کچھ اور نیکی کے کلمات پڑھ کر کسی پر پھونکے اور پھر ان سے پیسے وصول کرے مگر آنحضرتﷺ نے اس کی تشریح فرمادی ہے اگر خدا کے کلام سے تم برکت حاصل کرتے ہوئے کسی کو فائدہ پہنچانا چاہتے ہو اور تمہارا تجربہ بتاتا ہے کہ اس سے فائدہ پہنچ رہا ہے تو اس نیکی کی غرض سے دم کرنے سے نہ رکو کیونکہ یہ اس مضمون میں داخل نہیں ہے جس کا تعلق خدا کی آیات بیچنے سے ہے۔ (مسلم کتاب الاسلام باب استحباب الرقیہ)۔

ایک اور موقع پر جیسا کہ میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں کئی دفعہ۔ دو صحابیؓ کسی جگہ مشکل میں مبتلا ہوئے اور کھانے اور پانی سے محروم تھے ان کو ایک قبیلے نے اپنے دشمن قبیلے کا حصہ سمجھتے ہوئے اندر داخل ہونے سے ہی منع کر دیا مگر جب ان کے سردار کو پتا چلا جو شدید سر درد میں مبتلا تھا تو اس کو خیال آیا کہ شاید ان کے پاس کوئی ٹوٹکا ایسا ہو جس سے میں ٹھیک ہو جاؤں ان کی طرف آدمی بھگائے ان کو بلایا گیا اور پھر جب انہوں نے سورۃ فاتحہ کا دم کیا تو اس کی درد آناً فاناً ٹھیک ہوگئی اس کے بعد انہوں نے جو تحفہ پیش کیا وہ انہوں نے کھایا لیکن آپس میں گفتگو ہوئی۔ ایک نے کہا کہ یہ حرام تو نہیں ہو گیا کہیں یعنی مجھے شک ہے اور دوسرے نے کہا کہ نہیں جائز ہے۔ (مسلم کتاب الاسلام حدیث:4080) آنحضرتﷺ نے اس کے جائز ہونے کا فتویٰ اس طرح دیا کہ خود ان سے ایک ٹکڑا گوشت کا مانگ کر وہ بھی کھایا اور بتایا کہ ہاں ایسا جائز ہے کہ محمد رسول اللہﷺ کے لئے بھی جائز ہے۔ تو جو تقویٰ میں سب سے بڑھا ہوا ہے اگر اس کے لئے جائز ہے تو ادنیٰ آدمیوں کے لئے کسی تردد کی ضرورت نہیں۔ اس حدیث کا اس حدیث سے تصادم نہیں ہے یہ میں اس وجہ سے دوبارہ آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں ایک انسان کسی سے نیکی کرتا ہے اور وہ نیکی کے جواب کے طور پر کچھ تحفہ پیش کرتا ہے تو یہ آیات بیچنے کے دائرے میں داخل نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو نعوذ باللہ رسول اکرمﷺ نہ اجازت دیتے نہ اس میں سے خود کچھ کھاتے۔ تو اس لئے یہ نہ سمجھیں کہ ان دو باتوں میں تضاد ہے۔ مضمون یہی ہے کہ اس نیت سے خدا تعالیٰ کے کلام سے لوگوں کو فائدہ نہیں پہنچانا کہ وہ اس کے بدلے میں کچھ رقم دیں اور نہ یہ مطالبہ ہو نہ

یہ نیت ہو۔ ہاں فائدے کی خاطر بنی نوع انسان سے ہمدردی کے لئے جو دم آپ پڑھتے ہیں وہ سراسر جائز ہے اور پھر اگر کوئی تحفہ پیش کرتا ہے تو وہ آپ کے لئے تحفہ ہے نہ کہ اس دم کی قیمت۔

ابوالحسن بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرو بن مرہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو امام حاجت مندوں، ناداروں اور غریبوں کے لئے اپنا دروازہ بند رکھتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کی ضروریات وغیرہ کے لئے آسمان کا دروازہ بند کر دیتا ہے۔ حضور علیہ السلام کے اس ارشاد کو سننے کے بعد حضرت معاویہؓ نے ایک شخص کو مقرر کر دیا کہ وہ لوگوں کی ضروریات اور مشکلات کا مداوا کیا کرے اور ان کی ضرورتیں پوری کرے۔ (ترمذی کتاب الاحکام باب فی امام الرعیۃ)۔ یہ جو حدیث ہے یہ قابل توجہ ہے اور کچھ تشریح کی محتاج ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جو لوگوں کی ضرورتیں پوری کرے اس کی ضرورتیں خدا پوری کرتا ہے یہ تو ایک مثبت مضمون ہے جو دوسری احادیث میں بھی ملتا ہے اور اس میں کوئی اشتباہ نہیں کسی قسم کی کوئی گنجلک نہیں ہے جسے دور کیا جائے جو ایسا نہیں کرتا یعنی جو غریبوں پر اپنے دروازے بند کرے اس کی ضرورتوں کے لئے آسمان کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں یہ مضمون عام نہیں ہے کیونکہ اگر یہ مضمون عام ہو تو جتنے ایسے بدنصیب لوگ ہیں جو مال دولت والے ہیں اور اپنے دروازے غریبوں پر بند رکھتے ہیں یا وہ امیر قومیں جو اپنے اموال اور دولتوں کو غریب قوموں پر خرچ نہیں کرتیں بلکہ محض تجارتی یا سیاسی فوائد کی خاطر ان کو استعمال کرتی ہیں ان کی ضرورتیں سب بند ہو جانی چاہئیں اور ایسے سب لوگ دیکھتے دیکھتے محتاج ہو جانے چاہئیں۔ پس اس حدیث کے مضمون کو عام نہ سمجھا جائے میرا تجربہ بتاتا ہے کہ جن خدا کے بندوں میں کچھ ایمان ہو جن کو اللہ بچانا چاہے ایسی سزائیں صرف ان کو دیتا ہے اور جو خدا سے دور ہیں جن سے اللہ بے نیاز ہو چکا ہے ان کو یہ سزا نہیں دی جاتی۔ تو بعض دفعہ سزا کا دیا جانا پیار کا اظہار ہوتا ہے اور سزا کا نہ دینا غضب کا اظہار ہوتا ہے۔ اس حدیث کا بھی اسی مضمون سے تعلق ہے بعض لوگ جو خدا کا ذکر بھی کرتے ہیں اس سے پیار بھی رکھتے ہیں اور اپنی بدنصیبی کی وجہ سے اتنے خسیس ہوتے ہیں کہ اس کے باوجود ان کی اصلاح نہیں ہوتی اور خدا کے بندوں پر وہ فیض بند کر دیتے ہیں جو اللہ نے ان کو عطا کیا ہے تو اللہ تعالیٰ ان پر اپنے فیض کے دروازے بند کرتا ہے ان کو سمجھانے کے لئے ان کو بچانے کے لئے اور کئی دفعہ ایسے لوگ سمجھ کر پھر بچ بھی جاتے ہیں اور

جو نہ بچیں پھر وہ خدا سے ضائع ہو جاتے ہیں پس یہ وہ مضمون ہے جس کو خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے اور یہ صرف اسی دائرے سے تعلق نہیں رکھتا کہ ضرورتیں پوری کی جائیں بلکہ اور بھی بہت سے ایسے روزمرہ کے تجربات ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے جن سے نیک توقعات رکھتا ہے ان کی ادنیٰ لغزشوں کو بھی بعض دفعہ پکڑتا ہے یہ بتانے کے لئے کہ مجھے تمہاری یہ بات پسند نہیں آئی اور ان کو ایک معمولی سی سزا دے کر سمجھا دیتا ہے اور اس کے بعد پھر ان سے غیر معمولی حسن سلوک فرماتا ہے غیر معمولی پیار سے ان کی دلداریاں کرتا ہے۔

یہ جو خدا کا بندوں سے تعلق ہے یہ انسانی تعلقات کے دائروں پر غور کرنے سے بھی سمجھ میں آ جاتا ہے۔ بعض لوگ کسی انسان کے ساتھ بدسلوکیاں کرتے چلے جاتے ہیں لیکن اس کو کوڑی کی بھی پرواہ نہیں کوئی جواب نہیں دیتا لیکن اپنا کوئی پیارا جس پر اعتماد ہو اس کی ادنیٰ سی لغزش سے بھی دل پارہ پارہ ہو جاتا ہے اور پھر انسان اس سے نظر پھیرتا ہے یا اس کو وقتی طور پر سمجھانے کی خاطر کوئی اس کو نمونہ اپنی ناراضگی کا عطا کرتا ہے۔ یہ اس لئے کہ تا کہ وہ سمجھ جائے اور اس کے بہترین اور پاکیزہ تعلقات دوبارہ اس سے بحال ہو جائیں چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی فطرت پر پیدا فرمایا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے تو اس سے یہ مراد ہے کہ جتنی فطرت بھی انسان کو عطا ہوئی ہے وہ خدا کی فطرت یا اس کی صفات کے مطابق ہے اس کے منافی نہیں ہے۔ یہ مطلب بھی نہیں کہ خدا کی تمام صفات انسان میں جلوہ گر ہیں۔ نہ خدا کی تمام صفات فرشتوں میں جلوہ گر ہیں نہ انسان میں ہیں بلکہ خدا کی مخلوقات کے امکانات لامتناہی ہیں اور ہر مخلوق میں خواہ وہ ادنیٰ ہو یا اعلیٰ ہو خدا کی صفات ضرور جلوہ گر ہوتی ہیں کہیں کم کہیں زیادہ۔ تو مراد یہ ہے کہ انسان کو اس حد استطاعت تک اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کے نمونے پر بنایا ہے اور اسی نمونے کو قائم رکھنا ہی حقیقی نیکی ہے اور اس سے باخدا انسان بنتے ہیں پس جو اپنی فطرت کے خواص کو چمکاتا ہے جو الٰہی صفات ہیں وہ باخدا بنتا چلا جاتا ہے جو ان صفات کو نظر انداز کر کے محض خدا کے حضور ماتھا ٹیکنے کو ہی عبادت سمجھتا ہے یا زندگی کا مقصد اور صفات الٰہی سے آنکھیں بند کر لیتا ہے صفاتِ الٰہی کے سامنے اپنی گردن نہیں جھکاتا وہ انسان دھوکے میں مبتلا ہے کہ میں عبادت کر رہا ہوں بلکہ اس کی عبادت محض ایک جسم کا جھکنا ہے اس سے زیادہ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ پس آنحضرت ﷺ جو بات فرماتے ہیں چونکہ وہ صفات الٰہی کا کامل مظہر ہیں اس لئے صفات الٰہی کے

دائرے میں ہی ان باتوں پر غور ہونا چاہئے اور صفات الٰہی اگر براہ راست سمجھ نہ آئیں تو ان انسانوں کی پاک فطرت کے حوالے سے وہ سمجھ آ سکتی ہیں جنہوں نے کسی دائرے میں اپنی فطرت کی حفاظت کی ہوئی ہے وہ جب اپنے نفس میں ڈوب کر دیکھتے ہیں اپنے تعلقات کا جائزہ لیتے ہیں تو ان کو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کا وہ کلام جو خدا کے بارے میں ہے سمجھ آنے لگتا ہے۔

ہاں ایک اور بات اس میں یہ ذکر ہے کہ حضرت معاویہؓ نے ایک شخص کو مقرر کر دیا کہ جب حضرت معاویہؓ نے یہ سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ جو لوگوں پر اپنے دروازے بند کرتا ہے اللہ تعالیٰ آسمان پر اس کے لئے دروازے بند کر دیتا ہے تو انہوں نے ایک شخص کو مقرر کر دیا کہ لوگوں کی شکایات کا مداوا کرے یہ حدیث نہیں ہے یہ حضرت معاویہ کا ایک ردعمل ہے جو بیان ہوا ہے اور میرے خیال میں یہ ردعمل اس حدیث کے مضمون کے عین مطابق نہیں ہے ایک امیر آدمی کا یا ایک بادشاہ کا کسی دربان کو مقرر کر دینا، کسی ایک شخص کو مقرر کر دینا کہ لوگوں کی حاجتیں پوری کرتا پھرے یہ ہرگز اس حدیث کے منشاء کے مطابق بات نہیں ہے یہ الگ الگ مضمون ہے جو بادشاہوں کی ذمہ داریوں سے تعلق رکھتا ہے ان کو ادا کرنی چاہئیں اس کا انسانی نفس سے تعلق ہے وہ شخص جس کا نفس بنی نوع انسان کی حاجت روائی کے لئے کھلا رہتا ہے جس کی فطرت کے دروازے ہمدردی کے ساتھ خدا کے مجبور اور مقہور اور معذور بندوں کے لئے کھلے رہتے ہیں اور اس کا فیض ان دروازوں سے ہمیشہ ان کے لئے جاری رہتا ہے یہ وہ مضمون ہے جس کا آسمان کے دروازے کے کھلنے یا اس کے برعکس ان کے بند ہونے سے تعلق ہے۔ پس وہ لوگ جو فطرتاً بنی نوع انسان کی ہمدردی میں مگن رہتے ہیں ان کی فطرت ہر وقت تقاضا کرتی ہے کہ ضرورت مند کی ضرورت پوری کی جائے بیمار کو شفا بخشی جائے اور مصیبت زدگان کی مصیبت کا حل کیا جائے وہ ہیں جن کے دروازے کھلے ہیں نہ کہ وہ جو دربانوں کو ہدایت کر دیں کہ کسی کا خیال رکھو یا ملازموں کو ہدایت کر دیں۔ پس یہ پاک تبدیلی اگر فطرت کے اندر پیدا ہو جائے اور انسانی فطرت کے دروازے خدا کے محتاج بندوں کے لئے کھل جائیں تو اس حدیث کا جو برعکس مضمون ہے وہ بھی لازماً صادق آتا ہے کہ آسمان کے دروازے ان پر کھولے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی ضروریات کا خود خیال فرماتا ہے۔

یہ جو احادیث ہیں ان کا حوالہ میں دینا بھول گیا تھا ابوالحسن سے جو حدیث روایت ہے یہ

ترمذی کی ہے اور دم والی حدیث جو بیان کی تھی یہ مسلم کتاب الاسلام سے لی گئی تھی اور جہاں کہیں بھی تم ہو تقویٰ اختیار کرو یہ حدیث جو ہے یہ ترمذی کتاب البر سے لی گئی تھی۔

اب ایک حدیث امام مالک کی مؤطا سے لی گئی ہے۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ یحییٰ معزنی رضی اللہ کی روایت بیان کرتے ہیں کہ ضحاک بن خلیفہ نے مدینہ کی ایک وادی سے پانی کی ایک نالی نکالنی چاہی تا کہ اپنے کھیت سیراب کر سکے۔ یہ نالی محمد بن مسلمہ کی زمین میں سے ہو کر گزرتی تھی۔ محمد بن مسلمہ نے اس کی اجازت نہ دی ضحاک نے اس سے کہا کہ تم کیوں روکتے ہو تمہارا بھی اس میں فائدہ ہے پہلے تم اپنی زمین کو پانی دے دینا اور بعد میں وہ بھی فائدہ حاصل کر سکتا ہے تمہارا کوئی نقصان نہیں لیکن محمد نے کہا بس میری مرضی ہے میری زمین ہے میں اجازت نہیں دیتا۔ ضحاک نے حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب کی خدمت میں اس مشکل کا ذکر کیا آپؓ نے محمد بن مسلمہ کو بلایا اور کہا کہ وہ ضحاک کی بات مان لے لیکن محمد بن مسلمہ نے مسلسل انکار کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جب تمہارا بھی اس میں فائدہ ہے اور نقصان نہیں ہے تو اپنے بھائی کو فائدہ پہنچانے سے کیوں روکتے ہو لیکن وہ اپنی بات پر اڑے رہے اور یہ کہا خدا کی قسم میں ان کو ہرگز اجازت نہیں دوں گا یعنی خدا کی قسم کھالی تا کہ حضرت عمر اس نام کے خیال سے مزید اصرار نہ کریں۔ اب پہلی بات قابل غور یہ ہے کہ خدا کی اگر قسم کھائی جائے تو اس پر وہ جو خدا کی محبت رکھتا ہے یا خدا کا غیر معمولی احترام دل میں رکھتا ہے وہ تو رک جایا کرتا ہے۔ کیا حضرت عمرؓ اس قسم کی وجہ سے رک گئے؟ ہرگز نہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ نالی اگر تمہارے پیٹ پر سے بھی گزارنی پڑے تو میں اسے ضرور جاری کرواؤں گا اور جاری کروائی کہ تم ہوتے کون ہو بنی نوع انسان کے فوائد کی راہ میں حائل ہونے والے؟

اب اس مضمون میں دو باتیں ہیں جو قابلِ توجہ ہیں ایک موقع پر حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کا عقد کسی سے ہوا۔ یہ وہ بدنصیب خاتون ہیں جو پھر ازواج مطہرات میں داخل نہیں ہو سکیں اور آنحضور ﷺ جب کمرے میں داخل ہوئے تو اس نے کہا کہ میں خدا کے نام پر تمہیں اپنے پاس آنے سے روکتی ہوں۔ آنحضور ﷺ نے اسی وقت قدم روک لیا اسی وقت دروازے سے باہر چلے گئے اور وہ معاملہ ایسے ہو گیا جیسے وہ کالعدم تھا اس کا کوئی وجود نہیں تھا تو جہاں خدا کے نام کی عزت کا تعلق ہے جہاں تک کسی شخص کے اپنے ذاتی حقوق کا تعلق ہے جن کو اللہ کے نام کی غیرت ہے اس سے محبت ہے

وہ ایک ذرہ بھی اس کے بعد اصرار نہیں کرتے جس پر ان کو خدا کے نام سے روکا جار ہا ہو لیکن جہاں خدا کی مرضی کے خلاف اللہ تعالیٰ کا نام استعمال ہو رہا ہو جہاں ان باتوں میں اللہ کا نام استعمال کیا جائے جہاں خدا نے حق نہیں دیا وہاں محض خدا کے نام کی خاطر رکنا اللہ تعالیٰ کے نام کی عزت افزائی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے مخالف حرکت کرنا ہے۔

پس یہ جو دو حدیثیں ہیں ان سے کوئی شخص تصادم سمجھتے ہوئے یہ نہ سمجھے کہ رسول اکرم ﷺ نے تو ایسا نمونہ دکھایا تھا اور حضرت عمرؓ خلیفہ ہونے کے باوجود خدا کا نام سننے کے بعد بھی رکے نہیں بلکہ یہ فرمایا کہ مجھے تمہارے پیٹ پر سے بھی نالی گزارنی پڑی تو ضرور نکالوں گا۔ یہ بہت ہی اہم بات ہے۔ حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ آنحضرت ﷺ کے مزاج کے مطابق ہے اور قرآنی تعلیم کے مطابق ہے ایک بھائی دوسرے بھائی کو جو فائدہ پہنچا سکتا ہے اس سے نہیں رکنا چاہئے لیکن اگر وہ اپنے عام معاملات میں رکتا ہے تو یہ الگ مسئلہ ہے لیکن جہاں تک انسان کے انسان پر حقوق، ریاست سے تعلق رکھتے ہوں جہاں ان حقوق میں ریاستی دستور کا مضمون داخل ہو جائے اور ایک Civil Right کا مضمون ہو وہاں ریاست کے مالک کا یا حکمران کا فرض ہے کہ Civil Right کو خدا کی تعلیم کے مطابق جاری کرے۔

پس آج کل ہمارے ملکوں میں یہ ہوتا ہے بعض دفعہ ایک امیر آدمی کے کھیت سے کسی غریب آدمی کی نالی نکلنی ہوتی ہے وہ گورنمنٹ منظور بھی کر لیتی ہے وہ انکار کر دے تو کچھ پیش نہیں جاتی حالانکہ اگر حقیقی اسلامی روح ہو تو حکومت کا فرض ہے کہ یہ جائزہ لے کہ اگر کسی بھائی کا فائدہ پہنچ رہا ہے اور کسی کا معمولی نقصان ہے جو ایک نالی نکالنے کے نتیجے میں طبعاً ہونا ہے تو اس کو اس کی اجازت نہیں ہونی چاہئے کہ وہ روک دے۔ میرے پاس ایک دفعہ ایک شکایت ملی چند احمدی گھرانوں کی طرف سے کہ فلاں احمدی دوست ہیں اچھے بھلے کھاتے پیتے اور صاحب حیثیت، ہم نے حکومت سے نالی منظور کروائی وہ اجازت نہیں دیتے تو میں نے ان سے پتا کروایا تو بات وہی تھی کہ معمولی نقصان کی خاطر ایک بھائی کے بڑے فائدے سے ان کو روکا جا رہا تھا تو میرے پاس تو ریاستی اختیارات نہیں ہیں مگر میں نے ان کو پیغام بھجوا دیا کہ اگر آپ نے ایسا کیا تو میرے آپ سے ذاتی تعلقات ٹوٹ جائیں گے اور اس کے علاوہ میں جماعت کو کہوں گا کہ ہر ممکن اس شخص کی مدد کرے اور جہاں تک

جماعت کا زور چلا ہم ضرور کروا کے چھوڑیں گے۔اب اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ کام ہوا یا نہیں مگر اس کے بعد دونوں کی طرف سے مجھے کوئی اطلاع نہیں ملی۔تو میں یہ بات اس لئے بیان کر رہا ہوں کہ یہ زمیندارہ، چھوٹی چھوٹی گھٹیا باتیں جماعت کے اعلیٰ کردار کے مخالف اور معاند ہیں۔مخالف اور معاند اس لئے کہ جماعت کے دوسرے اخلاق کو بھی یہ بداخلاقیاں چاٹ جاتی ہیں اور ان کی دشمن ہو جاتی ہیں پس اس لئے جماعت کو اپنے کردار میں وہی اعلیٰ پاک نمونے قائم کرنے چاہئیں جن کی حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے غلاموں سے توقع ہے اور یہ جو قرآن کریم میں آتا ہے وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ اس کا اسی مضمون سے تعلق ہے۔خدا تعالیٰ نے بڑی سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے ان لوگوں سے جو نمازیں پڑھنے کے باوجود بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچانے کے معاملے میں اپنی مٹھیاں بند کئے رہتے ہیں اور ماعون سے مراد ماء پانی والا ماء نہیں ہے بلکہ عین سے ہے۔ماعون۔ يَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ کا مطلب ہے روزمرہ کی ہمسایوں کی ضرورتیں چھوٹی موٹی باتوں میں جہاں تکلیف ہوتی ہے ہمسائے کو۔کوئی حاجت روائی کے لئے آجاتا ہے یا کوئی آٹا مانگ لیا، کسی وقت کوئی آگ طلب کر لی۔یہ وہ چیزیں ہیں جو ماعون سے تعلق رکھتی ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ مصلّی، وہ نماز پڑھنے والے جن کے کردار کا یہ عالم ہو کہ اپنے بھائیوں کے چھوٹے چھوٹے فائدے بھی روک دیں یہاں ان کے حقوق کا سوال نہیں ہے اپنی ملکیت سے معمولی فائدہ بھی لوگوں کو نہ پہنچائیں فرمایا ان پر ہلاکت ہے۔وَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ایک ہی جگہ ہے جہاں نماز پڑھنے والوں پر ہلاکت ڈالی گئی ہے اور وہ یہ جگہ ہے الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ فرمایا اس لئے کہ وہ نماز تو پڑھتے ہیں، لیکن نماز کے مضمون سے غافل ہیں۔اس کی غرض و غایت سے بے خبر ہیں۔الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ یہ وہ لوگ ہیں جن کی نمازیں محض دکھاوے کا ذریعہ بن جاتی ہیں اس سے زیادہ ان کی کوئی حیثیت نہیں رہتی اور پھر نتیجۃً یہ نماز کے فیض سے ایسے محروم رہ جاتے ہیں کہ چھوٹے چھوٹے اپنے فیوض سے بھی اپنے بھائیوں اور اپنے ہمسایوں کو محروم رکھتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن پر آسمان کے دروازے بند کئے جاتے ہیں اور یہاں جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا وہ لوگ مراد ہیں جو نمازیں پڑھ کر بظاہر خدا کے حکم کی اطاعت بھی ضروری سمجھ رہے ہیں اور دین سے بے تعلق نہیں ہوئے کچھ نہ کچھ تعلق اللہ سے موجود ہے، ان کو سزا پھر ملتی ہے اور بعض دفعہ تو ہلاکت کی سزا ملتی ہے۔جیسا کہ

اس آیت میں ہے یعنی وہ بالکل کاٹے جاتے ہیں ان پر دروازے آسمان کے روزمرہ کے بند نہیں کئے جاتے جہاں وَیْلٌ کا لفظ آ گیا وہاں یہ مضمون ختم ہو جاتا ہے لیکن ایسے لوگ ذرا ادنیٰ بیماری میں مبتلا ہوں عبادتیں بھی کر رہے ہوں اور ان کمزوریوں میں بھی مبتلا ہو جائیں اگر اللہ ان کو بچانا چاہے تو ان سے اپنے ہاتھ روک لیتا ہے اور پھر اس طرح ان کو سبق ملتا ہے اور جو خوش نصیب ہیں وہ بچ بھی جاتے ہیں۔

خادموں اور مزدوروں سے حسن سلوک کا معاملہ بھی توجہ طلب ہے یہاں ذاتی نوکروں کا رواج تو کم ہے یعنی یورپ میں لیکن ہمارے تیسری دنیا کے ممالک میں یہ عام رواج ہے اور ان سے جو سلوک ہوتا ہے وہ بہت ہی نا قابلِ برداشت ہے اور ہرگز اسلامی سلوک سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے وہ غیر اسلامی سلوک ہے جو ہمارے معاشرے میں اکثر کیا جاتا ہے۔ نوکروں سے بسا اوقات، سخت کام ایسے لئے جانا کہ جو عام روزمرہ کی طاقت سے بڑھ کر ہوں یہ ظلم ہے یہ اگر جانوروں سے بھی کیا جائے تو تب بھی اس کی اجازت نہیں ہے اور آنحضرت ﷺ نے سختی سے منع فرمایا ہے۔ ایک موقع پر ایک اونٹ کی حالت خراب دیکھی تو آپؐ نے بہت سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا اور کہا کہ اس کا مالک اس پہ ظلم کرتا ہے اور پھر اس نے اس کو آزاد کیا اپنی بخشش کی خاطر اور فرمایا کہ یہ تو ظلم کی شکایت کر رہا ہے اپنے مالک کے خلاف۔ تو اگر آنحضرت ﷺ کا فیض جانوروں پر بھی اسی طرح جاری ہے تو نوکروں اور روزمرہ کے گھر کے ملازموں کو جو انسان ہیں ان کے لئے تو آنحضرت ﷺ کی رحمت بدرجہ خاص جوش میں آتی ہے اور کثرت سے ایسے پاک نمونے ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ اپنے صحابہؓ میں اپنے ماتحتوں سے غیر معمولی حسن سلوک دیکھنا چاہتے تھے اس کی چند مثالیں کچھ نصیحتیں ہیں جو میں نے چنی ہیں، ایک ان میں سے ہے جو مسلم کتاب الایمان سے لی گئی ہے۔

حضرت معرور بن سویدؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوذرؓ کو ایک خوب صورت جوڑا پہنے ہوئے دیکھا۔ ان کے غلام نے بھی ایسا ہی جوڑا پہن رکھا تھا۔ میں نے تعجب سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں انہوں نے اپنے غلام کو برا بھلا کہا اور اس کی ماں کے عیب بیان کر کے اسے شرم دلائی۔ حضور اکرم ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو آپؐ نے فرمایا تم میں جہالت کی رگ باقی ہے یعنی یہ جہالت کی حرکت ہے یہ غلام تمہارے بھائی ہیں وہ

تمہارے خادم ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہاری نگرانی میں دیا جس شخص کے ماتحت اس کا بھائی ہو وہ اسے وہی کھلائے جو خود کھاتا ہے وہی پہنائے جو خود پہنتا ہے اپنے غلاموں سے ان کی طاقت سے زیادہ کام نہ لے اگر تم کوئی مشکل کام ان کے سپرد کردو تو اس کام میں خود بھی ان کا ہاتھ بٹاؤ اور ان کی مدد کرو (مسلم کتاب الایمان باب اطعام المملوک مما یاکل ولباسہ مما یلبس)۔ یہ جو ترجمہ ہوا ہے میرے نزدیک اس میں کچھ کمزوری ہے قرآن کریم کی آیت مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ کا مضمون ہے دراصل جو آنحضرت ﷺ نے بیان فرمایا ہے اور دوسری حدیثیں اس بات پر گواہ ہیں کہ یہ مراد نہیں ہے کہ بعینہٖ وہی کھانا کھلایا جائے، بعینہٖ وہی کپڑے پہنائے جائیں بلکہ مراد یہ ہے جیسا کہ دوسری احادیث میں بات مزید کھولی جاچکی ہے کہ ان کو وہ کھانا بھی کھلایا کرو جو تم کھاتے ہو یعنی ضروری نہیں کہ سو فیصدی وہی کھانا کھلایا جائے مگر اس کھانے سے محروم نہیں رکھنا اور اگر زیادہ نہیں تو کچھ تو ضرور ان کو اس میں سے دو تا کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ ان کی ہانڈی الگ پک رہی ہے اور ان کو پتا ہی نہیں کہ ہمارے مالک کیا مزے اڑا رہے ہیں۔ پس جو کھانا اچھا پکتا ہے اس میں سے کچھ ان کو بھی ضرور دو اور جو کپڑے تم اچھے پہنتے ہو کچھ ان کو بھی ایسے پہنا دیا کرو تا کہ وہ ان نعمتوں میں تمہارے کچھ شریک ہو جائیں۔

یہ وہ مضمون ہے جو مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ کے تابع ہے اور آنحضرت ﷺ کی تمام نصیحتیں چونکہ قرآن پر مبنی ہیں اس لئے بعض احادیث کی تشریح ان قرآن کی آیات میں مل جاتی ہے جہاں سے وہ مضمون اخذ فرمایا گیا ہے۔ پس کوئی یہ نہ سمجھے کہ اگر بالکل سو فیصد، برابر، بعینہٖ وہی کھانا اور وہی کپڑے نہ پہنائے گئے تو نعوذ باللہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی ہو جائے گی بلکہ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے دوسری احادیث میں یہ مضمون خوب کھولا جا چکا ہے۔ عام طور پر حسن سلوک کرنا اور حتی المقدور اپنی نعمتوں میں اپنے غریب بھائیوں کو شریک کرنا خصوصیت سے ان ملازموں کو جو گھر میں رہتے ہیں۔ موسم کے پھل آتے ہیں تو ان کو بھی کھلائے جائیں اچھے کھانے پکتے ہیں تو ان کو بھی وہ کھلائے جائیں تا کہ وہ اپنے آپ کو ادنیٰ مخلوق نہ سمجھیں اور آپ کو خدا تعالیٰ ایک متکبر کے طور پر ردّ نہ کر دے اور اپنی نظر سے گرا نہ دے۔

پس جو اپنے خادموں اپنے نوکروں کی عزت افزائی خدا کی خاطر کرتا ہے اس کی عزت افزائی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ پس یہ وہ مضمون ہے جس کی نصیحت فرمائی گئی ہے اور حضرت ابوذرؓ چونکہ

اس مضمون میں غیر معمولی شدت اختیار کر گئے تھے اس لئے آپؓ کی احادیث میں کچھ ایک طرف جھکا ہوا مضمون نظر آتا ہے اور حضرت ابوذرؓ کی حدیث میں نے اس لئے آپ کے سامنے رکھی ہے تا کہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ مختلف صحابہؓ آنحضرت ﷺ کی نصائح سے مختلف اثر قبول کیا کرتے تھے۔ بعض اپنے مزاج کی وجہ سے ایک انتہاء کی طرف مائل ہو جاتے تھے اور اس مضمون کو پیش کرتے وقت ان کا یہ طبعی رجحان جو ہے ان کے کلام پر اثر انداز ہو جاتا تھا۔ اسی لئے بعض مسلمان اشتراکی، حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دنیا کا پہلا اشتراکی قرار دیتے ہیں اور بڑے فخر سے یہ نام پیش کرتے ہیں۔

ایک دفعہ لاہور میں ایک ایسے ہی اشتراکی سے میری گفتگو ہوئی تو اس نے کہا کہ اسلام تو نہ صرف یہ کہ اشتراکیت کا قائل بلکہ اسلام ہی نے اشتراکیت پیش کی ہے اور پہلا اشتراکی مارکس نہیں تھا بلکہ ابوذر غفاریؓ تھے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے بعض دوسری باتوں میں بہت زیادہ اس بارے میں حد سے تجاوز کر دیا اور اپنے رہن سہن میں بھی انہوں نے اتنا زیادہ برابری کا تصور پیدا کرنے کی کوشش کی کہ جو رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ کے اندر دوسری جگہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ پس اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ ابوذرؓ نے جو بات بیان کی اصل میں وہ درست تھی کہ نہیں۔ اس بات میں پڑنے کی ضرورت ہے کہ جو ابوذرؓ نے ان باتوں کو سمجھا کیا باقی صحابہؓ نے بھی وہی سمجھا۔ کیا حضرت ابوبکرؓ نے بھی وہی سمجھا۔ حضرت عمرؓ نے بھی وہی سمجھا، حضرت عثمانؓ نے بھی وہی سمجھا، حضرت علیؓ نے وہی سمجھا۔ اگر سب نے ہی سمجھا تو پھر ایک ابوذرؓ نہیں مدینے کی ساری سوسائٹی ابوذروں میں تبدیل ہو جانی چاہئے تھی مگر یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک کے سوا کسی صحابیؓ کو رسول اللہ ﷺ کے ان مطالب کی سمجھ نہ آئی ہو اور آنحضور ﷺ صرف ایک ابوذر پیدا کر کے دنیا سے رخصت ہو گئے ہوں۔

پس صحابہؓ کو آپس میں ٹکرانے کی بھی ضرورت نہیں ہے حدیثوں پر جہاں صحابہؓ کے عمل میں تضاد دکھائی دے وہاں گنجائش موجود ہے، یہ بات سوچنے کی کہ ہم اپنی اپنی سوچوں کے مطابق نیکی کے ساتھ اگر ایک ردعمل دکھاتے ہیں تو اگر وہ دوسروں سے مختلف بھی ہو اور بظاہر غلط بھی دکھائی دے، اگر نیک نیتی اس کا موجب بنی ہوئی ہے تو ہم دوسروں کے لئے تقلید کا نمونہ تو نہیں بنتے مگر گنہگار بھی نہیں بنتے۔ پس ابوذر غفاریؓ نے جو غلطیاں کیں وہ اس کے گنہگار نہیں ہیں ان کا ایک مزاج تھا جس نے

ایک بات کو جیسے سمجھا ویسے اس پر عمل کر کے دکھا دیا لیکن وہ تقلید کے لائق نہیں ہیں کیونکہ تقلید کے لائق محمد رسول اللہ ﷺ کا وہ نمونہ ہے جو صحابہؓ میں ایک عمومیت اختیار کر گیا ہے اور صحابہؓ کی سوسائٹی میں وہ نمونہ سرایت کر گیا تھا وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ جس کے متعلق فرمایا ہے یہ نہیں فرمایا وَالَّذِیْ مَعَهٗ کہ محمد رسول اللہ ﷺ اور وہ ایک ابوذرؓ جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا بلکہ فرمایا وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ وہ تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم جو محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے ان کا نمونہ پکڑو۔

پس اس وضاحت کی خاطر میں نے خصوصیت سے یہ حدیث آپ کے سامنے رکھی اور اسے کھول دیا مگر آنحضرت ﷺ کا اپنا اسوہ حسنہ صرف گھر میں نوکروں سے نہیں بلکہ بیویوں سے بھی، دوسرے عزیزوں سے بھی یہی تھا کہ ہر مشکل کام میں ان کے ہاتھ بٹایا کرتے تھے اور جو خود کھاتے تھے اس سے اپنے غلاموں کو بھی کھلایا کرتے تھے اور حسن سلوک ایسا تھا کہ غلام بھی اپنے بیٹوں کی طرح گھر میں زندگی بسر کرتے تھے۔ مگر یہ اخلاق کے وہ اعلیٰ پاک نمونے ہیں جن کو عامۃ الناس کے لئے لازم اور فرض قرار نہیں دیا جاسکتا بلکہ مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے انسان ہیں مختلف درجات سے تعلق رکھنے والے انسان ہیں اگر آپ نے بہت اعلیٰ درجے کی نیکی کرنی ہو تو پھر وہی نمونہ ہے جو آنحضرت ﷺ نے اپنے غلاموں اور ماتحتوں سے اختیار فرمایا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے یہ بخاری کتاب العتق سے لی گئی ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں کسی کا نوکر کھانا تیار کر کے لائے تو تم اسے اپنے پاس بٹھا کر نہ کھلا سکو تو کم از کم دو لقمے تو اسے کھانے کو دے دو۔ اب حضرت ابو ہریرہؓ نے بھی یہ باتیں سنی تھیں اور ان کا ایک متوسط مزاج تھا اس مزاج نے جو بات سمجھی وہ ابوذر غفاری والی نہیں بلکہ ایک اور بات ہے اور یہی نمونہ صحابہؓ کی زندگی میں ہمیں دکھائی دیتا ہے اور یہی مضمون ہے جو مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ کے عین مطابق ہے فرمایا کہ تم روزمرہ اگر اس کو ساتھ نہیں بٹھا سکتے تو کوئی گناہ نہیں ہے بعینہٖ وہی کھانا نہیں کھلا سکتے تو گناہ نہیں مگر کچھ تو کھلاؤ تا کہ خدا نے جو کچھ تمہیں نعمتیں عطا کی ہیں اس خدا کی ہدایت کے مطابق ان میں سے اپنے کمزور بھائیوں کا بھی تو کچھ حصہ ڈالو انہیں اس میں سے کچھ عطا کرو۔ پس یہ ہے وہ مفہوم جو حضرت ابو ہریرہؓ نے سمجھا اور بیان کیا کہ اپنے پاس بٹھا کر نہ کھلا سکو تو کم از کم ایک دو لقمے تو اسے کھانے کو دے دو کیونکہ

اس نے یہ کھانا محنت کر کے تمہارے لئے تیار کیا ہے جس میں اس کا بھی حق ہے۔ یہاں حق کہہ کر یہ فرما دیا گیا کہ تم جب ایسا کرو گے تو احسان نہیں ہوگا بلکہ تمہارے خادموں کا حق ہے کہ کچھ نہ کچھ اس میں سے ان کو ضرور دیا جائے اور جہاں تک ساتھ بٹھانے کا تعلق ہے اس کے متعلق بھی حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے میں نے سنا تھا مجھے اب حدیث کا حوالہ یاد نہیں اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بھتیجوں، بھانجوں سے بہت پیار کرتے تھے اور ساتھ کئی دفعہ صحن میں ٹہلتے ٹہلتے رسول اللہ ﷺ کے اسوہ حسنہ کی بہت پیارے انداز میں باتیں فرمایا کرتے تھے اس لئے مجھے یاد ہے کہ مجھے آپؓ نے فرمایا کہ دیکھو رسول اللہ ﷺ کا منشاء یہ تھا کہ اگر تم اپنے نوکر کو ہمیشہ اپنے ساتھ نہیں بٹھا سکتے تو کبھی کبھی ایسا کیا کرو کہ تم خدمت کیا کرو اور نوکر میز پر بیٹھے ہوں اور کبھی کبھی یہ کیا کرو کہ جو تم کھانا اچھا پکاتے ہو اپنے لئے، وہ نوکروں کے لئے پکواؤ اور ان کو Serve کرو۔

چنانچہ حضرت میاں بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دفعہ نہیں بارہا مجھ سے یہ بات اس طرح بیان کی تا کہ میرے دل پر، دماغ پر نقش ہو جائے لیکن ہمارے معاشرے میں اس پر عمل بڑا مشکل ہے کیونکہ جب میں نے کوشش کی بارہا تو کرسیوں سے اٹھ اٹھ کر نوکر بھاگتے تھے اور بعض ہنس پڑتے تھے کہ یہ ہم سے مذاق ہو رہا ہے۔ میں نے حوالے دیئے منتیں کیں کہ دیکھو رسول اللہ ﷺ کے منشاء کو پورا کرنے کی خاطر، مجھے ثواب دینے کے لئے خدا کے لئے مان جاؤ مگر ان سے ہوتا نہیں تھا۔ اور اس میں ان کا قصور نہیں، یہ معاشرے نے لمبے عرصے تک ان کی فطرتوں کو ایک قسم کا مسخ کر دیا ہے وہ سمجھتے ہیں ہم اس لائق ہی نہیں ہیں۔ یہ معاشرے کا ظلم اتنا بڑھ گیا ہے کہ ہمیں اسے بدلنا چاہئے اور جماعت احمدیہ کو کوشش کرنی چاہئے کہ رفتہ رفتہ کوشش کر کے وہ اس چیز کو بدلیں چنانچہ میں کسی حد تک خدا کے فضل سے کامیاب بھی ہوا۔ بعض دفعہ ان کو ضرور بٹھایا لیکن بار بار ایسا نہیں ہونے دیا گیا کیونکہ انہوں نے صاف انکار کر دیا لیکن کچھ نہ کچھ عادت ضرور ڈالنی چاہئے اپنے کپڑوں جیسے کپڑے بنوا کے دینے چاہئیں اور یہ تو صحابہؓ میں عام رواج تھا۔ حضرت علیؓ سے بھی روایت ہے دوسرے اور بھی بزرگوں سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بعض دفعہ کپڑا طلب کرنے گئے ہیں دکاندار سے تو ایک کی بجائے دو جوڑے کٹوائے جب دکاندار نے پوچھا کہ آپ کو ایک ہی کافی ہے، ایک طرح کا دوسرے رنگ کا لے لیجئے تو آپؓ نے فرمایا کہ نہیں میں دوسرا اپنے غلام کے لئے لے رہا

ہوں۔ تو صحابہؓ میں یہ رواج تھا اور اچھا کپڑا نوکر کو پہنانا یہ خوبی کی بات ہے اور اسی طرح اچھا کھانا جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے کچھ نہ کچھ روزمرہ دینا چاہئے اور کبھی کبھی پورا، بھرپور اچھا کھانا پیش کرنا چاہئے، اچھا پھل پیش کرنا چاہئے تا کہ ان کو یہ پتا لگے کہ ہمارے خدا نے ہمارا خیال رکھا ہے۔

یہ اس لئے میں نے فقرہ بولا ہے تا کہ آپ کو اس مضمون کا فلسفہ بھی سمجھ آ جائے اس لئے نہیں آپ نے دینا کہ آپ کے حسن خلق کا اس پہ اثر پڑے بلکہ اس لئے دینا ہے کہ ان کو یہ معلوم ہو کہ ہمارے خدا نے اسلام میں ایسی پاک تعلیم عطا فرمائی ہے کہ ہم جیسے ادنیٰ ادنیٰ غریبوں کا بھی خیال رکھا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ میرے بندے جب ایسے کمزوروں کی خدمت کرتے ہیں اور وہ شکریہ ادا کرتے ہیں تو کہتے ہیں لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُكُوْرًا کہ ہم نے تو اللہ کی خاطر کیا ہے اللہ کا شکریہ ادا کرو ہم تو تم سے شکریہ چاہتے ہی نہیں ہیں کیونکہ اگر ہم نے خدا کی خاطر کیا ہے تو پھر ہمیں وہ اجر دے گا اور اگر تمہاری خاطر کیا ہے تو تم شکریہ کر کے ہمارا اجر برباد کرو گے۔ اس لئے تم بھی خدا کا شکریہ ادا کرو ہم بھی خدا کے شکرگزار ہوتے ہیں۔ یہ وہ معاشرہ ہے جو اسلام قائم کرنا چاہتا ہے ساری دنیا میں اسے قائم ہونا ہے اور لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ میں یہ مضمون داخل ہیں۔ محض اسلام کی تعلیم کا فتح مند ہو جانا اور لوگوں کا اسلام قبول کر لینا محض اپنی ذات میں کافی نہیں ہے یہ باتیں اسلام کی، یہ حسن ہے، جب یہ آپ کے ذریعے پھیلے گا اور دنیا کے قلوب پر فتح حاصل کرے گا اور دنیا میں یہ اسلامی معاشرہ پھیلے گا تب ہم سمجھیں گے کہ خدا تعالیٰ نے ہم عاجز بندوں سے وہ کام لیا جس کی چودہ سو سال پہلے خوشخبری دی تھی کہ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ایسے بھی ہیں بعد میں آنے والے جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے کردار کی غلامی سے اولین سے جاملیں گے اور اللہ تعالیٰ کی ان پر بے شمار رحمتیں نازل ہوں گی۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ آمین۔

حضرت محمد مصطفی ﷺ کیلئے ساری زمین مسجد بنادی گئی ہے۔
راولپنڈی میں احمدیہ مسجد کو مسمار کر دیا گیا۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 16 ستمبر 1994ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے فرمایا:-

آج جو ملکی سطح کے اجتماعات ہو رہے ہیں ان میں ایک مجلس خدام الاحمدیہ یو۔کے کا سالانہ اجتماع ہے۔ جو انشاء اللہ دو پہر کو شروع ہو کر یعنی آج جمعہ کے روز شروع ہو کر تین دن تک جاری رہے گا۔ مجلس خدام الاحمدیہ کوریا کا دوسرا اجتماع 19 ستمبر کو شروع ہو کر دو دن جاری رہے گا۔ یہ حکمت سمجھ نہیں آئی کہ کیوں انہوں نے پیر کے دن یعنی سوموار کو شروع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ عام طور پر تو جمعہ کے آخر پر رکھتے ہیں اور ہفتے اتوار کی چھٹیوں سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے مگر مقامی حالات میں یہ مصلحت کا تقاضا ہوگا بہر حال یہ دو ملکی سطح کے ہمارے اجتماعات ہیں ان کی کامیابی کے لئے دعا کریں اور اس کے علاوہ چھوٹی سطح پر ہندوستان میں کیرالہ، پھر پشاور پاکستان میں اور بہت سے ایسی جگہیں ہیں مثلاً مظفر گڑھ وغیرہ جہاں کے مقامی اجتماعات ہو رہے ہیں ان سب کو میں السلام علیکم کہتا ہوں اور مبارک باد دیتا ہوں۔ اللہ کرے کہ آپ ان مبارک اجتماعات کے اعلیٰ مقاصد کو حاصل کرسکیں۔

آج کا جمعہ پاکستان کی احراری مساجد میں اور وہ جو احراری مزاج کے ملّاں ہیں جن مساجد پر وہ قابض ہیں ان مساجد میں ایک جشن کا سا دن ہے اور آپ کو تعجب ہوگا کہ کوئی ایسی خوش خبری تو آپ نے ان کے لئے دیکھی نہیں کہ جس کے ذریعے ملک گیر ایسا جشن منایا جا رہا ہو۔ لیکن یہ

ویسا ہی جشن ہے جیسے بابری مسجد کے انہدام پر ہندو پنڈتوں نے جشن منایا تھا اور بڑی تعداد میں مشرکوں نے ہندوستان میں جشن منایا تھا۔ کل ایک بابری مسجد ہی کا واقعہ راولپنڈی کی احمدیہ مسجد سے دہرایا گیا ہے۔ وہ عیدگاہ کے اوپر جو بڑی عبادت کی غرض سے عمارت تعمیر کی گئی تھی تا کہ ساری پنڈی کی جماعت ایک جگہ ہو کر جمعہ اور دیگر بڑی عبادتوں کے فرائض سرانجام دے سکے۔ کل اسے اسی طرح منہدم کیا گیا جس طرح بابری مسجد کو منہدم کیا گیا۔ بیرونی دیوار کی اینٹیں بھی اسی طرح ہٹادی گئیں، جو سرونٹ کوارٹرز تھے ان کو بھی منہدم کر دیا گیا۔ غرضیکہ کلیۃً وہاں سے ہر عمارت کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی کوشش کی گئی اور یہ وہ واقعہ ہے جس کا جشن منایا جا رہا ہے۔ پس اس لئے جب میں نے کہا کہ اس جشن کے پیچھے ایک وجہ موجود ہے تو وہ بالکل وہی وجہ ہے جو ہندوؤں کے جشن منانے کے پیچھے تھی، مشرکوں کے جشن منانے کے پیچھے تھی، جب انہوں نے ایک مسجد کو منہدم کیا تھا۔ اب ان کے درمیان فرق کیا ہے۔

بظاہر ایک خدا کی عبادت کرنے والے ہیں اور ایک وہ ہیں جو کھلم کھلا ایک خدا کا انکار کرتے اور بتوں کی پرستش کرتے ہیں اس لئے ان کا اپنے مسلک کے مطابق کسی ایک خدا کی عبادت کرنے کی جگہ کو منہدم کرنا تعجب انگیز نہیں ہے۔ ان کا مذہب غلط سہی ان کے مذہب کا حصہ ہے۔ یہاں مذہبی اقدار کے بالکل منافی ان کو پاؤں تلے روندتے ہوئے وہ ظلم کیا گیا جو قرآن کریم کے نزدیک سب سے بڑا ظلم ہے اور پھر اس پر جشن منایا جا رہا ہے۔ یہ حکمت مجھے سمجھ آئی کہ کیوں آنحضرت ﷺ نے آنے والے زمانے کے پنڈتوں کو دنیا کی سب سے ذلیل مخلوق قرار نہیں دیا بلکہ **علمائُھم** مسلمان کہلانے والوں کے علماء کے متعلق فرمایا کہ ان کے علماء آسمان کے نیچے **شر من تحت ادیم السماء** (مشکوۃ کتاب العلم:38) جتنی بھی مخلوقات ہیں ان میں سب سے ذلیل ترین اور کمینی ترین مخلوق اس زمانے کے علماء ہوں گے، تو حکمت واضح ہے۔ ورنہ بابری مسجد کا بھی کوئی ذکر اشارۃً کسی حدیث میں ملتا۔ مشرکوں نے جب ایسی ظالمانہ کارروائیاں کی ہیں ان کا بھی کوئی اشارہ نظر آتا مگر چونکہ ان کے مذہب کے عقائد میں یہ باتیں داخل ہیں اس لئے اس کو منافقانہ حرکت بہر حال نہیں کہہ سکتے۔ مگر ایک خدا کی عبادت کرنے کے دعویدار ہو کر اس قرآن کا مطالعہ کرنے کے باوجود جس میں یہ لکھا ہے۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا (البقرہ:115) ان بدبختوں سے زیادہ ظالم اور کون ہوسکتا ہے جو مسجدیں اجاڑنے کی فکر کرتے ہیں۔ ان کو اجاڑیں اور جب ان

میں کوئی نماز پڑھنے لگے تو اس پر ان کو طیش آئے ، نمازیوں کی راہیں روکیں اور پھر مسجدوں کو ویران کر دیں، سَعٰی فِیۡ خَرَابِهَا تو ایسی سعی پہلے بھی کی جا چکی ہے۔ مردان میں بھی ہوئی، راہوالی میں بھی ہوئی ، گجرات میں بھی ہوئی۔ بہت سی پہلے کوششیں ہو چکی ہیں۔ جھنگ میں بھی احمدی مساجد جلائی گئیں مگر یہ ایک خاص انداز کی ایک نمایاں کوشش ہے جوان سب سے ممتاز ہے کیونکہ پاکستان جس کو دولت اسلامیہ کہا جاتا ہے۔'' خدادادمملکت پاکستان'' اس مملکت کی راجدہانی میں حکومت کے سائے تلے اس کے اشاروں کے تابع ،اس کی نگرانی میں باقاعدہ وہاں کی بلدیہ نے یہ کام کروایا ہے۔

ہندوستان کے واقعہ اور اس میں ایک یہ بڑا فرق ہے۔ وہاں کی مشرک عدالتوں نے آخر وقت تک تمام ہندو دباؤ کے باوجود یہ اپنا انصاف کا فیصلہ برقرار رکھا کہ کسی قوم کو کسی کی عبادت گاہ منہدم کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ یہاں مومنانہ عدالت نے ان ظالموں کو جن کو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شر من تحت ادیم السماء ان کے دباؤ کے نیچے آ کر یہ پاکستان کی مومنانہ عدالتوں کا فیصلہ ہے اور اس کے پیچھے سازشیں ہوئی ہیں، کس حد تک حکومت دخل دیتی رہی یا دے سکتی ہے؟ یہ باتیں تو ہمیں کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ جب حکومت اترتی ہے تو اپوزیشن بن جاتی ہے۔ جب اپوزیشن حکومت میں آتی ہے تو حکومت ہو جاتی ہے۔ دونوں ان ادلتے بدلتے حالات میں حکومت پر یہی الزام لگاتے ہیں کہ عدالتوں کو حکم دے کر، عدالتوں سے رابطہ کر کے، ان سے سازش کر کے فیصلے کئے جاتے ہیں۔ ابھی نواز شریف صاحب کا ایک بیان شائع ہوا ہے آج ہی کے اخبار میں کہ حکومت عدالت سے ساز باز کر کے کسی عدالت کو اس بات پر مقرر کر چکی ہے کہ نواز شریف صاحب کو ضرور پھنسایا جائے۔ تو جب یہ آپس میں ایک دوسرے پر یہ الزام تراشیاں کر رہے ہیں تو یہ ذمہ دار ہیں ثبوت پیش کرنے کے۔ ہمیں اس جھگڑے میں ملوث ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہاں ہم ایک فریق نہیں رہے۔ یہاں ایک فریق خدا ہے اور دوسرا فریق بندوں کا ہے تو جہاں ہم فریق نہیں ہیں وہاں ہم بے وجہ کیوں اس معاملے میں ٹانگ اڑائیں۔ یہ تقدیر خدا کی ہے جو چلے گی اور اسی نے فیصلہ کرنا ہے۔ جہاں تک مومن کی ذات کا تعلق ہے، حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے سچے غلاموں کا تعلق ہے، ان کو ایک خوش خبری دی گئی ہے کہ خدا کی ساری زمین تمہارے لئے مسجد بنادی گئی ہے (مسلم کتاب المساجد حدیث:815) اس لئے احمدیوں سے مسجد نہیں چھین سکتے جو مرضی ہے کر لیں، ناک رگڑ لیں جو کچھ بھی ان کے اختیار میں

ہے ہر وہ حربہ استعمال کر دیکھیں محمد رسول اللہؐ کے سچے غلاموں سے یہ بد بخت مخلوق مسجد کا حق نہیں چھین سکتی۔ایک مسجد چھینیں گے تو خدا کی دوسری زمین ان کے لئے مسجد بن جائے گی۔ جہاں عبادت کریں گے وہی خدا کے حضور سب سے اعلیٰ مسجد، سب سے زیادہ مقدس مسجد کہلائے گی۔تو جن محمد ﷺ کے غلاموں سے یہ وعدہ ہے ان کو بے وجہ ان باتوں پر غم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اور اللہ تعالیٰ ساتھ ساتھ خوش خبریاں بھی دیتا ہے جن سے پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ جہاں ایک نوعیت کی غم کی خبر آئے وہاں اس کے برعکس نوعیت کی بے حد خوشی کی خبر بھی آتی ہے۔ چنانچہ یہ آپ حسن اتفاق کہیں، میں تو تقدیر الٰہی سمجھتا ہوں کہ ایک طرف تو موحد کہلانے والوں کا مسجد کا انہدام کا واقعہ ہو رہا تھا اور پاکستان سے مجھے یہ فیکس موصول ہوئی تھی کہ اس وقت یہ واقعہ ہو رہا ہے دوسری طرف ایک افریقن ملک غانا کی یہ رپورٹ میں پڑھ رہا تھا جس میں لکھا تھا کہ اللہ کا بڑا احسان ہے ہمارے لئے ایک خوشیوں کا خاص دن ہے کہ ہم نے جس مشرک علاقے میں تبلیغ کی تھی جہاں کوئی ایک بھی موحد نہیں تھا وہاں ہزار ہا لوگ جو مسلمان ہو کر جماعت احمدیہ میں داخل ہوئے ہیں وہاں ایک بہت عظیم مسجد کی بنیاد ڈالی گئی ہے اور ہم اس مسجد کی تعمیر سے، کانوں تک راضی، جسے کہا جاتا ہے، سرتاپا اللہ کی تقدیر سے راضی ہیں اور یہ ایسی عظیم الشان خوش خبری ہے جو ہم آپ کو دینا چاہتے ہیں اور سارا علاقہ اس کی تعمیر میں خدمت کر رہا ہے۔ وہ جو کل تک مشرک تھے وہ آج خدائے واحد کی عبادت کے لئے ایک بڑی مسجد کے لئے محنت کر رہے ہیں، وقار عمل کر رہے ہیں، ایک عجیب نظارہ دکھائی دے رہا ہے۔تو کون ہے جو اس کو اتفاق کہے؟ مجھے تو یقین ہے کہ خدا تعالیٰ کی تقدیر نے ہمارے دلوں کو سہارا دینے کے لئے، ڈھارس بندھانے کے لئے، یہ بتانے کے لئے کہ تمہارا خدا میں ہوں۔ دنیا کی کوئی حکومت تمہیں میرے فضلوں سے عاری نہیں کر سکتی، میرے فضلوں سے محروم نہیں کر سکتی، یہ عجیب توارد کر کے دکھا دیا کہ ایک طرف وہ بدبختوں کی خبر آرہی تھی دوسری طرف یہ خبر مل رہی تھی۔

جہاں تک اس مخلوق کا تعلق ہے۔ میں اسے ایک مخلوق کہتا ہوں کیونکہ ہر چیز بہر حال خلقت سے تو تعلق رکھتی ہے۔ اگر وہ بگڑ جائے اور منحوس ہو جائے تو اس کے لئے قرآن کریم فرماتا ہے مِنۡ شَرِّ مَا خَلَقَ (الفلق:3)۔اب مَا خَلَقَ کی ضمیر تو اللہ ہی کی طرف جا رہی ہے، پیدا کرنے والا تو بہر حال وہ ہے۔ مگر جو شر بنتا ہے۔ وہ لوگ خود بناتے ہیں، خدا نے ایک شریف مخلوق، اعلیٰ

درجے کی مخلوق بنائی۔ جب وہ شریر مخلوق بن جائے اور اَسۡفَلَ سٰفِلِیۡنَ کو جا پہنچے تو وہ ہر مخلوق سے زیادہ شریر ہو جاتی ہے اور یہ امر واقعہ ہے کہ جب انسان شرارت پر آئے تو کوئی دنیا کا جانور ایسا مضر نہیں رہتا جیسا کہ انسان شریر بن کر مضر ہو جاتا ہے۔ ان سب کے شرور کو مدنظر رکھتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا **شر من تحت ادیم السماء** اور جہاں تک ان مساجد کا تعلق ہے جن میں یہ جشن منا رہے ہیں۔ ان کے متعلق بھی ہماری غلط فہمی دور فرما دی جب فرمایا **مساجدھم عامرة ھی خراب من الھدیٰ** تم ان مسجدوں کو آباد دیکھ کر یہ نہ سمجھنا کہ تمہاری مسجدیں اجڑ گئیں اور ان کی مسجدیں آباد ہیں۔ خدا کا رسول گواہ ہے کہ یہ مسجدیں ویران ہیں اور ہر وہ زمین جس پہ خدا کے سچے بندے عبادت کرتے ہیں وہی خدا کی آباد مسجدیں ہیں۔ **مساجدھم** ان کو خدا کی مسجدیں نہیں فرمایا ان کو اپنی مسجدیں نہیں فرمایا۔ ان کی مسجدیں بظاہر تمہیں بھری ہوئی نظر آئیں گی جیسے آج پاکستان میں احراری مسجدیں غیر معمولی طور پر بھری گئی ہیں لیکن **خراب من الھدیٰ** خدا کا وہاں کوئی ذکر نہیں، ہدایت کا وہاں کوئی نشان نہیں ملے گا۔ یہ وہ مخلوق ہے جو جس نے دیکھنی ہو پاکستان جا کر دیکھ سکتا ہے لیکن مجھے اس پر وہ علی گڑھ کے ایک مزاحیہ مشاعرے کا شعر یاد آ گیا۔ وہاں ایک دفعہ کسی نے یہ طرح مصرع بنایا تھا جس کی طرز اس طرح تھی کہ ”دستیاب الو ہیں“ اور ”محو خواب الو ہیں“ اس پر بڑا زبردست مشاعرہ علی گڑھ میں ایک دفعہ ہوا تھا اس میں ایک شعر تھا جو ابھی تک مجھے یاد ہے کہ:

جس نے لینے ہوں لے علی گڑھ سے
ان دنوں دستیاب الو ہیں

بڑے الو ملتے ہیں وہاں جس نے لینے ہیں وہاں سے لے اور مشاعرے کی بات تھی واقعہ یہ ہے کہ پاکستان ہی سے یہ مخلوق دساور کو بھیجی جاتی ہے اور جس نے لینی ہو وہاں سے مطالبہ کر کے وہاں سے منگواتے ہیں۔ یہاں تک کہ بنگلہ دیش میں بھی یہ مخلوق یہاں سے منگوائی جاتی ہے۔ جب انگلستان کا معاملہ ہو تو یہاں بھی پاکستان ہی سے یہ مخلوق پہنچتی ہے۔ تو دیکھیں وہ شعر، جو ایک لطیفے کی بات تھی ایک دردناک کہانی کے طور پر اس بدبخت مخلوق کے اوپر صادق آ رہا ہے۔ آج جمعہ کے دن جشن منائے جا رہے ہیں کہ ہم نے بابری مسجد کی تاریخ کو دہرایا ہے۔

لیکن ایک اور فرق بھی ہے وہاں جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے مشرک عدالت نے توحید کے

حق میں فیصلہ دیا تھا۔ یہاں مؤحد کہلانے والی عدالت نے شرک کے حق میں فیصلہ دیا۔ وہاں حکومت روکتی رہی لیکن اس کے باوجود زبردستی جب حکومت بے اختیار ہوگئی تو مسجد توڑ دی گئی اور ایک ایک اینٹ اتاری گئی یہاں حکومت کے حکم پر، اس کی شمولیت سے، ان لوگوں کو رقمیں ادا کی گئیں جنہوں نے مسجد توڑی۔ یعنی پیسے بھی لئے حکومت سے اور حکومت کے ارشاد پر پروانہ لکھا گیا تھا اور حکومت کی حفاظت میں کام ہو رہا تھا تو پھر اگر خدا کا رسولؐ ان لوگوں کو آسمان کے نیچے سب سے بدبخت مخلوق قرار دے تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ فرق بڑا واضح ہے کہاں بابری مسجد کا واقعہ جہاں مشرک عدالت، چوٹی کی مشرک عدالت، تمام جج مشرک ہیں، بت پرست ہیں، مندروں کو مساجد سے بہت بہتر خدا کی یاد کا ذریعہ سمجھتے ہیں ان سب نے مل کر یہ متفقہ فیصلہ دیا کہ کسی ہندو کو کوئی حق نہیں ہے کہ کسی مسجد کی کوئی ایک بھی اینٹ اتارے اور یہاں یہ مؤحد حکومتوں کی عدالتیں ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ خاص حکمت عملی استعمال ہوئی تھی۔ وہ کیا تھی اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کل دو بجے یہ فیصلہ سنایا گیا جس کے بعد تین چھٹیاں آرہی تھیں اور یہ فیصلہ کر لیا گیا تھا کہ احمدیوں کو Stay کی درخواست دینے کا وقت ہی نہ ملے لیکن مجیب الرحمان صاحب جو امیر ہیں وہ بڑے خدا کے فضل سے تجربہ کار اور مانے ہوئے چوٹی کے وکیل ہیں اور ان اداؤں کو سمجھتے ہیں انہوں نے پہلے سے ہی سب اپیل تیار کر رکھی تھی، تمام کاغذات مکمل تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ کیا فیصلہ ہونا ہے۔ بعض دفعہ خط ملنے سے پہلے ہی انسان کو پتا ہوتا ہے کہ کیا جواب آنا ہے۔ جیسے غالب نے یہ کہا ہے:

ے قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں

میں جانتا ہوں، جو وہ لکھیں گے جواب میں (دیوان غالب:159)

تو ہمارے مجیب صاحب بھی جانتے تھے کہ جس قسم کے لوگوں سے واسطہ ہے پتا ہے کہ وہ جواب میں کیا لکھیں گے تو انہوں نے بھی جواب تیار کر رکھا تھا مگر آخری شاطرانہ چال انہی کی چلی گئی کیونکہ وہ شاید مجیب صاحب کو جانتے تھے۔ انہوں نے موقع ہی نہیں دیا۔ یعنی اس آواز، اس فریاد کو اوپر اٹھنے کا وقت ہی نہیں دیا گیا۔ سانسی کی بلی کی طرح۔ سانسی وہ لوگ ہیں جو خانہ بدوش ہیں اور خانہ بدوشوں میں سے ایک قسم ہے سانسیوں کی، وہ مشرک لوگ ہیں مسلمان نہیں مگر مسلمانوں میں سے اوڈھ ہیں مثلاً وہ بھی خانہ بدوش ہیں تو سانسی خانہ بدوشوں میں یہ بات رسمًا چلی آرہی ہے بڑی دیر

سے کہ سردیوں میں اگر ایک سانسی ایک بلی کھالے تو اس کی ساری سردیاں اچھی گزریں گی۔ اتنا گرم گوشت ہوتا ہے تو ایک سانسی کے ہاتھ بلی آ گئی اور اس نے اس کو کھانا شروع کیا تو کوئی پاس سے گزرا اور ہمارے ہاں مشہور ہے کہ بلی کی آہ بہت اوپر جاتی ہے بلی کو دکھ نہیں دینا چاہئے۔ تو اس نے جو دیکھا سانسی کو کھاتے ہوئے اس نے کہا تم نے کیا ظلم کیا ہے اس کی کوک تو عرشوں تک جاتی ہے۔ سانسی نے کہا مجھے پتا تھا میں نے کوک نکلنے ہی نہیں دی۔ نکلتی تو عرشوں تک جاتی نا۔ میں نے ایسی گردن دبائی ہے کہ اس کی اوپر کی سانس اوپر، نیچے کی نیچے اور ایک ذرا بھی کوک نہیں نکلی۔

تو یہ جو سانسی مسلّط ہیں آج کل پاکستان میں، یہ اس فن کے بڑے ماہر ہیں۔ یہ کہتے ہیں کوک نہ نکلنے دو۔ مگر کوکیں تو نکلتی ہیں ظلم کی کوکیں تو کوئی دنیا میں دبا نہیں سکتا عین اس وقت جبکہ یہ واقعہ ہو رہا تھا جرمن ایمبیسی کا نمائندہ اس کی تصویریں کھینچ رہا تھا اور اپنے ملک میں Faxes یا ٹیلی رابطوں کے ذریعے پیغام بھیج رہا تھا کہ اس وقت پاکستان میں بابری مسجد کی تاریخ دہرائی جارہی ہے۔

آج جب جماعت احمدیہ راولپنڈی نے اسی جگہ جمعہ پڑھا ہے خدا کے فضل کے ساتھ، بڑے جوش وخروش کے ساتھ، قطعاً کوئی پرواہ نہیں کی کہ کوئی مولوی کس ضرر کی نیت سے آئے کبھی اتنا آباد جمعہ وہاں نہیں پڑھا گیا جتنا آج پڑھا گیا ہے لیکن کھنڈروں پر پڑھا گیا۔ اس کی بیرونی ایجنسیوں نے آ کر تصویریں کھینچیں، ویڈیو بنائی گئی تو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کوک نہیں نکلنے دیں گے ظلم کی کوک تو نکلنی ہی نکلنی ہے کوئی دنیا کی طاقت روک نہیں سکتی۔ وہ فلم میں نے منگوائی ہے وہ ہم انشاءاللہ MTA پر بھی دکھائیں گے تا کہ بابری مسجد کے خلاف احتجاج کرنے والوں کا اندرونی گندہ کردار تو دنیا دیکھے۔ اگر کسی مسجد کے اوپر ہونے والے ظلم کے خلاف احتجاج کا حق ہے تو صرف جماعت احمدیہ کو ہے کیونکہ مسجدوں کی خاطر قربانی کرنے والی مذہبی جماعت دنیا میں ایک ہی ہے وہ جماعت احمدیہ ہے۔ باقی تو قصے ہیں صرف کہانیاں ہیں۔

پس یہ جو واقعہ گزرا ہے اس پر میں توجہ دلاتا ہوں جماعت راولپنڈی کو بھی، ساری دنیا کی جماعت کو بھی کہ اس کا ردعمل یہ نہیں ہے کہ بیٹھ کر آنسو بہائیں۔ **ایک زندہ جوان قوم ہیں، اس یقین کے ساتھ کہ کوئی ہم سے عبادت کا حق چھین ہی نہیں سکتا۔ زمین کا چپہ چپہ ہمارے لئے مسجد بنا دیا گیا ہے۔ اسی طرح بہادری سے اور سر اٹھاتے ہوئے آگے بڑھتے رہیں، مڑ کر ان بدبختوں کو دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں۔ نظر میلی کرنے والی بات ہے اور خدا ایک کی جگہ سینکڑوں مسجدیں پہلے آپ کو دے چکا**

ہے اور دیتا چلا جائے گا اور یہ ظلم بھی خالی نہیں جائے گا۔ اللہ نے جیسا کہ مجھے تصرف الٰہی کے تابع خوش خبری ساتھ ہی پہنچا دی کہ یہاں مؤحد کہلانے والے مشرک جو حرکت کر رہے ہیں تمہیں خدا توفیق دے رہا ہے کہ وہ جو مشرک تھے ان کو تم نے مؤحد بنا دیا اور وہ خدا کا ایک عظیم گھر تعمیر کر رہے ہیں۔ یہ واقعہ ہے جو آئندہ ہر جگہ ہوگا اور ہوتا چلا جائے گا۔ تو جس خدا کے اتنے انعام ہوں اور مقابل کی چوٹیں ہوں اور ہر چوٹ ان کے مخالف کی چوٹ سے ہزاروں گنا زیادہ عظمت رکھتی ہو۔ اس قوم کو، ایسے خدا کی عبادت کرنے والوں کو کیا غم کا مقام ہے۔ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وہ آیت کا مضمون ہم پر صادق آتا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا وہ لوگ جنہوں نے یہ اعلان کیا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور ہم کسی دنیا کی طاقت کو رب تسلیم نہیں کریں گے۔ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا پھر اس دعوے پر ثابت قدم ہو گئے۔ اس میں کسی ابتلاء کا ذکر نہیں مگر لفظ استقامت میں ہر اَن کہی کہانی بیان کر دی گئی ہے۔ استقامت تو کہتے ہی اس کھڑے ہونے کو ہیں جب کہ قدم لڑکھڑانے کی ہر کوشش کی جارہی ہو۔ جب آندھی میں درخت قائم رہے تو اس کو کہتے ہیں استقام۔ جب کسی کو دھکے دے کر گرانے کی کوشش کی جائے اور وہ نہ گرے تو اس کے لئے آئے گا استقام۔ وہ قائم رہا باوجود مخالفانہ کوششوں کے۔ تو فرمایا رَبُّنَا اللّٰهُ کا دعویٰ کرنا آسان نہیں ہے کر تو دیتے ہیں لوگ مگر اصل سچائی اس وقت صاف ظاہر ہوتی ہے جب رَبُّنَا اللّٰهُ کا دعویٰ کرنے والا استقامت دکھائے کیونکہ اس دعوے کے بعد دنیا نے دشمنی ضرور کرنی ہے۔ زلازل آئیں گے، ہر مخالفانہ کوشش ہوگی کہ تمہیں راہ حق سے ہٹا دیا جائے، تمہارے قدم اکھیڑ دیئے جائیں۔ اللہ فرماتا ہے جس نے ثابت قدمی دکھائی اس کے ساتھ کیا ہوگا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا کثرت سے فرشتے ان پر نازل کئے جائیں گے اور کئے جاتے ہیں۔ لَا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا تم بے خوف ہو جاؤ۔ تم وہ قوم نہیں ہو جو خوف کے لئے بنائی گئی ہو۔ ایک ذرہ بھی تمہارے دل اس وجہ سے نہ دھڑکیں کہ دشمن طاقتور ہے اور یہ ایسے ایسے منصوبے بنا کر تم پر چڑھ دوڑا ہے۔ لَا تَخَافُوْا خدا کے سچے عبادت گزاروں، مومنوں کو زیب نہیں دیتا کہ وہ خوف رکھیں۔

پس بے خوف آگے بڑھتے رہو۔ کچھ نقصان ہوگا ضرور۔ فرمایا وَلَا تَحْزَنُوْا کچھ ہو بھی گیا ہے ورنہ لَا تَحْزَنُوْا کا موقع کوئی نہیں تھا۔ فرمایا معمولی سا نقصان تمہیں پہنچا ہے مگر کس خدا

کے بندے ہو جانتے نہیں ہو؟ پس غم نہ کرنا کیونکہ اس سے بہت زیادہ تمہیں دیا جائے گا۔ فرمایا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ اور تم اس جنت کی خوش خبری سے راضی ہو جاؤ جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے۔ اب کوئی کہہ سکتا ہے کہ جنت تو پتا نہیں کب آنکھیں بند کرنے کے بعد فوراً ملتی ہے یا اربوں سال بعد ملتی ہے۔ حزن تو ابھی یہیں کا تھا۔ خوف بھی اسی دنیا کا تھا تو یہ دور کا وعدہ کیوں فرما دیا گیا۔ لیکن جنت کی اصل خوش خبری اس لئے کہ وہ دائمی خوشی ہے اور دنیا کی زندگی عارضی ہے۔ پس مراد یہ ہے کہ اگر دنیا میں وہ غم جو تمہیں لگ گیا اس کا ازالہ نہ بھی کیا جائے تب بھی تمہارا سودا کوئی نقصان کا سودا نہیں۔ جس کو اس عارضی صدمے کے بدلے ہمیشہ کی جنت کی خوش خبری دی جائے وہ بڑا پاگل ہوگا اگر اس غم سے ہی چمٹا رہے اور کہے کہ میرا یہ نقصان ہو گیا۔ اس لئے پہلے اس بات کا ازالہ لازم تھا، اس غلط تصور کا ازالہ لازم تھا کہ اگر ہم تمہیں فوری طور پر اس کا بدلہ نہ بھی دیں تب بھی تمہیں غم کا کوئی حق نہیں ہے۔ غم کا کوئی موقع تمہارے لئے نہ ہے۔ یہ کہنے کے بعد فرمایا: پھر کہتے ہیں نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا یہ نہ سمجھنا کہ ہم جنت ہی میں آئیں گے۔ اب ہمیں یہ حکم ہے کہ ہم اس دنیا میں بھی تمہارے ساتھ ساتھ ہیں۔ ہم وہ فرشتے ہیں کہ جو تمہیں چھوڑ کر جانے والے نہیں ہیں اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا مشاہدہ ہم گزشتہ مسلسل کئی سالوں سے کرتے چلے جا رہے ہیں۔ ہر غم کے بدلے جب خدا کی کوئی رحمت نازل ہوئی ہے تو وہ عارضی رحمت نہیں تھی وہ آ کر چمٹ رہنے والی رحمت تھی۔ ایسی رحمت تھی جس نے پھر ساتھ نہیں چھوڑا اور رحمت کا قدم آگے بڑھتا رہا ہے پیچھے نہیں ہٹا۔ تو اتنے عظیم الشان سچے وعدوں والا رسولؐ ہے جس سے خدا نے وعدے فرمائے اور اس نے اپنی امت کو یہ خوش خبریاں دیں۔

پس جماعت احمدیہ کے لئے نہ خوف کا مقام ہے نہ غم کی جگہ ہے کیونکہ ہر قربانی کے بعد آپ کو عظیم تر برکتیں ضرور نصیب ہوں گی۔ ایک جگہ کے نقصان کے بدلے وسیع تر علاقے آپ کو عطا کئے جائیں گے۔ ایک مسجد کے نقصان کے بدلے جیسا کہ میں نے بتایا اول تو ساری سرزمین مسجد بنا دی گئی مگر ظاہری مسجدیں بھی اس سے بہت بڑھ کر وسیع تر زیادہ شان والی ایسے علاقوں میں ملیں گی جہاں لوگ حیا رکھتے ہوں۔ جہاں لوگ خدا کا خوف رکھتے ہوں، جہاں مساجد کی بے حرمتی کو گناہ سمجھا جاتا ہے۔ امن کے ساتھ فرشتوں کی حفاظت میں آپ کو ایسی مسجدیں عطا ہوں گی اور زور لگانا ہے تو لگا

دیکھیں مولوی بھی، ان کی حکومتیں، ان کی عدالتیں، خدا کی اس تقدیر کو یہ بد بخت کبھی بدل نہیں سکتے۔ ناممکن ہے کہ اللہ کی اس تقدیر کو یہ بدل دیں۔ پہلے کب بدل سکے ہیں جواب بدل کے دکھا دیں گے۔

اس لئے میں ان لوگوں کو جو آج اشکبار ہیں حزیں دلوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں، بھاری دل لئے بیٹھے ہیں ان کو بتاتا ہوں کہ ان آنسوؤں کو پونچھ ڈالو، تمہارے لئے رونے کا مقام نہیں ان بدبختوں کے لئے رونے کا مقام ہے۔ فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَّلْيَبْكُوا كَثِيرًا قرآن کریم ایسے موقعوں پر فرماتا ہے کہ یہ ہنس رہے ہیں۔ ان بدبختوں کو کیا پتا ہے کہ ان کے لئے کیا مقدر ہے اگر ان کو سمجھ آئے کہ یہ کیا کر رہے ہیں اور کس وجہ سے ہنس رہے ہیں تو ہنسیں کم اور روئیں بہت۔ ایسا روئیں کہ وہ رونا پھر ختم نہ ہو۔ تو ان کے لئے تو خدا کی تقدیر وہی ظاہر ہوگی جو دائمی رونے پر ان کو مجبور کر دے گی۔ لیکن اس ضمن میں میں پاکستان کے احمدیوں کو بھی اور سب دنیا کے احمدیوں کو بھی پھر یاد دہانی کراتا ہوں کہ جہاں تک پاکستان کے احمدیوں کا تعلق ہے اپنے وطن کی محبت سے ہاتھ نہ دھو بیٹھیں۔ جس سرزمین میں ان کو دکھ پہنچ رہے ہیں وہ ان کا مولد بھی ہے ان کا موطن بھی ہے جو خدا کے پاک بندے ہیں اور ان میں بھی سب مولوی ایک جیسے نہیں ہیں، بد بخت ملاں ایک اپنی الگ شان رکھتا ہے وہ چہرے کی نحوست سے پہچانا جاتا ہے ان کی تصویریں آپ روزانہ جنگ میں چھپتے ہوئے دیکھیں گے اور صاف پتا چلتا ہے کہ یہ کون سی مخلوق ہے۔ مگر اکثر شریف علماء تو بے چارے اخباروں میں آتے ہی نہیں ہیں اور خفیہ خفیہ ہمارے خطبے سنتے ہیں، احمدیوں سے الگ محبت سے ملتے بھی ہیں اور بہت سے ایسے مولوی ہیں جنہوں نے اپنا خاموش سایہ وہاں کے نسبتاً کم تعداد احمدیوں پر رکھا ہوا ہے۔ اس طرح کہ وہ لوگوں کو شرارت سے باز رکھتے ہیں وہ نیک دل مولوی ان کو بتاتے ہیں یہ سب فساد کی باتیں ہیں تم نے یہ نہیں کرنا اور اس طرح خاموشی کے ساتھ ان کو ایک نیکی کی توفیق مل رہی ہے اس لئے یہ خیال کر لینا کہ سارے پاکستان کا ہر مولوی بد بخت ہو چکا ہے یہ درست نہیں ہے۔ امت محمدیہؐ کے سب مولوی ایک وقت میں بد بخت ہو ہی نہیں سکتے۔ میرا تو یہ عقیدہ ہے۔ بہت سے شریف ہیں لیکن بے آواز شریف ہیں اور ان لوگوں کو ہماری بددعا نہیں پہنچنی چاہئے ان کے لئے دعا ہونی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ان کو ان بد بخت مولویوں کے شر سے بچائے۔ ان کو قوت گویائی عطا کرے۔ ان کو طاقت عطا کرے کہ وہ حق بات کے لئے جرأت کے ساتھ کھڑے ہو سکیں اور اس کی وکالت کر سکیں اور جو شرافت دکھا رہے ہے

ہیں کمزوری کے باوجود اللہ ان کو جزا عطا فرمائے۔

جہاں تک ملک کا تعلق ہے خطرہ صرف یہ ہے کہ جب بد بخت اس کثرت کے ساتھ کھلے عام مظالم کریں تو بعض دفعہ خدا کی تقدیر سارے ملک پر نازل ہوا کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو قرآن کریم میں کھول کر بیان فرمایا ہے کہ پھر یہ ضروری نہیں ہوتا کہ محض ظالم ہی پکڑا جائے۔ ایک عذاب عام آجاتا ہے جس میں پھر جو معصوم ہے وہ بھی مارا جاتا ہے۔ اب جب عالمگیر جنگیں ہوتی ہیں تو جنگ یہ تو نہیں دیکھتی کہ یہ معصوم شہری تھا یا ظالم شہری تھا اس کے بداثرات میں یہ سارے لوگ برابر ہی حصہ پاتے ہیں ہاں استثنائی طور پر جب خدا کی تقدیر کسی کی حفاظت فرمائے تو ان کے ساتھ غیر معمولی سلوک بھی ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنگوں کی خبر دی تو ساتھ ہی یہ خوش خبری بھی عطا فرمائی کہ:

آگ ہے پر آگ سے وہ سب بچائے جائیں گے
جو کہ رکھتے ہیں خدائے ذوالعجائب سے پیار (درثمین: 154)

تو خدائے ذوالعجائب سے پیار رکھنے والے بھی تو کچھ معصوم ہوتے ہیں اور عامۃ الناس بے چارے جاہل ہیں اور جہالت اپنی ذات میں ایک ظلم ہے جس میں وہ ملوث ہیں لیکن ان میں بھی کچھ جاہل ہیں، کچھ کی فطرت ایسی صاف ہے کہ وہ اپنی جہالت کے باوجود فطرت صحیحہ کے خلاف حرکت نہیں کر سکتے۔ ان کی اگر تعداد کافی نہ ہوتی تو پاکستان میں جماعت احمدیہ کے حالات بہت بدتر ہوتے اس لئے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ پاکستان کے عوام الناس میں جہالت کے باوجود ابھی فطرت صحیحہ کا غلبہ ہے اور عامۃ الناس کی جو رائے ہے وہ حق کو پہچانتی ہے کم سے کم اس حد تک کہ ظلم میں قدم نہیں رکھنے دیتی ان کو۔ مولوی کی بات میں اپنی جہالت کی وجہ سے یقین بھی کر لیں تو فطرت ان کو اجازت نہیں دیتی کہ وہ معصوم لوگوں پر ظلم کریں۔ پس عقیدے کے اختلاف کی وجہ سے ان کی فطرت ان کو کسی پر ظلم کی اجازت نہیں دیتی ان لوگوں کی بڑی کثرت پاکستان میں موجود ہے اور وہی ہیں جو ہمیشہ ابتلاؤں کے وقت اللہ تعالیٰ سے یہ سعادت پاتے ہیں کہ جماعت احمدیہ کو مختلف جگہوں پر مختلف رنگوں میں اپنے سہارے دیتے ہیں اور ان کو بچانے کی کوشش کرتے ہیں جیسا کہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے زمانے میں بھی یہ رواج تھا۔ مشرکین میں کچھ بہت بد بخت تھے

اور کچھ اپنے نفس میں شرافت کا مادہ رکھتے تھے اور انہی میں سے بعض ہیں جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے متعلق بھی جب وہ طائف سے واپس مکہ تشریف لا رہے تھے یہ اعلان کیا کہ یہ میری پناہ میں داخل ہو رہا ہے وہ پناہ تو خدا کی تھی جس میں وہ داخل ہوئے تھے۔ لیکن اس شخص میں یہ شرافت ضرور تھی کہ اس نے یہ اعلان کر دیا کہ کوئی کوشش بھی نہ کرے ان کو نقصان پہنچانے کی۔ ایسے بہت سے مسلمان صحابہؓ تھے جن کو اپنی دوستی، ذاتی تعلقات، عمومی شرافت کی وجہ سے اہل مکہ کے رؤساء اپنی پناہ میں لے لیا کرتے تھے اور اس وجہ سے وہ روزمرہ کی تنگی جو بہت بڑھ سکتی تھی اس میں کمی رہی یا حد اعتدال سے آگے نہ گئی۔

پس جماعت احمدیہ پاکستان کے ساتھ بھی یہ سلوک ہے اپنی بے اختیار بددعاؤں میں یہ ظلم نہ کریں کہ ان شرفاء کو بھی نشانہ بنا دیں۔ ان کے لئے دعا کرنی چاہئے اور دعا یہ کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس سرزمین میں ایسے شرفا کو کثرت عطا فرمائے اور ان بدبختوں سے ایک ایسا نتھار کر الگ سلوک کرے کہ باقی دنیا کے لئے عبرت بن جائیں۔ یہ بددعا جو ہے یہ اس لئے جائز ہے کہ اس سے قوم کا فائدہ ہے، اس میں ملک کے بچنے کا امکان ہے۔ اگر آپ کی یہ بددعا قبول نہ ہو اور خدا ان بدبختوں کو نتھار کر، الگ کر کے ان سے نمایاں طور پر مومنوں پر ہونے والے ظلم کا انتقام نہ لے تو پھر یہ خطرہ ہے کہ سارا ملک ہی ان کی نحوست کے نیچے پیسا جائے گا اور ایسا بھی ہوا کرتا ہے۔ تو مجھے تو یہ خطرات دکھائی دے رہے ہیں یہ لڑنے والی حکومت ہو یا اپوزیشن ہو ان کا اونچ نیچ تو ہوتا رہے گا لیکن خدا کی ایک وہ تقدیر ہے جو اپنے ظالمانہ رویے سے غیر منصفانہ رویے سے یہ آسمان پر خود بنا رہے ہیں۔ تقدیر تو اللہ کی ہے مگر اپنے جرائم سے بعض دفعہ بعض قومیں خاص قسم کی تقدیر لکھوا رہی ہوتی ہیں اور فیصلہ تو جج ہی دیتا ہے مگر ایک معصوم کے حق میں اچھا فیصلہ دے رہا ہوتا ہے اور ایک بدبخت کے حق میں برا فیصلہ دے رہا ہوتا ہے۔ ان معنوں میں مجرم پیشہ اپنا فیصلہ جج سے لکھوا لیتا ہے۔ تو دعا کریں کہ وہ فیصلہ نہ لکھا جائے جیسا کہ بغداد کے حق میں ایک دفعہ لکھا گیا تھا۔ جب بغداد پر حملہ کیا گیا ہے تیمور لنگ کی طرف سے یا اور کسی ریاست جو روس کے جنوب میں واقع ہیں مسلمان ریاستیں ان میں ایک ازبکستان بھی ہے تاجکستان بھی ہے اور اس کے ساتھ منگولیا بھی ہے۔ یہ وہ علاقہ ہے خاص طور پر ازبکستان کا علاقہ جہاں سے وہ Golden Hurds آئے ہیں ان کو سنہری حملہ آور قومیں قرار دیا جاتا تھا اور بار بار، پے بہ پے انہوں نے یلغار کی ہے جو یورپ تک بھی پہنچی ہے اور اتنے زبردست

حملے ہوتے تھے کہ ساری دنیا کی بڑی سے بڑی سلطنتیں اس کے تصور سے بھی کانپتی تھیں کہ یہ لوگ حملہ آور ہو کر ان کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے اور کوئی طاقت ان کو روک نہیں سکتی تھی۔ ایسے ہی ایک حملے کے دوران کسی بغداد کے بادشاہ نے ایک بزرگ ملہم کو دعا کے لئے کہلا کے بھجوایا اور کہا کہ خدا کے لئے ہمارے پاس اب کوئی دفاع نہیں رہا۔ معلوم ہوا ہے کہ بڑی تیزی کے ساتھ وہ حملہ آور بغداد کی طرف بڑھ رہے ہیں اور کوئی ہمارے پاس طاقت نہیں ہے کہ ہم ان کو روک سکیں۔ تو آپ دعا کریں۔ دعا کے ہتھیاروں کے سوا اور کوئی ہتھیار نہیں۔ دوسرے دن صبح جب بادشاہ نے اس بزرگ کی خدمت میں جواب کے لئے آدمی بھجوایا تو اس نے کہا کہ ساری رات میں دعا کرتا رہا اور ساری رات مجھے یہ الہام ہوتا رہا ہے کہ **یا ایھا الکفار اقتلوا الفجار۔ یا ایھا الکفار اقتلوا الفجار** کہ اے کافرو! میں خدا تمہیں حکم دیتا ہوں کہ ان فاجروں کو قتل کرو اور یہ الہام حیرت انگیز دردناک شان کے ساتھ پورا ہوا ہے کیونکہ اس بغداد کے حملے کا نمایاں نشان قتل عام ہے جو تاریخ میں شاذ کے طور پر دکھائی دیتا ہے۔ ایک جوھا جو مسخرہ تھا وہ بچ گیا تھا اس حملے میں اور شاید کوئی اتفاق سے قسمت سے بچا ہو ورنہ بادشاہ کا حکم تھا جس پر پوری دیانتداری سے اس کی فوج نے عمل کیا کہ اس شہر کے ہر باشندے کو تہہ تیغ کردو۔ نہ مرد بچے، نہ عورت بچے، نہ بوڑھا، نہ بچہ، نہ نوجوان، تمام کے تمام قتل کئے جائیں اور مؤرخ یہ لکھتے ہیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ تمام شہر میں ہر مرد و زن، ہر بوڑھے بچے کو یکساں قتل کیا گیا اور پورا شہر ویران ہو گیا۔ کہتے ہیں ہفتوں بعد تک دجلہ کا رنگ ان کے خون سے سرخ رہا۔ پس جو الہام الٰہی تھا وہ دیکھیں کس شان کے ساتھ پورا ہوا ہے۔ اگرچہ یہ دردناک شان تھی لیکن تھی شان ہی کیونکہ خدا کے کلام کی شان تھی جس نے اس حملے کو ایک حیرت انگیز قتل عام کے حملے میں تبدیل کر دیا اور حکم کس کو مل رہا ہے کفار کو۔ عام طور تو پر انسان یہ سمجھتا ہے کہ

ے حد چاہئے سزا میں عقوبت کے واسطے
آخر گناہ گار ہوں کافر نہیں ہوں میں (دیوان غالب:176)

مگر جب یہ خدا کے ماننے والے مشرکوں سے بھی زیادہ بدبخت ہو چکے ہوں اور وہ بے حیائی جس کی مشرک جرأت نہ کریں اس کے یہ مؤحد اس پر جرات کرنے لگیں تو پھر یہی تقدیر ہے جو ایسی قوم کے اوپر صادق آ سکتی ہے کہ **یا ایھا الکفار اقتلوا الفجار** کہ اے کفار اب وقت آ گیا ہے کہ ان فجار کو قتل کرو۔

لیکن مشکل یہی ہے کہ اگر یہ فجار قتل ہوں تو ہمارے ہم وطن ہی تو قتل ہوں گے۔ اگر یہ سرزمین مشرکوں کے پاؤں تلے روندی جائے تو ہمارا اپنا وطن ہے جو ان مشرکوں کے پاؤں تلے روندا جائے گا۔ پس یہ وقت دعاؤں کا وقت ہے ان معنوں میں بددعاؤں کا وقت نہیں کہ قوم کے لئے بددعا کریں۔ نعوذ باللہ من ذٰلک اگر وقت ہے تو قوم کے لئے دعا کا وقت ہے اور قوم کے لئے دعا کی قبولیت کے لئے لازم ہے کہ ان بدبختوں کے لئے بددعا کی جائے۔ یہ بدبخت اپنی سزا کا حصہ پائیں تب ان کی نحوست کا سایہ قوم کے سر سے اترے گا اس کے بغیر یہ سایہ اس قوم کو کہیں کا نہیں رہنے دے گا۔

پس مجھے تو یوں لگ رہا ہے کہ نوبت قریب تر آتی جارہی ہے اللہ بہتر جانتا ہے کہ اس کی تقدیر کس طرح ظاہر ہو مگر چونکہ میرا فرض ہے کہ قوم کے اہل دانش کو، سب کو متنبہ کردوں اور چونکہ میں جانتا ہوں کہ شریف علماء تو حق کی خاطر میرا خطبہ سنتے اور دیکھتے ہیں لیکن شریر علماء رخنے تلاش کرنے کے لئے ،خرابیاں تلاش کرنے کے لئے یا تجسس کے طور پر بھی ،خطبہ سنتے بھی ہیں اور دیکھتے بھی ہیں۔ چنانچہ ان کے براہ راست کئی دفعہ خط آجاتے ہیں کہ آپ نے خطبے میں یہ بات کی تھی ،فلاں تقریر میں یہ کہا تھا اور ہم نے یہ سنا اور دیکھا تو صاف پتا چل رہا ہے یہ جو دور ہے ہمارا MTA کا اللہ تعالیٰ نے جماعت کے عالمی غلبے کے لئے عطا فرمایا ہے وہ دشمن جس تک ہماری آواز نہیں پہنچا کرتی تھی ،جنہوں نے ہماری آواز کی ساری راہیں بند کر دی تھیں یہاں تک کہ اپنوں تک بھی نہ پہنچیں اب ان کے گھروں میں یہ آواز پہنچ رہی ہے۔ ایسے مولوی ہیں جن کے بچوں نے اپنے باپوں کے خلاف بغاوت کر دی ہے کہا ہے کہ ہم سنیں گے اور دیکھیں گے تو MTA دیکھیں گے اور کوئی ہم نے ٹیلی ویژن نہیں دیکھنا اور بڈھے مولویوں نے اپنی بیویوں کے ڈر کے مارے اف بھی نہیں کی وہاں۔ وہاں سارا مذہب جاتا رہا، مسجد میں تقریریں کہ کوئی ان کے قریب نہ آئے اور ان بچوں نے خود احمدی دوستوں کو بتایا کہ ہم نے تو اپنے گھر میں یہ کر دیا ہے اور ابا کی مجال نہیں ہے کہ روکیں۔ وہ ہوں یا نہ ہوں ہم MTA ہی دیکھتے ہیں تو جب خدا کی تقدیر نے یہ جوابی کارروائی فرمادی ہے تو ان کے کانوں تک تو اب بات پہنچنی ہی پہنچنی ہے۔ ان کی آنکھوں نے تو، یہ ان کے دلوں کو آگ لگانے والے مناظر، دیکھنے ہی دیکھنے ہیں۔ اس لئے آپ یہ نہ سمجھیں کہ یہ آپ پر ظلم کر رہے ہیں، یہ اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں۔ جتنا ظلم جماعت احمدیہ پر کرتے ہیں اللہ کے اتنے فضل نازل ہوتے ہیں کہ جو آپ پر فضل کی اور رحمتوں کی

بارشیں بنتے ہیں وہ ان کے لئے یوں لگتا ہے جیسے آگ برس رہی ہو۔ سرتا پا جھلس جاتے ہیں اور اب تو ان کے گھر میں اندر بھننے کے انتظام ہو گئے ہیں۔ پتا نہیں کس نظر سے بیچارے دیکھتے ہوں گے کیا کیا وہ مسوس مسوس کے رہ جاتے ہوں گے کہ دیکھو یہ ہمارے سامنے ہمارے خلاف دلائل دے رہا ہے، ہماری کچھ پیش نہیں جارہی۔ زیادہ سے زیادہ ایک چیتھڑا ہے جنگ، اس نے ایک مضمون لکھ دیا تو اس میں کون سی غمگین ہونے کی بات ہے وہ سب وہی بکواس ہے جس کے بارہا جواب دیئے جا چکے ہیں اور بھی دیتے رہیں گے۔ اس کے نتیجے میں نقصان نہیں پہنچ سکتا جماعت کو۔

آج ہی کی ڈاک میں ایک خط میں نے دیکھا جس میں ایک بچی نے لکھا ہے کہ پاکستان میں میری ایک سہیلی تھی میں اس کو بہت تبلیغ کرنے کی کوشش کرتی تھی وہ سنتی ہی نہیں تھی لیکن جو پچھلے دنوں میں باسی کڑھی کو ابال آیا ہے اور جماعت کے خلاف پروپیگنڈا شروع ہوا۔ کہتی ہیں وہ پروپیگنڈا پڑھ کر اس کو خیال آیا کہ چلو میں تحقیق کرلوں اور تحقیق کی تو آج میں یہ خوش خبری دے رہی ہوں کہ وہ بیعت کر کے جماعت احمدیہ میں داخل ہو چکی ہے۔ تو ان کے مقدر میں شکست ہی شکست ہے۔ ہارنا ان کا ایسا اٹل مقدر ہے جس سے یہ کسی قیمت بچ سکتے ہی نہیں ہیں۔ پس جوابی کارروائی اس کی یہی ہے کہ ان اکثریتوں کو اقلیتوں میں تبدیل کر دیا جائے اور یہی ہوگا۔ کوئی نہیں جو اس بات کو بدل سکے۔ پس اہل ہمت بنیں، بیٹھ کر رونے سے یا ٹسوے بہانے سے یا اپیلیں کرنے سے بھی کچھ نہیں بننا آپ کا۔ بڑی سے بڑی عدالتیں وہ ہیں جن تک آپ پہنچ چکے۔ انہوں نے کیا کیا ہے آپ کے ساتھ۔ کوئی خیر کی توقع کے آثار ہوں تو کوئی توقع رکھے۔ جہاں ہر بات اپنی انتہا سے تجاوز کر چکی ہو وہاں آپ کیا توقع لگائے رکھتے ہیں۔ حقیقت میں مَیں یہ منع نہیں کرتا آپ اپیلیں کریں لیکن جیسا کہ آپ نے خود ہی مجھے بتایا کہ ہمیں پتا تھا کہ کیا جواب آئے گا۔ آپ کو پتا ہونا چاہئے کہ آئندہ اوپر سے کیا جواب آئے گا، اس سے اوپر سے کیا جواب آئے گا۔ آخر اپیل خدا کے حضور کرنی ہوگی وہاں سے جو جواب آئے گا اس کا بھی ہمیں علم ہے اور اسی جواب کی میں باتیں کر رہا ہوں۔ ایک جواب ہے جو آچکا ہے اور وہ یہ ہے کہ اٹھو اور آگے بڑھو اور غالب آؤ اور ان پر فتح حاصل کرو اور ان کی اکثریتوں کو اقلیتوں میں تبدیل کر دو کیونکہ تمہیں اسی لئے بنایا گیا ہے۔ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ (الصّف:۱۰) محمد رسول اللہؐ کے غلام ہو اور اس زمانے میں محمد رسول اللہؐ کے حق میں جو میں نے پیش گوئی کی تھی یعنی خدا یہ کہتا ہے کہ وہ

تمہارے ذریعے پوری کی جانی ہے۔ پس اگر تم پھیلو گے نہیں تو کیسے یہ پیشگوئی پوری ہوگی۔

پس راولپنڈی کی جماعت ہو یا کوئی اور مظلوم پاکستان کی جماعت یا پاکستان کی جماعت بحیثیت عمومی ایک ہی علاج ہے جتنی بدبختی اور بے حیائی کے ساتھ یہ تم پر حملہ کرتے ہیں آج اسی کے مقابل پر، بہت بہادری کے ساتھ مگر خدا کے حضور عاجزی کے ساتھ، کامل انکسار کے ساتھ، پورا توکل رکھتے ہوئے تبلیغ کا جوابی حملہ کریں۔ پھر اس راہ میں جو مشکلات ہیں اگر حکمتوں کے تقاضے پورے کرنے کے باوجود آئیں تو یہ شہادت ہے، یہ قربانیاں ہیں جن پر قوموں کے سر فخر سے بلند ہو جایا کرتے ہیں۔ اس پہ کوئی حرج نہیں، کوئی غم نہیں لیکن خدا نے جو شرطیں مقرر فرمائی ہیں کہ حکمت کے ساتھ دعا کرتے ہوئے، صبر کے ساتھ پیغام کو پھیلاتے چلے جاؤ اور کوئی پرواہ نہ کرو کہ اس کے مقابل پر قوم کیا ردعمل دکھاتی ہے وہ کرو تو یقین جانو کہ خدا کی وہ ساری خوشخبریاں جو محمد رسول اللہ ﷺ کی امت کے ساتھ آخری زمانے میں وابستہ ہیں وہ تمہارے ذریعہ پوری ہوں گی اور خدا تمہیں کبھی نہیں چھوڑے گا۔ اس راہ میں ظلم ہوں گے یہ مجھے علم ہے مگر وہ ظلم اور طرح کے ظلم ہیں۔ یک طرفہ ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر بیٹھے ہوئے ظلموں کا نشانہ بننا یہ کیسا ظلم ہے؟ اس میں تمہیں کیا لطف آ سکتا ہے لیکن جب خدا کی خاطر اس پر توکل کرتے ہوئے کمزور ہونے کے باوجود طاقتور پر جوابی حملہ کرتے ہو پھر جو کچھ نقصان پہنچتا ہے وہ فخر کے لائق نقصان ہے، وہ لطف کے لائق نقصان ہے، ویسے نقصان بے شک اٹھاؤ کیونکہ اسی آیت کریمہ میں جس کی میں نے تلاوت کی تھی پھر آخر پر فرمایا گیا نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ اب تو ہمارا ساتھ ٹوٹنے کا ساتھ نہیں اس دنیا میں بھی ہم ساتھ ہیں اور آخرت میں تو ضرور ساتھ ہوں گے۔

وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ دنیا کی جو نعمتیں ہیں، دنیا کے جو نقصانات ہیں ان کے غموں کا بھی ازالہ تو کیا جائے گا۔ مگر جو تم چاہتے ہو جو تمہارے دل کی گہری تمنائیں مانگ رہی ہیں۔ یہ ساری چیزیں تمہیں آخرت میں ملیں گی اور فرمایا دیکھو جن چیزوں کا ہم تم سے وعدہ کر رہے ہیں جانتے ہو ان کو کیا کہتے ہیں نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ (السجدہ:33) غفور سب سے زیادہ بخشش کرنے والے، سب سے زیادہ رحم کرنے والے خدا کے تم مہمان بنائے جانے والے ہو اس کی طرف سے مہمانی ہوگی۔ جتنا

معزز مہمان ہو اتنا ہی بڑے اعزاز کے ساتھ مہمانی کی جاتی ہے مگر جتنا معزز میزبان ہو اصل مہمانی کی شان تو میزبان سے وابستہ ہوا کرتی ہے۔ ایک بڑے سے بڑا بادشاہ بھی ایک غریب کی کٹیا میں اتر جائے گا۔ وہ چاہے گا کہ جان نچھاور کر دوں مگر پھر بھی غریب کی مہمانی ویسی ہی رہے گی لیکن صاحب اکرام بادشاہوں کی مہمانی جس کو نصیب ہو جائے اس سے بہتر اور کیا چیز ہو سکتی ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ انعام مقرر فرمایا کہ ثابت قدم رہنا، بے خوف آگے بڑھتے چلے جانا کچھ نقصان ہوں گے۔ وہ غم پورا کرنے کے ہم ذمہ دار ہیں۔ اس دنیا میں بھی پورا کریں گے مگر اگر تم اس راہ میں مارے گئے یا کچھ عرصے کے بعد جب بھی تم ہمارے پاس لوٹو گے تو ہم تمہیں یقین دلاتے ہیں کہ جو خدا کے فرشتے تمہاری تائید میں تمہاری خدمت پر اس دنیا میں مامور تھے وہ آخرت میں بھی مامور رہیں گے۔ وہ تمہارا ساتھ وہاں بھی نہیں چھوڑیں گے اور تمہیں وہ کچھ دیا جائے گا جس کی گہری تمنائیں تم رکھتے تھے لیکن حاصل نہ کر سکے۔ جو کھو گے وہ تمہیں عطا کیا جائے گا اور یہ غفور رحیم خدا کی طرف سے مہمانی ہو گی۔ تمہاری مہمان نوازی کے سامان ہوں گے۔ ایک پہلو سے میزبانی کہا جا سکتا ہے یعنی خدا میزبان ہے تو اس کی طرف سے میزبانی ہو گی۔ تم مہمان ہو تو تمہاری مہمانی ہو رہی ہے مگر اس سے بڑھ کر اعلیٰ مہمان نوازی کا کوئی تصور ممکن نہیں۔

تو جس راہ کی طرف قرآن نے ہمیں بلایا ہے جس راہ میں آگے بڑھنے کی طرف خدا تعالیٰ نے ہمیں آواز دی ہے اس راہ میں آگے بڑھنا حکمت کے ساتھ، ہر ممکن کوشش کرنی ہے کہ فتنہ و فساد نہ ہو، ہر ممکن کوشش کرنی ہے کہ زیادہ سے زیادہ مقاصد کم سے کم نقصان سے پورے ہوں اور اللہ ایسا ہی کرے گا۔ مگر اس کے باوجود اس راہ میں اگر کوئی دکھ ہوئے کوئی مصیبتیں دیکھنی پڑیں، کوئی اور مسجدیں بھی مسمار ہوئیں تو غم کا تو کوئی مقام نہیں یہ وہ مصیبتیں ہیں جو تمہارے جہاد نے بلائی ہیں، جہاد کا ایک لازمی حصہ ہیں اور جہاد کی راہ میں مصیبتیں بعض دفعہ اتنی پیاری ہو جایا کرتی ہیں کہ جو لوگ ان مصیبتوں سے گزرتے ہیں ان کو اپنا فخر سمجھتے ہیں، ان کی لذتیں ان مصیبتوں میں ڈالی جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض شہداء کو جب شہادت کے بعد خدا نے پوچھا اور اس واقعہ کی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو خود اطلاع دی کہ بتاؤ تم کیا چاہتے ہو میں تمہاری قربانی، تمہارے جذبہ شہادت سے ایسا راضی ہوا ہوں کہ بتاؤ تم کیا چاہتے ہو؟ تو جانتے ہیں انہوں نے کیا عرض کی۔ انہوں نے عرض کی اے خدا ہمیں پھر زندہ کر، ہم پھر شہید کئے جائیں، پھر ہمیں زندہ کر، پھر ہم شہید کئے جائیں اور میں اسی طرح سو زندگیاں

پاؤں اور سو شہادتوں کا اعزاز حاصل کروں کیونکہ جو لطف مجھے اس شہادت میں آ گیا ہے وہ اپنی جزا آپ تھا اس کی۔ میں اور جزا کا تجھ سے کیا مطالبہ کروں۔ پس یہی میری جزا ہے جو دائمی کر دے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کہا اگر میں یہ پہلے لکھ نہ چکا ہوتا کہ جو ایک دفعہ اس دنیا سے رخصت ہو جائے گا دوبارہ اس میں نہیں بھیجا جائے گا تو میں تمہاری یہ تمنا بھی قبول کر لیتا۔ (ترمذی کتاب التفسیر تفسیر آل عمران) یہ بھی نہیں فرمایا کہ یہ تو تم دکھ مانگ رہے ہو کیونکہ اللہ جانتا تھا کہ اس شہید ہونے والے کی زندگی کے اس آخری لمحے کا لطف ایک ایسا لطف تھا جو باہر کی دنیا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ پس جہاد کی راہ کی جو قربانیاں ہیں ان کا کوئی غم نہیں ہے اور جو ضرور لازماً پیش آنی ہیں وہ تو پیش آئیں گی لیکن بہت معمولی ہوں گی۔ جو عظیم انعام اس کے نتیجہ میں ملتے ہیں اس کے مقابل پر یہ قربانیاں معمولی، کچھ بھی نہیں ہیں۔ رستہ چلتے کے کانٹے کی معمولی سی تکلیف سے زیادہ ان کی کوئی حیثیت نہیں۔

پس میں امید رکھتا ہوں کہ راولپنڈی کی جماعت اگر عظمتِ کردار رکھتی ہے، اگر محمد مصطفی ﷺ کی سچی غلامی کا دعویٰ کرتی ہے تو یہی انتقام ہے جو ان کو لینا چاہئے اور خدا آپ کے ساتھ ہوگا اور اس انتقام میں آپ کی پوری مدد فرمائے گا اور تمام دنیا کی جماعتیں ان کے ساتھ مل کر اس انتقام میں پورا حصہ لیں۔ ان معنوں میں خدا منتقم ہے کہ برائی کا بدلہ اچھائی سے دیتا ہے جو جہنم کی طرف جا رہے ہوں ان کو جنت کی طرف بلانے سے بہتر انتقام اور کیا ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اخلاق حسنہ اپنائیں اور ان کے غلبے کی دعا مانگیں، بدخلق گھر عزت نہیں پاتا۔ اپنے گھروں میں اعلیٰ اخلاق اپنائیں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 23 ستمبر 1994ء بمقام لاس اینجلس، امریکہ)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

آج بھی بہت سے ایسے ممالک ہیں جہاں ملکوں کے کچھ اجتماعی یا جماعتی جلسے ہیں یا ذیلی تنظیموں کے اجتماعات ہیں اور ایک کافی بڑی فہرست تھی جس سے پتا چلتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آج کل کثرت سے جلسے بھی ہو رہے ہیں اور اجتماعات بھی ملکی سطح پر ہو رہے ہیں۔ لیکن جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا اب وقت اعلانات پر لگنا شروع ہو گیا ہے اس لئے کبھی نام لے کر نہ بھی اعلان کیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ عموماً ان سب کو دوست اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں جہاں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ملکی اجتماعات ہو رہے ہیں یا جلسے ہو رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اعلیٰ مقاصد کو حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنے سارے اجتماعات کو لِلّٰہ رکھیں، کہیں بھی کوئی انانیت کا یا دکھاوے کا پہلو، ان کی نیتوں میں یا اعمال میں داخل نہ ہو سکے۔

نیکی کا کوئی کام بھی جہاں نیت میں معمولی سا بھی فتور داخل ہو جائے، کوئی کیڑا لگ جائے آخر وقت تک داغدار رہتا ہے اور اسے اچھے پھل نہیں لگتے۔ یہ وہ اہم بات ہے جس کے پیش نظر مجھے پہلے بھی ایک دو دفعہ یہ خیال آیا کہ اگر اس رواج کو مستقل جاری کر دیا گیا تو بہت سے ایسے ممالک ہیں جہاں یہ شوق کہ ہمارا نام بھی پڑھ کر سنایا جائے۔ ان کی نیتوں میں داخل ہو جائے گا اور یہ بھی ایک کیڑا

ہے جو جڑ کو لگ جائے تو پھل ہمیشہ داغ دار نکلتا ہے بلکہ بسا اوقات ایسے درخت بھی مر جاتے ہیں جن میں جڑوں میں کیڑے لگ جائیں۔ جڑ کی بیماری کی اصلاح سب سے مشکل کام ہے اور بسا اوقات جب جڑ میں بیماریاں لگیں تو زمیندار کی کچھ پیش نہیں جاتی، ایسے پودے بالآخر ضرور مرجھا جایا کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے اس مضمون پر روشنی ڈالتے ہوئے ہر کام کے آغاز سے پہلے نیتوں پر غور کا ارشاد فرمایا ہے **انما الاعمال بالنیات** (بخاری کتاب الایمان حدیث نمبر:10) تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔نیتیں جو بھی دل کی گہرائیوں میں یا ذہن کے پردوں کے پیچھے کروٹیں لے رہی ہوتی ہیں جن پہ کچھ محنت صرف نہیں ہوتی محض ایک خیال کی حیثیت سے پیدا ہوتی ہیں۔ان میں ایسی طاقت ہے کہ بڑی سے بڑی اعمال کی عمارت کو بھی وہ منہدم کرنے میں یا بالآخر اپنے مقاصد میں ناکام کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ بدنیتی پر انحصار ہو تو تمام دنیا بھی اس عمل میں اس نیت کی ممد ہو جائے، اس نیت پر کارفرما ہونے کے لئے کوشش کرے تو بدی کا پھل بد ہی لگے گا۔ اس لئے نیتوں پر ہر کام کا سکھانا، حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کا ایک بہت بڑا احسان ہے اور مومن کو ہمیشہ متنبہ فرما دیا ہے کہ تمہاری ساری محنت ضائع جائے گی اگر نیت سے تم باخبر نہ ہوئے اور نیت کی اچھی طرح چھان بین کر کے تسلی نہ کر لی کہ تمہاری نیت صاف اور پاک ہے۔

پس اس پہلو سے بسا اوقات نیکی کے رستے سے بھی بدنیتیں داخل ہو جایا کرتی ہیں۔ بظاہر نیک کام ہے لیکن نیکی کے ساتھ جو خودنمائی کا پہلو بھی آ جاتا ہے وہ انسان کی نیت میں داخل ہو جائے تو سارا عمل بے کار اور بعض دفعہ بے ثمر اور بعض دفعہ تلخ پھل لانے کا موجب بن جاتا ہے۔ پس ہمیں عمومی طور پر اپنی نیتوں پر نظر رکھنی چاہئے اور جہاں بھی یہ رخنہ پیدا ہو یا یہ گمان پیدا ہو یا یہ اندیشہ ہو کہ نیتوں میں کوئی دوسری چیز داخل ہو رہی ہے ایسے رستے کو بند کرنا وقت کے اوپر بہت ہی ضروری ہے اور ایسے رستوں پر چلنے سے گریز بہت لازم ہے۔ پس اگر چند ممالک کے نام یا چند جماعتوں کے نام نہ بھی سنائے جائیں تو کوئی ایسا نقصان نہیں ہے لیکن اگر سنائے جائیں اور وہ ان کی نیتوں میں گند ڈالنے کا موجب بن جائیں، آج نہیں تو کل رخنہ پیدا کر دیں تو یہ بہت بڑا نقصان ہے اس لئے جن ممالک کے نام میں پڑھ کر نہیں سنا رہا ان کو سمجھا رہا ہوں کہ اس پر دل گرفتہ نہ ہوں اس پر غم اور فکر کا اظہار نہ کریں۔ان کے نام نہ سنانا بہتوں کی اصلاح کا موجب بن جائے گا اور خود ان کے لئے بھی

غور وفکر کا موجب ہوگا۔ وہ اب اپنے دلوں کو خوب کھنگال سکیں گے، اپنی نیتوں کو خوب اچھی طرح پرکھ سکیں گے کہ آیا ہماری نیت میں محض دعا ہی تھی۔ حصول دعا اور نیک کاموں میں آگے بڑھنے کی تمنا یا کچھ دکھاوے کا پہلو بھی داخل ہو گیا تھا۔ اگر محض للہ ایک اچھے کام کے اظہار کے لئے تمنا تھی کہ باقیوں کو بھی توفیق ملے اگر محض للہ اس لئے اعلان کی خواہش تھی کہ سب دنیا کے احمدیوں کو یا دوسروں کو بھی جو خطبات سنتے ہیں دعا کی توفیق ملے تو یہ نیت تو آپ کی پوری ہو جائے گی اس میں ایک ذرہ بھی رخنہ نہیں پڑے گا۔ معمولی سا بھی فرق نہیں آئے گا کیونکہ وہ خدا جس نے دعائیں قبول کرنی ہیں اس خدا کے علم میں تو وہ سب جماعتیں ہیں، وہ ساری مجالس ہیں جن کے ہاں جلسے ہو رہے ہیں یا اجتماعات منعقد ہو رہے ہیں لیکن اگر دکھاوا پیش نظر تھا تو پھر ایسے لوگوں کو ضرور تکلیف پہنچے گی اور ایسی تکلیف بھی بعض دفعہ اصلاح کا موجب بن جاتی ہے۔ یہ تمہیدی بیان ہے جو دراصل جماعت کی عمومی اصلاح کے لئے اب فی ذاتہٖ ضروری تھا۔ اس کا بظاہر تعلق تو جلسوں کے اعلانات سے ہے لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ ہر نیک کام میں چونکہ بدنیتوں کے داخل ہونے کا رجحان پایا جاتا ہے اس لئے وقتاً فوقتاً اس کی یاددہانی کرائی جاتی رہے تو جماعت کے لئے مفید ثابت ہوگا۔

اب میں اس مضمون کو پھر لیتا ہوں جو کچھ عرصہ سے سلسلہ وار شروع ہے یعنی وہ اخلاق حسنہ جن کی اسلام مسلمانوں سے توقع رکھتا ہے ہر مذہب کا خلاصہ اور لب لباب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اچھا تعلق ہو اور بنی نوع انسان سے اچھا تعلق ہو۔ بنی نوع انسان سے جو تعلق ہے وہ ہم سب کی نظر میں ہوتا ہے، اللہ سے جو تعلق ہے وہ براہ راست دکھائی نہیں دیتا اس لئے وہاں صرف دعوے ہی دعوے رہ جاتے ہیں۔ کوئی مذہب اگر یہ کہے کہ ہم بندے کو خدا سے ملاتے ہیں تو یہ ایک دعویٰ ہے۔ کسی کو کیا پتا کہ وہ مذہب خدا سے ملاتا بھی ہے کہ نہیں لیکن اگر کوئی مذہب یہ دعویٰ کرے کہ ہم اخلاق حسنہ کی ترویج کے لئے قائم کئے گئے ہیں۔ ہم اس لئے آئے ہیں تاکہ بنی نوع انسان کے باہمی تعلقات کو درست کریں اور پہلے سے بہتر بنا دیں تو یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جو ہر کس وناقص کو دکھائی دیتا ہے کہ کس حد تک پہنچا ہے۔ اور اس سے مذاہب کی شناخت، ان کی پہچان بہت آسان ہو جاتی ہے۔ پس دو پہلو ہیں ایک اللہ سے تعلق کا اور ایک بنی نوع انسان سے تعلق کا جو بظاہر جدا جدا ہیں۔ ایک وہ ہے جو ہمیں اس دنیا میں دکھائی دیتا ہے، ایک وہ ہے جو ہماری نظروں سے اوجھل رہتا ہے۔ مگر ذرا بھی

گہری نظر سے مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ دراصل یہ ایک دوسرے کے ساتھ لازم وملزوم ہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ اللہ سے اچھے تعلقات ہوں اور بندوں سے گندے اور مکروہ تعلقات ہوں۔ کئی وجوہات سے یہ ناممکن ہے اول وہ وجہ جو میں پہلے بیان کرتا رہا ہوں کہ اگر خالق سے پیار ہے تو اس کی تخلیق سے بھی لازماً پیار ہونا چاہئے، اگر کسی شاعر سے محبت ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کے شعروں سے نفرت ہو، کسی فنکار سے تعلق ہے تو اس کے فن سے بھی محبت ایک طبعی امر ہے یہ وہ بات ہے جو میں بارہا بیان کر چکا ہوں مگر اب میں اس مضمون کو ایک اور پہلو سے کھول کر آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔

اخلاق حسنہ ایک ایسی چیز ہے جس کے نتیجے میں انسان کا انسان سے تعلق بڑھتا ہے اور گہرا ہوتا جاتا ہے۔ بدخلق انسان ایک ایسی مکروہ چیز ہے جس کا اپنے گھر میں بھی تعلق قائم نہیں ہوتا۔ کوئی انسان خواہ کتنا ہی امیر کیوں نہ ہو اپنے بچوں کے لئے خواہ وہ محلات ہی کیوں نہ کھڑے کر دے، ان کی اعلیٰ تعلیم کے بہتر سے بہتر انتظام ہی کیوں نہ کر دے، اگر وہ بدخلق ہے تو اس کے بچوں کو اس سے پیار نہیں ہوگا، اگر وہ بدتمیز ہے تو اس کی بیوی اس کے کسی احسان کو نہیں مانے گی، ہمیشہ اس کی شاکی رہے گی، اس کے خلاف شکوے کرتی رہے گی کہ میرا خاوند تم لوگوں کے لئے اچھا ہوگا مگر گھر کے لئے تو ایسا بدتمیز ہے کہ گھر کے سارے سکون کو اس نے غارت کر کے رکھ دیا ہے۔ ایک بدخلقی جو ایک گھر میں تمام احسانات کا قلع قمع کر دیتی ہے اور کوئی تعلق قائم نہیں ہونے دیتی۔ ایسی بدخلقی جس کے نتیجے میں وہ شخص حلقۂ احباب میں بھی کوئی عزت کا مقام نہیں پاتا، ایسے شخص کے متعلق یہ خیال کر لینا کہ اللہ کے دربار میں ایک اعلیٰ منصب پر فائز ہوگا حد سے زیادہ بے وقوفی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اوپر بہت ہی بدظن رکھتے ہیں یہ لوگ، جو سمجھتے ہیں کہ ہمارے اخلاق تو ایسے ہیں کہ ایک بدخلق کی صحبت ہمیں سزا دیتی ہے، ہم پسند نہیں کرتے کہ اس کے پاس کچھ عرصہ بیٹھیں اور اس کے نتیجے میں ایک روحانی عذاب میں مبتلا ہوں۔ اپنے متعلق تو انسان یہ سوچے کہ بدخلقی کے نتیجے میں بیوی بھی خاوند کی نہیں رہتی، بچے بھی باپ کے نہیں رہتے مگر اللہ تعالیٰ کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیسا ہی بدتمیز، بدخلق، مکروہ اخلاق کا انسان ہو وہ اگر نمازیں پڑھتا ہے تو اللہ کے ہاں مقبول ہے۔ یہ خیال انتہائی جاہلانہ خیال ہے اس میں کوئی ادنیٰ بھی حقیقت نہیں۔ بندوں سے زیادہ خدا نفیس ہے۔ ہم نے

تو نفاست اپنے رب سے سیکھی ہے۔ اگر اللہ میں یہ نفاست جس کو کہا جاتا ہے خلق کی نفاست یہ نہ ہوتی تو بندوں نے کہاں سے لینی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی سیرت پر پیدا فرمایا ہے، اپنے خلق پر پیدا فرمایا ہے اس لئے ہر اعلیٰ خلق کے رستے سے آپ اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کر سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے مزاج کو پہچان سکتے ہیں اور مزاج شناسی کے بغیر دوستی نہیں بڑھ سکتی۔ یہ ناممکن ہے کہ آپ اپنے گھر میں بھی اپنے عزیز ترین شخص کے مزاج سے ناواقف رہیں اور آپ کے تعلق گہرے اور استوار ہو سکیں۔ مزاج شناسی ہی سے Appreciation پیدا ہوتی ہے اور اگر کوئی شخص کوئی حسن رکھتا ہے لیکن اس کی Appreciation نہیں ہو رہی، اس کے حسن کی قدر دانی نہیں ہو رہی تو ہمیشہ پیاسا اور محروم رہتا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ کے مزاج کو آپ سمجھیں نہ اور یہ سمجھتے ہوں کہ آپ اس سے تعلقات قائم کرتے اور عبادت کے ذریعہ خوش کر رہے ہیں تو یہ آپ کی بڑی غلط فہمی ہے۔ میں نے دیکھا ہے بعض عورتیں بے چاری ساری زندگی بدامنی میں رہتی ہیں، بے سکونی کی حالت میں عمر گزار دیتی ہیں اور اپنے خاوندوں کے متعلق یہ کہتی ہیں کہ بہت شریف النفس ہے کبھی کوئی تکلیف نہیں پہنچائی لیکن عورت کے حسن سے ناواقف رہتے ہیں، اس کے اندر جو گہری خوبیاں ہیں، اعلیٰ اخلاق ہیں ان پر ان کی نظر ہی نہیں ہوتی اور بیوی اس طرح رہتی ہے گھر میں جیسے کوئی دوسری مخلوق ہو۔ اس کے ساتھ خاوند اپنی شرافت کے نتیجے میں حسن سلوک تو کرتا ہے لیکن اس کی قدر نہیں پہچانتا۔ پس وہ بیویاں جن کی قدر نہ پہچانی جائے انہیں کبھی زندگی میں گہرا سکون میسر نہیں آ سکتا اور آپ میں اگر کوئی خوبی ہو اور لوگ اس سے ناواقف ہوں، بعض شعراء ہیں بیچارے بعض دفعہ ایسی مجلس میں چلے جاتے ہیں جہاں ان شعروں کا کوئی ذوق ہی نہیں ہوتا ان کے متعلق اگر آپ نے ان کو دیکھنا ہو ان کا کیا حال ہے تو اس مجلس سے نکلتے دیکھیں۔ انگریزی میں کہا جاتا ہے ''چمگادڑ جہنم سے نکلی'' ویسے ہی ان کا حال ہوتا ہے۔ پر جھاڑتے ہوئے وہ مجلس سے اٹھتے ہیں کہ ایسے نامعقولوں سے واسطہ پڑا کہ کچھ سمجھ نہیں آئی کسی کو کہ میں کیا کہہ رہا تھا۔ چنانچہ یہ انسانی فطرت میں داخل ہے۔ قدر شناسی انسانی تعلقات کا ایک لازمی حصہ ہے اور جہاں مزاج شناسی نہ ہو وہاں قدر شناسی نہیں ہو سکتی۔ پس اللہ کے مزاج کو سمجھیں اور اللہ کے مزاج کو آپ اپنی فطرت پر غور کرنے کے ذریعے سمجھ سکتے ہیں۔ جو باتیں آپ کو پسند ہیں وہ اگر

آپ کا ذوق اچھا ہے تو وہی باتیں اللہ کو پسند ہیں۔ اگر آپ بدذوق ہیں تو جو باتیں آپ کو پسند ہیں وہ اللہ کو ناپسند ہیں۔ یہ موٹی سی صاف پہچان ہے۔ پس اس پہلو سے اخلاق حسنہ کی ایک بہت بڑی اہمیت ہے وہ مذہب جو اخلاق حسنہ نہیں پیدا کرسکتا جو ایک بااخلاق قوم نہیں پیدا کرسکتا وہ کروڑ دعوے کرتا رہے کہ ہم باخدا انسان بنا دیتے ہیں، جھوٹا ہے یا وہ جھوٹا ہے یا اس کے ماننے والے جھوٹے ہیں۔ مذہب سچا ہے مگر اس کے ماننے والے اس کو سچا سمجھ کر اس پر عمل نہیں کرتے۔

پس اخلاق کی بہت بڑی قیمت ہے اس پہلو سے میں نے ایک دفعہ غور کر کے دیکھا تو دنیا کی کسی مذہبی تاریخ میں بھی کسی ولی، کسی بزرگ، کسی نبی کے متعلق یہ ذکر نہیں ملتا کہ وہ بداخلاق تھا۔ ویسے تو نیک تھا مگر تھا بڑا بدخلق۔ جو بدخلق ہے وہ بدبھی ہے اور خدا کے ہاں بدخلق مقبول نہیں ہوسکتا۔ کبھی کسی نبی کا ذکر آپ نہ قرآن میں پڑھیں گے نہ دیگر مذہبی کتب میں جو خدا کے ہاں درجہ پا گیا ہو لیکن بدخلق ہو۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا **بدخلق تو اپنے گھر میں عزت نہیں پاتا خدا کے ہاں اس کو کہاں عزت ملے گی۔ تو اپنے اخلاق کی حفاظت کریں، اپنے اخلاق کو بلند کریں** اور یہ احمدیت کی سچائی کا ایک ایسا زندہ ثبوت ہوگا جس کے نتیجہ میں جو ثبوت آپ کو مہیا ہو جائے تو ساری دنیا کا مولوی ہزار کروڑ گالیاں دیتا رہے دنیا اس کی بات نہیں سنے گی، آپ کے خلق کی بات مانے گی۔ پس وہ جماعتیں جو دنیا میں تبلیغ کرتی ہیں یا تبلیغ کے فریضے پر ان کو فائز فرما دیا گیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے، ان جماعتوں کو لازم ہے کہ وہ اپنے اخلاق کی حفاظت کریں اور اخلاق کا آغاز گھروں سے ہوتا ہے۔

ہر نیکی کا آغاز گھر سے ہوتا ہے۔ بعض لوگ اس محاورے کو سمجھتے نہیں وہ سمجھتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ نیکیاں گھر والوں سے ہی کرنی چاہئیں۔ یہ مطلب نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ وہ نیکیاں جو باہر کی جائیں اور گھر والے اس سے محروم ہوں وہ نیکیاں نہیں ہیں کیونکہ نیکی کا سب سے پہلا اثر اس پر ہونا چاہئے جو قریب ترین ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا **خیر کم خیر کم لاھلہ** تم میں سے سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے اہل، اپنے گھر والوں سے سب سے اچھا ہے اور پھر فرمایا **و انا خیر کم لاھلی** (ترمذی کتاب المناقب حدیث نمبر ۳۸۳۰) تم سب میں سب سے زیادہ حسن سلوک کرنے والا اپنے گھر والوں سے میں ہوں اور یہ بات بالکل سچی، سو فیصدی حقیقت ہے بلکہ ایسی اعلیٰ درجے کی سچائی ہے جو نظروں کو خیرہ کر دیتی ہے اور بہت سے لوگ اس میں ڈوب کر اس کی حقیقت

سے آگاہ نہیں ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی زندگی کا صرف اس ایک حدیث کے پہلو سے آپ تجزیہ کر کے دیکھیں تو حیران وششدررہ جائیں گے کہ باقی دنیا کی اصلاح کا تو خیر معاملہ بہت ہی بڑا اور وسیع ہے اپنے گھر میں جو آپؐ نے حسن خلق دکھایا ہے جس جس موقع پر جیسے صبر سے کام لیا ہے اس کی مثال آپ کو دنیا میں اور دکھائی نہیں دے گی۔ پس اخلاق کا سفر گھر سے شروع ہو کر گھر میں ختم نہیں ہوتا یا باہر سے شروع ہو کر گھر کے دروازے تک آ کر کھڑا نہیں ہو جاتا۔ یہ گھر کو باہر سے ملاتا ہے اور باہر کو گھر سے ملاتا ہے اور یکسانیت پیدا کرتا ہے انسان میں۔

جو سچا خلیق ہے اس کا دائرۂ اخلاق نہ گھر تک محدود ہے نہ اپنے ہم مذاہب تک محدود ہے نہ اپنے ہم وطنوں تک محدود ہے یہ دائرۂ اخلاق وہ ہے جو تمام عالم تک پہنچتا ہے اور اس کے محیط میں ہر انسان شامل ہو جاتا ہے۔ یہ وہ اخلاق کا اعلیٰ معیار ہے جس پر اسلام آپ کو نافذ کرنا چاہتا ہے۔ جس کو سمجھے بغیر آپ حقیقت میں احمدیت کے فلسفے سے ہی ناواقف رہیں گے۔ اسلام اللہ تعالیٰ کے فضل سے دنیا میں بہت پھیل چکا ہے تقریباً ایک ارب ایسے لوگ ہیں جو اسلام سے وابستہ ہیں اس کے باوجود احمدیت کے قیام کی ضرورت کیوں پیش آئی۔

چونکہ لاؤڈ سپیکر کا نظام صحیح کام نہیں کر رہا تھا اس لئے اس موقع پر حضور انور نے منتظمین کو اس طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:

آپ کا لاؤڈ سپیکر صحیح کام نہیں کر رہا یا بہت آوازیں دے رہا ہے یا خاموش ہو جاتا ہے۔ کوئی بیچ بیچ کی راہ اختیار کریں یہ بھی اخلاق کی تعریف ہے کہ درمیانی رستہ اختیار کرو۔ نہ بہت شور ڈالو نہ بالکل گم سم ہو جاؤ۔ تو اللہ تعالیٰ آپ کے مائیکروفون اور لاؤڈ سپیکر کو بھی اخلاق حسنہ کی توفیق عطا فرمائے۔

میں بات یہ بتا رہا تھا کہ اسلام میں جو اخلاق کی تعریف ہے وہ وسیع اور عالمگیر ہے اور کسی ایک حصے کا دوسرے حصے سے فرق نہیں کرتی۔ اس پہلو سے چند ایک امور میں آپ کے سامنے خصوصیت سے رکھنا چاہتا ہوں لیکن سب سے اہم بات یہ ہے کہ مذہب جو اخلاق کا تصور پیش کرتا ہے اس کا دنیا کے اخلاق کے تصور سے ایک فرق ہے۔ دنیا میں اخلاق سے مراد ہے Courtesy, Civilised Behaviour مسکرا کے ملنا اور مسکرا کر بات کا جواب دینا، ادب سے ایک

دوسرے سے گفتگو کرنا اور یہ تصور یہاں تک آ کر ٹھہر جاتا ہے جو گہرے انسانی روابط ہیں ان کو ادب نہیں سکھاتا اور انصاف اور احسان کے جو اعلیٰ تقاضے ہیں ان پر گفتگو نہیں کرتا بلکہ خاموش رہتا ہے۔ پس ایک مہذب انسان ظاہری طور پر بہت ہی سلجھا ہوا اور صاف ستھرا انسان سوسائٹی میں ہر دلعزیز بن جاتا ہے۔لیکن جب اس کے معاملات بنی نوع انسان سے آزمائش میں پڑتے ہیں تو بالعموم اس کے اخلاق وہاں بے اثر ہو کر رہ جاتے ہیں یا اس کے اخلاق کی تعریف میں وہ باتیں داخل نہیں ہوتیں۔ بہت سے مہذب گفتگو کرنے والوں کو میں نے دوسرے کے حقوق کھاتے ہوئے بھی دیکھا ہے بہت سے مہذب بااخلاق لوگوں کو اپنے بھائیوں کا حق مارتے بھی میں نے دیکھا ہے، اور جھوٹ بولتے دیکھا ہے، کئی قسم کی دوسری برائیوں میں ملوث دیکھا ہے لیکن بات وہ بڑی تہذیب سے کرتے ہیں۔

پس دنیا کے ہاں جو اخلاق کا تصور ہے وہ اور ہے اور مذہب جو اخلاق سکھاتا ہے وہ بہت گہرے ہیں اور ہر قسم کے انسانی تعلقات پر اثر انداز ہوتے ہیں کوئی ایک دائرۂ تعلق انسانی ایسا نہیں ہے جس پر اسلام کے تصورِ اخلاق کا اثر نہ ہو۔ پس اس پہلو سے جب میں آپ کو بااخلاق بنانا چاہتا ہوں یا بااخلاق دیکھنا چاہتا ہوں تو میں اپنی نظر سے نہیں بلکہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی نظر سے آپ کو بااخلاق دیکھنا چاہتا ہوں اور اسی پہلو سے بااخلاق بنانا چاہتا ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے اخلاق کو سنوارنے کے لئے جو مختلف نصائح فرمائیں ان کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ اگر چہ گنتی میں تو وہ شمار ہو سکتی ہیں لیکن بعض اتنی گہری اور اتنی وسیع الاثر ہیں کہ ان کے اندر ڈوب کر ان کے سارے مضمون کو پانا بھی اور سارے مضمون کو سمجھ جانا ایک بہت لمبے مطالعہ کا محتاج ہے۔ اور گہرے مطالعہ کا محتاج ہے۔ اس لئے وقتاً فوقتاً کبھی کبھی ان میں سے بعض احادیث کے بعض پہلو آپ کے سامنے رکھتا ہوں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ حدیثیں اپنے مضمون میں وہیں ختم ہو گئی ہیں۔ جیسا کہ میں نے ابھی آپ کے سامنے آغاز ہی میں **انما الاعمال بالنیات** کی حدیث رکھی تھی، اس پر اگر آپ غور کریں، اس کے مضمون میں ڈوب کے، پھر اپنے حالات کا جائزہ لیں، اپنے ان تمام کاموں کا جائزہ لیں جو آپ نے زندگی بھر کئے اور ان سے پہلے دل میں وارد ہونے والی نیتوں پر غور کریں تو آپ حیران رہ جائیں گے کہ آپ کے بہت سے نیک کام نیت کے لحاظ سے بد تھے اور اس پہلو سے وہ خدا کے ہاں نامقبول ہیں۔ کئی لوگ نماز پڑھتے ہیں تو اس میں دکھاوے کا پہلو آ جاتا ہے۔ کئی لوگ غریب

کی ہمدردی کرتے ہیں تو اس میں دکھاوے کا پہلو آ جاتا ہے۔ کئی لوگ بظاہر حسن خلق سے سلوک کرتے اور جواب دیتے ہیں لیکن دل میں اس شخص کے لئے نفرت پاتے ہیں اور دل میں اس کے لئے میل رکھتے ہیں تو ان کا ظاہری خلق بھی ایک قسم کا جھوٹ بن جاتا ہے۔ **صبح سے لے کر رات تک اپنے روزمرہ اعمال پر غور پر کریں وہ قدم جو اٹھاتے ہیں ان پر غور کریں تو بسا اوقات آپ نیتیں چھپانے کا سفر کر رہے ہوتے ہیں، نیتوں کو درست کرنے کا سفر نہیں کرتے اور نیتوں کو چھپانے کا جو مضمون ہے یہ ساری زندگی پر محیط ہے۔** ہم جو روزمرہ کپڑے بدلتے ہیں اور عورتیں میک اپ کرتی ہیں یہ سارا مضمون دراصل بعض عیوب چھپانے کا مضمون ہے نا۔ چنانچہ لباس کا بنیادی فلسفہ بھی قرآن کریم نے یہ بیان فرمایا ہے کہ آدم پتوں میں اپنے عیوب چھپانے لگا لیکن ساتھ ہی فرمایا کہ لِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ (الاعراف: 27) یہ ظاہری لباس دراصل تمہاری بدیاں چھپانے کے کام آتے ہیں اور یہ میک اپ جو ہیں تمہارے چہروں کے داغ چھپانے کے لئے کام آتے ہیں مگر حقیقت میں اگر کوئی چیز عیب کو حقیقت میں زائل کر سکتی ہے اور بدیوں کو حسن میں تبدیل کر سکتی ہے تو وہ لِبَاسُ التَّقْوٰى ہے یعنی اللہ کے خوف کا لباس۔ یہ خوف کہ خدا ہم سے ناراض نہ ہو جائے، یہ خوف دل پر غالب ہو اور اس نیت سے کوئی کام کیا جائے تو ہر عمل غیر معمولی طور پر اللہ تعالیٰ کے ہاں قبولیت کے لائق ٹھہرتا ہے اور اس کو ویسے بھی ہر پہلو سے برکت ملتی ہے اور ہر عمل جو اس کے نتیجے میں کیا جاتا ہے وہ محفوظ ہو جاتا ہے، وہ شیطانی حملوں سے بچ جاتا ہے۔

اب اس پہلو سے اگر آپ اپنی زندگی کے سفر پہ غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آپ اس ایک حدیث کے دائرے سے بھی بارہا باہر نکل آئے اور اس کی حفاظت میں آپ قلعہ بند نہیں رہے۔ ہزاروں لاکھوں زندگی کے ایسے سفر تھے جن کے پیچھے نیتوں میں فتور تھا، ایک ایک قدم پر یہ فتور تھا اور ان کی ناآشنائی کی وجہ سے، ان سے ناواقفیت کی وجہ سے ہم بہت سے اپنے اعمال ضائع کرتے چلے جاتے ہیں اور قرآن کریم جو یہ فرماتا ہے کہ ایسی عورت کی طرح نہ بننا جو سوت کاتنے کے بعد اس کو پارہ پارہ کر دے۔ یہ مثال کسی نہ کسی پہلو سے ہر انسان پر صادق آ رہی ہوتی ہے ایک طرف وہ اچھے عمل کر رہا ہے، دوسری طرف اس کی نیتوں کا فتور یا ان کی غلطی یا اپنی بے حسی ان نیک اعمال کو ضائع کرتی چلی جاتی ہے اور یہ نہیں پتا چلتا کہ ہم نے کچھ آئندہ کے لئے اکٹھا کیا بھی ہے کہ نہیں، کچھ ذخیرہ

بنایا بھی ہے کہ نہیں جو ہمارے، آئندہ آخرت میں کام آئے گا۔

پس اخلاق حسنہ میں سے صرف ایک حصہ یعنی نیت کی حفاظت، جو درحقیقت تمام اخلاق حسنہ پر نگران ہے صرف اسی پر عمل کر کے دیکھیں تو حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی نصیحت ہر انسان کی ساری زندگی پر، تمام بنی نوع انسان کی تمام زندگیوں پر حاوی ہوگی اور اسی کا حق ادا کرنے میں ایک انسان اپنی ساری زندگی صرف کر دے تو پھر بھی حق ادا نہیں کر سکے گا۔ یہ معنی ہے جو میں آپ سے کہہ رہا ہوں کہ آنحضرت ﷺ کی نصائح کو ٹھہر کر، غور اور فکر کے ساتھ، گہری نظر سے دیکھیں اور صرف دیکھیں نہیں اس کو اپنی زندگی پر چسپاں کرنے کی کوشش کریں، اپنے اخلاق کو اس کی روشنی میں ایک نئی صنعت عطا کریں، نئی تخلیق بخشیں پھر آپ دیکھیں گے کہ آپ کے اندر روز بروز نئی پاک تبدیلیاں پیدا ہو رہی ہیں اور اس بات کے گواہ پہلے آپ کے گھر والے ہونے چاہئیں کیونکہ نیکی کا سفر گھر سے شروع ہوتا ہے۔ اگر آپ کے گھر والوں کو علم نہیں ہوسکا کہ آپ کے اندر پاک تبدیلیاں پیدا ہوئی ہیں تو پھر یہ غلط فہمی ہے کہ وہ تبدیلیاں واقعۃً پیدا ہو رہی ہیں۔ لیکن گھر والوں کے علاوہ آپ کے قرب وجوار میں جو لوگ رہتے ہیں، جن سے تجارت کے معاملات ہیں، لین دین کے تعلقات ہیں یا بہن بھائی، جب ورثے کی تقسیم کا وقت آتا ہے ایسے تمام مواقع پر جبکہ انسان کے اخلاق حقیقت میں آزمائے جاتے ہیں وہ وقت ہے کہ اخلاق کا حلیہ، اخلاق کی اصلیت ظاہر ہوتی ہے اور اس وقت جو اوپر چمک ہوتی ہے وہ اچانک بعض دفعہ زائل ہو کر، نیچے گندی نیت کے دھاگے بالکل صاف دکھائی دینے لگتے ہیں۔ ایسے موقع پر انسان پہچانا جاتا ہے کہ زندگی بھر وہ کیا کرتا رہا ہے۔

میرے علم میں بعض دفعہ ایسے واقعات آتے ہیں کہ بظاہر ایک خاندان بہت ہی اچھے محبت کے تعلقات میں بندھا ہوا۔ بھائی، بہنوں سے پیار کرتے ہیں، بہنیں، بھائیوں پر فدا، لیکن جب باپ نے آنکھیں بند کر لیں اور ورثے کی تقسیم کا وقت آیا تو سارے اخلاق غائب۔ پھر وہ بھائی جو قابض ہو جائے جائیداد پر وہ طرح طرح سے بہانے بنا کر اپنے باقی بھائیوں یا بہنوں کو ان حقوق سے محروم رکھنے کی کوشش کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں۔ ایسی بہنیں ہیں جو جوان تھیں جب ان کے والدین گزر گئے اور اب بوڑھی ہو گئی ہیں اور ابھی تک ان کے بھائیوں نے ان کے حقوق ادا نہیں کئے اور ویسے بڑا با اخلاق خاندان تھا، آپس میں بڑے تعلقات تھے۔ تو یہ جو مضمون ہے یہ بہت ہی گہرا ہے

اور اس کی پہچان کے بعض اوقات، آتے ہیں، بعض آزمائش کے وقت آتے ہیں جن میں نیتیں ابھر کر باہر آجاتی ہیں اور اوپر کی چمک غائب ہو جاتی ہے جیسے ریت میں پانی جذب ہو جاتا ہے اور خشک ریت پھر دکھائی دینے لگتی ہے تو انسانی تعلقات کے جتنے دائرے ہیں ان سب کے پیچھے کچھ نیتیں ہیں وہ روزمرہ دکھائی دیں یا نہ دیں لیکن بعض ایسے آزمائش کے وقت آتے ہیں جن میں وہ ضرور ننگی ہو جاتی ہیں۔ ایسے وقتوں میں انسان پہچانا جاتا ہے اور کوئی انسان ایسا نہیں ہے جو ہمیشہ کے لئے دنیا کی نظر سے الگ چھپ کر ایک منافقانہ زندگی ایسی بسر کر سکے کہ وہ ہمیشہ لوگوں کی نظر سے اوجھل رہے۔

پس وہ مذہب جو ایسے انسان پیدا کرے جن کی زندگی کا ہر شعبہ با اخلاق ہو، جن کی انجمن بھی با اخلاق ہو اور ان کی تنہائی بھی با اخلاق ہو، جن کے گھر کے تعلقات بھی با اخلاق ہوں، جن کے دوستوں کے تعلقات بھی با اخلاق ہوں اور بازار کے تعلقات بھی با اخلاق ہوں اور سیاسی تعلقات بھی با اخلاق ہوں، غرضیکہ زندگی کے ہر دائرے میں وہ اسی طرح با اخلاق رہیں جیسے دوسرے دائروں میں با اخلاق ہیں اور کسی آزمائش کے موقع پر ان کے خلق کی تہہ میں دبی ہوئی گندگی اچھل کر باہر نہ آئے بلکہ اس کے برعکس نمونہ ظاہر ہو اور برعکس نمونہ یہ ہوا کرتا ہے کہ جب آزمائش کا وقت آتا ہے تو وہ انسان جو حقیقت میں با اخلاق ہے وہ پہلے سے کہیں زیادہ خوب صورت ہو کر چمکتا ہے اور اس وقت اس کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ ہم تو اس کو محض اچھا سمجھ رہے تھے یہ تو بہت ہی اچھا نکلا۔ اس نے تو حیرت انگیز کردار کا نمونہ دکھایا ہے۔ اس کی بعض مثالیں حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے ہمارے اخلاق سدھارنے کے لئے ہمیں دیں بعض مثالوں کی صورت میں پیش فرمائیں۔

ایک مثال یہ ہے کہ ایک شخص تھا جس نے کسی مزدور کی مزدوری اپنے خیال سے درست دی لیکن مزدور یہ سمجھتا تھا کہ مجھے کم دی جا رہی ہے اس نے اصرار کیا لیکن وہ اپنی ذات میں اپنے آپ کو درست سمجھتا تھا اور دیانتدار انسان تھا۔ اس نے کہا کہ نہیں تمہارا جو حق بنتا ہے وہ میں دے رہا ہوں۔ اس نے کہا ٹھیک ہے اگر یہ بات ہے تو میں یہ حق چھوڑتا ہوں اور میں جا رہا ہوں اور اس نے حق لینے سے انکار کر دیا۔ اب سوال یہ ہے کہ کون سچا تھا یہ خاص آزمائش کا وقت تھا۔ یہ پہچان کہ یہ با اخلاق تھا یا وہ با اخلاق تھا۔ کس کی بات سچی تھی ایک عجیب رنگ میں دنیا میں ظاہر ہوئی اور آنحضرت ﷺ نے اس نیک نتیجے کی طرف توجہ دلا کر ہمیں اخلاق کا درس دیا ہے۔ آپ ؐ نے فرمایا کہ وہ شخص چلا گیا، لیکن یہ

شخص جس نے مزدور کی مرضی کے مطابق اجرت نہیں دی تھی ، تھا دیانتدار اور غلطی اس کی نہیں تھی اور اس کی دیانت کا امتحان ایسے ہوا کہ اس کے جانے کے بعد اس کی اجرت کو اس نے کام پر لگا دیا اور اسے بڑھاتا رہا اور چونکہ ذہین تھا اور اچھا تاجر تھا، بھیڑ بکریوں وغیرہ کی تجارت کرتا رہا، اس سے اور اس کا مال بڑھتا رہا اور باقاعدہ اس کا حساب الگ رکھا۔ یہاں تک کہ ایک لمبے عرصے کے بعد وہ شخص بہت ہی زیادہ مفلوک الحال ہو گیا اور اسے خیال آیا کہ اب کچھ اور صورت نہیں ہے تو میں اس شخص سے جا کر وہی اجرت طلب کروں جو میں رد کر بیٹھا تھا۔ چنانچہ بہت لمبے زمانے کے بعد وہ واپس آیا وہ شخص ابھی زندہ تھا۔ اس سے جب اس نے کہا تمہیں یاد ہے کہ ایک ایسا وقت تھا کہ جو اجرت تم مجھے دے رہے تھے وہ لینے سے میں نے انکار کر دیا تھا اب میرے حالات بہت گر چکے ہیں اب میری یہ حالت ہے کہ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ اپنی غیرت کو چبا جاؤں اور تم سے اس اجرت کا مطالبہ کروں۔ اس نے کہا ہاں ٹھیک ہے یہ جو بھیڑوں کا غلہ دیکھ رہے ہو دو وادیوں کے درمیان، یہ سب تمہارا ہے۔ یہ وہی اجرت ہے یہ لے جاؤ اس نے کہا دیکھو تم ایک مجبور اور بے کس انسان سے مذاق نہ کرو میں نے اجرت کا مطالبہ کیا ہے۔ اس نے کہا مذاق نہیں یہ وہی اجرت ہے چونکہ میں سمجھتا تھا کہ میں دیانتدار ہوں اور میری دیانتداری کا تقاضا تھا کہ پھر تمہارے مال کو بے کار نہ پڑا رہنے دوں تو میں تمہاری خاطر اسے لگاتا رہا۔ اللہ برکت ڈالتا رہا یہاں تک کہ وہ ایک دو بھیڑوں کی قیمت کا مال اب بڑھ کر اتنا بڑا گلّہ بن گیا ہے کہ دو پہاڑوں کے درمیان وادی ان سے بھر گئی ہے۔ چنانچہ وہ خوش خوش اس گلّے کو ہانک کر لے گیا۔ نہ اس نے اس سے اجرت مانگی اس کی نہ اس کو یہ خیال آیا کہ اس باخلق انسان کی دل آزاری کروں یہ کہہ کر، کہ کچھ تم اس میں سے میرا بدلہ لے لو۔

یہ اخلاق حسنہ کی آزمائش ہے یہ ایک مثال ہے اور حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ جو مثالیں دیا کرتے تھے وہ فرضی نہیں ہوا کرتی تھی کیونکہ وہ شخص جو سچا ہو وہ فی الحقیقت اپنی مثالوں کے لئے بھی سچائی کی تلاش میں رہتا ہے اگر چہ ایک سچے آدمی کے لئے ایک فرضی مثال دینا منع نہیں ہے لیکن انبیاء کا حال کچھ عام انسانوں سے مختلف ہوا کرتا ہے اور آنحضرت ﷺ تو تمام سچوں سے بڑھ کر سچے تھے اس لئے جب بھی میں حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی کسی پیش کردہ مثال کا مطالعہ کرتا ہوں تو کبھی کہانی کے طور پر نہیں بلکہ اس یقین کے طور پر کہ ایسا واقعہ ضرور کہیں نہ

کہیں گزرا ہے اور اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو اس سے مطلع فرمایا ہے۔

پس یہ ہے خلق حسنہ جس میں کوئی جھول نہیں پڑتا۔ کوئی لالچ اس پر اثر انداز نہیں ہوا کرتی اور ایسے شخص کی سچائی کو اللہ تعالیٰ خود ظاہر فرما دیتا ہے۔ پس آزمائش کے وقت اخلاق حسنہ اور چمک جاتے ہیں اور نمایاں ہو کر دکھائی دینے لگتے ہیں۔ ایک واقعہ اور ملتا ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق آتا ہے کہ ایک ایسی مسلمان عورت سے آپ نے کچھ ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا جو اپنے بھائی کے حسن خلق کے گیت گایا کرتی تھی اور ایسے گیت گاتی تھی کہ اس کی شہرت تمام عرب میں پھیلتی چلی گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن ان سے پوچھا کہ بی بی یہ کیا بات ہے کہ اور بہت سے موضوع ہیں تمہارا بھائی آخر وہ کیا چیز تھا جس کے حق میں تم نے ایسے ایسے گیت بُنے ہیں کہ سارے عرب میں اس کی شہرت ہوگئی ہے تو اس نے کہا کہ یا امیر المومنین وہ ایک ایسا بھائی تھا کہ جس کی مثال دنیا میں ڈھونڈنی مشکل ہے اور اب میں بتاتی ہوں کہ کیوں میں اس کے حسنِ خلق کے گیت گاتی ہوں۔ کہتی ہیں جب میرے باپ کی وفات ہوئی تو اس بھائی نے یہ بھی نہ دیکھا کہ میں عورت ہوں میرا حصہ کم ہوگا یا عرب کے رواج کے مطابق ہوگا ہی نہیں۔ اس نے اپنی جائیداد کو عین نصف تقسیم کیا۔ آدھا مجھے دے دیا اور آدھا اپنے لئے رکھا۔ میرا خاوند عیاش تھا اور غیر ذمہ دار تھا وہ چند سالوں میں وہ جائیداد بیچ کے کھا گیا۔ میرا بھائی سمجھ دار تھا اور ذمہ دار تھا اس نے اپنے خاندان کو، اپنے اہل و عیال کو اچھی طرح پالا لیکن ساتھ ہی تجارت میں مال لگا کر بہت فائدہ اٹھایا۔ یہاں تک کہ اس کے علم میں آیا کہ میں اب بالکل کنگال ہو چکی ہوں جس طرح تقسیم جائیداد سے پہلے کا حال تھا اسی حال تک پہنچ چکی ہوں تو وہ آیا اور اس نے پھر اپنی جائیداد کو نصف کیا۔ آدھا مجھے دیا اور آدھا اپنے لئے اور اپنے اہل و عیال کے لئے رکھ لیا اور اس نے یہ بیان کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں کہ پھر ایسا وقت آیا کہ وہی بات دوبارہ ہوئی۔ میرے خاوند نے وہ سب کچھ بھی بیچ کھایا اور اس کو کوئی حیا نہ آئی کہ میری بیوی کا بھائی کتنے اعلیٰ اخلاق کا ہے اس نے کس محنت سے کمایا ہوا مال میری بیوی کی بھلائی کے لئے دیا ہے وہ سب کچھ بیچ کے یا اپنے عیش و عشرت میں لگا کر ضائع کر بیٹھا اور یہ پھر کنگال ہوگئی۔ پھر اس بھائی نے ویسا ہی کیا۔ اب روایت تو یہ بیان کرتی ہے کہ سات بار ایسا ہوا اب اللہ بہتر جانتا ہے کہ سات بار ہوا تھا یا چند بار ہوا تھا لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ دو تین بار بھی ایسا ہوا ہو تو بہت عظیم اخلاق

کا مظہر ہے۔ پس اس کی بہن نے اپنے مرحوم بھائی کے حق میں جو مرثیے گائے اور اس کی تعریف میں جو رطب اللسان ہوئی حضرت عمرؓ کے سامنے جب اس کی وجہ پیش کی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جاؤ تم پر کوئی عذر نہیں وہ بھائی اس لائق تھا کہ اس کے لئے یہ سب کچھ تم کرو۔

پس ایسے بھی بھائی ہیں جو اپنی بہنوں کو ان کے حق سے زیادہ دیتے ہیں اور پھر جب ان کے بہنوئی سب کچھ ضائع کر بیٹھتے ہیں تو پھر ان کے لئے اسی طرح دوبارہ احسان کا سلوک کرتے ہیں اور پھر احسان کا سلوک کرتے ہیں۔ تو آزمائش کے وقت حسن خلق زیادہ چمک کر ظاہر ہوتا ہے، نئی شان کے ساتھ ابھرتا ہے اور بدخلقی آزمائش کے وقت بالکل بیٹھ جاتی ہے اس میں کچھ بھی باقی نہیں رہتا، اس کی تہہ میں ہر طرح کی گندگی دکھائی دینے لگتی ہے۔ پس یہ وہ فرق ہے، یہ تمیز ہے حسن خلق اور ظاہری طور پر مہذب ہونے کے درمیان۔ جس کے ذریعے اخلاق حسنہ اپنی گہرائی تک پہچانے جاتے ہیں۔ ایک خلیق انسان مصیبتوں کے وقت اور زیادہ خلیق ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم نے جو اعلیٰ اخلاق کی تعریف بیان فرمائی ہے اس کے مقابل پر بداخلاقی کی بھی تعریفیں کی ہیں۔ ان تعریفوں میں ایک یہ بات داخل فرمائی ہے کہ وہ لوگ جو گر پڑتے ہیں، مٹی سے مل جاتے ہیں جن کا کچھ بھی نہیں رہتا ان کا سہارا نہیں بنتے یہ لوگ اس وقت جبکہ بھوک عام ہو جاتی ہے اور ساری قوم اس وقت بھوک میں مبتلا ہو جاتی ہے اس وقت یہ بھوک دور کرنے کے لئے آگے نہیں آتے۔ یہ ایک منفی تعریف ہے لیکن اس منفی تعریف میں مثبت تعریف نہایت اعلیٰ درجہ کی بیان ہوگئی ہے۔ عام طور پر جب پیٹ بھرے ہوئے ہوں، گھر میں کافی کچھ ہو کھانے کے لئے اور کھلانے کے لئے اور دروازے پہ دستک ہوئی ہے اور ایک فقیر نے ایک روٹی کا ٹکڑا مانگا ہے تو آپ دو روٹیاں بھی دے دیں تو اس سے اخلاق کی آزمائش نہیں ہوا کرتی۔ بھرے پیٹ والے بعض دفعہ زائد سالن پھینک دیتے ہیں، زائد روٹیاں ان کی سوکھ جاتی ہیں اور Dust Bin میں پھینک دی جاتی ہیں تو ان کی خوش قسمتی کہ کوئی فقیر آیا اور دروازہ کھٹکھٹایا گیا۔ وہ دے بھی دیا تو کیا فرق پڑا۔ ایک گھر سے بوجھ ہلکا ہوا۔ بعض دفعہ جب ضرورت نہ رہے تو فقیر ایک رحمت بن جاتا ہے اور بجائے اس کے کہ احسان اس پر ہو وہ محسن بن جایا کرتا ہے۔ تو یہ اخلاق حسنہ نہیں ہیں۔

میں جب پہلی دفعہ امریکہ آیا تو میری بیوی بھی ساتھ تھیں دو بڑی بچیاں بھی ساتھ تھیں۔ ان

دنوں میں یہ رواج تھا شاید اب بھی ہو کہ جس گھر میں ٹیلی ویژن پرانا ہو گیا کوئی صوفہ سیٹ بدلا کر نیا صوفہ سیٹ لینا ہو تو وہ اپنے پرانے ٹیلی ویژن اور پرانے صوفہ سیٹ کو اپنے گھر کے باہر لان میں رکھ دیا کرتے تھے اور مطلب تھا کہ جس کو ضرورت ہے وہ اٹھا کر لے جائے چنانچہ بعض پاکستانیوں نے نیو یارک میں بھی اور واشنگٹن میں بھی مجھے بتایا کہ ہمیں تو خریدنے کی ضرورت ہی کچھ نہیں ہم چکر لگاتے رہتے ہیں جہاں باہر کوئی اچھا بھلا استعمال کے قابل صوفہ سیٹ نظر آئے یا ٹیلی ویژن دکھائی دے وہی لے لیتے ہیں۔ تو وہاں جو فقیر ہے وہ محسن بن جاتا ہے کیونکہ جن لوگوں نے یہ سامان پھینکنا ہے اگر وہ Haulage کمپنی کو بلائیں اور ان کے ذریعہ پیسے دے کر سامان کو کسی جگہ پھینکوائیں تو کافی خرچ آئے گا اس کو اخلاق حسنہ کون کہتا ہے۔ ایک ایسے گھر میں فقیر آیا ہے جہاں کھانے کی بہتات ہے، بچا ہوا کھانا، بچی ہوئی روٹی اس نے اس کو کرنا کیا ہے تو فقیر آیا تو چلو گلے سے بلا اتری اور اسی مضمون کو ہمارے پنجابی میں یوں بیان کرتے ہیں کہ ”یار آن تے گدوداں مکان“ کہ ہم تو انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں کہ وہ بیہودہ کھانے اور فضول چیزیں جو کسی کام کی نہیں ہمارے یار آئیں تو ان کو کھلائیں اور یہ مصیبتیں گلے سے اتریں۔ مہمان نواز بھی کہلائیں گے اور یہ فضول بچے ہوئے گند، یہ بھی ہمارے گلے سے اتریں گے اور اس مصیبت سے چھٹکارا نصیب ہوگا۔ تو یہ اخلاق حسنہ نہیں ہیں۔

قرآن کریم نے جو اخلاق کی تعریف فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ جب بھوک ایسی چمک جائے ایک گھر میں نہیں دو گھروں میں نہیں قوم کی قوم بھوکی ہو اس وقت جو لوگ ان کی مدد کے لئے نہیں نکلتے وہ اخلاق حسنہ پر فائز نہیں ہیں ان کا خدا تعالیٰ سے کوئی حقیقی تعلق نہیں اور جو تعلق والے ہیں ان کے متعلق فرمایا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر: 10)۔ ان کا تو یہ حال ہے کہ خواہ کیسی ہی تنگی محسوس کر رہے ہوں اپنے نفس پر دوسرے ضرورت مندوں کو ترجیح دے دیتے ہیں اور بعض دفعہ پتا بھی نہیں لگنے دیتے کہ خود کتنے ضرورت مند تھے۔ اس لئے کہ بھائی کے دل پر بوجھ نہ پڑے، ایسے واقعات سے بھی آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے صحابہؓ کی تاریخ مزین ہے کہ سخت ضرورت کے وقت اپنے بھائی کے لئے قربانی کرنا اور پھر یہ کوشش کرنا کہ اس کو پتا نہ چلے کہ ہمیں بھی ضرورت تھی۔

دوسری جگہ قرآن کریم اسی مضمون کو مثبت رنگ میں یوں بیان فرمایا ہے۔ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا (الدھر: 9) کہ وہ کھانا کھلاتے ہیں ایسے وقت میں جب کہ خود کھانے کی محبت میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ بھوک جب حد سے بڑھ جائے تو پھر کھانے سے واقعۃً محبت ہو جاتی ہے۔ جیسے محبوب کے بغیر چین نہیں آتا اور کسی کل انسان اطمینان نہیں پاتا، اسی طرح بعض دفعہ جب بھوکا زیادہ ہو تو کھانا بھی محبوب کی طرح پیارا ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم نے جن الفاظ میں اس مضمون کو بیان فرمایا ہے یہ قرآن کی فصاحت و بلاغت کا ایک کرشمہ ہے کہ ایک طرف بھوک کا مضمون بھی خوب چمکا کے بیان فرما دیا دوسری طرف نیت کے مضمون پر بھی خوب روشنی ڈال دی کیونکہ اسی طرز کلام کا، اسی بیان کا دوسرا معنی یہ بنتا ہے وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ یہاں ''ہ'' سے مراد اللہ ہے کہ وہ کھانا کھلاتے ہیں اللہ کی محبت میں۔ محض اپنے نفس کی طمانیت کے لئے نہیں بلکہ خالصۃً اللہ کی خاطر، اس کی محبت میں مبتلا ہو کر مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا مسکینوں کو بھی، یتیموں کو بھی، اسیروں کو بھی۔

تو اخلاق حسنہ کے بھی مختلف درجے ہیں۔ وہ اخلاق جو قرآن نے بیان فرمائے ہیں وہ اخلاق جو حضرت محمد مصطفی ﷺ نے ہمیں سکھائے ہیں۔ یہ اخلاق عام سرسری اخلاق کہلانے والے اخلاق سے اتنے بلند ہیں کہ گویا زمین کو آسمان سے نسبت دینے کی کوشش کی جائے۔ کہاں زمین کی مخلوقات کہاں آسمانی مخلوق اور کوئی نسبت نہیں ہے ان زمینی اخلاق کو، آسمانی اخلاق سے۔ تو جماعت احمدیہ چونکہ خدا کے تعلق کی دعویدار ہے اس لئے یہ بحثیں تو بہت لمبی اور طویل ہوں گی اور لاحاصل ہوں گی کہ آپ خدا والے ہیں۔ اکثر دنیا میں خدا والے ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں تمام مذاہب یہی کہتے ہیں کہ ہم تمہیں خدا سے ملائیں گے۔ کون سا مذہب ہے جو یہ دعویٰ کرے کہ ہم تمہیں خدا کا دشمن بنائیں گے خدا سے دوری کے طریق سکھائیں گے لیکن یہ دعویٰ کہ ہم تمہیں با اخلاق انسان بنائیں گے یہ دعویٰ کہ ہم تمہیں بنی نوع انسان سے ایثار کے اسلوب سکھائیں گے، ان کی خدمت کرنا سکھائیں گے ان کے لئے قربانیاں پیش کرنا سکھائیں گے۔ یہ دعویٰ محض خوب صورت نہیں مشکل بھی بہت ہے کیونکہ ایسے عمل کو چاہتا ہے جو سب دنیا کو دکھائی دے اسے چھپایا نہیں جا سکتا وہ تو ضرور ظاہر ہو گا۔ پس اس پہلو سے اپنے اخلاق حسنہ کی حفاظت کریں تو آپ کے خدا والے ہونے کا ثبوت دنیا کو از خود مہیا ہو گا کہنے کی ضرورت نہیں ہو گی۔

مشک آنست کہ خود بگوید نہ کہ عطار بگوید

مشک تو وہی ہوتا ہے جو خود بولتا ہے۔اپنی خوشبو سے بتاتا ہے کہ میں مشک ہوں، کسی عطار کی ضرورت نہیں پڑتی کہ وہ آکے کہے کہ یہ مشک ہے تو تب آپ مانیں۔پس اخلاق حسنہ خدا کی خوشبو رکھتے ہیں اور اخلاق حسنہ کا مشک خود بولتا ہے اور خود اپنے حق میں گواہی دیتا ہے۔

پس اس پہلو سے اپنے اخلاق کو اسلامی اخلاق کے تصور کے مطابق ڈھالیں اور اس سے یکجان کر دیں تاکہ دونوں کے درمیان کوئی فرق باقی نہ رہے یہ کہنا آسان ہے۔کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ لمبی محنت کا تقاضا کرتا ہے اس لئے کہ بہت سے انسان خود اپنی اخلاقی حالتوں سے واقف نہیں ہوتے۔ان کو روزمرہ اپنے گھروں میں رہ کر ہی نہیں پتا چلتا کہ وہ کتنے بداخلاق اور انہوں نے اپنے اہل وعیال کو کیسی کیسی اذیتوں میں مبتلا کر رکھا ہے۔ان کو یہ بھی پتا نہیں چلتا کہ ساری زندگی ان کے گھر میں ان سے نفرت کی جاتی ہے اور کیوں کی جاتی ہے۔محض معمولی چند بداخلاقیوں کے نتیجے میں، بدتمیزی سے بولنا، بچوں کو اپنی مخلوق سمجھنا، ان کی چھوٹی سی کمزوری پر ان پر ایسے برس پڑنا جیسے وہ ان کے مالک اور خالق ہوتے ہیں اور جو چاہیں ان سے سلوک کریں۔یہاں تک کہ ایسے بچے پھر نفرتیں لے کر بڑے ہوتے ہیں اور بعض ایسی بچیاں ہیں جو ضائع ہو جاتی ہیں، گھر چھوڑ کر نکل جاتی ہیں اور ایسے معاشروں میں جہاں بے سہارا بچیوں کو شہ دی جاتی ہے وہاں ان کا مذہب بھی ہاتھ سے نکل جاتا ہے ان کے اخلاق بھی تباہ ہو جاتے ہیں اور وجہ یہ ہے کہ ایک باپ بدتمیز تھا۔تو ایک باپ کی بدتمیزی نے، دیکھیں کیسے کیسے بدیوں کے گل کھلائے اور لوگوں کو ہوش ہی نہیں آتی۔کئی سال ہو گئے ہیں مجھے یہ نصیحت کرتے ہوئے کہ خدا کے لئے اخلاق سیکھیں اور میں سمجھتا ہوں کہ اب نصیحت اثر انداز ہو گئی ہو گی۔بعضوں پر ہو بھی جاتی ہے اللہ کے فضل سے، لیکن اس کے باوجود یہ شکایتیں مسلسل ملتی چلی جارہی ہیں کہ کوئی خاوند اپنی بیوی کے حق ادا نہیں کر رہا، اپنے بچوں سے حسن سلوک نہیں کر رہا، کوئی اپنی بہنوں، اپنے بھائیوں کے حق ادا نہیں کرتے جائیدادوں پر نظر ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا نظر انداز ہو جاتی ہے اور اس کے باوجود بااخلاق بھی کہلاتے ہیں۔مذہبی بھی کہلاتے ہیں اور بظاہر عبادتیں بھی کرتے اور اپنے زعم میں عبادتوں کا حق بجالاتے ہیں۔

پس وہ ساری عبادتیں جو قرب الٰہی کے حصول کا موجب ہوں وہ بنی نوع انسان کے بھی

انسان کو قریب تر کر دیا کرتی ہیں۔ یہ ایسا قطعی اصول ہے جس میں آپ کہیں رخنہ نہیں پائیں گے۔ یہ سچا ہے اور ہمیشہ کارفرما رہا ہے۔ اور اس کے ثبوت میں ایک دفعہ پھر میں انبیاءؑ کی تاریخ کو گواہ ٹھہرا کر آپ کو متوجہ کرتا ہوں کہ تمام دنیا میں جتنے بھی مذاہب ہیں ان سب کے انبیاءؑ کی تاریخ کا مطالعہ کر کے دیکھیں وہ انبیاءؑ جو باخدا تھے وہ بااخلاق بھی تھے اور ان کی قومیں اسی طرح ان کے خلق کے گیت گاتی ہیں جیسے وہ اپنے رب کے حسن اور اس کی مدح کے گیت گایا کرتے تھے۔ پس خدا کا عاشق ہو جانا بنی نوع انسان کا عاشق ہو جانے کا مطالبہ کرتا ہے۔ **اللہ تعالیٰ سے تعلقات کو درست کر لینا، اس کی مخلوق سے تعلقات کو درست کر لینے کا مطالبہ کرتا ہے۔** پس اپنے تعلقات کی اصلاح کریں اور آنحضرت ﷺ کی نصائح کو اس معاملے میں غور اور سنجیدگی سے پڑھیں اور اپنی زندگی پر اس کا اطلاق کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔ وقت چونکہ ختم ہو چکا ہے چند ایک منٹ زائد میں آپ سے لیتا ہوں اور آنحضرت ﷺ کی ایک دو اور معین نصیحتیں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ جب تم میں سے کسی کا نوکر کھانا تیار کر کے لائے تو تم اسے اپنے پاس بٹھا کر نہ بھی کھلا سکو تو کم سے کم ایک دو لقمے تو اسے کھانے کو دے دو کیونکہ اس نے یہ کھانا محنت کر کے تمہارے لئے تیار کیا ہے اس میں اس کا بھی حق ہے۔ (بخاری کتاب العتق حدیث نمبر:2385) پس وہ لوگ جو خدمتوں پر مامور ہوتے ہیں ان کا پورا اجر دے بھی دیں تب بھی وہ نعمتیں جو ان کے ذریعے آپ کو میسر آ رہی ہیں ان پر ان کا حق قائم رہتا ہے اس لئے ان نعمتوں میں ان کو شریک کرنا بھی ایک اعلیٰ اخلاق کا لازمی جزو ہے۔

ایک حدیث ہے حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ سے یہ پوچھا گیا کہ اعمال میں سے سب سے اچھا عمل کون سا ہے؟ آنحضور ﷺ سے جب اس قسم کے سوالات ہوتے تو موقع اور محل کے مطابق سوال کرنے والے کے حال پر نظر رکھتے ہوئے آپؐ نے ایک جواب دیا ہے اور کہیں کسی ایک چیز کو زیادہ اچھا عمل بیان فرمایا، کہیں کسی اور چیز کو زیادہ اچھا عمل بیان فرمایا اور محدثین بیچارے مشکلوں میں مبتلا۔ یہ ان بحثوں میں پڑے رہتے ہیں کہ ان کے اندر کوئی تضاد ہے کہ نہیں ہے، اختلاف کیوں ہے۔ حالانکہ یہ بحث ہی بے تعلق ہے کیونکہ ہر وہ انسان جو سوال کرنے والے کے حال سے باخبر ہو، اس کے مزاج کو پہچانتا ہو اس کا جواب اس کے حال کے مطابق

دیا کرتا ہے۔ پس آنحضرت ﷺ کے جوابات کا اختلاف پوچھنے والے کے مزاج کے اختلاف کا مظہر ہے اور اسی وجہ سے آنحضور ﷺ کے جواب کا اختلاف آپ ؐ کے جواب کا نہیں بلکہ پوچھنے والے کے حال کے اختلاف کا مظہر ہے اور اس موقع پر جب پوچھا گیا، پوچھنے والے نے یہ پوچھا کہ سب سے اچھا عمل کون سا ہے آپ ؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنا اور اس کے رستے میں جہاد کرنا۔ راوی کہتے ہیں پھر میں نے پوچھا کہ قربانیوں میں کون سی قربانی افضل ہے؟ تو آنحضور ؐ نے فرمایا ان جانوروں کی قربانی جو مالک کو زیادہ پسند ہوں اور زیادہ قیمتی ہوں۔ کہتے ہیں پھر میں نے عرض کیا کہ اگر ایسا نہ کر سکوں تو پھر۔ تو آپ ؐ نے فرمایا کسی کام کرنے والے کی مدد کر، یا جو اناڑی ہو، جس کو کام نہ آتا ہو اسے کام سکھا دے تا کہ وہ عزت کے ساتھ خود اپنی روزی کما سکے۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ؐ اگر ان کاموں میں، مَیں جیسا کہ آپ ؐ نے نصیحت فرمائی ہے اس کا حق ادا نہ کرسکوں تو پھر کیا حکم ہے فرمایا تو پھر یوں کرو کہ لوگوں کو نقصان پہنچانے سے بچ جاؤ اور کسی کو کوئی ضرر تم سے نہ پہنچے۔

اب یہ حدیث اس بات کی مظہر ہے کہ آنحضرت ﷺ سوال کرنے والے کی بعض کمزوریوں، بعض کوتاہیوں پر نظر رکھ کر اس کو جواب دے رہے تھے اور بالآخر وہ خود بول پڑا کہ یا رسول ؐ اللہ یہ ساری نیکیاں ایسی ہیں جن کا میں محتاج تو ہوں مگر مجھ میں طاقت نہیں ہے اس لئے پھر میرے لئے کیا حکم ہے۔ جو یہ نیکی بھی نہ کر سکے، وہ نیکی بھی نہ کر سکے، وہ بھی نہ کر سکے آخر وہ کیا کرے؟ تو آپ ؐ نے فرمایا اتنا تو کرو کہ تمہارا شر کسی کو نہ پہنچے اور بنی نوع انسان تمہارے شر سے محفوظ رہیں۔ یہ کم سے کم نیکی ہے جس کی خدا تعالیٰ مومنوں سے اور اللہ کا رسول ؐ مومنوں اور مسلمانوں سے توقع رکھتا ہے۔ فرمایا اگر تم یہ کرو گے کہ بنی نوع انسان تمہارے شر سے محفوظ رہیں گے۔ تو یہ تمہارے نفس کا تم پر ایک حق ہے جس کا تم صدقہ دے رہے ہو۔ یہ لفظ جو عربی میں استعمال ہوئے ہیں اس کے ترجمے عموماً ناقص ہو گئے ہیں کیونکہ ایسا ایک انداز بیان ہے جس کو سمجھنا ذرا مشکل ہے۔ عربی کے الفاظ یہ ہیں ''تکفّ شرّک عن الناس فانها صدقة منک'' لفظی ترجمہ ہے تو لوگوں کو اپنے شر سے بچائے رکھ ''فانها صدقة منک'' یہ تیری طرف سے صدقہ ہوگا۔ بظاہر بات ختم ہوگئی مگر ساتھ فرمایا ''علی نفسک'' تیرے نفس پر۔ تو نفس پر صدقے سے کیا مراد ہے؟ مراد یہ ہے کہ تیرے نفس پر یہ تیرا حق ہے کہ تو اس کی خاطر یہ صدقے دے ورنہ اگر تیرا شر دوسروں کو پہنچتا رہا تو

تیرے نفس کو دوسروں کا شر پہنچتا رہے گا۔ تو عملاً اپنے نفس کو غیروں کے شر سے بچانے کا ایک عظیم طریق بیان فرما دیا گیا کہ تو اگر اپنے شر سے اللہ تعالیٰ کی خاطر لوگوں کو بچاتا ہے تو یہ ضمانت ہو جائے گی اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ تیرے نفس کی حفاظت فرمائے گا اور اس کو دوسروں کے شر سے بچائے گا۔

پس آنحضرت ﷺ نے جن مکارم اخلاق پر فائز ہوتے ہوئے بنی نوع انسان کو ان اخلاق کی طرف بلایا ہے ان کو گہری قدر کی نظر سے دیکھیں، ان پر عمل کریں تو ایک دو نصیحتیں ہی آپ کی ساری زندگی کی کایا پلٹ سکتی ہیں۔ اگر آج جماعت احمدیہ عالمگیر جس تیزی سے یہ بڑھ رہی ہے اپنے اخلاق میں بھی اسی طرح نشوونما دکھائے اور تیزی کے ساتھ بلند تر اخلاق کی طرف بڑھنے کے قدم اٹھائے اور جلد تر اعلیٰ مکارم تک پہنچ جائے تو ساری دنیا کی تقدیر جماعت احمدیہ کے ہاتھ میں ہوگی۔ وہ لوگ جو خدا کی نظر میں اس کے بہترین بندے ہوں گے وہ لوگ جو خدا کی نظر میں سب سے زیادہ با اخلاق ہوں گے اللہ تعالیٰ ان کی لازماً حفاظت فرمائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احسان کا تو آنحضرت ﷺ یہاں تک یقین سے ذکر فرما رہے ہیں کہ اگر کوئی بندہ اس کی خاطر دوسروں کو شر پہنچانے سے باز آ جائے تو اللہ تعالیٰ یقیناً اس کے نفس کو دوسروں کے شر سے بچائے گا۔ تو جس خدا نے یہ ضمانت دے رکھی ہو اگر اس کی خاطر آپ بلند تر اخلاق پر فائز ہوں نہ صرف یہ کہ لوگوں کے حق نہ ماریں بلکہ ان کو ان کے حقوق سے زیادہ ادا کرنے والے ہوں اور اپنے حسن خلق سے اپنے معاشرے کو حسین معاشرے میں تبدیل کر دیں تو یہ قوم ہوگی جس کے متعلق لازماً آسمان پر لکھا جائے گا کہ تم نے ہی غالب آنا ہے اور تمہارے ہی اخلاق ہیں جن کو بنی نوع انسان پر غالب کرنے کے لئے بنایا گیا ہے۔ پس غلبے کے سیاسی تصور میں مبتلا نہ ہوں یہ محض جہالت کی باتیں ہیں۔ سیاسی غلبوں کو ہم نے کرنا کیا ہے کبھی دنیا میں کسی کو سیاسی غلبے نے فائدہ پہنچایا ہے۔ بڑے بڑے ممالک کو سیاسی غلبے نصیب ہوئے لیکن سوائے اس کے کہ مصیبتیں اور تکلیفیں پہنچا کر اور چھوٹی قوموں کے حقوق لوٹ کر وہ اپنے رستوں پر گامزن ہوئے اور انہوں نے کچھ بھی نہیں کیا۔ اخلاق حسنہ ہیں جن کے غلبے کی دعا مانگنی چاہئے اور یہی وہ غلبہ ہے جو حقیقت میں اسلام کا غلبہ ہوگا جس کا قرآن کریم میں وعدہ فرمایا گیا ہے۔ پس دعائیں کرتے رہیں اور کوشش کریں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اخلاق حسنہ پر فائز فرمائے اور آپ کو اخلاق حسنہ کا غلبہ عطا کرے۔ وہی غلبہ ہے جو حقیقت رکھتا ہے اس کے بغیر غلبے کی ساری بحثیں نفس کے قصے ہیں ان میں کوئی بھی سچائی نہیں۔ (آمین)

اپنے دلوں کی حالت تبدیل کریں اور ان کو زرخیز زمین بنائیں۔
نارتھ امریکہ والے تبلیغ کو حرزِ جان بنائیں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 30 ستمبر 1994ء بمقام Chilliwack نزد وینکوور، کینیڈا)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے مندرجہ ذیل آیات کریمہ تلاوت کیں۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِہِ الۡکِتٰبَ وَلَمۡ یَجۡعَلۡ لَّہٗ عِوَجًا ؕ﴿۲﴾
قَیِّمًا لِّیُنۡذِرَ بَاۡسًا شَدِیۡدًا مِّنۡ لَّدُنۡہُ وَیُبَشِّرَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ
الَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَہُمۡ اَجۡرًا حَسَنًا ۙ﴿۳﴾ مَّاکِثِیۡنَ فِیۡہِ
اَبَدًا ۙ﴿۴﴾ وَّیُنۡذِرَ الَّذِیۡنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا ٭﴿۵﴾ مَا لَہُمۡ بِہٖ مِنۡ
عِلۡمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِہِمۡ ؕ کَبُرَتۡ کَلِمَۃً تَخۡرُجُ مِنۡ اَفۡوَاہِہِمۡ ؕ اِنۡ یَّقُوۡلُوۡنَ
اِلَّا کَذِبًا ﴿۶﴾ فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفۡسَکَ عَلٰۤی اٰثَارِہِمۡ اِنۡ لَّمۡ یُؤۡمِنُوۡا
بِہٰذَا الۡحَدِیۡثِ اَسَفًا ﴿۷﴾ اِنَّا جَعَلۡنَا مَا عَلَی الۡاَرۡضِ زِیۡنَۃً لَّہَا
لِنَبۡلُوَہُمۡ اَیُّہُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ﴿۸﴾ وَاِنَّا لَجٰعِلُوۡنَ مَا عَلَیۡہَا صَعِیۡدًا
جُرُزًا ؕ﴿۹﴾ اَمۡ حَسِبۡتَ اَنَّ اَصۡحٰبَ الۡکَہۡفِ وَالرَّقِیۡمِ ۙ کَانُوۡا
مِنۡ اٰیٰتِنَا عَجَبًا ﴿۱۰﴾ اِذۡ اَوَی الۡفِتۡیَۃُ اِلَی الۡکَہۡفِ فَقَالُوۡا رَبَّنَاۤ اٰتِنَا
مِنۡ لَّدُنۡکَ رَحۡمَۃً وَّہَیِّیٔۡ لَنَا مِنۡ اَمۡرِنَا رَشَدًا ﴿۱۱﴾ (الکہف: 2 تا 11)

پھر فرمایا:۔

یہ آیات جن کی میں نے تلاوت کی ہے یہ سورۃ الکھف کے آغاز سے لی گئی ہیں اور یہ سورۃ کہف تمام تر عیسائیت کے آغاز، اس کے عروج اور اس کے زوال سے تعلق رکھتی ہے۔ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا کہ اگر تمہیں دجال کا خوف ہو اور دجال سے بچنے کے لئے کچھ کرنا چاہو تو سونے سے پہلے سورہ کہف کی پہلی دس آیات اور آخری دس آیات کی تلاوت کیا کرو۔ ان آیات کا انتخاب میں نے آج اس لئے کیا ہے کہ ان کا تعلق اس گہرے فکر کے اظہار سے ہے جس سے ان آیات کا آغاز ہوتا ہے کہ وہ لوگ جن کا سفر توحید سے شروع ہوا جب انہوں نے خدا کا بیٹا بنا لیا اور خدا کا ایک شریک ٹھہرالیا تو پھر ان کا کیا انجام ہوا، اور یہ سفر پھر کن کن خطرناک نتائج پر منتج ہوا۔ یہ ایک تفصیلی مضمون ہے اور سورہ کہف کا تعلق جیسا کہ آغاز مسیحیت سے ہے ویسا ہی آج کے زمانے سے بھی ہے اور آج کے زمانے کے بعد آنے والی خبروں کا بھی اس سورۃ میں ذکر ہے۔ لیکن اس تفصیلی مضمون کو چھیڑے بغیر میں مختصراً آپ کو اس کے مضمون کے خلاصے سے آگاہ کرتا ہوں کیونکہ اس کو سمجھنے کے بعد آپ میں ان قوموں میں تبلیغ کا ایک نیا جذبہ پیدا ہوگا اور جس طرح اللہ تعالیٰ ہم سے چاہتا ہے اس کے مطابق ہم ان قوموں کو پیغام پہنچانے کے مستحق ٹھہریں گے۔

سب سے پہلی بات یہ بیان ہوئی ہے کہ خدا تعالیٰ ایک ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور ایک خدا نے اپنے بندے محمد رسول اللہ ﷺ پر یہ کتاب نازل فرمائی ہے تاکہ ان قوموں کو ڈرائے جنہوں نے خدا کا بیٹا بنالیا ہے اور اس کے بدانجام سے ان کو آگاہ کرے اور ان مومنین کو خوشخبری دے جو حق پر قائم رہتے ہیں اور ایک خدا کی ذات سے وابستہ رہتے ہیں، کہ ان کے لئے ایک لامتناہی اجر ہے اور ان کو کسی غم اور فکر کی ضرورت نہیں۔ لیکن وہ قومیں جو توحید سے ہٹ گئیں ہیں اور کسی معنی میں بھی حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو واقعۃً خدا کا بیٹا سمجھ رہی ہیں اور اس کی صفات میں شریک سمجھ رہی ہیں۔ یہ توحید سے تعلق رکھنے والی سورۃ محمد ﷺ پر نازل ہو رہی ہے، اس وجہ سے تا کہ ان کو سمجھائے کہ ان کی غلطی ہے۔

تو قرآن کریم نے اس سورۃ میں اس مضمون کو اس طرح اٹھایا ہے کہ خدا تعالیٰ کا بیٹا بنانے والوں کو متنبہ کرنے کی غرض سے محمد رسول اللہ ﷺ کو بھیجا گیا ہے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کے گہرے غم کا ذکر فرماتا ہے۔ فرماتا ہے، تجھے ہم نے

تنبیہ کے لئے بھیجا ہے تا کہ ان قوموں کو ان کے بدانجام سے ڈرائے ۔ اگر آنحضرت ﷺ کے دل میں عیسائیت یا غیر مذاہب کے خلاف کسی قسم کی نفرت کا شائبہ بھی ہوتا تو اس خبر کو آپ خوشی سے سنتے اور آپ کا ردعمل یہ ہوتا کہ الحمد للہ میرے خدا نے میرے دشمنوں کی شکست اور قطعی ہلاکت کی خبر دی ہے ۔ اس کے برعکس ان آیات کے نزول کے وقت آپ کے دل کی جو گہرے غم کی کیفیت تھی اللہ تعالیٰ نے اس پر نظر فرمائی اور مضمون کو روک کر پہلے آنحضرت ﷺ کے دل کی کیفیت کا ذکر فرما کر آپؐ کو تسلی دی اور یہ اظہار یوں فرمایا۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا

کہ اے محمدؐ اس بدانجام کی خبر سے کیا تو اتنا غم محسوس کرے گا کہ اپنی جان کو ہلاک کر لے گا۔ ایک حیرت انگیز بات ہے جس کا دوسرے صحیفوں میں کہیں ذکر نہیں ملتا۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسی قوم کی ہلاکت کی خبر دی جارہی ہے جو شرک میں آگے بڑھ گئی اور جس کے بدانجام کی تفصیل حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیان کی جارہی ہے۔ ابھی وہ تفصیل پوری طرح واضح نہیں ہوئی مگر آنحضرت ﷺ کا دل کسی خوشی کے سمندر میں غوطے نہیں لگاتا بلکہ غم کے گہرے سمندر میں ڈوب جاتا ہے اور مضمون کو روک کر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے میرے بندے کیا تو ان کی ہلاکت کی خبر سے جو تیری باتوں پر ایمان نہیں لائیں گے اور بدانجام کو پہنچیں گے اپنے آپ کو غم سے ہلاک کر لے گا، ایسا نہ کر اور پھر یہ کہہ کر ایک اور تسکین بخش مضمون شروع ہو جاتا ہے اور وہ ہے ان قوموں کے نیک آغاز کا ذکر۔ فرمایا یہ ہمیشہ سے بد نہیں ہیں، ہمیشہ سے بھٹکے ہوئے نہیں ہیں آغاز میں ان میں ایسے لوگ تھے جنہوں نے توحید کی خاطر عظیم الشان قربانیاں کی ہیں اور وہ اصحاب کہف ہیں انہوں نے سطح زمین کی زندگی کو ترک کر کے غاروں میں پناہ لینے کو زیادہ پسند کر لیا کیونکہ سطح زمین پر شرک غالب تھا اور وہ اپنی توحید کو بچانا چاہتے تھے اس لئے توحید کے نتیجے میں ان سے جو دشمنیاں مول لی گئیں ان کے لئے زمین کی سطح پر بسنا بسا اوقات ناممکن ہو گیا اور وہ اپنے ایمان اور توحید کی حفاظت کی خاطر غاروں میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے اور ان کا بہت ہی محبت اور پیار کے ساتھ ذکر ہے جو اس کے ساتھ چل پڑتا ہے۔

لیکن اس سے پہلے یہ واضح فرما دیا گیا ہے کہ سطح زمین پر جو نعمتیں دی گئی ہیں وہ آزمائش کے لئے ہیں اور وہ لوگ جو شرک کے باوجود نعمتوں سے نوازے جارہے ہیں ان کے متعلق کوئی دھوکہ نہ

کھانا کیونکہ یہ آزمائش کے لئے ہے کہ دیکھیں وہ کیسے عمل کرتے ہیں۔ ایک بہت ہی خوب صورت طرز کلام ہے۔ اصحاب کہف کے ذکر سے پہلے زمین کی سطح کی رونقوں کا ذکر فرما دیا اور فرمایا کہ ہم نے کچھ لوگ ہیں جن کو بہت عظیم ترقیات عطا فرمانی ہیں اور فرما رہے ہیں یہاں تک کہ زمین پر جو کچھ بھی ہے وہ خوب صورت بنا دیا جائے گا اور بہت ہی دلکش صورت میں دنیا ان پر ظاہر کی جائے گی۔ یہاں تک کہ اس دنیا کی محبت میں اور اس کے عشق میں غرق ہو جائیں گے اور سرتاپا اسی کے ہو رہیں گے اور بھول جائیں گے کہ یہ تو ان کے لئے آزمائش تھی اور یہ بھی بھول جائیں گے کہ ان کا آغاز بہت نیک تھا ان کے آباؤ اجداد میں ایسے عظیم خدا کے توحید پرست بندے تھے کہ انہوں نے دنیا کی زینتوں کو تج دیا اور سطح زمین کو ترک کرتے ہوئے جانوروں کی طرح غاروں میں پناہ لینے کو قبول کر لیا۔

یہ جو مضمون ہے آنحضرت ﷺ کے زمانے میں اس کا بہت کم علم اہل عرب کو تھا۔ کیونکہ اکثر غاریں جن میں عیسائی توحید پرست پناہ لیا کرتے تھے وہ دنیا کے علم سے غائب تھیں۔ اگرچہ موجود تھیں ان پر کوئی تحقیق نہیں ہوئی تھی اور بہت کثرت سے وہ ایسی غاریں ہیں جو اس زمانے میں جو پچھلی ایک دو صدیوں میں دریافت ہوئی ہیں اور مزید ان کے اوپر تحقیقات جاری ہے اور جتنی تحقیقات آگے بڑھ رہی ہیں قرآن کریم کے اس دعوے کی صداقت کے مزید ثبوت مہیا ہو رہے ہیں کہ وہ لوگ جوان غاروں میں پناہ گزین تھے وہ توحید پرست تھے اور ان کا تثلیث سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ یہاں تک کہ توحید کے آثار ان غاروں میں مل رہے ہیں کہ عیسائی محققین کی دنیا اور یہودی محققین کی دنیا دو حصوں میں بٹ چکی ہے بعض کا خیال ہے کہ یہ عیسائی لوگ تھے ہی نہیں بلکہ وہ موحدین تھے جن کو ''اسین'' کہا جاتا ہے جن سے حضرت یحیٰ علیہ السلام کا بھی تعلق تھا اور وہ اس فرقے کے ایک بہت بڑے بزرگ تھے ان کے نزدیک۔ اور قرآن کے نزدیک وقت کے نبی تھے۔ تو یہ کہنے والے کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے ان غاروں کے اندر سے جو چیزیں دریافت ہو رہی ہیں ان کا تعلق دو سو سال قبل مسیح سے شروع ہو کر سو دو سو سال بعد تک کے زمانے سے ہو۔ لیکن یہ ایک حیرت انگیز بات ہے کہ ان مرقومات میں جن کا ان غاروں سے تعلق ہے کسی قسم کا تثلیث کا کوئی دور کا شائبہ بھی دکھائی نہیں دیتا۔ ایک مرد صادق کی بات کی جا رہی ہے، ایک ایسا شخص جو خدا کے لئے ہر قربانی کے لئے تیار ہوا اور پھر اس مرد صادق کے ذکر کے ساتھ اور بہت سی ایسی باتیں ہیں جو مسیح کے زمانے پر زیادہ اطلاق پاتی ہیں بہ نسبت

اس کے کہ مسیح سے پہلے کے زمانے کی باتیں ہوں۔ پھر یہ بھی ایک بہت اہم بات ان غاروں سے دریافت ہوئی ہے کہ وہ لوگ خوفزدہ تھے اور کچھ بتانے کی خاطر اپنے تبرکات کو مختلف صورتوں میں محفوظ کرنے کے لئے غاروں میں دفناتے چلے جارہے تھے۔ جہاں خود پناہ لیتے تھے وہاں ان تبرکات کو بھی محفوظ کرتے تھے اور ایسا کوئی دور مسیح سے پہلے یہودیت پر نہیں گزرا کہ ان کو اپنے تبرکات چھپانے کے لئے غاروں میں پناہ لینی پڑے۔ کوئی عہد نامہ قدیم وہاں سے دریافت نہیں ہوا بلکہ اشارۃً جو بھی ذکر ملتے ہیں وہ عیسائیت ہی کی طرف اشارہ کررہے ہیں۔

پس قرآن کریم کا یہ بیان کہ اے محمد! ﷺ مخاطب کئے بغیر شروع سے عبد کے نام کی بات ہورہی ہے، مگر آنحضرتؐ ہی مخاطب ہیں اور پیش نظر ہیں، کہ تو ان لوگوں کے انجام سے جو اپنے دل کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے گہرے غم میں مبتلا ہو گیا ہے ہم تجھے کچھ اچھی خبریں بھی سناتے ہیں جو تیرے دل کو ڈھارس بخشیں گی کیونکہ تو توحید کا عاشق ہے۔ یہی عیسائی لوگ آغاز میں توحید کی خاطر انتہائی قربانی دینے والے لوگ تھے اور جیسا کہ میں نے بیان کیا قرآن کریم فرماتا ہے تمام دنیا کی زینتوں کو چھوڑ کر وہ غاروں کے بھیانک اندھیروں میں رہنا اپنے لئے زیادہ پسند کرنے لگے کیونکہ ان اندھیروں میں بسر ہوتے ہوئے وہ توحید کی روشنی سے منسلک رہ سکتے تھے اور باہر کی روشنی میں ان کو اندھیرا دکھائی دیتا تھا کیونکہ ہر طرف شرک تھا۔ پس اس اشارے کے پیش نظر جو قرآن کریم میں واضح طور پر موجود ہے میں نے ایک احمدی مخلصین نوجوانوں کی ایک ریسرچ ٹیم بنائی ہے کہ وہ ان غاروں سے دریافت ہونے والے تمام صحیفوں کا مطالعہ کرنے کی اہلیت پیدا کریں اور جو کچھ بھی ان پر لکھا گیا ہے ان پر غور کریں اور صحیح نتائج اخذ کریں جو قرآن کی روشنی کے بغیر اخذ ہو نہیں سکتے۔

ایک اور اہم بات جو اصحاب کہف کے ذکر میں قرآن کریم نے بیان فرمائی ہے وہ اَصۡحٰبَ الرَّقِیۡمِ فرمایا ہے۔ فرمایا ہے اَمۡ حَسِبۡتَ اَنَّ اَصۡحٰبَ الۡکَہۡفِ وَالرَّقِیۡمِ ۙ کَانُوۡا مِنۡ اٰیٰتِنَا عَجَبًا کہ اے محمدؐ کیا تو حیرت میں مبتلا ہے کہ یہ کیسے لوگ تھے جنہوں نے غاروں میں پناہ لی اور وہ اَصۡحٰبَ الرَّقِیۡمِ تھے۔ اَصۡحٰبَ الرَّقِیۡمِ کا چونکہ کوئی بھی ذکر قرآن کریم کے نزول کے لمبے عرصہ بعد تک بھی غاروں کے تعلق میں معلوم نہیں تھا۔ اس لئے مفسرین نے رقیم سے یہ معنی لیا۔ رقیم کا ایک معنی ہوتا ہے کتبہ جس پر کچھ لکھا ہو اور

اَصۡحٰبَ الرَّقِیۡمِ کا ایک مطلب ہے تحریروں والے لوگ لکھنے والے لوگ۔ تو چونکہ ان کو یہ علم نہیں تھا کہ غاروں سے کچھ تحریریں دریافت ہوں گی۔ اس لئے انہوں نے اپنی تفسیروں میں صرف اس حد تک ترجمہ کیا کہ ان کی غاروں پر گویا کچھ کتبے تھے ان پر کچھ لکھا ہوا تھا حالانکہ قرآن کریم ان سب کو اَصۡحٰبَ الرَّقِیۡمِ فرما رہا ہے۔ غاروں میں ان لوگوں نے پناہ لی ہے جنہوں نے کچھ صحیفے ان غاروں میں چھوڑے ہیں یا وہ صحیفے لے کر ان غاروں میں داخل ہوئے ہیں اور آج کے زمانے میں یہ حیرت انگیز دریافت ہوئی ہے وادئ قمران میں ایک نہیں، بیسیوں ایسی غاریں ہیں جہاں سے یہ صحیفے دریافت ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں اور بہت سے سائنس دان جو پرانے صحیفوں کو پڑھنے کے ماہر ہیں وہ ان تحریروں کو پڑھ کر مختلف اندازے لگا رہے ہیں۔ لیکن قرآن کے حوالے سے قرآن کی عطا کردہ روشنی سے استفادہ کرتے ہوئے ہمیں احمدی سکالرز کی ضرورت ہے جو وہ زبانیں سیکھیں، وہ علم سیکھیں جس سے براہ راست ان صحیفوں کا مطالعہ کر سکیں اور محض لوگوں کی رائے زنی کو نشانِ منزل نہ سمجھیں بلکہ منزل کا کھوج خود لگائیں کیونکہ بسا اوقات قرآن کی روشنی کے بغیر انسان غلط اور متضاد نتائج نکالنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اور یہی کیفیت ہے جو ان صحیفوں کے تعلق میں آج ہمیں دنیا میں دکھائی دے رہی ہے۔ امریکہ میں بھی میں نے اس قسم کی ریسرچ کے لئے ہدایت کی تھی اور امریکہ میں کسی حد تک کام ہوا اور دو مختلف الخیال، دو مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے متضاد نتائج نکالنے والے علماء سے انہوں نے رابطے کئے لیکن یہ تحقیق ابھی بہت ہی ابتدائی مراحل میں ہے۔

اس لئے اگرچہ میں اس مضمون کو ایک اور رنگ میں آپ کے سامنے کھولنا چاہتا ہوں مگر ضمناً میں یہ بھی اعلان کرتا ہوں کہ شمالی امریکہ کے دونوں ممالک کے نوجوان، خواہ وہ کینیڈا سے تعلق رکھتے ہوں یا امریکہ سے تعلق رکھتے ہوں، جن کو بھی اللہ نے علمی ذوق شوق عطا فرمایا ہے وہ اس مضمون پر براہ راست تحقیق کریں۔ وہ زبانیں سیکھنا، جن کو وہ پڑھ کر براہ راست استفادہ کر سکیں ایک دقت طلب چیز ہے، اس میں بہت لمبی محنت، مطالعہ اور کئی سالوں کی محنت کی ضرورت ہے۔ لیکن ان ماہرین فن سے رابطہ کر کے اصل کتابوں کا کثرت سے جو اس مضمون پر لکھی گئی ہیں، براہ راست ان کتابوں کا مطالعہ کر کے، مختلف الخیال لوگوں سے، ان مضامین کو خود سمجھ کر ملنے کے بعد، پھر قرآن کریم کی روشنی میں ایک نتیجہ نکالنے کی کوشش جو ہے یہ شروع ہو سکتی ہے اور انگلستان میں جس ٹیم کو میں نے

مقرر کیا ہے اس میں کالج کے جانے والے، نوجوان لڑکے بھی ہیں اور لڑکیاں بھی ہیں اور دونوں اللہ کے فضل سے بڑے اخلاص اور محنت کے ساتھ اس پر کام کر رہے ہیں اور ان کے پیش کردہ نتائج سے ہمیں نئی روشنی مل رہی ہے، نئے راستے دکھائی دے رہے ہیں جن کے نتیجے میں میں بہت پرامید ہوں کہ احمدیہ تحقیق تمام دنیا کے لئے روشنی کا موجب بنے گی اور ان کو رستہ دکھانے میں سب سے نمایاں کردار ادا کرے گی کیونکہ قرآن کریم کا وہ بیان جو چودہ سو سال پہلے گزر گیا جبکہ ان چیزوں کا کوئی وجود نہیں تھا اس یقین سے ہر مومن کے دل کو بھر دیتا ہے کہ سوائے اس کے کہ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو ان واقعات کی خود خبر دی ہو، عرب کے کسی باشندے سے یہ ناممکن تھا خواہ وہ کتنا بڑا عالم ہوتا کہ ان غاروں کا اس تفصیل سے ذکر کرتا اور پھر اس ذکر میں اَصْحٰبَ الرَّقِيْمِ کے لفظ داخل کر دیتا کہ یہ لوگ صحیفوں والے لوگ ہیں اور یہ ایسا وقت آئے گا کہ جب ان صحیفوں کی دریافت سے دنیا کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ پس مختلف پہلوؤں سے کچھ اور پہلو بھی ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمیں تحقیق کا موقع مل رہا ہے لیکن اس کے لئے مجھے زیادہ دست و بازو کی ضرورت ہے اور کثرت سے احمدی مخلصین، روشن دماغ اور تحقیق کا جذبہ رکھنے والوں کی ضرورت ہے جو اپنے اپنے ملک میں دستیاب کتابوں کا مطالعہ کریں، اپنے ملک میں موجود سکالرز سے تعلقات بڑھائیں اور جو کچھ بھی ان کی تحقیق کا ماحصل ہو وہ مجھے بھجواتے رہیں۔

آغازِ خلافت پر جو میں نے جماعت کو خطاب کیا تھا اس میں شہد کی مکھیوں کے چھتے کی مثال دی تھی۔ میں نے کہا جس ایک خلیفہ کے گرد ساری جماعت اکٹھی ہو جاتی ہے اور جس طرح اس کی تمام تر کوشش یہ ہوتی ہے کہ جو کچھ ہمارا ماحصل ہے اس کا بہترین نچوڑ ہم اپنی ملکہ کو دیں یعنی شہد کی مکھیوں کی یہ کوشش ہوتی ہے۔ اس طرح تمام عالم میں میں آغاز ہی سے یہ مشاہدہ کر رہا ہوں کہ ساری دنیا میں پھیلے ہوئے احمدی جب کسی بہت ہی اچھی چیز کو پاتے ہیں، جب کسی اچھے مطلب کو حاصل کرتے ہیں تو ان کو چین نہیں ملتا جب تک مجھے اس کی اطلاع نہ دے لیں اور اپنی خوشی میں یا اس خزانے میں مجھے شامل نہ کر لیں جو علم کا خزانہ اللہ نے ان کو عطا فرمایا ہے۔ کوئی اچھی کتاب کا مطالعہ کرتے ہیں تو مجھے اس سے مطلع کرتے ہیں۔ بعض مجھ سے پوچھتے ہیں کہ تمہیں اتنے بڑے مطالعہ کا کیسے وقت مل گیا۔ جو خلافت سے پہلے کا زمانہ تھا اللہ نے خود میرے دل میں یہ ذوق وشوق پیدا فرمایا

اور توفیق دی کہ اپنے مطالعہ کو وسیع کروں لیکن اب تو یہ میرا مطالعہ نہیں یہ ساری جماعت کا مطالعہ ہے جو ایک مرکز پہ اکٹھا ہوتا ہے۔ وہ مکھیاں جو شہد کھاتی ہیں اس شہد کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس میں شفا ہے، تو مومنوں کی روحانی غذا، ان کی روحانی ہی نہیں بلکہ جسمانی شفا کا بھی موجب بن جاتی ہے۔ یہ ایک بڑا وسیع مضمون ہے جس پر ابھی تحقیق ہونے والی باقی ہے۔ یہ ایک اور پہلو ہے جس پر میں نے بعض عمومی ہدایتیں جماعت کو دی ہیں کہ اس طریق پر اس کی تحقیق کرو لیکن یہاں جس ذکر میں مَیں یہ بات کھول رہا ہوں وہ یہ ہے کہ شہد کی مکھیاں، شہد کھاتی ہیں اور اس کا وہ نچوڑ جو ان کے نزدیک سب سے اعلیٰ ہے وہ ملکہ کے سامنے پیش کر دیتی ہیں اور علم کے مضمون میں یہ لطف کی بات ہے کہ خود بھی اس سے استفادہ کرتے ہیں وہ لوگ، اور پھر خلیفہ وقت کو بھی اس میں شامل کر لیتے ہیں اور ان کا ملکہ کے سامنے مکھیوں کی طرح وہ سب کچھ پیش کرنا انہیں محروم نہیں رکھتا۔

پس روحانی علوم اور دنیاوی نعمتوں میں یہ بڑا فرق ہے۔ دنیاوی نعمتوں میں آپ قربانی کر کے اپنا کچھ حصہ کسی اور دوست یا محبوب کے سامنے پیش کرتے ہیں جبکہ روحانی دنیا میں خواہ وہ تقویٰ کی باتیں ہوں یا علم کا مضمون ہو آپ جب کسی دوسرے کو اس میں شریک کرتے ہیں تو آپ کے علم یا آپ کی روحانیت میں کمی نہیں آتی بلکہ دوسرے کو فائدہ پہنچتا ہے اور آپ کو پھر مزید فائدہ پہنچتا ہے۔ پس اس طرح جس علم کے متعلق بعض لوگ کہتے ہیں تم نے کیسے حاصل کیا۔ میں نے کہاں سے حاصل کرنا تھا یہ اللہ کا احسان ہے کہ اس نے ایسی پیار کرنے والی محبت کرنے والی شہد کی مکھیوں کی طرح فدائی روحانی جماعت عطا فرما دی ہے کہ جو کچھ بھی ان کو ملتا ہے وہ اس میں مجھے شریک ضرور کرتے ہیں۔ پس اس پہلو سے میں نے جماعت کو بارہا مختلف نصیحتیں کی ہیں کہ اس مضمون پر بھی غور کرو اس مضمون پر بھی غور کرو۔ اور مجھے جو محنتوں کا لمبا وقت میسر نہیں ہے اس کی کمی اس طرح پوری ہو جاتی ہے کہ ہزاروں آنکھیں ایسی ہیں جو مطالعہ کے وقت ہمیشہ یہ پیش نظر رکھتی ہیں کہ اس مطالعہ کا ماحصل جس کا کسی رنگ میں بھی جماعت کو فائدہ پہنچ سکتا ہو ہم وہ خلیفہ وقت کو ضرور پہنچائیں اور جب وہ باتیں مجھ تک پہنچتی ہیں تو پھر میں ایسے تمام امور کو الگ رکھ لیتا ہوں اور اسے عام ڈاک میں نہیں جانے دیتا جب تک میں خود مطالعہ نہ کر لوں میری تسلی نہیں ہوتی۔ پس اس پہلو سے جو میں نے آپ سے عرض کیا ہے، اس تمہید کی روشنی میں مجھے نئے سکالرز کی ضرورت ہے جو سورہ کہف کے مضامین پر غور کرنے کے

لئے علمی تحقیقات کریں اور جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے اس کے بعض پہلو ہیں جو میں یہاں بیان نہیں کر رہا۔ وہ الگ بعض تحقیقات کرنے والے وفود کے سپرد کام کر چکا ہوں۔ لیکن یہ ایک عمومی تحریک ہے جس میں کینیڈا اور امریکہ سب شامل ہیں اور یورپ میں پہلے ہی میں یہ تحریک ذاتی طور پر ملاقاتوں کے دوران بھی کر چکا ہوں۔

دوسری بات جس کی طرف میں متوجہ کرنا چاہتا تھا، اس کا تعلق تبلیغ سے ہے۔ جب آپ سورہ کہف پر غور کرتے ہیں تو دو باتیں قطعی طور پر آپ کے سامنے آتی ہیں۔ اول یہ کہ وہ زینت جو سطح ارض پر ملتی ہے، وہ ان قوموں کو باقی قوموں سے بہت زیادہ عطا ہو گی، جن کو عیسائیت سے تعلق ہے اور سارے قرآن کریم میں قوموں اور مذاہب کے ذکر میں عیسائیت کے تعلق کے سوا کہیں اس شدت کے ساتھ اور اس زور کے ساتھ زینت کی نعمتوں کی عطا کا ذکر نہیں ملتا۔ پس اس سے پتا چلتا ہے کہ عیسائی دنیا کو جو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی نعمتیں اور حسن عطا فرمایا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک آزمائش ہے۔ اس آزمائش کا تعلق کس بات سے ہے۔ کیوں ان قوموں کو منتخب کیا گیا؟ اس کا تعلق دراصل اس مائدہ سے ہے۔ جس کی دعا حضرت مسیح نے مانگی تھی۔ حضرت مسیحؑ کے حواریوں نے عرض کیا کہ اپنے خدا سے ہمارے لئے آسمانی نعمتیں مانگ، آسمانی نعمتوں کا دسترخوان اتارنے کی استدعا کر۔ عیسائی دراصل اپنی لاعلمی میں اپنی دنیا پرستی کی وجہ سے اس مضمون کو ظاہر پر اطلاق کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ مسیحؑ نے کوئی کھانا مانگا تھا، جو روٹی اتاری گئی آسمان سے اور وہ روٹی اپنے شاگردوں میں تقسیم کی اور بات ختم ہو گئی۔ یہ بہت ہی بچگانہ تصور ہے، اس حقیقت کا جو ایک عظیم حقیقت ہے، جس کا تعلق محض مسیح کے اپنے زندگی کے دور سے نہیں، بلکہ عیسائیت کی تمام تاریخ سے ہے۔ حضرت مسیحؑ نے جو کچھ مانگا اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا، وہ حصہ ہے غور طلب۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نعمتیں دوں گا۔ یہ نہیں فرمایا کہ ایک دسترخوان اتاروں گا صرف۔ فرمایا، جو تو نے مانگا ہے، میں نعمتیں عطا کروں گا اور ایسی نعمتیں دوں گا، جو دنیا میں کسی اور کو نہیں دی گئیں لیکن اگر ناشکری کی گئی، اگر ان نعمتوں سے غلط فائدہ اٹھایا گیا اور توحید کو قربان کر دیا گیا، یہ مضمون اس میں مضمر ہے، تو پھر ان قوموں کو ایسی سزا دوں گا کہ جب سے دنیا بنی ہے، کبھی کسی قوم کو ایسی سزا نہیں دی گئی۔ یہ وہ مضمون ہے، جس کو سورہ کہف نے پھر اٹھایا ہے اور یہ روشنی ڈالی ہے کہ جو زینت کی دنیا ان کو عطا ہوئی ہے۔ اس سب کو ہم زائل کر دیں گے

وَ اِنَّا لَجٰعِلُوۡنَ مَا عَلَیۡهَا صَعِیۡدًا جُرُزًا جو کچھ بھی اس پر ہے اسے زائل کر دیں گے اور ان علاقوں کو چٹیل میدان چھوڑ دیں گے۔ اس مضمون کو سورہ طٰہٰ میں بھی بیان فرمایا گیا ہے۔

تو میں جس طرف آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں قرآن کریم کے مختلف بیانات کو آپس میں جوڑیں اور ان کے تعلقات باندھ کر پھر سمجھیں تو پھر آپ کو سمجھ آئے گی کہ کیسی عظیم کتاب ہے جو عٰلِمُ الۡغَیۡبِ وَ الشَّهَادَةِ نے محمد رسول اللہ ﷺ کے دل پر نازل فرمائی اور تمام زمانے کے علوم اس میں اس طرح بھر دیئے جیسے دنیاوی ضرورت کی تمام نعمتیں اس زمین کی سطح کے اوپر یا نیچے دفن ہیں۔ پس یہ وہ پہلو ہے جس کے پیش نظر آپ کے سامنے تبلیغ کی اہمیت ابھرنی چاہئے کیونکہ وہ زمانہ قریب آ رہا ہے جس میں ہم یقینی آنکھوں کے ساتھ دیکھ رہے ہیں کہ وہ نعمتیں جو مسیحؑ کی دعا سے ان قوموں کو ملی تھیں۔ ایک توحید پرست مسیحؑ کی دعا سے ان قوموں کو ملی تھیں، شرک میں داخل ہونے کے نتیجے میں مسیحؑ کی حقیقت کی عظمت کو پہچاننے کی بجائے اسے ایک فرضی رومن متھ (Mith) کی کہانی میں تبدیل کرنے کے نتیجے میں ان کی دنیا کی لذتوں کی پیروی اس رستے سے ہٹ گئی ہے جس رستے پر چلانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے نعمتیں عطا فرمائی تھیں۔ اللہ کے شکر کی بجائے ان کے اندر ایک اندرونی رعونت نے سر اٹھایا ہے۔ یہ سمجھنے لگے ہیں یہ سب کچھ ہماری کوششوں کا نتیجہ ہے۔ کسی کے خیال میں، دور کے خیال میں بھی یہ بات نہیں آتی کہ دو ہزار سال پہلے خدا کے عظیم بندے مسیحؑ کی دعا کا پھل ہے جو ہم کھا رہے ہیں اور چونکہ اسے وہ اپنے ہاتھوں کی کمائی اور ایسی زینت سمجھتے ہیں جس پر وہ خود مختار ہیں جس طرح چاہیں فیصلے کریں اس لئے ان تمام تر نعمتوں کا استعمال غلط ہو رہا ہے۔ خدا کے قریب تر لانے کی بجائے جوں جوں یہ نعمتیں بڑھ رہی ہیں یہ خدا سے دور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اور وہ انذار جس کی طرف سورہ کہف توجہ دلاتی ہے کہ وَ اِنَّا لَجٰعِلُوۡنَ مَا عَلَیۡهَا صَعِیۡدًا جُرُزًا اس انجام کی طرف یہ دن بدن بڑھتے چلے جا رہے ہیں اور یہ انذار تھا جس کی کیفیت آنحضرت ﷺ کا دل بھانپ گیا اور اس بد انجام کے غم سے آج سے چودہ سو سال پہلے آپؐ کے دل نے ایسی تکلیف محسوس کی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے میرے بندے! کیا تو ان کے غم میں اپنے آپ کو ہلاک کر لے گا؟

پس ضرورت ہے قرآنی اسلوب کے مطابق ان کے پاک ماضی کی ان کو یاد دلائی جائے

کیونکہ اس مضمون کے معاً بعد خدا کہف میں قربانی دینے والے بزرگوں کا ذکر فرماتا ہے جو عیسائی قوم سے تعلق رکھتے تھے، جو حضرت عیسیٰؑ کے سچے شاگرد تھے۔ پس اس نے ہمیں تبلیغ کا ایک نیا اسلوب عطا فرما دیا۔ ہمیں سکھایا کہ کس طرح ان قوموں سے بات کرنی ہے دو باتیں بہت اہم ہیں اس میں۔ اول غم، محمد رسول اللہ ﷺ کی طرح بنی نوع انسان کا ہمدرد دل حاصل کئے بغیر آپ دنیا کو تبلیغ نہیں کر سکتے۔ سب سے بڑا مبلغ جو کائنات میں کبھی پیدا کیا گیا وہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ تھے اور سب سے زیادہ بنی نوع انسان کی ہمدردی میں مبتلا دل اگر کسی کو عطا ہوا ہے تو وہ آنحضرت ﷺ تھے، جو دشمن کی ہلاکت کی خبر سے بھی اس قدر غمگین ہو جاتے تھے۔ پس اگر آپ کے دل میں ان کی سچی ہمدردی نہیں ہے، اگر آپ صرف اپنی تعداد بڑھانا چاہتے ہیں اگر اور ذاتی مفادات کی خاطر آپ تبلیغ کر لیتے ہیں یا محض ایک سطحی خیال سے کہ ہمیں پھیلنا چاہئے، بڑھنا چاہئے آپ تبلیغ کا خیال دل میں جماتے ہیں تو یہ ساری وہ باتیں ہیں جو بظاہر اچھی ہیں مگر ان میں گہرائی نہیں ہے، جو بظاہر اچھی ہیں مگر اثر سے خالی رہیں گی۔ پس وہ لوگ جو دل کی گہری ہمدردی کے بغیر کسی قوم کو ہدیٰ کی طرف بلاتے ہیں ان کی باتوں کا اثر نہیں ہوتا، ان کی طرف توجہ نہیں دی جاتی۔ پس یہ راز سورہ کہف سے سیکھیں کہ وہ دل لے کر تبلیغ کے لئے نکلنا ہوگا جس کو یقین ہو کہ ان قوموں کے بدانجام کا وقت قریب آ رہا ہے اور وہ اس کے نتیجے میں سخت بے چین ہو۔ ایسا دکھ محسوس کرے کہ بے اختیار ان قوموں کی ہدایت کے لئے نکل کھڑا ہو۔ یہ ایسی حقیقت ہے جسے روزمرہ زندگی میں آپ اپنے دل پر چسپاں تو کر کے دیکھیں تب آپ کو معلوم ہوگا کہ کس حد تک آپ داعی الی اللہ ہیں اور کس حد تک نہیں ہیں۔

داعی الی اللہ یقین سے پیدا ہوتا ہے اور یقین دو چیزوں پر مشتمل ہے ایک خوشخبری پر یقین، خدا کے سچے وعدوں پر یقین اور ایک انذار اور منذر خبروں پر یقین اور خدا کے وعید پر یقین۔ وعدہ عربی میں اس خوشخبری کے لئے استعمال ہوتا ہے جس کو عطا کرنے کا کوئی عہد کر لے اور وعید ایسی خبر سے تعلق رکھتا ہے جس میں ڈرانا ہو اور خوف ہو کہ اگر تم یہ کرو گے تو ضرور اس کا یہ نتیجہ نکلے گا۔ پس جب تک ان دونوں باتوں پہ یقین نہ ہو انسان حقیقت میں داعی الی اللہ نہیں بن سکتا کیونکہ قرآن کریم کی بیان کردہ تاریخ میں تمام انبیاءؑ کا تعارف بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا کے ذریعے کروایا گیا ہے یا تو وہ بشیر تھے یا

وہ نذیر تھے اور کوئی تیسرا تعارف نہیں ملتا دو ہی حیثیتیں ہیں یا منذر ہیں یا مبشر ہیں۔ تو منذر وہ ہے جس کو یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب جس کا وعدہ دیا گیا ہے وہ ضرور آنے والا ہے، وہ کلمۂ حق ہے اسے کوئی ٹال نہیں سکتا اور مبشر وہ ہے جسے یقین ہے کہ جو خدا کی باتوں پر ایمان لائے گا وہ ضرور ان بدیوں سے بچایا جائے گا۔ پس اگر کسی عمارت میں آگ لگی ہو اور آپ جانتے ہوں کہ نکلنے کا رستہ ہے اور بغیر آواز دیئے خود نکل جائیں اور تسلّی پا جائیں کہ میں نے اپنی جان کو بچا لیا تو یہ بچنا حقیقت میں آپ کی روحانی ہلاکت ہے۔ جسے اپنے بھائیوں کا پاس نہیں، جسے یہ خوف نہیں کہ اس عمارت میں کئی بچے، کئی معصوم عورتیں، کئی بوڑھے، کئی بیمار بھی پڑے ہوں گے جب تک وقت کے اوپر ان کو متنبہ نہ کیا جائے ان کو نکلنے میں مدد نہ کی جائے اس وقت تک میرا اکیلا اپنی جان بچا لینا کافی نہیں ہے، اس وقت تک حقیقی انسانیت انسان میں پیدا نہیں ہو سکتی اور انسانیت کے بغیر کوئی مذہب آ ہی نہیں سکتا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو مذہب کی مختلف منازل بیان فرمائی ہیں ان میں فرمایا ہے کہ مذہب کا کام ہے پہلے حیوان کو بشر بنانا ایک ایسا انسان جو محض حیوانی زندگی بسر کر رہا ہے اسے انسانیت کے تقاضوں کا علم نہیں ہے وہ خود غرضی میں مبتلا ہے، اپنے نفس کی خواہشوں کی پیروی کر رہا ہے۔ اسے سب سے پہلے عام انسانیت کے آداب اور اسلوب سکھانا۔ پھر فرماتے ہیں کہ وہ انسان جو مہذب ہو جائے اس کو باخدا انسان بنانا پھر مذہب کا دوسرا کام ہے۔ تو اگر پہلی منزل ہی طے نہیں ہوئی تو دوسری منزل تک کیسے پہنچ جائیں گے، پہلی منزل کی سیڑھیاں پھلانگ کر دوسری منزل کی سیڑھیوں میں تو آپ داخل ہو نہیں سکتے۔ پس بہت سی دنیا کے لوگ ان خوش فہمیوں میں مبتلا رہتے ہیں کہ ہم مذہبی ہیں، ہم مذہب پر عمل کر رہے ہیں، قرآن کریم کو سمجھ رہے ہیں، اس کی تلاوت کرتے ہیں، نماز پڑھ رہے ہیں، کافی ہے۔ کئی غیر احمدی بھی ہم سے یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا میرا نماز پڑھ لینا کافی نہیں، کیا تلاوت کافی نہیں؟ اگر یہ کافی ہوتا تو محمد رسول اللہ ﷺ کو کیا مصیبت پڑی تھی کہ اپنی جان ہلکان کرتے ہوئے، اپنے وجود کو جان جوکھوں میں ڈالتے ہوئے، انتہائی تکالیف کا سامنا کرتے ہوئے ہر طرف پیغام پھیلاتے چلے گئے یہاں تک مصیبتیں سہیڑیں کہ آپؐ کی دشمن قومیں آپؐ کی پیروی میں مدینے پہنچ کر آپؐ پر حملہ آور ہوئیں اور ایک ہی مقصد تھا ان کا، پہلی جنگ میں بھی اور دوسری میں بھی اور تیسری میں بھی، کہ جو کچھ ہو اس ایک وجود کو دنیا سے ہلاک کر دیا جائے۔ کیا

مصیبت پڑی تھی؟ کیا آپؐ عبادت نہیں کرتے تھے؟ کیا آپؐ قرآن کے مفہوم کو نہیں سمجھتے تھے؟ تو جب آپؐ قرآن کو جانتے تھے، آپؐ ہی پر تو نازل ہوا تھا اور عبادت کا حق آپؐ سے بڑھ کر کوئی اور ادا کر نہیں سکتا تھا پھر اس جہاد کی کیا ضرورت تھی؟ اس کا راز اس دل میں ہے جس کا ذکر سورہ کہف میں بیان ہوا ہے کہ وہ سچا دل جو ہمدرد ہو اس کے لئے چین سے بیٹھنا ممکن نہیں رہتا۔ اگر وہ اس یقین سے بھر جائے کہ اس کے ماحول میں کچھ لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔ اس کی عام مثال ماؤں کی زندگی میں ملتی ہے، باپوں کی زندگی میں بھی ملتی ہے اور عزیزوں کی زندگی میں بھی ملتی ہے۔ کوئی ماں جس کا بچہ آگ کی طرف بڑھ رہا ہو کیا وہ آرام سے بستر سے لیٹی ہوئی سو سکتی ہے؟ ایک کروٹ بدل کر بچے کو آگ میں جاتے ہوئے دیکھے اور دوسری کروٹ لے کر، پھر وہ آرام سے سو جائے یہ ناممکن ہے۔ وہ تو دیوانے کی طرح جھپٹے گی اگر آگ میں بچہ داخل بھی ہو جائے تو اس آگ میں خود اپنے آپ کو جھونک دے گی کہ کسی طرح میں اس بچے کو وہاں سے نکال لوں۔ یہ انسانی جذبے کی سچائی اپنی انتہا پر پہنچ کر اپنی روشن ترین صورت میں ہمیں دکھائی دیتی ہے اور آنحضرت ﷺ کے متعلق تو قرآن فرماتا ہے کہ اپنے ماں باپ سے بڑھ کر اس سے محبت کرو۔ ہر دوسرے رشتے سے زیادہ اسے چاہو۔ یہ ناممکن تھا کہ خدا ہم سے یہ مطالبہ کرتا اگر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ماں باپ سے بڑھ کر ہم سے محبت نہ کرتے اور ہر دوسرے رشتے سے بڑھ کر ہمیں نہ چاہتے تو قرآن کو آپؐ سمجھیں تو پھر آپ کو سمجھ آئے گی کہ کیسا عظیم رسولؐ تھا جس کی غلامی کا شرف ہمیں بخشا گیا ہے۔

پس جو بھی اسلوب ہیں محمد رسول اللہ ﷺ ہی سے سیکھنے ہیں اور آپؐ سے سیکھے بغیر ہم اپنے مقاصد کو ہرگز حاصل نہیں کر سکتے۔ پس سورہ الکہف نے جس دل کا ذکر کیا ہے انذار سنتے ہی کس قدر بے چین ہوا کہ اللہ نے مضمون کو روک کر ٹھہر کر فرمایا! اے میرے بندے! ان کی خاطر اپنے آپ کو ہلاکت میں مبتلا نہ کر لیکن یہ دل تو نہیں بدلا کرتا اللہ تعالیٰ نے تو پیار کے اظہار کے طور پر اور آئندہ زمانوں میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی گہری صداقت کے اظہار کے طور پر یہ گواہی رکھ دی ورنہ آنحضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم اس سے باز تو نہیں آئے مسلسل بنی نوع انسان کے غم میں مبتلا رہے اور اسی غم کے نتیجے میں اور اس یقین کے نتیجے میں کہ انذار ضرور سچا ہے آپؐ پیغام پہنچاتے رہے۔ پس کسی کا یہ کہنا کہ میں نماز پڑھ لیتا ہوں، میں عبادت کرتا ہوں یا کوئی احمدی یہ کہہ دے کہ میں چندے

بھی دے رہا ہوں، اب اور کیا کروں اور یہ کرو کہ اپنے وجود کو جھونک دو اس آگ میں، جو محبت کی آگ ہے، جس کے بغیر آپ کے دل کی سچائی ثابت نہیں ہو سکتی، جس کے بغیر آپ کا بنی نوع انسان سے ہمدردی کا دعویٰ محض جھوٹا اور فرضی دعویٰ ہے۔

پس اگر آپ دل کی گہرائی سے بنی نوع انسان کو بچانا چاہتے ہیں تو پہلے تو یہ جذبہ پیدا کریں، سچی ہمدردی جو روزمرہ آپ اپنے گھر میں اپنے بچوں سے کرتے ہیں، اپنے اہل و عیال سے کرتے ہیں، اپنی بہنوں، بھائیوں سے کرتے ہیں یا عزیز دوستوں سے، ان کو نقصان میں جاتا دیکھ کر اگر آپ سچے ہیں تعلق میں، تو آپ چین سے نہیں بیٹھ سکتے۔ پس کیا یہ سچ ہے کہ یہ قومیں اپنے شرک کی وجہ سے ان تمام نعمتوں کو پانے کے بعد آخر صفحہ ہستی سے مٹا دی جائیں گی۔ اگر یہ سچ ہے اور یقیناً سچ ہے کیونکہ قرآن نے بیان فرمایا اور ایسے حالات میں بیان فرمایا جب قرآن ان باتوں کو بیان کرنے کی، اگر بندے کا کلام ہوتا تو، اہلیت ہی نہیں رکھتا تھا۔ کہاں وہ زمانہ عرب کے صحراؤں کا، کہاں ان غاروں کا ذکر، جو سینکڑوں سال، ہزار سال سے زیادہ بعد کے عرصے میں دریافت ہونی تھیں اور سینکڑوں سال پہلے بنائی گئی تھیں، جن کی اشارۃً بھی کوئی خبر اہل عرب کو نہیں تھی اور پھر ان کے اندر کے راز، کس قسم کے لوگ ان میں ملیں گے، کس قسم کے صحیفے انہوں نے پیچھے چھوڑے ہیں۔ یہ خدا کے سوا کسی اور کا کلام ممکن نہیں۔ پس جب قرآن سچا ہے تو وہ خبریں جو آئندہ زمانے کی دی گئی ہیں جن میں سے بعض ہم نے پوری ہوتی دیکھ لی ہیں۔ وہ یقیناً سچی ہیں ان میں ادنیٰ بھی شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے پھر آپ کیسے آرام سے بیٹھتے ہیں۔ پھر کیوں گھر گھر منادی نہیں کرتے، پھر کیوں اپنے دوستوں کو اس پیغام کی طرف بلاتے نہیں ہیں، کیوں ان کو پیار سے سمجھاتے نہیں ہیں؟ اور سمجھانے کا جو انداز قرآن نے آپ کو سکھایا ہے وہ کیوں اختیار نہیں کرتے۔ بجائے اس کے کہ بائبل کی بحثوں میں پڑ کر ان آیات کے کچھ مختلف معنی نکالنے کی کوشش کریں جن کے مختلف معنی عیسائی کرتے ہیں۔ صاف سیدھا توحید کا پیغام دیں جو ہر انسان کی فطرت میں گوندھی گئی ہے۔ یہ ایسا پیغام ہے جس کو ہر سعید فطرت انسان دل سے قبول کرنے کے لئے تیار بیٹھا ہے۔ لیکن اگر جھگڑے کے بغیر، ہمدردی سے یہ پیغام دیا جائے اور بجائے اس کے کہ یہ کہا جائے کہ تم لوگ ہلاک ہو، تم بہت گندے لوگ ہو، گویا تم نے عیسائیت کو چھوڑ دیا۔ ان آباؤ واجداد کا ذکر کیوں نہیں کرتے جن کا ذکر قرآن نے کیا اور

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے دل کی تسلی کے لئے وہ پاکباز کہانیاں آپ کے سامنے پیش کیں، جو پاکباز لوگوں سے تعلق رکھتی تھیں۔

اتنا عظیم الشان آغاز ہے عیسائیت کا کہ قرآن نے جیسا خراج تحسین اس کو پیش فرمایا ہے ویسا کسی اور قوم کی تاریخ بیان کرتے ہوئے اس طرح تفصیل سے بیان نہیں فرمایا۔ سینکڑوں سال کی تاریخ غاروں کے حوالے سے بیان فرما دی گئی۔ وہ تاریخ جو لکھی گئی اور ان غاروں میں محفوظ کر دی گئی اس کا ذکر فرمایا گیا اور کہا دیکھو کتنے عظیم بندے تھے عیسیٰؑ کے ماننے والے، جو اسے پوجتے نہیں تھے جو اس کی طرح خدائے واحد کو پوجتے تھے اور جس طرح خدائے واحد کی خاطر عیسیٰؑ نے اپنی زندگی تمام عمر مصیبتوں میں مبتلا کر دی، مصیبتوں میں جھونک دی اسی طرح ان پاک بندوں نے اپنے آقا کی غلامی کا سچا حق ادا کیا اور سطح زمین کی لذتوں کو چھوڑ کر غاروں میں چلے گئے۔ ان کا ذکر کیوں نہیں کرتے، وہ آپ ذکر کریں تو پھر آپس میں مدمقابل دو کیمپوں کی سی کیفیت نہیں ہوگی بلکہ آپ ان کے ساتھ چل کر ان کے پاک ماضی کا ذکر کرتے ہوئے انہیں پاک مستقبل کی طرف دعوت دینے کی کوشش کریں گے اور یہ ایک نہایت ہی حکیمانہ طریق ہے جو محبت کے ساتھ بغیر کسی جھگڑے کو طول دیئے انسان کے دل میں راہ پا جاتا ہے۔ یہ وہ طریق ہے جو دل سے نکلتا ہے اور دل تک راہ پاتا ہے۔

پس سب سے پہلے سچی ہمدردی اور پیار کے ساتھ خود اپنے دل کو متأثر کریں اور غور کریں کہ آپ کون ہیں، کیا ہیں، کیا یہ واقعی سچ ہے کہ اگر یہ لوگ انذار کی طرف جا رہے ہیں تو آپ کے لئے خوشخبریاں مقدر ہیں اور آپ کو یقین ہے اور ہونا چاہئے کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جتنی نیک خبریں جماعت احمدیہ کو دی تھیں اب ہم اس دور میں بڑی تیزی سے داخل ہو رہے ہیں جبکہ وہ خبریں پہلے سے بڑھ کر شان کے ساتھ نمایاں طور پر چاند سورج کی طرح روشن ہو کر ہمارے سامنے ظاہر ہو رہی ہیں۔ اس دور میں داخل ہونے کے بعد کیا آپ کو خوش خبریوں پر یقین نہیں۔ اگر ہے تو پھر ان خوشخبریوں کے مزے کیسے لوٹیں گے جبکہ آپ کا سارا ماحول ہلاک ہو رہا ہوگا۔ ایک انسان جسے نعمتیں میسر ہوں وہ کیا بھوکوں میں بیٹھ کے بھی اکیلا ان نعمتوں سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ پس پھر وہی دل کی بات ہے، انسانی قدروں کی بات ہے اگر آپ کے دل میں حقیقت میں انسانیت سے تعلق ہو تو ان کے غم کی خبر آپ کو بے چین کر دے گی تا کہ ان کو غم سے بچانے کی کوشش کریں اور اپنی خوشیوں کا

خیال آپ کو اور زیادہ انگیخت کرے گا کہ اپنے ساتھ کچھ اچھے لوگ خوشیوں میں شامل کرلیں ورنہ وہ نعمت کیا نعمت ہوگی جبکہ ارد گرد لوگ بھوکوں مر رہے ہوں اور ایک انسان بیٹھا اکیلا ان نعمتوں سے استفادہ کر رہا ہو۔

جماعت احمدیہ کو تو اللہ تعالیٰ نے ایک گداختہ دل عطا فرمایا ہے۔ یہاں تک کہ مجھے بعض دفعہ دنیا کے کونے کونے سے جو خط ملتے ہیں ان میں یہ ذکر ملتا ہے کہ آپ نے جب بوسنیا کے مظلومین کا ذکر کیا، ان کے مظلوم فاقہ کشوں کا ذکر کیا تو کچھ دیر کے لئے تو ہمیں کھانے کی لذتیں بھول گئیں۔ ہماری زندگی کے سکون حرام ہو گئے، بعض کہتے ہیں ہم نے رو رو کر ان کے لئے دعائیں کیں اور دل چاہا کہ جو کچھ ہے ہم قربان کر دیں ایک احمدی خاتون میرے پاس آئی۔ اس نے کہا یہ میرا سر سے پاؤں تک کا سارا زیور، یہ میری مظلوم بوسنیا کی بہنوں کے لئے وقف ہے۔ میں نے کوشش کی کہ کچھ تو اس کو واپس کر دوں تو رو پڑی کہ مجھے یہی ڈر تھا۔ خدا کے لئے اگر آپ میری خوشی دیکھنا چاہتے ہیں تو ایک ذرہ بھی اس کا واپس نہ کریں، تمام تر لے لیں، میں ننگے بدن زیوروں کے بغیر زیادہ اچھی ہوں، کیونکہ مجھے زیادہ سکون مل رہا ہے۔ اس خیال سے کہ یہ میری مظلوم بہنوں کے کام آئے گا۔ یہ دل گداختہ ہے جو خدا نے احمدیت کو عطا فرمایا ہے یہ دل اگر کسی سینے میں نہیں ہے تو وہ احمدی کی حقیقت سے ناآشنا ہے۔ اس کو معلوم نہیں ہے کہ احمدیت اس کے لئے کیا کیا لذتیں رکھتی ہے احمدیت کا غم چونکہ لوگوں کی بھلائی کا غم ہے یہ غم بھی لذیذ ہے اس غم کا بھی ایک الگ مزہ ہے جو دنیا کے غموں سے مختلف ہے اور احمدیت کی خوشیاں بھی دنیا سے الگ ہیں کیونکہ اپنے بھائی کو اپنی خوشیوں میں شریک کر کے آپ زیادہ خوش ہوتے ہیں۔ یہی وہ دو چیزیں ہیں جو تبلیغ میں آپ کی مدد ہو سکتی ہیں آپ کے لئے کارآمد ہو سکتی ہیں اس کے بغیر آپ کیسے تبلیغ کریں گے۔

مجھے نارتھ امریکہ کے دونوں ملکوں سے شکوہ ہے کہ یہاں تبلیغ کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جا رہی ہے، ہے تو، انفرادی ہے۔ کہیں اتفاق سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی سعادت مند دل ہے جو اتفاق سے پیدا ہو گیا ہے۔ دیکھیں صحراؤں میں بھی تو نخلستان ملتے ہیں، سارے کا سارا صحرا تو ویرانہ نہیں ہوا کرتا۔ تو انسانوں میں بھی نخلستان ہیں جو کوششوں کے نتیجے سے پیدا نہیں ہوتے۔ کسی قومی کوشش یا سائنسی آلات کے استعمال سے وہ نہیں ہوا کرتے۔ یہ اللہ کے احسان کی چھینٹیں ہیں جن

سے دنیا کا ہر خطہ کسی نہ کسی رنگ میں فائدہ اٹھاتا ہے۔ قوموں میں بھی، اسی طرح اچھے لوگ عیسائیت میں بھی ہیں، یہودیت میں بھی ہیں، مشرکوں میں بھی ایسے اچھے نیک دل لوگ مل جاتے ہیں، تو احمدیت میں تو زیادہ ملنے چاہئیں اور ملتے ہیں۔ ایسے لوگ ہیں جو اپنے آپ کو وقف کئے ہوئے ہیں تبلیغ کے لئے اور انہی کا کھایا انہی کی کمائی آپ سب مل کر کھاتے اور اپنی طرف سے فخر سے کہتے ہیں کہ اس سال کینیڈا کو دو سو بنانے کی توفیق ملی اور اس سال تین سو بنانے کی توفیق ملی اور چار سو غیر مسلموں کو مسلمان کرنے کی توفیق ملی حالانکہ آپ میں سے اکثریت ایسی ہے جن کا کوئی بھی اس میں کام نہیں تھا۔ گنتی کے پانچ، دس، پندرہ ہوں گے جن کی محنتوں کا یہ پھل ہے اور بڑے فخر سے ہم کہہ کر اس میں شامل ہو رہے ہیں۔ بھئی ہم تو ہیں لیکن ہم نے کام کیوں نہ کیا مل کے؟ محنت کی دفعہ وہ الگ ہو گئے اور آپ الگ رہے اور جب پھل بانٹنے کا وقت آیا تو ہم کہہ کر سارے شامل ہو گئے یہ تو جائز بات نہیں۔ آپ میں سے ہر ایک کو مبلغ بننا ہو گا۔ چھوٹے بڑے، بوڑھے جوان، مرد عورت، ہر ایک کو اپنے دائرے میں تبلیغ کرنی ہو گی اور جنہوں نے ایسا شروع کیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑے پھل عطا کرنے شروع کر دیئے ہیں۔ حیرت انگیز پاک تبدیلیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ عالمِ احمدیت جاگ اٹھا ہے اور جاگنے کے وقت کی سنسناہٹ کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں۔ جس طرح صبح جاگتی ہے تو رات کی خاموشیاں ایک عجیب قسم کی بھنبھناہٹ میں تبدیل ہو جاتی ہیں اس طرح کل عالم احمدیت میں ایک منظر ہے، ہر طرف جاگ ہو رہی ہے، اٹھ رہے ہیں جیسے صبح سویرے ہل لے کر زمیندار کھیتوں کی طرف چل پڑتے ہیں کام کرنے والے اپنے ہتھیار لے کر کاموں کی طرف چل پڑتے ہیں ویسا ہی منظر دنیائے احمدیت میں دکھائی دے رہا ہے۔ یہاں کیوں دکھائی نہ دے؟ نارتھ امریکہ کے ملکوں کا کیا قصور ہے کہ یہاں خدا کی وہ رحمتیں نازل نہ ہوں۔ اس لئے اپنے دلوں میں پاک تبدیلیاں پیدا کریں اور اس جذبے کو اپنے دل میں جاگزیں کر لیں، اپنی زندگی کا مقصد بنالیں۔ جن مقاصد کو لے کر آپ دنیا کماتے ہیں وہ ایسے مقاصد ہیں جو آپ کی ساری زندگی پر قابض ہو جایا کرتے ہیں۔ ہر نقصان آپ کو تکلیف دیتا ہے ہر فائدے کی خوشی ہوتی ہے اور جب تک ان مقاصد کو آپ حاصل نہ کر لیں آپ چین سے بیٹھ ہی نہیں سکتے۔ یہ اپنائیت پیدا کریں خدا کے پیغام سے اور جیسا کہ میں نے بار بار آپ کو سمجھانے کی کوشش کی ہے یہ اپنائیت یقین کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتی۔

انذار کا یقین کہ لازماً خدا نے جو خبریں انذار یعنی ڈرانے کے طور پر خدا کے رستے سے ہٹنے والوں کے لئے دی ہیں وہ سچی ہیں، ضرور پوری ہوں گی اور تبشیر اور بشارت کا یقین کہ اللہ تعالیٰ اپنے ان پاک بندوں پر ضرور رحمتیں نازل فرمائے گا جو ان قوموں کو بچانے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دیتے ہیں۔ یہ دو باتیں ہیں جو آپ میں قوت عمل پیدا کریں گی اور اسلوب تبلیغ کا خدا نے خود ہی بتا دیا ہے۔ ہمدردی اور پیار سے بات کرو، دلیلیں تو بعد کی باتیں ہیں۔ انسان کی نظر سچے دل کے اوپر پڑا کرتی ہے اور میں نے بارہا اسلام قبول کرنے والوں یا غیر احمدیوں میں سے احمدی ہونے والوں سے سوال کئے ہیں اور اکثر میں ان سے پوچھتا ہوں جب ملتے ہیں، کہ تمہیں کس بات نے متأثر کیا۔ یہ جواب اکثر کا ہے کہ ہمارا فلاں دوست تھا وہ دل کا سچا تھا، اس کے اندر گہرے اخلاق تھے، اس کے اندر سچا پیار تھا اور قربانی کا جذبہ تھا اور اس نے ہمیں متأثر کیا اور پیغام بعد میں آیا ہے۔ تو اصل حقیقت یہ ہے کہ پیغام خواہ کیسا ہی سچا ہو، کتنی ہی اس میں دل جیتنے اور عقلوں کو قائل کرنے کا مادہ موجود ہو تب تک مؤثر نہیں ہوسکتا جب تک کہ پیغام پیش کرنے والا اپنے حسن کی ٹرے میں، مجمع میں سجا کر اسے پیش نہ کرے۔ دیکھو اچھی چیزیں بھی اگر برے طریق پر پیش کی جائیں تو انسان اس کو رد کر دیتا ہے۔ کسی گندے اور غلیظ برتنوں میں آپ اچھے سے اچھا کھانا پیش کریں لوگ اس کو حرص کی نظر سے تو کیا دیکھنا نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے ٹھوکر مار کر اسے توڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کبھی کسی غلیظ گندے برتن میں آپ کو خدانخواستہ اگر کھانا پیش کیا جائے تو سوچیں آپ کے دل کی کیا کیفیت ہو گی۔ مگر بعض لوگ سلیقے سے بات کرتے ہیں، سلیقے سے چیز پیش کرتے ہیں وہ معمولی غریبانہ کھانا جسے دال روٹی کہا جاتا ہے وہ بھی پیار، محبت کے ساتھ، سلیقے کے ساتھ، طشتری میں سجا کر آپ کے سامنے رکھیں تو آپ اسی محبت اور پیار سے کھائیں گے خواہ آپ کو بھوک نہ بھی ہو تو دو نوالے لے لیں گے۔

تو تبلیغ کا ڈھنگ یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا دل پیدا کریں اور جتنے احمدی کامیاب مبلغ ہیں سب اسی دل کے فیض سے تبلیغ کرتے ہیں۔ سچا پیار بنی نوع انسان سے ہو ان کے غم کو اپنا غم بنائیں ان کی فکروں کو اپنی فکر بنالیں، ان کے بد انجام پر نظر رکھتے ہوئے ان کو بچانے کی کوشش کریں، اس کے سوا اور کوئی تبلیغ کا رستہ نہیں اور وہ خوشیاں جن کے وعدے آپ کو دیئے گئے ہیں سوچیں کہ ان لوگوں کے جو آپ کے ماحول میں بستے ہیں ان کے ہلاک ہونے کے نتیجے میں آپ

کیسے خوش ہوں گے۔ پس سچی انسانیت کے بغیر کوئی کام ممکن نہیں۔ تبلیغ کے لئے سچی گہری انسانیت کی ضرورت ہے خدا کی طرف سے پاک ہوائیں چلائی جارہی ہیں، کل عالم میں چلائی جارہی ہیں۔ آپ پر سے بھی یہ ہوائیں گزر رہی ہیں لیکن یہ ہوائیں جہاں فیض برساتی ہیں اگر وہاں ریگستان ہو تو کچھ ان حصوں پر ضرور فیض برسا جاتی ہیں جو خدا کے فضل کے ساتھ اگانے کی صلاحیت رکھتے ہیں ورنہ ریگستان ہی رہتا ہے۔

پس اپنے دلوں کی حالتوں کو تبدیل کریں اور زرخیز زمینیں بنائیں تا کہ کل عالم پر جو خدا کے فضل کی برساتی اور نمود دینے والی ہوائیں چلائی جارہی ہیں ان سے آپ بھی فیض پائیں اور آپ کے اردگرد بسنے والے بھی فیض پائیں۔ ان قوموں میں آپ غریب ملکوں سے آئے ہیں، ان سے استفادہ کرتے ہوئے یہ بھی تو خیال کریں کہ آپ پر فرض ہے کہ ان کو کچھ فیض پہنچائیں۔ یک طرفہ فیض ان سے لیتے چلے جائیں اور جھوٹے شکوے کریں کہ ان لوگوں میں (Racism) ریس ازم پایا جاتا ہے، یہ ہمیں نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یہ جھوٹے شکوے اس لئے ہیں کہ اگر آپ اس فیض کے بدلے ان کو فیض نہیں پہنچاتے تو پھر واقعۃً آپ کو یہاں رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ پس احمدیت تو فیض سے مالا مال ہے دنیاوی فیض ان سے حاصل کریں اس سے بہت بہتر روحانی فیض ان کو پہنچائیں۔ اور آپ میں سے ہر ایک اپنے آپ کو اس کے لئے وقف کر دے جب تک آپ صاحب اولاد نہ ہوں، آپ میں سے ہر ایک میرا مخاطب ہے۔ اس وقت تک لوگوں کے صاحب اولاد سے آپ کیسے خوشیوں کے جشن منائیں گے۔ وہ مائیں جو اولاد سے محروم رہتی ہیں ان کی بہنوں، ان کے بھائیوں، ان کے عزیزوں کے ہاں جب پیدائش کے بعد پیدائش ہوتی ہے، خوش تو ہوتی ہیں مگر روتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ، ان کے دل غمگین ہوتے ہیں اور علیحدگی میں سجدہ ریز ہو کر اللہ کے حضور گریہ وزاری کرتی ہیں کہ اے خدا ہمیں کیوں اس خوشی سے محروم رکھا ہے۔ تو دنیائے احمدیت پر نظر ڈال کر ان کے ہاں جو روحانی پیدائشیں ہو رہی ہیں ان کو بھی اس سچی آنکھ سے دیکھیں اور اگر آپ اس روحانی پیدائش سے محروم ہیں تو اس طرح خدا کے حضور سجدہ ریز ہوں کہ جس طرح ہمارے طرح دوسرے بھائیوں کو روحانی اولاد سے متمتع فرما رہا ہے کچھ رحم و کرم کی چھینٹیں ہم پر بھی ہوں۔ اس سچے دل اور نیک دعاؤں کے ساتھ اگر آپ کام کریں گے تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ انقلاب یہاں بھی

ضرور برپا ہوگا اور دیکھتے دیکھتے آپ کی کایا پلٹ جائے گی اور آپ کا ماحول بدلنا شروع ہو جائے گا۔ اللہ کرے کہ ایسا ہی ہو۔ آمین۔

اب چونکہ اس ہال کا وقت، جو جس مقصد کے لئے لیا گیا تھا ختم ہو رہا ہے، آپ نے سفر پر بھی جانا ہے اس لئے میں اس خطبے کو ختم کرتا ہوں اس امید پر کہ میرے دل کی باتیں جو دل سے اٹھی ہیں آپ کے دل میں جاگزیں ہوں گی اور اثر دکھائیں گی۔ اللہ کرے کہ ایسا ہی ہو۔ آمین۔

احمدی اپنے اندرونی تعلقات کو مثالی بنائیں بنی نوع انسان پر اسلام کے غلبے کے لئے یہی تیاری ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 7/اکتوبر 1994ء بمقام کیلگری، کینیڈا)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

چند ماہ پہلے جب مجھے کینیڈا آنے کی توفیق ملی تو صرف مشرقی کینیڈا کا دورہ تھا۔ٹورانٹو چونکہ جماعت کا مرکز ہے اس لئے وہیں تک دورہ محدود رہا اور مغربی کینیڈا کا کوئی پروگرام نہیں بن سکا۔اس دفعہ جب امریکہ کا پروگرام بنا تو ہمارے ایک دوست نے جو پہلے کینیڈا رہتے تھے اب امریکہ جا چکے ہیں، انہوں نے مجھے اس سے پہلے ایک وعدہ یاد دلایا کہ آپ نے جیسپر پارک میں کچھ دن ذاتی طور پر الگ ٹھہرنے کا ایک دفعہ ذکر کیا تھا اور میں نے آپ سے وعدہ لیا تھا کہ آپ میرے مہمان ہوں گے،تو اب آپ کو میں وہ یاد دلاتا ہوں۔ یہ پیغام مجھے کسی ذریعے سے ملا کہ اگر ہو سکے تو جیسپر پارک کا دورہ اس دفعہ رکھ لیا جائے پس وہ ذاتی دورہ جو جیسپر پارک کا تھا۔اللہ تعالیٰ نے اس پہلو سے بہت مبارک کر دیا کہ کینیڈا ہی کے مغربی حصے میں دو جمعے پڑھنے کی توفیق ملی ہے ایک جمعہ ایسی جگہ پڑھا گیا جہاں Vencover کی تقریباً تمام جماعت شامل ہوئی اور اس کے علاوہ Settel کی جماعت کی بھی بھاری نمائندگی وہاں تھی لیکن وہ پڑھا گیا کینیڈا کے ساحل میں،کینیڈا کی سرزمین میں یعنی بارڈر کراس کرنے کے بعد اور دوسرا جمعہ آج یہاں Calgary میں پڑھنے کی توفیق مل رہی ہے۔

مجھے افسوس ہے کہ وقت محدود ہونے کی وجہ سے آپ کی اور اپنی خواہش کو پورا کرنے کا موقع

نہیں مل سکتا۔ یعنی انفرادی، تفصیلی، ذاتی اور فیملی ملاقاتیں ممکن نہیں ہیں۔ چونکہ یہ ممکن نہیں تھا کہ سب سے مل سکتے، اگر ایسا کرتے تو مل بیٹھ کر جو اجتماعی گفتگو ہے اس کا وقت نہیں ملنا تھا۔ اس لئے میں نے امیر صاحب سے یہ درخواست کی کہ چند ایسے استثناء جو بعض دفعہ کرنے پڑتے ہیں ان کے سوا ذاتی اور فیملی ملاقاتیں نہ رکھی جائیں۔ اس لئے آج کا پروگرام یہ ہوگا کہ جمعہ کے بعد ہم ایک کسی ذاتی گھر میں جہاں پہلے سے انتظام ہے وہاں کچھ عرصے کے لئے جائیں گے۔ پھر پانچ بجے ہمارا باقاعدہ دوسرا جماعتی پروگرام شروع ہوگا اور پانچ بجے ایک گھنٹہ کی ملاقاتیں ہیں وہ بھی جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے استثنائی صورت میں ہیں بعض ایسی علامتیں ہیں جن سے میں پہلے کبھی وعدہ کر چکا تھا اور موقع پر مجھے یاد دلایا گیا اس لئے یہ مجبوری تھی اور بعض اور مصلحتوں کے پیشِ نظر جو جماعتی مصلحتیں بھی ہیں ملاقاتیں رکھنی پڑتی ہیں۔ کسی کو مقامی انتظامیہ سے یا امیر صاحب سے شکوے کا محل نہیں ہے۔ یہ مناسب نہیں ہوگا کہ لوگ کہیں کہ فلاں کی کروادی اور فلاں کی نہیں کروائی۔ جو کچھ بھی ہوا ہے میری ہدایت پر مشورے کے بعد اور میری اجازت سے ہوا ہے اس لئے اس بحث کو بے وجہ نہ چھیڑیں کہ کس کو موقع ملنا چاہئے تھا اور نہیں مل سکا۔ ہاں اجتماعی ملاقات کے لئے انشاء اللہ چھ بجے وقت رکھا گیا ہے چھ سے لے کر ساڑھے سات تک انشاء اللہ ہم اکثر حصہ مردوں میں بیٹھ کر گفتگو کریں گے۔ جس نے اپنا تعارف کروانا ہوا اسے موقع ملے گا۔

بہت سے ایسے احمدی دوست ہیں جو پاکستان سے یا کسی اور کینیڈا کے حصے سے اس علاقے میں میرے گزشتہ دورے کے بعد آئے ہیں اور ان سے جو خصوصاً پاکستان سے آئے ہیں ان سے تو دس گیارہ سال سے بعض سے بارہ سال سے ملاقات نہیں ہوئی۔ ان میں بھی آگے پھر مختلف قسمیں ہیں۔ جب ملاقات کے خواہشمندوں کی فہرست دیکھ رہا تھا میں نے امیر صاحب سے کہا کہ جب میں پاکستان ہوتا تھا تو بعض ان میں سے ایسے ہیں جب وہاں بھی ان کو ملنے کی خواہش نہیں ہوئی تو اب کینیڈا کا کیوں زائد حق تسلیم کیا جائے۔ اس لئے جو پرانے سلسلے سے گہرا تعلق رکھنے والے خدام ہیں، کاموں میں پیش پیش ہیں اور جماعتی خدمت کی وجہ سے حق رکھتے ہیں ان کو بہر حال فوقیت ملنی چاہئے۔ لیکن کم کرنے کے باوجود پھر بھی فہرست اتنی لمبی بن گئی تھی کہ تین گھنٹے میں بھی وہ چیدہ چیدہ ناموں کے ساتھ فیملی ملاقاتیں ممکن نہیں تھیں۔ یہ تو معذرت کا حصہ ہے انشاء اللہ باقی ملاقات چھ بجے اجتماعی طور پر ہم اکٹھے بیٹھیں گے اور آپ کو موقع ملے گا جو دوست بعد میں آئے ہیں وہ کھڑے ہو کر اپنا تعارف کروا

سکتے ہیں اور اس طرح آمنے سامنے بیٹھ کر سب سے اجتماعی گفتگو ہو جائے گی۔ امیر صاحب نے فرمایا ہے کہ اس کے بعد چند منٹ کے لئے خواتین میں بھی جانا ہوگا کیونکہ بہت سی خواتین ایسی ہیں جو بعد میں تشریف لائی ہیں ان کو بھی خواہش ہوگی کہ ان سے بھی گفتگو ہو جائے یہ تو حصہ ہے معذرت والا۔

اب میں اس سلسلہ مضمون کی طرف لوٹتا ہوں جس پر میں کچھ عرصے سے خطبات دے رہا ہوں۔ ایک لمبے عرصے تک میں نے عبادات کے موضوع پر خطبے دیئے۔ ان کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ان کی انسانی زندگی میں اہمیت کو واضح کیا اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ سے تعلقات درست کئے بغیر اس زندگی کا کوئی بھی مقصد نہیں رہتا۔ محض جانوروں کی طرح زندہ رہ کر، کھا پی کر مر جانا ہے اس کے سوا اس کی کوئی حقیقت نہیں اور یہی فرق ہے انسان اور حیوان میں کہ انسان کو وہ استعدادیں بخشی گئی ہیں، وہ نور فراست عطا کیا گیا ہے جس کے ذریعے وہ اللہ تعالیٰ سے ایک باشعور رابطہ قائم کر سکتا ہے۔ ویسے تو ہر مخلوق کا خدا سے ایک رابطہ ہے اور کوئی مخلوق خواہ آپ اسے بے جان سمجھیں بے شعور سمجھیں اللہ سے رابطے سے عاری نہیں ہے اور اپنی اپنی توفیق کے مطابق جسے ہم نہیں سمجھ سکتے اللہ کی حمد کرتی ہے۔ لیکن انسان اور باقی مخلوقات میں فرق یہ ہے کہ انسان وہ استعدادیں رکھتا ہے جس سے خدا تعالیٰ سے باشعور تعلق قائم کر سکتا ہے جیسے انسان کا انسان سے تعلق ہوتا ہے۔ یہ لمبا سلسلہ ہے جس کو انشاء اللہ جب نارتھ امریکہ میں ٹیلی ویژن کا کام جاری ہو جائے گا تو پھر ہم مناسب وقت میں سلسلہ وار دوبارہ شروع کریں گے کیونکہ آپ میں سے بھاری اکثریت ایسی ہے جو وہ خطبے نہیں سن سکی، ان کے لئے ممکن نہیں تھا لیکن وہ ضرورت بہت ہے کیونکہ اللہ سے تعلق استوار کئے بغیر انسان سے صحیح معنوں میں تعلق استوار نہیں ہو سکتے۔ تو یہ جو حصہ ہے یہ تو آپ آئندہ انشاء اللہ ایک دو ماہ کے اندر سلسلہ وار سن سکیں گے لیکن آج کل میں جس موضوع پر گفتگو کر رہا ہوں وہ انسانوں سے انسانوں کے تعلقات کا مضمون ہے جس کا گہرا تعلق اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اللہ تعالیٰ سے تعلق کے ساتھ ہے۔

ایک انسان جو خدا سے تعلق رکھتا ہے اس کے خدا سے تعلق کے حالات تو اکثر ہم پر پوشیدہ رہتے ہیں لیکن خدا سے تعلق کے نتیجہ میں وہ بنی نوع انسان سے جیسے تعلقات رکھتا ہے وہ ہمیں دکھائی دینے لگتے ہیں اور وہ ایک ایسی چیز ہے جسے چھپایا نہیں جا سکتا۔ اور وہی معاملات ہیں جن سے انسان کا باخدا یا بے خدا ہونا معلوم کیا جا سکتا ہے۔ ان تعلقات سے وہ رسمی تعلقات مراد نہیں جو مہذب

قوموں میں تہذیب کے نام پر جاری ہیں بلکہ وہ تعلقات مراد ہیں جو ایک باخدا سب سے بڑے باخدا، برگزیدہ انسان حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے اپنے اللہ سے تعلق کے نتیجہ میں سیکھے۔ اور خدا کی محبت کے نتیجے میں خدا کی مخلوق سے جو طبعی محبت پیدا ہوئی اور اس محبت کے جو تقاضے تھے وہ آپؐ نے نہ صرف خود ادا فرمائے بلکہ ہمیں بھی سکھایا کہ اگر تم باخدا ہو تو یہ کچھ کرنا ہوگا آپس کے تعلقات کو اس طرح درست کرنا ہوگا۔ ان تعلقات کی کمی بسا اوقات جماعت میں بھی نظر آتی ہے اور اس انسانی تعلق میں رخنوں کی وجہ سے مجھے ان کی عبادت میں رخنے دکھائی دینے لگتے ہیں۔ محض یہ کہنا کہ یہ انسانی تعلقات کی خرابیاں ہیں درست نہیں ہے۔ جس کے تعلقات اللہ سے درست ہوں اس کے انسانی تعلقات ہموار ہو جاتے ہیں اور ان میں بہت کم رخنے دکھائی دیتے ہیں بعض دفعہ رخنے دکھائی دیتے ہیں تو دیکھنے والے کی آنکھ کا قصور ہوتا ہے اور اس کی ٹیڑھی نظر ایک باخدا انسان کے انسانی تعلقات کو ٹیڑھا دیکھنے لگتی ہے۔ جیسا کہ بعض اندھے اور دشمن اسلام آنحضرت ﷺ کے انسانی تعلقات پر بھی حرف رکھنے لگتے ہیں۔ پس مراد یہ نہیں کہ ٹیڑھی آنکھوں والوں کو بھی یہ تعلقات درست دکھائی دیتے ہیں۔ عام سرسری نظر میں انسان جو تقویٰ کے اعلیٰ مدارج نہ بھی طے کر سکا ہو اگر معمولی انصاف کی نظر سے بھی دیکھے تو اسے خدا والوں کے تعلقات میں کوئی رخنہ دکھائی نہیں دے گا۔

پس اس پہلو سے میں جماعت کی تربیت کی کوشش کر رہا ہوں کیونکہ میں یہ یقین رکھتا ہوں کہ جب تک ہم بحیثیت احمدی مسلم اپنے اندرونی تعلقات کو مثالی نہ بنالیں اس وقت تک ہم بنی نوع انسان پر اسلام کے غلبے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ وہ اسلام کا غلبہ جو محض نظریاتی غلبہ ہو، جو کوئی اخلاقی انقلاب برپا نہ کر سکے، جو کوئی روحانی تبدیلی پیدا نہ کر سکے وہ بالکل بے معنی اور بے حقیقت ہے اور کبھی حضور اکرم ﷺ نے ایسے غلبے کی کوئی پیش گوئی نہیں فرمائی لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ فرمایا ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ تمام انسانوں پر اس مذہب کو غالب فرما دے گا۔ **فرمایا محمد رسول اللہؐ کو تمام ادیان پر غالب فرما دے گا یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کے اخلاق، محمد رسول اللہ ﷺ کا رہن سہن، آپؐ کا بود و باش، آپؐ کی طرز معاشرت، آپؐ کے بنی نوع انسان سے تعلقات، آپؐ کے خدا تعالیٰ سے تعلقات ہر دوسرے دین پر غالب آجائیں گے۔** اس کے لئے ضروری ہے کہ احمدی ایک ایسا خوب صورت آسمانی معاشرہ قائم کریں جس میں وہ جہاں جہاں بھی ہوں دنیا کو جزیروں کی طرح دکھائی

دینے لگیں۔ ایسے جزیروں کی طرح جو ان میں رہتے ہوئے بھی ان سے الگ ہوں اور نہایت دلکش اخلاقی مناظر پیش کرتے ہوں۔ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی اس مضمون میں جو متفرق نصائح ہیں ان میں سے بعض کا انتخاب میں پہلے کر چکا ہوں، بعض کا آج کے خطبے کے لئے انتخاب کیا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا اور یہ حدیث حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان فرمائی اور بخاری سے لی گئی ہے فرمایا اس کی طرف دیکھو جو تم سے کم درجے کا ہے، کم وسائل والا ہے، اس شخص کی طرف نہ دیکھو جو تم سے اوپر اور اچھی حالت میں ہے یہ شکر کا ایک انداز ہے۔

اب یہ بہت ہی مختلف الفاظ میں بہت گہری نصیحت ہے بہت سے انسانی تعلقات کے رخنے اس نصیحت کو نظر انداز کرنے کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں اول تو یہ غور طلب بات ہے کہ عام طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ اپنے سے نیچے لوگوں کو دیکھتے ہیں مگر حقارت سے دیکھتے ہیں۔ اپنے سے اوپر لوگوں کو دیکھتے ہیں مگر حسد کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے یہ کیوں فرمایا کہ اپنے سے نیچے کو دیکھو اور اوپر کو نہ دیکھو۔ یہ کیوں نہ فرمایا کہ اپنے سے نیچے کو دیکھو تو حقارت سے نہ دیکھو بلکہ محبت سے دیکھو۔ دوسری جگہ فرمایا ہے یہاں یہ نہیں فرمایا۔ اگر آپ غور کریں تو اس میں حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی بے حد گہری فراست کی روشنی ملتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جو شخص نیچے دیکھے اور حقارت سے دیکھ رہا ہو اس کے لئے ممکن ہی نہیں ہے کہ اوپر حسد سے نہ دیکھے کیونکہ جو نیچے حقارت سے دیکھ رہا ہو اس کے لئے ممکن ہی نہیں ہے کہ اوپر حسد سے نہ دیکھے کیونکہ جو نیچے حقارت سے دیکھا ہے اس کو یہ برداشت ہی نہیں ہو سکتا کہ اس سے اوپر بھی کوئی خوش حال انسان ہے۔ پس 'اوپر نہ دیکھے' نے اس مضمون کے ایک طرف کو ایسا قطع کر دیا ہے کہ دوسرے حصے پر اس کی بہت ہی عمدہ روشنی پڑتی ہے اور ساری بات کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ اپنے سے نیچے دیکھو اور اوپر نہ دیکھو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ جو حسد کا مادہ رکھتے ہیں جو کسی کی خوشحالی سے جلتے ہیں وہی لوگ ہیں جو اپنے سے کم تر لوگوں کی ضرورتوں سے بے نیاز ہو جاتے ہیں اور ان سے بے پرواہ ہو جاتے ہیں۔ ان کی طرف نہ دیکھنے سے مراد یہ ہے کہ اگر نظر ڈالیں گے تو حقارت کی نظر ڈالیں گے ورنہ ان کی پرواہ ہی کوئی نہیں کہ نیچے کون لوگ ہیں۔

آنحضورؐ نے فرمایا کہ جب تم دیکھو تو نیچے کی طرف دیکھو اور اوپر نہ دیکھو اس سے شکر پیدا ہوتا ہے۔ اوپر اگر انسان دیکھتا رہے اور ان لوگوں کو دیکھے جو ان سے بالا ہیں ان کو خدا نے دولتیں اور

دوسرے انعامات زیادہ عطا کئے ہیں یا ذہنی اور قلبی صلاحیتیں زیادہ بخشی ہیں تو ایسے شخص کی زندگی ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہتی ہے اور ہمیشہ ناشکری کے خیالات دل میں پیدا ہوتے رہتے ہیں کہ اس کو تو اللہ تعالیٰ نے یہ دیا، مجھے نہیں دیا، اس نے یہ اپنے ذرائع سے حاصل کر لیا اور میں نہیں کر سکا، تو ساری زندگی میں ایک تلخی گھولی جاتی ہے لیکن ایک انسان اگر نیچے کی طرف دیکھنے کا رجحان رکھتا ہو تو وہ لوگ جو اس سے کئی طرح سے کم تر ہیں، ذہنی لحاظ سے کم تر ہیں یا جسمانی استعدادوں کے لحاظ سے کم تر ہیں یا مالی استعدادوں کے لحاظ سے کم تر ہیں، رہن سہن اور دنیا کے دیگر آرام کے ذرائع میں وہ نسبتاً کم تر ہیں تو اس کی توجہ ان کے لئے ہمدردی اور احسان کے زاویہ سے ہوگی اور حقارت کے زاویہ سے نہیں ہو گی کیونکہ اس کے ساتھ آنحضرت ﷺ نے شکر کی شرط لگا دی ہے کہ یہ میں تمہیں شکر کا طریق سکھا رہا ہوں۔ پس جو شخص اپنے سے کم تر کو دیکھے وہ ہمیشہ شکر میں مبتلا رہے گا کہ اللہ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ مجھے یہ بھی میسّر ہے اور وہ بھی میسّر ہے اور ان ان صلاحیتوں میں مَیں اس سے بہتر ہوں۔ پس اس پہلو سے اگر آپ دنیا میں تمام معذوروں اور مجبوروں کو دیکھیں یا غریبوں کو دیکھیں یا مظلوموں کو دیکھیں تو آپ کے اندر ہمیشہ یہ احساس تشکر زندہ رہے گا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہتوں سے بہتر انعام عطا فرمائے ہیں جن کے آپ حق دار نہیں تھے، جو آپ نے کمائے نہیں ہیں کیونکہ اگر آپ اپنے آپ کو حق دار سمجھیں اور یہ یقین کریں کہ یہ کچھ آپ نے کمایا ہے تو پھر شکر کا جذبہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

؎ سب کچھ تیری عطا ہے گھر سے تو کچھ نہ لائے (درثمین: 36)

بہت پیارا شعر ہے اور اسی مضمون پر روشنی ڈال رہا ہے کہ وہ شخص جو یہ سمجھتا ہو کہ جو کچھ بھی ملا ہے اللہ کی نعمت ہے اور اس کی مرضی ہے وہ مالک ہے جتنا چاہے دے اسی پر ہم راضی رہیں اور پھر یہ یقین کریں کہ یہ ہماری محنت یا حق کے نتیجے میں نہیں ہے بلکہ عطا کے نتیجے میں ہے تو ایسے انسان کی زندگی غربت اور تکلیف میں بھی سنور جاتی ہے۔ اور اس کا روزمرہ کا اپنے ماحول سے برتاؤ اور ان سے اٹھنا بیٹھنا اور ملنا جلنا ایک شکر گزار بندے کی طرح ہو جاتا ہے۔ اپنے سے کم تر سے وہ جب ملتے ہیں تو احسان کے ساتھ ملتے ہیں اور جو شکر گزار ہو اور یہ سمجھے کہ میرا حق نہیں تھا مجھے عطا کیا گیا ہے۔ وہ جو محروم ہیں ان کے لئے ان کے دل میں زیادہ ہمدردی پیدا ہوتی ہے اور ان کے لئے خرچ کرنے پر تیار

رہتے ہیں اگر یہ نہ کر سکیں تو ان کے لئے دعائیں کرتے ہیں اور ان سے شرمندہ رہتے ہیں کہ یہ جوان کو نہیں ملا اور مجھے ملا ہے، اگر میں حق دار نہیں تھا تو پھر لازم ہے کہ ان کے لئے کچھ نہ کچھ کروں اور ان کی تکلیفوں کو کم کروں اور ان کی خوشیوں میں اپنی خوشیاں شریک کر دوں۔ یہ وہ مضمون ہے جو بڑا وسیع ہے اس مضمون پر بعض دفعہ میں نے پورے خطبات صرف کئے ہیں لیکن اتنا گہرا اور تفصیلی وسیع مضمون ہے کہ اس کا ایک دو خطبوں سے حق ادا نہیں ہو سکتا۔

بہر حال حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث میں بہت ہی گہری فراست ہے اور تمام انسانی نفسیات کا نچوڑ ہے۔ اگر آپ اس پر عمل نہیں کریں گے تو اس وقت جو باقی دنیا کا حال ہے وہی حال جماعت کا ہو جائے گا وہ سب ایک دوسرے سے اموال میں بڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں اور یہ کوشش حسد کے نتیجے میں ہے ایک دوسرے کو اچھا دیکھ نہیں سکتے اور یہ حال جب معاشرے میں ہو جائے تو گھر گھر آپس میں بٹ جاتے ہیں۔ جس بلا کا نام ہمارے ملک پنجاب میں شریکہ رکھا جاتا ہے، یہ وہی بلا ہے جو ایک دفعہ وارد ہو جائے تو گھروں کو اجاڑ دیتی ہے اور پیچھا نہیں چھوڑتی۔ ایک خاندان کا حصہ ہے وہ نسبتاً غریب ہے دوسرا خاندان ہے اللہ تعالیٰ نے دوسرے حصے پر نسبتاً زیادہ نعمت عطا فرما رکھی ہے تو ان کو دیکھتے ہیں اور آگ لگ جاتی ہے کہ یہ کیوں ہم سے اچھے ہیں۔ اور اس کے نتیجے میں دشمنیاں پیدا ہوتی ہیں اور شریکے کی دشمنیاں کئی قسم کے بدرنگ اختیار کر لیتی ہیں، رشتے اجڑ جاتے ہیں۔ آپس میں تعلقات کے نتیجے میں یعنی دنیاوی تعلقات کے نتیجے میں بعض رشتے بھی کرنے پڑتے ہیں اور وہ رشتے نعمت کی بجائے عذاب بن جاتے ہیں۔ پس یہ بہت ہی بڑی ہلاکت ہے جس سے آنحضرت ﷺ نے اس نصیحت کے ذریعے ہمیں بچا لیا۔ میں امید رکھتا ہوں کہ ان تمام قوموں میں، ان تمام خاندانوں میں جن میں یہ وبا موجود ہے، یہ بلا آپڑی ہے کہ وہ اچھے کو اچھا نہیں دیکھ سکتے، وہ اس نصیحت کو سن کر اس پر عمل کر کے اپنی زندگی میں انقلاب برپا کرنے کی کوشش کریں گے، اپنے سے نیچے کو دیکھیں گے ان سے ہمدردی کا سلوک کریں گے۔ اگر یہ سلسلہ ہو تو سلسلہ وار سب سے اچھا، اپنے سے کم تر، سب سے جھک کر ملے گا اور وہ اس سے حسن سلوک کرے گا۔ اس کی نعمت سے باقی خاندان کے لوگ بھی حصہ پائیں گے، اس کی رحمت اور شفقت کا باقی سب بھی مورد بنیں گے اور اس طرح یہ تعلقات نفرتوں اور حسد پر منتج ہونے کی بجائے آپس میں ایک دوسرے کے

ساتھ حسن واحسان کے سلوک پر منتج ہو جائیں گے۔

ایک اور حدیث ہے بخاری سے لی گئی ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تین شخص ایسے ہیں جن سے قیامت کے دن میں سخت باز پرس کروں گا۔ایک وہ جس نے میرے نام پر کسی کو امان دی اور پھر دھوکہ بازی اور غداری کی۔

ایسی مثالیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت میں تو کوئی نہیں ملتیں میرے علم میں کبھی ایسی بات نہیں آئی کہ جماعت میں کسی نے خدا کے نام پر کسی کو پناہ دی ہو اور پھر اس سے دھوکہ بازی کی ہو لیکن جو جماعت کے دشمن مولوی ہیں ان میں بارہا ایسی مثالیں نظر آتی ہیں۔ابھی دو تین دن پہلے بنگلہ دیش سے ایک فیکس ملی کہ ایک علاقے کے مولوی نے وہاں کے نو احمدیوں کو خدا کے نام پر وعدہ کر کے بلایا کہ آؤ ہم گفتگو کرتے ہیں،تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اور بڑے اچھے پاکیزہ ماحول میں گفتگو ہوگی مگر خدا کے نام کی پناہ دے کر پھر غنڈوں سے حملہ کروایا اور کئی تقریباً جان کنی کی حالت میں جا پہنچے۔ تو یہ وہ مضمون ہے جس کو آنحضرت ﷺ نے بیان فرماتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تین شخص ایسے ہیں جن سے میں قیامت کے روز سخت باز پرس کروں گا ان میں سے ایک وہ ہے جو میرے نام کی پناہ دے کر پھر دھوکہ کرے اور کسی کو یہ یقین دلا کر کہ اللہ کی امان میں آچکے ہو تمہیں کوئی خطرہ نہیں پھر اسے اپنے شر کا نشانہ بنائے اس کو میں کبھی معاف نہیں کروں گا اور اس سے سختی کا سلوک کروں گا۔

پھر فرمایا دوسرا آدمی وہ ہے جس نے کسی آزاد کو پکڑ کر دھوکہ بازی اور غداری کی اور اپنے فائدے کے لئے آگے بیچ دیا،اس کی قیمت کھا گیا۔

اس سے پتا چلتا ہے کہ اسلام میں غلامی کا کوئی تصور نہیں ہے۔وہ غلامی کا تصور جس کا ذکر قرآن کریم میں ملتا ہے وہ خاص جنگ کی حالتوں کے نتیجے میں جنگی قیدیوں کو غلام کہا جاتا ہے اور تمام تر مضمون ان کے گرد گھوم رہا ہے لیکن کہیں اشارۃً بھی اس بات کی اجازت نہیں کہ کوئی انسان کسی دوسرے آزاد انسان کو پکڑ کر اپنا غلام بنالے اور یہ عجیب بات ہے کہ وہ قومیں جو اسلام کے غلامی کے تصور پر طعنہ زن ہیں اور دنیا کو کہتی ہیں کہ اسلام نے غلامی کی تعلیم دی انہوں نے ایسی غلامی کی بنیادیں ڈالی ہیں اور اس قدر سنگین غلام بنانے کے جرائم ادا کئے ہیں کہ ساری دنیا کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔یہ امریکہ جو کثرت کے ساتھ ایفروامیریکن سے بھرا ہوا ہے،یہ اس بات پر گواہ ہے کہ افریقہ

کے ملکوں سے مغربی قوموں نے دھوکہ دے دے کر لوگوں کو پکڑا اور بہت مدت تک نہایت خوفناک جیلوں میں ٹھونسا اور پھر وہاں سے پکڑ کر یہ ایسے حال میں امریکہ کے ساحل پر لے کے آئے کہ بڑی بھاری تعداد رستے میں گندی اور نا قابل برداشت حالتوں کے نتیجے میں مر جایا کرتی تھی۔

میں جب غانا گیا تھا تو وہاں جب ان کے صدر سے ملنے گیا تو ان کے ایڈی کام نے مجھے محل میں وہ تہہ خانہ بھی دکھایا تھا جہاں کسی زمانے میں دھوکہ دے کر افریقن یعنی غانین افریقنوں کو پکڑ کر پہلے قید میں رکھا جاتا تھا اور پھر وہاں سے جہازوں پر لاد کر امریکہ پہنچایا جاتا تھا۔ ایسا خوفناک نظارہ تھا کہ اس کو دیکھ کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں انسان کی بہیمانہ کیفیت کو دیکھ کر، اس کی بدحالت کو دیکھ کر۔ بتانے والوں نے بتایا کہ ایک ایک کمرے میں اتنے اتنے آدمی ٹھونس دیئے جاتے تھے کہ وہ بیٹھ نہیں سکتے تھے کیونکہ بیٹھنے کے لئے جو ملنے کی جگہ ہے وہ میسر نہیں ہوتی تھی اور ان کے لئے کوئی ٹائیلٹ کا انتظام نہیں ہوا کرتا تھا۔ اور خوراک، اس وجہ سے کبھی کبھی روٹی پھینک دیا کرتے تھے کہ یہ مر نہ جائیں یہ ہماری دولت ہے جو ضائع نہ ہو جائے۔ اور اس حالت میں کئی لوگ کھڑے کھڑے مر مر کر گرتے رہتے تھے یا پھنسے رہتے تھے اسی طرح۔ پھر جن جہازوں پر لادتے تھے ان میں ایسی کیفیت تھی جیسے ڈربوں میں ظالم لوگ مرغیاں ٹھونس دیتے ہیں اور ان کا بھی وہی حال تھا یعنی جو تاریخ میں نے پڑھی ہے معلوم ہوتا ہے کہ پچیس سے تیس فیصد تک زندہ آدمی امریکہ پہنچتے تھے باقی رستوں میں مر جاتے تھے اور ابھی یہ مہذب قومیں ہیں، یہ اسلام کی غلامی کے تصور پر ہنستی ہیں حالانکہ قرآن کریم کا مطالعہ کر کے دیکھیں اور اس تعلیم کو دیکھیں جو آنحضرت ﷺ نے غلاموں کے متعلق فرمائی تو ایک حیرت انگیز انسانی عظمت کا مظہر تعلیم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں غلام بنانے کا رستہ تو کوئی نہیں بتایا گیا سوائے اس کے کہ جنگ ٹھونسی گئی ہو اور غلامی سے آزادی کے بے شمار دروازے کھولے گئے ہیں یہاں تک کہ یہ حق بھی ہر غلام کو دے دیا کہ اگر تم جنگی غلام کے طور پر کسی کے ماتحت آئے ہو اور اس سے آزاد ہونا چاہتے ہو تو تمہارا بنیادی حق ہے، تم جتنی قیمت تمہاری طے ہو وہ وعدہ کرو اور اس کے نتیجے میں تمہیں آزاد کر دیا جائے گا۔ پھر کماؤ اور اس قیمت کو ادا کرو اسے مکاتبت کہا جاتا ہے۔ کسی آزاد کو خود پکڑ کر غلام بنا لینا اور بیچنا اتنا مکروہ فعل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو خبر دی کہ یہ دوسرا شخص جسے میں قیامت کے دن سختی سے دیکھوں گا اور سختی سے اس

کی باز پرس کروں گا وہ شخص ہوگا جو کسی آزاد بندے کو پکڑ کر غلام بنالے اور اس کی قیمت کھا جائے۔
تیسرا آدمی فرمایا وہ ہے جس نے کسی کو مزدوری پر رکھا اس سے پورا پورا کام لیا لیکن اس کو طے شدہ مزدوری نہ دی۔ (بخاری کتاب البیوع حدیث نمبر: 2075) پہلی دو صورتوں میں تو اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ جماعت میں کوئی دور کا بھی ایسا امکان دکھائی نہیں دیتا کہ ان بدیوں میں ملوث ہو۔ لیکن مزدوری نہ دینے کا جو معاملہ ہے، یہ بہت سے باریک پہلو رکھتا ہے، بہت سے پردے رکھتا ہے۔ اور جن گھروں میں جن علاقوں میں خدمت گار رکھنے کا رواج ہے ان میں عموماً یہ دیکھا گیا ہے۔ عموماً نہیں تو یہ نظر ضرور آتا ہے کہ بعض لوگ اپنے گھر کے نوکروں سے ویسا سلوک نہیں کرتے جو ایک خدمت گار کا حق ہے اور اس کی تفصیل آنحضورؐ نے مختلف جگہوں پہ بیان فرمائی ہے۔ کچھ حصہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں مگر یہاں اب یہ منفی رنگ میں میں ذکر کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو کسی سے کام لے اور اس کا حق ادا نہ کرے۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ قیامت کے دن یہ سلوک فرمائے گا کہ وہ تین نمایاں مجرم جن سے خدا نے سختی سے باز پرس کرنی ہے ان میں ان لوگوں کو بھی شامل کیا جائے گا۔
پس ظاہری طور پر اگر ایسا دکھائی نہ بھی دیتا ہو تو بعض دفعہ غفلت کی حالت میں بعض سلوک ایسے ہوتے ہیں جس سے ایک مزدور اپنے حق سے محروم رہ جاتا ہے۔ اس کے متعلق جماعت کو ہمیشہ متنبہ رہنا چاہئے گھر کے نوکر ہوں، جو رواج تو اب کم ہوتا جا رہا ہے، یا تجارت میں نوکر ہوں ان سب سے ایسا حسن سلوک ہونا چاہئے کہ کوئی شائبہ بھی اس بات کا نہ رہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایسے شخص کو ناراضگی کی نظر سے دیکھے۔
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک اور روایت ہے جو بخاری سے لی گئی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "طاقتور پہلوان وہ شخص نہیں ہے جو دوسرے کو پچھاڑ دے، پہلوان وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھے یعنی اپنے نفس کو پچھاڑ دے۔" (بخاری کتاب الادب حدیث: 5649)
اور یہ وہ نصیحت ہے جس پر توجہ نہ دینے کے نتیجے میں بہت بڑے بڑے دردناک واقعات پیدا ہوتے ہیں اور بہت سے جھگڑے ایسی شکل اختیار کر جاتے ہیں جن کے نتیجے میں خاندان دکھوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ لمبی مصیبتیں پیچھا کرتی ہیں، کئی خاندانوں کو مدتوں جیلوں میں وقت گزارنے پڑتے ہیں، بہت ہی بدحالتیں پیدا ہوتی ہیں۔ ایک اس نصیحت کو نظر انداز کرنے کے نتیجے میں کہ ایک

انسان غصے کے وقت قابو نہ پا سکے۔ آنحضرت ﷺ نے اس سلسلے میں جو نصیحت فرمائی ہے تفصیلی ہدایت دی ہے وہ یہ ہے کہ غصہ آئے تو ایک گھونٹ پانی کا بھرلیا کرو اس سے کچھ تھوڑی سے ٹھنڈ پڑتی ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر کھڑے ہو تو بیٹھ جایا کرو کیونکہ غصے کے نتیجے میں انسانی مزاج اچھلتا ہے اور بیٹھا ہوا آدمی اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور یہ اس کے برعکس صورت ہے۔ کھڑے ہوئے کو بٹھائے تو غصہ بھی ساتھ جھاگ کی طرح بیٹھتا ہے اور اگر بیٹھے ہوئے ہو تو لیٹ جاؤ۔ لیکن غصے پر قابو پانا ہے ورنہ غصے کی حالت میں انسان ایک دفعہ مغلوب ہو جائے تو پھر اس سے دیوانوں کی طرح بعض حرکتیں سرزد ہوتی ہیں جس پر وہ ہمیشہ پچھتاتا ہے اور پھر بھی کچھ نہیں کرسکتا۔ پس آپؐ نے فرمایا کہ پہلوان تو وہ ہے کہ جب غصہ اس پر قبضہ کررہا ہو اس وقت وہ غصے کو پچھاڑ دے بجائے اس کے کہ کسی اور کو گرادے۔

اب ترمذی سے ایک حدیث لی گئی ہے۔ حضرت عبداللہؓ بن عباس روایت کرتے ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا اپنے بھائی سے جھگڑے کی طرح نہ ڈالو اور نہ اس سے بیہودہ تحقیر آمیز مذاق کرو اور نہ اس سے ایسا وعدہ کرو جسے پورا نہ کرسکو یعنی جھوٹے وعدے نہ کیا کرو۔ (ترمذی)

اس میں پہلی بات یہ فرمائی بھائی سے جھگڑے کی طرح نہ ڈالو۔ تو ہر وہ شخص جو ایسی بات کرتا ہے جس کے نتیجے میں جھگڑا پیدا ہوتا ہے وہ طرح ڈالنے والا ہے۔ پھر اگلا شخص اگر ضبط نہ کر سکے تو معاملہ لمبا ہو جاتا ہے پھر بعض دفعہ دونوں طرف سے زیادتیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ تو برائی کا آغاز کرنے والا بہت زیادہ ذمہ دار ہے۔ اور وہ طرح کس طرح ڈالی جاتی ہے اس کے متعلق آگے میں بعض احادیث آپ کے سامنے رکھوں گا اس سے تفصیلی طور پر آپ متنبہ رہیں گے کہ کیا کیا باتیں ہمیں نہیں کرنی چاہئیں اور کیا کیا باتیں کرنی چاہئیں جن کے نتیجے میں جھگڑوں کا قلع قمع ہو سکے۔ ایک دو باتیں آپؐ نے خود اس میں بیان فرمادی ہیں۔ فرمایا بے ہودہ تحقیر آمیز مذاق نہ کیا کرو اور یہ وہ بیماری ہے جو انسانوں میں کثرت سے ملتی ہے خصوصیت سے انفرادی سطح پر مشرقی قوموں میں اور وہ علاقہ جس کا نام ہندوستان ہے یعنی جس میں ہندو پاکستان دونوں شامل ہیں اس علاقے میں تو یہ بیماری بہت کثرت سے ملتی ہے اور مغربی قوموں میں قومیت کے حساب سے جس کو آپ ریس ازم کہتے ہیں اس کے مادے کے طور پر دکھائی دیتی ہے۔ اگرچہ باشعور لوگ مغربی قوموں میں اس کے خلاف جدوجہد کررہے ہیں لیکن ان کو خود خطرے دکھائی دے رہے ہیں کہ بدلتے ہوئے سیاسی

حالات میں بعید نہیں کہ ریس ازم دوبارہ سر اٹھالے اور دوبارہ کئی قسم کے فتنے پیدا کر سکے۔ بہر حال قومی تحقیر ہو یا انفرادی تحقیر یہ دونوں باتیں مہلک ہیں اور ان کے نتیجے میں لازماً جھگڑے پیدا ہوتے ہیں۔ پس فرمایا کہ جھگڑے کی طرح نہ ڈالو اور اس کی بنیادی وجہ کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جھگڑوں کا آغاز بسا اوقات تحقیر سے ہوتا ہے۔اس سے پہلے میں حدیث یہ پیش کر چکا ہوں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ نیچے دیکھا کرو اوپر نہ دیکھو جو شخص نیچے تحقیر سے دیکھتا ہو اس کے لئے ممکن ہی نہیں ہے کہ اوپر نہ دیکھے۔ وہ اوپر حسد سے ضرور دیکھتا ہے۔اس لئے بات میں دوبارہ کھول رہا ہوں۔ مراد اس سے یہ ہے کہ نیچے دیکھو محبت اور شفقت سے دیکھو اور اگر ایسا نہیں کرو گے اور تحقیر سے دیکھو گے تو جھگڑوں کی بنیاد ڈالنے والے ہو گے۔ پس انفرادی طور پر ہم نے دیکھا ہے مجالس میں بعض لوگوں کو عادت ہے کسی شخص میں بے چارے میں کوئی نقص ہے، کوئی گنگنی آواز سے بولتا ہے یا اور کوئی جسمانی نقص پیدا ہو گیا ہے تو کئی لوگ اس کے نام رکھتے ہیں اس کو چھیڑتے ہیں اور اس طرح تنگ کرتے ہیں۔ایسا شخص دل میں کڑھتا رہتا ہے اگر وہ غریب اور مجبور ہو تو کچھ کہہ نہیں سکتا لیکن دل میں انتقام کا جذبہ ضرور پیدا ہوتا ہے۔ اگر یہ جذبے پلیں اور سوسائٹی میں زیادہ ہو جائیں، بعض دفعہ ایک دفعہ کمزور آدمی بھی پھر اٹھ کے انتقام کی سوچتا ہے، اگر چھرا ہاتھ میں آتا ہے تو چھرا لے کر حملہ آور ہو جاتا ہے۔کئی ایسے واقعات جھگڑوں کی صورت میں میرے سامنے آئے ہیں یا محض اس سے آغاز ہوا کہ کسی کو چھیڑا ہے اور بار بار اتنا چھیڑا گیا ہے کہ اس کے نتیجے میں وہ شخص اپنے اوپر قابو نہیں رکھ سکا۔

پس آنحضرت ﷺ کی نصائح میں بہت گہری حکمتیں ہیں اور تمام معاشرے کے آزاران نصائح پر عمل کرنے سے دور ہو سکتے ہیں۔فرمایا بے ہودہ مذاق، تحقیر آمیز مذاق بالکل نہ کیا کرو۔اپنے بھائی سے، یہ بدتمیزی ہے ناشکری ہے اللہ تعالیٰ کی اور تمہارے اپنے اندر تمہارے تعلقات میں یہ زہر گھولنے والی بات ہے۔

پھر فرمایا کسی سے ایسا وعدہ نہ کرو جسے پورا نہ کر سکو۔اب یہ ایک ایسی بات ہے جس کے نتیجے میں کئی قسم کے تعلقات میں رخنے پڑتے ہیں۔لیکن بظاہر یہ ایک معمولی ایسی بات ہے جس کی ہم آپس میں ایک دوسرے سے توقع نہیں رکھتے۔آپ کہتے ہوں گے کہ یہ نصیحت مسلمانوں کو کیوں کی گئی ہے کہ ایسا وعدہ نہ کرو جسے پورا نہ کر سکو۔امر واقعہ یہ ہے کہ ہر گھر میں ایسے وعدے ہوتے ہیں جسے پورا نہیں کیا جاتا ایسے وعدے ہوتے ہیں جنہیں اس نیت سے کیا جاتا ہے کہ پورا کرنا ہی نہیں ہے مائیں وعدے

کرتی ہیں اپنے بچوں سے وہ رو رہے ہیں وہ کسی چیز کے لئے ضد کر رہے ہیں اور وہ ضرور وعدہ کر دیتی ہیں کہ ہاں میں تمہیں یہ چیز لے دوں گی لیکن جانتی ہیں کہ یہ جھوٹ ہے اور میں نہیں کروں گی ایسا۔ خاوند ایسے ہیں جو بیویوں سے وعدے کر دیتے ہیں۔ وہ مطالبے کرتی ہیں کہ ہاں ہاں یہ کام ہو جائے گا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا اور یہ وعدے روزمرہ ہماری زندگی کا حصہ ہیں اس لئے بات کو اجنبی نہ سمجھیں کہ شاید ہی کوئی ایسا انسان ہوگا جو جان بوجھ کر وعدہ کرے جو اس نے پورا نہیں کرنا۔ اکثر ہم میں سے ایسے ہیں جو کم سطح پر سہی، محدود دائرے میں سہی، مگر وعدے ضرور کرتے ہیں جنہیں پورا کرنے کی نیت نہیں ہوتی اور اس کے نتیجے میں آئندہ جھوٹے وعدے کرنے والی قوم اپنے پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔ وہ بچے جن کے گھروں میں یہ بات ہو رہی ہو وہ بڑے ہو کر انہی باتوں پر اپنی روزمرہ کی زندگی میں عمل کرنے لگتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ آسان طریقہ مصیبت سے چھوٹنے کا یہ ہے کہ وعدہ کر و اور پھر اسے بے شک پورا نہ کرو۔

پس آنحضرت ﷺ کی ہر نصیحت بہت ہی گہری ہے اور ہماری زندگیاں سنوارنے کے لئے ان میں سے ایک بھی ایسی نہیں جسے نظر انداز کیا جا سکے۔ جہاں آپ نظر انداز کریں گے وہاں ہماری زندگیوں کے اطوار بگڑ جائیں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ دو باتیں ایسی ہیں کہ اگر کسی میں پائی جائیں تو وہ اس کے لئے کفر بن جاتی ہیں۔ یعنی جس شخص میں پائی جائیں خواہ وہ خدا کا منکر نہ ہو تب بھی اس کی ذات میں کفر کی گواہ بن جاتی ہیں۔ کیونکہ ایسا شخص بنیادی طور پر کفر کی کوئی آمیزش اپنے اندر ضرور رکھتا ہے ورنہ اس میں یہ دو باتیں نہ پائی جائیں۔ ایک یہ کہ کسی کے حسب و نسب اور خاندان پر طعن کرے۔ اب جو جھگڑے ہیں ان میں خاندانی جھگڑے بہت سے ایسے ہیں جن کا اس بات سے تعلق ہے۔ کفر کا کیا اس سے تعلق ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ وہ شخص جو یہ یقین نہ کرے کہ جو کچھ ہے خدا کی عطا ہے اور یہ سمجھتا ہو کہ ہم اپنی ذات میں بڑے ہیں یہ کفر بھی ہے اور تکبر بھی ہے اور دراصل تکبر کی بعض قسمیں کفر کہلاتی ہیں۔ پس ان معنوں میں آنحضرت ﷺ نے اس کو کفر قرار دیا اور کفر ہی ہے کوئی شخص اپنے خاندان کو بڑا سمجھے دوسرے کے خاندان کی طعنہ آمیزی کرے تو یہ بات بیرونی طور پر جھگڑوں میں منتج ہوتی ہے مگر اگر گھروں میں پائی جائے تو گھر ہمیشہ کے لئے اجڑ جاتے ہیں اور عجیب بات ہے کہ یہ ایسی بیماری ہے جو آئے دن میرے سامنے آتی رہتی ہے

ایسی شکائتیں ملتی ہیں۔ بعض عورتیں ہیں وہ اپنے خاوند کو ہمیشہ یہ طعنہ دیتی رہتی ہیں کہ میں تو اپنے گھر میں ایسی تھی، ہمارا گھر تو ایسا بلند مرتبہ تھا، ہم تو اس طرح لوگوں کی خدمت کیا کرتے تھے اور مہمان نوازیاں کیا کرتے تھے، ہم نے تو کبھی کسی کا احسان نہیں لیا، تم لوگ پتا نہیں کس کمینے خاندان سے آئے ہو جو زیر احسان لوگوں کے نیچے جھکنے والے اور سر جھکانے والے، ہم ایسے نہیں ہیں۔ ایسی ہی بعض عورتیں اپنی زندگی اجاڑ دیتی ہیں۔ بعض باغیرت مرد برداشت نہیں کر سکتے وہ کہتے ہیں اچھا پھر جیسے معزز خاندان سے آئی ہو اسی معزز خاندان میں واپس چلی جاؤ، مجھ ذلیل آدمی سے شادی کیوں کی تھی اور بعض لوگ بے چارے دب جاتے ہیں اور بالکل سر نہیں اٹھا سکتے۔ ان کا گھر تو قائم رہتا ہے لیکن معاشرے میں وہ ذلیل ہو جاتے ہیں کیونکہ ایسی بیوی کے تابع جو مرد آ جائے جو کمینی باتیں کرے اس کا شوہر بھی کمینی باتیں کرتا ہے باہر اور اپنے دوستوں اور ارد گرد کے ماحول میں تعلقات کے دائروں میں اس شخص کا مرتبہ گرنا شروع ہو جاتا ہے۔ پس ایسے لوگوں کو بعض لوگ زن مرید کہتے ہیں۔ زن مرید کا محاورہ عام طور پر تو اچھا نہیں مگر بعض دفعہ درست ہے اگر بدعورت ہو، بدیوں کی طرف بلانے والی ہو، غلط تکبر میں اور نخوت میں مبتلا ہو ایسی عورت کا مرید خاوند حقیقت میں زن مرید کہلا سکتا ہے یعنی برے معنوں میں یہ لفظ اس پر چسپاں ہوتا ہے۔

لیکن اس کے برعکس مرد بھی ہیں جو عورتوں کو طعنے دیتے ہیں اپنی بیویوں کو دیتے ہیں اور ان کے طعنے عجیب وغریب قسم کے ہیں جن کو جب میں پڑھتا ہوں بعض دفعہ تو طبیعت متلانے لگتی ہے کہ تم کس گھر سے آئی ہو، تمہارا تو جہیز ہی ایسا تھوڑا تھا، ایسے غریب گھر کی توفیق ہی نہیں تمہیں ملی فلاں کا اتنا بڑا جہیز آیا، فلاں نے یہ چیز دی تم لوگ تو بڑے کمینے لوگ ہو، میں گیا تو مجھے ایک جوڑا دیا وہ بھی شاید پرانا تھا۔ ایسی گھٹیا ذلیل باتیں بعض مرد اپنی بیویوں سے کرتے ہیں اور بیویاں ان کی روتی ہیں مجھے خط لکھتی ہیں بعض دفعہ تو میں ان سے کہتا ہوں کہ طلاق کے مسائل ایسے موقعوں کے لئے ہیں۔ ایسے شخص کے ساتھ زندگی بسر کرنا جس کی ساری زندگی ایک عذاب میں مبتلا رہے صرف قربانی نہیں ہے بلکہ معاشرے پر ظلم ہے، اپنی اولاد پر ظلم ہے کیونکہ ایسے بچے جو ایسے ماحول میں پیدا ہوں اور ایسے ماحول میں پرورش پائیں ان کی تربیت ضرور بگڑتی ہے، کبھی بھی صحیح متوازن تربیت والے بچے ایسے گھر میں نہیں پیدا ہو سکتے تو خواہ عورت کا قصور ہو خواہ مرد کا قصور ہو جہاں حسب ونسب کے طعنے دیئے جائیں، جہاں دولت یا دولت کے فقدان کے طعنے ہوں۔ طعنہ زنی ویسے ہی بہت بے ہودہ چیز ہے مگر جن باتوں میں حضرت رسول اللہ ﷺ

نے توجہ دلائی ان میں اگر طعنہ زنی سے کام لیا جائے تو گھر اجڑتے ہیں قوموں کے مزاج بگڑ جایا کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے اس کو کفر فرمایا ہے۔ فرمایا ایسا شخص خود خدا بنتا ہے خدا کا بندہ اطاعت شعار جو جانتا ہو کہ میرا ایک مالک ہے جو مجھ سے سوال کرے گا وہ کبھی ایسی کمینی حرکتیں نہیں کرسکتا۔

دوسری چیز جسے کفر قرار دیا گیا وہ میت پر نوحہ کرنا ہے (مسلم کتاب الایمان حدیث:100)۔ اب ہمارے روزمرہ ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں لوگوں کے عزیز فوت ہوتے ہیں، حادثات میں گزر جاتے ہیں۔ کئی مائیں ایسی ہیں بے چاری جن کا ایک ہی جوان بیٹا کسی حادثے کا شکار ہو جاتا ہے۔ مگر اس پر بے صبری کر کے نوحہ کرنا یہ وہ بات ہے جسے آنحضرت ﷺ نے کفر قرار دیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ہر نعمت اللہ سے ملتی ہے اور مالک وہ ہے۔ اس سے یہ سوال نہیں ہوسکتا کہ میرا ایک ہی بیٹا تھا تو نے کیوں بلا لیا۔ یا میرے خاوند کو جوانی میں مجھ سے کیوں جدا کر دیا اور پھر اس بات پر اگر نظر رکھی جائے کہ جس مالک نے اس ابتلاء میں ڈالا ہے وہ مالک یہ استطاعت رکھتا ہے اور قدرت رکھتا ہے کہ اس عارضی زندگی کے بعد اتنا عطا کرے کہ جو کچھ کھویا گیا ہے اس پر جو کھوئے جانے کے احساس کا غم ہے وہ بعد میں شرمندگی پیدا کرنے کا موجب بن جائے۔ یا مرنے کے بعد ہی نہیں اس دنیا میں بھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک انسان اگر کچھ کھو دیتا ہے اور اللہ کی خاطر صبر و رضا اختیار کرتا ہے تو اس کے بعد خدا تعالیٰ ضروری نہیں کہ فوراً آمنے سامنے لین دین کی طرح اسے فوراً کچھ دے دے مگر ایسے صبر کرنے والوں کو میں نے دیکھا ہے کہ ان کی زندگیاں ہر پہلو سے اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اتنی بہتر ہو جاتی ہیں کہ اپنی پہلی حالت جس پر وہ روتے ہیں وہ اس کے سامنے کچھ بھی دکھائی نہیں دیتی بالکل معمولی چیز ہے لگتا ہے جیسے ضائع ہوئی۔ مگر اگر خدا اس دنیا میں نہ بھی دے تو وہ خدا اس دنیا کا بھی ہے اور دنیا کے بعد کی زندگی کا بھی خدا ہے دنیا کے بعد کی زندگی کے مقابل پر یہ زندگی بہت ہی چھوٹی اور بے معنی ہے۔ عارضی ایک مقام ہے جو اسے ہمیشہ کا ٹھکانہ سمجھ لے اس کے اندر ناشکری پیدا ہوتی ہے۔ جو یہ سمجھے کہ یہ عارضی ہے اور مجھے خدا کے حضور پہنچنا ہے، سب نے وہیں جانا ہے اس کے دل میں ایک حوصلہ پیدا ہوتا ہے اور وہ زیادہ ہمت کے ساتھ صدموں کو برداشت کرسکتا ہے۔ پس جتنا خدا پر یقین کم ہوا اتنا ہی انسان واویلا کرتا ہے۔ یہ ایک طبعی بات ہے۔ ایسے خاندان مجھے ملتے رہتے ہیں ابھی کینیڈا کے اس عارضی دورے پر بھی ایک خاندان سے میری ملاقات ہوئی جن میں ایک ماں کا بچہ بہت ہی پیارا، جوان بیٹا ہاتھ سے جاتا رہا اور

وہ سارا خاندان بہت ہی غم زدہ، یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اب ان کی زندگی میں کوئی خوشی نہیں آئے گی۔ ان کو میں نے سمجھایا، ان کو میں نے بتایا کہ دیکھو خدا والوں اور بے خداؤں میں ایک فرق ہوا کرتا ہے اگر تم نے اسی طرح رہنا ہے جس طرح بے خدا لوگ کرتے ہیں تو جو ہاتھ سے جا چکا ہے جتنا مرضی روؤ، پیٹو وہ واپس کبھی نہیں آئے گا۔ ناممکن ہے کہ تمہارے نوحے، تمہارے غم، تمہارے واویلے، تمہارے شکوے کھوئے ہوئے کو واپس لے آئیں لیکن جو ہے جو تمہارا تھا یعنی خدا، وہ ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ تو کتنی بڑی بے وقوفی ہے کہ ایک ادنیٰ چیز کو چھوڑ کر اس سے اعلیٰ چیز کو بھی انسان ہاتھ سے گنوا بیٹھے۔ ایک چیز ضائع ہوئی تو ہوئی جو اعلیٰ چیز ہے اس کو کیوں گنوائے؟

ایک بے وقوف کا لطیفہ آپ لوگ سنتے ہیں ایک پیالی لے کر تیل لینے گیا پیسے ذرا زیادہ دے بیٹھا اور اس پیالی میں جو تیل کی قیمت کا جتنا تیل آتا تھا اس سے زیادہ تیل خرید لیا جب وہ پیالی بھر گئی تو بیچنے والے نے پوچھا کہ میں باقی تیل کہاں ڈالوں۔ تو اس نے پیالی الٹا دی کہ پیچھے جو کپّی چھوٹی سی ہے اس میں ڈال دو۔ اس نے کہا ہیں ہیں تم نے تو اپنا پہلا تیل بھی ضائع کر دیا۔ اس نے فوراً سیدھی کر لی اور جو کپی میں ڈالا تھا وہ بھی گیا۔ یہ لطیفہ ہے لیکن ہماری زندگیوں میں صادق آتا ہے۔ ہم جب بھی کوئی نقصان اٹھاتے ہیں اور واویلا کرتے ہیں اور صبر کا دامن چھوڑ دیتے ہیں تو دراصل اپنے خدا سے شکوہ کر رہے ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تو نے کیا کر دیا گویا ہم سے تیرا سلوک ظالمانہ ہے۔ ہمارا تجھ پر گویا یہ حق تھا کہ تو ہم سے ہمیشہ خدمت گاروں کی طرح سلوک کرے اور ہم سے دی ہوئی چیز کبھی واپس نہ لے، یہ جو سلوک ہے یہ کفر ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک بہت پیارا بیٹا مبارک احمد جب بچپن میں فوت ہوا تو آپ نے شعر لکھے تھے جو مزار پر کندہ کروائے گئے بعد میں، ان میں ایک یہ تھا کہ:

ع بلانے والا سب سے پیارا اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر (درثمین: 100)

کہ بہت پیارا پاک خُو بیٹا تھا لیکن میں یہ کیسے بھول سکتا ہوں کہ جس نے بلایا ہے وہ سب سے زیادہ پیارا تھا۔ تو بڑی ہی بے وقوفی کا سودا ہوتا ہے کہ انسان اس چیز کو جو ادنیٰ ہے اس کو تو کھو بیٹھا ہے اس کی خاطر، اس کو لینے کی تمنا میں اعلیٰ کو کھو بیٹھے اور وہ بھی نہ ملے۔ اب یہ پیالی والی مثال اور تیل والی مثال اس پہ صادق آتی ہے مگر اس سے بہت زیادہ بڑی بے وقوفی ہے۔ پیسے دو پیسے تیل کا کیا فرق

پڑتا ہے، مگر انسان آزمائش میں پڑ کے اپنے خدا کو کھو دے یہ بہت ہی بُرا سودا ہے اور پھر بے کار سودا، بے معنی اور لغو کیونکہ اگر آپ روئیں پیٹیں، تب بھی آپ کا کھویا ہوا عزیز آپ کو نہیں ملے گا۔ نہ روئیں پیٹیں، تب بھی نہیں ملے گا تو آپ کے لئے تو چارہ کوئی نہیں ہے۔ اختیار ہو تو انسان کوشش کرے اختیار ہی کوئی نہیں ہے اس لئے محض گناہ بےلذت اور بےوقوفی ہے ایسے موقع پر جب انسان کچھ کھو دے خواہ وہ پورا وجود جاتا رہے یا کسی ایک عضو کا نقصان پہنچے، خدا کی رضا پر نظر رکھتے ہوئے عرض کرے کہ جو کچھ ہے تیرا ہے تو نے جتنا چاہا لے لیا۔

ع بلانے والا سب سے پیارا اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

تو ایسے بندے خدا کو عزیز تر ہو جاتے ہیں اور جو کچھ ان کے پاس رہتا ہے اس کو بہت برکت دی جاتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جو سلوک فرمایا ہے وہ ایک زندہ مثال ہے۔ کیا آپ نے خدا کی خاطر قربانیاں کیں۔ ظاہر میں تو کچھ بھی نہیں تھیں۔ فرماتے ہیں، میں بچپن میں جو روٹی مجھے ملا کرتی تھی اپنے غریب بھائیوں میں بانٹ دیا کرتا تھا۔ بعض دفعہ چنے کھا کر گزارہ کر لیتا تھا۔ پھر فرماتے ہیں کہ گھر کی بچی ہوئی روٹیاں مجھے ملا کرتی تھیں وہ کیا چیز تھی جو قربان کی گئی چند روٹیاں ہی تھیں نا۔ لیکن جتنا اللہ نے آپ کو عطا فرمایا ہے اور جماعت کو پھر عطا فرمایا ہے اس کی کوئی مثال دکھائی نہیں دیتی کہ اتنے بڑے فضل، اتنی جلدی جلدی اللہ تعالیٰ کسی بندے کی معمولی قربانیوں پر نظر ڈال کر فرمائے۔ معمولی قربانیاں ظاہر کے لحاظ سے لیکن اصل قربانی جذبے کی وجہ سے عظمت پاتی ہے۔

ایک انسان بعض دفعہ ایک لاکھ روپیہ، ایک لاکھ پاؤنڈ یا دس لاکھ ڈالر بھی دے سکتا ہے اور ایک آدمی دس ڈالر بھی چندہ دے دیتا ہے، ہم اپنی نظر سے دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں اس نے بہت بڑا کام کیا ہے اس نے بہت چھوٹا کام کیا۔ اللہ تعالیٰ جب دیکھتا ہے تو وہ اس کے پیچھے جو دل کے جذبے ہیں ان پر نظر رکھتا ہے اس لئے وہ قربانیاں جو خدا کی نظر میں مقبول ہوں وہی ہوتی ہیں جن کے پیچھے اللہ سے محبت کے اور انکساری کے جذبات کارفرما ہوتے ہیں اور قطعاً اس بات کی پرواہ نہیں ہوتی کہ دنیا کی نظر میں وہ آتی ہیں کہ نہیں آتیں۔ پس خدا کے حضور ثابت قدم رہنا ایک بہت بڑی نعمت اور اس کا فقدان کفر ہے۔ پس آنحضرت ﷺ نے بہت ہی عظیم نصیحت فرمائی ہے کہ وہ لوگ جو نوحے کرتے

ہیں۔نوحے سے مراد ویسے غم تو ہوتا ہی ہے خود آنحضرت ﷺ بھی اپنے بچے کے وصال پر رو پڑے تھے۔آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تھے۔اس کو نوحہ کرنا نہیں کہتے وہ اور چیز ہے۔میں آپ کو بتاتا ہوں کہ وہ کیا ہے؟ لیکن نوحہ سے مراد یہ ہے کہ پیٹنا اور واویلا کرنا، لے گیا سب کچھ خدا، کچھ بھی نہیں چھوڑا، ہم مارے گئے برباد ہو گئے، یہ وہ کیفیت ہے جو کفر ہے۔پس جماعت کو ہمیشہ مصائب اور تکلیفوں پر صبر سیکھنا چاہئے اور اگر یہ صبر اللہ کی رضا کی خاطر کریں گے تو وہ اس سے بہت زیادہ عطا کرتا ہے جو آپ نے کھویا اور جس پر آپ نے صبر کیا۔جہاں تک طبعی غم کا تعلق ہے اس سے تو اللہ تعالیٰ منع نہیں فرماتا وہ ایسا غم نہیں ہونا چاہئے جو آپ کے اور اللہ کے تعلقات کی راہ میں حائل ہو جائے بلکہ ان تعلقات کو بڑھانے کا موجب ہونا چاہئے۔

آنحضرت ﷺ جب اپنے بیٹے کو لحد میں اتار رہے تھے تو آنحضرتؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اس وقت کسی نے کہا یا رسول اللہؐ! آپؐ اور روتے ہیں، آپؐ نے فرمایا یہ اللہ کی رحمت ہے دل کی نرمی خدا کا احسان ہے اگر تجھے یہ نرمی نصیب نہیں تو میں کچھ نہیں کر سکتا۔ (بخاری کتاب الجنائز حدیث نمبر:1220) پس غم ہونا اور دل کا دکھنا یہ کفر نہیں ہے لیکن اس غم کو کیسے آپ سنبھالتے ہیں اس سے کیا سلوک کرتے ہیں اس کے نتیجے میں آپ اللہ سے دور چلے جاتے ہیں یا اللہ کے قریب آجاتے ہیں یہ وہ امر ہے جو اس وقت زیر نظر ہے۔پس جو شخص ایسے نوحے کرتا ہے جس کے نتیجے میں اس کا غم سب سے پیارے وجود کو بھی اس کے ہاتھ سے گنوا دیتا ہے یعنی اللہ اس سے دور چلا جاتا ہے اس کا سودا بہت نقصان کا سودا ہے۔

اب وقت چونکہ ہو چکا ہے اور یہ مضمون ابھی کافی باقی ہے انشاء اللہ تعالیٰ باقی آئندہ خطبے میں جب بھی موقع ملے گا بیان کروں گا۔''

خطبہ ثانیہ کے بعد اقامت صلوٰۃ سے قبل حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

جب خطبہ ختم ہوا ہے وفات کے صدموں کا ذکر چل رہا تھا جماعت کے بعض بہت ہی مخلص، فدائی، بے لوث کارکن ایسے ہیں وقتاً فوقتاً اللہ انہیں بلاتا رہتا ہے۔حال ہی میں ہمیں چودھری محمد عیسیٰ صاحب مبلغ سلسلہ کے وصال کا صدمہ پہنچا ہے۔ایک لمبا عرصہ تک ہم اکٹھے پڑھتے رہے ہیں اور ایک لمبے عرصے تک انہوں نے انگلستان میں میرے ساتھ خدمت کے فرائض سرانجام دیئے ہیں۔بہت ہی

بے لوث اور فدائی مخلص کارکن تھے۔اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت فرمائے۔ابھی نماز جمعہ کے بعد نماز عصر جمع ہوگی پھر اس کے بعد جو جنازے ہوں گے ان میں چودھری محمد عیسیٰ صاحب کی نماز جنازہ غائب ہوگی۔

ایک اور سلسلہ کے معروف خاندان کے فرد جو خود بھی بہت مخلص اور فدائی تھے سید محمد سرور شاہ صاحب۔انگلستان کی جماعت سے تعلق رکھتے تھے لیکن لاہور گئے تھے وہاں ان کی وفات ہوئی ہے۔ ایک قاضی بشیر احمد صاحب آف ساہیوال جو ڈاکٹر حمید الرحمٰن صاحب امیر جماعت لاس اینجلس کے ماموں تھے اور جماعت کے ساتھ ہمیشہ اخلاص کا تعلق رکھا ان کا وصال ہوا۔

ایک حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب کے صاحبزادے یوسف احمد الہ دین صاحب کے وصال کی اطلاع ملی ہے حیدر آباد دکن سے اور ایک مکرمہ سلیمہ اوصاف علی صاحبہ بنت حضرت مولانا ذوالفقار علی خان صاحب گوہر کا وصال ہوا ہے ان سب کی نماز جنازہ انشاءاللہ نماز جمعہ اور عصر کے معاً بعد ہوگی اب صف بندی کر لیجئے۔

امریکہ میں بیت الرحمٰن اور مسلم ٹیلی ویژن احمدیہ کے ارتھ سٹیشن کا افتتاح۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 14 /اکتوبر 1994ء بمقام بیت الرحمٰن، امریکہ)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ کا یہ ایک بہت ہی بڑا احسان ہے کہ آج کا دن طلوع ہوا جو بہت سی برکتیں لے کر آیا ہے۔ جمعہ کا دن ہمیشہ ہمیش کے لئے امت مسلمہ کے لئے مبارک قرار دے دیا گیا ہے۔ اس کا اول بھی برکتیں لے کے آتا ہے اس کا آخر بھی اور جمعہ کے دوران اللہ کی طرف سے جو غیر معمولی رحمتیں نازل ہوتی ہیں ان کا شمار ممکن نہیں نہ یہ کوئی قاعدہ کلیہ ہے جو ہر ایک پر برابر اطلاق پائے۔ ان رحمتوں کا تعلق ذکر الٰہی سے ہے اور ہر دل کی کیفیت الگ الگ ہوتی ہے اور اسی نسبت سے ہر دل پر رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔ پس یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جمعے کا وقت کوئی ایسا وقت ہے جس میں برابر تمام مسلمان یکساں اللہ کی رحمتوں کے مورد بنتے ہیں بلکہ ہر دل کی کیفیت الگ الگ تقاضے رکھتی ہے اور ان کے مطابق ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضلوں کا نزول ہوتا ہے۔ اس دن کے ساتھ رحمتوں کے علاوہ فضلوں کا نزول بھی ہوتا ہے۔ یہ لفظ فَضْلِ قرآن کریم میں خاص طور پر وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (الجمعہ: 11) جب تم جمعہ کے بعد فارغ ہو کر زمین میں منتشر ہوتے ہو تو پھر اللہ کے فضل کے طالب ہوا کرو۔ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (الجمعہ: 11) اور بہت

کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرو۔ یہاں دوسرا جو فَضْلِ کا لفظ استعمال ہوا ہے وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو رزق کے ذرائع ہیں اور بہت سی نعمتیں انسان کے لئے مقدر ہیں ان کے حصول کی کوشش کے تعلق میں بیان ہوا ہے۔ پس جہاں جمعہ رحمتیں لے کر آتا ہے وہاں فضل بھی لے کے آتا ہے۔ کیونکہ جب اللہ فرماتا ہے کہ جاؤ اب تم فضلوں کی تلاش کرو تو چونکہ فضل دینے والا بھی وہی ہے اس لئے جمعہ کے دن عام دنوں سے بڑھ کر خدا تعالیٰ کے فضل نازل ہوتے ہیں۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ اور ذکر الٰہی سے غافل نہ ہونا۔ دست با کار ہو تو دل با یار رہے۔ اگر دنیا کے کاموں میں مشغول ہوتے ہو تو اللہ کے ذکر کو نہ بھلانا۔ اس تعلق میں حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے ہمیں خوشخبری دی کہ جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد غروب تک ایک ایسی گھڑی بھی آتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ سب دعائیں قبول فرمالیتا ہے تو یہ ایک ایسا بابرکت دن ہے جو ہر روز ایک لَيْلَةِ الْقَدْرِ کا نشان لے کر ہمارے لئے طلوع ہوتا ہے اور ہر قسم کی روحانی اور دنیاوی برکتیں اس دن سے وابستہ ہیں۔ اگرچہ سبت کا ایک تصور اہل کتاب میں بھی پایا جاتا ہے مگر سبت کے اس تصور میں ان برکتوں کا تصور نہیں ملتا جو جمعہ کے تعلق میں بیان ہوئی ہیں۔ سبت میں تو جہاں تک دنیا کے فضلوں کا تعلق ہے ان سے کلیۃً منہ موڑ لینے کا حکم ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ جمعہ کے دن خدا تعالیٰ نے روحانی برکتوں اور دنیاوی فضلوں کو اکٹھا کر دیا اور امت محمدیہ میں نعمت اپنے تمام کو پہنچی۔

آج کا دن اس لئے بھی بہت برکت کا دن ہے کہ آج کے جمعہ کے دن اس مسجد کا افتتاح ہو رہا ہے۔ ایک رسمی افتتاح ہے جو ساڑھے چار بجے شروع ہوگا۔ ایک روحانی افتتاح ہے جو اب اس خطبے سے اس جمعہ کے وقت شروع ہو چکا ہے اور آج اس مسجد میں کثرت کے ساتھ مختلف ممالک سے بھی احمدی احباب شریک ہوئے ہیں تاکہ وہ ان برکتوں سے خود شامل ہو کر حصہ پائیں اور اپنی آنکھوں سے خدا کے فضلوں کا نزول دیکھیں۔ اس پہلو سے اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس مسجد کے افتتاح پر دنیا بھر کی جماعتوں کی کینیڈا کی مسجد کے مقابل پر زیادہ نمائندگی دکھائی دے رہی ہے۔ کیونکہ انڈونیشیا کے امیر بھی میرے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ غانا کے امیر بھی ہیں، ماریشس کے بھی ایک سابق امیر اور مخلص دوست۔ غرضیکہ جدھر نظر ڈالتا ہوں کوئی نہ کوئی امیر خواہ یورپ کا ہو، خواہ مشرق بعید کا ہو، خواہ افریقہ کا ہو نظر میں آتا ہے اور اس کے علاوہ کثرت سے کینیڈا سے بھی دوست تشریف

لائے ہوئے ہیں اور انگلستان سے بھی بڑی بھاری نمائندگی ہے۔ پس یہ اجتماع بہت ہی بابرکت ہے ایک خوشی کا دن ہے اور خوشیاں منانے کا دن ہے مگر یہ خوشیاں کیسے منائی جائیں۔ یہ ذکر الٰہی کے ساتھ منائی جاتی ہیں اور میں امید رکھتا ہوں کہ ان خوشیوں میں صرف آپ ہی نہیں جو حاضر ہیں بلکہ وہ سب بھی شامل ہوں گے جو اس وقت حاضر نہیں۔ اگرچہ آج کا جمعہ براہ راست دنیا کے باقی براعظموں تک نہیں پہنچ سکتا لیکن ایسا انتظام کیا گیا ہے کہ جلد از جلد آج کی کارروائی کی وڈیوز ہم انگلستان پہنچا دیں گے جہاں سے انشاء اللہ تعالیٰ تمام دنیا تک ان پروگراموں کی رسائی ہو سکے۔

ایک اور برکت جو یہ جمعہ ہمارے لئے لے کر آیا ہے اس کا تعلق انٹرنیشنل مسلم ٹیلی ویژن احمدیہ سے ہے۔ اگرچہ اس سے پہلے کینیڈا اور امریکہ کی جماعتوں کے لئے جمعہ کے دن براہ راست خطبہ سننے کا انتظام تو تھا لیکن جس طرح باقی دنیا میں روزانہ کم از کم تین گھنٹے کا پروگرام جاری ہو چکا ہے امریکہ کا براعظم اس سے محروم تھا اس لئے دل میں ایک تمنا تھی، بعض دفعہ بے چینی بھی پیدا ہوتی تھی کہ امریکہ کا ملک جو دنیا کا امیر ترین ملک کہلاتا ہے وہ جماعتی معاملات میں کیوں غربت کا نمونہ دکھا رہا ہے لیکن چونکہ مسجد کے چندے کا ایک غیر معمولی فریضہ انہوں نے ادا کرنا تھا اس لئے میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ ان کو معین طور پر اس بات کی تحریک کروں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت ایسے عظیم مخلصین پر مشتمل ہے کہ جتنا بھی بوجھ ڈالا جائے وہ اپنی ذات پر لیتے ہیں لیکن سلسلے کی ضرورتیں پوری کرنے میں کمی نہیں کرتے۔ نہ کبھی شکوہ کرتے ہیں کہ ابھی کل تو آپ نے یہ تحریک کی تھی اب آج یہ شروع کر دی ہے۔ اس لئے اس خیال سے جس کا ذکر خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فتح اسلام میں فرمایا کہ ایسی مخلصین کی جماعت ہے کہ جب کہتا ہوں یہ نظر رکھتے ہیں میرے منہ پر، میری نگاہوں پر اور جب کہتا ہوں ایسے ایسے مخلصین ہیں جو اپنا سب کچھ پھر قربان کر دیتے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر فرماتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام لکھتے ہیں کہ انہوں نے مجھے قربانی کے سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے وہ خط آپ کا فتح اسلام کے اندر آپ نے شامل فرمالیا ہے۔ اس خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ کیسے کیسے مخلصین خدا تعالیٰ نے مجھے عطا کئے ہیں لیکن ساتھ ایک دعا کی کہ

؎ 　چہ خوش بودے اگر ہر یک زامت نوردیں بودے　　(درثمین فارسی: 117)

کیا ہی اچھا ہو کہ اگر امت میں سے سب کے سب نور دین بن جائیں اور وہ دعا دن بدن پوری ہوتی رہی کیونکہ جو نسبت مخلصین کی اس وقت مالی قربانی کے لحاظ سے تھی وہ Potential کے طور پر تو تھی لیکن سطح پر ظاہر نہیں ہوئی تھی اور اب یہ کیفیت ہے کہ تمام دنیا مالی قربانی میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس دعا کا نشان بن رہی ہے۔

ع چہ خوش بودے اگر ہر یک زامت نور دیں بودے

ہزار ہا احمدی ایسے ہیں کہ ان کو جو کچھ کہا جائے وہ سب کچھ قربان کر دیتے ہیں اور بعض دفعہ روکنا پڑتا ہے کہ اتنی قربانی نہ کرو کیونکہ تمہارے اہل و عیال کا بھی حق ہے، تمہاری ذات کا بھی حق ہے۔

پس اس جماعتی خلوص کے جذبے پر نظر رکھتے ہوئے میرے دل میں تمنا تو بہت تھی مگر تحریک نہیں کر سکا۔ لیکن الحمد للہ جماعت احمدیہ کینیڈا کو یہ توفیق ملی اور اپریل 1994ء میں ان کی مجلس شوریٰ میں ایک ولولہ انگیز ریزولیوشن پاس ہوا کہ ہم قربانی کر کے بھی شمالی امریکہ اور کینیڈا کو اس نعمت سے متمتع کرنے کے لئے کوشش کریں گے اور جو کچھ بھی ہو ہم اپنا ایک Earth Station قائم کر کے وہ عالمی جماعتی پروگرام جن سے سب دنیا فائدہ اٹھا رہی ہے ان کو اپنے ملکوں میں بھی یعنی کینیڈا اور امریکہ گھر گھر پہنچانے کا انتظام کریں گے۔ چنانچہ جب ان کے اس ریزولیوشن کا مجھے علم ہوا تو میرے دل میں غیر معمولی حمد کے جذبات پیدا ہوئے، ان کے لئے دعائیں نکلیں اور ان کو میں نے لکھا کہ اللہ کی مدد کے ساتھ اب آگے بڑھیں اور فوری جائزہ لینا شروع کریں۔ تمام امریکہ اور کینیڈا میں جو جو کمپنیاں Earth Station بنانے میں مہارت رکھتی ہیں اور شہرت رکھتی ہیں ان کے کوائف اکٹھے کریں۔ چنانچہ امیر صاحب کینیڈا نے یہ کام چوہدری منیر احمد مبلغ سلسلہ کے سپرد فرمایا اور باقاعدہ میرے ساتھ اس عرصے میں رابطہ رہا۔ ہر نئی بات جوان کے علم میں آتی تھی اس میں وہ مشورہ کرتے رہے اور اس سلسلے میں امریکہ کے بعض مخلصین نے بھی ان کی بھر پور مدد کی۔ بالآخر یہ طے پایا کہ امریکہ کی ایک مشہور کمپنی کو یہ ٹھیکہ دیا جائے اور انہوں نے وعدہ کیا کہ ہم آپ کے اس مسجد کے افتتاح سے پہلے اس انتظام کو مکمل کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل پر امید رکھتے ہوئے، اس کی رحمت پر توکّل کرتے ہوئے ان کو یہ ٹھیکہ دے دیا گیا اور اس ضمن میں چوہدری منیر احمد صاحب کے علاوہ فرحان بشارت صاحب نے جو کینیڈا میں ایک سائنس کے طالب علم ہیں بہت

غیر معمولی قربانی کرتے ہوئے اپنا وقت پیش کیا اور گزشتہ تین ماہ سے مسلسل وہ یہیں موجود رہے ہیں اور اس بات کی قطعاً پرواہ نہیں کی کہ ان کی تعلیم کا کیا حرج ہوتا ہے اور کتنا حرج ہوتا ہے اور یہ ان کی ذاتی محنت اور دلچسپی تھی جس کا اس کام کے پایہ تکمیل تک پہنچنے میں ایک بہت بڑا حصہ ہے اور الحمد للہ کہ آج اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اس جمعہ کے ساتھ اس Earth Station کے ذریعے Satellite کی معرفت تمام کینیڈا اور امریکہ تک MTA کو پہنچانے کا انتظام مکمل ہو چکا ہے اور آج اس کے بھی افتتاح کا دن ہے۔

اس سلسلے میں جماعت امریکہ کا بھی ذکر ضروری ہے کہ انہوں نے اپنی اس مسجد کے قریب ہی جماعت کینیڈا کو اپنے لئے بہترین جگہ منتخب کرنے کا حق دیا اور اس کے ساتھ ہی جو مکان یہاں پہلے تعمیر شدہ تھا وہ بھی ان کے سپرد کر دیا تو اس طرح انہوں نے خود بھی اس میں ایک حصہ ڈالا۔ اس ارتھ سٹیشن اور جو Satellite اس کے ساتھ استعمال ہوگا اس سے متعلق کچھ کوائف بیان کرنے ضروری ہیں تا کہ تمام امریکہ کی جماعتیں اور کینیڈا کی جماعتیں ان کے پیش نظر اپنے اپنے گھروں میں Satellite لگوانے کی کوشش کریں۔

یہ جو Earth Station ہے یہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ جہاں چاہیں آپ، نظر کی حد تک ہر قسم کے پیغام چوبیس گھنٹے پہنچا سکتا ہے لیکن Satellite جو ان پیغاموں کو وصول کر کے پھر دوبارہ زمین کی طرف پھینکتے ہیں وہ ہمارے اختیار میں نہیں ہوتے اور سر دست جماعت کو ابھی توفیق نہیں ہے کہ وہ پورا Satellite خرید سکے اس لئے وہ کرایہ پر انتظام کرنا پڑتا ہے اور اس ضمن میں بھی بہت ہی تگ و دو کے بعد اور محنت کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک ایسے Satellite سے Contact ہو گیا ہے جس کا نام Galaxy.4 ہے جس کے ذریعے اب انشاء اللہ شمالی امریکہ یعنی کینیڈا سمیت براعظم امریکہ میں جتنے ممالک یا سٹیٹس ہیں وہ سب انشاء اللہ روزانہ تین گھنٹے کا پروگرام سن سکیں گے۔

ایک حصہ اس کا چونکہ جو Foot Print کہلاتا ہے وہ دنیا کے سیاسی جغرافیہ کی پیروی نہیں کرتا بلکہ وہ زمینی دائروں کے مطابق بنتا ہے اس لئے اس میں خدا کے فضل سے میکسیکو بھی شامل ہو چکا ہے اور میکسکو کا بڑا شمالی حصہ بھی اس سے اسی طرح استفادہ کر سکے گا۔ یہ تمام پروگرام K.U بینڈ پر نشر ہوں گے اور اس لحاظ سے سہولت یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ دس بارہ فٹ کا ڈش انٹینا لگایا جائے،

دو فٹ کا یا زیادہ سے زیادہ تین فٹ کا ڈش انٹینا کام دے گا۔ جو سگنلز ابھی تک بھجوائے گئے ہیں ان کی رپورٹوں سے پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ بہت ہی اچھی Reception ہو رہی ہے اور شمالی کینیڈا کی حد تک جہاں آبادی ہے اور یونائیٹڈ سٹیٹس کے جنوب کی حد تک جہاں جہاں سے بھی سگنل سے رابطہ کیا گیا ہے معلوم ہوا ہے کہ اللہ کے فضل سے بہت اچھے سگنل وصول ہو رہے ہیں۔ یہ ڈش انٹینا لگانا امریکہ اور کینیڈا کے احمدیوں کے لئے کوئی مشکل نہیں کیونکہ یہاں کے اقتصادی معیار کے لحاظ سے اس کی قیمت بہت ہی معمولی ہوگی۔ کینیڈا نے تو اپنے لئے پہلے ایک ہزار کا آرڈر دیا تھا جو دو سو سے کم قیمت پر، غالباً 170 کینیڈین ڈالر کے لگ بھگ میں ان کو دستیاب ہو گیا۔ یعنی ایک ہزار نہیں بلکہ ایک ہزار میں سے ہر انٹینا کے لئے ان کو دو سو سے کسی حد تک کم قیمت پر انٹینا مل جائے گا اور یہ ایسی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے عام معمولی غریب احمدیوں کے لئے بھی کچھ مشکل نہیں ہے۔

دوسرا حصہ ہے جو بیرونی حصہ ہے جس میں میکسیکو کا شمالی حصہ ہے اس کے لئے تین فٹ کا انٹینا درکار ہوگا اور وہ بھی کوئی اتنا زیادہ مہنگا نہیں بنتا۔ یونائیٹڈ سٹیٹس میں ابھی تک کوئی باقاعدہ معاہدے کے ذریعے کسی کمپنی سے انٹینا بنوانے کا انتظام نہیں ہوا لیکن امیر صاحب نے مجھے بتایا ہے کہ بڑی تفصیل سے ایک کمیٹی نے غور کر کے تمام جماعتوں کو ہدایات دی ہیں اور ہم امید رکھتے ہیں کہ تمام جماعتیں اپنے اپنے دائرے میں یہ کام کر سکیں گی۔ کینیڈا میں اگرچہ آغاز کا آرڈر ایک ہزار کا تھا لیکن اتنی جلدی مطالبہ اس سے بڑھ گیا کہ امیر صاحب نے مجھے دو دن ہوئے بتایا کہ اب ان کا ارادہ ہے کہ وہ ایک ہزار کا مزید آرڈر دے دیں تو امید ہے کہ وہاں دو ہزار گھروں تک اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایم۔ ٹی۔ اے کے پہنچنے کا انتظام ہو جائے گا۔

اس Earth Station کا رابطہ ہمارے یورپ سے ہونے والے یعنی لندن سے شروع ہونے والے Live Programme سے مسلسل رہے گا۔ چنانچہ جس وقت انگلستان میں Live Programme یعنی جب مثلاً خطبہ ہو رہا ہے اور میں ایک گھنٹے کے لئے مجلس میں بیٹھا ہوں یا دوسرے اور پروگرام ہیں وہ چل رہے ہوں گے تو یہاں کا ''ارتھ سٹیشن'' خودکار آلوں کے ذریعے ان کو نہ صرف اتارے گا بلکہ ریکارڈ کرے گا اور ان کو Pal سے .N.T.S.C میں تبدیل بھی کرے گا۔ چنانچہ صبح کے وقت جو عام طور پر یہاں کے احباب کے لئے اور بچوں کے لئے مناسب وقت نہیں تھا

اور بہت دقت پیش آتی تھی ان کو یہ سہولت ہو جائے گی کہ ان کے لئے یہ Earth Station یہ پروگرام ریکارڈ کر کے اس میں سے جتنا حصہ یہاں کی انتظامیہ نے مناسب سمجھا وہ اسی شام کو دکھایا جائے گا اور دکھانے کے اوقات یہ ہیں کہ مشرقی ساحل پر آٹھ سے لے کر گیارہ بجے تک شام کا وقت ہے۔ جو اکثر کام کرنے والوں کی واپسی کے بعد کا وقت ہے اور امریکہ میں تو گیارہ بجے تک جاگنا ایک روزمرہ کا معمول ہے کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ مغربی ساحل کے لئے کچھ دقت ہے کہ وہاں یہ پروگرام پانچ بجے شروع ہوگا مگر لاس اینجلس میں ڈاکٹر حمید الرحمٰن صاحب سے میں نے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا کہ ہمارے بچے پانچ بجے تک واپس آ جاتے ہیں اور جو کام کرنے والے ہیں وہ بھی پانچ سے لے کے سات کے درمیان گھروں میں واپس آ سکتے ہیں تو ان کے لئے کوئی مشکل نہیں ہوگا کہ اگر سارا نہیں تو اس کے ایک حصے سے استفادہ کر سکیں۔ دوسرے انہوں نے فرمایا کہ ہر گھر میں یہ سہولت موجود ہے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے لئے ریکارڈنگ کرلو تو جب وہ پانچ سے آٹھ بجے تک کا پروگرام ہو رہا ہو وہ ریکارڈ ہو رہا ہوگا واپس آ کے ہم اس کی ریکارڈنگ بھی دیکھ سکتے ہیں۔ اگر دیر ہو جائے تو اس طرح امریکہ کے اور کینیڈا کے تمام احمدیوں کو یہ سہولت ہوگی کہ براہ راست مرکزی تربیت سے استفادہ کر سکیں۔

اس ضمن میں کچھ اور اہم باتیں ہیں جن کی طرف میں آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ اول یہ کہ یہ Satellite کا ''ارتھ سٹیشن'' بنالینا، Satellite سے وقت لے لینا یہ اتنا مشکل کام نہیں ہے جتنا روزمرہ پروگرام جاری کرنا ہے۔ اس کے لئے بہت قربانی کی ضرورت ہے اور قابل مخلص نوجوانوں اور بڑوں، معمر دوست بھی اس میں شامل ہو سکتے ہیں، ان کی روزانہ وقت کی قربانی کی ضرورت ہے۔ انگلستان میں جو انتظام ہے اس کے ذریعے تین چار حصوں میں اہم پروگرام کا روزانہ انتظام کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے۔ جو ابتدائی کمزوریاں تھیں ان میں وہ دور کی جارہی ہیں، روز بروز پروگرام بہتر ہو رہے ہیں۔ اس کے لئے ایک جوجسوال برادران کا مستقل وقف ہے جو اس میدان میں پہلے بھی کچھ مہارت رکھتے تھے لیکن اب اللہ تعالیٰ کے فضل سے جو اس میدان میں کام کرنے والے Professionals ہیں ان سے کسی طرح بھی کم نہیں اور ان کے علاوہ ایک نوجوانوں کی ٹیم ہے جو روزانہ کام کرتی ہے۔ ان میں دس پندرہ یا پندرہ بیس ایسے لڑکے بھی ہیں لڑکیاں بھی ہیں جن کو الگ سٹوڈیو بنا کے دیا گیا ہے۔ بچیاں صبح نو بجے سے لے کر شام پانچ بجے تک آتی ہیں جبکہ لڑکے وہاں اس

وقت نہیں ہوتے اور لڑکے شام پانچ بجے آ کر اسی سٹوڈیو پہ قبضہ کرتے ہیں اور پھر بعض دفعہ رات ایک دو بجے تک کام کرتے ہیں اور یہ سارے وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ بے کار نہیں یا طلبہ ہیں یا کام کرنے والے لوگ ہیں اور مسلسل محنت کے ساتھ ایک دن بھی تھکاوٹ کا شکوہ کئے بغیر انہوں نے کام کو سنبھالے رکھا ہے اور دن بدن خدا کے فضل سے بہتر بنا رہے ہیں۔ اگر میں آپ کو تفصیل بتاؤں کہ ایک گھنٹے کی وڈیو کو دکھانے کے قابل بنانے کے لئے کتنی محنت کرنی پڑتی ہے، کیا کیا جائزے لینے پڑتے ہیں تو آپ حیران ہو جائیں گے کہ کتنے بڑے وقت کی قربانی درکار ہے اور یہ سب خدا کے فضل سے جماعت انگلستان بڑے شوق سے کر رہی ہے اور جب مجھے فکر پیدا ہوتا ہے کہ یہ تھک نہ جائیں یقین دلاتے ہیں کہ بالکل مطمئن رہیں ہم عہد کر چکے ہیں اس کام کو ضرور نبھائیں گے اور نبھا رہے ہیں۔ پروگرام بڑھ رہے ہیں پہلے تو صرف پاکستان کے اور بعض مشرقی ممالک ایشیا کے لئے صبح گیارہ سے رات گیارہ بجے تک بارہ گھنٹے کے پروگرام ہوتے تھے اب مشرق بعید کے لئے بھی پروگرام شروع ہو چکے ہیں اور انڈونیشیا جو بڑی مدت سے جماعتی پیغام دینے سے اس لئے محروم تھا کہ قانونی دقتیں حائل تھیں۔ اب جو Satellite ہم نے ان کے لئے چنا ہے ان کا مرکز انڈونیشیا ہے اور سب سے اعلیٰ Reception انڈونیشیا میں ہوتی ہے اور اس کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ آسٹریلیا میں بھی بہترین پروگرام سنا جا رہا ہے اور نیوزی لینڈ میں بھی بہترین پروگرام سنا جا رہا ہے اور فجی میں بھی وہ پروگرام سنا جا سکتا ہے۔ ملائشیا میں شمال کی طرف انڈونیشیا کے، وہاں بھی یہ پروگرام بڑی عمدگی سے سنا جا رہا ہے۔ تو وہ جو خلا ایک باقی تھا وہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح پر فرما دیا لیکن اس کے لئے جو محنت کرنی پڑتی ہے اور جو وڈیوز ممالک کو مدنظر رکھتے ہوئے تیار کرنی پڑتی ہیں اس کے لئے بہت وقت چاہئے اور روزانہ پھر Satellite کو وقت کے اوپر وہ چیز پہنچانا ایک اہم ذمہ داری ہے جس کے لئے ہم بعض دفعہ پندرہ دن کا پروگرام بناتے ہیں تا کہ آگے آگے رہیں ورنہ ایک منٹ بھی وہ دیر برداشت نہیں کر سکتے۔ عین جب سوئی بارہ پہ پہنچتی ہے اگر بارہ پہ شروع ہونا ہے تو Satellite کی انتظامیہ ہم سے یہ تقاضا کرے گی کہ اس سے پانچ منٹ پہلے کم از کم وہ ان کی سٹاک میں داخل ہو جانی چاہئے اور اس سے بھی کچھ پہلے ان کو اپنے پروگراموں کو ترتیب دینے کے لئے سارے پروگرام کا علم ہونا چاہئے۔ اب یہ سارا کام بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ ہماری طوعی، رضا کارانہ خدمت کرنے والی ٹیم کر رہی ہے۔

یہاں جو کمی مجھے محسوس ہوئی ہے۔ یہ انتظام تو ہو گیا لیکن یہ انتظامیہ نہیں ہے جو اس کام کو سنبھالے، یہ تو ویسی ہی بات ہے کہ

؎ مسجد تو بنادی شب بھر میں ایمان کی حرارت والوں نے (کلیات اقبال)

لیکن نمازی میسر نہیں آئے۔ تو میں اس مسجد کی بات نہیں کر رہا اس کو تو اللہ اتنے نمازی دے گا کہ دیکھتے دیکھتے چھوٹی ہو جائے گی۔ میں کام کرنے والے جو ٹیلی ویژن پر کام کرنے والے ہیں ان کی بات کر رہا ہوں کہ اس کی بہت ضرورت ہے روزانہ تین گھنٹے تو یہاں ایسے ماہر بیٹھنے چاہئیں بعض کو تو ہم نے یہ ٹریننگ دلوائی ہے مگر وہ مستقل وقت نہیں دے سکتے کچھ عرصہ وہ ساتھ کام کریں گے اور آپ کے نوجوانوں کو مسلسل اپنا وقت وقف کرنا ہوگا اور اس کے لئے جتنی جلدی کریں اتنا ہی کم ہے کیونکہ آج سے پروگرام شروع ہو چکا ہے۔ کل میں نے امیر صاحب یونائیٹڈ سٹیٹس کی امارت میں ایک کمیٹی کو ان باتوں پر غور کرنے کے لئے ہدایت کی تھی اس میں امیر صاحب کینیڈا بھی شامل تھے کچھ اور جو کام میں شامل رہے ہیں وہ بھی ساتھ تھے تو مجھے امید ہے انہوں نے جس طرح ہدایت دی گئی تھی اس قسم کا ڈھانچہ تیار کر لیا ہوگا۔ لیکن جو جو ہمیں ضرورتیں ہیں وہ میں تمام جماعت کے علم میں لانا چاہتا ہوں تا کہ اس کے مطابق دوست اپنے آپ کو پیش کریں۔ پہلی ایک بات یہ ہے کہ جتنے بھی اہم پروگرام مرکز میں پہلے سے دکھائے جا چکے ہیں اور اس میں دنیا کا ایک بڑا حصہ شریک ہو چکا ہے ان کی وڈیو یہاں پہنچنی ضروری ہے۔ اس سلسلے میں یہ ابتدائی ہدایت میں نے جسوال برادران کو کی تھی مجھے امید ہے کہ اس کے مطابق وہ کافی تعداد میں وڈیوز ساتھ لے آئے ہوں گے۔ ان وڈیوز کو دیکھنا ضروری ہے ان سب کو Pal System سے N.T.S.C.System میں تبدیل کرنا ضروری ہے اور اس کے مطابق پروگرامنگ کرنی ہے اور حسب حالات بعض چیزیں چھوڑنی پڑیں گی، بعض چیزیں داخل کرنی پڑیں گی اور پھر پروگرام اتنے لمبے عرصے کے لئے بنانے ہوں گے کہ پندرہ دن کا شیڈول، پروگرام آپ دیکھنے والوں کو پہلے بتا سکیں۔ اس کے علاوہ مقامی طور پر پروگرام تیار کرنے ہیں ان کے لئے بھی بڑی محنت کی ضرورت ہے کیونکہ امریکہ کا ایک اپنا مزاج ہے، امریکہ کا ایک اپنا زبان کا تلفظ ہے، اس میں جب وہ بات سنتے ہیں تو ان پر اور اثر پڑتا ہے اور نئے پروگرام بنانے میں بہت ہی ذمہ داری کے ساتھ انتخاب کرنا پڑتا ہے کون اس کا اہل ہے اور کون نہیں ہے۔ پھر جتنے پروگرام بنتے

ہیں ان کو از سر نو دیکھنا پڑتا ہے ان کا ابتدائی ڈھانچہ بعض دفعہ مجھے خود دیکھ کر اس کی منظوری دینی پڑتی ہے ورنہ کئی دفعہ غلطیاں بیچ میں داخل ہو جاتی ہیں اور جماعت احمدیہ کا وقار مجروح ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ کئی دفعہ غلطی سے ایسی باتیں ہو جاتی ہیں اس پہ شکوے موصول ہوتے ہیں تو اب تو بار بار ہدایت سے ٹیموں کو اتنا تیار کر لیا گیا ہے کہ ان کے اندر خدا تعالیٰ نے یہ سلیقہ پیدا کر دیا ہے کہ جہاں بھی ان کو خطرہ محسوس ہو کہ یہ مناسب ہے یا نہیں ہے وہ فوری طور پہ مجھ سے وقت لے کر مجھے وہ وڈیو لا کے دکھاتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ یہ حصے خاص طور پر توجہ کے مستحق ہیں اور پھر ہم مل کر وہاں فیصلے کر لیتے ہیں۔

تو یہاں بھی ایک بہت بڑی ٹیم کی ضرورت ہے جو اول ان تمام پروگراموں کو جو انگلستان سے یہاں پہنچیں گے ان کو ساتھ ساتھ دیکھے اور امریکہ کے لئے فیصلہ کرے کہ کتنے حصوں میں اس کو پیش کرنا ہے۔ بعض پروگرام ہیں ایک ایک دو دو گھنٹے کے پروگرام ہیں یا چھ سات گھنٹے کے پروگرام ہیں۔ مختلف جلسے ہیں ان میں بہت سی تقاریر ہیں اور بہت سے دلچسپ واقعات ہیں تو ان پروگراموں کو بعینہٖ اسی طرح تو آپ سٹاک میں داخل نہیں کر سکتے۔ ان کو دیکھنا ہے ان میں سے انتخاب کرنا ہے بعض چیزوں کو لینا ہے، بعض چیزوں کو چھوڑنا ہے پھر اس کے ساتھ ساتھ کمنٹری بھری ہے کہ اب ہم آپ کے سامنے کیا چیز پیش کرنے والے ہیں۔ تو بہت بڑا کام ہے۔ ہزاروں گھنٹے ایک مہینے میں ہمارے ہاں Volunteer لگا رہے ہیں اور بلا مبالغہ ہزار ہا گھنٹے صرف کر رہے ہیں اور تب جا کر بمشکل آہستہ آہستہ اب یہ احساس ہو رہا ہے کہ ہم اس گھوڑے پر کاٹھی ڈال سکے ہیں۔ لیکن ابھی بہت کچھ سیکھنا ہے گھوڑے نے بھی سیکھنا ہے، سواروں نے بھی سیکھنا ہے۔ تو آپ نے ابھی سواری کا آغاز نہیں کیا اس لئے میں سمجھا رہا ہوں کہ جہاں جہاں جس احمدی مخلص کو یہ احساس ہو کہ وہ سلیقہ رکھتا ہے کہ ان کاموں میں مدد دے سکے وہ ان کاموں میں مدد کے لئے اپنا نام فوری طور پر امیر صاحب یونائیٹڈ سٹیٹس کی خدمت میں پیش کرے اور کینیڈا میں اگر کچھ لوگ وقف کر کے خواہ وہاں مقامی طور پر کام کرنے کے لئے وقت پیش کریں یا یہاں آنے کے لئے تیار ہوں وہ امیر صاحب کینیڈا کے سامنے اپنے نام جلد از جلد پیش کریں۔

ایک اور پہلو ہے کہ لائیو پروگرام جو روزانہ آتا ہے اس کو دیکھنا اور اس میں فیصلہ کرنا کہ کون سا پروگرام کس وقت پیش کیا جائے۔ اب جو ایک گھنٹہ روزانہ میں دیتا ہوں اس میں بھی بعض ایسے پروگرام شروع ہو چکے ہیں کہ وہ از خود اسی دن ہم یہاں جاری نہیں کر سکتے کیونکہ آپ ان پروگراموں

میں پیچھے رہ چکے ہیں مثلاً تین ایسے پروگرام ہیں جن میں لائیو اسی وقت دکھانا، یا اسی دن کا لائیو پروگرام شام کو دکھانا مناسب نہیں ہوگا۔ایک قرآن کریم کی کلاس شروع ہوئی ہوئی ہے اور میری یہ خواہش ہے کہ اب میں خود ہی تمام دنیا کے احمدیوں کو قرآن کریم کا ترجمہ سکھاؤں۔اور اس ترجمہ سکھانے کے ساتھ ساتھ جہاں جہاں تلفظ کی درستی کرنی ضروری ہے یعنی عام طور پر جو غلطیاں پائی جاتی ہیں ان کی طرف توجہ دلانا وہ بھی خود کروں اور اس کے علاوہ عربی گرائمر سے بھی کچھ شناسائی کرواتا چلا جاؤں کیونکہ جو ترجمہ آپ دوسری زبانوں میں پڑھتے ہیں وہ کئی پہلوؤں سے بالکل ناقص اور خام ہے۔یعنی ایک مضمون تو آپ تک پہنچا دیتا ہے لیکن قرآن کریم کے اصل الفاظ کو سمجھنا اور کس طرح وہ بات بیان ہو رہی ہے وہ اس کا براہ راست علم پانا یہ ترجمہ پڑھنے کے مقابل میں زمین آسمان کی سی مختلف چیز ہے یعنی اتنی مختلف ہے کہ گویا زمین آسمان کا فرق ہے۔اس لئے لازم ہے کہ آپ کو پتا چلے کہ قرآن کریم کا محاورہ کیا ہے کیوں یہ ترجمہ کیا جاتا ہے اور کیسے اور تراجم ممکن ہیں۔

اور پھر یہ بھی علم ہونا چاہئے جماعت کو کہ جماعت احمدیہ نے جو عام سنی یا شیعہ تراجم سے اختلاف کیا ہے تو اس کی بنا کیا ہے۔کیا محض اپنے نفس کی خواہش کے مطابق کیا ہے یا قطعی دلائل کے ساتھ جن کے شواہد قرآن کریم میں ملتے ہیں، احادیث میں ملتے ہیں، عربی گرائمر میں ملتے ہیں یہ نیا ترجمہ اختیار کیا گیا ہے۔ نیا اس پہلو سے کہ ازمنہ وسطیٰ میں جو ترجمہ کیا گیا اس زمانے کے علم کے لحاظ سے ان بزرگوں اور علماء نے جس حد تک ان کو سمجھ آئی وہ ترجمہ کر دیا مگر قرآن کریم تو ہر زمانے کی کتاب ہے اور بعض آیات ایک زمانے میں ایک مفہوم پیش کرسکتی ہیں اور اس مفہوم کو اس زمانے میں سمجھنا کافی ہے لیکن جب زمانہ آگے گزرتا ہے تو قطعی طور پر عربی گرائمر کی رو سے ان آیات سے ایک اور مفہوم اخذ کرنا ممکن ہو جاتا ہے اور بعض دفعہ ضروری ہو جاتا ہے کیونکہ زمانہ اس بات کا شاہد بن جاتا ہے کہ قرآن کریم نے جو بات آج سے چودہ سو سال پہلے بیان فرمائی تھی وہ پوری ہو چکی ہے۔ پس ایسی باتوں میں بھی اور بعض ایسے امور میں بھی جہاں قرآن کریم کا ترجمہ کرنے والوں نے اس حد تک سادگی سے کام لیا ہے کہ یہ نہیں دیکھا کہ یہ ترجمہ قرآن کریم کے شایان شان بھی ہے کہ نہیں، انہوں نے ایسا ترجمہ کیا جس سے مستشرقین اور دشمنان اسلام کو خوب پھبتیاں کسنے کا موقع ملا اور اعترض کرنے کا موقع ملا۔لیکن جماعت احمدیہ نے جو ترجمے کئے ہیں ان میں یہ پوری احتیاط ہے کہ

ترجمہ درست ہو اور کسی قسم کے اعتراض کا محل نہ بن سکے اور اس کی مثالیں بہت سی ہیں میں اس وقت نہیں دے سکتا۔ لیکن جو میں ترجمہ خود پڑھا رہا ہوں اس میں وقتاً فوقتاً ٹھہر کر وہ باتیں کھول دیتا ہوں کہ دیکھیں یہ ترجمہ فلاں نے یہ کیا ہے، ہم یہ کر رہے ہیں اس کی یہ سند ہے۔ قرآن اس پر گواہ ہے، حدیث گواہ ہے، انسانی فطرت گواہ ہے یہ اس لئے ضروری ہے کہ بعض دفعہ غیر ہمارا ترجمہ اٹھا کر بتاتے ہیں کہ دیکھو جی آپ نے معنوی تحریف کر لی ہے اور یہ ترجمہ دوسرے تراجم میں نہیں ملتا۔ ہر احمدی کو اس بات کی اہلیت ہونی چاہئے کہ وہ فوراً بتا سکے اور دلائل سے ثابت کر سکے کہ تحریف تم لوگوں نے کی ہوئی تھی، ہم نے اس تحریف کا ازالہ کیا ہے اور قطعی شواہد ہمارے حق میں ہیں کہ یہی ترجمہ ہونا چاہئے اور قرآن کی عظمت اور شان کا تقاضا یہی ہے کہ یہ ترجمہ ہو۔

پس ان پہلوؤں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور اس جذبے کے ساتھ اس خواہش کے ساتھ کہ ایسا ترجمہ ہو جو چھوٹی عمر کے بچوں کو بھی سمجھ آ رہا ہو، نئے آنے والوں کو بھی سمجھ آئے، پرانوں کو بھی سمجھ آئے، کچھ نسبتاً تفصیل کے ساتھ بعض پہلوؤں پر گفتگو کرتا ہوں وہ ترجمہ چونکہ کچھ عرصے سے جاری ہے اب آپ اگر وہ براہ راست سننا شروع کریں گے تو آپ کو پورا فائدہ نہیں دے گا کیونکہ بہت سے گرائمر کے ایسے سبق ہیں جو پہلے دے بیٹھا ہوں اور آئندہ اگر آپ نے شروع کر دیا تو آپ کو پتا نہیں لگے گا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں کس طرف اشارہ کر رہا ہوں۔ اس لئے روزانہ ان پروگراموں کو الگ جمع کرنا اور پہلے سے جو ترجمے ہو چکے ہیں ان کے لئے اپنے تین گھنٹوں میں سے وقت کا نکالنا اور پھر اس کو بعد میں آنے والے پروگراموں سے ملانا یہ کام ہے اور ایک ایسا وقت آ سکتا ہے جب آپ شامل ہو جائیں کیونکہ یہ ترجمے کی کلاس ہفتے میں صرف دو گھنٹے کے لئے ہوتی ہے۔ آپ اگر Catch up کر جائیں یعنی اس کو پکڑ لیں جو کھویا ہوا وقت ہے، تو رفتہ رفتہ دوسرے آنے والے پروگرام بھی اس میں شامل کرنے کے بعد ایسی جگہ پہنچ سکتے ہیں کہ جب روزانہ کا پروگرام روزانہ دکھا سکیں۔

ایک اور جاری پروگرام ہے وہ ہے زبان سکھانے کا پروگرام۔ اس سلسلے میں میں نے تمام دنیا کی جماعتوں سے وعدہ کیا تھا کہ ہم ایک ایسا طریق اختیار کریں گے جس سے کسی اور زبان سے واسطے کے بغیر براہ راست ایک زبان اہل زبان کی طرف سے سکھائی جائے گی اور بیک وقت اگر آٹھ چینل مہیا ہیں تو آٹھ زبانیں ایک ہی پروگرام سے سکھائی جا سکیں گی اور یہ بھی میں آپ کو بتا دوں کہ

اللہ تعالیٰ کے فضل سے جو ہمارا معاہدہ ہوا ہے، یہاں جس Satellite کمپنی سے، معاہدے میں شامل ہے کہ وہ آٹھ Channels ہمیں مہیا کریں گی یعنی ایک وڈیو چینل اور ساتھ اس کی آواز اور ساتھ مختلف آوازیں، اسی پروگرام سے ملحق۔ تو یہ بھی پروگرام موجود ہے اور زبانوں کے سکھانے میں اس میں انشاءاللہ یہ بہت مفید رہے گا۔ یہ کوشش ہوتی رہی لیکن اپنا مافی الضمیر ان دوستوں کو سمجھانے سے قاصر رہا جن کے سپرد یہ کام کیا تھا۔ اچھے تعلیم یافتہ لوگ ہیں محنتیں بھی بہت کی گئیں ذہین ہیں مگر بعض دفعہ ایک انسان کے دل میں جو تصور ہے وہ پوری طرح دوسرے کے دل پہ نقش نہیں کرسکتا۔ اس لئے جب وہ پروگرام بناتے تھے تو کہیں مجھے تسلی نہیں ہوتی تھی کہیں وہ اٹک جاتے تھے کہ بغیر کسی دوسری زبان کے یہ باتیں سمجھائی جا ہی نہیں سکتیں۔ اس لئے پھر میں نے فیصلہ کیا کہ میں خود یہ تجربہ شروع کروں لیکن تجربہ ہوتے ہوتے اب یہ مستقل پروگرام بن گیا ہے اس میں مَیں نے مختلف ممالک کے ایسے لوگ بھی شامل کئے جن کو ایک لفظ بھی اردو کا نہیں آتا تھا اور اردو سکھانے کا پروگرام بنایا۔ چینی بھی شامل تھے اور رشین بھی اور ایسے عرب بھی جن کو بالکل اردو نہیں آتی تھی اور گھر کے چھوٹے بچے بھی شامل کر لئے گئے جو وہاں کی پیدائش ہیں اور انگلستان کے بچوں کی اردو بہت کمزور ہے۔ پھر ہمارے مکرم عبدالوہاب آدم صاحب افریقہ سے اس میں شامل ہوئے۔ اور ان سب کو سمجھایا کہ ہم نے ایک لفظ بھی کسی اور زبان کا استعمال نہیں کرنا یہ آپ کا ذمہ نہیں ہے کہ اردو سیکھیں۔ یہ میرا ذمہ ہے کہ اردو سکھاؤں۔ بالکل ویسا ہی سلسلہ ہے جیسے ماں باپ اپنے بچوں کو زبان سکھاتے ہیں۔ تو قدرت نے ایک ایسا نمونہ ہمارے سامنے پیش فرمایا جس کا تعلق علم اور عقلی معیار سے دور کا بھی نہیں ہے۔ ہر جاہل سے جاہل ماں بھی اپنے بچے کو زبان سکھا لیتی ہے اور ہر زبان سکھائی جا سکتی ہے۔ دنیا کے پردے پہ کوئی ایسا خطہ نہیں ہے جہاں خدا تعالیٰ کے اس حیرت انگیز نظام سے استفادہ کرتے ہوئے ماں باپ اپنی اولاد کو بغیر کسی دوسری زبان کے سہارے کے اسے کچھ سکھا نہ سکیں، زبان نہ سکھا سکیں، یہ ممکن نہیں ہے۔ سکھا سکتے ہیں اور دوسری زبان کا سہارا ویسے بھی ممکن نہیں ہے بچہ تو بے چارہ خالی سلیٹ لے کے پیدا ہوتا ہے جتنی مرضی زبانیں بولیں اس کے لئے سارا فارسی، عربی، فرنچ ہے اس کو تو کچھ پتا نہیں لیکن آپ سکھا لیتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ ذمہ داری ماں باپ کی ہو بچے کی نہ ہو بچے کو کوئی پرواہ نہیں ہے۔ وہ اپنے ذہن پر ادنیٰ بھی بوجھ نہیں ڈالتا کہ میں کچھ

سیکھوں وہ بے تکلف اپنی مرضی کی باتیں کرتا ہے اپنی موجوں میں لگا ہوتا ہے ماں باپ اس کا منہ ہلا ہلا کر اپنی طرف کرتے ہیں کہ بیٹا یہ لفظ بولو، کبھی بولتا ہے کبھی نہیں بولتا اس کو کوئی پرواہ نہیں لیکن خدا نے جو نظام بنایا ہے یہ اتنا قوی ہے اور اس نظام کا یہ ایک لازمی جزو ہے کہ بچہ بوجھ نہ ڈالے کیونکہ جو بوجھ ڈالے گا اور کوشش سے زبان سیکھے گا اس کی زبان میں رخنے پیدا ہو جائیں گے اس کا تعلق کوشش کے ساتھ اپنے یادداشت کے خلیوں سے فائدہ اٹھانے کی ذمہ داری اس کے اوپر عائد ہو جائے گی۔ اب کوشش کے ساتھ جب آپ یادداشت کے خلیوں سے استفادہ کرتے ہیں تو بسا اوقات مشکل پڑ جاتی ہے کوئی لفظ یاد نہیں آتا کبھی ادھر بھاگتے ہیں کبھی ادھر بھاگتے ہیں اور جتنی زبانیں بھی آپ دوسری زبانوں کے ترجموں سے سیکھتے ہیں ان میں ذہن مستقل ترجمے کر رہا ہوتا ہے اور جو زبان خود اگتی ہے، خود رو پودے کی طرح آپ کے ذہن کے Soil سے پیدا ہوتی ہے اس کی بات ہی کچھ اور ہے اس کو مادری زبان کہتے ہیں۔ وہ غلط بھی ہو اس میں خود روئیت کا ایک حسن پایا جاتا ہے اس لئے یہ ضروری نہیں کہ ہر انگریز بہت اچھی انگریزی بولتا ہو۔ وہ اگر بولتا ہے تو پورے یقین کے ساتھ کہ یہ میری سرزمین ہے میں جو کہتا ہوں کہہ سکتا ہوں اور لوگوں کو اس کا لطف آتا ہے۔ ایک عرب جو ہے جیسے وہ عربی بولتا ہے دوسرے کے سہارے سے سیکھے ہوئے عربی دان وہ بات پیدا نہیں کر سکتے۔ تو اس لئے بھی میں نے یہ سوچا تھا کہ خدا کے قائم کردہ نظام کے مطابق ترجمے کا پروگرام بنایا جائے یعنی زبانیں سکھانے کا پروگرام بنایا جائے۔

اب تک گیارہ اسباق دیئے جا چکے ہیں اور اس دوران اللہ تعالیٰ کے فضل سے مثلاً وہ روسی ہمارے راویل صاحب جن کو ایک لفظ بھی اردو کا نہیں آتا تھا کئی فقرے اردو کے خود بخود بولنے لگے۔ باتوں باتوں میں بے ساختہ ان کے منہ سے بعض فقرے پھوٹتے ہیں اور بالکل صحیح پھوٹتے ہیں، سوال کر سکتے ہیں تو یہ ان سب کو اطمینان ہو چکا ہے کہ اس طرح وہ ہر زبان سکھا سکتے ہیں۔ چنانچہ یہ وڈیوز تقسیم کر دی گئی ہیں اہل زبان میں۔ اب اس پروگرام کو دیکھ کر ایک انگریز انگریزی سکھائے گا اور بظاہر میں بول رہا ہوں گا لیکن آواز اس انگریز کی ہو گی انگریزی کے وقت۔ اور عثمان چینی صاحب، چینی سکھائیں گے اگرچہ وہ مختلف ہیں میں مختلف ہوں لیکن میری زبان سے آپ چینی لفظ سنیں گے کیونکہ وہ حرکتیں ایک ہی ہیں اور طرز بیان ایک ہے اس لئے ہر آدمی انہی حرکتوں، اسی طرز بیان سے مختلف زبانیں سیکھ رہا ہو گا۔ فرنچ بھی آپ مجھ سے سیکھ رہے ہوں گے بظاہر اور جرمن بھی سیکھ رہے ہوں گے اور Spanish

سپینش بھی سیکھ رہے ہوں گے اور عربی بھی سیکھ رہے ہوں گے لیکن وہ آوازیں مختلف ہوں گی پروگرام ایک ہوگا۔ تو یہ پروگرام اب تک میرا خیال ہے مکمل ہو چکے ہوں گے لیکن وہاب صاحب نے تو مجھے بتایا ہے جیسا کہ میں نے ان کو تاکید کی تھی امریکہ آنے سے پہلے لازماً ختم کر کے آئیں، ان کو امریکہ آنے کی جلدی تھی اور مجھے یقین تھا کہ اگر آ گئے تو سارا پروگرام دھرا رہ جائے گا میں نے شرط لگا دی کہ امریکہ آنے کا شوق ہے ٹھیک ہے لیکن پروگرام بنائیں پھر آئیں تو اب انہوں نے مجھے آتے ہی رپورٹ دی کہ اپنی بیٹی کو بھی شامل کیا اور بہت محنت کی اللہ کے فضل سے ان کے وہ ترجمے درج کروا آئے ہیں۔

اسی طرح قرآن کریم کی جو کلاس ہے اس کے ترجمے ضروری ہیں اس کے تو ترجمے نہیں ہوتے یہ تو دیکھنے والا از خود اندازہ لگا کر اپنی زبان سکھاتا ہے، نوید مارٹی صاحب ہیں ہمارے ایک فرنچ بہت مخلص احمدی ان کے سپرد کیا ہے انہوں نے دیکھا ہے وہ کہتے ہیں میں مطمئن ہوں کہ اس طرح زبان سکھائی جاسکتی ہے۔ میں اسی پروگرام سے اب فرنچ سکھاؤں گا تو جرمن قوم کے سپرد جرمن سکھانے کا پروگرام کر دیا ہے، سپینش کے سپرد سپینش کا۔ سپینش کی بھی کل مجھے اطلاع ملی ہے کہ پروگرام خدا کے فضل سے آگے بڑھ چکا ہے تو آئندہ کا پروگرام میں آپ کو ابھی بتا دوں وہ یہ ہے کہ جو گیارہ دن کا پروگرام ہے یہ ایک ایک گھنٹے کا ہے اس کو ہم آدھے آدھے گھنٹے کے پروگراموں میں بدلیں گے اور گیارہ کی بجائے بائیس دن اردو کے ساتھ ساتھ سات اور زبانیں آپ کو سکھائی جارہی ہوں گی تا کہ سہولت سے روزانہ آدھے گھنٹے کا پروگرام آپ سنیں بوجھ نہیں لینا اپنے دماغ پر، جو پروگرام گزر گیا گزرنے دیں مگر جیسا کہ غالب نے کہا تھا۔

میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں (دیوان غالب:150)

یہ پروگرام ایسے نہیں ہیں جو آپ سے غائب ہو جائیں گے کیونکہ یہ کمرشل انتظام تو ہے نہیں۔ ہم دوبارہ پھر اسی بائیس دن کے پروگرام کو دہرائیں گے اور از سرنو پھر یہ آپ کے سامنے حاضر ہوگا اس لئے کچھ یاد ہو یا نہ ہو دلچسپی سے دیکھتے رہیں اس میں اور باتیں بھی ہوتی ہیں کھانے وغیرہ بھی پیش کئے جاتے ہیں، ایک دوسرے کو کھانے کے آداب سکھانے اور کھانوں کے نام بتانے کے لئے لطیفے بھی ہوتے رہتے ہیں ایسی مجلس نہیں جس سے آپ بور ہو جائیں تو آپ کو روزانہ آپ کی مرضی کی زبان سیکھنے کے لئے آدھ گھنٹہ درکار ہے اور جب یہ بائیس دن گزر جائیں گے، چوالیس دن بن جائیں گے یہ۔

آدھے آدھے گھنٹے کے بائیس دن، پھر ان کی دہرائی چوالیس دن میں ۔اللہ تعالیٰ مجھے موقع دے دے گا کہ جو یہاں دورے پر آیا ہوں یہ کمی جا کے پوری کرلوں اور پھر یہ پروگرام بنا کر اس کو آگے بڑھاؤں۔

میرے ذہن میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے صحت اور زندگی اور اپنے فضل سے وہ صلاحیتیں عطا کرے تو ایک سال یا زیادہ سے زیادہ دو سال کے عرصے میں ہم انشاء اللہ تمام دنیا کو مختلف زبانیں سکھا سکیں گے۔لیکن جب میں نے خود پروگرام شروع کیا تو اس وقت مجھ پر یہ بات ظاہر ہوئی اور میں سمجھتا ہوں یہ اللہ تعالیٰ کا تصرف تھا کہ باقی سب اس کوشش میں نا کام رہے کہ یہ مجھے محسوس ہوا کہ جس قسم کی زبان میں جماعت کو دینا چاہتا ہوں اس کے لئے ضروری ہے کہ میں خود سکھاؤں اور سکھانے کے دوران اس میں میری اردو کی غلطیاں تو کچھ ہوں گی لیکن ہر ماں باپ کی غلطیاں ہوتی ہیں اس بات کی پرواہ نہ کریں بعض ٹھیک کرنے والے بعد میں آپ کو ٹھیک بھی کرا دیا کریں گے کیونکہ بہت بڑا Grammarian تو میں ہوں نہیں، نہ دلی میں پیدا ہوا۔دلی والوں کی زبان حضرت اماں جان کی زبان سے ہم نے پائی۔لیکن پنجابی اس زبان کو بگاڑنے والے بھی کافی ہوتے تھے گھر میں جو سیکھتے تھے سکول جا کر اس کو تبدیل کرنے کی کوششیں از خود چلتی رہتی تھیں تو اسی لئے زبان کچھ کھچڑی سی بن گئی اور رفتہ رفتہ، آہستہ آہستہ خطبات میں بھی کئی دفعہ ایسی غلطیاں ہوتی ہیں بعد میں ہمارے ماہرین اس زبان کے مجھے لکھتے رہتے ہیں بڑی معذرت کے ساتھ، تو میں ان سے کہتا ہوں کہ تصحیح کرانا تو کوئی بے ادبی نہیں ہے۔تصحیح کرانا تو نظام اسلام کا لازمی حصہ ہے۔قرآن کریم سے بہتر کس کتاب کی صحت کی ضرورت ہے لیکن تلاوت میں اس میں بھی غلطیاں ہو جاتی ہیں اور حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے ایک تصحیح کا نظام ہمیں سکھایا ہے کہ اس وقت سُبْحَانَ اللّٰهِ کہا کرو۔سُبْحَانَ اللّٰهِ کا مطلب بہت عظیم مطلب ہے کہ صرف اللہ غلطی سے پاک ہے اور کوئی نہیں ہے۔یہ دوطرفہ پیغام ہے تصحیح کرنے والے کے لئے بھی ہے اور غلطی کرنے والے کے لئے بھی ہے غلطی کرنے والے کے لئے یہ ہے کہ آپ علم کا یا اور کوئی بھی مرتبہ رکھتے ہوں غلطی سے پاک نہیں ہو سکتے کیونکہ خدا کے سوا اور کوئی نہیں اس میں شرمندگی کی کوئی بات نہیں۔یہ بشریت کا تقاضا ہے ہر آدمی غلطی کرسکتا ہے اور کہنے والے کی انا توڑنے کے لئے سُبْحَانَ اللّٰهِ سے بہتر کوئی نسخہ نہیں کہ تم نے اس وقت تو غلطی ضرور کی ہے لیکن تم بھی تو غلطیوں کے پتلے ہو تم سے بھی

غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ تو اتنا حیرت انگیز نظام ہے اسلام کا کہ ہر بات میں گہری حکمت اور آپس کے ربط پائے جاتے ہیں۔ پس اس پہلو سے میں ان کو لکھتا ہوں کہ شوق سے آپ مشق ستم فرمائیں مجھے کوئی نقصان نہیں بلکہ فائدہ ہوتا ہے میں ممنون ہوں میری غلطیاں نکالا کریں، مجھے کوئی تکبر نہیں ہے کسی قسم کا۔ میں اگلے خطبے میں کہہ دوں گا ہاں جی یہ غلطی ہوگئی معاف کرنا لوگ درست کرلیں لیکن یہ ضروری ہے میرے لئے کہ غلطیاں رہ نہ جائیں کیونکہ آئندہ زمانوں میں ان خطبوں سے فائدے اٹھائے جائیں گے اگر غلطی رہ گئی اور درستی نہ کی گئی تو بعض لوگ غلط راستوں پر چل پڑیں گے۔ تو اردو میں بھی ہوں گی ضرور میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں اردو دان ہوں لیکن کوشش کر رہا ہوں کہ جس حد تک ہو سکے صحت کے ساتھ آپ کو زبان سکھاؤں اور ایک نیا مقصد جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے دل پہ ظاہر ہوا کہ تمام دنیا میں اس کثرت سے اور اس تیزی سے احمدیت پھیل رہی ہے کہ اب ہمارے لئے یہ ممکن ہی نہیں رہا کہ ہر زبان کے ماہرین اتنے پیدا کریں اور اس کثرت سے پیدا کریں کہ وہ ساتھ ساتھ اردو بھی سیکھ چکے ہوں اور انگریزی بھی یا عربی بھی اور بہترین ترجمے کر کے دنیا کو پیغام دے سکیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک بڑی دنیا احمدیت میں ہم داخل کر رہے ہیں جو اپنے علم کے لحاظ سے اندھیروں میں رہے گی اور ان کو روشنی پہنچانے کا کوئی انتظام نہیں کر سکتے۔ تو اگر براہ راست ساری دنیا اردو سیکھ لے اور ٹیلی ویژن کے ذریعے اب یہ ممکن ہو گیا ہے تو بیک وقت افریقہ میں اور یورپ کے ممالک میں وہ سارے جن سے ترجمے کا احتیاج رہتا تھا باتیں کرتے ہوئے اور نہ ان کو لطف آتا تھا نہ مجھے لطف آتا تھا اب ایسا موقع پیدا ہو جائے گا کہ سال دو سال کے اندر اندر خدا کے فضل سے جب میں یہاں آؤں گا تو برادر مظفر سے امریکن انگریزی نہیں بولوں گا بلکہ اردو میں بات کروں گا اور سارے بھائی میرے جتنے یہاں موجود ہیں وہ بے تکلف مجھ سے باتیں کریں گے اب تو ہمارے حبیب شفیق صاحب کو صرف ایک اردو آتی ہے وہ سمجھتے ہیں اردو ہے حالانکہ وہ پنجابی ہے جب میں ملتا ہوں کہتے ہیں ''کیہہ حال اے'' تو جو میں اردو سکھاؤں گا وہ ایسی اردو نہیں ہوگی جو کھلم کھلا پنجابی ہو لیکن ''کی حال'' تک بات نہیں رہے گی، آگے بات بڑھے گی کیونکہ ہم جو زبان سکھا رہے ہیں اللہ کے فضل سے وہ روزمرہ کی زندگی کے مختلف مواقع، اٹھنا بیٹھنا، پھر دین کی باتیں اور رفتہ رفتہ اس کے مضمون کو بڑھا کر دینی مسائل کی گفتگو یہ ساری ماضی، حال، مستقبل پر عبور۔

یہ ساری کوششیں انشاء اللہ جاری رہیں گی یہاں تک کہ میں امید رکھتا ہوں کہ جو دو سال تک ہمارا ساتھ دیں گے وہ اپنی مرضی کی زبان آسانی سے سیکھ سکیں گے اور میری ہدایت یہ ہے کہ پہلے اردو کو اہمیت دیں اور پھر عربی کو اہمیت دیں اگر چہ عربی کو اولیت حاصل ہے مگر چونکہ میری زبان اردو ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اگر چہ عربی میں کتب لکھیں مگر زیادہ تر کتب اردو میں ہیں اس لئے عربی کے جو پیغام قرآن میں عطا ہوئے اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے ان کی وضاحتیں ہمیں ملیں وہ چشمے اردو میں جاری ہوئے ہوئے ہیں۔ اس لئے کوئی تقابل کا سوال نہیں ہے وقت کی ایک حقیقی ضرورت ہے اور چونکہ ایک لمبے عرصے تک میں نظر رکھتا ہوں میرے خیال میں خلفاء اردو دان یہ رہیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کچھ اسی طرح کام کیا کرتی ہے کہ جہاں سے وہ نبوت کا انتخاب فرماتا ہے وہیں ایک لمبے عرصے تک خلافت کو بھی محدود رکھتا ہے اس لئے مجھے آئندہ کے لئے بھی یہی دکھائی دے رہا ہے کہ اردو کی ضرورت جاری رہے گی اور جو مزہ خطبے کا براہ راست سمجھنے کا ہے وہ ترجمے کا نہیں اور جو ترجمے کے ذریعے باتیں پہنچتی ہیں ویسے ہی وہ بعض دفعہ بیچ میں بگڑ جاتی ہیں اور پھر Running Translation تو بہت ہی مشکل کام ہے رننگ کمنٹری تو اور بات ہے لیکن رننگ ٹرانسلیشن میں ایک آدمی جب سنتا ہے ایک ترجمے کی خاطر، تو اس کا ذہن بڑی تیزی سے کام کر رہا ہوتا ہے کہ اس کو میں کس طرح اپنی زبان میں پیش کروں اور جب وہ پیش کر رہا ہوتا ہے تو یہ اس کے لئے ممکن ہی نہیں ہوتا کہ جو حصہ اس وقت کہا گیا ہے وہ اس کو سن سکے۔ سنتا بھی ہے تو ایک ہلکا سا، مبہم سا خیال اس کے دماغ پر نقش ہوتا ہے۔ پھر کوشش کرتا ہے آئندہ کو اس کے ساتھ جوڑنے کی اس لئے یہ ایک وقت کی مجبوری ہے ورنہ یہ بہترین پروگرام نہیں ہے لیکن اگر دو سال کے بعد دنیا میں ایک بھاری تعداد میں احمدی براہ راست خطبے سن سکیں اور ترجمے اس کے کر سکیں یا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ ولسلام کی کتب کا مطالعہ شروع کر دیں تو ایک بہت بڑی نعمت ہوگی اور اس مضمون پر غور کرتے ہوئے مجھے خیال آیا کہ یہ ہے حقیقت میں کل عالم کو ایک ہاتھ پر جمع کرنا۔ جب یہ صورت ہوگی تو ایک حیرت انگیز یکسانیت پیدا ہو جائے گی دنیا میں۔ احمدی جہاں جائے گا خواہ افریقہ کا احمدی ہو یا فجی کا ہو یا کسی اور ملک کا وہ ایک دوسرے سے بات کر سکتا ہے اس کو یقین ہے کہ ان پروگراموں سے ہر جگہ جماعت نے فائدہ اٹھایا ہے اور ایک World Lingu Franca ایسی وجود میں آئے گی جو

مذہب سے گہرا تعلق رکھتی ہے۔

پھر ان پروگراموں کے علاوہ ایک تیسرا پروگرام بھی (اب وقت زیادہ ہورہا ہے میں مختصر بتا دیتا ہوں) وہ چل رہا ہے ہومیو پیتھی کا۔ ہومیو پیتھی ایک ایسا نظام صحت ہے کہ جس میں کم سے کم خرچ میں زیادہ سے زیادہ بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچایا جا سکتا ہے اور روزمرہ ہر گھر میں ایسی سہولت مہیا ہو سکتی ہے خصوصاً امریکہ جیسے ممالک میں جہاں ادویہ یا علاج کے لئے بے شمار خرچ کرنا پڑتا ہے تو روزمرہ ایسے گھروں میں سہولت ہوسکتی ہے کہ وہ بجائے اس کے کہ فوراً ایمبولینس کی طرف بھاگیں، لوگوں کو بلائیں۔ گھر میں تھوڑی سی دوائیاں رکھی ہوں تو اس سے روزمرہ کی ضرورتیں پوری کر لیں۔ تو یہ پروگرام بھی ایک لمبے عرصے سے جاری ہے اب اس کو بھی بیچ میں سے تو نہیں آپ اٹھا سکتے اور فائدے کی بات یہ ہے کہ دنیا میں ہر ملک میں قریباً جہاں یہ سنا جارہا ہے ایسے خوش کن خط مل رہے ہیں کہ اچانک رات کو یہ مصیبت پڑی آپ کا فلاں نسخہ استعمال کیا الحمدللہ کہ دیکھتے دیکھتے تکلیف ٹھیک ہو گئی اور وہ ایلو پیتھک ڈاکٹر جو بڑے متعصب ہوتے تھے بلکہ بعض ان میں مولوی بھی تھے وہ بھی اب خدا کے فضل سے قائل ہو رہے ہیں اور ایک ڈاکٹر صاحب تو باقاعدہ شاگرد بن کے وہاں میرے درسوں میں شامل ہوتے ہیں اور مجھے پھر اطلاعیں بھی کرتے ہیں کہ الحمدللہ اب میرے تعصّبات گھل گئے ہیں اور تجربے میں بھی دیکھ چکا ہوں کہ فائدہ مند چیز ہے۔ تو ہے فائدہ مند چیز لیکن یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر دوسرے نظام کو مٹا دینے والی چیز ہے جو شخص یہ کہتا ہے وہ خدا کی قدرت پر پنجہ مارنے کی کوشش کرتا ہے اسے قبضے میں لینے کی کوشش کرتا ہے۔ ہومیو پیتھک بہت جگہ ناکام بھی ہوتی ہے بہت جگہ ہومیو پیتھ ناکام ہو جاتا ہے دوسرے بہت سے ایسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے شفا کے ذریعے ہیں جن پر کبھی کسی احمدی کو دروازے بند نہیں کرنے چاہئیں۔ ورنہ وہ اللہ کی رحمتوں کے دروازے بند کرنے والا ہوگا اگر وہ ایسا رویہ اختیار کرے کہ بس اب ہومیو پیتھی ہی ہے باقی کچھ بھی نہیں تو وہ بھی ایک قسم کا نیم حکیم یا ملاں بن جائے گا جو دونوں لحاظ سے خطرہ ہے۔ لیکن یہ ضرور ہے اور میرے لمبے تجربے میں ہے کہ اگر ہومیو پیتھک سے شفا مل سکے تو وہ سب سے زیادہ آسان ذریعہ شفاء ہے اس کے کوئی بداثرات اردگرد مرتب نہیں ہوتے۔ اور اگر آپ کوشش کریں تو اکثر صورتوں میں آپ کو یہ توفیق مل سکتی ہے۔ میں نے اپنے اوپر استعمال کی ہے اور اللہ کے فضل سے مجھے تو Anti Biotics

کی کبھی ضرورت پیش نہیں آئی۔ آخر کیا وجہ ہے کہ Anti Biotics مجھ سے الگ رہے اور پھر بھی میں ان بیماریوں میں مبتلا نہ ہوں جن کو دور کرنے کے لئے Anti Biotics استعمال ہوتی ہیں اور میرے نزدیک Anti Biotics کا استعمال صحت پر سب سے زیادہ گہرے بداثرات ڈال رہا ہے۔ وقتی طور پر شفا دے دیتی ہیں اور بعض لمبے بداثرات Glandular System میں ڈال دیتی ہیں جس سے نقصان پہنچتا رہتا ہے۔ تو یہ کوئی مبحث بنانے کی خاطر نہیں کر رہا، میں مثال دے رہا ہوں۔ کوشش آپ لوگ یہ کریں کہ اگر آپ کو ہومیو پیتھک آ گئی تو روزمرہ اپنے گھر میں علاج کر سکتے ہیں اپنے ہمسایوں، غریبوں کا علاج کر سکتے ہیں غریب قوموں میں کثرت کے ساتھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں لیکن جہاں دیکھیں کہ آپ عاجز آ گئے یا دوا عاجز آ گئی، وہاں انکسار سے کام لیں اور جان بچانے کے لئے پھر تاخیر نہ کریں۔ جو دوسرا ذریعہ علاج مہیا ہے اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ اس کے لئے بھی آپ کو کیسٹس مہیا کی جائیں گی اب آپ نے خود وقت ڈھونڈنا ہے کہ روزانہ تین گھنٹے کے پروگرام میں یہ تین جاری پروگرام کتنے کتنے داخل کرنے ہیں اور پھر ان کو آخر تک پہنچا کر برابر کب کرنا ہے۔

یہ میں نے مختصر مثالیں دی ہیں یعنی بات تو لمبی کی ہے لیکن لمبی بات کے بغیر بات سمجھ نہیں آنی تھی آپ کو لیکن مثالیں میں نے چند رکھی ہیں صرف۔ پس آپ سے میں توقع رکھتا ہوں کہ آج کے مبارک دن سے ہر طرح سے فائدہ اٹھائیں گے۔ مسجد کے متعلق تو میں آج شام کے اجلاس میں باتیں کروں گا یہ جو ٹیلی ویژن کا افتتاح ہو رہا ہے اس کے متعلق میں نے جو ضروری باتیں کہنی تھیں میں کر چکا ہوں۔ اب میں امید رکھتا ہوں کہ آپ کے Volunteer ہر جگہ انشاء اللہ تعالیٰ اس پروگرام کو کامیاب بنانے کے لئے اپنی خدمات پیش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

نمازیں جمع ہوں گی اور جو مسافر ہیں میرے ساتھ عصر کی دو رکعتیں پڑھیں گے چار کی بجائے لیکن جو مقامی ہیں وہ پہلے سلام کے وقت نہ اٹھا کریں۔ ادب کا تقاضا یعنی امامت کے جو تقاضے ہیں ان کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ جب امام دوسرا سلام پھیرے پھر مقتدی جنہوں نے دو رکعتیں پوری کرنی ہیں وہ کھڑے ہوں۔

اعلیٰ اقدار کی حفاظت کریں، کسی قسم کی احساس کمتری کا شکار نہ ہوں اور اپنی نسلوں میں ان اقدار کو منتقل کریں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 21/اکتوبر 1994ء بمقام نیویارک، امریکہ)

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے فرمایا:

اس دفعہ یونائیٹڈ سٹیٹس اور کینیڈا کے سفر کے دوران مجھے یہاں پانچ جمعے ادا کرنے کی توفیق ملی اور یہ اس سلسلے کا آخری جمعہ ہے جو میں یہاں آج نیویارک میں ادا کرنے کی توفیق پا رہا ہوں۔ مختلف موضوعات پر مختلف جمعوں میں مَیں نے خطاب کیا۔ دو کینیڈا میں ادا ہوئے اور آج تیسرا یہ ہے اس کو شامل کر کے تین یونائیٹڈ سٹیٹس میں۔

آج کے خطبے کے لئے پہلے تو مختصراً میں اپنے تأثرات آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں میرے سفر کا آغاز لاس اینجلس سے ہوا اور پھر اس کے بعد مجھے سان فرانسسکو جانے کا موقع ملا اور پھر سیٹل کی جماعت کے ساتھ کچھ گھنٹے گزارنے کی توفیق ملی اور اس کے بعد پھر کینیڈا کا سفر ہوا۔ لاس اینجلس کی جماعت سے متعلق میں بہت اچھے تأثرات لے کر آیا ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہر شعبے میں، ہر پہلو سے وہاں زندگی کے آثار پہلے سے نمایاں تر ہو چکے ہیں۔ تبلیغ بھی وہ نہایت سنجیدگی اور لگاؤ کے ساتھ کر رہے ہیں اور بہت سے احمدی ہیں جو داعی الی اللہ بن کر ہر پہلو سے خدمت کے کاموں میں مگن ہیں۔ اور جو احباب ان کے تعلق میں ملنے کے لئے آتے رہے ان کے چہروں سے صاف عیاں تھا کہ ان پر ایک عرصے تک محنت ہو چکی ہے۔ بعض دفعہ داعین الی اللہ محض

رجسٹر پر نام لکھوا دیتے ہیں اور محنت نہیں کرتے وہ پہچانے جاتے ہیں کیونکہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ جب مجالس سوال و جواب میں ایسے داعیین الی اللہ کے محنت کر کے اکٹھے کئے ہوئے لوگ وہاں پہنچتے ہیں تو ان کی طرز سے، ان کی آنکھوں، ان کی اداؤں سے صاف پتا چلتا ہے کہ پہلے ان پر کوئی کام نہیں ہوا اور ان کے سوالات بھی اسی نوعیت کے ہوتے ہیں لیکن وہ جن پر کام ہو چکا ہو ان کے اندر تبدیلی کے آثار ظاہر ہو چکے ہوتے ہیں۔ ان کے چہروں پر وہ سعادت کا نور آ جاتا ہے جو نور کے قریب ہونے سے طبعاً ظاہر ہونا چاہئے اور وہ پاک علامتیں ظاہر ہوتی ہیں جن کے نتیجے میں ان کے لئے بے اختیار دل میں محبت پیدا ہوتی ہے اور بہت سے ایسے لوگ عملاً پکا ہوا پھل ہوتے ہیں ایسے موقع پر ان کو بہانہ چاہئے اور وہ پھر بہت جلد احمدیت کی آغوش میں آ جاتے ہیں۔ پس اس پہلو سے لاس اینجلس میں مجھے خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ یہ محنت دکھائی دی اور جو احمدی اس علاقے میں ہوئے ہیں ان کے اندر پختگی کے آثار بھی تھے اور آئندہ بہت نیک ارادے ظاہر کر رہے تھے لفظوں میں بھی اور ان کی اداؤں سے بھی معلوم ہوتا تھا کہ اس بات میں سنجیدہ ہیں کہ آئندہ وہ اپنے علاقے میں، اپنے ماحول میں، اپنے گردو پیش بکثرت احمدیت کا پیغام پہنچائیں گے اور بہت گہرا اطمینان ان کے اندر دکھائی دیتا تھا۔ پس اس پہلو سے دعوت الی اللہ کے کام میں خدا کے فضل سے لاس اینجلس میں جو نمونہ قائم ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے ابھی بہت کام ہونے والا ہے اس سے کسی حد تک اطمینان ہوا کہ امریکہ کی سرزمین بھی انشاء اللہ آئندہ دعوت الی اللہ کے کاموں میں زیادہ تیز رفتاری سے آگے قدم بڑھائے گی۔

دوسری جگہوں میں ایسا کوئی نمایاں نظارہ دیکھنے میں نہیں آیا۔ لیکن ایک اور بات جس سے میں عموماً مطمئن ہوا ہوں اور اس میں محض لاس اینجلس کا اعزاز نہیں بلکہ عمومی طور پر امریکہ کے دورے کے دوران کیونکہ خدا تعالیٰ کے فضل سے مجھے بکثرت احمدی خاندانوں سے ملنے کی توفیق ملتی رہی ہے اور سینکڑوں خاندانوں کے ہزار ہا افراد سے بچوں، بڑوں، جوانوں سب سے گفتگو ہوئی اور بعض جگہ چونکہ وقت بہت تھوڑا تھا، ویسے توفیق نہیں ملی مگر اکثر جگہ بیٹھ کر ایک دوسرے سے ایک دوسرے کی دلچسپی کی باتیں کرنے کا موقع ملا۔ اس پہلو سے میں نے دیکھا ہے جو سب سے خوش کن بات مجھے اس دفعہ معلوم ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ ایفروامریکن نوجوان نسل میں پہلے سے بہت بڑھ کر جماعت سے تعلق

پیدا ہوا ہے۔اس سے پہلے میں ہمیشہ یہ شکوہ لے کر واپس جایا کرتا تھا کہ پہلی نسل کے مخلصین تو اسی طرح قائم ہیں مگر آگے اپنی آئندہ نسلوں میں انہوں نے احمدیت کی اقدار کو بڑھایا نہیں اور یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ (الحشر: 19) کے پیغام کو نہ سمجھا نہ اس پر عمل کیا چنانچہ بکثرت ایسے خاندان میرے علم میں آتے رہے جن کے بڑے تو اسی طرح اخلاص میں قائم رہے مگر نسلیں ہاتھوں سے پھسل گئیں اور واپس دنیاداری کی طرف لوٹ گئیں۔ بعض ایسے بھی واقعات ہوئے جو بہت تکلیف دہ تھے کہ اگر عیسائیت سے وہ خاندان آیا تو اگلی نسل رفتہ رفتہ سرکتی ہوئی واپس عیسائیت میں چلی گئی۔ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ باشعور طور پر انہیں اپنے ساتھ لگائے رکھنے کی کوشش نہیں ہوئی اور جو خاندانی تعلقات کے اسلامی تصورات ہیں ان کے مطابق خاندانی تعلقات کو ڈھالا نہیں گیا ورنہ یہ ناممکن ہے کہ ماں باپ اسلامی قدروں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے بچوں سے پیار اور تعلق رکھیں، انہیں اپنے قریب کریں اور اپنے گھروں کو ان کی دلچسپیوں کا مرکز بنائیں اور پھر بھی وہ بچے سرک کر باہر نکل جائیں، یہ فطرت کے خلاف بات ہے۔اور امر واقعہ یہ ہے کہ کیسی ہی زہریلی سوسائٹی کیوں نہ ہو جہاں خاندانوں کے تعلقات اسلامی اقدار کے مطابق باندھے جاتے ہیں اور انہیں قائم رکھا جاتا ہے وہاں اگلی نسلیں اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ محفوظ رہتی ہیں اور باہر سے زیادہ ان کا دل گھر میں لگتا ہے۔ پس اس پہلو سے میں نے دیکھا ہے کہ امریکہ میں بہت ہی اچھے آثار ظاہر ہو رہے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے بچے بھی جو امریکن بچے یعنی پاکستان سے آ کر بنے ہوئے امریکن نہیں بلکہ یہیں کی زمین کی پیداوار اور یہیں پلنے بڑھنے والے بچے اللہ کے فضل سے ایسا گہرا تعلق رکھنے لگ گئے ہیں کہ ان کو دیکھ کر حیرت ہوتی تھی اور ان کی محبت آئندہ اس اسلام کے خوش آئند مستقبل کی ضمانت دے رہی تھی۔ پس اس پہلو سے ابھی ہمیں اور کام کرنے کی ضرورت ہے احمدی خاندانوں میں جو باہر سے آ کر یہاں بسے ہیں ان میں ابھی مزید اس پہلو سے اصلاح کی ضرورت ہے۔ بہت سے بچے میں نے ان میں سے ایسے دیکھے ہیں جن کی نظروں میں غیریت آ چکی تھی۔ جن میں معلوم ہوتا تھا کہ وہ مل کر کچھ اثر تو قبول کر رہے ہیں لیکن ماں باپ کے دباؤ کے نیچے یا مشوروں کے مطابق منت سماجت کے نتیجے میں وہ اس موقع پر پہنچ گئے ہیں مگر خود دل کے شوق سے نہیں آئے اور ان کی اجنبیت ان کے لباس، ان کے رنگ ڈھنگ، ان کے اٹھنے بیٹھنے، ان کے دیکھنے

کی طرز سے بالکل ظاہر ہوتی تھی۔ تو ایسے موقعوں پر میں کوشش تو کرتا ہوں کہ ان سے ذاتی تعلق قائم ہو اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کی آنکھوں میں بسا اوقات ملاقات کے ختم ہونے سے پہلے پہلے ہی پاک تبدیلیاں دکھائی دینے لگتی ہیں۔ مگر یہ چند لمحوں کا کام نہیں اس کے لئے لمبی محنت کی ضرورت ہے، حکمت کی ضرورت ہے۔

وہ ماں باپ جو اپنے بچوں سے پیار ہی نہیں عزت کا سلوک بھی کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی نظم وضبط کو بھی قائم رکھتے ہیں وہی ہیں جو کامیاب ہیں اور جن کے متعلق کسی حد تک اطمینان سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ آئندہ اچھی نسل آگے بھیجیں گے اور اطمینان کے ساتھ خدا کے حضور لوٹیں گے کہ ہماری نسلیں بھی انہی قدروں پر قائم ہیں جو قدریں ہم نے اپنے آباؤ اجداد سے ورثے میں پائی تھیں۔ پس اس پہلو سے جو، اب زیادہ قابل فکر پہلو ہے کہ جو باہر سے آکر یہاں آباد ہوئے ہیں اور بہت بڑی تعداد ایسوں کی ہے جن کے اقتصادی معیار پہلے بہت چھوٹے تھے اور یہاں آکر دنیاداری کے اثرات ان کے چہروں پر دکھائی دینے لگے ہیں۔ بچوں ہی میں نہیں، بعض دفعہ بڑوں میں بھی میں نے دیکھا بعض خواتین آئی ہیں جو ساری عمر ربوہ میں پلنے والی، وہاں پردوں کی پابند اور حیادار، یہاں آتے ہی ان کو پردے سے حیا ہوگئی ہے بجائے غیروں سے حیا کے اور برقعہ معلوم ہوتا تھا وقتی طور پر مجھے دکھانے کے لئے استعمال ہوا ہے اور جب باہر موقع ملا جانے کا برقع اتارا اور بغل میں دبایا اور پھر اسی دنیا میں واپس لوٹ گئیں جہاں سے عارضی طور پر چھٹی لے کر ملنے آئی تھیں۔ یہ نظارے بہت ہی تکلیف دہ ہیں۔ میں ان لوگوں کے ماں باپ کو بھی جانتا ہوں۔ غریبانہ زندگی مگر بہت ہی اخلاص تھا اور اخلاص کے نتیجے میں وہ روحانی طور پر بہت امیر لوگ تھے۔ تو جو دولت رکھنے کے لائق تھی وہ تو پھینک دی اور جو بے اعتنائی کے لائق تھی اس کے غلام بن گئے یہ کوئی اچھا سودا نہیں ہے۔ اس پہلو سے میں سمجھتا ہوں کہ جماعت امریکہ کو باقاعدہ منصوبہ بنا کر مزید اصلاح کی کوشش کرتے رہنا چاہئے اور ان لوگوں کو اپنے آباؤ اجداد کی یادیں زندہ رکھنے میں مدد دینی چاہئے۔ یہ ایک بہت ہی اہم کام ہے جس کی طرف میں نے ایک دفعہ افریقہ کے دورے میں توجہ دلائی تھی اور بعض ملکوں نے اس پر عمل درآمد بھی کیا اور بہت فائدہ پہنچا۔

ہم میں سے وہ لوگ جو پاکستان سے یہاں آباد ہوئے ہیں وہ بھی اور وہ لوگ جو یہاں

اسلام میں داخل ہوئے ہیں وہ بھی اپنا بہت شاندار ماضی ضرور رکھتے ہیں کیونکہ بہت سے افریقن احمدی اور بعض ان میں سفید فام احمدی بھی ہیں انہوں نے خود اسلام قبول نہیں کیا ان کے آباؤ اجداد نے قبول کیا اور اس کے نتیجے میں انہوں نے قربانیاں بھی دیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت معجزے بھی دیکھے۔ چنانچہ ان بزرگوں کی یاد کو تازہ رکھنا اور بار بار یاد دلاتے رہنا یہ کام ایک منظّم کوشش کو چاہتا ہے اس پہلو سے یہاں کے جو رسائل ہیں ان میں یہ ذکر خیر جاری رہنا چاہئے اور آئندہ نسلوں کو ان کے آباؤ اجداد کی باتیں بتاتے رہنا چاہئے کہ انہوں نے کس قیمت پر احمدیت حاصل کی تھی اور کیسی کیسی قربانیاں اس راہ میں دی تھیں۔ بہت سے ایسے خاندان میری نظر میں ہیں جن میں یہ کمزوریاں واقع ہوئی ہیں لیکن ان کے آباؤ اجداد نے بہت عظیم الشان قربانیاں دین کو حاصل کر کے اس کو قائم رکھنے کے لئے دیں اور تمام عمر وہ یہ قربانیاں پیش کرتے رہے۔ ان کی روحوں کو اگر طمانیت پہنچانی ہے، اگر ان سے محبت ہے، ان کے احسانات کا حق ادا کرنا ہے تو سب سے اعلیٰ طریق یہ ہے کہ انہی کی قدروں کو اپنی ذات میں زندہ رکھیں۔ ایک نسل جو آ کر گزر جاتی ہے وہ کبھی نہیں مرتی اگر ان کی خوبیاں اگلی نسل میں زندہ رکھی جائیں اور ان کی حفاظت کی جائے۔ مرتے وہ لوگ ہیں جن کی قدریں ان کے ساتھ مر جاتی ہیں اور قدروں کے ساتھ ہی عزتیں وابستہ ہوتی ہیں۔ قدروں کے ساتھ ہی محبتیں وابستہ ہوتی ہیں۔ اگر ایک انسان غریب ماں باپ کا بیٹا ہو اور ترقی کر جائے اور ماں باپ کی قدریں کھو بیٹھا ہو تو وہ ماں باپ اس پر بوجھ بن جاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں ان کے ساتھ میرا میل جول، لوگوں کا دیکھنا کہ میرے ماں باپ کس زمانے کے لوگ ہیں، کیسا رہن سہن ہے، میرے لئے شرمندگی کا موجب ہو گا کیونکہ ان کی نظر میں دنیا کی قدریں بچ جاتی ہیں اور ماں باپ کے اعلیٰ اخلاق اور ان کے روحانی مقامات ان کی نظر میں کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ وہ جن کی نظر میں یہ حقیقت رکھتے ہیں ان کو دنیا کی نظروں کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کیونکہ وہ ان قدروں سے وابستہ ہوتے ہیں۔ وہ بڑی عزت اور محبت اور احترام سے ان لوگوں کو، اپنے بزرگوں کو دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں اور ان کی عزت کی وجہ سے دنیا بھی ان کا بہت احترام کرتی ہے۔ ان کی غربت اور سادگی دنیا کو انہیں چھوٹا نہیں دکھاتی بلکہ اور بڑا کر کے دکھاتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ عظمت نہ کپڑوں سے وابستہ ہے، نہ دولت سے وابستہ ہے، اعلیٰ اقدار ہی سے وابستہ ہے اور اہل نظر پہچانتے ہیں اور جانتے ہیں کہ کون سی باتیں قدر کے لائق ہیں۔

اس لئے بعض دفعہ بعض احمدی خاندان بے وجہ خوبیوں سے شرمندہ ہوتے پھرتے ہیں اور بدیوں کو اعزاز سمجھتے ہیں جبکہ دنیا والے جانتے ہیں کہ خوبیاں ہی قابل قدر ہیں اور قابل احترام ہیں۔ مجھے یاد ہے قادیان میں جب باہر سے بعض معززین آیا کرتے تھے یعنی دنیا کے لحاظ سے بڑے لوگ، وہ مطالعہ کے لئے آتے تھے، سب سے زیادہ وہ قادیان کی سادگی اور غریبانہ زندگی سے متاثر ہوتے تھے اور حقیقت میں کبھی اگر گودڑیوں میں لعل دکھائی دیتے تھے تو قادیان کا وہ زمانہ تھا جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہؓ ان گلیوں میں پھرتے اور پرانی اقدار کا نور لئے پھرتے تھے جس سے وہ گلیاں روشن دکھائی دیتی تھیں۔ وہ عجیب زمانہ تھا۔

میں نے بارہا دیکھا ہے کہ باہر سے آنے والے ایک رات بعض دفعہ گزار کر جاتے تھے ان کی کایا پلٹ جاتی تھی۔ ایک دفعہ میرے گورنمنٹ کالج کے ایک دوست جو میرے ساتھ وہاں رہتے تھے جماعت میں اگر کوئی دلچسپی تھی تو میری وجہ سے ایک تعلق تھا مگر دل میں کوئی ایسی تبدیلی نہیں پیدا ہوئی کہ گویا وہ جماعت کی بحیثیت جماعت قدر کریں اور عزت کریں۔ وہ سمجھتے تھے ایک شخص ہے بس اس سے تعلق ہے۔ ایک دفعہ ان کو میں نے قادیان بلایا اور غالباً ایک دو راتیں ٹھہرے ہیں وہاں اور جاتی دفعہ ان کی آنکھوں میں آنسو۔ کہتے تھے مجھے تو دنیا میں جنت کا آج پتا لگا ہے کیا ہوتی ہے اور وہ غریب لوگ تھے جو بسنے والے، وہاں کوئی شان وشوکت نہیں تھی یہ اس زمانے کی بات ہے جبکہ قادیان میں گنتی کی دو یا چار کاریں ہوں گی اور وہ بھی جب نکلتی تھیں تو احتیاط سے چلا کرتی تھیں کہ لوگوں پر گرد نہ پڑے۔ سڑکیں بھی ٹوٹی پھوٹی، گڑھوں والی اور غریبانہ زندگی، لیکن عظمت کردار نمایاں تھی اور وہ گلیاں دن کو بھی روشن رہتی تھیں، رات کو بھی روشن رہتی تھیں اور ان میں کبھی کوئی جھجک پیدا نہیں ہوئی دنیا کے سامنے۔ بڑی عزت سے سر اٹھا کر چلتے تھے اور جانتے تھے کہ یہی قدریں ہیں جو تحسین کے لائق ہیں باقی دنیا بے چاری محروم ہے۔ وہ تکبر سے عاری تھے، باقی دنیا کو حقارت سے نہیں دیکھا کرتے تھے عزت سے ملتے تھے، جھک کر ملتے تھے مگر ان سے متاثر ہو کر نہیں، اپنی اعلیٰ قدروں کی وجہ سے، جنہوں نے انہیں انکسار بھی سکھایا اور بتایا کہ یہ اعلیٰ قدریں تکبر پیدا کرنے کے لئے نہیں بلکہ انکسار پیدا کرنے کے لئے ہیں۔

پس اسلامی قدریں ایک ایسی اعلیٰ دولت ہے جیسا کہ مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا ہے کہ

اسلام نے جو خدا کا تصور پیش کیا ہے یہ اس لائق ہے کہ جان دے کر بھی ملے تو لیا جائے، یہ ایک انمول خزانہ ہے۔ پس احمدیت کچھ تو عقائد سے وابستہ ہے اور وہ عقائد بھی اللہ کے فضل سے روشن اور زندہ رہنے والے اور غالب آنے والے ہیں۔ لیکن کچھ قدروں سے وابستہ ہے جو ہماری ذات میں زندہ رہتی ہیں۔ ان قدروں کو زندہ رکھیں گے تو آپ کے عقائد میں دنیا دلچسپی لے گی ورنہ عقائد کیسے ہی روشن اور مضبوط اور دلائل میں قوی کیوں نہ ہوں، دلائل کے قوی سہارے کیوں نہ رکھتے ہوں، عقائد کی طرف توجہ نہیں جایا کرتی جب تک ان عقائد کے رکھنے والوں کے عظیم کردار کا انسان مشاہدہ نہ کرے۔ پس اس پہلو سے یہ بہت ضروری ہے کہ ہم ان خاندانوں کو جو بہت بزرگ لوگوں کی اولاد تھے۔ مشہور نہیں بھی تھے تو بزرگ تھے، سادہ غریبانہ کپڑوں میں پھرنے والے اہل اللہ لوگ تھے جن کی دعائیں قبول ہوتی تھیں، جن پر دن رات اللہ تعالیٰ کی قربت کے نشان اترا کرتے تھے۔ ان لوگوں کی نسلوں کو ان کے آباؤ اجداد کا روشن ماضی تو بتائیں تا کہ اس روشنی سے کچھ حصہ لے کر ان کا حال روشن ہو جائے اور وہ اس دنیا کے اندھیروں کو اس مستعار روشنی کے ذریعے روشن کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ اس کی توفیق عطا فرمائے۔ اگر یہ جماعت نے منظّم کوشش نہ کی تو مجھے ڈر ہے کہ یہاں کا معاشرہ ایسا ہے، یہاں کی تہذیب ایسی ہے کہ لوگ سرکتے سرکتے، رفتہ رفتہ دور ہٹنے لگیں گے اور بہت نہیں تو کم سہی مگر ہیں ضرور جو ہٹ چکے ہیں اور جہاں ماں باپ کی نظریں بدلیں وہاں اولاد کی نظریں اور زیادہ بدل جاتی ہیں۔ پس ان قدروں کی حفاظت کے لئے آپ جتنی بھی توجہ کریں گے کم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

جہاں تک لاس اینجلس اور واشنگٹن اور دیگر جگہوں پہ جلسوں کا انتظام تھا اور جلسے نہیں تھے تو مل بیٹھنے کا انتظام تھا۔ وہاں سب جگہ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ جماعت نے غیروں کے ساتھ ملاپ میں کسی قسم کا احساس کمتری نہیں دکھایا اور پردے کا خیال رکھا۔ احمدی خواتین الگ بیٹھتی تھیں اور مہمان مرد الگ بیٹھتے تھے اور ہر پہلو سے اس کو کھل کر بڑے فخر، یعنی فخر کے معنی تکبر نہیں، بلکہ اس احساس کے ساتھ کہ ہماری قدر اونچی ہے، انہوں نے اس پر عمل کیا اور کہیں بھی مجھے کوئی کسی قسم کی شرمندگی دکھائی نہیں دی، کہ او ہو یہ تو مغربی تہذیب ہے لوگ کیا کہیں گے، یہ عورتیں کیسی ہیں، یہ الگ کیوں بیٹھی ہوئی ہیں، ان کے مرد کیسے بدھو اور جاہل ہیں کہ اپنی عورتوں کی نمائش نہیں کر رہے۔ کوئی ایسا تصور ان کے

قریب بھی نہیں پھٹکا۔ مجھے افسوس ہے کہ اس پہلو سے نیویارک وہ نمونہ نہیں دکھا سکا جو اس سے پہلے جماعتیں دکھاتی رہیں۔ اگرچہ یہاں کا اجلاس کہہ لیں یا ملن پارٹی تھی وہ کئی پہلوؤں سے پہلی جگہوں کی نسبت زیادہ بہتر طور پر منظّم تھی اور بہت محنت کی گئی تھی۔ بہت اچھے اچھے لوگوں کو بلایا گیا تھا اور اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ وہ بہت نیک تأثر لے کر لوٹے ہیں لیکن ایک پہلو سے یہ تقریب میرے لئے مسلسل شرمندگی کا موجب رہی کیونکہ میں نے دیکھا کہ بعض مردوں کی میزوں میں احمدی خواتین جو حیادار خاندانوں سے تعلق رکھتی تھیں، وہ بیٹھی ہوئی تھیں اور بے جھجک ان لوگوں سے باتیں کر رہی تھیں۔ شاید ان کے خاوندوں نے کہا ہو کہ ہم اپنے دوستوں میں ذلت محسوس کریں گے اگر تم الگ بیٹھوگی اور وہ کہیں گے کہ تم کیسے پرانے زمانے کے لوگ ہو جو مل جل کر ہمارے اندر نہیں بیٹھتے۔ شاید اس وجہ سے وہ مجبور ہوئے ہوں کہ عام روزمرہ ان کا یہی دستور تھا اور اب ان میں تبدیلی کرنے کا کوئی جواز دکھائی نہیں دیتا تھا۔ میری موجودگی ہی ایک جواز تھا لیکن ان کا اثر ان پر اتنا غالب آچکا تھا کہ وہ مجھ سے شرمندہ ہونا منظور کر گئے اور مجھے شرمندہ کرنا قبول کر لیا لیکن اپنے دوستوں سے شرمندہ ہونا انہوں نے منظور نہ کیا۔ ایسے موقع پر اگر کثرت کے ساتھ دوسرے مہمان نہ ہوتے تو میں اٹھ کر چلا آتا کیونکہ میری موجودگی کی بہت سی ذمہ داری مجھ پر پیدا ہوتی ہے۔ اگر میں ایسی مجلس میں بیٹھا رہوں تو آئندہ تاریخ غلط استنباط کر سکتی ہے۔ لوگ کہہ سکتے ہیں کہ فلاں وقت ہم نے خود دیکھا ہے خلیفہ وقت بیٹھا ہوا تھا اور خوب مزے کی مجلس تھی اور احمدی خواتین غیروں کی میزوں میں ساتھ ہی بیٹھی ہوئی ان کے ساتھ گپ شپ مار رہی تھیں تو تمہیں خلیفہ سے زیادہ اسلامی قدروں کا احساس ہے جو آج ہمیں ٹوک رہے ہو۔ یہ بات نہایت ہی خطرناک ہے اور میں جماعت نیویارک کی دل شکنی نہیں کرنا چاہتا تھا مگر یہ مجبوری ہے جس کی وجہ سے مجھ پر لازم ہو گیا ہے کہ تاریخی حقائق کو کھول کر آپ کے سامنے رکھوں۔ وہ وقت ایسا تھا، وہ حالات ایسے تھے کہ میں کھلم کھلا اپنی ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کر سکتا تھا اور ان کا گویا زبانِ حال سے مجھے یہ پیغام تھا کہ اب بتائیں آپ کیا کر سکتے ہیں، کوئی سزا دے سکتے ہیں تو دے کے دکھائیں۔ مگر میں تو سزا نہیں دیا کرتا ایسے موقعوں پر، لیکن میں سزا لیا ضرور کرتا ہوں۔ پس ان کو میرا جوابی پیغام یہ تھا کہ تم مجھے سزا دے لو جتنی چاہو میں مجبور ہوں، میں نے بعض قدروں کی حفاظت کرنی ہے مگر بعض دوسری قدروں کے تقاضے بھی ہیں جن کے پیشِ نظر بعض دفعہ انسان بے بس

ہو جاتا ہے لیکن یہ بتانا ضروری ہے کہ آئندہ ایسی احتیاط کریں ورنہ مجھے ایسی مجلسوں میں نہ بلایا کریں۔

احمدی خواتین کو جتنا ان کا بنیادی ضروری حق ہے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ میں نے ہر موقع پر دیا اور اس بات کی پرواہ نہیں کی کہ ہماری جماعت میں جو زیادہ مولویانہ ذہن رکھتے ہیں وہ مجھ پر کیا کیا اعتراض کریں گے اور کیسے کیسے حملے کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ احسان ہے کہ وہ جو مولویانہ ذہن رکھتے تھے ان کے اندر بھی کچھ ایسی پاک تبدیلیاں پیدا ہوئی ہیں کہ اب ان کی زبانیں اس طرح نہیں کھلتیں جیسے بعض زمانوں میں کھلا کرتی تھیں اور نظام جماعت کے احترام کے لئے جتنا زور دیا گیا ہے اس کا اللہ تعالیٰ کے فضل سے اچھا نتیجہ ظاہر ہوا ہے۔ شاذ کے طور پر کبھی مجھے خطوں میں یہ بات لکھ دی جاتی ہے جو کسی کو ناپسند ہو اور میں خطوں ہی میں اس کا جواب دے دیتا ہوں کیونکہ اکثر مجھے معلوم ہے کہ اب وہ بات نہیں کہ مجلسوں میں بیٹھ کر لوگ طعن و تشنیع کریں اور احمدی آرام سے ان کو قبول کریں۔ اب احمدی غیرت کا معیار بھی خدا کے فضل سے اتنا بلند ہو گیا ہے اور خلافت کے ساتھ ذاتی تعلق اللہ تعالیٰ کے فضل سے دن بدن بڑھتا چلا جارہا ہے۔ بجائے کم ہونے کے میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کا معیار بہت بلند ہو رہا ہے۔ اس وجہ سے اب اگر کوئی بیمار دل ہے بھی تو اسے جرأت نہیں ہے کہ کسی احمدی مجلس میں اس طرح خلافت کے کسی کردار کو یا نظام جماعت کو تضحیک کا نشانہ بنائے اور لوگ سن لیں۔ اس لئے بعض بیماریاں وقتی طور پر ان کے لئے ناخوش گوار ماحول کی وجہ سے دبی رہتی ہیں، دب جاتی ہیں مگر چونکہ اپنے طور پر لوگوں کی نظر سے ہٹ کر مجھے خط لکھنا آسان ہے اس لئے ایسے لوگ اپنے دل کا غصہ خطوں کے ذریعے نکال لیتے ہیں مگر بہت کم ہو رہے ہیں اور جو نکالتے ہیں ان کو جب میں جواب دے کر سمجھاتا ہوں تو اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ شاذ کے طور پر ہی کوئی ہوگا جو اس کو قبول نہ کرے ورنہ اکثر معذرت کا بھی اظہار کرتے ہیں، کہتے ہیں ہمیں بات کی سمجھ نہیں آسکی تھی، اب سمجھ گئے ہیں اور مطمئن ہیں۔ تو یہ بات ہے جس کے پیش نظر اس موقع پر میرے لئے ضروری تھا کیونکہ یہ ایک پبلک اظہار تھا، یہ کوئی پرائیویٹ خط نہیں تھا اور عام کھلے بندوں اگر کوئی ایسا اظہار ہو جس میں مَیں موجود ہوں اور اس پر ناپسندیدگی کا اظہار نہ کروں، خواہ اس وقت نہیں تو بعد میں سہی تو آئندہ جماعت کی تاریخ بگڑ جائے گی اور اسلامی قدروں کی حفاظت ہمارے لئے آسان نہیں رہے گی۔ اس لئے قطعاً اس بات کی پرواہ نہ کریں کہ دنیا آپ کو کس نظر سے دیکھتی ہے۔

بسا اوقات خرابی مردوں میں ہوتی ہے۔ بعض ایسے خاندان ہیں جن کی شادیاں ایک ایسے خاندان میں ہوئیں جن کے لڑکے اللہ کے فضل سے یہاں آنے کے بعد بڑے مخلص اور جماعت کے کاموں میں پیش پیش تھے مگر احساس کمتری میں مبتلا۔ چنانچہ ان کی لڑکیاں جب وہاں بیاہی گئیں تو مردوں نے کہا کہ ہمارے لئے تو بڑی ذلت کی بات ہے کہ تم پردہ کر کے رہو یا ایسا لباس ہی پہنو کہ لوگوں سے الگ چھپتی پھرو یا ہمارے ساتھ مل کر مکس پارٹیوں میں نہ جاؤ۔ ہم نیک ہیں، مخلص ہیں، چندے دیتے ہیں لیکن یہ بات ہمیں پسند نہیں کہ تم پرانے زمانے کی قدروں کو ہمارے اوپر وارد کرو۔ ایسی ایک ماں نے مجھ سے ذکر کیا، وہ رو رہی تھی کہ میں کیا کروں، میری بچی کا بہت برا حال ہے اور بڑی تکلیف میں ہے اور وہ یہاں تک بھی تیار ہے کہ اپنے خاوند کو کہہ دے کہ اگر یہ بات ہے تو میں دنیا کی خاطر اسلام کی قدروں کو قربان نہیں کروں گی کیونکہ میں عہد کر چکی ہوں کہ میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گی۔ اس لئے تم سے محبت الگ تمہاری نیکیاں اپنی جگہ مگر میں تمہارے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی۔ مجھ سے انہوں نے پوچھا میں نے کہا جو بات اسلام کی محبت اور اسلامی قدروں کی غیرت کے نتیجے میں کسی احمدی بچی کے دل میں پیدا ہوتی ہے میں اس کی راہ میں کیسے حائل ہوسکتا ہوں اور آج اگر یہ ہے تو کل یہ بات اور بھی بگڑ سکتی ہے۔ کل بچے بھی پیدا ہوں گے ان کے لئے بھی مشکلات پیدا ہوں گی۔ آج یہ تربیت یافتہ بچی اگر اپنی عصمت کی حفاظت کر سکتی ہے تو ایک کھلے کھلے ماحول میں آئندہ بچوں کی تو کوئی ضمانت نہیں ہے۔ اس لئے جو سودا ہے یہ لمبا سودا ہے اور احتیاط کے جو تقاضے ہیں انہیں پورا کرنا چاہئے۔ مگر اصل بات یہ ہے جس کی طرف میں متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ ایسے لوگ اگر اپنے نفس پر غور کریں تو ان کو یقین ہو جائے گا کہ وہ احساس کمتری میں مبتلا ہیں نیکی وہاں کرنا جہاں دوسروں کے سامنے وہ نیکی شرمندگی کا موجب نہ ہو، ایسی نیکی ایک اپنا مقام رکھتی ہے لیکن نیکی وہاں کرنا جہاں دوسروں کے سامنے وہ نیکی شرمندگی کا موجب ہو وہ اصل مقام ہے جہاں نیکی پہچانی جاتی ہے، جہاں نیکی کا امتحان ہوتا ہے اور ان راہوں پر یہ خیال کہ خدا مجھے دیکھ رہا ہے اور یہ خیال کہ دنیا مجھے دیکھ رہی ہے ان دونوں خیالات کا ایک ٹکراؤ ہوتا ہے۔ اس تصادم کے نتیجے میں جو بھی شخصیت ظاہر ہوتی ہے وہ یا دنیا دار شخصیت ہے یا دین دار شخصیت ہے اور ایک دفعہ اگر آپ اس تصادم میں خدا کے تصور کو پرے پھینک دیں اور دنیا کی آنکھ کی قدر کریں تو آپ کا ظاہری نیکیوں کا خول بھی رفتہ رفتہ

گھل جائے گا کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو جنت کی طرف چلتے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ عین جنت کے دروازوں پہ پہنچ جاتے ہیں مگر پھر کوئی ایک بات ان میں ایسی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں پرے دھکیلنا شروع کرتا ہے اور یہاں تک کہ وہ دور ہٹتے ہٹتے جہنم کی طرف رخ اختیار کر جاتے ہیں۔ (مشکوۃ) وہ بنیادی باتیں جو خدا کی محبت اور غیرت سے تعلق رکھتی ہوں اور تصادم کے وقت جن کی آزمائش ہو وہ باتیں ہیں جن میں انسان کے دل کی گہرائی میں موجود نیکی ضرور اپنا اثر دکھاتی ہے اور دل کی گہرائی میں موجود بدی ضرور ننگی ہو کر باہر آجاتی ہے۔

احساس کمتری کیوں اور کس وجہ سے؟ معاشرے سے شرمندہ ہو، اس خیال سے کہ اسلام نے ہمیں آئندہ زمانوں سے پیچھے رکھا ہوا ہے۔ اگر یہ بات ہے تو پھر خدا پر ایمان متزلزل ہو چکا ہے۔ اگر یہ بات ہے تو آپ کو مزید مطالعہ کی ضرورت ہے کہ کسی ایسے خدا سے تعلق رکھنا مناسب بھی ہے کہ نہیں جو قدیم زمانوں کے لئے تو موزوں تھا موجودہ زمانے کے لئے ایک قدیم چیز بن چکا ہے۔ یہ ایک تصادم ہے، اعتقاد کا تصادم ہے۔ جو آپ سمجھیں یا نہ سمجھیں آپ کے طرز عمل میں ظاہر ہوتا ہے۔ پس اس پہلو سے اپنا گہری نظر سے جائزہ لیتے رہیں اور اپنے اعمال پر نگاہ رکھیں کیونکہ سب سے بڑا شر جس سے بچنے کے لئے حضرت محمد مصطفی ﷺ دعا کیا کرتے تھے اور ہمیں سکھاتے رہتے تھے اور خطبات میں وہ دعا پڑھا کرتے تھے وہ ہے مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا (نسائی کتاب الجمعہ حدیث:1387) اے خدا ہم تیری پناہ مانگتے ہیں خصوصیت سے اپنے نفسوں کے شر سے کیونکہ نفس کا شر جب حملہ کرتا ہے تو دکھائی نہیں دیتا اندر سے دوست بن کر اٹھتا ہے اور بظاہر دوستی کے رنگ میں نیک مشورہ دیتا ہے۔ پس اگر آپ قرآن کریم میں شیطان کے حملوں کا ذکر پڑھیں تو آپ حیران ہوں گے کہ بعینہٖ یہی نقشہ شیطان کے حملوں کا قرآن میں کھینچا گیا ہے کہ وہ ان طرفوں سے آتا ہے جہاں تم اس کو دیکھ نہیں سکتے اور اگر حملہ آور دکھائی نہ دے تو اس سے بچاؤ کے کوئی سامان نہیں۔ پس جب یہ دعا پڑھی جاتی ہے اور ہمیں تاکید سے لکھائی گئی ہے کہ اے خدا ہم اپنے نفسوں کے شر سے پناہ مانگتے ہیں اور تیری پناہ میں آتے ہیں تو تو ہماری حفاظت فرما کیونکہ تو دیکھ رہا ہے اور ہم نہیں دیکھ رہے۔

پس یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں لیکن مثالیں وہی ہیں کہ شیطان نے نفس کے اندر سے اپنا بن کر، ہمدرد ہو کر ایک مشورہ دیا ہے اور آپ نے اسے قبول کر لیا ہے۔ جبکہ جانتے ہیں کہ اس کے مقابل

پر خدا تعالیٰ کی تعلیم کا مشورہ مختلف تھا۔ جو کچھ بے چاری عورت سے مغربی معاشرہ سلوک کر چکا ہے وہ بہت بھاری ظلم ہے۔ اسے کھلونا بنالیا گیا ہے اور ہر کس و ناکس کے جذبات کی تسکین کا ایک ذریعہ بنایا گیا ہے۔ تمام معاشرہ اسی مرکزی فلسفے کے گرد تعمیر ہوا ہے اور مزید تعمیر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اس تصور نے گھروں کو برباد کر دیا۔ خاوند کا بیوی سے اعتبار اٹھا دیا۔ بیوی کا خاوند سے اعتبار اٹھا دیا۔ وقتی طور پر چند دن کی لذت یابی نے آئندہ مستقبل کو ایک بھیانک مستقبل میں تبدیل کر دیا۔ یہ چند دن کی زندگی کے مزے بالآخر اس حال کو پہنچتے ہیں جب چاہیں بھی تو مزہ لے نہیں سکتے۔ بیماریاں، بڑھاپے اور پھر تنہائی کیونکہ وہ معاشرہ جو اپنی لذت یابی کو اہمیت دیتا ہے وہ غیر معمولی شدت کے ساتھ خود غرضی پیدا کرتا ہے۔ پس بچے اس وقت تک ماں باپ سے تعلق رکھتے ہیں جب تک ماں باپ ان کے لئے کچھ کر سکتے ہیں اور کرتے ہیں۔ جہاں ان کے احسان سے آزاد ہوئے اور وہ موقع آیا کہ ماں باپ احسان کے محتاج ہو جاتے ہیں اس وقت وہ بچے منہ پھیر لیتے ہیں اور بوڑھوں کے گھر، بیماروں کے گھر جو قومی خزانے پر چلتے ہیں وہ اتنا بھر جاتے ہیں کہ ان میں جگہ باقی نہیں رہتی۔ بعض ایسے لوگوں کو پاگل خانوں میں داخل کرا دیا جاتا ہے۔ بعض گلیوں میں کارڈ بورڈ کے گھر بناتے ہوئے شدید سردیوں میں گزارا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان میں جوان بھی ہیں لیکن ایسے بوڑھے بھی ہیں جن کا کوئی پرسان حال نہیں۔ اس لئے کہ معاشرہ زہریلا ہے اور اس کی قدریں جھوٹی ہیں۔ ہم نے دنیا کے معاشرے کو سچی قدریں دینی تھیں۔ اگر ہم ہی احساس کمتری کا شکار ہو کر گھروں سے نکلیں گے تو کس طرح ان قدروں کو قائم رکھ سکیں گے۔ کس طرح دوسروں کو یہ قدریں عطا کر سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ قادیان کا زمانہ جس کا میں نے حوالہ دیا ہے وہ آزاد زمانہ تھا۔ انسان وہی آزاد ہے جو غیر اللہ کے خوف سے آزاد ہوا اور وہ سب لوگ خدا تعالیٰ کے فضل سے غیر اللہ کے خوف سے آزاد تھے ایک ذرہ کوڑی کی بھی ان کو پرواہ نہیں تھی کہ غیر اللہ کی نظر انہیں کیسے دیکھ رہی ہے۔ اپنی نظر خدا کی نظر کے تابع کر چکے تھے اور ہر آن ان کو خدا کی نظر دیکھتی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جو بہت پیارا کلام بار بار پڑھا جاتا ہے اس میں ایک یہ ہے۔

حمد و ثنا اسی کو جو ذات جاودانی
ہمسر نہیں ہے اس کا کوئی نہ کوئی ثانی (درثمین: 34)

اس میں جو ٹیپ کا مصرعہ ہے جو بار بار دھرایا جاتا ہے سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ اس میں آتا ہے۔ میں قربان اس ذات کے سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ بڑا ہی پاک ہے جو مجھے دیکھ رہا ہے اس پر جتنا بھی غور کریں کم ہے۔ بہت ہی گہرا کلام ہے اور زندگی میں عمل کے پیچھے جو نیتیں ہیں ان سب پر حاوی ہے اور اصلاح احوال کی چابی اس میں ہے۔

ہر انسان دوسرے کی نظر کے لئے حساس ہوتا ہے۔ تنہائی میں جو چاہے کر لے لیکن جب نظر میں آ جائے تو پھر اسے ایک فکر ہوتی ہے کہ میں دیکھنے والے کی نظر کے معیار کے مطابق اپنے آپ کو بناؤں۔ اب مادہ پرست دنیا میں رہتے ہوئے دیکھنے والے کی نظر سُبْحَان نہیں ہے۔ اس کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ وہ تو بدنظریں ہیں، وہ تو بگڑی ہوئی نگاہیں ہیں۔ وہ جو آپ سے توقعات رکھیں گی وہ بدی اور بگاڑ کی توقعات ہوں گی اور اگر آپ ان کی نظروں میں رہتے ہیں تو پھر آپ محفوظ نہیں ہیں اور اگر آپ کو یہ احساس ہی نہیں کہ ایک اور نظر بھی ہے جو دیکھ رہی ہے تو سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ جو پاک نظر ہے اور ہر حال میں آپ کو دیکھتی ہے، تنہائیاں بھی آپ کی اس نظر سے الگ نہیں رہتیں۔ تو یہ وہ نظر جو مادہ پرستی کی، دنیا کی نظر ہے وہ اس کے سامنے بالکل اس طرح غائب ہو جائے گی جیسے کوئی چیز فضا میں تحلیل ہو کر نظر سے دور ہو جائے۔ کچھ بھی اس کا پھر رفتہ رفتہ وجود نہیں رہتا۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کلام آپؑ کی صداقت کا عجیب ثبوت ہے لیکن یہ جو ٹکڑا ہے جب میں اس پہ پہنچ جاتا ہوں تو میری روح وجد میں آ جاتی ہے۔ عجیب کلام ہے سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ۔ پاک ہے وہ ذات جو ہر حال میں مجھ پہ نظر رکھ رہی ہے اور پاک نظر ہر حال میں اسی پہ پڑتی ہے جس کے اعمال پاک ہوں، جس کی نیتیں پاک ہوں کیونکہ پاک نظر کو بدی دیکھنے کا کوئی شوق نہیں ہوتا۔

پس اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ جتنا آپ پاک ہوتے چلے جائیں گے اتنا ہی پاک نظر میں آتے چلے جائیں گے اور جب پاک نظر میں آ جائیں تو بدنظر کی کوڑی کی بھی پرواہ نہیں رہتی۔ وہ آپ کو پرانے زمانے کا سمجھیں، جو کچھ کہیں۔ آپ کو کیا پرواہ ہے اگر اللہ کی نظر آپ پر ہے اور آپ جانتے ہیں کہ اس نظر کی ایک قدر ہمارے دل میں ہے دوسری نظروں کی کوئی قدر نہیں ہے۔ میں نے کئی دفعہ حضرت چودھری فتح محمد صاحب سیال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مثال جماعت کے سامنے رکھی ہے۔ وہ

سادہ مزاج آدمی، نہ کپڑوں کا خیال، نہ اپنی شکل وصورت کا دھیان کہ کیا دکھائی دے رہا ہوں۔ حالت یہ تھی کہ بعض دفعہ اپنے بیٹے مظفر کی شلوار پہن کر باہر نکل جایا کرتے تھے جو گھٹنوں تک آتی تھی بمشکل اور اسمبلی کے ممبر۔ ایک ایسی حالت میں ایک دفعہ پنجاب اسمبلی میں گئے تو آگے پہریداروں نے روک دیا کہ ہم مان ہی نہیں سکتے کہ تم اسمبلی کے ممبر ہو۔ انہوں نے کہا میں تو ہوں اب تم مانو نہ مانو۔ اتنے میں کوئی معزز رکن اسمبلی جو بہت معروف تھا وہ آیا اور بڑا اجھک کے چودھری صاحب کو سلام کیا، پہریدار کو کہا ایک طرف ہٹو یہ بہت معزز ممبر ہیں اسمبلی کے۔ تو اسی مظفر کی شلوار میں اسمبلی میں چلے گئے اس لئے کہ اپنے نفس پر اعتماد تھا۔ اپنے پہ جب اعتماد ہو اور اعلیٰ قدروں کے نتیجے میں اعتماد ہو تو دنیا کی نظروں کی کوئی بھی حقیقت نہیں رہتی۔

ایک دفعہ چودھری صاحب سے کسی نے پوچھا کہ چودھری صاحب آپ کو جو حضرت مصلح موعودؓ کبھی گورنر سے ملنے کے لئے بھیج دیتے تھے کبھی کمشنر سے، کبھی اور حکومت کے اعلیٰ افسروں سے جو اکثر انگریز ہی ہوا کرتے تھے تو آپ تو بڑے سادہ سے آدمی ہیں کس کس قسم کے کپڑوں میں ملبوس ہیں لوگ تو کہتے ہیں بڑا Shabby ہے تو آپ کو کبھی خیال نہیں آتا، کوئی جھجک نہیں آتی کہ آپ کس سے ملنے جارہے ہیں اور وہاں جا کر آپ کو کیا محسوس ہوتا ہے۔ چودھری صاحب نے بڑی سادگی سے جواب دیا کہ تم کیا بات کر رہے ہو مجھے تو ایک چیز ہے جو ہمیشہ یاد رہتی ہے اور وہی میری حفاظت کرتی ہے۔ جب میں لوگوں سے ملنے جاتا ہوں تو میں کہتا ہوں یہ دنیا کی ایک حکومت کے نمائندہ ہیں اور میں خدا کا نمائندہ ہوں اور خدا کے خلیفہ کا نمائندہ ہوں۔ اس لئے میرے سامنے تو انہوں نے پنجابی میں کہا کہ ''مینوں تے اوں لگدا جی ویں سامنے چڑی دا بوٹ بیٹھا ہویا اے۔'' چڑی کے بوٹ کی مثال بڑی پیاری ہے وہ چڑی کا جو بچہ نیا نیا انڈوں سے نکلتا ہے اس پر پر بھی نہیں ہوتے، وہ پھپھڑا سا سرخ رنگ کا بالکل بے حیثیت چیز۔ اگر چڑیا جان ڈال کے اس کی حفاظت نہ کرے تو وہ کچھ بھی نہیں رہتا وہ ایک دودن بھی اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا تو وہ مثال دی کہ ''مینوں تے اوں لگدا جی ویں سامنے چڑی دا بوٹ بیٹھا ہویا اے۔'' میں تو رحم سے اس کو دیکھ رہا ہوتا ہوں۔ مجھے کہاں یہ خیال پیدا ہوگا کہ کوئی بڑا آدمی مجھ پر حاوی ہو چکا ہے۔ پس یہ خدا کی عظمت کا احساس جب دل میں جاگزیں ہو جائے، اپنی قدروں پر فخر جو انکسار پیدا کرتا ہے اور تکبر پیدا نہیں کرتا۔ یہ وہ ہتھیار ہیں جن کے ساتھ ہم

نے اپنی بھی اس غیر معاشرے میں حفاظت کرنی ہے اور اپنی اولاد کی بھی حفاظت کرنی ہے اور یہ وہ قدریں ہیں جن کو دنیا پہچانتی بھی ہے اور حقیقت میں انہی کی عزت کرتی ہے۔

یہ وہم ہے آپ کا کہ آپ ان جیسے بننے کی کوشش کریں گے تو آپ معزز ہو جائیں گے اور اپنے جیسے رہیں گے تو یہ آپ کو حقارت سے دیکھیں گے۔

گہری قدر اور عزت اعلیٰ اقدار کی ہوا کرتی ہے اور اگر آپ اعلیٰ اقدار کے حامل ہوں تو آپ کے کپڑے جیسے بھی ہوں، آپ پردے کے قائل ہوں، جس طرح چاہیں الگ زندگی بسر کریں، آپ سوسائٹی میں ایک عزت پائیں گے لیکن سوسائٹی میں عزت پانے کے لئے آپ نے بھی وہی کام شروع کیا تو پھر وہی بات پیدا ہو جائے گی کہ خدا کی نظروں میں نہیں رہیں گے۔ یہ میں محض ایک مثال کے طور پر بتا رہا ہوں آپ کی نظر کا رخ تبدیل کرنے کے لئے نہیں۔ نظر کا رخ وہی ہے جو ایک ہی ہے اور وہ کلمہ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه میں ظاہر فرمایا گیا ہے، جو قبلے میں دکھایا گیا ہے کہ اللہ ہی کی طرف خیال رکھو۔ اَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (البقرہ: 116) عجیب کلام ہے اور اس کے جواب میں پھر سُبْحَانَ مَنْ يَّرَانِیْ کی آواز مومن کے دل سے اٹھتی ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے جہاں کہیں بھی تم منہ پھیرو گے، جدھر بھی منہ اٹھاؤ گے وہیں خدا کا چہرہ دکھائی دے گا، ہر وقت اس کی نظر میں ہو۔ تو کیسا پاکیزہ جواب ہے جو اس الٰہی کلام کے اثر کو گہرائی سے قبول کرنے کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل سے اٹھا سُبْحَانَ مَنْ يَّرَانِیْ (یہ روز کر مبارک تو آتا ہے اس میں، لیکن عمداً چھوڑ رہا ہوں) اصل مصرعے کی جان یہ ہے سُبْحَانَ مَنْ يَّرَانِیْ پاک ہے وہ ذات جو ہر حال میں مجھ پر نگاہ رکھتی ہے ہر حال میں مجھے دیکھتی رہتی ہے۔

تو یہ عارضی باتیں، چند مشغلے، کسی کا آنا اور چلے جانا، اس کا یہ سمجھنا کہ دیکھو ان کی عورتیں الگ بیٹھی ہوئی تھیں ہمارے ساتھ نہیں جڑ کے بیٹھیں۔ یہ معمولی حقیر باتیں ہیں۔ ان لوگوں کی خاطر جنہوں نے آپ کا کچھ نہیں بنانا، آپ کا کچھ نہیں کرنا، آپ خدا کی نظر میں گر جائیں اور احساس کمتری کا شکار ہو کر اپنی نظر میں خود حقیر ہو جائیں اگر آپ کو علم نہ بھی ہو تو عملاً ایک مومن کی نظر میں ایسا انسان حقیر ہو جاتا ہے۔ یہ اچھا سودا نہیں ہے۔ پس میں آپ کو سمجھاتا ہوں کہ اپنی قدروں کی حفاظت کریں اور جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے، اپنے آباؤ اجداد پر نگاہ رکھیں اکثر آپ میں سے ایسے ہیں جن کے آباؤ اجداد

نے عظیم قربانیاں پیش کی ہیں، بڑی اقدار کے مالک تھے، سادہ لوح تھے، سادہ عادات تھے، سادہ کپڑوں میں ملبوس ہوا کرتے تھے لیکن گدڑی میں لعل اگر واقعۃً کبھی کوئی انسان کی صورت میں پھرا ہے تو یہ وہی لوگ تھے جن کو ہم نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت سے فیض یاب ہوتے دیکھا اور پھر ان کی صحبت سے ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے فیض یاب ہوئے، ان قدروں کو لے کر پھریں اور پھیلائیں۔

اب میں اپنے افریقن بھائیوں کو بھی متوجہ ہو کر دوبارہ توجہ دلاتا ہوں کہ آپ نے اس دفعہ میرا دل بہت خوش کیا ہے کیونکہ آپ کے اندر وہ دو قسم کی تبدیلیاں میں نے دیکھی ہیں۔ ایک یہ کہ ہم احمدیت کی تبلیغ کو ضرور پھیلائیں گے۔ دوسرے یہ کہ آپ کی نسلوں میں جماعت سے تعلق اور محبت کے آثار دکھائی دے رہے ہیں۔ یہ وہ استقلال ہے نیکیوں کا جس کی خدا ہم سے توقع رکھتا ہے جس کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے کہ یَاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَلۡتَنۡظُرۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ لِغَدٍ (الحشر: 19) اے لوگو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور یہ نہ سمجھو کہ محض تمہاری ذات کا تقویٰ کافی ہوگا۔ یاد رکھو اگلی نسل پر نظر ڈالنا ضروری ہے۔ جیسے خدا تم پر نظر رکھتا ہے ویسے ہی تم خدا کی نمائندگی میں اپنے بچوں پر ہر حال میں نظر رکھو اور یہ معلوم کرو کہ تم آگے کیا بھیج رہے ہو۔ پس بڑا ہی خوش نصیب ہے وہ باپ اور بڑی خوش نصیب ہے وہ ماں جو دونوں اپنے پاک، نیک بچوں کو آگے بھیجتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک اور مصرعہ بھی میں نے کئی دفعہ دہرایا ہے اور جتنی دفعہ بھی دہرائیں اس کی لذت کم نہیں ہوسکتی۔ ایک دعا میں عرض کرتے ہیں، اپنی اولاد کے حق میں دعائیں دیتے ہوئے۔ کیسا پیارا کلام ہے۔ کوئی بدنصیب ہی ہوگا جو ایسے شخص کو جھوٹا سمجھے جس کے منہ سے یہ مصرعہ نکلے کہ

یہ ہو میں دیکھ لوں تقویٰ سبھی کا
جب آوے وقت میری واپسی کا (درثمین: 48)

عجیب کلام ہے۔ کوئی جھوٹا آدمی اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا کہ میں خدا سے یہ مانگوں کہ جب میں رخصت ہو رہا ہوں تو دنیا پر میری نظر اس طرح پڑ رہی ہو کہ میری اولاد نیک اور متقی ہو چکی ہو اور تیری نظر میں، تیری بارگاہ میں مقام حاصل کرچکی ہو۔

تو یہ ایک بہت ہی عظیم صداقت ہے جس سے ہماری اپنی صداقتیں پہچانی جاتی ہیں اگر آپ

کے دل میں یہ تمنا ہو کہ کاش یہاں سے جاتے وقت میں اپنی اولاد کو نیک دیکھوں اور سلسلے سے وابستہ دیکھوں اور مسیح موعود علیہ السلام اور آپؑ کے خلفاء اور آپؑ کے نظام کا عاشق دیکھوں تو یہ آپ کی سچائی کی ایک علامت ہے اور ایسے سچے دل کی دعائیں ضرور قبول ہوتی ہیں۔ پس آپ کے لئے تو یہ ایک گنجینۂ معانی ہے، ایک خزانہ ہے مطالب کا، جو اس مصرعے میں مَیں نے آپ کے سامنے رکھا ہے کہ یہ تمنا رکھیں کہ آپ نیک اور پاک نسل پیچھے چھوڑ کر جائیں اور وہ نسل جو آئندہ کے لئے ایک مرتے ہوئے معاشرے کی زندگی کی ضمانت بن جائے۔

زندگی آخر کیسے ملتی ہے؟ محض عقائد سے زندگی نہیں ملا کرتی۔ عقائد زندگی کے لئے رستے بناتے ہیں۔ پس صراط مستقیم دو طرح سے بنتی ہے ایک سچے عقیدوں سے اور دوسرا اس پر چلنے سے۔ اس کے بغیر رستہ تو بن گیا مگر اگر اس پر سفر نہ کیا تو اس کی کوئی بھی حقیقت نہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے سورہ فاتحہ میں ہمیں یہ دعا سکھائی۔ اول یہ کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ہمیں وہ رستہ دکھا دے جو پاک عقائد سے بنتا ہے، جس میں کوئی رخنہ نہیں، جس میں سارے عقائد درست ہیں، اور اس کا رخ ٹھیک ہے۔ مگر وہ رستہ نہیں جو خالی پڑا ہوا ہے۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ وہ رستہ جس پر تجھ سے انعام پانے والے چلتے رہے۔ یعنی ہمیں بھی اس رستے پر چلنے کی توفیق عطا فرما جس کے چلنے والوں میں سب سے عظیم نام حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کا نام ہے۔ ان کے پیچھے پاک انبیاءؑ کا ایک ہجوم ہے جو آپؐ کے پیچھے چل رہا ہے اور ان کے پیچھے پھر صدیقین ہیں پھر شہداء ہیں پھر صالحین ہیں۔ کیسا پاک رستہ ہے جس کی طرف پہلے ہدایت کی دعا سکھائی گئی اور پھر چلنے کی توفیق کی دعا سکھائی گئی۔

پس آپ ان اقدار کو جو احمدیت آپ کو عطا کر رہی ہے ان کو محض اپنے عقیدوں میں اپنے ذہنوں میں جگہ نہ دیں بلکہ اعمال میں ڈھالیں تو پھر دیکھیں آپ مجسم نور بن جائیں گے۔ قرآن کریم نے نور کے تجسّم کا یہ تصور پیش فرمایا ہے کہ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ (التحریم:9) کہ ان کا نور سینوں میں چھپا ہوا تو نہیں رہا کرتا کہ کوئی یہ کہے کہ ہاں میں نے اللہ کا نور حاصل کر لیا ہے اور میرے دل میں ہے۔ اس نور کا کیا فائدہ؟ اس سے تو وہ جگنو بہتر ہے جو تھوڑا نور ہی سہی مگر چمکتا تو ہے کچھ نہ کچھ روشنی تو پیدا کرتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مومنوں کے نور کی جو مثال دی ہے وہ

یہ ہے کہ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ ان کا نور ان کے آگے آگے بھاگتا ہے۔ان کے رستے ان پر روشن کرتا چلا جاتا ہے۔اور وہ بھی جوان کے ساتھ ہوتے ہیں۔ان کے رستے بھی روشن ہوتے رہتے ہیں۔پس احمدیت کو اس زندہ نور کے طور پر قبول کریں اور زندہ نور کے طور پر اپنے دل و جان میں جگہ دیں یہاں تک کہ یہ پھوٹے ،آپ کی آنکھوں سے پھوٹے ،آپ کے چہروں سے ظاہر ہو، آپ کے کلام سے پھوٹنے لگے اور آپ کا رستہ اپنے لئے بھی روشن اور منور ہو جائے اور آپ دنیا کے لئے بھی ایسے راہنما بن جائیں کہ روشن رستوں پر ان کو ساتھ لے کر آگے بڑھیں۔اللہ تعالیٰ اس کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

آخر پر میں جماعت ہائے احمدیہ امریکہ اور جماعت ہائے احمدیہ کینیڈا کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ بڑوں نے بھی اور نوجوانوں نے بھی اور چھوٹے بچوں نے بھی ،مردوں نے بھی اور خواتین نے بھی بڑی محنت کی ہے اور قطعاً تھکاوٹ کے آثار ظاہر نہیں ہونے دیئے۔ضرور تھکتے تو ہوں گے لیکن جب کسی سے پوچھا اس نے ہنستے ہوئے کہا کوئی تھکن نہیں ہے بالکل پرواہ نہ کریں۔جتنا چاہیں ٹھہریں ہم مسلسل محنت سے آپ کے موجود ہونے کے تقاضے پورے کرتے رہیں گے جس محبت اور اخلاص سے جماعت نے سلوک کیا ہے اس سے مجھے یقین ہے کہ یہ جو کمزوریاں ہیں یہ سطحی ہیں، گہری نہیں ہیں۔دل کی گہرائی میں وہ محبت ہے جو اللہ سے تعلق کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی۔ ورنہ اس زمانے میں، اس دنیا داری کے زمانے میں کون ہے جو اپنے آرام چھوڑ کر، بڑے بڑے خرچ کر کے، دور دور کے سفر طے کر کے، بار بار وہاں پہنچے جہاں وہ شخص ہو جس کے ہاتھ پر اس نے بیعت کی ہو اور ایسی محبت کا اظہار دنیا کے پردے میں کہیں آپ کو دکھائی نہیں دے گا۔پس یہ بتاتا ہے کہ دل مخلص ہیں، دل سچے ہیں اور اگر دل سچے ہیں تو وہ رخنے جو نظر آنے لگے ہیں وہ ابھی پوری طرح جڑ نہیں پکڑ سکے، ان کو جڑ نہ پکڑنے دیں کیونکہ میں زمیندار ہوں میں جانتا ہوں کہ کتنی محنت سے کھیت تیار کئے گئے ہوں، اچھی فصلیں ہوں، اگر بد پودا ایک دفعہ جڑ پکڑ جائے پھر وہ فصل رفتہ رفتہ خراب ہو جایا کرتی ہے۔تو جڑ پکڑنے سے پہلے اکھیڑ پھینکیں اور وہ اسی طرح ممکن ہے کہ اپنے نفس کے تجزیئے کی عادت ڈالیں اپنی نیتوں کا امتحان لیتے رہیں اور جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مثال دی ہے کہ پنوڑیا جس طرح پانوں کو الٹتا رہتا ہے تا کہ جہاں بھی کوئی داغ دکھائی دے اسے کتر کر

ایک طرف پھینک دے ورنہ ایک دفعہ کوئی داغ جس پان کے پتے پر پڑ جائے تو وہ خود بھی گل جاتا ہے اور ساتھ کے صحت مند پتے کو بھی گلاتا رہتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بہت پیاری مثال دی ہے کہ اپنی نیتوں کو اس طرح الٹتے پلٹتے اور پرکھتے رہو اور دیکھتے رہو کہ کہیں کوئی داغ تو نہیں لگ گیا۔ داغ لگا ہے تو اس حصے کو کاٹ کر الگ کر دو اور اپنے وجود کو ہمیشہ صحت منداور پاک رکھو۔ اللہ تعالیٰ اس کی ہمیں توفیق عطا فرمائے اور جب بھی خدا مجھے آئندہ امریکہ میں آنے کی توفیق عطا کرے میں جماعت کو پہلے سے بہت زیادہ صحت مند اور نشوونما پاتا ہوا دیکھوں۔ کیونکہ آپ کی نشوونما ہی میرے دل اور روح کی غذا ہے جتنا آپ بڑھتے ہیں اتنا ہی میرا دل بڑھتا ہے خدا کرے کہ جماعت امریکہ ہر پہلو سے ترقی کرتی رہے اور اسی طرح کینیڈا بھی۔

اب ڈش کا جو انتظام ہو چکا ہے اس کے ذریعے یہ خطبہ بھی اب سارے کینیڈا اور امریکہ میں سنا جا سکتا ہے۔ لیکن کینیڈا میں تو ایک ہزار ڈش اب تک بلکہ شاید اس سے کچھ زائد بھی ہوں جو گھروں میں لگ چکے ہیں لیکن امریکہ ابھی اپنے ہمسائے سے اس پہلو سے کچھ پیچھے رہ گیا ہے بلکہ کافی پیچھے رہ گیا ہے۔ ورنہ بچوں کی تربیت کے لئے یہ ذریعہ بہت ہی ممد ثابت ہو چکا ہے اور ہوگا اور جس محنت کے ساتھ جماعت کے مخلصین آپ کے لئے پروگرام بنا رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ آپ کی نئی نسلوں کی کایا پلٹ جائے گی۔ بجائے اس کے کہ آپ کو ان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو وہ آپ کو سنبھالنے لگیں گے اور فیملی ملاقات کے دوران یہ باتیں بھی بار بار سامنے آتی ہیں کہ بچہ ہے جو ہمیں اب بری بات نہیں کرنے دیتا کیونکہ غور سے ٹیلی ویژن دیکھتا ہے آپ نے جو کچھ کہا ہو اگر ذرا اس کے خلاف ہو تو کھڑا ہو جاتا ہے کہ ابا آپ نے یہ بات یوں کی ہے حالانکہ میں نے خود سنا ہے کہ یہ بات یوں ہونی چاہئے تھی۔ تو عجیب زمانہ آ رہا ہے کہ بچے اپنے بڑوں کی حفاظت کر رہے ہیں اور ان کو سبق پڑھا رہے ہیں۔ پس اس زمانے سے فائدہ اٹھائیں تا کہ ہم آئندہ نسلوں کی اصلاح کی ضمانت بن جائیں اور یہ فیض جو خدا نے ہم پر عطا فرمایا ہے آئندہ ہمیشہ اس فیض کو دنیا میں بانٹتے رہیں اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

خطبہ ثانیہ کے بعد اقامت الصلوٰۃ سے قبل حضور انور نے فرمایا:

جمعے کی نماز کے بعد ہم انشاء اللہ عصر کی نماز بھی ساتھ جمع کریں گے۔ میں چونکہ مسافر ہوں

میں دوگانہ پڑھوں گا۔ آپ میں سے جو بھی مسافر ہیں یعنی باہر کے شہروں سے آئے ہوئے ہیں وہ میرے ساتھ ہی سلام پھیریں گے۔ مقامی دوست بغیر سلام پھیرے انتظار کریں۔ جب میں دوسرا سلام پھیر کر فارغ ہو جاؤں، پھر کھڑے ہو جائیں اور بقیہ دو رکعتیں پوری کریں۔ یہ بار بار اس لئے دہرانا پڑتا ہے کہ بعض نئے دوست آنے والے شامل ہوتے رہتے ہیں، بچے بھی بعض نئے بڑے ہو رہے ہوتے ہیں، ان کی تربیت کے لئے چھوٹے چھوٹے مسائل بار بار بیان کرنے ضروری ہیں۔

حضرت رسول کریم ﷺ کی نصائح میں عظیم الشان سبق ہیں۔
جس سے زندگی میں جنت بنتی ہے اور جہنم حرام کر دی جاتی ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 28 / اکتوبر 1994ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے فرمایا۔

الحمدللہ کہ ایک لمبے سفر کے بعد جس میں پانچ جمعے باہر ادا کرنے پڑے اب میں آج یہ خطبہ جمعہ مسجد فضل لندن سے دے رہا ہوں۔ امریکہ اور کینیڈا کے دورے پہ اگر چہ پانچ ہفتے سے زائد خرچ ہو گیا۔ دونوں اتنے وسیع ممالک ہیں کہ وہاں یہ پانچ ہفتے بھی بہت تھوڑے دکھائی دیتے ہیں۔ فاصلے بہت زیادہ ہیں اور پھر جماعتیں بہت پھیلی ہوئی ہیں ان سب کا اکٹھا ہونا، ان سے ملاقاتیں، ان کے دوسرے ضروری مسائل کے حل کے لئے ان کے ساتھ بیٹھ کے گفتگو کرنا، اتنا زیادہ کام تھا کہ جاتے ہوئے تو میرا خیال تھا کہ بہت لمبا عرصہ ہوگا لیکن جب گزر رہا ہے تو پتا بھی نہیں لگا کہ کس طرح وقت گزر گیا بہت تیزی کے ساتھ مصروفیت کا وقت چلتا ہے اور اگر وقت خالی ہو تو ٹھہر جاتا ہے۔ پس اس پہلو سے ان کا وقت بھی تیزی سے گزرا اور میرا وقت بھی بہت تیزی سے گزرا اور اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ بہت مفید مصروفیت رہی۔ میں نے اس آخری خطبے میں جو نیویارک سے دیا تھا احباب جماعت امریکہ کا بھی اور کینیڈا کا بھی شکریہ تو ادا کر دیا تھا اور کچھ تبصرے بھی کئے تھے لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ جتنی محنت امریکہ کی جماعتوں نے کی ہے وہ بہت زیادہ شکریہ کی نہیں تو دعاؤں کی محتاج ہے کیونکہ بہترین شکریہ تو دعا ہی کے ذریعہ ادا ہوتا ہے۔ بہت لمبے عرصے تک مسجد کے سلسلے میں ساری جماعت نے

محنت کی اور امیر صاحب یو۔ایس۔اے، ایم۔ایم۔احمد صاحب نے تو بڑی سنگین بیماری کے باوجود بہت لمبے عرصے تک اس بوجھ کو خود اٹھایا تمام اہم اجلاسوں میں خود شریک ہوتے رہے اور اس بات کی پرواہ نہیں کی کہ کس قدر تکلیف میں تھے اور آخر وقت تک اس بوجھ کی وجہ سے ان کے جسم پر نقاہت اور گہری تھکاوٹ کے آثار دکھائی دیتے تھے مگر الحمدللہ کہ جب یہ سارا بوجھ گلے سے اترا ہے اب ان کی صحت پہلے سے بہت بہتر تھی اللہ کے فضل کے ساتھ۔ باقی کارکنوں نے بھی ان کے نائب برادر مظفر احمد جو نائب امیر USA ہیں انہوں نے بھی بہت محنت کی ان کے دوسرے ساتھیوں نے بھی جنرل سیکرٹری صاحب ملک مسعود صاحب جو افسر جلسہ بھی تھے، ان سب نے اور ان کے سب ساتھیوں نے بہت لمبے عرصے سے مسلسل محنت کی ہے اور وہ کہتے تو نہیں تھے ان کے چہروں سے اس کے آثار ظاہر تھے اور پھر وقتی طور پر جلسے کے کاموں میں وقتی مصروفیت کے پیش نظر جن کارکنوں نے جلسے کے دوران کام کیا ہے وہ اس کے علاوہ ہیں۔ پھر جس جگہ ہم گئے وہاں کے کارکن کچھ دن پہلے کام شروع کر دیتے تھے کچھ دن بعد تک کاموں کو سمیٹنے کا بوجھ ان پر رہتا تھا۔ ان سب کے لئے میں جماعت سے عمومی دعا کی درخواست کرتا ہوں۔ اللہ ان کی کوششوں کو بارآور بنائے۔ جہاں تبلیغ کے سلسلے میں انہوں نے رابطے پیدا کئے اور بڑی محنت سے اپنے تعلقات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یا بعض دفعہ اجنبیوں کو بھی اپنے جلسوں میں شرکت پر منتوں کے ذریعے مجبور کیا وہ بھی ایک ایسا فعل ہے جس پر مجھے امید ہے کہ اللہ رحمت کی نظر کرے گا۔

نیو یارک میں ایک Senator تھے یا ممبر کانگرس تھے وہ ہمارے Reception پر تشریف لائے تو اس کے بعد انہوں نے یہ کہا کہ بات یہ ہے کہ میرا علاقہ یہ نہیں ہے، میں دوسرے علاقے سے آیا ہوں اور میرے آنے کی وجہ صرف یہ تھی کہ جو شخص مجھے بلانے پر مامور تھا اس کا ایسا انکسار تھا اس قدر لجاجت تھی اس طرح بار بار وہ مجھے کہتا رہا کہ میرے لئے انکار ممکن ہی نہیں رہا۔ اس لئے آیا تو سرسری طور پر ایک شخص کے ذاتی اخلاق سے متأثر ہو کر تھا لیکن یہاں آ کر جو میں نے دیکھا ہے وہ اتنی عظیم بات ہے کہ میں خوش ہوں کہ میں نے وہ بات مان لی کیونکہ میرا آنا بہت ہی مفید ثابت ہوا ہے ایسے اچھے جلسے، ایسے اچھے لوگ جس میں مدعو ہوں اور پھر ایسی اچھی باتیں کی جائیں، یہ تو ایک قسمت کی بات ہے جو یہ نصیب ہو۔ یہ ان کے الفاظ تو نہیں مگر ان کے الفاظ کا مفہوم بعینہٖ یہی تھا جو میں آپ کے سامنے بیان کر رہا ہوں۔ اس کے علاوہ بھی شکاگو میں یا دوسری جگہوں پہ، جہاں جہاں بھی

مجالس ہوئی ہیں اور مہمانوں کو مدعو کیا گیا ہے، صاف دکھائی دیتا تھا کہ بے حد محنت سے کام لیا گیا ہے اور کچھ لوگ جو واقف نہیں بھی تھے کارکنوں کے اخلاص کی وجہ سے وہ آنے پر مجبور ہو گئے۔ اس سے ہمیں ساری دنیا میں یہ سبق سیکھنا چاہئے کہ تبلیغ کے کام میں بھی اجنبیوں کو پہلے اخلاق ہی سے متأثر کیا جا سکتا ہے یا کیا جانا چاہئے محض پیغام دے دینا کافی نہیں ہے جب تک اخلاق عالیہ کے ساتھ اپنی ذات میں آپ غیروں کی دلچسپی پیدا نہیں کرتے اس وقت تک وہ آپ کے پیغام میں بھی کوئی دلچسپی نہیں لیں گے۔

اور یہ پیغام ایسا ہے جو باہر سے بدمزہ دکھائی دیتا ہے اور اس پیغام میں یعنی حقیقی اسلام کے پیغام میں یہ خاص بات ہے کہ باہر سے بُرا دکھائی دیتا ہے جب اس کے اندر انسان داخل ہوتا ہے تو جوں جوں آگے بڑھتا ہے اتنا ہی زیادہ جنت کے مناظر دکھائی دینے لگتے ہیں اور آنحضرت ﷺ کا اخلاق حسنہ ہی تھا جس کی وجہ سے باوجود اس کے کہ بیرونی آنکھ نے شاید نفرت سے اسلام کو دیکھا پھر بھی ان کو کھینچ لائے اور ایک دفعہ وہ اندر داخل ہوئے تو ان کی کایا پلٹ گئی۔ قرآن کریم اسی مضمون کو یوں بیان فرماتا ہے کہ جنت کا مقام ایسا ہے جس کے باہر ایک تکلیف دہ صورت حال ہوتی ہے۔ باہر سے اندر آنا مشکل ہے لیکن اندر اس کے بہت ہی پیارا منظر ہے اور سکون اور طمانیت ہے۔ پس تبلیغ کے وقت یہ یاد رکھنا چاہئے کہ غیروں کو اسلام کی طرف بلانا ان کی نظر میں ایسا ہی ہے جیسے آگ کی طرف بلایا جا رہا ہے۔ اگر پوری آگ نہ سہی تو ایک تکلیف دہ کانٹوں والے رستے کی طرف بلایا جا رہا ہے اور جب تک آپ کے اخلاق حسنہ ان پر اتنا اثر نہیں کرتے کہ آپ کی خاطر تکلیف اٹھانے پر مجبور ہو جائیں وہ اسلام میں دلچسپی نہیں لیں گے۔ جب ایک دفعہ لے بیٹھیں اور ان کو اسلام کا پیغام براہ راست ملنا شروع ہو جائے تو پھر آپ کا واسطہ بیچ میں سے غائب ہو جائے گا۔ پھر اسلام اپنے حسن سے ان کو بڑے زور سے کھینچے گا۔ پس یہی وہ راز ہے جس کو اہل نظر، اہل بصیرت سمجھتے ہیں اور اس سے استفادہ کرتے ہیں۔ چنانچہ میں نے آپ کے سامنے ایک امریکن Senator یا کانگریس مین جو بھی وہ تھے ان کی گواہی پیش کی ہے۔ بالکل یہی بات انہوں نے کی کہ جب میں آنے لگا تھا تو دل پہ بوجھ تھا کہ میں کیوں جا رہا ہوں میں خود نہیں سوچ سکتا تھا۔ سوائے ایک شخص کے اخلاق سے متأثر ہوئے بغیر میں یہ کام کر نہیں سکتا تھا، مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن جب آیا ہوں تو میں سمجھتا ہوں کہ ایک بڑی نعمت ہے جس سے میں فائدہ اٹھا رہا ہوں اور بہت اچھا کیا کہ میں یہاں چلا آیا۔ باوجود اس کے کہ

ان کو جلدی تھی ان کے کچھ اور بھی ایسے کام تھے جو پہلے سے طے شدہ تھے۔ گھر کی بھی کچھ مجالس تھیں جن میں جانا تھا پھر بھی وہ کھانے کے وقت تک ٹھہرے رہے اور میں جب تک مصروف رہا ہوں اس وقت تک انتظار کرتے رہے جب میں فارغ ہو کے واپس آیا تو پھر انہوں نے مجھے کہا کہ میں آپ کا شکریہ ادا کر کے اب اجازت لینا چاہتا ہوں۔

تو تمام دنیا میں اس وقت طبیعتوں کی شرافتیں آپ کی منتظر ہیں اور دنیا میں بھی عملاً یہی حال ہے کہ ان کی جنتیں اندر چھپی ہوئی ہیں۔ ان کے بداعمال اور دنیا کے اثرات ان کے باہر ہیں آپ کو بھی تو محنت کر کے ان کے اندر کی جنت ڈھونڈنا ہوگی اور جب تک آپ تکلیف کر کے، ان کی بد اخلاقیوں سے بے پرواہ ہو کر ان کے اندر سرایت کرنے کی کوشش نہیں کریں گے اس وقت تک آپ کو بھی جنت نہیں ملے گی تو یہ دونوں طرف کا معاملہ ہے ذرا مختلف نوعیت کا۔ اسلام کے سامنے جو بظاہر آگ دکھائی دیتی ہے وہ تو ایک فرضی آگ ہے، حقیقی آگ نہیں ہے لیکن دنیا کی بداخلاقیوں کی جو باڑ ان کے اردگرد لگی ہوئی ہے اور آگ جل رہی ہے یہ حقیقی ہے اس کو عبور کرنا واقعۃً بہت مشکل ہے لیکن ہر انسان کے اندر ایک جنت موجود ہے یہ یاد رکھیں جس کو آپ بد سے بد سمجھتے ہیں اس کے اندر بھی اللہ تعالیٰ نے کوئی حسن دفن کر رکھا ہے۔ پس مومن کا کام ہے کہ خود کوشش کر کے ان حسن کے دفینوں تک پہنچے ان سے استفادہ کرے اور ان کو ابھار کر اس کے مالک کے سامنے پیش کرے تا کہ اسے معلوم ہو کہ اس کے پاس بھی حسن کی ایک دولت ہے ورنہ تو صحرائے عرب کی طرح کا حال ہوگا کہ جہاں تیل کے دفینے موجود تھے لیکن اس ملک کے باشندوں کو علم نہیں تھا کہ کیا ہے؟ غیروں نے آ کر محنت کی اور ان دفینوں کو باہر نکالا تب ان کو قدر آئی کہ اس صحرا میں خدا نے کیسی کیسی دولتیں ہمارے لئے اکٹھی کر رکھی تھیں تو انسانوں میں بھی جن کو آپ صحرا سمجھتے ہیں وہ سب صحرا نہیں ہوا کرتے۔ ظاہری طور پر دنیا داری ان کو صحرا بنا دیتی ہے لیکن ہر شخص کے اندر خالق کا ایک حسن پوشیدہ ہے اس کو تلاش کریں تو ان کی جنت بھی باہر آ جائے گی اور اس کے نتیجے میں اسلام سے جو گہرا رابطہ پیدا ہونا چاہئے وہ ان کے لئے زیادہ آسان ہو جائے گا کیونکہ اگر مزاج اسلام کے خلاف ہو تو پھر اسلام سے رابطہ پیدا کرنا مشکل کام ہے۔ تو دونوں طرف کے سفر ہیں جن کی تیاری آپ ہی نے کرنی ہے۔ ان کو اسلام کی طرف سفر پہ آمادہ کرنے کا کام بھی آپ ہی کا ہے، ان کی ذات میں ان کی ودیعت ہوئی خوبیوں کی تلاش کرنا

اوران کا کھوج نکال کران کو باہر لانا اوران کی نظر کے سامنے کرنا، یہ بھی آپ ہی کا کام ہے اوراگر دعا کر کے آپ یہ کام کریں تو یہ مشکل کام نہیں ہے۔

آج کل ہم تبلیغ کے جس دور میں داخل ہوئے ہیں اس میں ہمارے معیار جلد جلد بڑھ رہے ہیں اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اب اس کے بعد اگلا قدم اٹھانا دوبھر ہوگا۔ ہر چڑھائی پر چڑھنے والا جانتا ہے کہ ایک چوٹی جو دکھائی دیتی ہے اس تک پہنچنا بہت مشکل دکھائی دیتا ہے مگر جب آپ پہنچ جاتے ہیں تو ایک سکون نصیب ہوتا ہے مگر پھر اگلی چوٹی پہلے سے بھی زیادہ مشکل ہو جاتی ہے اور پھر اس سے اگلی چوٹی اس سے بھی زیادہ مشکل ہو جاتی ہے۔ پس یہ ضروری نہیں کہ آپ اگر ایک بلندی طے کر چکے ہیں تو دوسری بھی اسی آسانی سے کرسکیں گے۔ ہر اگلی بلندی پہلے سے زیادہ مشکل ہوتی چلی جاتی ہے اس لئے میں آپ کو ذہنی طور پر اس کے لئے تیار کرنا چاہتا ہوں کہ اس سال جو ہم نے دعوت الی اللہ کا کام کرنا ہے اس کے لئے پہلے سے زیادہ محنت کرنی ہوگی، زیادہ ہم سفر ڈھونڈنے ہوں گے جو آپ کے کاموں میں آپ کے ہاتھ بٹائیں اور اخلاق حسنہ سے ضرور مزیّن ہونا ہوگا۔ اس کے بغیر یہ سفر طے نہیں ہوسکتا، اس کے بغیر آپ دلوں کے علاقے فتح نہیں کر سکتے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی توفیق عطا فرمائے۔ مشکل کام بھی دعاؤں سے آسان ہو جاتے ہیں۔ دعائیں کریں تو انشاء اللہ آپ کے یہ کام آسان ہو جائیں گے وہاں بھی میں نے دیکھا ہے اور بعض بہت سے دوستوں سے جو ملا جنہوں نے اچھے کام کئے تھے تو سب نے یہی کہا کہ حقیقت میں ہم دعائیں کرتے تھے اور یہ اللہ کا احسان ہے کہ دعاؤں کی وجہ سے خدا نے یہ توفیق عطا فرمائی ہے۔

پس جماعت احمدیہ تو دعا کا ایک زندہ معجزہ ہے اگر دنیا میں کسی نے دعا کی حقیقت پائی ہو تو صرف احمدیت ہے جس سے دعا کی حقیقت زندہ حقیقت کے طور پر سامنے آسکتی ہے۔ پس آپ دعائیں کرتے رہیں اور محنت کریں اور اخلاص کے ساتھ آگے قدم بڑھائیں۔ سب دنیا کے شریف ہمارے منتظر ہیں اور شرافت ہر جگہ موجود ہے یہ دو یقینی باتیں ہیں جن کو دل میں جاگزیں کر کے یقین کے ساتھ، مستحکم قدموں کے ساتھ آگے بڑھتے چلے جائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے سفر آسان فرما دے گا۔

اس مختصر تبصرے کے بعد میں اس مضمون کی طرف واپس آتا ہوں جو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے الفاظ میں آپ تک بعض نصیحتیں پہنچا رہا ہوں ان کا تعلق اخلاق حسنہ ہی سے ہے۔ وہ

اخلاق جن پر حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ ہمیں دیکھنا چاہتے ہیں، ان اخلاق کو اپنائیں گے تو اس کا نام اخلاق حسنہ کو اپنانا ہے ورنہ دنیاوی اخلاق تو محض کھوکھلے اور سطحی ہوا کرتے ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تین اخلاق ایمان کا تقاضا ہیں یعنی تین اخلاق ایسے ہیں کہ جو ہر مومن کے لئے اپنانے لازم ہیں جن کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوسکتا۔ پس جب آپ مومن بنتے ہیں ایمان لے آتے ہیں تو لازم ہے کہ وہ تین ایمان کی علامتیں آپ کی ذات میں ظاہر ہوں۔ان میں سے ایک یہ ہے کہ غصہ آئے تو اس کے باوجود وہ غصہ مومن کو باطل کام میں اور گناہ میں ملوث نہیں کرسکتا۔ جہاں خدا کی اجازت کی حدود دکھائی دے رہی ہیں وہاں تک رہتا ہے اور اس کا غصہ اسے ان حدود سے تجاوز کرنے پر کبھی آمادہ نہیں کرسکتا۔ جانتا ہے کہ اس غصے کے اظہار کے وقت اگر میں نے اس حد سے آگے قدم بڑھایا تو اللہ کی رضا سے باہر چلا جاؤں گا اور جھوٹ اور بے ہودہ باتوں پر بھی غصہ اس کو آمادہ نہیں کرسکتا۔ پھر فرمایا اور وہی مومن شخص جو غصے میں اپنے آپ کو قابو میں رکھتا ہے، وہ جب خوش ہو تو اس کی خوشی بھی اس کو حق کی حدود سے باہر نہیں پھینکتی۔ پس دو اہم انسانی جذبات ایسے ہیں جو حد سے تجاوز کرنے پر انسان کو آمادہ کرتے ہیں ایک غصہ اور ایک خوشی اور انسانی زندگی کی بہت سی بے ہودہ حرکتیں اور باطل عادات اور ظلم وستم کی واردات زیادہ تر انہی دو حالتوں میں سرزد ہوتی ہیں۔پس آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک سچا ایمان لانے والا غصے میں حد سے نہیں بڑھتا اور حد سے تجاوز کر کے کسی پر ظلم نہیں کرتا، یہ مفہوم ہے اور خوشی میں حد سے تجاوز کر کے اپنی ذات پر ظلم نہیں کرتا۔خوشی کے ظلم اکثر اپنی ذات پر ہوتے ہیں اور غصے کے ظلم اکثر دوسروں پر ہوتے ہیں اگر چہ نتیجے تو دونوں ہی اپنی ذات کے خلاف ہیں۔

پھر فرمایا اور جب اسے قدرت اور اقتدار ملتا ہے تو اس وقت وہ اپنے حق سے زیادہ نہیں لیتا۔طاقت ہوتے ہوئے بھی، اس بات کی استطاعت کے باوجود کہ جتنا چاہے لے لے، جب اس کا حق ختم ہوتا ہے وہیں ٹھہر جاتا ہے اور ہاتھ آگے نہیں بڑھتا (المعجم الصغیر للطبرانی باب من اسمہ احمد)۔ یہ تین بہت ہی گہری خوبیاں ہیں جن کو حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے ایمان سے وابستہ فرمایا ہے۔سوال یہ ہے کہ ایمان سے ان کا کیا تعلق ہے؟ ہمارا ایمان بالغیب ہے اور اللہ کی ذات پر ایسا یقین ہے باوجود اس کے کہ ہمیں وہ دکھائی نہیں دے رہی، ایسا کامل یقین ہے جیسے وہ

حاضر ہو جائے تو خدا تعالیٰ جو غائب بھی ہے اور حاضر بھی ہے وہ یہ معنی بھی رکھتا ہے کہ بہت سی دنیا ہے جن کی نظر سے خدا ہمیشہ غائب ہی رہتا ہے اور بہت سے ایسے مومن ہیں کہ اس غائب کو بھی حاضر کی طرح دیکھنے لگتے ہیں پس جو حاضر ہو جائے اس کی موجودگی میں انسان کا طرز عمل ایک خاص رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ جب قانون نافذ کرنے والے اداروں کے نمائندے حاضر ہوں تو اس وقت قانون شکنی کرنے والا کوئی بہت ہی ڈھیٹ اور بے حیا ہوگا جو دیکھتے ہوئے کہ مجھ پر سب کی نظریں ہیں پھر بھی وہ قانون شکنی کرے۔ ایسے شخص بعض دفعہ ڈاکو ہوتے ہیں بعض دفعہ اور جابر اور ظالم ہوتے ہیں وہ کچھ عرصے تک ایسی بے حیائیاں کرتے رہتے ہیں پھر آخر پکڑے جاتے ہیں مگر اللہ کے معاملے میں تو جرأت کا کوئی سوال ہی نہیں رہتا۔ اگر خدا کو انسان حاضر سمجھ لے تو پھر اس کے نتیجے میں مستقلاً انسان کے مزاج اور طبیعت میں ایسی تبدیلیاں پیدا ہونی لازم ہیں کہ جب وہ غصے میں آپے سے باہر ہو رہا ہو جو یہ دیکھ رہا ہے کہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ اب آپ دیکھ لیں کہ اگر غصے کی حالت میں آپ کوئی بے ہودہ بات کر رہے ہیں اور کوئی ایسا شخص آ جاتا ہے جس کے سامنے آپ کو بے ہودہ باتوں میں شرم آتی ہے تو فوراً اپنی زبان کو آپ کنٹرول میں کرتے ہیں کسی اور کے بچے پر مثلاً ہاتھ اٹھا بیٹھیں اور اس کے ماں باپ سامنے سے آتے دکھائی دیں تو مجال ہے کہ وہ ہاتھ گرے وہ فوراً واپس ہو جائے گا اور شرمندگی کے ساتھ واپس ہوگا۔ تو دیکھنے والا ایسا ہے جس کے اوپر یہ مثال صادق آ رہی ہے۔ آپ اس کو دیکھ رہے ہیں اور جانتے ہیں کہ اس کی مخلوق ہے اور وہ ماں باپ سے زیادہ ان سے پیار کرنے والا ہے ان کا حق مارنے والے کو کس نظر سے دیکھے گا۔

پس غصہ خواہ کیسے ہی تقاضے کرتا ہو ایک مومن وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے ہاتھ روکے رکھتا ہے اور اس حد سے آگے نہیں بڑھتا جس حد سے آگے خدا کا حکم ہے کہ نہ بڑھا جائے اور دنیا میں اکثر فساد جو انفرادی تعلقات کے دائرے میں آتے ہیں غصے کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ بہت سے دوست عمر بھر کی دوستی کو غصے کے ایک لمحے میں ہمیشہ کے لئے ضائع کر بیٹھتے ہیں اور غصے کی حالت میں بعض دفعہ ایک انسان ایسے بہیمانہ جرم میں مبتلا ہو جاتا ہے جس سے پہلے اس کے بغیر وہ تصور بھی نہیں کر سکتا۔ یعنی غصے کی حالت کے بغیر وہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ اس سے ایسا جرم ہو سکتا ہے لیکن غصے کی حالت میں تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ لوگ جیسا کہ امریکہ میں خصوصاً نیو یارک میں بارہا ایسے واقعات سامنے آئے

ہیں اپنے بچے کا سر دیوار سے ٹکرا کے پھوڑ دیتے ہیں۔ یہاں انگلستان میں ایک پروگرام میں میں نے دیکھا کرائمز کے متعلق کہ بہت سے شرابی ہیں جو بہت حساس ہو جاتے ہیں وہ گھر واپس آتے ہیں بیوی ان سے شکوہ کرتی ہے کہ کیوں دیر سے آئے ہیں غصہ آتا ہے اور غصے کی حالت میں خود اپنی بیویوں کے سر دیوار سے ٹکرا ٹکرا کر ان کو قتل کر دیتے ہیں۔ تو غصے کی حالت میں انسان پاگل ہو جاتا ہے اور غصہ حد سے تجاوز کی طرف لے کے جاتا ہے پس جب حد سے تجاوز ہو تو انسان کا اپنے ذہن پر کوئی کنٹرول نہیں رہتا اس لئے غصے کو جنون کہا جاتا ہے مگر خواہ کیسا ہی جنون ہوا گر وہ سامنے کھڑا ہو جس سے آپ خوف کرتے ہیں، جس کا خوف رکھتے ہیں، جسے مقتدر سمجھتے ہیں، جانتے ہیں کہ وہ اس کی سزا دے سکتا ہے تو اچانک وہ غصہ بیٹھ جائے گا۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے ایمان کے ساتھ وابستہ فرمایا ہے غصے میں حد اعتدال پر قائم رہنا۔

خوشی کا بھی یہی حال ہے خوشی کی حالت میں انسان ہزار پاگلوں والی حرکتیں کر بیٹھتا ہے لیکن اگر ایک مالک اور مقتدر سامنے کھڑا ہو جس نے بعض دائرے کھینچ رکھے ہوں کہ ان دائروں سے آگے نہیں بڑھنا تو خوشی کے وقت بھی وہی تجاوز سے بچنے کا طریق ہے کہ اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر سمجھے اور اس پر کامل ایمان رکھے۔

تیسری بات فرمایا کہ جب اقتدار ملتا ہے تو اس کے باوجود وہ دوسرے کے حق پر نظر نہیں ڈالتا اور ذرہ بھر بھی اپنے حق سے زیادہ نہیں لیتا۔ اس میں بھی یہی حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان ہو تو اس کا ایک لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انسان خدا کو مالک سمجھتا ہے اور اپنے آپ کو مالک نہیں سمجھتا خدا پر ایمان اس کے کامل طور پر مالک ہونے کے تصور کے بغیر ممکن نہیں ہے اور جسے انسان اپنا حق سمجھتا ہے اور وہ اتنا ہی ہے جتنا مالک نے دیا ہوا ہے اس سے زیادہ نہیں ہے۔ پس یہ اتفاق ہے کہ وہ عارضی طور پر دنیا میں قادر بنایا گیا ہے یا مقتدر بنا دیا گیا ہے ایک بادشاہ قانون پر فائز ہو جاتا ہے اور بعض دفعہ اپنی مرضی کے قوانین بھی بنا تا ہے حالانکہ اس کو اس کا حق نہیں ہوتا اور قانون ہو یا نہ ہو جو ظالم بادشاہ ہیں یا ڈکٹیٹر ہیں وہ عوام کے حق سے چھین کر ان کے پیسے کو اپنی ذات یا اپنے خاندان کے لئے استعمال کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کی اجازت نہیں دی ہوئی۔ تو چونکہ وہ اپنے آپ کو مالک سمجھنے لگتے ہیں اس لئے یہ حرکت سرزد ہوتی ہے ورنہ ناممکن ہے کہ ہو۔ مالک کوئی اور ہو اور طاقت والا بھی ہو تو کسی کی

مجال ہے کہ اس سے مال میں سے کچھ لے۔ تو بنی نوع انسان کا مال اسے خدا کا مال دکھائی دیتا ہے اور جب دوسرے کا مال خدا کا مال دکھائی دے تو پھر جرأت نہیں ہوسکتی کہ اس پر انسان ہاتھ ڈالے۔

تو یہ شخص تین حالتوں میں آزمایا جاتا ہے اور تین حالتیں اس کے ایمان کے حق میں گواہ بنتی ہیں یا اس کے ایمان کے خلاف گواہی دیتی ہیں۔ غصے کی حالت، خوشی کی حالت اور اقتدار کی حالت۔ جب آپ کے سپرد کوئی حکومت کی جائے یا کسی تھوڑے دائرے میں انتظام سپرد کیا جائے تو آپ کے اندر کوئی ایک ذرا بھی ایسی فخر کی حالت پیدا نہیں ہوتی کہ اس کے نتیجے میں آپ کوئی غلط قدم اٹھا سکیں۔ یہ بہت ہی اہم نصیحت ہے اسے جماعت احمدیہ فطرت ثانیہ کی طرح اپنی عادت اور اپنے رگوں میں دوڑتے ہوئے جذبے کی طرح داخل کرلے تو بہت بڑے مسائل سے ہمیں نجات مل سکتی ہے۔ روزمرہ کے جھگڑوں میں زیادتیاں، بدکلامیاں، خواہ وہ خاندانی سطح پر ہوں، ساس بہو کی باتیں ہوں یا خاوند اور بیوی کے تعلقات کے بگاڑ کے قصے ہوں ہر جگہ آپ دیکھیں گے اور اسی طرح دوستوں کے معاملات میں بھی کہ غصے کی حالت میں سارا امن کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے اور خوشی کی حالت میں انسان بے راہروی اختیار کرتا ہے جب اسے کچھ زیادہ نصیب ہو جائے تو اپنے خرچ کو متوازن نہیں رکھتا۔ بعض دفعہ خوشی کی حالت میں وہ قرضے لے لے کر بھی، دکھاوے کی خاطر کہ خوشی کا دن ہے اپنے اوپر بہت سے بوجھ اٹھا لیتے ہیں اور وہ قرض واپس کرنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ پس ساری عمر کا ایک عذاب ہے جو انہوں نے اپنے سر منڈھ لیا ہے پس اس کو روزمرہ کی زندگی پہ چسپاں کر کے دیکھیں تو ہر روز یہ تین چیزیں ہمارے لئے آزمائش بنتی ہیں اور بسا اوقات ہم ان سے شکست کھا جاتے ہیں اور اس آزمائش پر پورے نہیں اترتے۔

اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جو راضی ہوا اس کا بیان کرتے ہوئے قرآن کریم فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ابْتَلٰى کیا اسے آزمایا اور ہر بار اس آزمائش پہ وہ ہمیشہ پورا اترا۔ پس یہ آزمائشیں کوئی ایسی آزمائشیں نہیں ہیں جو دور کی خیالی دنیا کی باتوں سے تعلق رکھتی ہوں۔ یہ روزمرہ کی آزمائشیں ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا نے ہر حال میں آزمائش پر پورا اترتے دیکھا۔ باقی انبیاءؑ بھی اپنے اپنے مقام اور توفیق کے مطابق پورا اترے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت ابراہیمؑ کے حق میں جو یہ گواہی ملی تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس میں ایک غیر معمولی مقام رکھتے تھے۔ ہر آزمائش کے وقت وہ سوچتے تھے اور غور کرتے تھے کہ کس میں خدا کی رضا ہے کس میں

خدا کی ناراضگی ہے اور ہمیشہ رضا کی جانب قدم اٹھاتے تھے ناراضگی کی طرف اپنے قدم اٹھنے نہیں دیتے تھے یعنی بالا رادہ روک لیتے تھے یہ وہ ابراہیمی صفات ہیں جن کو ہمیں اپنانا ہوگا کیونکہ ان کا زندگی سے تعلق ہے۔ انہی صفات کے نتیجہ میں ان کو زندگی کا راز سمجھایا گیا کہ تو پرندوں کو سدھا اور پھر دیکھے گا کہ پرندے تیرے حکم کے مطابق تیری آواز پر لبیک کہتے ہوئے ہر سمت سے اڑتے ہوئے تیری طرف واپس آ جاتے ہیں۔

اب سب باتوں کا صفات سے تعلق ہے اور صفات الٰہیہ سے تعلق ہے جو اسی کو عطا کی جاتی ہیں جس کے اندر آزمائش میں پورا اترنے کا مادہ پایا جاتا ہے محض اپنی توفیق سے صفات الٰہیہ نصیب نہیں ہوا کرتیں۔ پس ان دونوں باتوں کا گہرا تعلق ہے فَاَتَمَّهُنَّ جو فرمایا کہ ابراہیم کو جب ہم نے آزمائش میں ڈالا تو ہر آزمائش پر وہ پورا اترا اور اس کے بعد صفات الٰہیہ کا جو ظہور ہوا ہے ابراہیم علیہ السلام کی ذات میں، وہ اسی کا انعام تھا۔ پس اگر آپ نے خدا کے رنگ سیکھنے ہیں اور خدا کے رنگ اختیار کئے بغیر آپ دنیا کو خدا کے رنگ دے ہی نہیں سکتے تو پھر لازم ہے کہ ان امتحانوں میں پورا اتریں اور یہ تین امتحان جو آنحضرت ﷺ نے ہمارے سامنے کھول کر بیان فرما دیئے ہیں یہ امتحان ایسے ہیں جن کا زندگی کے ہر دائرے سے تعلق ہے اور بدنصیبی ہے انسان کی کہ وہ اپنی زندگی کے ہر دائرے میں ان تین امتحانوں میں اکثر ناکام ہوتا چلا جاتا ہے۔

پس جماعت احمدیہ کو بڑے غور اور حکمت کے ساتھ اس مضمون کو سمجھنا ہے اور اپنی ذات میں اسے جاری کرنا ہے کیونکہ ہمارے بہت سے کام پڑے ہوئے ہیں پچھلے سال جو خدا نے ہمیں توفیق عطا فرمائی تھی اس سے دگنے کا ہم نے عزم باندھا ہے خدا کی توفیق کے مطابق ہی فیصلہ ہوگا۔ مگر انسانی ہمت کا جہاں تک تعلق ہے اللہ پر توکل کرتے ہوئے ہم نے دگنے کا عزم باندھا ہے تو اس دگنے کام کے لئے کچھ طاقت بھی تو دگنی ہونی چاہئے۔ وہ طاقت کہاں سے ملے گی یہ میں آپ کو سمجھا رہا ہوں دعائیں کریں اور دعاؤں کے ساتھ آزمائشوں میں پورے اترنے کی بالا رادہ کوشش کریں اور اس نیت کے ساتھ کوشش کریں کہ مجھے پہلے سے بڑھ کر طاقت ور ہونا ہے کیونکہ میرا بوجھ بڑھ گیا ہے۔ اور یہ حسابی بات ہے اگر بڑے بوجھ کے اٹھانے کا ارادہ کرتے ہیں تو لازماً اپنے وجود کی پرورش کرنی ہوگی، جسم کمانا ہوگا اور اس کے بغیر بڑے بوجھ کے اٹھانے کی باتیں کرنا محض ایک دیوانے کی بڑ ہے اس کی اس کے سوا کوئی حقیقت نہیں ہے۔

پس آپ جب ارادہ کرتے ہیں کہ ہم نے پہلے سے دوگنا پھل حاصل کرنا ہے تو پہلے سے دوگنی محنت کرنی ہے لیکن محنت سے زیادہ اپنے وجود میں وہ طاقتیں پیدا کرنی ہیں جن کے نتیجہ میں پھر محنت نہیں ہوتی بلکہ شوق اور آسانی کے ساتھ وہ کام سرانجام پاتے ہیں جو بعض دوسروں کو محنت سے کرنے پڑتے ہیں۔ محنت زیادہ لمبے عرصے تک اس طرح کرنا ممکن نہیں ہوتا کہ ہر دفعہ محنت کرنے کے بعد آپ کا جسم چور چور ہو جائے اور بدن کا انگ انگ دکھنے لگے۔ ایسی محنت سے آہستہ آہستہ دل متنفر ہو جاتا ہے پس ضروری ہے کہ مستقل ورزش کرتے ہوئے اپنی طاقت کو اتنا بڑھاتے چلے جائیں کہ وہ محنت دوسرے کو تو محنت دکھائی دے آپ کے لئے ایک طبعی اور فطرت کے میلان کے مطابق کام بن جائے یعنی فطرت کے خلاف چلتے ہوئے آپ کو وہ کام نہ کرنا پڑے۔ اپنی فطرت کے میلان کے مطابق اپنی بڑھتی ہوئی طاقتوں کے نتیجے میں وہ کام آپ کو آسان دکھائی دے اور یہ کوئی کہانی کی بات نہیں یہ اسی طرح عملی حسابی بات ہے جو میں آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے جو اخلاق حسنہ ہمیں سکھائے ہیں ان کو سمجھ کر، ان کو سیکھ کر لازم ہے کہ آپ کے روحانی بدن میں غیر معمولی طاقت پیدا ہو اور وہی طاقت ہے جو آپ کے کام آئے گی۔ یہ پہلی حدیث جو تھی یہ المعجم الصغیر للطبرانی سے لی گئی تھی۔ اب جو حدیث ہے یہ ترمذی باب صفۃ القیامۃ سے لی گئی ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا **الا اخبرکم بمن یحرم علی النار** (ترمذی باب صفۃ القیامۃ) کہ کیا میں تمہیں اس شخص کی خبر نہ دوں جس پر آگ حرام ہو جاتی ہے فرمایا کیا میں تم کو بتاؤں کہ آگ کس پر حرام ہے؟ وہ حرام ہے ہر اس شخص پر جو لوگوں کے قریب رہتا ہے۔ یعنی نفرت نہیں کرتا ان سے نرم سلوک کرتا ہے یہ جو یعنی نفرت نہیں کرتا نرم سلوک کرتا ہے یہ **ھین لین سھل** کا ترجمہ کیا گیا ہے اور ان کے لئے آسانی مہیا کرتا ہے، یہ بہت ہی اہم روزمرہ کا ایک دستور ہے جسے سمجھنا چاہئے کیونکہ یہ بہت ہی اہم راز ہمیں بتا دیا گیا ہے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ جہنم کی آگ تم پر حرام کر دی جائے خدا تعالیٰ کی طرف سے اور کسی قیمت پر بھی تم جہنم میں داخل نہ ہو تو یہ آسان سا طریق اختیار کر لو۔ دعویٰ بہت مشکل اور طریق بہت آسان لیکن آسان ہونے کے باوجود اکثر لوگ اسے اختیار نہیں کرتے اور وہ طریق یہ بیان فرمایا ہے کہ لوگوں سے دور نہ ہو ان کے قریب رہو ہر انسان جب ایک طبقے سے ترقی کر کے ایک اونچے طبقے میں داخل ہوتا ہے تو

بالعموم اس پہلے طبقے سے بھی اور اس سے نچلے طبقے والوں سے بھی اس کا فاصلہ بڑھ جاتا ہے پھر جب اور ترقی کرتا ہے ایک اور طبقے میں قدم رکھتا ہے تو اس کا فاصلہ اور بڑھ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جو امیر لوگ ہیں ان کے محلے الگ، ان کی کوٹھیاں الگ، ان کے سفر الگ، ان کا روزمرہ کا رہن سہن تمام دوسرے انسانوں سے کٹ کے الگ ہو جاتا ہے اور یہ ایک ایسی بات ہے فطرتی طور پر ہمارے مزاج میں داخل ہونے والی کہ ہمیں اس کا شعور نہیں رہتا کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔ فطرتی طور پر میں نے جو کہا یہ مراد نہیں کہ انسان کو اس فطرت پہ پیدا کیا گیا ہے فطرتی طور پر صرف ان معنوں میں کہہ رہا ہوں کہ ہمارے روزمرہ کے مزاج میں اتنی داخل ہوگئی ہے کہ گویا یہ فطرت ثانیہ بنی ہوئی ہے اور ہم محسوس نہیں کرتے کہ ہم دنیا سے الگ ہو رہے ہیں اور پہلوں سے کٹ رہے ہیں۔

بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جب وہ بڑے ہوتے ہیں تو اپنے ماں باپ سے بھی کٹ جاتے ہیں اور یہ بہت بڑی بدبختی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم لوگوں میں رہو، ان کے ساتھ رہو، ان سے کٹنا نہیں۔ اگر تم بنی نوع انسان سے کٹ گئے تو خدا سے کاٹے جاؤ گے۔ یہ مفہوم ہے اور جو بنی نوع انسان کے ساتھ رہتا ہے اللہ اس کے ساتھ رہے گا اور جس کے ساتھ اللہ رہے اس کے اوپر یقیناً جہنم حرام ہے۔ مگر جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے لوگوں میں ہٹنے اور کٹنے کی عادت ہوتی ہے اور اس کے نتیجے میں بعض دفعہ یہ ہوتا ہے کہ غریب افراد کو ان کے گھر تک رسائی بھی نہیں رہتی پھر۔ ان کو مجلسوں میں ملتے ہیں تو ان کی آنکھیں بدلی ہوئی ہوتی ہیں، شرم محسوس کرتے ہیں کہ یہ جو شخص غریب سا دکھائی دیا ہے ہمارے سے اس کا کوئی گہرا خونی رشتہ ہے اور جیسا کہ میں نے بیان کیا بعض واقعات سے پتا چلتا ہے اور یہ ایسے واقعات ہیں جو محض فرضی نہیں بلکہ حقیقتاً روزمرہ ہونے والے واقعات ہیں اور بعض اپنے تجربے میں میرے علم میں بھی ایسے آئے ہیں کہ بچہ امیر ہو گیا اور شادی بھی ایسی جگہ ہوگئی جو نخرے والی اور دنیا کی جدید تہذیب سے متأثر عورت تھی تو اس کے لئے یہ بات قابلِ شرم ہوگئی کہ میرا باپ میرے گھر میں رہے اور اس کے لئے پھر ذرا ہٹ کر کوارٹر بنا دیئے گئے اور اس کو ایسی حالت میں رکھا گیا کہ جب وہ لوگ آئیں تو ان کے سامنے نہ آئے، بعض اپنی ماؤں سے شرمانے لگ جاتے ہیں بعض اپنے باپوں سے شرمانے لگ جاتے ہیں۔

ایک دفعہ ایک ایسے ہی گھر میں ایک بچہ اپنی پرانی چیزیں ایک کمرے میں جمع کر رہا تھا پرانا

بستر، پرانے بوٹ تو اس کے باپ نے کہا کہ یہ تم کیا حرکت کر رہے ہو۔ اس نے کہا میں وہی کر رہا ہوں جو آپ کرتے ہیں۔ آپ نے اپنی پرانی چیزیں اپنے ابا کو دے دی ہیں پرانے بستر ان کے لئے کر دیئے ہیں تو میں نے کہا جب آپ بوڑھے ہوں گے تو مجھے بھی آپ کے لئے کچھ چیزیں جمع کرنی چاہئیں تو میں اپنی پرانی اور گندی چیزیں آپ کے لئے جمع کر رہا ہوں۔ یہ بچہ ذہین تھا، نیک فطرت تھا اس نے کیسا اچھا سبق اپنے باپ کو دیا۔ تو انسان جو غفلت کی حالت میں زندگی بسر کرتا ہے اس کو یہ بھی نہیں پتا لگتا کہ میں کس سے کیا کر رہا ہوں اور جو عامۃ الناس ہیں جن سے اس کا کوئی رشتہ نہیں ان کے معاملے میں تو بہت ہی متکبر ہو جاتا ہے۔ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے لوگوں کے قریب رہتا ہے یعنی اپنے آپ کو لوگوں کا حصہ سمجھتا ہے اور یہی سبق دینے کے لئے جس میں ایک ایسا نظام جاری فرما دیا گیا جس میں ہر بڑا چھوٹا لازماً پانچ وقت ایک دوسرے کے ساتھ اکٹھا ہونے پر مجبور ہے۔ امیر سے امیر آدمی بھی اگر کھڑا ہے تو اس کے گھر کا معمولی نوکر بھی حق رکھتا ہے کہ اس کے ساتھ جا کے کھڑا ہو اور اس امیر کی مجال نہیں ہے کہ وہ اس کو دھکیل کے ایک طرف کرے یا اس سے ناراض ہو کہ تم میرے ساتھ لگ کے کیوں کھڑے ہو گئے کیونکہ وہ خدا کا دربار ہے اور وہی ایمان والی بات ہے۔ جب ایمان غائب کو حاضر کر دے تو ہر دوسرا فاصلہ مٹ جاتا ہے ہر دوسرا خیال غائب ہو جاتا ہے صرف ایک عظیم وجود کی حاضری کا خیال ہے جو دل پر اور دماغ پر غالب رہتا ہے۔

پس اسلام نے ہمیں یہ سکھایا ہے کہ اللہ کی نظر میں تمہیں لازماً خدا کے بندوں سے تعلق قائم رکھنا ہوگا کیونکہ اس کی نظر جسے اپنے بندوں سے تعلق قائم کرتے ہوئے دیکھے گی، اسے پیار سے دیکھے گی، اسے اپنا قرب عطا کرے گی اور اس بات کا نتیجہ یہ لازم ہوگا کہ اس پر جہنم حرام ہوگئی۔ پس جہنم کا حرام ہونا اس کے پیچھے ایک کہانی رکھتا ہے ایک اعمال اور مزاج کی کہانی ہے۔ اسے سمجھیں گے تو پھر جہنم حرام ہوگی ورنہ یہ کہ ہم لوگوں سے ملتے جلتے ہیں روز، کوئی بات نہیں ہم پر جہنم حرام ہوگئی، یہ بات غلط ہے۔ جہنم حرام ہونے کا فتویٰ بہت بڑا فتویٰ ہے اس کے پیچھے جو اعمال ہیں ان میں کوئی خاص گہری بات ہونی چاہئے جس کی وجہ سے محمد رسول اللہ ﷺ یہ اعلان کر رہے ہیں کہ جو یہ کرے گا اس پر جہنم حرام ہوگی، کوئی معمولی اعلان نہیں ہے۔ پس اس کی حکمت کو سمجھیں اور اپنے دل کو عامۃ الناس کے قریب کریں اور ان کے قریب ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ ہر وقت ان کے ساتھ کھڑے رہیں یہ تو

ناممکن ہے۔ان کے قریب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی بیماریوں پر، ان کی کمزوریوں پر، ان کی تکلیفوں پر نظر رکھیں خوشیوں میں ان کے ساتھ شامل ہونے کی کوشش کریں، ان کے غم بانٹنے کی کوشش کریں احساس رہے کہ یہ بھی میرے ہیں میں ان کا ہوں یہ بنیادی مزاج ہے جس پر آگ حرام کی جاتی ہے اور اسی کی طرف آنحضرت ﷺ بلاتے ہیں۔

چنانچہ فرمایا ’’تحریم‘‘ یعنی جہنم حرام ہوگی **علی کل قریب هین لین سهل** ہر اس شخص پر حرام ہوگی جو آسان ہے لوگوں کے لئے ،نرم ہے لوگوں کے لئے اور سہولت کے ساتھ مہیا ہے اور ان کی سہولتوں کا خیال رکھتا ہے وہ شخص جو خدا تعالیٰ کے بندوں کے لئے نرمی اختیار کرتا ہے اور ان کے قریب رہتا ہے، ان کی ضرورتوں کا خیال رکھتا ہے۔اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ویسا ہی سلوک فرمائے گا۔ پس جہنم سے بچنے کا ایک آسان نسخہ ہے اور پیارا نسخہ ہے اور دعویٰ بہت بڑا ہے کہ جہنم سے بچا دیا جائے گا تو اگر آپ غور کریں اور ان صفات کے ساتھ بندوں کے قریب ہوں جو صفات بیان فرمائی گئی ہیں تو مشکل نہیں ہے کیونکہ نرمی میں مزہ ہے، سہولت دینے میں ایک مزہ ہے اور حسن سلوک میں ایک مزہ ہے۔پس یہ مشقت کی باتیں نہیں ہیں، یہ وہ باتیں ہیں جو اپنی ذات میں لطف رکھتی ہیں تو دنیا میں بھی آپ لطف اٹھائیں اور جہنم سے بھی بچائے جائیں اس سے بہتر اور کیا سودا ہوسکتا ہے۔

مسلم کتاب الایمان میں ہے اور اس کا بیان ہے **انه لا يدخل الجنة الا المومنون** کہ جنت میں مومنوں کے سوا کوئی اور داخل نہیں ہوگا۔حضرت تمیم داریؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ دین سراسر خیر خواہی ہے اور خلوص کا نام ہے آنحضرت ﷺ کے الفاظ یہ ہیں **الدين النصيحة. قلنا لمن** آپ نے فرمایا دین نصیحت ہے۔ایک نصیحت کا عام معنی ہے کسی کو نیک بات کہنا اور ایک نصیحت کا معنی ہوتا ہے سراسر خلوص اور خیر خواہی۔تو یہاں نصیحت کے یہ معنی ہیں جو درحقیقت پیش نظر ہیں۔آپؐ نے فرمایا **الدين النصيحة** کہ دین تو نام ہی اخلاص اور خیر خواہی کا ہے اگر اخلاص اور خیر خواہی نہیں تو دین بے معنی اور بے حقیقت ہوجاتا ہے **قلنا لمن** ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کس کے لئے؟ خیر خواہی اور اخلاص کس کے لئے؟ تو آپؐ نے فرمایا **للّٰه و لكتابه و لرسوله و لائمة المسلمين و لعامتهم عامتهم** آپؐ نے فرمایا کہ اللہ کے لئے خیر خواہی، اللہ کے لئے خیر خواہی کا ترجمہ درست نہیں۔ یہاں یہ ہونا چاہئے اللہ کے لئے خلوص نیت۔اللہ کی خیر خواہی کوئی انسان کیسے کر

سکتا ہے۔تو یہاں اللہ کے لئے سے مراد یہ ہے اللہ کے لئے آپ کی نیتوں کا خالص اور پاک ہو جانا اس میں کوئی غیر اللہ کی ملونی نہ رہے۔ و لرسولہ اور رسول کے لئے بھی اپنے اخلاص کو کامل کر دیں اور پاک کرلیں۔ و لائمة المسلمین یہاں دونوں معنے داخل ہو جائیں گے اور مسلمانوں کے اماموں کے لئے بھی پاک خیالات رکھیں خیر خواہی کے جذبات رکھیں اور ان سے بھی اخلاص کا تعلق رکھیں **وعامتھم** اور عامۃ المسلمین کے لئے بھی پاک صاف خیالات رکھیں اور ان سے بھی حسن سلوک کا معاملہ کریں ان کی خیر خواہی چاہیں۔فرمایا یہ وہ چیزیں ہیں جو جنت میں داخل کرنے کے لئے ضروری ہیں اور خلاصہ یہ ہے کہ نصیحت یعنی اخلاص اور خیر خواہی کا تعلق یہی وہ باتیں ہیں جو انسان کو جنت عطا کرنے والی ہیں۔ یہ حدیث، میں نے بیان کر دیا ہے مسلم سے لی گئی تھی۔اب یہ دوسری حدیث ہے یہ بھی مسلم ہی سے لی گئی ہے کتاب البر والصلة باب فضل الرفق۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا زَوْجِ النَّبِيِ ﷺ ......

قَالَ: اِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُوْنُ فِيْ شَيْءٍ اِلَّا زَانَهُ وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا شَانَهُ. (مسلم کتاب البر والصلہ حدیث نمبر:4698)

کہ آنحضرت ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کسی چیز میں جتنا بھی رفق اور نرمی اتنا ہی اس کے لئے زینت کا موجب بن جاتا ہے اور جس سے رفق اور نرمی چھین لی جائے وہ اتنی ہی بدنما ہو جاتی ہے۔زَانَہٗ کا مطلب ہے اسے زینت بخشی اور شَانَہٗ کا مطلب ہے اس میں داغ لگا دیا اسے داغ دار کر دیا اس میں بدصورتی پیدا کر دی۔تو امر واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم امت میں رفق اور نرمی کو عام کرنا چاہتے تھے اور سمجھانا چاہتے تھے اور سمجھاتے رہے اور آج بھی آپ کا یہی پیغام ہے کہ اگر تم اپنے اعمال کو زینت بخشنا چاہتے ہو تو اپنے اندر نرمی کی عادت ڈالو اور سخت گیری اختیار نہ کرو اور ایک مبلغ کے لئے تو بہت ہی اہم ہے کہ وہ روزمرہ کی زندگی میں نرمی کی عادت ڈالے مشکل یہ ہے کہ اگر ایک انسان ایسے ماں باپ کے گھر میں پلتا ہے جو آپس میں ہمیشہ سخت کلامی کرتے رہے ترش روئی سے کام لیتے رہے تو بہت بعید بات ہے کہ کہ ان کے بچے بڑے ہو کر نرمی اختیار کریں گے تو نصیحت سن کر اس پر عمل کی خواہش کرنا یا ادب سے یہ سوچنا کہ رسول اللہ کا کلام ہے مجھے کرنا چاہیے یہ ہر انسان کے بس کی بات نہیں ہے یہ گہرا مسئلہ ہے نرمی اور

رفق لمبی تربیت کو چاہتے ہیں جن گھروں میں ماں باپ ترش رو ہوں اور بدکلام ہوں اور بات بات میں جھگڑنے والے ہوں بعض دفعہ ان کے بچوں میں ردعمل پیدا ہوتا ہے اور نرمی بھی پیدا ہو جاتی ہے لیکن اس نرمی کے ساتھ اپنے ماں باپ کے خلاف نفرت اور ان سے دوری بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ایک طرف وہ نرمی سے لوگوں کی طرف جھکتے ہیں کیونکہ ان کو ردعمل ہو جاتا ہے اور دوسری طرف جن سے حسن سلوک کا قرآن حکم دیتا ہے ان سے وہ دور چلے جاتے ہیں۔تو یہ نرمی بھی برائی سے خالی نہیں ہوتی۔اصل اخلاق کی نرمی وہ ہے جو بچہ اپنے بااخلاق، نرم رو اور خلیق ماں باپ سے سیکھتا ہے۔جس کے گھر میں گفتگو تہذیب سے ہو رہی ہے اس کے گھر میں بچے بالعموم بہت نرم رو پیدا ہوتے ہیں اور جب بڑے ہوتے ہیں تو معاشرے میں بھی ان کے گوشے سب دوسروں کے لئے نرم رہتے ہیں اور بد اخلاق گھروں میں بداخلاق لوگ پیدا ہوتے ہیں۔اب ان کو آپ نصیحت کر کے دیکھ لیں نصیحت کا اثر نہیں ہوتا۔آنحضرت ﷺ کے حوالے سے ایک بات کہی جارہی ہے لیکن شاذ ہی ہوگا جو بچپن سے بدخلق ہو تو یہ بات سنتے ہی ایک دم نرم رو ہو جائے۔

اس لئے میں یہ سمجھا رہا ہوں کہ اتنی اہم نصیحت کو اگر آپ نے سنجیدگی سے دیکھنا ہے تو اس کے لئے لمبی محنت درکار ہوگی سب سے اول تو اپنے گھروں میں اپنا ماحول درست کریں اپنے تعلقات اپنی بیوی سے اور بیویاں اپنے تعلقات اپنے خاوندوں سے اور پھر ماں باپ اپنے بچوں سے اس طرح استوار کریں کہ تمام تعلقات میں ملائمت پائی جائے اور درشتگی نہ ہو، سختی نہ ہو کیونکہ جب کھردرا پن آئے تو اس سے پھر آگ پیدا ہوتی ہے جتنا بھی آپس کے معاملات میں کھردرا پن پیدا ہوا اتنا ہی اس سے قانون فطرت کے طور پر آگ پیدا ہوتی ہے اور وہی آگ ہے جو غصے میں تبدیل ہوتی ہے جو بعض دفعہ سارے معاشرے کو جلا دیا کرتی ہے۔تو نصیحت کر دینا کافی نہیں ہے اس لئے مجھے آپ کو سمجھانا پڑ رہا ہے۔یہ وہ نصیحت ہے جس پر عمل بہت لمبی محنت کو، بڑی گہری توجہ کو چاہتا ہے۔ہر وقت، ہر آن اپنے گھروں کے ماحول پر نظر رکھیں، اپنے اندر اگر پہلے سختی تھی تو اسے رفتہ رفتہ نرمی میں تبدیل کرنے کی کوشش کریں۔بار بار یاد رکھیں کہ آنحضرت ﷺ آپ سے یہ تقاضا کر رہے ہیں کہ اگر ایسا نہیں کریں گے تو آپ بدزیب بنے رہیں گے، مکروہ صورت ہو جائیں گے کوئی آپ کی طرف توجہ نہیں دے گا۔

پس معاشرے میں تو بداخلاقی سے پہلے ہی بہت گھر اجڑ گئے ہیں لیکن جس تعلق میں میں

آپ کو سمجھا رہا ہوں آپ گھر ہی نہیں دنیا اجاڑنے والے بنیں گے کیونکہ آپ کی بدزیبی جو بداخلاقی کے نتیجے میں پیدا ہوئی ہے اس کے نتیجے میں بہت بڑی تعداد میں ایسے لوگ جو آپ کے حوالے سے اسلام میں دلچسپی لے سکتے تھے وہ اسلام سے متنفر ہورہے ہیں اور اسلام سے دور ہٹ رہے ہیں اور اس کے نتیجے میں آپ ان سب کے ذمہ دار ہو جائیں گے تو محض اپنا گھر ہی نہیں اجاڑ رہے بلکہ دنیا کے گھر بھی اجاڑنے والے بن گئے ہیں۔

اگر ایک مومن اپنے گھر میں نرمی اور رفق کا سلوک کرتا ہے اور اپنے بچوں سے بھی پیار اور محبت اور ادب کا سلوک کرتا ہے اور بے وجہ سختی نہیں کرتا کیونکہ بعض اوقات سختی بھی اخلاق کا حصہ ہوتی ہے اور وہ نرمی اور رفق کے خلاف نہیں ہوتی۔ اگر یہ خلاف ہوتی تو آنحضرت ﷺ بھی کبھی سختی نہ کرتے لیکن نرمی اور رفق اور حلم جو باتیں بیان فرمائی گئی ہیں ان کی پہچان یہ ہے کہ ایسا شخص جب سختی بھی کرتا ہے تو دور نہیں پھینکتا۔ وقتی طور پر ایک شخص تکلیف محسوس کرتا ہے لیکن پھر بلا اختیار بے ساختہ اس طرف واپس لوٹ آتا ہے نرمی اور پیار اور محبت کے نتیجے میں جو کشش پیدا ہوتی ہے وہ کشش ثقل کی طرح ایک حاوی بالا طاقت رکھتی ہے۔ آپ چھلانگ لگا کر زمین سے کچھ دور جا سکتے ہیں لیکن واپس پھر یہیں آنا ہے ہوائی جہاز میں بیٹھ کر آپ کتنا اونچا چلے جائیں گے لیکن پھر یہیں گرنا ہے یا یہیں اترنا ہے۔ پس نرمی اس کشش ثقل کی طرح ہے جو ہمیشہ اپنی طرف کھینچ رہی ہے اور وقتی سختی سے اگر کوئی دور ہٹتا بھی ہے تو کچھ عرصہ کے لئے ہٹ سکتا ہے ہمیشہ کے لئے نہیں لیکن جو بدخلق لوگ ہیں ان کے پاس آنا مصیبت ہے۔ وہ ہر وقت دھکا دے رہے ہیں جس طرح ایک ہی پول اپنے جیسے پول کے قریب ہو جائے تو ایسا ہی منظر پیدا ہوتا ہے وہ ایک دوسرے کو دھکا دینے لگ جاتے ہیں اور بڑی کوشش کے ساتھ آپ ان کو جوڑیں گے جب ہاتھ ہٹائیں گے پھر وہ پرے ہٹ جائیں گے۔ تو بدخلق آدمی کا یہ حال ہوتا ہے اس کے پاس ٹھہرنا مصیبت، اس کے قریب آنا عذاب اور بڑی محنت کے ساتھ انسان اس کے پاس رہ سکتا ہے پھر جب وہ دباؤ ہٹے تو پھر واپس چلا جاتا ہے۔ تو ایسے لوگ جو بداخلاق ہیں وہ اپنے ماحول کو اپنے گھر کو ہی نہیں سارے ماحول کو، غیروں کو بھی دھکا دے رہے ہیں۔

چنانچہ بعض اوقات اس بات سے مجھے بہت تکلیف پہنچتی ہے کہ بعض غیر احمدی یہ خط لکھتے ہیں کہ ہم احمدیت کے اخلاق سے عموماً متأثر ہو کر قریب آرہے تھے لیکن ایک ایسا شخص مل گیا جس

نے اس بھیڑیئے کی طرح جو بھیڑ کا لباس اوڑھے ہوئے ہو، بھیڑ کی کھال میں لپٹا ہو ہم سے سلوک کیا اور جتنا قرب تھا وہ دوریوں میں تبدیل ہو گیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم سمجھتے ہیں یہ ایک انفرادی کمزوری ہے اور جماعت اچھی ہوگی لیکن بعض یہ کہتے ہیں کہ اب ہمارا دل ہی اتر گیا ہے۔ بعض دفعہ جب تحقیق کی گئی تو مبالغہ نکلا، بہت دفعہ جب تحقیق کی گئی تو اگر چہ کچھ نہ کچھ حقیقت تھی لیکن پھر بھی بہت مبالغہ آمیزی سے کام لیا گیا تھا۔ لیکن بعض دفعہ جماعت کی طرف سے اس کی پوری تصدیق آتی ہے کہ یہ انسان جو یہ خط لکھنے والا ہے شریف آدمی ہے جھوٹ نہیں بول رہا واقعۃً اس کے ساتھ یہ ہوا ہے۔ تو وہ شخص جو اپنی بد اخلاقی کی وجہ سے کسی کو جہنم میں پھینکنے کا موجب بن جائے وہ خدا سے جنت کی توقع کیسے رکھے گا۔ جو جنت کے منادی ہیں انہی کو جنت عطا ہوا کرتی ہے جو جہنم کی طرف دعوت دینے والے ہیں ان کا مقدر بھی یہی بن جاتا ہے۔

پس آنحضور ﷺ کی نصائح پر غور کریں اور ان پر عمل کا منصوبہ بنائیں کیونکہ جیسا کہ میں نے کہا ہے بار بار کہنے کے باوجود مجھے ابھی اطمینان نہیں ہے کہ آپ میری بات سمجھ گئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی بات سنتے وقت آپ ادب سے سنیں گے۔ مجھے پتا ہے کہ احترام کریں گے مگر ایسی باتیں ہیں جن کو اپنی زندگی میں جاری کرنا آسان نہیں ہے۔ اپنے اپنے طور پر ہر شخص اپنی کیفیات کا اور عادات کا جائزہ لے کر ایک منصوبہ بنائے پھر امید ہو سکتی ہے کہ اس کا یہ سنجیدہ فیصلہ اور رسول اللہ ﷺ کی نصیحت کے سامنے سر جھکانا اللہ کے ہاں مقبول ٹھہرے اور آسمان سے وہ مدد ملے جس کے نتیجہ میں مشکل کام آسان کر دیئے جاتے ہیں۔ اللہ کرے کہ ایسا ہی ہو۔ (آمین)

مالی قربانیاں تقویٰ کی استطاعت کے مطابق کریں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 4 نومبر 1994ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے مندرجہ ذیل آیت کریمہ تلاوت کی۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٢٦٦﴾ (البقرة:266)

پھر فرمایا:۔

پیشتر اس سے کہ اس آیت کے مضمون پر کچھ گفتگو کروں میں آج مجلس انصار اللہ UK کے تین روزہ سالانہ اجتماع کے آغاز سے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

آج مجلس انصار اللہ UK کا تین روزہ سالانہ اجتماع اسلام آباد میں ہو رہا ہے اور صدر صاحب انصار اللہ کی طرف سے گزشتہ ہفتہ دس دن سے مسلسل مجھ پر دباؤ رہا ہے کہ میں اسلام آباد جا کر وہ افتتاح کروں اور مسلسل میں اس کا انکار کرتا رہا ہوں۔ لیکن وہ بھی ماشاء اللہ دھن کے پکے ہیں، اچھے دعا گو ثابت ہوں گے۔ مگر میں نے واضح طور پر عرض کیا بار بار کہ یہ نہیں ہوگا پھر بھی ماشاء اللہ انہوں نے اپنی اس نیک کوشش کو ترک نہیں کیا اور یہ جو انہوں نے ضد لگائی تھی دراصل وہی وجہ ہے جو میں خصوصیت سے ان کی بات کا انکار کرتا رہا ہوں۔

میرا سابقہ دستور ہے جو سب مجالس کے علم میں ہے کہ UK میں جتنے بھی ذیلی مجالس کے اجتماعات ہوتے ہیں ان کا افتتاح میں امیر صاحب UK سے کرواتا ہوں اور اگر وہ نہ ہوں تو ہمارے امام صاحب جو نائب امیر بھی ہیں اور دوسری تقریبات میں حصہ لیتا ہوں۔ تو اول تو میں کسی وجہ سے اس دستور کو بدلنا نہیں چاہتا تھا ورنہ ہر مجلس کی طرف سے مجھ پر یہی دباؤ ہوگا اور یہی مطالبہ ہوگا کہ انصاراللہ کے اجتماع میں آپ نے اس دستور کو بدلا ہے تو ہمارے معاملہ میں کیوں یہ سوتیلے پن کا سلوک ہے، ایک تو یہ وجہ تھی۔ دوسرے یہ کہ ان کا اصرار اس لئے تھا کہ وہ مجھ سے زیادہ اپنے اجتماع کی حاضری بڑھانا چاہتے تھے اور یہ اطلاع دے بیٹھے تھے سب کو کہ ضرور جمعہ سے پہلے پہنچ جائیں کیونکہ خلیفۃ المسیح افتتاح کریں گے۔ یہ درست ہے کہ اگر کسی مجلس میں خلیفۃ المسیح شامل ہوں پہلے بھی یہی رہا ہے آئندہ بھی یہی رہے گا تو ظاہر بات ہے کہ اس اجتماع کی حاضری بڑھ جاتی ہے لیکن اسے حاضری کو بڑھانے کا ذریعہ بنا کر سالانہ رپورٹ کا معیار بڑھانا یہ جائز نہیں ہے۔ خدام کی حاضری ہو، لجنات کی ہو یا انصار کی ہو وہ سال بھر کی کوششوں کا آئینہ دار ہونی چاہئے۔ اگر تمام سال کوشش کر کے مجلس انصاراللہ میں ایک مستعدی پیدا کر دی جائے اور جماعت کے کاموں میں حصہ لینے کا ذوق و شوق بڑھایا جائے اور اس طبعی جوش اور ولولے کے نتیجے میں لوگ کثرت سے اجتماعات میں شامل ہوں تو اچھی بابرکت بات ہے اور قابلِ تحسین ہے۔ مگر یہ نہ ہو تو خلیفہ وقت کو ذریعہ بنا کر اس دن کی حاضری بڑھانا یہ کوئی نیک، اچھی بات نہیں ہے۔ اس لئے وہ سمجھیں یا نہ سمجھیں یہ بات میں اشارۃً ان کی دل آزاری کئے بغیر سمجھانے کی کوشش کرتا رہا مگر وہ بات پہنچی نہیں۔ اس لئے اب میں ساری دنیا کو یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ یہ ایک طبعی بات ہے کہ اگر کوئی شخص جو کسی بڑے علاقے سے تعلق رکھتا ہو کہ اس کی خاطر لوگ آئیں اس کے آنے پر لوگوں کا آنا ایک طبعی بات ہے اس کا کوئی نقصان نہیں ہے۔ مگر کسی ایک دن اس کو بہانہ بنا کر اپنی حاضری بڑھا لینا یہ اچھی کارکردگی کی علامت نہیں ہے۔ اس لئے انصار ہوں یا لجنات ہوں یا خدام ہوں ہمیشہ اس بات کو پیش نظر رکھیں کہ سالانہ تربیت کے معیار کو بڑھائیں یہاں تک کہ کسی ایک شخص کی خاطر نہیں بلکہ روزمرہ کی تربیت کے نتیجے میں، دینی اغراض کی خاطر، تمام ذیلی تنظیموں کے ممبر خدا کو راضی کرنے کے لئے دینی اغراض کی خاطر اکٹھے ہوا کریں۔ یہ جو خلیفہ وقت کے ساتھ تعلق ہے یہ بھی ایک دینی غرض ہے مگر ان دونوں باتوں میں فرق ہے۔ روزمرہ

کی تربیت کے نتیجے میں جو دین سے وابستگی پیدا ہوتی ہے وہ پھر اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اس بات کی محتاج نہیں رہتی کہ کون آ رہا ہے اور کون نہیں آ رہا۔ اس وقت تو حالت یہ ہو جاتی ہے کہ ہم تو بن بلائے بھی جانے کی کوشش کریں گے اور واقعۃً ایسا ہوتا ہے جیسا کہ ایک مصرعہ میں یہ کہا گیا ہے کہ:

اس پہ بَن جائے کچھ ایسی کہ بِن آئے نہ بنے ؎ (دیوان غالب:296)

بلانے کا محتاج نہ رہے انسان۔ جب دینی مقصد کا کوئی اجتماع ہو تو اس میں ذوق وشوق سے لوگوں کا حاضر ہونا ایک دینی تقاضا ہے۔ پس یہ وجہ ہے میں وضاحت کر رہا ہوں۔ انہوں نے جو وعدہ کیا تھا انصار سے، ان کی طرف سے عہد شکنی کوئی نہیں ہوئی ان کو اس بات پر ملزم نہ کیا جائے۔ اپنی طرف سے جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے آخر وقت تک جو ممکن تھا انہوں نے کوشش کر دیکھی مگر یہ میری مجبوری تھی جس کی وجہ سے وہ کوشش کامیاب نہیں ہو سکی۔

مجلس انصار اللہ UK میں عمومی طور پر مجھے توقع ہے کہ بیداری پیدا ہوئی ہے۔ اور اس بیداری کا ایک اظہار اس اجتماع میں ایک مجلس سوال و جواب کو داخل کر کے جس میں غیر از جماعت اور غیر مسلموں کو بلایا جا رہا ہے یہ اس نیک طریق پر کیا جا رہا ہے اس توقع پر کہ انشاء اللہ اس کے نتیجے میں بیعتیں بھی ہوں گی اور اس معاملے میں اللہ تعالیٰ جماعت جرمنی کو جزا دے سارے یورپ کے لئے وہ نمونہ بنی ہوئی ہے۔ چنانچہ صدر صاحب انصار اللہ نے جب اس خصوصی اجلاس کو عام دستور سے ہٹ کر جو یہاں کا دستور تھا، انصار اللہ کے اس اجتماع میں شامل کرنے کی درخواست کی تو خود ہی یہ کہا کہ جرمنی کو دیکھ کر ہمارے دل میں بھی جوش پیدا ہوا ہے کہ ہم بھی ایسے اجتماعات اپنے سالانہ اجتماع کا ایک مستقل جزو بنا لیں۔ تو اچھی بات ہے اللہ تعالیٰ ان کو اس کی جزا دے اور زیادہ سے زیادہ غیر مسلموں کو خصوصیت سے اور غیر احمدی مہمانوں کو بھی اس میں شامل ہونے کی توفیق بخشے۔

انصار اللہ کی جو ذمہ داریاں ہیں وہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں باقی ساری مجالس سے زیادہ ہیں۔ اس کے متعلق میں تفصیلی گفتگو نہیں کرنا چاہتا کیونکہ آج تحریک جدید کے نئے سال کے آغاز کے اعلان کا دن ہے۔ صرف دو تین نکتے جو پہلے بھی عرض کر چکا ہوں وہ آپ کو یاد دلاتا ہوں۔ انصار کی عمر وہ عمر ہے جس کے بعد کسی اور مجلس میں شامل نہیں ہونا بلکہ دوسری دنیا کی طرف رخصت ہونا ہے۔ اس لئے جو دینی کاموں میں کمزوریاں رہ گئی ہیں ان کو دور کرنا اور ان کا ازالہ کرنا جس حد

تک ممکن ہے انصار کو کرنا چاہئے کیونکہ پھر اس کے بعد دوبارہ یہاں واپس نہیں آنا اور اس پہلو سے خدام اور دوسرے ذیلی شعبوں سے مجلس انصار اللہ کو زیادہ مستعد ہونا چاہئے اور زیادہ ان کے دل پر بوجھ پڑنا چاہئے۔ انبیاءؑ کا سب کا یہی حال رہا ہے۔ جوں جوں عمر بڑھتی ہے اور بڑھاپے کی عمر میں وہ داخل ہوتے ہیں کام کی ذمہ داریاں ان پر بڑھتی چلی جاتی ہیں اور پہلے سے زیادہ محنت اٹھاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق بھی یہی روایتیں ہیں کہ آخری ایام میں تو یوں لگتا ہے جیسے کوئی شخص غروب ہوتے ہوئے سورج پر نظر کرتے ہوئے جبکہ ابھی منزل دور ہو بہت تیزی سے قدم اٹھاتا ہے اور بار بار توجہ کرتا ہے کہ کہیں دن غروب نہ ہو جائے۔ اس کیفیت سے آپؑ نے آخری عمر میں کاموں کے بوجھ زیادہ بڑھا لئے اور زیادہ اس احساس کے ساتھ کہ جو کچھ بھی اب مجھ سے ممکن ہے میں کرلوں، ان کی ذمہ داریاں ادا فرمائیں۔ پس انصار کا ایک یہ پہلو ہے جو پیش نظر رہنا چاہئے۔

دوسرا یہ کہ انصار کی ذمہ داریوں میں طبعی طور پر ان سے نچلی تمام نسلوں کی ذمہ داریاں داخل ہیں۔ بچوں کی تربیت میں بھی انصار سب سے اچھا کردار ادا کر سکتے ہیں، خواتین کی تربیت میں بھی انصار سب سے اچھا کردار ادا کر سکتے ہیں اس میں بالعموم نفس کی ملونی کا خطرہ باقی نہیں رہتا۔ اس پہلو سے مجلس انصار اللہ کو مستعد بھی ہونا چاہئے اور اپنی ذیلی تنظیموں کی تربیت پر بھی نظر رکھنی چاہئے۔ تربیت کے لحاظ سے ذمہ داری ادا کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ خدام الاحمدیہ کے انتظام میں دخل دیں، لجنہ کے انتظام میں دخل دیں بلکہ گھر کے بڑوں کے طور پر، ایک معزز شہری کے طور پر جس حد تک نیک نصیحت کے ذریعے وہ اپنی سے نچلی نسلوں کی تربیت کے کام سرانجام دے سکتے ہیں ان کو دینے چاہئیں۔

اب میں اس مضمون کی طرف آتا ہوں جو میں نے بیان کیا ہے کہ نئے سال کا تحریک جدید کا اعلان ہونا ہے۔ الحمد للہ کہ تحریک جدید دفتر اول ساٹھ سال پورے کر چکا ہے اور دفتر دوم پچاس سال پورے کر چکا ہے۔ دفتر سوم انتیس سال اور دفتر چہارم نو سال۔ اور اب یہ اپنے اکسٹھویں، اکاونویں، تیسویں اور دسویں سال میں داخل ہوں گے۔

دفتروں کا جہاں تک تعلق ہے اس سلسلے میں میں نے رپورٹوں پہ نظر کر کے محسوس کیا ہے کہ

رفتہ رفتہ دفاتر کی تقسیم پر عہدیداروں کی یا کام کرنے والوں کی نظر نہیں رہتی اور عمومی طور پر تحریک کے چندے کو بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں مگر دفاتر کے قیام کی جو غرض و غایت تھی وہ اس طرح پوری نہیں ہوسکتی۔ جب میں نے اعداد و شمار سے معلوم کرنے کی کوشش کی کہ دفتر چہارم نے کتنی ترقی کی ہے، دفتر سوم نے کتنی ترقی کی ہے، تو پتا چلا کہ ایسا کوئی تذکرہ رپورٹوں میں موجود ہی نہیں تھا۔ پھر فیکس کے ذریعے بڑی بڑی یورپ اور امریکہ وغیرہ کی جماعتوں کو تحریک کی گئی کہ آپ کے پاس اعداد و شمار ہوں گے فوراً بھجوا دیں۔ تو ہر جگہ سے یہ معذرت آئی کہ ہم نے الگ الگ اعداد و شمار نہیں رکھے اس لئے آئندہ سال ایسا کریں گے۔ تو تحریک جدید کے تعلق میں پہلی نصیحت تو یہ ہے کہ دفاتر کا انتظام تحریک جدید کے سیکرٹری کے تابع الگ الگ ذمہ دار خدمت کرنے والوں کے سپرد ہونا چاہئے تا کہ آئندہ کبھی اس بات میں کوئی کوتاہی نہ ہو۔ ہر تحریک جدید کا سیکرٹری اپنے ساتھ دفتر اول کا ایک نائب لگائے، ایک دفتر دوم کا، ایک سوم کا اور ایک چہارم کا۔ تا کہ ان کا الگ الگ ریکارڈ رکھے اور ان کا مقابلہ کرے اور اس طرح آپس کے مقابلے کی وجہ سے ویسے بھی عمومی معیار خدا کے فضل سے بہتر ہوگا۔

یہ دفاتر کی تقسیم دراصل بعض عمروں کے بدلنے کے نتیجے میں جو ایک قسم کے نسلی گروہ بنتے ہیں، ایک نسل سے تعلق رکھنے والے گروہ، ان کے پیشِ نظر کی گئی۔ دفتر اول کو جب دس سال گزر گئے تو حضرت مصلح موعودؓ نے یہ تجویز فرمائی کہ دفتر اول کا الگ رجسٹر رکھ کر اس کا حساب الگ کر دیا جائے اور ایک دفتر دوم قائم کیا جائے جس میں نئے مجاہدین داخل کئے جائیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت کے اس حصے کو بھی قربانی کی توفیق ملے گی جو پہلے غافل رہا ہے اور دفتر اول کی قربانیوں کے سائے تلے وہ بھی شمار ہوتا رہا ہے۔ پس اس گروہ کو اگر اس سائے سے الگ کر کے اپنی کارکردگی دکھانے کی طرف بلایا جائے تو ظاہر بات ہے کہ ایک بہت بڑی تعداد ان مخلصین کی ہاتھ آ سکتی ہے جو کسی وجہ سے تحریک جدید کے کاموں سے غافل رہے ہیں۔ جب یہ کچھ عرصے تک سلسلہ جاری رہا اور مفید ثابت ہوا تو پھر دفتر سوم کا اعلان دفتر اول کے اکتیس سال بعد کیا گیا اور پھر دفتر چہارم کے آغاز کا اعلان میں نے آج سے دس سال پہلے کیا تھا۔ مراد یہ تھی کہ گزشتہ عرصے میں جو نئے بچے بڑے ہوئے ہیں، نئے لوگ جماعت میں داخل ہوئے ہیں، ان پر نظر رکھنے کے لئے ایک الگ انتظام ہو، الگ

منتظمین ان ذمہ داریوں کو ادا کریں۔ چنانچہ میں پہلی نصیحت تو یہ کرتا ہوں کہ ان دفاتر کی تقسیم کو ملحوظ رکھتے ہوئے شعبوں کے اندر ایسے نائبین مقرر کئے جائیں جو اپنے اپنے دفتر کا الگ حساب رکھیں۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ جہاں اگر جماعت چھوٹی ہو اور یہ تقسیم ممکن نہ ہو تو جو بھی تحریک جدید کا سیکرٹری ہے وہی خود اپنے ذمہ یہ بات لے لے کہ وہ یادرکھے گا اور ان سب کا ریکارڈ الگ الگ رکھے گا۔

جہاں تک تحریک جدید کی عمومی سال بہ سال ترقی کا تعلق ہے، خدا کے فضل سے چونکہ جماعت محض للہ قربانیاں کر رہی ہے اور خدا کی ذات دائم ہے وہ آنی جانی نہیں ہے اس لئے جو قربانیاں اس کے تعلق سے بجالائی جاتی ہیں ان کو بھی دوام عطا ہوتا ہے، کسی وقتی جوش سے تعلق نہیں رکھتیں۔ سَن 1934ء سے لے کر اب سن 1994ء آ گیا ہے اور اس ساٹھ سالہ دور میں خدا تعالیٰ کے فضل سے ایک بھی سال ایسا نہیں آیا جبکہ جماعت اس قربانی سے تھک گئی ہو اور اس کے قدم سُست پڑ گئے ہوں اس کی وجہ یہی ہے کہ جماعت کی قربانیاں محض للہ ہوتی ہیں اور اللہ کی ذات کے حوالے سے ان قربانیوں کو دوام ملتا ہے۔

جس آیت کی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی تھی اس کا ترجمہ یہ ہے وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ کہ وہ لوگ جو اپنے مال اللہ کی رضا کی خواہش میں، اس کی تمنا میں، اس کی حرص میں خرچ کرتے ہیں یعنی ان کی مالی قربانی خالصۃً للہ ہوتی ہے اور اللہ کی رضا کے لئے ان کے دل میں محبت اور اشتہا پائی جاتی ہے تو ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ کا مطلب ہے اس خدا کی مرضیوں کو ڈھونڈنے کے لئے، ان کی خواہش میں، ان کی لگن میں وہ مال خرچ کرتے ہیں۔ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ اور دوسری غرض ان کی یہ ہوتی ہے کہ مالی قربانی کے ذریعے ان کے ایمان تقویت پائیں اور ان کی نیکیوں کے اقدام میں ثبت پیدا ہو اور مالی قربانی سے وہ اپنے اعمال کی بھی حفاظت کریں اور ان نیک اعمال کی حفاظت کے لئے گویا یہ اعلان کیا جا رہا ہے کہ مالی قربانی بہت ہی مفید نتائج پیدا کرتی ہے۔ یہ دو جائز اغراض ہیں اس کے سوا کسی تیسری غرض کا ذکر نہیں ہے۔

اول سب سے اعلیٰ غرض اللہ کی محبت میں اس کی رضا کی خاطر اموال کو پیش کرنا تا کہ اللہ کی نظر، پیار اور محبت کے ساتھ قربانی کرنے والوں پر پڑے اور دوسرے اپنے اعمال کو جو نیک اعمال ہیں

ان کو تقویت دینے کے لئے اور ان کو ثبات بخشنے کے لئے ان کی حفاظت کی خاطر مالی قربانی کی جائے۔ اب یہ دو باتیں ایسی ہیں جو جماعت احمدیہ کی مالی قربانی کی تاریخ میں بالکل نمایاں طور پر درست دکھائی دیتی ہیں۔ اللہ کی بات تو بہر حال درست ہونی ہے مگر جماعت کی مالی قربانیوں کے آئینے میں جب ان دونوں باتوں کو عمل پیرا دیکھتے ہیں تو یہ مراد نہیں کہ اللہ کی بات سچی ہے، مراد یہ ہے جماعت سچی ہے جس نے واقعۃً رضائے باری تعالیٰ کی خاطر قربانیاں دی تھیں اور واقعۃً اپنے نیک اعمال کی حفاظت کے لئے یہ اقدام کئے تھے، اس لئے ان کا نتیجہ صاف دکھائی دے رہا ہے۔ جماعت کی مالی قربانیوں میں حصہ لینے والا گروہ اللہ کے فضل سے تمام نیکیوں میں صف اول میں ہے۔ شاذ کے طور پر ایسے آدمی آپ کو دکھائی دیں گے جو مالی قربانی میں تو اول ہیں لیکن باقی چیزوں میں پیچھے ہیں۔ بعض ایسے جن کو میں جانتا ہوں جو کمزور ہوتے ہیں اور مالی قربانی میں حصہ نہیں لیتے۔ آغاز میں یہی دکھائی دیتا ہے کہ وہ مالی قربانی میں حصہ لینے لگے ہیں لیکن دیگر اعمال کے لحاظ سے معیاری نہیں لیکن کسی ایسے شخص کو میں نہیں جانتا جو مالی قربانی شروع کر دے اور دوسرے نیک اعمال میں محروم ہی بنا رہے۔ مالی قربانی اس کے دوسرے نیک کاموں کو بھی تقویت بخشتی ہے، اس کا سلسلے سے تعلق پہلے سے زیادہ مضبوط ہونے لگتا ہے۔ دینی کاموں میں اس کا ذوق وشوق پہلے سے زیادہ بڑھنے لگتا ہے۔

پس قرآن کریم کی یہ گواہی جماعت احمدیہ کے گزشتہ سوسالہ کردار کے آئینے میں نہ صرف قرآن کی صداقت کا اعلان کر رہی ہے بلکہ جماعت احمدیہ کی نیک نیتوں اور پاک اعمال کی صداقت کا بھی اعلان کر رہی ہے۔ فرماتا ہے، ایسے لوگوں کے ساتھ کیا ہو گا؟ ان کی مثال کیسی ہے؟ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ ان کی مثال ایک ایسے باغ کی طرح ہے جو بلندیوں پر واقع ہو یعنی نیچے اترائی پر نہ ہو بلکہ چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کی چوٹیوں پر جیسے جنتیں ہوں یعنی باغات لگے ہوں ویسی ہی ان کی کیفیت ہوتی ہے۔ أَصَابَهَا وَابِلٌ ایسی جنتیں یعنی ایسے باغات جو پہاڑوں کی چوٹی پر واقع ہوتے ہیں ان کی صفت یہ بیان فرمائی گئی کہ انہیں اگر تیز بارش بھی پہنچے تو ان کو نقصان نہیں کرتی۔ زائد پانی نیچے بہہ جاتا ہے اور ان کی جڑوں میں کھڑا ہو کر ان کو گلاتا نہیں ہے اور ایسی جگہوں پر ویسے بھی شبنم پڑنے کے زیادہ امکانات ہوتے ہیں۔ پہاڑی علاقوں میں جو پہاڑوں کی چوٹیاں ہیں صبح آپ جا کے دیکھیں وہ بھیگی ہوئی ہوتی ہیں شبنم سے تو فرمایا تیز بارش ہو وہ نقصان

نہیں پہنچاتی بلکہ خوب پانی دیتی ہے اور بارش نہ بھی ہو تو شبنم تو ان کے مقدر میں لکھی ہوئی ہے۔ وہ تو ہر صبح آتی ہے ان کے منہ دھلاتی ہے اور شبنم کا اتر نا چوٹی کی وجہ سے ایک اور فائدہ بخشتا ہے کہ شبنم چونکہ بہہ نہیں سکتی اس لئے وہیں جڑوں میں جذب ہوتی ہے اور جتنی بھی شبنم ہے وہ ان کے لئے فائدہ مند ثابت ہوتی ہے۔ تو نہ وَابِلٌ یعنی تیز بارش ان کو نقصان پہنچا سکتی ہے بلکہ فائدہ دے جاتی ہے نہ ہلکی بارش سے ان کو کوئی نقصان پہنچتا ہے بلکہ وہ ایسا باغ ہے جو نشو ونما پا تا رہتا ہے۔

اس مثال کے بہت سے پہلو ہیں۔ ایک پہلو جو اس سے پہلے میں نے بیان نہیں کیا اس کی طرف میں آج متوجہ کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ جنت سے مراد اگر متقی لوگ ہیں ان کی مثال دی گئی ہے جو خدا کی رضا کی وجہ سے بہت بلند مقامات پر فائز ہوتے ہیں ان کو جب خدا زیادہ رزق عطا کرتا ہے تو ان کو نقصان نہیں پہنچتا۔ اس رزق کے نتیجے میں ان کے رجحانات دنیا کی طرف مائل ہوتے ہوئے دنیا کی سمت بہنے نہیں لگتے بلکہ کسی قسم کا کوئی نقصان ان کی ذات کو، ان کے وجود کو غیر معمولی برکات کے نتیجے میں نہیں پہنچتا بلکہ پہلے سے بڑھ کر دینی خدمات کی طرف ان کی توجہ پیدا ہوتی ہے۔ قربانی میں آگے بڑھ جاتے ہیں۔ زیادہ سرسبز وشاداب دکھائی دینے لگتے ہیں اور اگر کبھی کوئی ابتلا آ جائے تو ان کا رویہ ایسا نہیں بدلتا کہ جس سے ثابت ہو کہ جب تک خوشحال تھے قربانیاں کرتے تھے جب خوشحال نہیں رہے تو قربانیوں سے منہ پھیر لیا ہے بلکہ وہ شبنم بھی ان کی قربانیوں کے تر وتازہ باغات کو مزید تازگی بخشتی ہے اور ان کو مرنے نہیں دیتی۔ پس ایسے حالات رکھنے والے لوگ خواہ خوشحالی کے دور سے گزر رہے ہوں یا تنگی کے دور سے گزر رہے ہوں، ان کی نیکیوں کی کھیتیاں سرسبز وشاداب ہی رہتی ہیں۔ ان کی قربانیوں کے باغات ہمیشہ لہلہاتے رہتے ہیں۔ یہ بہت ہی بلند مقام اور مرتبہ ہے جو خدا کی خاطر قربانی کرنے والوں کو عطا کیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے خود دیکھیں کتنے پیار سے کیسی عظیم الشان مثال ان کی بیان فرمائی ہے۔

فَاٰتَتۡ اُكُلَهَا ضِعۡفَيۡنِ وہ جب اس کو شبنم بھی پہنچتی ہے تو اپنا پھل دگنا دیتی ہے۔ یہ ایک مسئلہ ہے جسے سمجھنا ضروری ہے۔ بہت بارشیں ہوں اور باغوں کا پھل زیادہ کر دینا یہ تو سمجھ میں آجاتی ہے بات، شبنم کے بعد پھل دگنا کیسے ہوسکتا ہے جبکہ بظاہر خشک سالی کا دور ہے۔ شبنم مرنے تو نہیں دیتی لیکن اس طرح فراوانی سے پانی تو مہیا نہیں کرتی جیسے موسلا دھار بارشیں کیا کرتی ہیں۔ یہ

دراصل ایک اضافی چیز ہے جسے سمجھنا ضروری ہے۔ وہ لوگ جو خدا کی خاطر تنگی میں بھی قربانی کرتے ہیں ان کی قربانی کا درجہ امارت کی حالت کی قربانیوں سے زیادہ بڑا ہوتا ہے۔ خصوصاً جس نے اچھے دن دیکھے ہوں اور اچھے رہن سہن کی عادت پڑ گئی ہو جب اس پر تنگی کا دور آتا ہے تو اس کے لئے اپنے خرچوں کا کم کرنا بہت مشکل کام ہو جاتا ہے۔ مگر جو خدا کی رضا کی خاطر اعلیٰ قربانیاں دے چکے ہوں ان کے اندر ہم نے واقعةً یہ روح دیکھی ہے کہ اپنے پہلے دنوں کی قربانیوں کو چونکہ کم نہیں کرنا چاہتے اس لئے اپنی ذات پر زیادہ بوجھ ڈال کر اور اپنی دنیا کی ضرورتوں کو زیادہ کاٹ کر پھر دیتے ہیں۔ تو ضِعۡفَيۡنِ کا یہ مطلب ہے۔ دنیا کے باغات میں یہ منظر آپ کو کہیں دکھائی نہیں دے گا مگر روحانی دنیا کے باغات میں بعینہٖ یہی منظر ہے جو دکھائی دیتا ہے اور میں اس کا گواہ ہوں کیونکہ کثرت سے مجھے ایسے لوگوں کے جن پر یہ واقعات گزرے خطوط آتے ہیں ان کے دل کا درد مجھ تک پہنچتا ہے کہ ایک وقت تھا ہمیں خدا نے یہ توفیق بخشی تھی اب ہم مجبور ہیں چندے کم کرنے کو دل نہیں چاہتا تو میری بیوی نے اپنا زیور دے دیا، میں نے یہ کر دیا، ہم نے اپنی جائیداد بیچ دی۔ حیرت انگیز قربانیاں ہیں جس کی وجہ سے دل ان کے اخلاص کی گرمی سے پگھلنے لگتا ہے۔

تو قرآن کا کلام بہت سچا کلام ہے کسی انسان کا بنایا ہوا کلام نہیں ہے ورنہ ناممکن تھا کہ کوئی انسان یہ منظر کشی کرتا اور یہ کہتا کہ جب پانی کم ہو جاتا ہے صرف شبنم پہ وہ باغ پلتا ہے تو اس کا پھل دگنا ہو جاتا ہے۔ کیسے دگنا ہو سکتا ہے، کیسے انسانی سوچ اس تناظر کا تصور کر سکتی ہے۔ پس یہ الٰہی کلام ہے جو بالکل سچا ہے اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتۡ اُكُلَهَا ضِعۡفَيۡنِ یہ عجیب باغ ہے جو خدا کی محبت کا باغ ہے کہ جب اس پہ غربت کا دور آتا ہے، جب اس پہ تنگی کا دور آتا ہے تو پہلے سے دگنا پھل دینے لگتا ہے یہاں ایک اور پہلو یہ ہے کہ اللہ کی نظر میں وہ پھل دگنا ہو جاتا ہے ان کے اخلاص اور محبت کی وجہ سے تنگی کی وجہ سے پھر یہ بات نہیں رہتی کہ چونکہ امیر تھے قربانیاں دیں بلکہ یہ صورت ابھرتی ہے کہ رضائے باری تعالیٰ کی خاطر تھی اب دیکھو تنگی بھی آئی ہے تب بھی قربانیاں دے رہے ہیں ہر حال میں ان کی قربانیوں کا جذبہ قائم رہتا ہے پس اس پہلو سے ان پر زیادہ پیار کی نگاہ پڑتی ہے اور اللہ کی نظر میں ان کا پھل دگنا دکھائی دیتا ہے اور ان عام لوگوں کے ساتھ بھی یہ مضمون تعلق رکھتا ہے جو غربت کی حالت میں ویسی ہی قربانیاں دیتے ہیں، یہاں موازنے کی بات نہیں ہوگی بلکہ یہ مضمون ہوگا کہ خدا

کے پیار کرنے والے بندوں میں سے کچھ وہ ہیں خوشحال ہیں ان کی مثال ایسے ہی ہے جیسے چوٹی پر لگائے گئے باغ پر موسلا دھار بارش اثر دکھائے اور کچھ ایسے ہیں جو غریب ہیں بہت تھوڑا ان کو رزق ملتا ہے لیکن تھوڑے کے نتیجے میں جذبہ قربانی بڑھ جاتا ہے اور وہ ان سے بھی زیادہ مقامات حاصل کر لیتے ہیں، ان اپنے بھائیوں سے بھی زیادہ جن کو دنیا میں اللہ تعالیٰ نے بڑی نعمتیں عطا کی ہیں۔

اور یہ امر واقعہ ہے اس میں ایک ذرہ بھی شبہ کی بات نہیں کہ ایسے بالعموم یہ ہے یعنی یہ ایک ایسی بات نہیں جو استثنائی ہو بالعموم یہ دکھائی دیتا ہے کہ غرباء میں قربانیوں کا معیار اونچا ہے امراء میں آپ کو استثنائی طور پر ایسے قربانی کرنے والے دکھائی دیں گے جو تناسب کے لحاظ سے اپنے غریب بھائیوں سے آگے نکل جائیں ورنہ ہماری اکثریت غرباء کی وہ ہے جن کی روحانی کھیتی دگنے پھل لا رہی ہے کیونکہ وہ ذاتی تنگی کے باوجود اپنی روزمرہ کی ضرورتوں کو کاٹ کر قربانی کر رہے ہوتے ہیں اور امراء میں بدقسمتی سے یہ رجحان پایا جاتا ہے کہ اپنی آمد سے جو خدا تعالیٰ ان کو وافر عطا کرتا ہے اتنا دیتے ہیں کہ ان کو یہ خطرہ نہ رہے کہ ان کے منافع کے معیار گر جائیں گے اور یہ جو ذہن کی فکر ہے کہ ہم نے ابھی بہت سے کام کرنے ہیں اور جائیداد بڑھانی ہے اور کارخانے بنانے ہیں تجارتوں کو اور طرح فروغ دینا ہے یہ فکر ان کے منافعوں کے ایک بڑے حصے کو مزید دنیا طلبی کے لئے وقف رکھتی ہے اس واسطے وہ یہ نقصان سمجھتے ہیں کہ دین کی خاطر اتنی قربانی کی جائے کہ دیگر ہمارے جو روزمرہ کے تجارتوں اور اموال کو بڑھانے کے مواقع ہیں ان سے ہم محروم نہ رہ جائیں، ان کو اپنے غریب بھائیوں سے یہ بات پیچھے رکھتی ہے لیکن ان میں بھی اللہ کے فضل سے بہت بڑے بڑے قربانی کرنے والے ہیں اور وَابِلٌ کی جو مثال ہے ان پر اسی طرح صادق آتی ہے اور ایسے آدمی خدا تعالیٰ کے فضل سے جماعت میں بڑھ رہے ہیں کم نہیں ہو رہے۔ مسلسل جماعت کی قربانی کی تاریخ پر نظر ڈال کر آپ دیکھ لیں امراء میں جتنا پہلے قربانی کا رجحان تھا اس سے دن بدن بڑھتا چلا جا رہا ہے اور پہلے سے بڑھ کر وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اپنے باغات کو بلندی پر لگانے کے لئے کوشاں ہیں۔

فرماتا ہے فَاِنۡ لَّمۡ یُصِبۡہَا وَابِلٌ فَطَلٌّ معاف کرنا ایک غلطی ہوئی۔ پہلے ترجمے

میں میں وَابِلٌ کوطَلٌ کے معنوں میں پیش کر رہا تھا یہ غلط ہے وَابِلٌ کے نتیجے میں ان کا رزق دگنا ہو جاتا ہے، یہ تھا قرآن کریم کا بیان۔ اس مضمون کی روشنی میں مجھے تفسیر میں ترمیم کرنی پڑے گی، اگر چہ روح مضمون اسی طرح وہی رہے گی، اس میں کوئی فرق نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ امراء میں سے ایسے ہیں اگر وہ محض للہ قربانی کرتے ہیں تو ان کی دولتیں جب بڑھتی ہیں تو قربانیاں کم نہیں ہو جاتیں۔ یہ مضمون ہے یعنی وہ امراء جن کی قربانیاں محض رضائے باری تعالیٰ کے لئے ہیں اور کوئی مقصد نہیں ہے، جب خدا ان کے رزق بڑھاتا ہے تو ان کی قربانیاں کم نہیں ہوتیں، لیکن اگر ان کے رزق کم بھی کر دیئے جائیں تو تب بھی قربانیاں کم نہیں ہوتیں فَطَلٌّ پھر طَلّ ان کے لئے کام آ جاتی ہے یعنی شبنم ان کے کام آ جاتی ہے ان کی قربانیوں پر برا اثر نہیں ڈالتی۔ یہ ہے جو قرآنی آیات کا مضمون ہے۔

جو پہلی تفسیر تھی امر واقعہ میں کوئی ایسی بات میں نے اس میں نہیں کہی جو میرے روزمرہ کے تجربے کے خلاف ہو وہ باتیں سب درست ہیں۔ لیکن قرآن کریم کی آیت کے حوالے سے یہ جواب میں نے مضمون بیان کیا ہے یہی مضمون صادق آتا ہے۔ پس اس بات کو سمجھ لیں کہ نظر میری بار بار چونکہ ہلکا سا پڑھ کے اٹھ جاتی تھی میں نے غلطی سے وَابِلٌ والی آیت کو طَلٌّ سمجھ کر ضِعْفَيْنِ کا ترجمہ کر دیا اسے درست کر لیا جائے۔ نئی تفسیر یا اصل تفسیر حقیقی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے پاک بندے جو میری خاطر قربانیاں کرتے ہیں جب میں ان کے رزق بڑھاتا ہوں اور موسلا دھار رزق ان پر برسنے لگتا ہے تو ان کی قربانیاں کم نہیں ہوتیں وہ بڑھ جاتی ہیں، دگنی ہو جاتی ہیں اور جب غربت آتی ہے تب بھی وہ پیچھے قدم نہیں ہٹاتے بلکہ وہی طَلٌّ ان کی جنتوں کو Maintain کرنے کے لئے کافی ہوتی ہے۔ یعنی غربت کے باوجود ان کے باغات پر بد اثر نہیں پڑتا۔ یہ مضمون بھی سو فیصدی درست ہے دوسرا مضمون بھی درست ہے کہ ایسے لوگ ہیں کثرت کے ساتھ، جو محض رضائے باری تعالیٰ کے اعلیٰ مقام پر فائز نہ ہونے کی وجہ سے اموال جب ان کے بڑھتے ہیں تو قربانیوں میں پیچھے ہٹ جاتے ہیں وہ مضمون بھی اپنی جگہ درست ہے یعنی وہ غلط نہیں ہوا اس وجہ سے اور ایسے ہیں کہ جب وہ امارت کے بعد غریب ہوتے ہیں تو قربانیاں پہلے سے بڑھ جاتی ہیں۔ یہ مضمون بھی اپنی جگہ درست ہے۔ اس لئے کوئی بات نہیں جس کو آپ قطع سمجھیں غلط سمجھیں صرف تفسیر کے حوالے میں

درستی کی ضرورت ہے اور کوئی تبدیلی کی ضرورت نہیں۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ اور میں نے جو یہ عرض کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں وہ دگنی ہو جاتی ہیں یعنی ان کی قربانیاں دگنی ہو جاتی ہیں یہ بات درست ہے کیونکہ یہ آیت کریمہ بتا رہی ہے کہ خدا کی گہری نظر تمہارے اعمال پر پڑ رہی ہوتی ہے اور اس کی نظر فیصلہ کرتی ہے کہ تمہارے اعمال کی کیا حیثیت ہے؟ پس وہ لوگ جو غریب ہونے کے باوجود اپنی قربانیاں بڑھاتے ہیں یقیناً ان کے مراتب بلند تر ہوتے ہیں اور نسبتی طور پر خدا کی نظر ان کو مراتب عطا کرتی ہے۔ پس اس پہلو سے کسی مسلمان کو یہ شکوے کا حق نہیں کہ اے اللہ تو نے میرے امیر بھائیوں کو یہ دیا تھا اس لئے انہوں نے زیادہ قربانیاں کیں اور تیری زیادہ جزا کما گئے بلکہ خدا تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ تمہاری معمولی قربانیاں بھی میری نظر میں ایک اعلیٰ مرتبہ اور مقام حاصل کر لیتی ہیں۔

اس کے بعد ایک آیت میں نے چنی ہے جو تنبیہ سے تعلق رکھتی ہے اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ اور یہ وہی مضمون ہے جو میں پہلے بیان کر چکا ہوں پہلی آیت کے حوالے کے ساتھ کہ بعض دفعہ اموال بڑھنا فائدے کی بجائے نقصان پہنچا دیتا ہے۔ تو وہ مضمون اس آیت کے تابع بیان ہونا چاہئے تھا یہاں۔ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ مال اور اولاد کا بڑھنا ایک نعمت ہے لیکن فتنہ بھی ہے۔ بعض دفعہ اموال بڑھ جائیں تو اموال کی لالچ بھی بڑھ جاتی ہے اور انسان خدا کی راہ میں قربانیوں سے محروم رہ جاتا ہے۔ بعض دفعہ اولاد بڑھ جائے تو بجائے اس کے کہ انسان خدا کے شکر میں ترقی کرے اس اولاد کا فکر کہ اس کے لئے میں کیا چھوڑ کے جاؤں گا دینی قربانیوں کی راہ میں حائل ہو جاتا ہے۔ فرماتا ہے وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ (التغابن:16) لیکن یاد رکھو کہ خدا کی خاطر جو تم اپنے اموال جھونکتے ہو اور اپنی اولاد کے حقوق بظاہر کم کرتے ہو یہ کوئی کمی نہیں ہے اللہ کے پاس اتنا بڑا اجر ہے کہ یہ قربانیاں اس اجر کے مقابل پر کوئی بھی حیثیت نہیں رکھتیں۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ پس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو مَا اسْتَطَعْتُمْ جس حد تک تمہیں استطاعت ہے۔ بہت ہی پیارا کلام ہے اس پہلو سے کہ تقویٰ بھی استطاعت کے مطابق۔ یہ ایک ایسا مضمون ہے جو کسی اور الٰہی کتاب میں جس کا میں نے مطالعہ کیا ہے مجھے کہیں دکھائی نہیں دیا۔ تقویٰ استطاعت کے مطابق کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح

مال تھوڑا ہو اور انسان اس مال کی نسبت سے قربانی کرتا ہے اس طرح اگر ایک انسان کی صلاحیتیں تھوڑی ہیں تو اس کا تقویٰ بھی بظاہر تھوڑا دکھائی دے گا۔ مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر تم استطاعت کے مطابق تقویٰ اختیار کرو تو میرے نزدیک تم ایسے شمار ہو گے گویا تم نے جو کچھ تھا سب کچھ پیش کر دیا۔ تو تقویٰ استطاعت کے مطابق ، یہ پہلی دفعہ قرآن کریم میں ایک نیا مضمون پیش فرمایا گیا ہے اور اس کے ساتھ فرمایا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ گویا کہ مال کی قربانی کا تقویٰ کی استطاعت سے تعلق ہے۔ یہاں مال کی استطاعت کہہ کر خرچ کرنے کا نہیں فرمایا بلکہ تقویٰ کی استطاعت کے مطابق خرچ کرنے کا فرمایا ہے۔ بہت ہی گہرا مضمون ہے اگر ہم اس پر نظر رکھیں تو اس میں ہمارے لئے عظیم الشان فوائد مضمر ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی ایسی قربانی، قربانی نہیں ہے جو تقویٰ کی استطاعت سے تعلق نہ رکھتی ہو۔ تقویٰ کی استطاعت سے اگر قربانی بڑھ جائے تو وہ نقصان کا موجب ہے فائدے کا موجب نہیں ہے۔ یہ بہت ہی گہری بات ہے جو اس میں بیان ہوئی ہے اس کو خوب اچھی طرح سمجھ لیں۔

تقویٰ کی استطاعت کے اندر قربانیاں کرنا یعنی ہر قربانی تقویٰ کی چادر میں لپٹی ہوئی ہو، کوئی عضو اس کا باہر نہ ہو۔ اگر تم قربانیاں بڑی بڑی پیش کر رہے ہو گے لیکن تقویٰ کی استطاعت سے باہر ہیں تو اس کا مطلب ہے یا ریاء کی خاطر کر رہے ہو یا اور دیگر نفسانی اغراض کی خاطر کر رہے ہو۔ خدا کے ہاں وہ مقبول نہیں ہوں گی۔ پس فرمایا قربانیوں میں یاد رکھنا تمہاری تقویٰ کی شان اور اس کے مقام اور مرتبے کے مطابق ہونی چاہئیں۔ جس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس سے کم بھی نہ ہوں۔ اپنے تقویٰ پر نظر رکھ کر قربانیاں پیش کرو۔

پس بعض لوگ جو محض حسد کے طور پر بعض قربانی کرنے والوں پہ اعتراض کرتے ہیں اور جماعت پر اعتراض کرتے ہیں کہ جن کو مالی قربانی کی توفیق مل رہی ہے انہی کی عزت ہے یہاں۔ اول تو یہ بات درست نہیں ہے۔ جماعت میں مالی قربانی کا حساب دیکھ کر عزت نہیں کی جاتی۔ عزت ایک انسانی حق ہے اور ایک عام انسانی اخلاق سے تعلق رکھنے والا معاملہ ہے۔ اس کا کسی کی مالی قربانی سے تعلق نہیں ہے لیکن مالی قربانیوں والے کے لئے اگر دل میں محبت پیدا ہو اور اس کے لئے دعا زیادہ دل سے نکلے تو یہ ایک طبعی امر ہے اسے روکا نہیں جا سکتا۔ پس یہ خیال دل سے نکال دینا چاہئے کہ مالی

قربانی کی وجہ سے ہے لیکن یہ بات درست ہے کہ مالی قربانی جو تقویٰ کی استطاعت کے مطابق ہوتی ہے وہ جتنا بڑھتی ہے اتنا بڑھا ہوا تقویٰ دکھائی دیتا ہے۔ پس عزت اور احترام اگر دل میں پیدا ہوتا ہے امتیازی سلوک کی بات میں نہیں کر رہا وہ غلط ہے وہ نہیں ہونا چاہئے لیکن طبعی عزت اور احترام اگر دل میں پیدا ہوتا ہے تو اس آیت کی روح کے مطابق ہے کیونکہ ایسے لوگ جو محض للہ قربانیاں کرتے ہیں جب ان کی تقویٰ کی استطاعت بڑھتی ہے تب قربانیاں زیادہ ہوتی ہیں ورنہ نہیں ہوسکتیں۔ پس جو مالی قربانی میں آگے بڑھ جائے اور اس آیت کی روح کے مطابق آگے بڑھے تو اس کا آگے بڑھنا، اس کے بڑھتے ہوئے اور بلند تر ہوتے ہوئے تقویٰ کی علامت بن جاتا ہے اور اس پہلو سے اللہ بھی اس قربانی کو قبول فرماتا ہے اور یہی وجہ ہے جو ان لوگوں کی دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے ورنہ ریا کی خاطر بعض دینے والوں کے متعلق جب پتا ہوتا ہے، جن کے حالات سے ہم واقف ہوتے ہیں، تو ان کی مالی قربانی بجائے اس کے کہ ان کی عزت دل میں بڑھائے ان کو اور نظر سے گرا دیتی ہے، ان کے انداز پہچانے جاتے ہیں۔ ان کی ادائیں متقیوں سے الگ ادائیں ہوتی ہیں اور ایسے لوگوں کا اگرچہ نام نہیں لیا جاسکتا، ناجائز ہے، مگر ایسے کہیں کہیں دکھائی ضرور دیتے ہیں۔ وہ اپنی بڑائی کے لئے یا اپنے اخلاص کو دکھانے کی خاطر بعض دفعہ قربانیوں میں بڑھ چڑھ کر بولی لگا دیتے ہیں اور ان کا دیگر جو تقویٰ کا معیار ہے وہ دکھائی دے رہا ہوتا ہے کہ اس کے مطابق نہیں ہے۔ پس ہرگز جماعت میں ان لوگوں کے لئے کوئی غیر معمولی احترام نہیں پایا جاتا۔ یہ اگر کسی کے دل میں وہم ہے تو اس کو نکال دے۔ یہ آیت کریمہ ہے جو ہمارے لئے راہنما اصول ہے۔ جو ہمارا نور ہے جس کے ذریعے ہم ان امور کا جائزہ لیتے اور اللہ تعالیٰ کے منشاء کے مطابق اپنے تعلقات کو ڈھالتے ہیں۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ دیکھو اپنی استطاعت کے مطابق تقویٰ اختیار کرو پہلی بات یہ ہے اس میں۔ ایک اور بات یہ ہے کہ اس کے بغیر تمہاری سب قربانیاں ضائع جائیں گی اگر تقویٰ کا معیار تم نے استطاعت کے مطابق نہ بڑھایا تو تمہارا باقی نیکیوں کے میدان میں آگے بڑھنے کا کوئی سوال باقی نہیں رہے گا کیونکہ قبول وہی ہونا ہے جو تقویٰ کے دائرے میں ہو۔ عجیب کلام ہے اپنے تقویٰ کو اپنی استطاعت کے مطابق کرو ہر شخص کو تقویٰ کی ایک استطاعت عطا ہوئی ہے بعضوں کو کم بعضوں کو زیادہ۔ اس کے مطابق تقویٰ کو بڑھاؤ اور پھر سنو اور اطاعت کرو۔

اَنۡفِقُوۡا خَيۡرًا لِّاَنۡفُسِكُمۡ یہ بات سن لو اب ۔ اگر استطاعت کے مطابق تقویٰ بڑھا لو گے تو پھر جو کچھ خرچ کرو گے وہ تمہارے لئے بہتر ہے وَمَنۡ يُّوۡقَ شُحَّ نَفۡسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ (التغابن: 17) اور جو شخص بھی نفس کی کنجوسی سے بچایا جائے تو یہی وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں۔

اب ہمارے ہاں جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت احمدیہ کی قربانیوں میں یہ بات دکھائی دے رہی ہے کہ دن بدن نفس کی کنجوسی کا معیار گر رہا ہے اور اللہ کے تقویٰ کے بڑھتے ہوئے معیار کے پیش نظر قربانیوں کا معیار بڑھ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ جماعت کو توفیق عطا فرمائے کہ ہمیشہ اس بلندی کی راہ پر گامزن رہے تا کہ ہر سال جو قربانیوں کی جنت لگائی جائے وہ پہلے سے بڑھ کر اونچے ہوتے ہوئے مقامات پر نصب کی جائے اور ہم اپنی تاریخ میں ایسی جنّات کا ایک سلسلہ پیچھے چھوڑ جائیں جس کا ہر قدم پہلے سے بلند تر تھا اور وہ باغات قرب الٰہی کے حصول کا ذریعہ تھے اور خدا کے فضل نے ان باغات کی نشوونما میں حصہ لیا اور جب خدا نے چاہا اور دنیا کے ابتلاء میں وہ لوگ ڈالے گئے تب بھی وہ باغات یعنی قربانیوں کے باغات مرنہیں سکتے ان کی قربانیاں ہمیشہ بڑھتی چلی گئیں۔

تحریک جدید کے ساٹھ سال اس بات پر گواہ ہیں۔ نصف صدی گزر چکی ہے کہ جماعت احمدیہ کے ساتھ ایسا ہی ہو رہا ہے، آئندہ بھی اپنے تقویٰ کی حفاظت کریں۔ آئندہ بھی اس میدان میں ہمیشہ آگے بڑھتے چلے جائیں۔

اب اس عمومی نصیحت کے بعد میں بعض کوائف مختصراً آپ کے سامنے رکھتا ہوں یہ سال جو 1993-1994ء کا سال ہے اس میں جماعت احمدیہ عالمگیر کو پانچ کروڑ پچاسی لاکھ تیئس ہزار روپے کے وعدے کرنے کی توفیق ملی۔ اس میں سے پانچ کروڑ باون لاکھ تیئس ہزار روپے وصولی ہوئی۔ یہ وصولی جو ہے یہ بظاہر کم دکھائی دے رہی ہے مگر گزشتہ ہمارا تجربہ ہے کہ سال ختم ہونے کے بعد پہلے مہینے میں عموماً جو بقایا دار ہیں وہ اتنا روپیہ دیتے ہیں کہ وعدوں سے ہمیشہ آمد بڑھ جایا کرتی ہے۔ پس میں امید رکھتا ہوں کہ امسال بھی انشاء اللہ یہی ہوگا۔

پاؤنڈوں کے حساب سے یعنی سٹرلنگ میں یہ رقم بارہ لاکھ پینتالیس ہزار دوصد پاؤنڈ بنتی ہے اور وصولی گیارہ لاکھ چھہتر ہزار دوصد پاؤنڈ ہے۔ اس بقایا میں بہت سی یورپین جماعتیں بھی شامل

ہیں اور میں نصیحت کرتا ہوں کہ آئندہ پندرہ بیس دن کے اندر کوشش کریں اگر وہ سارے وعدہ کنندگان کی وصولی پوری کر لیں تو یہ ایک اصول ہے کہ ہمیشہ وصولی وعدوں سے بڑھ جایا کرتی ہے کیونکہ تمام وعدہ کنندگان کے وعدے درج نہیں کئے جاسکتے۔ایک خاصی تعداد ایسی احمدیوں کی ہوتی ہے جو وعدہ کئے بغیر قربانیاں دیتے ہیں۔ پس اگر سارے وعدہ کنندگان اپنے وعدے پورے کر دیں تو وہ زائد رقمیں جو وعدوں کے بغیر دی گئی تھیں ہمیشہ وصولی کے معیار کو وعدوں کے معیار سے بڑھا دیتی ہیں۔

سال گزشتہ سے موازنے کے لحاظ سے 1993-1992ء میں اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ 10,87826 کے وعدے دینے کی جماعت کو توفیق ملی تھی اور وصولی 1091920 تھی یعنی وعدوں سے زیادہ۔ اس کی وجہ وہی ہے کہ سال کے عین اختتام پر اگر چہ وصولی کم تھی لیکن اس کے معاً بعد، اس دوران میں جو پیسے وصول ہوئے ہیں یا معاً بعد وہ اگلے ایک مہینے کے اندر اندر ان کے بقایوں کے حساب میں شمار ہو گئے اور اللہ کے فضل سے وصولی بڑھ گئی۔

ایک دو اور موازنے میں آپ کے سامنے رکھ دیتا ہوں۔ تمام دنیا میں اللہ کے فضل سے پاکستان کی جماعتوں کو سبقت لے جانے کی توفیق ملی ہے اور جرمنی جو ہمیشہ پاکستان کے ساتھ نیکیوں میں سبقت لے جانے کے مقابلے کرتا ہے وہ اس دفعہ پاکستان سے کافی پیچھے رہ گیا ہے۔ تو پاکستان کی طرف سے جو شکوہ آیا کرتا تھا کہ آپ نے اس سال جرمنی کو آگے بڑھا دیا ہمیں اس کی بہت تکلیف ہے۔ اب میں ان کو مبارکباد دیتا ہوں کہ آپ نے جرمنی کو نہ صرف پیچھے چھوڑا ہے بلکہ کافی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ دوسرا جرمنی ہے وہ دوسری پوزیشن اس نے برقرار رکھی ہے۔ تیسرا امریکہ ہے جو پیچھے سے آیا ہے اور اللہ کے فضل سے تیسری پوزیشن تک جا پہنچا ہے۔ پھر برطانیہ ہے جو کم و بیش یہی پوزیشن اپنی برقرار رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ پھر کینیڈا ہے۔ پانچویں نمبر پر۔ پھر انڈونیشیا ہے۔ پھر جاپان ہے اور جاپان کی قربانی اور سوئٹزر لینڈ کی قربانی اللہ کے فضل سے فی چندہ دہندہ قربانی کے لحاظ سے غیر معمولی طور پر نمایاں ہے اور باقی سب ملکوں سے آگے ہے۔ ماریشس بھی اللہ کے فضل سے آگے بڑھ رہا ہے اور پھر دسواں نمبر ہندوستان کا ہے۔

فی کس مالی قربانی کے لحاظ سے گذشتہ سال سوئٹزر لینڈ کی فی کس مالی قربانی یعنی تحریک جدید میں 90ء 163 یعنی 164 پاؤنڈ فی کس تھی جو بہت بڑی ہے اللہ کے فضل سے۔ سارے دوسرے

چندوں کے علاوہ فی تحریک جدید کا چندہ دہندہ 164 پاؤنڈ پیش کرے اللہ کے فضل سے بہت بلند معیار ہے۔ جاپان کو پچھلی دفعہ میں نے سنا دیا تھا کہ آپ ان سے پیچھے ہیں اس معاملے میں تو انہوں نے زور لگایا تو وہ بھی 163 تک پہنچ گئے ہیں۔ 163.90 تک ان کی مالی قربانی کا معیار پہنچ گیا ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ سوئٹزرلینڈ اس سے بھی گیارہ قدم آگے نکل گیا ہے۔ اور اس سال سوئٹزرلینڈ کی فی کس مالی قربانی تحریک جدید کے لحاظ سے ایک سو چوہتر پاؤنڈ اڑتیس پنس 174.38 پہ جا پہنچی ہے۔ اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے۔ امریکہ تیسرے نمبر پر ہے اور اس کی مالی ترقی کا معیار 65.38 پاؤنڈ ہے۔ امریکہ اور ان ملکوں میں فرق یہ ہے کہ امریکہ میں یا تو بہت امیر لوگ ہیں یا بالکل معمولی غریب لوگ ہیں۔ اور فی کس قربانی کے معیار کو بڑھانا آسان نہیں ہے سوائے اس کے کہ امیر غیر معمولی توجہ سے اپنے غریب بھائیوں کا حصہ بھی ادا کرنے کی کوشش کریں اور فی کس معیار کو بڑھانے کے لئے خصوصیت سے توجہ دیں۔

بیلجیئم اللہ کے فضل سے تمام قربانیوں میں آگے بڑھ رہا ہے۔ یہ چھوٹی سی جماعت جو پہلے بالکل معمولی، بے حیثیت جماعت سمجھی جاتی تھی اب بہت تیزی سے ترقی کر رہی ہے اور فی کس تحریک جدید کے مالی قربانی کے معیار میں 57.61 پاؤنڈ ان کا معیار ہو گیا ہے حالانکہ اکثریت درمیانے درجے کے لوگوں کی ہے۔ بہت بڑی تعداد ہے جو عام گزاروں، روزمرہ کے گزارے سے زیادہ آمد نہیں کمارہے۔ پس اس کا مطلب ہے کہ وہ ''طَلّ'' والا حال ہے ان کا۔ شبنم پڑتی ہے لیکن دگنی کھیتی میں کمی نہیں آنے دی، دگنے پھل میں کمی نہیں آنے دی۔ برطانیہ ان سے کافی پیچھے رہ گیا ہے مگر برطانیہ میں بھی اکثر Average اوسط درجہ کے لوگ ہیں بہت زیادہ امیر بھی نہیں ہیں اور بالعموم ترقی کر رہا ہے اس لئے یہ بھی خاص دعاؤں کا محتاج ہے۔

جن جماعتوں کو تحریک جدید مرکز یہ نے Targets دیئے تھے کہ آپ اپنی مالی قربانی کو یہاں تک پہنچا دیں۔ جن جماعتوں نے وہ ٹارگٹ پورے کر دیئے ہیں، ان میں سب سے نمایاں نام لاہور کا ہے، پھر ربوہ، پھر کراچی، سیالکوٹ، کوئٹہ، پشاور، جھنگ، فیصل آباد، حیدرآباد، شاہ تاج شوگر ملز، اسلام آباد، حافظ آباد، گوجرانوالہ، مظفر گڑھ، ملتان، نواب شاہ اور آزاد کشمیر۔

جہاں تک گزشتہ سال کے مقابل پر غیر معمولی جدوجہد کے ساتھ مالی قربانی کو آگے

بڑھانے کا تعلق ہے۔اس میں گی آنا کی جماعت نے غیر معمولی کام کیا ہے اور سات سو چورانوے فیصد زیادہ قربانی بڑھا دی ہے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ وہاں گنجائش بہت تھی اور عموماً سستی پائی جاتی تھی۔ابھی بھی اور گنجائش ہے اللہ کے فضل سے انشاء اللہ ان کو آئندہ اور بھی زیادہ قربانی کی توفیق ملے گی۔زیمبیا نے ایک سو چار فیصد قربانی میں آگے قدم بڑھایا ہے۔سرینام نے اٹھانوے فیصد۔سپین نے ستاسی فیصد۔سیرالیون نے شدید غربت کے باوجود اور سخت بدامنی کے حالات کے باوجود اس قربانی میں چوالیس فیصد اضافہ کیا ہے۔گیمبیا نے چالیس فیصد۔آسٹریلیا نے اکتیس فیصد۔بیلجیئم نے تیس فیصد اور ناروے نے تئیس فیصد۔بیلجیئم کا اضافہ اگرچہ تیس فیصد ہے جو باقیوں سے کم ہے مگر پچھلے سال بھی ان کی قربانی کا معیار بلند تھا اس سے آپ اندازہ کریں کہ بیلجیئم کی جماعت تعداد میں بہت تھوڑی ہے اس کے باوجود آٹھ ہزار ایک سو بیاسی پاؤنڈ کی قربانی انہوں نے پیش کی ہے۔اور ناروے جوان سے تعداد میں بھی دگنے سے بھی زائد ہے اس کا نو ہزار چار سو پینتالیس پاؤنڈ کی قربانی کا معیار ہے جو اچھا ہے لیکن بیلجیئم کو اللہ تعالیٰ نے بہرحال قربانیوں میں زیادہ آگے بڑھنے کی توفیق بخشی ہے۔

جہاں تک جماعت کی ضروریات کا تعلق ہے یہ اللہ پوری کرتا ہے۔اس میں تو کبھی وہم کا شائبہ بھی میرے دل میں پیدا نہیں ہوا کہ چندے کم رہ جائیں گے،ضرورتیں بڑھ جائیں گی۔مجھے یاد ہے اسی سال ان کے جو وکیل چودھری شبیر احمد صاحب چندوں کی وصولی کے ذمہ دار ہیں ان کی طرف سے مجھے یہ تشویش کا پیغام ملا کہ ہم نے مہنگائی کے پیش نظر تمام کارکنوں کے الاؤنس میں بیس فیصد اضافہ کر دیا ہے اور اب حیران ہیں کہ یہ پورا کیسے ہوگا۔انہوں نے مجھے میرے جواب کا ایک حصہ لکھ کے بھیجا ہے ”دفتری تشویش کی کوئی وجہ نہیں کوشش جاری رکھیں مال تو اللہ ہی نے دینا ہے۔“ کہتے ہیں یہ پیغام ملنے کے بعد جو پہلا دورہ کیا اس دورے میں وہ سارا بیس فیصد حاصل ہو گیا بلکہ اس سے معاملہ بڑھ گیا۔تو یہ ایک امر واقعہ ہے اس تجربے کی بنا پر پورے یقین سے میں نے ان کو لکھا تھا اور ہمیشہ یہی دیکھتا ہوں کہ ضرورتیں بڑھتی ہیں تو اللہ تعالیٰ اموال خود مہیا کر دیتا ہے۔پس اس پہلو سے کوئی فکر کی بات نہیں۔صرف فکر کی بات یہ ہے کہ کبھی بھی ہماری مالی قربانیاں ہماری تقویٰ کی استطاعت سے آگے نہ نکلیں اور ہمیشہ جب آگے بڑھیں تو بڑھتی ہوئی تقویٰ کی استطاعت کی نشاندہی

کررہی ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

قربانیوں کے بہت ہی عظیم الشان مواقع اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے۔ بعض غریب ایسے بھی ہیں جنہوں نے، جن کے پاس ایک ذریعہ بائیسکل کا تھا ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لئے۔ وہ انہوں نے محض اپنا چندہ پورا کرنے کی خاطر جو توفیق سے بڑھ کر لکھوا دیا تھا بیچ دیا اور اس کے نتیجے میں جو کچھ حاصل ہوا وہ جماعت کو پیش کیا اور خدا کے حضور سرخرو ٹھہرے۔ پس ایسے لوگوں سے خدا کا یہ بھی وعدہ ہے کہ میں دنیاوی اموال میں بھی تمہیں ترقی دوں گا اور واقعۃً یہ ہے کہ جماعت کو جو خدا تعالیٰ نئی نئی توفیق عطا فرماتا چلا جارہا ہے اور استطاعت بڑھ رہی ہے اس کا ہمارے پہلے قربانی کرنے والوں سے تعلق ہے جس کا پھل آج جماعت کھا رہی ہے۔ آج جو آپ کھیتی بوئیں گے وہ اپنی آئندہ نسلوں کے لئے بوئیں گے۔ روحانی طور پر تو اس کے فوائد ہمیشہ لازوال رہیں گے مگر دنیاوی لحاظ سے بھی جماعت کی مالی استطاعتیں بڑھتی چلی جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے اور خدا کے فضلوں کے یہ نظارے دیکھ کر حقیقی معنوں میں اس کا شکر گزار بندہ بننے کی توفیق عطا فرمائے۔

خطبہ ثانیہ کے بعد حضور انور نے فرمایا:

آج کل دن اتنے چھوٹے ہو گئے ہیں کہ جمعے کی نماز ختم ہونے سے پہلے عصر کا وقت شروع ہو چکا ہوتا ہے پس یہ حساب دیکھنے کے بعد میں نے آج سے فیصلہ کیا ہے کہ جب تک یہ صورتحال جاری رہے گی ہم جمعے کی نماز کے ساتھ ہی عصر کی نماز بھی پڑھ لیا کریں گے اور اس وقت تک یہ نمازیں جمع ہوں گی اس کے بعد نہیں۔ اور روزمرہ کی عام نمازوں پر یہ حکم صادق نہیں آتا کیونکہ ظہر کا وقت ہمارے اپنے اختیار میں ہے ہم ظہر کے اندر ظہر کی نماز پڑھ سکتے ہیں۔ پس اس سے بظاہر رخصت حاصل کر کے لوگ اپنی روزمرہ کی نمازوں کا دستور نہ بدلیں۔ ظہر، ظہر کے وقت ادا ہو۔ عصر، عصر کے وقت ادا ہو لیکن جمعہ کی مجبوری کے پیشِ نظر، یہ ہوگا اور یہ استثنائی فیصلہ ہے۔

ؔ (دیوان غالب)

نور محمدی ﷺ اور اخلاق حسنہ کی برکت سے دنیا کو امت واحدہ بنائیں

(خطبہ جمعہ فرمودہ 11 /نومبر 1994ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے مندرجہ ذیل آیات تلاوت کیں۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۶۶﴾ (البقرۃ:266)

لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ؕ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ﴿۸﴾ (الطلاق:8)

پھر فرمایا:۔

یہ آیات جن کی تلاوت کی ہے یہ پہلے گزشتہ جمعے پہ پڑھی جا چکی ہیں اور غالباً وہاں حوالہ دے دیا گیا تھا بہرحال یہ کوئی ایسا مشکل مسئلہ نہیں ہے حوالہ خود تلاش کر سکتے ہیں۔ ان آیات کی تکرار کی وجہ یہ ہے کہ اس میں مجھے بعد میں بتایا گیا کہ ایک لفظ میں نے سہواً غلط پڑھ دیا تھا یعنی جَنَّةٍ کی بجائے اَلْجَنَّةُ پڑھ دیا گیا تھا جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ کی بجائے الجنة بربوة پڑھا گیا تھا تو درستگی تو ویسے

کہہ کے بھی ہو سکتی تھی مگر چونکہ بہت سی جماعتوں میں اور بعض افراد بھی ان خطبات کا ریکارڈ رکھتے ہیں اور وہاں ایک لفظ کی درستگی داخل کرنا ممکن نہیں رہتا اس لئے میں نے دوبارہ ان آیات کی تلاوت کر دی ہے تا کہ وہ من وعن وہاں سے پہلی تلاوت کو اٹھا کر اس تلاوت کو وہاں داخل کر دیا جائے ان لوگوں کے لئے جو اسے رکھنا چاہیں اور جو صرف سنتے ہیں ان کے لئے تو صرف ذکر کافی ہے کہ یہاں جَنَّةٍ ہے قرآن کریم کی اصل قرأت اور سہواً اسے الْجَنَّةُ لکھا گیا۔(دراصل یہ جو ''تغابن'' والی بات ہے یہ اور آیات ہیں کچھ وہ بھی جمعے کے لئے اسی کے لئے رکھی گئی تھیں اور یہ غلطی ہوگئی حوالہ بدل گیا ہے ورنہ تغابن کی آیات بھی مال سے تعلق رکھنے والی میں نے جمعے کے لئے منتخب کی تھیں) مگر آج جو دوسری آیت چنی ہے یہ سورہ الطلاق کی آٹھویں آیت ہے۔

لِيُنْفِقْ ذُوْسَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ تا کہ خرچ کرے ہر صاحب حیثیت اپنی حیثیت کے مطابق وَ مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ اور وہ شخص بھی جس پر رزق تنگ کیا گیا ہے یعنی اسے نسبتاً کم عطا ہوا ہے فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ اس کے مطابق خرچ کرے جتنا اسے اللہ نے دیا ہے۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا اللہ تعالیٰ کسی جان پر اس کی حیثیت اور توفیق سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا اور مَآ اٰتٰىهَا میں یہ فرما دیا کہ ہم نے ہی تو دیا ہے، ہم کیسے بھول سکتے ہیں۔ دینے والے ہاتھ کو پتا ہے کہ اس کو کیا دیا گیا ہے تو ہم جب تجھ سے دین کی خدمت میں خرچ کا تقاضا کرتے ہیں تو ہرگز یہ مراد نہیں کہ جو تمہیں ہم نے دیا ہی نہیں اس میں سے وہ اپنی توفیق کے مطابق دو۔ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا اگر تنگ دست بھی ہو تب بھی دو کیونکہ تنگی کا علاج خدا کی راہ میں خرچ سے ہاتھ روکنا نہیں بلکہ خدا کی راہ میں خرچ کرنا ہی تنگ دستی کا علاج ہے۔ فرمایا سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا اللہ تعالیٰ تنگی کے بعد آسائش میں تمہارے حالات کو تبدیل فرما دے گا۔

پس وہاں جو یہ تھا کہ ''طَلٌّ'' کا مضمون چل رہا تھا کہ تھوڑا بھی ہو تو وہ دیتے ہیں یہ تو وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ دل اور ذہن کی وسعت عطا ہوئی ہے اور اعلیٰ ذوق عطا کیا گیا ہے کہ خدا کی راہ میں ہر حال میں خرچ کرنا ہے زیادہ ہو تب بھی کرنا ہے کم ہو تب بھی کرنا ہے اور ان کا کم بھی خدا کے ہاں زیادہ لکھا جاتا ہے۔ یہاں ایسے لوگ مخاطب معلوم ہوتے ہیں جن کے دل میں اپنی

غربت تردّد پیدا کرتی ہے اور کئی قسم کے وہ سوال اٹھاتے ہیں کہ وہ تو صاحب توفیق لوگ ہیں ان کو تو بہت کچھ ملا ہوا ہے، انہوں نے دے دیا تو کیا فرق پڑتا ہے ہمارا تو روزمرہ کا جینا مشکل ہوا ہوا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی بھی خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے مبرا نہیں ہے۔ اگر روزمرہ کا جینا بھی مشکل ہے تو اس مشکل میں اس حساب سے کچھ ذرا سا اضافہ خدا کی خاطر کرلو اور وہ مشکلات اس خرچ کی برکت سے دور ہوں گی۔ پس یہ بہت ہی عظیم نسخہ ہے غربت دور کرنے کے لئے کہ وہ لوگ جو غریب ہوں خدا کی راہ میں جب وہ خرچ کرتے ہیں تو ان کا مال کم نہیں ہوتا بلکہ بڑھ جاتا ہے۔

یہ مضمون تحریک جدید کے حوالے سے چل رہا ہے۔ تحریک جدید کے چندوں کے سلسلے میں ایک وضاحت بھی ضروری ہے۔ مجھے کوریا کی جماعت کی طرف سے یہ جائز شکوہ موصول ہوا ہے کہ آپ نے کوریا کا بالکل ذکر نہیں کیا حالانکہ یہاں ایک نئی اٹھتی ہوئی جماعت پیدا ہوئی ہے اللہ کے فضل کے ساتھ اور ایک پہلو سے وہ سب دنیا پر سبقت لے گئی ہے کیونکہ اس کا فی کس چندہ سوئٹزرلینڈ کے چندے سے بھی بقدر سو پاؤنڈ فی کس زیادہ ہے تو جہاں ہم نے ان کے لئے خصوصیت سے دعا کی تحریک ہو، یہ بالکل چھوٹی سی جماعت ہے اور بہت سے ایسے مہاجرین ہیں یہاں جن کو ابھی تک قانونی طور پر بھی کوئی تسلی نہیں کہ وہ کچھ رہ بھی سکیں گے کہ نہیں وہاں۔ چھوٹی موٹی تجارتیں کرتے ہیں یا بعض مزدوریاں کر کے گزارا کر رہے ہیں لیکن خدا نے وسعت قلبی عطا فرمائی ہے اور اس پہلو سے تحریک جدید کے چندے میں فی کس کے حساب سے وہ ساری دنیا پر سبقت لے گئے ہیں۔

ایک اور مجھے شکوہ ملا تھا زائر کی طرف سے۔ زائر والے کہتے ہیں آپ نے ہمارا نام تو لینا شروع کر دیا ہے مگر ہم دور افتادہ افریقہ کی ایک جماعت ہیں کچھ حوصلہ افزائی کریں، کچھ ہمیں سلام پیار بھجوائیں تا کہ ہم بھی آگے بڑھ کر اپنے دوسرے افریقن بھائیوں کے شانہ بشانہ سلسلے کی خدمات کر سکیں۔ تو زائر کی جماعت کو بھی میں سب کی طرف سے محبت بھرا اسلام پہنچاتا ہوں وہاں کے حالات بہت مشکل ہیں۔ لیکن حالات خواہ کیسے بھی ہوں خدا تعالیٰ کا اپنے پاک بندوں سے یہ وعدہ ہے کہ ہر موسم میں تمہارا پاک درخت پھل دے گا۔ تُؤْتِیْٓ اُکُلَهَا ہر حال میں دے گا خواہ کیسا ہی موسم ہو کیسے ہی دن ہوں۔ پس جماعت احمدیہ نے تو اس آیت کی سچائی کو اپنے حال پر ہمیشہ پورا اترتے دیکھا ہے۔ ایک بھی استثناء اس میں نہیں۔ جماعت احمدیہ عالمگیر پر مختلف ملکوں میں مختلف قسم کے

حالات پیدا ہوتے رہے ہیں اور ہوتے ہیں، ہوتے رہیں گے۔ لیکن خدا تعالیٰ کے فضل سے سلسلے کی ترقی کے قدم نہیں رکے خزاں میں بھی اس پاک پودے نے پھل دیا ہے اور بہار میں بھی اس پاک پودے نے پھل دیا ہے اور وہ مضمون ایک اور رنگ میں یہاں صادق آتا ہے کہ اگر موسلا دھار بارش نہ سہی تو طَلٌّ ہی یعنی شبنم بھی ان پودوں کے لئے بہت کافی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اس مضمون کو اپنے ایک شعر میں یوں بیان فرمایا

بہار آئی ہے اس وقت خزاں میں
لگے ہیں پھول میرے بوستاں میں (درثمین:50)

کہ لوگوں کے ہاں تو خزاں آتی ہے تو پت جھڑ ہو جاتا ہے مگر یہ کیسا خدا، کیسا فضل کرنے والا خدا ہے کہ میرے بوستاں پر خزاں میں بھی بہار آ گئی ہے اور لگے ہیں پھول میرے بوستاں میں اللہ کی رحمت کی وجہ سے۔

تو جماعت احمدیہ کو یہ مضمون سمجھنا چاہئے کیوں بہار آتی ہے وقت خزاں میں۔ اس لئے کہ خدا کے بندے اپنے وقت خزاں میں بھی بہار کی طرح کونپلیں نکالتے ہیں، خرچ سے رکتے نہیں ہیں، سخت تنگی کی حالت میں بھی جب ان پر خزاں کا دور گزرتا ہے ان کے دل سے خدا کی محبت کی کونپلیں پھوٹتی ہیں اور وہ خدا کی راہ میں وہ پھول نچھاور کرتے ہیں اخلاص کے، تھوڑے تھوڑے قربانیوں کے پھول دکھائی دیتے ہیں مگر اللہ کی نظر میں ان کی بہت عظمت ہے۔ پس وہ لوگ جو اپنا حال خدا کی خاطر، خدا کی رضا کی خاطر دنیا سے الگ بنا لیتے ہیں یاد رکھو خدا ہمیشہ ان سے دنیا سے الگ سلوک کرتا ہے۔ ان کی خزائیں بھی بہاروں میں تبدیل ہو جایا کرتی ہیں۔

پس جماعت احمدیہ کو اپنے ہر چندے کے وقت اس بنیادی اصول کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے اور عالمگیر جماعت میں خدا کے فضل سے یہ بات نمایاں طور پر دکھائی دے رہی ہے۔ مگر جو نومبائعین ہیں مجھے اس وقت ان کی فکر ہے۔ میرے نزدیک نومبائعین کو فوری طور پر چندوں میں داخل کرنا نہایت ضروری ہے اور نومبائعین کو داخل کرنے میں یہ نہ دیکھا جائے کہ تحریک جدید کا کم سے کم چندے کا معیار کیا مقرر ہوا ہوا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرما دیا فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ اور دوسری جگہ لِيُنْفِقْ ذُوْسَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ دونوں ہیں کہ ہر صاحب حیثیت اپنی حیثیت

کے مطابق خرچ کرے اور ہر شخص کی کوئی حیثیت تو ضرور ہوتی ہے۔ جو زندہ ہے اس کی کوئی حیثیت ہے، یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ بے حیثیت زندہ ہو کم سے کم دو وقت کی روٹی نہیں تو ایک وقت کی سہی، مگر وہ زندہ ہے۔ اس میں سے ہی ایک لقمہ خدا کی راہ میں خرچ کر دے تو یہ ذُوْسَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ کا مضمون ہے اور جن کو زیادہ عطا ہو جاتا ہے، پانچ کے بہت سے درجات ہیں۔ ان کو یاد رکھنا چاہئے وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ اللہ نے زیادہ دیا ہے تو زیادہ میں سے دو کم دیا ہے تو کم میں سے دو مگر خدا کی راہ میں دینا تو بہر حال ہے اور اس کا چسکا ڈالنا آغاز ہی میں ضروری ہے۔ اس وقت باقی چندوں پر بھی زور دینا چاہئے مگر وہ چندے 1/16 کے حساب سے وصول نہیں کئے جا سکتے۔ اس کے متعلق میری ہدایت یہ ہے کہ آغاز میں ان کی شرح میں نرمی کی جائے حسب توفیق لیکن بتا دیا جائے کہ جماعت احمدیہ عالمگیر نے اپنے لئے کم از کم یہ معیار مقرر کر رکھا ہے اور تم چونکہ نئے آنے والے ہو اگر تمہارا دل نہیں کھل رہا اور تمہیں قربانیوں کی ایسی عادت نہیں ہے یا اپنے خرچ تم نے دنیا کی رسوم کے مطابق اپنی توفیق سے پہلے سے بڑھا رکھے ہیں، تو ہم جانتے ہیں کہ پھر تمہارے لئے مشکل پیش آئے گی مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق اگر ایک پیسہ دے سکتے ہو تو پیسہ ہی دو۔ شرح جو ہے یہ وقت کے لحاظ سے بعد میں تبدیل ہوتی رہتی ہے، ہو سکتی ہے لیکن یہ بنیادی اصول جو ہے کہ ہر صاحب حیثیت اپنی حیثیت کے مطابق دے یہ غیر مبدل اصول ہے۔ اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب فرمایا کہ ایسا شخص جو تنگی کی حالت رکھتا ہے خواہ دل کی تنگی ہو یا واقعۃً مال کی تنگی ہو وہ اپنے لئے کم سے کم جینے کا سامان تو کرے، جینے کا تو آسرا کرے۔ ایک غریب آدمی بھی تو چند لقموں پر اور پانی پر جیتا ہے تو ایسا شخص اگر روحانی لحاظ سے وہ اعلیٰ روحانی غذائیں حاصل نہیں کر سکتا تو کم سے کم اپنی زندگی کا تو کوئی آسرا کرے اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جس کو ایک پیسے کی توفیق ہے وہ پیسہ دے مگر لازماً باقاعدگی سے دے۔

اب یہ جو باقاعدگی کا اصول حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے یہ بہت ہی اہمیت رکھتا ہے۔ اول تو یہ کہ روزمرہ کی زندگی میں جو کم کھانے والے ہیں وہ بھی باقاعدہ تو کھاتے ہیں یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ دو مہینے ناغہ کر لیا اور پھر شروع کر دیا کھانا۔ روزمرہ کے دستور کے لحاظ سے کچھ باقاعدگی

لازم ہے اور جس کو توفیق ہے وہ ضرور اختیار کرتا ہے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بڑی سنجیدگی سے اس مسئلے کو انسانی روحانی بقاء کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور پیسہ بھی قبول فرما رہے ہیں خدا کی راہ میں مگر تاکید کے ساتھ کہ دیکھو ہمیں فرق نہیں پڑے گا تمہیں فرق پڑے گا۔ لیکن مقرر کرو تو پھر پوری وفا کے ساتھ عہد پر قائم رہتے ہوئے اسے ہمیشہ اسی طرح دیتے چلے جاؤ اور یہ جو قانون ہے کہ حسب توفیق دو اور پھر با قاعدہ دو یہ ایسا قانون ہے جو نشو ونما پاتا ہے۔ اس کے اندر ہی خدا تعالیٰ نے نشو ونما کی کل رکھ دی ہے اور ایسا شخص جو باقاعدگی سے تھوڑا دینا شروع کرتا ہے، لازماً بڑھتا ہے اس کا دل بھی کھلتا ہے اس کی توفیق بھی بڑھتی چلی جاتی ہے اور وہ جو پیسہ ہے وہ آنوں میں، آنے روپوؤں میں یعنی جو بھی دنیا میں مختلف Currencies ہیں ایک درجے کا جو سکہ ہے دوسرے درجوں میں تبدیل ہوتا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ ہزاروں دینے والے لاکھوں میں چلے جاتے ہیں لاکھوں دینے والے کروڑوں میں داخل ہو جاتے ہیں اور جماعت کی تاریخ من حیث الجماعت یہی منظر دکھا رہی ہے۔ وہ جو پیسے دینے والی جماعت تھی لیکن اخلاص سے، با قاعدگی سے دیئے اللہ نے اسے ہزاروں دینے والی بنا دیا، پھر لاکھوں دینے والی بنا دیا پھر لاکھوں کی نسل میں وہ پیدا ہوئے جنہوں نے کروڑوں دیئے اور اب اربوں کا وقت ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ پس اللہ کے فضل کے ساتھ اگر ہم قرآن کریم کے بنیادی اصولوں پر قائم رہیں تو ہمارے مالی نظام کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا اور ہمیشہ ترقی کرے گا اور ہر موسم میں پھل دے گا لیکن شرط یہی ہے کہ ہم بھی ہر موسم میں قربانیوں کے پھل دیں کسی موسم میں ہمارا درخت سوکھ نہ جائے۔

پس آنے والوں کو یہ سمجھانا بہت ضروری ہے کیونکہ جن کو شروع میں نہ سمجھایا جائے وہ اسی حال پر سخت ہو جاتے ہیں۔ بارہا میں نے دیکھا ہے اور بڑے غور سے آنے والوں کا مطالعہ کیا ہے ساری زندگی، جس جس کام میں مجھے موقع ملا ہے تبلیغ کے تعلق میں، میں نے بڑے غور سے مطالعہ کر کے دیکھا ہے کہ جو بیعت کرنے والے شروع میں ایک دو سال بغیر قربانی کے رہ جائیں ساری عمر وہ درخت سوکھا ہی رہتا ہے اور جو شروع میں شروع کر دیں وہ پھر بڑی بڑی قربانیاں کرتے ہیں اور افریقہ اس سے مستثنیٰ نہیں ہے اور یورپ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے نہ جرمنی مستثنیٰ ہے، نہ بوسنیا مستثنیٰ ہے نہ البانیہ مستثنیٰ ہے۔ جہاں جہاں سے بھی قومیں احمدیت میں داخل ہو رہی ہیں ان کے نگرانی

کرنے والوں میں سے ہر ایک کو میں تاکید کرتا ہوں کہ ان آنے والوں کو روزمرہ کچھ قربانی کی عادت ڈالیں اور جن کو عادت پڑ جائے گی ان کا ہاتھ خدا کے ہاتھ میں تھمایا جائے گا خدا ایسے ہاتھ سے ان کو رزق دے گا جس میں آپ کے ہاتھ کی ضرورت باقی نہیں رہے گی پھر ان کا تعلق براہ راست اللہ تعالیٰ سے ہو جاتا ہے۔

اور تحریک جدید کے تعلق میں میں یہ گزارش کروں گا کہ تحریک جدید کا جو کم سے کم معیار ہے ان نئے آنے والوں کی سہولت کے پیش نظر اور قرآن کی اصولی تعلیم کے پیش نظر اس معیار کو نظر انداز کر دیں کوئی پیسہ دے تو پیسہ قبول کر لیں، آنہ دے تو آنہ قبول کر لیں لیکن ان کو بتا دیں کہ تم ایک عظیم عالمگیر جہاد میں حصہ لے رہے ہو جس کے یہ پھل ہیں سب جو ہم آج کھا رہے ہیں۔ کثرت کے ساتھ دنیا میں جو جماعتیں قائم ہو رہی ہیں اور عظیم الشان ترقیات ہو رہی ہیں ان کے پیچھے آغاز میں کچھ خاموش قربانی کرنے والے تھے جنہوں نے تحریکِ جدید کی خاطر اپنی زندگیاں وقف کر دیں، اپنی جانیں لٹا دیں، دن رات کے آرام کھو دیئے ایسے ایسے خدمت کرنے والے تھے کہ ایک ہی شخص پورے پورے دفتر چلاتا تھا اور صبح کی روشنی دیکھے بغیر وہ دفتر میں داخل ہو جایا کرتا تھا اور سورج ڈوبنے کے بہت بعد جب رات پوری طرح بھیگ چکی ہوتی تھی بعض دفعہ بارہ بجے، بعض دفعہ ایک بجے وہ اپنے گھر کے لئے واپس جایا کرتا تھا۔ تو ایسے ایسے مخلصین مثلاً چودھری برکت علی صاحب، بہت سے اور بھی تھے جنہوں نے قادیان میں اس طرح دفاتر چلائے ہیں۔ اب بھی وہی روح اللہ کے فضل سے ہمارے نوجوانوں میں آ رہی ہے اور مستقل خدمت کرنے والے نہیں بلکہ عارضی خدمت کرنے والے، طوعی خدمت کرنے والے بھی، کثرت سے ایسے پیدا ہو رہے ہیں جنہوں نے یہ وطیرہ اختیار کر لیا ہے۔ تو ان کی قربانیاں اور پھر اس زمانے میں جو غریب چندے دیا کرتے تھے بہت تھوڑے تھوڑے دینے کی توفیق تھی لیکن دیتے بڑے اخلاص کے ساتھ تھے۔ بعض دفعہ ان کی غربت کے خیال سے خلیفہ وقت ان کے ہاتھ روکتے تھے کہ اتنا نہیں اور وہ روتے ہوئے ان کے قدموں میں ڈال دیا کرتے تھے۔

واقعتہً ایک نظارہ میں نے اپنی آنکھوں سے بھی ایسا دیکھا ہوا ہے۔ ایک خاتون آئیں انہوں نے کچھ پیش کیا، ہمارے گھر کی بات تھی۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے

حالات کا جائزہ لے کر فرمایا کہ نہیں اتنا نہیں تھوڑا کرو۔ بے اختیار اس کی چیخیں نکل گئیں، یا امیر المؤمنین مجھے محروم نہ کریں، میرے دل کی گہری تمنا ہے، مجھے اس لذت سے محروم نہ کریں، خدا کے لئے قبول کر لیں۔ حضرت مصلح موعودؓ کے لئے کوئی چارہ نہیں تھا، مگر اس کو قبول کیا۔ وہ نظارے اب بھی میرے ذہن میں تازہ ہوتے ہیں جب میں اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہوں یہی چھوٹا سا دفتر جس میں بیٹھتا ہوں بارہا اس میں یہی واقعات دہرائے گئے ہیں۔ تو احمدیت ان باتوں سے زندہ ہے۔ لِيُنْفِقْ ذُوْسَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ اور فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ اس کے عجیب حیرت انگیز نظارے روز مرہ احمدیت کی دنیا میں ظاہر ہو رہے ہیں ان آنے والوں کو محروم نہ رکھیں جو چسکا خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا ہے وہ کسی اور راہ میں خرچ کرنے کا چسکا نہیں ہے اس لئے میں امید رکھتا ہوں کہ تعداد کی طرف، یعنی قربانی کرنے والوں کی تعداد کی طرف خصوصیت سے توجہ دی جائے گی۔

(میں نے کہا تھا مجھے اعداد و شمار دوبارہ دیں لیکن وہ غالباً بھول گئے ہیں یا دوسری چیزیں رکھ دی ہیں وہ رہ گیا ہے دیکھتا ہوں اگر ہوں تو میں بتادوں گا آپ کو، ہاں تعداد مجاہدین کا یہاں ذکر ہے) تعداد مجاہدین کے لحاظ سے اس وقت جو صورت حال ہے موازنہ پیش کرتا ہوں۔ 93-1992ء میں عالمگیر مجاہدین جنہوں نے تحریک جدید میں حصہ لیا تھا ایک لاکھ انہتر ہزار دو سو انسٹھ تھے۔ 94-1993ء میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ تعداد بڑھ کر ایک لاکھ تراسی ہزار پانچ سو چھتیس ہوگئی۔ مگر جہاں ایک ایک سال میں چار چار لاکھ سے زائد بیعتیں ہو رہی ہوں وہاں جو نیا میدان کھلا ہے اس کی طرف توجہ نہ کرنا ایک نہایت ہی ظالمانہ غفلت ہوگی۔ اس لئے جہاں جہاں تبلیغ ہو رہی ہے اور اللہ کے فضل سے ہر جگہ اب شروع ہو چکی ہے وہاں اگر نومبائعین کو ہی داخل کر دیں تو دیکھتے دیکھتے ایک ملین تک یہ تعداد پہنچ سکتی ہے۔ خواہ رقم میں نمایاں اضافہ نہ بھی ہو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اخلاص سے دیا ہوا ایک پیسہ اپنی ذات میں بڑھنے کی طاقت رکھتا ہے کسی اور کو اس کی فکر کی ضرورت نہیں ہے۔ آج جو دیں گے کل ان کے اموال بھی بڑھیں گے اور خدا کی راہ میں جو پیش کریں گے ان کی بھی تعداد مقدار بڑھتی چلی جائے گی۔ پس یہ ایک ضروری نصیحت تھی جو گزشتہ مرتبہ بیان کرنے سے رہ گئی تھی اس کو امید ہے آپ سب پیش نظر رکھیں گے۔

اب میں بعض احادیث کے حوالے سے جماعت کو چند نصیحتیں کرنی چاہتا ہوں لیکن ایک اور

سوال بھی انہوں نے یہاں رکھا ہوا ہے وہ میری نظر سے پہلے رہ گیا تھا، اس پر بھی گفتگو ضروری ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر جماعت کے چندہ کی ادائیگی نہیں کی جاتی تو ایسے دوستوں سے ذیلی تنظیم کا چندہ لیا جائے یا نہ لیا جائے؟ اس کا اس مضمون سے تعلق ہے جو میں نے ابھی بیان کیا ہے اس لئے میں جہاں تحریک جدید کا ذکر کیا وہاں اس سے پہلے لازمی روزمرہ کے چندہ جات میں ان کو شامل کرنے کی تلقین کی کیونکہ بنیادی اصول یہی ہے کہ وہ شخص جو دائمی لازمی قربانی میں شریک نہیں ہوتا اس سے نوافل قبول نہیں کئے جاتے مگر بعض استثناء ایسے ہوتے ہیں جہاں اس قانون کی سختی سے پابندی نہیں کی جا سکتی۔ آنے والوں کو مستقل لازمی قربانی کے نظام میں شامل کرنا ہمارا اولین فرض ہے لیکن اگر وہ طوعی طور پر تحریک جدید ہی میں شامل ہو جائیں تو اس سے بھی ان کو مستقل مالی نظام کا حصہ بننے میں مدد ملے گی اور طاقت نصیب ہوگی اس لئے یہاں اتنے زیادہ Technicalities میں اور قانونی ایچ پیچ میں مبتلا نہ ہوں۔ بلکہ چندے کی روح کو پیش نظر رکھتے ہوئے اعلیٰ مقاصد کی خاطر ان کی زندگی کی حفاظت کے لئے ان سے تالیف قلب کا سلوک کریں اور قرآن کریم نے جہاں مولّفۂ قلوب کی بات بیان فرمائی ہے وہاں عام لوگوں سے ہٹ کر، وقتی طور پر، کچھ عرصے کے لئے ایک نرم سلوک کا اشارہ نہیں بلکہ واضح ہدایت ملتی ہے اور اس کا تعلق اس نظام سے بھی ہے۔

پس نئے آنے والوں کے تعلق میں میرا جواب یہ ہے کہ خواہ لازمی چندہ ابھی شروع نہ بھی کیا ہو وہ طوعی چندے میں اگر شوق سے حصہ لینا چاہیں تو یہ کہہ کر آپ نے انکار نہیں کرنا کہ آپ نے لازمی چندے میں حصہ نہیں لیا۔ چھ مہینے، نو مہینے، سال، کچھ عرصہ تربیت کے گزاریں پھر بعد میں انفرادی حالات دیکھ کر فیصلے ہوں گے اور جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جو مولفۃ القلوب کے دائرے سے باہر آچکے ہیں۔ ایک دائمی، مستقل، ٹھوس حصہ بن چکے ہیں نظام کا، ان کے لئے یہی ہدایت ہے اور یہی جاری رہے گی کہ اگر وہ چندہ عام نہیں دیتے یا چندہ وصیت وعدہ کر کے ادا نہیں کرتے تو ان سے دوسرے طوعی چندے وصول نہیں کئے جائیں گے۔

ایک سوال یہ اٹھایا گیا ہے کہ چندہ نہ دینے والوں سے صدقہ لیا جا سکتا ہے کہ نہیں؟ صدقہ ایک الگ مضمون ہے جو قرآن کریم کے حکم کے تابع ایک شخص اپنی بلا ٹالنے کی خاطر قربانی دیتا ہے وہ دراصل اللہ کی راہ کا خرچ ان معنوں میں نہیں ہے۔ ایک صدقے کا مضمون ہے جو وسیع ہے قرآن کریم میں۔

میں اس کی بات نہیں کر رہا نہ اس سوال کا اس سے تعلق ہے یہاں جس صدقے کی بات ہو رہی ہے وہ یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنے متعلق ڈراؤنی خواب دیکھ لی، کسی اور نے اس کے متعلق دیکھ لی یا گھر میں کوئی بیمار ہو گیا، آگے پیچھے خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی عادت نہیں ہے تو بیماری ٹالنے کے لئے یا بلا گلے سے اتارنے کی خاطر دراصل وہ اپنے نفس پر ایک خرچ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ حسن سلوک فرمایا ہے شاید ان کی تربیت کے لحاظ سے یہ فائدہ مند ہو کہ ان کو کچھ تو مزہ آئے خدا کی خاطر کچھ خرچ کر کے اس کا جواب میں فیض پانے کا اور اگر کوئی براہ راست اللہ سے کچھ فیض پاتا ہے اپنی قربانی کے بعد تو اس کے سنبھلنے اور اس کے دوبارہ روحانی لحاظ سے زندہ ہونے کے زیادہ امکانات ہیں۔

تو یہ چونکہ سودا اور طرح کا ہے اس کو میں عام چندوں میں شامل نہیں کرتا لیکن عام طور پر جب مجھ سے پوچھا جاتا ہے یہی نصیحت کرتا ہوں کہ ان سے کہیں کہ یہ چندہ جماعت کی معرفت دینا تو ضروری نہیں ہے۔ صدقہ دو اپنی مرضی سے دو غریبوں میں تقسیم کر دو کسی ادارے کو دے دو ہمارے پاس ہی ضرور آنا ہے اور اگر مجبوری ہو مثلاً یورپ میں، امریکہ میں بعض لوگ استطاعت نہیں پاتے اور ان کو گھبراہٹ ہے تو پھر کوئی حرج نہیں ان کی طرف سے صدقہ قبول کر لیا جائے لیکن ہمیں اس صدقے کے قبول کرنے میں کوئی ایسا ذوق وشوق نہیں ہے جیسے جماعتی چندوں میں جو خدا کی خاطر، خدا کی راہ پر خرچ کرنے والے چندوں میں ہے اس میں تو ہم بہت جان لڑاتے ہیں، کوشش کرتے ہیں، منتیں کرتے ہیں، سمجھاتے ہیں، فائدے بتاتے ہیں کہ کسی طرح لوگوں کے دل کھلیں لیکن یہ اور مضمون ہے اس میں اگر وصول کرنا پڑے کر لیں ان کی مدد کی خاطر تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

جماعت کوریا کا جو میں نے بیان کیا تھا اس کے اعداد وشمار اب میرے کاغذات میں سے نکل آئے ہیں ان کی فی کس ادائیگی 260.81 پاؤنڈ ہے۔ سو سے کچھ کم فرق ہے سوئٹزرلینڈ کی 174.38 پاؤنڈ تھی اور ان کی اللہ تعالیٰ کے فضل سے 260 پاؤنڈز 80 پنس ہے جو خدا کے فضل سے سوئٹزرلینڈ کے مقابل پر بہت نمایاں طور پر آگے بڑھ گئی ہے۔ گزشتہ سال ان کی قربانی بھی بہت معیاری تھی 136 پاؤنڈز فی کس کے حساب سے تھی۔

اب جو وقت رہ گیا ہے اس میں میں حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی بعض احادیث کے

حوالے سے چند نصیحتیں کرنی چاہتا ہوں پہلی مال کے خرچ اور صدقے سے تعلق رکھتی ہے۔ مسلم کتاب البر میں یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درج ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا صدقہ دینے سے مال کم نہیں ہوتا۔ یہاں جو صدقہ عرف عام میں رائج ہو چکا ہے کہ گلے سے بلا ٹالنے کی خاطر مجبوراً کچھ غریبوں کو دے دو۔ یہ جو صدقہ ہے یہ بہت وسیع لفظ ہے جو قرآن کریم میں استعمال ہوا ہے اور انہی معنوں میں آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔ اس میں زکوٰۃ بھی آ جاتی ہے اور دوسرے بعض اعلیٰ اخراجات بھی آ جاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ صدقہ دینے سے مال کم نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ کا بندہ جتنا کسی کو معاف کرتا ہے اللہ تعالیٰ اتنا ہی زیادہ اسے عزت میں بڑھاتا ہے۔

مال کم نہیں ہوتا اور جتنا معاف کرتا ہے اتنا عزت میں بڑھاتا ہے، ان دونوں مضامین کا کیا تعلق ہے بظاہر تو ایک ایک دوسرے سے ہٹی ہوئی دو الگ باتیں ہیں لیکن آنحضرت ﷺ کے چھوٹے چھوٹے فقروں میں بے انتہا حکمت کے موتی پروئے ہوتے ہیں اور بعض دفعہ وہ موتی پانی کی تہہ میں ملنے والے موتی ہیں، غوطہ لگانا پڑتا ہے، بعض دفعہ کھلے کھلے دکھائی دے جاتے ہیں۔ یہاں مال خرچ کر کے انسان بظاہر کم ہو رہا ہوتا ہے اور ایسی ہی صورت بعض دفعہ ہوتی ہے کہ کسی کو معاف کرنے سے انسان اپنے اندر خفت محسوس کرتا ہے۔ اس نے کوئی زیادتی کر دی ہے اور یہ بدلہ لے سکتا ہے لیکن نہیں لے رہا اور دنیا کی نظر میں اس پر اس کا ظلم چڑھا ہوا ہے اور اس نے اتارا نہیں ہے ایسی صورت میں بسا اوقات بے عزتی کا سوال ہوتا ہے جو معافی کی راہ میں مانع ہو جاتا ہے۔ یہاں وہ مضمون ہے جو آنحضرت ﷺ بیان فرما رہے ہیں کیونکہ اس کی جزا یہ بتائی اتنا ہی زیادہ اسے عزت میں بڑھاتا ہے۔ تو اگر خدا کی خاطر کسی کو معاف کرنے میں انسان کے نفس کی تذلیل دکھائی دیتی ہو اور انسان کو معافی مانگتے ہوئے تو چھوٹا ہونا ہی پڑتا ہے، بعض دفعہ معافی دینے میں بھی چھوٹا دکھائی دیتا ہے انسان۔ ایسی صورت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے وہ تمہیں چھوٹا نہیں رہنے دے گا خدا کی خاطر اگر تم عفو کا سلوک کرو گے اور بظاہر تم بے بدلہ کے رہ جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ تمہاری عزت کو بڑھائے گا۔

پھر اگلا مضمون بھی بالکل اسی تعلق میں ہے فرمایا جتنی زیادہ کوئی تواضع اور خاکساری اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اتنا ہی اسے بلند مرتبہ عطا فرماتا ہے۔ وَمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ اِلا

رَفَعَهُ اللّٰهُ ۔(ابن ماجہ) یہاں رفع کا مضمون بھی سمجھا دیا۔فرمایا کہ جو شخص جتنا گرتا ہے خدا کی خاطر اگر گرے، جتنا جھکتا ہے اگر خدا کی خاطر جھکے،تو اللہ تعالیٰ اس کے مرتبے بہت بلند فرماتا ہے۔ایک اور حدیث میں اس مضمون کو یوں بیان فرمایا ہے۔اِذَا تَوَاضَعَ الْعَبْدُ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَى السَّمَآءِ السَّابِعِ فِي السِّلْسِلَةِ يا فِيْ سِلْسِلَةٍ ۔کہ اللہ تعالیٰ کے حضور جو شخص عاجزی اختیار کرتا ہے، گر جاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ایک زنجیر سے باندھ کر ساتویں آسمان تک بلند کر دیتا ہے اور وہاں بھی لفظ رفع استعمال ہوا ہے تو ساتویں آسمان کا تصور ایک ظاہری تصور ہے اور بندے کا زنجیر سے باندھے جانا بھی ظاہر کی طرف انسان کا ذہن لے جاتا ہے لیکن کوئی دنیا کا انسان یہ نہیں اس کا ترجمہ کر سکتا کہ اللہ تعالیٰ اس کے جسم پر رسی لپیٹتا ہے، کوئی زنجیر باندھتا ہے اور اسے اٹھا کر آسمان پر لے جاتا ہے۔مگر عجیب بات ہے کہ جب حضرت عیسیٰؑ کے متعلق لفظ رفع آ جائے تو وہاں سارے عقلی دستور ایک طرف رکھ دیئے جاتے ہیں اور وہاں ترجمہ یہ کیا جاتا ہے کہ اللہ نے اسے باندھ کے جس طرح بھی سمجھا فرشتے بھیجے وہ پکڑ کے زبردستی اٹھا کے کسی اور آسمان پہ لے گئے تو چوتھے آسمان کی بات کرتے ہیں یہاں اس حدیث میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم ساتویں آسمان کی بات کر رہے ہیں تو کیا کبھی کسی نے کوئی زنجیر اترتی دیکھی ہے جو کسی تواضع کرنے والے بندے سے لپیٹی گئی ہو۔سب سے زیادہ تواضع کرنے والا بندہ کون تھا؟ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کیونکہ آپ کا مرتبہ تو ساتویں آسمان سے بھی بلند تر تھا تب بھی ظاہری جسم کے لحاظ سے نہیں بلکہ روحانی مراتب کے لحاظ سے آپ کو ہمیشہ کے لئے سب دوسروں پر رفعت عطا کی گئی۔پس یہ وہ رفع ہے جس کا حل آنحضرت ﷺ نے فرما دیا اور تواضع کے ساتھ اس کو باندھا ہے۔

خدا کو انکسار پسند ہے اس کے بندوں سے جو جھک کے ملتا ہے جس کو اپنی کوئی برتری اس کو اپنے آپ کو بڑا سمجھنے میں مجبور نہیں کرتی اور اس کے دماغ کو اس کی کوئی بڑائی نہیں چڑھتی ایسا شخص خدا کے ہاں عزت پاتا ہے۔اور جب یہ کہا جاتا ہے کہ اللہ کے ہاں عزت پاتا ہے تو یہ مراد نہیں ہے کہ مرنے کے بعد پتہ چلے گا۔وہ عزت پاتا ہے اور پاتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ خدا بس نہیں کرتا جب تک کہ اس کی عزت کو کل عالم پہ روشن اور ظاہر نہ کر دے۔صرف تواضع کی حد فیصلہ کن ہو گی۔کیسا تواضع کرتا تھا؟ کس اخلاص سے کرتا تھا؟ دیکھو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تواضع کی تو کب خدا نے پیچھا چھوڑا ہے۔دنیا میں وہ عزت بڑھتی چلی جا رہی ہے، پھیلتی چلی جا رہی ہے ایک قوم

سے دوسری قوم میں داخل ہوتی چلی جارہی ہے اور اس کے بعد حضرت محمد رسول ﷺ کا جب وصال ہوا تھا تو کتنے لوگوں میں آپ کی رفعت ثابت ہوئی تھی لیکن پھر کوئی دن ایسا نہیں چڑھا جب کہ آپ کی رفعت کا تصور بلند بھی نہیں ہوا اور پھر پھیلا بھی نہیں۔ ہر دن چونکہ رسول اللہ ﷺ کی رفعت دائمی، بلند تر ہونے والی ہے اس لئے وہ تصور اپنی ذات میں بھی بلند تر ہوتا چلا گیا اور وہ شہرت پھیلتی چلی گئی۔ تو درجہ بدرجہ عام انسانوں سے بھی یہ سلوک کیا جاتا ہے اور بِسِلْسِلَة سے میں ہمیشہ یہی معنی سمجھتا ہوں کہ زنجیر کا لفظ کہنے کی ضرورت کیا تھی؟ ضرورت یہ تھی کہ بتایا جائے کہ زنجیر کڑیوں پر مشتمل ہوتی ہے بعضوں کے درجے زیادہ لمبی زنجیر سے طے کئے جائیں گے بعض کے چھوٹی زنجیر سے طے کئے جائیں گے۔ یہ تو تمہارے اپنے اختیار میں ہے جتنی کڑیاں چاہو بناؤ اتنی کڑیوں کی زنجیر تمہارا رفع کرے گی۔ اگر خدا کے حضور جھکنے اور انکساری میں تمہاری زیادہ اخلاص پایا جاتا ہے زیادہ قربانی کی روح پائی جاتی ہے زیادہ خدا کی محبت اور بنی نوع انسان کا وقار پیش نظر ہے اور انسان کی عزت بذات خود تم سے مطالبہ کرتی ہے کہ سب کو برابر سمجھو، ان کو مرتبہ دو۔ کئی ایسے اور خیالات جتنے یہ محرکات بڑھتے چلے جاتے ہیں اتنا ہی اس کام میں عظمت پیدا ہوتی چلی جاتی ہے اور جتنے خلوص سے کوئی انسان یہ کام کرتا ہے اتنا ہی اس کی عزت بڑھتی چلی جاتی ہے۔

پھر آزمائشوں کے وقت اور اس زنجیر کو خدا تعالیٰ لمبا فرما دیتا ہے عام حالات میں ایک ایثار کر رہا ہے قربانی کر رہا ہے وہ بھی اچھی چیز ہے لیکن جہاں ایثار کے نتیجے میں ذلیل ہوتا ہو، رسوا ہوتا ہو، وہاں خدا کا خاص وعدہ آتا ہے کہ میں تمہیں ضرور بلند کروں گا۔ پس ساتویں آسمان تک بھی لوگ اٹھائے جائیں گے لیکن وہی جن کی قربانیوں کی زنجیر بہت لمبی بنی ہوئی ہو اور اتنی وسعت رکھتی ہو کہ وہ ساتویں آسمان تک پہنچا سکے۔ اور جہاں تک ان قربانیوں کا تعلق ہے یہ مطلب نہیں کہ ضرور ہی عظیم ہو تو تمہیں رفعت ملے گی۔ حضرت ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا معمولی نیکی کو بھی حقیر نہ سمجھو اگرچہ اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے پیش آنے کی ہی نیکی ہو۔ (مسلم کتاب الادب) اب یہ بھی بہت ہی گہرا مضمون ہے۔ جیسا کہ میں نے کہا تھا معمولی چندہ دے کر بھی اگر تم خدا کی محبت حاصل کر سکتے ہو تو معمولی ہی دو مگر دو ضرور۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ معمولی نیکی کو بھی حقیر نہ سمجھو اگرچہ اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے پیش آنے کی ہی نیکی ہو اور یہ معمولی نیکی جو ہے آنحضرت ﷺ

کے نزدیک یہ عام دنیا میں بہت بڑی نیکی بن چکی ہے اب کیونکہ آنحضرت ﷺ جس مکارم الاخلاق پر فائز تھے جس بلندی پہ آپ کا قدم تھا آپؐ نے بہت چھوٹی نیکی جو دیکھی وہ یہ کہ خندہ پیشانی سے پیش آؤ اور یہاں حال یہ ہے کہ اپنے بچوں سے بھی لوگ خندہ پیشانی سے پیش نہیں آتے، اپنی بیویوں سے بھی خندہ پیشانی سے پیش نہیں آتے، اپنی بہنوں بھائیوں سے بھی خندہ پیشانی سے پیش نہیں آتے اور ناک بھوں چڑھا کے بات کرتے ہیں یہاں تک کہ کئی بچے تنگ آ کے بڑے درد کا اظہار کرتے ہیں۔

آج ہی کی ڈاک میں مجھے اپنی ایک تحقیق کا جواب ملا ہے جس کا بالکل اسی مضمون سے تعلق ہے۔ ایک بچی نے اپنے باپ کی بدسلوکی، بداخلاقی سے تنگ آ کے مجھے لکھا کہ خدا کے واسطے ہمارے گھر کا ماحول درست کرا دیں۔ نیک آدمی ہے مگر نیکی کے نام پر اتنی سختی ہے کہ ہماری زندگی عذاب بنی ہوئی ہے۔ اس پر میں نے خاص ایک آدمی کو مقرر کیا جن کے متعلق میں سمجھتا تھا کہ ان میں نصیحت کرنے کا سلیقہ ہے، پیار اور محبت سے ایسے نازک معاملات میں دخل دے سکتے ہیں جہاں ایک آدمی بھونڈے طریق پر بات کرے تو الٹا حال پہلے سے بھی زیادہ بگاڑ دے اور ایسا ہوتا بھی رہا ہے بعض دفعہ، مگر اب میں کوشش کرتا ہوں کہ ایسا ہی آدمی لوں جس کو ان باتوں کا سلیقہ ہو۔ ان کی رپورٹ ملی ہے اللہ تعالیٰ کے فضل سے دونوں طرف کی کچھ غلط فہمیاں تھیں وہ دور ہوئیں اور اس بچی نے جھوٹ بھی نہیں بولا ہوا۔ سختی ضرور تھی لیکن باپ کی نیکی کا تو اعتراف کر لیا لیکن اپنی بعض کمزوریوں کا اعتراف نہیں کیا کہ اس کو جو غصہ آتا ہے وہ کس بات پہ زیادہ آتا ہے۔ تو میرے نمائندہ نے جا کر دیکھا، بتایا مجھے اور اب دونوں طرف ایک قسم کے سمجھوتے کا ماحول پیدا ہو گیا ہے۔ انہوں نے وعدہ فرمایا ہے کہ کمزوریاں تو ہیں میں انشاء اللہ تعالیٰ دعا کی طرف زیادہ توجہ کروں گا اور سختی سے پیش نہیں آؤں گا۔ اس بچی کو بھی انہوں نے سمجھایا اور اب میں براہ راست بھی سمجھا رہا ہوں کہ اپنی کمزوریوں پر بھی نظر رکھو، باپ تمہاری خاطر بے اختیار ہو جاتا ہے اس کو تو ہم نے سمجھا دیا ہے لیکن اب اس کے نرم کلام سے وہ اثر اپنے اندر پیدا کرو جو اس کی سختی سے پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔

خندہ پیشانی کا مضمون ہے نصیحت بھی کرو تو خندہ پیشانی سے کرو اور بسا اوقات خندہ پیشانی کا اثر سختی سے بہت زیادہ ہوتا ہے اقبال نے تو فرضی طور پر کہا ہے کہ:

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر (کلیات اقبال)

کس نے کٹتے دیکھا ہے۔ مگر ایک خیال ایک تصور ہے شاعر کا اور مراد اس کی انسانی تعلقات کے دائرے سے ہے ورنہ ظاہر ہے تو پھول کی پتی سے تو ہیرے کا جگر نہیں کٹا کرتا مگر بعض دفعہ ایک نرم بات میں اتنی تاثیر ہوتی ہے کہ ہیرا جو شیشوں کو بھی کاٹ دیتا ہے سخت سے سخت چیز کو کاٹ دیتا ہے وہ بھی دو نیم ہو جاتا ہے اس نرم بات کے اثر سے۔ تو یہ مراد ہے خندہ پیشانی کو معمولی نہ سمجھو۔ دونوں باتیں اس میں ہیں ایک تو یہ کہ خندہ پیشانی کا خلق تو امت محمدیہ میں ایسا عام ہونا چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک گویا کوئی نیکی ہی نہیں ہے۔ معمولی سے معمولی چیز ہے یہ تو روزمرہ کی زندگی کا حصہ ہونا چاہئے۔ لیکن دوسرا مضمون بھی ہے اس میں کہ اسے معمولی نہ سمجھو بہت بڑی چیز ہے۔ خندہ پیشانی سے یہ دنیا جنت بن جاتی ہے اور یہ وہ مضمون کا پہلو ہے جس کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے معمولی نہ سمجھو سے مراد یہ نہیں کہ یہ کر لیا کرو کوئی بات نہیں واقعۃً بہت عظیم چیز ہے بعض دفعہ معمولی نہ سمجھو سے یہ مراد ہوتی ہے بہت بڑی طاقت ہے اس میں۔ اور خندہ پیشانی کا اگر ہم رواج اپنی جماعت میں ڈال لیں اور یہ رواج گھروں سے چلنا چاہئے۔ بیویاں اپنے خاوندوں سے خندہ پیشانی سے پیش آئیں، خاوند اپنی بیویوں سے خندہ پیشانی سے پیش آئیں، بہنیں بھائیوں سے، بھائی بہنوں سے اور بڑے چھوٹوں سے بھی صرف چھوٹوں کو ہی نہ تلقین کریں بلکہ چھوٹوں سے بھی عزت اور احترام سے ملیں اور خندہ پیشانی سے پیش آئیں تو ہر گھر ایک جنت میں تبدیل ہو سکتا ہے اور یہی گھروں کی جنت پھیلے گی اور معاشرے میں داخل ہوگی اسی سے شہر سدھریں گے، اسی سے ملکوں میں تبدیلی آئے گی یہی وہ طاقت ہے جس نے تمام دنیا کی کایا پلٹ دینی ہے، انقلاب برپا کر دینا ہے۔

پس احمدیوں کو جو تبلیغ کا غیر معمولی جذبہ رکھتے ہیں ان کو خندہ پیشانی اختیار کرنا چاہئے کیونکہ میرا یہ تجربہ ہے، ہمیشہ سے یہی تجربہ ہے کہ زیادہ عاقل اور تعلیم یافتہ مبلغ سے خندہ پیشانی کا طریق اختیار کرنے والا مبلغ ہمیشہ زیادہ کامیاب ہوتا ہے۔ جس کی باتیں میٹھی ہوں اس کے بول دلوں میں اترتے ہیں اور لوگوں کے بس میں نہیں رہتا اس کا انکار۔ اس کی ذات میں جو ایک جاذبیت پیدا ہو جاتی ہے اس سے پھر دراصل ان کی توجہ اس کی ذات سے ہٹ کر اس کے پیغام کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ پس خندہ پیشانی کو معمولی نیکی نہ سمجھو یہ مضمون بہت گہرا ہے اور اس میں ڈوب کر اس پر غور کریں تو آپ کو خصوصیت سے تربیت اور تبلیغ کا ایک بہت بڑا اور کارآمد اور مجرب نسخہ ہاتھ آ جائے گا۔

اب مسند احمد بن حنبل کی ایک حدیث ہے۔ حضرت معاذ بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ تو قطع تعلق کرنے والے سے تعلق قائم رکھے اور جو تجھے نہیں دیتا ہے اسے بھی دے اور جو تجھے برا بھلا کہتا ہے اس سے تو درگذر کر۔ پس یہ اسی مضمون کی اور شاخیں ہیں جو شروع سے میں بیان کر رہا ہوں ہر نیکی اپنی مختلف شاخیں رکھتی ہے اور آنحضرت ﷺ ہر نیکی کو اس طرح تفصیل سے بیان فرماتے ہیں کہ اس کی جڑوں کے اوپر بھی روشنی ڈالتے ہیں، اس کے تنے پر بھی روشنی ڈالتے ہیں، اس کے رنگ، اس کی خوشبو، اس کے پھول پتوں پر، جو شاخیں پھیلتی ہیں ان کی بھی پیروی فرماتے ہیں ہر بات کو پوری طرح کھول کر ہمارے سامنے رکھ دیا ہے۔

فرماتے ہیں بڑی فضیلت یہ ہے کہ تو قطع تعلق کرنے والے سے تعلق قائم رکھے اور اکثر معاشرے کی خرابیوں میں جب تحقیق کی جاتی ہے تو کہتے ہیں اس نے تعلق توڑا ہے، اس نے کاٹا ہے، وہ ذمہ دار ہے۔ رسول کریم ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ ٹھیک ہے تم نے نہیں توڑا۔ جس نے توڑا ہے اس سے تعلق رکھو گے تو پھر میرے نزدیک تم صاحب فضیلت ہو۔ جو تعلق قائم رکھتا ہے اس سے تعلق قائم رکھنا کون سی فضیلت ہے۔ تعلق کے جواب میں تو تعلق خود بخود پیدا ہو جاتا ہے۔ غیر بھی اگر آپ سے پیار کا اظہار کرے تو آپ کو فوری طور پر اس سے کچھ تعلق پیدا ہو جاتا ہے، رستہ چلتے مسافر کسی سے آپ پیار سے بات کر لیں تو وہ آپ سے تعلق قائم کر لیتا ہے۔ اس لئے یہ بہت بڑی حکمت کی بات ہے فرمایا بڑی فضیلت یہ ہے کہ قطع تعلق وہ کر رہا ہے اور تو اس سے تعلق رکھے اس کو فضیلت کہتے ہیں۔ اور یہی وہ چیز ہے اگر وہ اپنا لی جائے تو معاشرے سے بہت بڑے فسادات ختم ہو جائیں بہت تکلیف دہ واقعات رونما ہوتے ہیں اور ان میں سے مختلف وجوہات ہیں جو بعض میں بیان کر چکا ہوں ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ کہتے ہیں اس نے پہل کی ہے اس نے ہم سے منہ موڑا ہے اس نے فلاں رشتے پہ ہمیں بلایا نہیں۔ اس کا حق تھا اپنی بہن کا خیال رکھتا اس نے تعلق کاٹ لیا اب ہم کیوں ایسی بات کریں۔

ع سبک سر بن کے کیا پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو؟ (دیوان غالب)

یعنی وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ اگر کوئی سرگرانی کرے گا تو ہم نے سر جھکایا، ہم ہلکے سر والے

کہلائیں گے۔ یہ شاعری کی باتیں ہیں فضول، بے ہودہ، اعلیٰ اخلاق کے مضامین نہیں ہیں۔ آنحضرتﷺ فرماتے ہیں تم سبک سر بنو گے تو خدا کے حضور تمہارا سر بلند ہوگا اور اس کو عظمت نصیب ہوگی پس خدا کی خاطر جہاں تعلق تم سے کاٹا جارہا ہے وہاں تعلق جوڑ کے دکھاؤ۔

پھر فرمایا، جو تجھے نہیں دیتا اسے بھی دے جو دیتا ہے اس کے متعلق تو یہ حکم ہے کہ اس سے بڑھ کر دو یا اس کے لئے دعائیں کرو اس کے لئے کچھ ایسا کرو کہ تمہارے دل کو یقین ہو جائے کہ جتنا اس نے تمہارے لئے کیا تھا اس سے زیادہ تم کر بیٹھے ہو۔ فرمایا یہ تو ہے ہی لیکن ہم تمہیں اس طرف توجہ دلاتے ہیں کہ جو نہیں دیتا اس کو بھی دو۔ ورنہ جو دینے والے ہیں ان کے آپس کے تعلقات تو قائم ہو جائیں گے۔ جو نہ دینے والے ہیں ان کے درمیان اور ان لوگوں کے درمیان ایک خلیج حائل ہو جائے گی اور اسلام کا جو معاشرہ ہے اس میں اوپر کے طبقے اور نیچے کے طبقے میں کوئی خلیج نہیں ہے۔ ان کو جوڑنے کا ایسا عظیم انتظام فرمایا گیا ہے جیسے ہوا کی سرکولیشن کا انتظام کیا جاتا ہے۔ جہاں چھتیں چھوٹی ہوں وہاں بعض دوسرے ذرائع سے پنکھے وغیرہ لگا کر سرکولیشن کا انتظام کیا جاتا ہے تا کہ اوپر کی ہوا اور نیچے کی ہوا مل جائے تو قرآن کریم اس مضمون کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ (الحشر: 8) فرماتا ہے کہ یہ نہ ہو کہ امیر امیروں کو ہی تحفے بھیجتے رہیں اور امیروں سے ہی قبول کرتے رہیں تا کہ تم آپس میں، اوپر کے دائرے میں ہی تمہارے درمیان چیزیں گھومتی رہیں۔ اصل نیکی یہ ہے کہ جو غریب طبقہ ہے جس سے تمہارے لین دین کے تعلقات نہیں ہیں ان کو دو تا کہ یہ سرکولیشن ایک اوپر کے دائرے میں ہی نہ گھومے، اوپر سے نیچے کی طرف بھی آئے۔

حفظان صحت کے جو روحانی اصول ہیں ان کو آنحضرتﷺ سے جب آپ سنتے ہیں یوں لگتا ہے کہ اس زمانے کا جدید ترین سائنس دان حفظان صحت کے اصولوں پر جو دریافتیں کر رہا ہے، روحانی دنیا کے لحاظ سے ان سب کا علم آنحضرتﷺ کو اس زمانے میں پہلے ہی دے دیا گیا تھا، کوئی چیز آپؐ سے اوجھل نہیں رکھی گئی تو یہی مضمون ہے جو فرمارہے ہیں کہ جو نہیں دیتا اسے بھی دے بلکہ ایک قدم اور آگے بڑھ۔ جو تجھے برا بھلا کہتا ہے اس سے درگزر کر۔ جو نہیں دیتا، وہاں احسان کی بات تھی۔ یہ منفی مضمون شروع ہو گیا ہے بدی کی، اگر کوئی نہیں دیتا تو اسے کچھ دے یعنی اچھی چیز دے لیکن

جو گالیاں دیتا ہے جو بدسلوکی کرتا ہے اس سے وہ سلوک نہ کر۔ اگر ہاتھ روکنے ہیں تو بدی میں ہاتھ روک اور نیکی میں ہاتھ نہ روک۔ یہ وہ مضمون ہے جسے آنحضورﷺ نے اپنی امت کے اخلاق کے حوالے سے ہم پر روشن فرما دیا ہے۔ پس تمام دنیا کی جماعتیں ان باتوں پر خوب غور کریں اور جو سنتی ہیں وہ آگے ان لوگوں تک پہنچائیں جو نئے آنے والے ہیں اور براہ راست حضرت اقدس محمد رسول اللہﷺ سے تربیت کے محتاج ہیں۔ کوئی تربیت ایسی نہیں جیسے رسول اللہﷺ کے الفاظ کی تربیت ہو جیسے اس میں طاقت ہے جیسے اس میں سادگی ہے جیسے دلوں میں ڈوبنے کی وہ صلاحیت رکھتی ہے کوئی دنیا کی نصیحت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

پس ان چھوٹے چھوٹے سادہ سادہ جملوں میں ڈوب کر پہلے خود ان مضامین کو سمجھیں اور پھر ان کے ذریعے تمام امت کو، بنی نوع انسان کو امت واحدہ بنانے کی کوشش کریں۔ یہ اخلاق ہی ہیں جو امت واحدہ بنانے میں کامیاب ہوں گے۔ عقائد ایک ہو کر بھی امت واحدہ نہیں بنایا کرتے۔ یہ سادگی کی باتیں ہیں، بے وقوفی کی باتیں ہیں۔ دیکھو کتنے اسلام میں فرقے ہیں ان کے آپس میں اختلاف چھوڑو، ان کے اندر جن کے ایک جیسے عقیدے ہیں ان میں کہاں محبت ملتی ہے وہ کہاں امت واحدہ بن گئے ہیں۔ امت واحدہ کبھی محض عقائد سے نہیں بنا کرتی۔ امت واحدہ اخلاق حسنہ سے بنا کرتی ہے تبھی اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہﷺ کو فرمایا وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (البقرۃ:160) کہ اے محمد رسولﷺ اللہ اپنے تمام عظیم عقائد اور تعلیم اور حکمت کے بیان کے باوجود تو ان لوگوں کو ایک ہاتھ پر اکٹھا نہیں کر سکتا تھا یہ تیرا حسن خلق ہے جو خدا نے تجھے نعمت کے طور پر عطا کیا ہے جس نے ان دلوں کو ایک ہاتھ پہ ایسا باندھ دیا ہے کہ ایک جان ہو گئے ہیں، ایک وجود کے اعضاء بن چکے ہیں اور اس ایک بدن میں تیرا دل، تیرا حسن خلق دھڑک رہا ہے۔ پس آج بھی اگر دنیا کو امت واحدہ بنانا ہے تو حسن محمد مصطفیﷺ ہے جو پہلے آپ کے دلوں میں دھڑکے گا، پھر آپ کے خاندان کے دلوں میں دھڑکے گا۔ جب یہ جماعت کے دلوں میں دھڑکے گا تو خداہ گواہ ہے کہ سب دنیا کے دلوں میں دھڑکنے لگے گا اور ہم خدا کے فضل سے وہ خوش نصیب ہوں گے جو حضرت محمد رسول اللہﷺ کے نور کی برکت سے تمام دنیا کو امت واحدہ بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔

آج جیسا کہ آپ کو خبر مل گئی ہے ایک اور احمدی مخلص کی شہادت کی اطلاع ملی ہے۔ جہاں تک یہ رستہ شہادتوں کا رستہ ہے یہ تو ہم نے سوچ سمجھ کے قبول کیا ہے۔شہادتوں کے دکھ اپنی جگہ اور شہادتوں کی سعادتیں اپنی جگہ۔ آج دنیا میں یہی جماعت ہے جسے اس سعادت کے لئے چنا گیا ہے لیکن اس پھول کے ساتھ جو کانٹے ہیں وہ دکھ بھی پہنچاتے ہیں، زخم بھی لگاتے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں صبر کی توفیق عطا فرمائے اور راضی برضا ہوتے ہوئے اس کی راہ میں آگے بڑھنے کی جو سزائیں دنیا نے ہمیں دینی ہیں بے شک دیتی چلی جائے ہم نے قدم نہیں روکنے۔ یہ وہ اسلام کی ترقی کی شاہراہ پر آگے بڑھنے کی سعادت ہے جو آج ہمیں نصیب ہوئی ہے۔ دشمن کے جلنے سے، حسد سے اس کی گولیوں سے چند مظلوموں کی جان لینے سے ہمارے قافلے کے قدم نہیں رکیں گے۔ ہم ضرور آگے بڑھتے چلے جائیں گے اور اللہ ہی ہے جو ہمارے حساب ان سے چکائے گا۔لیکن محبت اور خلوص کے ساتھ ان کی قربانیوں کی قدر کرتے ہوئے ان کی نماز جنازہ غائب آج ہوگی اور اس کے علاوہ ہمیشہ ان شہداء کو اپنی دعاؤں کا ایک مستقل حصہ بنالیں۔

ایک اور جنازہ بھی ہوگا غائب ہمارے مکرم شیخ عبدالوہاب صاحب جو اسلام آباد کے ایک بڑے لمبے عرصے تک امیر رہے اور بہت مخلص فدائی انسان۔ جب بعض انتظامی مجبوریوں کے پیش نظر ان کو امارت سے ہٹایا گیا تو ان کے اخلاص میں ایک ذرہ بھی فرق نہیں آیا اور نئے امیر کی اطاعت میں یہ کسی دوسرے سے پیچھے نہیں تھے تو اللہ ایسے مخلصین کو زندہ رکھے کیونکہ ان کی وجہ سے جماعت زندہ ہے۔ ایسے انکسار کے ساتھ محض للہ ہر خدمت کو قبول کرنا اور ہر خدمت سے الگ ہو جانا اگر خدا کی رضا چاہئے یہ ہے وہ سچائی جو ایک زندہ سچائی ہے جو ہمیشہ جماعت کو زندہ رکھے گی۔ اللہ کرے کہ ایسے مخلصین کی جماعت میں کبھی کمی نہ آئے ایک کو وہ بلائے تو اس کی جگہ سو، ہزار پیدا کرتا چلا جائے، ان کی بھی نماز جنازہ غائب ہوگی اور آج جمعے کے بعد چونکہ عصر کی نماز بھی جمع ہوگی اس کے بعد انشاء اللہ یہ نماز جنازہ غائب ہوں گی۔

غیبت سے کلیۃً اجتناب کریں، اگر جماعت میں غیبت کا قلع قمع ہو جائے تو عظیم کامیابی ہوگی۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 18 رنومبر 1994ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے مندرجہ ذیل آیت کریمہ تلاوت کی۔

يَاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا أَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّأْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ۝ (الحجرات:13)

پھر فرمایا:۔

آج کے خطبے کے لئے میں نے جس آیت کریمہ کا عنوان باندھا ہے یہ سورۃ الحجرات سے لی گئی ہے اور اس کی تیرھویں آیت ہے۔ اس میں بعض امور کے علاوہ خصوصیت سے غیبت کے متعلق مسلمانوں کو جو مومنوں کے معاشرے کو متنبہ کیا گیا ہے اور ایسے الفاظ میں متنبہ کیا گیا ہے کہ اگر کوئی انسان اس کے پیغام کی حقیقت کو سمجھ لے تو غیبت کا تصور بھی اس کے قریب نہ پھٹکے لیکن جس رنگ میں یہ ذکر فرمایا گیا ہے اس میں یہ بات بھی نکلتی ہے کہ اس مکروہ چیز کا شوق تم لوگوں میں اتنا پایا جاتا ہے کہ گویا اسے جانتے بوجھتے ہوئے بھی تم بے اختیار اس کی طرف کھنچے چلے جاؤ گے یا کھنچے چلے جاتے ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اول كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ سے یعنی

اندازے لگانے سے اجتناب کیا کرو اور بہت زیادہ عادت جو ہے تخمینوں کی کہ یہ ہوا ہوگا اور یہ ہوا ہوگا یہ ایک ایسی مہلک عادت ہے کہ ان اندازوں میں سے بعض یقیناً گناہ ہوتے ہیں پس تم ایک ایسے میدان میں پھرتے ہو جس میدان میں خطرناک گڑھے ہیں یا جنگل کے درندے ہیں تم سمجھتے ہو کہ تم دیکھ بھال کر قدم اٹھا رہے ہو مگر جو ایسے خطرے مول لیتا ہے یقیناً اس کا پاؤں کہیں نہ کہیں رپٹ جاتا ہے، غلطی سے کسی گڑھے میں پڑ جاتا ہے یا کسی درندے کے چھپنے کی جگہ کے قریب سے گزرتا ہے اور اسے حملے کی دعوت دیتا ہے۔ تو مراد یہ ہے کہ ہر ظن گناہ نہیں ہے یہ درست ہے۔ بعض ظن جو درست ہوں، حقیقت پر مبنی ہوں وہ خدا کے نزدیک گناہ نہیں لیکن ظن کرنے کی عادت خطرناک ہے اور اس کے نتیجے میں ہرگز بعید نہیں کہ تم سے بڑے گناہ سرزد ہوں۔

دوسری بات یہ فرمائی کہ تجسس بھی نہ کیا کرو۔ ظن کا جو تعلق ہے وہ تجسس سے بہت گہرا ہے۔ جب انسان کو یہ شوق ہو کہ کسی کی کوئی کمزوری معلوم کرے تو اس وقت جو ظن ہیں وہ زیادہ گناہ کے قریب ہوتے ہیں کیونکہ انسان اپنے بھائی یا اپنی بہن میں بدی ڈھونڈ رہا ہوتا ہے اور تجسس کی عادت اگر ظن کی عادت کے ساتھ مل جائے تو بہت بڑا احتمال پیدا ہو جاتا ہے کہ یہ شخص گنہگار ہوگا۔ پس اس مضمون کو آگے بڑھاتے ہوئے یہ فرما دیا۔ وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اور کوئی تم میں سے کسی دوسرے شخص کی غیبت نہ کرے یعنی اس کی غیبوبت میں، اس کی عدم موجودگی میں اس پر تبصرے نہ کیا کرے۔ اب یہ پہلا جو مضمون بیان ہو رہا ہے اس کا آخری طبعی نتیجہ ہے۔ جو شخص ظن کی عادت رکھتا ہے جلدی سے نتائج نکالتا ہے کہ یہ ہوا ہوگا اور جو شخص تجسس کی عادت رکھتا ہے وہ اپنے ظن کو گناہ کے قریب تر پہنچاتا ہے کیونکہ تجسس کا مطلب ہے اسے شوق ہے کچھ معلوم کرنے کا۔ اس لئے بے وجہ ظن نہیں کر رہا، یونہی اتفاقاً ظن نہیں کر رہا بلکہ کسی خاص مقصد کی تلاش میں اس کا ظن ہے اور ایسے موقع پر وہ نتیجہ نکالنا جو غلط ہے اور محض اپنے تجسس کے شوق میں اس نے نکالا ہے یہ ایک طبعی بات ہے یعنی ایسا احتمال بہت بڑھ جاتا ہے۔

تیسری صورت میں جب تجسس کرتا ہے تو کیوں کرتا ہے۔ بنیادی طور پر اس کو اپنے بھائی یا بہن سے کوئی دبی ہوئی مخفی نفرت ہوتی ہے۔ وہ پسند نہیں ہوتا اور غیبت اس کی کی جاتی ہے جو پسند نہ ہو۔ کبھی آپ نہیں دیکھیں گے کہ ماں باپ بیٹھ کر بچوں کی غیبت کر رہے ہیں یا بچے بیٹھ کر ماں باپ کی

غیبت کر رہے ہیں اگر ایسا ہو تو بنیادی طور پر ان کے تعلقات کے نظام میں کوئی ایسا رخنہ ہے جسے پاگل پن کہا جا سکتا ہے۔ مگر غیبت اور کسی شخص سے پرخاش رکھنا، کوئی اس کے متعلق حسد کا پیدا ہونا اس قسم کے محرکات ہیں جو تجسس کی پہلے عادت ڈالتے ہیں اور پھر جب تجسس ان کے سامنے کوئی تصورات پیش کرتا ہے، حقائق نہیں بلکہ وہ ظن جو ان کی عادت میں داخل ہے۔ تجسس کے نتیجے میں اندازے لگاتا ہے کہ ہم یہاں تک تو پہنچ گئے ہیں اندر کمرے میں جا کر تو نہیں دیکھا مگر صاف پتا لگتا ہے کہ یہ ہو رہا ہوگا اور چونکہ بدنیتی سے ہی اس سفر کا آغاز ہے اس لئے جو بھی ماحصل ہے وہ یقینی ہو یا غیر یقینی ہو وہ اسے آگے مجالس میں بیان کرتے اور اس کے چسکے لیتے ہیں۔ یہ ایک پورا نفسیاتی سفر ہے جو غیبت کرنے والا اختیار کرتا ہے۔ جس کو قرآن کریم نے سلسلہ بہ سلسلہ اسی طرح بیان فرمایا جیسے انسانی فطرت میں یہ بات پائی جاتی ہے لیکن غیبت کی صرف یہ وجہ نہیں۔ یہ مراد نہیں ہے کہ اس کے سوا اور کوئی غیبت نہیں ہے۔

غیبت بغیر تجسس کے بھی پیدا ہوتی ہے۔ غیبت ایک شخص کی بدی جو کھل کر اس کے سامنے آئی ہے اور تجسس کے نتیجے میں نہیں اس کو نفرت کی نظر سے دیکھتے ہوئے اس میں دور کرنے کی کوشش کرنے کی بجائے ان لوگوں کو پہنچانا جو اس کو سن کر اس شخص سے اور دور ہٹ جائیں گے اور اس کی اس شخص سے دشمنی میں اس کے طرف دار ہو جائیں گے۔ یہ نیت بھی ہوتی ہے اور بعض دفعہ حقائق پر مبنی غیبتیں بھی کی جاتی ہیں اور ہر نیت کا ٹیڑھا ہونا لازم ہے ورنہ یہ گناہ نہیں ہے۔

ایک موقع پر حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات میں سے کسی کے سامنے کسی شخص کی بات بیان کی اور ان کو یہ شک گزرا کہ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذَالِکَ غیبت تو نہیں ہو رہی۔ وہ شخص موجود نہیں تھا۔ مگر وہ جن کو منصب عطا ہوتا ہے، بعض ذمہ داریاں عطا ہوتی ہیں، بعض دفعہ وہ اپنے تبصرے کو بعض دوسرے لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں اور مقصد یہ نہیں ہوتا کہ نعوذ باللہ ان سننے والوں کے درمیان کوئی نفرت کی خلیج پیدا کریں یا دوریاں پیدا کریں بلکہ ایک قسم کی نصیحت ہوتی ہے۔ ایک مثال کو پیش کرتے ہوئے کہ دیکھو یہ ناپسندیدہ فعل تھا تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے اور اس سے زیادہ چونکہ نیت میں کوئی رخنہ نہیں ہوتا۔ اس لئے اللہ کے حضور اسے ہرگز غیبت شمار نہیں کیا جائے گا۔ نہ کبھی حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے غیبت فرمائی۔ پس غیبت کے موضوع پر مختلف احادیث پر نظر رکھ کر جو قطعی نتیجہ نکلتا ہے وہ یہی ہے کہ اس نیت سے خواہ برائی تلاش کی جائے یا برائی

اتفاقاً نظر کے سامنے آ جائے اور پھر اس نیت سے ان باتوں کو دوسروں کے سامنے بیان کیا جائے کہ جس کے متعلق بیان کیا جارہا ہے اس پر بیان کرنے والے کو ایک قسم کی فوقیت مل جائے کہ دیکھو میں اس بات سے بلند ہوں اور نیت یہ ہو دیکھو یہ آدمی کیسا ذلیل ہے اور گھٹیا ہے اور اس کے ساتھ اس بات کا خوف بھی دامنگیر ہو کہ یہ بات اس شخص تک نہ پہنچ جائے۔ یہ خوف دامن گیر ہونا ظاہر کرتا ہے کہ وہ چھپ کر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ وہ جب موجود نہیں ہے پیچھے سے ایسا وار کرنا چاہتا ہے کہ جس کا وہ جواب نہ دے سکے۔ اگر یہ نیت ہو تو یہ بہت بڑا گناہ ہے اور اس کی مثال دیتے ہوئے قرآن کریم فرماتا ہے اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ کیا تم میں سے کوئی شخص یہ بات پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے۔ تم تو کراہت کرنے لگے ہو دیکھو دیکھو! تم تو یہ بات سنتے ہی سخت کراہت محسوس کر رہے ہو۔ اب کیسی کراہت جب کہ عملاً اپنی زندگی میں تم نے یہی وطیرہ اختیار کر رکھا ہے۔ جب اپنے بھائی یا اپنی بہن یعنی مومن کے تعلقات کی بات ہو رہی ہے، سگے بھائی یا بہن کی بات نہیں، ان کے خلاف جب تم باتیں کرتے ہو تو مردے کا گوشت کھانے والی بات ہے لیکن کراہت کے ساتھ نہیں چسکے لے لے کر۔ تو مثال تو ایک ہی ہے۔ ایک جگہ تم چسکے لیتے ہو ایک جگہ کراہت محسوس کرتے ہو۔ یہ تمہاری زندگی کا تضاد ہے جو درست نہیں ہے حالانکہ دونوں کو ایک ہی پیمانے سے جانچنا چاہئے۔

اس نصیحت اور اس مثال کے بعد پھر بھی انسان غیبت میں مزے اٹھاتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ روحانی لحاظ سے بعض باتوں کی کراہت کو جاننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ وہ مثال سنتا ہے ایمان لے آتا ہے اللہ نے فرمایا ٹھیک ہی ہو گا لیکن جہاں تک وہ سوچتا ہے میری ذات کا تعلق ہے مجھے تو مزہ آ رہا ہے۔ مجھے تو بھائی کے گوشت والی کراہت اس میں ذرا محسوس نہیں ہو رہی جس کا مطلب ہے اس کا تناظر بدل گیا ہے۔ وہ جس پہلو، جس زاویے سے چیزوں کو دیکھ رہا ہے وہ خدا کا پہلو نہیں ہے، خدا کا زاویہ نہیں ہے۔ پس بیماری محض گناہ کی بیماری نہیں ہے ایک گہرا رخنہ ہے مزاج میں اور ذوق میں اور اس کی اصلاح نسبتاً زیادہ مشکل ہوتی ہے۔ اگر ایک انسان گناہ سمجھتے ہوئے اس کی بدیوں سے واقف ہوتے ہوئے وقتی طور پر گناہ کے بعض پہلوؤں سے متاثر ہو جائے جن میں کشش بھی پائی جاتی ہے تو ایسا شخص بار بار توبہ کرتا ہے اور سنبھلتا ہے مگر غیبت کرنے والوں میں میں نے یہ چیز نہیں دیکھی۔

لوگ بسا اوقات مجھے لکھتے ہیں کہ فلاں ہم سے ایک جرم ہو گیا، فلاں غلطی ہوگئی۔ بعض دفعہ تفصیل سے بیان کرتے ہیں بعض دفعہ اشارۃً بات کرتے ہیں جو سمجھ میں آجاتی ہیں۔ مگر مجھے یہ یاد نہیں کہ کسی نے کہا ہو کہ مجھ سے غیبت ہوگئی تھی اللہ معاف کرے بڑا گند کیا ہے میں نے، اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھا بیٹھا ہوں اور اب مجھے کراہت اور متلی ہو رہی ہے۔ خدا کے لئے دعا کریں اللہ اس بد نتیجے سے محفوظ رکھے۔ کبھی آپ میں سے کسی کے ساتھ ایسا اتفاق ہوا ہو تو مجھے بتائے میرے ساتھ نہیں ہوا۔ یہ مطلب ہے میرا کہ ذوق بدل چکے ہیں۔ جہاں ذوق بدل جائیں وہاں گناہ کی نحوست کا احساس نہیں رہتا اور ایک ایسا شخص نصیحت سن کر بار بار وہی ٹھوکر کھاتا ہے لیکن اگر وہ خود اپنے آپ کو اس بھائی کی جگہ رکھے جس کا گوشت کھایا جا رہا ہے۔ پھر شاید وہ اس بات کو بہتر سمجھتا ہو اور اس شرمندگی کو یاد کرے جب ایسا شخص جس کی غیبت ہو رہی ہے اچانک کمرے میں داخل ہو جاتا ہے۔ کیسے کھسیانی ہنسی ہنستے ہیں وہ سارے مجلس والے، کیسے پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں؟ اور اس کا تاثر غلط ثابت کرنے کے لئے پھر جھوٹ بولنے لگ جاتے ہیں۔ ہم تو یہ کہہ رہے تھے، ہم تو وہ کہہ رہے تھے اور پھر جب الگ ہوتے ہیں تو پھر آپس میں خوب ہنستے ہیں اور شرمندگی کی ہنسی کہ ہم سے آج خوب ہوا جس کی باتیں کر رہے تھے وہی پہنچ گیا۔ یہ سب جرم کی نشانیاں ہیں۔ ان کا ضمیر گواہی دیتا ہے کہ جرم کر رہے تھے ورنہ یہ حرکتیں نہ ہوتیں۔ بعض دفعہ ایسا واقعہ ہوتا ہے کہ ایک شخص کسی کے متعلق بات کر رہا ہے مگر نیت اور ہے پاک نیت سے سمجھانے کی خاطر کر رہا ہے۔ وہ پیچھے بیٹھا سن رہا ہے، علم میں بھی آجائے تو خجالت نہیں ہوتی بلکہ انسان چونکہ اچھے رنگ میں، نیک نیت سے بات کر رہا ہے اس کو شرمندگی محسوس نہیں ہوتی۔ یہ تو کہہ سکتا ہے کہ اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچی ہے تو میں معذرت خواہ ہوں مگر یہ بات واقعۃً درست ہے اور اس چیز کا قطعی یقین کہ یہ بات اس وقت نیت میں گناہ نہیں ہوتا یا اس وقت وہ غیبت نہیں کر رہا ہوتا یہ بات درست ہے آسانی سے مل جاتا ہے۔ ایسا شخص اپنے دفاع میں کچھ نہیں ایسی بات کہہ سکتا جو اس کے بیان کو غلط کہے اور چونکہ وہ جانتا ہے کہ اس کے تعلق مجھ سے درست ہیں اور نیت بگڑی ہوئی نہیں ہے اس لئے اس کے نتیجے میں نفرت اور دوری بھی پیدا نہیں ہوتی۔

پس دو طرح سے غیبت کا احتمال ہے۔ ایک ہے بدنیتی کے ساتھ حملہ کرنے کی خاطر، جھوٹی بات کرنا ایک سچی بات کو بدنیتی سے دشمنی کے نتیجے میں پھیلانا۔ جو جھوٹی بات ہے اس کے دو پہلو

ہیں۔ایک ظن ہے ظن کے پردے میں شک کا فائدہ اپنے لئے اٹھاتے ہوئے کہ شاید سچ ہو اس لئے میں جھوٹ نہیں بول رہا۔ یہ حصہ ہے جو غیبت سے زیادہ تعلق رکھتا ہے۔ جو واضح جھوٹ بولا جارہا ہے اسے غیبت نہیں کہتے اس کا کچھ اور نام ہے۔ آنحضرت ﷺ کے سامنے یہ معاملہ پیش ہوا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، مسلم کتاب البر میں یہ درج ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ غیبت کیا ہے۔ صحابہ رضوان اللہ علیھم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اپنے بھائی کا اس کی پیٹھ کے پیچھے اس رنگ میں ذکر کرنا جسے وہ پسند نہیں کرتا۔عرض کیا گیا اگر وہ بات جو کہی گئی ہے سچ ہو اور میرے بھائی میں موجود ہو تب بھی یہ غیبت ہو گی۔ آپؐ نے فرمایا اگر وہ عیب اس میں پایا جاتا ہے جس کا تم نے اس کی پیٹھ پیچھے ذکر کیا ہے تو یہ غیبت ہے اور اگر وہ بات جو تو نے کہی ہے اس میں پائی نہیں جاتی تو یہ بہتان ہے جو اس سے بڑا گناہ ہے۔ بہتان تراشی معصوم پر تو ایسا سخت گناہ ہے کہ قرآن کریم نے اس کی بہت سخت سزا مقرر فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ کی شدید ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے۔ تو دونوں صورتوں میں جواز کوئی نہیں رہتا۔ اگر سچ ہے تو غیبت ہے۔ جھوٹ ہے تو بہتان ہے، اس سے بھی زیادہ بڑا گند۔ اگر سچ ہے تو غیبت ہے ان معنوں میں کہ بھائی مر چکا اور مرے ہوئے بھائی کو ڈیفنس کا موقع نہیں دیا گیا۔ اس کی عدم موجودگی میں اس پر حملہ کیا گیا گویا اس کا گوشت کھایا گیا اور اس کے مزے اڑائے گئے اور بہتان کا مطلب ہے کسی کو قتل کر دینا یعنی روحانی دنیا میں بہتان قتل کے مشابہ ہے۔ تو یہ تو Murder کا گناہ ہے جو مرے ہوئے کے گوشت کھانے سے زیادہ مکروہ تو نہیں مگر زیادہ بڑا ظلم ضرور ہے اور زیادہ قابلِ مؤاخذہ ہے۔

پس کوئی بھی بہانہ بنایا جائے اگر غیبت کرتے ہیں اور چسکا پڑتا ہے اس کے لطف اٹھائے جاتے ہیں اور اپنے کسی بھائی کو کم نظر سے دیکھا جارہا ہے، اس کی ہنسی اڑائی جارہی ہے، اس کو ذلیل کیا جارہا ہے اور ایسی باتیں کی جارہی ہیں کہ جب وہ آ جائے تو زبانیں گنگ ہو جائیں اور مجال نہیں کسی کی کہ وہ باتیں ان کے سامنے بیان کر سکے تو یہ ساری غیبت ہے۔

غیبت میں تھوڑی اور کم اور زیادہ کے بہت فرق ہیں، بڑی منازل ہیں۔ بعض دفعہ غیبت ہی ہوتی ہے مگر نیتوں میں چونکہ فتور نہیں ہوتا اس رنگ میں بات کی جاتی ہے کہ سننے والے سارے جس شخص کے متعلق بات ہو رہی ہے اس سے دور نہیں ہٹتے وہ بات سن کر بلکہ ان سب کا قدرتی، طبعی اپنا

نتیجہ یہ ہوتا ہے وہ خبر نہیں ہوتی بلکہ ایک تبصرہ ہے جس میں وہ مجلس شریک ہے۔ وہ تبصرہ اور اس خبر میں ایک فرق ہے حالانکہ دونوں غیبت کے قریب قریب ہیں۔ اس لئے یہ مضمون باریک بھی ہے اور منتشر بھی ہے لیکن جہاں تک معاشرے کی اقدار کی حفاظت کا تعلق ہے یہ بہت ہی اہم مضمون ہے۔ اس کو اگر آپ نے نہ سمجھا اور اس کا حق ادا نہ کیا تو بار ہا آپ نفرتوں کا بیج بونے کے ذمہ دار ہوں گے۔ بار ہا اپنے معصوم بھائیوں کے ساتھ منافقانہ تعلق رکھ رکھ کر آپ ایک منافق انسان بن جائیں گے اور منافقت جب ایک جگہ پیدا ہو جائے تو دوسری جگہ بھی اس کے پیدا ہونے کے احتمال پیدا ہو جاتے ہیں۔ جو شخص عادتاً منافق ہو جائے، عادتاً منافق بنانے کے لئے غیبت اس کا سب سے بڑا امددگار ہو جاتی ہے، عادتاً منافق ہو جائے یعنی کسی کے متعلق باتیں کرنا پیٹھ پیچھے اور اس کے سامنے ایسا تاثر پیدا کرنا کہ گویا وہ جو باتیں کہہ رہا تھا اس کے برعکس اس کے متعلق اندازے رکھتا ہے۔ نظریات و تعلقات اس سے بالکل مختلف ہیں یہ منافقت ہے اور منافقت اگر انسانوں میں پیدا ہوتی ہے تو وہ پھر رفتہ رفتہ دین میں بھی داخل ہوتی ہے۔ منافقت نظام جماعت میں بھی پیدا ہوتی ہے اور اپنے صدر، اپنے قائد، اپنے زعیم، اپنے امیر، اپنے دوسرے عہدیداروں سے بھی پھر یہ منافقانہ سلوک شروع ہو جاتا ہے اور وہ غیبت جو فرد کی ہوتی تھی وہ نظام کی بن جاتی ہے اور نظام کی غیبت اس سے بھی بڑا گناہ ہے کیونکہ اس میں خدا کے کام کرنے والوں کے خلاف ایسا ظن پھیلتا ہے جس کے نتیجہ میں لوگ ان سے نسبتاً کم تعاون کرنے لگتے ہیں اور ان کی طبیعتیں اچاٹ ہو جاتی ہیں۔ بعض دفعہ غیبت جب ان کی کی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں اچھا پھر یہ دین ہے تو ہم الگ ہو جاتے ہیں۔ اپنا سب کچھ گنوا بیٹھتے ہیں اور اس کے ذمہ دار وہ ظالم ہیں جو پہلے افراد کی غیبت پر جرأت کرتے ہیں، بے باکی دکھاتے ہیں۔ پھر طبعی طور پر ان کے اندر منافقت پیدا ہوتی ہے اور منافقانہ رنگ میں وہ نظام جماعت پر بھی حملے کرتے ہیں اور نظام جماعت چلانے والے ذمہ دار افسران پر بھی حملے کرتے ہیں اور ہر جگہ آپ یہ قدر مشترک دیکھیں گے کہ نفرت پہلے ہے اور غیبت بعد میں ہے۔ محبت اور غیبت اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ پیار اور خلوص کا تعلق اور غیبت کا آپس میں کوئی جوڑ نہیں ہے۔

پس کئی طرح سے ہم غیبت کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ ان میں ایک یہ مثبت طریق ہے کہ اپنے تعلقات کو دوسروں سے محبت کے رشتوں سے استوار کریں اور نظام جماعت سے بھی محبت پیدا کریں

اور جو نظام جماعت چلانے والے ہیں ان سے ادب اور محبت کا رشتہ باندھیں یہ سوچ کر کہ ہم تو آزاد ہیں بہت سا ہمارا اپنا وقت اپنے ذاتی معاملوں میں خرچ ہو رہا ہے یہ شخص دین کی خاطر بندھا ہوا ہے۔ اس سے تعلق رکھنا اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کا موجب ہوگا۔ خدا کی رضا حاصل کرنے کا ذریعہ بن جائے گا کیونکہ ہم خدا کی خاطر اس سے تعلق رکھ رہے ہیں۔ یہ اگر سوچ کر بالارادہ انسان اپنی اپنی جماعت میں اپنے عہدیداروں کا احترام کرے خواہ وہ چھوٹے ہوں اور ان سے محبت کا طریق اختیار کرے خواہ ان سے محبت پیدا نہ ہوتی ہو۔ مگر بعض دفعہ احترام محبتوں میں بدل جاتے ہیں اور بعض دفعہ محبتیں احترام پیدا کرتی ہیں یہ دونوں طبعی ایک دوسرے کے ساتھ لازم وملزوم ہیں۔ تو ان معنوں میں وہ بے ساختہ، بے اختیار محبت نہیں جو ایک جلوہ حسن سے پیدا ہوتی ہے۔ وہ محبت جو بعض حسینوں کے تعلق اور واسطے سے پیدا ہوتی ہے میں اس کی بات کر رہا ہوں۔ اگر کسی شخص سے محبت ہے تو اس سے تعلق والوں سے بھی ایک محبت ہوتی ہے۔ وہ ذاتی طور پر محبت کا مستحق نہ بھی ٹھہرے لیکن جس حسین کی یاد سے وہ وابستہ ہے اس کے ساتھ محبت ہونا ایک طبعی امر ہے۔ چنانچہ مجنوں کے عشق کی دلیل میں سب سے بڑی دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ مجنوں کو لیلیٰ کے کتے سے بھی پیار تھا اور یہ امر واقعہ ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ جب محبت پاگل ہو جائے، اتنی بڑھ جائے کہ اس میں دیوانگی آ جائے تو ایسے شخص سے تعلق رکھنے والی ہر چیز سے محبت ہو جاتی ہے اور اس پر انسان کا اختیار نہیں رہتا۔ تو جب میں محبت کہہ رہا ہوں تو آپ کو کوئی منافقت کی تعلیم نہیں دے رہا۔ میں آپ کو گہری حقیقت بتا رہا ہوں کہ محبت حقیقۃً واسطہ بالواسطہ بھی اپنے اثر دکھاتی ہے اور جلوے دکھاتی ہے۔ اسی لئے میں نے کئی دفعہ آپ کے سامنے صحابہؓ کی مثال رکھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہؓ کو جو عشق تھا آج بھی بہت دعویدار ہیں مگر وہ شکلیں ہی اور تھیں، وہ صورتیں ہی مختلف تھیں، سراپا عشق تھے ان کی آنکھوں سے محبت برستی تھی، ان کے چہروں سے، ان کی کھالیں، ان کی جلدیں بولتی تھیں اور ایسے پگھلے ہوئے رہتے تھے وہ کہ سارا وجود ان کا اس محبت میں مخمور اور سراپا گداز رہتا تھا۔ اسی لئے بچپن میں ہمارے لئے بڑی شرمندگی کے سامان ہوتے تھے۔ ہم جانتے تھے کہ ہماری کوئی حیثیت نہیں۔ کوئی بزرگ صحابیؓ آیا ہے دونوں ہاتھوں سے پکڑا اور ہاتھ زبردستی کھینچ کر پیار کیا اور اس وقت سمجھ نہیں آتی تھی شرمندگی سے ہم بھاگتے تھے لیکن بعد میں جب سوچا تو پتا چلا یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عشق تھا جو یہ جلوے دکھا رہا

تھا اور اس وقت ہم سے زبردستی ان کا کرنا ان کے اخلاص کے ایک خاص حد تک پہنچے ہوئے ہونے کی وجہ سے ان پر زیادتی بن جاتا تھا۔ تو یہ چیزیں مصنوعی نہیں ہیں یہ عشق کے طبعی نتائج ہیں۔

اور میں جب کہتا ہوں کہ محبت نظام جماعت والوں سے بھی پیدا کرو تو مصنوعی طریق کی محبت نہیں کہہ رہا۔ آپ خدا سے جب محبت زیادہ کریں گے تب یہ محبتیں پیدا ہوں گی۔ اگر اللہ سے سچا عشق ہے اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے اس درجہ بدرجہ تعلق کے نتیجے میں عشق ہے تو آپ کے نظام سے بھی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ نظام جو وابستہ ہو اس طرف اس سے انسان بے اعتنائی یا تکبر کی راہ اختیار کرے اور اپنی زبانیں بات بات پر کھولے اور بدتمیزی کے جملے ان کے متعلق کہے اور تمسخر کرے اور پھر غیبت کرے اور نظام جماعت کے اوپر تبصرے کرتے ہوئے لوگوں کی مجلسوں میں بیٹھ کر یہ کہے جی فلاں، ہم نے دیکھ لیا امیر صاحب کو۔ یہ ان کا حال ہے ان کے بیٹے کا یہ حال ہے، ان کی بیٹی ایسی تھی اور سارے مل کر بیٹھ رہیں اور گویا کہ اس طرح امیر کے بد ہونے سے وہ لوگ خدا کی نظر میں پاکباز ہو رہے ہیں حالانکہ قرآن سے پتا چلتا ہے کہ یہ لوگ اپنے جس مقام پر بھی فائز تھے اس سے بھی گرتے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ بد انجام کو پہنچ جاتے ہیں، ان میں غیبت بھی آ جاتی ہے، منافقت بھی آ جاتی ہے ان میں پھر رفتہ رفتہ بغاوت بھی پیدا ہوتی ہے۔ بہتان تراشی بھی شامل ہو جاتی ہے۔ یہ ملتی جلتی بیماریاں ہیں۔ اکٹھی چلتی ہیں اس لئے غیبت کو کوئی معمولی بات نہ سمجھیں، غیبت سے کلیۃً اجتناب کریں اور اس کا ایک طریقہ اپنے محبت کے دائرے کو وسیع کرنا ہے۔

جہاں تک نظام جماعت کا تعلق ہے اللہ کے حوالے سے محبت وسعت اختیار کرتی ہے اور یہ بڑی واضح بات ہے لیکن جہاں تک عامۃ الناس کا اور احمدیوں کا تعلق ہے وہ بھی اسلام کے حوالے سے وسیع دائرے میں لازماً محبت سے تعلق رکھنے والا مضمون ہی رہتا ہے اور اس وسیع دائرے میں محبت اثر دکھاتی ہے۔ چنانچہ بسا اوقات آنحضرت ﷺ نے اپنی نصیحتوں میں مسلمان کا ذکر کیا ہے۔ مسلمان سے مسلمان کو یہ نہیں ہوتا، مسلمان سے مسلمان کو یہ نقصان نہیں ہو سکتا۔ پہلے مجھے تعجب ہوا کرتا تھا کہ آنحضرت ﷺ تو رحمۃ للعالمین ہیں۔ تو رحمۃ للعالمین ہوتے ہوئے صرف مسلمانوں کا فیض مسلمانوں کے حوالے سے کیوں بیان فرماتے ہیں۔ لیکن جب مزید غور کیا اور اس مضمون میں ڈوب کر

دیکھا تو پتا چلا کہ یہ ایک بہت ہی پیارا انداز مسلمانوں کو نصیحت کرنے کا ہے۔ اس محبت کے حوالے سے جو ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان سے رسولؐ کی نظر میں لازماً ہونی چاہئے اور یہ محبت کا رشتہ مسلمانوں سے باہر نسبتاً کمزور ہو جاتا ہے۔ رہتا تو ہے مگر نسبتاً کمزور۔ اس لئے جب نصیحت کی جائے تو زیادہ قوی رشتے کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ پس یہ نہیں فرما رہے کہ تم سے مسلمانوں کو گزند نہیں پہنچنا چاہئے بلکہ فرما رہے ہیں کہ دیکھو مسلمانوں سے گزند پہنچنے کا تمہارے ساتھ تو کوئی دور کا بھی تعلق نہیں، ناممکن ہے۔ پس اگر یہ کرتے ہو تو یہ گناہ ہے۔ تم خود مسلمان نہیں رہتے اگر تم سے مسلمان ہوتے ہوئے دوسرے مسلمانوں کو تکلیف پہنچتی ہے تو یہ ہرگز مراد نہیں کہ غیروں کو پہنچایا کرو۔ بلکہ وہ حدیثیں اور ہیں ایسی بھی احادیث ہیں جن میں اسلام کے حوالے کے بغیر بنی نوع انسان کے حقوق بیان کرتے ہوئے صرف ان کے نہیں بلکہ جانوروں کے حقوق بیان کرتے ہوئے جانوروں سے بھی رحم اور شفقت کے سلوک کی ہدایت ہے۔

ایسی ایسی نصیحتیں ہیں کہ جس میں ایک شخص کے متعلق فرمایا کہ اونٹنی جس پر تم ظلم کرتے ہو اس کے تم جواب دہ ہو گے قیامت کے دن۔ یہ تمہارے خلاف واویلا کر رہی ہے اور اس نے آزاد کر دیا اس اونٹنی کو اور توبہ کی۔ آزاد کر دیا ان معنوں میں کہ کہا بے شک میری طرف سے نکل جائے، جنگل میں پھرے۔ میں اس پر اب کوئی ظلم نہیں کروں گا۔ آپؐ نے فرمایا اگر یہ نہ کرتے تو تم خدا کی پکڑ کے نیچے تھے۔ (مسند احمد جلد 1 صفحہ: 204) ایک پرندے کی دردناک آواز سن کر آپؐ بے چین ہو جاتے ہیں، خیمے سے باہر آ جاتے ہیں وہ مادہ پرندہ تھی کس نے اس مادہ پرندے کو دکھ دیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کسی نے اس کے انڈے اٹھا لئے ہیں یا بچہ اٹھا کر لے گیا ہے اور واقعۃً یہی بات نکلی اسے واپس گھونسلے میں رکھوایا تو پھر آپؐ کو چین آیا۔ (مسند احمد جلد 1 صفحہ: 404) یہ ہیں محمد رسول اللہ ﷺ رحمۃ للعالمین۔ اس لئے رحمۃ للعالمینؐ کے مضمون سے ہٹ کر آپؐ کی کسی حدیث کا کوئی ترجمہ درست نہیں ہوگا۔ پس جب مسلمان کے حوالے سے بات کرتے ہیں تو اسلام جو باہمی اخوت و محبت پیدا کرتا ہے اس سے استفادہ کرتے ہوئے مسلمانوں کی تربیت کی ایک بہت ہی حکیمانہ کوشش فرماتے ہیں۔ پس اس پہلو سے جب ہم وسیع دائرے میں جاتے ہیں تو غیبت کا مضمون بھی اس دائرے میں ہمیں اسی طرح قابلِ توجہ دکھائی دیتا ہے جیسا نسبتاً اندرونی دائرے کے۔ مثلاً نظام جماعت ہی کا تعلق نہیں رہتا بلکہ غیبت عام مسلمان کی کرنا بھی اتنا ہی بڑا جرم اور بھیانک جرم ہے۔ اتنا بڑا نہ سہی تو ایک بھیانک جرم ہے جو بڑے جرم

میں تبدیل ہوسکتا ہے اور پھر اس تعلق سے بھی وہی طریق اختیار کریں یعنی اپنی محبت کو جو مسلمان سے مسلمان کو پہنچنی چاہئے کسی مسلمان کو محروم نہ کریں اور اس حوالے سے اللہ اور رسولؐ کی محبت کا تصور کر کے مسلمانوں پر وہ محبت کا سایہ عام کریں جو آنحضرت ﷺ سے مسلمانوں کو پہنچتا تھا۔ ان سے آپ براہ راست محبت نہ سہی لیکن رسول اللہ ﷺ سے تو عشق کا دعویٰ ہے۔ اگر آنحضورؐ سے محبت کا دعویٰ ہے تو آپؐ کے متعلق تو قرآن کریم میں لکھا ہوا ہے بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ یہ وہ رسول ہے جو مومنوں کے لئے رَءُوْفٌ ہے یعنی خدا کی صفت رَءُوْفٌ آپ کے متعلق بیان فرمائی گئی۔ غیر معمولی نرمی رکھنے والا اور پیار اور شفقت اور رأفت کا سلوک کرنے والا۔ رَّحِيْمٌ پھر اس کا رحم ختم ہی نہیں ہوتا۔ بار بار ان کے لئے رحم جلوہ گر ہوتا ہے اور بار بار ان کے لئے رحم جوش مارتا ہے۔ تو اگر آنحضرت ﷺ سے محبت ہے تو جس سے آپؐ کو محبت ہے اس سے بھی محبت ہونی چاہئے اور محبت ہو تو چغلی نہیں رہ سکتی، یہ ناممکن ہو جاتا ہے۔

اگر غیبت میں کوئی بات ہونی بھی ہے تو کچھ اور اعلیٰ مقاصد کی خاطر ہوگی مگر چغلی کی خاطر نہیں ہوگی جیسا کہ میں نے مثال دی ہے۔ آنحضرت ﷺ سے آپؐ کی زوجہ مطہرہ نے سوال کیا یا رسولؐ اللہ آپؐ چغلی فرما رہے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ میں نے جو کہا ہے وہ چغلی نہیں ہے۔ کیونکہ آپؐ اپنے دل کی اندرونی تہہ بہ تہہ حالتوں پر نظر رکھتے تھے، جانتے تھے کہ کہیں بھی پوشیدہ محرکات میں کوئی رخنہ نہیں ہے، کوئی نیت کی ایسی خرابی نہیں جس کا تعلق کسی سے نفرت سے ہو یا کسی پر تفاخر کرنے سے ہو بلکہ بعض مقاصد بعض دفعہ کسی کی غیبت میں بھی بعض باتیں کرنی پڑتی ہیں اور وہ بالکل اور مقصد ہے وہ کوئی مجلسی شرارت نہیں ہے۔ تو ان باتوں کو الگ رکھتے ہوئے میں بیان کر رہا ہوں کہ جس سے بھی آنحضرت ﷺ کو پیار تھا اگر آپ کو آنحضرت ﷺ سے پیار ہے تو آپ کو بھی ویسا پیار کرنے کی کوشش تو کرنی چاہئے اور اس حوالے سے سارے مسلمان آپ کے رؤوف اور رحیم بننے کے منتظر بیٹھے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں آپ ان سے رؤوف اور رحیم والا سلوک کریں کیونکہ آپ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آپ رؤوف اور رحیم کے عاشق ہیں۔ پس اس پہلو سے اگر آپ اپنے تعلقات کو خیر کے پہلو سے وسیع کریں گے تو آپ کی خیر سب مسلمانوں پر سایہ فگن ہو جائے گی اور اس سائے کے نیچے غیبت کا پودا پنپتا ہی نہیں ہے۔ بعض پودے ہیں جو بعض سایوں کے نیچے مر جاتے ہیں پس

غیبت کا پودا بھی رأفت اور رحمت کے سائے تلے پرورش نہیں پاسکتا۔ پس ایک یہ بھی طریق ہے۔

پھر اور وسیع کر دیں اور بنی نوع انسان تک اس کی وسعت دے دیں تو اس کے نتیجے میں رحمۃ للعالمین کا تصور ہے جو آپ کو بنی نوع انسان کے لئے محبت کی بات نہیں میں کر رہا، مصنوعی محبت کوئی چیز نہیں ہے۔ مصنوعی محبت ایک منافقانہ تصور ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے لیکن حقیقی محبت بنی نوع انسان سے پیدا ہونا یہ بہت گہرے، ایک قسم کے جہاد کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔ اب لفظ جہاد اور محبت میں بظاہر کوئی جوڑ نہیں لیکن میں آپ کو حقیقت بتا رہا ہوں کہ آنحضرت ﷺ کو جو طبعی پیار بنی نوع انسان سے تھا چونکہ وہ اللہ کی محبت سے براہ راست پھوٹ رہا تھا اس لئے اس میں کسی جہاد کی ضرورت نہیں تھی لیکن عام انسان جو ان باتوں سے دور ہوا سے اس لئے جہاد کی ضرورت رہتی ہے کہ اسے محسوس ہوگا کہ میری ابتدائی بنیادی محبت میں رخنہ ہے اور اللہ تعالیٰ سے محبت کے سچے تعلق استوار کرنا اور آنحضرت ﷺ سے وہ سچا محبت کا تعلق رکھنا جو از خود دوسری محبتوں پر اثر انداز ہو جائے اور اس کا فیض عام ہو جائے یہاں تک کہ تمام بنی نوع انسان پہ پھیل جائے یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ اس کے لئے اپنی محبت پر نظر رکھتے ہوئے، اس کی خامیوں پر نگاہ کرتے ہوئے، انہیں دور کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اعلیٰ درجے کا مزاج اور ذوق پیدا کرنے کی ضرورت ہے اور اعلیٰ درجے کے مزاج اور ذوق کے بغیر نہ اللہ سے محبت ہو سکتی ہے نہ اللہ کے رسول ﷺ سے محبت ہو سکتی ہے۔

اگر ذوق بگڑے ہوں تو محبوب بھی بگڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ ایک قدرتی بات ہے جسے نظر انداز کر کے بسا اوقات آپ اپنے اندرونی مسائل کا حل بھی تلاش نہیں کر سکتے۔ سوچتے ہیں کہ میں اللہ سے بڑی محبت کی کوشش کرتا ہوں، دعائیں بھی کرتا ہوں، مزہ ہی نہیں آتا۔ نہ نمازوں میں، نہ نیکیوں میں اور میری کیوں نہیں سنی جاتیں۔ ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ آپ کا ذوق بگڑا ہوا ہو اور ذوق بگڑنے کے نتیجے میں آپ کا ذہن ہمیشہ بعض دنیا کی ایسی لذتوں میں مگن رہے جو آپ کو طبعاً اچھی دکھائی دیتی ہیں اور خدا کی محبت کا یا نیکی کا ذوق نہیں پیدا ہوا۔ جب یہ ذوق ٹھیک نہیں ہوگا تو محبت فرضی رہے گی۔ دعوے کی حد تک رہتی ہے طبعی قوت کے طور پر دل سے پھوٹتی نہیں ہے اور اس کے بغیر آپ کی اصلاح ممکن نہیں اور غیبت کا مسئلہ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے اتنا آسان نہیں جتنا لوگ سمجھتے ہیں۔ جب تک آپ کا ذوق درست نہیں ہوتا اور خدا کی وہ محبت دل میں پیدا نہیں ہوتی اور وہ نظر آپ

کو عطا نہیں ہوتی جس نظر سے خدا اپنے بندوں کو دیکھتا ہے اس وقت تک آپ کو پتا ہی نہیں لگے گا کہ آپ غیبت کرتے ہیں اور اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھا رہے ہیں اور اس سے کراہت کا نہ ہونا آپ کے بگڑے ہوئے ذوق کی نشانی ہے۔

پس اتنی کھلی کھلی ایک نشانی ہمارے ہاتھ میں تھما دی گئی ہے کہ اس کسوٹی پر اپنی اندرونی حالتوں کا جائزہ لینا ایک فرضی بات نہیں رہی بلکہ ایک یقینی حقیقت بن چکا ہے۔ پس جس جس حد تک ہم اس کسوٹی کے ظاہر کردہ نتیجے کی رو سے ناکام ہو رہے ہیں اس حد تک ہمیں اپنی فکر کرنی چاہئے۔ یہ کسوٹی گویا کہ جھوٹ نہیں بولتی۔ پس اپنے ذوق درست کریں تو پھر آپ کو خدا سے محبت ہوگی اپنے ذوق درست کریں پھر آپ کو رسول ﷺ سے محبت ہوگی۔ اپنے ذوق درست کریں تب گناہوں سے دوری ہوسکتی ہے اور نیکیوں سے پیار ہوسکتا ہے ورنہ نہیں ہوسکتا۔

پس غیبت کے حوالے سے میں اگلا آپ سے تقاضا یہ کرتا ہوں کہ اپنے دل کا یہ جائزہ لیں کہ آپ کو غیبت میں کتنا مزہ آ رہا ہے۔ اگر ایک دم یہ نہیں چھٹتی منہ سے تو رفتہ رفتہ آپ جائزہ لیں تو آپ کے دل میں اس کا شوق و ذوق کم ہوتا چلا جا رہا ہے کہ نہیں۔ اگر کم ہو رہا ہے تو شکر ہے آپ بچ رہے ہیں۔ آپ روبصحت ہیں۔ اگر زور لگا کر نصیحت سن کر آپ کہتے ہیں اب میں نے غیبت نہیں کرنی اور پھر کرتے ہیں اور مزہ اتنا ہی ہے تو اس کا مطلب ہے آپ کی اصلاح کوئی نہیں ہوئی۔ زبردستی تعلق کاٹنے کی کوشش کی گئی ہے اور جو طبعی رجحانات ہیں ان کے رستے زبردستی بند نہیں ہوا کرتے کچھ دیر تک ہوں گے پھر وہ کھل جاتے ہیں اور پہلے سے بڑھ کر بعض دفعہ وہ بدیوں کا سیلاب پھوٹ پڑتا ہے اس لئے غیبت کے معاملے کو اہمیت دیں اور اس گہرائی سے دیکھیں جس طرح میں نے آپ کے سامنے اس کو کھول کر بیان کرنے کی کوشش کی ہے اور یقین کریں کہ اگر ہم بحیثیت جماعت غیبت سے مبرا ہو جائیں تو ہمارا نظام بھی محفوظ ہو جائے گا۔ ہمارے معاشرتی تعلقات بھی محفوظ ہو جائیں گے۔ ہمارے اندر جتنی رخنہ پیدا کرنے والی باتیں ہیں وہ اگر سب دور نہیں ہوتیں تو ان میں غیر معمولی کمی پیدا ہو جائے گی۔ اور وہ بدنتائج جو روزانہ شادیوں کی ناکامی کی صورت میں ہمیں دکھائی دیتے ہیں ان پر بھی غیر معمولی مثبت اثر ظاہر ہوگا۔

اب آپ گھروں کا تصور کریں۔ ہر گھر میں میں جا تو نہیں سکتا میری سوچ جاسکتی ہے اور

میں سمجھ لیتا ہوں کس مزاج کے لوگ کیسی باتیں کرتے ہوں گے۔ کہیں بھابی کے خلاف نندیں اکٹھی ہوئی ہیں اور الگ مجلس لگی ہے ساس کے ساتھ اور اس میں بھائی کو بھی اگر وہ بے غیرت ہو اور اپنی بیوی کے حقوق ادا کرنے نہ جانتا ہو اس کو بھی شامل کرلیا جاتا ہے اور خوب اس پہ مذاق اڑائے جاتے ہیں۔ یہ بھونڈی حرکت اس نے وہاں کی اس نے وہاں وہ حرکت کی اور سمجھتے ہیں کہ اب اس کو سمجھ آئے گی کہ ہم کون ہیں اور یہ کون ہے۔ اب یہ سارا ظلم ہی ظلم ہے، فساد ہی فساد ہے اور غیبت بھی ہے اور اس میں اور بھی کئی قسم کے بہیمانہ مظالم شامل ہو جاتے ہیں۔ اگر کسی بہو بے چاری سے غلطی ہو بھی گئی اور تمہیں اس سے وہ سچی محبت بھی ہے جو رسول اللہ ﷺ کے تعلق کے نتیجے میں ہونی چاہئے تو تم اس کا آئینہ بنو گے۔ علیحدگی میں پیار سے اسے سمجھاؤ گے اور اس کی تکلیف خود محسوس کرو گے۔ ہنسی اور تکلیف اکٹھے نہیں ہوا کرتے۔ اگر شرمندگی ہے تو بعض دفعہ غصے میں تبدیل ہو جاتی ہے مگر باتوں کے چسکے میں تبدیل نہیں ہوا کرتی۔ یہ تو یوں معلوم ہوتا ہے جیسے تلاش تھی کہ اس سے کوئی غلطی ہو پھر ہم ایکا کریں اور پھر ہم اس پر ہنسیں اور اس کا مذاق اڑائیں اور اس کے خاوند کو ذلیل کریں اور وہ پھر غصے میں آ کر اس کے بال نوچے اس پر زیادتی کرے پھر ہمارے دل کو ٹھنڈ پڑے۔ سفر کا آغاز ہی نفرتوں سے ہے، سفر کا آغاز ہی مکروہ اور ذلیل سفر کا آغاز ہے ایک بہیمانہ حملے کی نیت سے سارا سفر شروع ہوا اور ساری کارروائیاں ہوئیں اور پھر یہ سمجھتے ہیں ہم جیت گئے۔ ہم نے اس ایک لڑکی کو مغلوب کر دیا اور اس کے خاوند کو اپنے لئے چھین لیا حالانکہ سارا نہایت ہی مکروہ گناہ ہے۔ اگر محبت ہو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے تو یہ آواز کانوں میں گونجے کہ

اَلْمُومِنُ مِرْأَةُ الْمُومِنِ کہ مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہے۔ (ابوداؤد کتاب الادب حدیث 4273)

تو میں نے پہلے بھی بتایا آئینہ تو شور نہیں ڈالتا آئینہ تو جس کی بدصورتی دیکھے دوسرے آدمی کو یہ نہیں کہتا کہ یہ بدصورت شخص تھا جو مجھے دیکھ کے گیا ہے۔ میرے اندر اپنا منہ دیکھ کے گیا ہے۔ مگر جب بھی کوئی آئینہ دیکھے اس کو ضرور بتاتا ہے مگر ادب اور خاموشی کے ساتھ یہاں تک کہ آئینے پر غصہ نہیں آتا۔ تو بہت سی اس کی پر حکمت باتیں ہیں جن کے متعلق میں ایک دفعہ ایک خطبے میں بیان کر چکا ہوں۔ ان کی طرف اشارہ کرتا ہوں انہیں دہراؤں گا نہیں کہ اگر رسول اکرم ﷺ سے سچی محبت ہو تو یہ آواز کانوں میں گونجے گی اور آپ آئینہ بننے کی کوشش کریں گے اور اس بے چاری کو علیحدگی میں سمجھائیں گے کہ تم نے وہ بات کی تھی اس پر ہمیں بھی شرمندگی ہوئی اور تمہارا مقام بھی دنیا کی نظر میں

گرا ہے تو یہ مناسب نہیں تھا۔ تو اگر سچی ہمدردی کے ساتھ، سچے دل کی ہمدردی سے بات کی جائے تو فائدہ ہوتا ہے اور معاشرہ سنورتا ہے لیکن ضروری نہیں کہ ہمیشہ رخ بھابیوں کی طرف ہی ہو اور بہوؤں کی طرف ہو۔ بعض بہوؤں کا رخ خاوند کی بہنوں اور اس کی ماں کی طرف بھی رہتا ہے۔ وہ جرم جوان کے خلاف ہوتے ہیں بعض دفعہ وہ دوسروں کے خلاف بھی کرتی ہیں اور ان کو شوق ہوتا ہے کہ اپنے خاوند کو سب سے کاٹ کر الگ کر دیں اور پھر ان کو چین ملتا ہے جب وہ اپنے ماں باپ سے تعلق توڑ لے، اپنی بہنوں بھائیوں سے تعلق توڑ لے اور اس کے ماں باپ اور اس کے بہن بھائیوں کا ہو کر رہ جائے۔ اور یہ ایک ایسا واقعہ نہیں جو کبھی کبھی ہوتا ہو یہ روزمرہ دیکھنے میں آتا ہے حالانکہ قرآن کریم نے جب شادی کا مضمون بیان فرمایا تو اس طرح بیان فرمایا کہ دونوں کے ماں باپ ایک ہو چکے ہیں۔ رحموں کے تعلق کا ذکر فرمایا جو دونوں طرف برابر ہے۔ پس اس پہلو سے ہمیں معاشرے کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہئے اور یہاں بھی غیبت بہت بداثر دکھاتی ہے، خواہ بہو کی غیبت اس کی نندیں اور اس کی ساس کر رہی ہوں یا خاوند سے ان کی غیبت ہو رہی ہو اور بار بار یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی جائے کہ میں تو مظلوم ہوں یہ مجھ سے اس طرح سلوک کرتے ہیں، اس طرح مجھ پر ہنستے ہیں اور یہ مجھ سے حرکت کی گئی ہے اور علیحدگی میں اس رنگ میں کریں کہ جس کی اصلاح کرنی چاہئے اس کو تو پتا ہی نہیں اور جس کی شکایت کی جارہی ہے اس کے دل میں نفرت پیدا ہو رہی ہے اور اشتعال پیدا ہو رہا ہے تو یہ پھر کوئی مبارک کوشش نہیں ہے اس سے تو معاشرہ برباد ہو جاتا ہے۔

تو اسی مضمون کو یعنی غیبت سے بچنے کے مضمون کو اگر اللہ اور اس کے رسولؐ سے تعلق کے حوالے سے دیکھیں تو یہ کام آسان ہو جائے گا۔ بعض دفعہ یہ دونوں قسم کے لوگ دینی لحاظ سے اتنے گئے گزرے نہیں ہوتے یعنی ان کے ہاں ایسی Compartments بن جاتی ہیں کہ بیماری ایک طرف چار دیواری میں بند پڑی ہے اور باقی چار دیواری صحت مند ہے۔ بعض دفعہ Confine ہو جاتی ہے بیماری کسی ایک عضو میں۔ تو یہ مطلب نہیں کہ سارا جسم ہی یقیناً کلیۃً گندا اور صحت سے عاری ہو چکا ہے۔ ایسے لوگوں میں نیکی بھی پائی جاتی ہے، عبادتیں بھی پائی جاتی ہیں، دعاؤں کے خط بھی لکھتے ہیں اللہ سے ہمیں محبت پیدا ہو، رسولؐ سے محبت پیدا ہو، دین کی خاطر زیادہ قربانیاں کرنے والے ہوں اور بعض بیویاں اپنے خاوندوں کے متعلق بھی لکھتی ہیں کہ یہ برائی تو ہے لیکن ویسے بڑا نیک ہے، نمازی

ہے، دیندار ہے، نظام جماعت کا بڑا احترام کرتا ہے تو آپ اس کو کہیں گے تو مان جائے گا۔تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر بیماری ضروری نہیں کہ سارے نظام جسم پر قبضہ کر چکی ہو بعض حصوں میں رہتی ہے بعض میں نہیں رہتی۔ان کے لئے صحت کا زیادہ امکان ہے جن کا کینسر بعض چھوٹے اعضاء تک محدود ہے اس کے بیج باقی جسم پر پھیلتے نہیں ہیں اور باقی جسم کو اگر بیدار کیا جائے تو وہ اس کا مقابلہ کر سکتا ہے تو اللہ اور رسولؐ کی محبت جسم کے دوسرے گوشوں میں پائی جاتی ہے تو جو بیمار حصہ ہے اس کے حوالے سے ٹھیک ہو سکتا ہے۔ آپ سوچیں کبھی جو حرکتیں کر چکے ہیں یا کرنے کو دل چاہتا ہے کہ کیا رسول اللہ ﷺ اس کو پسند فرماتے۔کیا آپ کے نزدیک جو آنحضرت ﷺ نے خدا کا مزاج سمجھا اور اس کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالا اللہ اس بات کو پسند فرماتا ہے اگر نہیں تو پھر یہ دعائیں کرتے ہو خدا کی محبت کی وہ کس کھاتے میں جائیں گی۔

باتیں وہ جن کے متعلق غور کرنے کے بعد پتا چلا کہ خدا کو بھی ان سے نفرت ہے، خدا کے رسولؐ کو بھی نفرت ہے اور دعائیں یہ کہ اے اللہ اپنی محبت عطا کر جس سے تو محبت کرتا ہے۔اس کی محبت عطا کر جو تجھ سے محبت کرتا ہے۔اس کی محبت عطا کر جو باتیں تیری محبت دل میں پیدا کرتی ہیں ان کی محبت عطا کر اپنی محبت کو اتنا بنا دے کہ جیسے پیاسے کو پانی کی محبت ہو جاتی ہے۔ یہ دعائیں ہیں اور وہ حرکتیں لاشعوری طور پر بغیر سوچے سمجھے بھی بعض دفعہ جاری رہتی ہیں جو خدا کی محبت کے منافی ہیں اس کو قطع کرنے والی ہیں۔اب جو میں کہتا ہوں قطع کرنے والی ہیں تو بعینہ یہی بات آنحضرت ﷺ نے فرمائی ہے جو تم قطع رحمی کرو گے تو اللہ سے قطع تعلق کر لو گے۔تو یہ ساری قطع رحمی کی مثالیں، میں آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں خواہ بہو خاوند کے تعلق سے باقیوں سے قطع رحمی کا معاملہ کرے، قطع رحمی پیدا کرنے کی کوشش کرے یا دوسرے رشتہ دار بہو کے تعلق میں قطع رحمی کا معاملہ کر رہے ہوں، دونوں صورتوں میں باقی نیکیاں اپنی جگہ پڑی رہ جائیں گی اور اللہ کی اور اللہ کے رسولؐ کی بات ضرور صادق آئے گی کہ ایسے لوگوں سے پھر اللہ اپنی رحمت کا تعلق کاٹ لیتا ہے۔ان گھروں میں فساد پیدا ہوتے ہیں، بد معاشرہ جنم لیتا ہے، بچے بد تمیز پیدا ہوتے ہیں، بد اخلاق پیدا ہوتے ہیں، ان کی بیٹیاں آگے پھر اسی قسم کے دکھ دوسروں کے گھروں میں اٹھاتی ہیں، فسادات کا ایک دروازہ کھل جاتا ہے بلکہ ٹوٹ جاتا ہے اس سیلاب کے نتیجہ میں جو سیلاب گھروں میں پیدا ہوتا ہے اور پھر یہ گلیوں میں سیلاب بہنے لگ جاتا ہے۔تو معاشرے کی اصلاح محض چند نصیحتوں سے نہیں ہو سکتی معاشرے کی اصلاح کے ہم

ذمہ دار بنائے گئے ہیں اوران امراض کو سمجھنا ہوگا ان کی کنہ سے واقفیت حاصل کرنی پڑے گی۔صحیح تشخیص نہیں کر سکتے تو کیسے ہم بیماروں کا علاج کرسکیں گے۔

اس لئے اس حوالے سے میں آپ کو بتا رہا ہوں کہ محض یہ کہہ دینا جی غیبت نہیں کرنی، غیبت نہیں کرنی یہ تقریر کر کے انسان الگ ہو جائے ہرگز کافی نہیں ہے۔ایسا سمجھا دیں اور آ کے گھروں میں ایسی باتیں کریں کہ دلوں کی تہہ تک غیبت کی حقیقت ایسے اترے کہ جو دلوں کو مغلوب نہ کرے بلکہ وہ دل اس کو مغلوب کرلیں یعنی ایسی لاتعلقی اس سے پیدا کرلیں کہ اس کے اندر اثر کرنے کا کوئی بھی مادہ باقی نہ رہے۔ایسی صورت میں بھی بعض چیزیں اترتی ہیں۔خون میں رہتی ہیں لیکن بے اثر ہو جاتی ہیں۔جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے شیطان کے حوالے سے فرمایا کہ ہر انسان کے خون میں دوڑ رہا ہے۔کسی نے کہا یا رسول اللہ! آپؐ کے خون میں بھی؟ آپؐ نے فرمایا ہاں مگر مسلمان ہوگیا ہے۔(مسلم کتاب الفضائل حدیث:4294) تو اندر جو فطرت میں احتمال موجود ہے اس کو جڑوں کی طرح اکھیڑ کر باہر نہیں پھینکا جا سکتا مگر اس کی ایسی اصلاح ممکن ہے کہ اس کا مزاج بدل جائے۔پس بدی کی آواز اگر ہمیشہ کے لئے خاموش کر دی جائے اور وہ آواز اٹھنا بند ہو جائے تو ایک گونگی بدی خون کے اندر رہے گی۔ایک اندھی بدی خون کے اندر رہے گی وہ کوئی بھی بداثر اپنا ظاہر نہیں کرسکتی۔ یعنی چاروں طرف سے اس کو دیواریں چن کر جس طرح زندہ دفنا دیا جاتا ہے اس طرح وہ دیواروں میں چن دی جائے گی۔پس غیبت کو بھی اس طرح اپنے دل میں اتاریں کہ آپ کے دل پر اثر انداز نہ ہو بلکہ آپ اس پر ایسا قابو پالیں کہ دیوار میں چن دیں پھر کبھی آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے اور روزمرہ کی زندگی میں جب بھی آپ کہیں ایسی بات کر رہے ہوں تو اپنے دل میں ٹٹولیں کہ کیوں کر رہا تھا یا کیوں کر رہی تھی اور مزہ آیا تھا کہ نہیں۔مزہ آیا تھا تو کیوں آیا تھا اگر آیا تھا تو ابھی تک آپ بھائی کا گوشت کھانا چھوڑ نہیں رہے نہ چھوڑ سکتے ہیں کیونکہ آپ کا ذوق ہی نہیں ٹھیک ہوا۔

پس اس کو تو میں سمجھتا ہوں جہاد کی صورت میں لینا چاہئے۔غیبت کا قلع قمع جماعت میں اگر ہو جائے تو بہت عظیم کامیابی ہو گی۔میں جب امریکہ دورے پر گیا۔اب دیکھیں کتنا Advance ملک ہے۔دنیا کے لحاظ سے اتنا ترقی یافتہ لیکن وہاں میں حیران رہ گیا دیکھ کر کہ بعض جماعتوں میں خوب غیبت چل رہی ہے۔ایسی کراہت پیدا ہوتی تھی سن کر کہ میں حیران ہوتا تھا کہ ان

مخلصین کو ہو کیا گیا ہے۔ بعض جماعتوں میں مرد بھی غیبت کر رہے ہیں عورتیں بھی غیبت کر رہی ہیں یوں لگتا ہے کہ گوشت خوروں کی ایسی جماعت ہے جسے صحت مند حلال گوشت میں مزہ نہیں ملتا جتنا مردہ گوشت میں ملتا ہے اور وہ بھی انسانی مردہ گوشت مل جائے تو اور کیا چاہئے۔ کیونکہ کہتے ہیں شیر کو جس کو انسان کا خون منہ کو لگ جائے اسے کوئی اور جانور پسند ہی نہیں رہتا تو اس پہلو سے بھی رسول اکرم ﷺ کی مثال بہت گہرائی رکھتی ہے۔ انسانی مردہ کھانے کی عادت پڑ گئی جس کو اس سے یہ عادت چھڑانا بڑا مشکل ہے اور اس گوشت میں مزہ ہی بڑا ہے۔ انسان کی غیبت میں جو مزہ ہے نا جن کا ذوق بگڑا ہوا اس ذوق کو بدلنا، وہ مزہ ان کے منہ سے چھیننا بڑا مشکل کام ہے تو وہاں یہ ہے۔ اب میں امریکہ کی بدنامی کے طور پر نہیں کر رہا۔ میں جانتا ہوں پاکستان میں بھی بہت سی جماعتوں میں ایسی باتیں پائی جاتی ہیں، جرمنی میں بھی پائی جاتی ہیں، انگلستان میں بھی پائی جاتی ہیں۔ مگر میں نے مثال دی تھی ایک تازہ سفر کی یادداشت کے طور پر اور وہ لوگ جو جانتے ہیں کہ میں کن کی باتیں کر رہا ہوں ان کو استغفار کرنا چاہئے اور اپنے اپنے دائرے میں یہ جہاد شروع کرنا چاہئے کہ غیبت نہیں کرنی۔

بعض دفعہ غیبت کی بجائے مجلس کی امانت کا حق نہ رکھا جائے تو وہ بھی غیبت بن جاتی ہے۔ ہم جب آپس میں ملتے ہیں ایک دوسرے کے ساتھ باتیں کرتے ہیں تو بعض دفعہ ایک شخص غیبت کی نیت سے نہیں بلکہ بعض حوالوں کی وجہ سے ایک شخص کا ذکر کر دیتا ہے جسے سب جانتے ہیں اس کی کوئی چھپی ہوئی بدی بیان نہیں کی جاتی جس کا ان کو علم نہ ہو بلکہ کسی گفتگو کے حوالے سے از خود یہ بات جاری ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص اس بات کو اٹھائے اور باہر بیان کر دے تو یہ امانت میں خیانت ہے کیونکہ مجالس کے متعلق آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ امانتیں ہیں اور ان کی بات بغیر اجازت کے بغیر حق کے باہر کرنا ایک گناہ ہے اور یہ بھی ایک ایسی چیز ہے جس کے متعلق بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ لیکن میں اصول بتا دیتا ہوں کہ کہاں امانت ہے اور کہاں ایک عوامی حق ہے کہ آپ یہ باتیں آگے پہنچائیں۔

جہاں ایک ایسی نصیحت ہے جس کا بنی نوع انسان کی بہتری سے تعلق ہے، بھلائی سے تعلق ہے۔ ایسی بات ہے جس کو سن کر ایمان تازہ ہوتا ہے تو یہ وہ امانت نہیں ہے جسے آپ پوچھے بغیر آگے بیان نہیں کر سکتے۔ اس کے متعلق آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شاہد ہے وہ غائب کو باتیں بیان کرے (مسلم کتاب القسامہ) کیونکہ اچھی باتیں ہیں اور ان کے نتیجے میں خیر پھیلتی ہے مگر اگر اس مجلس میں کسی

ایک شخص کا ذکر آیا ہے اور اس کو اگر دوسروں میں بیان کیا جائے تو اس شخص کے خلاف دلوں میں نفرت پھیلے گی تو اس کو دوسروں میں بیان کرنا ناجائز، اس تک بات پہنچانا بھی ناجائز۔ اور اگر کسی مقصد، مجبوری سے بات کرنی ہو تو لازم ہے کہ اس سے اجازت لی جائے جس نے ایک مجلس میں یہ بات کی تھی۔ اگر ہم پوری طرح اس اصول پر کاربند ہو جائیں تو غیبت کے سارے رستے بند ہو جاتے ہیں۔ مگر بعض لوگ اتنے بے احتیاط ہوتے ہیں کہ مجھ سے ملاقات میں جو امانت کے تقاضے ہیں وہ بھی پورے نہیں کرتے بلکہ ان میں بگاڑ پیدا کر دیتے ہیں۔

کئی لوگ جن کے جھگڑے ہیں خاوندوں کے بیویوں سے، بیویوں کے خاوندوں سے، خاندانوں کے آپس میں۔ وہ ملاقات کے وقت یہ بات چھیڑتے ہیں میں ان کو بار بار سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں کہ یہ ذاتی ملاقات کا وقت آپس میں محبت اور پیار کی کھلی کھلی باتیں کرنے کا وقت ہے، یہ جھگڑوں کا وقت نہیں ہے اس کے لئے الگ نظام مقرر ہے لیکن وہ باز ہی نہیں آتے۔ زبردستی اپنے دل کا غیظ ابال کر میرے دل میں داخل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کئی دفعہ میں نے دیکھا میں ان کو آخر کہتا ہوں کہ دیکھو جو تم نقشے کھینچ رہے ہو اگر یہ درست ہیں تو تم نے بڑی جہالت کی ہے جو وہاں جا کر گرے ہو۔ تم کہتے ہو اتنا ذلیل خاندان ہے، ایسا گیا گزرا ہے کہ جو باتیں تم بیان کر رہے ہو وہ تو اتنی کمینی ہیں کہ پھر تم نے اپنی بیٹی کو پھینکا کیوں وہاں۔ یا اپنے بیٹے کو اس گھر کے سپرد کیوں کیا۔ یہ ایک الزامی جواب ہوتا ہے۔ بعض لوگ اسے لے کر چلتے ہیں اور کہتے ہیں لو جی حضرت خلیفۃ المسیح نے فرما دیا ہے کہ بڑا کمینہ خاندان ہے، بڑے ذلیل لوگ ہیں۔ ان میں تم جا کر گرے کہاں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ ۔ پہلے وہ زبردستی مجھ پر ایک بات ٹھونستے ہیں پھر اس کا منطقی نتیجہ نکال کر، ان کے غلط انداز کو دکھانے کی خاطر یہ ایک تمثیلاً بات کرتا ہوں تو آگے پہنچا دیتے ہیں۔ اب یہ بتائیں یہ امانت کہاں رہی اور وہ جو خلیفہ وقت سے تعلق کے تقاضے ہیں ان کو کیسی ٹھوکر ماری گئی ہے یہاں اور جو بے تکلفی سے پیار کے خاندانی ماحول میں ان سے باتیں ہو رہی ہیں ان کو سمجھایا جا رہا ہے۔ نہیں سمجھتے تو انہی کی منطق کو اٹھا کر ان کے سامنے کھڑا کیا جا رہا ہے اس کو غلط رنگ دے کر اگر جماعت میں پھیلا دیں تو کتنے بدنتائج اس کے پیدا ہوں گے۔ بعض لوگ ان حوالوں کو لے کر قضاء تک جا پہنچے ہیں۔ چنانچہ مجھے ایک دفعہ صدر مجلس قضاء کا خط آیا کہ حضور کے حوالے سے یہ بات کہی جا رہی ہے۔ ثابت

ہوتا ہے کہ فلاں شخص اپنے جھگڑے میں لازماً غلط ہے۔ میں نے کہا جس نے کہا ہے وہ لازماً غلط ہے کیونکہ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی ہے اور قضاء کے اصول کے تابع، میں ہرگز کوئی فیصلہ قضا کے معاملے میں دے سکتا ہوں نہ دیتا ہوں کبھی۔ جس نے منزل بہ منزل ترقی کر کے آخر میرے سامنے اپیل کے طور پر پہنچنا ہے۔ جب میں آخری قاضی ہوں تو پہلی منزل پر اور پھر یک طرفہ فیصلہ دے کیسے سکتا ہوں؟ میں نے کہا آپ کو اتنی سی بھی سمجھ نہیں کہ یہ ناممکن ہے آپ کو رد کر دینا چاہئے اور اصول بنالیں اور سب ججوں کو ہدایت کر دیں کہ اگر میرا حوالہ دیا گیا قضائی معاملے میں تو یا وہ جھوٹ بول رہا ہے یا وہ سمجھا نہیں ہے اور خواہ وہ سمجھا نہ ہو خواہ جھوٹ بول رہا ہو ہر دو صورت میں ایسی باتوں کو قضا میں ایک دلیل کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا۔ پس یہ دیکھیں جہاں امانتوں میں خیانتیں ہوتی ہوں، جہاں غیبتوں پر جرأتیں ہوتی ہوں تو بات کہاں سے کہاں پہنچ جاتی ہے۔

پس میں امید رکھتا ہوں کہ جماعت باریک نظر سے ان باتوں کو سمجھے گی اور آئندہ اپنے کردار کی حفاظت کرے گی کیونکہ ہم سب دنیا پر شہید بنائے گئے ہیں۔ تمام دنیا کے کردار کی ہم نے حفاظت کرنی ہے اسے اعلیٰ قدروں تک پہنچانا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

بدظن، غیبت کرنے والا، چغل خور بدترین شخص ہے۔

حسد سے بچیں یہ نیکیوں کو کھا جاتا ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 25 نومبر 1994ء بمقام مسجد فضل لندن برطانیہ)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے فرمایا۔

گزشتہ جمعے میں میں نے قرآن کریم کی آیات اور احادیث کے حوالے سے غیبت کے مضمون پر خطاب کیا تھا لیکن وقت نہ ہونے کی وجہ سے پورا خطاب یا اس خطاب کے سلسلے میں جو مضمون میں نے پیش نظر رکھا تھا وہ مکمل نہ ہوسکا کچھ احادیث بہت اہم ہیں اس موضوع پر جو میں آپ کے سامنے پیش نہیں کر سکا تھا۔ تو آج وہیں سے بات شروع کروں گا جہاں گزشتہ خطبے پر بات ختم کی تھی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے فرمایا بدترین آدمی تم اسے پاؤ گے جو دومنہ رکھتا ہے۔ ان کے پاس آکر کچھ کہتا ہے اور دوسروں کے پاس جا کر کچھ کہتا ہے (یعنی بڑا منافق اور چغل خور ہے)۔ یہ جو یعنی بڑا منافق اور چغل خور ہے، یہ ترجمہ کرنے والے نے ترجمہ بیچ میں کیا ہے، اصل الفاظ میں نہیں ہے۔ اور جو تشریح سمجھی اس کے مطابق بیان کیا۔ اگرچہ ظاہراً یہی معنے ہیں لیکن ترجمے میں ویسے عموماً یہ احتیاط کرنی چاہئے تو اسی لئے مجھے شک گزرا تھا کہ یہ اصل الفاظ نہیں ہیں۔ جب میں نے اصل الفاظ پر نگاہ ڈالی تو واقعۃً وہاں یہ موجود نہیں تھے۔ حدیث کے الفاظ صرف اتنے ہیں کہ بدترین آدمی اسے پاؤ گے جو دومنہ رکھتا ہو۔ ان کے پاس آکر کچھ کہتا ہے دوسروں کے پاس جا کر کچھ کہتا ہے۔

جہاں تک یہ نتیجہ نکالنے کا تعلق ہے کہ اس سے چغل خور بھی مراد ہیں تو یہ بعید نہیں ہے کیونکہ چغل خور کے ساتھ یہ لعنت ضرور لگتی ہے اور اس کا ایک لازمی جزو بن جاتی ہے۔ ایک انسان ادھر کچھ بات کرتا ہے، ادھر کچھ بات کرتا ہے۔ جتنے بھی چغل خوری کے نتیجہ میں فساد پھیلتے ہیں اور قریبی قریبیوں سے لڑ پڑتے ہیں اور بعض دفعہ وہ فساد لمبے ہو کر رشتوں کے انقطاع پر جا پہنچتے ہیں۔ رشتے ٹوٹ جاتے ہیں، خونی رشتے بھی ایسے ٹوٹتے ہیں پھر ان کا جوڑنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ان پر آپ سب نے کبھی نہ کبھی نظر ڈالی ہوگی جو میں اپنی یادداشت سے یہ باتیں مستحضر کر رہا ہوں اپنے ذہن میں، ان دونوں باتوں کا بہت گہرا تعلق مجھے دکھائی دے رہا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ایک شخص یا خصوصاً چونکہ خواتین میں یہ بات زیادہ پائی جاتی ہے اس لیے خواتین سے معذرت کے ساتھ میں خاتون کی مثال آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

ایک خاتون نے کوئی بات کی وہ بات اس خاتون تک پہنچی جس کے متعلق بات ہوئی تھی اور ایسے رنگ میں پہنچی جس میں کچھ زیادہ تلخی پائی گئی، بجائے اس کے کہ بعینہٖ اس طرح پہنچتی اور بعض دفعہ یہ بھی ہوتا ہے کہ بعینہٖ اسی طرح پہنچا دی جاتی ہے مگر بات ایسی ہے جس کے نتیجہ میں لازماً ان دونوں کے تعلقات کا بگڑنا تھا۔ جب وہ سننے والی یہ بات سنتی ہے تو یہ پہلے عہد کر کے سنتی ہے کہ میں آگے کسی سے بات نہیں کروں گی۔ تو سب سے پہلے اس کے دو منہ ہو جاتے ہیں۔ یعنی وہ بات سنتی ہے اور پھر طیش میں آ کر بلا توقف دوسری خاتون پر حملہ آور ہوتی ہے۔ دھاوا بول دیتی ہے اس پر، اور اس کا سارا عہد کہ میں خاموش رہوں گی اور اپنے تک رکھوں گی وہ جھوٹا ثابت ہوتا ہے تو اس کے دو مونہہ بن گئے اور جو سنانے والی ہے اس کے پہلے ہی دو منہ ہو چکے ہوتے ہیں کیونکہ جب وہ مجلس میں بیٹھتی ہے تو امانت پہ بات ہو رہی تھی اور اگر واضح طور پر نہیں بھی کہا گیا تھا تو ایک عام دستور سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ جب ایک انسان کسی تیسرے شخص کے متعلق کسی سے بات کرتا ہے جو کچھ ناپسندیدہ پہلو رکھتی ہے تو اس یقین اور اعتماد پر کرتا ہے کہ یہ بات اسے آگے نہیں پہنچائے گا ورنہ اگر پہنچانی ہو تو وہ خود کیوں نہ پہنچا دیتے تو دو منہ سے بات شروع سے ہی چل رہی ہے ایک سننے والی کے دو منہ بن گئے اور پھر جب وہ واپس پہنچے گی لڑنے کے لئے تو پھر یہ دو مونہہ پھر آگے دو دو منہ بنتے چلے جائیں گے۔ وہ کہے گی جھوٹ بول رہی ہے میں نے یہ تو نہیں کہا تھا۔ میں نے تو یہ کہا تھا اور وہاں سے پھر ایک جھوٹ کا تیسرا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور بسا اوقات اگر اس نے کہا بھی تو پھر دوسرے معنے پہنانے کی کوشش کرتی ہے۔ بعض دفعہ دوسری کو جھوٹا

کر دیتی ہے پھر وہ آتی ہے لڑتی ہوئی، لعنتیں ڈالتی ہوئی کہ تم نے یہی کہا تھا وہ کہتی ہے یہ میں نے نہیں کہا تھا تو ایک منہ جب پھٹ کر دو منہ بنتا ہے تو پھر پھٹتا چلا جاتا ہے اس کا پھر ایک منہ بننا بہت ہی مشکل کام ہے اور ایسے فسادات میں سب سے زیادہ مشکل پڑتی ہے فیصلہ کرنے کی کیونکہ ہر گواہی پھٹی ہوئی ہے اور اگر وہ کچھ حصہ مان بھی جائے تو کہے گی میرا یہ مطلب تو نہیں تھا میرا تو یہ مطلب تھا۔

جس طرح سیاست دان آج کل کہہ دیتے ہیں ہر بیان پہ ان کے بھی دو منہ ہو جاتے ہیں بے چاروں کے۔ تو یہ دو مونہوں والی بات، ہے حضور اکرم ﷺ کی بہت گہری اور اس سے سوسائٹی کی بہت سی بیماریاں کھل کر واضح ہو جاتی ہیں اور اس کے نتیجہ میں ان کا علاج پھر ممکن ہے۔ تو اس کا تو علاج یہی ہے کہ ایسی باتوں سے گریز کیا جائے جن کے متعلق انسانی تجربہ ہے کہ ہمیشہ آگے پہنچتی ہیں اور بدل کر پہنچتی ہیں اور بگڑ کر پہنچتی ہیں۔ تو اول تو اگر کسی بھائی میں یا کسی بہن میں کوئی برائی دیکھی جائے تو خود بتانا چاہئے اس کو۔ یہ ایک منہ والی بات ہے اور خود بتائے اور اگر وہ اس سے ناراض ہے اس کے سننے کے نتیجہ میں ہوسکتا ہے کہ کہنے کا انداز بے ہودہ ہو مگر بالعموم اگر شریفانہ انداز میں ہمدردی سے بات کی جائے تو بگاڑ پیدا نہیں ہوتا تو اگر ہو جائے تو پھر اس کا قصور ہے جس نے بات سنی یا اس کا قصور ہے، جس نے بات کہی تو بظاہر نیک نیتی سے ہے لیکن دل میں زخم لگانے کی نیت ہے۔ پس آگے پھر یہ صورتحال ایسی ہے کہ اس کا باریک تجزیہ کرنا پڑتا ہے۔

بعض جا کر یہ کہتے ہیں کہ تم میں یہ بات ہے تم میں یہ بات ہے ہم نے تو سچ بولنا ہے، سچی بات کہنی ہے اور سچی بات کہنے کا بھی سلیقہ ہوتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے ہمیں سب سلیقے سکھا دیئے ہیں کوئی پہلو ہماری زندگی کا ایسا نہیں چھوڑا جس میں معاملے کو خوب واضح نہ فرمایا ہو اور کھل کر بیان نہ فرمایا ہو۔ ایسی باتیں جو دوسرے کے لئے تلخی کا موجب ہوں اگر سچی ہوں تو آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ تمہیں وہ سچی باتیں دوسروں تک پہنچانے کا کوئی حق نہیں ہے اگر جھوٹی باتیں ہوں تو وہ تو افتراء ہے۔ چغلی کا مضمون بھی سچی باتوں سے تعلق رکھتا ہے لیکن اس سچ میں جھوٹ بھی شامل ہو جاتا ہے۔ یہ الگ مسئلہ ہے۔ بات کرنے والے نے سچا عیب بیان کیا ہو اور اسی سچے عیب کو سن کر اس شخص تک بات پہنچا دی جائے جس کے متعلق وہ بات بیان ہوئی تھی تو کہنے والا بھی سچا ہے، دوسرا جو وسیلہ بنا وہ بھی سچا ہے لیکن حرکت معیوب اور جھوٹی اور گندی ہے۔ ایسی گندی حرکت ہے کہ

حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ گویا کسی کی طرف تیر پھینکا اس کے سینے کا نشانہ باندھا لیکن وہ اس کو لگا نہیں اس کے قدموں میں جا پڑا۔ تو ایک شخص نے سچائی کے نام پر وہ تیر اٹھایا اور اس کے سینے میں گھونپ دیا کہ نشانہ تو یہاں کا تھا اس تیر کو یہاں گرنے کا کیا حق تھا۔ تو وہ بھی قاتل ہے بلکہ زیادہ مکروہ قاتل ہے۔ پہلے نے تو شاید کسی غصے کی وجہ سے خواہ جائز تھی یا ناجائز تھی ایک طبعی جوش سے مجبور ہو کر یہ حرکت کی ہے اس ظالم نے تو بغیر کسی جواز کے یہ کہہ کر ایک معصوم شخص کی جان لی ہے چونکہ اس کے متعلق بات کی ہوئی تھی اس لئے میرا فرض ہے کہ میں اس کو پہنچاؤں۔

پس آنحضرت ﷺ نے ساری باتیں خوب کھول دی ہیں۔ سچ بہت اچھی بات ہے مگر کہاں بیان ہونا چاہئے۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ جو باتیں میں تم سے کہتا ہوں اور وہ ایسی باتیں ہیں جن کا سوسائٹی سے تعلق ہے وہ اچھی باتیں ہیں اور سوسائٹی کی امانت ہیں اس لئے تمہارا فرض ہے کہ وہ امانت آگے پہنچاؤ۔ اب یہ امانت کا ایک مفہوم ہے اور وہ یہ کہ آپ نے جو بات مجلس میں سنی ہے بغیر اس شخص کی اجازت کے جس نے وہ بات کہی ہو آگے نہیں پہنچانی۔ یہ ایک دوسرا مضمون ہے جو آنحضرت ﷺ نے امانت کے حوالے سے بیان فرمایا ہے۔

فرمایا ''المجالس بالامانة'' مجالس کے اندر ایک امانت کا مضمون داخل ہے خواہ کہا جائے یا نہ کہا جائے۔ وہ حدیث جس کی طرف میں اشارہ کر رہا ہوں وہ یہ ہے فرمایا:

عن جابر بن عبد اللهؓ عن النبی صلی الله علیه وسلم قال

اذاحدث الرجل حد یثاثم التفت فهی امانة. (ترمذی کتاب البر والصلۃ)

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص کوئی بات بیان کرتا ہے اور پھر اس کی توجہ ہٹ کر کسی اور طرف ہو جاتی ہے اور وہ بات وہیں ختم ہوئی تو اتنی بات جو پہلے کر چکا تھا جس کا اس نے نہ نتیجہ نکالا، نہ یہ بتایا کہ لوگوں کے لئے ہے یا صرف تم تک رہنی چاہئے وہ تمہارے پاس امانت پڑی ہوئی ہے اور جس کی امانت ہے اس سے پوچھے بغیر تم اس کو آگے بیان نہیں کر سکتے۔ تو یہ ایک عمومی اصول ہے اپنے متعلق۔ یہ فرمایا کہ میں جو بات کرتا ہوں تمہاری بھلائی کے لئے کرتا ہوں، تمہاری خیر کے لئے کرتا ہوں، اس لئے یہ قوم کی امانت بن جاتی ہے اور مجھ سے سنو **فلیبلغ الشاهد الغائب** وہ جو حاضر ہے وہ اس بات کو اٹھائے اور جو غائب ہے اس تک

پہنچائے۔ تو لفظ تو دونوں جگہ امانت استعمال ہوا ہے مگر ان میں مفہوم بدل جاتا ہے۔ عام طور پر جو روزمرہ کی مجلسوں میں ہونے والی باتیں ہیں وہ امانت ہی رہتی ہیں اور پوچھے بغیر آگے نہیں چلانی چاہئیں۔

بعض دفعہ میں نے دیکھا ہے ہمارے گھروں میں بھی جب کھانے وغیرہ پر بات ہو رہی ہے تو بعض وہاں موجود لوگ وہ آگے بات کر دیتے ہیں اور بعض دفعہ وہ باتیں بگڑی ہوئی شکل میں پاکستان سے ٹکرا کر گنبد کی آواز بن کر مجھ تک پہنچتی ہیں۔ میں حیران ہو کے سوچتا ہوں کہ میں نے یہ کب کہا تھا تو پتا چلا کہ کھانے کی بے تکلف گفتگو میں بعض ایسی باتیں کہیں جو مناسب نہیں تھیں کہ ان کا اظہار پبلک میں ہو کیونکہ بعض ایسے لوگ اس میں ملوث تھے جن کا جماعت سے تعلق نہیں اور ان کی باتیں ان سے پوچھے بغیر مجھے کوئی حق نہیں تھا کہ میں عوام الناس میں پہنچا دوں جس سے ہوسکتا ہے کہ وہ سُبکی محسوس کریں۔ اس قسم کی چیز تھی، کوئی برائی نہیں تھی، کوئی چغلی نہیں تھی، لیکن امانت تھی اور سننے والوں نے سنا اور آگے پہنچا دیا اور پہنچاتے وقت بگاڑ پیدا کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو باتیں سن کر یہ چسکا رکھتا ہے کہ میں آگے بیان کروں اس میں عموماً دومونہی پائی جاتی ہے اور یہ مزاج کا خاصہ ہے، فطرتاً ایسے شخص میں دومونہی پائی جاتی ہے تو وہ چونکہ چسکے کی خاطر بات بیان کرنا چاہتا ہے اس لئے اس میں مبالغہ آمیزی بھی کرتا ہے

بڑھا ملا دیتے ہیں کچھ زیب داستاں کے لئے

جو بات مجھ سے سنی ہے وہ شاید اتنی زیادہ چسکے والی نہ ہو تو انہوں نے کہا کیوں نہ تھوڑا سا اور اضافہ کر دوں۔ عجیب وغریب لطیفے بنے وہ کہ میں حیران رہ گیا۔ پاکستان سے اطلاع ملی کہ فلاں فلاں لوگ ربوہ میں یہ باتیں بیان کرتے پھر رہے ہیں کہ آپ کے فلاں کے ساتھ تعلقات قائم ہوئے، فلاں سے یہ آپس میں عہد و پیمان ہوئے حالانکہ کوئی دور کی بھی سچائی ان باتوں میں نہیں تھی یعنی ان عہد و پیمان میں جن کے ذکر ہو رہے تھے۔ مگر بنیاد سچی تھی کہ بنیادی طور پر ایک واقعہ ہوا تھا جس کو غلط طور پر پہنچایا گیا۔ تو لوگ جو خاموشی سے کرتے ہیں ان کی نیت میں ایک فتنہ اور خرابی ضرور ہوتی ہے ورنہ ایسے موقع پر پوچھ لینا چاہئے۔ جب آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ امانت تو پوچھنا چاہئے اور بعض دفعہ اس شخص تک بات پہنچاتے ہیں جس کے متعلق ذکر کیا ہے، ذکر سچا ہے میں اور رنگ میں اس کی اصلاح کی کوشش کا ارادہ رکھتا ہوں۔ میری نیت یہ ہوتی ہے کہ باقاعدہ نظام

جماعت کی معرفت اس سے پوچھوں گا اور ایک خاص ذہن میں طریق ہے اور ضمناً کوئی بات کرتا ہے تو اس کے جواب میں میں وہ بات کر دیتا ہوں۔تو جہاں بھی یہ بات ہوتی ہے وہ امانت بن جاتی ہے۔

تو چغلی میں بھی مختلف درجے ہیں۔بعض ادنیٰ درجے کی چغلیاں ہیں جن میں اتنی گھناؤنی نیت شامل نہیں ہوتی جتنی عموماً چغلی کے ساتھ وابستہ ہے بلکہ وہ بے احتیاطیاں ہیں جن کو آنحضرت ﷺ اپنے اعلیٰ مقام سے جب دیکھتے ہیں تو انہیں خیانت بیان فرماتے ہیں۔کہتے ہیں جن مسلمانوں کا مجھ سے واسطہ ہے، جو میرے تربیت یافتہ ہیں، ان سے میں جس اعلیٰ مقام کی توقع رکھتا ہوں ان سے یہ باتیں بھی خیانت بن جاتی ہیں۔کتنا بلند معیار ہے جو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ اپنی امت میں دیکھنا چاہتے ہیں تو یہاں تک فرمایا کہ التفات کرے دوسری طرف۔یہ عجیب بات ہے مگر بہت ہی گہری بات ہے کہ بعض دفعہ انسان کی نیت یہ ہوتی ہے کہ اس بات کو آگے مکمل کرے گا اور پھر یہ بھی بات کرے گا کہ یہ باتیں آگے کرنی ہیں یا نہیں کرنی۔اتنے میں کوئی اور آ گیا تو بات ختم ہوگئی تو ایسا شخص یاد رکھے کہ وہ آدھی بات اس کے پاس امانت رہتی ہے جب تک امانتدار امانت والے سے اجازت نہ لے لے اس وقت تک وہ آگے کسی سے بات کرنے کا حق نہیں رکھتا۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔یہ ایک لمبی حدیث ہے جس میں بہت سی نصائح فرمادی گئی ہیں اور یہ مسلم باب الظن و بخاری کتاب الادب سے لی گئی ہے۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا:

بدظنی سے بچو کیونکہ بدظنی سخت قسم کا جھوٹ ہے، ایک دوسرے کے عیب کی ٹوہ میں نہ رہو، اپنے بھائی کے خلاف تجسّس نہ کرو، اچھی چیز ہتھیانے کی حرص نہ کرو، حسد نہ کرو، دشمنی نہ رکھو، بے رخی نہ برتو، جس طرح اللہ نے حکم دیا ہے اللہ کے بندے اور بھائی بھائی بن کر رہو، مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور اس پر ظلم نہیں کرتا، اسے رسوا نہیں کرتا، اسے حقیر نہیں جانتا۔اپنے سینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا، تقویٰ یہاں ہے، تقویٰ یہاں ہے۔یعنی مقام تقویٰ دل ہے اب یہ بھی مترجم نے کہہ دیا ہے یعنی مقام تقویٰ دل ہے حالانکہ میں اس سے یہ سمجھتا ہوں تقویٰ کی اصل کسوٹی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں اور جو بھی آپؐ کے دل پر گزرتی ہے یا آپؐ کے اعمال میں بات جاری ہوتی ہے وہی تقویٰ کا معیار ہے اس کے سوا کوئی قابل قبول نہیں ہے اگر وہ اس سے متصادم ہو۔تو تقویٰ یہاں ہے، تقویٰ یہاں ہے ایک اپنی چھاتی کی طرف اشارہ ہے۔یہ کہنا پیش نظر نہیں تھا کہ

دل میں ہوتا ہے۔ کس کس کے دل میں ہوتا ہے کس کس میں نہیں ہوتا۔ ارب ہا دل ہیں جن میں تقویٰ نے جھانک کر بھی نہیں دیکھا ہوا۔ اس لئے یہ کہنا غلط ہے کہ تقویٰ یہاں ہے سے مراد تقویٰ دل میں ہے۔ مراد یہ ہے کہ میرے دل میں ہے اگر دل کا حوالہ ہے تو یہ مراد ہے کہ تقویٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کے دل میں ہے۔ آپ کا سینہ تقویٰ کے نور سے روشن ہے۔ اگر تم نے تقویٰ سیکھنا ہے تو آنحضور ﷺ سے سیکھو اور کوئی راہ نہیں ہے تقویٰ کی حقیقت کو سمجھنے کی۔ پس اس پہلو سے آپ نے یہ ساری باتیں جو بیان فرمائی ہیں وہ تقویٰ کا ملخص بیان فرمایا ہے۔

اب غور کر کے دیکھیں کن کن جگہوں پر ہم ٹھوکر کھاتے ہیں ان ان جگہوں پر بچنے کے سائن بورڈ لگا دیئے اور تقویٰ کا ایک معنی بچنا بھی مراد ہے کہ میں تمہیں بتاتا ہوں کہاں ٹھوکریں ہیں کہاں خطرناک موڑ ہیں کہاں گڑھے ہیں کہاں اور قسم کے خطرات تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ اس زندگی کے سفر میں بیان کردہ سائن بورڈز یا جو نشان لگا دئے گئے ہیں ان کو غور سے دیکھنا اور ان کے خلاف عمل نہ کرنا ورنہ خود نقصان اٹھاؤ گے۔

پھر فرمایا ایک انسان کے لئے یہی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے۔ ہر مسلمان کی تین چیزیں دوسرے مسلمان پر حرام ہیں۔ اس کا خون، اس کی آبرو، اس کا مال۔ اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں کی خوبصورتی کو نہیں دیکھتا اور نہ تمہارے اموال کو بلکہ اس کی نظر تمہارے دلوں پر ہے (مسلم کتاب القسامہ) اور ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، اپنے بھائی کے خلاف جاسوسی نہ کرو، دوسرے کے عیبوں کی ٹوہ میں نہ لگے رہو، ایک دوسرے کے سودے نہ بگاڑو، اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے اور بھائی بھائی بن کر رہو۔ (مسلم کتاب البر والصلہ حدیث:4650)

تو اس میں وہ تمام خطرات بیان فرما دیئے گئے جو عموماً معاشرے کا امن بگاڑنے پر منتج ہوتے ہیں، اس کا محرک بنتے ہیں، اس کی وجہ بن جاتے ہیں اور اتنا کھول کھول کر بیان فرما دیا گیا ہے کہ اگر ہم اپنے معاشرے میں یعنی احمدی معاشرے میں اس حدیث کی روشنی میں اپنے اعمال کی نگرانی شروع کریں تو سب سے پہلے یہ صدمہ پہنچے گا دیکھ کر کہ ابھی بہت کچھ سیکھنا اور بہت کچھ کرنا ہے۔ کیونکہ ان میں بہت سے ایسی باتیں ہیں جو عام طور پر اچھے نیک لوگوں میں بھی کسی نہ کسی حد تک اور کسی نہ کسی مرتبے تک پائی جاتی ہیں اور جب وہ جڑ موجود رہتی ہے تو جب وقت آتا ہے، جب موسم

بدلتا ہے تو اس جڑ سے پھر وہ فساد کا اور خبیث پودا نکلنا شروع ہو جاتا ہے۔ تو آنحضرت ﷺ نے یہ ساری جڑیں بیان فرما دی ہیں اور ضروری نہیں کہ یہ ہر وقت ہر ایک کو دکھائی دیں۔ ان میں سے ہر ایک چیز ایسی ہے جس میں یہ مادہ موجود ہے کہ وہ سر اٹھائے اور نہایت ہی خبیث درخت بن جائے جس کے پھل سے جنتیں جہنموں میں تبدیل ہو سکتی ہیں وہ شجرہ ممنوعہ ہے ہر ایک ان میں سے، جس کے بعد جنتوں کے امن اٹھ جایا کرتے ہیں تو ہم نے تو دنیا کے حالات تبدیل کرنے ہیں اور جنت اپنے معاشرے میں پیدا کئے بغیر کیسے کسی کو بلا سکتے ہیں۔ اس لئے بحثوں کے بھی کچھ وقت ہوتے ہیں۔ اختلافات کو دلیلوں سے حل کرنے کے بھی موسم ہوا کرتے ہیں لیکن آج کل کا جو دور ہے اس میں سب سے زیادہ وقت کا تقاضا یہی ہے کہ ہم اپنے اعمال سے ایک ایسا حسین معاشرہ دنیا کے سامنے پیش کریں کہ وہ دیکھیں اور انہیں محسوس ہو کہ جنت ہے تو یہاں ہے اور اس میں آئے بغیر انہیں تسکین نہ ہو، انہیں امن میسر نہ آئے۔

یہ وہ باتیں ہیں جو محض کوئی فرضی اوپر کے دائرے میں دوڑنے والی باتیں نہیں ہیں یہ وہ روزمرہ کی زندگی میں ہر گھر میں ہونے والی باتیں ہیں جن کے متعلق میں آپ سے گفتگو کر رہا ہوں۔ ایسی باتیں ہیں جن کا بڑے شہروں سے تعلق ہے نہ تعلیم یافتہ سوسائٹیوں سے تعلق ہے۔ ہر انسان کی ہر زندگی سے، خواہ وہ گلیوں میں پلنے والا بچہ ہو، خواہ وہ محلّوں میں پالا پوسا جانے والا لعل ہو، ہر ایک سے برابر کا تعلق ہے، ہر غریب سے غریب گھر سے بھی تعلق ہے، امیر سے امیر گھر سے بھی تعلق ہے۔ پس غور سے سن لیں کہ یہ وہ چیزیں ہیں جن سے ہمیں باز رہنا ہوگا باز آنا پڑے گا ورنہ نہ ہم جنت حاصل کر سکتے ہیں نہ دنیا کو جنت دینے کے دعویدار بن سکتے ہیں۔

فرمایا، بدظنی سے بچو کیونکہ بدظنی سخت قسم کا جھوٹ ہے اور بدظنی ایک ایسی چیز ہے جو بسا اوقات ہمارے معاشرے میں اتنی پائی جاتی ہے کہ بدظنی کے بعد پھر اور کہانیاں بنتی چلی جاتی ہیں اور انسان کہتا ہے کہ فلاں نے یہ کہا، یوں کیا ہوگا اور بعض دفعہ آدمی حیران رہ جاتا ہے ایک اس سلسلہ میں تحقیق میں نے کی۔ ایک شخص نے ایک ایسی بات کسی کے متعلق بیان کی جو میرے علم میں تھی کہ بالکل جھوٹ ہے اور جب میں نے جواب طلبی کی تو عجیب و غریب خط آیا کہ اس نے جو فلاں بات کی تھی اس سے میں نے یہ اندازہ لگایا کہ یوں کی ہوگی۔ اس کا اثر فلاں شخص پہ جو میں نے کہا تھا پڑا ہے وہ اس لئے لکھا تھا کہ اس شخص کا میں نے اندازہ لگایا کہ جب یہ بات ایسی کی ہے اور اس وجہ سے کی ہوگی تو جب یہ

دوسرے کو پہنچی ہوگی تو اس کا یہی ردعمل ہوا ہوگا۔اس لئے میں نے کوئی جھوٹ نہیں بولا۔اب دیکھیں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، یہ سارا بدترین جھوٹ ہے۔ بنا ہی استدلال کی جھوٹ پر ہے۔اول تمہیں کس طرح پتا لگا کہ اس نے کس نیت سے بات کی تھی۔ پھر یہ کیسے پتا چلا کہ دوسرا آدمی جس کے متعلق بات تھی اگر اس سے پہنچی بھی ہو تو وہ بھی اسی ٹیڑھی سوچ کے ساتھ سوچے گا جس سے تم نے سوچا اور وہی نتیجہ نکالے گا جو تم نے نکالا ہے اور پھر نہ یہ تحقیق کہ یہ اسے پہنچی بھی ہے کہ نہیں اور پھر ایک اور تیسری منزل بنالی کہ فلاں شخص کے متعلق میں نے سوچا کہ یہ اثر اس پر پڑا ہوگا اور خلاصہ یہ نکالا کہ یہ واقعہ ہوگیا۔ایسا بے ہودہ طریق ہے جو آنحضرت ﷺ کی کھلی نصائح کو ترک کرنے اور ان کو اہمیت نہ دینے کے نتیجے میں ہماری سوسائٹی میں رفتہ رفتہ پیدا ہو جاتا ہے اور یہ جو ظن ہے یہ میں بتا رہا ہوں ایسے لوگوں کا، جن کے متعلق توقع ہے کہ وہ عالم دین بھی ہیں اور معاشرے میں ایک بڑا مرتبہ اور مقام رکھتے ہیں وہ بھی اس قسم کی بے ہودہ باتوں میں ملوث ہو جاتے ہیں۔

پھر فرمایا ایک دوسرے کے عیب کی ٹوہ میں نہ رہو۔اب بہت سے جھگڑے ہمارے پاکستان سے آئے ہوئے بسنے والوں میں خصوصاً جرمنی میں جو پائے جاتے ہیں اس میں ایک بڑی وجہ دوسرے کے عیب کی ٹوہ میں لگے رہنا ہے۔ایسی بے ہودہ عادت اور اس کا اصل میں اگر مزید تجزیہ کریں تو اس کی ایک وجہ یہ بنتی ہے کہ ایک انسان جب دوسرے کو اپنے سے اچھا دیکھے اور خود اچھا بننے کی صلاحیت یا طاقت نہیں ہے کہ نیکی میں اس سے آگے بڑھ سکے تو اس کی ٹانگ کھینچ کے اپنے سے نیچا کرنے کی جو خواہش ہے وہ ہے جو ٹوہ لینے پر منتج ہوتی ہے کہ اچھا وہ ہمیں پتا ہے جیسا بنا پھرتا ہے، جیسے معاشرے میں عزت ہے چلو ہماری تو نہیں مگر ہم اس کی ایسی بات نکالیں گے کہ سارے معاشرے میں کہہ سکیں گے کہ یہ ہے وہ شخص، اصل حقیقت یہ ہے اور جو بدنیتی سے ٹوہ لگاتا ہے اس کی ٹوہ میں اور اس کے نتیجوں میں ظن لازماً شامل ہوتا ہے اور بدظن شامل ہوتا ہے جو ظن کی مکروہ شکل ہے اور پھر وہ تجسّس کر کے اس کے عیب اگر نکالتا بھی ہے تو اس کو خدا اور رسولؐ نے حق ہی نہیں دیا ہے اس کو دوسروں کے سامنے بیان کرے۔بغیر تجسس کے بھی آپ کے علم میں جو بات آتی ہے اسلامی معاشرے میں آپ کو کوئی حق خدا نے نہیں دیا کہ آپ بات کو اچھال کر عوام الناس میں پھیلائیں۔جو اولوالامر ہیں جن کے سپرد نظام کیا گیا ہے ان تک باتیں پہنچانا فرض ہے لیکن اتنی ہی باتیں جو سچی

ہوں لیکن عوام الناس میں ان باتوں کی تشہیر تو شروع ہی سے منع ہے بلکہ بعض صورتوں میں بڑی سخت سزا دی گئی ہے۔ ایک صورت میں تو اَسی کوڑے کی سزا ہے ایسے شخص کے لئے قطع نظر اس کے کہ یہ واقع ہوا ہو گا یا نہیں ہو گا۔ قرآن نے جو شرط لگائی ہے ان شرائط پر چونکہ وہ بیان کرنے والا پورا نہیں اترتا اس لئے اس نے ناحق تشہیر کی ہے ایک بات کی اس لئے اسے اسی کوڑے کی سزا مقرر فرما دی گئی ہے۔ چھوٹی موٹی باتوں میں جہاں سزا نہیں ہے وہاں تو لوگ بے دھڑک ایسی باتیں کرتے ہیں، ٹوہیں لگاتے، اندازے لگاتے، پھر چسکے لینے کے لئے سوسائٹی میں وہ باتیں پھیلاتے اور اس نتیجہ میں سارے معاشرے میں وہ زہر گھول دیتے ہیں۔

فرمایا اچھی چیز ہتھیانے کی بھی حرص نہ کرو اور دیکھیں ان دونوں باتوں کو اکٹھا جوڑ دیا ہے۔ تجسس اور اچھی چیز کو اور یہی وہ نفسیاتی نکتہ ہے جو میں نے آپ کے سامنے رکھا تھا کہ کسی کی اچھی چیز ہے جو اس کے پاس ہے، تمنا یہ ہے کہ وہ مجھے ملے خواہ عزت ہو یا کوئی اور دنیا کا مقام ہو یا کوئی مال و دولت وغیرہ قسم کی چیز ہو۔ کسی بھائی کو اچھا دیکھا جائے اور یہ تمنا ہو مجھے مل جائے میں اس سے لے لوں میری ہو جائے یہ ہے جو پھر کئی طرح سے اس سے انتقام لینے پر انسان کو آمادہ کرتی ہے اور ایک انتقام کا طریق یہ ہے اس کی برائیاں ڈھونڈو اور اسے معاشرے میں پھیلاؤ۔

فرمایا حسد نہ کرو۔ اچھی چیز دیکھ کر تمہارے دل میں حسد پیدا ہوتا ہے۔ ہر بات جو فطرت کے اندر موجود ہے اس کی دو صورتیں ہیں اور دونوں صورتیں آنحضور ﷺ نے بیان فرما دی ہیں۔ ایک صورت اس حدیث میں پیش ہو رہی ہے کہ ایک شخص کسی دوسرے شخص کو اچھا دیکھتا ہے۔ اگر اچھا دیکھتا ہے تو اس کے نتیجے میں اگر کوئی تکلیف ہو رہی ہے کسی قسم کی تو پھر جو کچھ بھی جذبات پیدا ہوئے ہیں وہ حسد ہیں۔ اگر خوشی ہو رہی ہے تو اسے رشک کہتے ہیں وہ حسد نہیں ہے۔ تو آنحضور ﷺ نے رشک سے منع نہیں فرمایا ہے اور حسد کی پہچان یہ ہے اور ایسی پہچان ہے جو کبھی آپ سے جھوٹ نہیں بولے گی۔ جب اپنے بھائی کو کسی اچھی حالت میں دیکھیں تو اپنے دل میں ٹٹول کر دیکھیں کہ آپ کو خوشی ہوئی ہے کہ غم پہنچا ہے۔ اگر معمولی سا بھی صدمہ ہوا ہو تو پھر آپ میں حسد پیدا ہونے کا احتمال موجود ہے، یہ خطرہ موجود ہے اور اگر خوشی ہے تو پھر آپ شوق سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے، اس خوشی سے فائدہ اٹھائیں اور وہ فائدہ یہ بیان فرمایا ہے فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ اور یہ رشک

کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے۔ فرمایا اگر کوئی اچھا لگتا ہے تو اس خوبی میں اس سے آگے نکلنے کی کوشش کرو یہ منع نہیں ہے، یہ رشک کی پیداوار ہے۔ حسد کی پیداوار یہ ہے کہ اس کی خوبی کو برائی میں تبدیل کرنے کی کوشش کرو۔ خواہ سچ ہو یا جھوٹ ہو اور مقصد دونوں صورتوں میں اوپر آنا ہے۔ اب موازنہ کر کے دیکھیں دونوں صورتوں میں آخری نتیجے کی نیت ایک ہی ہے کہ میں اوپر ہو جاؤں اس سے۔

فرمایا ایک طریقہ ایسا ہے جس سے تمہاری فطرت کی پیاس بجھے گی اور اچھے طریق پر بجھے گی اور وہ ہے اونچے بے شک ہو، اونچے ہونے سے منع نہیں فرمایا گیا۔ کہیں بھی انسانی فطرت کے طبعی جذبات کو غلط قرار نہیں دیا کیونکہ یہ خدا کی پیداوار ہے خدا نے پیدا کیا ہے ان چیزوں کو، ان کے برمحل استعمال کا نام اعلیٰ خلق ہے، ان کے برمحل استعمال کا نام نیکی ہے، تمنا تو ہے کہ میں اونچا ہوں بھائی سے لیکن اسی کی نیکی میں اس کو شکست دے کر اعلیٰ درجے کی نیکی حاصل کر کے بے شک آگے بڑھ جاؤ لیکن اس اچھائی کو برائی میں تبدیل کر کے یا ایسی برائی اس میں ڈھونڈ کر جو اس میں ہے ہی نہیں اور وہ بیان کر کے یا برائی ڈھونڈ کر جو اس میں ہے پھر اس کی تشہیر کر کے جو کام تم کرو گے وہ حسد کے نتیجے میں ہے اور قرآن اس کی اجازت نہیں دیتا۔

پھر فرمایا حسد نہ کرو، دشمنی نہ رکھو کیونکہ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے حسد پہلے بھی کھول کر بیان کر چکا ہوں۔ حسد بنیادی طور پر کسی دشمنی کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے اور یہ مزید پہچان ہے کہ ہمارے تعلقات کیسے ہیں۔ اگر کسی کی خوبی، اس کو خدا کی کوئی عطا کسی انسان کو تکلیف دیتی ہے تو اس کے نتیجہ میں حسد تو پیدا ہوگا مگر حسد پہچان ہے دشمنی کی، ایسا شخص اس کا بھائی نہیں ہے، بھائی کہلاتا بھی ہے تو بھائی والی محبت دل میں موجود نہیں بلکہ بنیادی طور پر اس سے کچھ عداوت ہے۔ تو فوراً فرمایا حسد نہ کرو، دشمنی نہ رکھو کیونکہ آنحضورﷺ سے بڑھ کر انسانی نفسیات کا ماہر نہ کبھی پیدا ہوا نہ کبھی ہوسکتا ہے۔ انسان ورطۂ حیرت میں ڈوب جاتا ہے جب آپؐ کی چھوٹی چھوٹی پاک نصیحتوں پر غور کرتا ہے کہ کیسے گہرے گہرے نفسیات کے نکات ان میں موجود ہیں۔

بے رخی نہ برتو، دشمنی تو اس سے ہے لیکن اس کے اظہار مختلف ہیں اور کچھ نہیں تو ایک اظہار یہ بھی فرمایا کہ انسان اس سے بے رخی برتنے لگ جاتا ہے اور بے رخی کمزور سے بھی برتی جاتی ہے اور اپنے سے بڑے سے بھی برتی جاتی ہے۔ یہ وہ نکتہ ہے جسے آنحضورﷺ سمجھا رہے ہیں اور اسے یوں سمجھنا چاہئے۔ اس سارے تعلق میں آپ کے کسی اچھے سے تعلقات کی

باتیں ہورہی ہیں اور اس کے نتیجہ میں جو آپ کے دل میں ردعمل پیدا ہورہے ہیں ان کے تذکرے ہیں۔اس پر بے رخی انسان کیسے برتتا ہے۔ہوتا یہ ہے کہ بسااوقات اچھا دیکھ کر دل ایسا کڑھتا ہے کہ اس سے انسان تعلق ہی توڑ لیتا ہے اور یہ بھی ایک تکبر کا اظہار ہے کہ ہمیں کوئی پرواہ نہیں اسکی، ہم اس کی طرف پیٹھ پھیر کے ادھر چلے جاتے ہیں اور خصوصاً پنجاب کے شریکوں میں جو روایتی طور پر ہمارے زمیندارہ خاندانوں اور آپس کے تعلقات میں پایا جاتا ہے یہ بہت ہی نمایاں چیز ہے۔ایک اپنی بڑائی اور رانا کا ایک یہ طریق ہے۔ہوگا وہ لکھ پتی، اپنے گھر ہوگا، ہمیں اس کی کوڑی کی بھی پرواہ نہیں، ہم اس کی دعوت پہ بھی نہیں جاتے، اس کو چھوٹا سمجھتے ہیں۔تو آنحضورﷺ دشمنی کے ایک طریق کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں بے رخی نہ برتو۔

جس طرح اس نے حکم دیا ہے اللہ کے بندے اور بھائی بھائی بن کے رہو۔مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے وہ اس پر ظلم نہیں کرتا اور ہوتا کیا ہے بھائی بھائی پہ ظلم کررہا ہے آج کل۔میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ باتیں چھوٹی چھوٹی سی ہیں بظاہر ہر ایک کو سمجھ آرہی ہیں۔کیوں نہ ہم ایسا کریں اچھی باتیں مگر کرتا کون ہے۔بہت کم ہیں جو ان باتوں کی اہمیت کو سمجھتے ہیں کم سے کم جب اپنی زندگی پر ان باتوں کا اطلاق ہوتا ہے تو ساری اچھی باتیں اس وقت دکھائی دینا بند ہوجاتی ہیں اور صرف بری باتیں دکھائی دینے لگتی ہیں۔چنانچہ فرمایا وہ اس پر ظلم نہیں کرتا حالانکہ بہت سے ایسے جھگڑے میرے پاس پہنچتے ہیں احمدیوں میں بھی کہ بھائی نے بھائی پہ ظلم کیا ہوا ہے۔جائیدادوں پہ قابض ہوگیا تو پھر چھوڑنے کا نام نہیں لیتا۔کسی اور رنگ میں فوقیت ہے تو اپنے بھائی کو اس میں شامل نہیں کرتا، اس کی تذلیل کرتا ہے، حقارت سے دیکھتا ہے اور اس کے نتیجے میں پھر بہت سے تعلقات بگڑتے ہیں، خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور جماعت میں ہمیں جو یکسوئی جو اتفاق چاہئے، جس کے بغیر ہم ترقی نہیں کر سکتے اس اتفاق سے ہم محروم رہ جاتے ہیں اور یہ جو جھگڑے ہیں یہ کسی ایک ملک سے وابستہ نہیں ہیں ہندوستان میں بھی ہیں، بنگلہ دیش میں بھی ہیں، دوسرے ممالک میں بھی پائے جاتے ہیں اور جہاں جہاں یہ پائے جاتے ہیں، افریقہ میں بھی پائے جاتے ہیں۔وہاں جماعت کی ترقی رک جاتی ہے تو ایک چھوٹی سی بات کا اتنا بڑا گندا نتیجہ نکلتا ہے کہ اس کے نتیجے میں ساری جماعت کا نقصان ہوتا ہے اور اس کے علاوہ ساری دنیا کا نقصان ہوتا ہے کیونکہ جن کو تبلیغ پہنچنی چاہئے تھی آپس کے اختلافات کی وجہ سے وہ آگے نہیں پہنچ رہی۔

میں نے ایک دفعہ ذکر کیا تھا ہمارے بعض اضلاع پاکستان میں ایسے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے آغاز میں بہت احمدیت نے ترقی کی ہے اور ایسی صلاحیتیں موجود تھیں کہ اگر اسی رخ پر چلتے رہتے تو آج پاکستان کے مسائل بالکل مختلف ہوتے اور جماعت کو جو خدا تعالیٰ نے اصلاح کی صلاحیت بخشی ہے اس کے نتیجے میں خدا تعالیٰ کے فضل سے پاکستان کی کایا پلٹ سکتی تھی لیکن اب دیکھیں مسائل کتنے بدل گئے ہیں کیونکہ جماعت کو انہوں نے تحقیر کی نظر سے دیکھ کر ان کی خوبیوں اور صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے سے انکار کر دیا ہے اور ہر دوسری بدی کو کھلی بانہوں سے سینے سے لگاتے ہیں۔ اس صورت میں کتنا بڑا نقصان قوم کو پہنچا ہے اور اگر آپ تجزیہ کر کے دیکھیں جیسا کہ میں نے کیا اور گاؤں گاؤں پہنچ کر میں نے حالات کا جائزہ لیا تو ہر جگہ یہ بات نظر آئی کہ جن دیہات میں، جن اضلاع میں آپس میں اختلافات پیدا ہو گئے ہیں، شریکوں کے پرانے تصور جاگ اٹھے ہیں، ایک دوسرے سے رقابتیں اٹھ کھڑی ہوئی ہیں، چوہدراہٹوں نے غلط رخ اختیار کر لئے ہیں وہاں جماعت کی ترقی بند اور تنزل شروع، اگلی نسلیں نہیں سنبھالی گئیں، اپنے بچے اپنے ہاتھوں سے دیکھتے دیکھتے نکلے اور غیروں کی گود میں جا بیٹھے، یہ کچھ نہیں کر سکے کیونکہ ان کی ساری مجالس کا جو زور تھا وہ ایک دوسرے کی برائی میں، ایک دوسرے کی دشمنی میں اور اس کے نتیجے میں پھر گندے اخلاق کی نسلیں پیدا ہوئی ہیں۔ ان میں کہاں یہ طاقت کہ معاشرے میں انقلاب برپا کر سکیں۔ جہاں اصلاح ہوئی وہاں اللہ کے فضل سے حیرت انگیز تبدیلیاں ہوئی ہیں۔

ہندوستان میں بھی یہی صورت تھی بعض جگہ ابھی بھی ہے۔ ایک جماعت چونکہ اب اصلاح پذیر ہو چکی ہے اس کا میں نام لے دیتا ہوں، کلکتے کی جماعت تھی سال ہا سال ان کے اوپر میں نے زور مارا کہ خدا کے لئے اپنے اختلافات ختم کرو، چھوٹے چھوٹے اختلافات، کمینے اختلافات لیکن خاندان، خاندانوں میں بٹے ہوئے، بھائی بہنوں سے جدا ہوئے ہوئے اور اس قدر وہ جماعت اپنے اثر کے لحاظ سے، اپنی صلاحیتوں کے لحاظ سے سکڑ گئی تھی، جیسے کینسر کا مریض ہو جائے اور وہ چیز سکڑنے لگتی ہے بعض دفعہ گردوں کا کینسر ہو جائے وہ سکڑنے لگتے ہیں، پٹھوں کا کینسر ہو وہ بھی سکڑنے لگتے ہیں۔ تو اپنے آپ پر اپنی بدی کے گرد لپٹ کر وہ چھوٹے ہونے لگ جاتے ہیں۔ پس اس طرح کی صورت حال وہاں موجود تھی مگر اتنی بڑھی ہوئی نہیں جیسے میں نے مثال دی ہے مگر بے برکتی تھی، کوئی

ترقی نہیں، کسی قسم کا فیض ان سے غیروں کو جاری نہیں ہورہا تھا۔ ان پر اللہ تعالیٰ کے فضل سے لمبے عرصے تک محنت کی توفیق ملی، جھگڑوں کا پھر خود فیصلہ کرنا پڑا آخر بلا کر، اور یہ اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کو سعادت بخشی کہ باوجود اس کے کہ پہلے کسی طرح بھی بعض فیصلے ماننے پر تیار نہیں ہوتے تھے جب ان کو یہ کہا گیا کہ آج کے بعد اس فیصلے کو مانو یا مجھ سے تعلق کاٹ لو تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے بعض ایسے معاملات میں بھی جہاں معلوم ہوتا تھا کہ اصلاح کی کوئی صورت ہی باقی نہیں رہی اس مقام پر پہنچ کر انہوں نے آگے قدم نہیں بڑھایا۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے اگر یہ بات ہے تو جو بھی فیصلہ ہے ہم آپ سے تعلق نہیں توڑیں گے اس فیصلے کو قبول کریں گے۔

اب اللہ نے ایسی برکت دی ہے کہ سارے ہندوستان میں تبلیغی کامیابی کے لحاظ سے کلکتہ اور اس کے ماحول جیسا اور کوئی مقام نہیں۔ حیرت انگیز انقلاب برپا ہو رہا ہے دشمن کوششیں کررہا ہے لیکن کچھ ان کی پیش نہیں جاتی اور وہ آسام تک نیپال تک اثر ڈال رہے ہیں اور خدا کے فضل کے ساتھ ان کی راہ کوئی روک نہیں سکتا اور ابھی وہ سارے بیدار نہیں ہوئے ہیں۔ میں جانتا ہوں ابھی ایک حصہ ہے مگر اتفاق کی برکت ضرور ہے جس سے سارے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ کچھ اور بھی رخنے ہونگے اللہ بہتر جانتا ہے مگر خدا کے فضل سے اگر ہیں تو اتنے سمٹ گئے ہیں اور سکڑ گئے ہیں کہ ان کا جماعت پر کوئی بد اثر نہیں ہے۔ اگر وہ بھی دلوں سے نکال پھینکیں اور جس طرح حضور اکرم ﷺ ہمیں بھائی بھائی بنانا چاہتے ہیں وہ پھر ایک دفعہ اور قوت کے ساتھ بھائی بھائی بنیں تو مجھے یقین ہے کہ سارے علاقے میں یہ عظیم روحانی انقلاب برپا ہو جائے گا۔ بڑے بڑے مولویوں کی دور دور سے توجہ ہے، وہ آتے ہیں، جلسے کرتے ہیں، سارا زور لگاتے ہیں کہ کسی طرح نئے ہونے والے احمدی اپنے موقف سے پھر جائیں اور احمدیت کو ترک کردیں یہاں تک کہ بڑی شدید جسمانی اذیتیں پہنچائی گئیں یہاں تک کہ موت کے کنارے تک پہنچ گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا استقلال بخشا، ایسا صبر عطا کیا ہے اور ایسی محبت جماعت سے پیدا ہوگئی ہے کہ وہ نہ ڈرانے سے باز آتے ہیں، نہ لالچ سے جماعت سے منہ پھیرتے ہیں اور بنیادی طور پر وہی چیز ہے اور کوئی انقلاب نہیں برپا ہوا صرف یہ کہ آپس میں جو اختلافات تھے وہ خدا کے نام پر اور خلافت سے تعلق کے نتیجے میں اختلافات پر اپنے دماغ کی راہ سے قائم رہتے ہوئے ان کو ترک کردیا۔ یہ قربانی ہے یعنی یہ ضد نہیں توڑی کہ ہم سچے ہیں اور وہ جھوٹا ہے لیکن یہ بات مان گئے جو

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا پیغام میں نے ان کو دیا کہ ”سچے ہو کر جھوٹے کی طرح تذلل کرو“ (کشتی نوح روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ:۱۲) میں یہ بحث نہیں کرتا کہ تم سچے ہو کہ وہ جھوٹے۔ تم اگر جھوٹے ہو، وہ جھوٹا ہے، تم سچے ہو تو مسیح موعودؑ نے سچوں کو فرمایا ہے جھوٹوں سے مخاطب ہی نہیں ہوئے۔

سچوں کو فرمایا ہے ”سچے ہو کر جھوٹوں کی طرح تذلل اختیار کرو“ اس سے بڑا اصلاح کا اور کوئی نسخہ ممکن نہیں۔ یہ اس امام کی فراست ہے جس نے خدا سے نور پایا ہے۔ کیسا عظیم حل ہے ورنہ اگر آپ بحثیں کرتے رہیں کہ ثابت کر دیں کہ فلاں جھوٹا اور فلاں سچا تو بعض ایسے جھگڑالو لوگ ہیں اور بعض نزاع ایسے پیچیدہ ہوتے ہیں کہ نہ سننے والے مانیں گے نہ آپ حقیقت میں آخری یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ فلاں سچا اور فلاں جھوٹا۔ حالات کے مطابق ایک سرسری اندازہ سا ہے اور بعض پیچیدہ حالات میں اندازے سے بڑھ کر اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ تو بعض لوگ شکوے کرتے ہیں کہ نہیں غلط فیصلہ ہو گیا، شریعت کے خلاف ہو گیا۔ ہم سچے ہیں فلاں جھوٹا ہے ان کے اوپر میں نے ہمیشہ یہ ترکیب استعمال کی ہے کہ اس بحث کو چھوڑ دو کہ آخر انسان کا فیصلہ ہے غلطی ہو سکتی ہے مگر تمہیں فیصلہ ماننا ہوگا۔ میں پھر جب یہ کہتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تم سے مخاطب ہیں کیونکہ تم اعلان کر رہے ہو کہ تم سچے ہو اگر تم اس دعوے میں سچے ہو تو حضرت مسیح موعودؑ تمہیں کہہ رہے ہیں کہ اے سچو! سچے ہو کر جھوٹوں کی طرح تذلل اختیار کرو۔ یہ وہ نسخہ ہے جو ضرور کارگر ثابت ہوتا ہے اگر ایسے شخص کے دل میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کوئی محبت کی رمق باقی رہ گئی ہو۔

حضرت رسول اللہ ﷺ دیکھو مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ بھائی بن کر رہو بھائی دوسرے پر ظلم نہیں کرتا مگر افسوس کہ ابھی تک ہمارے معاشرے میں بھائی کے بھائی پر ظلم کے واقعات سامنے آتے رہتے ہیں اسے رسوا نہیں کرتا جبکہ آج بھی بعض بھائی دوسرے بھائیوں کی رسوائی کے درپے ہوتے ہیں، کوشش کرتے ہیں کہ وہ رسوا ہو جائے۔ اسے حقیر نہیں جانتا اب حقیر نہیں جانتا جو ہے یہ بہت ہی اہم ہے۔ اگر ایک انسان اپنی حقیقت کو پہچان جائے تو وہ دوسرے کو حقیر جان ہی نہیں سکتا۔ یہ نہیں فرمایا کہ حقیر نہیں کہتا۔ حقیر نہ کہنا اور بات ہے، حقیر جاننا اور بات ہے۔ جاننے سے مراد یہ ہے کہ اپنے دل پہ جب وہ غور کر کے دیکھتا ہے تو وہ دوسرے کو حقیر جانتا ہی نہیں ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:

بدتر بنو ہر ایک سے اپنے خیال میں
شاید اسی سے دخل ہو دارالوصال میں (درثمین)

تم ہر ایک سے اپنے خیال میں بدتر بنو یہ نہیں کہ دوسروں کے خیال میں بدتر بنو۔ پھر دیکھو کہ شاید یہی نسخہ کام آجائے اور اللہ کے وصال کے گھر میں تمہارا اسی وجہ سے داخلہ ہو جائے۔ پس آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں ''وہ اسے حقیر نہیں جانتا'' کیونکہ جب وہ اپنے نفس پر غور کرتا ہے تو پھر اس کی آواز یہ ہے کہ تم حقیر ہو اور اگر تمہاری عزت ہے تو محض خدا کی پردہ پوشی کی وجہ سے ہے۔ اگر تمہیں کوئی مرتبہ اور مقام حاصل ہے تو محض اللہ کے احسان اور فضل کے نتیجہ میں ہے۔ جب ایک انسان اس حقیقت کو پا جاتا ہے تو اپنے بھائی کو اپنے سے کم درجہ دیکھتا ہے تو شرمندگی محسوس کرتا ہے حقیر نہیں سمجھتا اس کو اور یہ واقعہ ہے کہ اس کے نتیجہ میں لازماً شرمندگی ہوتی ہے شرمندگی اس بات کی کہ دیکھو یہ مجھ سے زیادہ محنت کرنے والا، مجھ سے زیادہ اخلاص رکھنے والا، مجھ سے زیادہ بعض باتوں میں، قربانیوں میں آگے بڑھا ہے لیکن میں اس سے بہتر حال میں ہوں تو ایسی صورت میں سوائے شرمندگی اور استغفار کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا لیکن حقیر جاننے کا کوئی تصور بھی اس میں پیدا نہیں ہوتا۔

تو جس گہرائی تک ڈوب کر یعنی نفسیات کی جس گہرائی میں ڈوب کر حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ ہماری تربیت پہ کوشش فرما رہے ہیں اس کا کچھ پاس کرو۔ غور کرو کون ہے جو ہمارے لئے اتنی محنت کر رہا ہے۔ وہ پاک وجود جو چودہ سو سال پہلے پیدا ہوا جس کی خاطر کائنات پیدا کی گئی۔ وہ ہم جیسے ذلیل لوگوں کے لئے اتنی محنت کرتا ہے راتوں کو جاگتا تھا، دعائیں کرتا تھا ایک ایک بیماری کو کھول کھول کر بیان کرتا تھا، ہر بیماری کی شفا کے طریق بتاتا تھا اور ان باتوں کو سن کر بعض صرف خیالی طور پر مزے لے کر کہ ہاں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آمنا و صدقنا ایک قدم آگے نہیں بڑھتے۔ محض نصیحت کی طاقت نہیں ہے۔ نصیحت کرنے والے کی اپنے سے محبت اور اپنے لئے قربانیوں کو دیکھو کہ تم میں جرأت ہی نہیں ہوسکتی کہ ان نصیحتوں کو نظر انداز کر دو۔

بعض لوگ یہ کہہ دیتے ہیں کہ ٹھیک ہے باتیں ہوں گی سچی یا نہیں ہم تو آپ کے منہ کو یہ بات کر رہے ہیں آپ کی خاطر یہ بات مان رہے ہیں اور ایسا کئی دفعہ ہوا ہے مجھ سے بھی ہو چکا ہے

حالانکہ میری کوئی حیثیت نہیں۔ایک قتل کے معاملے میں ایک خاندان میں بڑا اختلاف تھا۔میں جب وہاں گیا تو انہوں نے کہا کہ یہ تو کسی طرح مانتے نہیں جن کا قتل ہوا تھا ان کی والدہ بزرگ موجود تھیں اس سے میں نے جا کر کہا کہ میں آپ کے گھر آیا ہوں معاف کر دیں، ختم کر دیں جماعت کے مفاد کی خاطر۔اسی وقت انہوں نے معاف کر دیا کہ آپ کے منہ کو معاف کرتے ہیں۔ابھی میری ایک ملاقات ایک دوست سے ہوئی۔سیالکوٹ سے آئے ہوئے تھے وہاں بھی یہی صورت حال تھی ایک گاؤں میں بڑا سخت اختلاف اور جھگڑا اور قتل وغارت تک نوبت پہنچی ہوئی۔جس خاندان کا مقتول تھا میں جانتا تھا ان میں سعادت زیادہ ہے ان کو میں نے پیغام بھجوایا کہ آپ چھوڑ دیں اس بات کو۔ اسی وقت چھوڑ دیا۔ایک بچہ ان کا بھی ملاقات کے لئے مجھے ملنے آیا مجھے تعارف ہی یہ کرایا کہ میں وہی ہوں،اس خاندان کا ہوں جس نے آپ کی خاطر،آپ کے منہ سے بات سن کر اپنے حق کو چھوڑ دیا تھا تو لازماً اس کے لئے میرے دل میں محبت اور عزت پیدا ہوئی اور دل کی گہرائی سے جو ایسے موقع پر دعا نکلتی ہے وہ ضرور قبول ہوتی ہے مگر میں کیا اور میری دعاؤں کی کیا حیثیت،حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے منہ پر اگر کوئی نیکی اختیار کریں گے آپؐ کے احترام وعزت کے پیش نظر، یہ دیکھ کر کہ آپ کے لئے آپ نے کتنی محنت فرمائی دنیا کے کسی نبی نے اپنی قوم کے لیے کبھی اتنی محنت نہیں کی جتنی محمد رسول اللہ ﷺ نے آپ کے لئے کی ہے۔سوچیں اور پھر ادب سے جھک جائیں اور پگھلے ہوئے دل سے اطاعت کریں کیونکہ اطاعت کی راہ میں ہمیشہ دل کی انا اور دل کا جوش حائل ہوا کرتا ہے لیکن جو دل محبت میں پگھل جاتا ہے اس کی انا کیا رہی اور اس کا جوش کیسا۔وہ تو محمد رسول اللہؐ کے قدموں میں بہنے لگتا ہے اس سے انکار کیسے ممکن ہوسکتا ہے۔پس محض نصیحتوں کو ان کی غیر معمولی عقل اور فراست کی وجہ سے نہ، مانیں اس محبت پر نگاہ کریں،اس رحمت پر نگاہ کریں جو ان نصیحتوں کا منبع ہے یعنی رحمۃ للعالمین حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ اور پھر اگر آپ جھکیں گے تو ایک زائد بات آپ کی اطاعت میں ایسی پیدا ہو جائے گی جو آپ کو اللہ اور اس کے رسولؐ کا محبوب بنادے گی اور یہی محبت ہے جس کی خاطر انسان زندہ ہے۔یہی ہماری آخری تمنا ہے۔پس اس محبت کے لیے اب وہ راہیں آسان فرمادی گئی ہیں۔

پھر آنحضرت ﷺ اس کے بعد فرماتے ہیں ’’تقویٰ یہاں ہے۔تقویٰ یہاں ہے‘‘ یعنی

مقام تقویٰ محمد مصطفیٰؐ کا دل ہے ایک انسان کے لیے پھر فرمایا یہی برائی کافی ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے پہلے تحقیر سے منع فرمایا پھر دوبارہ ذکر فرمایا ایک مسلمان کے لیے یہی برائی کافی ہے اس کو ہلاک کرنے کے لیے کہ وہ اپنے بھائی کی تحقیر کرے۔ اب فرق صرف اتنا ہے کہ میں عربی میں اس کو دیکھ کر بتا تا ہوں کہ عربی میں یہ فرق موجود ہے کہ نہیں۔ ایک ہی جیسے الفاظ ہیں دونوں جگہ۔ اسے حقیر نہ سمجھو کا معنی بھی یہی لیا جا سکتا ہے اور تحقیر نہ کرو۔ تو دوسری جگہ بھی چونکہ وہی لفظ استعمال ہوئے ہیں اس لیے اسی مضمون میں ہیں دونوں باتیں، اس میں پائی جاتی ہیں۔ اپنے بھائی کو اپنے دل میں حقیر نہ سمجھو اور دوسرا اپنے بھائی سے حقارت کا سلوک نہ کرو۔ تو فرمایا کسی مسلمان کی ہلاکت کے لئے اس کا یہی جرم کافی ہے، یہی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے بھائی کو حقیر سمجھے اور اس سے تحقیر کا سلوک کرے۔

ہر مسلمان کی تین چیزیں دوسرے مسلمان پر حرام ہیں۔ اس کا خون، اس کی آبرو اور اس کا مال۔ خون تک تو نوبت کبھی کبھی پہنچتی ہے لیکن آبرو اور مال تک تو روزانہ نوبت آتی ہے اور کتنے ہیں جو آبرو پر ہاتھ ڈالنے سے رک جاتے ہیں۔ کتنے ہیں جو مال پر ناجائز تصرف سے رک جاتے ہیں اور یہی دو ایسی بدیاں ہیں جن سے پاک کئے بغیر جماعت احمدیہ کا معاشرہ دنیا پر غالب آنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا۔ اس لیے اگر برکت ہے تو ان چند نفوس کی برکت ہے جو ان باتوں میں خدا کے فضل کے ساتھ خوب پاک وصاف کئے گئے ہیں۔ مگر جس دور میں ہم داخل ہیں جس طرح خدا کے فضل ہم پر نازل ہو رہے ہیں میں آپ سے یہ توقع رکھتا ہوں کہ ان باتوں کو بار بار جگالی کی طرح سوچیں اور ان پر عمل کی کوشش کریں۔ ان کو کھنگالیں اور اپنے دلوں کو کھنگالیں اور محمد رسول اللہ ﷺ کے فیض اور پاک باتوں کی برکت سے اپنے دلوں کو پاک کریں، اپنی نیتوں کو صاف کریں اور ایسے معاشرے کو جنم دیں جو ان باتوں کی ایک زندہ مثال بن جائے جو آپ کے سامنے پیش کی جارہی ہیں اور پھر آپ دیکھیں گے کہ آپ نے کیا حاصل کیا اور کیا کھویا ہے تو آپ میں سے ہر ایک کا دل اس یقین سے بھر جائے گا کہ جہنم کھوئی ہے اور جنت حاصل کی ہے اس سے پہلے آپ جہنم کی زندگی بسر کر رہے تھے یہ جھوٹے چسکے تھے جو مزے تھے باتوں کے، غیبتوں کے، تحقیر کے، ان سب کے اندر ایک جہنم کی آگ پائی جاتی تھی جو آپ کے دل میں جلتی تھی وہیں سے بھڑکتی تھی۔ معاشرے کو جلانے کی صلاحیت رکھتی تھی جب وہ ابل ابل کے آپ کے منہ سے نکلتی تھی تو ایسے سانپوں کی طرح تھے جو کہانیوں میں پائے جاتے

ہیں اور بتاتے ہیں کہ وہ آگ اگلتے ہیں لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کی باتیں سننے کے بعد آپ کے دل کو تسکین ملے گی ٹھنڈ پڑے گی ہر قسم کی آگ سے آپ کا سینہ پاک ہو جائے گا ایسی حالت میں زندگی بسر کرنا ہی حقیقی جنت ہے اور آپ کے ماحول اور آپ کے معاشرے کو بھی آپ کی ذات سے امن نصیب ہوگا۔ یہ وہ معاشرہ ہے جس نے لازماً غالب آنا ہے کوئی دنیا کی طاقت اس کو روک نہیں سکتی کسی مولوی کا عناد، کسی حکومت کی دشمنی، کسی حکومت کی قانون سازی آپ کے خلاف کلیۃً بے اثر ہو جائے گی۔ اگر آپ حضرت محمد مصطفی ﷺ کے اخلاق سے آراستہ ہو کر گلیوں میں نکلیں گے پھر تو دنیا نے آپ کا عاشق ہونا ہی ہونا ہے کون ہے جو اس راہ میں حائل ہو سکے۔

فرمایا کہ ایک دوسرے پر حسد نہ کرو۔ یاد رکھو۔ فرمایا تمہاری صورتوں اور تمہارے اموال کو خدا دیکھ رہا ہے۔ تمہارے دلوں کو دیکھ رہا ہے۔ اس بات کو حل فرما دیا کہ جب تم کسی کے پاس زیادہ مال دیکھتے ہو یا اچھی صورت دیکھتے ہو، یا کچھ ایسی خوبیاں دیکھتے ہو جو تم میں نہیں ہیں تو غور کرو گے تو تمہارا کچھ بھی نقصان نہیں۔ آخری فیصلہ تو خدا کی نظر نے کرنا ہے کہ تم کون ہو اور کیسے ہو۔ تو جب یہ مقابلے میں داخل ہی نہیں ہیں چیزیں، مقابلے کے امتحان میں ان کا شمار ہی کوئی نہیں ہے تو تم کیوں بے وقوفوں کی طرح اپنی محرومی کا احساس رکھتے ہو اور اپنے آپ کو مصیبت میں مبتلا کیا ہوا ہے۔ اللہ نے دیکھنا ہے کہ اسی کی نظر ہے جو دائماً آپ کے حق میں فیصلہ کرے گی اور جس کی طرف آپ کی نظر لگی رہنی چاہئے۔ فرمایا جب اس کو پرواہ ہی کوئی نہیں کہ مال دار تم میں سے کون اور اچھی شکل والا کون ہے تو خواہ مخواہ دلوں میں ایک جہنم سہیڑ رکھی ہے، دلوں میں محرومی کی ایک آگ بھڑکا رکھی ہے۔ ہائے ہمارے پاس مال نہیں رہا، ہمارے پاس ایسی شکلیں نہیں ہیں، ایسی فضیلتیں نہیں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ ان کو دیکھتا ہی نہیں، جب دیکھ ہی نہیں رہا تو ان کو اکٹھا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اپنی دنیا کی تسکین کے لئے ٹھیک ہے کچھ کوشش ہو سکتی ہے جو فطرتاً جائز ہے لیکن ان جائز طریقوں پر جو خدا بیان فرماتا ہے اور اگر نہ بھی حاصل کر سکو تو یاد رکھو کہ اللہ کی دل پر نظر رہتی ہے اور جو دل کو دیکھنے والا ہے وہ دل میں پلنے والے تقویٰ پر نظر رکھتا ہے۔

پس سب سے بڑا مال دار، سب سے زیادہ خوبصورت، سب سے زیادہ حسین وہ ہے جس کے دل میں تقویٰ پلتا ہے اور یہ بات کہ خدا دیکھتا ہے یہ تو ظاہر دور کی بات دکھائی دیتی ہے کہ اس کے

دیکھنے کا ہمیں کیا پتا۔لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ جس کے دل میں تقویٰ پل رہا ہو اس کی ادائیں حسین ہو جاتی ہیں جو دولت تقویٰ کی دولت ہے اس کا کوئی اور مقابلہ نہیں اس لئے غریب متقی کی بھی معاشرے میں خدا تعالیٰ عزت قائم کرتا ہے اور ایک غریب متقی کو بھی لوگ زیادہ پیار اور محبت سے ملتے ہیں۔آنحضرت ﷺ سے زیادہ دنیا کے لحاظ سے اور کون غریب تھا جن کے گھر میں بعض دفعہ بیٹھنے کی بھی کوئی چیز نہیں ہوا کرتی تھی کھانے کے لئے کوئی چیز نہیں تھی۔کئی کئی دن بعض دفعہ کھانا بھی نہیں پکتا تھا،ایسی کھجور کی چٹائی جس پر لیٹنے سے سارے جسم پر نشان پڑ جایا کرتے تھے، مالی لحاظ سے تو یہی حیثیت تھی مگر کتنے کتنے بڑے مال دار تھے جو اپنے اموال پر لعنت ڈالتے ہوئے ان کو پیچھے پھینک کر محمد رسول اللہ ﷺ کی چوکھٹ پہ حاضر ہو گئے اور آپ ؐ کے تعلق میں جو غربت ان کو ملی وہ ان کی عزتوں کا نشان بن گئی اور پھر کیسے کیسے بادشاہ تھے جن کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ وہ محمدؐ کا نام لے کر عزت واحترام سے جھکتے ہوئے اپنے تختوں سے نیچے اتر آتے ہیں۔ایک غریب انسان کی عزت ہے اس لئے کہ آپ بالکل سچ فرماتے ہیں کہ تقویٰ یہاں ہے،تقویٰ یہاں ہے۔تو اللہ مال کو نہیں دیکھتا،اللہ تعالیٰ صورتوں کو نہیں دیکھتا،تقویٰ کو دیکھتا ہے مگر جب خدا دیکھتا ہے تو دنیا کی نظریں بھی اس کے لئے تبدیل کی جاتی ہیں اور دنیا کی محرومی کا احساس بھی مٹا دیا جاتا ہے۔وہ غربت کے باوجود معزز ہو جاتا ہے۔

پس آنحضرت ﷺ کی نصیحتوں کو عزت واحترام اور محبت کی نظر سے دیکھیں۔یہ وہ نصیحتیں ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کی خاطر دنیا کا بڑے سے بڑا بادشاہ اپنے تخت سے اتر کر اس کی ایک کوڑی کی بھی پرواہ چھوڑ دے اور محمد رسول اللہ ﷺ کی باتوں کے سامنے سر جھکا دے تو یہ اس کے لئے بھلائی ہوگی،اس کی کوئی قربانی نہیں ہے۔

اپنے بھائی کے خلاف جاسوسی نہ کرو، عیبوں کی ٹوہ میں نہ لگے رہو، ایک دوسرے کے سودے نہ بگاڑو، اللہ کے مخلص بندے اور بھائی بھائی بن کے رہو۔ان باتوں پر جن میں بعض کا خلاصہ ہے،تکرار ہے۔آنحضرت ﷺ نے اس نصیحت کو ختم فرمایا اور جہاں آپ نے نصیحت ختم فرمائی وہیں سے ہماری جنتوں کا آغاز، وہیں سے ہمارے تمام مصائب اور دردوں اور مصیبتوں کے حل کا سفر شروع ہوتا ہے،اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔آمین ثم آمین

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے خلق لے کر چلیں تو فتح آپؐ کے قدم چومے گی۔ تمام دنیا کی فتح کا راز آپؐ کے حسن خلق میں ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 2 دسمبر 1994ء بمقام مسجد فضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیت کریمہ تلاوت کی۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۴﴾ (الحجرات: 14)

فرمایا:۔

اسلامی معاشرہ کی جو تصویر قرآن کریم نے مختلف مقامات پر کھینچی ہے اور جس پر حضرت محمد مصطفی ﷺ نے واضح عمل کر کے دکھایا۔ اس میں جو سب سے نمایاں قابل ذکر بات ہے وہ یہ ہے کہ تمام قسم کے کینوں اور بغضوں کو اس سوسائٹی سے الگ کر کے پھینک دیا گیا اور ہر طرح سے ان کے نفوس کو گویا آسمان کے پاک پانی سے دھو کر صاف کر دیا گیا اور پھر اس کی جگہ وہ پاکیزہ پودے لگائے گئے جن کا نام تقویٰ ہے اور جب تک پہلے یہ صفائی نہ ہو اس وقت تک تقویٰ کا پودا دلوں کی سرزمین پر لگ ہی نہیں سکتا۔ یہی مضمون ہے جو قرآن کریم نے مختلف صورتوں میں بیان فرمایا، مختلف شکلوں میں ہمارے سامنے کھولا اور یہ جو ایک دوسرے پر فضیلت کے دعوے کرنا ہے، ایک دوسرے پر اپنی قومی برتری ثابت کرنا اور دوسرے کو حقیر دیکھنا ہے یہ بھی وہی رجحانات ہیں جو تقویٰ کی جڑوں کے

لئے زہریلے ثابت ہوتے ہیں اور اس ماحول میں تقویٰ پل نہیں سکتا۔

اس لئے قرآن کریم کی جو آیت میں نے آپ کے سامنے رکھی ہے اس میں بالآخر اس مضمون کی کھل کر وضاحت فرما دی گئی ہے۔ فرمایا! اے لوگو یقیناً ہم نے تمہیں ذَكَرٍ اور اُنْثٰی یعنی مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے۔ یہاں دیکھیں قرآن کی فصاحت و بلاغت ہے کہ مسلمانوں کو یا مومنوں کو مخاطب نہیں فرمایا بلکہ تمام بنی نوع انسان کو مخاطب فرمایا ہے کیونکہ دراصل اس آیت کا منطوق یہ ہے کہ اسلام صرف مسلمانوں میں بھائی چارہ پیدا کرنے کے لئے نہیں آیا بلکہ تمام بنی نوع انسان کو ایک ہاتھ پر اکٹھا کرنے کے لیے آیا ہے۔ اس لئے ان کی مشترک تاریخ، ان کے مشترک پس منظر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہارے ماں باپ سب کے مرد اور عورت ہی ہیں اور اس پہلو سے تمہارے درمیان کوئی تفریق نہیں ہے۔

وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ہم نے جو تمہیں قبیلوں اور گروہوں میں بانٹا ہے تو تمہارے دلوں میں تفریق پیدا کرنے کے لیے نہیں بلکہ ایک دوسرے کی شناخت کی خاطر۔ یہ شناخت کا جو مفہوم ہے یہ ناموں سے خوب کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ ہم جب نام رکھتے ہیں یہ فلاں ہے، یہ فلاں ہے، تو یہ مقصد تو نہیں ہوتا کہ ایک دوسرے پر فضیلت دی جائے یا ایک دوسرے سے جدا کر دیا جائے، مقصد صرف یہی ہے کہ پہچان ہو۔ تو جس طرح انفرادی پہچان میں انفرادی نام کام آتے ہیں اسی طرح نسبتاً وسیع پہچان کے لیے قبائل اور بعض گروہی تشخصات کے پیش نظر ہم پہچان لیتے ہیں کہ فلاں قوم فلاں قسم کی ہے، فلاں جگہ سے تعلق رکھتی ہے۔ فلاں شخص فلاں قوم سے تعلق رکھتا ہے۔ تو تعارف اور تعین میں آسانی ہو جاتی ہے۔

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ جہاں تک عزت کا تعلق ہے یاد رکھو ان چیزوں کا، ان تقسیموں کا، عزت سے کوئی دور کا تعلق نہیں اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ میں سب سے معزز خدا کے نزدیک وہ ہے جو سب سے زیادہ اس کا تقویٰ اختیار کرتا ہے اور اللہ کی نظر میں جو اچھا ہے وہی حقیقت میں اچھا ہے باقی دنیا کی نظر میں تو بڑے بڑے گندے بھی اچھے بن جایا کرتے ہیں اور ان کے اچھا کہلانے کی کوئی حقیقت نہیں ہے اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ اور اللہ ہی ہے جو تقویٰ کی پہچان رکھتا ہے کیونکہ انسان تو علیم و خبیر نہیں ہے اس لئے ہر شخص اپنے تقویٰ

کے معاملہ میں اپنے خدا کی نظر میں ہے اس بات کا خیال کرو اور وہی ہے جو تمہیں متقی قرار دے تو تم متقی ہو گے ورنہ نہیں۔

اس تعلق میں میں وہ احادیث پیش کر رہا تھا جس میں بعض معاشرے کی خرابیوں کی وجہ سے بھائی بھائی سے کٹ جاتا ہے، بہن بہن کے خلاف ہو جاتی ہے، رشتوں میں رخنے ڈالے جاتے ہیں۔ بہو اور ساس کے جھگڑے، ساس اور بہو کے وغیرہ وغیرہ اور سارا معاشرہ نفرتوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ اس معاشرے کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کی اصلاح کی جتنی بھی کوشش کی جائے وہ اس لئے کم دکھائی دیتی ہے کہ ہر ایسے خطبات کے دور کے بعد جب میں نے اپنی طرف اس مضمون کو خوب کھول کر بیان کیا پھر بھی شکایتیں جاری ہیں۔ یہ درست ہے کہ بعض جگہ سے بہت ہی خوشکن باتیں بھی سامنے آئی ہیں۔ بعض مردوں نے اپنی دیرینہ عادت کو تبدیل کر دیا اور اپنی بیویوں سے معافیاں مانگیں اور اس کے بعد ان کی بیویوں کے دعاؤں کے خطوط ملے کہ ہمارے خاوند میں تو ایک عجیب پاک تبدیلی پیدا ہوگئی ہے۔ بعض بہوؤں نے اپنی ساسوں کو دعائیں دیں کہ پہلے میری زندگی اجیرن تھی اب تو میں بیٹی کی طرح رہتی ہوں۔ تو یہ واقعات ہوتے رہتے ہیں جن سے حوصلہ بڑھتا ہے۔ جس سے پتا چلتا ہے فَذَكِّرْ إِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى (اعلیٰ: 10) تو نصیحت کر، کرتا چلا جا کیونکہ نصیحت فائدہ ضرور پہنچاتی ہے مگر یہ کہنا کہ ان بدعادات کی بیخ کنی ہو چکی ہے، جڑوں سے اکھڑ گئی ہیں یہ درست نہیں ہے۔ یہ تو ایک دائمی جنگ ہے جو خدا کے بندوں اور شیطان کے بندوں کے درمیان چلنی ہی چلنی ہے اور بندے تو بظاہر سب خدا کے ہیں لیکن کچھ عَبَدَ الطَّاغُوْتَ قرآن کے بیان کے مطابق وہ اپنے آپ کو خود شیطان کا بندہ بنا لیتے ہیں۔ پس اس پہلو سے لڑائی جاری ہے اور ہمیں کوشش یہ کرنی ہے کہ خدا کے بندے اس حد تک غالب آجائیں اور غالب رہیں کہ ان کا حسن ہی معاشرے کی پہچان بن جائے ان چند آدمیوں کی بدی معاشرے کی پہچان نہ ہو جو ہر معاشرے میں بد انسانوں کے طور پر پائے جاتے ہیں۔ استثناء حسن نہ ہو استثناء بدصورتی بن جائے۔ یہ وہ جہاد ہے جس میں ہمیشہ مستقلاً اپنی تمام طاقتوں کو جھونکے رکھنا ہے اور یہ جہاد کبھی ختم نہیں ہوسکتا۔

لیکن جوں جوں اس جہاد میں ہم آگے بڑھتے ہیں بیدار مغزی سے ان چیزوں کا خیال کرتے ہیں، رفتہ رفتہ اور علاقوں کو اور جگہوں کو زرخیز بناتے چلے جاتے ہیں اور حسین بناتے چلے

جاتے ہیں۔ پس یہ محنت ہے جس سے تھکنا نہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ ہم آخری دم تک تھکے بغیر حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی سیرت کو اپنی سیرت بنانے کی کوشش کرتے رہیں گے۔

جہاں تک چغلی کا تعلق ہے اور اس سے ملتے جلتے عیوب کا تعلق ہے ان میں بنیادی بات وہی احساس کمتری ہے جو میں نے پہلے بیان کی تھی۔ اپنے بھائی کی کسی خوبی کو برداشت نہ کرسکنا اور احساس کمتری کا بدلہ اس طرح لینا کہ اس کی خوبی کو بدی بنا کر دکھایا جائے یا بدیوں کی تلاش کی جائے اور انہیں باہر نکال کر اچھالا جائے تاکہ لوگوں کی نظر میں جو اس کی عزت ہے وہ جاتی رہے۔ اس قسم کی تمام قبیح حرکتیں قرآن کریم نے کلیۃً منع فرمائی ہیں اور آنحضرت ﷺ نے اس مضمون کو ہمارے سامنے مختلف رنگ میں کھولا ہے۔

عَنِ ابنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنه قَالَ: صَعَدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْمِنْبَرَ فَنَادٰى بِصَوْتٍ رَفِيْعٍ فَقَالَ: يَا مَعْشَرَ مَنْ اَسْلَمَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يُفْضِ الْاِيْمَانُ اِلٰى قَلْبِهِ لَا تُؤْذُوْا الْمُسْلِمِيْنَ وَلَا تُعَيِّرُوْهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ فَاِنَّهُ مَنْ يَّتَّبِعْ عَوْرَةَ اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ يَتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ وَمَنْ يَّتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحْهُ وَلَوْ فِيْ جَوْفِ رَحْلِهِ. (ترمذی ابواب البر والصلۃ:1955)

ترمذی ابواب البر والصلۃ سے یہ روایت لی گئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ منبر پر کھڑے ہوکر بڑی پرشوکت اور بلند آواز سے فرمایا کہ اے لوگو تم میں سے بعض بظاہر مسلمان ہیں لیکن ان کے دلوں میں ابھی ایمان راسخ نہیں ہوا۔ انہیں میں متنبہ کرتا ہوں کہ وہ مسلمانوں کو طعن وتشنیع کے ذریعے تکلیف نہ دیں۔ یعنی وہ جو اپنی زبان اپنے بھائیوں پر دراز کرتا ہے اور طعنے دے کر ان کو تکلیف دیتا ہے ان کے متعلق آنحضور ﷺ نے بڑے جلال کے ساتھ بڑی پرشوکت آواز میں فرمایا کہ میں تمہیں متنبہ کرتا ہوں فرمایا وہ مسلمانوں کو اپنے طعن وتشنیع سے تکلیف نہ دیں۔ نہ ان کے عیبوں کا کھوج لگاتے پھریں ورنہ یاد رکھیں کہ جو شخص کسی کے عیب کی جستجو میں ہوتا ہے اللہ اس کے اندر کے عیوب کو لوگوں پر ظاہر کر کے اس کو ذلیل ورسوا کر دیتا ہے۔ پس اس سے زیادہ خوفناک اور کیا سزا انسان کو مل سکتی ہے کہ آپ اپنے بھائی کے عیبوں کی تلاش میں ہوں اور اللہ جو آپ کے عیوب کو جانتا ہے وہ اپنی ستاری کا پردہ اٹھالے اور آپ دنیا کے سامنے ننگے ہو جائیں۔

پس ہر وہ شخص جو خدا تعالیٰ کی ستاری چاہتا ہے اس کے لئے لازم ہے کہ اپنے بھائی سے ستاری سے کام لے بجائے یہ کہ پردے اٹھا اٹھا کر جھانکے۔

ستاری کا مفہوم تو یہ ہے کہ ہم ننگے ہیں اور اللہ کی نظر میں ہمارے سب عیوب ہیں اس کے باوجود ہمیں ڈھانپتا ہے۔ جیسے سردیوں کی راتوں میں بعض مائیں اپنے بچوں کو اٹھ اٹھ کر ڈھانپتی ہیں۔ کہیں سے بدن باہر نکلا ہو تو اس خطرے سے کہ اس کو تکلیف نہ پہنچے یعنی ہر قسم کے جراثیم فضاؤں میں ہیں۔ ٹھنڈ کے وقت حملہ کر دیتے ہیں تو ان سے ڈھانپنے کے لئے مائیں بعض دفعہ بے چین ہو ہو کر راتوں کو اٹھتی ہیں۔ تشویش کی وجہ سے اٹھتی ہیں اور اکثر بچوں کے اوپر سے کپڑے اترے ہوئے ہوتے ہیں۔

انسان تو ایسا ننگا ہے کہ اس کی کہانی کا آغاز ہی ننگ سے ہوا ہے۔ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ وہ ننگا ہو گیا تھا اور پھر مغفرت کے لئے اپنا تن ڈھانپنے کے لئے جنت کے پتے ڈھونڈ تا رہا ان سے اپنے تن کو ڈھانپنے کی کوشش کرتا رہا اور اللہ نے اسے سمجھایا کہ کیسے تن کو ڈھانپا جاتا ہے اور وہ مغفرت کی دعائیں سکھائیں جن کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اس کی **عورہ** کو ڈھانپ لیا، اس کے ننگ کو ڈھانپ لیا۔ ہم تو وہ انسان ہیں جن کی کہانی کا آغاز ہی ننگ سے ہوا ہے اس لئے کوئی یہ کہے کہ آدم تو ننگا تھا میں ننگا نہیں ہوں۔ آدم کے عیوب تو چھپے ہوئے نہیں تھے میرے عیوب چھپے ہوئے ہیں اور میرے قبضے میں ہیں وہ شخص بڑا ہی جاہل ہوگا اور جو ننگ کا فلسفہ ہے اس سے کلیۃً ناواقف ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ ننگ کا فلسفہ یہ ہے کہ ہر انسان ننگا ہے سوائے اس کے کہ اللہ اس پر ستاری کی چادر ڈالے اور جب آپ کسی کے عیوب کو تلاش کرتے ہیں تو خدا کی مخالفت کرتے ہیں۔ خدا نے جو ستاری کی چادر ڈالی ہوئی ہے اسے اٹھا اٹھا کے جھانکتے ہیں۔ اس کو اللہ تعالیٰ برداشت نہیں کرتا اور آنحضرت ﷺ خبر دیتے ہیں کہ پھر اللہ اپنی چادر اس سے کھینچ لیتا ہے اور خدا کی مغفرت اور اس کی ستاری کی چادر نہ ہو تو ہر انسان ہے ہی ننگا، عیوب سے بھرا پڑا ہے تو اس سے زیادہ اور کس طریق سے وضاحت کے ساتھ اور بڑے دردناک طریق پر لوگوں کو عیوب کی تلاش سے منع کیا جا سکتا تھا۔ اس حدیث کے سننے کے بعد، اس پر غور کرنے کے بعد انسان تصور بھی نہیں کر سکتا کہ اپنے بھائی کے عیوب کی تلاش میں رہے اور پھر تلاش کے بعد ان کی پردہ دری کرے۔ ان کو دنیا کے

سامنے اس لئے ظاہر کرے کہ وہ اسے ذلیل اور رسوا سمجھیں۔آنحضورؐ فرماتے ہیں کہ خدا تو ایسا ہے جو وہ ظاہر کردے تو کوئی چیز پھر اس کو چھپا نہیں سکے گی۔

پھر حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے ایک اور موقع پر فرمایا اور یہ ترمذی کتاب البر والصلہ سے روایت لی گئی ہے۔حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ طعنہ زنی کرنے والا دوسروں پر لعنت کرنے والا اور فحش حرکتیں کرنے والا، جو معیوب اور ناپسندیدہ، بے ہودہ حرکتیں ہوں اور زبان کا گندا، بدکلام، بدگو، یاوہ گوئی کرنے والا ان میں سے کوئی بھی مومن نہیں ہے لیس بمومن (ترمذی کتاب البر والصلہ حدیث:1900) پس مومن کی تعریف سے یہ ساری چیزیں نکال کے اس طرح باہر کردی گئی ہیں کہ جس میں یہ موجود ہوں وہ مومن کی تعریف میں داخل ہی نہیں ہوتا بیک وقت دونوں چیزیں اکٹھی نہیں رہ سکتیں۔تو ہر شخص جو مومن کہلانے کا دعویدار ہے، مومن بننے کی تمنا رکھتا ہے اسے معلوم تو ہونا چاہئے کہ وہ کون سی باتیں ہیں جو اس کے ایمان کو باطل کردیں گی۔

ایک موقع پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا (اور یہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے) اپنے بھائی کی آنکھ کا تنکا تو انسان کو نظر آجاتا ہے لیکن اپنی آنکھ میں پڑا ہوا شہتیر وہ بھول جاتا ہے۔ (الترغیب والترہیب) اب یہ جو محاورہ ہے کہ دوسرے کی آنکھ کا تنکا نظر آجانا اور اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہ آنا، یہ اصل میں حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ ہی کا فرمودہ محاورہ ہے۔اب یہ عجیب بات ہے کہ اپنی آنکھ میں اگر ذرہ سا بھی تنکا یا تنکے کا ایک حصہ بھی ہو جو اسے تکلیف دیتا ہو تو وہ انسان کو نمایاں ہو کر دکھائی دیتا ہے یوں لگتا ہے جیسے شہتیر داخل ہو گیا ہے اور دوسرے کی آنکھ میں جو تکلیف دینے والی چیزیں ہیں وہ اس کو دکھائی نہیں دیتیں۔ یہاں شہتیر اور تنکے کی مثال میں یہ فرق ہے یعنی عام روزمرہ کے انسانی تجربے سے یہ فرق ہے کہ یہاں اپنی آنکھ کے تنکے سے مراد وہ برائی ہے جو موجود ہے اور وہاں موجود ہے جہاں دکھائی دینی چاہئے، وہ تمہیں دکھائی نہیں دیتی۔اب آنکھ سے زیادہ اور کون سی جگہ ہے جہاں برائی کا علم ہو جانا چاہئے، جہاں معمولی سا ایک ذرہ بھی داخل ہو جائے تو آپ کو پتا لگ جاتا ہے کہ کوئی غیر چیز آگئی ہے اور آنکھ جو دیکھنے کے لئے بنائی گئی ہے اسے اپنے اندر موجود اپنی برائیاں دکھائی نہیں دیتیں اور دوسرے کی آنکھ میں معمولی سا بھی نقص ہو کوئی، برائی کوئی ذرہ بھی پایا جاتا ہو تو اتنا بڑا ہو کر دکھائی دیتا ہے کہ آنحضورؐ نے فرمایا جیسے الجزعۃ ہو۔جزعہ کھجور کے اس تنے کو کہتے ہیں جسے کاٹ کر شہتیر میں تبدیل

کیا گیا ہے۔ درست کر دیا گیا ہو یا چورس بنا دیا گیا ہو اسکو ’’جزعہ‘‘ کہتے ہیں تو فرمایا کہ وہ تو اسکو شہتیر کی طرح دیکھتا ہے۔

یہ مثال اتنی سی کافی ہے اس کے آگے کسی نصیحت کی ضرورت نہیں یہ اس رجحان کو بتاتی ہے اور اس رجحان کو آنحضرت ﷺ نے بھی پسند فرمایا ہے۔ عربی شاعر نے اسی مضمون کو یوں بیان کیا ہے:

وعین الرضا عن کل عیب کلیلة

کما ان عین السخط تبدی المساویا

کہ وہ انسان بھی کیسا جاہل ہے کہ وہ آنکھ تو وہی ہے لیکن جب محبت کی نظر سے دیکھتا ہے تو ہر برائی نظر سے غائب ہو جاتی ہے اور جب نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے تو جو برائی نہ بھی ہو وہ بھی دکھائی دینے لگتی ہے۔ مگر حقیقت یہ کہ یہاں مضمون جھوٹ کا نہیں چل رہا بلکہ توازن کے بگاڑ کا ہے۔ ہر انسان میں کوئی نہ کوئی برائی تو ہوتی ہے۔ مراد یہ نہیں کہ یہاں ان لوگوں کی بحث نہیں ہے جو افترا کرتے ہیں وہ مضمون ہی الگ ہے فرمایا دیکھ لیتے ہیں۔ یعنی مومنوں سے جو مومن کہلاتے ہیں اتنی تو توقع ہے کہ بالکل بے پر کی نہیں اڑاتے۔ چھوٹا سا پر دکھائی دیتا ہے تو اس سے کوّوں کی ڈار بنا دیتے ہیں اور جب یوں کرتے ہیں تو مومن نہیں رہتے۔ اس لئے سب انسانی نفسیاتی رجحانات کا حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ گہری نظر سے مطالعہ کرتے ہوئے ان سے پردہ اٹھاتے ہیں۔ یعنی ان باتوں سے پردہ اٹھاتے ہیں جن سے پردہ اٹھایا جائے تو ہمارے ننگ ڈھانکے جائیں گے اور یہ پردہ اٹھانا رحمت کا نشان ہے، ان جگہوں سے پردہ اٹھاتے ہیں جہاں ہمارا امن اور جہاں شر ہے وہاں پردے ڈھانپتے ہیں۔ یہ ہیں حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ جنہوں نے اس اس طریقے سے اپنی امت کو سمجھایا کہ خدا گواہ ہے کبھی کسی نبی نے بلکہ انبیاؑ نے مل کر بھی اپنی امتوں کے لئے ایسی محنت نہیں کی۔ اس باریک نظر سے دکھائیں تو سہی کون نبی ہے جس نے باریکیوں میں اتر کر، ایسے مقامات تک پہنچ کر جو انسان کو خود اپنی آنکھ سے اپنے اندر دکھائی نہیں دیتے محمد رسول اللہ ﷺ نے دیکھا اور ان پر انگلی رکھی اور بتایا یہ جگہیں ہیں جو تمہاری دکھتی ہوئی رگیں ہیں ان کو ٹھیک کرو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور یہ ابوداؤد کتاب الادب سے لی گئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب مجھے معراج ہوا تو میں ایک ایسی قوم کے پاس سے گزرا

جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ ان سے اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے۔

اب یہ حدیث ہے اور اس قسم کی جو اس مضمون کی اور حدیثیں ہیں ضمناً ہمیں یہ بھی بتا رہی ہیں کہ معراج روحانی تھا اور جسمانی معراج نہیں تھا۔ ورنہ **نعوذ باللہ من ذالک** وہ لوگ جو جسمانی معراج پر زور دیتے ہیں وہ یہ کہیں گے کہ رسول اکرم ﷺ اپنے جسم سمیت جہنم کی سیر پر گئے تھے۔ اب یہ ایسا حیثیانہ تصور ہے کہ ایک لمحہ کے لئے بھی مومن اس تصور کو برداشت نہیں کر سکتا اور پھر بھی آنکھیں بند کر کے ان حدیثوں سے گزر جاتے ہیں۔ وہ کشف تھا، ایک عظیم روحانی کشف تھا، جس میں جہنم کے بھی نظارے دکھائے گئے۔ جنت کے بھی نظارے دکھائے گئے، اور تمام امت سے تعلق رکھنے والے فوائد کے امور پر بھی آپؐ کو مطلع کیا گیا اور نقصان کے امور پر بھی آپؐ کو مطلع کیا گیا۔ پس فرماتے ہیں کہ میں نے اس میں دیکھا ایک ایسی قوم کے پاس سے میرا گزر ہوا جس کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ ان سے اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے۔ میں نے پوچھا اے جبرائیل یہ کون ہیں۔ تو انہوں نے بتایا کہ یہ لوگوں کا گوشت کھایا کرتے تھے یعنی ان کی عزت اور آبرو سے کھیلتے تھے، ان کی غیبت کرتے تھے اور ان کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ پس جس گناہ کی ایسی بڑی سزا ہو اور وہ ایسا گناہ نہیں ہے جس کے اوپر انسان کی فطرت مجبور ہوئی بیٹھی ہے یا وقت کے جوش کا ایک تقاضا ہے جس کے ابتلا میں پھنس کر آپ یہ کام کر بیٹھیں۔ یہ تو ایسا بدبخت گناہ ہے جس کے چسکے بڑے آرام سے بے وجہ لئے جاتے ہیں۔ مجالس کو سنوارنے کے لئے اپنی طرف سے ایسی باتیں کی جاتی ہیں جن کے بغیر مجالس زیادہ بہتر ہوتی ہیں اور ایسے گناہ جو ہیں ان کے بعد ان کا بد اثر ضرور پیدا ہوتا ہے، یہ رہ نہیں سکتا۔ چغلی کرنے والے بھی جب مجلسوں سے ہٹتے ہوں گے تو ان میں اگر کچھ بھی شرافت ہو تو ضرور ضمیر پر بوجھ پڑ جاتا ہوگا اور بعض پھر یہ سوچتے رہتے ہیں کہ ہم کہیں ایسی بات نہیں کر بیٹھے زیادہ کہ وہاں تک پہنچے اور پھر یہ مصیبت بن جائے اور پہلے سے ہی وہ اپنے ڈیفنس بنانے لگ جاتے ہیں کہ اگر یہ ہوا تو پھر ہم یہ جواب دیں گے۔ اور اگر یہ بات ہوئی تو یہ جواب دیا جائے گا اور تیاریاں کی ہوتی ہیں۔ مجھے اس طرح پتا چلتا ہے کہ بعض دفعہ جب پوچھا جاتا ہے آپ نے یہ بات کی تھی تو اچانک نہیں پہلے سے تیار ہوتا ہے۔ صاف پتا چلتا ہے کہ اس شخص نے بات کرنے کے بعد سوچ لیا تھا کہ یہ بے وقوفی کچھ ہوگئی ہے جتنی کرنی تھی اس میں ذرا بے احتیاطی ہوئی ہے تو اپنا ڈیفنس

تیار رکھا ہوا تھا۔ تو یہ ایسا گناہ ہے جس میں بہت سی قباحتیں، بہت سی مکروہ باتیں داخل ہیں اور صاف پتا چل جاتا ہے کہ انسان جو اس گناہ میں ملوث ہے وہ بھی جانتا ہے کہ یہ صرف پھول نہیں ہیں اس میں کانٹے بھی ہیں لیکن جس کو پھول سمجھا جا رہا ہے وہ اصل میں کانٹے ہیں اور کانٹے وہ ضمیر کے کچوکے ہیں جو دراصل اسے پھول بنانے کی خاطر عطا کئے گئے ہیں تو سارا نظام ہی بگڑ گیا ہے اچھی چیز کو برا دیکھ رہے ہیں اور بری چیز کو اچھا دیکھ رہے ہیں اور بے ہودہ حرکت ہے بالکل بہت معاشرے میں اس سے نقصان پہنچتا ہے اور اگر یہ ساری باتیں نہ بھی ہوں تو صرف یہ ایک حدیث امت محمدیہ کو غیبت سے باز رکھنے کے لئے کافی ہے۔

وہ جو قرآن کریم نے فرمایا تھا کہ مردہ بھائی کا گوشت کھاؤ گے اسی کی تائید میں، اسی کی تشریح میں یہ حدیث ہے کہ خدا کے نزدیک تمہارا یہ کرنا واقعۃً ایسا مکروہ ہے جیسے مردہ بھائی کا گوشت کھایا جاتا ہے اور اپنے کا کھایا جاتا ہے تو قیامت کے دن مرنے کے بعد تم اپنا گوشت نوچو گے تا کہ تمہیں پتا لگے کہ یہ مزے تھے جو تم لوٹا کرتے تھے۔ وہ ظاہری گوشت تو نہیں ہوگا مگر روحانی معنے جو بھی ہیں، جس قسم کا بھی بدن ہوگا، اسکے ساتھ انسان سلوک وہی کرے گا جو اس میں بیان ہوا ہے۔

حضرت حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: چغل خور جنت میں نہیں جا سکے گا **لا یدخل الجنة نمام** (مسلم کتاب الایمان حدیث: 151) کہ جو چغل خور ہے اس کے لئے جنت کے رستے بند ہو گئے ہیں۔ اب یہ کیسی جنت ہے جو ہم یہاں چغل خوری کے ذریعہ اپنے لئے بنا لیتے ہیں۔ جس پر آئندہ مرنے کے بعد کی جنت حرام ہو جاتی ہے۔ اتنی معمولی بات نہیں جتنا لوگ سمجھتے ہیں کہ چھوٹی سی برائی ہے کوئی بات نہیں۔ بعض دفعہ میرے سامنے بھی بعض عورتیں ایسی بات شروع کرتی ہیں تو میں ان کو سمجھاتا ہوں تو ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔ وہ ہلکا سا کہتی ہیں۔ نہیں جی فلاں سے یہ بات یوں ہو گئی تھی فلاں نے یہ کر دی ہے ہم تو یونہی بات کر رہے ہیں۔ وہ یونہی بات جو ہے وہ بہت بڑی بات ہے، بہت بری بات ہے۔ ایسی ہے جو تمہاری عاقبت کو تباہ کر سکتی ہے۔

آنحضرت ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا کہ دو چھوٹے چھوٹے لوتھڑے ہی تو ہیں انہیں سے جنت بھی بن جاتی ہے اور جہنم بھی بن جاتی ہے۔ زبان کی ایک لغزش سے انسان جنت سے جہنم میں جا پڑتا ہے اور ایک موقع پر زبان سنبھل جائے تو وہی اس کی جہنم کو جنت بھی بنا سکتی ہے۔ تو بات

کرنا تو ہوتا ہی زبان سے ہے مگر باتیں بڑی بھاری ہو جاتی ہیں۔بعض باتیں اتنی تلخ ہو جاتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ دیکھو یہ بات اگر سمندر میں ڈالی جائے تو سارے سمندر کا مزاج بگڑ جائے، سارا سمندر ناپاک ہو جائے تو بات کو سنبھل کر کرنا اور اس پر نگرانی رکھنا بہت اہم امر ہے اور اس کے ساتھ معاشرہ بنتا بھی ہے اور بگڑتا بھی ہے۔

اسی لئے آنحضرت ﷺ نے دوسرے موقع پر فرمایا، وہ شخص جو زبان کا گندا ہے وہ کچھ بھی نہیں ہے اس کا کوئی بھی تعلق ایمان سے نہیں ہے۔فحش کلامی کرنے والا، بڑھکیں مارنے والا، بے ہودہ بکواس کرنے والا، اپنے بڑوں کے خلاف زبان دراز کرنے والا یہ ساری جو صفات ہیں یہ اس ایک لفظ میں آ گئی ہیں جو اس حدیث میں بیان کیا گیا تھا۔پس زبان کو سنبھال کر رکھنا بہت ہی اہم امر ہے۔ایک اور حدیث میں بھی یہی روایت ہے کہ حضرت حذیفہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چغل خور جنت میں کبھی داخل نہیں ہوگا۔حضرت ابوھریرہؓ سے ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نیفرمایا جو شخص بھی کسی کی بے چینی اور اس کے کرب کو دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے کرب اور اس کی بے چینی دور کرے گا۔(ترمذی کتاب البر والصلہ)

اب یہ برعکس مضمون شروع ہو رہا ہے۔جب آپ زبان طعن دراز کرتے ہیں، کسی کو تکلیف دیتے ہیں کسی کو حقیر سمجھ کر، ذلیل کر کے۔اس کے عیوب لوگوں کے سامنے کھول کر معاشرے میں بے چینی پھیلا دیتے ہیں، معاشرے کو کربناک کر دیتے ہیں اور اس کی سزا آنحضرت ﷺ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ پھر اللہ تم سے وہ رحمت کی چادر اٹھا لے گا۔جو اٹھ جائے تو پھر تم بھی بے چین ہو جاؤ گے، تم بھی کربناک ہو جاؤ گے، اب اس کے برعکس منظر پیش کیا گیا ہے۔یوں معلوم ہوتا ہے ایک جہنم کا منظر ہے اس کے مقابل پر ایک جنت کا نقشہ کھینچا جا رہا ہے۔

فرمایا جو شخص بھی کسی کی بے چینی اور اس کے کرب کو دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے کرب اور بے چینی کو دور کرے گا اور جو شخص کسی تنگ دست کے لئے آسانی مہیا کرتا ہے اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کے لئے آسانی اور آرام کا سامان بہم پہنچائے گا۔اب یہاں دنیا اور آخرت کہہ کر دنیا کو جو نمایاں کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مال کی محبت انسان کو بہت سی نیک باتوں سے روک لیتی ہے، خطرہ یہ ہوتا ہے کہ دنیا میں مال کم ہو جائے گا اور اور ذریعوں سے بے چینی دور کرنے میں

انسان کا خرچ کچھ نہیں ہوتا۔کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوتا کہ میں نے یہ بے چینی دور کردی تو میرا یہ کچھ کم ہو جائے گا۔اس کے لئے تو جنت کی جزا کا ذکر کافی تھا مال خرچ کر کے کسی غریب کی مدد کرنے میں چونکہ یہ خطرہ لاحق ہوتا ہے کہ کہیں اس دنیا میں میرے اموال کم نہ ہوں تو اللہ نے اس کی بھی تسلی کروادی۔

آنحضور ﷺ فرماتے ہیں کہ دنیا اور آخرت میں اللہ اس کے لئے آسانی اور آرام کے سامان مہیا فرمائے گا اس لیے خدا کی خاطر خدا کے بندوں پر کچھ خرچ کرنا کسی کمی پر منتج نہیں ہوتا۔اس کے نتیجہ میں کوئی مالی نقصان اس دنیا میں بھی نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کو بڑھا دیتا ہے اور صدقات میں برکت رکھی گئی ہے۔ یہ بات ایسی ہے جس کو بعض غیر مسلم بھی سمجھتے ہیں۔ ہمارے ملک ہندوستان میں بڑا ہندوستان، پاکستان بھی جس کا حصہ تھا اس میں ہندو قوم میں جو تاجر ہیں وہ دان پن کے بڑے قائل ہیں اور ایک زمانہ تھا جبکہ پارٹیشن سے پہلے مسلمانوں کی طرف سے تو شاذ کے طور پر خیراتی ادارے دکھائی دیتے تھے اور ہندو تاجروں کی طرف سے جگہ جگہ خیراتی ادارے قائم کئے جاتے تھے۔اس لئے کہ ان کا تجربہ بتاتا ہے کہ اگر بنی نوع انسان کی ہمدردی میں کچھ خرچ کیا جائے تو مال کم نہیں ہوتا بلکہ بڑھتا ہے اور یہ جو بات ہے یہ وہ خود کھلے بندوں کہتے بھی ہیں کہ ہم جو خرچ کرتے ہیں یہ اس لئے ہے کہ اس سے ہمارے اموال میں برکت پڑتی ہے۔تو ایک مشرک،ایک بے دین بھی اللہ کی رحمت کا یہ تجربہ رکھتا ہے اور ان کی تجارتیں گواہ ہیں اس بات پر کہ یہ خدا پر ان کی توقع درست تھی۔بے دین ہونا ان کی اس نیکی کی راہ میں حائل نہیں ہوسکا اور نہ اس اجر سے ان کو محروم کرسکا جو اس نیکی کے ساتھ خدا نے وابستہ فرمادیا ہے۔اس میں دین کا ذکر نہیں ہر انسان کے ساتھ یہ تقدیر برابر لاحق ہو چکی ہے،خدا تعالیٰ نے وابستہ کردی ہے کہ اگر خدا کی خاطر اس کے بندوں کے لیے اپنا مال خرچ کرے گا تو اسے دنیا میں بھی برکت عطا کی جائے گی۔

پھر فرمایا آخرت میں جو ہے وہ تو بہر حال ہے ہی۔آخرت میں بھی اس کے ساتھ بہت ہی سہولت کا معاملہ کیا جائے گا اور ہم میں سے ہر شخص اس سہولت کا محتاج ہے کیونکہ اگر اعمال کو دیکھا جائے تو اعمال کے برتے پر تو جنت میں داخلہ بڑا مشکل کام ہے۔مغفرت اور درگزر اور پردہ پوشی کا جہاں تک تعلق ہے اور اللہ کے فضل کا،اس طرف سے دیکھیں تو جنت بالکل آسان دکھائی دینے لگتی ہے لیکن اس کے جو رستے خدا نے بنائے ہیں ان رستوں پر نظر رکھنی چاہئے۔اس دنیا میں

آپ خدا کے بندوں سے وہ سلوک کریں جس سلوک کی آپ خدا سے توقع رکھتے ہیں۔ اتنا آسان، اتنا واضح، اتنا معقول فارمولا ہے کہ جسے سمجھانے کے لئے کسی بڑی منطق کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ خدا کے بندوں سے حسن سلوک کریں اللہ آپ سے وعدہ فرماتا ہے کہ آپ سے حسن سلوک کرے گا اور جتنا آپ کریں گے اس سے بڑھ کر وہ حسن سلوک فرمائے گا۔ پس اس پہلو سے اتنے آسان خزانے سامنے رکھ دیئے گئے ہیں، آسان خزانے جن کو حاصل کرنا بہت آسان ہے اس کے باوجود اگر ہم فاقہ کشی میں زندگی بسر کریں اور ان خزانوں سے استفادہ نہ کریں تو اس سے بڑی خودکشی اور کیا ہوسکتی ہے۔

پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص دنیا میں کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ صرف آخرت کی پردہ پوشی کا کیا فائدہ اگر یہاں عمر بھر ہم دنیا کے سامنے ننگے اور ذلیل ہوتے رہے۔ اس خیال سے اللہ تعالیٰ نے دنیا کا بھی وعدہ فرما دیا ہے اور جس کی دنیا میں پردہ پوشی ہوگی اس کو توقع رکھنی چاہئے کہ آخرت میں بھی یہ سلوک ہوگا تو پھر بھائی کے تن سے کپڑے اٹھانے کا کیا مطلب ہے۔ اپنی بہن کو ننگا دکھانے کا کیا مطلب ہے۔ پس اتنا آسان فارمولا ہے جیسے تم ہو ویسا ہی تم سے سلوک کیا جائے گا۔ یہ ہر زندگی کی دلچسپی پہ حاوی ہے اور بہت ہی آسانیاں پیدا کرنے والا ایک نسخہ ہے جو ہر کسی کے بس میں ہے۔ کوئی مشکل نیکی نہیں کرنی۔ کھڑے ہو کر عبادتیں نہیں کرنی، صرف اپنے رجحان میں کچھ پاکیزگی، کچھ شرافت، کچھ حیا پیدا کرنی ہے۔ دوسروں کی حیاء کو اپنی حیا سمجھنا ہے اور پھر توقع رکھیں کہ اللہ تعالیٰ آپ سے غیر معمولی حسن سلوک فرمائے گا۔

پھر فرمایا، اللہ تعالیٰ اس شخص کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہے یعنی جس وقت کوئی شخص اپنے بھائی کی مدد میں لگا ہوا ہے اس وقت تک اس عرصے میں خدا تعالیٰ اس کا مدد گار ہے۔ یہ حدیث کا بیان بھی تھوڑا سا اشکال رکھتا ہے۔ کیا مطلب ہے کہ ادھر مدد چھوڑی اور خدا نے مدد سے ہاتھ کھینچ لئے۔ یہ دراصل مدد کے رجحان کو ساری زندگی پر پھیلانے کے لئے ایک عمدہ نصیحت ہے۔ اس کے کئی معانی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک شخص جو اپنے بھائی کے لئے اپنا وقت خرچ کر رہا ہے اور اپنے کاموں سے اس عرصہ میں وہ غافل رہا اور خطرہ ہے کہ اسے کوئی نقصان نہ پہنچا ہو ایسے شخص کو تسلی دی گئی ہے کہ تم نے جتنا وقت خدا کی خاطر خرچ کیا تھا تمہیں اور تمہارے اقرباء کو خدا اس کا نقصان نہیں پہنچنے دے گا۔ اللہ تمہارے کام اس عرصے میں خود کرے گا اور کروائے گا اور یہ

حقیقت ہے، یہ زندگی کے وسیع تجربے سے بات ثابت ہے تو یہ مراد نہیں کہ اللہ نے وہیں ہاتھ کھینچ لیا جب کام ختم ہوا بلکہ خدا کی مدد بعد میں بھی جاری رہتی ہے۔ تو ایک تو یہ مفہوم ہے جس کے تجربے جماعت احمدیہ میں تو اس کثرت سے ہیں کہ شاید ہی کوئی گھر ہو جس کے تجربے میں ایسی باتیں نہ ہوں۔

لیکن دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اگر خدا صرف اس وقت تک ضامن ہے تو پھر کوشش یہ ہونی چاہئے کہ ساری زندگی میں انسان کسی نہ کسی کے لئے بھلائی کرتا رہے تا کہ ساری زندگی اللہ تعالیٰ اس کی بھلائی کی طرف متوجہ ہو۔ اس ذریعے سے بھلائی کے کاموں کو دوام بخشنے کا ایک طریق ہے، ایک ایسا انداز اختیار کیا گیا ہے جس سے انسان میں بھلائی کے رجحان کو دوام ملتا ہے، اسے ہمیشہ کے لئے بھلائی کی طرف متوجہ رہنے کی تلقین ہوتی ہے اور جس کے لئے اللہ کوشاں رہے اس کے لئے پھر اور حاجت کیا رہ جاتی ہے باقی۔ جیسا میں نے کہا ہے اتنے کثرت سے واقعات ہوتے ہیں جماعت میں اور بعض صحابہؓ نے تو اس گُر کو ایسا پکڑا کہ ساری عمر اس سے لطف اٹھائے اور مزے بھی کئے اور کام بھی بنوائے۔

میں نے حضرت مولوی قدرت اللہ صاحب سنوری کی مثال پہلے بھی ایک دفعہ خطبے میں بیان کی تھی لیکن وہ اس موقع پر ایسی چسپاں ہوتی ہے کہ اگر پھر بھی بیان کر دی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ بڑی ایک روح کو تازہ کرنے والی مثال ہے۔ ایک دفعہ بنگلہ دیش جب ہم گئے جماعت کے وفد کی صورت میں۔ تو اس میں حضرت مولوی قدرت اللہ صاحب سنوری بھی ہمارے ساتھ تھے اور بہت دلچسپ سفر تھا، کافی جماعتیں پھرے۔ آخری دنوں میں جب ہم ڈھاکہ پہنچے تو ڈھاکہ کی جماعت نے وفد کے اعزاز میں ایک ہوٹل میں ایک دعوت کی ہوئی تھی۔ اسی وقت وہاں ایک تار پیش کی گئی جس میں یہ تھا کہ مولوی قدت اللہ صاحب سنوری کی بیوی اتنی خطرناک بیماری میں مبتلا ہیں اور اس مرحلے تک بیماری پہنچ گئی ہے کہ آج نہیں تو کل تک وہ ڈاکٹری خیال کے مطابق فوت ہو جائیں گی اس لئے درخواست ہے کہ مولوی قدرت اللہ صاحب سنوری کو فوری طور پر واپس بھجوا دیا جائے یا پھر ان کے لئے تار تھی انہی کے نام ہوگی تو یہ تھا کہ آپ فوری طور پر واپس آ جائیں تو انہوں نے پڑھی اور بعض دفعہ کھانسی اس طرح کیا کرتے تھے کہ ''اوہوں'' اور جیب میں کاغذ مروڑ کر ڈال لیا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ مولوی صاحب کیا بات ہے تو انہوں نے فرمایا کہ یہ تار آئی ہے میری طرف گھر کی طرف سے، تو میں نے کہا پھر چند دن تو رہ گئے ہیں سفر میں آپ چلے جائیں واپس۔ کہتے ہیں نہ، نہ،

نہ، یہ کام نہیں کرنا۔ میں تار دے رہا ہوں کہ میں ہرگز نہیں آؤں گا۔ مجھے بڑا تعجب ہوا۔ میں نے کہا آپ کی بیوی کے متعلق بتا رہے ہیں فوت ہو رہی ہے۔ آپ کہتے ہیں میں نہیں آؤں گا کیا بات ہے۔ کہتے ہیں میں خدا سے داؤ مار رہا ہوں۔ اس قسم کے الفاظ تھے، میں اللہ کو خوب سمجھتا ہوں اگر میں واپس گیا تو اس نے مرنا تو ہے ہی اور اگر میں واپس نہ گیا تو اللہ پر ڈالوں گا کہ میں تیرے کام میں تھا اور پھر پیچھے میری بیوی ماردی۔ تو میں جانتا ہوں اپنے رب کو اس نے کبھی بھی نہیں مرنے دینا اس کو۔ یہ سب باتیں ہیں اور پورا ہفتہ بعد میں ٹھہرے اور اسی دوران اطلاع بھی آ گئی کہ بیوی ٹھیک ٹھاک ہے فکر نہ کریں۔ تو یہ خدا کے بندے خدا کو اس طرح جانتے ہیں جس طرح محمدؐ رسول اللہ نے اس کا تعارف کروایا ہے ورنہ خدا کو کون جان سکتا ہے۔

آنحضرتﷺ پر جس طرح خدا ظاہر ہوا ہے اس طرح آنحضورﷺ نے ہم پر ظاہر فرما کر ہماری ساری مشکلیں آسان کر دیں اور وہ تجربے کبھی ناکام نہیں ہوتے جو محمدؐ رسول اللہ کے بتائے ہوئے تجربے ہیں، سو فیصد یقینی باتیں ہیں۔ پس اپنے خدا سے وہ تعلق قائم کریں جس طرح وہ ہمیں سمجھا رہا ہے ایسے تعلق قائم کرو مجھ سے فائدے اٹھانے ہیں تو یہ طریقے میں تمہیں بتا دیتا ہوں پھر دیکھیں کہ زندگی کی کایا پلٹ جاتی ہے۔

آنحضرتﷺ کا اپنا دوسروں سے جو سلوک تھا اب میں اس کے نمونے آپ کے سامنے رکھتا ہوں کہ کسی کی ادنیٰ سی تکلیف بھی آپ کو برداشت نہیں تھی، آپ کو منظور نہیں تھی اور اگر غلطی سے پہنچ جائے تو کیسے بے چین ہو جایا کرتے تھے یعنی نصیحتیں جو فرماتے تھے عمل اس شان سے کیا ہے ان نصیحتوں سے بھی بلند تر مقام آپ کا دکھائی دیتا ہے۔ نصیحتیں تو لگتا ہے جس طرح دھند زمین کے ساتھ لپٹی ہوئی ہوتی ہے اور ہم اس دھند میں ایک تصور باندھ رہے ہیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کا وجود اس سے بلند دکھائی دیتا ہے۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرتﷺ مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے کہ ایک شخص آپ پر جھک گیا۔ آپ نے اسے سوٹی کی نوک سے ذرا پیچھے کیا یعنی بعض دفعہ لوگ اس طرح تنگ کرتے ہیں اور ان کا سانس سانس میں آنے لگ جاتا ہے اور آنحضرتﷺ کو خوشبو سے بہت محبت تھی اور بدبو برداشت نہیں تھی تو یہ وجہ تو نہیں بتائی گئی کہ کیوں آپ نے ہٹایا۔ مگر مجھے تجربہ

ہے کہ بعض لوگ اتنا قریب آ کر جھک کے بات کرتے ہیں کہ ان کے سانس میں بدبو ہوتی ہے کہ اس کی وجہ سے بہت بڑا ابتلا انسان پر آتا ہے تو بے اختیار رسول اللہ ﷺ نے معلوم ہوتا ہے اس کو ہٹا دیا کہ ذرا پیچھے ہٹ کر کھڑے ہو۔ اگلی بات یہ ہے کہ جب اس سوٹی سے اس کو ہٹانے لگے تو اس کے چہرے پہ ذرا سی چوٹ آ گئی۔ جھکے ہوئے آدمی کو انسان ضروری تو نہیں کہ یوں دیکھ رہا ہو۔ سوٹی سے پرے کیا ہے وہ غلطی سے چہرے کے کسی نازک حصے پہ لگ گئی اور اس سے اس کو تھوڑا سا زخم پہنچا۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا کہ مجھ سے بدلہ لو ابھی بدلہ لو۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں نے معاف کر دیا ہے (ابوداؤد کتاب الدیات) لیکن ایک اور موقع پر ایک اور صحابیؓ نے ایک اور ردعمل دکھایا۔

حضرت اسیدؓ بن حضیر انصاری کے بارے میں روایت ہے کہ وہ بڑے بامذاق تھے۔ مجلس میں کھل کے دلچسپ باتیں کیا کرتے تھے۔ ایک موقع پر معلوم ہوتا ہے ان سے کچھ زیادتی ہوگئی ہے۔ یعنی ہنسی مذاق کرنا ان معنوں میں تو معیوب نہیں تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں صحابہ نہیں کیا کرتے تھے۔ بعض دفعہ آنحضورؐ جو خود بھی بہت مذاق فرماتے تھے لیکن بعض لوگ پھر زیادہ کر دیتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کو یہ بات منظور نہیں تھی کہ کوئی شخص ٹھٹھے باز ہی بن جائے تو اس صورت میں آپ نے اس شخص کو اسی طرح چھڑی چبھوئی کہ ذرا سنبھلو، اشارہ تھا اور میں سمجھتا ہوں اس میں حکمت یہ تھی کہ کھل کر اگر بات کہتے تو باقی مجلس میں شاید اس کی سبکی ہوتی تو آپ نے یہی مناسب سمجھا کہ چھڑی کی نوک سے اس کو میں سمجھا دوں، سمجھ جائے گا اشارہ کہ میں کچھ حد سے آگے بڑھ رہا ہوں، اس پر وہ کہنے لگا حضور میں نے تو بدلہ لینا ہے۔ آپ نے مجھے چھڑی چبھو دی ہے۔ حضور نے فرمایا! بدلہ لے لو۔ اس پر وہ کہنے لگا کہ حضور آپؐ نے تو قمیص پہنی ہوئی ہے میں تو ننگے بدن ہوں۔ آپؐ نے فرمایا میں قمیص اتارتا ہوں کپڑا اٹھایا کہ آؤ اب بدلہ لے لو۔ وہ چمٹ گیا اور بار بار لپٹ کے چومنے لگا۔ جہاں جہاں اس کا بس چلتا تھا اس نے چوما، اس نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ میری کیا مجال تھی کہ میں بدلہ لیتا مجھے تو خدا نے یہ موقع دیا۔ (ابوداؤد کتاب الادب حدیث: 4547) یہ حسن محمد مصطفی ﷺ ہے جو ایک چھوٹی سی چوٹ کے مقام سے بھی جنت کے چشمے پھوڑ دیتا ہے موسیٰ کے عصا کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ چٹان پر اس نے عصا مارا اور اس سے چشمے پھوٹ پڑے اور قرآن کریم اس کی گواہی دیتا ہے کہ ایسا ہوا۔ لیکن محمد مصطفی ﷺ کے عصا

کی ضرب سے جیسے جنت کے چشمے پھوٹتے ہم نے دیکھے ہیں ان کی کوئی مثال اور کہیں دکھائی نہیں دیتی، جن لوگوں کی خاطر ان چٹانوں سے چشمے بہائے گئے وہ پتھر دل ہو گئے۔ مگر محمد رسول اللہ ﷺ نے جن دلوں سے رحمت کے چشمے بہائے ہیں وہ ہمیشہ کے لئے جنت کی طرف مائل رہنے والے، جنت کی نہروں میں گویا غرقاب دل بن گئے، ان کے دل سے بھی جنت پھوٹتی ہے۔ وہ دل بھی جنت کے لیے بنائے گئے تھے۔ تو یہ وہ حسین معاشرہ ہے جو محمد رسول کریم ﷺ ہم میں صرف دیکھنا ہی نہیں چاہتے، اپنے عمل سے اس کی تصویریں کھینچ کر ہمیں دکھائی ہیں۔

ایک اور موقع پر حضرت عبداللہ بن ابو بکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عرب نے ان سے ذکر کیا کہ جنگ میں یعنی کسی ایسے شخص نے ان سے بات کی جس کو وہ جانتے نہیں ہیں۔ لیکن یہ پتا ہے کہ تھا وہ عرب اور جنگ حنین کا واقعہ بیان کر رہا ہے۔ اور یہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہ ہیں۔ جنگ حنین میں چونکہ بہت سے نئے آنے والے بھی شامل ہو گئے تھے بلکہ ان کی کثرت تھی اس وجہ سے سارے صحابہؓ ان سب کو جانتے نہیں تھے۔ تو کہتے ہیں کہ ایک عرب نے ان سے ذکر کیا کہ جنگ حنین میں بھیڑ کی وجہ سے اس کا پاؤں آنحضور ﷺ کے پاؤں پر جا پڑا۔ سخت قسم کی چپلی جو کہتا ہے میں نے پہن رکھی تھی۔ اس کی وجہ سے آنحضور ﷺ کا پاؤں کچلا گیا اور سخت زخمی ہو گیا۔ حضور ﷺ نے تکلیف کی وجہ سے بے اختیار ہلکا سا کوڑا مارا اور کہا بسم اللہ، تم نے میرا پاؤں زخمی کر دیا ہے اور وہ جو کوڑا کا اٹھانا اور مارنا یہ صرف ایک علامتی بے ساختہ اظہار ہوتا ہے۔ بعض دفعہ انسان ہاتھ سے دھکیلتا ہے، بعض دفعہ چھڑی سے دھکیلنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن کہا کہ بسم اللہ تم نے میرا پاؤں زخمی کر دیا ہے۔ کہتے ہیں مجھے اس سے بڑی ندامت ہوئی۔ ایسی ندامت کہ ساری رات میں سخت بے چین رہا کہ ہائے مجھ سے یہ کیا غلطی ہوئی۔ صبح ہوئی تو کسی نے آواز دی کہ محمد رسول اللہ ﷺ تمہیں بلا رہے ہیں۔ کہتے ہیں مجھے اور گھبراہٹ ہوگئی کہ کل کی غلطی کی وجہ سے میری شامت آئی۔ اب آنحضور ﷺ مجھ سے ناراضگی کا اظہار فرمائیں گے۔ بہرحال حکم تھا میں حاضر ہوا تو حضورؐ نے بڑی شفقت سے فرمایا کہ کل تو نے میرا پاؤں کچلا تھا اس وقت میں نے تمہیں ایک ہلکا سا کوڑا مارا تھا مجھے اس کا بہت افسوس ہے۔ اس کے بدلے یہ اسّی (80) بکریاں تمہیں دے رہا ہوں یہ لے لو اور جو تمہیں تکلیف پہنچی ہے اسکو دل سے نکال دو۔ (حدیقۃ الصالحین: 32) کہتے ہیں میں حیران رہ گیا کہ یہ کیا واقعہ ہے، کیسا

رسولؐ ہے کیسا آقاؐ ہے، میں بے چین رہا ہوں ساری رات کہ مجھ سے غلطی ہوئی ہے اور میں نے محمد رسول اللہ ﷺ کو دکھ پہنچایا ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ رات اس بے چینی میں گزارتے ہیں کہ جو بے اختیا رتھوڑا سا بدلہ مجھ سے لیا گیا اس سے مجھے تکلیف پہنچی ہے اور پھر اسّی (80) بکریاں دے کر فرمانا کہ اپنے دل سے اس واقعہ کو نکال دو اس سے پتا چلتا ہے کہ اس مقدس دل میں مسلمانوں کے لئے اور بنی نوع انسان کے لئے کتنی رحمت تھی، کیسی رافت تھی۔

جب میں اس بد بخت دنیا پر غور کرتا ہوں جو محمد رسول اللہ ﷺ پر زبان طعن دراز کرتے ہیں جنہوں نے تمام دنیا کو ایک دوسرے کی زبان کے طعنوں سے بچایا۔ جب میں ان لوگوں کے حالات دیکھتا ہوں جو محمد رسول اللہ ﷺ پر ظلم کے چرکے لگا کر، گندے الزام لگا کر تمام دنیا میں محمد رسول اللہ ﷺ کے عشاق کے دل دکھاتے ہیں تو میں ان کو حیرت سے دیکھتا ہوں کہ ان کو کیا پتا کہ کیا کر رہے ہیں جس نے تمام بنی نوع انسان کی عزت کی حفاظت فرمائی، جس نے ہر حرمت کے لئے ہمارے دلوں میں احساس جگائے کہ تمہارے بھائی کی حرمت تمہاری حرمت ہے۔ اس پر یہ لوگ اپنی بدنصیبی اور بدبختی سے ایسی ایسی بیباکیاں اور ایسی ایسی جرأتیں کرتے ہیں اور جو ادنیٰ سی بھی تکلیف پہنچانے کا سزاوار نہیں تھا، جو برداشت نہیں کرسکتا تھا کہ اس سے کسی کو تکلیف پہنچے آج تک اس رسول ﷺ کا پیچھا یہ ظالم نہیں چھوڑ رہے اور ہر طرح سے ان کو، آپؐ کو اور آپؐ کی امت کو تکلیف پہنچانے پر بضد ہیں اور مسلسل کرتے چلے جاتے ہیں اور پھر بھی دل ٹھنڈے نہیں پڑتے۔ کہاں وہ جس نے راتیں ان کی خاطر جاگ کے کاٹیں کہ ان کو تکلیف نہ پہنچے، کہاں یہ کہ جنہوں نے زمانے صرف کر دیئے آپؐ کو تکلیفیں پہنچانے میں۔

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ انہی قوموں کے متعلق، جن کا ذکر میں کر رہا ہوں، جو عیسائی مذہب سے تعلق رکھنے والی قومیں ہیں، ان کے متعلق جب قرآن کریم میں بتایا گیا کہ تیرا جو انہوں نے انکار کر دیا ہے اس کے نتیجے میں آخر ان پر عذاب نازل ہوگا اور ان کو سزا دی جائے گی تو یہ سن کر محمدؐ رسول اللہ کی جو دل کی کیفیت تھی اس کو قرآن کریم یوں بیان فرماتا ہے لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ کہ اے محمد تیرے انکار کی وجہ سے جو سزائیں مقدر ہیں ان سے تجھے اتنی تکلیف پہنچی ہے کہ کیا تو ان کے غم میں اپنی جان کو ہلاک کر لے گا اور یہ جو قرآن کا

دعویٰ ہے یہ محض ایک فرضی بات نہیں ہے محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے واقعات جو میں آپ کے سامنے پڑھ کر سنا رہا ہوں، یہ سارے واقعات گواہ ہیں، ایک ایک لفظ ان کا گواہ ہے کہ آنحضور ﷺ ایسا ہی دل سینے میں رکھتے تھے، اپنوں کے لئے بے چین ہونے والا، غیروں کی تکلیف سے بھی دکھ اٹھانے والا، یہاں تک دشمنوں کی تکلیف کے تصور سے بھی آپ کی زندگی آپ کے سینے میں ایسی اجیرن ہو جاتی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے ہلاکت کا لفظ استعمال فرمایا۔ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ کیا تو اپنی جان کو ان دشمنوں کے غم میں ہلاک کر دیگا۔

آنحضرت ﷺ کی روزمرہ زندگی کا دستور یہ تھا یہ دستور آج بھی ہمیں اپنانا ہے، آج بھی اسی قسم کے گھریلو تعلقات کو قائم کرنا ہے تب ہم دنیا میں ایک جنتی معاشرہ دینے کے اہل ہوں گے یا کم سے کم اس کا دعویٰ کرنے کے مستحق تو سمجھے جائیں گے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی زندگی سادہ تھی آپ کسی کام میں عار نہیں سمجھتے تھے۔ اپنے اونٹ کو خود چارہ ڈالتے، گھر کے کام کاج کرتے، اپنی جوتیوں کی مرمت کر لیتے، کپڑے کے پیوند لگاتے، بکری کا دودھ دوہ لیتے۔ خادم کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتے۔ آٹا پیستے پیستے اگر وہ تھک جاتا تو آپ اس کی مدد فرماتے، بازار سے گھر کا سامان اٹھا کر لانے میں شرم محسوس نہ کرتے تھے، امیر و غریب ہر ایک سے مصافحہ کرتے، سلام میں پہل کرتے، اگر کوئی معمولی کھجوروں کی بھی دعوت دیتا تو آپ اسے حقیر نہ سمجھتے۔ آپ نہایت ہمدرد، نرم مزاج اور حلیم الطبع تھے۔

آپ کا رہن سہن بڑا صاف ستھرا تھا، بشاشت سے پیش آتے۔ تبسم آپ کے چہرے پر جھلکتا رہتا۔ آپ زور سے قہقہہ نہیں لگایا کرتے تھے، کبھی ہنسی آئے اور قہقہہ نکلے تو ہاتھ رکھ لیتے تھے یا پگڑی کے شملے سے اپنے منہ کو ڈھانپ لیتے تھے۔ تبسم آپ کے چہرے پر ہمیشہ کھیلتا رہتا تھا۔ خدا کے خوف سے فکر مند رہتے لیکن ترش روئی اور خشکی نام کو نہ تھی، منکسر المزاج تھے، اس میں کسی کمزوری، پست ہمتی کا شائبہ تک نہ تھا، بڑے سخی لیکن بے جا خرچ کرنے سے ہمیشہ بچنے والے، نرم دل، رحیم و کریم، ہر مسلمان سے مہربانی سے پیش آنے والے یعنی بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ تھے۔ اتنا پیٹ بھر کر نہ کھاتے تھے کہ ڈکار ہی لیتے رہیں نعوذ باللہ من ذالک کبھی حرص و طمع کے جذبے سے ہاتھ نہ

بڑھاتے بلکہ صابر وشا کر اور کم پر قانع رہنے والے تھے۔(اسد الغابہ۔حدیقۃ الصالحین: 37)

یہ وہ تصویر ہے جسے ہمیں اپنی زندگیوں میں دوام بخشنا ہے۔ان سب باتوں میں ویسے نہ سہی کچھ نہ کچھ تو ایک ،دو، چار قدم ان سمتوں میں آگے بڑھائیں۔اگر ہم اس کی تھوڑی سی بھی نقل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے تو یہ حسن اتنا قوی ہے، اتنا طاقتور ہے کہ اس کی تھوڑی سے جھلک بھی دنیا کو مغلوب کرنے کے لیے کافی ہے۔پس آج جبکہ دعوت الی اللہ کا دور ہے جب خدا کے فضل سے آسمان سے ایسے سامان اتر رہے ہیں، ایسی ہوائیں چل رہی ہیں کہ تھوڑے کئے پر بھی بے شمار پھل ملنے لگے ہیں۔یوں معلوم ہوتا ہے پھل خدا نے پہلے سے لگا رکھے تھے ہم درختوں کو ہلانا بھی نہیں جانتے تھے۔اب ہلاتے ہیں تو پھل گرتے ہیں۔پس ایسی صورت میں یہ پھل ان پاک جھولیوں میں گرنے چاہئیں جن کے وہ لائق ہوں۔وہ ان کی حفاظت کرسکیں، ان کی خوبیوں کو دوام بخش سکیں۔ایسے پھل نہ ہوں کہ جو آئیں اور ہماری غفلتوں سے ضائع ہو جائیں۔پس ہمیں اپنے آپ کو تیار کرنا ہے، محنت کرنی ہے، ان ہواؤں کے رخ پر چلنا ہے جو آسمان کے حکم سے چلی ہیں۔اللہ ہمیں اسکی توفیق عطا فرمائے اور اس غلبۂ اسلام میں آپ کا حسن خلق ہے جو سب سے بڑا کردار ادا کرے گا۔کوئی دلیل، کوئی علم اس کے مقابل پر کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔محمد رسول اللہ ﷺ کے خلق لے کر چلیں تو فتح آپ کے قدم چومے گی۔قلعے آپ کے لئے دروازے کھول دیں گے، تمام دنیا کی فتح کا راز حسن محمد مصطفی ﷺ ہے۔یہ وہ کنجی ہے جس سے ہر تالا کھل جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

اصلاح معاشرہ سب سے ضروری ہے۔

اعلیٰ، حسین اخلاق ہی معاشرے کا حسن ہیں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 9/ دسمبر 1994ء بمقام مسجد فضل لندن برطانیہ)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں جماعت کی تربیت کی جو میں کوشش کر رہا ہوں اسی سلسلے کا آج کا خطبہ بھی ہے اور بعض احادیث کے حوالے سے معاشرے میں موجود خرابیوں کو دور کرنے کی سعی کی جائے گی۔ اللہ دلوں کو توفیق بخشے کہ ان عظیم نصائح کو جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے سینے میں پھوٹیں اور پہلے اس سے نور بن کر آسمان سے اتری تھیں۔ ان نصائح کی روشنی میں اپنے سینوں کی ظلمات کو دور کرسکیں۔ یہ جنگ روشنی اور اندھیرے کی جنگ ہے اور قرآن کریم اس مضمون کو اس طرح بیان فرماتا ہے جہاں فرمایا جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ وہاں یہ مضمون ہے کہ جب صداقت کی روشنی آتی ہے تو جھوٹ کے اندھیرے بھاگ جاتے ہیں۔ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ان اندھیروں کے مقدر میں بھاگنے کے سوا ہے ہی کچھ نہیں۔ لیکن اندھیرے موجود ہیں نور آجائے تو سوال یہ ہے کہ جھوٹا کون ہے؟ وہ سینے جھوٹے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہم نے نور مصطفویؐ کو سینے میں داخل تو کیا تھا مگر اندھیرے باقی رہے۔ لازماً وہ لوگ جھوٹے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہمارے اندر قرآن کی نصائح داخل ہوئیں، حدیث کی نصائح داخل ہوئیں اور پھر بھی وہ اسی طرح کے اسی طرح رہے جیسے پہلے تھے۔ پس اصل میں وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ والی

بات سچی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوا کرتیں دل اندھے ہوتے ہیں۔ روشن آنکھ بظاہر دیکھتی رہتی ہے لیکن اس روشنی کا مفہوم دل کو سمجھ نہیں آتا۔ پس اندھے دلوں کے اندھیرے زائل اور باطل نہیں ہوا کرتے وہ اسی طرح باقی رہتے ہیں۔ پس اگر دل کو درست نہیں کریں گے تو ان نصائح کا کچھ بھی فائدہ نہیں۔ اندھے دلوں پر یہ نصائح پڑتی ہیں لیکن روشنی نہیں پہنچاتیں اور بظاہر آنکھ دیکھ بھی رہی ہے صاحب عقل، صاحب شعور لوگ دکھائی دیتے ہیں، تعلیم یافتہ بھی ہوتے ہیں ان میں سے، بے تعلیم بھی لیکن سمجھ دار اور پھر بھی نصیحت سنتے ہیں اور اثر نہیں پڑتا۔ تو ان کی بات میں کر رہا ہوں ان کے لئے ہمیں دعا بھی کرنی چاہئے اور سمجھانے کی اس طرح کوشش کرنی چاہئے جیسے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کے کسی کو جگایا جا رہا ہو۔ تعجب ہوتا ہے کہ بعض دفعہ اتنی مرتبہ نصائح کی جاتی ہیں۔ بعض دفعہ بعض جماعتوں کو مخاطب کر کے کہ دیکھیں آپ میں یہ کمزوری ہے ٹھیک کریں ورنہ آپ کا ایمان ضائع ہو جائے گا اور آپ کو جو خدا نے توفیق دی ماحول میں تبدیلی پیدا کرنے کی، اس سے محروم رہیں گے اور ان لوگوں کا گناہ بھی آپ کے سر ہوگا جو آپ کے اندرونی جھگڑوں کی وجہ سے احمدیت کے فیض سے محروم رہ گئے۔ بہت لوگ سنتے ہیں اور عمل کرتے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جو گانٹھوں کی طرح پڑے رہتے ہیں، کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ اس وقت قرآن کریم کی اس آیت کا مفہوم سمجھ آتا ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوا کرتیں، دل اندھے ہو جاتے ہیں۔ پس اللہ ہی ہے جو اندھے دلوں کو بھی توفیق بخش سکتا ہے کہ جو کچھ وہ دیکھیں وہ دل کی آنکھ سے بھی دیکھ رہے ہوں اور جب دل کی آنکھ سے محمد مصطفی ﷺ کے نور کو دیکھیں تو لازماً انسانی دلوں میں پاک تبدیلیاں پیدا ہوں گی۔

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے قرض سے متعلق بھی مختلف پہلوؤں سے نصیحت فرمائی ہے۔ اب بہت سے جھگڑے ایسے ہیں جن کا قرضوں سے تعلق ہے اور قرضوں کا جو معاملہ ہے وہ سب سے زیادہ پیچیدہ ہو جاتا ہے کیونکہ نیتیں لکھی نہیں جاتیں اور ہر شخص اپنی نیتوں کو مختلف بیان کرتا ہے۔ مثلاً بعض لوگ کہتے ہیں اس نے ہم سے قرض لیا تھا وہ واپس نہیں کر رہا اور جب بات ٹٹولی جاتی ہے تو پتا چلتا ہے اس قرض کے ساتھ منافع کے نام پر کچھ سود بھی وابستہ تھا اور جب سود ساتھ شامل ہو گیا تو اس کو قرض کہنا ہی ناجائز ہے۔ یہ تو فاسد سودا ہے اور پھر جب تحقیق مزید کی جاتی ہے تو بعض دفعہ پتا چلتا ہے کہ تین لاکھ قرض لیا تھا، پینتالیس ہزار واپس کر بیٹھا ہے، مطالبہ تین لاکھ اور کچھ اور کا

ابھی باقی ہے کیونکہ وہ درحقیقت منافع کے نام پر سودخوری تھی۔اگراس کو واقعۃً دیانت داری سے تجارتی قرضہ سمجھتے تھے یا سمجھتے ہیں تو اس کا لازمی نتیجہ نکلے گا کہ وہ شخص جو تقریباً کنگال ہوا بیٹھا ہے وہ ان کا دیندار ہی نہیں بنے گا کیونکہ تجارت کے معاملات اور ہیں اور سود کے معاملات اور ہیں۔اگر آپ منافع کہنے پر مصر ہیں تو جس شخص کے پاس اپنی رقم منافع اور تجارت کے لئے لگائی تھی اگر اس کا مال ڈوب گیا ہے تو آپ کا بھی ڈوب گیا ہے، وہ الگ اوپر کھڑا نہیں رہا اس کے ساتھ ہی ڈوبا ہے وہ بھی، اس لئے وہ دین دار ہی نہیں بنتا۔اسی لئے دونوں طرف پاؤں رکھنے کی کوشش کر کے اپنی دیانتداری کے حوالوں کے ساتھ ہم نے بڑی محنت سے، حق حلال کی کمائی کی تھی ہماری جو یہ شخص ظالم لے کے بیٹھ گیا ہے۔تو ظالم سے پوچھتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ اتنا وہ سود دے بیٹھا ہے منافع کے نام پر اور ابھی پوری رقم اور اس کے اوپر مطالبے جاری ہیں۔تو میں ایسے لوگوں کو کہا کرتا ہوں کہ قضاء میں جاؤ اور قضاء سے فیصلہ کرواؤ کہ یہ کیا چیز تھی۔اگر تم مصر ہو کہ یہ تجارت تھی تو لازماً تمہیں اس نقصان میں شریک ہونا پڑے گا جس کو تم کہتے ہو اس نے قرض لیا تھا کیونکہ پھر تجارتی قرضے میں نفع نقصان کا انسان ذمہ دار ہوتا ہے اور اگر یہ سود تھا تو یہ حرام کیا ہے اور زیادہ سے زیادہ تمہیں اصل زر دلوایا جاسکتا ہے لیکن چونکہ قرآن کریم فرماتا ہے کہ اصل زر تک معاملہ پھر رہے گا اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔لیکن جس کو تم نے منافع کے نام پر لیا تھا وہ اصل زر کی واپسی شمار ہوگی۔تو اس قسم کے جھگڑے جو نیتوں کی خرابیوں سے تعلق رکھتے ہیں تحریر میں نہیں آرہے ہوتے ان سے بہت نقصان پہنچے ہیں اور جہاں تک عام روزمرہ کا دستور ہے جس شخص میں قرض کی ادائیگی کی توفیق ہے اسے ضرور قرض ادا کرنا چاہئے اور لیت ولعل کرنا اور ٹالنا یہ بہت بڑے گناہ کی بات ہے اور اس سے ساری سوسائٹی میں ضرورت مند مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں کیونکہ یہ سوسائٹی کا اعتماد ہے جس کے نتیجے میں معاملات میں سہولت پیدا ہوتی ہے۔اگر ایک سوسائٹی کے متعلق یقین ہے کہ یہاں قرضے واپس کئے جائیں گے، حسب توفیق واپس کئے جائیں گے اور سوسائٹی کا نام نیک ہو جائے تو پھر بڑی سہولت اور آسانی کے ساتھ غریبوں کی ضرورتیں پوری ہوتی رہتی ہیں اور وہ ضرور واپس کرتے ہیں اور اس میں امارت اور غربت کا فرق نہیں ہے، دل کی شرافت کا فرق ہے۔

بعض ایسے غریب لوگ ہیں اور ایسی غریب قومیں ہیں جن کا بمشکل گزارہ ہو رہا ہوتا ہے

لیکن جب بھی ان کو قرضہ دیا جاتا ہے ان میں سے کسی کو، وہ اپنے وعدے کے مطابق واپس کرتے ہیں خواہ ان کو اپنی تجارت بیچنی پڑے۔ اب غانا کا معاملہ ہے ابھی دو دن ہوئے ہیں میرے پاس ایک معاملہ پیش ہوا غانا اور بعض غریب افریقن ملکوں میں ہم نے یہ سکیم شروع کی ہوئی ہے کہ جن لوگوں کو پاؤں پر کھڑا کرنا ہے ان کو پاؤں پر کھڑا کرنے کے لئے تجارتی قرضہ دیتے ہیں اور سہولت دیتے ہیں کہ اپنی مرضی بتاؤ کہ کب تک واپس کر سکو گے۔ تو ایک شخص جس کو قرضہ دیا گیا تھا اس کی مدت واپسی کی آ گئی اس نے ایک ایک پائی واپس کی لیکن ساتھ یہ لکھا کہ میں نے واپس کر دیا ہے لیکن میری تجارت کو یہ روپیہ نکالنے کی وجہ سے ایسا دھکا لگا ہے کہ پھر مجھے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا مشکل ہو گیا ہے۔ تو میں نے اسی وقت ان کو وہ سہولت دوبارہ دلوا دی کیونکہ جو شرافت ہے یہ جب بولتی ہے تو اثر رکھتی ہے۔ ایک دیانت دار کی بات میں بڑی طاقت پیدا ہو جاتی ہے اگر وہ نہ دیتا اور ٹالتا رہتا جیسا کہ ہمارے ملک میں اکثر پاکستان میں خصوصیت سے اور ہندوستان میں بھی عموماً یہ بات پائی جاتی ہے ، ہندوستان میں عموماً میں نے اس لئے کہا ہے کہ مجھے ذاتی طور پر علم ہے لیکن پاکستان تو میں جانتا ہوں کہ قرضہ لیا واپسی کی نوبت ہی نہیں آ رہی۔ صاحب توفیق بھی ہے تب بھی نہیں دے رہا اور اگر توفیق نہیں ہے تو پھر بھی ٹالتا ہے وقت کے اوپر آ کر ذمہ داری کا نمونہ نہیں دکھاتا بلکہ اچھا جی آج نہیں کل دے دیں گے۔ کل نہیں تو پرسوں دے دیں گے اور جو ٹالتا ہے اس میں جھوٹ ہوتا ہے۔ اگر ٹالنے میں مجبوری ہو تو وہ ٹالنا قابل برداشت ہے لیکن جس ٹالنے میں پتا ہے کہ میں نے نہیں دینا اس میں وہ پھیرے ڈلوانے والی بات ہے اور وہ محسن جس بے چارے نے اپنی ضرورت کاٹ کر یا زائد میں سے کچھ رقم ایک دفعہ دے دی وہ ایسا اس کی نظر میں برا بن جاتا ہے کہ وہ گویا اس پر ظلم کرنے آ رہا ہے۔ جب اس کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے تو اس کو آگے سے پھر سختی سے جواب ملتا ہے، میرا پیچھا چھوڑو، نہیں ہیں، اس وقت میں نہیں دے سکتا۔ تو بدتمیزیاں بھی ساتھ شروع ہو جاتی ہیں۔ تو چھوٹے چھوٹے معاملات میں اگر نیتیں گندی ہوں تو ساری سوسائٹی کے معاملات گند سے بھر جاتے ہیں تعفن پیدا ہو جاتا ہے، ان میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے۔ بعض دفعہ اسی بناء پر لڑائیاں بڑھیں اور بہت بڑھ گئیں اور مار کٹائیاں بھی ہوئیں کہ ایک شخص غریب نے قرضہ دے دیا تھا کسی کو، وہ مطالبے کے لئے جاتا رہا یہاں تک کہ اسکے بچوں نے اس پر حملہ کر دیا اور اس کو زدوکوب کیا کہ تم ہوتے کون ہو ہمیں تنگ کرنے والے۔

آنحضرت ﷺ نے جو قرض کے معاملے میں اپنی سنت قائم فرمائی ہے اور نصیحتیں فرمائی ہیں وہ اتنی واضح ہیں کہ ان کے بعد سوسائٹی میں کسی قسم کے قرض سے تعلق رکھنے والے دکھ کے باقی رہنے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔اسی سلسلے میں حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا، استطاعت رکھنے والے کا جب کہ سب کچھ موجود ہو قرض ادا نہ کرنا اور ٹال مٹول سے کام لینا ظلم ہے۔جب تم میں سے کسی کا قرض کسی دولت مند کے ذمے لگایا جائے اور اس بات کو مان لے کہ قرض ادا کردے گا تو قرض خواہ کو اس کی سپردگی اور حوالگی مان لینی چاہئے اور بے جا ضد نہیں کرنی چاہئے۔(بخاری کتاب الحوالہ حدیث نمبر:2125)

اس میں دو باتیں ہیں اول یہ کہ اگر تمہارے پاس توفیق ہے تو پھر لازماً دو ورنہ تم ظالموں میں شمار ہو گے اور اگر توفیق نہیں ہے تو کوشش کرو کہ کوئی ایسا شخص جو متمول ہو اور جس کو تم پر اعتماد ہو وہ ذمہ داری قبول کرلے اور قرض خواہ کو یہ نصیحت فرما دی گئی ہے اس صورت میں کہ اگر وہ ذمہ داری قبول کر لیتا ہے تو تم مان لیا کرو پھر اور تنگی نہ ڈالا کرو۔

ایسے موقع پر آنحضرت ﷺ کا خود اسوہ یہی تھا کہ ایک دفعہ مثلاً ایک یہودی نے آکر بہت سختی کی اور سخت کلامی کی یہاں تک کہا کہ آپ کے خاندان کا یہی پرانا طریق ہے کہ قرض لیتے ہیں واپس نہیں کرتے ،اور خاندانی طعن آمیزی جو ہے آج کل بھی جاری ہے، پرانے زمانے میں بھی یہود کیا کرتے تھے اور حدیثوں میں رواج موجود ہے کہ ایسے موقع پر قرض خواہ پھر تنگ کرتا ہے اور گستاخی کرتا ہے لیکن ایسے موقع پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت غصہ آیا۔وہ موجود تھے اور انہوں نے تلوار پر ہاتھ ڈالا کہ ایسا بدتمیز اور بداخلاق جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے متعلق زبان کھول رہا ہے تو آپؐ نے فرمایا عمر! نہیں یہ نہ کرو۔تمہیں یہ کرنا چاہئے تھا کہ مجھے حسن ادائیگی کی نصیحت کرتے اور اس کو حسن طلب کا سلیقہ سکھاتے۔(حدیقۃ الصالحین صفحہ:668)۔کیسا پیارا کلام ہے۔حضرت محمد رسول اللہ ﷺ جو سب دنیا کو دونوں باتیں سکھانے کے لئے آئے تھے عجز اور انکسار کا یہ عالم ہے اور اصل میں ہمیں سکھانے کی خاطر حضرت عمرؓ سے کہتے ہیں کہ مجھے نصیحت کرتے اور اس موقع پر جائز تھا کہ کوئی حرج نہیں۔مجھے کہتے کہ یا رسولؐ اللہ وقت کے اوپر دینا آپؐ ہی کی تعلیم ہے خدا نے آپؐ کو عطا کی ہے اور خود کہہ کر یہ نصیحت مانگنا بتاتا ہے کہ ایک ادنیٰ بھی آنحضور ﷺ کی طبیعت پر یہ گراں نہ گزرتا۔

مگر صحابہ کا ادب تقاضا کرتا تھا کہ جن سے سیکھتے ہو ان کو سکھانے کی کوشش تو نہ کرو کم سے کم۔ تو دوسرے لفظوں میں جو بات آنحضورؐ نے نہیں بتائی وہ حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہؓ سمجھتے تھے لیکن جہاں تک طلب فرمائی کرنے والے کا تعلق ہے اس کو نصیحت کرنا یہ جائز ہی نہیں تھا بلکہ ضروری تھا کہ اس سے کہا جاتا کہ دیکھو تم نے مطالبہ کیا ہے تمہارا مطالبہ پورا ہوگا لیکن یہ باتیں بنانا جائز نہیں لیکن اس نصیحت کے بعد آنحضرت ﷺ نے ایک ضامن وہیں سے لیا یہ نہیں فرمایا کہ یہ بعد میں دے گا فرمایا جاؤ اس کو ابھی دو اور جتنا حق ہے اس سے زیادہ دو۔ اب یہ بھی ایک نیا اسلوب داخل فرما دیا قرض لینے اور دینے کے معاملات میں کہ باوجود اسکے کہ گستاخی کر رہا تھا اس کے ساتھ کوئی سختی نہیں فرمائی بلکہ اس کو اور زیادہ دینے کی نصیحت فرمائی اور کہا یہ سچ کہتا ہے جو وقت تھا اس سے کچھ اوپر گزر گیا ہے۔ پس اگر توفیق نہیں ہے تو تب ایسے لوگ جن سے تمہارے تعلقات ہیں، جن کو تم پر اعتماد ہے وہ ایسے موقع پر مدد کر سکتے ہیں اور فرمایا کہ جو قرض طلب کرنے والا ہے اگر ایسے موقع پر کوئی ضامن پیش کیا جائے خواہ وہ فوری ادائیگی نہ بھی کر سکے تو قرض کے طلب کرنے والے کے اوپر مناسب یہی ہے کہ وہ سہولت دے۔

پھر ایک موقع پر فرمایا کہ اگر تم تنگی دیکھتے ہو تو ضامن کے بغیر بھی ویسے ہی سہولت دے دیا کرو۔ اگر کوئی شخص قرض لے بیٹھا ہے اور مشکل میں مبتلا ہے تو مطالبہ کرنے میں بھی سختی نہ کرو۔ تو ایک طرف ادائیگی کرنے والے پر ذمے داری ڈالی کہ اگر تمہیں توفیق ہے تو لازماً ادا کرو۔ دوسری طرف مطالبہ کرنے والوں کو ادب سکھایا کہ ایسے موقع پر مطالبے میں سختی نہیں کرنی چاہئے بلکہ جہاں تک ممکن ہے ڈھیل دینے کی کوشش کرو۔ یہ باتیں اگر ایک سوسائٹی میں داخل ہو جائیں تو لازماً ضرورت مند کی جائز ضرورتیں قرضوں کے ذریعے پوری ہو سکتی ہیں اور قرضہ والے کو بھی کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی بلکہ ہو سکتا ہے کہ کوئی با اخلاق انسان نے جتنا قرضہ لیا ہے اس سے بھی زیادہ واپس کر دے اور کسی سود کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ سوسائٹی کے آپس کے معاملات آسان ہو جاتے ہیں جیسے کسی مشین کو Lubricate کر دیا ہو اچھی طرح اس میں مناسب تیل دے دیا جائے تو کل پرزے چلتے ہیں لیکن آواز تک نہیں آتی لیکن اگر یہ Lubrication کا انتظام نہ ہو تو چیخوں کی آوازیں، شور کی آوازیں، کھٹا کھٹ کی آوازیں آنی شروع ہو جاتی ہیں، مشینیں گرم ہو جاتی ہیں گرم ہو کے Jam ہو جاتی ہیں۔ تو سوسائٹی کا بھی یہی حال ہے وہ بھی بداخلاقیوں سے گرم ہوتی ہیں، شور

اور چیخوں کی آوازیں ان سے پیدا ہوتی ہیں اور پھر ایک موقع پر آ کر ان کے معاملات رک جاتے ہیں اور روزمرہ کی ضرورت کی چیزیں پوری نہیں ہوسکتی اقتصادی مشین کے پہیے چلتے چلتے Jam ہو جاتے ہیں۔ جام ہونا اردو محاورہ ہے انگریزی میں ''جیم'' ہو گئے لیکن اردو میں جام لفظ چلتا ہے آج کل۔ وہ جام ہو گئے یعنی پکڑے گئے خشکی کی وجہ سے ایک دوسرے سے رگڑ کھا کر اب ان میں چلنے کی طاقت نہیں رہی کیونکہ پھر وہ سوج بھی جاتے ہیں، ان میں بعض ذرات اٹک جاتے ہیں تو واقعۃً وہ مشین پھر چلنے کے لائق نہیں رہتی۔ پھر اس سے ساری قوم کو اقتصادی نقصان پہنچتا ہے۔ جن دنوں میں یہ اعتماد اونچا ہو قوم کا ان دنوں میں ساری قوم کی تجارت ترقی کرتی ہے۔

حضرت ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کے متعلق میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ آپ فقیہہ تھے اور فقہ کے مضمون میں جو آپ کو سربلندی اور بلند مرتبہ نصیب ہوا اس میں کوئی فقیہہ آپ کا شریک نہیں ہے۔ سب دنیا میں سب سے زیادہ ہردلعزیزی آپ کو عطا ہوئی لیکن اس کے باوجود ایسے بڑے تاجر تھے کہ اس زمانے کے لحاظ سے کروڑ پتی تھی اور وجہ ان کی دیانت تھی صرف اور کچھ نہیں تھا۔ اس زمانے میں سوسائٹی میں دیانت ایک قدر تھی جس کی سب سے زیادہ قیمت پڑتی تھی اور دیانت واقعۃً ایک قدر ہے جس کی بہت بڑی قیمت پڑتی ہے۔ ایسی سوسائٹی میں بھی جہاں ایسے بحران آجاتے ہیں کہ نوکریوں سے لوگوں کو باہر نکالا جاتا ہے۔ بسا اوقات بعض احمدی مجھے بتاتے ہیں کہ نہ صرف یہ کہ ہمیں نکالا نہیں بلکہ ترقی دے دی اور وجہ یہ بتائی کہ تم دیانتدار ہو۔ ہم جانتے ہیں، ہمیں تم پر اعتماد ہے۔ اس لئے زیادہ تعلیم یافتہ، اپنے ہم رنگ، ہم نسل کو تو نکال دیا مگر ایک دوسری قوم سے تعلق رکھنے والے دیانتدار کو نہیں نکال سکے کیونکہ اپنا نقصان تھا۔

ایک موقع پر مجھے پتا لگا کہ ایک بہت امیر چنیوٹی خاندان ہے ان کا مطالبہ ہے کہ ہمیں احمدی کارکن مہیا کرو۔ تو مجھے انہوں نے خط لکھا کہ اس طرح ہم سے مطالبہ ہے ہم کریں یا نہ کریں۔ میں نے کہا ضرور کرو اور پتا بھی کرو کیا بات ہے۔ مجھے علم تھا کہ کیا ہو گی لیکن میں سننا چاہتا تھا تو انہوں نے اپنے منہ سے صاف اقرار کیا کہ بات یہ ہے کہ میرا تجربہ ہے جب جتنے احمدی کارکن میں نے رکھے ہیں وہ غیروں کی نسبت زیادہ دیانتدار ثابت ہوئے ہیں اس لئے میرا کوئی احسان نہیں ہے بلکہ میری مجبوری ہے اور انگلستان میں بھی ایک ایسی جگہ ہے، ایک ایسا ادارہ ہے جہاں احمدیوں کو صرف اس

غرض سے رکھا جا رہا ہے کہ باوجود دینی مخالفت کے اور بڑے بھاری دینی دباؤ کے وہ مالک سمجھتا ہے کہ یہ زیادہ دیانتدار ہیں ان پر میں اعتماد کرسکتا ہوں دوسروں پر ایسا اعتماد نہیں کرسکتا۔تو دیانت سے بڑھ کر کوئی بڑا سرمایہ نہیں ہے اگر دیانت ہو تو بے پیسے کے بھی انسان کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے اور ایسے انسان پر دوسرا یقین کرتا ہے، اعتماد کرتا ہے اس کو سرمایہ دے کر آگے بڑھانے کی کوشش کرتا ہے۔لیکن اگر دیانت نہ ہو تو امیر سے امیر آدمی کا سرمایہ بھی اس کے کسی کام کا نہیں رہتا۔

پس حضرت محمد مصطفی ﷺ نے جہاں قرضوں کا مضمون بیان فرمایا وہاں قرضوں کی دیانت کی ادائیں بھی سکھائی ہیں۔ ہر دائرے کی اپنی اپنی ادائیں ہیں۔قرضوں کے دائرے میں اخلاق اور حسن خلق کا مضمون قرضوں سے تعلق کی وساطت سے بیان کیا جاتا ہے۔پس اس پہلو سے بھی آنحضرت ﷺ نے کوئی کونہ ایسا چھوڑا نہیں جہاں آپؐ نے روشنی نہ ڈالی ہو۔تو مسلمانوں کے لیے پھر اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنے کا کیا موقع رہ جاتا ہے۔اس کے باوجود اگر احمدیوں میں کوئی ایسے ہوں جو اندھیروں میں ٹکریں مارتے ہیں اور پھر نقصان پہنچاتے ہیں، کہیں ان کا گھٹنا ٹوٹتا ہے کہیں وہ ٹھوکر کھا کر گرتے ہیں تو نور مصطفویؐ کو انہوں نے اندر آنے نہیں دیا۔ یہ میں سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ ہے یہ نور اور اس سے اندھیرے لازماً زائل ہوتے ہیں۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ یہ نور سینے میں داخل ہو جائے اور پھر اندھیرے باقی رہ جائیں۔لیکن سینے میں داخل کرو اور اگر دل اندھے ہیں تو پھر دلوں کا علاج کرو اور وہ استغفار اور دعا سے ٹھیک ہو سکتے ہیں لیکن جماعت احمدیہ میں معاملات ایسے صاف ستھرے، ایسی عمدگی سے چلنے چاہئیں جیسے مشین بہت اچھی طرح Lubricated ہو اور ہر قسم کی اس کی حرکت کی ضرورتیں پوری کی جارہی ہوں، جتنا تیل چاہئے وہ تیل بھی مل رہا ہو، جتنی طاقت درکار ہے وہ طاقت بھی مل رہی ہو تو ایسی سوسائٹی پھر خوب پنپتی ہے۔

اور چونکہ اب ذمہ داریاں بڑھ رہی ہیں ایسے احمدیوں کی ضرورت ہے جو زیادہ خوشحال اور دلوں کی وسعتیں رکھتے ہوں، اعلیٰ دینی اخلاق سے مرصع ہو کر ان میں قربانی کا جذبہ ہو، قربانی کی تمنائیں ہوں تا کہ وقت کی بڑھتی ہوئی ضرورتیں جماعت احمدیہ آسانی سے پوری کر سکے۔ ہوتی تو ہیں اور ہوتی رہیں گی، مجھے یقین ہے لیکن وہ جو کمزور الگ بیٹھے ہیں وہ بھی شامل ہو جائیں گے لیکن اگر کوئی شخص ملتا ہے جو باوجود ان نصیحتوں کے اپنے قرضوں کے معاملات کو درست نہیں کرتا اور دیانتداری کو

اختیار نہیں کرتا یا مالی بددیانتی کا مرتکب وہ ہو جاتا ہے تو اس کے متعلق پھر مجھے مجبوراً یہ فیصلہ دینا پڑتا ہے کہ اس سے آئندہ کوئی چندہ وصول نہیں کیا جائے گا اور یہ بڑی محرومی ہے۔ جن کو سمجھ آجاتی ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسی دھکے کے نتیجہ میں سنبھل جاتے ہیں اور بعض اس دھکے کے نتیجے میں ٹھوکر کھا کر گر پڑتے ہیں اور ختم ہو جاتے ہیں لیکن اس کے سوا چارہ نہیں ہے۔ پس جو قرضوں کے معاملات میں اور لین دین کے معاملات میں ابھی تک کمزوری دکھا رہے ہیں اور اپنے بھائی کے پیسے کی عزت اور قدر نہیں کرتے ان کو میں متنبہ کرتا ہوں کہ اب ہم نے بہت تیز آگے بڑھنا ہے اور اب ان کو ساتھ لے کر بڑھنے کی طاقت نہیں ہے۔ نہ اتنا صبر ہے، نہ وقت کے تقاضے ہمیں اجازت دیں گے کہ ان کو ساتھ ساتھ انگلیاں پکڑ پکڑ کے ضرور آگے بڑھاؤ۔ نہیں رہتے تو پھر الگ ہو جائیں، ہمارا ساتھ چھوڑ دیں لیکن جماعت جس نے سفر کرنے ہیں اور لمبے سفر کرنے ہیں اور تیز رفتاری سے آگے منزلیں طے کرنی ہیں ان کو تو اب ہلکے پھلکے وزن والے چاہئیں جو اس قسم کے بوجھوں سے آزاد ہوں یعنی ان کے ضمیر پر کسی قسم کے گند کے بوجھ نہ ہوں تا کہ یکسوئی کے ساتھ وہ خدمت کر سکیں۔

حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور دو آدمی قریب ہی جھگڑ رہے تھے ان میں سے ایک کا چہرہ سرخ تھا، رگیں پھولی ہوئی تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں ایسی بات جانتا ہوں کہ اگر وہ اس بات کو کہے تو اس کی یہ کیفیت جاتی رہے گی۔ یعنی اگر وہ کہے کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں دھتکارے ہوئے شیطان سے **اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم** تو اس کا غصہ جاتا رہے گا۔ اس پر لوگوں نے اس جھگڑنے والے کو کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر تو **اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم** پڑھے تو تیرا غصہ جاتا رہے گا (بخاری کتاب بدء الخلق حدیث نمبر: 3040) اور آنحضرت ﷺ کا پیغام ملتے ہی صحابہ فوراً سرِ تسلیم خم کرتے تھے اور اس طرح فساد کی جڑیں ہی ختم ہو جاتی تھیں یعنی نیست و نابود ہو جاتی تھیں۔ تو آج کل بھی تو آنحضرت ﷺ کا حکم اسی طرح چل رہا ہے۔ آج بھی تو ہم غلامی کے دعویدار ہیں تو پھر آج کیوں ان نصیحتوں کو سن کر ان پر عمل نہیں دکھاتے۔ غصہ بعض دفعہ دماغ کو پاگل کر دیتا ہے اور غصے میں جو انسان اقدام کر بیٹھتا ہے بعض دفعہ ساری عمر پچھتاتا ہے اور پھر بھی اس کا صحیح ازالہ نہیں کر سکتا۔

ایک دفعہ مجھے کسی نے لکھا کہ میں نے غصے میں اپنی ماں کو یہ بات کہہ دی تھی، معافی ہوگئی

مگر آج تک میرے دل میں اس کی جلن نہیں مٹ رہی۔ اپنی ماں کو میں نے کیوں ایسا کلمہ کہا۔ ایک دفعہ کسی نے اپنے باپ کے متعلق ایسا واقعہ لکھا اور پھر قتل بھی ہو جاتے ہیں لیکن غصے کی بیوقوفی کا جو داغ ہے وہ مٹتا نہیں قتل تو معاف ہو جاتے ہیں لیکن وہ داغ اپنے سینے سے نہیں مٹتا۔ پس آنحضرت ﷺ نے اس کا بہترین علاج یہ بیان فرمایا کہ یہ کہا کرو اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم کہ میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں شیطان رجیم سے۔ تو غصے کو شیطان رجیم قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ غصے کی حالت میں بھاری امکان ہے کہ شیطان انسان پر قبضہ کر لے اور اس کا فعل شیطانی فعل بن جائے اور یہ ایک ایسی بات ہے جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ آنحضور ﷺ کو مانے یا نہ مانے۔ یہ بات تو دنیا کا ہر انسان ماننے پر مجبور ہے کہ غصہ انسان کو شیطانی افعال پر مجبور کر دیتا ہے اور وہ اپنے قابو میں نہیں رہتا۔ تو بہت سے جھگڑے غصے کی وجہ سے بڑھ جاتے ہیں اور تو تکار شروع ہو جاتی ہے اور بہت سی گندی بے ہودہ باتیں آجاتی ہیں بیچ میں۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے پھر وہ ایسے داغ لگا جاتا ہے کہ وہ پھر مٹتے نہیں ہیں اور جھگڑوں میں غصے کے نقصان دو چار نہیں بلکہ بہت ہیں، لامحدود کہنا چاہئے جو افعال سرزد ہوتے ہیں ان کے بعد جو نتائج نکلتے ہیں ان میں پھر اکثر جھوٹ کے شیطان سے مدد مانگنی پڑتی ہے۔ وہ شیطان جو ایک دفعہ اتفاقاً تھوڑی دیر کے لیے آیا تھا وہ دائمی ساتھی بن جاتا ہے۔ چنانچہ غصے کی حالت میں جو حرکتیں سرزد ہوتی ہیں جب ان پر کارروائیاں ہوں تو پھر اکثر یہ ملوث لوگ جھوٹ بولتے ہیں، جھوٹے گواہ بناتے ہیں، جھوٹے بہانے بناتے ہیں، نفس ان کا الجھا رہتا ہے کہ اب میں کیا ترکیب کروں جس کے نتیجہ میں اپنے فعل کی زد سے بچ سکوں اور ساری سوسائٹی گندی ہو جاتی ہے۔

پھر غصے میں جو جھگڑا چلتا ہے اس میں اکیلا انسان نہیں رہا کرتا۔ ایسے واقعات ہوئے ہیں کسی باپ کی کسی دوسرے شخص سے لڑائی ہوئی ہے۔ بیٹا اٹھا ہے اور اس نے جا کے اس کے بیٹوں کو مارا یا اس کے باپ پر حملہ کیا اور پھر جتھے بنتے ہیں اور ایک دوسرے سے تعلق رکھنے والے گروہ در گروہ اپنی عزتوں کو معاملے بنا لیتے ہیں کہ ہم زیادہ طاقتور ہیں اور وہ کم تر ہے یا ہم زیادہ معزز لوگ ہیں اور وہ ذلیل ہیں۔ یعنی جو بھی ہو نفس کے جھگڑے، نفسانی بچے دیتے ہیں اور یہ خیال کر لینا کہ نفس کا جھگڑا وہیں ختم ہو جائے گا غلط ہے۔ نفسانی بچے جب پیدا ہوتے ہیں تو کئی شیاطین اکٹھے ہو جاتے ہیں یعنی ایسے شیطان ہیں جو خود بچے دینے والے شیطان ہیں اور ان سے پھر پیچھا نہیں چھٹتا۔ بعض

خاندانی جھگڑے لمبے عرصے تک نسلاً بعد نسل منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ایسی جماعتیں ہیں جن کو اللہ نے اپنے فضل سے بچالیا ہے جن کے جھگڑے اس طرح ایک نسل کے بعد دوسری نسل میں منتقل ہوئے، دوسری سے تیسری میں منتقل ہوئے اور خاندانوں نے اپنی عزت کا معاملہ بنالیا اور ہر نصیحت کرنے والا ناکام ہوجاتا رہا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو بچانا تھا ان کے آباؤاجداد کی کوئی نیکیاں تھیں جو کام آئیں وہ بچ گئے لیکن بعض ابھی تک نہیں بچ سکے تو آنحضرت ﷺ نے جو اعوذ باللہ کی نصیحت فرمائی ہے یہ بیماری کی جڑ اکھیڑنے والی نصیحت ہے۔شیطان سے خدا کی پناہ میں آجانے سے یہ سارے قصے وہیں ختم ہوجاتے ہیں آگے بات نہیں بڑھتی۔

مؤطا امام مالک سے ایک حدیث ہے حضرت عطا بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔مصافحہ کیا کرو اس سے بغض اور کینہ دور ہوجائے گا۔(مؤطا امام مالک کتاب الجامع حدیث:1413)اب ہمارے ہاں تو مصافحے کا بہت رواج ماشاء اللہ۔لیکن بعض دفعہ یہ ہوتا ہے واقعۃً کہ جس سے انسان کی طبیعت میں تردد ہو،اس کی طرف مصافحے کا ہاتھ نہیں اٹھتا۔یہ ایک بہت گہری نصیحت ہے لیکن یہ بات یادرکھنی چاہئے کہ اس سوسائٹی کو نصیحت کی جارہی ہے جس سے نفاق کی کوئی توقع نہیں ہے۔اگر منافق مصافحہ کرے تو یہ نتیجہ نکلے گا بلکہ بعض دفعہ اور بد نتائج ظاہر ہوجاتے ہیں۔تو آنحضرت ﷺ نے جب فرمایا کہ مصافحہ کرو اس سے محبت بڑھتی ہے اور غلط فہمیاں دور ہوتی ہیں یا دلوں کی میل اترتی ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اپنی امت سے یہ توقع ہے بلکہ یقین ہے کہ وہ منافقت سے کوئی حرکت نہیں کریں گے۔اگر کسی شخص کے دل پر میل ہے اور باوجود اس کے آپ مصافحہ کرتے ہیں تو طبعاً دو ہی حالتیں ہوسکتی ہیں یا دل میں نفرت قائم رکھی ہوئی ہے تو یہ منافقت ہے اور یا پھر فیصلہ کرتے ہیں کوئی بات نہیں میرا بھائی ہے میں مصافحہ کرتا ہوں وہ مصافحہ دل کو ٹھنڈا کردیتا ہے پس مصافحے میں بھی بڑی برکت ہے۔

اور دوسرا فرمایا اس سے آگے بڑھو تحفے دیا کرو،ایک دوسرے کو تحفے پیش کرو محبت بڑھے گی اور عداوتیں اور رنجشیں دور ہوں گی تو یہ بھی ایک بہت اچھا طریق ہے کہ تحائف کو رواج دیا جائے لیکن جب تحائف دیئے جائیں تو پھر آگے سے کیا سلوک ہونا چاہئے۔یہ تو نہیں کہ چپ کر کے تحفے وصول کرتے رہو اور سمجھو بس ٹھیک ہوگیا، جزاکم اللہ۔آنحضرت ﷺ نے ہر مضمون جو چھیڑا ہے اس کے

تمام پہلو بیان فرمائے ہیں۔

فرماتے ہیں کسی شخص کو کوئی تحفہ دیا جائے تو اسے چاہئے کہ وہ اس کا بدلہ دے اگر وہ بدلہ دینے کی یعنی بعینہٖ واپس کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا یا کسی وجہ سے مناسب نہیں سمجھتا۔ بعض دفعہ اگر ویسی ہی چیز واپس کی جائے تو دوسرے کی دل شکنی ہوتی ہے، بجائے حوصلہ افزائی کے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میرا بدلہ اتار دیا گیا ہے۔ تو ہر شخص کے اعلیٰ مزاج یا نسبتاً ادنیٰ مزاج کے مطابق سلوک ہوتا ہے۔ بعض کو تحفہ دینا ان کے لئے دل بڑھانے کا موجب بنتا ہے بعض پژمردہ ہوجاتے ہیں سمجھتے ہیں کہ اچھا ہم تو بڑے پیار سے لائے تھے کہ کچھ ہمارا احساس رہے گا لیکن یہ دے کر ہماری وہ بات ختم کر دی تو ان کا بھی علاج ممکن ہے۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ تعریف کے رنگ میں اس کا ذکر کرے، اس کا شکریہ ادا کرے، کہے بہت اچھا ہے۔ بہت لطف آیا، بہت میرے دل میں اس کے نتیجے میں تمہارا پیار بڑھا ہے۔ اگر اس نے ایسا کیا تو گویا اس نے شکر کا حق ادا کر دیا۔ تو بدلے سے مراد بالکل مادی بدلے نہیں ہیں جہاں توفیق ہو وہ موقع اور محل کے مطابق فوری نہیں کسی وقت وہ بھی ضروری ہے لیکن اتنا کر دینا بھی اس نصیحت پر عمل درآمد کرنے کے مترادف ہے، اس کے عین مطابق ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم فرمارہے ہیں۔ کہتے ہیں شکریہ ایسے احسن رنگ میں ادا کرے کہ تحفے والے کا دل خوش ہوجائے یہی اصل بات ہے۔ تحفے کے نتیجے میں دلوں کی خوشی درکار ہوتی ہے وہی مقصود ہوتی ہے کہ اس کا دل اتنا خوش کر دو کہ تمہیں یقین ہوجائے کہ بدلہ اتر گیا ہے۔

بعض دفعہ میرا تجربہ ہے بعض لوگوں کو تحفہ دیا جائے تو اتنا زیادہ شکریہ کا اظہار کرتے ہیں کہ آدمی شرمندہ ہوجاتا ہے، یہ وہم بھی باقی نہیں رہتا کہ اس کے اوپر کچھ باقی چڑھا ہوا ہے انسان اس کے اظہار شکر کا ممنون ہو کر زیر بار ہوجاتا ہے۔ تو حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی انسانی فطرت پر بہت گہری نظر تھی اور ایک دنیا کے عظیم معلم کے طور پر لازم تھا کہ آپؐ کو فطرت کے گہرے راز سکھائے جائیں۔ پس ہر موقع اور محل کے مطابق، اس کی مناسبت سے نصیحت آپؐ نے فرمائی اور کوئی تعلیم اور تربیت کا پہلو باقی نہیں چھوڑا۔

فرماتے ہیں اگر کوئی اس کو چھپائے بلکہ ایسا کرے کہ تعریف کا کوئی کلمہ تک نہ منہ سے نکلے، تحفہ ملا ہے منہ بند کر کے، گنگ ہو کر کے بیٹھ گیا ہے۔ بعض لوگوں کے دماغ میں ہوتا ہے شاید کہ ہمارا

حق ہے کہ ہمیں تحفہ دیا جائے۔تو فرمایا کہ اگر یہ بات ہے تو پھر اس نے شکر کا حق ادا نہیں کیا اور یہ جو بات ہے اس میں بھی میں نے دیکھا ہے مزاج مختلف ہیں۔بعض لوگ ایسا مزاج رکھتے ہیں کہ ان کو اگر شکریہ ادا کیا جائے تو شرمندہ ہو جاتے ہیں اور حجاب محسوس کرتے ہیں لیکن جو تشکر ہے وہ بعض دفعہ اپنے چہرے سے ظاہر ہوتا ہے، اپنے انداز سے ظاہر ہوتا ہے۔آئندہ کے سلوک اور معاملات سے ظاہر ہوتا ہے تو وہ بھی اظہار تشکر ہے اور ہر شخص کی طبیعت کی لطافت اور اس کے مزاج کے مطابق شکریہ کا رنگ اختیار کرنا چاہیئے۔جو اس بات کے محتاج ہیں کہ کھلم کھلا شکریہ ادا کیا جائے لازماً ان کو کھلم کھلا شکریہ ادا ہونا چاہئے۔جن کے دلوں میں محسوس ہوتا ہے کہ کوئی شخص ممنون ہے اور اس سے زیادہ وہ بار برداشت نہیں کر سکتے ان سے وہی سلوک ہونا چاہئے جو ایسے حساس لوگوں سے واجب ہے جو فطرت بتاتی ہے کہ ہونا چاہئے۔

ایک اور حدیث ہے، مسلم کتاب الفضائل سے لی گئی ہے، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اشعری قبیلے کی خصوصیت بڑی قابل تعریف ہے۔یہ ایک خصوصیت مراد ہے کہ جب جنگ میں ان کو تنگ دستی کا سامنا کرنا پڑے یا اپنے شہروں میں اچانک ایسی خوراک کی کمی واقع ہو جائے کہ کچھ لوگ بالکل بھوکے رہ رہے ہوں اور کچھ کے پاس زیادہ ہو تو ایسی صورت میں وہ ہمیشہ اپنے تمام ذخائر کو اکٹھا کر لیتے ہیں اور پھر برابر تقسیم کر دیتے ہیں۔ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ (البلد:15) یہ وہ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ کی بات ہو رہی ہے جس کے متعلق قرآن کریم نے نصیحت فرمائی۔رسول اللہ ﷺ نے ایک اور قبیلے کے حوالے سے اس کا بیان فرمایا لیکن ساتھ ہی آخر پر فرمایا دراصل ایسے ہی لوگ ہیں جو میرے ہیں اور میں ان کا ہوں۔تو یہ کسی اور سے آپؐ نے سیکھا نہیں تھا مزاج۔یہ آپؐ کے اتنے ہم مزاج بات تھی کہ بے ساختہ ایسے لوگوں سے تعلق اور پیار ہوا کہ یہ تو میرے جیسی سوچ سوچتے ہیں اور اس بات کا ثبوت کہ یہی بات تھی ایک غزوہ کے موقع پر ملتا ہے کہ جہاں خوراک کی کمی محسوس ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے سب کو اکٹھا کیا اور فرمایا کہ جو کچھ جس کے پاس ہے وہ سب ہی لے آؤ۔چنانچہ وہ سب اکٹھا کر دیا گیا اور پھر سب کو برابر تقسیم کر دیا گیا اور اس میں ایسی برکت پڑی کہ وہ سخت تنگی اور فاقے کا وقت تھا جو سب پر اچھا گزر گیا، آسانی سے وہ مشکل طے ہو گئی۔

تو یہ دراصل آنحضرت ﷺ کا اپنا فعل تھا لیکن چونکہ قبیلے میں یہ بات پائی جاتی تھی اس لئے اس قبیلے کا حوالہ دے دیا، اس کی تعریف فرما دی اور یہ بھی بہت بڑے دل کی بات ہے۔ یہ آپؐ کی سخاوت قلبی کا پتا چلتا ہے امر واقعہ ہے کہ ان سے نہیں سیکھا تھا لیکن اس خیال سے کہ اگر میری طرف ہی بات رہے تو وہ بھی تو ایسا کرتے ہیں۔ ان کا ذکر خیر پھر کہاں چلے گا۔ تو ہمیشہ کے لئے ان کا ذکر خیر محفوظ فرما دیا یہ کہہ کر کہ اس قبیلے میں یہ بڑی خوبی پائی جاتی ہے اور آخر پر اس طرح لطیف رنگ میں راز سے پردہ اٹھا دیا ہے کہ جو ایسا کرے وہ میرا ہے، میں اس کا ہوں۔ وہ مجھ میں سے ہے میں اس میں سے ہوں۔ تو معلوم ہوا کہ یہ پہلے سے دل میں باتیں تھیں تبھی وہ قبیلہ اپنا لگا ہے اس سے سیکھی نہیں ہیں اور یہ ہے بہت اہم بات۔ بعض دفعہ قومی ضرورتوں میں ایسا کرنا پڑتا ہے اگر روزمرہ زندگی میں نہیں ہو سکتا تو بعض ایسے حالات پیدا ہوتے ہیں مثلاً جنگ کے حالات اور کسی وقت کوئی کرائسز آ جاتا ہے تو ایسا کرنا پڑتا ہے اور اس کی بہت برکت ہوتی ہے۔

ایک دفعہ ربوہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی ترکیب کو استعمال فرمایا اور بہت لطف اٹھایا ہم نے۔ جلسے کے موقع پر ایک دفعہ نانبائیوں کا جھگڑا ہو گیا تھا یا کوئی مشکل پیش آ گئی تھی تو پتا چلا کہ جتنے مہمان ہیں ان کی روٹیاں فی کس کے حساب سے جو فارمولا ہے اس کے مطابق روٹی نہیں دی جا سکتی تو حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے فرمایا کہ سارے ایک روٹی کھائیں گے آج۔ میں بھی کھاؤں گا میرے بچے بھی سارے ایک روٹی کھائیں گے اور مہمانوں نے بھی کہا ہم بھی سارے ایک روٹی کھائیں گے اور وہ روٹیاں اس دن کم ہونے کی بجائے اتنی بچ گئیں کہ رات کی زائد ضرورت بھی اس سے پوری ہو گئی۔ تو بہت برکت والی نصیحتیں ہیں یہ اور آج کل بھی جو ہمارے قومی مسائل ہیں ان کو حل کرنے میں بہت اہم کردار کر سکتی ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک دوسرے کے لئے بھی وہی چیز پسند نہیں کرتا جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ یعنی اگر اپنے لئے آرام، بھلائی چاہتا ہے تو دوسرے کے لئے بھی ایسا ہی چاہے۔ (بخاری کتاب الایمان) میں نے پہلے بھی ایک دفعہ بتایا تھا کہ بعض احادیث میں مسلم کا لفظ آیا ہے اور اس سے یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ گویا یہ اخلاق مسلمانوں کے مسلمانوں سے روابط ہی سے تعلق رکھتے ہیں یعنی ایک مسلمان کے لئے یہ چاہنا

چاہئے لیکن وہاں بھی میں نے وضاحت کی تھی کہ بہت سی ایسی احادیث ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ ایمان کی نشانی یہ ہے کہ ہر انسان سے ایسا سلوک کرے۔تو مسلم کہہ کر جب فرمایا گیا ہے تو یہ توقع ظاہر کی گئی ہے کہ کم سے کم اتنا کرو کہ اپنے بھائی جن کو تم بھائی کہتے ہو اور بھائی سمجھتے ہو ان سے تو ایسا سلوک کرو اگر ان سے نہیں کرو گے تو پھر غیروں سے کیسے کر سکو گے۔ یہ مراد نہیں ہے کہ کر کے بیٹھ جاؤ اور تسلی پا لو کہ ہاں ہم نے حق ادا کر دیا۔ یہ سمجھانے کے انداز ہیں اور دوسری احادیث جو عام ہیں وہ ظاہر کر رہی ہیں کہ یہ معنی بالکل درست ہے۔ چنانچہ یہ مومن والی حدیث بھی انہی احادیث میں سے ہے جن کا فیض عام ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ مومن وہ ہے جو دوسرے مومن کے ساتھ ایسا سلوک کرے۔ آپؐ نے فرمایا ہر ایک سے ایسا سلوک کرے وہی مومن ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کو جو کچھ بھی اپنے لئے پسند چاہتا ہے ویسا ہی اس کے لئے چاہے۔ انسان اپنے لئے یہ تو نہیں چاہتا کہ کوئی آئے اور میری عزتوں سے کھیلے، کوئی آئے اور میرے مال سے کھیلے، میرے ساتھ ظلم کا سلوک کرے۔ پس اپنے نفس کے حوالے سے جو انسان چاہتا ہے اس کو اگر دوسرے کے لئے چاہے تو ساری سوسائٹی امن میں آجائے گی اور یہاں مومن امن دینے والا بھی ہے۔ یعنی مومن کے معنی ہیں ایمان لانے والا اور مومن کا دوسرا معنی ہے، امن دینے والا۔ اسی طرح مسلم کے معنے بھی حسب حالات بدلتے ہیں اور یہ گنجائش ان لفظوں میں موجود ہیں۔ تو فرمایا کہ اصل امن دینے والا دنیا کو وہ شخص ہے جو جیسا اپنے لئے چاہتا ہے ویسا ہی دوسرے اپنے بھائی کے لیے چاہے اور اپنے سکھ دکھ کو ان کے ساتھ بانٹے۔

ایک روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ابن ماجہ سے لی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص ہم پر ہتھیار اٹھاتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے (یعنی اگر ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر حملہ کرتا ہے تو حملہ آور مسلمان نہیں رہتا) یہ تشریح ترجمہ کرنے والے نے لکھی ہے الفاظ صرف یہ ہیں کہ من حمل علینا السلاح فلیس منا (ابن ماجہ ابواب العدو) جو ہم پر ہتھیار اٹھاتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

اس حدیث کو سمجھنے کے لئے بھی غور کرنا چاہئے کہ آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے صحابہ پر مسلمان ہوتے ہوئے کون ہتھیار اٹھا سکتا تھا اور جو اٹھاتا تو آپؐ میں سے تھا ہی نہیں۔ تو یہ کہنے میں کیا حکمت ہے۔ اصل میں اس میں بہت سے معانی پوشیدہ ہیں۔ اول یہ ایک پیشگوئی کا رنگ رکھتی ہے۔ مسلمانوں پر ایسا بد نصیب وقت آنے والا ہے کہ جبکہ خوارج نے مسلمانوں پر حملہ کرنا تھا اور ہتھیار

لے کر نکلنا تھا اور ہم سے مراد محمد رسول اللہ ﷺ کے نمائندہ ہیں۔ اگر پیش گوئی کا رنگ دیا جائے تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت ''ہم'' کے دائرے کے نیچے تھے، ''ہم'' کے سائے کے نیچے تھے۔ وہ شخص جو میرے اور میرے نمائندوں پر حملہ آور ہوگا اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں اس لیے ایسے لوگوں کا نام خوارج رکھنا بالکل مناسب اور درست تھا اور ارشاد نبویؐ کے مزاج کے عین مطابق تھا۔

دوسرا اس کا معنی روزمرہ کا یہ ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر حملہ آور ہوتا ہے۔ وہ شخص جو ظلم کی راہ سے حملہ کرتا ہے وہ باہر ہے اور جو رسول اللہ ﷺ کی ہدایت اور آپؐ کی سنت کے تابع رہتا ہے اور پھر اس پر حملہ ہوتا ہے وہ ''ہم'' کے سائے میں آجاتا ہے۔ تو یہ مراد ہے یہ کوئی ایسا مسلمان جو ایسے مسلمان شخص پر حملہ آور ہو جو میرے سنت کے مطابق زندگی بسر کر رہا ہے اس سے کسی کو کوئی دکھ نہیں پہنچا، کوئی اس نے کسی پر ظلم نہیں کیا، لوگوں کی بھلائی میں لگا رہتا ہے، ایسا شخص اگر کسی دوسرے بظاہر مسلمان کا نشانہ بنتا ہے تو میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ وہ مجھ میں سے نہیں ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کا اعلان ہے کہ اس کا میرے سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔ تو اپنے معصوم بھائی کو ناجائز دکھ دینا اس حدیث کی رو سے دکھ دینے والے کو صرف دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرتا بلکہ ایک ایسے انداز سے خارج کرتا ہے جو بہت زیادہ تکلیف دہ انداز ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کا یہ کہنا کہ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں بہت بڑی سزا ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی اس مضمون کو قیامت کے دن کے حوالے سے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ عام طور پر تو سزائیں دی گئی ہیں کہ اس کو جہنم کی سزا ملے گی، فلاں سزا ملے گی، لیکن بعض جو بہت ہی بدنصیب لوگ ہیں ان کے متعلق فرمایا اللہ تعالیٰ ان سے کلام نہیں کرے گا، ان پر نظر نہیں ڈالے گا۔ تو یہ بہت بڑی سزا ہے، عام سزا سے بڑھ کر روحانی رشتہ توڑ لیا جائے اور انسان کہے میرا تم سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ تو آنحضرت ﷺ نے یہاں اس کو غیر مسلم تو قرار نہیں دیا لیکن یہ فرمایا ہے یعنی اگر یہ معنے لئے جائیں تو یوں کہیں گے کہ یہ کہنے کی بجائے کہ وہ مسلمان نہیں رہتا فرمایا میں اس کا نہیں ہوں، وہ میرا نہیں ہے، بس کٹ گیا۔ جو رسول اللہ ﷺ سے کٹ گیا اس کا ایمان کہاں رہنا ہے۔ اس کا اسلام کہاں رہنا ہے لیکن اس کو نکالنے کا انداز ایسا ہے جو بہت زیادہ تکلیف دہ ہے پس اپنے بھائی پر کسی قسم کی زیادتی سے باز رہنا لازم ہے

تیسرا حملہ ایسا ہے جو رسول اللہ ﷺ پر اس زمانے میں بھی ہوا کرتا تھا۔ وہ زبان کے ہتھیار

ہیں، بدتمیزی اور بداخلاقی کے ہتھیار ہیں، ان سے بعض بدنصیب اس زمانے میں بھی آنحضرت ﷺ پر حملہ کر دیا کرتے تھے اور نظام پر حملہ کیا کرتے تھے۔ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ کو یہ فرمانا پڑا کہ **من عصی امیری فقد عصانی ومن عصانی فقد عصی اللّٰہ** (مسلم کتاب الامارہ حدیث نمبر: 3416) جس نے میرے امیر سے نافرمانی کا طریق اختیار کیا ہے اس نے مجھ سے نافرمانی کا طریق اختیار کیا ہے، تو وہی مجھ سے کاٹنے والا مضمون بالکل کھل کر سامنے آ گیا۔ یعنی یہ مراد نہیں کہ تم براہ راست مجھ پر حملہ آور ہو۔ یاد رکھو جو میرے مقرر کردہ نظام پر حملہ کرتا ہے اس سے بھی میرا تعلق کٹ جاتا ہے، میں اس کا نہیں رہتا۔ تو بعض لوگ یہ کہتے ہیں جی ہم تو فلاں عہدیدار کو کہہ رہے ہیں، فلاں شخص کو کہہ رہے ہیں، آپ کو تو نہیں کہہ رہے۔ تو ان کو میں یہی جواب دیتا ہوں کہ مجھے کہیں یا نہ کہیں رسول اللہؐ کی بات میں مانوں گا، آپؐ یہ محسوس کیا کرتے تھے اور دیکھیں حمایت کتنی بڑی ہے۔ اپنے مقرر کردہ عہدیدار کے حق میں ناانصافی کا تعلق تو آپؐ کا تھا ہی نہیں، کسی کی مجال نہیں تھی کہ کسی کا حق مارے اور رسول اللہ ﷺ اس کی حمایت فرمائیں۔ یہاں حمایت کا مضمون بتا رہا ہے کہ وہ شخص جس پر لوگ زبانیں دراز کرتے ہیں باوجود اس علم کے میرا مقرر کردہ ہے وہ مجھ پر زبان دراز کرتا ہے۔ اب کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس نے زیادتی کی ہے۔ اگر زیادتی ہے تو اس کا علاج موجود ہے زیادتی کی اطلاع اس کو کرنی چاہئے جس نے مقرر کیا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ یہ نکتہ اس طرح کھولا کہ بعض وہ لوگ جو پیغامی ذہنیت رکھتے تھے اور بعد میں فتنے کے بعد کھل کر پیغامیت میں داخل ہو گئے۔ ان لوگوں میں سے بعض نے حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ پر بھی اعتراض کئے اور کہا کہ یہ دیکھو یہ تو بوڑھا ہو گیا ہے۔ اس کو پتا ہی نہیں چل رہا کہ اچھا کون ہے اور برا کون ہے۔ ناجائز حمایت کر رہے ہیں ایک نوجوان کی (حضرت مصلح موعودؓ مراد تھی) تو اس قسم کی باتیں جب حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کو پہنچیں تو آپؓ نے فرمایا۔ دیکھو تم نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دیا ہے اب تم میں اختیار ہی نہیں ہے کہ میرے اوپر زبانیں دراز کرو۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ یہ بڈھا اس عمر میں آ کر اپنا توازن کھو بیٹھا ہے، غلط کام کر رہا ہے۔ تو جس نے مجھے بنایا ہے اس کے پاس شکایت کرو۔ اگر تم سچے ہو تو مجھے وہ واپس بلا لے گا لیکن تمہیں حق نہیں دے گا کہ تم زبانیں کھولو اور تم میرے سامنے گستاخی سے پیش آؤ۔ اب کتنا اہم نکتہ ہے اور کتنا گہرا نکتہ ہے جو صرف خلافت سے تعلق نہیں رکھتا پورے نظام جماعت سے تعلق رکھتا ہے۔

جس شخص نے محسوس کیا کہ اس سے زیادتی ہوئی ہے اس کا فرض ہے کہ اس کی معرفت، اس کے وسیلے سے وہ خلیفہ وقت تک اپنی درخواست پہنچائے اور جہاں بھی کبھی ایسے شخص کی زیادتی ثابت ہوئی ہے کبھی اس سے نرمی کا سلوک نہیں ہوا کیونکہ اس نے ایک اور پر ظلم کیا ہے۔ اس لئے خلیفہ وقت اس وقت اپنے آپ کو معافی کا مجاز نہیں سمجھتا وہ لازماً اس کے شر سے باقی جماعت کو بچاتا ہے۔ تو جب یہ علاج موجود ہو تو پھر بدتمیزی اور بدزبانی کا جواز کہاں باقی رہ جاتا ہے۔ پھر اگر کوئی کرتا ہے یہ کارروائی نہ کرے اور اپنے ہاتھ میں اپنے بدلے لے لے تو آنحضرت ﷺ کا یہ حکم اس پر بھی لگے گا کہ جس نے ہم پر ہتھیار اٹھائے تو وہ مجھ سے نہیں ہے۔ نہ میں اس سے ہوں، نہ وہ مجھ سے ہے۔ تو بسا اوقات اسی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نصیحت کی روشنی میں میں پھر لکھ دیا کرتا ہوں کہ یہ بات ہے تو اخراج تمہارا جماعت سے ہو یا نہ ہو لیکن میرا تم سے کوئی تعلق نہیں، تمہارا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ پھر بعضوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے بعض ایسے ہیں جو بھٹکتے رہتے ہیں۔

تو رسول اکرم ﷺ کی نصائح بظاہر چھوٹے دائرے سے بھی تعلق رکھتی ہوں تو جب آپ ان پر غور کرتے ہیں تو ان کا دائرہ فیض پھیلتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ ان کا دائرہ اثر وسیع ہوتے ہوتے بہت وسعت اختیار کر جاتا ہے اور ہمارے اس زمانے کے مسائل ہی کو حل نہیں کرتیں جو وہ رسول اکرم ﷺ کی ظاہری جسمانی زندگی کا زمانہ بھی تھا بلکہ آپ کے تمام روحانی زندگی کے زمانے سے آپ ک نصائح تعلق رکھتی ہیں۔

اب غصے میں ایک انسان کسی دوسرے سے لڑ پڑتا ہے تو اس کے متعلق آنحضور ؐ نے کیا فرمایا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ جب دو مسلمان تلوار لے کر ایک دوسرے سے لڑنے لگیں گے ان میں سے کوئی قتل ہو جائے گا تو قاتل و مقتول دونوں آگ میں جائیں گے۔ (بخاری کتاب الایمان حدیث نمبر: 30) اس کا مطلب ہے؟ اس بات کو سن کر صحابہؓ کو بھی تعجب ہوا اور ان میں سے کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ قاتل کو تو آگ میں جانا ہی چاہئے لیکن مقتول کیوں آگ میں جائے گا۔ آپ ؐ نے فرمایا وہ بھی تو اپنے مدمقابل کے قتل کا آرزومند تھا۔ اب یہ صاف ظاہر ہوا کہ یہ جو نصیحت ہے ہر محل پر نہیں آرہی، ایک خاص محل سے تعلق رکھتی ہے۔ جہاں دونوں لڑ پڑیں اور دونوں تلواریں نکال لیں۔ اس میں دونوں ذمہ دار ہیں اور اگر ایک پر کوئی حملہ آور ہوا ہے اور وہ اپنے دفاع کے لئے مجبور ہے اس کا اس حدیث سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ فرمایا دونوں طیش میں

آئے، دونوں لڑ پڑے پھر کون مرا یہ اتفاقی حادثہ ہے مگر گناہ میں دونوں برابر کے شریک تھے۔ مرنے والا بھی اپنے اس جرم کی پاداش میں سزا دیا جائے گا اور جس نے قتل کر دیا ہے اس کو تو سزا ملے گی ہی۔ پس لڑائی کے وقت یہ بات ضروری ہے کہ اگر تو آپ کلیۃً معصوم ہیں تو پھر آپ کی لڑائی کا گناہ خدا کے نزدیک آپ پر نہیں ہے۔

لیکن حضرت آدمؑ کے بیٹے نے ایک اور مثال قائم فرما دی جو خدا کو پسند آئی کہ قیامت تک کے لئے اس کا ذکر محفوظ فرما دیا۔ اسکے اپنے بھائی نے جب اسکے قتل کا ارادہ کیا تو اس نے کہا کہ میں دفاع نہیں کروں گا۔ یعنی دفاع کا ایسا حق نہیں ہے جو لازم ہو کہ ضرور استعمال کیا جائے اور اس نے بتا دیا کہ اس میرے دفاع نہ کرنے کے نتیجے میں لازماً خدا کا عذاب تجھ پر پڑے گا اور میں بالکل کلیۃً بری الذمہ ہو جاؤں گا یعنی اپنی موت قبول کر لی بہ نسبت اس کے خدا کے عذاب کا Risk لے یعنی یہ خطرہ مول لے کہ خدا کی ناراضگی کا مورد بنے۔ تو احتیاط اسی میں ہے کہ خدا کی ناراضگی کے ہر موقع سے انسان بچنے کی کوشش کرے، خواہ اپنا کچھ نقصان بھی ہو جائے۔ ایسے بھی گزرے ہیں جو نبی نہیں تھے لیکن جان کا نقصان برداشت کر لیا لیکن خدا کی ناراضگی کا خطرہ مول نہ لیا۔ تو اللہ تعالیٰ جماعت کو حضرت محمد مصطفی ﷺ کی نصائح کو سمجھنے کی توفیق بخشے اور دلوں کو روشن کرنے کی توفیق بخشے۔ ایسے اندھے دلوں پر یہ بات نہ پڑے جن پر تالے پڑے ہوتے ہیں اور روشنی کی رمق اندر نہیں جاتی۔ ہمیں بہت ضرورت ہے اصلاح معاشرہ کی اور یہی ساری طاقت ہے یعنی دعاؤں کے بعد اصل طاقت ہمارے معاشرے کے حسن کی طاقت ہے یہ حسن ہمیں نصیب ہو جائے تو لازماً ہم نے دنیا پہ غالب آنا ہے کوئی دنیا کی طاقت روک نہیں سکتی۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

خطبہ ثانیہ کے دوران حضور نے فرمایا:

نماز جمعہ اور اس کے بعد نماز عصر کے بعد آج کل چونکہ دن بہت چھوٹے ہو گئے ہیں اور ابھی عصر کا وقت ہو چکا ہے یعنی اس وقت سے آدھ گھنٹے پہلے سے عصر کا وقت شروع ہو چکا ہے۔ اس لئے چھوٹے دنوں میں ہم جمعہ کے ساتھ عصر کی نماز کو جمع کرنے پر مجبور ہیں۔ تو عصر کی نماز کے بعد ایک نماز جنازہ غائب ہو گی جو عزیزہ ساجدہ حمید کی نماز جنازہ غائب ہے۔ عام طور پر تو میں حاضر جنازوں کے ساتھ غائب جنازے پڑھا دیا کرتا ہوں لیکن اس ملک میں انہوں نے ایک ایسا عظیم کارنامہ

کیا ہے۔ جس کی وجہ سے میں چاہتا ہوں کہ نمایاں طور پر ان کی نماز جنازہ ادا کی جائے اور اس میں ساری دنیا بھی دعا میں شامل ہو جائے گی یعنی نماز جنازہ تو ہمارے ساتھ نہیں پڑھ سکتی مگر دعا میں شامل ہو جائے گی۔

میں جب انگلستان میں آیا ہوں تو شروع شروع میں ان دونوں میاں بیوی، ڈاکٹر حمید اور ساجدہ نے مجھے لکھا کہ ہم چاہتے ہیں کہ ہم واپس چلے جائیں گے کیونکہ یہاں پوری طرح دل بھی نہیں لگ رہا اور کام بھی ٹھیک سیٹ نہیں ہو رہے۔ تو ہمیں اجازت دیں کہ ہم واپس چلے جائیں ان کو میں نے کہا خاص طور پر ساجدہ کو مخاطب کر کے کہ تم کیا پیچھے چھوڑ کر جاؤ گی۔ کوئی تم نے جماعت نہیں بنائی، خالی ہاتھ تمہیں یہاں سے بھجوانے کو میرا دل نہیں چاہتا۔ اس لئے چلے جانا مگر تھوڑی دیر کے لئے ٹال دو اس فیصلے کو اور کوشش کرو، خدا تمہیں توفیق دے یہاں جماعت قائم ہو جائے۔ اس کے نتیجہ میں دونوں بہت سعید فطرت تھے، حمید تو ہیں بھی، انہوں نے فوری طور پر فیصلہ کیا کہ ہم جب تک یہاں جماعت قائم نہیں کریں گے ہم نہیں جائیں گے اور پھر جماعت قائم کرنے کی توفیق ملی تو پھر جانا کہاں جاتا تھا۔ اپنے روحانی بچے، ان کی روحانی ماں بنی ہوئی۔ ایسی تربیت ان کی اور اتنا پیار تھا کہ آپس میں کہ ان کے وصال کے بعد ہمارے جو ملنے والے وہاں گئے تھے جنازہ میں شامل ہونے کے لئے، وہ بتاتے ہیں کہ والہانہ محبت کا اظہار تھا ان انگریزوں کی طرف سے جنہوں نے ساجدہ کے فیض سے اسلام قبول کیا اور بہت اچھی تربیت اور انگلستان میں ایک ہی جماعت تھی ابھی تک شاید ایک ہی ہو جس میں انگریزوں کا غلبہ تھا اور غیر ملکی نسبتاً کم تھے اور بہت ہی اچھی تربیت یعنی جہاں انگریز اقدار کو جو جائز ہیں قربان کئے بغیر اسلامی اقدار کو اس طرح اپنا لیا گیا کہ بہترین امتزاج تھا اللہ کے فضل کے ساتھ۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اسلام نے یہاں انگریزیت مٹا دی ہے۔ انگریزیت کی اچھی باتیں بہت سی ہیں وہ اسی طرح قائم تھیں بلکہ پہلے سے بھی زیادہ حسین ہو گئیں اور اسلام کی اچھی اقدار بھی سب اپنے اندر سمیٹ لیں۔ تو یہ وہ وجہ ہے جس کی وجہ سے میں چاہتا ہوں کہ اب جمعہ اور عصر کی نماز کے بعد ان کی نماز جنازہ پڑھائی جائے چونکہ انہوں نے بعد میں مجھے لکھ دیا کہ اب ہمارا جانے کو دل نہیں چاہتا اس لئے نعش کا سوال ہوا کہ کہاں دفنائی جائے تو میں نے ڈاکٹر حمید سے کہا کہ وہیں دفنائیں۔ اسی سرزمین کا اب حق ہے کہ ان کو اپنے پاس رکھے۔ تو انشاء اللہ عصر کی نماز کے معاً بعد عزیزہ ساجدہ کی نماز جنازہ ہوگی۔

MTA کے پروگرام بنانے کے لئے ہدایات بے تکلفی اور سادگی سے نافع الناس پروگرام بنائیں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 16 / دسمبر 1994ء بمقام مسجد فضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

آج کے خطبے میں مسلم ٹیلی ویژن احمدیہ سے متعلق چند امور جماعت کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ نئے سال سے کچھ پروگرام میں تبدیلیاں ہو رہی ہیں اور کچھ نئے پروگرام داخل کئے جارہے ہیں۔ ان کے متعلق جماعت کو اطلاع دینا بھی ضروری ہے اور جماعت پر جو تعاون لازم آتا ہے اس کی طرف بھی توجہ دلانی مقصود ہے۔

پہلے پاکستان میں بارہ گھنٹے روزانہ کا ٹیلی ویژن پروگرام چلتا تھا اور بہت سے لوگوں کا خیال تھا اور درست تھا کہ پاکستان کے حالات میں بارہ گھنٹے کی ضرورت نہیں ہے اور بہت سا وقت ہمیں مجبوراً بھرنا پڑتا ہے اور اس وقت دیکھنے والے بہت کم ہوتے ہوں گے۔ دوسری طرف یہ تکلیف کا احساس تھا کہ چونکہ دل چاہتا تھا کہ یہ پروگرام ضرور دیکھیں اس لئے ہر وقت فکر لگی رہتی تھی کہ پیچھے پتا نہیں کیا پروگرام ہوں گے۔ ہم دفتروں میں یا سکولوں یا کالجوں میں بیٹھے رہے اور ٹیلی ویژن اس دوران جاری رہا۔ تو ان کی وضاحت کے لئے میں ایک دفعہ وہاں لکھ بھی چکا ہوں۔ اصل بات یہ ہے کہ بارہ گھنٹے ہمارے لئے ضروری تھے اگر ہم بارہ گھنٹے اس وقت نہ لیتے تو وہ سیارہ جس پر جماعت احمدیہ کی پاکستان، ہندوستان وغیرہ کی ضرورت پوری ہوسکتی تھی اور بااحسن پوری ہوسکتی تھی اس کے اور

بہت سے گاہک موجود تھے اور بعض ہندوستانی کمپنیاں تو بہت بڑی بڑی قیمتیں دے کر اس سیارے پہ آنا چاہتی تھیں کیونکہ ان کے علم کے مطابق بھی یہی اس علاقے کے لئے بہترین تھا۔ اگر ہم چوبیس گھنٹے کا لیتے تو فی گھنٹہ کے حساب سے کچھ کم ملتا لیکن بہت بڑا وقت ہمارے ہاتھ سے ضائع ہو جاتا اور ہمارے کام نہ آتا۔ تو بہت گفت وشنید کے بعد بارہ گھنٹے والا وقت ہمیں میسر آیا اس سے کم ممکن نہیں تھا کیونکہ اگر کم کرتے بھی تو فی گھنٹہ قیمت بہت بڑھ جاتی اور پھر دوسری کمپنیاں بیچ میں داخل ہو جاتیں اور اس کے نتیجے میں پھر ہر وقت رسہ کشی جاری رہنی تھی اور جو زیادہ پیسے دیتا وہ وقت پہ قبضہ کر سکتا تھا۔

ہندوستان کی کمپنیوں کو اس لئے موقع نہیں مل سکا کہ وہ جس رفتار پہ، جس طریقے سے پیسہ دینا چاہتی تھیں وہ یورپین کمپنیوں کو منظور نہیں تھا۔ تو باوجود مقابلے کے اور ان کے بہت زیادہ پیسے دینے کے پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ہمارے نام لکھوا دیا لیکن بارہ گھنٹے سے کم اگر خریدتے تو کمپنیوں کو ہم میں دلچسپی نہ رہتی۔ یہ مجبوریاں تھیں جن کے پیش نظر یہ اہم فیصلہ کیا گیا اور جب بارہ گھنٹے ملے تو انہیں بھرنا تھا بہرحال کسی طریقے سے۔ تو زیادہ تر پرانے ہمارے جو پروگرام ہیں ان سے ہی استفادہ ہوتا رہا کیونکہ نئے پروگرام بنانا ایک بہت ہی مشکل کام ہے اور اس کے لئے جتنا روپیہ چاہئے، جتنی علمی اور تجرباتی ضرورت ہے، اکثر جگہ اس کا فقدان ہے۔ پس بعض دفعہ اتنے پرانے پروگرام بار بار دکھائے گئے کہ بعض لوگوں نے اس پر لکھا بھی کہ یہ تو پھر بہت زیادہ ہی پروگرام آرہے ہیں آپ کے کبھی سفید داڑھی والے، کبھی کالی داڑھی والے۔ صرف تنوع اتنا ہی رہ گیا ہے کہ کالی داڑھی کے بعد سفید داڑھی آجاتی ہے، سفید کے بعد کالی آجاتی ہے تو ان کو میں نے کہا کہ آپ ایک رنگ کی داڑھی والے پروگرام بنا کے بھیج دیں، میں وہ چلوا دوں گا۔ ہیں ہی نہیں تو ہم کریں کیا اور جو پروگرام بنا کر شروع میں بھجوائے گئے وہ بہت ہی بچگانہ تھے اور ان میں نہ صرف یہ کہ جماعت کو دلچسپی نہیں ہوتی تھی بلکہ بعض جگہ ردعمل ہو سکتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے بعضوں نے اپنے اور اپنے بچوں کو دکھانے کے لئے پروگرام بنائے ہیں اور مطالبے تھے کہ ضرور دکھاؤ۔ تو وہ پروگرام جن کا میں نے ذکر کیا ہے ان میں اگرچہ تنوع نہ ہونے کی وجہ سے ایک قسم کا ضرورت سے زیادہ تسلسل ایک ہی بات کا پایا جاتا تھا لیکن ہر پروگرام اپنی ذات میں تعلیمی اور دینی اور روحانی امور میں جماعت کے لئے مفید ضرور تھا اور بہت سے ایسے تھے جو پہلے جماعت نے نہیں دیکھے ہوئے تھے۔ بعض لوگوں کو تکرار دکھائی دیتی تھی لیکن

بعضوں کے لئے بالکل نئے تھے کیونکہ اس سے پہلے جو ویڈیو کا نظام تھا وہ بہت کم لوگوں کو دستیاب ہوا ہے۔ جماعت کی بھاری اکثریت اتنی غریب ہے کہ وہ ویڈیو اپنے گھروں میں رکھنے کی طاقت ہی نہیں رکھتی۔ لیکن یہ جو عالمی ٹیلی ویژن کا نظام ہے اس میں اگر چہ امیر گھروں کو سہولت ہوگی کہ گھر میں بیٹھ کے دیکھ سکیں مگر جماعت کی طرف سے وسیع پیمانے پر انتظام کرائے گئے کہ ایسے مراکز ہو جائیں کہ جہاں ہر شخص پہنچ کر ان سے استفادہ کر سکے۔

بہر حال یہ ایک بے سروسامانی کا آغاز تھا، شروع ہو گیا اللہ کے فضل سے اور رفتہ رفتہ تجربے بھی ہوئے، کچھ پروگرام بنانے کے بھی سلیقے لوگوں نے سیکھے اور دن بدن کچھ نہ کچھ بہتری ضرور ہوتی رہی۔ اب تقریباً ایک سال گزر رہا ہے اور اس سال کے دوران جتنی تبدیلیاں پروگرام میں میں چاہتا تھا وہ اس لئے پیدا نہیں ہو سکیں کہ ہمارے پاس طوعی ایسے کام کرنے والے میسر نہیں جو فن بھی جانتے ہوں۔ طوعی کام کرنے والے تو بے شمار ہیں، اللہ کے فضل کے ساتھ ایک آواز دو تو بیسیوں گنا زیادہ دوست خدمات پیش کر دیتے ہیں لیکن ایک فن کا کام ہے اس کے لیے مہارت بھی چاہئے، کچھ ذہنی صلاحیتیں بھی ایسی چاہئیں، کچھ ذوق کے بھی تقاضے ہیں وہ پورا کرنے کے لئے اللہ کی طرف سے وہ ذوق فطرت میں ودیعت ہی نہ ہوں تو محض علم سے بھی کام نہیں چلتا۔ پھر دینی علم کی بھی ضرورت ہے، دوسرے علوم کی بھی ضرورت ہے اور پھر تھوڑے پیسے میں اچھی چیز پیدا کرنا یہ خود ایک صلاحیت کا تقاضا کرتا ہے۔ تو یہ سارے مختلف محرکات اور موجبات ایسے رہے کہ جن کی وجہ سے جس رفتار سے میں چاہتا تھا کہ جماعت کے سامنے بہتر سے بہتر پروگرام پیش کیے جاسکیں وہ نہیں ہو سکا۔

اس کے علاوہ اس سال کے دوران میں بعض جماعتوں کی طرف سے بار بار اپنی محرومی کی شکایت ہوئی مثلاً آسٹریلیا کی طرف سے بہت سے احمدی لکھتے رہے، دور دراز کے جزائر فجی ہیں، نیوزی لینڈ وغیرہ وہاں سے بھی توجہ دلائی جاتی رہی کہ ہمیں کب شامل کریں گے تو ان کو بھی شامل کرنا تھا چنانچہ اس سال اللہ کے فضل سے ان کو بھی شامل کیا گیا۔ پھر امریکہ اور کینیڈا کا تقاضا تھا یعنی بحیثیت جماعت تو کینیڈا کا تھا لیکن انفرادی لحاظ سے امریکہ سے بھی بہت تقاضے آتے رہے کہ ہمارے لئے بھی روزانہ کا پروگرام بنایا جائے۔ افریقہ کے لئے بھی زیادہ وقت کے پروگرام کی ضرورت تھی۔ تو اس سال بہت بڑی توجہ پروگرام کو بڑھانے پر رہی اور اب خدا کے فضل کے ساتھ آج

تک کی جو رپورٹ ہے اس کے مطابق دنیا میں ہر جگہ اب خدا کے فضل سے مسلم ٹیلی ویژن احمدیہ کے پروگرام دیکھے جا سکتے ہیں اور اس کے لئے مختلف نوعیت کے ڈش انٹینا ز کی ضرورت ہے اور اس کے متعلق جماعت مختلف علاقے کی جماعتوں کو اچھی طرح ہدایت دے دیتی ہے اور پھر ایسے ماہرین بھی تیار کئے گئے جو مختلف ملکوں میں جا کر ان کو تربیت دیں ''تیار کئے گئے'' کا لفظ غلط ہے، تیار ہوئے ہوئے اللہ کی طرف سے مل گئے۔ پاکستان سے بھی ملے اور ایک ہمارے جنود صاحب ہیں (حاجی جنود اللہ صاحب مرحوم کے صاحبزادے، جو سرگودھا میں ہوا کرتے تھے) جو ماریشس میں ہیں وہ بھی اللہ کے فضل سے اس فن میں ایک طبعی ذوق رکھتے تھے اور بہت جلدی انہوں نے اس میں ترقی کی ، اپنے آپ کو وقف کیا اور ان کو وہاں افریقہ میں تربیت کے لئے بھجوایا گیا اس سے پہلے ڈش ماسٹر صاحب بھی افریقہ گئے، وہاں تربیت دی۔

تو سب ایسی جماعتوں میں جہاں صرف تربیت کی کمی کی وجہ سے دِقّت نہیں تھی بلکہ روپے کی وجہ سے بھی دقت تھی یعنی اگر مارکیٹ سے جا کر وہ سامان خریدے جاتے تو جس قیمت پر ہمارے تربیت دینے والوں نے ان کو وہ اینٹینے مہیا کئے اور حاصل کرنے سکھا دیئے اس سے دس گنا، بعض دفعہ پندرہ گنا، بعض دفعہ بیس گنا زیادہ قیمت پر مارکیٹ سے وہ چیز ملتی تھی۔ تو اس پہلو سے ساری دنیا میں ڈش انٹینا لگانا اور سستا سامان مہیا کرنا، اس کو صحیح طریقے پہ Install کرنے کی تربیت دینا یہ کام بھی خدا کے فضل سے ساتھ ساتھ جاری رہا اور ابھی جاری ہے لیکن چونکہ مقامی دوست بہت سے تیار ہو چکے ہیں اس لئے اب ہر ملک میں مرکزی نمائندے کو جانے کی ضرورت نہیں رہی اور یہ کام پھیل رہا ہے اور اس نے آگے بہت ابھی پھیلنا ہے۔ ایک یہ حصہ تھا جس کی طرف توجہ رہی اور خدا کے فضل سے کافی حد تک جماعت کی عالمی ضرورتیں پوری ہوئیں لیکن ابھی تک کچھ وقت کے توازن کے لحاظ سے تسلی نہیں تھی جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے پاکستان کو بارہ گھنٹے ملے ہوئے تھے اور یورپ کو عملاً اڑھائی گھنٹے روزانہ ملتے تھے۔

اس لئے اب غور وفکر کے بعد اور اس میں وسیم جسوال صاحب کی محنت کا بہت دخل ہے، ان کو میں نے سمجھایا کہ اس طریق پہ پاکستان کا کچھ وقت کم کریں، یورپ کا وقت بڑھائیں اور اگر ضرورت پڑے تو امریکہ کا بھی وقت بڑھایا جائے اور آسٹریلیا وغیرہ کے لئے کیونکہ وہاں زبان کی

مشکل ہے اگر صرف تین گھنٹے رکھے جائیں تو انگریزی بولنے والے اور انڈونیشین بولنے والے ان کے درمیان وقت کی تفریق ہو تو بہت تھوڑا وقت ہاتھ آتا ہے اور روزمرہ کے ضروری پروگرام بھی پورے نہیں ہو سکتے۔ اس پہلو سے سارے عالمی پروگرام کے اوقات کے تناسب کو درست کرنا ضروری تھا۔

تو آج میں جماعت کو مطلع کر رہا ہوں اللہ کے فضل کے ساتھ۔ کافی دقت کے بعد، کافی مشکلات کو عبور کرتے ہوئے آخر اللہ تعالیٰ نے معاملات ہمارے لئے آسان فرما دیئے۔ مشکل صرف یہ نہیں تھی کہ زیادہ وقت کے لئے پیسے کہاں سے لائے جائیں اور ان کمپنیوں سے کس طرح معاملات طے کئے جائیں۔ کمپنیوں کے لئے بھی یہ دقت تھی کہ آگے ان کے پاس ان اوقات میں پہلے ہی Booking ہو چکی تھیں۔ مثلاً یورپ ہے۔ یورپ میں ہمارے پروگرام سے پہلے بھی بعض ایسے بڑے بڑے ان کے گاہک موجود تھے جن کو وہ ہماری خاطر ناراض نہیں کر سکتے تھے اور ہمارا پروگرام ختم ہوتے ہی پھر دوسرے ایسے گاہک موجود تھے تو ان سے ہم نے درخواست کی کہ آپ ہماری طرف سے نمائندہ بن کے ان لوگوں سے درخواست کریں۔ ان کو یہ نہ کہیں کہ ہم تمہارا پروگرام بند کر رہے ہیں، ان سے درخواست کریں ان کو کہیں ہم تمہیں فلاں وقت مہیا کر دیتے ہیں لیکن یہ جماعت کی مجبوری ہے تم ان سے تعاون کرو اور یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہوا کہ اس معاملے میں وہاں وہاں سے تعاون ملا ہے جہاں سے انسان سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ محض ایک شریفانہ درخواست پر ان لوگوں نے بہت ہی شرافت کا نمونہ دکھایا اور اپنے پروگرام کو دوسری جگہ پھینک کر جماعت کے لئے وقت مہیا کر دیا۔

پس اگلے سال سے یعنی جنوری سے انشاء اللہ تعالیٰ پاکستان کا وقت بارہ گھنٹے سے گھٹا کر سات گھنٹے کر دیا گیا ہے اور اس میں ان کو کوئی کمی محسوس نہیں ہوگی۔ اس سات گھنٹے کے اندر جتنے بھی پروگرام ہوں گے انشاء اللہ کوشش کریں گے اور میں ذکر کروں گا کہ آگے کیا پروگرام ذہن میں ہیں، سات گھنٹے میں اچھی رونق بھر دیں گے بلکہ بہت اہم تعلیمی پروگرام ان کو مہیا کئے جائیں گے۔ مگر اس وقت میں تو آپ کو صرف عالمی پروگراموں کے وقت کی تقسیم سے متعلق بتا رہا ہوں۔ پاکستان کا وقت یکم جنوری سے انشاء اللہ بارہ گھنٹے سے گھٹا کر سات گھنٹے کر دیا جائے گا۔ یورپ کا وقت اڑھائی گھنٹے سے بڑھا کر ساڑھے پانچ گھنٹے کر دیا جائے گا۔ یورپ میں سب سے زیادہ ضرورت تھی ہم اسے اور بھی بڑھا سکتے تھے لیکن یہاں مشکلات کئی قسم کی ہیں، صرف یہ نہیں کہ اس وقت دوسرے تعاون کرتے

ہوئے ہمیں وقت حاصل کرنے کی اجازت دیں بلکہ ایک خاص وقت پر آ کر قیمت اتنی بڑھ جاتی ہے کہ وہ آسمان سے باتیں کرنے لگتی ہے۔اب مثلاً پہلے یہاں چار بجے تک پروگرام ختم کر دیا کرتے تھے اب پانچ بجے تک پروگرام جاری رہیں گے اور وہ جو بعد کا ڈیڑھ گھنٹہ ہے وہ اتنا مہنگا ہے کہ پچھلے سارے وقت کے برابر قیمت ہے۔اس لئے جتنا آپ شام میں آگے بڑھتے ہیں اتنا ہی وقت مہنگا ہوتا چلا جاتا ہے۔ پھر ہفتہ اور اتوار کو اس پر بھی اضافہ ہو جاتا ہے تو جو قیمتیں طے کرنے کے فارمولے بنے ہوئے ہیں ان کو نظر انداز تو نہیں کیا جاسکتا، ان پر ہمارا اختیار ہی نہیں ہے۔مگر اس پہلو سے میں آپ کو خوشخبری دیتا ہوں کہ خدا کے فضل کے ساتھ یورپ میں یہ ساری دقتیں طے ہو گئیں اور اڑھائی گھنٹے کی بجائے ساڑھے پانچ گھنٹے روزانہ کا پروگرام شروع ہوگا جو پانچ بجے تک جاری رہے گا یعنی ایک گھنٹہ چار بجے کے بعد شام کو ملے گا اور ڈیڑھ گھنٹہ شروع میں پہلے ایک کی بجائے ساڑھے گیارہ بجے شروع ہوگا تو اس طرح اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ یورپ کی اہم ضرورتیں پوری کرنے میں ہمیں کچھ مزید سہولت ہو جائے گی۔

یورپ کی ضرورتوں میں عربی پروگرام ہیں، ترکی زبان کے پروگرام ہیں، البانین ہیں، بوسنین ہیں، جرمن ہیں، فرنچ ہیں اور پھر سپینش ہے اور بھی بہت سی ایسی زبانیں ہیں جن میں ہمیں لازماً کچھ نہ کچھ وقت کے لئے ان کے پروگرام دینے پڑیں گے اور پھر رشین زبان ہے۔اس کو بھی ایک مستقل اہمیت حاصل ہے۔اللہ کے فضل سے رشیا میں دن بدن جماعت کی طرف رجحان بڑھ رہا ہے اور نئے مشنز بن رہے ہیں تو اتنی بڑی ذمہ داری ہے اور اتنا بڑا یہ پروگرام بنانے والا حصہ ہے کہ جن لوگوں کو تجربہ نہیں ان کو اندازہ نہیں کہ ایک گھنٹے کا پروگرام بنانے میں کتنی محنت صرف ہوتی ہے اور کس طرح بار بار تبدیلیاں کرنی پڑتی ہیں۔وہ پروگرام جو ہمارے بے ساختہ بن رہے ہیں وہ اور بات ہے لیکن جو معین بنائے جائیں اس پہ بہت محنت اٹھانی پڑتی ہے۔اللہ کے فضل کے ساتھ اب ہر جگہ ٹیمیں تیار ہو رہی ہیں وہ کریں گی انشاء اللہ۔لیکن ابھی اس پہلو سے مجھے کمی دکھائی دے رہی ہے۔ میں اس کی طرف ابھی خاص طور پر توجہ دلاؤں گا۔تو یورپ میں ساڑھے پانچ گھنٹے کا پروگرام روزانہ ہوگا اور مشرق بعید کے لئے تین کی بجائے ساڑھے پانچ یا چھ گھنٹے کا ابھی معین طے نہیں ہوا، لیکن کم و بیش ان کا بھی دگنا ہو جائے گا۔افریقہ اور امریکہ کے لئے ہم پہلے ہی چار گھنٹے روزانہ دے رہے ہیں،

میرا خیال تھا کہ اسے بھی چھ گھنٹے کر دیا جائے تا کہ تمام دنیا میں کم از کم چھ یا ساڑھے پانچ گھنٹے کے پروگرام یکساں ہو جائیں لیکن مشکل یہ ہے کہ امریکہ اور کینیڈا ابھی تک اپنے تین گھنٹے کے پروگرام کو ہی جذب نہیں کر سکے۔ انہوں نے آگے وقت لینا ہے وہاں پروگرام بنانے ہیں اور پھر دوبارہ وہاں سے یہی پروگرام نشر کرنے ہیں یا کچھ اور بیچ میں شامل کرنے ہیں۔ تو اب جب ان پہ ذمہ داری پڑی ہے تو ان کو سمجھ آئی ہے کہ کتنا مشکل کام تھا اور وہ تین گھنٹے سے زیادہ کی ابھی تک استطاعت نہیں رکھتے۔ تو جب وہ چار گھنٹے بھی استعمال نہیں کر سکے تو ان کو چھ گھنٹے دینے کا مطلب ہی کوئی نہیں تھا۔ جو چوتھا گھنٹہ ہے ہمارا وہ افریقہ کے زیادہ کام آتا ہے اور ان سے میں نے کہا ہے کہ افریقہ کے خصوصی پروگرام اس چوتھے گھنٹے میں رکھیں اور اس میں بھی اب یہ محسوس ہونے لگا ہے کہ زیادہ وقت کی ضرورت ہے۔ مگر صرف افریقہ کے لیے اتنا بڑا خرچ کرنے کی ابھی استطاعت نہیں ہے یا ہے تو یوں کہا جا سکتا ہے کہ نسبتی طور پر استطاعت نہیں ہے۔

اس موقع پر وقت کے متعلق حضور نے ایک اصلاح کرتے ہوئے فرمایا: ہاں وقت کی یہ اصلاح آئی ہے جو طے ہوا ہے آخری۔ ابھی وہ وسیم جسوال نے کنٹریکٹ سائن (Contract Sign) کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں یورپ کے لئے ساڑھے پانچ گھنٹے کا جو وقت ہے وہ ساڑھے گیارہ سے شروع ہو کر پانچ بجے تک ختم ہوگا مراد اس سے یہ ہے کہ انگلینڈ میں ساڑھے گیارہ بجے سے شروع ہو کر پانچ بجے تک رہے گا اور یورپ میں ساڑھے بارہ شروع ہو کر چھ تک رہے گا۔ اس لئے یورپ کا وقت، کیونکہ یورپ کمپنیوں سے ہمارے معاہدے ہیں وہ چھ تک پہنچنا بہت ہی مہنگے سکیل میں داخل ہو گئے ہیں ہم۔ چار بجے سے آگے بڑھ کر بلکہ تین سے چار تک بھی مہنگا ہو جاتا ہے، چار سے آگے تو پھر بہت مہنگائی شروع ہو جاتی ہے تو ہمیں عملاً وہاں اڑھائی گھنٹے مہنگا یورپین وقت خریدنا پڑا ہے تب جا کر یہ شکل نکلی ہے کہ انگلستان میں ساڑھے گیارہ سے پانچ تک اور یورپ میں ساڑھے بارہ سے چھ تک یہ کل ساڑھے پانچ گھنٹے کا پروگرام ہے۔

اب میں دوسرے بعض پروگراموں کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ بہت سے علمی پروگرام ایسے جماعت کی خدمت میں پیش کئے جارہے ہیں جو ابھی اپنی تشکیل میں مکمل نہیں ہو سکے اور جس حالت میں بھی ہیں وہ جماعت کے سامنے پیش کئے جارہے ہیں لیکن ابھی پوری طرح سب دنیا کے

سامنے ایسی صورت میں پیش نہیں ہو سکے کہ ان سے حقیقی استفادہ ہو سکے۔ ان پروگراموں میں سے ایک پروگرام تو زبانیں سکھانے کا پروگرام ہے، ایک پروگرام ہے قرآن کریم کی تعلیم کا۔ ایک پروگرام ہے ہومیو پیتھک نظام سے متعلق تعارف، واقفیت، دواؤں کا تعارف اور روزمرہ کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے جماعت کی تعلیم۔

یہ جو پروگرام ہیں ان کے متعلق مجبوری یہ ہے کہ مجھے خود کرنے پڑ رہے ہیں اور یہ وجہ نہیں کہ مجھے کوئی شوق ہے کہ ہر پروگرام میں خود کروں بلکہ سخت وقت کی کمی کے باوجود مجبوراً کرنے پڑ رہے ہیں۔ مثلاً زبانیں سکھانے کا پروگرام۔ میں نے چھ مہینے انتظار کیا۔ مختلف ایسے دوستوں کے سپرد کئے جن کو میں سمجھتا تھا کہ ایسے پروگرام بنانے کی صلاحیت ہے، سمجھتے ہیں۔ لیکن باری باری بہت کوشش کی۔ سب کے سب نے ہتھیار ڈال دیئے کہ ہمیں نہیں سمجھ آرہی کہ آپ کس طرح یہ کہہ سکتے ہیں کہ بغیر کسی دوسری زبان کے سہارے کے بڑے لوگوں کو ٹیلی ویژن کے ذریعہ زبان سکھائی جاسکتی ہے اور اس وجہ سے پھر آخر مجبوراً مجھے خود، جو میری سوچ تھی اس کو عمل میں ڈھال کر دکھانے کی توفیق ملی ہے اور یہ ہے بہت ضروری۔ اول تو یہ کہ ساری دنیا میں اردو کی تعلیم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب کے اردو میں ہونے کی وجہ سے از بس ضروری ہے اور پھر چونکہ خطبات بھی خلیفہ وقت اردو میں دیتا ہے اس لئے ترجموں کی بجائے اگر براہ راست سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے تو اس کی دوسرے ترجمے سے کوئی نسبت نہیں رہتی یعنی ترجمے کی اس سے کوئی نسبت نہیں رہتی اور پھر اکثر دنیا میں جو تبلیغ کا انتشار رہا ہے اس میں ہندوستان اور پاکستان کے رہنے والوں کو خدا تعالیٰ نے غیر معمولی توفیق بخشی ہے اور ان کے لئے دوسری سب زبانیں سیکھنا بہت مشکل کام ہے اس لیے اگر دوسرے اس عرصے میں جو نو احمدی ہوتے ہیں وہ اردو سیکھنے لگیں تو ان کے آپس کے روابط بڑھ جاتے ہیں اور ایک دوسرے کو اپنے مافی الضمیر بتانے کی سہولت پیدا ہو جاتی ہے اور جماعت کی عالمی یک جہتی میں بہت مفید ہے تو اس لئے مجبوراً یہ کام مجھے کرنا پڑا اور اردو میں اب ہمارے جو سبق ہیں یہ جاری ہیں۔ اب تک تقریباً تیس سبق ہو چکے ہیں اور غالباً ابھی باقاعدہ ان کا اجرا نہیں ہوا سب ملکوں میں۔ وجہ اس کی ہے جو میں ابھی سمجھاؤں گا آپ کو۔ یہ جو تیس سبق ہوئے ہیں ان میں ایسے دوست شامل ہیں جن کو اردو کی الف باء بھی نہیں آتی تھی اور وہ سامنے بیٹھے ہوئے ہیں اور ان سے گفت وشنید ہو رہی ہوتی ہے

اور آپ حیران ہوں گے تیسویں سبق تک پہنچتے پہنچتے ماشاء اللہ اچھی اردو بولنے لگ گئے ہیں ۔سوال کرنے لگ گئے ہیں ۔ لطیفے سمجھتے ہیں اور پُر مذاق گفتگو خود بھی کر لیتے ہیں لیکن ابھی بہت ابتدائی دور ہے۔ یہ بات تو قطعاً ثابت ہوگئی ہے کہ یہ نظریہ غلط نہیں تھا کہ ہم کسی اور زبان کے سہارے کے بغیر براہ راست ایک زبان کو سکھا سکتے ہیں۔اس میں جو فوائد ہیں وہ ایک سے زیادہ ہیں۔ایک تو فائدہ میں نے بار بار سمجھایا ہے پہلے بھی کہ جو زبان بچوں کو سکھائی جاتی ہے وہ بغیر کسی زبان کی مدد کے سکھائی جاتی ہے اور یہ قانون قدرت ہے، خدا نے قانون بنایا ہے، خدا نے طریقہ بنایا ہے اور اس سے بہتر دنیا میں طریقہ ہو ہی نہیں سکتا۔انسان جتنا مرضی ترقی کر لے اس طریق سے بہتر کوئی طریق ایجاد نہیں کر سکتا۔ جاہل سے جاہل ماں بھی اپنے بچے کو اپنی زبان سکھانے کی صلاحیت رکھتی ہے اور ہر زبان سکھانے کی انسان صلاحیت رکھتا ہے۔تو اس طریق کو اپنا کر جو زبان سکھائی جائے اگر چہ اس میں محنت زیادہ ہے اور وقت زیادہ لگتا ہے جتنی زبان بھی سیکھنے والے سیکھتے ہیں وہ ان کے سسٹم کا، ان کے اندرونی نظام کا حصہ بن جاتی ہے اور کسی ترجمے کے بغیر بے ساختہ ان کے ذہن میں وہ لفظ ابھرتے ہیں وہ محاورے ابھرتے ہیں جن کی ان کو کسی خاص صورت میں ضرورت پیش آتی ہے تو اس پہلو سے لازماً یہ بہترین طریق ہے۔

لیکن وقت کے لحاظ سے اگر مثلاً وہاں ہم جو بغیر دوسری زبان کے سہارے کے کوشش کرتے ہیں کہ بعض الجھے ہوئے معاملات سلجھ جائیں اور کلاس کے طالب علم سب سمجھ جائیں وہاں بعض دفعہ دل چاہتا ہے فوراً انگریزی میں بتا دیا جائے کہ یہ ہم کہنا چاہتے ہیں وہ فوراً سمجھ جائیں گے لیکن انگریزی بولنے والوں کے لئے تو آسان ہو جائے گا لیکن وہ لاکھوں آدمی جن کو انگریزی نہیں آتی وہ کیسے سمجھیں گے اور جب جاپانی سکھا رہے ہوں گے آپ تو پھر کیا ہوگا جب چینی سکھا رہے ہوں گے تو پھر کیا ہوگا تو جو فوائد ہیں اس طریق کے وہ دوسرے طریق سے بہت زیادہ ہیں اور بہت ان پر حاوی ہیں۔

اب دوسرا مرحلہ یہ تھا کہ ان سب پروگراموں کا مختلف زبانوں میں اس رنگ میں ترجمہ ہو کہ با قاعدہ اردو سمجھ کر ترجمہ نہ کیا جائے بلکہ جس طرح طالب علم اردو سیکھ رہے ہیں ترجمہ کرنے والا جو سمجھ رہا ہے وہ اپنی زبان میں اس کا ترجمہ کرے۔یعنی اس کو ترجمہ کہنا شاید سو فیصد درست نہیں ہے۔ وہ وہی مضمون جو اس کے ذہن میں ابھرتا ہے جو اردو سیکھنے والے طالب علم کے ذہن میں اس وقت

ابھر رہا ہے اس کو اپنے ذہن میں جما کر اپنی زبان میں اس کو بیان کرے۔ یہ طریق تھا جس پر مختلف اہل علم اور اہل زبان کو یہ وڈیوز بھجوائی گئیں اور ان سے درخواست کی گئی کہ جتنی جلدی ہو سکے کریں کیونکہ ہم چاہتے ہیں کہ ایک ہی پروگرام میں آٹھ زبانیں سکھا دی جائیں یعنی اردو کے ساتھ عربی بھی ہو، انگریزی بھی ہو، فارسی بھی ہو۔ اگر فارسی کا ابھی وقت نہیں آیا مگر جرمن وغیرہ ایسی زبانیں، فرنچ ہو، سپینش ہو۔ یہ حصہ ابھی پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچا کیونکہ سب کی رفتاریں الگ الگ ہیں اور سب تجربہ کرنے والوں کی صلاحیتیں بھی الگ الگ ہیں اس لئے جب بھی ہم یہ شروع کریں گے تو لوگ گھبرا کر یہ نہ سمجھیں کہ اوہو یہ ناکام ہو گیا۔ یہ تجرباتی دور ہیں جن کے نتیجے میں ہم آئندہ بہتر پروگرام بنا سکیں گے۔ مرکزی بنیادی ڈھانچہ بہر حال تیار ہو رہا ہے۔ اس میں پھر اضافے ہوتے رہیں گے۔ اس کو آئندہ اور بھی کئی نئے نقوش عطا کئے جا سکتے ہیں۔ جو پروگرام کو زیادہ خوبصورت بنا دیں۔ بعض لوگوں کو جو دقتیں تھیں وہ مجھ سے رابطہ رکھتے رہے اور ان کو جب سمجھایا تو ان کو بات سمجھ آ گئی۔ مثلاً ایک ہمارے نوید مارٹی صاحب جو فرنچ ہیں بہت تعلیم یافتہ آدمی ہیں اور خود مسلمان ہوئے اور رؤیا کے نتیجے میں ایک نہیں ایک سے زیادہ رؤیا دیکھیں اور ان کی شادی ہبۃ النور صاحب جو ہمارے امیر جماعت ہالینڈ ہیں ان کی بیٹی سے ہوئی ہے اور وہ ڈچ بولنے والی ہیں لیکن کچھ اردو کی شدھ بدھ بھی رکھتی ہیں۔ انہوں نے مجھے دو تین خط لکھے کہ میں ترجمہ کر رہا ہوں یا دوبارہ اسی پروگرام کو اپنی زبان میں بھر رہا ہوں لیکن کچھ دقتیں ہیں بعض باتیں آپ ایسی کہہ جاتے ہیں کہ ان کا مفہوم سمجھ میں نہیں آتا تو اس صورت میں میں کیا کروں اور بھی کچھ دقتیں بتائیں۔ ان کو میں نے سمجھایا کہ ایسے حصے بعض دفعہ ہم ادھر ادھر کی کوئی اور بات شروع کر دیتے ہیں اس کو آپ بھول جایا کریں اس عرصے میں آپ اپنی طرف سے کچھ بھر دیں کیونکہ یہ لفظی ترجمہ ہو ہی نہیں رہا۔ یہ کوشش تو ہے کہ بغیر کسی دوسری زبان کے استعمال کے ایک زبان سکھائی جائے تو جہاں تک آپ ہماری تصویروں سے استفادہ کر کے سمجھا سکتے ہیں وہ سمجھائیں۔ جو باقی وقت ہے اس میں دہرائی بھی ہو سکتی ہے، بعض نئی باتیں آپ داخل کر سکتے ہیں اپنی عقل سے کہ سننے والا طالب علم ان کو سمجھ سکے۔ تو کل ہی ان کا خط ملا ہے بہت خوش ہیں کہتے ہیں اس وضاحت کے بعد اب سب دقتیں دور ہو گئی ہیں اب میں بڑی تیزی کے ساتھ پروگرام کو آگے بڑھا رہا ہوں لیکن نہ سب نے رابطے کیے ہیں نہ مجھے پتا ہے کہ کس کو کیا دقت ہے؟ اس لئے اللہ بہتر

جانتا ہے کہ جو پروگرام بنیں گے ان کی ابتدائی حالت کیا ہوگی مگر اس وقت تو مجھے یہ جلدی ہے کہ بنیں سہی۔ چاہے ناقص بنیں مگر جلد از جلد ٹیلی ویژن کی دنیا میں ایک انقلاب پیدا کر دیں کہ ایک پروگرام کے ساتھ سات مزید زبانیں سکھائی جارہی ہیں یا سات مزید زبانوں میں دوسرے علوم عطا کئے جارہے ہیں۔ یہ پہلے کبھی نہیں ہوا آج تک دنیا کی انتہائی ترقی کے باوجود کسی کو یہ توفیق نہیں ملی۔ پس اپنی غربت کے باوجود جماعت احمدیہ اس ٹیلی ویژن کے قافلے میں بہت آگے قدم رکھ چکی ہے لیکن غریبانہ قدم ہے اس میں کوئی شک نہیں۔ جب امریکہ کو یہ کہا گیا کہ آپ جو ہمیں سٹیشن بنا کے دے رہے ہیں یعنی امریکہ سے مراد وہ کمپنی جس سے ہم نے سودا کیا تھا اس میں سات اور زبانوں کی سہولت آپ نے رکھنی ہے تو ان کے ماہرین حیران رہ گئے کہ تم کیا کہہ رہے ہو یہ ہو کیسے سکتا ہے۔ اتنا بڑا امریکہ ہے یہاں کسی کو توفیق نہیں ملی کہ سارے چینلز بھر دیں، انہوں نے کہا آپ یہ کیا سوچ رہے ہیں ہم تو دیوانے اور قسم کے لوگ ہیں۔ آپ اس بات کو چھوڑ دیں کہ کیوں سوچ رہے ہیں۔ یہ ہوگا انشاء اللہ اور ہو کے رہے گا۔ ہم نے جو چینلز یعنی جو دیگر راہیں مختلف زبانیں استعمال کرنے کی میسر ہوتی ہیں وہ سب استعمال کرنی ہیں انشاء اللہ۔ تو زبانوں میں تو یہ کام کافی حد تک آگے بڑھا ہے اور جب یہ سلسلہ شروع ہوگا تو پھر ہم اس کو بار بار دہرانا بھی شروع کریں گے تا کہ سننے والوں کے لئے دقت نہ ہو کہ مجھے یہ بات سمجھ نہیں آئی تھی اب میں واپس جاؤں۔ اب بیچارہ واپس کیسے جا سکتا ہے۔ ہر ایک کے پاس تو ریکارڈنگ کا انتظام نہیں ہے۔ تو ہم دہرائیں گے اور اتنی دفعہ دہرائیں گے بعد میں کہ جن کے پاس وہ ویڈیو ریکارڈنگ کا انتظام نہیں ہے وہ بھی اطمینان سے بیٹھے رہیں ان کو ضرور انشاء اللہ آخر کار زبان کا گہرا مفہوم سمجھ آجائے گا اور محاورے جو شروع میں سمجھ نہیں آتے وہ دو چار دفعہ سننے کے بعد جو ذہن پر نقش ہو رہے ہیں وہ ابھرتے ابھرتے جب سطح پر آتے ہیں تو انسان سمجھتا ہے ایک دم مجھے بولنا آ گیا ہے حالانکہ وہ اس کی تہیں بٹھائی جارہی ہوتی ہیں۔

اس سارے پروگرام کا مقصد یہی ہے کہ بچے کے ذہن پر جس طرح تہیں جمائی جاتی ہیں، نقوش جمائے جاتے ہیں۔ ہر کوشش کے وقت بچے کو کچھ سمجھ نہیں آرہی ہوتی لگتا یہ ہے کہ اس کے پلے کچھ نہیں پڑا لیکن وہ جب تہیں جمتی ہیں ایک خاص اونچائی پر جب پہنچتی ہیں تو وہ سطح کانشس ذہن یعنی باشعور ذہن کے حصے سے تعلق رکھتی ہے اور وہ جو سب کانشنس میں تیاری ہو رہی تھی لاشعوری

حصے میں نقوش جم رہے تھے اس کی سطح اونچی ہوتے ہوتے وہ اوپر کی جو باشعور سطح ہے اس میں اُبھر آتی ہے۔ جس طرح سمندر میں ٹیلے بنتے ہیں بعض دفعہ چھوٹے چھوٹے جانور بے چارے ان گنت تعداد میں مرتے ہیں اور وہ باریک باریک تہہ بنتی چلی جاتی ہے بعض دفعہ ایک ارب سال یا اس سے بھی زیادہ لگتا ہے لیکن آخر باہر نکل آتا ہے اور Coralline سارے اسی طرح بنے ہیں۔ تو انسان کو بھی خدا تعالیٰ نے بڑے صبر کے ساتھ تعلیم دی ہے۔ خدا کی ہر چیز میں صبر پایا جاتا ہے اور یہ بھی صبر والا حصہ ہے جنہوں نے بھی دیکھنا ہوگا ان کو باقاعدہ وقت دینا ہوگا اور صبر کے ساتھ دیکھتے رہنا ہوگا۔ یہاں تک کہ انشاء اللہ ان کو وہ زبانیں آجائیں گی جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے ہمارے راویل بخاری صاحب ہیں، افریقہ سے پہلے وہاب صاحب تھے ان کو تو خیر آتی تھی مگر آڈو صاحب ہیں اور اسی طرح اور ہیں جن کو کچھ پتا نہیں تھا تو اللہ کے فضل کے ساتھ اچھی بھلی وہ گفتگو کرنے لگ گئے ہیں۔ براہ راست زبان سنتے اور سمجھتے ہیں، ذہن ترجمہ نہیں کرتا خود پتا چلتا ہے کہ کیا ہو رہا ہے لیکن یہ ہے غریبانہ پروگرام۔ یہ میں آپ سے دوبارہ عرض کرتا ہوں جو کمپنیاں ایسے پروگراموں کے اوپر لکھوکھہا ڈالر خرچ کرتی ہیں وہ ہم چند پیسوں میں پورے کر رہے ہیں واقعۃً چند پیسوں میں۔ یعنی اندر بیٹھے، سمندر پہ تو لے جا کر نہیں دکھا سکتے نہ میرے پاس وقت ہے۔ سمندر کی تصویریں دکھا دیتے ہیں پتا تو لگ جاتا ہے اور بعض دفعہ لطیفے بھی ہو جاتے ہیں بیچ میں۔ جب کھانے پینے کی چیزیں اور برتنوں وغیرہ کے متعلق اور متفرق گھریلو چیزیں دکھانے کا پروگرام تھا تو میں نے ان کو کہا ہوا ہے پیسے خرچ نہیں کرنے جماعت کے۔ اپنے گھروں سے کارکن لے آیا کریں چیزیں۔ تو نمونے کے طور پر میں اپنے گھر سے، میز سے سب ڈھیریاں اکٹھی کر کے لے جا رہا تھا تو مجھے یاد آیا کہ نمک دانی یا مرچ دانی کا برتن نہیں رکھا تو میں نے اٹھا کر جیب میں ڈالی، جگہ نہیں تھی اور اب وہ خیال تھا کہ پہلے نکال کر رکھ لوں گا وہاں بھول گیا جب باری آئی تو میں نے جیب سے نکالی تو اس پر کینیڈا سے میری بہن امتہ الجمیل کا احتجاج آیا یعنی احتجاج کوئی سختی کا نہیں تھا نرمی اور پیار کا تھا کہ بھائی اب یہ تو نہ کریں کہ جیب میں ہاتھ ڈال ڈال کر نمک دانیاں نکالیں عجیب لگتا ہے۔ میں نے کہا ہم ہیں ہی عجیب لوگ۔ ہمارے پروگرام غریبانہ اور سادہ ہیں اور دنیا شرماتی ہوگی مجھے تو کوئی شرم نہیں۔ مجھے تو پتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے متعلق ہمیں اللہ نے خبر دی یہ کہو وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ میں تو ضرورت کی چیزیں پوری کروں گا مجھے

تکلف نہیں ہے تو سارے احمدیہ ٹیلی ویژن کا یہ مزاج ہے کوئی تکلیف نہیں جو ضرورت ہے وہ پوری کرنی ہے اور بہت ہی غریبانہ طریق پر پوری ہوتی ہے مگر ہو جاتی ہے اور جہاں تک علمی فائدے کا تعلق ہے یہ زیادہ مفید طریقے پر خدا کے فضل سے MTA علمی خدمات سرانجام دے رہا ہے۔

ہومیو پیتھک کے لیکچر ہیں جن لوگوں نے مختلف ملکوں میں سنے ہیں اور ہومیو پیتھی کا کام شروع کر دیا ہے ان کی طرف سے بہت ہی خوش کن اطلاعیں مل رہی ہیں اور وہ لکھتے ہیں بعض کہ ہمیں تو سکون مل گیا ہے زندگی میں۔ کہیں رات کے وقت بچہ بیمار ہوتا ہے کہیں بھاگے پھرتے تھے ڈاکٹر کو فون کرتے، کہیں اخراجات اٹھتے تھے، کہیں ویسے یہ مصیبت تھی اور پھر ہسپتالوں میں ڈال کے وہ کئی کئی ٹیسٹ کرتے تھے اب ہم نے آپ کے بتائے ہوئے طریق پر ہومیو پیتھک شروع کی ہوئی ہے اور اب ضرورت ہی نہیں رہتی باہر جانے کی۔ بعض مثالیں دیتے ہیں کہ فلاں بچے کو یہ تکلیف ہوئی یہ دوائی دی ٹھیک ہو گیا اور بعض دوسروں کا علاج شروع کر چکے ہیں۔ تو علاج کا جو فن ہے یہ بہت ہی اہم ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کو دینی علم کے ساتھ ملا کر بیان فرمایا ہے۔

العلم علمان علم الادیان وعلم الابدان علم تو دو ہی ہیں یا دین کا علم ہے یا بدنوں کا علم اور پرانے مفسرین نے اس کا ترجمہ طبّی علوم کے طور پر کیا ہے۔ میں اس کو وسیع کرتا ہوں میرے نزدیک بدن میں صرف طب ہی نہیں بلکہ Matters کا علم جو ہے۔ سائنس، تمام وہ علوم جو میٹرز سے تعلق رکھتے ہیں ان کو ایک طرف بیان فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اور وہ تمام علوم جو تصورات کی دنیا سے اور عقائد سے اور دین سے تعلق رکھتے ہیں ان کو علم الدین کے طور پر بیان فرمایا ہے۔ تو ہم نے ہر چیز سکھانی ہے دنیا کو۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ غریب انسانیت کی شدید ضرورت ہے کہ اسے اپنا روزمرہ کی ضرورت کا سستا علاج سکھایا جائے۔ اتنی تکلیف میں ہے دنیا کہ تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ غریبوں کی کیا حالت ہوگی؟ اپنے گھر میں جب کوئی بیمار ہو اس وقت سمجھ میں آتی ہے کہ کیسے سارا گھر بے چین ہو جاتا ہے اور اللہ کا احسان ہے کہ ہومیو پیتھک کے علم کی وجہ سے نہ مجھے باہر بھاگنا پڑتا ہے نہ بچوں کو جانا پڑتا ہے۔ ہر روز عام ضرورتیں خدا کے فضل سے پوری ہو جاتی ہیں۔ کبھی کسی Anitbiotic کی ضرورت نہیں پڑتی اور اگر ہمارے گھر نہیں پڑتی تو آپ کے گھر کیوں پڑے، ہم بھی تو ایک ہی چیز ہیں یعنی ہر احمدی کے گھر میں چاہتا ہوں کہ ویسا ہی سکون میسر آئے جیسا اللہ کے

فضل سے میرے گھر میں ہے اور سب جگہ ہم بغیر خرچ کیے اپنی ضرورتیں بھی پوری کریں اور ماحول کی ضرورتیں بھی پوری کریں ۔ یہ گھر تک تو پھر فیض نہیں رہا کرتا پھر تو اس فیض نے پھیلنا ہی پھیلنا ہے اور اب سب دنیا میں ایسے مریض ہیں جو مجھ سے علاج کروارہے ہیں اور ان کو میں سمجھا تا ہوں کہ اب اپنے پاؤں پہ کھڑے ہو، مجھ سے سیکھو اور خود اپنا بھی علاج کرواور اپنے ماحول میں بھی غریبوں کا علاج کرو۔

یہ اتنا اہم ذریعہ ہے کہ اس کے ذریعے ہم انشاء اللہ اپنے روحانی انقلاب میں بہت مدد لے سکتے ہیں ۔ یہ دو علم ، دو گاڑی کے پہیوں کی طرح اکٹھے چلیں گے ۔ آپ دعوت الی اللہ کرتے ہیں، تربیت کے کام کرتے ہیں اس کے ساتھ آپ کو خدا تعالیٰ نے شفا کا علم عطا کیا اور شفا آپ کے ہاتھوں میں رکھ دی ہے ۔ یعنی یہ اگر تصور میں پیش کر رہا ہوں انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔

یہ جو صورت حال ہے یہ تبلیغ کے اور دینی سفر کے معاملے میں بہت زیادہ ممد ہے اور ویسے بھی دکھتی ہوئی انسانیت کے لئے یہ خدمت کرنا اس واسطے بھی ضروری ہے کہ اس کے بغیر ہمیں چین نہیں آسکتا۔ وہ شخص جو حساس دل رکھتا ہو اگر اس کے بچے بیمار ہوں اس کو تکلیف ہو اور وہ دور کر لے اور باقی لوگوں کا کچھ نہ ہو تو اسے چین کیسے آسکتا ہے ۔ بہت سے کہیں گے کہ ہاں آتا ہے یہی ہو رہا ہے ۔ مگر میں جو بات کر رہا ہوں میں محمد رسول اللہ ﷺ کے دل کی بات کر رہا ہوں ۔ وہ دل اگر ہمیں نصیب ہو تو پھر چین نہیں آسکتا۔ اس کا دل پر کچھ پَرتَو بھی پڑ جائے تو چین نہیں آسکتا۔ اس لئے یہ پروگرام صرف احمدیوں کی سہولت کی خاطر جاری نہیں کیا گیا بلکہ تمام دنیا کی سہولت کے لئے جاری کیا گیا ہے۔

امریکہ جیسے امیر ملک میں یہ صحت کا نظام ایک اتنا اہم مسئلہ بن چکا ہے کہ اس پر حکومتیں بن سکتی ہیں اور ٹوٹ سکتی ہیں اور ابھی جو کلنٹن کو یعنی ان کی پارٹی کو ایک بھاری شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس میں دراصل صحت کے معاملے میں ان کی دخل اندازی تھی جو بعض دولت مندوں کو پسند نہیں آئی ۔ انہوں نے اچھی کوشش کی تھی لیکن ان کی صحت بھی دولت مندوں کے قبضے میں جا چکی ہے اور بڑے بڑے مافیا بنے ہوئے ہیں ۔ انہوں نے کلنٹن کو سبق سکھایا کہ خبردار جو ہماری کمائی کے ذرائع پر تم نے نظر ڈالی ۔ ملک مرتا ہے تو مرتا پھرے ہمارے نظام میں تمہیں دخل دینے کا کوئی حق نہیں ۔ یہ اَن کہا پیغام جو سب سمجھ رہے ہیں امریکہ والے، یہ کلنٹن اور ان کی پارٹی کو دے دیا گیا۔ مگر ہومیو پیتھی کے

معاملے میں بڑے سے بڑا دولت مند بھی کچھ نہیں کر سکتا کیونکہ یہ ایک غریبانہ علاج ہے اور ایک طوعی کوشش ہے صرف امریکہ کی جماعت کو یہ دیکھنا ہوگا کہ قانونی تقاضے ایسے پورے کرے کہ جس کے نتیجے میں وہاں مقدمہ بازیاں نہ ہوں اور جہاں تک میرا علم ہے اگر کوئی مفت علاج کی درخواست کرے اور ایسی تحریر قطعی حاصل کر لی جائے کہ میں ذمہ دار ہوں میرا مفت علاج کیا جائے تو پھر اس کو مقدمے میں نہیں سہیڑا جا سکتا اگر کوئی پیسے وصول نہ کرے۔ اس پہلو سے وہاں کے قانون کا مطالعہ کر کے جماعت امریکہ کو بھی، کینیڈا کو بھی آگے قدم بڑھانا چاہئے اور مجھے مطلع کرنا چاہئے کہ کس طریق پر ہم وہاں غریبوں کی خدمت کر سکتے ہیں کہ خدمت کرنے والوں کو خدمت کی جزا تو نہیں ملے گی نہ ہم اس کی توقع رکھتے ہیں، خدمت کی سزا نہ ملے۔ بعض ملکوں میں خدمت کی بھی سزا ہو جاتی ہے اپنے اپنے رنگ ہیں۔ اب امریکہ میں خدمت کی یہ سزا مل سکتی ہے کہ کوئی مریض اچھا نہ ہوا اس کی حالت بگڑ جائے تو وہ مقدمہ کر دے مجھے دس لاکھ ڈالر دلواؤ۔ تم نے میرا علاج کیا تھا اور اب میں اگر کہیں اور جاتا تو ٹھیک ہو جاتا۔ تو خدمت کی سزائیں نیک دل خدمت کرنے والوں کو کسی طریقے سے مل بھی جاتی ہیں۔ پاکستان میں اور رنگ ہے سزا کا۔ ڈاکٹر گئے خدمت کرنے کے لئے ان کو پکڑ کر جیل میں ڈال دیا کہ احمدیوں کو کیا حق ہے کہ وہ غیر احمدیوں کی صحت کا فکر کریں اور ان کے علاج کی کوشش کریں تو جماعت کو قربانیاں بھی دینی پڑیں گی لیکن جن ملکوں میں قربانیاں دئے بغیر خدمت ہو سکتی ہے وہاں کیوں نہ بغیر قربانی کے خدمت کی جائے۔ نفس کی قربانی کافی ہے لیکن بغیر قربانی سے مراد ہے سزا کی قربانی کے بغیر۔ تو ان ملکوں میں قانون بہت آگے بڑھ چکے ہیں، پیچیدہ ہو چکے ہیں، اس لیے ایسے معاملات میں باقاعدہ ماہر فن سے مشورہ کرنے کے بعد ایک طریق کار طے کرنا ہوگا اور یہ پروگرام تو اب شروع ہو جائیں گے جن سے اتنا تو فائدہ ہوگا کہ لوگ ایک مہنگے ملک میں غریب احمدی اپنے علاج خود کر سکیں گے۔

اس کے علاوہ اب اور بھی بہت سے پروگرام ہیں جن کے متعلق میں جماعت کو سمجھانا چاہتا ہوں کہ جلدی کریں اور اپنے اپنے ملکوں کے پروگرام بنا کے بھیجیں لیکن جہاں تک مرکزی پروگراموں کا تعلق ہے جو میرے ذہن میں ہے جماعت کی تربیت کے لئے ان میں ایک پروگرام جواب عنقریب داخل ہو رہا ہے وہ کھانا پکانا ہے۔ کھانا پکانے کے متعلق آپ پروگرام دیکھتے رہتے ہیں مگر ان پروگراموں میں اور احمدیہ پروگراموں میں وہی فرق ہوگا جو ہمارے ہر دوسرے پروگرام میں

ہوتا ہے۔ ہم گہری نظر سے ضرورت مند کی ضرورت کو مدنظر رکھ کر پروگرام بناتے ہیں اس پہلو سے غریبوں کے کھانے کا کوئی پروگرام نہیں ملے گا آپ کو ٹیلی ویژن چاہے پاکستان کی ہو یا باہر کی ہو اگر کھانے کے پروگرام آتے ہیں تو ایسے ایسے امیرانہ ٹھاٹھ کے پروگرام آتے ہیں کہ بھاری اکثریت جو غرباء کی ہے ان بے چاروں کو صرف تکلیف ہی پہنچتی ہے یہ امیر بڑے بڑے نخرے کر رہے ہیں پتا نہیں کیا کیا کھاتے پھرتے ہیں ہمیں تو برتن خریدنے کی بھی توفیق نہیں ہے۔

تو یہاں جو لجنہ کی ٹیم بنائی گئی ہے، لجنہ کی تو نہیں یعنی خواتین کی ٹیم بنائی گئی ہے، اس میں میری بچیاں بھی شامل ہیں ان کو میں نے دو تین ملاقاتوں میں اچھی طرح سمجھایا ہے کہ آپ بے شک شوق پورے کر لیں دوسرے کھانے بھی سکھائیں، مہنگے کھانے بھی سکھا دیں مگر لازماً اس بات پر زور دینا ہے کہ غریب کے گھر کا بجٹ ملحوظ خاطر رکھ کر اس کو بتائیں کہ وہ اتنے ہی خرچ میں بہتر لذت کیسے حاصل کر سکتا ہے۔ کھانے کا تعلق صرف دولت سے نہیں ہے کھانے کا تعلق ذوق اور سلیقے سے بھی ہے۔ امیر سے امیر گھر میں بھی اگر سلیقہ نہ ہو تو ایسے خوفناک کھانے پکتے ہیں کہ صاحب ذوق کے لئے ایک مصیبت بن جاتی ہے۔ بوئیں چھٹی ہوئی اور کئی قسم کی مصیبتیں۔ اس لئے کھانا پکانے کا سلیقہ ٹھیک ہو جائے تو بعض دفعہ ایک معمولی قیمت کی چیز بھی بہت اچھی لگنے لگ جاتی ہے۔ ایسا کئی دفعہ ہوا ہے کہ ہمارے ہاں دال بھی پکی ہوئی تھی اور مچھلی یا مرغا وغیرہ بھی تھا لیکن میں نے دال ہی کھائی ہے۔ کوئی قربانی نہیں تھی، کوئی فقیرانہ انداز نہیں تھا بلکہ طبعاً مجھے اچھی لگ رہی تھی وہ اتنی اچھی تھی کہ اس کے مقابل پر نہ مرغا کام آ رہا تھا نہ مچھلی کام آ رہی تھی تو انسان کو اپنے ذوق کے مطابق ہی کھانا کھانا چاہئے اگر میسر ہو۔

اس طرح غرباء کو بھی ایسے طریقے سکھائے جاسکتے ہیں کہ ان کے مینو بنائیں اس کے متعلق میں کافی ان کو باتیں بتا چکا ہوں کہ اس طرز کے مینو بنائیں یہ چیزیں داخل کریں اور پھر کچھ نہیں تو روٹی اچھی پکانے کا طریقہ ضرور سکھائیں۔ روٹی کی مختلف قسمیں پکانی سکھا دیں۔ کیونکہ میں نے تجربے سے دیکھا ہے بعض دفعہ شکار پر، بعض دفعہ ویسے بھی، اگر روٹی اچھی ہو تو محض نمک مرچ اوپر لگا کر جو مزہ آتا ہے وہ بُرے پکے ہوئے سالن کے مقابل پر بہت زیادہ ہوتا ہے اور پیاز سے بھی بڑا مزہ آجاتا ہے۔ چٹنیوں سے روٹی کئی دفعہ ہم نے کھائی ہے کچھ اور سالن نہیں کھایا جو اس کا لطف ہے وہ اپنا ایک لطف ہے لیکن روٹی اچھی ہونی چاہئے اگر روٹی بدمزہ ہو تو پھر سارا سالن بھی خراب ہو جاتا ہے۔ تو یہ

چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں مگر ان کو ہمیں سمجھانا ہے اور اس سلسلے میں جماعت پاکستان سے خصوصیت سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ مختلف ٹیمیں بنائیں مختلف غرباء کے گھر میں جائیں یہ دیکھیں کہ ان کے پاس روزمرہ پکانے کی ضرورتیں بھی مہیا ہیں کہ نہیں اور ان کے گھر کی اکانومی بنانے میں مدد گار ہوں۔

ہماری تمام ذیلی تنظیمیں بعض علاقے اپنے اپنے سپرد کر کے بعض جگہ چند ماڈل کے گھر بنائیں لیکن یہ لازم شرط ہے کہ روپے پیسے کے زائد استعمال کے بغیر ان کے بجٹ کے اندران کو صاف ستھرا رہنے کا سلیقہ اور اپنے بجٹ کو مناسب طور طریق پر اس طرح بنانے کا سلیقہ سکھانا ہے کہ دال، کڑھی اور کئی قسم کی چیزیں، سبزیاں ہیں ان کے شوربے وغیرہ وغیرہ یہ سب چیزیں سکھائی جائیں۔ اب دال جب میں نے ان کو کہا کہ دال پہ زور دیں یعنی دال کی مختلف قسمیں بھی سکھائیں اور بھی بہت سی چیزیں ہیں مگر مجھے یہ بتایا گیا کہ پاکستان میں تو دال اتنی مہنگی ہوگئی ہے کہ اب یہ امیروں کا نخرہ ہوگیا ہے تو میں نے کہا کہ آخر غریب کچھ تو کھاتے ہیں لیکن میں نے ان کو بتایا کہ آپ کا یہ اعتراض ویسے درست نہیں ہے کیونکہ دال میں ایک خوبی ہے کہ اسے جتنا پتلا کرلو پھر بھی مزیدار رہتی ہے۔ میں نے خود بنگلہ دیش میں ایک غریب احمدی گھر میں چاول اور دال اس طرح کھائے ہیں کہ بالکل پتلی دال تھی نام کا رنگ تھا لیکن نمک مرچ کی مناسبت کی وجہ سے ایک دو خوشبوئیں ڈالی ہوئی تھیں اس سے مزہ بہت اچھا تھا اور دال چاول کا اچھا یعنی مزیدار کھانا بن گیا تھا۔ تو عقل استعمال ہونی چاہئے سلیقہ استعمال ہونا چاہئے۔ ہم نے چیلنج یہ قبول کر لینا ہے اور اس چیلنج کا حق ادا کرنا ہے کہ دولت کی کمی کے باوجود روزمرہ کے گھروں میں کچھ بشاشت پیدا کریں۔ روزمرہ کے غریبانہ گھروں کے دستور میں کچھ بشاشت کے سامان پیدا کردیں۔ کچھ سہولت پیدا کردیں وہ پیسہ ضائع کرنے کی بجائے اسے اچھے مصرف میں لے کے آئیں۔

جہاں تک دالوں کے مختلف پکانے کے طریق ہیں بعض تو آپ نے سنا ہوگا محاورہ ''یہ منہ اور مسور کی دال'' یعنی ایک نواب تھا یا بادشاہ، وہ کہانیوں میں تو مختلف نام آتے ہیں اس نے ایک اعلیٰ فن دار باورچی سے اس کی اپنی مرضی کا کھانا پکانے کو کہا کہ لا کے دکھاؤ پھر میں تمہیں نوکر رکھوں گا۔ اپنی مرضی کا جو تمہیں پسند ہے پکا کر لاؤ۔ اس نے مسور کی دال پکائی لیکن اس پر اتنا زیادہ دوسرا خرچ کردیا۔ کچھ زعفران، کچھ دوسری چیزیں ڈالیں کہ جب وہ اس نے پیش کی تو نواب صاحب نے ابھی

چکھی ہی نہیں تھی کہ اتنے میں اس کا سیکرٹری یا مال کا منتظم بولا کہ سرکار آپ اس دال کی طرف نہ جائیں اس ظالم نے اتنا خرچ کروا دیا ہے کہ بہت مہنگا ڈش بن گیا ہے۔ تو نواب صاحب نے اس پر ناراضگی کا اظہار کیا کہ یہ کیا حرکت ہے۔ کہتے ہیں اس نے دال کا پیالا اٹھا کر باہر ایک ٹنڈ درخت تھا اس پر پھینک دیا اور کہا کہ ''یہ منہ اور مسور کی دال'' یعنی مسور کی دال کھانے والے بھی تو منہ ہونے چاہئیں تمہیں تو یہ بھی توفیق نہیں۔ کہانی میں لطیفے کے طور پر بتایا جاتا ہے کہ وہ سوکھا ہوا درخت جہاں جہاں دال پڑی وہاں سے ہرا ہو گیا۔

تو کھانا پکانے کا سلیقہ ہوتا ہے یہ سلیقے سکھانے ہیں۔ سبزیوں کا موسم آتا ہے تو بعض سبزیاں بہت سستی ہو جاتی ہیں۔ ہٹ کر خریدیں تو عام سبزیاں بھی اتنی مہنگی ہوتی ہیں کہ ہاتھ نہیں پڑ سکتا۔ جب غریبوں کو آپ سبزیوں کا کہیں گے تو انہیں یہ بھی بتائیں کہ اچھے موسم میں، بھرے ہوئے موسم میں جب سبزیاں پھینکی جا رہی ہوں۔ اس وقت آپ خشک کر کے ان کو کس طریقے سے سنبھال سکتے ہیں کہ دوسرے وقت میں آپ کے کام آئیں۔ اس کا بھی ایک باقاعدہ پروگرام بنا کر اس پر عمل درآمد کرانا ہوگا اور ماہرین کو اس میں محنت کرنی پڑے گی جو فوڈ کے ماہرین ہیں مثلاً کھانے کے فن سے تعلق رکھنے والے سائنس دان جماعت میں ملتے ہیں ان سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ پھر مختلف سبزیاں کس طرح پیش کی جا سکتی ہیں۔ اب کریلے کو اس طرح بھی پکایا جا سکتا ہے کہ سارا گھر کڑوا ہو جائے اور اس طرح بھی پکایا جا سکتا ہے کہ اس کے مزے سب موجود ہوں۔ کڑواہٹ صرف اتنی ہو کہ یاد رہے کہ کریلا ہے۔ تو یہ کیوں نہ سکھائیں ہم سب کو چٹنیاں بنانی کیوں نہ سکھائیں۔ تو یہ وسیع پروگرام ہے جس پر عمل درآمد شروع ہو رہا ہے۔ اب ان کے ترجموں کی کچھ مشکل ہے۔

نہ ابھی تک ہومیو پیتھک کی کلاسز کے پروگراموں کے ترجمے ہو سکے ہیں پورے، نہ روزمرہ کے گھنٹوں کے پروگراموں کے ایسے ترجمے ہو سکے ہیں کہ انہیں مستقل ہر زبان میں جاری کیا جا سکے۔ اس پروگرام کے ترجمے کی ضرورت پیش آئے گی پھر ان میں افریقن پروگرام بھی چاہئیں اور چائنیز پروگرام تو یہاں ہی ہو جائیں گے لیکن افریقہ کے مختلف ملکوں کو یا فار ایسٹ میں جو ہمارے احمدی پھیل رہے ہیں۔ جن ممالک میں ان کے کھانوں کے، انڈونیشیا کے کھانوں کے پروگرام بھی ہونے چاہئیں۔ تو آپ سب لوگوں کو بہت کام کرنا ہے اپنے اپنے ملکوں میں پروگرام بنائیں اور وہ بھجوائیں

تا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اس ٹیلی ویژن کے پروگرام کو صرف دلچسپی کا موجب نہ بنائیں بلکہ بہت ہی مفید اور کارآمد پروگرام بنادیں کہ دشمن بھی مجبور ہو اس ٹیلی ویژن کو دیکھنے پر۔

اس سلسلے میں امریکہ میں ایک جماعت میں ایک کام دے کے آیا تھا ابھی تک مجھے اس کی اطلاع نہیں ملی ہمارے بھانجے ہیں مرزا مغفور احمد صاحب، ڈاکٹر ہیں، انہوں نے مجھے بتایا کہ اب یہاں نیا تجربہ ہوا ہے کہ مثلاً مکئی کے کھیت ہیں ان میں ٹانڈوں کو کھڑا رہنے دیا جاتا ہے اور چھلیاں اتار کر استعمال کر لیتے ہیں اور جب اگلا موسم آتا ہے کاشت کا، اس وقت تک وہ گل سڑ کر ویسے ہی نیچے گر چکے ہوتے ہیں، صرف ایک ہل دیتے ہیں اور بیج پھینک دیتے ہیں کوئی دوسرا ہل نہیں دیتے کوئی سہاگہ نہیں دیتے۔ اور اس کے باوجود وسیع پیمانے پر تجربے ہوئے ہیں کہ اوسط دوسرے طریق سے گری نہیں ہے۔ اب پاکستان جیسے غریب ملک میں اور ہندوستان جیسے غریب ملک میں اور بنگلہ دیش جیسے غریب ملک میں جہاں ٹریکٹر کے اخراجات بے شمار ہیں وہاں اگر ان طریقوں کو نمونۃً جاری کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت سی سہولتیں مہیا ہوسکتی ہیں۔ یہ لمبی بحث کا اب وقت بھی نہیں ہے لیکن پوری طرح میں نے معاملے کو سمجھ لیا ہے اور تحقیق کی ہے اور اس میں ایک حکمت ہے۔ ان سے میں نے کہا کہ آپ بنائیں پروگرام۔ ان فارموں کے زمینداروں کے پاس جائیں ان فارمز میں پہنچیں اور بنا کے ہمیں بھجوائیں MTA کے لئے تا کہ پاکستان اور غریب ملکوں میں ایک نیا طریقہ کم قیمت پر اچھی کاشت کا سکھا دیا جائے اور یہ جو علاقے ہیں جن کی مَیں بات کر رہا ہوں یہاں اوسط پیداوار ستر من فی ایکڑ ہے ایک ہل کے ساتھ اور ہمارے ہاں دس دس ہلوں کے بعد بھی بمشکل تیس پینتیس من تک پہنچتی ہے تو کہیں کہیں بہت بھی بڑھ جاتی ہے لیکن میں عموماً بات کر رہا ہوں اوسط تو تیس من بھی نہیں ہوتی۔

تو ایسے بہت سے دلچسپ پروگرام ہیں مختلف ملکوں میں جو تجربے ہو رہے ہیں۔ پانی کی بچت کیسے کی جاسکتی ہے۔ باغوں کو کس طرح بہت تھوڑے پانی میں عمدگی کے ساتھ پالا جاسکتا ہے۔ یہ سارے ایسے کام ہیں جن میں ہمارے کہیں بعض احمدی بھی ریسرچ کر رہے ہیں تو ان کو کہہ چکا ہوں ان کی طرف سے بھی آنے چاہئیں اور آپ سب کو دنیا میں جتنے احمدی جہاں جہاں بھی ہیں کوئی ایسی چیز معلوم ہو جس کو وہ اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ مشترک کر کے اپنے فیض کو عام کر سکتے ہیں۔

یعنی جس علم میں بھی کوئی خاص بات دیکھیں جس میں دوسروں کو فائدہ ہوسکتا ہو اس کو عام کریں، اپنے تک نہ رکھیں اور اس ضمن میں مرکزی طور پر جماعتوں کا کام ہے کہ اچھے ٹیلی ویژن پروگرام بنا کر وہ پروگرام ہمیں بھجوائیں۔ تو یہ باتیں تو بہت زیادہ کرنے والی ہیں مگر وقت میں دیکھ رہا ہوں بہت لمبا ہو گیا ہے تو انشاء اللہ یکم جنوری سے خدا کے فضل کے ساتھ یہ پروگرام جاری ہوں گے اور جماعت سے اس کے لئے چندے کے طور پر ایک بھی پیسہ زائد نہیں مانگا جائے گا کیونکہ جماعت نے ابھی بھی بہت قربانی کی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ابھی آئندہ سال تک ٹیلی ویژن کے سلسلے میں جماعت پر چندے کا مزید بوجھ ڈالنا مناسب نہیں لیکن اشتہارات کے ذریعہ اگر ہمارے تاجر MTA کی مدد کرنا چاہیں تو یہ ایک نیک کام ہوگا۔ یہ کوئی بوجھ نہیں ہے بلکہ مختلف علاقوں کے اشتہارات، مختلف علاقوں کے لوگ دے سکتے ہیں اور آپ کو اگر یورپ اور ایشیا میں دلچسپی ہے تو اس کے الگ اشتہار کے دام ہوں گے۔ یورپ اور امریکہ میں دلچسپی ہو تو اس کے الگ اشتہار کے دام ہونگے۔ وغیرہ وغیرہ۔ تو ہم تھوڑے دام چارج کریں گے، باقیوں کی نسبت بہت کم لیکن اگر یہ رجحان شروع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ ہمارے روزمرہ کے بڑھتے ہوئے اخراجات اسی سے پورے ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ السلام علیکم۔

اپنے ذوق کو مثبت رنگ دیں۔ مسلم ٹیلی ویژن احمدیہ کو

اپنے ذوق کو مثبت رنگ دیں۔ مسلم ٹیلی ویژن احمدیہ کو متنوع اور مفید پروگراموں کی تیاری کیلئے تفصیلی ہدایات۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 23 /دسمبر 1994ء بمقام مسجد فضل لندن برطانیہ)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

الحمدللہ کہ 1994ء کا سال بہت سی برکتیں جماعت کے لئے لے کر آیا اور بہت سی دائمی برکتیں پیچھے چھوڑ کر جانے والا ہے۔ اب ایک ہفتہ تقریباً باقی ہے۔ تیس دسمبر کو انشاء اللہ اس سال کا آخری جمعہ ہم ادا کریں گے اور پھر آئندہ سال میں داخل ہوں گے۔ اس دوران دو اور بھی اہم پروگرام ہیں یعنی قادیان کے سالانہ جلسے کا افتتاح اور اس کی اختتامی تقریب یہ دونوں تقریبات لندن میں بھی منعقد کی جائیں گی اور MTA کے ذریعہ تمام عالم میں یہ نشر ہوں گی۔ پس اس پہلو سے یہ بھی دو بہت اہم جلسے ہیں جو انہی آخری ایام میں واقع ہوئے ہیں اور میں امید رکھتا ہوں کہ احباب جماعت گزشتہ سال کے حالات پر جماعتی طور پر بھی اور انفرادی طور پر بھی غور وفکر کرتے ہوئے اور استغفار کرتے ہوئے اور بہتر کی دعائیں مانگتے ہوئے یہ آخری ایام صرف کریں گے۔

بہت سے واقعات ہوتے ہیں جن میں انسان کو ایک نیکی کی توفیق مل سکتی ہے مگر بعض عارضی روکیں پیدا ہو کر اگر چہ اس شخص کے نیکی کے مزاج کو نہیں بدلتیں مگر اس اہم نیکی سے محروم ضرور کر دیتی ہیں اور ایسے کئی واقعات انسان کی زندگی میں ہوتے رہتے ہیں اور ان سے انسان کو سبق بھی سیکھنا چاہئے اور پھر کچھ کمزوریاں واقع ہو جاتی ہیں، کچھ غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں، کچھ حقوق کے

معاملے میں بے احتیاطی ہوتی ہے یا حق تلفی ہو جاتی ہے یا جیسا کہ اللہ چاہتا ہے حق ادا نہیں کئے جاتے ۔ کئی اختلافات کو ہوا دے کر معاملات کو بگاڑ دیا جاتا ہے، گھریلو ماحول کو گندہ کرنے کے لئے کئی قسم کی غلطیاں ہیں جو بعض دفعہ دیر پا بد اثرات چھوڑ جاتی ہیں ۔ تو ہمیں یہ وقت اس تجزیہ میں بھی صرف کرنا چاہئے اور ان دعاؤں میں بھی کہ اے خدا اس سال کی نیکیاں تو باقی رہیں اور ہمیشہ جاری رہیں ۔ اس کی برکتیں تو کبھی ختم نہ ہوں لیکن وہ تکلیف دہ چیزیں جو انسان اپنے اعمال سے خود اپنے لئے پیدا کرتا ہے وہ اس سال کے اختتام سے پہلے ہی ختم ہو جائیں اور آئندہ جماعت کو ان ٹھوکروں سے اللہ تعالیٰ بچائے رکھے ۔ تو یہ دعائیں خصوصیت سے اس عرصے میں کریں اور باقی تفصیلی باتیں جو آئندہ سال کے متعلق ہدایات ہیں یا کچھ اور باتیں اس سال سے تعلق میں کرنے والی ہوں گی وہ میں انشاء اللہ اس سال کے آخری خطبہ 30/دسمبر کو کروں گا ۔

ایک مضمون میں نے گزشتہ خطبہ میں شروع کیا تھا MTA سے متعلق جماعت کو اس کی ذمہ داریاں یاد دلانا ۔ یہ مضمون چونکہ بہت وسیع ہے اور بہت سے پہلو ایسے ہیں جو تشنہ ہیں اس لئے میں نے سوچا ہے کہ آج بھی اسی موضوع پر گفتگو کروں وجہ یہ ہے کہ آئندہ سال جو آنے والا ہے اس میں مختلف MTA کے علاقائی پروگراموں میں وقت کے لحاظ سے بھی تبدیلیاں ہوں گی اور پروگراموں کے لحاظ سے بھی ان کو بہتر بنانے کی ایک عالمی کوشش ہے جو ہم شروع کر چکے ہیں ۔ اس سلسلے میں کمیٹیاں قائم ہیں وہ غور کر رہی ہیں ، بہت محنت کر رہی ہیں ، ان کے ساتھ میرے بھی اجلاسات ہو رہے ہیں لیکن کچھ ایسے معاملات ہیں جن کو اس ملک میں بیٹھے بیٹھے سرانجام نہیں دیا جا سکتا ۔ ان کا تعلق مختلف ممالک سے ہے اور ایسے معاملات بھی ہیں جن کا یہاں بیٹھے ہوئے براہ راست مرکز کے لئے سرانجام دینا ممکن نہیں ہو سکتا یعنی وہ مرکزی کارکن جن کے سپرد تمام دنیا کے انتظامات ہیں اور جو اس سلسلے میں بہت محنت کر رہے ہیں ان کے لئے ممکن نہیں کہ ملکی ضروریات میں بھی وہی ذمہ داریاں ادا کریں ۔ اس لئے بہت سی ایسی باتیں ہیں جن میں UK جماعت کو بحیثیت UK جماعت کے اپنی ذمہ داریاں ادا کرنی ہوں گی ۔ جب کہا جاتا ہے تو بعض دفعہ وہ کہتے ہیں کہ اتنے پیسے مہیا کر دیئے جائیں ، ہم اپنی الگ ٹیم بنائیں ، اپنا الگ سٹوڈیو بنائیں ، اس پر اتنے پیسے کی ضرورت پڑے گی ۔ یہی غلط سوچیں ہیں ۔ سٹوڈیو بنے ہوئے ہیں سامان موجود ہیں ، آپس میں

مؤمنانہ تعاون کی ضرورت ہے۔آپ اپنی ٹیمیں بنائیں، کارکن بنائیں،ان کو تربیت دینے میں بھی مرکزی منتظمین حتی المقدور تعاون کریں گے۔تو معمولی خرچ جو اٹھتے ہیں وہ تو ہر ملک خود ذمہ دار ہوتا ہے اور ہر ملک پہلے ہی کر رہا ہے۔

تو ایک تو ان پروگراموں کے سلسلے میں یہ عادت پیدا کریں کہ ہر بات جو نیک نصیحت کی جائے اس میں ہاتھ نہ آگے بڑھائیں۔ میں جانتا ہوں کہ ہم سب کے ہاتھ ایک ہی ہیں۔ یہاں دینے اور لینے والے ہاتھ کا اس طرح فرق نہیں ہے مگر وہ ذمہ داریاں جو ملکی سطح پر سرانجام دی جاسکتی ہیں ان کا بوجھ مرکز پہ ڈالنا جس پر اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ بہت بڑی بڑی عالمی ذمہ داریاں جن میں آپ کے ملک کی ذمہ داریاں بھی شامل ہیں، پہلے ہی بہت ہیں۔اس پہلو سے کوشش کریں کہ مرکز کا بوجھ چندوں کی ادائیگی کے ذریعے تو آپ بٹا ہی رہے ہیں اللہ کے فضل کے ساتھ لیکن ان کے اخراجات میں ایسے سلیقے سے کام لیں کہ بہت سے اخراجات جو آپ وہاں پورے کر سکتے ہیں، وہیں پورے کریں اور جو عالمی ضرورتیں ہیں ان میں حصہ لیں۔آپ کا اجر یہ ہوگا کہ سارے عالم میں جو محنت ہوگی آپ بھی اس سے حصہ پائیں گے، اس کا فیض آپ کو بھی نصیب ہوگا۔تو یہ جو اجتماعی کوششیں ہیں یہ **کلوا جمیعا** کی سی حیثیت رکھتی ہیں، سب اپنا اپنا کھانا لے کر آتے ہیں اور ایک جگہ اکٹھے ہو کر اس میں بہت تنوع پیدا ہو جاتا ہے اور دعوت سج جاتی ہے اور اچھے محبت کے ماحول میں ایسے کام ہوتے ہیں جو ویسے اگر کئے جائیں اجتماعی طور پر تو بہت خرچ چاہیں گے، بہت سے انتظامی تقاضے کریں گے اور اتنی بعض دفعہ کسی جماعت میں صلاحیت نہیں ہوتی کہ اکٹھے یہ سارے کام کر سکے مگر جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے **کلوا جمیعا** میں اللہ کے فضل سے بہت سی برکتیں ہیں۔تو یہ بھی ایک دستر خوان ہے اور ایک عالمی دستر خوان ہے نعمتوں کا جو اللہ تعالیٰ نے جماعت کے لئے بچھایا ہے اور آپ ڈشوں میں اس کو اتارتے ہیں اور اس نعمت سے فائدہ اٹھاتے ہیں تو اس پہلو سے سب نے **کلوا جمیعا** کرنا ہے اس **کلوا جمیعا** کے سلسلے میں کچھ ہدایات میں نے آپ کو گزشتہ خطبے میں دی تھیں کچھ میں اب وہ ہدایات دوں گا۔

لیکن اس مضمون کو آگے بڑھانے سے پہلے میری نظر پڑی ہے یادداشت پر۔آج جماعت احمدیہ نائیجیریا کا بھی جلسہ سالانہ 23 دسمبر سے شروع ہو رہا ہے۔ یہ حسن سنمونو صاحب نئے امیر جو ہیں

نائیجیریا کے ان کی امارت میں پہلا جلسہ سالانہ ہے نائیجیریا کا اور جب سے وہ امیر بنے ہیں، ابھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا لیکن اللہ کے فضل کے ساتھ پہلے بھی بے حد مخلص اور فدائی کارکن تھے اور بہت سلیقہ والے اور دماغی صلاحیتوں کے لحاظ سے بہت متوازن اور اب جب سے امارت سنبھالی ہے وہ دن رات نظام جماعت کی حالت بہتر بنانے کی کوشش کررہے ہیں یعنی نظام میں تبدیلیاں لاکر نہیں بلکہ نظام پر عمل پیرا ہوکر اور عمل کروا کر۔ جو وہاں نظام جاری ہے اس میں ان کے آنے کے بعد نمایاں طور پر اچھے رجحانات دکھائی دے رہے ہیں۔ تو عالمی طور پر ان کی دعاؤں کے ذریعہ مدد کرنی چاہئے۔

نائیجیریا کی جماعت میں جتنی صلاحیتیں ہیں اب تک وہ بروئے کار نہیں لائی گئیں اور ویسے یہ جماعت اللہ کے فضل کے ساتھ بہت بڑی صلاحیتوں کی مالک ہے۔ ہر طبقہ فکر کی نمائندگی اس میں ہے اور جماعت سے لوگ گہرا اخلاص رکھتے ہیں اگرچہ عدم تربیت کے نتیجہ میں بعض دفعہ بعض نقصانات بھی پہنچے مثلاً بعض جماعتیں ایسی ہیں جو جماعت احمدیہ میں سے نکلی ہیں اور پھر الگ جماعتیں بنیں لیکن جہاں تک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان کی وفاداری کا تعلق ہے وہ یہ حال ہے کہ الگ ہونے کے باوجود جو انتظامی مسائل کی وجہ سے الگ ہوئی تھیں، اپنی لاعلمی کہ کس موقع پر کیا کرنا چاہئے بدقسمتی سے اس وقت ان کو براہ راست خلیفہ وقت کی نگرانی حاصل نہیں تھی واسطے بیچ میں تھے اس لئے نہ صحیح صورت حال خلیفہ وقت تک پہنچتی تھی اور نہ خلیفہ وقت کا منشاء ان پر پوری طرح روشن کیا جارہا تھا وہ الگ ہوگئیں لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے وفا کا تعلق قائم رکھا۔ آپ کے تمام عقائد پر ایمان لاتی رہیں اور یہ بھی نہیں کہ لاہوریوں کی طرح کوئی نیا عقیدہ گھڑ لیا ہو۔ صرف انتظامی علیحدگی ہوئی ہے اور اس سے ان کو بھی نقصان پہنچا اور جماعت کو بھی نقصان پہنچا لیکن جب میں نائیجیریا گیا تھا تو ایسی جگہوں پہ گیا ہوں ان کے جو بھی اس وقت امیر تھے انہوں نے بڑے اصرار سے دعوت دی اور اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ سب کو میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تعلق میں اور آپؑ کے ایمان میں پوری طرح مستعد پایا۔ تو یہ صلاحیتیں جو میں گنوا رہا ہوں اگرچہ مثال دے رہا ہوں ایک نقصان کی، لیکن بتانا چاہتا ہوں کہ اتنے بڑے نقصان کے باوجود ان کا احمدیت سے وفا کرنا بتاتا ہے کہ جو کچھ کررہے ہیں سوچ سمجھ کر کررہے ہیں۔ احمدیت کو قبول کرتے ہیں تو پورے شرح صدر کے ساتھ قبول کرتے ہیں اور پھر کسی قسم کے ابتلا ان کو احمدیت کے دائرے سے باہر نہیں پھینک سکتے۔ یہ لوگ خاص دعاؤں کے محتاج ہیں۔

افریقہ کے بہت سے ممالک اس طرح بیدار ہو چکے ہیں کہ اب وہ دندناتے ہوئے شیروں کی طرح بہت تیزی سے آگے بڑھ رہے ہیں اور نائیجیریا اس پہلو سے پیچھے ہے۔ پس نائیجیریا کی جماعت کے لئے خصوصیت سے آپ کو دعا کی طرف متوجہ کرتا ہوں۔ یہ وہ ملک ہے جسے مغربی افریقہ میں ایک غیر معمولی حیثیت حاصل ہے بدنصیبی سے بہت سے ایسے مسائل ہیں جن کی وجہ سے خدا کی عطا کردہ نعمتوں اور دولتوں کے باوجود یہ ملک بدحالی کی طرف جارہا ہے اور ان کا روپیہ جو بہت عرصے تک باقاعدہ اپنے مقام پر ٹھہرا رہا مثلاً ایک پاؤنڈ میں 12، 14 نیرے ہوا کرتے تھے، 8 سے لے کر 12، 14 تک تو مجھے یاد ہے، لیکن اونچ نیچ ہوتا رہا مگر وہ گرا نہیں ہے اب کچھ ایسی آفات پڑی ہیں کہ تیزی کے ساتھ یہ نیرے بھی گر رہا ہے اور دن بدن مہنگائی بڑھتی چلی جارہی ہے۔ ملک میں تیل کی افراط اور بہت دولت ہے لیکن جاتی کہاں ہے کچھ سمجھ نہیں آرہی کسی کو اس لحاظ سے یہ ملک بھی دعاؤں کا محتاج ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی اور اپنے مسائل کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

جماعت احمدیہ ہالینڈ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک بہت ہی ثابت قدم اور متوازن اور مضبوط قدموں سے آگے بڑھنے والی جماعت ہے۔ گزشتہ چند سالوں میں ان کے امیر ھبۃ النور صاحب کو یہ مبارک ہو کہ انہوں نے بہت عمدگی کے ساتھ تبلیغ میں بھی جماعت کے قدم کو آگے بڑھایا ہے اور ساری ٹیمیں مل کر بڑی وفاداری کے ساتھ جماعت کی خدمت کر رہی ہیں، نئے نئے ایسے امکانات وہاں پیدا ہو رہے ہیں کہ جماعت جو سینکڑوں کے چکر میں تھی اب ہزاروں میں داخل ہو جائے تو اس لئے ان کے لئے بھی بہت دعا کی ضرورت ہے۔

واقعہ شہادت آپ نے سن لیا ہے اس کے متعلق میں سر دست صرف اتنا کہوں گا کہ سندھ میں اس دور میں جو 1984ء کے بعد شروع ہوا انفرادی طور پر احمدیوں کو شہید کرنے کے جو واقعات ہیں یہ مسلسل منظّم سازش کے نتیجہ میں ہیں۔ یہ ویسے واقعات نہیں ہیں جو 1953ء میں رونما ہوئے کہ علماء نے ہر طرف نفرتوں کے بیج بو دیئے اور دشمنیاں ہوئیں اور بھڑکیں، نہ ویسے واقعات ہیں جو 1974ء میں رونما ہوئے وہ بھی ایک اجتماعی سازش کے نتیجے میں تھے لیکن جب عوام مشتعل ہوئے ہیں تو وہ قتل جو احمدیوں کے ہوئے ہیں وہ باقاعدہ انفرادی طور پر سازش کا نتیجہ نہیں تھے۔ بھڑکے ہوئے عوام گلیوں میں آئے ہیں، قتل وغارت ہوا ہے، گھر جلائے گئے، بچے مارے گئے، بوڑھے مارے گئے، عورتیں

شہید ہوئیں، لیکن یہ ہنگامی واقعات تھے اگر چہ ہنگامے منظّم طور پر شروع کئے گئے اور پھر ان کو باقاعدہ اس طریق پر آگے بڑھایا گیا لیکن یہ جو واقعات ہیں یہ Cold blooded murders ہیں۔ جن میں سب کو علم ہے تمام حکومت کے کارندوں کو علم ہے کہ کون بد بخت مولوی ہے جو ایسی سکیمیں بنا تا ہے کس طرح وہ غنڈے بھیجتا ہے، کرائے کے پالتو غنڈے ہوں یا قاتل ہوں جو باہر سے لائے گئے ہوں ان سب کے متعلق سب کو علم ہے اور چونکہ حکومت اس بارے میں قطعاً کسی اقدام کے کرنے کے لئے تیار نہیں ہے اور وہ مخلص پولیس کے یا بعض دفعہ فوج کے کارکنان جو ایسے موقع پر بیچ میں ملوث ہوئے ہیں اور انہوں نے غیر معمولی ہمدردی کے ساتھ احمدیوں کے مظلوموں کی تائید کرنے کی کوشش کی ہے کچھ دن کے بعد انہوں نے اپنے ہاتھ اٹھا لئے کہ ہم مجبور ہیں اوپر سے ہم پر دباؤ آ گیا ہے۔ تو یہ ایک ایسی منظّم سازش ہے جس میں قوم شامل ہے یعنی حکومت اور مسلسل چلی آ رہی ہے۔ اس لئے اس کا وبال بھی پھر قومی ہوا کرتا ہے اور سندھ میں جو بے شمار آفتیں نازل ہوئیں ہیں اور ہوتی چلی جارہی ہیں اور زندگی کی حرمت اٹھ گئی ہے، انسانیت کی حرمت اٹھ گئی ہے۔ بچوں، بوڑھوں، عورتوں میں فرق باقی نہیں رہا۔ ایک قیامت برپا ہے اور ساری قوم دہائی دے رہی ہے اور اس کا کچھ نہیں بن رہا۔ یہ نتیجہ ہوا کرتا ہے ایک مسلسل منظّم طور پر معصوموں کے اوپر ظلم کرنے کا اور ظلم کے خلاف اگر دل میں کراہت بھی پیدا ہوتی ہے تو چونکہ قومی طور پر ایک منظّم سازش ہوتی ہے اس لئے کسی کو جرأت نہیں ہوتی کہ وہ اس آواز کو بلند کرے یا کسی طرح بھی اس کی مدد کرے۔ جتنے قتل ہوئے ہیں ان سب کے قاتلوں کا سب کو علم ہے لیکن کوئی کارروائی نہیں ہوئی اور یہی وجہ ہے کہ ایسے قاتل بڑے مزے سے پھرتے ہیں، دندناتے پھرتے ہیں اور چونکہ ان کو علم ہے کہ جماعت احمدیہ کی پالیسی تو نہیں کہنا چاہئے جماعت احمدیہ کی تعلیم یہ ہے کہ خدا کی ہر تعلیم کی پہ کاربند جماعت ہے کہ جہاں ایک ملک میں منظّم قانون جاری ہے۔ تمہیں قانون اپنے ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں ہے۔ اس لئے جماعت احمدیہ اس معاملے میں بالکل مجبور اور بے کس بیٹھی ہے لیکن ہمارا خدا مجبور اور بے کس نہیں ہے اور وہ بہتر جانتا ہے کہ کیوں اور کب تک ان لوگوں کو اس طرح چھٹی ملے گی۔ چھٹی اس قسم کی تو نہیں ہے جیسے عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ قاتل مجرم پوری طرح اپنے جرم کی پاداش سے الگ رہیں اور ان پر کوئی سزا وارد نہ ہو چونکہ قومی جرم ہے اس لئے قومی سزا تو ہمارے سامنے اتر رہی ہے آسمان سے اور زمین بھی

اگل رہی ہے لیکن پیشتر اس کے کہ وہ وقت آئے جبکہ نوح کی قوم کی سزا کی طرح آسمان سے بھی سزائیں برسی تھیں اور زمین سے بھی اس زور اور شدت کے ساتھ پھوٹی تھیں کہ ساری قوم ان سزاؤں میں غرق ہوگئی تھی۔ میں ساری قوم سے اپیل کرتا ہوں کہ ان حالات کو سمجھیں اور غور کریں۔ جو بدبخت قاتل اور ان کے سرغنے ہیں ان کو پکڑیں اور حکومت کو یہ واضح طور پر ان سب کو بتا دینا چاہیئے کہ آج کے بعد ہم اس خباثت کو برداشت نہیں کریں گے۔ اگر حکومت ایسا کرے اور اپنے کارندوں ہی کو یہ پیغام دے دے تو ناممکن ہے کہ اگلا قتل ہو سکے کیونکہ سارے لوگ نظر میں ہیں اور پتا ہے سب کو کون لوگ ہیں اس لئے پھر پکڑ سے بچ نہیں سکتے۔ تو اتنی بات میں عرض کروں گا۔

جہاں تک شہید کا تعلق ہے اس کے خاندان کا تعلق ہے میں نے پہلے بھی بارہا عرض کیا ہے کہ یہ عظیم سعادتیں ہیں جن کے ساتھ کانٹے بھی لگے ہوتے ہیں۔ کانٹوں کے دکھ تو کچھ عرصے بعد مندمل ہو کر ختم ہو جائیں گے یعنی زخم مندمل ہوں گے تو وہ دکھ دور ہو جائیں گے لیکن یہ سعادتیں ہمیشہ ہمیش کی سعادتیں ہیں اور سندھ پر بھی احمدیت کے حق میں یہ رحمتوں کی بارشیں بن کر برسیں گی اور ساری دنیا میں بھی جماعت ان سے استفادہ کرے گی تو شہادت کا مضمون بڑا ہی مشکل مضمون ہے جس کا بیان کرنا۔

آنحضرت ﷺ کا جو عظیم حوصلہ تھا وہی علاج ہے مگر وہ حوصلہ سب کو نصیب نہیں ہوتا اس لئے دعا کرنی چاہئے کہ اللہ ہمیں اس حوصلے سے ملتا جلتا کچھ حوصلہ عطا کرے تا کہ جانتے ہوئے کہ خدا کی تقدیر کے تابع ہو رہا ہے اور اس کے پس پردہ بہت عظیم رحمتیں چھپی ہوئی ہیں جن کو بارہا ہم دیکھ بھی چکے ہیں پھر بھی ہمیں جب کانٹے چبھتے ہیں تو بعض دفعہ حوصلہ جواب دینے لگتا ہے تو دعا مانگنی چاہئے کہ اللہ جماعت کے حوصلے کو بھی وسعت عطا فرمائے اور جماعت کے صبر کو استقامت بخشے۔

اب ٹیلی ویژن کے متعلق جو میں نے آپ سے گزارش کی تھی اس کے متعلق کچھ نوٹس میں نے آنے سے پہلے چند منٹ میں لکھے تھے تا کہ کوئی بات رہ نہ جائے مگر ڈر ہے کہ رہ جائے گی کیونکہ بہت سا وقت تو تمہیدی باتوں میں خرچ ہو چکا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ عالمی طور پر جو توقعات تھیں گو جماعتیں بڑے بڑے ملک خصوصیت سے پروگرام بنانے میں مدد کریں گے وہ ابھی تک توقعات پوری نہیں ہوئیں یہاں تک کہ پاکستان میں مرکز کو بھی میں نے واضح ہدایات دی تھیں کہ ہم توقع رکھتے ہیں کہ جو پاکستان میں بارہ گھنٹے کا پروگرام ہے اس میں آپ ان خطوط پر کام کر کے چند گھنٹے کا

بوجھ تو اٹھائیں جبکہ آپ کے پاس مستقل عملے موجود ہیں، ہر قسم کی سہولتیں موجود ہیں لیکن پتا نہیں کیا وجہ ہے کہ عام طور پر تو اللہ کے فضل سے وہ بڑی مستعدی سے لبیک کہتے ہیں مگر اس معاملے میں بہت غفلت دکھائی گئی ہے اور ابھی تک روزمرہ کے ایک گھنٹے کا پروگرام بھی ان کی طرف سے نہیں آسکا۔ ہفتے میں بھی ایک گھنٹے کا آجائے تو ہم غنیمت سمجھتے ہیں اور یہ سارا بوجھ جو ہے یہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہاں کے جسوال برادران نے ایک حصے کا بوجھ اٹھایا ہوا ہے اور باقی ہمارے انگلستان کے خاص طور پر لندن کے مخلص نوجوان جو یا طالب علم ہیں یا اپنا کوئی کام کر رہے ہیں انہوں نے رفیق حیات صاحب کی قیادت میں یہ بوجھ اٹھایا ہوا ہے کچھ بچیاں ہیں وہ بھی سکول کی عمر سے لے کر کالج کی عمر اور پھر گھر کے کام کاج کرنے والی خواتین اور بڑی وفاداری کے ساتھ، بڑی ہمت کے ساتھ، بڑی محنت کے ساتھ یہ عظیم ذمہ داری سرانجام دے رہے ہیں۔ لیکن جو ملتا ہے وہ صرف یہ کہ فلاں نقص رہ گیا، فلاں نقص رہ گیا۔ فلاں نقص رہ گیا، فلاں نقص رہ گیا۔ اس کا بھی کوئی حرج نہیں اس میں بعض دفعہ صحیح طور پر متوجہ کیا جاتا ہے لیکن یہ کوئی نہیں بتاتا کہ ہم نقص دور کر کے تمہیں دکھاتے ہیں کہ ایسے نقص دور کیا جاتا ہے وہ آوازیں دے رہا ہوں میں اور ابھی تک اس کا کوئی جواب نہیں آرہا۔

تو جماعت کو میں متوجہ کرتا ہوں کہ زیادہ سنجیدگی سے ہر ملک کے صدر مقام میں ایسی ٹیمیں بنائی جائیں اور الگ ایک محکمہ بنایا جائے، شعبہ اشاعت کے تابع جو بھی شعبہ اس کے قریب تر ہو اس کے تابع بنایا جائے اور ان کی امیر نگرانی کرے اور ان سے پروگرام بنوا کر دیکھے کہ واقعۃً کام آگے بڑھ رہا ہے کہ نہیں۔ اب اس پروگرام کے نہ ہونے کی وجہ سے جو جنوری میں ہمارا نیا پروگرام چلنا تھا وہ کم سے کم ایک ہفتہ اس میں تاخیر کرنی پڑی ہے کیونکہ جس قسم کے تعاون کی ضرورت تھی وہ ابھی تک حاصل نہیں ہوسکا۔ میں جانتا ہوں اس میں بہت سی دقتیں ہیں، یہ میں جانتا ہوں کہ یہ اخلاص کی کمی وجہ سے نہیں ہے بلکہ بہت سی باتوں میں لاعلمی کی وجہ سے ہے۔ اول تو توقعات بہت اونچی کر دی جاتی ہیں حالانکہ بارہا کہہ چکا ہوں کہ معیار اونچا کرنے کی کوشش اچھی بات ہے لیکن ہونا نہ ہونے سے بہرحال بہتر ہے۔ اس لئے ہاتھ توڑ کے بیٹھ جائیں اور یہ کہ ہمارے پاس اعلیٰ مشینیں نہیں ہیں، ہم نے ابھی تک ٹریننگ حاصل نہیں کی، ہمارے پاس اچھے لکھنے والے نہیں ہیں اور وہ قیمتی سامان نہیں ہے جن کے ساتھ ٹیلی ویژن کے پروگرام سجتے ہیں، یہ باتیں درست نہیں ہیں یہ سوچیں ہی غلط ہیں۔ جو توفیق ہے

اس کے مطابق کچھ بنائیں اور اتنا بنائیں کہ اس میں سے ہم پھر یہاں چن کر نئے پروگرام بنا سکتے ہوں۔

لیکن جو پروگرام جرمنی میں بنتے ہیں یا ناروے میں بنتے ہیں یا جاپان میں بنتے ہیں یا پاکستان کے مختلف حصوں میں یا ہندوستان یا افریقہ میں وہ تو وہیں بن سکتے ہیں یہاں تو نہیں بن سکتے اور وجہ اس کی یہ ہے میں بتاتا ہوں مثلاً ہمیں جو مرکزی تعلیمی پروگرام ہے وہ تو بہرحال جاری رکھنے ہوں گے اس کا بڑا بوجھ یہیں رہے گا کیونکہ مجبوری یہ ہے کہ مجھے اپنی نگرانی میں وہ کرنے پڑیں گے اور جب تک وہ ایک مکمل کورس کی شکل اختیار نہ کر چکے ہوں اس وقت تک ان کا لازماً یہاں میری نگرانی میں بننا اور جاری رہنا ایسا امر ہے کہ ہم نظر انداز نہیں کر سکتے لیکن ان کے علاوہ جو پروگرام ہیں ان میں سے بہت سے ایسے ہیں جو یہاں بن ہی نہیں سکتے، نہ ہمارے پاس ذرائع ہیں، نہ ملکی حالات ایسے ہیں۔ اب جو جرمن زبان کے پروگرام ہیں وہ جرمنی میں ہی بنیں گے، جو فرانسیسی یا سپینش یا نارویجن پروگرام ہیں وہ وہیں بن سکتے ہیں، اس لئے ہم چاہیں بھی تو وہ بوجھ نہیں اٹھا سکتے۔ اس کے علاوہ ملکی حالات ہیں۔

میں اب مثالیں دیتا ہوں آپ کو کہ سب سے پہلے ملک کے متعلق پروگرام ہیں ملک کا آغاز کیسے ہوا۔ کیسے وہ ملک بنا، کب تک اس کی تاریخ ممتد ہے، قدرتی وسائل کیا ہیں وہاں کی آبادی کیسی ہے یا کتنی ہے اور طرز بود و باش کیا ہے۔ طبعی عادات اور مزاج اور روایتی طور پر قوم کے کیا انداز ہیں یہ ایک پروگرام کی کڑی ہے جو ہر ملک میں بن سکتی ہے اور اس کو اس طرح نہیں بنانا کہ ایک تقریر شروع ہو جائے۔ بہت سے پروگرام بنانے کے لئے کہا تو باقاعدہ میزیں لگیں، اس کے اوپر کپڑا اچھایا گیا پھر ٹوپیاں پہن کے سارے آ گئے پھر وہاں باقاعدہ جلسے کی شکل بنی اور اعلانات ہوئے۔ یہ پروگرام نہیں ہیں جو یہاں چلیں گے۔ جب جلسہ ہو رہا ہوگا تو وہی ہوگا جیسے ہو رہا ہے اس میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں۔ جیسے ہو رہا ہے ویسے ہی ہوگا لیکن جلسوں کا تو کہا ہی نہیں گیا، کافی جلسے ہو چکے ہیں اور ہوتے رہیں گے انشاء اللہ۔ جب ہم جلسہ دیکھنا چاہتے ہیں تو جلسہ کا مزاج قائم کر کے دیکھتے ہیں۔ جب تنوع کا پروگرام دیکھیں اور وہاں جلسہ شروع ہو جائے یا مشاعرہ دیکھ رہے ہیں تو وہاں جلسہ شروع ہو جائے تو طبیعت اس سے گھبراتی ہے۔ تو جلسوں کے حوصلے بھی ہیں دلچسپیاں بھی ہیں جماعت میں لیکن ہر چیز کا جلسہ ہی بنا دیں یہ تو ہوسٹل کے کھانے والی بات ہو جائے گی وہاں مرغا پکے یا دال گو بھی مزہ سب کا ایک ہی ہوتا تھا۔ تو تنوع کی بات میں کر رہا ہوں، مزے بدلیں اور جس قسم کا پروگرام ہے ویسی ہی اس میں صورت پیدا کریں۔

اب ملک کے پروگرام ہیں اس میں مختلف ممالک کے نظارے دکھائیں مختلف لوگوں کوان کے انٹرویو لینے چاہئیں ۔ایک شخص ہے جو عمومی تقریر کرتا ہے پس منظر سے مثلاً ایک ملک کا عمومی تعارف کراتا ہے کہ فلاں زمانے میں اس ملک کا آغاز ہوا اس طرح اس میں تبدیلیاں پیدا ہوئیں ،ایسی ایسی قومیں حملہ آور ہوئیں اوران کے نتائج کیا نکلے؟ یہ ایک پروگرام کی کڑی ہے جو بہت دلچسپ ہے۔اب وقت چونکہ کم ہے، میں تفصیل نہیں بیان کرسکتا لیکن ذہن میں میرے اس کو بڑھا کر، پھیلا کر اور مختلف شکلیں دینے کا پروگرام موجود ہے۔

پھر دوسرا پہلو ہے جغرافیائی ۔قوم کا اس کا جغرافیہ کیا ہے؟ جغرافیہ میں مختلف خوبصورت جو نظارے ہیں، جھیلیں ہیں ،دریا ہیں ،وہ سارے آئیں گے اور اس کے علاوہ معدنیات ہیں اور پھر جغرافیہ پہ یہ گفتگو بھی آسکتی ہے جو تاریخی جغرافیہ سے تعلق رکھتی ہے کہ اس کا جغرافیہ بدلتا رہا ہے کسی زمانے میں اس کا جغرافیہ یہ تھا آج اس کا یہ جغرافیہ ہے۔حدوداربعہ تبدیل ہوا ہے تو کیوں ہوا ہے۔اور پھر قومیں کون کون سی آباد ہیں۔ان قوموں کی تاریخ کیا ہے؟ ان کا مزاج،ان کے بولنے کی طرز،ان کی گفتگو کیا صرف تلفظ کا اختلاف رکھتی ہے یا زبانوں کا بھی اختلاف۔مثلاً انگلستان کے حوالے سے آئرلینڈ کا ایک تعارف ہے۔آئرش قوم کا تعارف ہے وہ UK کے اندر داخل کر کے جو شمالی آئرلینڈ ہے اس کو بیان کیا جاسکتا ہے۔تو ویلز ہے،سکاٹ لینڈ ہے۔پھر ان کی روایات ۔یہ درست ہے کہ آپ گانے اور نغمے وغیرہ اور میوزک وغیرہ کے قائل نہیں مگر وہ جو خاص وقت رات کو مارچ پریڈ کرتے ہیں،شام کو قلعہ میں اور وہ خاص قسم کی ان کی سکرٹس ہوتی ہیں پہنی ہوئی جو مرد بھی پہنتے ہیں تو وہ سکاٹش کلچر ہے اس کے اوپر سے ایک سرسری نظر ڈال کر لوگوں کو بتانا کہ یہ ہوتا ہے قطعاً اس میں کوئی مضائقہ نہیں ۔سارا دن دوسرے پروگرام آپ دیکھتے رہتے ہیں وہ کیا کیا دیکھتے رہتے ہیں وہاں ۔ہم ویسے تو نہیں بن سکتے مگر جو ایک قومی حالت ہے جو بداخلاقی کا مظہر نہیں بلکہ روایات سے تعلق رکھتی ہے اس پر اچٹتی ہوئی نظر ڈال لینا کوئی گناہ نہیں ہے اور MTA اتنے حصے کو اسی طرح پیش کرے کہ یہ حقائق ہیں لیکن حقائق میں بعض جگہ آپ کے قدم رک جائیں گے۔ اگر حقائق یہ ہوں کہ ڈانس ہور ہے ہیں، نائٹ کلب ہے تو وہاں جا کر MTA کے قدم رک جائیں گے آپ کہہ سکتے ہیں کہ حقائق اور بھی ہیں یہ یہ بھی ہیں لیکن ہم وہاں قدم نہیں رکھ سکتے ۔تو عقل کے ساتھ اگر ایسے پروگرام بنائیں تو مذہبی حدود

کو قائم رکھتے ہوئے بھی معاشرے کی تصویریں اور تہذیب و تمدن کی تصویریں کھینچی جاسکتی ہیں اور پھر وہاں کی انڈسٹری، وہاں کی اقتصادیات، تجارتیں کہاں کہاں سے ہورہی ہیں، کتنے بڑے بڑے تجارتی مرکز ہیں۔

اب تجارت کی بات کریں گے تو بہت سی ایسی باتیں بھی آپ ملک کے حوالے سے بیان کریں گے جسے سننے والے دنیا کے مختلف تاجر کئی قسم کے ارادے باندھ لیں گے۔ ان کو پہلے خیال بھی نہیں آیا ہوگا کہ ہم اس معاملے میں بھی خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ حصہ لے کر اپنی اقتصادی حالت کو بہتر بنا سکتے ہیں مگر یہ پروگرام ان کے ذہن میں نئی نئی لہریں پیدا کریں گے۔ نئی نئی کھڑکیاں کھولیں گے سوچ کی۔ تو یہ بھی بتایا جاسکتا ہے کس طرح ہوتی ہے، کیا تجارت ہوتی ہے، درآمد کیا کیا ہوتی ہے، برآمد کیا کیا ہوتی ہے۔ اب یہ بھی تقریر نہیں کرنی بلکہ انداز وہ ہے جو ٹیلی ویژن کو دلچسپ بنانے کا انداز ہوتا ہے۔ یہاں کی جو پورٹس ہیں اس پر بڑے بڑے سامان لوڈ ہورہے ہیں اور جہاز لوڈ ہورہے ہیں، ہوائی جہازوں کی پورٹس کے اوپر وہاں سے سامان اتر رہے ہیں اور اس طرح جارہے ہیں۔ مارکیٹ، منڈیاں لگی ہوئی ہیں، یہ نظارے دکھا دکھا کر آپ یہ تقریریں پس منظر میں کر سکتے ہیں لیکن باقاعدہ اچکن پہن کر اور باقاعدہ بٹن بند کر کے تقریر کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ وہ بہت اچھا لگتا ہے مگر اپنے محل پر ہو تو اس پروگرام کو بھی تقریری پروگرام نہیں بنانا مگر واقعاتی پروگرام بنانا ہے جس میں تقریر کا پہلو بعض دفعہ ایسی آواز کی صورت میں رہتا ہے جس کا بولنے والا نظر بھی نہیں آرہا ہوتا اور بہت اچھا لگتا ہے۔ اس کی آواز میں ایک وقار ہوتا ہے ایک خاص طرز ہے تو یہ طرزیں جو اچھی ہیں یہ ان سے سیکھنا منع تو نہیں ہے۔ ان چیزوں میں ان کی طرزیں اختیار کریں لیکن وہاں بھی یاد رکھیں کہ جہاں تکلف آجائے، جہاں پیسہ خرچ کرنا پڑے جہاں غریبانہ پروگرام اجازت ہی نہ دے کہ ان کی طرز کو اختیار کیا جاسکے وہاں قدم روک لیں۔ ما انا من المتکلفین کی تعلیم پر عمل کریں، بغیر تکلف کے جو کچھ میسر ہے، جو توفیق ہے اس کو پیش کریں لیکن اچھے طریقے سے۔

جس طرح میں نے کھانے کا نیا پروگرام جاری کروایا ہے وہاں خواتین کے ذریعے غریبانہ کھانے پکانے سکھانے کا پروگرام تھا اس کے افتتاحی پروگرام میں خود شامل ہوا۔ میں نے بتایا کہ ہم یہ نہیں کہتے کہ آپ لوگ تکلف کر کے اپنی توفیق سے بڑھ کر کھائیں لیکن یہ کہتے ہیں کہ آپ کی توفیق میں جو کچھ ہے اس میں اللہ کے شکر کا حق اس طرح بھی ادا کریں کہ ایسے اچھے طریقے پر کھائیں کہ

آپ کو لطف آ رہا ہو اور آپ کا ذوق خدا کے شکریے ادا کر رہا ہو۔ ورنہ بھونڈا گھر ہو تو وہاں مرغا پکے یا مچھلی پکے، ہر چیز ایسی بے ہودہ ہو جاتی ہے کہ ایک لقمہ بھی نہیں کھایا جاتا وہاں۔ تو سلیقے کی بات میں کر رہا ہوں۔ روپے کے نچھاور کرنے کی بات نہیں کر رہا۔ سلیقے کے اندر رہتے ہوئے آپ اپنے پروگراموں کو بہت دلچسپ بنا سکتے ہیں بلکہ دوسروں کے لئے نمونے بن سکتے ہیں۔

اس پہلو سے ملک کی تاریخ کو مختلف طور پر پیش کرنا، ملک کے تاریخی ہیرو ہیں، ان کی باتیں، Heroes جن کو انگریزی میں کہتے ہیں ہم اردو میں ہیرو کہتے ہیں ان کو۔ ہیرو ہیں کہیں وہ شاعر ہیں کہیں، شیکسپئر کی باتیں ہوں گی، کہیں شیر ووڈ فارسٹ میں چلے جائیں گے آپ وہ Roben Hood اور پھر جان جو اس کا مسخرہ اس کے ساتھ چلتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اب اس میں بعض دفعہ جو فلمیں ہیں ایسی ان میں سے چند لمحے کے سین اٹھانے کی قانون اجازت دیتا ہے اور وہ اٹھائی جاسکتی ہیں وہاں سے۔ تو نئی فلم تو نہیں بنائی مگر جب رابن ہڈ Robin Hood کی بات کریں گے تو وہاں شیر ووڈ فارسٹ Shere wood forest کا نظارہ تو دکھائیں گے اور پھر وہ دکھا دیں اتنے اقتباس جتنے کی قانون اجازت دیتا ہے کہ یہ ہوتا تھا Robin Hood کا۔ اس طرح تیر اندازی ہوا کرتی تھی اور دوسرے Folk-lore ہیں مختلف ملکوں کے مختلف ہیں امریکہ میں ڈیوی کروکیٹ Devi crokit کی باتیں ہوتی ہیں۔ اسی طرح سوئٹزرلینڈ کے ہیرو ہیں جن کے اوپر بڑی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ بیوروولف Bevor wolf ہے ناروے کا، اس کے متعلق بھی کئی پروگرام فلمائے جاچکے ہیں۔ تو ملکی ہیروز کی باتیں بھی کریں اور اس میں سیاسی، عامۃ الناس کا ہیرو، اس کا کردار کیا تھا۔ اس پر کیسے کیسے گانے بنائے گئے۔ قوم کے اوپر کس طرح وہ اثر انداز ہوا اور پھر سیاسی ہیرو ہیں، فوجی ہیرو ہیں جنہوں نے عظیم الشان کارنامے سرانجام دیئے ہیں۔ تو انگلستان کی تاریخ، یہ آپ غور کریں تو بے شمار پروگرام ہر جگہ آپ کو دکھائی دیں گے جن کو آپ لے سکتے ہیں، بیان کر سکتے ہیں ساتھ تصویریں بھی دکھا سکتے ہیں اگرچہ کھڑی تصویریں ہوں۔ ہمارے پروگراموں کا حیات گروپ ہے مثلاً اس میں بعض ایسے پروگرام بنانے والے ہیں جنہوں نے اپنی ذہانت سے کھڑی تصویروں سے تصویر بنائی ہے لیکن کچھ دیر تک انسان کو پتا نہیں چلتا کہ یہ تصویر ہے اور کھڑی ہے مثلاً وہ تصویر کے ایک حصے سے شروع کیا اور کیمرے کو حرکت دی ہے اور لگتا ہے کہ وہ ساری تصویر حرکت کر

رہی ہے اور تصویر سے تصویر کھینچنا اگر اچھا تصویر کھینچنے والا فن جانتا ہو تو یہ تنوع ضرور پیدا کر دیتا ہے۔ باقی پروگرام مووی ہوں مگر تصویر دکھانے کے لئے آپ کے پاس یہ تو ممکن نہیں کہ ہر جگہ پہنچ سکیں۔

جب میں ناروے میں ایک موقع پر ایک چھوٹی فیری میں سفر کر رہا تھا تو ایک گھنٹہ میں نے اپنے عام کیمرے سے اس پر تجربے کئے اور وہ جو فیری میں اس علاقے کی تصویروں کے رسالے پڑے ہوئے تھے ان کو اپنی بچی کو پکڑا کر کہ تم یہاں رکھو اور میں تصویر کھینچ کے دیکھنا چاہتا ہوں کہ اس سے کوئی Video Effect پیدا ہو سکتا ہے کہ نہیں تو جب وہ دیکھی تو میں حیران رہ گیا دیکھ کے، مجھے پتا تھا اس لئے میں جانتا تھا ورنہ بعض دفعہ تو لگتا ہی نہیں تھا کہ یہ تصویر سے تصویر اتاری ہوئی ہے تو آپ استعمال کریں ذہن کو۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذہن کو بڑی صلاحیتیں عطا کی ہوئی ہیں اس دنیا کو Explore کریں جو خدا نے آپ کے ہر ایک کے ذہن میں رکھی ہوئی ہے تو بہت سے مسائل حل ہو جائیں گے۔

اب ہندوستان کو اگر اپنی فلمیں بنانی ہوں تو ہمالیہ کو پیش کرنا پڑے گا۔ ہمالیہ کے ذکر کے بغیر تو ہندوستان کے تو کوئی معنی نہیں ہیں جب آپ پاکستان جائیں گے تو وہاں K-2 کی چوٹیاں ہیں دوسرے ایسے پہاڑ یا علاقے ہیں، درہ خیبر ہے، ان کی تصویریں کھینچی ہوں گی۔ کچھ تصویریں تو آپ کھینچ سکتے ہیں آسانی سے۔ کچھ آپ ایسی Unions سے لے سکتے ہیں جو ہائی کنگ کے طور پر گئیں اور اچھے معیار کی فوٹوگرافی انہوں نے کی ہوئی ہے۔ وہ تعاون کرتے ہیں ایسے لوگ اور پھر کچھ تصویریں، بڑے بڑے اچھے کمپنیوں کے کیلنڈر شائع ہوتے ہیں، ان سے آپ لے سکتے ہیں مگر پروگرام آپ نے تصویری بنانا ہے صرف تقریری نہیں بنانا، یہ میں سمجھا رہا ہوں اور پھر تاریخ کو ان مقامات کے حوالے سے بیان کرنا۔ اگر آپ اٹلی میں کام کر رہے ہیں تو اٹلی میں وہ غاریں دکھانی ہوں گی جن میں عیسائی کسی زمانے میں پناہ لیا کرتے تھے یعنی وہ عیسائی جو موحدین تھے اور محض توحید سے چمٹے رہنے کے نتیجے میں ان کو سزا ملی ہے۔ اس پہلو سے جو آج پاکستان میں جماعت احمدیہ سے ہو رہا ہے یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کی ایک اور دلیل ہے۔ توحید ہی کی وجہ سے سب دکھ ہیں۔ لا الہ الا اللہ کا کلمہ ہے جو احمدی کی زبان سے ان کو تکلیف دیتا ہے اور اس پر یہ طرح طرح کی سزائیں دیتے اور طرح طرح کے جتن کرتے ہیں کہ کسی طرح احمدی اس کلمے سے اپنا تعلق توڑ لیں

تو اس قسم کے پروگرام جب ہوں گے تو پھر وہ بھی دکھانے ہوں گے۔

اب پاکستان کی بات ہوئی ہے تو شہداء کے علاقہ کے گاؤں دکھانے چاہئیں۔ ان کا رہن سہن ان کا غریبانہ طریق، لوگوں سے ان کے متعلق انٹرویو کہ کیسے لوگ تھے یہ، کیا کبھی کسی کو دکھ دیا، کیا تکلیف پہنچاتے رہے، ان کے قتل کے متعلق تمہارا کیا نظریہ ہے تو غیروں کے انٹرویو لئے جائیں اور ایک سفر کا معمولی خرچ ہے اس میں بہت اچھی فلم تیار ہوسکتی ہے۔

پھر اس کے علاوہ جو تعلیمی کوائف ملکوں کے اور ان کے معیار تعلیم، اخلاق، کھیلیں، زراعت، زراعت کے طریق اور قومی کہانیاں یعنی دیو مالائیں وہاں کچھ ہیں، وہ کیا کیا ہیں۔ ان میں کسی اچھے لکھنے والے نے کوئی کتاب لکھی ہو جو شہرت پکڑ گئی ہو اور وہ کہانیاں سب دنیا میں رائج ہیں۔ مثلاً جس طرح عرب دنیا سے ''علی بابا چالیس چور'' کی کہانی اتنی مقبول ہوئی کہ دنیا کی ہر زبان میں ہر قوم سے متعارف ہو چکی ہے۔ اسی طرح الف لیلہ کی ایک وہ لازوال کہانی ہے جس نے تمام دنیا کے دلوں میں گھر کر لیا ہے۔ تو ایسی کہانیاں جو دیو مالائی ہوں یا جیسی بھی ہوں مگر لکھنے والے نے ایک غیر معمولی ذہانت کا اظہار کیا ہے جس نے تمام دنیا کے ذوق کو اپیل کی ہے اور عالمی طور پر ان کا اعتراف ہو گیا ہے، ایسے ہر ملک میں لکھنے والے بھی ہوتے ہیں۔ اب بنگال جائیں گے تو ٹیگور کے ادبی ذکر کے بغیر بنگال کی بات پوری نہیں ہوسکتی۔

پھر قربانی کرنے والوں کے لحاظ سے جماعت احمدیہ کے دائرے میں خاندانوں نے جو قربانیاں دی ہیں احمدیت وہاں کب آئی اور ملکوں کے لحاظ سے اگر عیسائیت ہے تو عیسائیت وہاں کب آئی تھی۔ اب اہل یورپ اگر اس تاریخ کا کھوج لگائیں تو خود ان میں سے بھی اکثر کو تعجب ہوگا کہ اکثر صورتوں میں تلوار کے ساتھ آئی ہے اور عیسائیت کے ساتھ جبر کی تاریخ ایسی باندھی گئی ہے کہ غیروں ہی کے معاملے میں نہیں خود اپنے معاملوں میں عیسائیت نے اتنے جبر روا رکھے ہیں اور اتنے مظالم کئے ہیں کہ ان کو تاریخ کے صفحوں میں دبائے بیٹھے ہیں اور اسلام پر حملے کرتے ہیں تو حملے کی نیت سے نہیں، حقائق کے طور پر ان لوگوں کو سمجھانے کے لئے کہ ''چھاج بولے تو بولے چھلنی کیا بولے'' تمہیں کیا حق ہے اسلام پر حملہ کرنے کا جبکہ تمہارا اپنا یہ حال ہے۔ مذہبی دیوانوں کا قصور ہوتا ہے، مذہب کا نہیں ہوا کرتا۔ ہم عیسائیت کو تو مطعون نہیں کرتے کہ عیسائیت نے یہ تعلیم دی تھی جن ظالموں نے

عیسائیت کا حلیہ بگاڑا ان پر افسوس کرتے ہیں تو تمہیں کیا حق ہے کہ ان ظالموں کو جو تمہارے ہاں بھی بہت کثرت سے پیدا ہوئے جب وہ اسی حلیے میں اسلام میں سر اٹھاتے ہیں تو ان کی ذمہ داری اسلام پر ڈال دیتے ہو۔ جو منہ کالا انہوں نے اپنا کیا ہے ان کی سیاہی اسلام کے منہ پر پھیرنے لگ جاتے ہو۔ اب یہ اس کو مستقل مضمون تو نہیں بنایا جا سکتا لیکن جہاں جہاں یہ جھلکیاں نظر آئیں وہاں اس سے ملتا جلتا تبصرہ آ سکتا ہے اور اچھے طریق پر آ سکتا ہے تا کہ کوئی یہ نہ سمجھے غلطی سے کہ ہم ان کے داغ کھول رہے ہیں بلکہ ایک چلتی ہوئی تاریخ کا حصہ ہے اس سے سبق لے رہے ہیں۔

پھر قرآن کریم نے بار بار ان جگہوں کا ذکر فرمایا ہے جو قوموں کے لئے عبرت کا نشان ہیں ان عبرت کی جگہوں کی تلاش اور ان سے تعلق والے واقعات کو اجاگر کرنا اور ہر قوم میں ایسی عبرت گاہیں موجود ہیں جہاں کوئی قوم کسی عروج کے بعد زوال پہ پہنچی ہے اور اس کے پیچھے کوئی ایسی داستان ضرور ہے جس میں اس نے خدا تعالیٰ کی توحید سے منہ موڑا ہے اور شرک میں مبتلا ہوئی ہے اور پھر اس پہ یہ سزا وارد ہوئی ہے۔ قرآن کریم نے اس مضمون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ (الروم:42) دنیا میں سیر کرو اور دیکھو، مکذبین کی اور ان لوگوں کی کیسی عاقبت تھی اور ساتھ فرمایا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ان میں سے اکثر مشرک تھے۔ یہ مضمون کے لحاظ سے بعینہٖ یہی بیان فرمایا ہے۔ تو معلوم یہ ہوگا کہ دنیا کی تاریخ میں اکثر جگہ جہاں بھی آپ کو عبرت گاہیں دکھائی دیں گی اس سے پیچھے ایک شرک کی تاریخ ہوگی اور وہ لوگ جو دفن ہوئے ہیں وہ ضرور مشرک ہوں گے۔

پس پومپیائی ہو، پوپے ہو یا جو بھی آپ اس کو کہیں یا دوسرے ایسے عبرت کے مقام جہاں بڑی قومیں اپنے عروج کے بعد زیر زمین دفن ہوگئیں ان کی تاریخ جب یہ نکالتے ہیں تو شرک کے نشانات وہاں ملتے ہیں۔ اب لاڑکانہ ہی میں جو پرانی تہذیب دفن ہے موہنجوداڑو یعنی موت کی ڈھیری یا موت کا ٹیلہ، وہاں سے بھی شرک کے آثار نکل رہے ہیں اور ان آثار کو دیکھ کر یہ مغربی محققین یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اس زمانے میں شرک ہی شرک تھا اور تھا ہی کچھ نہیں حالانکہ یہ اس وقت ہلاک ہونے والی قومیں ہیں جب وہ بڑے لمبے سفر طے کر کے اپنے تمدن کے عروج کو جا پہنچی تھیں اور اس وقت ہوا جب وہ مشرک ہو چکی تھیں۔ ان کا آغاز اور تھا اور انجام اس وقت ہوا جب وہ مشرک ہو چکی

تھیں تو وہاں سے پھر شرک کے ہی دبے ہوئے آثار ملنے تھے اور کیا تھا اور قرآن ایک ہی کتاب ہے جس نے اس طرف انگلی اٹھائی ہے کہ تم ان کا تفحّص کرو ان کی تحقیق کرو، ان کا تتبّع کرو اور تم یہ دیکھ کر خود یہ معلوم کرلو گے کہ یہ مشرک لوگ تھے جن کو خدا نے اچانک دفن کیا ہے اور صفحہ ہستی سے مٹایا ہے۔ تو ان مشرکین کے انجام کی تاریخ بھی ملکوں میں جگہ جگہ پھیلی پڑی ہے تو اس حوالے سے ان کے متعلق ان کے تاریخی پس منظر بتانا مثلاً مایا قوم ہے تو وہ کون سی تھی، کتنا لمبا عرصہ عروج کا ہوا پھر کیوں آناً فاناً وہ مٹادی گئی۔ ان کے محل ابھی تک اسی طرح کھڑے ہیں۔

ساؤتھ امریکہ میں وہ جو مایا قوم نے ایک لمبا عرصہ حکومت کی ہے اب وہ لوگ موجود ہیں لیکن ان کی سطوت جاتی رہی، ان کی شان وشوکت ہاتھ سے نکل گئی اور یہ معمہ آج تک نہیں حل ہوسکا کسی سے، ان پر کیا بپتا ٹوٹی تھی، ہوا کیا تھا ان کے ساتھ۔ ایک شہر دریافت ہوا جو بہت خوبصورت پہاڑی علاقوں میں، بڑے بڑے درخت اور جنگل ہیں ان کے اندر گھرا ہوا آج تک، یعنی چند سالوں تک انسانی نظر سے اوجھل رہا تھا اور ہیلی کاپٹر کے ذریعہ گزرتے ہوئے کسی کی وہاں نظر پڑی تو پھر توجہ پیدا ہوئی پھر وہاں کھوج لگانے والے بھیجے گئے بڑی مشکل سے وہاں پہنچے تو یوں لگتا ہے جیسے پورا آباد شہر چھوڑ کر کوئی قوم کہیں جا کے سوگئی ہے، کوئی وہاں لڑائی کے آثار نہیں ہیں۔ کسی طوفان کے آثار نہیں ہیں، ہنستا کھیلتا، رستا بستا شہر اچانک یوں لگتا ہے کہ جیسے جادو ہوگیا ہو وہ خالی ہوگیا تو عبرت کے ہر جگہ مختلف سامان موجود ہیں جن جگہوں میں ہیں وہاں سے تصویریں لی جاسکتی ہیں اور اگر وہاں رسائی نہ ہو تو اس کے متعلق بہت سی کتابیں موجود ہیں، رسالے موجود ہیں، تفاصیل موجود ہیں۔ ان علاقوں کے لوگ اپنے لئے وہ مضمون چن سکتے ہیں اور ان کو دکھا کر دیدہ زیب پروگرام بنا سکتے ہیں جو تقریر نہیں ہوگی بلکہ ایک فلمی پروگرام ہوگا جو ویڈیو کے شایان شان ہو۔

تو ایسے بہت سے پروگراموں کی ضرورت ہے۔ وہاں کے کھیل ہیں ان کھیلوں کی تصویریں، وہاں کی کہاوتیں ڈالنے کے طریق، معمے، یہ بچوں کے لئے بھی تو ہمیں سپیشل پروگرام بنانے ہوں گے۔ پرندے، جانور، شکار، Migratory Birds جو سفری پرندے ہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے ہیں۔ کون سے ایسے طریقے ہیں۔ وہاں کے کیڑے مکوڑے، ان کے متعلق نئی معلومات کے مطابق جو تحقیق ہوئی ہے ان کے رہنے سہنے کے طریق، وہاں کی ہر چیز ایک دلچسپی کا

موجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے اوپر جہاں بھی نظر ڈالیں گے آپ، جس جگہ بھی دیکھیں گے غور کر کے دیکھیں سہی آپ، بے اختیار دل سے تَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ کی آواز اٹھتی ہے اور اگر یہ حوالہ دیا جائے تو وہی پروگرام جو بظاہر مغربی اور سیکولر ہیں وہ اچانک مذہبی پروگرام بن جاتے ہیں۔ تو ان پروگراموں کو بعض دفعہ ان لوگوں سے مانگنے سے بھی مل جاتے ہیں۔ میں نے MTA کو اس کام پہ لگایا ہوا ہے، خط و کتابت کر رہے ہیں بہت سی جگہ تصویریں انہوں نے دی ہیں کہ ٹھیک ہے آپ لے لیں۔ بعض جگہ ہم نے ان سے اجازت مانگی کہ آپ نے کہیں کوئی زیادہ ننگ دکھایا ہے ہم برداشت نہیں کر سکتے۔ MTA میں تو بہر حال مناسب نہیں ہے تو انہوں نے یہ بھی اجازت دے دی ہے کہ اس حصے کو کاٹ لو لیکن ہمارا نام بتانا ہوگا کہ یہ فلاں نے بنائی تھی اور اجازت دی تھی۔ تو آپ بھی مختلف علاقوں میں کوشش کر سکتے ہیں۔

اب جرمن تہذیب، جرمن تمدن، اس کی تاریخ، اس کی ترقی، تنزل، جغرافیائی تبدیلیاں، عادات، مزاج، شمال جنوب کا فرق، قوموں کے اعتبار سے خواہ ایک قوم ہو ان کے علاقائی روایات کے لحاظ سے ان کے مزاج بدل جاتے ہیں۔ جرمنی میں خصوصیت سے یہ بات قابل غور ہے۔ تو ان سب پروگراموں میں آپ اگر دلچسپی لیں تو کچھ وقت ضرور لگے گا میں صبر سے چند مہینے اور بھی انتظار کروں گا لیکن توقع رکھتا ہوں کہ جب یہ آنے شروع ہو جائیں تو پھر اس کثرت سے آئیں گے کہ ہمارے ہاں یہ جو شکایت پیدا ہو رہی ہے کہ ایک ہی طرح کی باتیں ہو رہی ہیں اس کا ازالہ ہو جائے گا۔

بنیادی پروگرام تو بہر حال تعلیم و تربیت کا ہے۔ دلچسپی کے پروگرام بھی ہوں گے وہ بھی تعلیم و تربیت ہی کے ہوں گے لیکن اگر وہ نہ بھی ہوں تو جس طرح اب چھ گھنٹے یا سات گھنٹے سکول میں جا کے بیٹھے ہیں وہاں دلچسپی کی خاطر تو نہیں جاتے، علم حاصل کرنے کے لئے جاتے ہیں۔ تو اس ٹیلی ویژن کے سامنے بعض نازک مزاج جلدی بور ہو جاتے ہیں ان کو مخاطب کر کے میں کہہ رہا ہوں کہ ان کو اپنی تربیت کرنی چاہئے۔ یہ انتہائی ضروری دینی تربیت کے پروگرام ہیں، علمی تربیت کے پروگرام ہیں اور آپ کے دماغ کو روشن کریں گے، آپ کے دماغ کو نئی وسعتیں دیں گے ان پروگراموں کا ذوق اگر نہیں ہے تو پیدا کریں اور کوشش سے پیدا کریں۔ اپنے بچوں میں ان کا ذوق پیدا کریں ورنہ آج کل جو ذوق ہے ہم اس کی پیروی نہیں کر سکتے وہ جاہل بنانے والے پروگرام ہیں۔

بچوں کا ذوق اب اس طرف منتقل ہو رہا ہے سارے مغرب میں کہ فرضی سپر مین ہے کوئی، سپر بیٹ بنی ہوئی ہے، سپر سپائیڈر بن گیا ہے۔ کوئی مکڑا سپر ہے کوئی چمگادڑ سپر ہے اور فرضی کہانیاں ایسا پاگل کر رہی ہیں بچوں کو کہ ہوش ہی نہیں رہی ان کو، دماغوں کے دائرے ہی مختلف ہو گئے ہیں، انسانی دائرے سے ہٹ کر ایسی جگہ وہ دائرے ممتد ہو رہے ہیں۔ جہاں حقیقت کا وجود ہی کوئی نہیں ہے اور اس پر یہاں کے اہل دانش بھی فکر کا اظہار کر رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں ہمارا تعلیمی معیار گرنے کی بڑی وجہ ٹیلی ویژن ہے اور باتیں سوچ رہے ہیں، خواہ مخواہ نظام بدلنے کی باتیں کر رہے ہو۔ یہ ٹیلی ویژن کو ٹھیک کرو پہلے۔ ہمارے بچوں کو یہ ٹیلی ویژن کے پروگرام پاگل بنا رہے ہیں۔

پھر ایک محقق نے یہ جائزہ لیا، اس نے کہا کہ بچوں میں پڑھنے کی عادت ہی نہیں رہی اور وہ جو پڑھنے سے انسان کو علم حاصل ہوتا ہے کتابوں کا شوق، کتابوں کے بغیر انسان سو نہ سکے یہ ایسی اچھی روایات تھیں ہماری یعنی انسان کی کہ جن کو ٹیلی ویژن نے آکے برباد کر دیا ہے۔ تو ٹیلی ویژن کے فائدے جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے ضرور ہیں اور ہم ان فائدوں کی حد تک رہیں گے انشاء اللہ اور بھرپور فائدہ حاصل کریں گے لیکن جو نقصانات کے پہلو ہیں ان سے بچنا ضروری ہے اس لئے کسی کو نہ بھی دلچسپی ہو تو کوشش کر کے ان پروگراموں میں حصہ لے کچھ دیر کے بعد ضرور دلچسپی پیدا ہو گی کیونکہ علم، علم ہی ہے یہ کوئی فرضی کہانی تو نہیں کہ آئی اور چلی گئی اور کچھ دیر کے لئے ہیجان پیدا کر گئی۔ علم کا جو لطف ہے وہ دائمی ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے پیچھے جو زمین چھوڑ کے جاتا ہے وہ زرخیز زمین ہوتی ہے۔ سیلاب ہی سمجھ لیں اس کو لیکن یہ مٹی ضرور چھوڑے گا وہ زرخیز مٹی چھوڑے گا جہاں آپ کے خیالات پاکیزہ رنگ میں نشو ونما پائیں گے جہاں آپ کے اندر نئی عظمتیں پیدا ہوں گی، آپ کو نئی وسعتیں عطا ہوں گی۔

تو اللہ کرے ہمیں یہ ذمہ داریاں ادا کرنے کی توفیق ملے اور جماعت پوری طرح استفادہ کرے جہاں جہاں میں نے یہ باتیں کی ہیں کہ کوشش کرو یہ مراد نہیں ہے کہ نعوذ باللہ جماعت میں دلچسپی نہیں ہے۔ بکثرت دلچسپی ہے یہاں تک کہ چھوٹے بچوں کے متعلق مائیں لکھتی ہیں کہ وہ ہمیں دوسرے پروگرام اب دیکھنے ہی نہیں دیتے اور ہمیں سمجھ نہیں آتی کہ ان کو پتا تو کچھ لگ نہیں رہا ہوا کیا ہے لیکن لگتا ہے کہ وہ مسحور ہو گئے ہیں، MTA کے پروگراموں سے۔ ہر وقت یہی شور ہوتا ہے کہ ہم

یہی پروگرام لگائیں گے۔اس لیے جو میں نے ذکر کیا تھا اس لئے کہ کہیں شاذ کے طور پر ایک آدھ خط یہ بھی مل جاتا ہے اور میں نے سوچا کہ بہت سارے اور بھی ہوں گے جو لکھنے میں شرم محسوس کرتے ہوں تو ان کی آواز کو میں سب تک پہنچا دوں اور ان کو مطمئن کرنے کی بھی کوشش کروں ۔ اللہ کرے کہ ہمارے پروگرام دن بدن بہتر ہوتے چلے جائیں اور نیا سال پچھلے سال سے بہت بہتر طلوع ہو اور بہت بہتر حالت میں غروب ہو اور اس کی تکلیفیں بھی تھوڑی اور عارضی ہوں اور اس سال کی برکتیں بھی ہمیشہ رہنے والی دائمی ہوں ۔آمین ۔

ماریشس میں بھی اب اجازت مل گئی ہے۔اللہ تعالیٰ کے فضل سے ماریشس سے شمس تیجو صاحب کا فون آیا تھا کہ اس وقت پارلیمنٹ بیٹھی ہوئی ہے اور غور ہو رہا ہے کہ ڈش انٹینا کی اجازت دیتی ہے کہ نہیں اور دعا کریں اور پھر میں آپ کو دوبارہ فون کروں گا۔یعنی میں تو نہیں سن سکا۔جس نے میرے لئے سنا انہوں نے پیغام دیا ہے اور الحمد للہ کہ چند گھنٹوں کے بعد فون آ گیا کہ اللہ کے فضل کے ساتھ ڈش انٹینا کی اجازت ہوگئی ہے اور جو مفید بابرکت پروگرام ماریشس سے شروع ہوا تھا۔اب اہل ماریشس اس سے محروم نہیں رہے۔

نئے سال پر ہر ذات اپنا محاسبہ کرے کیا کھویا کیا پایا

1894ء اور 1994ء کی مماثلت اور جماعتی ترقیات

(خطبہ جمعہ فرمودہ 30 /دسمبر 1994ء بمقام مسجد فضل لندن برطانیہ)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

آج کے خطبے کا موضوع تو اور ہے لیکن اس وقت مجھے ایک چھوٹی سی غلطی کی درستی کروانا ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک نصیحت کا ذکر میں نے ان الفاظ میں کیا تھا ''سچے ہوکر جھوٹوں کی طرح تذلل کرو'' تو ایک دوست نے توجہ دلائی کہ اصل الفاظ میں جھوٹوں کی طرح نہیں، بلکہ ''جھوٹے کی طرح'' ہے، اس لئے جو الفاظ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہیں، وہ من وعن اسی طرح بیان ہونے چاہئیں، تحریر میں تو چونکہ چھپے ہوئے ہیں، اس لئے کسی مستقل غلطی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مگر بعض لوگ تحریریں نہیں پڑھتے، ان کی اطلاع کے لئے میں بتا رہا ہوں کہ لفظ ''جھوٹوں'' نہیں، بلکہ ''جھوٹے کی طرح'' ہے۔ پس ''سچے ہوکر جھوٹے کی طرح تذلل کرو''۔ (کشتی نوح روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ:۱۲)

اب ہم سال کے آخری لمحات میں داخل ہو رہے ہیں، ہو چکے ہیں بلکہ 1994ء کا سال قریب الاختتام ہے، ایک دن بیچ میں رہ گیا ہے اور پرسوں سے انشاءاللہ نئے سال کا آغاز ہوگا۔ جب سال ختم ہو رہا ہو اور نیا سال چڑھ رہا ہو تو طبعاً دنیا میں اس جوڑ کو خاص طریق پر منایا جاتا ہے اور بغیر محسوس کئے اس وقت کو گزرنے نہیں دیا جاتا۔ مختلف رنگ میں لوگ اپنے ردعمل دکھاتے ہیں بعض لوگ تیاریاں کر رہے ہیں کہ جب اگلے سال کا دن چڑھے گا اس جوڑ کے وقت پھر وہ کثرت سے

شراب نوشی کریں گے، عیش وعشرت کے تمام سامان جو پہلے سے مہیا کئے جاتے ہیں ان سے وہ محظوظ ہوں گے اور لذت یاب ہوں گے اور بہت سی ایسی بے حیائیاں اس وقت سے وابستہ ہو جاتی ہیں جو عام حالات میں ایک آزاد قوم بھی نہیں کرتی۔ پس ایک یہ بھی ردعمل ہے۔ ایک عمومی ہر طرف یہ ردعمل دکھائی دیتا ہے کہ اخبارات میں، ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر سال کے اہم واقعات، کامیابیاں بھی اور ناکامیاں بھی دکھائی جاتی ہیں اور بتایا جاتا ہے کہ یہ سال سیاسی لحاظ سے کیسا گزرا۔ فلاں لحاظ سے، اقتصادی لحاظ سے کیسا گزرا، کون سے اہم واقعات ہیں جو قابل ذکر ہیں۔

ایک اور ردعمل جو ہونا چاہئے بعضوں میں ہوتا ہے مگر اکثر میں نہیں وہ انفرادی جائزہ ہے۔ اور یہ ردعمل سب سے زیادہ اہم ہے اور معنی خیز ہے جہاں تک سال کے آکر گزر جانے کا تعلق ہے یہ تو ایک وقت کا بہتا ہوا دریا ہے۔ اس میں جہاں بھی آپ لکیر کھینچیں اسے اہم لمحہ قرار دے سکتے ہیں مگر جو بہتے ہوئے دریا ہوتے ہیں ان کے درمیان درحقیقت جوڑ تصوراتی ہی ہیں اور محض مبارک باد دے دینا کہ پہلا سال گزر گیا، نیا سال چڑھا ایک فرضی سی بات ہے جس میں کوئی گہری حقیقت نہیں ہے، کوئی عقل کی بات ایسی نہیں کہ جس کے متعلق جماعت کو مشورہ دیا جائے کہ سب مبارک باد یں دو۔ مبارکباد دل سے نکل آتی ہے تو نکلنے دو بے شک کوئی حرج نہیں مگر وہ مقصد کو پورا کرنے والی نہیں۔ مقصد کو پورا کرنے والی بات یہ ہے کہ اس سال کا جائزہ ہر فرد اپنی انفرادی حیثیت سے، اپنی صورتحال، اپنے دل کی کیفیات پر غور کرتے ہوئے معلوم کرنے کی کوشش کرے کہ کون سے ایسے عظیم انقلابی لمحات تھے، نیکی کے مواقع تھے جن کو وہ استعمال کرتے ہوئے اپنی روحانی کیفیت تبدیل کر سکتا تھا اور رستے بدل کر بہتر رستوں پر گامزن ہو سکتا تھا اور کون سے ایسے مواقع تھے جو اس کے لئے نیکیوں کو گنوانے والے تھے اور واضح طور پر بدیوں میں مبتلا کرنے والے تھے جس آواز کو اسے ردّ کرنا چاہئے تھا اس آواز کو رد نہ کر سکا اور ان غلط رستوں پر گامزن ہو گیا۔ یہ جو واقعات ہیں یہ تو روزمرہ ہر انسان کی زندگی میں صبح سے شام تک ہوتے ہی رہتے ہیں مگر بعض واقعات نمایاں ہو کر گہرا اثر چھوڑ جاتے ہیں اور بعض دفعہ زندگی کا رخ تبدیل کر دیتے ہیں۔

یہ ایسی بحث نہیں ہے جسے قومی اور اجتماعی طور پر اٹھایا جائے اور عامۃ الناس میں زیر بحث لایا جائے لیکن میرے نزدیک سب سے اہم ردعمل یہی ہے جو انسان کو وقت کے ایک حصے کے

گزرنے کے بعد دوسرے حصے کے آغاز کے جوڑ پر دکھانا چاہئے اور یہ ایک انسانی زندگی میں اچھی مفید روایت پیدا کرنے والی بات ہوگی یعنی اسے اگر مستقل اختیار کرلیا جائے تو ایک اچھی روایت ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو بھی میری امت میں اچھی روایات قائم کرے گا ان پر عمل کرنے والا اور ان روایات سے فائدہ اٹھا کر آگے بات پہنچانے والا جب تک بھی ان روایات پر عمل ہوتا رہے گا (مسند الاحمام کتاب الادب) اس وقت تک اس روایت کو جاری کرنے والے کو ان سب کا ثواب پہنچے گا جو اس نیک روایت سے استفادہ کرتے ہوئے پھر اسے آگے بڑھاتے ہیں۔

پس یہ ایک ایسی روایت ہے میں سمجھتا ہوں جسے ہم اپنی جماعت میں جاری کریں تو محض سرسری مبارکبادوں سے اور جیسا کہ ہمارے ہاں مختلف رواج ہیں، پیدائش ہوئی ہے تو Birthday پہ مبارک باددی، کہیں وہ پارٹیاں منائی جاتی ہیں، کارڈ وغیرہ بھیجے جاتے ہیں ان کے مقابل پر یہ روایت دوطرح سے منائی جاسکتی ہے جو میں تجویز کررہا ہوں۔ اول یہ کہ جب سب دنیا پر ایک سال غروب ہوتا ہے اور ایک اور سال طلوع ہوتا ہے اس وقت اپنے نفس کا انسان جائزہ لے اپنے ماضی پر نگاہ رکھ کر اپنے اس سال کے ماضی سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے، کچھ فیصلے کرے کہ آئندہ جب اس قسم کے امتحان درپیش ہوں گے تو یہ غلطیاں میں نہیں کروں گا اور روحانی طور پر جو اس نے کوشش اور جدوجہد کی اس پر بھی نظر ڈالے اور اس کے ماحصل کو بھی دیکھے۔ مثلاً دعوت الی اللہ پہ زور دے تو ہر آدمی اپنے نفس پہ غور کرسکتا ہے کہ میں نے انفرادی طور پر اس میں کیا حصہ لیا ہے کیا دوسروں کی کوششوں کا پھل دیکھ کر ہی لذت محسوس کررہا ہوں یا خود مجھے بھی کچھ توفیق ملی ہے خدا نے مجھے کوئی روحانی اولاد عطا کی ہے۔ یہ سوچ گہری ہونی چاہئے معنی خیز ہونی چاہئے اور پھر اس کے ساتھ ہی اس سوچ کا ایک اور سلسلہ جاری ہونا چاہئے کہ میں آئندہ سال کیا ایسا پروگرام بناؤں کہ سال کے بعد پھر کہیں دوبارہ یہ پچھتانا نہ ہو۔

جیسا کہ بعض شعراء نے اس قسم کے مضمون کو اپنے شعروں میں بڑی عمدگی سے باندھا ہے۔ مثلاً بعض اشعار میں یہ ملتا ہے

اب کے بھی دن بہار کے یونہی گزر گئے

اور اس مصرع کی تکرار ہوتی ہے کہ بعض دفعہ بہار آنے سے پہلے تمنا ہوتی تھی کہ بہار میں یہ ہوگا اور وہ ہوگا مگر نہ یہ ہوا نہ وہ ہوا اور بہار کے آخر پر انسان مڑ کے دیکھتا ہے تو حسرت سے کہتا ہے کہ

اب کے بھی دن بہار کے یونہی گزر گئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی انسانی زندگی کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک نصیحت فرمائی ہے کہ اے غافل! تو اپنی عمر پر نگاہ ڈال کر غور کر، یہ نہ ہو کہ خدمت قرآن سے عاری ہی اس دنیا سے سفر کر رہا ہو اور یہ احساس بہت دیر میں پیدا ہو کہ میں پیدا ہوا، بڑا ہوا، اللہ تعالیٰ کے احسانات سے فائدے اٹھائے اچھی زندگی گزر گئی مگر خدمت قرآن کی توفیق نہ ملی۔

ہر شخص کی سوچ کے مطابق ان زندگی کے جوڑوں پر جہاں ایک دور دوسرے دور میں داخل ہو رہا ہوتا ہے انسان کو مختلف قسم کے خیالات آتے ہیں، مختلف قسم کے تصور اس کے دل سے ابھرتے ہیں اور سب سے اچھا وہی تصور ہے جو خدا کی طرف مائل کرنے والا ہو، جو نیکیوں کی طرف توجہ دلانے والا ہو، آئندہ سال اپنی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے مدد اور معاون ثابت ہو۔ پس اس پہلو سے میں اگرچہ عام دنیا کے دستور کے مطابق بھی سب عالمگیر جماعت کو مبارکباد پیش کرتا ہوں اللہ آپ سب کے لئے یہ نیا سال مبارک فرمائے لیکن خصوصیت کے ساتھ اس نصیحت پر عمل پیرا ہونے کی ہدایت کرتا ہوں کہ ابھی جو وقت باقی ہے اس میں اپنے نفس کا جائزہ لیتے ہوئے، غور وفکر کرتے ہوئے ایسی باتیں اس رنگ میں سوچیں کہ آپ کے دل میں آئندہ کے لئے بہتر زندگی گزارنے کی تحریک پیدا ہو اور میں امید رکھتا ہوں کہ یہ جو اپنے نفس کا جائزہ ہے یہ انشاء اللہ تعالیٰ جماعت کے اندر بہت سی پاک تبدیلیاں پیدا کرنے کا موجب بنے گا۔

ہر شخص کا اس میں شامل ہونا ضروری ہے ورنہ جماعتی نصیحتیں جب کی جاتی ہیں کہ فلاں کام کرو تو ساری جماعت من حیث الجماعت اپنے آپ کو ایک وجود سمجھتی ہے اس کا ایک اچھا پہلو بھی ہے۔ آپس کے تعلق ایسے ہوتے ہیں جیسے ایک بدن کے اعضاء کے ہوں لیکن اس کا ایک منفی پہلو بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ باقیوں نے جب کر لیا ہے تو پھر مجھے کیا ضرورت ہے۔ جماعت من حیث الجماعت یہ کام کر رہی ہے ہم نے آواز پر لبیک کہہ دی اور اچھے نتائج پیدا کر لئے۔ یہ سوچ ایک اچھی بات کا منفی پہلو ہے یعنی ساری جماعت کا یہ احساس کہ ہم ایک ہی بدن کے مختلف حصے ہیں اور ایک کی خوشی دوسرے عضو تک منتقل ہونا اس بدن کی زندگی کی علامت ہے اسی طرح ایک کا غم دوسرے عضو بدن تک منتقل ہونا بھی اس کی زندگی کی ہی علامت ہے مگر یہ سوچ اگر باشعور ہو اور تقویٰ کے ساتھ

ہوتو ہمیشہ فائدہ پہنچاتی ہے۔ ہر عضو بدن کو یہ احساس ہوگا کہ میرے بدن نے جو کچھ حاصل کیا میرا اس میں کیا حصہ تھا، میں کیوں نہ اپنا حصہ ڈالوں اور یہ سوچ منفی نتیجے بھی پیدا کر سکتی ہے۔

جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ ایک بادشاہ نے یہ اعلان کیا کہ جو بہت بڑا اور خوبصورت تالاب میں نے بنوایا ہے اس کا افتتاح ایسے ہوگا کہ ہر شخص دودھ کا ایک لوٹا بھر کے یا کوئی ایک برتن بھر کے وہ اس میں ڈالے اور حساب دان بتا رہے ہیں کہ ہمارے ملک میں اتنا دودھ ہے کہ اس دن اگر لوگ ایک ایک برتن جو پیمانہ اس میں بیان کیا وہ خود استعمال کرنے کی بجائے اس تالاب میں ڈال دیں گے تو دنیا میں پہلی مرتبہ ایک ایسے تالاب کا افتتاح ہوگا جو دودھ سے بھرا ہوا ہو اور جنت کی یاد دلاتا ہو، بڑا خوبصورت خیال تھا اور اعلان ہوا اور یہ معلوم ہوا کہ ہر طرف تیاریاں ہو رہی ہیں لیکن ہوا یہ کہ ہر شخص نے یہی سمجھا کہ ہم بھی تو قوم کا حصہ ہی ہیں سب قوم جب لوٹے ڈالے گی تو اس کی خوشی میں ہم بھی شامل ہوں گے لیکن کیا ضرور ہے کہ ہم بھی لوٹا لے کر جائیں۔ چنانچہ کوئی بھی نہیں گیا اور ہر ایک یہ سمجھتا رہا کہ دوسرے کی خوشیوں میں ہم شامل ہو جائیں گے اور وہ فخر جو ساری قوم کو حاصل ہوگا آخر ہم بھی تو اس کا حصہ ہیں اور اس کا افتتاح ایسے ہوا کہ خالی تالاب تھا نہ پانی کا قطرہ نہ دودھ کا قطرہ۔

تو سوچیں ایک ہی طرح کی ہوں مگر ذرا سی کروٹ بدلیں تو اچھی سوچیں بری سوچوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں، اچھے نتائج کی بجائے مضحکہ خیز نتائج ہاتھ آتے ہیں تو اس پہلو سے بعض ایسی سوچیں ہیں جن کا ہر فرد کے ساتھ گہرا تعلق ہے اور اجتماعی نیکیوں میں یہ بہت ہی اہم معاملہ ہے۔ ہر فرد کو اپنا حصہ ضرور ڈالنا ہے اور اس پہلو سے آپ سوچیں کہ آپ نے اس سال میں اپنا حصہ کیا ڈالا تھا۔ کسی پہلو سے آپ کو خوشخبری ملے گی، آپ کہیں گے ہاں الحمد للہ پہلے مجھے مالی قربانی کی توفیق ملا کرتی تھیں اب یہ مل گئی کسی اور پہلو سے بھی آپ کو خوشخبری مل سکتی ہے کہ میں پہلے نمازیں کم پڑھتا تھا اب میں پڑھنے لگ گیا ہوں چنانچہ اسی خوشی میں وقتاً فوقتاً لوگ مجھے بھی شامل کرتے رہتے ہیں۔ ایک صاحب نے لکھا کہ پہلے میں نماز سے غافل تھا آپ کا فلاں خطبہ دہرایا جا رہا تھا وہ سنا اور اس کے بعد میرے دل پر ایسا اثر ہوا کہ اسی وقت نماز شروع کر دی اور اس کے بعد نماز چھوڑنے کا کوئی سوال ہی نہیں رہا۔ تو اس خوشی میں مجھے بھی شامل کرتے ہیں مگر ہر فرد کا کام ہے کہ عبادت میں شامل ہو پھر اجتماعی طور پر قوم عبادت کرنے والوں کی ایک جماعت بن جاتی ہے جس قوم کا ہر قطرہ یعنی

ہر ذرہ، ہر جزو، خدا کی عبادت سے سرشار ہو، اس کی اجتماعی شان بہت بلند ہو جاتی ہے اور اس کی دعاؤں کی قبولیت کا مرتبہ بھی بہت اونچا ہو جاتا ہے۔ پس اس پہلو سے جب میں یہ کہہ رہا ہوں تو یہ مراد نہیں کہ ساری جماعتیں سوچیں کہ اس دفعہ ہم نے وقف جدید کا چندہ کتنا دیا تھا، تحریک جدید کا چندہ کتنا دیا تھا، دیا تو تھا مگر سب نے ویسا نہیں دیا بعضوں نے کم دیا مگر بڑی قربانی کے ساتھ دیا۔ بعضوں نے زیادہ دیا مگر کم قربانی کے ساتھ دیا، اس لئے یہ اجتماعی سوچ کا محل ہی نہیں ہے کہ اجتماعی طور پر غور ہو سکے۔ یہ انفرادی سوچ کا محل ہے، انفرادی سوچ کی باتیں ہیں۔ ہر شخص کے لئے لازم ہے کہ اپنا جائزہ لے اور پھر خود ہی نتائج اخذ کرے، کسی اور کو نہ بتائے اگر کمزوریاں ہیں تو اپنے تک محدود رکھے اللہ تعالیٰ سے پردہ پوشی چاہے اور خدا کے حضور ہی اپنی عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے پردہ پوشی کی بھی دعا کرے اور آئندہ ان بدیوں سے بچنے کے لئے بھی توفیق مانگے۔

پس یہ جو لمحات ہیں سال کے آخر کے، یہ انہی سوچوں میں صرف ہونے چاہئیں اور میں امید رکھتا ہوں کہ اگر واقعۃً فرد جماعت ان اہم پہلوؤں سے جن میں سے چند کی میں نے نشان دہی کی ہے اپنا جائزہ لیں تو آئندہ سال کیلئے جماعت کو بہت سے ایسے کارکن مہیا ہو جائیں گے جو پہلے مہیا نہیں تھے۔

اب تبلیغ کا معاملہ ہے میں نے بارہا توجہ دلائی ہے کہ ابھی تک بھی میرے نزدیک جماعت کی اکثریت ایسی ہے جو داعی الی اللہ نہیں بن سکی، ابھی تمنائیں دلوں میں کروٹ لے رہی ہیں اور زمین تیار ضرور ہو رہی ہے، وہ نظر آرہا ہے لیکن ابھی اس قابل نہیں ہوئے کہ وہ کہہ سکیں کہ ہاں ہم نے بھی حصہ ڈال دیا۔ پس ان باتوں کو بار بار یاد کرانے کے نتیجے میں جو انسان کا شعور بیدار ہوتا ہے اور خود اپنی نگرانی کرتا ہے اور اس کے اندر سے ایک نصیحت کرنے والا میسر آجاتا ہے پھر وہ نصیحت ضرور فائدہ پہنچاتی ہے۔

میں نے بارہا اس مضمون پر غور کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو جو اللہ نے فرمایا فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى (الاعلیٰ:10) کہ نصیحت کر نصیحت ضرور فائدہ پہنچاتی ہے۔ اس میں بہت سی حکمتیں مجھے ہر دفعہ دکھائی دیں اور خاص طور پر آنحضرت ﷺ کے حوالے سے یہ مضمون سمجھ آتا ہے ورنہ نہیں آتا۔ ایک اور حکمت جو مجھے اس میں دکھائی دی، جس کا پہلے میں ذکر نہیں کر سکا وہ یہ ہے کہ وہ ناصح جس کی نصیحت پہلے اس پر کارگر ہو، اس کی نصیحت دوسروں پر ضرور کارگر ہوتی ہے۔ وہ ایک عالم باعمل بن جاتا ہے جو بات کہتا ہے وہ کرتا ہے اور جو کرتا ہے اس کی باتوں میں ایک عظیم طاقت پیدا

ہو جاتی ہے۔ پس آنحضرت ﷺ سے جو وعدہ ہے، وہ ہر اس شخص کی ذات میں پورا نہیں ہوگا جو ان صفات میں جو ایسی نصیحت کے لئے ضروری ہیں حضور اکرم ﷺ کی سنت کی پیروی نہیں کر رہا۔ پس ادنیٰ سوچ کے ساتھ، ایک سرسری فکر کے ساتھ جب آپ قرآن کا مطالعہ کرتے ہیں تو بسا اوقات دل میں اعتراض اٹھتے ہیں کہ یہ اللہ نے کیا کہہ دیا ہے، فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ہم تو نصیحتیں کرتے ہیں ہمارے بچوں پر بھی کوئی اثر نہیں ہوتا۔ تو یہ کیا قانون ہے کہ نصیحت کر، ضرور اثر ہوگا؟

آنحضرت ﷺ کی نصیحت ضرور اثر کرتی تھی اب یہ الگ مسئلہ ہے کہ بعض دفعہ وہ نصیحت کا اثر فوراً دکھائی دینے لگتا ہے بعض دفعہ دلوں میں کچھ تحریکات پیدا کر دیتا ہے جن کے پوری طرح پنپنے اور اپنے اندرونی لحاظ سے پختگی حاصل کرنے میں ایک وقت لگتا ہے لیکن کچھ استثناً بھی ہیں۔ ان استثنأت کا بھی اللہ تعالیٰ نے ذکر فرما دیا ہے اور وہ یہ ہیں سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۞ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ؗ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (البقرہ:8) کہ اے محمدؐ! تیری نصیحت اثر تو کرتی ہے اور ضرور کرے گی مگر ان دلوں پر کرے گی جن پر ابھی تالے نہیں پڑے ان دلوں پر پڑے گی جن پر اللہ کی مہر نہیں لگی۔ ان پر نصیحت اثر کرے گی جو یہ فیصلہ نہیں کر چکے کہ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ کہ فیصلہ ہے ہم نے ایمان نہیں لانا۔ ان لوگوں کے لئے تیری نصیحت برابر ہے جنہوں نے ایمان لانا ہی نہیں ان کو چاہے سنائے چاہے نہ سنائے ان کے لئے برابر ہے تو یہ استثناء بھی ہیں مگر ان کا ذکر اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرما دیا ہے۔ ان استثنأت کو چھوڑ کر یہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی تذکیر ہی تھی آپؐ کا ذکر کرنا ہی تھا اور آپؐ کا نصیحت کرنا تھا جس نے دیکھتے دیکھتے عرب کی کایا پلٹ دی، ایک عظیم روحانی انقلاب برپا ہوا۔

پس اس پہلو سے ہمیں بھی آنحضرت ﷺ کی نصیحت کے انداز سیکھنے چاہئیں اور آج کی اس گھڑی میں آپ کو یہ بتا رہا ہوں کہ حضرت رسول اکرم ﷺ کی نصیحت میں جو طاقت پیدا ہوئی ہے میں نے غور سے یہ مضمون بھی سیکھا ہے کہ اس لئے تھی کہ آپؐ سب سے پہلے مذکر تھے اور اپنے نفس پر آپؐ کی نصیحت کو پورا غلبہ حاصل تھا۔ ایک ایسا قوی غلبہ تھا کہ نفس کی مجال نہیں تھی کہ محمد رسول ﷺ کی اندرونی نصیحت کے خلاف ایک ادنیٰ سی سوچ بھی سوچ سکے۔ جب یہ طاقت انسان کو نصیب ہو جاتی

ہے تو غیروں پر بھی طاقت عطا ہوتی ہے۔ یہ محض کوئی فرضی بات نہیں ہے۔ نفسیاتی لحاظ سے ایک طے شدہ، ثابت شدہ حقیقت ہے۔ وہ لوگ جو مسمریزم سیکھنے کی کوشش کرتے ہیں، جو علم طب میں دلچسپی رکھتے ہیں وہ اگر مطالعہ کریں یا ان کو اچھا استاد میسر آئے تو وہ لازماً ان کو یہ بتائے گا کہ پہلے اپنی Will کو، اپنے فیصلے کی طاقت کو اپنے نفس پر جاری کرنے کی کوشش کرو اور اس کی ورزش کرو ذہنی طور پر۔ اگر نہیں کرو گے تو تمہیں غیروں کے دماغ پر اثر انداز ہونے کی کوئی طاقت نہیں ملے گی اور اسی طرح Will Power کو تقویت دی جاتی ہے۔ اس کے بغیر آپ گھر بیٹھے جو مرضی کریں اور آپ کا نفس آپ کی بات مانے گا ہی نہیں بلکہ آپ اس کے زیر نگیں چلتے رہیں اور پھر سوچیں کہ میں سوچوں گا فلاں آدمی یوں کرے تو یوں کرنے لگ جائے گا یہ محض احمق کی خواب ہے اس سے زیادہ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

پس فَذَكِّرْ إِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى میں جس ناصح کا ذکر ہے وہ ہر شخص کے اندر موجود ہے اور میں اس ناصح کو مخاطب ہوں۔ ہر احمدی کے اس ناصح کو مخاطب ہوں جس سے نصیحت کے سفر کا آغاز ہونا ہے۔ پس نئے سال کے سفر میں داخل ہونے سے پہلے اپنے اس ناصح کو بیدار کریں اور اگر ہر آدمی کرے تو اس کو غیر معمولی طاقتیں عطا ہوں گی۔ یہ میں جانتا ہوں خدا تعالیٰ نے انسانی فطرت کو اسی طرح بنایا ہے اور خدا تعالیٰ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں۔ جہاں قرآن کریم نے انسان کے اللہ کی فطرت پر پیدا ہونے کا ذکر فرمایا ساتھ ہی یہ فرمادیا کہ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ (الروم:31) اللہ نے جو کچھ کردیا ہے اس میں تم کبھی تبدیلی نہیں کر سکتے۔ پس اس بنیادی اصول کو اپنے پلے باندھ لیں کہ پہلے آپ نے اپنے نفس کی تسخیر کرنی ہے۔ اپنے نفس کے اندر موجود ناصح کو جگانا ہے، اس کو اپنے نفس پر غلبہ عطا کرنا ہے اور جب اس کو آپ یہ سکھادیں اور یہ توفیق مل جائے جو دعاؤں کی مدد کے بغیر نصیب نہیں ہوسکتی تو پھر اللہ کے فضل کے ساتھ آپ کے اندر سے ایک ایسی قوی شخصیت بیدار ہوگی کہ اسے لازماً ماحول پہ غالب آنا ہے اور اس ایک نصیحت پر عمل پیرا ہونے کے نتیجے میں جو قرآن سے ہم نے سیکھی اور حضرت محمد ﷺ کی ذات میں اس نے عظیم جلوہ دکھایا ہے ہم اس جلوہ محمدؐ کو سب دنیا پہ عام کر سکتے ہیں۔ جب ہم دعائیں کرتے ہیں اے اللہ محمد رسول اللہ ﷺ کا جلوہ عام کر تو وہاں بھی یہ سوچنے کی بات ہے کہ اس جلوہ کو عام کرنے میں ہم نے اپنے نفس کے کون سے حصے کو چمکایا ہے کہ وہ شیشے کی طرح جلوہ محمد مصطفیٰ ﷺ کا، کوئی لشکارہ، کوئی اس کی چمک دنیا کو دکھادے۔ جب

تک رخ محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف رہے گا آپ کے دل میں وہ شفاف آئینہ ہوگا جو اس چمک کو لیتا ہے ایک زاویے سے دوسروں پر بھی وہ روشنی ڈالتا ہے اس وقت تک آپ کی یہ دعا درست، آپ کی یہ تمنائیں اچھی، اے اللہ! محمد رسول اللہ ﷺ کا جلوہ سب دنیا کو دکھا دے۔ اگر یہ نہیں اور اس کے لئے باشعور کوشش بھی نہیں ہے تو فرضی باتیں ہیں، ان فرضی باتوں میں تو ساری دنیا مبتلا ہے۔ عالم اسلام دیکھیں کس امید پر بیٹھا ہوا ہے محض ان فرضی خیالوں میں کہ اسلام نے ضرور غالب آجانا ہے۔ غالب آنے سے پہلے اسلام جوان سے قربانی چاہتا ہے۔ جوان سے تبدیلیاں چاہتا ہے ان کی طرف کسی کو کوئی خیال نہیں آپ ہی آپ غالب آجائے سال کے بعد سال گزر جاتا ہے۔ پس میں چاہتا ہوں کہ احمدی سال اس طرح نہ گزریں۔ ہر سال چند ایسے لمحات میں سے گزر کر آگے سفر شروع کرے جو اپنے نفس کے محاسبے کے لمحات ہوں اور بڑی دیانتداری اور خلوص کے ساتھ انسان اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور پھر کچھ ارادے باندھے اور ان ارادوں کا زادِ راہ لے کر اگلے سال میں داخل ہو۔ ہماری تو یہ سوچیں ہیں، ہمارے تو یہ ارادے ہیں۔ دعاؤں کے ساتھ نیکیوں کا زادراہ لے کر آگے بڑھتے ہیں، بڑھتے رہیں گے۔

بدقسمتی سے ہمارے غیر بھی کچھ ایسے ہیں جو ہر سال بدارادے باندھتے ہیں۔ ہمارے سفر محبت کے سفر ہیں اور ہمارا زادِ راہ محبت کا زادراہ ہے۔ ان کے سفر بدی کے سفر ہیں اور محض دوسرے کو تکلیف پہنچانا، عذاب دینا، کسی طرح ان کے لئے ہلاکت کے سامان پیدا کرنا، یہ سوچیں لے کر وہ نئے سالوں میں داخل ہوتے ہیں اور انہی سوچوں کے ساتھ پھر وہ جماعت کو چیلنج دیتے ہیں کہ دیکھو یہ سال کس کا بنتا ہے۔ 1994ء کے حوالے سے بھی بہت کچھ ایسا ہوا لیکن یہ لمبے تذکرے ہیں، مختصر شاید میں چند باتیں بیان کرسکوں اور باقی مضمون ایسا ہے جو ہر سال جلسہ سالانہ پر جو آخری تقریر ہے اس میں یا درمیانی تقریر میں یہ مضمون بار بار یعنی جاری مضمون کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

لیکن سب سے پہلے میں یہ پسند کروں گا کہ آج سے سو برس پہلے جو 1894ء تھا اس کے نقوش پر غور کر کے آپ کو بتاؤں کہ اس سال کے کیا اہم نقوش تھے اور یہ وہ دوسرا حصہ ہے یعنی اجتماعی سوچ کا۔ اس لئے مضمون قطع کر کے میں اس حصے میں داخل ہو رہا ہوں۔ شروع میں ہی میں نے آپ کو سمجھایا تھا کہ دو طریق سے سالوں کے جوڑ منائے جاتے ہیں۔ ایک انفرادی طور پر جو میرے نزدیک زیادہ اہم ہے اور دوسرا اجتماعی طور پر۔ اب اجتماعی موازنے کے طور پر میں آپ کے سامنے

کچھ مثالیں رکھتا ہوں کہ سب سے پہلے تو ہمیں سوچنا چاہئے کہ سو سال پہلے اس مقدس دور میں، جس نے آج کے دور کی بناڈالی اور آئندہ سب ادوار کی بناڈال چکا ہے، کیا ہوا تھا؟ وہ سال کیسے گزرا تھا؟ اس سال کے اہم امور یہ ہیں کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو 1894ء میں بعض بہت ہی اہم اور بہت دور رس اثر رکھنے والی تصنیفات کی توفیق ملی اور خصوصیت کے ساتھ عرب دنیا کو آپؑ نے اس سال میں مخاطب فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے عرب دنیا میں اس کے نتیجہ میں لبیک کہنے والے بھی بڑے عظیم پیدا کئے اور 1894ء کا یہ سال اس پہلو سے اتنی اہمیت رکھتا ہے کہ مؤرخ احمدیت مولوی دوست محمد صاحب نے جب اس سال کا موازنہ کیا تو سب سے نمایاں چیز ان کو یہی محسوس ہوئی کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عربوں میں نفوذ اگر کسی ایک سال سے وابستہ کیا جاسکتا ہے تو وہ 1894ء ہے اور عجیب بات ہے کہ جماعت احمدیہ عالمگیر کا آج 1994ء بھی اس پہلو سے نمایاں ہے۔

اور خدا تعالیٰ نے جو ہمیں MTA جاری کرنے کی توفیق عطا فرمائی یہ بھی اس سال کا پھل ہے۔ 7/جنوری 1994ء کو یہ عالمی پروگرام جاری ہوا ہے اور اسی سال اسی پروگرام کی برکت سے اس کثرت سے عربوں کی توجہ احمدیت کی طرف ہوئی ہے کہ معلوم ہوتا ہے ہمارے مخالفین پر ایک زلزلہ آگیا ہے۔ بار بار سعودی عرب کے گزٹ اور ان کے اخبارات اس بات کو اچھال رہے ہیں اور ایک اخبار تو یہ لکھتا ہے کہ اب فوراً حرکت کرو جس تیزی سے احمدیت کا نفوذ پھیل رہا ہے اور عربوں پر خصوصیت سے اثر انداز ہے اگر ہم نے آج کارروائی نہیں کی تو پھر یہ بہت لیٹ ہو جائے گا۔

وہ الفاظ یہ ہیں سعودی گزٹ 27/جون 1994ء یہ چھ مہینے کی بات ہے اس کے بعد بہت پانی آگے گزر چکا ہے۔ یہ میں جون کی بات بتارہا ہوں۔ ابھی انہوں نے جولائی میں ظاہر ہونے والی بیعتیں نہیں دیکھی تھیں اور گھبراہٹ کا اور پریشانی کا یہ عالم تھا وہ لکھتے ہیں:

It is now time that we stop talking about countring the Kufr propeganda of Mirza Ghulam Ahmad's devient followers and establish a globel Islamic T.V. Broadcast Station without delay.

جوانہوں نے بغض کا اظہار کرنا تھا وہ تو کرنا ہی تھا ''نقل کفر کفر نہ باشد''۔ مطلب یہ ہے کہ ہمیں گالیاں دیتے ہوئے ساتھ ساتھ یہ کہہ رہا ہے کہ اب وقت آ گیا ہے کہ اب ہم باتیں ختم کریں اور عملی اقدام کرتے ہوئے جماعت احمدیہ کے عالمگیر پروپیگنڈا کے توڑ کے طور پر ایک عالمگیر اسلامی ٹیلی ویژن سٹیشن قائم کریں، ٹیلی ویژن نظام جاری کریں، یہ کہنے کے بعد کہتے ہیں Now not Later اب ہو یہ۔ اب کے بعد نہیں Later may be too late دیر ہوگئی تو پھر بہت دیر ہو چکی ہوگی۔ Already it is too Late اب تم کچھ نہیں کر سکتے۔

1894ء میں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو توفیق ملی کہ عرب دنیا کو مخاطب ہوں ہمارے پاس تو وہ چارہ نہیں تھا، وہ ذرائع نہیں تھے، اس زمانے میں تقویٰ کا معیار بہت بلند تھا اور زبردستی لٹریچر کی راہ میں کوئی روک نہیں ڈالی جاتی تھی ہر قسم کی کتاب ہر جگہ پہنچ جاتی تھی، ہر ایک کو آزادی تھی۔ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (البقرہ:257) کا منظر دکھائی دیتا تھا۔ علماء بھی شوق سے اپنی مخالف آراء کو سنتے ان میں دلچسپی لیتے اور اگر اتفاق نہیں کرتے تھے تو جوابی کارروائی کیا کرتے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو عربی زبان میں کتب شائع فرمائیں تاریخ میں لکھا ہوا ہے کہ بعض کتب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمام عرب دنیا میں مفت تقسیم کروائی ہیں لیکن آج ان کو قیمتاً بھی وہاں لینا چاہے تو اس کو اجازت نہیں، رستے کی روکیں ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے سالوں کی مماثلت تو معلوم ہوتا ہے دکھانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اب ان بے چاروں کی کیا طاقت ہے کہ خدا کے ارادوں کی راہ میں روک ڈالیں۔ وہ رستے کی Tarif کی پابندیاں سطح زمین پر چلتی ہیں یا ہوا میں اڑیں تو وہاں پہنچ کر زمین کے رستے سے داخل ہوتی ہیں ان پر تو انہوں نے پہرے بٹھا ہوئے تھے۔ اب آسمان پر کیسے پہرے بٹھاتے، اب اللہ نے یہ پیغام آسمان سے اتارنا شروع کیا ہے اور عرب اس کثرت سے دلچسپی لے رہے ہیں کہ بعض دفعہ ان کے پیغام سن کر آدمی حیران رہ جاتا ہے کہ یہ واقعہ ہو گیا، ہماری توقعات سے بہت بڑھ کر ہے۔ سوالات بھی آنے شروع ہو گئے ہیں دلچسپیوں کے اظہار، مختلف طریق پر، ہمارے پروگراموں کے مطالبے کر رہے ہیں رسائل کہ ہمیں بھیجو تا کہ عربوں کی بڑھتی ہوئی دلچسپی کے تقاضے پورے کر سکیں۔ بعینہٖ یہی درخواست لکھی ہوئی ہمارے دفتر میں موجود ہے، فون پر بھی ان صاحب کی نصیحت آئی۔ ایک بڑے رسالے کے مالک بھی ہیں اور

ایڈیٹر بھی، وہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں پہلے ہی علم تھا حالانکہ پہلے علم نہیں تھا۔توقع تھی، علم نہیں تھا۔ کہتے ہیں جیسا کہ آپ کو علم ہوگا دن بدن عربوں کی دلچسپی MTA میں بڑھتی چلی جارہی ہے اوراس دلچسپی کو پورا کرنے کی خاطر ہم نے ضروری خیال کیا ہے کہ آپ کے آئندہ کے پروگرام شائع کیا کریں اس لئے مہربانی فرما کر ہمیں اجازت بھی دیں اور پروگرام بھی بھیجیں۔اس وقت تو مجھے خیال نہیں تھا میں نے آج کے خطبے کے لئے تاریخ کے اس سال کے واقعات کھنگالے تو پھر مجھے سمجھ آئی کہ یہ کیا واقعہ ہوا تھا۔

یہ MTA کا اس سال جاری ہونا اور پھر عربی پروگراموں کے پیش کرنے کی توفیق پانا اور ہمارے عزیز بزرگ دوست حلمی شافی صاحب کو خدا تعالیٰ نے دل میں یہ تحریک ڈالی کہ وہاں بیٹھ کر اب ترجموں وغیرہ کی خدمت نہ کرو، یہاں پہنچ کر کرو، انہوں نے اپنی ساری زندگی پیش کر دی اور یہ سارے واقعات اسی سال کے ہیں اور جس چیز کی ہمیں ضرورت تھی کہ ایک اچھا عربی دان، عالمِ دین پاس بیٹھا ہو اور ترجمے بھی اچھے کر سکے وہ مہیا ہو گیا۔اب خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ عبدالمومن صاحب کو بھی اللہ تعالیٰ نے توفیق دی کہ رواں ترجمے جو اردو سے کرنے پڑتے ہیں وہ کر دیں۔تو یہ سارے سامان وہی ہیں جو دراصل گزشتہ ایک سو سال پہلے کے 1894ء کے سال کی یاد دلاتے ہیں۔تو اجتماعی طور پر خدا تعالیٰ ہمیں توفیق بخش رہا ہے اور بہت سے ایسے اللہ تعالیٰ کے احسانات ہیں جن کا جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے وقت کی کمی کی وجہ سے تفصیلی تبصرہ تو ممکن نہیں لیکن کچھ نہ کچھ کا میں اشارۃً ذکر کروں گا یا کچھ نسبتاً تفصیل سے بھی۔

وہ سال جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام کامیاب سالوں میں ایک پہلو سے نمایاں خصوصیت رکھتا تھا بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں نہیں بلکہ حضرت محمد مصطفی ﷺ کے عالمی اور دائمی دور میں ایک اہم حیثیت رکھتا تھا۔وہ سال تھا جس سال چاند سورج نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی پیشگوئی کی صداقت کو ظاہر کیا اور ثابت کیا اور اس کے ثبوت کے طور پر حضرت مہدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وجود دکھا دیا کہ یہ وہی مہدی ہے جس کی پیشگوئی اصدق الصادقین محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمائی تھی۔پس 1894ء کا سال اس پہلو سے ایک زندگی کا محض اہم سال نہیں رہتا بلکہ ایک دور کا اہم ترین سال بن جاتا ہے۔ایک ایسے دور کا جس نے ختم نہیں ہونا۔اس پہلو سے 1994ء میں بھی اللہ تعالیٰ نے جماعت کو ایسی توفیقات عطا فرمائی ہیں جو آئندہ ایک

عظیم دور کی خوشخبریوں کا پیش خیمہ بنیں گی اور یہ MTA کا جو اجراء ہے، با قاعدہ سات جنوری کو ہوا میں سمجھتا ہوں انہی انعامات میں سے ایک اہم انعام ہے اور اس کا چاند سورج کی گواہی سے تعلق ہے اور بہت گہرا تعلق ہے۔

بعض دفعہ ایک انسان اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے ایک ایسی بات (جس کی تفصیل ذہن میں حاضر نہیں ہوتی ، نہ انسان اس وقت سوچ سکتا ہے) مگر منہ سے کلمے ایسے نکل جاتے ہیں جو پورے ہوتے ہیں تو اس وقت کہنے والا بھی حیرت سے دیکھتا ہے کہ یہ کیا بات میرے منہ سے نکلی اور اللہ تعالیٰ نے کیسے پوری فرما دی۔ اس کے متعلق کئی، ایک دفعہ نہیں بارہا ایسے واقعات ہو چکے ہیں مثلاً ایک متکبر شخص کے متعلق اپنی ایک نظم میں میں نے کہا تھا کہ:

ع خدا اڑا دے گا خاک ان کی (کلام طاہر:۲۳)

بگولے اٹھے ہیں خاک کے ہمیں مٹانے کے لئے اللہ ان کی خاک اڑا دے گا، ان کا نشان نہیں ملے گا، اور وہ شخص اسی طرح بگولوں میں اڑنے والی خاک بن گیا اور امریکہ سے مجھے کسی نے لکھا کہ آپ کی تو توجہ نہیں گئی ہوگی مگر میں نے جب اس شعر کو پڑھا اور اس واقعہ کو دیکھا تو بالکل یوں لگتا تھا جیسے خدا تعالیٰ نے آپ کے منہ سے یہ بات کہلوائی ہے عین اس واقعہ پر چسپاں ہونے والی بات ہے تو اس قسم کے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔

ربوہ میں جب شروع شروع میں مخالفت کا بہت جوش اٹھا تو اس وقت میں نے مولویوں کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ دیکھو تم بعض رستے بند کر سکتے ہو زمین پر جب خدا نے یہ فیصلہ کیا کہ آسمان سے تمام دنیا پر بارشیں برسائے گا پھر تمہاری چھتریاں کیسے اس کو روک سکیں گی۔ کیسے تمہاری چھتریاں ان فضلوں کو بندوں پر گرانے کی راہ میں حائل ہو جائیں گی فضل جب آسمان سے گرتے ہیں اور خدا اتارتا ہے اور عالمگیر فضل اتارتا ہے تو ظاہر بات ہے کہ دنیا میں کسی کو طاقت نہیں کہ ان کو روک سکے، ان کی راہ میں حائل ہو سکے۔ مگر اس وقت میں پاکستان کا بھی کہہ سکتا تھا بغیر دنیا کے حوالے سے یہ بات کر سکتا تھا وہ وقت ایسا تھا جب خود بخود میری زبان پر یہ الفاظ زور کے ساتھ جاری ہوئے کہ وہ وقت جب ساری دنیا میں خدا فضلوں کی بارشیں برسائے گا تو ان آسمان سے اترے ہوئے فضلوں کی راہ تم کیسے روک سکو گے یہ کوشش بے کار ہے اس کو چھوڑ دو، تمہیں چارہ نہیں ہے کہ یہ کام کر سکو۔ اب

MTA جب اتری ہے تو تب سمجھ آئی ہے کہ ساری دنیا میں اسی سال 1994ء ہی میں یہ آسمان کی گواہیاں اتر رہی ہیں جیسے چاند سورج کی گواہی آسمان سے اتری تھی اور دوبارہ اس گواہی کو لے کر پھر خدا کے فضل اترنے شروع ہوئے۔ پس یہ خدا کی کائنات کے عجیب اسرار ہیں۔ ان کو لطیف نگاہوں سے دیکھیں تو انسان اور بھی زیادہ لطف اندوز ہوتا چلا جاتا ہے اور یہ مولویوں نے پتا کیا کہا تھا؟ انہوں نے کہا تھا 1994ء کا سال احمدیوں کے لئے موت کا سال ہے۔ چھٹی۔ کہتے ہیں مرزا طاہر کو عادت پڑی ہوئی ہے پاگلوں والی باتیں کرتا رہتا ہے، بڑے دعوے کر رہا ہے کہ ہم نے یوں کیا اور اس سال ہم یوں کریں گے۔ ہم بتاتے ہیں کہ یہ سال کیا ہونا ہے۔

نائب ناظم صاحب مرکزی مبلغ مجلس تحفظ ختم نبوت کہتے ہیں قادیانیو! آئین کو تسلیم کرلو پاسداری کرو قانون کی۔ (یعنی اللہ کا قانون دفع کرو۔ چھوڑو پرے، ہمارا قانون مانو اور خدا کے قانون کے باغی ہو جاؤ۔ یہ مضمون ہے) ورنہ 1974ء میں مرزائیت کو ایک ضرب لگی پھر 84ء میں امتناع قادیانیت کے ذریعے قادیانی زخمی ہوا اب 94ء ہے اور یہ قادیانیت کے خاتمہ کا سال ہوگا۔ 94ء ایک دن باقی رہ گیا ہے اور یہ دن بھی خوش خبریاں لے کر آئے گا۔ کوئی دن ایسا نہیں گزرا اس سال کا جو نئی سے نئی خوش خبریاں لے کر نہ آیا ہو اور ان منحوسوں کی ہر بات جھوٹی نکلی ایک ایک لفظ جھوٹا ہوا اور یہ بھی انہوں نے ایک شیوہ بنالیا ہے۔ ایک دفعہ ایک مولوی اٹھ کے کہتا ہے کہ اگلے سال مرزا طاہر مر جائے گا اور دوسرے سال دوسرا مولوی کہتا ہے کہ میں پیشگوئی کر رہا ہوں، تیسرے سال تیسرا مولوی۔ سکیم یہ بنائی گئی ہے کہ کسی سال تو اس نے مرنا ہی ہے تو جس سال مرا اس سال کا مولوی اور اس کے سارے ساتھی سچے ہو گئے۔ وہ بیسیوں جھوٹے جو بد بخت پیچھے رہ جائیں گے ان کا کیا بناؤ گے۔ یہی پیشہ انہوں نے مسیح موعود علیہ السلام کے زمانے میں بھی اختیار کیا ہوا تھا اور حیرت انگیز طریق پر اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ان کے مکر و فریب کے جال سے نکال لیا۔

ایسا عجیب واقعہ ہے عبدالحکیم کی پیشگوئی سے متعلق کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے مولوی تو اس کو پیش کرتے ہیں کہ دیکھو مرزا صاحب جھوٹے نکلے اس نے کہا تھا عبدالحکیم نے کہ یہ 1908ء کا جو سال ہے اس میں مر جائے گا اور یہ واقعہ ہوگا اور دیکھ لو 1908ء میں مر گیا اب اور کیا چاہتے ہو۔ حالانکہ اس سے پہلے سالوں کا دیکھو ہر سال یہی کہا کرتے تھے مولوی کبھی عبدالحکیم نام کا کبھی کسی

دوسرے نام کا۔ ہر سال حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی موت کی خبریں شائع کر رہے تھے تو یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی بندہ مولویوں کی وجہ سے غیر فانی ہو جائے اور اس کو خدا بنا بیٹھے۔ یہ تو ناممکن ہے، ہر شخص نے مرنا تو ہے ہی لیکن اللہ نے جس طرح اس کو جھوٹا کیا وہ حیرت انگیز بات ہے۔ اس کے منہ سے پہلے یہ پیشگوئی نکلی اس کے قلم سے یہ پیشگوئی شائع ہوئی جس سے پتا چلتا تھا۔ مئی کا مہینہ گزرے گا نہیں جب یہ شخص فوت ہو جائے گا۔ اب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اجل مسمیٰ مئی ہی میں تھی۔ 26/مئی مقرر تھی۔ اب خدا کوئی تقدیر نہ فرماتا تو دیکھیں کتنا بڑا طوفان بے تمیزی برپا ہوتا۔ اس تحریر کے کچھ دیر بعد اس نے کہا کہ نہیں نہیں غلط ہوگئی خدا نے فیصلہ بدل لیا ہے۔ وہ مئی میں نہیں مرے گا بلکہ اکتوبر میں مرے گا یا کچھ اور مدت آگے بڑھا دی اور پہلی پیشگوئی کی تردید کر کے پھر دوسری پیشگوئی میں داخل ہوا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد ''پیسہ اخبار'' نے جو مسیح موعودؑ کا دشمن تھا بڑی حسرت سے کہا کاش عبدالحکیم یہ ترمیم نہ کرتا۔ اس سے ان سب کی ذہنیت کا بھی پتا چلا کہ یہ انسانی پیشگوئیوں کا حضرت مرزا صاحب کی پیشگوئیوں سے مقابلہ چاہتے تھے۔ ترمیمیں بندوں کے ہاتھ میں تھیں، ان کے نزدیک بندے کی مرضی ہے جب چاہے پیشگوئی میں ترمیم کر دے۔ لیکن بعض ترمیمیں خدا کے ہاتھ میں ہوتی ہیں اور یہ ترمیم بھی عبدالحکیم کے ہاتھ میں نہیں تھی خدا کے ہاتھ میں تھی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خود ہی قریب وصال کی خوشخبری دے دی تھی۔ خوشخبری ان معنوں میں کہ اپنے اللہ سے جو لقاء کا خاص موقع ہوتا ہے وفات کے وقت وہ میسر آنا تھا لیکن بہر حال ایک غم کا موقع ہوتا ہے وفات۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کثرت الہامات سے یہ بات سمجھ آ گئی تھی کہ یہ سال آپؑ کے وصال کا سال ہے لیکن اس کے باوجود اللہ پر توکل کرتے ہوئے مباہلے سے بھی باز نہیں آئے اور ہر قسم کے چیلنج دشمن کو دیتے رہے۔ عبدالحکیم سے ایسا ہی ایک تصادم ہوا اور اس نے پیشگوئی جو میں نے بیان کی ہے یہ کر دی اور خدا نے ترمیم کروائی ہے پھر۔ اس کی اپنی ترمیم نہیں تھی ورنہ پاگل کیوں ہو گیا تھا اچانک اس کو کیا خیال آیا کہ مئی سے ارادہ بدل کے خدا نے اکتوبر کا کر دیا یا اس کے بعد کا۔ تو وہ پیشگوئی جس پر لوگ ہنستے ہیں اس میں سب سے زیادہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کے نشان ہیں۔ پس ان لوگوں سے بھی خدا پیشگوئیاں کرواتا ہے

جو جھوٹی نکلتی ہیں لیکن امر واقع یہ ہے کہ ہر انسان نے آخر مرنا ہے۔ یہ مولوی ان میں سے کوئی بھی یہ کہنے کی جرأت نہیں کرتا کہ خدا نے ہمیں بتایا ہے اور یہ فرق ہے اگر خدا نے نہیں بتایا تو جب کوئی مرے گا تو تم کیسے سچے ثابت ہو جاؤ گے لیکن یہاں تو خدا سے تعلق کا معاملہ ہے اگر خدا نے نہیں بتایا ہوا اور بات سچی نکلے پھر درست ہے عبدالحکیم یہ دعوے کر رہا تھا کہ خدا نے بتایا ہے اور چونکہ خدا پر ایک قسم کی ذمہ داری آجاتی تھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عصمت کی حفاظت کرنا تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی دخل فرمایا اور اس کی عقل ماری گئی اور جو اتفاقاً صحیح بات لکھی گئی تھی اپنے ہاتھ سے اس نے اس پر قلم تنسیخ پھیر دیا اس کو قطع کر کے ایک اور بات بنالی۔

مگر امر واقعہ یہ ہے کہ یہ جو مولوی آج کل بول رہے ہیں ان میں دو قسم کے ہیں۔ بعض تو یہ کہہ دیتے ہیں ڈر کے مارے، دل میں کچھ نہ کچھ یہ ڈر ہے کہ کہیں آپ ہی نہ مارے جائیں، یقین جو نہیں ہے۔ اس لئے بعضوں نے احتیاط یہاں تک برتی ہے کہا کہ مجھ پر ابلیس نازل ہوا اور ابلیس نے مجھے بتادیا ہے کہ مرزا طاہر احمد فلاں سال ختم ہو جائے گا اور ظاہر بات ہے کہ ابلیس نے جھوٹ ہی بولنا تھا اور اس شخص نے بھی اگر کوئی سچ بولا تھا تو شاید یہی بولا تھا کہ ابلیس نازل ہوا، ورنہ وہ بڑا ہی جھوٹا آدمی ہے۔ اس کے متعلق سارا کچا چٹھہ کسی وقت نعیم عثمان صاحب پیش کر دیں گے سب کے سامنے، شاید کیا بھی ہو انہوں نے کچھ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے جھوٹ کو دیکھیں کیسے ثابت فرمادیا کہ جو خود جھوٹ بولنے کی خاطر ابلیس کا مظہر بن گیا ہو اس کا باقی کیا رہا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم یہ پیشگوئی کرتے ہیں لیکن خدا کی طرف منسوب نہیں کرتے۔ یہ خدا کی طرف منسوب کریں تو خود مارے جائیں گے اور ہلاک ہوں گے اور ایسے معاملات میں پھر خدا دخل دیتا ہے مگر بعید نہیں کہ یہ سارے ہماری زندگیوں میں ہی دیکھتے دیکھتے حسرتوں سے جان دے دیں کیونکہ مجھ پر یہ گہرا تأثر ہے الہامات کی روشنی میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب کے مطالعہ کی روشنی میں، کہ اس صدی کا آخر ان مولویوں کے لئے بہت بدانجام لے کے آنے والا ہے اور خدا تعالیٰ نے دل میں جو یہ تحریک ڈالی ہے کہ ان چوٹی کے بد بخت علماء کے لئے بد دعا کی جائے تا کہ امت کے لئے وہ دعا بن جائے۔ یعنی ان کے چنگل سے مولویوں سے نجات کی دعا درحقیقت امت کے لئے دعا ہے اگر چہ ان کے لئے بظاہر بد دعا ہے۔ تو یہ بد دعائے خیر ہے ایک۔

جیسے کہا جائے کہ اس شیر کے چنگل سے فلاں بے چارہ زندہ سلامت نکل آئے تو شیر کے لئے بددعا ہی ہوگی لیکن جس معصوم کے لئے اس کے چنگل سے بچانے کے لئے ہے وہ تو دعا ہی بنتی ہے تو انجام کار ایسی دعائیں نیک دعائیں ہوتی ہیں اگر چہ بددعا کی راہ سے کچھ تلخ قدم اٹھا کے گزرنا پڑتا ہے۔ پس اس سال کی آخری گھڑیوں میں اس دعا کو بھی یاد رکھیں، ان کے تفاخر، ان کی بے باکیاں اور اس قسم کی تعلّیاں اللہ تعالیٰ ساری جھوٹی کر کے ان کے منہ پر مارے اور ان کی ساری مرادیں ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور وہ دعا جس کی طرف میں نے توجہ دلائی تھی یہ اس سال بھی جاری رہے گی آئندہ بھی جاری رہے گی اور ایسے آثار میں دیکھ رہا ہوں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دعاؤں کو پایہ قبولیت میں جگہ بخش رہا ہے۔

ایک اور ان کا حوالہ تھا کہ مرزا طاہر احمد نے یہ عجیب بے ہودہ بیان دیا ہے کہ یہ غلبہ احمدیت کی صدی ہے اس کے بعد عجیب وغریب ایک پاگلوں والی منطق ہے جس کی سمجھ آ ہی نہیں سکتی۔ منطق یہ ہے اول تو ان کے عقیدے کے مطابق پندرھویں صدی کا وجود نہیں ہونا چاہئے تھا۔ چونکہ مرزا قادیانی نے چودھویں صدی کو آخری صدی اور خود کو آخری صدی کا آخری مجدد قرار دیا ہے۔ ایسی جاہلانہ بات ہے بالکل برعکس معاملہ ہے۔ یہ مولوی شور مچایا کرتے تھے کہ چودھویں صدی ختم نہیں ہوگی جب تک مہدی نہ آجائے اور ہم کہتے تھے کہ روک کے دیکھ لو اس نے ختم ہونا ہی ہونا ہے۔ یہ بحثیں تھیں ان کی، جھوٹے کی یادداشت نہیں ہوتی۔ اس قدر بے وقوف قوم ہے کہ جو احمدی کہتے تھے وہ اپنا موقف بنا لیا ہے جو وہ خود آپ کہا کرتے تھے وہ احمدیوں کا موقف بنا دیا اور پھر اس الہام یا وحی کے برخلاف پندرھویں صدی آ ہی گئی نا۔ لو بولو اب دیکھیں اس قدر بے ہودہ بکواس، جھوٹ، نہ عقل، نہ کوئی تُک یہ حال ہو گیا ہے ان کی عقلوں کا، مخبوط الحواس ہو گئے ہیں۔ لیکن پھر کہتے ہیں لیکن یاد رکھیں یہ جو صدی گزر رہی ہے یہ صدی قادیانیت کی موت کی ثابت ہوگی اور یہی ڈش انٹینا جس پر یہ اترا رہے ہیں یہ انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکے گا۔ یہ کہتے ہیں، فائدہ نہیں پہنچا سکے گا۔ مکہ مکرمہ سے اعلان ہو رہا ہے کہ بڑے فائدے پہنچا گیا ہے اگر ہم نے کچھ نہ کیا تو بہت لیٹ ہو جائے گا۔ کس کی بات آدمی مانے۔ ہم جانتے ہیں کہ اللہ کے فضل کے ساتھ اتنا عظیم الشان روحانی فائدہ پہنچ رہا ہے تبلیغی، تربیتی اور ہر پہلو سے کہ اس کی آگ لگی ہوئی ہے ان کو جس کی وجہ سے طیش آ رہا ہے۔ جوابی کارروائی کے طور پر کچھ احمدی شہید کر دیئے انہوں نے حال ہی میں کچھ عرصے میں چار پانچ بہت ہی

دردناک شہادتیں ہوئی ہیں لیکن ان کا یہ پھل ہے۔بس اور یہ ارادے لے کر نکلتے ہیں کہ اس سال ہم ان کی کتنی مسجدیں جلائیں گے، کتنی قبریں اکھیڑیں گے اور جتنی قبریں انہوں نے پہلے اکھیڑی تھیں اس سے زیادہ 1894ء میں ایک اکھیڑ بیٹھے ہیں جہاں تک میں نے جائزہ لیا ہے۔اس سال میں انہوں نے زیادہ قبریں اکھیڑی ہیں تو یہ کامیابی ہے؟ مردوں کی قبریں اکھیڑ کر، ان کو بے حرمت کرنے کی کوشش کرنا یہ بدبختی ہے، تو جس کے حصے میں یہ رضائے باری تعالیٰ لکھی ہو کہ اتنی مسجدیں برباد کیں، اتنے آدمیوں کو قتل کیا، اتنے لوگوں کے مال لوٹے، اتنے لوگوں کو اس سزا میں کہ انہوں نے کہا تھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، زدوکوب کیا، مارا پیٹا اور تھانوں میں لے کے گئے اور پھر مقدمے دائر کئے، پھر ہم نے ان کے اس اقرار پر کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سچے ہیں رسول اللہ ﷺ کی ہتک کے الزام میں موت کی پھانسی کا پھندا دکھاتے ہوئے ان پر مقدمے درج کئے کہ یہ تمہارا انجام ہے اور کہو کہ محمد رسول اللہ ﷺ سچے ہیں۔کتنے احمدی ہیں جو پیچھے ہٹے؟ ایک بھی نہیں۔

ابھی حال ہی میں جو انور آباد میں شہادت ہوئی ہے وہ نوجوان تھا، مخلص سندھی اور اس کے گھر لے جا کر بھی، اس کے باہر بھی لوگوں کے سامنے ان کے ساتھیوں کو انہوں نے بار بار کہا کہ توبہ کر لو۔ پہلے تو کہا کہ کلمہ سناؤ انہوں نے کلمہ سنایا، انہوں نے کہا یہ تو ہمارا بھی یہی کلمہ ہے۔انہوں نے کہا کہ تو ہمارا بھی تو یہی کلمہ ہے ہم کیا کر سکتے ہیں۔کہا نہیں پھر دوسرا کلمہ یہ پڑھو کہ مرزا غلام احمد کو گندی گالیاں دو۔انہوں نے کہا ہمیں سکھایا نہیں خدا نے۔تم بدبختوں کے حصے میں تم جو مرضی کرو مگر جو کلمہ خدا نے ہمیں سکھایا نہیں وہ ہم نہیں پڑھیں گے اور اس جرم میں ان کو گولی ماردی ہے۔اب بتائیں آپ یہ کامیابیاں ہیں جن پر فخر کر رہے ہیں اس لئے یہ سال کلیۃً ان کی نامرادیوں کا سال ہے۔

یہ وہ سال ہے جس میں جب سے میں نے ہجرت کی ہے عارضی طور پر، پہلی بار ہے کہ دس نئے ممالک احمدیت کی آغوش میں داخل ہوئے ہیں۔بڑی لمبی فہرست ہے برکتوں کی لیکن وہ انشاء اللہ آئندہ جلسے پر میں پیش کروں گا۔

اب میں آخر پر آپ کو پھر توجہ دلاتا ہوں کہ اجتماعی جائزے بھی پیش ہوتے رہتے ہیں، ہوں گے۔سال میں جہاں بھی جوڑ ڈال لیں وہاں یہ جائزے پیش ہو سکتے ہیں انشاء اللہ۔آئندہ سال میں وسط میں تقریباً جلسہ UK پہ یہ میں تفصیل سے خوشخبریاں آپ کو سناؤں گا **لیکن آخری یاددہانی**

پھر یہی کراتا ہوں کہ جو ہر ذات کا اپنا محاسبہ ہے اس سے زیادہ بابرکت اور کوئی چیز نہیں ہے ہر احمدی جس تک یہ آواز پہنچتی ہے چند لمحے توقف کر کے ٹھہرے، اس غرض سے غور کرے کہ میں نے کیا کھویا کیا پایا اور اس نیت سے غور کرے کہ یہ نہ ہو کہ مجھے زندگی کے آخر پر موت کے لمحوں میں یہ خیال آئے کہ کاش میں ہر سال یہی غور کرتا۔ وہ جو غور ہے وہ بالکل بے کار جاتا ہے جب زندگی کے سال اکٹھا مرتے ہیں تو پھر غور کا وقت نہیں رہتا۔ اب تو ایک ایک کر کے ہمارا سال مر رہا ہے۔ خدا کرے کہ ہر مرنے والا سال ہمارے اگلے سال کو زندہ کر کے مرے اس کے لئے موت کا پیش خیمہ بن کے نہ مرے۔ ان دعاؤں اور اس فکر کے ساتھ ہم اس سال کو الوداع کہتے ہیں اور انشاء اللہ عنقریب اگلے سال میں داخل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ تمام عالمگیر جماعت کو یہ نیا سال مبارک فرمائے۔ آمین

اشاریہ

خطبات طاہر جلد 13

اشاریہ

خطبات طاہر جلد13

احادیث بالمعنیٰ

خَلق

خُلق / اخلاق

ر، ز

غیبت

غیرت

ف،ق

نظام جماعت

حضرت نعمان بن بشیرؓ 257

نعمت

نعیمہ کھوکھر 608

نفرت

نفس